۱۸۵۷ء

شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

کی بارہ قدیم یادگار کتابیں

نیا ایڈیشن

شائع کردہ:

خواجہ حسن ثانی نظامی

خواجہ ہال، درگاہ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

بستی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۱۳

۱۸۵۷ء

شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

کی بارہ قدیم یادگار کتابیں

شائع کردہ

خواجہ حسن ثانی نظامی

خواجہ ہال، درگاہ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

بستی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۱۳

نذر

شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی

ان بارہ کتابوں کو

حضرت سیدہ محمودہ خواجہ بانو نظامیؒ

کی یاد

کی نذر کیا جاتا ہے

جو

حضرت خواجہ صاحب کی شریکِ حیات بھی تھیں

شریکِ کار بھی اور صاحب قلم بھی

زیر نظر بارہ کتابیں خواجہ صاحب نے اپنی شادی کے بعد ہی قلم بند کیں

اور ان کتابوں کے تقریباً سبھی اڈیشن حضرت خواجہ بانوؒ کی نگرانی میں طبع ہوئے

گذرانیدہ

خواجہ حسن ثانی نظامی

شمس العلماء مصور فطرت

حضرت خواجہ سید حسن نظامی دہلوی

ولادت: 2 محرم 1295 ہجری بستی درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نئی دہلی

وفات: 10 ذی الحجہ 1374 ہجری بستی درگاہ حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی

مطابق 31 جولائی 1955ء بعد نماز مغرب تدفین احاطہ خواجہ ہال

والد کا اسم گرامی حضرت خواجہ حافظ سید عاشق علی نظامیؒ

والدہ کا نام حضرت سیدہ چہیتی بیگم نظامیؒ

والدین نبیرگانِ شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ

سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ

فہرستِ مندرجات

پیش لفظ

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کا نام پیدائش کے وقت سید علی حسن نظامی رکھا گیا تھا جوانی تک وہ اسی نام سے جانے جاتے رہے، اس کے بعد شاید اختصار اور انکسار کی خاطر وہ اپنے دستخط صرف ''حسن نظامی'' کرنے لگے۔ خواجہ صاحب کے ننھیال ددھیال دونوں خواجگان چشت کے خانوادوں سے تعلق رکھتے تھے۔ جدِ اعلیٰ حضرت خواجہ سید بدر الدین اسحٰق، حضرت شیخ شیوخ العالم بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے خلیفہ ہی نہیں تھے۔ بابا صاحب کی چھوٹی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہؒ سے منسوب اور دامادی کا شرف رکھنے والے بھی تھے اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ سید محمد امام نظامی کو حضرت سلطان المشائخ کی خلافت کے ساتھ یہ امتیاز بھی حاصل رہا کہ ان کی اولاد کی شادیاں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی ہمشیرہ حضرت بی بی زینب کی اولاد سے ہوتی رہیں اور یہ سلسلہ صدیوں جاری رہا، خواجہ صاحب کے مختصر نام ''سید حسن نظامی'' کے ساتھ ''خواجہ'' کا لفظ علامہ اقبال علیہ الرحمت نے خاندانی نسبت اور ذاتی کمالات کے حوالے سے اس طرح بڑھایا اور ایسا مقبول ہوا کہ وہ عام و خاص سب میں ''خواجہ صاحب'' کے نام ہی سے پکارے گئے۔

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی ظاہری تعلیم اور روحانی تربیت میں بے شماری نامور اساتذہ اور صوفی شیوخ نے حصہ لیا۔ جن میں حضرت مولانا اسمٰعیل کاندھلویؒ، ان کے دونوں بڑے صاحبزادوں حضرت محمد میاں اور حضرت یحییٰ، نیز حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کے نامور پوتے حضرت پیر شاہ الہ بخش تونسویؒ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑہ شریف، حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ بدر الدین پھلواروی، حضرت شاہ سلیمان پھلوارویؒ، حضرت پیر شیر محمد صاحبؒ، پیلی بھیتی اور حضرت

وارث علی شاہ صاحب جیسے اکابر کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ خواجہ صاحب ہمیشہ ان اساتذہ پر فخر کرتے رہے۔ نیز دہلی کے ایک ہندو بزرگ جو آگے چل کر خود خواجہ صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے اور غلام نظام الدین کے نام نامی سے پہچانے گئے۔ ایسے بزرگ تھے جنھوں نے بہ نفس نفیس خود تو تعلیم نہیں دی، لیکن اپنے زمانے کے ہندو وِدوانوں اور روحانی بزرگوں سے خواجہ صاحب کو متعارف کرایا اور خواجہ صاحب کو ویدانت اور قدیم ہندوستانی علوم سیکھنے کی طرف متوجہ کیا اگر مہاراجہ سرکشن پرشاد نظامی صدر اعظم ریاست حیدر آباد کی روایت کو درست مانا جائے تو خواجہ صاحب نے ہندوستانی علوم اور روحانیت کو سیکھنے میں پورے بیس سال لگائے۔ خواجہ صاحب کو لکھنے کی طرف مائل کرنے اور خاص طور پر اخباروں میں مضامین لکھنے کی طرف لیجانے والے بھی غلام نظام الدین صاحب ہی تھے اور انھیں کو خواجہ صاحب کا اولین ادبی استاد کہا جا سکتا ہے۔ اگر چہ خواجہ صاحب کے پیر و مرشد حضرت پیر مہر علی شاہ بھی عالم ہونے کے ساتھ شاعر اور ادیب تھے۔ لیکن ناچیز کا خیال ہے کہ خواجہ صاحب کے بڑے بھائی حضرت حسن علی شاہ نظامی نے پنجابی زبان کے مشہور ماہر اور شاعر حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کے پاس خواجہ صاحب کو ان کا طالب بنوایا، تو اس سے ان کا مقصد شاید یہی رہا ہوگا کہ حضرت خواجہ حسن نظامی کی ادبی تربیت حضرت خواجہ غلام فرید کے ذریعے ہو، وہ خواجہ صاحب کے والد حضرت حافظ عاشق علی صاحب کے دوست اور درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ میں پنجاب کے تقریباً سب ہی سجادگان کے وکیل تھے اور نئے سجادگان کی رسم سجادگی اور دستار بندی انھی سے کرائی جاتی تھی۔ حافظ عاشق حضرت خواجہ غلام فرید کے ایسے دوستوں میں رہے جن کو وہ اپنا کلام بلاغت نظام خود اپنے دست مبارک سے لکھ کر ہمیشہ ارسال کرتے رہے، نیز نجی معاملات میں دہلی میں ان کے نمائندے حافظ عاشق علی ہی تھے حضرت مرحوم کے خطوط کے ساتھ ان کا بہت سا کلام جو زمانے کی دست برد سے بچ گیا خاکسار کے پاس موجود ہے۔

حضرت خواجہ صاحب کے انشائیوں میں پنجابی اور سرائیکی الفاظ کا خوبصورت انتخاب غالباً اسی حوالے سے ہے۔ خواجہ صاحب کے ایک انشائیے۔

سوہنے دی یاد وچ چھنگی

جس میں خواجہ صاحب نے ایک کشف اور پیشگوئی کی طرح اپنے مرض الموت اور انتقال کے وقت کی کیفیات کو بر سہا برس پہلے ہی سچ سچ قلم بند کر دیا تھا۔ یہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ ہی کا فیض محسوس ہوتا ہے اس پر جلا حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے عطیے سے ہوئی خواجہ صاحب کے چھوٹے چھوٹے جملوں کے "Rhythm" کو بھی ناچیز "ماہیا" نامی صنف سخن سے جڑا ہوا اور حضرت پیر مہر علی شاہؒ کا اُنش مانتا ہے۔

حضرت خواجہ حسن نظامی نے ہوش سنبھالا تو ایسے لوگ کثیر تعداد میں موجود تھے جنھوں نے 1857 کی دار و گیر کو بھی بھگتا اور سہا تھا۔ نیز "شہر آبادانی" اس دلی کی یادیں بھی ان کے لیے زندہ و تابندہ تھیں۔ جن کے تضاد نے ایک عجیب اور بے مثال "سیناریو" پیدا کر دیا تھا۔

حضرت خواجہ حسن نظامی کی 1857 سے متعلق جن بارہ کتابوں کو ایک دفعہ پھر یکجا پیش کیا جا رہا ہے ان کے بارے میں اردو تنقید تہی دامن نہیں ہے۔ اس لئے میں یہاں اس کو دہرانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ پہلے یہ کتابیں بکھرے ہوئے سوتی تھے اور اب تسبیح صد دانہ کی مانند آپ کی خدمت میں اس کو پیش کیا جا رہا ہے۔ پڑھیے اور چھپے! رات بھی چھوٹی نہیں اور رامائن بھی رت جگے مانگتی ہے! یہ ایک جادو بھی ہے بھلا بتایئے، ان کتابوں کے مصنف کو ہماری پرانی سرکار دولت مدار، جاتے جاتے یکم جنوری 1946 کے دن پرانے بادشاہ کو اتارنے کے ساتھ اردو کے نئے بادشاہ کو اپنی سلطنت کا آخری خطاب "شمس العلماء" عطاء کر کے گئی ہے! جادو اور کسے کہیں گے! حاکم بھی زندہ محکوم بھی پائندہ یہ سورج تو وہ ہے جو نہ اُدھر ڈوبا نہ اِدھر!

(خواجہ) حسن ثانی نظامی

مکتوب حسن نظامی بنام عبدالمجید سالک

''مخلص نواز مولانا سالک صاحب! السلام علیکم

آج سید کشفی شاہ نظامی نے خط میں آپ کی پرسش کا ذکر کیا تو میرے دل کا حال عجب ہوا۔ اس انقلاب نے (آپ کا اخبار نہیں) مسلمانوں کی زندگی برباد کردی۔ میں بہتر برس کا اندھا بڈھا یہ خیال کر رہا تھا کہ اس قبر میں آرام کروں گا جو گھر کے سامنے بنائی تھی اور اندر لیٹ کر کہا تھا کہ یہ جگہ ہے جہاں ابدی راحت میسر آئے گی۔ قبر بول سکتی تو کہتی دیوانہ ہوا ہے۔ قرآن کو پڑھ۔ کوئی نہیں جانتا وہ کہاں مرے گا۔ ۲۰ اکتوبر ۴۷ء کو دہلی کے قتل عام کی مصیبت سے نجات پا کر نیم مردہ آٹھ دن کے فاقے میں مبتلا ہوائی جہاز سے حیدرآباد آیا۔ جب سے یہاں ہوں۔ بچے سب کئی سال سے یہاں تجارت کرتے تھے۔ بیوی بھی بچوں کے پاس تھیں۔ میں اکیلا دہلی میں مصائب کا شکار تھا۔ اب ہندیونین کو حضرت مولانا صاحب نے جلسہ عام میں تقریر کر کے یقین دلایا کہ حسن نظامی حیدرآباد کو ہند سے لڑاتا اور ہم سب مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ ہندے ماترم ملاپ پرتاپ تیج نے ایک عام طوفان میرے خلاف برپا کیا ہے۔ ۳۱ مئی کو دوبارہ میرے گھر کی تلاشی ہوئی۔ تجویز یہ ہے کہ میری جائداد اور سامان سرکاری ضبطی میں آجائے۔ یہاں دو آنے کا ایک پانی آتا ہے۔ ایک روپے کے تین پاؤ گیہوں مشکل سے ملتے ہیں۔ تاہم ہر مسلمان کا عزم قائم ہے اور اطمینان کی دولت مجھ کو بھی حاصل ہے۔

آرام جل نسوں جی گوڑہ حیدرآباد دکن''

(بحوالہ روزنامہ ''انقلاب'' (لاہور) بابت ۲۰ جون ۱۹۴۸ء۔ اسی شمارے میں شذرہ بعنوان ''خواجہ حسن نظامی اور حکومت ہند'')

بیگمات کے آنسو

[''بیگمات کے آنسو'' غدر دہلی کے افسانوں کا حصہ اول' جس کو خواجہ حسن نظامی کی اعلیٰ درجہ کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔ ۱۹۴۶ء تک اس کے تیرہ ایڈیشن طبع ہو چکے تھے۔ بقول مصنف یہ حصہ ''محض میری ذاتی تحقیقات سے تیار ہوا ہے'' اور اس میں شامل تمام دردناک سچی کہانیاں ان کی اپنی تحریر کردہ ہیں --- مدیر]

بہادر شاہ بادشاہ کی درویشی

دلی کے آخری بادشاہ ایک درویش صفت بادشاہ گذرے ہیں۔ ان کی فقیری اور فقیر دوستی کی سینکڑوں مثالیں دلی اور اطراف ہند میں مشہور ہیں اور دلی میں تو ابھی سینکڑوں آدمی موجود ہیں جنہوں نے اس خرقہ پوش سلطان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے ان کے درویشانہ کلام کو سنا۔

بہادر شاہ بڑے عابد بادشاہ تھے۔ ملک کے کاروبار تو سب انگریز کمپنی کے ہاتھ میں تھے' اس لئے بادشاہ کو سوائے یاد خدا اور صوفیانہ فکر کلام کے اور کچھ کام نہ کرنا پڑتا تھا۔ دربار آراستہ ہوتا تو اس میں بھی اقلیم باطن کے حکم احکام سنائے جاتے اور شاعرانہ پیرایہ میں تصوف کے حقائق و معارف کا چرچا رہتا' چنانچہ قاعدہ تھا کہ جب درباری لوگ دیوان عام یا دیوان خاص میں جمع ہو جاتے تو حضور ظل سبحانی دربار میں برآمد ہونے کے محل سے چلنے کی تیاری کرتے۔ جونہی بادشاہ کا قدم اٹھتا' محل کی نقیب عورت آواز لگاتی ''ہوشیار ادب قاعدہ نگاہ دار''۔ یہ لال پردہ محل خاص کی ڈیوڑھی کا نام تھا' وہاں سے اس عورت کی آواز دربار کے مرد نقیب سنتے اور وہ بھی ''ہوشیار ادب قاعدہ نگاہ دار'' کا نعرہ بلند کرتے تھے' جس کو سن کر تمام درباری سمٹ سمٹا کر قرینے قرینے سے اپنے مقام پر آن کھڑے ہوتے۔ اس وقت عجب عالم ہوتا تھا کہ تمام امراء و وزراء گردنیں جھکائے' آنکھیں نیچی کئے دست بستہ کھڑے ہیں۔ مجال نہیں کوئی نگاہ اٹھا کر دیکھ سکے یا اپنے جسم کو بیکار جنبش دے۔ تمام دربار میں ایک سکتے کی حالت ہوتی تھی۔ جس وقت حضور السلطان تختی ڈیوڑھی سے تخت پر ظہور کر چکتے تو نقیب پکارتا ''ظل الٰہی برآمد کرد' مجرا ادب سے''۔ یہ سنتے ہی ایک امیر سہا سہا اپنی جگہ سے آگے بڑھتا اور بادشاہ کے سامنے ایک مقام پر جا کر کھڑا ہوتا جس کو جائے ادب کہتے تھے اور وہاں جھک کر تین کورنش بجا لاتا۔ جس وقت یہ کورنش ادا کی جاتی'

چوبدار امیر کی حیثیت اور شان کے موافق تعارف کا لفظ پکارتا اور بادشاہ کو اس کورنش کی جانب توجہ دلاتا۔ الغرض اسی طرح تمام دربار ی درجہ بدرجہ مجرا و کورنش کے مراسم ادا کرتے تھے۔ جب یہ تمام مراسم ادا ہو چکتیں تو حضور السلطان ارشاد فرماتے "آج ہم نے ایک غزل کہی ہے اور غزل کا پہلا شعر فرماتے ہیں۔" شعر سنتے ہی ایک امیر اپنی جگہ سے بھر سہا سہا جائے ادب پر جاتا اور گردن جھکا کر عرض کرتا "سبحان اللہ! کلام الملوک ملوک الکلام" اور پھر اپنے مقام پر آ کھڑا ہوتا۔ اسی طرح ہر شعر پر مختلف امراء جائے ادب پر جا کر حق مدح و ثنا ادا کرتے تھے۔ بہادر شاہ کا کلام ابتداء سے تصوف آمیز اور حسرت خیز تھا جس سے بوئے درد و عبرت آتی تھی۔ یہاں تک کہ ان کے شگفتہ مضامین میں بھی مایوسی و اداسی کی جھلک نظر آتی ہے۔

بہادر شاہ مرید بھی کرتے تھے اور جو شخص مرید ہوتا پانچ روپیہ ماہوار اس کے مقرر ہو جاتے تھے اس لیے کثرت سے لوگ ان کے مرید ہوتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ بہادر شاہ کو حضرت مولانا فخر صاحبؒ سے بیعت تھی' مگر حضرت مولانا صاحب کے زمانے میں بہادر شاہ کم سن تھے۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ اس عمر میں بیعت کی ہو گی۔ البتہ یہ ثابت ہے کہ ایام طفولیت میں ان کو حضرت مولانا صاحب کی گود میں ڈالا گیا تھا۔ حضرت مولانا صاحب کے وصال کے بعد آپ کے فرزند حضرت میاں قطب الدین صاحب سے بہادر شاہ کو بہت فیض پہنچا ہے' بلکہ صحیح یہ ہے کہ بیعت بھی آپ ہی سے ہے۔ میاں قطب الدین صاحب کے صاحبزادے میاں نصیر الدین عرف میاں کالے صاحب سے بھی بادشاہ کو خاص عقیدت تھی یہاں تک کہ اپنی لڑکی میاں کالے صاحب کو بیاہ دی تھی۔ بہادر شاہ کو یوں تو فقیروں اور درویشوں سے ملنے کا شوق تھا اور درویشی میں بصیرت کامل رکھتے تھے' مگر حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ سے ان کو دلی لگاؤ تھا۔ حضرت کے مزار مبارک پر اکثر حاضر ہوا کرتے تھے۔ میرے نانا حضرت شاہ غلام حسن چشتی سے بہادر شاہ کو دوستانہ عقیدت تھی۔ نانا صاحب اکثر قلعہ میں جاتے اور بہادر شاہ کی خاص خلوتوں میں شریک ہوتے تھے۔ میری والدہ ماجدہ بہادر شاہ کے صدہا قصے اپنے پدر بزرگوار حضرت شاہ غلام حسن چشتی کی زبانی بیان فرمایا کرتی تھیں' جن کو سن کر بچپن میں جب کہ مجھ کو بہادر شاہ کی عظمت و شان کی کچھ سمجھ اور خبر نہ تھی' خود بخود متاثر ہوتا تھا اور دل پر دنیا کی بے ثباتی کے نقش جمتے تھے۔

بہادر شاہ صاحب باطن اور بڑے عارف تھے۔ انہوں نے غدر سے پہلے تمام واقعات غدر کو مکاشفہ سے معلوم کر لیا تھا' مگر رضائے الٰہی پر شاکر تھے' چنانچہ جس زمانہ میں حضرت شاہ اللہ بخش صاحب چشتی سلیمانی تونسوی پہلی مرتبہ دہلی تشریف لائے تو بہادر شاہ نے قلعہ میں آپ کی دعوت کی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد تخلیہ کیا گیا اور بادشاہ نے حضرت صاحب تونسوی سے اپنی سلطنت کی کمزوری کا غیبی سبب دریافت کیا۔ حضرت صاحب تونسوی نے فرمایا کہ میرے خیال میں تمہارے بزرگوں سے کچھ خطائیں سرزد ہوئی ہیں جن میں سب سے بڑی یہ ہے کہ عاشق و معشوق کے آگے حجاب ڈالا گیا یعنی حضرت محبوب الٰہیؒ اور حضرت امیر خسروؒ کے مزارات کے بیچ میں محمد شاہ بادشاہ کو دفن کیا گیا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ اور حضرت امیر خسروؒ کے مابین جو محبت تھی اس کا تقاضا یہ تھا کہ ان دونوں حضرات کے مزارات کے درمیان کوئی حجاب نہ کیا جاتا کیونکہ حضرت محبوب الٰہی فرمایا کرتے تھے کہ اگر شریعت کا قدم درمیان نہ ہوتا تو ہم اور خسرو ایک قبر میں رہتے۔ ایسی صورت میں محمد شاہ کو بیچ میں دفن کرنا بہت برا ہوا اور اس کی زد ہی سلطنت پر پڑی۔

ناناصاحب فرماتے تھے کہ بہادر شاہ پر اس بیان کا بہت بڑا اثر پیدا ہوا اور انہوں نے اس پر دل سے یقین کیا۔ گو ظاہری و باطنی اعتبار سے ان کے نزدیک زوال حکومت کے صدہا اسباب تھے جن کو وہ بارہا خلوت کی صحبت میں بیان کیا کرتے تھے۔

عرس کا جلوس

بہادر شاہ جب حضرت محبوب الٰہیؒ کے عرس شریف میں حاضر ہوتے تو بڑی کیفیت رہتی تھی۔ جب تک بادشاہ نہ آجاتے، ختم رکا رہتا۔ جونہی ان کی سواری آتی، غل مچ جاتا کہ بادشاہ آئے۔ خلقت کے ٹھٹھ ہوتے تھے مگر بادشاہ کے درگاہ میں داخل ہوتے ہی لوگ راستہ چھوڑ دیتے اور دروازے سے مزار مبارک تک ایک آدمی کے چلنے کے قابل راستہ بن جاتا تھا جس میں سے گذر کر بادشاہ پہلے مزار مبارک پر حاضر ہوتے۔ اس کے بعد محفل میں آجاتے۔ بادشاہ کے آتے ہی ختم شروع کر دیا جاتا اور ختم کے بعد قوالی شروع ہوتی۔ بادشاہ ایک غزل سنتے۔ اس کے بعد محفل سے چلے جاتے۔ محفل سے اٹھتے وقت ایک عجیب بہار ہوتی تھی کہ جونہی بادشاہ نے چلنے کا رخ کیا، فوراً تمام میلہ کائی کی طرح سے پھٹ گیا اور دروازے تک راستہ بن گیا۔

شاہی سے گدائی اور بربادی کا زمانہ

بہادر شاہ اگر غدر کی بلا میں مبتلا نہ ہوتے تو ان کی درویشی بڑے لطف و اطمینان سے بسر ہوتی مگر بیچارے ناکردہ گناہ باغی لشکر کے وبال میں پھنس گئے اور عمر کا آخری حصہ ہزاروں مصائب میں گذرا۔

میری والدہ ماجدہ بروایت اپنے پدر بزرگوار حضرت شاہ غلام حسن صاحب بیان فرماتی تھیں کہ جس دن بہادر شاہ دلی کے قلعے سے نکلے تو سیدھے درگاہ حضرت محبوب الٰہیؒ صاحب میں حاضر ہوئے۔ اس وقت بادشاہ پر عجب مایوسی اور ہراس کا عالم تھے۔ چند مخصوص خواجہ سراؤں اور ہوادار کے کہاروں کے سوا کوئی آدمی ہمراہ نہ تھا۔ فکر و اندیشہ سے بادشاہ کا چہرہ اترا ہوا تھا اور گرد و غبار سفید داڑھی پر جما ہوا تھا۔ بادشاہ کی آمد سن کر نانا صاحب درگاہ شریف میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ مزار مبارک کے سرہانے در سے تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ مجھ کو دیکھتے ہی حسب معمول بشرہ کو متبسم کر دیا۔ میں سامنے بیٹھ گیا اور خیریت دریافت کرنے لگا۔ جس کے جواب میں نہایت طمانیت سے بولے۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ کمبخت باغی سپاہی خودسرے ہیں ان پر اعتماد کرنا غلطی ہے۔ خود بھی ڈوبیں گے مجھ کو بھی ڈبا دیں گے۔ آخر وہی ہوا کہ بھاگ نکلے۔ بھائی اگرچہ میں ایک گوشہ نشین فقیر ہوں مگر ہوں اس خون کی یادگار جس میں آخر دم تک مقابلہ کرنے کی حرارت ہوتی ہے۔ میرے باپ داداؤں پر اس سے زیادہ آڑے وقت پڑے ہیں اور انہوں نے ہمت نہیں ہاری مگر مجھے تو غیب سے انجام دکھا دیا گیا ہے۔ اب اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ میں تخت ہند پر تیمور کی آخری نشانی ہوں۔ مغلی حکومت کا چراغ دم توڑ رہا ہے اور کوئی گھڑی کا مہمان ہے۔ پھر جان بوجھ کر خواہ مخواہ کیوں خون ریزی کراؤں۔ اس واسطے قلعہ چھوڑ کر چلا آیا۔ ملک خدا کا ہے جس کو چاہے دے۔ سینکڑوں برس ہماری نسل نے سرزمین ہند میں ہیبت و جبروت

سے سکہ جمایا۔ اب دوسروں کا وقت ہے۔ وہ حکمرانی کریں گے۔ تاجدار کہلائیں گے اور ہم ان کے مفتوح ٹھہریں گے۔ یہ کوئی رنج اور افسوس کی بات نہیں۔ آخر ہم نے بھی تو دوسروں کو مٹا کر اپنا گھر بسایا تھا۔

ان حسرتناک باتوں کے بعد بادشاہ نے ایک صندوقچہ دیا اور کہا لو یہ تمہارے سپرد ہے۔ امیر تیمور نے جب قسطنطنیہ کو فتح کیا تھا تو سلطان یلدرم بایزید کے خزانے سے یہ نعمت ہاتھ لگی تھی۔ اس میں حضور سرور کائنات کی ریش مبارک کے پانچ بال ہیں جو آج تک ہمارے خاندان میں بطور تبرک خاص چلے آتے ہیں۔ اب میرے لیے زمین و آسمان میں کہیں ٹھکانا نہیں۔ ان کو لے کر کہاں جاؤں۔ آپ سے بڑھ کر کوئی اس کا اہل نہیں ہے۔ لیجئے ان کو رکھئے۔ یہ میرے دل و دیدہ کی ٹھنڈک ہیں، جن کو آج کے دن کی ہولناک مصیبت میں اپنے سے جدا کرتا ہوں۔ چنانچہ ناناصاحب نے وہ صندوقچہ لے لیا اور درگاہ شریف کے توشہ خانہ میں داخل کر دیا جو اب تک موجود ہے۔ اس کے تبرکات کی ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں زیارت کرائی جاتی ہے۔

ناناصاحب سے بادشاہ نے کہا کہ آج تین وقت سے کھانے کی مہلت نہیں ملی۔ اگر گھر میں کچھ تیار ہو تو لاؤ۔ ناناصاحب نے کہا ہم لوگ بھی موت کے کنارے کھڑے ہیں۔ کھانے پکانے کا ہوش نہیں۔ گھر جاتا ہوں جو کچھ موجود ہے حاضر کرتا ہوں، بلکہ آپ خود تشریف لے چلیں۔ جب تک میں زندہ رہوں اور میرے بچے سلامت ہیں، آپ کو کوئی شخص ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ پہلے ہم مر جائیں گے اس کے بعد کوئی اور وقت آسکے گا۔ بادشاہ نے فرمایا آپ کا احسان جو ایسا کہتے ہو۔ مگر اس بوڑھے جسم کی حفاظت کے لیے اپنے پیروں کی اولاد کو قتل گاہ میں بھیجنا مجھے بھی گوارا نہ ہوگا۔ زیارت کر چکا۔ امانت سونپ دی۔ اب دو لقمے محبوبی لنگر سے کھا لوں تو مقبرۂ ہمایوں میں چلا جاؤں گا۔ وہاں جو قسمت میں لکھا ہے پورا ہو جائے گا۔

ناناصاحب گھر آئے۔ دریافت کیا کہ کچھ کھانے کو موجود ہے۔ کہا گیا کہ بیسنی روٹی اور سرکہ کی چٹنی ہے۔ چنانچہ وہی ایک خوان میں آراستہ کر کے لے آئے اور بادشاہ نے دو چنے کی روٹی کھا کر تین وقت کے بعد پانی پیا اور خدا کا شکرانہ بھیجا۔ اس کے بعد ہمایوں کے مقبرے میں جا کر گرفتار ہوئے اور رنگون بھیج دیے گئے۔ رنگون میں بھی بادشاہ کی درویشانہ معاشرت میں فرق نہ آیا۔ جب تک زندہ رہے، ایک صابر و متوکل درویش کی طرح بسر اوقات کرتے رہے۔

یہ وہ قصہ ہے جس میں عقلمند آدمی کے لیے عبرت کا بہت بڑا ذخیرہ ہے اور جس کے سننے سے انسان اپنے غرور و تکبر کو بھول جاتا ہے اور جب دماغ سے تکبر کی بو جاتی رہتی ہے تو آدمی اصل آدمی بن جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

شہزادے کا بازار میں گھسنا

یہ دہلی جس کو ہندوستان کا دل اور حکومت کا تخت گاہ کہتے ہیں، جب آباد تھی اور لال قلعہ میں مغلوں کی آخری شمع ٹمٹما رہی تھی آفت اور بلا میں مبتلا ہونے کو آئی تو پہلے اس کے باشندوں کے عمل میں فرق آیا۔ الناس علی دین

ملوکھم۔ پہلے حاکموں کے اعمال خراب ہوئے۔ اس کی رعیت بھی بداعمالیوں میں پڑ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راجا پرجا دونوں برباد ہو گئے۔ مثالیں ہزاروں ہیں مگر ذیل میں ایک نہایت عبرتناک کہانی سنا کر میں باشندگان ہند کو عموماً اور مسلمانوں اور صوفیوں کو خصوصاً خدا کے خوف سے ڈراتا ہوں۔

(۱)

غدر سے ایک برس پہلے کا ذکر ہے۔ دہلی سے باہر جنگل میں چند شہزادے شکار کھیلتے پھرتے تھے اور بے پرواہی سے چھوٹی چھوٹی چڑیوں اور فاختاؤں کو جو دوپہر کی دھوپ سے بچنے کے لیے درختوں کی ہری بھری ٹہنیوں پر خدا کی یاد میں تسبیحاں پڑھ رہی تھیں، غلّے مار رہے تھے کہ سامنے سے ایک گدڑی پوش فقیر آ نکلا اور اس نے نہایت ادب سے شہزادوں کو سلام کر کے عرض کیا کہ ”میاں صاحبزادو! ان بے زبان جانوروں کو کیوں ستاتے ہو۔ انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ ان کے بھی جان ہے۔ یہ بھی تمہاری طرح دکھ اور تکلیف کی خبر رکھتے ہیں، مگر بے بس ہیں اور منہ سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ تم بادشاہ کی اولاد ہو۔ بادشاہوں کو اپنے ملک کے رہنے والوں سے محبت اور مہربانی برتنی چاہئے۔ یہ جانور بھی ملک میں رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی رحم اور انصاف برتا جائے تو شان بادشاہی سے دور نہیں۔“ بڑے شہزادے نے جس کی عمر اٹھارہ برس کی تھی، شرما کر غلیل ہاتھ سے رکھ دی، مگر چھوٹے مرزا نصیر الملک بگڑ کر بولے ”جا رے جا۔ دو ٹکے کا آدمی ہم کو نصیحت کرنے نکلا ہے۔ تو کون ہوتا ہے ہم کو سمجھانے والا۔ سیر و شکار سب کرتے ہیں۔ ہم نے کیا تو کونسا گناہ ہو گیا۔“ فقیر بولا ”صاحب عالم ناراض نہ ہوں۔ شکار ایسے جانور کا کرنا چاہئے کہ ایک جان جائے تو دس پانچ جانوں کا پیٹ تو بھرے۔ ان ننھی چڑیوں کے مارنے سے کیا نتیجہ۔ بیس مارو گے تب بھی ایک آدمی کا شکم سیر نہ ہو گا۔“ نصیر مرزا فقیر کے دوبارہ بولنے سے آگ بگولا ہو گئے اور ایک غلہ غلیل میں رکھ کر فقیر کے گھٹنے میں اس زور سے مارا کہ بیچارہ منہ کے بل گر پڑا اور بے اختیار اس کی زبان سے نکلا کہ ”ہائے ٹانگ توڑ ڈالی۔“ فقیر کے گرتے ہی شہزادے گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعے کی طرف چلے گئے اور فقیر گھسٹتا ہوا سامنے کے قبرستان کی طرف چلنے لگا۔ گھسٹتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا ”وہ تخت کیونکر آباد رہے گا جس کے وارث ایسے سفاک ظالم ہیں۔ لڑکے تو نے میری ٹانگ توڑ دی، خدا تیری بھی ٹانگیں توڑے اور تجھ کو بھی اسی طرح گھسٹنا نصیب ہو۔“

(۲)

توپیں گرج رہی تھیں۔ گولے برس رہے تھے۔ زمین پر چاروں طرف لاشوں کے ڈھیر نظر آتے تھے۔ شہر دہلی ویران اور سنسان ہوتا جاتا تھا کہ لال قلعہ سے پھر وہی چند شہزادے گھوڑوں پر سوار بدحواسی کے عالم میں بھاگتے ہوئے نظر آئے اور پہاڑ گنج کی طرف جانے لگے۔ دوسری طرف بیس پچیس گورے سپاہی دھاوا کرتے چلے آتے تھے۔ انہوں نے ان نو عمر سواروں پر یک لخت بندوقوں کی باڑ ماری۔ گولیوں نے گھوڑوں اور سواروں کو چھلنی کر دیا اور یہ سب شہزادے فرش خاک پر گر کر خون میں تڑپنے لگے۔ گورے جب قریب آئے تو دیکھا دو شہزادے جاں بحق ہو چکے ہیں، مگر ایک سانس لے رہا ہے۔ ایک سپاہی نے زندہ شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو معلوم ہوا کہ اس کے کہیں زخم نہیں آیا۔ گھوڑے کے گرنے سے

معمولی کھرونچیں آ گئی ہیں اور دہشت کے مارے غشی طاری ہو گئی ہے۔ صحیح سالم دیکھ کر گھوڑے کی باگ ڈور سے شہزادے کے ہاتھ باندھ دیئے گئے اور حراست میں کر کے دو سپاہیوں کے ساتھ کیمپ میں بھجوا دیا گیا۔ کیمپ پہاڑی پر تھا جہاں گوروں کے علاوہ کالوں کی فوج بھی تھی۔ جب بڑے صاحب کو معلوم ہوا کہ یہ بادشاہ کا پوتا نصیر الملک ہے تو وہ بہت خوش ہوئے اور حکم ہوا کہ اس کو حفاظت سے رکھا جائے۔

(۳)

باغیوں کی فوجیں شکست کھا کر بھاگ گئیں اور انگریزی لشکر یلغار کرتا ہوا شہر میں گھس گیا۔ بہادر شاہ ہمایوں کے مقبرے سے گرفتار ہو گئے۔ تیموری بزم کا چراغ جھلملا کر گل ہو گیا اور جنگل شریف زادیوں کے برہنہ سروں اور کھلے چہروں سے آباد ہونے لگا۔ باپ بچوں کے سامنے ذبح ہونے لگے اور مائیں اپنے جوان بیٹوں کو خاک و خون میں لوٹتا دیکھ کر چیخیں مارنے لگیں۔

اسی دارو گیر میں پہاڑی کیمپ پر مرزا نصیر الملک رسی سے بندھے بیٹھے تھے کہ ایک پٹھان سپاہی دوڑا ہوا آیا اور کہا "جائیے۔ میں نے آپ کی رہائی کے لیے صاحب سے اجازت حاصل کر لی ہے۔ جلدی بھاگ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ دوسری بلا میں پھنس جاؤ۔"

مرزا بچارے پیدل چلنا کیا جانیں۔ حیران تھے کہ کیا کریں' لیکن مرتا کیا نہ کرتا۔ پٹھان کا شکریہ ادا کر کے نکلے اور جنگل کی طرف ہو لیے۔ چل رہے تھے مگر یہ خبر نہ تھی کہاں جاتے ہیں۔ ایک میل چلے ہوں گے کہ پیروں میں چھالے پڑ گئے۔ زبان خشک ہو گئی۔ حلق میں کانٹے پڑنے لگے۔ تھک کر ایک درخت کے سائے میں گر پڑے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر آسمان کی طرف دیکھا کہ الٰہی یہ کیا غضب ہم پر ٹوٹا۔ ہم کہاں جائیں۔ کدھر ہمارا ٹھکانہ ہے۔ اوپر نگاہ اٹھائی تو درخت پر نظر گئی۔ دیکھا کہ فاختہ کا ایک گھونسلا بنا ہوا ہے اور وہ آرام سے اپنے انڈوں پر بیٹھی ہے۔ اس کی آزادی اور آسائش پر شہزادے کو بڑا رشک آیا اور کہنے لگے کہ "فاختہ! مجھ سے تو تُو لاکھ درجے بہتر ہے کہ آرام سے اپنے گھونسلے میں بے فکر بیٹھی ہے۔ میرے لیے تو آج زمین آسمان میں کہیں جگہ نہیں ہے۔"

تھوڑی دور ایک بستی نظر آتی تھی۔ ہمت کر کے وہاں جانے کا ارادہ کیا۔ اگرچہ پاؤں کے چھالے چلنے نہ دیتے تھے مگر افتاں و خیزاں گرتے پڑتے وہاں پہنچے تو عجیب سماں نظر آیا۔

ایک درخت کے نیچے سینکڑوں گنوار جمع تھے اور چبوترہ پر ایک تیرہ سال کی معصوم لڑکی بیٹھی تھی جس کے چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں' کان لہولہان ہو رہے تھے اور دہقانی اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ جونہی مرزا کی نگاہ اس بچی پر پڑی اور اس بچاری نے مرزا کو دیکھا' دونوں کی چیخیں نکل گئیں۔

بھائی بہن کو اور بہن بھائی کو چمٹ کر رونے لگے۔ مرزا نصیر الملک کی یہ چھوٹی بہن اپنی والدہ کے ساتھ رتھ میں سوار ہو کر قلعہ سے قطب صاحب کو چلی گئی تھیں۔ مرزا کو گمان بھی نہ تھا کہ وہ اس آفت میں مبتلا ہو گئی ہوں گی۔ پوچھا "ملکہ! تم یہاں کہاں؟" رو کر بولی "آ کا جی' گوجروں نے ہم کو لوٹ لیا۔ نوکروں کو مار ڈالا۔ اماں جان کو دوسرے گاؤں والے

لے گئے اور مجھ کو یہاں لے آئے۔ میری بالیاں انہوں نے نوچ لیں۔ میرے طمانچے ہی طمانچے مارے ہیں۔" اتنا کہہ کر لڑکی کی ہچکی بندھ گئی اور پھر کوئی لفظ اس کی زبان سے نہ نکلا۔

بیکس شہزادے نے اپنی غریب بہن کو دلاسا دیا اور ان گنواروں سے عاجزی کرنے لگا کہ اس کو چھوڑ دو۔ گوجر بگڑ کر بولے "ارے جا۔ آیا بڑا ہچارا۔ ایک گنڈاسا ایسا ماریں گے کہ گردن کٹ جائے گی۔ اس کو ہم دوسرے گاؤں سے لائے ہیں۔ لا دام دے جا اور لے جا۔"

مرزا نے کہا "چودھریو! دام کہاں سے دوں۔ میں تو خود تم سے روٹی کا ٹکڑا مانگنے کے قابل ہوں۔ دیکھو ذرا رحم کرو۔ کل تم ہماری رعیت تھے اور ہم بادشاہ کہلاتے تھے۔ آج آنکھیں نہ پھیرو۔ خدا کسی کا وقت نہ بگاڑے۔ اگر ہمارے دن پھر گئے تو مالا مال کر دیں گے۔" یہ سن کر گنوار بہت ہنسے اور کہنے لگے "او ہو! آپ بادشاہ سلامت ہیں۔ تب تو ہم تم کو فرنگیوں کے ہاتھ بیچیں گے اور یہ چھوکری تو اب ہمارے گاؤں کی ٹہل کرے گی۔ جھاڑو دے گی۔ ڈھوروں کے آگے چارہ ڈالے گی گوبر اٹھائے گی۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سامنے سے انگریزی فوج آ گئی اور گاؤں والوں کو گھیر لیا اور چار چودھریوں کو اور ان دونوں شہزادے شہزادی کو پکڑ کر لے گئے۔

(۴)

چاندنی چوک کے بازار میں پھانسیاں گڑی ہوئی تھیں اور جس کو انگریزی افسر کہہ دیتے کہ یہ قابل دار ہے اسی کو پھانسی مل جاتی تھی۔ ہر روز سینکڑوں آدمی دار پر لٹکائے جاتے۔ گولیوں سے اڑائے جاتے اور تلوار سے ذبح ہوتے تھے۔ ہر طرف اس خون ریزی سے تہلکہ تھا۔ مرزا نصیر الملک اور ان کی بہن بھی بڑے صاحب کے سامنے پیش ہوئے اور صاحب نے ان دونوں کو خورد سال دیکھ کر بے قصور سمجھا اور چھوڑ دیا۔ دونوں نجات پا کر ایک سوداگر کے ہاں نوکر ہو گئے۔ لڑکی سوداگر کے بچے کو کھلاتی تھی اور نصیر الملک بازار کا سودا سلف لایا کرتے تھے۔ چند روز کے بعد لڑکی تو ہیضہ میں مبتلا ہو کر مر گئی اور مرزا کچھ دن ادھر اُدھر نوکریاں چاکریاں کرتے رہے۔ آخر کار سرکار نے ان کی پانچ روپیہ ماہوار پنشن مقرر کر دی اور نوکری کے وبال سے مرزا نصیر الملک کو سبکدوشی حاصل ہو گئی۔

(۵)

ایک برس کا ذکر ہے۔ دہلی کے بازار چتلی قبر کرہ بنگش وغیرہ میں ایک پیر مرد جن کا چہرہ چنگیزی نسل کا پتہ دیتا تھا' کولہوں کے بل گھسٹتے پھرا کرتے تھے۔ ان کے پاؤں شاید فالج سے بیکار ہو گئے تھے اس لیے ہاتھوں کو ٹیک کر کولہوں کو گھسیٹتے ہوئے راستے میں چلتے تھے۔ ان کے گلے میں ایک جھولی ہوتی تھی۔ دو قدم چلتے اور راہگیروں کو حسرت سے دیکھتے' گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے محتاجی ظاہر کر کے بھیک مانگتے تھے۔ جن لوگوں کو ان کا حال معلوم تھا' ترس کھا کر جھولی میں کچھ ڈال دیتے تھے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ ان کا نام مرزا نصیر الملک ہے اور یہ بہادر شاہ کے پوتے ہیں۔ سرکاری پنشن

قرضے میں برباد کردی اور اب خاموش گداگری پر گذارہ ہے۔ مجھ کو ان کے حال سے عبرت ہوتی تھی اور جب ان کا ابتدائی قصہ جو کچھ خود ان کی زبانی اور کچھ دوسرے شہزادوں کی زبانی سنا تھا یاد آتا تھا تو دل دہل جاتا تھا کہ اس فقیر کا کہا پورا ہوا' جس کی ٹانگ میں انہوں نے غلہ مارا تھا۔ شہزادہ صاحب کا بازار میں گھسٹتا ہوا پھرنا سخت سے سخت دل کو موم کر دیتا تھا اور خدا کے خوف سے جی کانپ جاتا تھا۔ اب ان شہزادہ صاحب کا انتقال ہو گیا۔

کیا اس سچے اور تازے قصے سے ہمارے دولت مند بھائی عبرت نہیں پکڑیں گے اور اپنے غرور و تکبر کی عادت کو ترک نہیں کریں گے' جبکہ ان کے سامنے تکبر کرنے والوں کا انجام موجود ہے۔

سب سے زیادہ مجھے مشائخ کی اولاد کو متنبہ کرنا ہے' جو مریدوں کے ہاتھ پیر چومنے سے جاہ ہو جاتے ہیں اور اپنے سامنے کسی کی ہستی نہیں سمجھتے۔ اپنے بزرگوں کی کمائی پر بھروسہ کرنا اور کچھ قابلیت نہ پیدا کرنا' انسان کو ایک دن اسی طرح ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ ہر پیرزادہ کو چاہیے کہ وہ وہ کام سیکھے جس کے سبب اس کے بزرگ پیر کہلاتے تھے۔ محض پیرزادگی کے طفیل نذر و نیاز کا امیدوار رہنا اور اپنی ذات میں نذر لینے کی لیاقت پیدا نہ کرنا حد درجہ کی بے غیرتی ہے۔ میں نے بعض مرشد زادوں کو دیکھا ہے کہ وہ بچپن سے شاہانہ زندگی بسر کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور مرید کو اپنے باپ کی رعیت سمجھ کر حکمرانی کرتے ہیں' لیکن جس طرح زمانہ نے دنیاوی حکومت کے تاج و تخت کو مٹا دیا اور شہزادوں سے گلی کوچوں میں بھیک منگوادی' اسی طرح نئے زمانہ کا الحاد دینی بادشاہت یعنی درویشی کے برباد کرنے پر آمادہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تخت جنبش میں آئے اور پیرزادوں کو شہزادوں کی طرح کہیں ٹھکانا نہ ملے اس لئے چاہیے کہ وقت سے پہلے ہم سب ہوشیار ہو جائیں اور اپنے احوال و اعمال کو درست کر کے غنیم کا دلیری سے مقابلہ کریں اور اپنی پُر امن اقلیم کو ہر طرح محفوظ و برقرار رکھیں۔

یہی میں اب کہتا ہوں اور یہی اس وقت کہتا رہوں گا جب تک زبان و قلم یاری دیں۔

☆ ☆ ☆

یتیم شہزادہ کی ٹھوکریں

ماہ عالم ایک شہزادے کا نام تھا' جو شاہ عالم بادشاہ دہلی کے نواسوں میں تھا اور غدر میں اس کی عمر صرف گیارہ برس کی تھی۔ شہزادہ ماہ عالم کے باپ مرزا نوروز حیدر دیگر خاندان شاہی کی طرح بہادر شاہ کی سرکار سے سو روپے ماہوار تنخواہ پاتے تھے' مگر ان کی والدہ کے پاس قدیم زمانہ کا بہت سا اندوختہ تھا' اس لیے ان کو اس روپیہ کی چنداں پرواہ نہیں تھی اور وہ بڑی بڑی تنخواہوں کے شہزادوں کی طرح گذر اوقات کرتے تھے۔

جب غدر پڑا تو ماہ عالم کی والدہ بیمار تھیں۔ علاج ہو رہا تھا' مگر مرض برابر ترقی کرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ عین اس روز جب کہ بہادر شاہ قلعہ سے نکلے اور شہر کی تمام رعایا پریشان ہو کر چاروں طرف بھاگنے لگی' ماہ عالم کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ایسی گھبراہٹ کے موقعہ پر سب کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اس موت نے عجیب ہراس پیدا کر دیا۔

اس وقت نہ کفن کا سامان ممکن تھا' نہ دفن کا' نہ غسل دینے والی عورت میسر آ سکتی تھی' نہ کوئی مردے کے پاس بیٹھنے والا تھا۔ شہزادوں میں رسم ہو گئی تھی کہ وہ مردے کے پاس نہ جاتے۔ سب کام پیشہ وروں سے لیا جاتا تھا جو اس وقت کے لیے ہمیشہ موجود تیار رہتے تھے۔ غدر کی عالم گیر مصیبت کے سبب کوئی آدمی ایسا نہ ملا جو تجہیز و تکفین کی خدمت میں انجام کو پہنچاتا۔ گھر میں دو لونڈیاں تھیں' لیکن وہ بھی مردے کو نہلانا نہ جانتی تھیں۔ خود مرزا نوروز حیدر اگرچہ پڑھے لکھے شخص تھے' مگر چونکہ ان کو ایسا کام پیش نہ آیا تھا' اس لیے اسلامی طریق پر غسل و کفن سے واقفیت نہ رکھتے تھے۔

القصہ ان لوگوں کو اسی حیرانی و پریشانی میں کئی گھنٹے گذر گئے۔ اتنے میں سنا کہ انگریزی لشکر شہر میں گھس آیا ہے اور اب عنقریب قلعہ میں آیا چاہتا ہے۔ اس خبر سے مرزا کے رہے سہے اوسان اور بھی جاتے رہے اور جلدی سے لاش کو چارپائی پر ہی کپڑے اتار کر نہلانا شروع کیا۔ نہلایا کیا بس پانی کے لوٹے بھر بھر کر اوپر ڈال دیے۔ کفن کہاں سے ملتا' شہر تو بند تھا۔ پلنگ پر بچھانے کی دو اجلی چادریں لیں اور ان میں لاش کو لپیٹ دیا۔ اب یہ فکر ہوئی کہ دفن کہاں کریں۔ باہر لے جانے کا تو موقع نہیں۔ اسی سوچ میں تھے کہ گوروں اور سکھوں کی فوج کے چند سپاہی گھر میں آ گئے اور آتے ہی مرزا اور ان کے لڑکے ماہ عالم کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد گھر کا سامان لوٹنے لگے۔ صندوق توڑ ڈالے۔ الماریوں کے کواڑ اکھیڑ دیے۔ کتابوں کو آگ لگا دی۔ دونوں لونڈیاں غسل خانے میں جا چھپی تھیں۔ ایک سپاہی کی ان پر نگاہ پڑ گئی جس نے دیکھتے ہی اندر گھس کر سر کے بال پکڑے اور بیچاریوں کو گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا۔ اگرچہ ان فوجیوں کو لاش کا حال معلوم ہو گیا تھا' مگر انہوں نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی اور برابر لوٹ مار کرتے رہے۔ آخر قیمتی سامان کی گٹھڑیاں لونڈیوں اور خود مرزا نوروز حیدر اور ان کے لڑکے ماہ عالم کے سر پر رکھیں اور بکریوں کی طرح ہانکتے ہوئے گھر سے باہر لے چلے۔ اس وقت مرزا نے اپنے لٹے ہوئے گھر کو آخری حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اپنی بیوی کی بے گور و کفن لاش کو اکیلا چارپائی پر چھوڑ کر سپاہیوں کے ساتھ کوچ کیا۔

لونڈیوں کو تو بوجھ اٹھانے اور چلنے پھرنے کی عادت تھی۔ مرزا نوروز حیدر بھی قوی اور توانا تھے۔ بوجھ سر پر اٹھائے بے تکان چل رہے تھے' مگر غریب ماہ عالم کی بری حالت تھی۔ اول تو اس کے سر پر بوجھ اس کی عمر اور بساط سے زیادہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ شہزادہ قدرتی طور پر نہایت نازک اور کمزور واقع ہوا تھا۔ اس پر سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ ماں کے مرنے کا غم تھا۔ رات سے روتے روتے آنکھیں سوج گئی تھیں۔ خالی ہاتھ چلنے سے چکرا آتے تھے۔ کجا یہ نوبت کہ سر پر بوجھ' پیچھے چمکتی ہوئی تلواریں اور جلدی چلنے کی قہرناک تاکید' بیچارے کے پاؤں لڑکھڑاتے تھے۔ دم چڑھ گیا تھا۔ بدن پسینہ پسینہ ہو گیا تھا۔ آخر نہایت مجبوری کی حالت میں باپ سے کہا "ابا حضرت! مجھ سے تو چلا نہیں جاتا۔ گردن بوجھ کے مارے ٹوٹے جاتی ہے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ رہا ہے۔ ایسا نہ ہو گر پڑوں۔" باپ سے اپنے لاڈلے اکلوتے بچہ کی یہ مصیبت بھری باتیں سنی نہ گئیں اور اس نے مڑ کر سپاہی سے کہا "صاحب! اس بچے کا اسباب بھی مجھ کو دے دو۔ یہ بیمار ہے۔ گر پڑے گا۔" گورا مرزا کی زبان بالکل نہ سمجھا اور اس طرح ٹھہرنے اور بات کرنے کو گستاخی اور بدنیتی سمجھ کر دو تین گھونسے کمر میں مارے اور آگے دھکا دیا۔ مظلوم مرزا نے مار بھی کھائی' مگر ممتا کے مارے لڑکے کا بوجھ بغل میں لے لیا۔ گورے کو یہ حرکت بھی پسند نہ آئی اور اس نے جبراً مرزا سے گٹھڑی لے کر ماہ عالم کے سر پر رکھ دی اور ایک گھونسا اس بیکس و ناتواں کے بھی

مارا۔ گھونسا کھا کر ماہ عالم آہ کہہ کر گر پڑا اور بیہوش ہو گیا۔

مرزا نوروز اپنے لخت جگر کی حالت دیکھ جوش میں آ گئے اور اسباب پھینک کر ایک مکا گورے کے کلے پر رسید کیا اور پھر فوراً ہی دوسرا گھونسا اس کی ناک پر مارا جس سے گورے کی ناک کا بانسہ پھٹ گیا اور خون کا فوارہ چھٹنے لگا۔ سکھ سپاہی دوسری طرف چلے گئے تھے۔ اس وقت فقط دو گورے ان قیدیوں کے ساتھ تھے اور کیمپ کو لیے جا رہے تھے۔ دوسرے گورے نے اپنے ساتھی کی یہ حالت دیکھ کر مرزا کے ایک سنگین ماری' مگر خدا کی قدرت سنگین کا وار اوچھا پڑا اور وہ مرزا کی کمر کے پاس سے کھال چھیلتی ہوئی نکل گئی۔ تیموری شہزادہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور لپک کر ایک مکا اس گورے کی ناک پر بھی مارا۔ یہ مکا بھی ایسا کاری پڑا کہ ناک پچک گئی اور خون بہنے لگا۔ گورے یہ حالت دیکھ کر پستول و کرچ تو بھول گئے اور ایک بارگی دونوں کے دونوں مرزا کو چمٹ گئے اور گھونسوں سے مارنے لگے۔ لونڈیوں نے جو یہ حالت دیکھی تو اسباب پھینک رستہ کی خاک مٹھیوں میں بھر کر گوروں کی آنکھوں میں جھونک دی۔ اس ناگہانی آفت سے گورے تھوڑی دیر کے لیے بیکار ہو گئے اور ان کی کرچ مرزا کے ہاتھ آ گئی۔ مرزا نے فوراً کرچ گھسیٹ لی اور ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ کرچ نے شانہ سے سینے تک کاٹ ڈالا۔ اس کے بعد دوسرے گورے پر حملہ کیا اور اسے بھی ذبح کر دیا۔ ان دونوں کو ہلاک کر کے ماہ عالم کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ بالکل بیہوش تھا۔ باپ کے گود میں لیتے ہی آنکھیں کھول دیں اور باہیں گلے میں ڈال کر رونے لگا۔ مرزا اسی حالت میں تھے کہ پیچھے سے دس بارہ گورے اور سکھ سپاہی آ گئے اور انہوں نے اپنے دو ساتھیوں کو خون میں نہایا دیکھ کر مرزا کو گھیر لیا اور لڑکے سے جدا کر کے حال پوچھا۔ مرزا نے سارا واقعہ سچ سچ کہہ دیا۔ سنتے ہی گوروں کی حالت غصہ سے غیر ہو گئی۔ انہوں نے پستول کے چھ فیر یک دم کر دیے جن سے زخمی ہو کر مرزا گر پڑے اور آناً فاناً میں تڑپ کر مر گئے۔ مرزا نوروز کی لاش کو وہیں چھوڑ دیا گیا اور ماہ عالم کو لونڈیوں سمیت پہاڑی کے کیمپ میں لے گئے۔

جب دہلی کی فتح سے اطمینان ہو گیا تو لونڈیاں دو مسلمان پنجابی افسروں کو دے دی گئیں اور ماہ عالم ایک انگریز افسر کی خدمت گاری پر مامور ہوئے۔ جب تک یہ انگریز دہلی میں رہے' ماہ عالم کو زیادہ تکلیف نہ تھی' کیونکہ صاحب کے پاس کئی خانساماں اور نوکر چاکر تھے' اس واسطے زیادہ کام کاج نہ کرنا پڑتا تھا' لیکن چند روز کے بعد یہ صاحب رخصت لے کر ولایت چلے گئے اور ماہ عالم کو ایک دوسرے افسر کے حوالے کر گئے جو میرٹھ چھاؤنی میں تھے۔ ان افسر کا مزاج تند تھا۔ بات بات پر ٹھوکریں مارتے تھے۔ ماہ عالم اس مار دھاڑ کو برداشت نہ کر سکے اور ایک دن بھاگنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ پچھلی رات کو گھر سے نکلے۔ پہرے دار نے ٹوکا تو کہہ دیا فلاں صاحب کا نوکر ہوں اور ان کے کام کو فلاں گاؤں میں جاتا ہوں تا کہ سویرے ہی پہنچ جاؤں۔ اس حیلہ سے جان بچائی اور جنگل کا راستہ لیا۔

چھوٹی عمر' راستہ سے بے خبر' پکڑے جانے کا خوف' عجب مایوسی کا عالم تھا۔ آخر بہزار دقت صبح ہوتے ہوتے میرٹھ سے تین چار کوس کے فاصلہ پر پہنچ گئے۔ سامنے گاؤں تھا۔ وہاں جا کر ایک مسجد میں ٹھہر گئے۔ ملا صاحب نے سوالات شروع کیے تو کون ہے' کہاں سے آیا ہے' کہاں جائے گا۔ ماہ عالم نے اُن کو بھی باتوں میں ٹالا۔ یہاں ایک فقیر بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے جو ماہ عالم کی شریفانہ صورت دیکھی تو محبت سے پاس بلایا اور رات کی بچی ہوئی روٹی سامنے رکھی۔ ماہ عالم نے شاہ صاحب کو ہمدرد پا کر اپنی مصیبت کی داستان اول سے آخر تک سنائی۔ شاہ صاحب یہ کیفیت

سن کر رونے لگے اور ماہ عالم کو سینہ سے لگا کر بہت پیار کیا اور تسلی کی باتیں کرنے لگے۔ اس کے بعد کہا اب تم فکر نہ کرو میرے ساتھ رہو۔ خدا حافظ و ناصر ہے۔

چنانچہ انہوں نے ایک رنگین کرتہ ان کو پہنا دیا اور ساتھ لے کر چل کھڑے ہوئے۔ دو چار روز تو یہ حالت رہی کہ جہاں ماہ عالم نے کہا۔ ''حضرت! اب تو میں تھک گیا'' تو کسی گاؤں میں ٹھہر جاتے' لیکن پھر ان کو بھی چلنے کی عادت ہو گئی اور پوری منزل چلنے لگے۔ مہینہ بھر میں اجمیر شریف پہنچے۔ یہاں ان صاحب کے پیر جو بغداد کے رہنے والے تھے' ملے۔ ان پیر صاحب کو جب ماہ عالم کا حال معلوم ہوا تو وہ بھی مہربانی سے پیش آئے اور ان دونوں کو ساتھ لے کر بمبئی چلے گئے۔ بمبئی کے قریب باندرہ میں شاہ صاحب رہتے تھے۔ وہیں ان کو بھی رکھا اور کئی برس یہاں رہ کر ماہ عالم نے قرآن شریف اور مسئلہ مسائل کی کتابیں پڑھیں اور نماز روزے سے خوب واقف ہو گئے۔

ماہ عالم کہتے ہیں کہ جب میں خوب ہوشیار ہو گیا' تو ایک دن میں نے بغدادی شاہ صاحب سے مرید ہونے کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا ''میاں تم تو مریدوں کی شکل ہو۔'' میں نے عرض کیا ''نہیں جناب قاعدہ اور طریقہ کے موافق داخل سلسلہ فرما لیجئے۔'' یہ سن کر شاہ صاحب آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور بولے۔ ''مریدی بڑی مشکل چیز ہے۔ لوگوں نے اس کو ہنسی کھیل سمجھ لیا ہے۔ رسمی طور سے مرید ہوتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ مریدی کیا ہوتی ہے اور اس کے کیا آداب اور کیا فرائض ہیں۔ جتنی ٹھوکریں تم نے آج تک کھائی ہیں۔ اس سے ہزار درجہ زیادہ قدم قدم پر امتحان ہیں۔ بابا! یہ راستہ بڑا کٹھن ہے اور فقیری کے کوچہ میں ہزاروں ٹھوکریں ہیں۔

''آج کل کے لوگ دنیاوی خواہشوں کے پورا ہونے کے لئے مرید ہوتے ہیں' حالانکہ مریدی اس کا نام ہے کہ تمام خواہشیں اور تمنائیں مٹا کر پیر کا دامن پکڑے اور اگر از خود وہ خواہشیں نہ مٹ سکیں تو پیر سے یہی درخواست کی جائے کہ پہلے وہ انسانی جذبات کو فنا کرے۔

''میاں صاحب زادے' فقیری بھی ایک طرح کی بادشاہت ہے۔ جیسے بادشاہوں کو ملکی انتظام کے لئے لائق کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے' فقرا بھی اقلیم باطن کا نظم و نسق ذی ہوش لوگوں کے سپرد کرتے ہیں۔ بہادر شاہ کو انگریزوں کے مقابلے میں اسی لیے شکست ہوئی کہ ان کے پاس کام کر سکنے والے آدمی نہ تھے' ورنہ ایسی حالت میں کہ تمام ملک کی ہمدردی بادشاہ کے ساتھ تھی' مٹھی بھر انگریز کیا کر سکتے تھے' مگر انگریزوں کی لیاقت اور ملک داری کی قابلیت نے ان کو فتح دلائی اور بادشاہ ہار گئے۔ یہی حال درویشی فقیری کا ہے۔ انسان کے غنیم نفس و شیطان رات دن دولت ایمان لوٹنے کی درپے رہتے ہیں اور فقیر اپنے باطنی کمالات سے دشمنوں کو زک دے کر زیر کرتے ہیں' لیکن جب فقیروں میں کمالات مفقود ہو جائیں گے تو نفس شیطانی آسانی سے ایمان کے تاج و تخت پر قبضہ کر لیں گے۔ اس زمانے میں چونکہ فقرا کی حالت اپنے طریقہ سے بالکل خلاف ہو گئی ہے' اس لئے مریدوں کی کیفیت بھی دگرگوں ہو گئی۔ تم کو چاہئے کہ پہلے اچھی طرح پیری مریدی کے فرائض اور کاموں کو سمجھ لو۔ اس کے بعد مرید ہونا۔''

☆ ☆ ☆

شہزادی کی بپتا

ہونے کو تو غدر پچاس برس کی کہانی ہے' مگر مجھ سے پوچھو تو کل کی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اُن دنوں میری عمر سولہ سترہ برس کی تھی۔ میں اپنے بھائی یادرشاہ سے دو برس چھوٹی اور مرنے والی بہن نازبانو سے چھ سال بڑی ہوں۔ میرا نام سلطان بانو ہے۔ اباجان مرزا قویش بہادر ظل سبحانی حضرت بہادر شاہ کے چہیتے اور نونہال فرزند تھے۔

بھائی یادرشاہ اور ہم بہنوں میں بڑی محبت تھی۔ ہر ایک دوسرے پر فدا تھا۔ آ کا بھائی کے لیے باہر کئی استاد طرح طرح کی باتیں سکھانے والے تھے۔ کوئی حافظ تھا اور کوئی مولوی۔ کوئی خوش نویس تھا اور کوئی تیر انداز۔

اور ہم محل میں سینا پرونا اور کشیدہ کاڑھنا مغلانیوں سے سیکھتے تھے۔ دستور تھا کہ حضرت ظل سبحانی جن بچوں اور بڑوں پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے' ان کو صبح کا کھانا شاہی دسترخوان پر حضور والا کے ہمراہ کھلایا جاتا تھا۔ چنانچہ ظل سبحانی مجھ کو بھی بہت چاہتے تھے اور میں ہمیشہ صبح کے وقت کھانے کے واسطے بلائی جاتی تھی۔ جب میں نے ہوش سنبھالا اور چچا ابوبکر کے لڑکے مرزا اسہراب بھی کھانا کھانے آیا کرتے تھے۔ اگرچہ ہمارے کل خاندان میں باہم پردہ نہ تھا اور نہ اب ہے۔ شرعی نامحرم گھر میں آتے جاتے تھے' مگر میں اپنی طبیعت سے مجبور تھی۔ میں ایک آن کے لیے کسی غیر مرد کے سامنے جانا گوارا نہ کرتی تھی۔ پر کیا کرتی' حضور کے حکم کے خلاف دسترخوان پر کس طرح نہ جاتی' لیکن غنیمت یہ تھا کہ آداب سلطانی کے باعث سب نظریں جھکائے رکھتے تھے۔ مجال نہ تھی کہ ایک بچہ بھی اِدھر اُدھر دیکھے یا آواز سے بولے۔

قاعدہ یہ تھا کہ جب حضور معلی کوئی خاص کھانا کسی کو مرحمت فرماتے تو وہ بچہ ہو یا جوان' عورت ہو یا مرد اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے ادب پر جاتا اور جھک کر تین سلام بجالاتا۔ ایک دن میرے ساتھ بھی یہی اتفاق پیش آیا کہ حضور نے ایک نئی قسم کا ایرانی کھانا مجھ کو عطا کیا اور فرمایا "سلطانہ! تُو تو کچھ کھاتی ہی نہیں' ادب اور لحاظ ایک حد تک اچھا ہوتا ہے نہ کہ اتنا کہ دسترخوان پر سے بھوکا اٹھا جائے۔" میں کھڑی ہوئی اور جائے ادب پر جا کر تین آداب بجالائی' مگر کچھ نہ پوچھو اس مشکل سے آئی گئی کہ دل ہی جانتا ہے۔ ہر قدم پر الجھتی تھی اور اوسان خطا ہوئے جاتے تھے۔

اب میں سوچتی ہوں کہ وہ زمانہ کیا ہوا۔ وہ خوشی کے دن کہاں چلے گئے۔ جب ہم اپنے محلوں میں آزاد و بے فکر پھرا کرتے تھے۔ ظل سبحانی کا سایہ سر پر تھا اور لوگ ہمیں ملکہ عالم کہہ کر پکارتے تھے۔ دنیا کے اتار چڑھاؤ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے کہ جب حضور معلی مقبرہ ہمایوں میں گرفتار کیے گئے اور ایک گورے نے چچا جان حضرت مرزا ابوبکر بہادر کے تپنچہ مارا تو میرزا اسہراب تلوار گھسیٹ کر دوڑے' مگر دوسرے گورے نے ان کے گولی ماردی اور وہ ایک آہ کر کے چچا جان کی نعش پر گر پڑے اور تڑپ کر ٹھنڈے ہوگئے اور میں بت بنی تماشا دیکھتی رہی۔ اتنے میں خواجہ سرا آیا اور کہنے لگا "بیگم! کیوں کھڑی ہو چلو تمہارے ابا جان نے بلایا ہے۔" میں اسی بیخودی کے عالم میں اس کے ساتھ ہولی۔ دریائی دروازے سے اتر کر دیکھا کہ ابا جان میرزا قویش بہادر گھوڑے پر سوار ننگے سر کھڑے ہیں۔ تمام چہرے اور سر کے بال

خاک آلود ہو رہے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی آنسو بھر لائے اور فرمایا "لو سلطانہ! اب ہمارا بھی کوچ ہے۔ جوان بیٹا جس کے سہرے کی آرزو تھی' آنکھوں کے سامنے ایک سکھ کی سنگین کا نشانہ بن گیا۔" یہ سنتے ہی میں نے ایک چیخ ماری اور ہائے بھائی یا در کہہ کر رونے لگی۔ وہ گھوڑے سے اتر آئے۔ مجھ کو اور ناز بانو کو گلے لگا کر پیار کیا اور تسلی دینے لگے اور کہا "بیٹی! اب لوگ میری تلاش میں بھی ہیں۔ دو چار گھڑی کا مہمان ہوں۔ تم ماشاء اللہ جوان اور سمجھ دار ہو۔ اپنی چھوٹی بہن کو دلا سا دو اور آنے والی مصیبتوں پر صبر کرو۔ خبر نہیں اس کے بعد کیا پیش آنے والا ہے۔ جی تو نہیں چاہتا کہ تم کو تن تنہا چھوڑ کر کہیں جاؤں' پر ایک نہ ایک دن تمہیں بن باپ کا بننا ہی پڑے گا۔ ناز بانو تو ابھی بچہ ہے۔ اس کی دل داری کرنا اور تنگی سے زندگی بسر کرنا اور دیکھو ناز بانو اب تم شہزادی نہیں ہو۔ کسی چیز کے لئے ضد نہ کرنا۔ جو میسر آئے شکر کر کے کھا لینا اور اگر کوئی شخص کچھ کھاتا ہو تو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا ورنہ لوگ کہیں گے کہ شہزادیاں بڑی بدنیت ہوتی ہیں۔" پھر ہم دونوں کو خواجہ سرا کے سپرد کر کے کہا "ان کو جہاں ہمارے خاندان کے اور آدمی ہوں' پہنچا دینا۔" اس کے بعد ہم کو پیار کیا اور روتے ہوئے گھوڑا دوڑاتے جنگل میں گھس گئے۔ پھر پتہ نہ لگا کہ وہ کیا ہوئے۔

خواجہ سرا ہم کو لے چلا۔ یہ ہمارے گھر کا قدیمی نمک خوار تھا۔ تھوڑی دور تک ناز بانو جو نازوں کی پلی ہوئی تھی' چلی مگر پھر پاؤں کی طاقت نے جواب دے دیا اور قدم چلنا دوبھر ہو گیا۔ مجھ کو بھی کبھی پیدل چلنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ جگہ جگہ ٹھوکریں کھاتی تھی مگر بانو کو لیے ہوئے چلی جاتی تھی۔ اتنے میں ناز بانو کے ایک نوکدار کانٹا چبھ گیا اور وہ ہائے کہہ کر گر پڑی۔ میں نے جلدی سے اس کو اٹھایا اور کانٹا نکالنے لگی' مگر موا خواجہ سرا کھڑا دیکھا کیا اور یہ نہ ہوا کہ میرا ہاتھ بٹا لیتا بلکہ چلنے کی جلدی کرنے لگا۔ بہن بولی "آپا جان! مجھ سے پیدل نہیں چلا جاتا۔ ناظر کو بھیج کر گھر سے پالکی منگا لو۔" گھر اور پالکی کا نام سن کر میرا جی بھر آیا اور اس کو تسلی دینے لگی۔ خواجہ سرا نے پھر کہا کہ "چلو بس ہو چکا۔ جلدی چلو۔" ناز بانو کا مزاج تیز تھا۔ وہ نوکروں کو ہمیشہ سخت سست کہہ لیا کرتی تھی اور یہ لوگ دم بخود ہو کر سن لیتے تھے۔

اسی خیال سے اس نے خواجہ سرا کو پھر ایک دو باتیں سنا دیں۔ کم بخت کو سنتے ہی اتنا غصہ آیا کہ آپے سے باہر ہو گیا اور بڑی بے ترسی سے بن باپ کی دکھیا بچی کے ایک طمانچہ مارا۔ بانو بلبلا گئی۔ وہ کبھی پھول کی چھڑی سے بھی نہ پٹی تھی یا ایسا طمانچہ لگا۔

اس کے رونے سے مجھ کو بھی بے اختیار رونا آ گیا۔ ہم تو روتے رہے اور خواجہ سرا کہیں چلا گیا۔ پھر خبر نہ ملی کہ وہ کیا ہوا۔ ہم دونوں بمشکل تمام گرتے پڑتے درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ میں پہنچے۔ یہاں دہلی کے اور خاص ہمارے خاندان کے سینکڑوں آدمی تھے' مگر ہر ایک اپنی اپنی مصیبت میں گرفتار قیامت کا نمونہ تھا۔ کسی نے بات تک نہ پوچھی۔ اسی اثناء میں وبا پھیلی اور پیاری بہن ناز بانو اس میں رخصت ہو گئیں۔ میں اکیلی رہ گئی۔ امن ہوا جب بھی مجھ دکھیا کو سکھ نہ ملا۔ آخر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انگریزی سرکار نے ہم لوگوں کی پرورش کرنی چاہی اور میرا پانچ روپیہ مہینہ وظیفہ مقرر ہوا' جو اب بھی ملتا ہے۔

☆ ☆ ☆

فاقہ میں روزہ (تاجدار دہلی کے ایک کنبہ کا فسانہ)

جب دہلی زندہ تھی اور ہندوستان کا دل کہلانے کا حق رکھتی تھی' لال قلعہ پر تیموریوں کا آخری نشان لہرا رہا تھا۔ انہیں دنوں کا ذکر ہے کہ مرزا سلیم بہادر (جو ابوظفر بہادر شاہ کے بھائی تھے اور غدر سے پہلے ایک اتفاقی قصور کے سبب قید ہو کر الہ آباد چلے گئے تھے) اپنے مردانہ مکان میں بیٹھے ہوئے دوستوں سے بے تکلفانہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں زنان خانہ سے ایک لونڈی باہر آئی اور ادب سے عرض کیا کہ حضور بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ مرزا سلیم فوراً محل میں چلے گئے اور تھوڑی دیر میں مغموم واپس آئے۔ ایک بے تکلف ندیم نے عرض کیا'

''خیر باشد۔ مزاج عالی مکدر پاتا ہوں'' مرزا نے مسکرا کر جواب دیا ''نہیں کچھ نہیں۔ بعض اوقات اماں حضرت خواہ مخواہ ناراض ہو جاتی ہیں۔ کل شام کو افطاری کے وقت تھمن خان گویا گا رہا تھا اور میرا دل بہلا رہا تھا۔ اس وقت اماں حضرت قرآن شریف پڑھا کرتی ہیں۔ ان کو یہ شور وغل ناگوار معلوم ہوا۔ آج ارشاد ہوا ہے کہ رمضان گانے بجانے کی محفلیں بند کر دی جائیں۔ بھلا میں اس تفریحی عادت کو کیونکر چھوڑ سکتا ہوں۔ ادب کے لحاظ سے قبول تو کر لیا' مگر اس پابندی سے جی الجھتا ہے۔ حیران ہوں کہ یہ سولہ دن کیونکر بسر ہوں گے۔''

مصاحب نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا ''حضور یہ بھی کوئی پریشان ہونے کی بات ہے۔ شام کو افطاری سے پہلے جامع مسجد تشریف لے چلا کیجئے۔ عجب بہار ہوتی ہے۔ رنگ برنگ کے آدمی طرح طرح کے جمگھٹے دیکھنے میں آئیں گے۔ خدا کے دن ہے۔ خدا والوں کی بہار بھی دیکھئے۔''

مرزا نے اس صلاح کو پسند کیا اور دوسرے دن مصاحبوں کو لے کر جامع مسجد پہنچے۔ وہاں جا کر عجب عالم دیکھا۔ جگہ جگہ حلقہ بنائے لوگ بیٹھے ہیں۔ کہیں قرآن شریف کے ورد ہو رہے ہیں۔ رات کے قرآن سنانے والے حفاظ آپس میں ایک دوسرے کو قرآن سنا رہے ہیں۔ کہیں مسائل دین پر گفتگو ہو رہی ہے۔ دو عالم کسی فقہی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں اور بیسیوں آدمی گرد میں بیٹھے مزے سے سن رہے ہیں۔ کسی جگہ توجہ اور مراقبہ کا حلقہ ہے۔ کہیں کوئی صاحب وظائف میں مشغول ہیں۔ الغرض مسجد میں چاروں طرف اللہ والوں کا ہجوم ہے۔

کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ'' ۔ مرزا کو یہ نظارہ نہایت پسند آیا اور وقت بہت لطف سے کٹ گیا۔ اتنے میں افطار کا وقت قریب آیا۔ سینکڑوں خوان افطاری کے آنے لگے اور لوگوں میں افطاریاں تقسیم ہونے لگیں۔ خاص محل سلطانی سے متعدد خوان مکلف چیزوں سے آراستہ روزانہ جامع مسجد میں بھیجے جاتے تھے تاکہ روزہ داروں میں افطاری تقسیم کی جائے۔ اس کے علاوہ قلعہ کی تمام بیگمات اور شہر کے سب امرا علیحدہ افطاری کے سامان بھیجتے تھے' اس لیے ان خوانوں کی گنتی سینکڑوں تک پہنچ جاتی تھی۔ چونکہ ہر امیر کوشش کرتا تھا کہ اس کا سامان افطاری دوسروں سے بڑھ کر رہے' اس لیے ریشمی رنگ برنگ کے خوان پوش اور ان پر مقیشی جھالریں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہوتی تھیں اور مسجد میں ان کی عجب آرائش ہو جاتی تھی۔

میرزا کے دل پر اس دینی چہچہے اور شان وشوکت نے بڑا اثر ڈالا اور اب وہ برابر روزانہ مسجد میں آنے لگے۔

گھر گھر میں وہ دیکھتے کہ سینکڑوں فقراء کو سحری اور اول شب کا کھانا روزانہ شہر کی خانقاہوں اور مسجدوں میں بھجوایا جاتا تھا اور باوجود رات دن کے لہو ولعب کے یہ دن ان کے گھر میں بڑی برکت اور چہل پہل کے معلوم ہوتے تھے۔

مرزا سلیم کے ایک بھانجے مرزا شہ زور نو عمر کے سبب اکثر اپنے ماموں کی صحبت میں بے تکلف شریک ہوا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک تو وہ وقت تھا جو آج خواب و خیال کی طرح یاد آتا ہے اور ایک وہ وقت آیا کہ دہلی زیر و زبر ہو گئی۔ قلعہ برباد کر دیا گیا۔ امیروں کو پھانسیاں مل گئیں۔ ان کے گھر اکھڑ گئے۔ ان کی بیگمات ماما گیری کرنے لگیں اور مسلمانوں کی سب شان و شوکت تاراج ہو گئی۔ اس کے بعد ایک دفعہ رمضان شریف کے مہینے میں جامع مسجد جانے کا اتفاق ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جگہ جگہ چولہے بنے ہوئے ہیں۔ سپاہی روٹیاں پکا رہے ہیں۔ گھوڑوں کے دانے دلے جا رہے ہیں۔ گھانس کے انبار لگے ہوئے ہیں اور شاہجہاں کی خوبصورت اور بے مثل مسجد اصطبل نظر آتی ہے اور پھر جب مسجد واگزاشت ہو گئی اور سرکار نے اس کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا تو رمضان ہی کے مہینے میں پھر جانا ہوا۔ دیکھا چند مسلمان میلے کچیلے پیوند لگے کپڑے پہنے بیٹھے ہیں۔ دو چار قرآن شریف کا دور کر رہے ہیں اور کچھ اسی پریشان حالی میں بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ افطاری کے وقت چند آدمیوں نے کھجوریں اور دال سیو بانٹ دیے۔ کسی نے ترکاری کے قتلے تقسیم کر دیے۔ نہ وہ اگلا سا ساماں نہ وہ اگلی سی چہل پہل نہ وہ پہلی سی شان و شوکت۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ بیچارے فلک کے مارے چند لوگ جمع ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد آج کل کا زمانہ بھی دیکھا جبکہ مسلمان چاروں طرف سے دب گئے ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان تو مسجد میں نظر ہی کم آتے ہیں۔ غریب غربا آئے تو ان سے رونق کیا خاک ہو سکتی ہے۔ پھر بھی غنیمت ہے کہ مسجد آباد ہے۔ اگر مسلمانوں کے افلاس کا یہی عالم رہا تو آئندہ خبر نہیں کیا نوبت آئے۔

مرزا شہ زور کی باتوں میں بڑا درد اور اثر تھا۔ ایک دن میں نے ان سے غدر کا قصہ اور تباہی کا افسانہ سننا چاہا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اس کے بیان کرنے میں عذر و مجبوری ظاہر کرنے لگے لیکن جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو اپنی دردناک کہانی اس طرح سنائی۔

جب انگریزی توپوں نے کرچوں اور سنگینوں نے حکیمانہ توڑ جوڑ نے ہمارے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ تاج سر سے اتار لیا۔ تخت پر قبضہ کر لیا۔ شہر میں آتش ناک گولیوں کا مینہ برس چکا۔ سات پردوں میں رہنے والیاں بے چادر ہو کر بازار میں اپنے وارثوں کی تڑپتی ہوئی لاشوں کو دیکھنے نکل آئیں۔ چھوٹے بن باپ کے بچے ابا ابا پکارتے ہوئے بے یار و مددگار پھرنے لگے۔ حضور ظل سبحانی جن پر ہم سب کا سہارا تھا قلعہ چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ اس وقت میں نے بھی اپنی بوڑھی والدہ، کمسن بہن اور حاملہ بیوی کو ساتھ لے کر اور اجڑے قافلے کا سالار بن کر گھر سے کوچ کیا۔

ہم لوگ دو رتھوں میں سوار تھے۔ سیدھے غازی آباد کا رخ کیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ راستہ انگریزی لشکر کی جولان گاہ بنا ہوا ہے اس لیے شہدرہ سے واپس ہو کر قطب صاحب چلے اور وہاں پہنچ کر رات کو آرام کیا۔ اس کے بعد صبح آگے روانہ ہوئے۔ چھتر پور کے قریب گوجروں نے حملہ کیا اور سب سامان لوٹ لیا مگر اتنی مہربانی کی کہ ہم کو زندہ چھوڑ دیا۔ وہ لق و دق جنگل، تین عورتوں کا ساتھ اور عورتیں بھی کیسی؟ ایک بڑھاپے سے لاچار، دو قدم چلنا دوبھر۔ دوسری بیمار اور حاملہ۔

تیسری دس برس کی نادان لڑکی۔ عورتیں روتی تھیں اور بیان کر کر کے روتی تھیں۔ میرا کلیجہ ان کے بیان سے پھٹا جاتا تھا۔ والدہ کہتی تھیں "الٰہی ہم کہاں جائیں۔ کس کا سہارا ڈھونڈیں۔ ہمارا تاج و تخت لٹ گیا تو ٹوٹا بوریا اور امن کی جگہ تو دے۔ اس بیمار پیٹ والی کو کہاں لے کر بیٹھوں۔ اس معصوم بچی کو کس کے حوالے کروں۔ جنگل کے درخت بھی ہمارے دشمن ہیں۔ کہیں سایہ نظر نہیں آتا۔" بہن کی یہ کیفیت تھی کہ وہ سہمی ہوئی کھڑی تھی اور ہم سب کا منہ تکتی تھی۔ مجھ کو اس کی معصومانہ بے کسی پر بڑا ترس آتا تھا۔ آخر مجبوراً میں نے عورتوں کو دلاسا دیا اور آگے چلنے کی ہمت بندھائی۔ گاؤں سامنے نظر آتا تھا۔ غریب عورتوں نے چلنا شروع کیا۔ والدہ صاحبہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی تھیں اور سر پکڑ کر بیٹھ جاتی تھیں اور جب وہ یہ کہتیں۔

"تقدیر ان کو ٹھوکریں کھلواتی ہے جو تاجوروں کے ٹھوکریں مارتے تھے۔ قسمت نے ان کو بے بس کر دیا جو بیکسوں کے کام آتے تھے۔ ہم چنگیز کی نسل ہیں جس کی تلوار سے زمین کانپتی تھی۔ ہم تیمور کی اولاد ہیں جو ملکوں کا اور شہریاروں کا شاہ تھا۔ ہم شاہجہاں کے گھر والے ہیں جس نے ایک قبر پر جواہر نگار بہار دکھادی اور دنیا میں بے نظیر مسجد دہلی کے اندر بنادی۔ ہم ہندوستان کے شہنشاہ کے کنبہ میں ہیں۔ ہم عزت والے تھے۔ زمین میں ہمیں کیوں ٹھکانا نہیں ملتا۔ وہ کیوں سرکشی کرتی ہے۔ آج ہم پر مصیبت ہے۔ آج ہم پر آسمان روتا ہے۔"

تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ القصہ بہ ہزار دقت و دشواری گرتے پڑتے گاؤں میں پہنچے۔ یہ گاؤں مسلمان میواتیوں کا تھا۔ انہوں نے ہماری خاطر کی اور اپنی چوپاڑ میں ہم کو ٹھہرادیا۔

کچھ روز تو ان مسلمان گنواروں نے ہمارے کھانے پینے کی خبر رکھی اور چوپاڑ میں ہم کو ٹھہرائے رکھا لیکن کب تک یہ بار اٹھا سکتے تھے۔ اکتا گئے اور ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ "میاں جی! چوپاڑ میں ایک برات آنے والی ہے۔ تو دوسرے چھپر میں چلا جا اور رات دن ٹھالی (بیکار) بیٹھے کیا کرے ہے۔ کچھ کام کیوں نہیں کرتا۔" میں نے کہا "بھائی! جہاں تم کہو گے وہیں جا پڑیں گے۔ ہمیں چوپاڑ میں رہنے کی ہوس نہیں ہے۔ جب فلک نے عالی شان محل چھین لئے تو اس کچے مکان پر ہم کیا ضد کریں گے۔ اور رہی کام کرنے کی بات سو میرا جی تو خود گھبراتا ہے۔ خالی بیٹھے بیٹھے طبیعت اکتائی جاتی ہے۔ مجھ کو کوئی کام بتاؤ، ہو سکے گا تو آنکھوں سے کروں گا۔" ان کا چودھری بولا "ہم نے کے بیرا (ہمیں کیا خبر) کہ تم کے کام (کیا کام) کر سکے ہے۔" میں نے جواب دیا "میں سپاہی زادہ ہوں۔ تیغ تفنگ چلانا میرا ہنر ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں جانتا۔" گنوار ہنس کر کہنے لگے "نہ بابا یہاں تو ہل چلانا ہوگا۔ گھاس کھودنی پڑے گی۔ ہم نے تلوار کے ہنر کیا کرنے ہیں۔" گنوار کے اس جواب سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور جواب دیا کہ "بھائیو! مجھ کو تو ہل چلانا اور گھاس کھودنی نہیں آتی۔" مجھ کو روتا دیکھ کر گنواروں کو رحم آ گیا اور بولے "اچھا تو ہمارے کھیت کی رکھوالی کیا کر اور تیری عورتیں ہمارے گاؤں کے کپڑے سی دیا کریں۔ فصل پر تجھ کو اناج دے دیا کریں گے جو تجھ کو برس دن کو کافی ہوگا۔"

چنانچہ یہی ہوا کہ میں سارا دن کھیت پر جانور اڑایا کرتا تھا اور گھر میں عورتیں کپڑے سیتی تھیں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بھادوں کا مہینہ آیا اور گاؤں میں سب کو بخار آنے لگا۔ میری اہلیہ اور بہن کو بھی بخار نے آن دبایا۔ وہ گاؤں، وہاں دوا اور حکیم کا کیا ذکر۔ خود لوٹ پیٹ کر اچھے ہو جاتے ہیں، مگر ہم کو دواؤں کی عادت تھی۔ سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ اسی حالت

میں ایک دن اس زور کی بارش ہوئی کہ جنگل کا نالہ چڑھ آیا اور گاؤں میں کمر کمر پانی ہو گیا۔ گاؤں والے تو اس کے عادی تھے لیکن ہماری حالت اس طوفان کے سبب مرنے سے بدتر ہو گئی۔ چونکہ پانی ایک دفعہ ہی رات کے وقت گھس آیا تھا' اس لئے ہماری عورتوں کی چارپائیاں بالکل غرق آب ہو گئیں اور عورتیں چیخیں مارنے لگیں۔ آخر بڑی مشکل سے چھپر کی بلیوں میں دو چار پائیاں اڑا کر عورتوں کو ان پر بٹھایا۔ پانی گھنٹہ بھر میں اتر گیا مگر غضب یہ ہوا کہ کھانے کا اناج اور اوڑھنے بچھانے کے کپڑے تر کر گیا۔ پچھلی رات میری بیوی کے دردِ زہ شروع ہوا اور ساتھ ہی جاڑے سے بخار بھی لایا۔ اس وقت کی پریشانی بس بیان کرنے کے قابل نہیں۔ اندھیرا گھپ' مینہ کی جھڑی' کپڑے سب گیلے' آگ کا سامان ناممکن۔ حیران تھے الٰہی کیا انتظام کیا جائے۔ درد بڑھنے شروع ہوئے اور مریضہ کی حالت نہایت ابتر ہو گئی۔ یہاں تک کہ وہ تڑپنے لگی اور تڑپتے تڑپتے جان دے دی۔ بچہ پیٹ ہی میں رہا۔

چونکہ وہ ساری عمر ناز و نعمت میں پلی تھیں' غدر کی مصیبتیں ہی ان کی ہلاکت کے لیے کافی تھیں۔ خیر اس وقت تو جان بچ گئی' مگر یہ بعد کا جھٹکا ایسا بڑا لگا کہ جان لے کر گیا۔

صبح ہو گئی۔ گاؤں والوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے کفن وغیرہ منگوا دیا اور دوپہر تک یہ محتاج شہزادی گور غریباں میں ہمیشہ کے لیے جا سوئی۔

اب ہم کو کھانے کی فکر ہوئی کیونکہ اناج سب بھیگ کر سڑ گیا تھا۔ گاؤں والوں سے بھی مانگتے ہوئے لحاظ آتا تھا۔ وہ بھی ہماری طرح اسی مصیبت میں گرفتار تھے۔

تاہم بیچارے گاؤں کے چودھری کو خود ہی خیال ہوا اور اس نے قطب صاحب سے ایک روپے کا آٹا منگوا دیا۔ وہ آٹا نصف کے قریب خرچ ہوا ہوگا کہ رمضان شریف کا چاند نظر آیا۔ والدہ صاحبہ کا دل بہت نازک تھا۔ وہ ہر وقت گذشتہ زمانے کو یاد کیا کرتی تھیں۔ رمضان کا چاند دیکھ کر انہوں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور چپ ہو گئیں۔ میں سمجھ گیا کہ ان کو پچھلا زمانہ یاد آ رہا ہے۔ تسلی کی باتیں کرنے لگا جس سے ان کو کچھ ڈھارس ہو گئی۔

چار پانچ دن تو آرام سے گذر گئے۔ مگر جب آٹا ختم ہو چکا تو بڑی مشکل در پیش ہوئی۔ سوال کرتے ہوئے شرم آتی تھی اور پاس ایک کوڑی نہ تھی۔ شام کو پانی سے روزہ کھولا۔ بھوک کے مارے کلیجہ منہ کو آتا تھا۔

والدہ صاحبہ کی عادت تھی کہ اس قسم کی تکلیف کے وقت بیان کر کے بہت رویا کرتی تھیں' مگر آج بڑے اطمینان سے خاموش تھیں۔ ان کی خاموشی و اطمینان سے میرے دل کو بھی سہارا ہوا اور چھوٹی بہن کو جس کے چہرے پر بھوک کے مارے ہوائیاں اڑ رہی تھیں دلاسا دینے لگا۔ وہ معصوم بھی میرے سمجھانے سے نڈھال ہو کر چارپائی پر جا پڑی اور تھوڑی دیر میں سو گئی۔ بھوک میں نیند کہاں آتی ہے' بس ایک غوطہ سا تھا۔

اس غوطہ اور ناتوانی کی حالت میں سحری کا وقت آ گیا۔ والدہ صاحبہ اٹھیں اور تہجد کی نماز کے بعد جن دردناک الفاظ میں انہوں نے دعا مانگی ان کا نقل کرنا محال ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ:

"ہم نے ایسا کیا قصور کیا ہے جس کی سزا یہ مل رہی ہے۔ رمضان کے مہینے میں ہمارے گھر سے سینکڑوں محتاجوں کو کھانا ملتا تھا اور آج ہم خود دانے دانے کو محتاج ہیں اور روزہ پر روزہ رکھ رہے ہیں۔ خداوندا! اگر ہم سے قصور ہوا ہے تو اس

معصوم بچی نے کیا خطا کی جس کے منہ میں کل سے ایک کھیل اڑ کر نہیں گئی۔"

دوسرا دن بھی یونہی گذر گیا اور فاقہ میں روزہ در روزہ رکھا۔ شام کے قریب چودھری کا آدمی دودھ اور میٹھے چاول لایا اور بولا "آج ہمارے ہاں نیاز تھی۔ یہ اس کا کھانا ہے اور یہ پانچ روپیہ زکوٰۃ کے ہیں۔ ہر سال بکریوں کی زکوٰۃ میں بکری دیا کرتے ہیں' مگر اب کے نقد دے دیا ہے۔"

یہ کھانا اور روپے مجھ کو ایسی نعمت معلوم ہوئے گویا بادشاہت مل گئی۔ خوشی خوشی والدہ کے آگے سارا قصہ کہا۔ کہتا جاتا تھا اور خدا کا شکرانہ بھیجتا جاتا تھا مگر یہ خبر نہ تھی کہ گردش فلک نے مرد کے خیال پر تو اثر ڈال دیا' لیکن عورت ذات جوں کی توں اپنی قدیمی غیرت داری پر قائم ہے۔

چنانچہ میں نے دیکھا کہ والدہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ باوجود فاقہ کی ناتوانی کے انہوں نے تیور بدل کر کہا "تف ہے تیری غیرت پر۔ خیرات اور زکوٰۃ لے کر آیا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ ارے اس سے مر جانا بہتر تھا۔ اگرچہ ہم مٹ گئے مگر ہماری حرارت نہیں مٹی۔ میدان میں نکل کر مر جانا یا مار ڈالنا اور تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے۔ صدقہ خوری ہمارا شیوہ نہیں ہے۔"

والدہ کی ان باتوں سے مجھے پسینہ آ گیا اور شرم کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ چاہا کہ اٹھ کر یہ چیزیں واپس کر آؤں' مگر والدہ نے روکا اور کہا "خدا ہی کو یہ منظور ہے تو ہم کیا کریں۔ سب کچھ سہنا ہوگا۔" یہ کہہ کر کھانا رکھ لیا اور روزہ کھولنے کے بعد ہم سب نے مل کر کھا لیا۔ پانچ روپیہ کا آٹا منگوایا گیا۔ جس سے رمضان خیر و خوبی سے بسر ہو گیا۔

اس کے بعد چھ مہینے گاؤں میں رہے۔ پھر دہلی چلے آئے۔ یہاں آ کر والدہ کا انتقال ہو گیا اور بہن کی شادی کر دی۔ انگریزی سرکار نے میری بھی پانچ روپے ماہوار پنشن مقرر کر دی ہے جس پر آج کل زندگی کا انحصار ہے۔

☆ ☆ ☆

غدر کی تصویر

اللہ اللہ زمانہ کے نشیب و فراز میں کتنے پُرحسرت نظارے ہیں۔ یہی دہلی جو اپنی گود میں ہزاروں ارمان بھرے دلوں کا خون بہتا دیکھ چکی ہے۔ رہ رہ کے پلٹے کھاتی اور رنگ دکھاتی ہے۔ ایک دن وہ تھا کہ بابر کی تلوار نے ابراہیم لودھی کا خون دہلی کے ریگستان کو پلایا اور اس کے اہل و عیال کو حسرت و یاس کی مجسم تصویر بنا ہوا سامنے دست بستہ کھڑا دکھایا ایک دن ایسا آیا کہ اسی کی اولاد اپنے اعمال کی بدولت ان بیکسوں کا نمونہ بنی۔

آہ! دہلی دربار کی نمائش گاہ میں داخل ہوتے ہی ایک تصویر پر نظر پڑی' جس میں بزم تیموری کی گل ہونے والی شمع ابوظفر بہادر شاہ مقبرہ ہمایوں میں میجر ہارسن کے ہاتھوں گرفتار کئے جا رہے ہیں۔ پشت پر ہمایوں کا مقبرہ نظر آتا ہے' جس پر کچھ عجیب دلگیر افسردگی چھائی ہوئی ہے۔ بہادر شاہ عبا پہنے ہوئے کھڑے ہیں۔ ہاتھ میں عصا ہے۔ چہرہ پر غم و الم میں ڈوبا ہوا بڑھاپے کا رنگ اور تخملانہ یاس کا عالم ہے۔ میجر ہارسن سرخ وردی پہنے بادشاہ کا دامن پکڑ کر کھڑے ہیں اور ان کے

دو ہمراہی بادشاہ کی پشت پر نظر آتے ہیں۔ میجر ہارسن کی اس بیباکانہ جرأت پر بہادر شاہ کا ایک بوڑھا جان نثار تلوار سوت کر لپکتا ہے۔ ہاتھ میں ڈھال ہے' مگر بشرہ نڈھال۔ قریب پہنچتے پہنچتے برابر والا سولجر پستول سامنے کر کے اس کا بڑھا ہوا حوصلہ پست اور جوش انتقام سرد کر دیتا ہے۔

افسوس ہے کہ دنیا کے اس مصیبت خیز انجام پر بھی لوگوں کو اس کی ہوس باقی ہے۔

چلتے وقت "دیوان حافظ" کا دم بخود کھلا ہوا ایک ورق نظر پڑا۔ جس کی پہلی سطر تھی

آخر نظر بسوئے ماکن

اے دولت خاص و حسرت عام

یہ پڑھتا ہوا باہر آیا اور اس مرقع کو مخاطب کر کے اس شعر کو دہرایا۔

☆ ☆ ☆

بھکاری شہزادہ

میں قریشیہ بیگم کا لاڈلا بیٹا ہوں' جو بہادر شاہ بادشاہ کی مشہور صاحبزادی تھیں۔ بچپن میں مَیں صاحب عالم میرزا قمر سلطان بہادر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا' مگر اب ذلیل گداگر کے سوا کوئی نام نہیں۔ پہلے بھی خوش تھا اب بھی راضی ہوں۔ گردش و انقلاب کا کیا شکوہ؟

سلطانی محلوں میں پیدا ہوا۔ آنکھ کھولی تو سامنے ایک خدائی کو ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑا دیکھا۔ ہوش سنبھالا تو عالم ہی اور نظر آیا۔ بڑے بڑے خود سر امیر الامراء آنکھ کے اشارے پر دوڑتے تھے۔ خیال تھا کہ ہم صرف اسی لیے پیدا ہوئے ہیں کہ سر اور آنکھوں پر بٹھائے جائیں۔ یہ خبر نہ تھی کہ دنیا میں کوئی دوسری زندگی بھی ہوتی ہے' مگر قدرت کے قربان جائیے۔ اس نے اپنی نیرنگی کے صدہا تماشے دکھائے۔ عروج بھی دیکھا اور زوال بھی۔ نسل شاہ ہونے کا وہ لطف بھی اٹھایا اور یہ مزا بھی چکھا۔ اپنی اپنی آن میں دونوں نرالے ہیں۔ حالت تو اس قابل نہ تھی مگر رحمدل انگریزوں نے رحم کھا کر پانچ روپے ماہوار پنشن مقرر کر دی۔

اب کیا تھا چار دن کے لیے پھر وہی شہزادہ عالم پناہ بن گئے۔ تنخواہ پر اس قدر قرضہ بڑھا کہ قرضخواہ کی ملک بن گئی۔ اب ہمارے لیے سوائے اس کے کیا چارہ تھا کہ محنت مزدوری کر کے پیٹ پالیں' لیکن شرم دامن گیر تھی۔ اسی اثناء میں آنکھوں کا نور جاتا رہا اور خاصے اندھے محتاج بن گئے۔ حیران تھا کہ الٰہی اب کیا کروں۔ مجبور ہو کر کاسۂ گدائی ہاتھ میں لے لیا اور گداگری کی ٹھہرا دی۔ رات کی تاریکی میں نکلتا ہوں اور صدائے عام لگا کر بھیک مانگتا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں۔ مرزا تم دن کو کیوں نہیں نکلتے' تو کہہ دیتا ہوں۔ بھائی غیرت کے سبب۔ جس شہر کی سڑکوں پر میری سواری کی سلامتی ہوتی تھی وہاں دل نہیں چاہتا کہ دن کی روشنی میں دست طلب پھیلاؤں۔ بس یہی میری سرگذشت ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا دکھڑا بیان کروں۔

آہ صاحبو! یہ فرضی فسانہ نہیں۔ عبرت کی سچی کہانی ہے۔ مرزا قمر سلطان قرشیہ بیگم کے صاحبزادے ہر رات کو دہلی کے بازاروں میں صدا لگاتے نظر آتے ہیں مگر ہائے بھیک بھی ایک شان سے مانگتے ہیں۔ نہ کہیں ٹھہرتے ہیں۔ نہ کسی کو مخاطب بناتے ہیں۔ بس ایک آواز ہوتی ہے

"یا اللہ ایک پیسہ کا آٹا دلوادے۔"

جو مختلف بازاروں میں چکر لگا کر اپنے مقام پر پہنچ جاتی ہیں۔ (کئی برس ہوئے یہ شہزادے صاحب انتقال فرما گئے)۔

☆ ☆ ☆

شاہی نسل کا ایک کنبہ

حضرت محبوب الٰہیؒ غریب نواز کا دستور تھا کہ جب ان کے سامنے کوئی عمدہ کھانا آتا تھا تو آبدیدہ ہو کر فرماتے "میں شکم سیر ہو کے کھانا کھاؤں اور میرے سینکڑوں بھائی گھروں میں بھوکے پڑے ہوں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ پہلے ان میں سے دو چار کی خبر لو۔ اس کے بعد میرے پاس لاؤ۔"

اسی طرح جب کوئی کپڑا آتا۔ تو رو کر ارشاد فرماتے "آہ! نظام یہ کپڑا پہنے اور اس کے بھائی مسجدوں کے دروازوں پر اور تنوروں کے سامنے سکڑے پڑے ہوں۔ پہلے ان کو دو۔ یہ سب سے اچھا کام ہے۔"

پس جو لوگ حضرت محبوب الٰہیؒ کی غلامی اور پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں ان پر فرض ہے کہ غربا اور محتاج انسانوں کی خبر گیری کیا کریں۔

ایک دفعہ دہلی میں سردی کا یہ عالم تھا کہ گھروں میں برتنوں کا پانی تک جم جاتا تھا۔ اس کیفیت کے دیکھنے سے ایک دن مجھے خیال آیا کہ اپنے غریب بھائیوں کی حالت معلوم کرنی چاہئے کہ آج کل ان پر کیا گذر رہی ہے' اس لئے دہلی گیا اور اپنے ایک غریب دوست کے مکان پر قیام کیا' جس کے چاروں طرف مفلوک الحال شہزادے آباد ہیں۔ اس گھر کی دیوار کے متصل ایک چھوٹا سا جھونپڑا تھا اور اس میں ایک شاہی نسل کا کنبہ رہتا تھا۔

میں نے سنا کہ یہ شہزادے صاحب صدر بازار میں کسی مسلمان سوداگر کی خدمتگاری پر نوکر تھے' مگر آج کل بیکار ہیں' کیونکہ وہ سوداگر کلکتہ چلا گیا ہے اور بڑھاپے کے سبب ان کا ملازم رکھنا پسند نہیں کرتا۔ بے چارے کے تین چھوٹے چھوٹے لڑکے اور ایک اٹھارہ برس کی لڑکی ہے۔ لڑکی کا بیاہ ہو گیا ہے مگر خاوند کے برے اطوار ہونے کے سبب ماں باپ کے گھٹنے سے لگی جوانی کے دن کاٹ رہی ہے۔ مجھ کو ایک ایسی جگہ بٹھا دیا گیا جہاں دیوار میں ایک بڑا سوراخ تھا اور غریب شہزادہ کا گھر صاف نظر آتا تھا۔

چھوٹا سا دالان اور ایک کوٹھڑی اور سامنے کھلی ہوئی صاف انگنائی۔ دالان میں تمیزدار سلیقہ شعار شہزادی نے کھجور کے بوریوں کا فرش بچھا رکھا تھا۔ کوٹھڑی کے اندر کچھ رکھا ہو تو معلوم نہیں۔ سامنے دالان میں تو کچھ دکھائی نہیں دیا۔ ہاں کونے میں صدہا پیوند لگی ہوئی گدڑی رکھی تھی اور اس سے ذرا اُدھر کو ایک پرانا پھٹا ہوا کمبل اوڑھے ہوئے تین بچے بیٹھے

تھے۔ شہزادی خود باجرے کی روٹی پکا رہی تھیں اور لڑکی سل پر چٹنی پیس رہی تھی۔

اتنے میں ایک بچہ بولا "لاؤ باجی جان چٹنی لاؤ۔ دیکھو روٹی ٹھنڈی ہوئی جاتی ہے۔" یہ سن کر لڑکی نے جلدی جلدی چٹنی سمیٹی اور بچوں کے آگے ایک پیالی میں رکھ دی۔ بچے باجرے کی روٹی کھانے لگے۔ اسی اثنا میں شہزادہ صاحب آ گئے۔ ایک میلی سی دلائی اوڑھے ہوئے تھے۔ دالان میں دیوار سے لگ کر چپ بیٹھ گئے۔

لڑکی بولی "کیوں ابا جان خیر ہے۔ آپ اداس کیوں بیٹھے ہیں۔" یہ سن کر شہزادے صاحب نے گردن اٹھائی۔ اور جواب دیا "کچھ نہیں خیر سلا ہے۔ آج تمام دن لوگوں کی سلامی اور خوشامد میں گذر گیا' مگر کہیں بھروسہ کی نوکری نہ ہوئی۔ جہاں دو روٹی کا سہارا ہوتا۔ ناچار ہو کر گھر کو واپس آ رہا تھا۔ سامنے سے لائق داماد صاحب کو پولیس کی حراست میں ہتھ کڑیاں پہنے جاتا دیکھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ کسی بازاری عورت کی ناک کاٹ لی تھی۔ یہ سن کر اور دیکھ کر اور بھی صدمہ ہوا۔ جب محلہ میں آیا تو بنئے نے جس سے قرض سودا آتا ہے۔ تقاضا کیا اور ایسا سخت کہ دل کو بہت برا معلوم ہوا۔ اب اس گھر میں بیٹھا ہوں کہ کیا کروں۔ سردی نے الگ ستا رکھا ہے۔ نوکری کی یہ صورت ہے اور سب سے بڑھ کر تیرا جلاپا ہے۔ مجھے تو خداوند دنیا سے اٹھا لے۔ تاکہ ان مصیبتوں سے نجات پاؤں۔"

اتنا کہہ کر شہزادہ صاحب نے گردن جھکا لی۔ میں نے دیکھا کہ بدنصیب لڑکی پر اس کا برا اثر پڑا۔ اس کی آنکھیں جھک گئیں اور آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ اس وقت اس اجڑے گھرانے کا منظر بڑا دردناک تھا اور نوجوان لڑکی کی بے کسی نے دنیاوی آرام و مصائب کی تصویر کھینچ دی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر سونے کا سامان کیا گیا۔ تینوں لڑکے اور ایک لڑکی برابر لیٹ گئے اور شہزادی نے اوپر سے وہی گدڑی جو کونے میں رکھی تھی' آڑی اڑھا دی۔ بچے تو چھوٹے قد ہونے کے سبب اس چوڑان میں ڈھک گئے' مگر لڑکی کے پیر پنڈلیوں تک کھلے رہے' اس لئے اس غریب نے پیروں کو سمیٹ لیا اور گٹھڑی بن کر پڑ گئی۔

شہزادہ صاحب اسی پتلی سی دلائی میں سکڑ کر دراز ہو گئے' جو دن کو اوڑھے پھرتے تھے اور شہزادی صاحب نے وہ پرانا کمبل اوڑھا جس کو بچوں کے پاس دیکھا تھا۔ اس شان سے یہ شاہی نسل کا کنبہ خواب راحت میں مصروف ہو گیا۔ اس وقت میرے دل پر زمانہ کے تغیرات کا ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ امید نہیں کہ کسی خوشحال آدمی کو اس کے قصور اور خیالات نے ایسا پُرعبرت اور پُرحسرت تماشا دکھایا ہو۔ اگر وہ لوگ غربت کی زندگی کا نظارہ کریں تو اپنی فانی امارت پر بھی غرور نہ آئے۔

اس وقت خود بخود اس گروہ کا دھیان آ گیا جو بے پردگی کا حامی ہے' مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جس سوسائٹی کی یہ حالت ہو' نہ تن پر کپڑا نہ پیٹ کو روٹی' اس کی عورتیں باہر کی دنیا کا کیا لطف اٹھا سکتی ہیں۔

☆ ☆ ☆

بہادر شاہ کا دعا نامہ پرنس کے نام
(بزمانہ سیاحت پرنس آف ویلز ۱۹۰۶ء جو آج کل شہنشاہ جارج ہیں' لکھا گیا)

اقبال مند تاجدار بھائی کا فرزند رنگون میں آتا ہے۔ آرزو تھی کہ اس کی شان اور اپنی آن کے موافق میزبانی کرتا' مگر بے سروسامانی سے مجبور ہوں۔ لاچار ہوں۔ قبر کی چھوٹی سی کوٹھڑی گیلی اور سیلی خاک کا بچھونا اس پر ایک پھٹے پرانے کفن میں ہڈیوں کی پوٹ' باہر دیکھو تو ٹینس کھیلنے کا میدان۔ احاطہ بھی کچھ زیادہ بارونق اور دلچسپ نہیں۔ بھلا ایسے منحوس ویرانے میں اپنے گورے چٹے برادر زادہ کو کیونکر مدعو کروں۔ پس میری طرف سے تو یہ مختصر سا دعا نامہ بھیج دینا کافی ہوگا۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

جانِ ظفر!

خدا تمہارے دم سے میرے بھائی ایڈورڈ کے گھر کا چراغ روشن رکھے۔ اپنی جوانی کا سکھ دیکھو۔ شاد رہو۔ آباد رہو' لیکن بیٹا سنا ہے کہ آج کل کی کوئی تحریر مطلب اور غرض سے خالی نہیں ہوتی۔ اس لئے تمہارا دعا گو ناتوان بھی اپنی چتا کے دو چار لفظ کہنا چاہتا ہے۔ تمہاری سعادت مندی سے امید ہے کہ ان کو توجہ سے سنو گے اور اپنے پدر بزرگوار سے سن و عن کہہ دو گے۔

اول تو یہ کہنا کہ تمہارا ناشاد و نامراد بھائی پردیس میں پڑا ہے۔ شامت اعمال کے سبب نام تو مٹا ہی تھا۔ اب قبر بھی مٹا دی گئی (اب قبر کا نشان بن گیا ہے -- حسن نظامی)

شان شہنشاہی سے بعید ہے کہ ایک عزت دار کی بے عزتی اور پامالی روا رکھی جائے۔

اس کے بعد یہ پیام دینا کہ آل ظفر آج کل سخت مصیبت میں ہے۔ کوڑی کوڑی سے محتاج۔ گداگری و جاروب کشی سے بھی پیٹ نہیں پلتا۔ جہاں اکثر کی پانچ روپیہ ماہوار پنشن مقرر کردی ہے' باقی نامرادوں کو بھی نوازدو۔

میری روح کو سخت اذیت ہوتی ہے' جب بال بچوں کو بھوکا پیاسا دیکھتا ہوں۔ فاتح بھائی سے مفتوح بھائی کو مانگنے میں عار نہیں۔ تم سے نہ کہوں تو کیا ہندوستان کی رعایا سے کہوں' جس کو میرے بچوں پر ترس نہیں آتا۔

اللہ کی شان' امراء و راجہ' نواب اور دولت مند لوگ جو ہمارے دروازے پر سر جھکانا فخر جانتے تھے' آج ہماری نسل کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں۔

یہ کڑاکے کی سردی۔ ادنیٰ ادنیٰ آدمی شال دوشالوں میں سوئیں اور میری اولاد کو پھٹا کمبل بھی نصیب نہ ہو۔ لوگ دیکھتے ہیں' سمجھتے ہیں مگر ذرا رحم نہیں کرتے۔ خیر اس میں کسی کا قصور نہیں۔ شکوہ بھی فضول ہے۔ یہ تو اپنی قسمت کا لکھا سامنے آ رہا ہے۔ تاہم مجھے گوارا نہیں کہ ہندوستان کے کسی آدمی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں۔ تم کو لکھتا ہوں تاکہ میرے منصف مزاج ہمسر کو میرے حال زار کی خبر کردو۔

☆ ☆ ☆

بنت بہادر شاہ

یہ ایک بے چاری درویشنی کی سچی کہانی ہے' جو زمانہ کی گردش سے ان پر گذری۔ ان کا نام کلثوم زمانی بیگم تھا۔ یہ دہلی کے آخری مغل بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ چند سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔ میں نے بارہا شہزادی صاحبہ سے خود ان کی زبانی ان کے حالات سنے ہیں کیونکہ ان کو ہمارے حضور خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ سے خاص عقیدت تھی' اس لیے اکثر حاضر ہوتی تھیں اور مجھ کو ان کی دردناک باتیں سننے کا موقع ملتا تھا۔ نیچے جس قدر واقعات لکھے گئے ہیں وہ یا تو خود ان کے بیان کردہ ہیں یا ان کی صاحبزادی زینب زمانی بیگم کے جواب تک زندہ ہیں اور پنڈت کے کوچہ میں رہتی ہیں اور وہ حالات یہ ہیں۔

جس رات میرے بابا جان کی بادشاہت ختم ہوئی اور تاج و تخت لٹنے کا وقت قریب آیا' تو دلی کے لال قلعہ میں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ در و دیوار پر حسرت برستی تھی۔ اجلے اجلے سنگ مرمر کے مکان کالے سیاہ نظر آتے تھے۔ تین وقت سے کسی نے کچھ نہ کھایا تھا۔ زینب میری گود میں ڈیڑھ برس کی بچی تھی اور دودھ کے لیے بلکتی تھی۔ فکر اور پریشانی کے مارے نہ میرے دودھ رہا تھا نہ کسی انا کے۔ ہم سب اس یاس و ہراس کے عالم میں بیٹھے تھے کہ حضرت ظل سبحانی کا خاص خواجہ سرا ہم کو بلانے آیا۔ آدھی رات کا وقت' سناٹے کا عالم' گولوں کی گرج سے دل سہمے جاتے تھے' لیکن حکم سلطانی ملتے ہی حاضری کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضور مصلے پر تشریف رکھتے تھے۔ تسبیح ہاتھ میں تھی۔ جب میں سامنے پہنچی۔ جھک کر تین مجرے بجا لائی۔ حضور نے نہایت شفقت سے قریب بلایا اور فرمانے لگے "کلثوم! لو اب تم کو خدا کو سونپا۔ قسمت میں ہے تو پھر دیکھ لیں گے۔ تم اپنے خاوند کو لے کر فوراً کہیں چلی جاؤ۔ میں بھی جاتا ہوں۔ جی تو نہیں چاہتا کہ اس آخری وقت میں تم بچوں کو آنکھ سے اوجھل ہونے دوں' پر کیا کروں' ساتھ رکھنے میں تمہاری بربادی کا اندیشہ ہے۔ الگ رہو گی تو شاید خدا کوئی بہتری کا سامان پیدا کر دے۔"

اتنا فرما کر حضور نے دست مبارک دعا کے لئے بلند کئے' جو رعشہ کے سبب کانپ رہے تھے۔ دیر تک آواز سے بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے رہے "خداوندا! یہ بے وارث بچے تیرے حوالے کرتا ہوں۔ یہ محلوں کے رہنے والے جنگل ویرانوں میں جاتے ہیں۔ دنیا میں ان کا کوئی یار و مددگار نہیں۔ تیمور کے نام کی عزت رکھیو اور ان بے کس عورتوں کی آبرو بچائیو۔ پروردگار یہی نہیں بلکہ تمام ہندوستان کے ہندو مسلمان میری اولاد ہیں اور آج کل سب پر مصیبت چھائی ہے۔ میرے اعمال کی شامت سے ان کو رسوا نہ کر اور سب پریشانیوں سے نجات دے۔"

اس کے بعد میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ زینب کو پیار کیا اور میرے خاوند میرزا ضیاء الدین کو کچھ جواہرات عنایت کر کے نور محل صاحبہ کو بھی ہمراہ کر دیا' جو حضور کی بیگم تھیں۔

پچھلی رات کو ہمارا قافلہ قلعہ سے نکلا' جس میں دو مرد اور تین عورتیں تھیں۔ مردوں میں ایک میرے خاوند میرزا ضیاء الدین اور دوسرے مرزا عمر سلطان بادشاہ کے بہنوئی تھے۔ عورتوں میں ایک میں' دوسری نواب نور محل' تیسری حافظہ

سلطان بادشاہ کی سمدھن تھیں۔ جس وقت ہم لوگ رتھ میں سوار ہونے لگے' صبح صادق کا وقت تھا۔ تارے سب چھپ گئے تھے' مگر فجر کا تارا جھلملا رہا تھا۔ ہم نے اپنے بھرے پرے گھر پر اور سلطانی محلوں پر آخری نظر ڈالی' تو دل بھر آیا اور آنسو امنڈنے لگے۔ نواب نور محل کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور پلکیں ان کے بوجھ سے کانپ رہی تھیں۔ گویا صبح کے ستارے کا جھلملانا نور محل کی آنکھوں میں نظر آتا تھا۔

آخر لال قلعہ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو کر کورالی گاؤں میں پہنچے اور وہاں اپنے رتھ بان کے مکان پر قیام کیا۔ باجرے کی روٹی اور چھاچھ کھانے کو میسر آئی۔ اس وقت بھوک میں یہ چیزیں بریانی متنجن سے زیادہ مزیدار معلوم ہوئیں۔ ایک دن رات تو امن سے بسر ہوا' مگر دوسرے دن گرد و نواح کے جاٹ گوجر جمع ہو کر کورالی کو لوٹنے چڑھ آئے۔ سینکڑوں عورتیں بھی ان کے ساتھ تھیں' جو چڑیلوں کی طرح ہم لوگوں کو چمٹ گئیں۔ تمام زیور اور کپڑے ان لوگوں نے اتار لئے۔ جس وقت یہ سڑی بُسی عورتیں اپنے موٹے موٹے میلے ہاتھوں سے ہمارے گلے کو نوچتی تھیں تو ان کے لہنگوں سے ایسی بُو آتی تھی کہ دم گھٹنے لگتا تھا۔

اس لوٹ کے بعد ہمارے پاس اتنا بھی باقی نہ رہا جو ایک وقت کی روٹی کو کافی ہو سکتا۔ حیران تھے کہ دیکھئے اب کیا پیش آئے گا۔ زینب پیاس کے مارے رو رہی تھی۔ سامنے سے ایک زمیندار نکلا۔ میں نے بے اختیار ہو کر آواز دی۔ بھائی تھوڑا پانی اس بچی کو لا دے۔ زمیندار فوراً ایک مٹی کے برتن میں پانی لایا اور بولا "آج تو میری بہن اور میں تیرا بھائی۔" یہ زمیندار کورالی کا کھاتا پیتا آدمی تھا۔ اس کا نام بستی تھا۔ اس نے اپنی بیل گاڑی تیار کر کے ہم کو سوار کیا اور پوچھا کہ جہاں تم کہو پہنچا دوں۔ ہم نے کہا کہ اجاڑہ ضلع میرٹھ میں میر فیض علی شاہی حکیم رہتے ہیں جن سے ہمارے خاندان کے خاص مراسم ہیں۔ وہاں لے چل۔ بستی ہم کو اجاڑہ لے گیا' مگر میر فیض علی نے ایسی بے مروتی کا برتاؤ کیا جس کی کوئی حد نہیں۔ صاف کانوں پر ہاتھ رکھ لئے کہ میں تم لوگوں کو ٹھہرا کر اپنا گھر بار تباہ کرنا نہیں چاہتا۔

وہ وقت بڑی مایوسی کا تھا۔ زمین آسمان میں کہیں ٹھکانا نظر نہ آتا تھا۔ ایک تو یہ خطرہ کہ پیچھے سے انگریزی فوج آتی ہو گی۔ اس پر بے سرو سامانی کا یہ عالم۔ ہر شخص کی نگاہ پھری ہوئی تھی۔ وہ لوگ جو ہماری آنکھوں کے اشاروں پر چلتے اور ہر وقت دیکھتے رہتے تھے کہ ہم جو کچھ حکم دیں فوراً پورا کیا جائے' وہی آج ہماری صورت سے بیزار تھے۔ شاباش ہے بستی زمیندار کو کہ اس نے زبانی بہن کہنے کو آخر تک نباہا اور ہمارا ساتھ نہ چھوڑا۔ لاچار اجاڑہ سے روانہ ہوئے۔ حیدر آباد کا رخ کیا۔ عورتیں بستی کی گاڑی میں سوار تھیں اور مرد پیدل چل رہے تھے۔ تیسرے روز ایک ندی کے کنارے پہنچے' جہاں کوئل کے نواب کی فوج پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے سنا کہ ہم شاہی خاندان کے آدمی ہیں تو بڑی خاطر کی اور ہاتھی پر سوار کر کے ندی سے پار اتارا۔ ابھی ہم ندی کے پار اترے ہی تھے کہ سامنے سے انگریزی فوج آ گئی اور نواب کی فوج سے لڑائی ہونے لگی۔

میرے خاوند اور مرزا عمر سلطان نے چاہا کہ نواب کی فوج میں شامل ہو کر لڑیں' مگر رسالدار نے کہلا بھیجا کہ آپ عورتوں کو لے کر جلدی چلے جایئے۔ ہم جیسا موقع ہو گا بھگت لیں گے۔ سامنے کھیت تھے جن میں پکی ہوئی تیار کھیتی کھڑی تھی۔ ہم لوگ اس کے اندر چھپ گئے۔ ظالموں نے خبر نہیں دیکھ لیا تھا یا ناگہانی طور پر گولی لگی۔ جو کچھ بھی ہو۔ ایک گولی کھیت میں آئی' جس سے آگ بھڑک اٹھی اور تمام کھیت جلنے لگا۔ ہم لوگ وہاں سے نکل کر بھاگے۔ پر ہائے کیسی مصیبت

تھی۔ ہم کو بھاگنا بھی نہ آتا تھا۔ گھاس میں الجھ الجھ کر گرتے تھے۔ سر کی چادریں وہیں رہ گئیں۔ برہنہ سر۔ حواس باختہ ہزار دقت سے کھیت کے باہر آئے۔ میرے اور نور محل کے پاؤں خونم خون ہو گئے۔ پیاس کے مارے زبانیں باہر نکل آئیں۔ زینب پر غشی کا عالم تھا۔ مرد ہم کو سنبھالتے تھے' مگر ہمارا سنبھلنا مشکل تھا۔

نواب نور محل تو کھیت سے نکلتے ہی چکرا کر گر پڑیں اور بے ہوش ہو گئیں۔ میں زینب کو چھاتی سے لگائے اپنے خاوند کا منہ تک رہی تھی اور دل میں کہتی تھی کہ ابھی ہم کہاں جائیں۔ کہیں سہارا نظر نہیں آتا۔ قسمت ایسی پلٹی کہ شاہی سے گدائی ہو گئی' لیکن فقیروں کو چین اور اطمینان ہوتا ہے۔ یہاں وہ بھی نصیب نہیں۔

فوج لڑتی ہوئی دور نکل گئی تھی۔ بہشتی ندی سے پانی لایا۔ ہم نے پیا اور نواب نور محل کے چہرہ پر چھڑکا۔ نور محل رونے لگیں اور بولیں۔ "ابھی خواب میں تمہارے بابا جان حضرت ظل سبحانی کو دیکھا ہے کہ طوق و زنجیر پہنے ہوئے کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج ہم غریبوں کے لئے یہ کانٹوں بھرا خاک کا بچھونا فرش مخمل سے بڑھ کر ہے۔ نور محل گھبرانا نہیں۔ ہمت سے کام لینا۔ تقدیر میں لکھا تھا کہ بڑھاپے میں یہ سختیاں برداشت کروں۔ ذرا میری کلثوم کو دکھا دو۔ میں جیل خانہ جانے سے پہلے اس کو دیکھوں گا۔"

بادشاہ کی یہ باتیں سن کر میں نے ہائے کا نعرہ مارا اور آنکھ کھل گئی۔ کلثوم کیا سچ مچ ہمارے بادشاہ کو زنجیروں میں جکڑا ہو گا۔ کیا واقعی وہ قیدیوں کی طرح جیل خانے بھیجے گئے ہوں گے۔ مرزا عمر سلطان نے اس کا جواب دیا کہ یہ خواب و خیال ہے۔ بادشاہ لوگ بادشاہوں کے ساتھ ایسی بدسلوکیاں نہیں کیا کرتے۔ تم گھبراؤ نہیں۔ وہ اچھے حال میں ہوں گے۔ حافظ سلطان بادشاہ کی سمدھن بولیں۔ یہ موئے فرنگی بادشاہوں کی قدر کیا خاک جانیں گے۔ خود اپنے بادشاہ کا سر کاٹ کر سولہ آنے کو بیچتے ہیں۔ بوا نور محل تم نے تو طوق اور زنجیر پہنے دیکھا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ کمینوں سے تو اس سے زیادہ بدسلوکی دور نہیں ہے' مگر میرے شوہر مرزا ضیاء الدین نے تسکین و دلاسے کی باتیں کر کے سب کو مطمئن کر دیا۔ اتنے میں بہشتی ناؤ میں گاڑی کو اس پار لے آیا اور ہم سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور جا کر شام ہو گئی اور ہماری گاڑی ایک گاؤں میں جا کر ٹھہری' جس میں مسلمان راجپوتوں کی آبادی تھی۔ گاؤں کے نمبردار نے ایک چھپر ہمارے واسطے خالی کرا دیا' جس میں سوکھی گھاس اور پھوس کا بچھونا تھا۔ وہ لوگ اسی گھاس پر جس کو پیال یا پرال کہتے ہیں' سوتے ہیں۔ ہم کو بھی بڑی خاطرداری سے (جو ان کے خیال میں بڑی خاطر تھی) یہ نرم بچھونا دیا گیا۔ میرا تو اس کوڑے سے جی الجھنے لگا' پر کیا کرتے۔ اس وقت سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ ناچار اسی میں پڑ رہے۔ دن بھر کی تکلیف اور تکان کے بعد اطمینان اور بے فکری میسر آئی تھی۔ نیند آ گئی۔ آدھی رات کو ایکا ایکی ہم سب کی آنکھ کھل گئی۔ گھاس کے تنکے سوئیوں کی طرح بدن میں چبھ رہے تھے اور پسو جگہ جگہ کاٹ رہے تھے۔ اس وقت کی بے کلی بھی خدا کی پناہ۔ پسوؤں نے تمام بدن میں آگ لگا دی تھی۔ مخملی تکیوں ریشمی نرم نرم بچھونوں کی عادت تھی' اس لئے تکلیف ہوئی' ورنہ ہم ہی جیسے وہ گاؤں کے آدمی تھے جو بے غل وغش اسی گھاس پر پڑے سوتے تھے۔ اندھیری رات میں چاروں طرف گیدڑوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور میرا دل سہا جاتا تھا۔ قسمت کو پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ ایک دن شہنشاہ ہند کے بال بچے یوں خاک پر بسیرے لیتے پھریں گے۔ قصہ مختصر اسی طرح منزل بمنزل تقدیر کی گردشوں کا تماشہ دیکھتے ہوئے حیدرآباد پہنچے اور سیتارام پیٹھ میں ایک مکان کرایہ کو لے کر ٹھہرے۔

جبل پور میں میرے شوہر نے ایک جڑاؤ انگوٹھی جو لوٹ کھسوٹ سے بچ گئی تھی فروخت کی۔ اسی میں راستہ کا خرچ چلا اور چند روز یہاں بھی بسر ہوئے۔ آخر تا بہ کے۔ جو کچھ تھا ختم ہو گیا۔ اب فکر ہوئی کہ پیٹ بھرنے کا کیا حیلہ کیا جائے۔ میرے شوہر اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے۔ انہوں نے درود شریف خط حیران میں لکھا اور چار سنار پر ہدیہ کرنے لے گئے۔ لوگ اس خط کو دیکھتے تھے اور حیرت میں رہتے تھے۔ اول روز پانچ روپیہ کو درود شریف ہدیہ ہوا۔ اس کے بعد یہ قاعدہ ہوا کہ جو کچھ لکھتے' کتنی بڑھتی فوراً بک جاتا۔ اس طرح ہماری گذر اوقات بہت عمدگی سے ہونے لگی' لیکن موسیٰ ندی کے چڑھاؤ سے ڈر کر شہر میں داروغہ احمد کے مکان میں اٹھ آئے۔ یہ شخص حضور نظام کا خاص ملازم تھا۔ اس کے بہت سے مکان کرایہ پر چلتے تھے۔

چند روز بعد خبر اڑی کہ نواب لشکر جنگ جس نے شہزادوں کو اپنے پاس پناہ دی تھی انگریزوں کے عتاب میں آ گیا ہے اور اب کوئی شخص دہلی کے شہزادوں کو پناہ نہیں دے گا' بلکہ جس کو کسی شہزادہ کی خبر لگے گی اس کو گرفتار کرانے کی کوشش کرے گا۔ ہم سب اس خبر سے گھبرا گئے اور میں نے شوہر کو باہر نکلنے سے روک دیا کہ کہیں کوئی دشمن پکڑ وا نہ دے۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے فاقوں کی نوبت آ گئی تو ناچار ایک نواب کے لڑکے کو قرآن پڑھانے کی نوکری میرے شوہر نے بارہ روپیہ ماہوار پر کرلی۔ چپ چاپ اس کے گھر چلے جاتے اور پڑھا کر آ جاتے' مگر وہ نواب اس قدر بدمزاج تھا کہ ہمیشہ معمولی نوکروں کی طرح میرے شوہر کے ساتھ برتاؤ کرتا تھا' جس کی برداشت وہ نہ کر سکتے تھے اور گھر میں آ کر رو رو کر دعا مانگتے کہ الٰہی اس ذلت کی نوکری سے تو موت لاکھ درجہ بڑھ کر ہے۔ تو نے ان کا محتاج بنا دیا کہ کل تو اس نواب جیسے سینکڑوں ہمارے غلام تھے اور آج ہم اس کے غلام ہیں۔ اسی اثناء میں کسی نے میاں نظام الدین صاحب سے ہماری خبر کر دی۔ میاں کی حیدر آباد میں بڑی عزت تھی' کیوں کہ میاں حضرت کالے میاں صاحب چشتی نظامی فخری کے صاحبزادے تھے جن کو بادشاہ دہلی اور نظام اپنا پیر تصور کرتے تھے۔ میاں رات کے وقت میانہ میں سوار ہو کر ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم کو دیکھ کر بہت روئے۔ ایک زمانہ تھا جب وہ قلعہ میں تشریف لاتے تھے تو مسند زرنگار پر بٹھائے جاتے تھے۔ بادشاہ بیگم اپنے ہاتھ سے لونڈیوں کی طرح مگس رانی کرتی تھیں۔ آج وہ گھر میں آئے تو ثابت بوریہ بھی نہ تھا جس پر وہ آرام سے بیٹھ جاتے۔ پچھلا زمانہ آنکھوں میں پھرنے لگا۔ خدا کی شان کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ میاں بہت دیر تک حالات دریافت فرماتے رہے۔ اس کے بعد تشریف لے گئے۔ صبح پیام آیا کہ ہم نے خرچ کا انتظام کروا دیا ہے۔ اب تم حج کا ارادہ کرلو۔ یہ سن کر جی باغ باغ ہو گیا اور مکہ معظمہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ القصہ حیدر آباد سے روانہ ہو کر بمبئی آئے اور یہاں اپنے بچے رفیق بستی کو خرچ دے کر اس کے گھر رخصت کر دیا۔ جہاز میں سوار ہوئے۔ جو مسافر یہ سنتا تھا کہ ہم شاہ ہند کے گھرانے کے ہیں تو ہمارے دیکھنے کا شوق ظاہر کرتا تھا۔ اس وقت ہم سب درویشانہ رنگین لباس میں تھے۔ ایک ہندو نے جس کی شاید عدن میں دکان تھی اور جو ہمارے حال سے بے خبر تھا' پوچھا کہ تم لوگ کس پنتھ کے فقیر ہو۔ اس کے اس سوال نے زخمی دل کو چھیڑ دیا۔ میں بولی ہم مظلوم شاہ گرو کے چیلے ہیں۔ وہی ہمارا باپ تھا اور وہی ہمارا گرو۔ پاپی لوگوں نے اس کا گھر بار چھین لیا اور ہم کو اس سے جدا کر کے جنگلوں میں نکال دیا۔ اب وہ ہماری صورت کو ترستا ہے اور ہم اس کے درشنوں بغیر بے چین ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا اپنی فقیری کی حقیقت بیان کریں۔ جب اس نے ہماری اصلی کیفیت لوگوں سے سنی تو بیچارا رونے لگا اور بولا بہادر شاہ ہم سب کا باپ اور گرو تھا۔ کیا کریں رام جی کی یہی مرضی تھی کہ وہ بے گناہ برباد ہو گیا۔

مکہ پہنچے تو اللہ میاں نے ٹھہرنے کا ایک عجیب ٹھکانا پیدا کر دیا۔ عبدالقادر نامی میرا ایک غلام تھا جس کو میں نے آزاد کر کے مکہ بھیج دیا تھا۔ یہاں آ کر اس نے بڑی دولت کمائی اور زمزم کا داروغہ ہو گیا۔ اس کو جو ہمارے آنے کی خبر ملی' دوڑا ہوا آیا اور قدموں میں گر کر خوب رویا۔ اس کا مکان بہت اچھا اور آرام کا تھا۔ ہم سب وہیں ٹھہرے۔ چند روز کے بعد سلطان روم کے نائب کو جو مکہ میں رہتا ہے' ہماری خبر ہوئی تو وہ بھی ہم سے ملنے آیا۔ کسی نے اس سے کہا تھا کہ شاہ دہلی کی لڑکی آئی ہے' جو بے حجابانہ باتیں کرتی ہے۔ نائب سلطان نے عبدالقادر کے ذریعہ سے ملاقات کا پیام دیا' جو میں نے منظور کیا۔ دوسرے دن وہ ہمارے گھر پر آیا اور نہایت ادب قاعدہ سے بات چیت کی۔ آخر میں اس نے خواہش کی کہ میں آپ کے آنے کی اطلاع حضور سلطان کو دینی چاہتا ہوں۔ میں نے اس کا جواب بہت بے پروائی سے دیا کہ اب ہم ایک بڑے سلطان کے دربار میں آ گئے ہیں۔ اب ہمیں کسی دوسرے سلطان کی پروا نہیں ہے۔ نائب نے ایک معقول رقم ہمارے اخراجات کے لئے مقرر کر دی اور ہم نو برس وہاں مقیم رہے۔ اس کے بعد ایک سال بغداد شریف' ایک سال نجف و کربلائے معلی میں بسر ہوا۔ اتنی مدت کے بعد دہلی کی یاد نے بے چین کیا اور روانہ ہو کر دہلی آ گئے۔ یہاں انگریزوں کی سرکار نے بہت بڑا ترس کھا کر دس روپے ماہوار پنشن مقرر کر دی۔ اس پنشن کی رقم کو سن کر اول تو مجھے ہنسی آئی کہ میرے باپ کا اتنا بڑا ملک لے کر دس روپے معاوضہ دیتے ہیں' مگر پھر خیال آیا کہ ملک تو خدا کا ہے کسی کے باوا کا نہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے' جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ انسان کو دم مارنے کی مجال نہیں۔

☆ ☆ ☆

یتیم شہزادہ کی عید

اسی ۱۳۳۲ ہجری کی عید الفطر کا ذکر ہے۔ دہلی میں ۲۹ کا چاند نظر نہ آیا۔ درزی خوش تھے کہ ان کو ایک دن کام کرنے کی مہلت مل گئی۔ جوتے والوں کو بھی خوشی تھی کہ ایک روز کی بکری بڑھ گئی۔

مگر مسلمانوں کے ایک غریب محلہ میں تیموریہ خاندان کا ایک گھرانہ اس دن بہت غمگین تھا۔ یہ لوگ عصر سے پہلے اپنے گھر کے وارث میرزا دلدار شاہ کو دفن کر کے آئے تھے۔

دلدار شاہ دس دن سے بیمار تھے۔ ان کو پانچ روپیہ ماہوار پنشن ملتی تھی۔ گھر میں ان کی بیوی اور یہ خود کناری بنتے تھے جس میں ان کو اتنی معقول آمدنی تھی کہ خوب آرام سے بسر اوقات کرتے تھے۔

ان کے چار بچے تھے۔ تین لڑکیاں اور ایک لڑکا۔ دو لڑکیوں کی شادیاں ہو گئی تھیں۔ ایک ڈیڑھ سال کی لڑکی گود میں تھی اور ایک لڑکا دس برس کا تھا۔

دلدار شاہ اس لڑکے کو بہت چاہتے تھے۔ بیگم نے بہت چاہا کہ لڑکا مکتب میں جائے' مگر دلدار شاہ کو بچہ اس قدر لاڈلا تھا کہ انہوں نے ایک دن اس کو مکتب نہ بھیجا۔

لڑکا سارا دن گلیوں میں آوارہ پھرتا تھا۔ زبان پر گالیاں اس قدر چڑھ گئی تھیں کہ بات بات میں مغلظات بکتا تھا

اور باوا جان اس کی بھولی بھولی باتوں سے خوش ہوتے تھے۔

میرزا دلدار شاہ بہادر شاہ بادشاہ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ مرتے وقت ان کی عمر ۶۵ برس کی ہوگی' کیونکہ جب یہ لڑکا ان کے ہاں پیدا ہوا تو ان کی عمر ۵۵ برس کی تھی۔

بڑھاپے کی اولاد سب کو پیاری ہوتی ہے۔ خاص کر بیٹا۔ میرزا دلدار شاہ جتنی محبت کرتے تھوڑی تھی۔

ایک دن ان کے ایک دوست نے کہا۔ "صاحب عالم! بچہ کے لکھنے پڑھنے کی یہی عمر ہے۔ اب نہ پڑھے گا تو کب پڑھے گا۔ لاڈ پیار بھی ایک حد تک اچھا ہوتا ہے۔ آپ اس کے حق میں کانٹے بوتے ہیں۔ خدا آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایک دن سب کو مرنا ہے۔ خدانخواستہ آپ کی آنکھیں بند ہوگئیں تو اس معصوم کا کہیں ٹھکانا نہیں رہے گا۔ لکھ پڑھ لے گا تو دو روٹیاں کما کھائے گا۔ اس زمانہ میں شریفوں کی گذران بڑی دشوار ہوگئی ہے۔ کچھ آئندہ کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کو غیروں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے اور بزرگوں کی ناک کٹے۔"

میرزا دلدار شاہ اس ہمدردی سے بگڑ گئے اور بولے "آپ میرے مرنے کی بدشگونی کرتے ہیں۔ ابھی میری کونسی ایسی عمر ہوگئی ہے۔ لوگ تو سو برس تک زندہ رہتے ہیں۔ رہا بچے کا پڑھانا' سو میرے نزدیک تو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ بڑے بڑے بی اے' ایم اے پاس مارے مارے پھرتے ہیں اور دو کوڑی کو کوئی نہیں پوچھتا۔ میرا بچہ پہلے ہی دھان پان ہے۔ آئے دن کا مریض ہے۔ میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ ظالم استادوں کے حوالے کر کے اس کی نازک ہڈیوں کو تھپیوں کا نشانہ بناؤں۔ جب تک میرے دم میں دم ہے' عیش کراؤں گا۔ میں نہ رہوں گا تو خدا رازق ہے۔ وہ چیونٹی تک کو کھانا دیتا ہے۔ پتھر کے کیڑے کو رزق پہنچاتا ہے۔ آدمی کے بچہ کو کہیں بھوکا مارے گا؟ میاں ہم نے زمانہ کا بڑا گرم و سرد رنگ دیکھا ہے۔ ہمارے ماں باپ نے بھی ہم کو نہ پڑھایا تو کیا ہم بھوکے مرتے ہیں۔"

نصیحت کرنے والے بیچارے یہ جواب سن کر چپ ہوگئے اور دل ہی دل میں پچھتائے کہ میں نے ناحق ان سے دردمندی کی بات کہی' لیکن انہیں خیال آیا کہ حق بات کہنے سے چپکا رہنا گناہ ہے۔ الساکت عن الحق شیطان اخرس یعنی سچی بات کہنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے' اس لئے انہوں نے پھر کہا کہ "جناب! آپ ناراض نہ ہوں۔ میں خدانخواستہ آپ کا مرنا نہیں چاہتا۔ میں نے تو ایک دور اندیشی کی بات کہی تھی۔ آپ کو ناگوار گذری تو معاف فرمایئے' مگر یہ تو خیال فرمالیجئے کہ آپ کے بچپن میں اور حالت تھی اور آج کل اور زمانہ ہے۔ اس وقت قلعہ آباد تھا۔ جہاں پناہ ظل سبحانی بہادر شاہ حضرت کا سایہ سر پر تھا۔ ہر بات سے بے فکری تھی' لیکن آج تو کچھ بھی نہیں۔ نہ بادشاہی ہے نہ امیری ہے۔ ہر مسلمان کے گھر میں گدائی اور فقیری ہے۔ اب تو جو ہنرمندی سیکھے گا اور اپنی روٹی اپنے بازو سے کمائے گا' وہی لالوں کا لال بنے گا ورنہ ذلت و خواری کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔"

دلدار شاہ نے کہا "ہاں یہ سچ ہے۔ میں اس کو سمجھتا ہوں مگر آخر ہماری بھی تو اتنی عمر اسی بربادی کے زمانے میں بسر ہوگئی۔ سرکار نے پانچ روپیہ کی جو پنشن مقرر کی ہے' تم جانتے ہو کہ اس میں ہمارے کیسے وقت نکلتے ہوں گے۔ آٹھ آنے روز تو بچے کا خرچ ہے۔ ہم دونوں میاں بیوی روپیہ ڈیڑھ روپیہ کی روز کناری بنتے ہیں اور مزے سے گذر اوقات کرتے ہیں۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک دوسرے صاحب تشریف لائے اور انہوں نے کہا "آسٹریا کے بادشاہ کا ولی عہد مارا گیا۔ جب بادشاہ کو اس کی خبر پہنچی تو وہ بے قرار ہو گیا اور ہائے کا نعرہ مار کر کہا ظالموں نے سب کچھ لوٹ لیا' میرے لیے کچھ بھی نہ چھوڑا۔"

میرزا ولدار شاہ یہ سن کر ہنسنے لگے اور بولے "بھئی واہ اچھی بہادری ہے۔ بیٹے کے ناگہانی مرنے سے ایسے گھبرا گئے۔ میاں جب بہادر شاہ حضرت کے صاحبزادے میرزا ابو بکر وغیرہ گولی سے مارے گئے اور ان کے سر کاٹ کر سامنے لائے تو بادشاہ نے خوان میں کٹا ہوا سر دیکھ کر نہایت بے پروائی سے فرمایا' الحمد للہ سرخ رو ہو کر سامنے آیا۔ مرد لوگ اسی دن کے لیے بچے پالتے ہیں۔"

جو صاحب خبر لائے تھے وہ بولے "کیوں جناب غدر میں آپ کی کیا عمر ہو گی۔" میرزا ولدار شاہ نے کہا "کوئی چودہ پندرہ برس کی۔ مجھے سب واقعات اچھی طرح یاد ہیں۔ باوا جان ہم کو لے کر غازی آباد جا رہے تھے کہ ہنڈن ندی پر ہم کو فوج نے پکڑ لیا۔ والدہ اور میری چھوٹی بہن چیخیں مار کر رونے لگیں۔ والد نے ان کو منع کیا اور آنکھ بچا کر ایک سپاہی کی تلوار اٹھا لی۔ تلوار ہاتھ میں لی تھی کہ سپاہی چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے دو چار کو زخمی کیا' مگر سنگینوں اور تلواروں کے اتنے وار ان پر ہوئے کہ بچارے قیمہ قیمہ ہو کر گر پڑے اور شہید ہو گئے۔

ان کی شہادت کے بعد سپاہیوں نے میری بہن اور ماں کے کانوں کو نوچ لیا اور جو کچھ ان کے پاس تھا' چھین کر چلتے ہوئے۔ مجھ کو انہوں نے قید کر کے ساتھ لے لیا۔ جس وقت میں والدہ سے جدا ہوا ہوں' ان کی آہ و زاری سے آسمان ہلا جاتا تھا۔ وہ کلیجہ کو تھامے ہوئے چیختی تھیں اور کہتی تھیں۔ "ارے میرے لال کو چھوڑ دو۔ تم نے میرے سر تاج کو خاک میں سلا دیا۔ اس یتیم پر تو رحم کرو۔ میں رنڈاپا کس کے سہارے کاٹوں گی۔ یا اللہ میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ میرا ولدار کہاں جاتا ہے۔ کوئی اکبر و شاہجہاں کو قبر سے بلائے۔ ان کے گھرانہ کی دکھیا کی بپتا سنائے۔ دیکھو میرے دل کے ٹکڑے کو مٹھی میں مسلے دیتے ہیں۔ ارے کوئی آؤ۔ میری گودیوں کا پالا مجھ کو دلواؤ۔"

چھوٹی بہن آ کا بھائی آ کا بھائی کہتی ہوئی میری طرف دوڑی مگر سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو کر چل دیئے اور مجھ کو باگ ڈور سے باندھ لیا۔ گھوڑے دوڑتے تھے تو میں بھی دوڑتا تھا۔ ٹھوکریں کھاتا تھا۔ پاؤں لہولہان ہو گئے تے۔ دل دھڑکتا تھا۔ دم اکھڑا جاتا تھا۔"

پوچھا "میرزا یہ بات رہ گئی کہ پھر تمہاری والدہ اور بہن کا کیا حال ہوا؟"

میرزا نے کہا' آج تک ان کا پتہ نہیں۔ خبر نہیں ان پر کیا گذری اور وہ کہاں گئیں۔ مجھ کو سپاہی اپنے ہمراہ دلی لائے اور یہاں سے اندور لے گئے۔ مجھ سے وہ گھوڑے ملواتے تھے اور گھوڑوں کی لید صاف کراتے تھے۔

"چند روز کے بعد مجھ کو چھوڑ دیا گیا اور میں نے اندور میں ایک ٹھاکر کے ہاں دربانی کی نوکری کر لی۔ کئی برس اس میں گذارے۔ پھر دلی میں آیا اور سرکار میں درخواست دی۔ اس کی مہربانی سے میری بھی اوروں کی طرح پانچ روپے ماہوار پنشن مقرر ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے شادی کی۔ یہ بچے پیدا ہوئے۔" اس واقعہ کے چند روز کے بعد میرزا ولدار شاہ بیمار ہوئے اور دس دن بیمار رہ کر آخرت کو سدھارے۔

ان کے مرنے کا غم سب سے زیادہ ان کی بیوی اور لڑکے کو تھا۔ لڑکا دس برس کا تھا اور اچھی طرح سمجھتا تھا کہ ابا جان مر گئے ہیں مگر وہ بار بار اماں سے کہتا تھا کہ ابا جان کو بلا دو۔

الغرض اس رونے دھونے میں یہ سب لوگ سو گئے۔ سحری کو بیگم صاحبہ بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ گھر میں جھاڑو ملی ہوئی ہے۔ کپڑا لتا' برتن بھانڈا سب چور لے گئے۔ بیچاری بیوہ نے سر پیٹ لیا۔ ہے ہے اب میں کیا کروں گی۔ میرے پاس تو ایک تنکا بھی نہ رہا۔ گھر کے مالک کے اٹھتے ہی چوری بھی ہوئی۔

آس پاس کے محلے والے ان کے رونے کی آواز سن کر جمع ہو گئے اور سب نے بہت افسوس کیا۔ پڑوس میں ایک گوٹے والے رہتے تھے۔ انہوں نے سحری کے لئے دودھ اور نان پاؤ بھیجا اور بیچاری نے ٹھنڈا سانس بھر کر اس کو لے لیا۔

یہ پہلا دن تھا کہ بیوہ شہزادی نے خیرات کی سحری کھائی جس کا اس کو سب سے زیادہ صدمہ تھا۔ دن ہوا۔ چاروں طرف عید کے سامان نظر آتے تھے۔ چاندرات کی چہل پہل میں ہر گھر میں تھی مگر نہ تھی تو اس گھر میں جہاں دودھ پیتی بچی کو گود میں لیے بیوہ شہزادی یتیم شہزادہ کو سمجھا رہی تھی کیونکہ وہ نئی جوتی اور نئے کپڑے مانگتا تھا۔ "بیٹا تمہارے ابا جان پردیس گئے ہیں۔ وہ آ جائیں تو کپڑے منگا دیں گے۔ دیکھو تمہارے دولہا بھائی بھی بنارس گئے ہوئے ہیں۔ وہ ہوتے تو ان سے ہی منگا دیتے۔ اب کس کو بازار بھیجوں۔"

لڑکے نے کہا "میں خود لے آؤں گا۔ مجھ کو دام دو۔" دام کا نام سن کر دکھیاری بیوہ کے آنسو آ گئے۔ اس نے کہا "تمہیں خبر نہیں رات کو گھر میں چوری ہو گئی۔ ہمارے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔"

ضدی شہزادہ نے مچل کر کہا "نہیں میں تو ابھی لوں گا۔" یہ کہہ کر دو چار گالیاں ماں کو دے دیں۔ مصیبت زدہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر آسمان کو دیکھا اور بولی "اچھا ٹھہرو میں منگاتی ہوں۔" یہ کہہ کر پڑوس کے گھر سے لگی ہوئی کھڑکی میں جا کر کھڑی ہوئی اور گوٹے والے کی بیوی سے کہا "بوا عدت کے دن ہیں۔ میں اندر تو نہیں آ سکتی۔ ذرا میری بات سن جاؤ۔" وہ بیچاری فوراً اس کے پاس آئی تو اسے سارا ماجرا سنایا اور کہا "خدا واسطہ کا کام ہے۔ اپنے بچہ کی اترن' کوئی جوتی یا کپڑوں کا جوڑا ہو تو ایک دن کے لیے مانگے دے دو۔ کل شام کو واپس دے دوں گی۔"

شہزادی اترن کہتے وقت بے اختیار ہچکی لے کر رونے لگی۔ پڑوسن کو بڑا ترس آیا۔ اس نے کہا "بوا رونے اور جی بھاری کرنے کی کچھ بات نہیں۔ ننھے کی کئی جوتیاں اور کئی جوڑے فالتو رکھے ہیں۔ ایک تم لے لو۔ اس میں اترن کا خیال نہ کرو۔ اس نے تو ایک دن یونہی ذرا پاؤں میں ڈالی تھی۔ میں نے سنگوا کر رکھ دی۔"

یہ کہہ کر پڑوسن نے جوتی اور کپڑے شہزادی کو دیے۔ شہزادی یہ چیزیں لے کر بچے کے پاس آئی اور اس کو یہ سب دکھائیں۔ بچہ خوش ہو گیا۔

دوسرے دن عید گاہ جانے کے لیے شہزادی نے اپنے بچے کو بھی گوٹے والے پڑوسی کے ساتھ کر دیا۔ عید گاہ پہنچ کر یتیم شہزادے نے گوٹے والے کے لڑکے سے کہا۔ "ابے تیری ٹوپی سے ہماری ٹوپی اچھی ہے۔" گوٹے والے لڑکے نے جواب دیا۔

"چل بے اترن کھترن پر اتراتا ہے! لے یہ بھی میری ٹوپی ہے۔ اماں نے تجھ کو خیر خیرات دے دی ہے۔"

یہ سنا تھا کہ شہزادہ نے ایک زور کا تھپڑ گوٹ والے کے بچے کے رسید کیا اور کہا ہم کو خیرات خورہ کہتا ہے۔

گوٹہ والے نے جو اپنے بچے کو پٹتا دیکھا تو اس کو بھی غصہ آ گیا اور اس نے دو تین طمانچے شہزادے کے مارے۔ یہ لڑکا روتا ہوا بھاگا۔ گوٹہ والے نے خیال کیا کہ اس کی ماں کیا کہے گی کہ ساتھ لے گئے تھے۔ کہاں چھوڑ آئے اس لئے وہ اس کو پکڑنے کو دوڑا مگر لڑکا نظروں سے غائب ہو گیا۔ ناچار گوٹہ والا مجبور ہو کر اپنے گھر چلا آیا۔

اب یتیم شہزادہ کی یہ کیفیت ہوئی کہ وہ عام خلقت کے ساتھ عیدگاہ سے گھر کی طرف آ رہا تھا کہ راستہ میں ایک گاڑی کی جھپٹ میں آ کر گر پڑا اور زخمی ہو گیا۔ پولیس شفا خانہ لے گئی۔

یہاں گھر میں اس کی ماں کا عجب حال تھا۔ غش پر غش آتے تھے۔ دو وقت سے بھوکی تھی۔ اس پر عید اور یہ مصیبت کہ لڑکا گم ہو گیا اور عالم یہ کہ کوئی پرسان حال نہیں جو لڑکے کو تلاش کرنے جائے۔ آخر بچارا وہی گوٹہ والا پھر گیا اور پولیس میں اطلاع لکھوائی۔ اس وقت معلوم ہوا کہ وہ شفا خانہ میں ہے۔ شفا خانہ جا کر خبر لایا اور شہزادی کو ساری کیفیت سنائی۔ اس وقت عجیب عالم تھا۔

عید کی شام تھی۔ گھر گھر خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ مبارک بادوں کے چرچے تھے۔ تحفے تحائف اور عیدیاں تقسیم ہو رہی تھیں۔ ہر مسلمان نے اپنی حیثیت سے زیادہ گھر کو آراستہ کیا تھا اور اپنے بال بچوں کو خوش و خرم لیے بیٹھا تھا' مگر بچاری بیوہ شہزادی دو وقت کے فاقہ سے رنجور بچہ کے غم میں اشکبار اندھیرے اجاڑ گھر میں بیٹھی آسمان کو دیکھتی تھی اور کہتی تھی "خدایا میری عید کہاں ہے؟" اور بے اختیار ہچکیاں لے کر روتی تھی۔ اُدھر شفا خانہ میں یتیم شہزادہ ماں کی جدائی میں پھڑکتا تھا۔

یہ ہے انقلاب ایام کی ایک تصویر۔ اس میں تقدیر کا نشان۔ اس قصہ سے معلوم ہو گا کہ اولاد کی تعلیم سے غفلت کرنا اور اس کو تربیت نہ دینا کیسا خطرناک ہے۔ یہ بھی کیفیت عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو عید کی خوشی میں مست و بے خبر ہو جاتے ہیں اور آس پاس کے آفت رسیدہ غریبوں کی حالت نہیں دیکھتے۔

☆ ☆ ☆

پیر جی گھسیارے

حضرت دین علی شاہ قلندر دہلی کے نامی بزرگ تھے۔ فراش خانہ کے باہر ان کا تکیہ اب تک مشہور ہے۔ میں غدر سے پہلے عالم شباب میں سرشاران کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

مجھ کو اپنی پیرزادگی کے گھمنڈ کے ساتھ روپیہ کا غرور تھا۔ صورت شکل کا تکبر تھا اور اپنے زور و قوت پر بہت اکڑتا تھا۔ ماں باپ کا اکلوتا تھا۔ ابا سے زیادہ اماں کو مجھ پر پیار تھا۔ والد خاص بازار میں رہتے تھے اور ان کے ہزار ہا مرید تھے۔ شہزادے شہزادیاں ہر وقت ان کے پاس آتی تھیں۔ نذر نیاز کا کچھ اندازہ نہ تھا۔ غرض ہم بے تکان حرے اڑاتے تھے' مگر ابا جان کا یہ عالم تھا کہ وہ باوجود اتنی کثیر آمدنی کے ہمیشہ نگینہ سازی کر کے گذر اوقات کرتے تھے۔ مریدوں کے روپے کو ہاتھ

نہ لگاتے تھے۔

ایک دن میں نے والدہ سے پوچھا۔ "کیوں بی! یہ ابا جی گھر میں سب کچھ ہوتے ساتے تکینے کیوں گھسا کرتے ہیں۔ بڑی بے عزتی کی بات ہے۔ خدا نے سب کچھ دیا ہے۔ پھر خواہ مخواہ پاپڑ بیلتے ہیں۔"

اماں جان نے ہنس کر کہا "بیٹا' ان کا عقیدہ ہے کہ فقیر وہی کامل ہے جو اپنی روٹی اپنے ہاتھ سے کمائے۔ دوسروں کے سہارے پر ہاتھ پاؤں توڑ کر نہ بیٹھے۔ ان کا کہنا ہے کہ امیر مریدوں سے جو ملے وہ غریب مریدوں کا حصہ ہے ہمارا نہیں ہے۔ ہم کو اپنی معاش خود حاصل کرنی چاہئے۔" میں نے کہا "تو کیا مریدوں کی نذر نیاز حرام ہے جو وہ نہیں کھاتے۔" اماں نے کہا "نہیں حرام تو نہیں ہے مگر وہ ہمارا حق نہیں ہے۔ دوسروں کا حصہ ہے۔ خدا تعالیٰ یہ فتوحات اس لیے بھیجتا ہے کہ ہم اپنے محتاج بھائیوں کی خبر گیری کریں اور خود جب تک ہاتھ پاؤں چلتے ہیں' اپنی روٹی آپ کمائیں۔"

دردانہ چھوکری

اس گفتگو کے تیسرے دن نواب زینت محل صاحبہ بیگم خاص حضور جہاں پناہ محمد بہادر شاہ ابا کی خدمت میں آئیں۔ ان کے ہمراہ ایک پیش خدمت دردانہ نامی تھی۔ جوں ہی اس پر میری نظر پڑی دل میں ایک تیر سا لگا۔ اس نے بھی مجھ کو ایک شوقیہ نظر سے دیکھا مگر دونوں بے بس تھے۔ بات نہ کر سکتے تھے۔

بیگم صاحبہ نے کئی بار دردانہ کہہ کر پکارا تو نام بھی معلوم ہوا' ورنہ شاید اس کا موقع ملنا بھی محال تھا کہ میں خود چھوکری کا نام پوچھتا۔

بیگم صاحبہ چلی گئیں۔ میرا حال غیر ہونا شروع ہوا۔ دو رات بالکل نیند نہ آئی۔ روٹی تک چھوٹ گئی۔ ہر چند سوچتا کہ دردانہ سے ملنے کی صورت نکلے' مگر کوئی شکل سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر جب بے قراری حد سے بڑھی تو حسب معمول حضرت دین علی شاہ قلندر کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری بپتا ان کی خدمت میں عرض کی۔ انہوں نے تبسم فرمایا اور چپکے ہو گئے۔ دوبارہ سوال کی جرأت نہ ہوئی۔ نامراد گھر کو واپس چلا۔ راستے میں حسینی پتنگ باز ملا جو میرا یار غار تھا۔ اس نے جو اتری ہوئی شکل دیکھی' گھبرا کر پوچھنے لگا "کہو دوست خیر تو ہے؟ تمہارے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں اور آنکھوں میں حلقے کاہے سے پڑ گئے ہیں۔" میں نے کہا۔ "بھائی! دردانہ چھوکری کی محبت سر پر سوار ہے۔ یہ عجیب قسم کا نیا آزار ہے۔ میں تو اس کوچہ سے واقف بھی نہ تھا۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ تقدیر اس نا شاد جوانی کے ہاتھوں کیسی کیسی رسوائیاں دکھاتی ہے۔ دردانہ کو ملواتی ہے یا ہم کو جان ہار دنیا سے قبرستان بھجواتی ہے۔"

حسینی بولا۔ "بھئی یہ بھی کوئی فکر کی بات ہے۔ چھمن کہاری کی معرفت دردانہ سے مل لو۔ یہ کہاری محل میں آتی جاتی ہے۔ جو کہو گے دردانہ تک پہنچا دے گی۔"

حسینی نے ایسی تجویز بتائی کہ میرے دل کا کانٹا نکل گیا۔ سید حا گھوسیوں کے محلہ میں گیا جہاں وہ کہاری رہتی تھی اور کچھ دے کر اس کو اس پیام رسانی پر راضی کر لیا۔

دوسرے دن وہ کہاری میرے پاس آئی اور دردانہ کا پیام لائی کہ میرا ملنا دشوار ہے جب تک کہ تم کوئی حیلہ نہ کرو

اور وہ یہ ہونا چاہئے کہ شہر کے باہر کہیں چلّہ کرنے بیٹھو۔ میں بیگم صاحبہ کو لے کر وہاں آؤں گی اور پھر ہمیشہ کی آمد و رفت کے موقعے نکال لوں گی۔

وردانہ کی یہ بات میرے ذہن میں آ گئی۔ سیدھا اماں کے پاس گیا اور کہا:

"لو بی! تم ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ باپ کے ورثہ کا خیال نہیں۔ نہ ذکر ہے نہ شغل ہے۔ نہ نماز ہے نہ روزہ ہے۔ یہی دن کچھ حاصل کرنے کے ہیں۔ کچھ سیکھنا ہے تو آج سیکھ لو۔ کل خدانخواستہ ابا کی آنکھیں بند ہوئیں تو یہ دولت دوسرے الللتوں کے پاس چلی جائے گی اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔ پس آج میں تمہارے ارشاد کی تعمیل کو حاضر ہوں۔ ابا سے کہو کہ مجھے کچھ بتائیں۔ میں حضرت دین علی شاہ کے تکیے کے پاس چلّہ کروں گا۔"

اماں نے کہا۔ "میاں! مجھے جنگل میں رکھنا منظور نہیں۔ کچھ کرنا ہے تو گھر میں کرو۔ یہ بندی ایک آن تم کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے گی۔"

میں نے ہر چند سمجھایا' مگر اماں کے خیال میں نہ آیا۔ آخر ابا کو اس قصے کی خبر ہوئی تو وہ میرے ارادے سے بہت خوش ہوئے اور اماں کو راضی کر کے چند خفی جہر اذکار تعلیم فرما کے تکیہ میں بھیج دیا۔ دونوں وقت گھر سے نوکر کھانا دینے آتا۔ خیر خبر دے جاتا اور ہم بے غل و غش اپنے کام میں معروف رہتے۔

دو جاسوس

چوتھے پانچویں دن کا ذکر ہے۔ میں رات کے وقت بیٹھا وظیفہ پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں دو اجنبی آدمی میرے حجرے میں آئے۔ وہ دریدہ اور کہنہ لباس میں تھے۔ میں نے اشارہ سے کہا "کون ہو؟" بولے "مسافر ہیں۔" مجھ کو کچھ شک ہوا کہ یہ چور نہ ہوں۔ وظیفہ چھوڑ کر پوچھا۔ "یہاں آنے کی کیا غرض ہے۔" بولے "آپ سے تعویذ لینے آئے ہیں۔ وردانہ بیوی نے آپ کا پتہ بتایا تھا۔"

وردانہ کا نام سن کر جان میں جان آ گئی۔ رات کا وقت تھا۔ چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ میں ان مسافروں کی شکلیں پہچان نہ سکا۔ دل ہی دل میں سوال کر رہا تھا کہ یہ مسافر کون ہیں جو وردانہ کو بھی جانتے ہیں۔

آخر میں نے کہا۔ "آپ وردانہ کو کیوں کر پہچانتے ہو۔" مسافر بولے "بیگم صاحبہ سے سفر خرچ مانگنے گئے تھے۔ وہاں ان سے ملاقات ہوئی۔ بہت ملنسار اور نیک بیوی ہیں۔"

میں نے کہا "تم کس بات کا تعویذ چاہتے ہو؟" انہوں نے کہا "تسخیر کا۔" پوچھا "کس کے لیے؟" ہنس کر بولے "شہزادہ جواں بخت کے واسطے۔"

اب میری حیرت حد سے بڑھ گئی۔ شہزادہ جواں بخت زینت محل کے لاڈلے لڑکے تھے۔ انگریزوں نے میرزا دارا بخت کے مرنے کے بعد میرزا فخرو کو ولی عہد کیا تھا اور زینت محل اس کوشش میں تھیں کہ جواں بخت صاحب تاج ہو۔

میں نے کہا "تو جواں بخت کو کس کی تسخیر مطلوب ہے؟" یہ سن کر مسافروں نے تمنچے نکال لیے اور میری طرف ان کا منہ کر کے بولے۔ "خبردار بھید کسی سے نہ کہنا۔ ہم جواں بخت کے جاسوس ہیں۔ تم سے یہ کام ہے کہ تمہارے والد کے

پاس جو خفیہ کاغذات شاہ عالم کے ہیں اور جن میں شاہی دفینوں کا حال ہے وہ ہم کو لا دو۔ اگر تم نے اس کی تعمیل کا اقرار نہ کیا تو ابھی کام تمام کر دیں گے۔"

تیغے دیکھ کر ذرا گھبراہٹ ہوئی مگر میں نے اپنے اوسان درست کر کے کہا "مجھے کچھ عذر نہیں بشرطیکہ دردانہ مجھ سے ملنے کا اقرار کریں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں اور انہی سے تم کو کاغذات کا پتہ چلا ہے۔" "ہاں! یہ سچ ہے۔ دردانہ تم سے ملے گی۔ معلوم ہوا ہے کہ شاہ عالم بادشاہ نے اپنا بزرگ راز دار سمجھ کر دفینوں کی یادداشت تمہارے باپ کے پاس امانت رکھ دی تھی اور کہا تھا کہ ضرورت کے وقت میرے لائق جانشینوں کو دے دینا۔"

میں نے پوچھا "تو کیا دردانہ رات کو بھی محل میں رہتی ہے۔" بولے۔ "نہیں۔ آدھی رات کے قریب وہ کشمیری دروازہ کے مکان میں آ جاتی ہے اور وہیں ہم رہتے ہیں۔"

میں نے ان سے مکان کا پتہ دریافت کیا اور اس کے بعد کہا کہ "صاحب! مجھے کاغذات لا دینے میں کوئی عذر نہیں۔ مگر والد صاحب نے خبر نہیں ان کو کہاں رکھا ہے۔ میں نے تو آج تک ان کا ذکر بھی نہیں سنا۔"

جاسوسوں نے کہا "دیکھو جھوٹ نہ بولو۔ جس دن تم نے دردانہ کو دیکھا ہے اسی دن کاغذوں کا ذکر آ رہا تھا۔"

اب تو میں ذرا پریشان سا ہوا۔ آخر جی کڑا کر کے کہا۔ "صاحب! یہ تو مجھ سے نہ ہو گا۔"

یہ سنتے ہی انہوں نے پھر تیغے نکال لیے اور میری طرف ان کو جھکایا۔ بدن میں طاقت تھی۔ اوسان درست تھے۔ میں نے لپک کر تیغوں کو پکڑ لیا اور جھٹکا دے کے چھین لیا اور اس کے بعد ایک مکا اس کے اور ایک مکا دوسرے کے اس زور سے مارا کہ وہ چکرا کے گر پڑے اور میں نے دوڑ کر ان کے ہاتھ باندھ دیے۔ دونوں کو باندھ کر حجرے میں ڈالا اور قفل لگا کر میں کشمیری دروازہ پہنچا۔ کوئی گیارہ بجے کا عمل ہو گا۔ جاسوسوں کے بتائے ہوئے مکان پر جا کر آواز دی۔ دردانہ نے پوچھا "کون ہے؟" میں نے کہا "ذرا دروازے پر آؤ۔" دردانہ قریب آئی تو میں نے کہا کہ "ان دونوں صاحبوں نے بھیجا ہے۔ وہ تکیہ کے پاس جو شاہ صاحب آ کر رہے ہیں۔ وہاں بیٹھے ہیں اور شاہ صاحب سے اقرار ہو گیا اس لیے انہوں نے تم کو بلایا ہے کہ آ جاؤ تو کاغذات ابھی مل جائیں گے۔" دردانہ نے کہا "تو ڈولی منگا لو۔ چلتی ہوں۔"

میں محلہ میں جا کر ڈولی لے آیا اور کہاروں کو چپکے سے سمجھا دیا کہ خاص بازار لے چلنا۔ چنانچہ دردانہ کو سوار کر کے میں اپنے گھر آیا اور ایک علیحدہ دالان میں سواری کو اتروایا۔ اماں اس وقت سو گئی تھیں۔ ابا بالاخانہ پر تھے۔ اماں کو جگا کر سارا حال کہا۔ وہ ڈریں مگر میری عاجزی سے چپ ہو گئیں اور میں دردانہ کو دوسرے دالان میں لے گیا۔ چراغ روشن کرتے ہی دردانہ دھک رہ گئی اور بولی "ہائیں تم یہاں کہاں لائے۔"

میں نے کہا "دیکھو صاحب! اب یہ تمہارا گھر ہے۔ اگر تم نے شور و غل مچایا تو جان کی خیر نہیں۔ ان جاسوسوں کو میں نے قید کر لیا ہے اور تم بھی میری قیدی ہو۔ گو میرا دل تمہارا قیدی ہے۔ میں سب حالات سے خبردار ہو گیا ہوں۔ تم رضامندی سے چپ ہو گئیں تو یہ تمہارا گھر ہے۔ بیوی بنا کر رکھوں گا ورنہ تم کو اور ان دونوں کو جان سے مار ڈالوں گا۔"

دردانہ نے کہا "مجھے آپ کے ہاں رہنے میں کوئی عذر نہیں۔ میرا دل تو خود اس کا آرزومند تھا مگر ان جاسوسوں کو چھوڑ دو ورنہ خیر نہ ہو گی۔ بڑا تہلکہ پڑ جائے گا اگر ان کا بال بیکا ہوا۔" میں نے کہا "اگر ان کو چھوڑ دیا تو میری مشکل آئے

گی۔" دردانہ نے کہا" کچھ مشکل نہیں تم ابھی وہاں جاؤ اور ان سے کہو کہ اصلی کاغذات تو لا نہیں سکتا۔ ان کی نقل لا دیتا ہوں' مگر اس شرط پر کہ دردانہ کے معاملہ پر پردہ ڈال دیا جائے۔"

میں نے کہا کہ" مجھ سے تو یہ نمک حرامی نہ ہو گی کہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والے بادشاہ کا بھید دوسروں کو دے دوں۔" دردانہ نے کہا" یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ فرضی باتیں کاغذوں میں لکھ دو۔ انہوں نے اصل کاغذات تھوڑی دیکھے ہیں جو وہ شک کریں گے۔ قلعہ کے اندر وہ جانے ہیں۔ وہ اس کو کھود بھی نہیں سکتے۔ صرف یادداشت چاہتے ہیں تا کہ آئندہ کے لیے کام آئے۔"

میں نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اسی وقت کہ رات کا ایک بجا تھا' پھر تکیہ پر گیا۔ حجرہ سے جاسوسوں کو نکالا اور سارا حال کہا۔ وہ بولے کہ" اگر تم ان کاغذات کی نقل دے دو گے تو ہم دردانہ کے معاملہ میں تمہارا ساتھ دیں گے۔"

وہ رہا ہو کر اپنے گھر گئے اور میں نے کہا کہ" کل دوپہر کو نقل آپ کے مکان پر پہنچ جائے گی۔" دوسرے دن صبح سے میں نے نقل شروع کی۔ دردانہ اپنی ذہانت سے فرضی مقامات بتاتی جاتی تھی اور میں لکھتا جاتا تھا۔

اتنے میں ابا جان بالا خانہ سے نیچے آئے۔ میں ان کی خفگی کے ڈر سے اماں کے پاس چلا گیا۔ دردانہ نے جھک کر سلام کیا۔ والد اماں کے پاس گئے تو میں وہاں سے بھی اٹھ کر چلا آیا۔ اماں نے سارا حال بیان کیا۔ ابا یہ حالت سن کر سنانے میں آ گئے اور بولے۔" اب خیر نہیں۔ ارے بڑا غضب ہوا۔ اور یہ تو چلہ کرنے گیا تھا۔ اس مینا کو کہاں سے لے آیا۔ اچھا تو میں ان دونوں کا کام تمام کیے دیتا ہوں۔"

یہ سن کر اماں ہاتھ جوڑنے لگیں اور ابا کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ ابا سیدھے میرے پاس آئے اور دردانہ کے فرضی بنائے ہوئے کاغذ کو دیکھا تو مسکرائے اور بولے" بھئی خوب جل دیا ہے۔ خیر تمہاری مرضی۔"

والد باہر گئے۔ میں سیدھا جاسوسوں کے مکان پر پہنچا اور کاغذ ان کو دیا' جس کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ جواں بخت کو تخت مل گیا تو نہال کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد میں گھر آیا اور دردانہ سے نکاح کر کے ہنسی خوشی رہنے لگا۔

غدر

چند روز کے بعد غدر کا ہنگامہ برپا ہوا۔ والد صاحب غدر سے پہلے اپنے ایک مرید کے ہاں انبالہ چلے گئے تھے۔ میں اور دردانہ بھی ساتھ تھے۔

جب غدر کا فتنہ فرو ہوا تو انبالہ ہی میں والد صاحب نے رحلت فرمائی اور میں دہلی میں واپس آیا۔ مگر یہاں دیکھا تو خاص بازار کھد کر زمین کے برابر ہو چکا تھا۔ ناچار ایک مکان کرایہ کو لیا اور اس میں رہنا شروع کیا۔

اب والد کے جتنے مرید و معتقد تھے وہ یا تو جلاوطن ہو گئے تھے یا پھانسیاں پا گئے تھے یا غریب و مفلس ہو گئے تھے۔ مجھ کو ان سے امداد کا کوئی موقع نہ رہا تھا اور خود کچھ کام نہ آتا تھا جو گزر اوقات کی سبیل ہوتی۔ کچھ دن تو پچھلا اندوختہ خرچ ہوتا رہا۔ اس کے بعد تنگی شروع ہوئی۔ دو ایک فاقے بھی ہوئے۔ اب ہمارے دو بچے بھی تھے اور دردانہ بہت فضول خرچ واقع ہوئی تھی۔ آخر دردانہ کے مشورہ سے ہم نے پھر چلہ کی ٹھانی اور اسی پرانے حجرہ میں جا کر آسن جمایا۔ چند روز کے بعد

ہندو عورتیں تعویذ گنڈے کے لیے آنے لگیں اور صبح سے شام تک روپیہ سوا روپیہ کی آمد ہونے لگی۔
پانچ پیسہ کا تعویذ دیتا اور پانچ آنہ کا گنڈا۔ یہ معمول ہو گیا تھا۔
ایک دوپہر کو سوتا تھا کہ خواب میں حضرت دین علی شاہ قلندر اور اپنے والد کو دیکھا کہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو میں نے ساری عمر نگینہ سازی کی اور میرا بیٹا دوسرے کی کمائی پر ذلیل اوقات بسر کرتا ہے۔
آنکھ کھلی تو بے اختیار رونا آ گیا۔ سید حامد ردانہ کے پاس آیا اور سارا حال اس سے کہا۔ دردانہ نے کہا "خواب خیال ہے۔ اب یہ نہ کرو گے تو کیا کرو گے۔ کام کچھ آتا نہیں۔"
میں نے کہا "نوکری کروں گا۔" یہ ٹھان کر نوکری کی تلاش شروع ہوئی اور ایک مکتب میں دس روپیہ ماہوار کی ملازمت کر لی۔
اسی زمانہ میں دردانہ بیمار ہوئی۔ ہر چند علاج کیا مگر جانبر نہ ہو سکی۔ اس کے مرنے نے مجھ پر بچوں کی پرورش کا بوجھ ڈال دیا۔ نوکری پر جاتا تھا تو بچوں کو ساتھ لے جاتا۔ بازار میں روٹی کھاتا۔ غرض اسی طرح بمشکل ایک سال گذرا۔

پکانے والی ماما

مکتب میں میری ترقی ہو گئی۔ بیس روپے ملتے تھے اور شام کو دو لڑکے گھر پر پڑھنے آتے تھے۔ تیس روپے میرے لیے بہت تھے' اس لیے ایک دن یہ خیال ہوا کہ کسی پکانے والی ماما کو نوکر رکھنا چاہیے۔ بغیر اس کے گذارا مشکل ہے۔
اسی تلاش میں تھا کہ ایک دن ایک غریب عورت برقعہ اوڑھے بھیک مانگنے آئی۔ میں نے کہا "نیک بخت نوکری کر لے بھیک مانگنا بہت برا ہے۔" اس عورت نے رونے کی آواز میں کہا "میاں تم ہی نوکر رکھ لو۔ سب ضمانت مانگتے ہیں۔ میں کہاں سے ضمانت لاؤں۔"
میں نے کہا "تم کون ہو۔ تمہارا کوئی والی وارث بھی ہے؟" اس نے بے اختیار ہچکیاں لے کر رونا شروع کیا اور کہا "سوائے خدا کے کوئی نہیں۔ زیادہ نہ پوچھو کہ مجھ میں بیان کی تاب نہیں ہے۔"
میں نے کہا "اچھا تو ہمارے ہاں روٹی پکایا کرو۔" اس نے قبول کیا اور روٹی پکانے لگی' مگر ہمیشہ وہ پردے کا خیال رکھتی تھی اور کبھی میرے سامنے نہ آتی تھی' لیکن ایک دن اتفاق سے میری نگاہ اس پر پڑ گئی۔ دیکھا تو جوان اور قبول صورت تھی۔ میں نے اس سے کہا "صاحب بڑی مشکل ہے۔ تمہارے پردے سے تو جی گھبراتا ہے۔ کیوں نہ تم مجھ سے نکاح کر لو تاکہ یہ حجاب اٹھ جائے۔" ماما نے کچھ رک کر آخر اقرار کر لیا اور میں نے اس سے نکاح پڑھا لیا۔
نکاح کے بعد میں نے اس کو دیکھا تو کچھ صورت آشنا سی نظر آئی' مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ میں نے پہلے اس کو کہاں دیکھا ہے۔ آخر اس نے خود ہی کہا "تم کو شاید یاد نہ ہو۔ میں بچپن میں اماں جان کے ساتھ تمہارے گھر میں بہت آیا کرتی تھی۔ میں بہادر شاہ بادشاہ کی نواسی ہوں۔ گوہر بیگم میرا نام ہے۔" گوہر بیگم سن کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ خدا کی شان یہ وہی شہزادی تھی جس کے بڑے چاؤ چوچلے تھے۔ اپنی اماں کی اکلوتی تھی اور ہمارے ہاں بڑی شان و شوکت سے آیا کرتی تھی۔

میں نے پوچھا" آخر بتاؤ تو سہی تم پر غدر میں کیا بیتی اور تم اب تک کہاں کہاں رہیں۔"

شہزادی کی آپ بیتی

غدر میں میری عمر تیرہ سال کی تھی۔غدر ہی کے اندر اماں جان کا انتقال ہو گیا اور میں بڑی دائی کے پاس رہتی تھی۔جب بادشاہ دہلی سے بھاگے تو دائی مجھ کو لے کر انگریزی جرنیل کے پاس چلی گئی اور سارا حال بیان کیا۔اس نے بہت محبت سے اپنے خیمہ میں مجھ کو رکھا اور دوسرے دن ایک پنجابی مسلمان افسر کے حوالے کر دیا۔وہ افسر مجھ کو لیے ہوئے لکھنؤ گیا۔وہاں اس زمانہ میں لڑائی ہو رہی تھی'جس میں افسر بچارا مارا گیا اور میں بھاگ کر اناؤ چلی گئی۔اناؤ میں ایک ہندو نے اپنے گھر میں رکھا'مگر اس کی نیت بد دیکھ کر میں وہاں سے بھاگی۔راستے میں ایک دیہاتی زمیندار ملا اور مجھ کو اپنے گھر لے گیا اور چند روز کے بعد اپنے لڑکے سے میری شادی کر دی'مگر مجھ کو ان گنواروں میں رہنا دوبھر تھا۔بس دوزخ کا مزہ آتا تھا۔خدا کی قدرت گنواروں میں دھان کے کھیت پر لڑائی ہوئی اور میرے شوہر اور سسرے کو دشمنوں نے مار ڈالا اور میں اس گھر سے نکل کر کان پور آئی۔یہاں ایک سوداگر کے ہاں ماما گیری کی نوکری کر لی۔یہ سوداگر بڑا بدچلن تھا۔مجھ سے تو اس نے کچھ نہ کہا مگر رات دن اس کے ہاں حرام کار عورتوں کی آمد و رفت رہتی تھی'جس سے میرا جی بیزار ہو گیا اور میں نے چاہا کر دہلی چلی جاؤں۔چنانچہ ایک موقع پر اسٹیشن پہنچی اور بابو سے خوشامد کی کہ مجھے دہلی پہنچا دو۔اس نے مال گاڑی میں گارڈ کے سپرد کر دیا جس نے مجھ کو دہلی لا کر اتار دیا۔

دہلی میں آئی تو حیران تھی کہ الٰہی کہاں جاؤں۔کوئی جان پہچان نہ تھی۔سوچتے سوچتے چیلوں کے کوچہ میں آئی جہاں میرا اَنو کہار رہتا تھا۔اَنو کہار تو مر گیا تھا۔اس کی بیوی نے میرا حال سنا تو اپنے پاس رکھ لیا۔اس کے بیٹے مچھلیاں پکڑتے تھے۔ڈولی کا کام چھوڑ دیا تھا۔میں ان کے گھر روٹی پکاتی تھی۔

ایک دن رات کو کہار کے لڑکے نے کہا" یہ امیر لوگ بھی بڑے آرام سے ہیں۔دھوپ میں مچھلیاں تو ہم پکڑیں اور یہ مزے سے بیٹھ کر کھائیں۔" میں نے کہا" دام بھی تو دیتے ہیں اور دام کمانے میں ان کو تم سے زیادہ محنت اور فکر کا شکار ہونا پڑتا ہوگا۔"

کہار یہ سن کر بگڑ گیا اور بولا" چل دری۔تو ہماری بات میں دخل دینے والی کون۔" یہ کہہ کر ایک بانس میرے سر پر مارا۔مغز پھٹ گیا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

ہوش آیا تو دریا کی ریت میں پڑی تھی اور آس پاس کوئی نہ تھا۔ہلنے جلنے کی طاقت نہ تھی۔ہندو عورتیں جمنا پر نہانے جارہی تھیں۔میں نے ان سے ہاتھ جوڑ کر کہا۔مجھے شفا خانہ پہنچادو۔میرے چوٹ لگ گئی ہے۔انہوں نے رحم کھا کے ڈولی منگا دی اور میں شفا خانہ آئی۔وہاں علاج ہوا اور اچھی ہو کر صدر بازار میں پہنچی۔وہاں ایک پنجابی کے ہاں روٹی پکانے کی نوکری کر لی۔

غرض اس طرح یہ دن بسر ہوئے۔پنجابی بھی بہت بدچلن تھا۔اس کی بری نگاہیں دیکھ کر میں نکل آئی اور بھیک مانگنے لگی'کیونکہ دو چار جگہ نوکری کو کہا تو انہوں نے ضمانت مانگی۔

ایک دن بھیک مانگ رہی تھی کہ ایک لڑکا روٹی دینے آیا۔ مجھ کو اس کی صورت دیکھ کر کچھ محبت سی آئی۔ پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میری اماں روٹی پکاتی ہیں۔ میں نے کہا ان کا کیا نام ہے؟ بولا رقیہ۔ رقیہ نام سن کر مجھے شک ہوا کہ شاید میری پھپھی ہیں۔ اندر گھر میں چلی گئی۔ دیکھا تو واقعی پھپھی جان تھیں۔ پھپھی جان نے مجھ کو پہچانا۔ گلے مل کر خوب روئیں اور اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ چند روز میں نے ان کے ساتھ کام کیا' مگر ایک دن اس گھر میں کچھ چوری ہو گئی۔ صاحب خانہ نے پولیس کو بلا کر کہا کہ یہ اجنبی عورت ہمارے ہاں آئی۔ اسی کا کام معلوم ہوتا ہے۔ پولیس والے مجھ کو کوتوالی لے گئے اور وہاں مجھ پر تنبیہ شروع ہے۔ ایک نے میری چوٹی پکڑ کر گھسیٹا۔ اس وقت میں نے آسمان کو دیکھا کہ میں ہندوستان کے شہنشاہ کی نواسی ہوں۔ میں چور نہیں ہوں۔ مجھے یہ کیوں ستاتے ہیں۔ الٰہی میرا دنیا میں کوئی حمایتی نہیں۔ میں کس سے کہوں کہ بے قصور ہوں۔ یہ سوچ رہی تھی کہ سپاہی نے جوتیاں مارنی شروع کیں۔ یہ ذلت ایسی سخت تھی کہ مجھ کو غش آ گیا۔ آخر تھانہ دار نے رحم کھا کے مجھ کو چھوڑ دیا اور میں بھیک مانگتے مانگتے آپ کے ہاں آ گئی۔

بدنصیب گھسیارے

میں اپنے ماما اور حال کی بیگم کا افسانہ سن کر ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا کہ دنیا میں بھی کیا کیا انقلابات پیش آتے ہیں مگر دنیا والے ذرا نہیں گھبراتے۔ نہ اچھے وقت کا کچھ اعتبار ہے نہ برے وقت کا۔ ایک سا وقت کسی کا نہیں رہتا۔ انسان کو نہ خوشی میں اترانا چاہیے نہ تکلیف میں گھبرانا۔

چند روز ہم بہت ہنسی خوشی سے رہے مگر اتنے میں میرے مکتب کی نوکری جاتی رہی۔ ذرا سے قصور پر مجھ کو موقوف کر دیا گیا۔ لڑکوں نے بھی جو میرے پاس پڑھنے آتے تھے آنا چھوڑ دیا۔

اب پھر معاش کی تنگی ہوئی۔ جگہ جگہ نوکری کی تلاش کو گیا' مگر کہیں دستیاب نہ ہوئی۔ لوگ کہتے میاں آج کل بڑے بڑے بی اے مارے مارے پھرتے ہیں۔ کوئی دو کوڑی کو نہیں پوچھتا۔ اس حالت میں ایک دن میں درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ میں زیارت کو گیا۔ واپسی میں دیکھا کہ ایک گھسیارہ گھوڑے پر گھاس لادے چلا جاتا ہے۔ میں نے راستہ کاٹنے کو اس سے باتیں شروع کیں۔

پوچھا کیوں بھئی یہ گھاس کتنے کو بک جائے گی؟ اس نے کہا تین ساڑھے تین روپے کو۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے کہا اخوہ! اس میں تو بڑا نفع ہے۔ گھسیارہ نے کہا محنت بھی تو ہے۔ صبح چار بجے گیا تھا۔ اب چار بجے شام تک اتنی جمع ہوئی ہے۔ میں نے کہا جنگل سے مفت لاتے ہو یا کچھ دینا پڑتا ہے۔ اس نے کہا چالیس روپے کا ایک جنگل ٹھیکے پر لیا ہے۔ وہیں سے لاتا ہوں۔ ایک جنگل چھ مہینے کے لیے کافی ہے۔ ایک رخ سے کھودتا ہوں۔ دوسرے دن دوسری جانب سے۔ تیسرے دن اور طرف سے۔ اس طرح یہ پھیر بندھا رہتا ہے کہ جب اول دن کی کھدی زمین کو آٹھ دن ہو جاتے ہیں تو نئی گھاس پیدا ہو جاتی ہے اور میرا رزق از سر نو وہاں سے شروع ہوتا ہے۔ آٹھ آنہ روز گھوڑے کا خرچ ہے۔ تین روپیہ کا مکان ہے۔ باقی گھر کے کام آتا ہے۔ میں اکیلا ہوں۔ ایک بیوی ہے۔ اگر بچے بھی ہوتے تو اتنی محنت نہ ہوتی۔ کچھ وہ کھودتے کچھ میں۔ دوپہر سے پہلے گھوڑے کا بوجھ ہو جاتا۔

یہ سن کر میں گھر آیا اور سارا حال بیوی سے کہا۔ اس نے کہا گھاس کھودنے میں کچھ عیب نہیں۔ بڑے بڑے بزرگوں نے یہ پیشہ کیا ہے۔ یہ سوچ کر میں نے بیوی کا زیور بیچ کر ایک ٹٹو خریدا۔ جنگل جا کر ایک زمین ٹھیکہ لی۔ تین کھرپے خریدے اور بچوں کو لے کر گھاس کھودنے گیا۔ چند روز تو ذرا مشکل رہی مگر پھر عادت ہوگئی۔ اب ہم تینوں باپ بیٹے دو پہر سے پہلے گھوڑا بھر لاتے ہیں اور گھاس کی منڈی میں دکاندار کے ہاتھ جس نے ٹھیکہ ہو گیا ہے' کھڑے کھڑے تین روپے کو گھاس فروخت کر کے گھر آ جاتے ہیں۔ پھر میں مسجد میں جاتا ہوں اور شام تک اللہ اللہ کر کے مگن رہتا ہوں۔ سینکڑوں عورت مرد تعویذ گنڈے کو آتے ہیں اور میں مفت تعویذ تقسیم کرتا ہوں جس میں اللہ اثر دیتا ہے۔

لوگ میرے گھسیاری پیشے سے آگاہ ہیں اور بجائے نفرت کرنے کے سمجھتے ہیں کہ میں کوئی بڑا پہنچا ہوا فقیر ہوں جو اکل حلال کے لیے گھاس کھودتا ہوں۔ اس واسطے ان کے دل میں میری بڑی عزت و قدر ہے۔ نوے روپے ماہوار اس پیشہ میں ملتے ہیں اور کالج کے بی اے پاس لوگوں سے میری اچھی گذر جاتی ہے۔ جن کو پچیس روپے کی غلامی بھی نصیب نہیں۔

☆ ☆ ☆

ٹھیلہ والا شہزادہ

۱۹۱۱ء کے دربار میں دہلی کے دن پھرے۔ نئے شہر کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ نقشے بنے۔ نامور انجینئروں کی دماغ آرائیاں اپنے جوہر دکھانے لگیں۔ شاہان اودھ کی مورث منصور علی خاں صفدر جنگ کے مقبرہ کے آس پاس کی اینٹ بنانے اور پکانے کے کارخانے جاری ہوئے۔ ہزاروں غریبوں کا روزگار چکا۔ پکی ہوئی اینٹوں کے انبار ریل گاڑیوں اور ٹھیلوں میں سوار ہو ہو کر امپریل سٹی (شہنشاہی شہر دہلی) کی تعمیرات میں جانے لگے۔

۱۱ مئی ۱۹۱۷ء کا ذکر ہے۔ ٹھیک دو پہر کی دھوپ اور حواس کھونے والی گرمی میں ایک بوڑھا ٹھیلے والا خان بہادر سیٹھ محمد ہارون کے بھٹہ سے اینٹیں لے کر دہلی جا رہا تھا۔ سر پر سورج کی تیز کرنیں' سفید داڑھی اور مونچھوں پر راستہ کا گرد و غبار' پیشانی پر پسینہ جس میں اینٹوں کی سرخی جمی ہوئی۔

پیچھے سے ایک موٹر (غالباً قطب صاحب سے) آ رہی تھی۔ ڈرائیور نے ہر چند بگل بجایا' مگر بوڑھے اور بہرے ٹھیلے والے نے اس کی آواز نہ سنی اور ٹھیلہ کو سڑک سے نہ بچایا۔ موٹر قریب آئی اور ٹھیلے سے ٹکرائی۔ ڈرائیور بہت ہوشیار تھا۔ ٹکر لگتے لگتے موٹر کو روک لیا اور ٹھیلہ کی ٹکر سے موٹر کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔

اس موٹر میں ایک پنجابی سوداگر جوانی اور شراب کے نشے میں چور کسی بازاری عورت کو لیے بیٹھا تھا۔ ٹھیلہ والا کو غریب بوڑھا اور کمزور دیکھ کر غصہ سے بیتاب ہو گیا۔ ہاتھ میں بطور فیشن کے ایک کوڑا تھا۔ اسی کو لیا۔ موٹر سے اترا اور بیچارے ٹھیلہ والے کو مارنے لگا۔

ٹھیلہ والا اکیلا تھا۔ ضعیف و ناتواں تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مفلس اور نادار تھا' مگر خبر نہیں دل میں کیا ہمت

اور جرأت رکھتا تھا کہ چار کوڑے تو پہلے حملے میں اس نے کھا لیے، لیکن پھر بیل ہانکنے کا چابک لے کر اس نے بھی اس مخمور نوجوان پر حملہ کیا اور چابک کے بانس کا ڈنڈا ایسا مارا کہ شرابی عیاش کا سر پھٹ گیا۔ موٹر ڈرائیور نے چاہا کہ اس بوڑھے کو سزا دینے کو آگے بڑھے، مگر قدم بڑھانے سے پہلے ہی چابک کی لکڑی اس کے سر پر بھی پڑی، جس نے اس کا چہرہ بھی خون سے لال کر دیا۔ موٹر نشین طوائف نے گھبرا کر رونا شروع کیا اور بلبلا کر چیخی کہ خدا کے لیے تم موٹر میں آ جاؤ ورنہ یہ گنوار تم کو جان سے مار ڈالے گا۔

یہ سن کر جوان اور موٹر بان دونوں موٹر میں بیٹھ گئے اور ٹھیلے والے کو گالیاں دینے لگے۔ بوڑھا خاموش کھڑا مسکراتا رہا اور کہتا رہا کہ بس ایک ہی وار میں بھاگ نکلے۔ تیموری طمانچہ کھانا آسان نہیں ہے۔

ٹھیلے والا اس قدر بہرہ تھا کہ موٹر والوں کی گالیاں اس نے نہ سنیں اور پھر ٹھیلے پر آن بیٹھا۔ موٹر بھی دہلی چلی گئی اور ٹھیلہ بھی رئیسنہ (وہ مقام جہاں نئی دہلی کی تعمیر ہو رہی ہے) میں کہیں اینٹیں ڈالنے روانہ ہو گیا۔

(۲)

رئیسنہ کے تھانے میں دوسرے دن دو زخمی اور چند ٹھیلے والے جمع تھے۔ وہ بوڑھا ٹھیلے والا بھی کھڑا تھا۔ داروغہ پولیس نے پوچھا "کیا تم نے ان کو زخمی کیا ہے؟"

بوڑھا چپ کھڑا رہا۔ داروغہ نے پھر ذرا بگڑ کر سوال کیا اور کہا کہ "بولتا کیوں نہیں۔"

دوسرے ٹھیلے والے بولے "حضور! یہ بہرا ہے۔" تب ایک سپاہی نے بوڑھے کے کان کے پاس جا کر آواز سے یہی سوال کیا تو بوڑھے نے جواب دیا "ہاں میں نے مارا ہے۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کیا۔ چار کوڑے مارے تو میں نے بھی جواب ترکی بہ ترکی دیا۔ یہ امیر لوگ غریبوں کو گھاس پھوس سمجھتے ہیں۔ آج سے ساٹھ برس پہلے ان زخمیوں کے ماں باپ میرے غلام تھے اور یہی نہیں سارا ہندوستان میرا محکوم تھا۔"

داروغہ پولیس ہنسا اور اس نے کہا شاید یہ پاگل ہو گیا ہے۔ بڑھاپے نے اس کی عقل کھو دی۔ اچھا اس کو حوالات میں لے جاؤ۔ کل عدالت میں چالان کیا جائے گا۔ ایسے دیوانہ کو پاگل خانہ بھیجنا چاہیے۔

(۳)

سٹی مجسٹریٹ کے ہاں بوڑھا ٹھیلہ والا پولیس کی حراست میں حاضر تھا اور دونوں مدعی بھی موجود تھے۔ کورٹ انسپکٹر نے واقعات پیش کیے تو عدالت نے مدعا علیہ کا بیان لینا چاہا اور یہ معلوم کر کے کہ وہ بہرا ہے، چپراسی نے چیخ چیخ کر اس کا اظہار لیا۔ بوڑھے نے بیان کیا:

"میرا نام ظفر سلطان ہے۔ میں مرزا بابر برادر بہادر شاہ بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ میرے دادا ہندوستان کے شہنشاہ معین الدین اکبر شاہ ثانی تھے۔ غدر کے بعد میں ہزاروں پریشانیوں کے بعد ملکوں ملکوں پھرتا ہوا پھر دہلی میں آ گیا اور ٹھیلا چلانے کا کام کرنے لگا۔ ۱۱ مئی ۱۹۱۷ء جو ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کی طرح گرم اور سخت تھی، اس واقعہ کی تاریخ ہے۔ میں بہرا ہوں۔

میں نے موٹر کی آواز نہیں سنی۔ موٹر والوں نے میری عمر اور حالت پر رحم نہ کیا اور میرے چار کوڑے مارے۔ میرے بدن میں جو خون ہے اس کو مار کھانے کی اور ظلم و جور سہنے کی اب تو عادت ہو گئی ہے مگر پہلے نہ تھی۔ جس جگہ عدالت کی کرسی ہے اسی مقام پر غدر سے پہلے میرے حکم سے بارہا بہت سے شریروں اور سرکشوں کو سزائیں دی گئی ہیں۔ میرے دل اور دماغ نے ان عادتوں کو فراموش نہیں کیا۔ گو میری آنکھوں نے ان نظاروں کی دید مدت سے ترک کر دی ہے۔ میں کیونکر چار کوڑوں کو برداشت کر سکتا تھا۔ میں نے بے پینک بدلہ لیا اور ان دونوں بہادر جوانوں کے سر پھاڑ ڈالے۔ اگر آپ شریف لوگوں کا انصاف کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کے فیصلہ کے سامنے سر جھکانے کو تیار و آمادہ ہوں۔"

بوڑھے کی تقریر سن کر عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ مجسٹریٹ صاحب جو یوریشین تھے قلم منہ میں لے کر بوڑھے کو دیکھنے لگے اور ان کا مسلمان سررشتہ دار آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ دونوں مدعی بھی یہ بیان سن کر دم بخود رہ گئے۔

عدالت نے حکم دیا۔ تم کو رہا کیا جاتا ہے اور مدعیوں پر دس دس روپے جرمانہ کیونکہ خود ان کے بیان سے ظاہر ہے کہ انہوں نے نشہ کی حالت میں پہلے مدعا علیہ پر حملہ کیا تھا۔

اس کے بعد مجسٹریٹ نے چپراسی کے ذریعہ بوڑھے شہزادے سے پوچھا "کیا تمہاری پنشن سرکار سے مقرر نہیں ہوئی۔ تم ٹھیلے کا ذلیل کام کیوں کرتے ہو۔"

شہزادہ نے جواب دیا "مجھے معلوم ہے کہ انگریزی سرکار نے ہمارے خاندان والوں کی پانچ پانچ روپے ماہوار پنشن مقرر کر دی ہے مگر میں اول سے تو برسوں دہلی سے غیر حاضر رہا اس کے علاوہ جب تک ہاتھ پاؤں چلتے ہیں کام کر کے محنت کی روزی کمانی فرض سمجھتا ہوں۔ جناب! مجھ کو ٹھیلہ میں تین چار روپے روزانہ مل جاتے ہیں۔ دو روپے روز بیلوں وغیرہ کا خرچ ہے جس میں گھر کا کرایہ بھی شامل ہے اور روپیہ دو روپیہ مجھ کو بچ جاتے ہیں۔ میں پانچ روپے مہینہ لے کر کیا کرتا۔ آج کل میں بہت خوش ہوں اور مجھ کو ہر طرح کی آزادی اور بے فکری ہے۔ جو لوگ آپ کی کچہریوں میں نوکریاں تلاش کرتے پھرتے ہیں اور بی اے ایم اے پاس ہونے میں عمریں برباد کرتے ہیں ان سے مجھ ٹھیلہ والا کی حالت لاکھ درجہ بہتر ہے۔ ٹھیلا چلانے میں کچھ ذلت نہیں ہے کیونکہ میں بیلوں پر حکومت کرتا ہوں اور خود بیل بن کر محکوم نہیں بنتا۔"

(۴)

ٹھیلہ والا شہزادہ پہاڑ گنج کی مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور اسی کے قریب اس کا گھر تھا۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو ایک شخص اس کے پاس گیا اور کہا "میں آج کچہری میں موجود تھا اور میں نے آپ کے بیان کا چرچا سنا تھا۔ کیا آپ غدر کے حالات سنا سکتے ہیں کہ آپ غدر میں اور اس کے بعد کہاں کہاں رہے اور آپ پر کیا کیا مصیبت پڑی۔"

ٹھیلہ والے نے مسکرا کر کہا "کیا آپ وہ حالات سن سکتے ہیں؟ اور کیا آپ کو ان جھوٹی باتوں پر یقین آ سکتا ہے؟ کیونکہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو بات گزر جائے خواہ وہ خوشی کی ہو یا تکلیف کی ہو جھوٹی ہے۔ اس کا بیان کرنا جھوٹ بولنا ہے۔ آنے والا زمانہ وہم ہے۔ گذرنے والا وقت جھوٹا ہے اور موجودہ گھڑی سچی ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ جو وقت سامنے ہے اس پر یقین کروں اور ہنسی خوشی اس کو گزار دوں۔ نہ گذرے وقت کی یاد دل میں آنے دوں۔ نہ آنے والے زمانے کا

فکر ذہن میں لاؤں۔ بس جو کچھ سمجھوں اسی وقت کو سمجھوں جو آنکھوں کو نظر آتا ہو اور جس میں موجودہ سانس کی آمد و رفت ہو۔"

سائل نے کہا "یہ تو آپ کی ذاتی تجربہ کی باتیں ہیں۔ آپ کے دل کو صدموں اور حادثوں نے دنیا سے اداس کر دیا ہے، مگر میں تو واقعات غدر کی یادداشت مرتب کرنے کو آپ سے یہ حالات پوچھتا ہوں۔ میں نے اور بھی اسی طرح بہت سے واقعات جمع کیے ہیں اور آپ بیتی کیفیت شہزادوں سے پوچھ پوچھ کر لکھی ہے۔"

یہ سن کر شہزادہ نے زور سے قہقہہ لگایا اور کہا "شاید آپ اخبار والے ہیں؟ میں ان لوگوں سے سخت بیزار ہوں۔ یہ بہت ہی جھوٹ بولا کرتے ہیں۔ اچھا آپ میرے گھر پر چلیے۔ میں مہمان کی دل شکنی نہیں کروں گا اور آپ جو پوچھیں گے، بتاؤں گا۔"

شہزادہ سائل کو لے کر اپنے گھر میں گیا۔ چھپر کا ایک مکان تھا۔ باہر صحن میں دو بیل اور ایک گائے بندھی ہوئی تھی۔ اندر دالان میں ایک تخت بچھا ہوا تھا۔ برابر ایک پلنگ تھا۔ دونوں پر سفید چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں، جن سے غریب مگر ستھری اور رکھاؤ شہزادہ کی نفاست مزاجی ظاہر ہوتی تھی۔ شہزادہ نے سائل کو تخت پر بٹھایا اور خود باورچی خانہ سے کھانا لایا اور کہا آؤ پہلے کھانا کھا لو۔ پھر باتیں کریں گے۔ کھانا اگرچہ ایک آدمی کا تھا، مگر دو قسم کا سالن، دال چٹنی اور کچھ میٹھا۔ اس بات کو ظاہر کرتی تھی کہ شہزادہ اس حالت میں بھی تکلف زندگی بسر کرتا ہے۔ سائل نے ہر چند عذر کیا، مگر شہزادہ نہ مانا اور دونوں نے کھانا کھایا اور پھر شہزادہ نے خود حقہ بھرا اور سائل کے آگے رکھا۔ اس نے حقہ نہ پینے کا عذر کیا، تو شہزادے نے نَے کو آگے رکھ کر یہ داستان کہنی شروع کی۔

(۵)

میں مرزا بابر کا بیٹا ہوں۔ مرزا بابر بہادر شاہ کے بھائی تھے۔ غدر سے پہلے بہادر شاہ کی حکومت تو ہندوستان میں نہ تھی، مگر عزت بادشاہوں کی سی ہر صوبہ، ہر شہر اور ہر آبادی میں ان کے نام کی کی جاتی تھی اور دہلی میں تو ہر شخص بہادر شاہ اور ان کے خاندان کا وہی ادب و لحاظ کرتا تھا جو شاہ جہاں اور عالمگیر کے وقت میں ہوتا تھا۔

میں اپنے باپ کا بہت لاڈلا بیٹا تھا۔ اگرچہ ان کے اولاد اور بھی تھی، مگر اپنی ماں کا میں اکلوتا تھا۔ میرے والد کا غدر سے پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ جب غدر پڑا اور باغیوں کی فوج دہلی میں گھسی تو جیسی ستم کاریاں اس نے انگریزوں اور ان کی عورتوں و بچوں پر کیں، ان کے کہنے سے کلیجہ کانپتا ہے۔ اس کے بعد جب انگریز پنجاب کی مدد لے کر دہلی پر آئے اور اس کو مغلوب کر لیا تو بادشاہ سمیت سارا شہر بھاگ نکلا۔ میری والدہ نابینا تھیں اور آئے دن کی بیماریوں سے بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ رتھ میں سوار ہونا بھی ان کو دوبھر تھا، مگر دو عورتوں کی مدد سے میں نے ان کو سوار کیا اور خود بھی اس میں سوار ہو کر دہلی سے نکلا۔ بادشاہ وغیرہ تو مقبرہ ہمایوں گئے تھے، مگر میں نے کرنال کا رخ کیا کیونکہ وہاں میرے ایک دوست رہتے تھے، جن سے دہلی میں اکثر ملاقات ہوا کرتی تھی اور وہ کرنال کے علاقہ میں صاحب حیثیت زمیندار تھے۔

ہمارا رتھ اجمیری دروازہ سے باہر نکلا (راستہ تو لاہوری دروازے سے تھا، مگر ادھر انگریزی فوج کا ڈر تھا) تو

دیکھا ہزاروں عورت مرد بچے بوڑھے بقچیاں سروں پر رکھے حیران و پریشان چلے جا رہے تھے۔ رتھ والے نے کہا گوڑ گانوہ ہو کر کرنال چلنا چاہئے تاکہ فوج والوں کے ہاتھ سے امن رہے گا۔ گوڑ گانوہ تک تو ہم امن سے چلے گئے۔ اگرچہ راستہ میں گوجر وغیرہ ملے' مگر ہم حیلہ حوالے کر کے ان کے ہاتھوں سے بچ گئے' لیکن گوڑ گانوہ سے جب کرنال کی طرف مڑے تو دو کوس کے بعد ہی گوجروں کے ایک غول نے رتھ کو گھیر لیا اور لوٹنا چاہا۔ ابھی انہوں نے ہاتھ نہ ڈالا تھا کہ سامنے سے ایک انگریزی فوج کا دستہ آ گیا۔ یہ سب گورے تھے۔ ان کو دیکھ کر گوجر تو بھاگ گئے اور گورے گھوڑے دوڑا کر رتھ کے پاس پہنچے اور انہوں نے مذاق کے انداز سے انگریزی زبان میں کچھ کہنا شروع کیا جس کو میں نہیں سمجھا۔ میں مشرقی رخ تھا۔ مغربی رخ سے ایک گورے نے رتھ کا پردہ اٹھا کر دیکھا اور والدہ کو نابینا اور بڑھیا دیکھ کر قہقہہ لگایا اور اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا جس کو سن کر وہ سب آگے بڑھ گئے اور ہم کو کچھ تکلیف نہ دی۔

جب وہ چلے گئے تو ہم آگے بڑھے اور شام تک چلتے رہے۔ رات کو ایک گاؤں کے پاس قیام کیا۔ وہاں آدھی رات کو چور بیل کھول کر لے گئے۔ گاڑی بان بھی کہیں غائب ہو گیا۔ صبح کو میں بہت فکرمند ہوا اور گاؤں سے جا کر کرائے کی گاڑی مانگی۔ یہ جاٹ تھے۔ ان کا چودھری میرے ساتھ آیا اور بولا "گاڑی تو ہمارے گاؤں میں نہیں ہے۔ تم اپنی ماں کو ہمارے گھر میں ٹھہرا دو۔ دوسرے گاؤں سے گاڑی منگوا دیں گے۔" میں نے اس کو غنیمت سمجھا اور والدہ کو لے کر چودھری کے گھر میں چلا گیا۔ ہمارے پاس ایک پٹاری تھی اور ایک صندوقچہ اور ان دونوں میں اشرفیاں اور جڑاؤ زیور تھا۔

چودھری نے گھر میں اتار کر اور سب سامان رکھ کر ایک آدمی کو دوسرے گاؤں سے گاڑی لانے کے لیے بھیجا۔ تھوڑی دیر میں گاؤں والوں نے غل مچایا کہ انگریزی فوج آتی ہے۔ چودھری میرے پاس آیا اور کہا جاؤ تم گھر سے بھاگ جاؤ ورنہ ہم بھی تمہارے ساتھ مارے جائیں گے۔ میں بہت گھبرایا اور چودھری سے کہنے لگا کہ اندھی ماں کو لے کر کہاں جاؤں۔ تم کو میرے حال پر ترس نہیں آتا۔ یہ سن کر اس جاٹ نے میرے ایک سونٹا مارا اور کہا "کیا ہم تیرے لیے اپنی گردن کٹوا دیں۔" میں نے بھی اس کے تھپڑ رسید کیا۔ یہ دیکھتے ہی جاٹ جمع ہو گئے اور ان سب نے مل کر مجھ کو خوب مارا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش میں آیا تو ایک جنگل میں پڑا تھا اور والدہ میرے سرہانے بیٹھی رو رہی تھیں۔

والدہ نے کہا وہ جاٹ تجھ کو اور مجھ کو ایک چارپائی پر اٹھا کر یہاں ڈال گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے انہوں نے اسباب لوٹنے کا بہانہ کیا تھا۔ فوج ووج کچھ نہ آئی تھی۔

وہ بڑا کٹھن وقت تھا۔ جنگل بیابان' دھوپ کی شدت' ایک میں اور میری ناتواں آنکھوں سے محتاج ماں' چاروں طرف سناٹا اور دشمنوں کا ڈر' راستہ کی بے خبری اور زخموں کی ڈکھن سونے پر سہاگہ۔ والدہ نے کہا "بیٹا! چلو ہمت کر کے آگے بڑھو۔ یہاں جنگل میں پڑے رہنے سے کچھ فائدہ نہیں۔" میں کھڑا ہو گیا۔ سر میں اور بازو پر زخم تھے۔ پیروں پر بھی چوٹ آئی تھی' مگر اندھی ماں کا ہاتھ پکڑ کے راستہ چلنا شروع کیا۔ کانٹے دار جھاڑیاں سارے میدان میں پھیلی ہوئی تھیں' جنہوں نے بدن کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور پیروں کو لہولہان کر دیا۔ والدہ ٹھوکریں کھا کھا کر گر پڑتی تھیں اور میں ان کو سنبھالتا تھا' مگر زخموں کی کمزوری سے مجھ میں بھی چلنے کی ہمت نہ تھی۔ دو وقت سے ہم نے کچھ کھایا بھی نہ تھا۔ غرض ایسا وقت تھا کہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔

جب دوپہر کا سورج سر پر آیا تو میرے سر کے زخم میں ایسی تکلیف ہوئی کہ میں چکرا کر گر پڑا۔ ہوش تھا مگر اٹھنے اور چلنے کی طاقت نہ تھی۔ والدہ نے میرا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور یہ دعا مانگنی شروع کی۔

"الٰہی مجھ پر رحم کر۔ میرے گناہوں کو معاف کر دے اور میری بچہ کی جان کو بچا لے۔ خدایا! یہ اندھی شہزادی تیرے آگے ہاتھ پھیلاتی ہے۔ اس کو محروم نہ کر۔ ہمارا تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔ آسمان زمین ہمارے دشمن ہیں۔ تجھ بن کس سے کہوں۔ تو جس کو چاہے عزت دے، جس کو چاہے ذلت دے۔ کل ہم ملکوں اور ہاتھی گھوڑوں اور لونڈی غلاموں کے مالک تھے۔ آج ان میں سے کچھ بھی ہمارے پاس نہیں۔ کس برتے پر دنیا والے اس فانی جہان میں جینے کی آرزو کرتے ہیں۔ توبہ ہے۔ گناہوں کی توبہ ہے۔ رحم۔ رحم۔ اے خدا رحم۔"

اماں دعا مانگ رہی تھیں کہ ایک گنوار ادھر آ نکلا اور اس نے کہا "بڑھیا تیرے پاس جو کچھ ہو ڈال دے۔" والدہ بولیں "بیٹا! میرے پاس تو سوائے اس زخمی بیمار کے کچھ بھی نہیں ہے۔" یہ سن کر اس گنوار نے ایک لٹھ والدہ کے سر پر مارا۔ لٹھ کے پڑتے ہی والدہ کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور انہوں نے کہا "ہائے ظالم میرے بچے کو نہ ماریو۔" میں ہمت کر کے اٹھا مگر پھر چکرا کر گر پڑا اور بیہوش ہو گیا۔ گنوار نے میرے اور والدہ کے کپڑے اتار لیے۔ مجھے ہوش آیا تو گنوار چلا گیا تھا اور ہم دونوں بالکل برہنہ پڑے تھے۔ والدہ دم توڑ رہی تھیں۔ میں نے ان سے پوچھا "اماں کیا حال ہے؟" انہوں نے بہت اکھڑی آواز میں کہا۔ "میاں مرتی ہوں۔ میاں کو خدا کے سپرد۔ آہ کفن بھی میسر نہ آیا۔ ارے گور بھی نہ ملے گی۔ میں شہنشاہ ہند کی بھاوج ہوں۔" "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کہا اور مر گئیں۔

میں نے وہیں سے ریتا سمیٹا اور اس بیکس لاش کو خاک میں چھپا دیا اور خود بھی بمشکل گھسٹ کر ایک درخت کے نیچے جا کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک فوجی سوار وہاں سے گذرا اور مجھ کو دیکھ کر قریب آیا۔ میں نے سارا حال اس سے کہا۔ اس نے رحم کیا اور کمر کا رومال کھول کر مجھ کو دیا، جس سے میں نے تہ بند باندھا۔ اس کے بعد اس سوار نے مجھ کو اٹھا کر گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور اپنی چھاؤنی میں لے گیا۔ وہاں اس نے میرا علاج کرایا، جس سے میرے زخم اچھے ہو گئے۔ پھر میں اس کی خدمت کرنے لگا۔ یہ مسلمان سوار بہت ہی نیک مزاج تھا۔ اس کا مکان پٹیالہ میں تھا۔ اس کے ہمراہ کچھ دن تو میں پٹیالہ میں رہا اور پھر فقیر ہو کر شہر بہ شہر پھرنے لگا۔ جب بمبئی پہنچا تو خیراتی قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ چلا گیا اور وہاں دس برس گذارے۔ پھر مدینہ شریف حاضری دی اور وہاں بھی پانچ برس بسر کیے۔ اس کے بعد شام اور بیت المقدس کی زیارتیں کر کے حلب ہو کر بغداد شریف گیا۔ دو سال وہاں کاٹے۔ بغداد سے ایک میمن کے ہمراہ کراچی آیا اور وہاں سے دلی آ گیا، کیونکہ دلی کی یاد مجھ کو ہر جگہ بے چین رکھتی تھی۔

یہاں ریل پر میں نے مزدوری کرنی شروع کی، جس سے مجھ کو کھانے پینے کے بعد کچھ بچت ہونے لگی اور دو سال میں میرے پاس تین سو روپے ہو گئے تو میں نے ایک ٹھیلہ والے کی شرکت میں ٹھیلہ بنایا اور اس کی آمدنی سے آہستہ آہستہ ساجھی کا حصہ ادا کر کے اپنا مستقل ذاتی ٹھیلہ بنا لیا۔ اور اب اسی پر میری گذر اوقات ہے۔

سائل نے کہا "بہرا پن کب ہوا؟ اور اس سے تو آپ کو تنہائی میں بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہو گی۔" شہزادہ نے ہنس کر جواب دیا "خدا کا شکر ہے کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ سارے جہان کے عیب سننے سے کان بند ہیں۔ گاؤں میں جب

جانوں نے مارا تھا' اسی وقت دماغ پر ایسی چوٹ آئی تھی جس سے کان کی قوت جاتی رہی۔ اب صرف بائیں کان سے کچھ سن سکتا ہوں۔ دایاں بالکل بے کار ہے۔"

سائل نے یہ ماجرائے عبرت سن کر کہا "کیا میں اس کو اپنی کتاب میں لکھ دوں؟" شہزادہ نے کہا "ضرور لکھ دو' مگر یہ بھی لکھ دینا کہ ہر گذرنے والی بات اور گذرنے والا وقت اور گذرنے والی راحت و تکلیف جھوٹی اور بے اصل ہے' مگر اس میں عبرت ضرور ہے۔"

☆ ☆ ☆

فقیر شہزادہ کی دولت

عطر اور دو انڈے

تم ہیرے کو چاہو۔ موتی پر جان دو۔ سونے چاندی کو سرمایہ زندگی سمجھو۔ شال دوشالے۔ زربفت کم خواب سے جی لگاؤ۔ ہاتھی گھوڑے' پالکی ناکی' محل حویلی کو ضروری خیال کرو۔ تم کو مبارک' مگر دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان مٹنے والی چیزوں کو دو کوڑی کا سمجھتے ہیں اور آخرت کی نعمتوں کے آگے دنیا کی ان بہاروں کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

خدا اپنی محبت جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اس میں امیر غریب' بڑے چھوٹے' کمین شریف کی قید نہیں ہے۔

دلّی کا قلعہ آباد تھا۔ تیموری بادشاہ زندہ تھے۔ اس وقت کا ذکر ہے' بہادر شاہ بادشاہ کے عزیزوں میں ایک شہزادہ کو اللہ اللہ کرنے کی لگن لگ گئی۔ گھر میں خدا نے لونڈی غلام' نوکر چاکر' ہاتھی گھوڑے سب کچھ دیا تھا' مگر یہ اللہ کا بندہ سب سے الگ مکان کے ایک کونہ میں پڑا رہتا۔ دو جَو کی روٹیاں اس وقت' دو اس وقت کھاتا' مٹی کے آبخورہ میں پانی پیتا اور یاد حق میں مصروف ہو جاتا۔

البتہ صاف کپڑے اور عطر کا بہت شوق تھا۔ ایک صندوقچے میں طرح طرح کے عطر بھرے رکھے رہتے تھے جن سے ہر نماز کے وقت ایک نئے عطر سے کپڑے بساتے اور خدا کے سامنے حاضر ہو کر ہاتھ باندھتے۔

دنیا میں ان کو اولاد سے' مال سے' کنبہ سے' رشتہ سے محبت نہ تھی۔ بس دو چیزوں پر جان دیتے تھے۔ ایک عطر اور ایک سبزدار مرغی کا جوڑا۔

عبادت سے فارغ ہوتے تو باہر آ کر سبزدار مرغی کے جوڑے کو دانہ پانی دیتے۔ اس کو دیکھ کر کبھی ہنستے کبھی روتے۔ شاید ان کو خدا کی قدرتیں یاد آتی ہوں گے اور وہ ان مرغیوں میں کوئی جلوۂ الٰہی مشاہدہ کرتے ہوں گے۔

غدر کی بھاگڑ

جب ۵۷ء کا غدر پڑا اور سب دہلی والے شہر سے نکلے' بادشاہ اور ان کی بیگمات و شہزادوں نے بھی قلعہ چھوڑا تو یہ فقیر شہزادہ بھی مصلیٰ بغل میں دبا کر کھڑے ہو گئے۔ نوکروں نے عرض کی "جواہرات اور اشرفیاں ساتھ لے لیں۔" بولے

"یہ سب کچھ تم کو بخشا۔ ہم کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اللہ کا نام کافی ہے۔" یہ کہا اور اپنا عطر کا صندوقچہ اور سبز دار مرغیوں کے دو انڈے لے کر چل کھڑے ہوئے۔

لوگوں نے سمجھایا "صاحب عالم یہ کیا غضب کرتے ہو۔ کھانے پینے کا سہارا ساتھ لینا چاہئے۔ یہ عطر اور انڈے کس کام آئیں گے۔ روپیہ پیسہ لو۔ جس سے گذر اوقات ہو" مگر انہوں نے کسی کا کہنا نہ مانا۔ ان کے ایک چھوٹی لڑکی اور ایک بیوی تھیں۔ ان کو نوکروں کے سپرد کیا اور کہا "ان کے ساتھ رہو۔ جہاں یہ چاہیں ان کو ساتھ لے جاؤ۔ گھر میں جو کچھ نقدی ہے لے لو۔ خواہ تم رکھو۔ خواہ ان عورتوں پر خرچ کرو۔ مجھے نہ بیوی کا ساتھ دینا ہے نہ لڑکی کا اور نہ روپے پیسے کا۔"

بیگم اور بیگم زادی کی چپا

فقیر شہزادے عطر اور انڈے لے کر سیدھے درگاہ حضرت محبوب الٰہیؒ میں آ گئے اور درگاہ کے باہر ایک کھنڈر مکان میں بیٹھ گئے۔ ایک دیسی مرغی کا جوڑا خریدا اور وہ دونوں انڈے ان کے نیچے بٹھا دیئے اور یاد حق شروع کر دی۔ کوئی روٹی دے گیا تو کھالی۔ ورنہ بھوکے پڑ رہے۔ ہاں نماز پڑھتے تو عطر لگا کر پڑھتے کیونکہ ان کے صندوقچے میں عطر بہت تھا۔

ذکر بیگم اور بیگم زادی یعنی ان کی بیوی اور لڑکی کو لے کر گوڑگانوہ چلے گئے اور اس کے پاس سوہنہ قصبہ میں ایک مکان لے کے رہنے لگے۔

چند دن تو ان نوکروں نے ان بیکس عورتوں کی خدمت کی' لیکن چونکہ روپیہ پیسہ سب نوکروں کے ہاتھ تھا۔ ان کو طمع دامنگیر ہوئی اور ایک دن عورتوں کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے اور نقدی ساتھ لے گئے۔

بچاری شہزادی جو سویرے اٹھیں اور نوکروں کو آواز دی تو کوئی نہ بولا۔ باہر جھانک کر دیکھا تو میدان صاف پایا۔ بہت روئیں۔ ہراساں ہوئیں۔ اب نہ کوئی آٹا لانے والا تھا نہ پانی بھرنے والا اور نہ کچھ پاس تھا جس کو خرچ کر کے کچھ منگاتیں۔

لڑکی کی عمر چھ برس کی تھی اور وہ معصوم جانتی نہ تھی کہ اس پر اور اس کے خاندان پر کیا بلائیں نازل ہو رہی ہیں۔ چارپائی سے اٹھتے ہی سب سے پہلے حلوہ مانگتی تھی اور بیگم سویرے سے تیار رکھتی تھیں۔ آج نوکر نہ تھے۔ سودا کون لاتا اور حلوہ کہاں سے پکتا۔ لڑکی نے رونا شروع کیا۔ وہ مچلنے لگی اور اپنی غریب ماں کی پریشانی کو دوگنا کر دیا۔

مایوس بیگم نے پڑوس کے ایک ساہو کو آواز دی اور اپنے ہاتھ کے طلائی کڑے دے کر کہا۔ ان کو فروخت کر کے کھانے کا سامان لا دو۔

سونے کے کڑے دیکھ کر ساہو کے منہ میں پانی بھر آیا۔ چپکے سے لے گئے اور دو چار روپے کا آٹا گھی' شکر وغیرہ لا دی۔ بیگم نے باقی روپے مانگے تو بولا "جس بنیہ کے ہاتھ کڑے بیچے ہیں۔ اس نے باقی دام ابھی دیئے نہیں۔" بیگم خاموش ہو گئی۔

رات کو ساہو نے بیگم کے گھر میں آ کر جبکہ وہ سوتی تھیں' سارا اسباب کپڑے لتے سمیٹ لیے اور چل دیا۔ صبح کو بیگم اٹھیں تو بہت روئیں۔ محلہ والوں کو پکارا۔ معلوم ہوا ساہو پڑوس سے کہیں چلا گیا۔ یہ کام اسی کا ہوگا۔ اس وقت انہوں نے

کڑوں کا حال بھی بیان کیا۔ ایک گھوسی کی عورت نے ترس کھا کر کہا۔ "بیوی اب میں تیرے پاس رہا کروں گی۔ تو گھبرا مت۔"

بیگم کے پاس ان کڑوں کے سوا اور کچھ زیور نہ تھا۔ چند دن تو رکھے ہوئے آٹے سے گذارا ہوا۔ اس کے بعد گھوسن نے اپنے پاس سے کھلایا۔

ایک دن گھوسن کے لڑکے نے ننھی بیگم کو دھکا دے دیا' جس سے ننھی کی بھوں پھٹ گئی اور بہت خون بہا۔ بیگم کی ایک ہی لڑکی تھی۔ اس نے گھوسن زادہ کو برا بھلا کہا۔ اس پر گھوسن بگڑی اور کہا ہمارے احسان کو بھول گئی۔ ہمارے ٹکڑے کھاتی ہو اور ہمیں کو آنکھیں دکھاتی ہے۔ بیگم سے یہ طعنہ نہ سنا گیا۔ اس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا "اری تو مجھ کو کیا روٹی کھلائے گی۔ میں اس باپ کی بیٹی ہوں' جو سارے ہندوستان کے راجہ نوابوں کو روٹی کھلاتا تھا' جس کے دروازہ پر ہاتھی جھولتے تھے۔ جو ہر بیکس کا والی اور پشت پناہ تھا۔ آج اگر میں تباہ ہو گئی تو کیا میری شرافت بھی جاتی رہی۔ میں تیرے طعنے نہ سنوں گی اور آج سے تیری روٹی نہیں کھاؤں گی۔ تیرے بچے میری لاچار بچی کو لہولہان کریں اور میں چپکی بیٹھی دیکھوں۔ مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔ تو نے بے دن روٹی کھلائی ہے۔ میں اس کا بدل کر دوں گی اور جب خدا میرے دن پھیرے گا' تیرے احسان کا بوجھ اتار دوں گی۔

خواب کا سانپ

اس دن غم سے بیگم نے کچھ نہ کھایا اور بچی زخم کی تکلیف میں پڑی رہی۔ اس نے بھی کھانے کو کچھ نہ مانگا۔ رات کو بیگم نے خواب دیکھا کہ بچی کو ایک سانپ نے نگل لیا اور اس کے اندر ایک باغ لگا ہوا ہے۔ باغ میں ایک تخت پر اس کے شوہر فقیر شہزادے بیٹھے ہیں اور ان کی لڑکی اپنے سر کا زخم ان کو دکھاتی ہے اور کہتی ہے کہ دیکھو ابا! گھوسن کے لڑکے نے میرا سر پھوڑ ڈالا۔

اس پر فقیر شہزادے نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ دو فرشتے آسمان سے اترے اور انہوں نے ایک سانپ لڑکی کے گلے میں ڈال دیا۔ بیگم یہ دیکھ کر ڈریں اور چیخیں۔ ہے ہے میری بچی۔ یہ کہتے ہی آنکھ کھل گئی تو سنا دروازہ پر کوئی کنڈی کھٹکھٹاتا ہے۔ انہوں نے کہا "کون ہے۔" آواز آئی "تمہارا خاوند۔"

بیگم حیران ہو گئی۔ آواز واقعی فقیر شہزادے کی تھی۔ کنڈی کھول دی۔ وہ اندر آئے اور کہا "چلو گاڑی تیار ہے۔" بیگم نے کہا "کہاں چلوں اور تم کہاں سے آ گئے۔" اس کا انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ لڑکی کو گود میں اٹھایا اور بیگم کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ چپ چاپ ان کے ہمراہ ہو گئیں۔ باہر گاڑی کھڑی تھی۔ اس میں سوار کر کے درگاہ حضرت محبوب الٰہی میں آ گئے۔

جب یہاں پہنچے تو ایک مکان میں بیگم اور لڑکی کو اتارا اور خود باہر چلے گئے۔ بیگم نے دیکھا مکان میں ضرورت کی سب چیزیں مہیا ہیں اور ایک صندوقچہ کھلا رکھا ہے۔ اس کو جو دیکھا تو دو ہزار روپے کی اشرفیاں اس میں تھیں۔

بیگم کو بہت تعجب تھا کہ فقیر شہزادے کس طرح یہاں پہنچے اور یہ سب سامان کہاں سے آ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک

شخص نے آواز دی کہ تمہارے شوہر کا جنازہ تیار ہے۔ لڑکی کو صورت دکھا دو تا کہ اس کے بعد ہم ان کو دفن کریں۔ مجھے اور خلجان ہوا کہ ابھی ان کو گھر سے گئے ہوئے آدھ گھنٹہ بھی نہیں ہوا۔ مر کب گئے۔

بیگم نے پکارنے والے سے کہا "تم کون ہو اور میرے شوہر کب مر گئے۔" اس نے کہا "اس کا حال مجھے معلوم نہیں کہ میں کون ہوں۔ فقیر شہزادہ صاحب کی یہ وصیت تھی کہ میں ان کی میت ان کی لڑکی کو دکھاؤں۔" بیگم نے لڑکی کو ساتھ لیا اور خود کلیجہ تھام کر بیٹھ گئیں۔

تھوڑی دیر میں لڑکی واپس آئی اور کہا "ابا جانی مر گئے۔ ان کو قبر میں گاڑ دیا۔" لڑکی کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ شخص پھر آیا اور آواز دی اور کہا سہنہ والی گھوسن کو انعام دے دیا گیا۔ اب اس کا تم پر کوئی احسان باقی نہیں۔ تم کو جب تک یہ بچی جوان ہو چالیس روپے ماہوار خرچ کے لیے ملیں گے۔ اس کے بعد تم مر جاؤ گی اور یہ لڑکی اپنے خاوند کے ہاں چلی جائے گی۔"

بیگم کو یہ عجیب باتیں برداشت نہ ہوئیں۔ وہ غش کھا کر گر پڑیں اور جب ہوش آیا تو ایک ماما کو بیٹھا پایا جس نے کہا "تم میرے ساتھ الور چلو۔ میاں نے وہاں تمہارے لیے گھر لیا ہے۔ الور جا کر میں سارا حال بیان کروں گی۔" چنانچہ بیگم ماما کے ساتھ الور چلی گئیں اور ایک اچھے گھر میں ان کو اتارا۔ اس وقت ماما نے کہا "فقیر شہزادہ صاحب کا ایک روحانی موکل تابع تھا۔ جس دن تمہاری لڑکی کے چوٹ لگی۔ اسی دن تمہارے شوہر نے انتقال کیا۔ یہ سارا سامان جو تم نے دیکھا اسی موکل کا ہے اور لو دیکھو کہ میں وہی موکل ہوں۔ تم آرام سے یہاں رہو۔ میں تمہاری خدمت کروں گا اور جب لڑکی کی شادی ہو جائے گی تو میرا کام ختم ہو جائے گا۔"

لڑکی کو میں نے ہی اس کے باپ کی میت قبر کے اندر مرحوم کی وصیت کے مطابق دکھائی تھی۔ یہ کہہ کر ماما غائب ہو گئی اور بیگم کو لڑکی کی شادی تک غیبی آدمی خرچ پہنچاتا رہا۔ لڑکی کی شادی کے بعد بیگم مر گئیں اور غیبی موکل کا کام ختم ہوا۔

☆ ☆ ☆

دکھیا شہزادی کی کہانی
(دکھی شہزادی کے دو ہاتھ لیڈی ہارڈنگ کی تصویر پر)

اماں! یہ صورت انھی وائسرائن کی ہے جنھوں نے ہم کو ایک ہزار روپے دیے ہیں۔ ہاں بیٹی! یہ بڑے لاٹ صاحب کی بیوی کا فوٹو ہے۔ بڑی رحم دل ہیں۔ ہمیشہ غریبوں پر ترس کھایا کرتی ہیں۔ اب کے ہم بے سہاروں کا بھی خیال آ گیا۔

ذرا اس تصویر کو مجھے دینا۔ میں ان بیگم کی بلائیں لوں۔ واری جاؤں اور باتیں کر کے جی کی بھڑاس نکال لوں۔

بھولپن کی باتیں

میں صدقے تم بڑی اچھی آدمی ہو۔ میں قربان۔ کیا نورانی صورت ہے' مگر تم ہم غریبوں کے جھونپڑے میں کیونکر آ گئیں؟ ہمارے ہاں تو ٹوٹے بوریہ کا فرش بھی پورا نہیں ہے۔ میں تم کو کہاں بٹھاؤں۔ ہم کو چارپائی بھی میسر نہیں۔ ہم سب زمین پر سوتے ہیں۔ یہ بہت ٹھنڈی ہے۔ تم کو نزلہ نہ ہو جائے۔ ہمارے مکان کی کڑیاں بھی جھکی ہوئی ہیں۔ ایسا نہ ہو گر پڑیں۔ میں تمہاری کیا خاطر کروں۔ کیا چیز دسترخوان پر چنوں۔ پرسوں سے ہم نے کچھ نہیں کھایا۔ ابا میاں کو بنیے نے آٹا قرض نہیں دیا۔ اس وقت بھوک کے مارے میری عجیب حالت ہے۔ اگر گھر میں کچھ ہوتا تو میں سب تمہارے سامنے رکھ دیتی۔ میں بھوکی رہتی تم کو کھلاتی' کیونکہ تم نے ہم پر احسان کیا ہے اور اس وقت ہم کو یاد کیا ہے جب کہ سارا جہان ہم کو بھول گیا تھا۔

کیوں بیگم! تمہارا جی اس اندھیرے گھر میں گھبراتا تو نہیں؟ تم تو بجلی کی روشنیوں میں رہتی ہو۔ میں کیا کروں۔ آج ہم کو مٹی کا چراغ بھی نصیب نہیں ورنہ اسی کو روشن کر دیتی۔

تم کو کہاں سلاؤں؟ رات کیوں کر گذرے گی؟ ہمارے پاس فقط دو پھٹے ہوئے کمبل ہیں۔ ایک ابا میاں اوڑھتے ہیں اور ایک میں۔ اماں مجھ کو ساتھ لے کر سوتی ہیں۔

میرے پیارے لاٹ صاحب کی بیگم! اچھی ذرا میرے ہاتھوں اور منہ کو دیکھو۔ سردی سے پھٹ گئے ہیں۔ سردی کی راتیں پہاڑ ہو جاتی ہیں۔ سکھ کی نیند ہمارے خواب میں نہیں آتی۔

تم نے ہم کو ہزار روپے دیے ہیں۔ میں ہزار ہا اپنے ہاتھوں سے تمہاری چٹ چٹ بلائیں لوں۔ اماں کہتی ہیں ایک زمانہ ہمارا بھی تھا۔ ہم بھی ہزاروں روپے غریبوں محتاجوں کو بانٹا کرتے تھے۔ ہمارے گھروں میں بھی اونی قالین اور مخملی فرش تھے۔ ریشمی زریں پردے تھے۔ سونے چاندی کی جڑاؤ چھتیں تھیں۔ شال دوشالے تھے۔ لونڈی غلام تھے۔ محل تھے۔ ہندوستان کی شہنشاہی میں داخل تھے۔

ہمارے سامنے بھی گردنیں جھکتی تھیں۔ راجہ مہاراجہ اشارہ کے منتظر رہتے تھے۔ ہمارے گھروں میں بھی کافوری شمعیں روشن ہوتی تھیں۔ ہم بھی لاچار اور بے سہاروں پر ترس کھاتے تھے۔ دوسروں کی خاطر اپنا گھر لٹاتے تھے۔ ہمارے جلوس میں بھی نقارے بجتے تھے۔ نقیب کڑکتے تھے۔ ہاتھی جھوم جھوم کر چلتے تھے۔ ہمارے سر پر بھی تاج تھا۔ تلواریں ہمارے قدموں پر سر ٹیک کر چلتی تھیں۔ توپیں ہماری ہنوں پر بھی گرج گرج کر بستی تھیں۔

لیکن بیگم اب وہ وقت کہاں ہے۔ دنیا ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے

اونچے اونچے مکان تھے جن کے بڑے — آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے
عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے — نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردش چرخ سے ہلاک ہوئے — استخوان تک بھی ان کے خاک ہوئے
ذات معبود جاودانی ہے — باقی جو کچھ کہ ہے وہ فانی ہے

خدا نے ہم کو نعمت دی۔ جب تک اس کے قابل رہے نعمت پاس رہی اور جب ہمارے عمل خراب ہوئے، عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ ملک سے بے خبر ہو گئے۔ مظلوموں کو بھول گئے۔ ظالموں کی چرب زبانیوں پر پھول گئے۔ خدا نے وہ دولت چھین لی اور دوسروں کو دے دی۔ ہم کو اس میں کسی سے شکوہ نہیں۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

ہاں تم میری ماں کے برابر بلکہ ان سے بھی بڑی ہو۔ تم سے نہ کہوں تو کس سے کہوں۔ یہاں بھی نہ بولوں تو کہاں زبان کھولوں۔ خدا نے تم کو ہم سب کا رکھوالا بنایا ہے۔ دیکھو تو بھوک پیاس ہم کو ستاتی ہے۔ ہمارے البیلے دن خاک میں ملاتی ہے۔ میری عمر ایسی تھی کہ چہرہ لال ہوتا، مگر فاقوں نے زرد کر دیا ہے۔ ہمارے گھر میں عید بقرعید کی خوشی بھی نہیں آتی۔ ہم کو ان دنوں میں بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ ہم اس دن بھی ٹوٹی ہوئی جوتیاں اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں۔ جس دن ساری دنیا اپنی اپنی حیثیت کے بموجب نئی جوتیاں اور نئے کپڑے پہنتی ہے۔ ہم کو برسات کے ٹپکے کے کھٹکے رات دن رلاتے ہیں۔ ہم کو سردیاں جلانے آتی ہیں۔ ہم پر گرمیاں قیامت ڈھاتی ہیں۔

دلّی شہر کے کتے پیٹ بھر کر سوتے ہیں۔ کوے شکم سیر ہو کر گھونسلوں میں جاتے ہیں۔ چڑیوں تک کے واسطے پکی چھتوں کے گھر ہیں۔ گلہریاں بھی شاندار مکانوں میں رہتی ہیں، مگر تیمور بادشاہ کی اولاد شاہجہاں بادشاہ کے بچے جنہوں نے اس شہر کو فتح کیا اور بنایا آدھی روٹی کے ٹکڑے کو ترستے ہوئے بھوکے سوتے ہیں۔ ان کو کوئی رات بے فکری کی نصیب نہیں ہوتی۔ جن کے باپ دادا نے لال قلعہ بنایا تھا ان کو ٹوٹا جھونپڑا بھی میسر نہیں آتا۔

بھکارن شہزادی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر

بیگم تم نے دیکھا ہوگا۔ دلّی شہر میں ایک جامع مسجد ہے، جس کو ہمارے دادا شاہجہاں نے بنایا تھا۔ دور دور کی خلقت اس کو دیکھنے آتی ہے، مگر اس کو کوئی نہیں دیکھتا کہ مسجد کی سیڑھیوں کے سامنے پھٹے ہوئے برقعہ کے اندر ناتواں بچہ کو گود میں لیے پیوند لگا پاجامہ اور گھسی ہوئی کنے لگی جوتی پہنے کون عورت بھیک مانگتی ہے۔ بیگم! یہ غریب دکھیا بیوہ شہزادی ہے۔ جس کا کوئی وارث نہیں رہا۔ تم یقین کرنا کہ میری رحم دل وایسرانی! اسی کے باپ شاہجہاں نے یہ مسجد بنوائی تھی۔ آج پیٹ کے لیے بھیک کے ٹکڑے جمع کر رہی ہے، تاکہ زندگی کی مسجد آباد کرے۔ مجھے شرم آتی ہے۔ میں تم سے کیونکر کہوں کہ یہ ہزار روپے بہت تھوڑے ہیں۔ مرہم کے ایک پھوئے سے پھایہ سے کیا ہوگا۔ ہمارے تو سارے بدن پر زخم ہیں۔

تمہاری نئی دلّی کی خیر جس کی سڑکوں میں لاکھوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ تمہاری نئی عمارتوں کی خیر جن کے واسطے کروڑوں روپے کی منظوری ہے۔ تمہارے اس نیک خیال کی خیر جس کی بدولت دلّی کی پرانی عمارتوں کی مرمت ہو رہی ہے اور بے شمار روپیہ اس میں خرچ کیا جا رہا ہے۔ ہمارے پیٹ کی نامراد سڑکوں کی بھی مرمت کرادو اور ہمارے ٹوٹے ہوئے دلوں پر بھی عمارتیں چنواؤ۔ ہم بھی پرانے زمانہ کی نشانیاں ہیں۔ ہم کو بھی زندہ آثارِ قدیم میں لوگ سمجھتے ہیں۔ ہم کو بھی سہارا دو۔ مٹنے سے بچاؤ۔ خدا تم کو سہارا دے گا اور بچائے گا۔

یہ کہتے کہتے دکھیا شہزادی چونکی۔ آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کو دونوں ہاتھوں سے ملا اور کہا میں بھی کیا دیوانی ہوں۔ تصویر سے باتیں کرتی ہوں۔ کاغذی بت کے آگے مرادیں مانگتی ہوں، مگر شاید کسی خدا کے بندہ کے کان تک یہ دیوانہ

پن کی باتیں پہنچ جائیں اور وہ انگریزی میں ترجمہ کر کے خدا ترس ہارڈنگ بیگم کو یہ سنا دے اور وہ اپنے خاوند لاٹ صاحب سے کہیں' کونسل کے ممبروں سے کہیں' بادشاہ سلامت اور ان کی ملکہ سے کہیں کہ آل شاہجہاں کی حفاظت کے لیے نئی دلی کی دیگر منظوریوں کے ساتھ کوئی شاندار اور مصیبت شکن منظوری ہونی چاہیے۔[1]

☆ ☆ ☆

۱۔ لیڈی ہارڈنگ مرحومہ نے اس تحریر پر توجہ کر کے غریب شہزادوں کی مدد فرمادی تھی۔ (حسن نظامی)

دکھیا شہزادی کی کہانی

جس ننھی شہزادی کا یہ خالی قصہ لکھا گیا ہے' اس کی ماں پر غدر کے زمانہ میں بڑی بپتا پڑی تھی' اس لیے وہ سچا اور اصلی قصہ بھی یہاں درج کیا جاتا ہے۔ وہ کہتی ہیں۔

غدر میں میری عمر سات برس کی تھی۔ اماں مجھ کو تین برس کا چھوڑ کر مر گئی تھیں۔ ابا کے پاس رہتی تھی۔ چودہ برس کا میرا ایک بھائی جمشید شاہ نامی تھا' مگر ہاتھ پاؤں کے اٹھان سے بیس برس کا معلوم ہوتا تھا۔ ابا جان نابینا ہو گئے تھے اور ہمیشہ گھر میں بیٹھے رہتے تھے۔ ڈیوڑھی پر چار نوکر اور ایک داروغہ۔ گھر میں تین باندیاں اور ایک مغلانی کام کرتی تھیں۔ حضرت بہادر شاہ ہمارے رشتہ کے دادا ہوتے تھے اور ہمارا سب خرچ شاہی خزانہ سے ملتا تھا۔ ہمارے گھر میں ایک بکری پلی ہوئی تھی۔ ایک دن میں نے اس کے بچہ کو ستانا شروع کیا۔ بکری نے بگڑ کر میرے ٹکر ماردی۔ میں نے غصہ میں دست پناہ گرم کر کے بکری کے بچہ کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ وہ بچہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

کچھ دن کے بعد غدر پڑا۔ بادشاہ کے نکلنے کے بعد ہم بھی ابا کے ساتھ شہر سے نکلے۔ پالکی میں سوار تھے اور جمشید بھائی گھوڑے پر ساتھ ساتھ تھے۔ دلی دروازے سے نکلتے ہی فوج والوں نے پالکی پکڑ لی۔ بھائی کو بھی گرفتار کرنا چاہا۔ انہوں نے تلوار چلائی۔ ایک افسر کو زخمی کیا۔ آخر زخموں سے چور چور ہو کر گرے۔ سامنے دو نوکدار پتھر پڑے تھے۔ وہ آنکھوں میں گھپ گئے اور بھائی نے چیخیں مار مار کر تھوڑی دیر میں جان دے دی۔ بھائی کی بے قرار آواز سن کر ابا میاں بھی پالکی سے نیچے اتر آئے اور ٹٹول ٹٹول کر لاش کے پاس گئے اور پتھر سے سر ٹکرا کر لہولہان کر لیا' یہاں تک کہ ان کا وہیں خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد فوج والوں نے ہمارا سب سامان لے لیا اور مجھ کو بھی پکڑ لیا۔ چلتے وقت باپ اور بھائی کی لاش سے چمٹ کر خوب روئی اور ان کو بے گوروکفن چھوڑ کر مجبوراً فوج کے ساتھ چلی گئی۔

ایک دیسی سپاہی نے افسر سے مجھے مانگ لیا اور اپنے گھر مجھ کو لے گیا' جو پٹیالہ کی ریاست میں تھا۔

اس سپاہی کی بیوی بڑی بدمزاج تھی۔ وہ مجھ سے برتن منجھواتی۔ مصالحہ پسواتی۔ جھاڑو دلواتی اور رات کو پاؤں دبواتی تھی۔

شروع شروع میں ایک رات دن بھر کی محنت سے تھک گئی تھی۔ پاؤں دبانے میں اونگھ آئی تو اس جلادنی نے

دست پناہ گرم کرکے میری بھوؤں پر رکھ دیا جس سے پلکیں تک جلس گئیں اور بھوؤں کی چربی نکل آئی۔ میں نے ابا کو پکارنا شروع کیا' کیونکہ مجھے اتنی سمجھ نہ تھی کہ مرنے کے بعد پھر کوئی آیا نہیں کرتا۔ جب ابا نے جواب نہ دیا تو میں اس عورت کے ڈر کے مارے سہم کر چپ ہوگئی' لیکن اس پر بھی اس کو ترس نہ آیا اور بولی کہ پاؤں دبا۔ زخموں کی تکلیف میں مجھ کو نیند نہ آتی تھی۔ اور پیر بھی نہ دب سکتے تھے' مگر قہر درویش بر جان درویش' میں نے اسی حالت میں پاؤں دبائے۔

سویرے مسالہ پیسنے میں مرچوں کا ہاتھ زخموں میں لگ گیا۔ اس وقت مجھ کو تاب نہ رہی اور زمین پر مچھلی کی طرح تڑپنے لگی' مگر بے رحم عورت کو تب بھی کچھ خیال نہ آیا اور بولی "چل مکار کام سے دم چراتی ہے" اور یہ کہہ کر پسی ہوئی مرچیں زخموں پر مل دیں۔ اس وقت مجھ کو مارے تکلیف کے غش آ گیا اور رات تک ہوش نہ آیا۔ صبح کو آنکھ کھلی تو بچارا سپاہی میرے زخموں کو صاف کرکے دوا لگا رہا تھا۔

تھوڑے دن کے بعد سپاہی کی یہ بیوی مرگئی اور اس نے نئی شادی کی جو مجھ پر بہت مہربان تھی۔ اسی کے گھر میں میں جوان ہوئی اور اسی نے میری شادی ایک غریب آدمی سے کردی۔ دو برس تک میرا خاوند زندہ رہا۔ اس کے بعد مرگیا۔ بیوہ ہوکر دلی چلی آئی' کیونکہ وہ سپاہی بھی مرگیا تھا اور اس کی بیوہ نے دوسری شادی کرلی تھی۔ دلی میں آکر میں نے بھی اپنی قوم میں دوسری شادی کرلی' جس سے فقط ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

اس خاوند کے پانچ روپے ماہوار انگریزی سرکار سے پنشن تھی مگر تنخواہ قرضہ میں چلی گئی اور اب ہم نہایت عسرت اور تنگدستی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

☆　☆　☆

بچاری شہزادی کا خاکی چھپر کھٹ

(گل بانو کی کہانی)

گل بانو خدا رکھے پندرہ برس کی ہوئیں۔ جوانی کی راتوں نے گود میں لینا شروع کیا۔ مرادوں کے دن پہلو میں گدگدیاں کرنے لگے۔ میرزا دارا بخت بہادر سابق ولی عہد بہادر شاہ کی نور چشم ہیں۔ باپ نے بڑے چاؤ چونچلے سے پالا ہے اور جس دن سے وہ دنیا کو چھوڑ کر قبر میں گئے' محل میں گل بانو کی ناز برداریاں پہلے سے بھی زیادہ ہونے لگیں۔ اماں کہتی ہیں نگوڑی کے تیمے سے دل کو بہت صدمہ پہنچا ہے۔ باپ کا ہڑکا نہ کرے۔ اس کی ایسی دل داری کرو کہ ان کی محبتوں کو بھول جائے۔

اُدھر دادا یعنی بہادر شاہ بادشاہ کا یہ عالم ہے کہ پوتی کے لاڈ میں کسی بات سے دریغ نہیں کرتے۔ نواب زینت محل ان کی لاڈلی اور منظور نظر بیوی ہیں۔ جواں بخت ان ہی کے پیٹ کا شہزادہ ہے۔ اگرچہ میرزا دارا بخت کے قبل از وقت مرجانے سے ولی عہد کا منصب میرزا فخرو کو ملا ہے' مگر جواں بخت کی محبتوں کے سامنے ولی عہد کی بھی کچھ پرسش نہیں ہے اور زینت محل انگریزی حکام سے اندر ہی اندر جواں بخت کی تخت نشینی کے معاملات طے کر رہی ہیں۔ جواں بخت کی اس

دھوم سے شادی ہوتی ہے کہ مغلوں کی آخری تاریخ میں اس کر وفر کی نظیر نہیں ملتی۔ غالب و ذوق سہرے لکھتے ہیں اور ان میں وہ مشہور شعر بازی کی چشمک ہو جاتی ہے۔ جس کا ذکر شمس العلماء آزاد دہلوی نے ''آب حیات'' میں کیا ہے اور غالب کو لکھنا پڑتا ہے کہ:

''مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات ورنہ خدانخواستہ استاد شاہ یعنی ذوق سے کچھ عداوت نہیں ہے۔''

یہ سب کچھ تھا اور جواں بخت اور زینت محل کے آگے کسی کا چراغ نہ جلتا تھا' مگر گل بانو کی بات سب سے نرالی تھی۔ بہادر شاہ کو اس لڑکی سے جو تعلق تھا اور جیسی کچھ محبت وہ اس یتیم لڑکی سے رکھتے تھے' ایسی کیفیت زینت محل اور جواں بخت کو بھی میسر نہ تھی۔

پس اندازہ ہو سکتا ہے کہ گل بانو کس شان و شوکت و ناز و نعمت سے زندگی بسر کرتی ہوں گی۔ ہونے کو میرزا دارا بخت کے اور بھی بال بچے تھے' مگر گل بانو اور اس کی والدہ سے ان کو عشق تھا۔ گل بانو کی ماں ایک ڈومنی تھی اور میرزا اس کو تمام بیگمات سے زیادہ چاہتے تھے۔ جب وہ مرے ہیں تو گل بانو بارہ سال کی تھی۔ میرزا درگاہ حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی میں دفن ہوئے تھے جو دہلی سے چھ میل کے فاصلہ پر پرانی دہلی کے کھنڈروں میں واقع ہے۔ گل بانو مہینہ کے مہینہ ماں کو لے کر باپ کی قبر دیکھنے جایا کرتی تھیں۔ جب جاتیں قبر کو لپٹ کر روتیں اور کہتیں ''ابا! ہم کو بھی اپنے پاس لٹا کر سلا لو۔ ہمارا جی تم بن گھبراتا ہے۔''

جب گل بانو نے پندرہویں سال میں قدم رکھا تو شباب نے بچپن کی ضد اور شرارتیں تو رخصت کر دیں مگر دل ربائی کی شوخیاں اس ستم کی بڑھائیں کہ گل کا بچہ بچہ پناہ مانگتا تھا۔ سونے کے چھپر کھٹ میں دوشالہ تانے سویا کرتی تھیں۔ شام کو چراغ جلے اور بانو چھپر کھٹ پر پہنچیں۔ ماں کہتیں چراغ میں بتی پڑی لاڈو پلنگ چڑھی تو وہ مسکرا کر انگڑائی اور جمائی لے کر سر کے بکھرے ہوئے بالوں کو ماتھے سے سمیٹ کر کہتیں ''اچھا بی! تم کو کیا۔ سوتے ہیں۔ وقت کھوتے ہیں۔ تمہارا کیا لیتے ہیں۔ تم ناحق کولوں پر لوٹی جاتی ہو۔'' ماں کہتی ''نا بنو! میں جلتی نہیں۔ شوق سے آرام کرو۔ خدا تم کو ہمیشہ سکھ نیند سلاتا رکھے۔ میرا مطلب تو یہ ہے کہ زیادہ سونا آدمی کو بیمار کر دیتا ہے۔ تم شام کو سوتی ہو تو سویرے ذرا جلدی اٹھا کرو' مگر تمہارا تو یہ حال ہے کہ دس بج جاتے ہیں۔ گھر میں دھوپ پھیل جاتی ہے۔ لونڈیاں ڈر کے مارے بات تک نہیں کر سکتیں کہ بانو کی آنکھ کھل جائے گی۔ ایسا بھی کیا سونا۔ آدمی کو کچھ گھر کا کام بھی دیکھنا چاہئے۔ اب ماشاءاللہ تم جوان ہوئیں۔ پرائے گھر جانا ہے۔ اگر یہی عادت رہی تو وہاں کیوں کر گذارہ ہو گا۔''

گل بانو ماں کی یہ تقریریں کر بگڑتی اور کہتی ''تم کو ان باتوں کے سوا کچھ اور بھی کہنا آتا ہے۔ ہم سے نہ بولا کرو۔ تمہیں ہم دوبھر ہو گئے ہیں تو صاف صاف کہہ دو۔ دادا حضرت (بہادر شاہ) کے پاس جا رہیں گے۔''

محبت کا مکتب

اسی زمانہ کا ذکر ہے۔ میرزا داور شکوہ شہزادہ خضر سلطان کا بیٹا گل بانو کے پاس آنے جانے لگا۔ قلعہ میں باہمی پردے کا دستور نہ تھا' یعنی شاہی خاندان کے افراد آپس میں پردہ نہ کرتے تھے۔ اس واسطے میرزا داور کی آمد و رفت بے

روک ٹوک ہوتی تھی۔

پہلے تو گل بانو ان کی بہن اور وہ ان کے بھائی تھے۔ چچا تایا کے دو بچے سمجھے جاتے تھے' لیکن بعد میں عشق نے ایک اور رشتہ پیدا کیا۔ میرزا گل بانو کو کچھ اور سمجھتے تھے اور گل بانو داور کو ظاہری قرابت کے سوا کسی اور رشتے کی نظر سے دیکھتی تھیں۔

ایک دن صبح کے وقت میرزا گل بانو کے پاس آئے تو دیکھا بانو سیاہ دوشالہ اوڑھے سنہری چھپر کھٹ میں سفید پھولوں کی سیج پر پاؤں پھیلائے بے خبر پڑی سوتی ہیں۔ منہ کھلا ہوا ہے۔ اپنے ہی بازو پر سر رکھا ہے۔ تکیہ الگ پڑا ہے۔ دونوں لونڈیاں مکھیاں اڑا رہی ہیں۔

داور شکوہ چچی کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا' مگر کن انکھیوں سے گل بانو کا یہ عالم مخموری دیکھتا جاتا تھا۔ آخر نہ رہا گیا اور بولا۔ "کیوں چچی حضرت بانو اتنے دن چڑھے تک سوتی رہتی ہیں۔ دھوپ قریب آ گئی۔ اب تو ان کو جگا دینا چاہئے۔" چچی نے کہا "بیٹا! بانو کے مزاج کو جانتے ہو کس کی شامت آئی ہے جو ان کو جگائے۔ آفت برپا ہو جائے گی۔" داور نے کہا "دیکھئے میں جگاتا ہوں۔ دیکھوں کیا کرتی ہیں۔" چچی ہنس کر بولیں "جگا دو۔ تم سے کیا کہیں گی۔ تمہارا تو بہت لحاظ کرتی ہیں۔" داور نے جا کر تلوے میں گدگدیاں کیں۔ بانو نے انگڑائی لے کر پاؤں سمیٹ لیا اور بے اختیار آنکھیں کھول کر نگاہ طیش سے پائنتی کی طرف دیکھا۔ اس کو خیال تھا کہ کسی لونڈی کی شرارت ہے۔ اس کی گستاخی کی سزا دینی چاہئے' مگر جب اس نے ایسے شخص کو سامنے کھڑا دیکھا جس سے خود بخود اس کا دل محبت کرتا تھا تو شرم سے اس نے دوشالہ کا آنچل منہ پر ڈال لیا اور گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ داور نے اس ہوش پاش منظر کو دل تھام کر دیکھا اور بے اختیار چیخ کر بولا "لو چچی حضرت میں نے بانو کو اٹھا دیا۔"

محبت نے بہت ترقی کی۔ مکتب عشق کی ابجد ختم ہو گئی اور درس ہجر و وصل کے شکوے پڑھے جانے لگے' تو گل بانو کی ماں کو شبہ ہوا اور اس نے داور شکوہ کا اپنے گھر میں آنا بند کر دیا۔

غدر کے نو مہینے بعد

درگاہ حضرت چراغ دہلی کے ایک گوشے میں ایک قبول صورت عورت پھٹا ہوا کمبل اوڑھے رات کے وقت ہائے ہائے کر رہی تھی۔ سردی کا مینہ دھواں دھار برس رہا تھا۔ تیز ہوا کے جھونکوں سے بوچھاڑ اس جگہ کو تر کر رہی تھی' جہاں اس عورت کا بستر تھا۔

یہ عورت سخت بیمار تھی۔ پسلی کے درد' بخار اور بے کسی میں اکیلی پڑی تڑپتی تھی۔ بخار کی بے ہوشی میں اس نے آواز دی "گلبدن' اری او گلبدن! مردار کہاں مر گئی۔ جلدی آ اور مجھ کو دوشالہ اوڑھا دے۔ دیکھ بوچھاڑ اندر آتی ہے۔ پردہ چھوڑ دے۔ روشنک تو ہی آ۔ گلبدن تو کہیں غارت ہو گئی۔ میرے پاس کوئلوں کی انگیٹھی لا۔ پسلی پر تیل مل۔ ارے درد سے میرا سانس رکا جاتا ہے۔"

جب کوئی اس آواز پر بھی اس کے پاس نہ آیا تو اس نے کمبل چہرہ سے ہٹایا اور چاروں طرف دیکھا۔ اندھیرے

دالان میں خاک کے بچھونے پر تنہا پڑی تھی۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ مینہ سناٹے سے برس رہا تھا۔ بجلی چمکتی تھی تو ایک سفید قبر کی جھلک دکھائی دیتی تھی (جو اس کے باپ کی تھی)۔

یہ حالت دیکھ کر اس عورت نے ایک آہ کا نعرہ مارا اور کہا "بابا۔ بابا! میں تمہاری گل بانو ہوں۔ دیکھو اکیلی ہوں۔ دیکھو میں اکیلی ہوں۔ اٹھو مجھے بخار چڑھ رہا ہے۔ آہ میری پسلی میں شدت کا درد ہو رہا ہے۔ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ میرے پاس اس بوسیدہ کمبل کے سوا اوڑھنے کو کچھ نہیں ہے۔ میری اماں مجھ سے بچھڑ گئیں۔ میں محلوں سے جلا وطن ہو گئی۔ بابا اپنی قبر میں مجھ کو بلا لو۔ اچھی مجھے ڈر لگتا ہے۔ کفن سے منہ نکالو اور مجھ کو دیکھو۔ میں نے پرسوں سے کچھ نہیں کھایا۔ میرے بدن میں اس گیلی زمین کے کنکر چبھتے ہیں۔ میں اینٹ پر سر رکھے لیٹی ہوں۔ میرا چھپرکھٹ کیا ہوا۔ میرا دوشالہ کہاں گیا۔ میری سیج کدھر گئی۔ ابا ابا اٹھو جی کب تک سوؤ گے۔ ہائے درد۔ اف وہ۔ سانس کیونکر لوں۔"

یہ کہتے کہتے اس کو غفلت سی ہو گئی اور اس نے دیکھا کہ میں مر گئی ہوں اور میرے والد میرزا دارو بخت مجھ کو قبر میں اتار رہے ہیں اور رو رو کر کہتے ہیں "یہ اس بچاری کا خاکی چھپرکھٹ ہے۔"

آنکھ کھل گئی اور بچاری ہاتھ ایڑیاں رگڑنے لگی۔ سکرات کا وقت شروع ہو گیا اور وہ کہتی تھی "لو صاحب میں مرتی ہوں۔ کون میرے حلق میں شربت ٹپکائے گا۔ کون مجھ کو یٰسین سنائے گا۔ کس کے زانو پر میرا سر رکھا جائے گا۔ الٰہی تیرے سوا میرا کوئی نہیں۔ تو ایک ہے۔ تیرا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میرا مونس و رفیق ہے اور یہ چراغ اولیاء میرے پڑوسی۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

شہزادی مر گئی اور دوسرے دن گور غریباں میں گڑ گئی اور وہی اس کا ابدی چھپرکھٹ تھا جس میں قیامت تک سوتی رہے گی۔

☆ ☆ ☆

غدر کی بنا غلط فہمیاں

خانم کا بازار دہلی میں مشہور مقام تھا جس کی آبادی قلعہ کے سامنے تھی اور جس میں بڑے بڑے مشہور صناع اور مختلف حرفتوں کے کاریگر رہتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد یہ محلہ جڑ بنیاد سے کھد گیا اور اب وہاں میدان کے سوا کچھ بھی باقی نہیں ہے۔

اپریل ۱۸۵۷ء کا ذکر ہے۔ ایک دن شام کے وقت محمد یوسف سادہ کار لال ڈگی پر سیر کرنے گیا تو اس کو ایک ہندو جوہری کا ملازم ملا اور اس نے کہا کہ "ہمارے لالہ کو ایک مندر کا طلائی کلس بنوانا ہے اور انہوں نے تم کو اپنے مکان پر بلوایا ہے۔ چل کر کام کا تخمینہ کر لو۔"

محمد یوسف ایک مشہور چاندی والے دستکار کا لڑکا تھا۔ خاص بازار اور خانم کے بازار میں جتنے چاندی والے رہتے تھے وہ لاہوریوں کے نام سے مشہور تھے اور اب بھی ان کو لاہوری کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ چاندی کے برتن اور سونے

کے زیور بناتے تھے اور ہتھیار سازی کا پیشہ بھی اسی قوم کے ہاتھ میں تھا۔ محمد یوسف کے باپ نقرئی برتن بنانے میں استاد مانے جاتے تھے اور محمد یوسف کو ملمع سازی کا کام سکھایا تھا۔

جوہری کے نوکر نے طلائی کلس کا نام لیا تو یوسف اس کے ساتھ چلنے کو آمادہ ہوا' مگر اس نے کہا کہ مغرب کی نماز پڑھ کر چلوں گا کیونکہ وقت قریب آ گیا ہے۔ نوکر نے کہا اچھا میں ٹھہرا ہوا ہوں' تم نماز پڑھ لو۔ یوسف نے ایک مسجد میں جا کر نماز پڑھی اور باہر آ کر نوکر کے ساتھ ہو گیا۔ نوکر اس کو مالی واڑہ میں لے گیا' جہاں ہندو جوہری آباد تھے اور یوسف اکثر اس محلہ میں کام لینے دینے جایا کرتا تھا۔

ایک گلی میں جا کر نوکر نے کہا "تم ذرا یہاں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔" یوسف کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں چار آدمی ایک گھر میں سے نکل کر آئے۔ یہ بہت لمبے تڑنگے اور موٹے تازے جوان تھے۔ ان چاروں کے ساتھ وہ نوکر بھی تھا جو یوسف کو بلا کر لایا تھا۔ ان جوانوں نے یوسف سے کہا "آیئے اس مکان میں چلیے تاکہ ہم آپ کو کام دکھائیں۔" یوسف کو پہلے تو شک ہوا کہ یہ جوہری نہیں ہیں۔ خبر نہیں کیا بھید ہے' مگر پھر اس نے دل کو مضبوط کر کے خیال کیا کہ جو بھی ہو مجھے ڈرنا نہ چاہیے اور وہ سیدھا ان کے مکان میں چلا گیا۔ وہاں ایک مولوی صاحب بیٹھے تھے جنہوں نے یوسف کو دیکھتے ہی السلام علیکم کی صدا بلند کی۔ یوسف کو اور بھی تعجب ہوا اور وہ وعلیکم السلام کہہ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ مولوی صاحب نے کہا "میاں صاحبزادے! تم کو ہم نے ایک حیلہ سے بلایا ہے۔ مندر کا کلس بنوانا مقصود نہیں ہے بلکہ کچھ اور کام ہے۔ میں اس شہر کا باشندہ نہیں ہوں اور یہ چاروں آدمی بھی پردیسی ہیں اور ہم سب ایک ہندو جوہری کے مہمان ہیں جس نے ہم کو تمہارا پتہ بتایا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے چچا ہتھیار سازی کا فن جانتے ہیں اور دہلی کے میگزین میں ان کی آمد و رفت ہے اور وہاں کا سب حال ان کو معلوم ہے۔ پہلے ہمارا خیال تھا کہ انہی کو بلائیں مگر معلوم ہوا کہ وہ ڈرپوک آدمی ہیں۔ اس واسطے ہم نے تم کو بلانا مناسب سمجھا' کیونکہ تم بڑے ہمت والے ہو۔ جوہری صاحب کے لڑکے سے آٹھ دن پہلے جو باتیں تم نے کی تھیں' ان سے معلوم ہوا کہ تمہارے دل میں اپنے دین کی محبت ہے اور بے دین فرنگیوں کی حکومت سے تم خوش نہیں ہو۔ اس واسطے میں یہ قرآن شریف تمہارے سامنے رکھتا ہوں۔ اس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ کہ ہمارا بھید کسی سے نہ کہو گے اور جو کام تم سے کہا جائے اس کو پورا کرو گے۔"

یوسف نے کہا "میں قسم کھانے سے ڈرتا ہوں۔ یہ بہت بڑی قسم ہے۔ اس سے معاف کیجئے۔ البتہ اس کا عہد کرتا ہوں کہ آپ کا کام دینی ہو گا تو جان و مال سے اس کی مدد کروں گا۔"

یہ جواب سن کر ان چاروں آدمیوں نے تلواریں سونت لیں اور کہا کہ "قسم نہ کھاؤ گے تو جان کی خیر نہیں۔ ہم ابھی ذبح کر ڈالیں گے۔" مولوی صاحب نے ان چاروں کو خفگی کے لہجہ میں اس حرکت سے روکا اور یوسف کو نرمی سے سمجھانے لگے۔

یوسف کچھ تو ڈرا اور کچھ مولوی صاحب کی باتوں کا اثر ہوا اور فوراً قرآن شریف کو اٹھا کر سر پر رکھ لیا اور بولا۔ "میں ہر دینی کام کے لیے جو آپ بتائیں حاضر ہوں' خواہ میری جان جاتی رہے۔"

مولوی صاحب نے یوسف کو سینہ سے لگا لیا اور فرمایا کہ "ہمارا بس اتنا کام ہے کہ کسی طرح میگزین کے افسر تک

پہنچو اور اس کے پوشیدہ کاغذات حاصل کرو' کیونکہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ انگریزوں نے ہندوستانی سپاہیوں کا مذہب خراب کرنے کی تجویز کی ہے۔ سؤر اور گائے کی چربی سے کارتوس چکنے کیے ہیں تا کہ جب سپاہی ان کو دانت سے کاٹیں تو ہندو مسلمان دونوں کا ایمان جاتا رہے۔ اگر یہ خبر سچ ہے تو افسر میگزین کے پاس اس قسم کے کاغذ ضرور ہوں گے۔ ہم صرف ثبوت چاہتے ہیں تا کہ ہمارا انتقام خدا کے نزدیک جائز ہو جائے۔ یہ چاروں آدمی ہندو ہیں اور ایک فوج کے ملازم ہیں۔ اور مجھ کو ایک دوسری فوج کے مسلمان افسروں نے اس کام پر مقرر کیا ہے۔"

یوسف نے کہا "ایک خانگی وجہ سے میں چچا کے گھر میں نہیں جاتا۔ پھر کیونکر میگزین تک میری رسائی ہو سکے گی۔"

مولوی صاحب مسکرا کر بولے "ہاں مجھے معلوم ہے کہ تمہاری منگنی تمہارے چچا کی لڑکی سے ہوئی ہے اور اس وجہ سے تم ان کے گھر میں نہیں جاتے' مگر اس کام کے لیے گھر میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم چچا سے میل جول کر کے ان کے ساتھ میگزین جانا شروع کرو اور کسی طرح وہ کاغذ نکال لاؤ۔"

یوسف نے کہا "اگر ایسا کیا بھی جائے تو میگزین کے پوشیدہ کاغذوں تک رسائی پانا محال ہے۔ صاحب لوگ کاغذوں کو باہر تھوڑی ڈالے رکھتے ہیں۔"

مولوی صاحب بولے "تم ابھی سے اگر مگر نہ کرو۔ جاؤ تو سہی خدا مدد دے گا اور ہم بھی تم کو تدبیریں بتاتے رہیں گے۔"

یوسف بہت اچھا کہہ کر گھر چلا آیا اور اپنے عہد کے انجام کار پر غور کرنے لگا۔

میگزین کا دربان

رحیم بخش نامی ایک شخص میگزین کا دربان تھا۔ اس کو افسر میگزین کے خانگی کاروبار میں بھی بہت دخل تھا۔ یوسف جب اپنے چچا کے ساتھ میگزین میں آنے جانے لگا تو تیسرے دن رحیم بخش نے چپکے سے اس کو الگ بلایا اور کہا "تم جس فکر میں ہو اس میں میری مدد کی بہت ضرورت ہے۔ مولوی صاحب نے مجھ سے بھی حلف لیا ہے' مگر میں خود کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ صاحب کو مجھ پر شبہ ہو گیا ہے۔ تم کو بتا سکتا ہوں کہ گوکھرو والے کوٹھے کے برابر جو کمرہ ہے اس میں صاحب کے بکس رکھے ہیں اور کاغذات انہی میں رہتے ہیں۔ پرسوں صاحب نے گوکھرو صاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ تمہارے چچا کاریگر لے کر آئیں گے اور تم بھی آنا اور پشت کے دروازے کا قفل کسی طرح کھول کر کمرے میں داخل ہو جانا۔"

یوسف اس بات سے بہت خوش ہوا' کیونکہ اس کو اپنے حلف کی خدمت ادا کرنے کا سراغ مل گیا تھا۔ دوسرے دن وہ اپنے چچا کے ساتھ آیا اور جنگی گوکھرو کا زنگ صاف کرانے لگا۔ اسی حالت میں اس نے کمرہ کا دروازہ دیکھا جس میں ایک بھاری قفل پڑا ہوا تھا۔

دوپہر کو سب کاریگر کھانا کھانے اور ذرا آرام کرنے کے لیے میگزین سے باہر گئے' مگر یوسف وہیں ٹھہرا رہا۔ پہرہ پر ایک ہندوستانی سنتری موجود تھا۔ رحیم بخش دربان نے موقع کی حالت دیکھی تو سنتری سے آ کر کہا کہ "تیرے گھر سے

ابھی ایک آدمی آیا تھا اور کہتا تھا کہ تیری بیوی کوٹھے سے گر پڑی ہے تو جلدی وہاں جا۔ میں یہاں موجود ہوں۔ تیری عوضی کے سپاہی کو بلالوں گا۔'' سنتری یہ سن کر فوراً چلا گیا اور یوسف نے پھرتی کر کے آہنی اوزاروں سے جو گوکھرو صاف کرنے کے لیے وہاں رکھے تھے' قفل کھول لیا اور کمرے میں جا کر بکس کھولنا چاہا مگر وہ بھی مقفل تھا۔ اس کو بہتیرا کھولا مگر وہ نہ کھلا۔ ناچار ہو کر قفل توڑ کر دیکھا تو بکس کے اندر کچھ بھی نہ تھا۔ یوسف نے جلدی سے دوسرا بکس توڑا۔ اس میں کاغذات تھے مگر وہ اتنے زیادہ تھے کہ اکیلے آدمی سے نہ چل سکتے تھے۔ یوسف نے کچھ دیر سوچا کہ اب کیا کرے۔ آخر اس کے خیال میں یہ بات آئی کہ لفافوں کی شکل میں جس قدر کاغذ ہیں ان کو نکال لینا چاہیے' چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور کاغذوں کو رومال میں باندھ کر باہر آ گیا اور پھر کمرہ کو مقفل کر دیا۔

جب کاریگر کام پر آ گئے تو یوسف میگزین سے نکل کر سیدھا مالیواڑہ گیا اور مولوی صاحب کو وہ سب کاغذات جا کر دے دیئے۔ مولوی صاحب نے فوراً ایک محرم راز گماشتہ کو بلایا جو انگریزی پڑھا ہوا تھا اور اس سے ان کاغذات کو پڑھوایا تو ان میں کارتوسوں کے متعلق کوئی کاغذ نہ نکلا۔ ایک لفافہ میں صرف اس مضمون کا خط ملا جو میرٹھ سے آیا تھا کہ ''نئے کارتوسوں کے متعلق دہلی کے سپاہیوں میں کیا چرچا ہے۔''

مولوی صاحب نے کہا ''بس معلوم ہو گیا۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ جب ہی تو یہ دریافت کیا گیا ہے۔'' یوسف نے کہا ''اس میں تو کوئی شبہ کی بات نہیں ہے۔'' مولوی صاحب بولے ''میاں! ابھی تم بچے ہو۔ فریب کی باتوں کو کیا جانو۔'' یہ کہہ کر انہوں نے فوراً سفر کی تیاری شروع کی اور یوسف کو شاباشی دیتے ہوئے دہلی سے کہیں چلے گئے۔

غدر شروع ہو گیا

آخر ۱۱ مئی کی تاریخ آ گئی اور میرٹھ کی باغی فوج نے دہلی میں آ کر غل مچا دیا۔

انگریز قتل ہو رہے تھے۔ کوٹھیوں اور بنگلوں میں آگ لگ رہی تھی۔ چاروں طرف غل' شور اور لوٹ مار کا ہنگامہ گرم تھا۔ یوسف ابھی اپنے کمرے سے نکل کر قلعہ کے نیچے آیا تو وہاں اس نے ایک سوار کو پہچانا جو انہی چار آدمیوں میں سے تھا جو مالی واڑہ میں ملے تھے۔ سوار نے کہا ''آؤ یوسف! تم سے ایک کام ہے۔ ہم سب میگزین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ چلو ہمارے ساتھ چلو اور سیر کرو۔'' یوسف نے کہا ''میں وہاں جا کر کیا کروں گا۔ میں سپاہی نہیں ہوں نہ میرے پاس ہتھیار ہیں۔'' مگر سوار نے مجبور کیا اور کہا ''وہاں لڑائی نہیں ہوگی۔ انگریز سب قتل ہو گئے یا بھاگ گئے اور دیسی فوج ساری ہمارے ساتھ شریک ہو گئی۔''

یوسف یہ سن کر سوار کے ساتھ کشمیری دروازہ تک گیا۔ جب میگزین پر پہنچے تو اس کا دروازہ بند تھا اور باغی فوج اس کو گھیرے ہوئے کھڑی تھی۔ تھوڑی دیر میں دروازے کی کھڑکی سے اسی رحیم بخش دربان نے جھانکا اور کہا ''قلعہ سے زینے لے آؤ اور اوپر چڑھ کر اندر آ جاؤ۔ یہاں صرف چند انگریز ہیں۔'' یوسف نے رحیم بخش کے قریب جا کر پوچھا کہ ''کمرہ والی بات تو ابھی ظاہر نہیں ہوئی۔'' رحیم بخش نے کہا کہ غافل شرابیوں کو ابھی کچھ بھی معلوم نہیں ہوا ہے۔''

سپاہی زینے لینے چلے گئے اور یوسف اپنے گھر واپس آ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک خوفناک دھماکہ ہوا جس سے

شہر کے درودیوار لرز گئے۔ ایسا معلوم ہوا جیسے زمین پھٹ گئی اور سب اس میں دھنس گئے۔ یہ آواز میگزین اڑانے کی تھی۔ دہلی میں گولے اور گولیاں اس کثرت سے برسیں جیسے زور کی بارش اور اولے پڑتے ہیں۔ ہزاروں آدمی ہلاک وزخمی ہو گئے اور کئی گھنٹے دھواں چھایا رہا اور زخمیوں کی چیخیں بلند ہوتی رہیں۔

دہلی فتح ہوگئی

انگریزوں نے مصیبت کے چند مہینے کاٹ کر دوبارہ عروج حاصل کیا۔ پنجاب کی سپاہ لے کر دہلی پر آئے اور خوں ریز معرکوں کے بعد دہلی کو دوبارہ فتح کر لیا۔

جس زمانہ میں دہلی پر گولہ باری ہو رہی تھی اور شہر کے سب باشندے بھاگ رہے تھے اس وقت یوسف کے چچا نے یوسف کے باپ سے کہا کہ "انجام برا نظر آتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یوسف کا نکاح کر دیا جائے تا کہ جب ہم سب باہر نکلیں تو پردے کی دقت نہ رہے۔" یوسف کے باپ نے اس رائے کو پسند کیا اور یوسف کی شادی ہوگئی' مگر نکاح ہوتے ہی خبر ہوئی کہ انگریزی فوج دہلی میں داخل ہوگئی اور بادشاہ قلعہ سے نکل کر مقبرۂ ہمایوں میں چلے گئے۔ یوسف کے والدین اور سب کنبہ والے بھی رتھوں میں بیٹھ کر بھاگے اور سیدھے قطب صاحب گئے۔ یوسف نے اس وقت تک دلہن کا چہرہ نہ دیکھا تھا۔ قطب صاحب میں جہاں ٹھہرے وہ جگہ بہت خراب تھی اور اتنی کہ اس کنبہ کا گذارہ دشوار تھا۔ دستور کے موافق اس پریشانی میں بھی دلہن نے شرم وحیا کا لحاظ رکھا۔ آدھی رات کو یہ سب لوگ سو گئے تو انگریزی سواروں نے ان کو گھیر لیا اور یوسف کو تلاش کرنے لگے۔ یہ سب لوگ بیدار ہوئے تو سواروں نے سب مردوں کو گرفتار کر لیا اور نام معلوم کر کے یوسف اس کے باپ اور اس کے چچا کو ساتھ لے گئے اور باقی آدمیوں کو چھوڑ دیا۔ جس وقت یوسف رخصت ہوا تو اس کی ماں بے قرار ہوگئی اور اس نے رو رو کر کہا کہ "یہ میری بیس برس کی کمائی ہے۔ یہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس کے بغیر زندہ نہیں رہوں گی۔ کل اس کی شادی ہوئی ہے۔ اس نے تو ابھی اپنی دلہن کو دیکھا بھی نہیں۔ تم اسے کہاں لیے جاتے ہو اور کیوں لیے جاتے ہو؟"

ایک سوار نے جواب دیا کہ "یہ بڑا باغی مجرم ہے۔ اس کو پھانسی دی جائے گی۔ تم اس سے آخری ملنا مل لو کر اب یہ دوبارہ تمہارے پاس نہ آئے گا۔"

یہ سن کر یوسف کی ماں نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

یوسف کی بیوی ابھی تک گھونگھٹ نکالے شرمائی ہوئی بیٹھی تھی' مگر سوار کی بات سن کر اس نے گھونگھٹ اٹھا دیا اور دونوں ہاتھ ملتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کے ہونٹ شدت غم سے لرز رہے تھے۔ اس نے منہ سے تو کچھ نہ کہا صرف حسرت کی نگاہوں سے یوسف کو دیکھا اور ٹکٹکی باندھ کر برابر دیکھتی رہی۔

یوسف مرد تھا مگر وہ بھی یہ نظارہ دیکھ کر بے تاب ہو گیا اور مایوس نظروں سے اپنی دلہن کی حالت دیکھنے لگا۔ وہ بھی چپ تھا۔ دلہن بھی چپ تھی۔ دلہن کی آنکھوں کا سرمہ آنسوؤں کے ساتھ بہہ بہہ کر سرخ وسفید رخساروں پر دھبے لگاتا تھا اور یوسف کے چہرہ کو بھی یاس و ہراس نے زرد اور خشک کر دیا تھا۔

یوسف اور اس کے باپ و چچا کے ہاتھ رسی سے باندھ دیئے گئے اور سوار ان کو لے کر روانہ ہونے لگے تو یوسف کی دلہن نے بہت دھیمی آواز سے کہا۔ "جاؤ میں نے مہر معاف کیا۔"

پھانسی کا وقت

تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یوسف اور اس کا چچا میگزین کی سازش کے مجرم ہیں۔ یوسف کا باپ بے قصور ہے' اس لئے اس کو رہائی دی گئی اور باقی ان دونوں کو پھانسی کا حکم ہوا۔

جیل خانہ میں جہاں یہ سب قیدی بند تھے یوسف نے ان مولوی صاحب کو بھی دیکھا جو مالیواڑہ میں ملے تھے۔ انہوں نے یوسف کو صبر کی نصیحت کی اور فرمایا ان چاروں سواروں میں ایک نے ہم سب کی مخبری کی ہے۔ یوسف نے کہا "آپ کہاں چلے گئے تھے۔" انہوں نے کہا "میں میرٹھ جا کر پھر دلی آ گیا تھا۔ مخبر نے تمام واقعات کی اطلاع افسر کو دے دی۔ رحیم بخش دربان تو میگزین کے ساتھ اڑ گیا اور میں یہیں گرفتار کر لیا گیا۔"

یوسف کے چچا نے اپنی مصیبت اور اپنی لڑکی کا قصہ مولوی صاحب سے کہا تو وہ بولے "بے شک یہ حالات رنج کے ہیں' مگر ہم نے دین کے خیال سے یہ سب کچھ کیا تھا' کیونکہ ہم کو یقین تھا کہ انگریز ہم کو کرسٹان بنانا چاہتے ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ انگریزوں کی کچھ خطا نہ تھی اور فساد پسند لوگوں نے جھوٹی افواہیں مشہور کی تھیں' لیکن چونکہ ہماری نیت نیک تھی اور ہم نے محض اپنے مذہب کی محبت میں یہ کام کئے تھے۔ اس واسطے خدا ہم کو جزائے خیر دے گا اور ہم شہیدوں کی موت مریں گے اور گناہ ان کی گردن پر ہو گا' جنہوں نے جھوٹی خبریں مشہور کر کے یہ غدر کرایا۔"

یوسف نے کہا "آپ تو کاغذ دیکھ کر فرماتے تھے کہ اس میں انگریزوں کا فریب ہے۔ اب آپ ان کو بے گناہ کہتے ہیں۔" مولوی صاحب نے کہا "اس وقت میرا یہی خیال تھا مگر میرٹھ جا کر جب کاغذات اور حالات پر غور کیا گیا تو میں نے فوجی افسروں سے کہہ دیا تھا کہ انگریزوں کی بدنیتی کا کوئی ثبوت نہیں ہے' لیکن وہ نہ مانے اور فساد کر ہی دیا۔"

صبح کو یہ سب لوگ پھانسی گھر کے سامنے لائے گئے۔ پہلے مولوی صاحب کو لٹکایا گیا اور انہوں نے آواز دے کر کہا کہ "خبردار کوئی شخص ہمت نہ ہارے ہم سب غلط فہمی کا شکار ہیں۔ خدا ہم کو معاف کرے گا اور ان کو سزا دے گا جنہوں نے انگریزوں کی عورتوں اور بچوں پر ظلم کئے۔" مولوی صاحب کے بعد یوسف اور اس کے چچا کو بھی پھانسی ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

شہزادہ کی جاروب کشی

آج اور کل کے فرق کو سمجھنے میں یورپین اور ایشیائی فلاسفروں کے اقوال پر غور کرنے سے بہت آسانی ہو جاتی ہے' مگر اس کو صرف دماغ سمجھ سکتا ہے۔ آنکھ کو مشاہدے کا لطف نہیں آتا۔

۱۴ اگست ۱۹۱۴ء سے جرمنی قوم کا "آج" پیش نظر تھا اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا "کل" کیا ہو گا' مگر ۱۹۱۸ء نے

بتادیا' دکھادیا اور سمجھادیا کہ 'کل' کی یہ حالت ہے اور ایسا دکھایا کہ اب فلسفہ کی ضرورت ہی نہ رہی۔

روس کا 'آج' صدیوں سے مشہور تھا۔ ہندوستان کا بچہ بچہ اس کی آمد ہندوستان کا چرچا سنتا تھا اور ایک خوفناک وحشی اور موذی حریف کی چڑھائی کو آفت اس خیال کرتا تھا' لیکن 'آج' ختم ہوا اور 'کل' ایسا دیکھنے میں آیا کہ روس کا تاج و تخت ہی اوندھا ہوگیا۔ دہلی میں مغلیہ خاندان کا غلغلہ' اس کی تیغ زنی اور بزم آرائی کے وہ گوناگوں صفات کے سبب گھر گھر شور مچا ہوا تھا اور ہندوستان کا کوئی خطہ ان کی عظمت سے انکار کرنے کی مجال نہ رکھتا تھا' مگر جب ان کا 'آج' ختم ہوا تو 'کل' کی حالت کسی سے نہ دیکھی گئی۔

ایک دہلوی نے گریٹ مغل اور مغل اعظم کی تباہی کے افسانے خود انہی سے سن کر قلم بند کیے جن پر یہ افتاد پڑی تھی تو ہندوستان نے لکھنے والے کے ان مضامین کو ماسٹر پیس کا خطاب دیا اور اس کی انشا پردازی کو ان افسانوں کے باعث ہردلعزیزی حاصل ہوگئی۔ دہلوی محرر نے خیال کیا۔ میری انشا کے کمال کو دیکھا جاتا ہے۔ واقعات پر کسی کی نظر نہیں جاتی اور کسی کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ ان سچے قصوں سے اپنی زندگی کے 'آج' اور 'کل' کو سمجھے اور نتائج نکال کر عبرت حاصل کرے۔

جو قوم پستی میں گرتی ہے وہ مقصود کے ذرائع کو مقصود بنالیتی ہے۔ یہی حال ہندوستان کا ہے کہ اس نے تحریر کی داد دی۔ اس پر واہ واہ کی اور واقعات اصل کی گہرائی پر کسی کی نظر نہ گئی اور گئی تو اس کی تاثیر کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

۱۹۱۷ء میں اپنے پیارے عزیز ملا محمد واحدی اڈیٹر اخبار 'خطیب' و رسالہ 'نظام المشائخ' کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ میز پر سر جھکائے کام کر رہے تھے۔ ان کا عملہ بھی اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف تھا اور میں ایک جاروب کش کو دیکھ رہا تھا جو مستعدی سے صحن کو صاف کرتا تھا اور چمن کے پھولوں کو دیکھتا جاتا تھا۔ جب وہ کمرہ کا صحن صاف کر چکا تو نل سے پانی لے کر پھولوں میں پانی ڈالنے لگا۔ پانی ڈالنے میں اس کے ہاتھ پھولوں کے ساتھ ایسی محبت کا اظہار کرتے تھے کہ اس کو میرے دل نے گل پرست خیال کرنا شروع کیا۔ جاروب کش نے ہر گملہ کا کوڑا صاف کیا' مرجھائے ہوئے پتے توڑ کر پھینک دیئے اور گملوں کو قرینہ سے درست کرنے لگا۔ اتنے میں واحدی صاحب نے آواز دی۔

''محمود جاروب کش۔''

''حاضر ہوا جناب'' کہہ کر دوڑا اور ہاتھ باندھ کر سامنے آ کھڑا ہوا اور ایک تازہ خدمت کا حکم سن کر تعمیل کو باہر چلا گیا۔

اس کی پھرتی' اس کی شائستگی' اس کا باقرینہ ادب' مجھ کو بہت اچھا معلوم ہوا اور میں نے خیال کیا کہ ایسا تمیز دار نوکر بہت کم دیکھنے میں آیا ہوگا۔ واحدی صاحب سے جاروب کش محمود کا حال پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تیموری شہزادہ ہے اور شہنشاہ دہلی سے بہت قریبی واسطہ رکھتا ہے۔ مجھ کو اس اطلاع نے جس تلاطم میں ڈالا وہ روس کے اس باشندہ کی بیقراری سے زیادہ تھا جب کہ اس نے اپنے تاجدار کے قتل کی خبر سنی ہوگی' کیونکہ وہ ایک موت کی خبر تھی جو ختم ہوگئی اور یہ ایک زندگی کی اطلاع تھی جس کے ختم ہونے کی امید نہیں کر سکتا تھا۔ اس دن کے بعد میں جاروب کش محمود کو اس کے قدیمی لقب ''صاحب عالم'' سے یاد کرتا تھا' کیونکہ مغلیہ تخت کی بحالی کے ایام میں سب شہزادوں کو صاحب عالم کہا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آخری ایام میں انگریز افسر بھی ادنیٰ سے ادنیٰ متوسل نسل شاہی کو صاحب عالم کے بلند خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ میرزا محمود

ایک نوجوان آدمی ہے۔ اب بھی دفتر اخبار 'خطیب' کے قریب اس کا مکان ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا باپ ہے جو شاید اب تک اپنے فخر کو بھولے نہیں ہوں گے' کیونکہ پیٹ کی مجبوری سے جب اپنے باپ کو خدمت گاری کرتے دیکھتے ہیں تو شرماتے ہیں۔ فاتح قوم کے بچوں کو کام کرنے اور مشقت سے روزی پیدا کرنے میں کبھی عار کا خیال نہیں ہوتا بشرطیکہ ان کو امید ہو کہ وہ اس تکلیف کے بعد پھر ایک عروج اور کامیابی کے زمانہ میں جانے والے ہیں' ورنہ زندگی ان کو دوزخ نظر آنے لگتی ہے۔ تیمور' بابر' ہمایوں نے اپنے پوتے میرزا محمود سے زیادہ زمانے کی جفا اور دنیا کے خطروں کا تماشا دیکھا تھا' مگر آخر میں سب ختم ہو گئے۔ میرزا محمود قیامت تک یہ توقع نہیں کر سکتا کہ اس کی گردش کے دن بھی کبھی پھریں گے اور وہ ذلیل خدمت گاری سے نجات حاصل کرے گا۔ میرزا محمود کو شاید 'آج' اور 'کل' کے فرق سمجھنے کا بھی خیال نہ آتا ہوگا۔ ورنہ وہ ایک ہی دن میں کامل ولی بن جاتا اور خدمت لینے والے اس کے گھر پر سر جھکاتے ہوئے آتے۔

اسی دن جب کہ مجھ کو میرزا محمود کی حالت کا علم ہوا' واحدی صاحب نے بیان کیا کہ ان کے چھاپہ خانہ میں ایک مزدور جو کل چلانے کا کام کرتا ہے' حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا پوتا یا نواسا ہے۔ دل میں سیاسی زخم کے برابر ایک مذہبی زخم بھی لگا۔ کیا خدا کی شان ہے کہ وہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جن کی شاگردی اور علمی خوشہ چینی کا آج تمام ہندوستان اقرار کرتا ہے' ان کے پوتے یا نواسہ کی یہ حالت ہو کہ وہ چار آنے کی مزدوری کر کے پیٹ پالتا ہے۔ اس سے موجودہ ہندوستان کے بڑے آدمی 'آج' اور 'کل' کا نتیجہ نکال سکتے ہیں اور ان کو اپنے عروج و اقتدار کی ناپائداری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسپین کے قصر الحمراء اور اس کے بسنے والوں کی بربادی تاریخوں میں پڑھ کر دل کی عبرت آٹھ آٹھ آنسو روتی ہے' مگر لال قلعہ دہلی کے رہنے والوں اور ہندوستان پر خود مختار حکومت کرنے والوں کی تباہی پر کوئی ایک آنسو بھی نہیں بہاتا۔ محمود جاروب کش کا قدیمی مکان دفتر 'خطیب' سے سو قدم کے فاصلے پر لال قلعہ میں تھا' جہاں جواہرات جڑے ہوئے پاخانے غسل خانے تھے' جہاں تاج و تخت کی دھوم تھی' جہاں لونڈی غلام کمریں باندھے ہوئے دوڑتے پھرتے تھے۔ یہ وہی شہزادہ محمود ہے جس کو ابھی ایک چھاپہ خانہ میں جھاڑو دیتا دیکھا گیا تھا' جو "حاضر جناب" کہہ کر اپنے آقا کے سامنے دوڑا ہوا آیا تھا اور جو دست بستہ انتظار حکم میں خاموش کھڑا ہو گیا تھا' جس کے بڑے براعظم ہندوستان کے بلا شرکت غیرے حکمران تھے' جن کے سامنے بڑے بڑے نواب راجہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے تھے اور اپنے بادشاہ کے بلاوے پر "حاضر حضور" کہہ کر بے تحاشا دوڑتے تھے۔ شہزادہ محمود کو یاد نہ ہوگا' تاریخ کو سب کچھ یاد ہے۔ شہزادہ محمود کے دل کو قدرت نے صبر دے دیا' مگر مورخ کیونکر صبر کر سکتے ہیں اور کس طرح اس عجیب انقلاب کو دل سے فراموش کر سکتے ہیں۔

شہزادہ محمود آج ایک ایسے مکان میں رہتا ہے جہاں ان کے بڑوں کا ایک کمین سے کمین غلام بھی رہنا پسند نہ کرتا۔ نہ پکی دیوار ہے نہ پکی چھت ہے نہ پکا صحن ہے۔ کچی مٹی کی دیواریں ہیں جن میں کوئلہ اور ٹھیکریوں کی پچی کاری ہے اور جن پر بارش کی بوندوں نے خاک کے ذروں کو چیر چیر کر گلکاریاں بنائی ہیں۔ شہزادہ محمود کو آج وہ کھانا ملتا ہے جو اس کے بزرگوں کے خدمتگاروں نے بھی نہیں کھایا تھا۔ وہ سوکھی روٹیاں چٹنی سے کھا لیتا ہے۔ وہ ابالی دال سے پیٹ بھر لیتا ہے اور یہ بھی میسر نہ آئے تو اپنے معصوم بچوں کو تسلی دیتا ہوا فاقے میں پڑ کر سو جاتا ہے۔ شہزادہ محمود کے پاس نہ کمخواب کے کپڑے ہیں نہ زربفت کے۔ وہ اور اس کے بچے پیوند لگے ہوئے گاڑھے گزی کے کپڑے پہنتے ہیں اور سردی آ جائے تو پھٹی ہوئی

گدڑیوں اور بوسیدہ کمبلوں کو اوڑھ کر رات بسر کرتے ہیں۔

آج جب کہ دسمبر ۱۹۱۸ کا مہینہ ہے۔ دہلی میں نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے جلسے ہو رہے ہیں اور بیرونی مہمان گرم کمروں میں قیمتی لحاف اور قیمتی کمبل اوڑھے پڑے سوتے ہیں۔ آج گورنمنٹ ہاؤس میں ہندوستان کے حکمران آگ کی انگیٹھیوں کے آس پاس کرسیوں پر لیٹے باتیں کر رہے ہیں۔ ٹھیک آج ہی کے دن شہزادہ محمود اور اس کی طرح سینکڑوں شہزادے ٹوٹے پھوٹے مکان میں گیلی اور ٹھنڈی خاک پر بوریئے، بچھائے اور پھٹی ہوئی رضائیاں اوڑھے بھوکے پیاسے پڑے ایڑیاں رگڑتے ہیں۔ اس کو کچھ بہت دن نہیں ہوئے' صرف ساٹھ برس کا زمانہ گذرا ہے کہ اسی دہلی میں لال قلعہ آباد تھا۔ اس میں شہزادہ محمود کے بزرگ شال دوشالے اوڑھے' سونے چاندی کی مسہریوں میں پاؤں پھیلائے' بے غل وغش پڑے سوتے تھے اور ان کو یہ کیفیت خواب میں بھی نظر نہ آتی تھی کہ ان کی اولاد ایک دن محتاجوں اور بے کسوں کی زندگی بسر کرے گی۔ اگر ان کے خواب میں یہ حالت بھی آ جاتی تو وہ ضرور ایک نوشتہ موجودہ دہلی کے عیش پرستوں کو لکھ جاتے کہ وقت کی گردش کو ہمیشہ یاد رکھنا۔ شہزادہ محمود کے بچے اگر اپنے بڑوں کا پہلا وقت یاد کر کے کہیں کہ ہم کو بھی دوشالے منگوا دو اور ہم کو بھی سنہری روپہلی مسہریاں بنوا دو' ہم بھی سونے چاندی کے برتنوں میں پلاؤ قورمے کھائیں گے۔ ہم کو بھی ہندوستان کے راجہ نواب صاحب عالم پناہ کہہ کر اور جھک جھک کر سلام کریں تو بیچارا محمود سوائے اس کے کہ آنکھوں میں آنسو لے آئے اور آسمان کو دیکھ کر کلیجہ مسوس لے اور کیا خاک جواب دے سکے گا۔

دہلی والوں کو معلوم ہے کہ لال قلعہ کے شہزادے بڑے موسم پرست تھے۔ سردی' گرمی اور خصوصاً برسات کے موسموں سے خوب لطف اٹھاتے تھے۔ ہر موسم کی ترکاریاں' ہر موسم کے کپڑے' ہر موسم کے کھانے دریا دلی سے غریبوں' محتاجوں کو بانٹنے اور کھلا کر کھانے کا ان کا معمول تھا' مگر آج شہزادہ محمود کے بچے نہ سردی کی کوئی اچھی چیز کھا سکتے ہیں' نہ گرمی کی' نہ برسات کی بہار ان کے گھر میں آتی ہے نہ اور کوئی خوشی۔ ان کو تو پیٹ بھر کر روٹی اور تن ڈھکنے کو کپڑا بھی پورا نصیب نہیں ہوتا۔ وہ بالکل بھول گئے کہ ہم شہزادے ہیں۔ ان کو بالکل یاد نہیں کہ ہم اس دہلی اور ہندوستان کے بادشاہ تھے۔ آج تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک خدمتگار باپ کے بچے ہیں جو دس روپے مہینہ کا نوکر ہے' جو صبح اندھیرے سے نوکری پر جاتا ہے اور رات کو اندھیرے میں واپس آتا ہے۔ ان بچوں کو اس کی خبر نہیں کہ ان کے بڑے عید کے دربار کرتے تھے اور لاکھوں روپے اور شال دوشالے غریبوں کو تقسیم کرتے تھے۔ وہ تو یہ جانتے ہیں کہ کسی عید میں ان کو نئی جوتی نصیب نہیں ہوتی اور نہ کوئی نیا کپڑا بنتا ہے' کیونکہ ان کا باپ کہتا ہے کہ بیٹا اب کی جوتی اور کپڑا مہنگا ہے۔ میاں نے تنخواہ جو دی تھی' وہ آٹے والے کے پاس چلی گئی اور پھر بھی اس کا قرضہ باقی رہ گیا۔ خدا دے گا تو تم کو چوک پر سے پرانی جوتیاں خرید کرا دیں گے اور وہ ان ہی کہنہ اور پرانی جوتیوں کے شوق میں انتظار کا زمانہ خوشی سے کاٹ دیتے ہیں۔ جنگی بخار کے زمانہ میں جب کہ ان بچوں کا باپ زمین پر بخار میں پڑا ہوا ہائے ہائے کرتا تھا ان بھولے اور معصوم بچوں نے کئی کئی وقت فاقوں میں گذار دیئے اور اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے دعائیں مانگیں کہ اللہ میاں ہمارے ابا جان کو اچھا کر دو۔ چھوٹے بچے نے اگر روٹی کی ضد کی تو بڑی بہن نے اس کو کلیجہ سے لگا لیا اور کہا "دیکھو ابا اچھے ہو جائیں تو آٹا لائیں گے۔ اماں روٹی پکائیں گی۔ ہم تم مل کر کھائیں گے۔" بچہ کہتا "ابا کب اچھے ہوں گے؟ مجھے تو بھوک لگی ہے۔" تو بہن کہتی "گھبراؤ نہیں اب اچھے ہو جائیں گے اور بازار جائیں گے۔"

بچہ مصیبت کی ماری شہزادی یعنی اپنی ماں کے پاس جاتا اور کہتا تو اماں جان روٹی دیتی' اس کو پیار کرتی اور کہتی "بیٹا! روٹی کہاں سے لاؤں۔ خدا کمانے والے کو جان سے بچالے۔ ابھی تو اسی کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ میاں ہم غریب لوگ ہیں نہ ہمارے پاس دوا ہے نہ روٹی ہے نہ کپڑا ہے۔ خدا خوش رکھے حکیم اجمل خان کو جنھوں نے دوائی کا اور کھانے کا بندوبست کیا اور خدا خوش رکھے اس محلّے کے نیک آدمی محمد علی کارخانہ دار کو جو تمہارے ابا کی اور سارے محلّہ کے بیماروں کی خبر گیری کر رہے ہیں۔ انہوں نے کھانے کو بھی پوچھا تھا مگر میں غیرت کے مارے کہہ نہ سکی کہ میرے یہاں کھانا نہیں ہے۔ ہم تیموری نسل کے لوگ ہیں' کیونکر بھیک مانگیں اور خیرات کی روٹی طلب کریں۔ یہ ہی بہت ہے کہ خیرات کی دوا تمہارے ابا کے لیے لے لی ہے۔ دیکھو بیٹا' تم ہندوستان کے بادشاہ کی اولاد ہو اور بادشاہ کی اولاد بھیک نہیں مانگا کرتی اور نہ خیرات لیتی ہے۔ تم بڑے ہو کر کبھی بھیک نہ مانگنا اور اپنے ابا کی طرح محنت مزدوری کر کے روٹی کمانا۔" بچہ نے رو کر کہا "اچھا اماں! میں کسی سے نہیں مانگوں گا' مگر تم تو مجھے روٹی دو۔" اس وقت اس محتاج اور بے بس شہزادی نے آسمان کو دیکھا اور کہا "اے مالک! تو ہی سب کا رزاق ہے۔ تو ہی سب کا عیب پوش ہے۔ یہ معصوم بچے بھوک میں بلبلا رہے ہیں۔ میں کس سے اپنا دکھڑا کہوں اور تیرے سوا اور کون سننے والا ہے۔ ہم پر رحم کر اور بیمار کو اچھا کر دے۔ خدا کے فضل سے اب شہزادہ محمود تندرست ہو گیا اور کسی اچھے روزگار میں مصروف ہے جہاں اس کے مصارف کی ضرورتوں میں کمی نہیں پڑتی۔"

مگر 'آج' اور 'کل' کے فرق سمجھنے کو اس کی اور اس کے خاندان کی حالت جو دہلی میں آباد ہے اور جس کی پریشانیاں اظہر من الشمس ہیں' بہت کافی ہیں اور بغیر کسی فلسفیانہ منطق کے انسان عروج و زوال' ذلت و عزت' بے نیازی و محتاجی کا عینی تماشہ دیکھ سکتا ہے اور نتیجہ نکالنے میں اس کو کچھ مشکل پیش نہیں آتی۔

او جاروب کش شہزادے! تو اور تیری موجودہ زندگی' تیرے خاندان کے گذشتہ عروج کا تصور کرنے کے بعد دنیا کے حکمرانوں اور دولت کے دیوانوں کے لیے ایک تازیانہ عبرت ہو سکتی ہے اور فانی جاہ و منزلت کا غرور دماغ سے اس طرح نکل جاتا ہے' جس طرح دھوپ سے سیل اور ترشی سے نشہ اور یہی اس سرگذشت کے لکھنے کا مقصد ہے۔

☆ ☆ ☆

غدر کی سیدانی' ذکیہ بیابانی

یہ بالوں کے جلنے کی بُو کہاں سے آتی ہے۔ شاید پڑوس والے عامل صاحب کسی کے لیے کوئی عمل کر رہے ہیں۔ جب سے ان کے پڑوس میں مکان لیا ہے' یہی آفت برپا رہتی ہے۔ کبھی گُگل جلتا ہے اور اس کی چکڑاہند سے دم گھٹنے لگتا ہے۔ کبھی کوکل جلتا ہے اور گھر میں بیٹھنا دوبھر ہو جاتا ہے۔

ذکیہ کی والدہ نقیہ نے کہا "ہاں بیٹی' یہ عامل سفلی کا عمل جانتے ہیں اور اس میں اسی قسم کے خرافات ہوا کرتے ہیں۔ پرسوں سنا تھا نواب زینت محل بیگم صاحبہ نے اپنے کسی خاص رازدار کو اس عامل کے پاس بھیجا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی دشمن کے خلاف جادو کرانے کی ضرورت پیش آئی ہو گی یا اپنے شوہر حضرت سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ دہلی کی

محبت زیادہ کرنے اور اپنی طرف ہی متوجہ رہنے کے لیے کوئی عمل کرایا ہو گا' مگر پہلا خیال درست معلوم ہوتا ہے' کیونکہ بال جلنے کی بو آتی ہے اور بال عداوت اور بغض کے عملیات میں جلا کرتے ہیں۔"

ذکیہ بولی "نہیں بی۔ میں نے بادا جان سے سنا ہے کہ محبت بڑھانے یا پیدا کرانے کے اعمال میں بھی مطلوب کے بال جلا کرتے ہیں۔"

نقیہ نے کہا "جو کچھ بھی ہو۔ ہمارا تو اس پڑوس سے ناک میں دم ہے۔ تمہارے والد نے خبر نہیں ایسی جگہ مکان کیوں لیا ہے' جہاں رات دن اس قسم کے واہیات اور خلاف شریعت کام ہوتے ہیں۔" ذکیہ بولنے نہ پائی تھی کہ اس کے والد حضرت سید نورالہدیٰ تشریف لے آئے۔ سفید داڑھی' سفید عمامہ' سفید چوغہ' سفید رنگت' ستر برس کا سن و سال۔ زہد و عبادت کے نور سے چہرے پر ایک چمک اور جلال۔

ذکیہ نے اٹھ کر سلام کیا اور کہا "بادا جان! آپ کوئی دن ہو گئے۔ چلتے وقت تو آپ نے فرمایا تھا کہ صرف ایک دن کے لیے جاتا ہے۔ گڑگانوہ میں کسی صاحب سے مل کر کل تک واپس آجائیں گے۔"

سید نورالہدیٰ صاحب نے جواب دیا "ہاں بیٹی مجھ کو رکنا پڑا۔ ان لوگوں نے دو دن تک نہ آنے دیا۔ کہو تم نے وہ چالیسوں حدیثیں یاد کر لیں جو چلتے وقت میں نے تم کو پڑھائی تھیں؟"

ذکیہ نے کہا "جی ہاں۔ میں نے ان کو حفظ کر لیا اور ترجمہ بھی یاد ہو گیا' مگر مجھ کو اس حدیث میں کچھ دریافت کرنا ہے کہ دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ (چھوڑ اس کو جو تجھ کو شبہ میں ڈالے اور اختیار کر اس کو جو بے شبہ ہو)۔ اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہیں آیا کہ جس چیز میں شبہ ہو اس کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔ ہر معمولی آدمی کی طاقت سے بڑھ کر ہے کہ وہ بے شبہ چیز اختیار کرے' کیونکہ آدمی کا دل ہر بات میں شبہ پیدا کرتا ہے اور ایسی کوئی چیز نہیں معلوم ہوتی جو بالکل بے شبہ ثابت ہو جائے۔"

سید نورالہدیٰ نے فرمایا "بیٹی یہ حدیث تین لاکھ حدیثوں سے چھانٹی گئی ہے اور اس میں ایک ایسا فلسفہ ہے جس کی ہر مسلمان کو ضرورت پڑتی ہے دینی کاموں میں بھی اور دنیا کی باتوں میں بھی۔ ایک اور حدیث الاعمال بالنیات (سب کام نیت پر منحصر ہیں) بھی اسی قسم کی ہے جو ہمارے سب کاموں میں مدد دیتی ہے' کیونکہ ہر عمل کی اچھائی اور برائی نیت سے معلوم ہوتی ہے۔ ایک آدمی ظاہر میں اچھا کام کرتا ہے' مگر نیت برائی کی رکھتا ہے' تو وہ کام اچھا نہ کہا جائے گا اور خدا تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں بدی لکھے گا اور دیکھنے میں کوئی کام برا ہو اور نیت نیکی کی ہو تو وہ کام نیکیوں میں شمار ہو گا۔ تم نے سنا نہیں ایک آدمی نے مسجد کے سامنے کھونٹی گاڑی تھی کہ نمازی مسافر اس سے اپنے گھوڑے باندھ کر نماز پڑھیں گے' مگر کسی نے اس سے گھوڑا نہ باندھا اور رات کے وقت بیسیوں آدمی اس کھونٹی سے ٹھوکریں کھا کر گرے اور ان کے چوٹیں لگیں' مگر خدا نے کھونٹی گاڑنے والے کے اعمال میں ثواب لکھا کیونکہ اس کی نیت اچھی تھی۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ اس سے ٹھوکریں کھائیں اور ایک آدمی نے کھونٹی اس لیے گاڑی تھی کہ لوگوں کے ٹھوکریں لگیں اور نمازیوں کو تکلیف ہو اور وہ نماز سے باز رہیں مگر کسی کے ٹھوکر نہ لگی بلکہ انہوں نے اس کھونٹی سے گھوڑے باندھے اور اطمینان سے مسجد میں جا کر نماز پڑھی۔ اس شخص کی چونکہ نیت خراب تھی اس واسطے اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھے گئے۔ پس ہر بات نیت پر منحصر ہے اور اس

حدیث نے قیامت تک کے اچھے برے کاموں کے دو لفظوں میں فیصلہ کر دیا ہے۔ یہی حال اس حدیث کا ہے، جس کو تم نے پوچھا کہ اس میں بھی مسلمان کو دینی اور دنیاوی اعمال کا ایک قرینہ بتایا گیا ہے کہ شک و شبہ کے کاموں سے بچو اور شک و شبہ سے پاک کاموں کو اختیار کرو۔

''اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ کم علم اور کم عقل کے آدمی شک و شبہ اور بلا شک و شبہ کی باتوں کی آسانی سے تمیز نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ تم نے سوال کیا ہے' مگر حدیث شریف کا منشاء مسلمانوں کو مشکل میں ڈالنے کا نہیں ہے۔ اس نے تو اس حکیمانہ مقولے سے مشکلوں کو آسان کر دیا ہے۔ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ'' (دین آسان ہے) تم نے پڑھا ہوگا۔ ہمارے دین اسلام میں کوئی بات دشواری اور مشکل کی نہیں ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان لوگ ڈگدا میں نہ رہیں بلکہ ایک صاف اور یقینی راستہ دین کے معاملات میں اختیار کریں۔ ڈگدا کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ایک کام کو کرتا ہے مگر اس کے دل میں دھکڑ پکڑ رہتی ہے کہ خبر نہیں یہ اچھا ہے یا برا۔ رسول اللہ صلعم کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان دھکڑ پکڑ میں نہ رہے اور جس میں ذرا بھی ڈگدا ہو وہ کام نہ کرے۔

''میں تم کو مثال دے کر سمجھاؤں۔ ایک آدمی کہتا ہے خدا ہے۔ دوسرا کہتا ہے نہیں ہے۔ تیسرا کہتا ہے خبر نہیں وہ ہے یا نہیں۔ مجھے اس میں کچھ شک ہے۔ اب تینوں میں دو آرام سے ہیں۔ جو صاف اقرار کرتا ہے اس کو بھی آرام ہے۔ جو صاف انکار کرتا ہے وہ بھی مطمئن ہے۔ مشکل اس دھکڑ پکڑ والے کی ہے جو کبھی خیال کرتا ہے خدا ہے اور کبھی سوچتا ہے' نہیں ہے۔

''اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دین کے معاملات میں جو بات قرآن اور رسول خدا صلعم کے حکم کے خلاف اور عقل کے مخالف نظر آئے اور لوگ کہیں کہ یہ خلاف نہیں ہے اور اپنی دلیلوں کے زور سے تم کو شبہ میں ڈالیں تو تم شک میں نہ پڑو اور قرآن و حدیث کے بلا شبہ طریقہ پر جمے رہو۔

یا دنیا کے کسی کام میں تمہاری عقل اور تمہارے سچے دوستوں اور خیر خواہوں کا مشورہ کچھ اور کہتا ہو اور خلقت کچھ اور رائے دیتی ہو تو تم کو اپنی عقل اور اپنے دوستوں کے مشورہ پر عمل کرنا چاہئے کہ یہ بلا شبہ ہے اور خلقت کی رائے پر نہ چلو کہ اس میں شک و شبہ کا امکان ہے۔

ذکیہ نے کہا'' یہی تو میرا سوال ہے کہ معمولی علم و عقل کا آدمی شک و غیر شک میں کیونکر فرق کر سکتا ہے۔''

سید نورالہدیٰ نے جواب دیا'' آگ کا کام جلا دینا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آگ جلاتی نہیں' تو کون اس کو قبول کرے گا۔ اسی طرح خدا نے سب آدمیوں کو نفع نقصان کے سمجھنے کی عقل دی ہے۔

ایک آدمی کہتا ہے میں مسلمان ہوں۔ رسول خدا صلعم کا کلمہ پڑھتا ہے مگر میری شان خدا نے ایسی بنائی ہے کہ اگر مجھ کو اپنا بزرگ تم نہ مانو گے تو خدا اور رسولؐ پر تمہارا ایمان لانا بے کار سود ہوگا' کیونکہ میری اطاعت تم پر فرض ہے۔

اس دعوئی میں یہ شک ہے کہ اسلام کا مطلب تو خدا کی یکتائی اور رسولؐ خدا کی رسالت کا قبول کرنا ہے اور اگر کوئی آدمی اس کو قبول کرلے اور قرآن کو اپنا پیشوا بنا لے تو پھر اس کو کیا ضرورت ہے کہ اپنے جیسے آدمی کو خدا رسولؐ کے برابر سمجھے اور اس کا زر خرید غلام بن جائے کیونکہ خدا اور رسول خداؐ اور قرآن والی قرآن کی اطاعت کافی ہے۔ ایسے آدمی کی

اطاعت ضروری نہیں۔ جو یہ ہے کہ مجھ کو نہ مانو گے تو خدا رسولؐ پر بھی تمہارا ایمان غلط ہو جائے گا۔''

ذکیہ نے کہا ''تو کیا ہم اپنے ہدایت کرنے والے اور خدا کا راستہ بتانے والے لوگوں کی اطاعت نہ کریں۔''

سید نور الہدیٰ نے جواب دیا ''نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ خدا نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔ رسول کی اطاعت کرو اور اصحاب امر کی اطاعت کرو۔ اصحاب امر سے مراد یہی لوگ ہیں جو خدا رسول کا راستہ ہم کو بتاتے ہیں۔ میں مخالف تو اس اطاعت کی کرتا ہوں جو یہ کہ کر حاصل کی جائے کہ مجھ بندہ کی اطاعت کرو ورنہ خدا اور رسول خدا پر تمہارا ایمان لانا بے کار نہ ہوگا اور تم مومن نہ بن سکو گے۔ اس قول میں شک ہے' اس لئے اس کو ترک کر دینا چاہئے اور خدا رسولؐ اور قرآن و اہل بیت کی اطاعت بلاشبہ ہے۔ لہٰذا اس کو اختیار کر لینا چاہئے۔'' ذکیہ بولی ''تو اگر کوئی امام یا مذہبی پیشوا قرآن و حدیث پر عمل کرانے اور ہماری دنیاوی اصلاح کرنے کے لئے اطاعت کا طلب گار ہو تو وہ بھی بندے کی اطاعت ہوگی اور بندہ کی اطاعت میں آپ نے شبہ فرمایا ہے۔''

سید نور الہدیٰ نے جواب دیا ''نہیں ایسے امام یا پیشوا کی اطاعت میں رسولؐ اور خدا کی اطاعت ہے۔ جو قرآن کے بموجب حکم دیتا ہو اور جو امام یا پیشوا یہ کہے کہ تم قرآن نہ پڑھو۔ تم حدیث نہ پڑھو۔ تم علم دین حاصل نہ کرو' کیونکہ تم کو اس کی سمجھ نہیں ہے۔ صرف میری اطاعت کرو اور مجھی کو قرآن' رسولؐ اور امام کا قائم مقام جانو' تو ایسا شخص اطاعت کے قابل نہیں ہے' کیونکہ قرآن شریف کی سب سے پہلی آیت میں علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور حدیث شریف میں رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ علم حاصل کرنا عورت مرد پر فرض ہے۔ پس جو شخص دوسروں کو علم حاصل کرنے اور قرآن و حدیث پڑھنے سے روکتا ہے اور صرف اپنی اطاعت پر زور دیتا ہے وہ بالکل چھوڑ دینے کے قابل ہے' کیونکہ اس میں شک و شبہ ہے اور شک و شبہ کے راستہ کو رسول خداؐ نے ترک کر دینے کا حکم دیا ہے۔''

ذکیہ نے کہا ''اب میری سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ رسول خداؐ نے اس حدیث میں ہمارے بہت بڑے فائدے کی بات فرمائی ہے۔ خدا ہم کو عمل کی توفیق دے۔''

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کا خواب

سید نور الہدیٰ نے دس مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو اپنی بیوی نقیہ اور لڑکی ذکیہ سے رات کا اپنا ایک خواب بیان کیا اور کہا ''میں نے ایک ہولناک آگ آسمان سے برستی دیکھی ہے جس سے آدمی اور جانور جل جل کے مر رہے ہیں۔ میرے ذہن میں اس کی تعبیر یہ آتی ہے کہ ملک میں کوئی خوفناک فساد ہونے والا ہے۔''

ذکیہ نے کہا ''فساد کی تعبیر آپ نے کیوں کی۔ قحط' بیماری وغیرہ بلائیں بھی تو اس خواب سے مراد ہو سکتی ہیں۔''

سید نور الہدیٰ نے فرمایا ''مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ تم نہیں جانتیں۔ میں آج کی تاریخ سے پورے سو برس تک کے حالات جانتا ہوں۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہم کو سو برس آئندہ تک کے واقعات بتا دیئے ہیں۔ میں اپنی شہادت' تمہاری مصیبت اور اے ذکیہ تیری دردناک پریشانیاں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں' مگر اُف نہیں کر سکتا کہ مشیت کا لکھا پورا ہو کر رہے گا۔''

ذکیہ یہ سن کر خوف زدہ ہو گئی' لیکن چونکہ تعلیم یافتہ تھی' مطمئن ہو کر بولی "جب آپ کو سب کچھ دکھا دیا گیا ہے تو ہماری اور اپنی سلامتی کے لیے دعا کیوں نہیں کرتے۔"

سید نور الہدیٰ نے فرمایا "اس واسطے دعا نہیں کر سکتا کہ مجھ کو دکھا دیا اور بتلا دیا گیا ہے کہ ازل کا نوشتہ ان مٹ ہے۔ اعمال کی سزا کا ملنا لازمی ہے۔ اس میں کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں ہے۔ اے ذکیہ! میں امام ہشتم کی اولاد میں ہوں۔ میرا نسب آج تک بالکل درست اور صحیح ہے اور خدا کے فضل سے میرے اعمال بھی برے نہیں ہیں۔ میری شہادت اعمال ذاتی کی سزا نہیں' بلکہ اجدادی کی سنت ہے۔ تُو اور تیری ماں کو بھی یہی خیال رکھنا چاہیے کہ اپنے بزرگوں کی طرح مصیبتوں میں صبر و سکون سے کام لینا۔ گھبرا نہ جانا کہ ہمارا خون ایک دن امت رسول کی بہتری کے کام آنے والا ہے۔"

نامفہوم الفاظ

یہ کہہ کر سید صاحب نے ایک جذب کی سی حالت میں فرمانا شروع کیا "ایک برس میں خون' دوسرے برس میں بربادی' تیسرے سال ٹھوکریں' چوتھے سال زوال' وبال' بھونچال' پھر جھولا۔ کوئی نیچے آئے گا۔ کوئی اوپر جائے گا۔ اس کے بعد ساٹھ برس گذر گئے تو خون' بے امنی۔ دریا زمین کو نگل گیا۔ زمین سورج کو کھا گئی۔ لوہا اور تانبا بولنے لگا اور زبانیں گونگی ہو گئیں۔ دو پیسہ کا مزدور تخت پر اور تخت چھپر کے اندر۔ مٹی کے چراغ میں لعل بدخشاں کی روشنی۔ ذکیہ کے بچے تازیانے کی سرکشی' مسلمان پہاڑ پر اور سب زمین پر۔"

سید صاحب یہ فرماتے فرماتے چپ ہو گئے اور رونے لگے۔ ذکیہ اور نفیسہ دونوں پر ایسی ہیبت چھائی کہ منہ سے کچھ نہ بول سکیں اور چپ چاپ یہ مجذوبانہ باتیں سنتی رہیں۔ یہاں تک کہ سید صاحب اٹھ کر باہر چلے گئے۔

غدر

آخر ۱۸۵۷ء کا مشہور غدر شروع ہو گیا۔ میرٹھ کی فوج باغی ہو کر دہلی میں آئی اور وہ آفت مچائی کہ سب معاملات زیر و زبر ہو گئے۔ ذکیہ اور اس کے والد تیمور خان کی مسجد کے پاس ایک مکان میں جو دہلی کے معمولی مکانوں کا نمونہ تھا رہتے تھے۔ غدر شروع ہوا تو سید نور الہدیٰ نے گھر سے نکلنا ترک کر دیا۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے دوبارہ دہلی پر تسلط حاصل کر لیا۔ باغی بھاگ گئے۔ بہادر شاہ قلعہ چھوڑ کر فرار ہوئے اور گرفتار کیے گئے۔

شہر کی لوٹ اور گرفتاریوں کے زمانہ میں بھی سید صاحب گھر سے نہ نکلے۔ آخر ایک فوجی جمعیت ان کے گھر میں گھسی اور سید صاحب کو گرفتار کر لیا۔ اسباب لٹ گیا۔ فوج کا افسر انگریز تھا۔ اس نے کہا "کیا تم ہی سید نور الہدیٰ ہو؟ اور تم ہی نے افواج کے فلاں فلاں سرداروں کو خط لکھے تھے کہ انگریزوں کا قتل عام لوح محفوظ پر میں نے لکھا دیکھا ہے۔"

سید صاحب نے کہا "ہاں میں وہی نور الہدیٰ ہوں۔" افسر نے تعجب کے لہجے میں کہا "تم اپنے جرم کا اقرار کرتے ہو؟" سید صاحب نے کہا "اپنی تحریر کا مجھ کو اقرار ہے۔ جرم کا اقرار نہیں ہے۔" انگریز بولا "کیا تم اس کو جرم نہیں سمجھتے کہ جاہلوں کو ایک جھوٹی بات لکھ کر قتل عام پر راغب کیا۔" سید صاحب نے اس کا جواب کچھ نہ دیا اور آسمان کو دیکھ کر

چیخنے لگے۔ ان کو ہنستا دیکھ کر انگریز افسر کو غصہ آیا اور اس نے ایک سنگین ان کے ہونٹوں پر ماری جس سے ان کا جبڑا کٹ گیا اور خون داڑھی پر بہنے لگا۔ ذکیہ یہ دیکھ کر چیخی "ہائے میرے ابو۔" سید صاحب نے زخم کھا کر بھی گھبراہٹ ظاہر نہ کی اور پھر آسمان کو دیکھا اور خون اپنے چہرے اور سینہ پر ملنے لگے۔ یہ دیکھ کر افسر نے اشارہ کیا اور ایک سپاہی نے تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ سید صاحب دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے۔

اس کے بعد فوج باہر چلی گئی اور عورتوں سے کچھ تعرض نہ کیا۔ ذکیہ اور نفیسہ نے یہ عالم دیکھ کر پہلے تو بہت نوحہ و بکا کیا۔ اس کے بعد شہید کی میت دفن کرانے کا سامان کرنے لگیں' مگر دہلی میں اس وقت کوئی نہ تھا جو ان کی مدد کو آتا۔ آخر انہوں نے خود ہی لاش کو انہی خون بھرے کپڑوں میں مکان کے صحن کو کھود کر دفن کر دیا۔

گھر کا سب سامان لٹ گیا تھا' لیکن آٹا دال لکڑیاں موجود تھیں۔ انہوں نے چند روز ان سے بسر اوقات کی اور جب یہ ختم ہو گئیں تو کھانے کا فکر ہوا۔

اس وقت شہر میں امن (امن) کا اعلان ہو چکا تھا اور بھاگے ہوئے آدمی آ آ کر آباد ہو رہے تھے۔ ذکیہ نے اپنی والدہ سے صلاح لے کر حاکم دہلی کے نام ایک خط لکھنے کی ٹھہرائی تاکہ اس سے کچھ امداد حاصل ہو۔ نفیسہ نے کہا'' خط تو لکھ لوگی مگر اس کو پہنچائے گا کون۔'' ذکیہ نے کہا'' پڑوس میں جو عامل صاحب رہتے ہیں' سنا ہے وہ غدر میں نہیں بھاگے اور سرکار کے بڑے خیر خواہ ہیں۔ تم ان کے پاس جا کر یہ خط کسی طرح پہنچا دو۔'' نفیسہ نے اس تجویز کو پسند کیا اور خط لے کر عامل کے پاس گئی۔ عامل ایک نوجوان آدمی تھا اور گھر کی حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ عامل بہت خوش حال ہے۔

نفیسہ نے برقع کے اندر سے عامل کو اپنی کیفیت سنائی۔ عامل نے بہت ہمدردی ظاہر کر کے کہا'' حاکم دہلی سے مدد کی امید نہ رکھو۔ سید صاحب کا نام بڑے باغیوں میں درج ہے اور سچ یہ ہے کہ انہوں نے فوج کو بھڑکانے میں بہت زیادہ حصہ لیا تھا۔ اگر تم قبول کرو تو میں خود کچھ حاضر کر دیا کروں گا۔'' نفیسہ نے کہا'' ہم مفت خیرات کسی سے نہیں لے سکتے۔ تمہارا کچھ کام ہو تو اس کے بدلے جو دو گے' لے لیں گے۔'' عامل نے کہا'' ہاں اپنی لڑکی سے کہو کہ وہ میری کتابوں کی ایک فہرست بنا دے اور پراگندہ اوراق کو ایک جگہ کر دے۔ اس کے عوض میں تم کو دونوں وقت پکا پکایا کھانا اور اوپر کا سب خرچ دیا کروں گا۔''

نفیسہ نے گھر آ کر ذکیہ سے یہ حال کہا اور اس نے اس نوکری کو قبول کر لیا۔ عامل نے ایک کمرہ بتا دیا جہاں کتابیں تھیں اور ذکیہ و نفیسہ صبح سے شام تک وہاں کام کرنے لگیں۔

ردی میں ایک خط

ذکیہ کاغذوں کو درست کر رہی تھی کہ اس کو ایک خط ردی کاغذوں میں ملا ہوا دستیاب ہوا' جس کا مضمون یہ تھا:

عامل صاحب کا تعویذ پہنچ گیا۔ ہم ہدایت کے موافق کام کرنے کو تیار ہیں۔ دھونی پنجاب سے آ گئی ہے۔ سید نور الہدیٰ صاحب بزرگ کے بارے میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے' معلوم ہوا۔ ہم عنقریب ان کی زیارت کو آئیں گے اور ان کی کرامات کے مطابق ان کو نذر دیں گے۔ ہم کو اوپری تکلیف بہت ہے۔ کیا آپ اس کے اتار کی کوئی ترکیب بتا سکتے

ہیں۔ پہلے آپ نے کشمیر کے عامل کا پتہ بتایا تھا۔ اب ہم سب کی صلاح کشمیر کی ہو گئی ہے۔

راقم آپ کا معتقد (ن۔ن)

ذکیہ اس خط کو پڑھ کر حیران رہ گئی اور اس نے بہت غور کے بعد سمجھا کہ یہ خط جنرل نکلسن کا ہے' جو حملہ دہلی کے وقت پہاڑی پر تھا۔ تعویذ سے مراد خفیہ اطلاع ہے جو عامل نے بھیجی ہو گی۔ پنجاب کی دھونی سے مطلب فوج (توپخانہ) ہے جو تعویذ کی رعایت سے ایک اصطلاح بنائی گئی ہے۔ اوپری تکلیف کا مطلب پہاڑی کے مورچوں کی تکلیف ہے اور اتار کا مقصد یہ ہے کہ دہلی میں داخل ہونے کی ترکیب بتایئے۔ کشمیر کے عامل سے مراد کشمیری دروازہ ہے جہاں سے فتح دہلی کے وقت حملہ ہوا اور سید نور الہدیٰ کی نذران کا قتل ہے۔ ذکیہ سمجھ گئی کہ ن۔ن سے مراد جنرل نکلسن ہے اور میرے باپ کی مخبری اسی عامل نے کی تھی۔ یہ خیال کر کے ذکیہ کی آنکھوں میں زمین و آسمان تاریک ہو گئے اور اس نے عامل سے اپنے باپ کا بدلہ لینے کی دل میں ٹھان لی۔

چنانچہ دوسرے دن رات کو وہ چھری لے کر عامل کے مکان میں گئی تاکہ سوتے میں اس کا کام تمام کر دے' مگر اس نے جا کر دیکھا کہ عامل خواب گاہ میں نہیں ہے تو وہ مایوس ہو کر گھر واپس آ گئی۔ یہاں آ کر اس نے دیکھا کہ اس کی ماں کی لاش خون میں غلطاں پڑی ہے اور سرہانے ایک خط رکھا ہے۔ جس پر لکھا ہے۔

''ذکیہ تیرے ارادہ کا بدلہ اور اپنے رقیب کا انجام۔ تیری ماں مار ڈالی گئی کہ وہ مجھ کو تجھ تک پہنچنے میں سد راہ تھی۔ آج تو نے میرے مارنے کا ارادہ کیا تو میں نے اس کو قتل کر دیا۔ اب خط پڑھ چک کر تو دہلی سے باہر جانے والی ہے۔''

آخری فقرہ کو پڑھ کر ذکیہ ماں کا صدمہ بھول گئی اور چاہتی تھی کہ غل مچائے اور محلہ والوں کو مدد کے لیے پکارے کہ کسی نے دوڑ کر اس کا منہ بند کر لیا۔

انبالہ

ذکیہ کا منہ بند کیا گیا۔ آنکھیں بند کی گئیں۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں اس کے حواس بھی بند ہو گئے اور اس کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا اور ہوش آیا تو دیکھا کہ وہ ایک اجنبی مکان میں ہے اور عامل سامنے بیٹھا ہے اور کہتا ہے تم انبالہ میں ہو۔ میں انگریزوں کی پناہ میں آ گیا ہوں۔ اب تو تم کو باپ کا بدلہ لینے کی ہوس نہیں ہے؟ ذکیہ نے کہا ''میں سید ہوں۔ شرم کرو اور نامحرم ہو کر سامنے نہ آؤ۔'' عامل نے کہا ''ابھی نکاح ہو جائے گا اور محرم بن جاؤں گا۔'' ذکیہ نے اپنے منہ کو ہاتھوں سے چھپا لیا اور اپنے انجام و بے بسی پر غور کرنے لگی۔

خون

ذکیہ نے چہرہ پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ یکا یک اس کو ایک زبردست آہٹ کی آواز آئی اور کسی نے گالی دے کر عامل کے سر پر کچھ مارا۔ ذکیہ نے منہ کھول دیا اور دیکھا عامل کے نوکر نے لٹھ مار کر عامل کو قتل کر دیا ہے اور ذکیہ سے کہتا ہے ''جلدی بھاگو۔ میں تم کو بچانے آیا ہوں۔'' ذکیہ اس کے ساتھ اٹھ کر بھاگی۔ باہر ایک رتھ کھڑا تھا۔ اس میں سوار ہو کر قافل

نوکر کے ساتھ چلی گئی۔

کرنال

نوکر ذکیہ کو لے کر کرنال آیا' جہاں اس کا گھر تھا اور ذکیہ کو اپنی ماں کے پاس اتار دیا اور بولا "بی بی! تم سیدانی ہو۔ اس ظالم عامل کی نوکری میں میں نے یہ سنا اور اس کے برے ارادوں کو معلوم کر کے مار ڈالنا ثواب جانا۔ اب دعا کرو کہ گرفتار نہ ہوں۔" یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ باہر پولیس نے اس کو آواز دی۔ نوکر نے کہا "لو قضا آ گئی۔ اماں خدا حافظ۔ اس عورت کی خبر رکھنا۔ میں بھاگتا ہوں۔ جی بچا تو کبھی آ جاؤں گا ورنہ آخری سلام ہے۔" یہ کہہ کر دوسرے دروازے سے نکل کر باہر چلا گیا۔ پولیس تین آوازیں دے کر اندر داخل ہو گئی اور جب اس نے دوسرے دروازے کا حال معلوم کیا تو قدموں کے نشانوں پر باہر چلی گئی' مگر ہر چند تلاش کیا' قاتل نوکر کا سراغ پولیس کو نہ چلا۔

آخر سرکار نے نوکر کے گھر کی ضبطی کا حکم صادر کیا اور سارا سامان نیلام ہو گیا۔ نوکر کی ماں گھر سے نکل کر اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں چلی گئی اور ذکیہ کو ساتھ لیتی گئی' مگر اس رشتہ دار نے ان کو اپنے ہاں ٹھہرانے سے انکار کیا اور کہا "تم سرکاری مجرم سے تعلق رکھتی ہو۔ میں تم کو اپنے ہاں نہیں ٹھہرا سکتا۔" نوکر کی ماں نے اپنے سب رشتہ داروں اور بیٹے کے دوستوں کے گھر دیکھ لیے' مگر کسی نے ان کو پناہ نہ دی تو مجبور ہو کر بڑھیا نے ذکیہ سے کہا "اب چلو مسجد میں چلو کہ وہ خدا کا گھر ہے۔ وہاں تو امن ملے گا۔" مگر جب یہ مسجد میں گئی تو ملّا نے کہا "یہاں عورتوں کے لیے جگہ نہیں ہے۔" ذکیہ نے کہا "ہم بیکس ہیں۔ ہم مظلوم ہیں۔ ہم بے وارث ہیں۔ ہمارے سب سہارے ٹوٹ گئے۔ اس واسطے خدا کے دروازے پر آسرا ڈھونڈھنے آئے ہیں۔ ہم کو نہ نکال کہ ہمارا اب کہیں ٹھکانہ نہیں ہے۔ ہم کہاں جائیں کہ کوئی ہم کو اپنے گھر میں نہیں آنے دیتا۔ خدا سے ڈر اور لاوارثوں کو دھکے نہ دے۔"

ملّا نے ہنس کر کہا "یہ نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ سرائے نہیں ہے۔ جس میں تم ٹھہرو۔ خیر اسی میں ہے کہ خود نکل جاؤ ورنہ چٹیا پکڑ کر نکال دوں گا۔" بڑھیا نے رو کر کہا "یہ سیدانی ہے اس کی بے حرمتی نہ کر اور ایسے الفاظ منہ سے نہ نکال۔" ملّا نے کہا "ایسی بہت سی سیدانیاں دیکھی ہیں۔ باتیں نہ بناؤ اور یہاں سے جاؤ۔" یہ کہہ کر ملّا نے دونوں کو دھکے دے دیے جس کے صدمہ سے بیچاری بڑھیا مسجد کے دروازے کے باہر اوندھے منہ گر پڑی۔ اس کے رہے سہے دو دانت بھی ٹوٹ گئے اور تھوڑی دیر کے لیے وہ بیہوش ہو گئی۔ ذکیہ نے بڑھیا کو سہارا دے کر اٹھایا۔ اپنے دوپٹہ سے اس کے منہ کا خون پونچھا اور کہا "اماں! ہوشیار ہو گھبراؤ نہیں۔ خدا ہماری مدد کرے گا۔" بڑھیا نے بڑی ناتواں اور دھیمی آواز میں جواب دیا "ہاں بیٹی! خدا ہی مددگار ہے۔ میرے سینے پر بہت چوٹ لگی ہے۔ میرا سانس رکا جاتا ہے۔ میں بیمار تو مدت سے تھی اس پر بیٹے کی جدائی' گھر کی تباہی اور اس دربدر کی رسوائی کا صدمہ۔ ملّا نے اس زور سے دھکا دیا ہے اور میں ایسی گری ہوں کہ اب زندگی کی امید نہیں معلوم ہوتی۔ میرے دل پر چوٹ لگی" یہ کہتے کہتے بڑھیا کو ابکائی آئی اور اس نے خون کی قے کی جس سے معلوم ہوا کہ اس کے پھیپھڑے پر شدید ضرب آئی ہے۔ خون کی قے کرتے ہی بڑھیا کا ہوش گم ہونے لگا اور ذکیہ بھی گھبرا گئی۔

بڑھیا نے کہا "اے مُلّا! تو نے میری جان ناحق لی۔ میں اس بے وارث سیدانی کو لے کر آئی تھی۔ میں مرتی ہوں۔ اپنے رسولؐ کے پاس جاؤں گی۔ بی بی فاطمہؓ کے قدموں میں سر جھکاؤں گی اور کہوں گی کہ تمہاری ایک بیٹی پر جوان بیٹے کو قربانی چڑھایا اور خود بھی فدا ہو گئی۔ بی بی فاطمہ مجھ کو گلے لگا لیں گی۔ رسول خدا حضرت علیؓ کے ہاتھ سے کوثر کا جام مجھ کو دلوائیں گے۔ آہ دم چلا۔"

اور پھر ہچکی آئی۔ بڑھیا نے پھرتے کی اور جیتا جیتا لال خون اس میں آیا۔ اس نے بڑھیا کا کام تمام کر دیا اور ایک ہچکی لے کر اس نے جان دے دی۔

اس وقت عجیب منظر تھا۔ ذکیہ لاش کو سنبھالے مسجد کے دروازے کے آگے شارع عام پر بیٹھی تھی اور کسی پرسان حال کو آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈھونڈتی تھی۔ مگر اس وقت کوئی راہ گیر بھی نہ آتا تھا جو ان بیکسوں کی بات پوچھتا۔ مُلّا نے مسجد کا دروازہ بند کر لیا تھا۔

آخر ذکیہ نے مایوس ہو کر آسمان کو دیکھا اور کہا "اے خدا! میں تیرے پیارے رسول کا خون ہوں۔ میری سن اور مجھ کو اس امتحان میں نہ ڈال۔"

یکایک ایک فقیر اُدھر سے گذرا اور اس نے جو یہ حالت دیکھی تو محلے والوں کے پاس جا کر خبر دی اور انہوں نے جمع ہو کر ذکیہ کا حال پوچھا۔ ذکیہ نے مُلّا کی شکایت نہ کی اور محلہ والوں سے بڑھیا کی تجہیز و تکفین کا سامان کرنے کو کہا۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں بندوبست ہو گیا اور ذکیہ بھی میت کے ساتھ قبرستان تک گئی۔ دفن سے فارغ ہو کر اس نے دیکھا کہ جو فقیر مسجد کے سامنے ملا تھا اس کی جھونپڑی اسی قبرستان میں ہے۔ فقیر بہت بڑھا آدمی تھا۔ ذکیہ اس کے پاس گئی اور کہا "بابا مجھے بھی تھوڑی سی جگہ اپنے پاس دو۔" فقیر نے کہا "بیٹی تیرا گھر ہے۔ شوق سے رہ۔"

یہ فقیر روزانہ بھیک مانگنے جاتا تھا اور روٹیاں ٹکڑے نقدی وغیرہ جمع کر کے لاتا تھا۔ جس میں خود بھی کھاتا اور ذکیہ کو بھی کھلاتا۔

ذکیہ بھیک مانگتی ہے

چند روز کے بعد فقیر بیمار ہو گیا تو اس نے ذکیہ سے کہا "بیٹی! اب تو شہر میں جا اور بھیک مانگ کر لا۔" ذکیہ نے دل میں خیال کیا۔ "میں سیدانی ہوں اور مجھ کو بھیک جائز نہیں ہے" مگر اس نے سوچا کہ جب بھیک کے ٹکڑے کھا چکی ہوں تو مانگنے میں کیا شرم ہے۔ مجبوری انسان سے سب کچھ کراتی ہے چنانچہ برقعہ پہن جھولی ہاتھ میں لے شہر میں چلی گئی۔ جب وہ ایک محلہ میں گئی تو اس نے یہ صدا لگائی۔

"یہ دنیا باگ چمنی کا پھول ہے۔ جو اس کو چاہے اس کی بڑی بھول ہے۔ دو سانس کی زندگی پر کیوں اتراتا ہے۔ یاد رکھ مرنے کا وقت سامنے چلا آتا ہے۔ غفلت میں کیوں سوتا ہے اور وقت کی دولت کھوتا ہے۔ اٹھ باندھ کمر چل منزل کو اور دیکھ خدا کی محفل کو۔ روٹی کا نوالہ سالن میں ڈوب کر گل جاتا ہے۔ دل بھی طمع میں گر کر شل ہو جاتا ہے۔ آگ کا شعلہ چولہے کے اندر بھی یہی گاتا ہے۔ دیکھو خود پرست انگارا کیوں جاتا ہے۔ رِزْقُكُمْ فِي السَّمَاءِ کی رحمت ہے۔ اسی

رحمت سے سوال ہے۔ بندہ کیا دے گا۔ دینے والا وہ ذوالجلال ہے۔"

ذکیہ کی اس صدا کی دھوم مچ گئی۔ محلہ کے پڑھے لکھے آدمی اس کے آس پاس جمع ہو گئے اور روٹیاں لا لا کر اس کی جھولی میں ڈالنے لگے۔ کسی نے کہا بی بی سامنے والے مکان میں جاؤ۔ وہاں آج محرم کی مجلس ہے۔ مجتہد صاحب وعظ کر چکیں گے تو فقراء کو کھانا تقسیم ہوگا۔ ذکیہ مجلس میں چلی گئی' تو اس نے دیکھا ہزاروں آدمی جمع ہیں اور مجتہد صاحب آل محمدؐ کے فضائل اور ان کی خدمت و محبت کی بڑائیاں بیان کر رہے ہیں۔ آخر میں انہوں نے کہا" کاش کہ ہم لوگ کربلا میں ہوتے اور اپنے جان و مال کو اہل بیت پر نثار کرتے یا بعد کے اماموں کا زمانہ ہی ہم کو ملتا اور ان کی مصیبتوں کے وقت ہماری جانیں قربان ہوتیں۔ ہم آل محمدؐ کے غلام ہیں۔ ہم آل محمدؐ کے فدائی ہیں۔ ہماری ساری زندگی ان کے قدموں کے نیچے بچھی ہوئی ہے۔ آج یہ تمام کر وفر یہ سب دھوم دھام آل رسول کی خاطر ہے۔ آج تمام دنیا میں اس وقت لاکھوں مقام پر آل محمد کی یاد میں مجلسیں ہو رہی ہوں گی۔"

ذکیہ نے مجتہد صاحب کی یہ تقریر سنی تو بلند آواز سے کہا" سنئے سنئے مجھے کچھ کہنا ہے۔" خلقت نے ذکیہ کو روکا اور بگڑ کر کہا کہ" بے ادبی نہ کر اور چپکی رہ۔ قبلہ و کعبہ کے کلام کو پورا ہو جانے دے۔" مجتہد صاحب کے چہرہ پر بھی بل پڑ گیا اور انہوں نے فرمایا" کیسی بے تمیز عورت ہے۔" ذکیہ نے کہا" خفا نہ ہو۔ اب تمہارا بیان ہو چکا۔ اب اس کا بیان سنو جس کی مدد و نصرت کے لیے ٹھنڈے سانس بھر رہے تھے۔ میں امام ہشتم کی نشانی ہوں۔ اگر یہ زمانے کی ستائی ہوئی بھکارن بے گھری' بے دری' ذکیہ بیابانی ہوں۔" ذکیہ کی اس تقریر میں ایسا درد تھا کہ مجمع پر سناٹا چھا گیا اور مجتہد صاحب سمیت سب لوگ حیرت سے اس کی بات سننے لگے۔ ذکیہ نے سب کو مخاطب پا کر یہ تقریر کی۔

"مجتہد صاحب اور جلسہ والوں کو معلوم ہو کہ حسینؑ اور ان کی اولاد اب بھی کربلا کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ حسینی باغ کے پھول آج بھی ستم کی دھوپ میں کملا رہے ہیں۔ اس دنیا کی ہر گلی میں بی بی فاطمہؓ کی اولاد خستہ حال ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے۔ سیدوں پر آج بھی یزیدی مظالم ٹوٹ رہے ہیں۔ تم لوگ کیوں جھوٹی آہیں بھرتے ہو۔ اگر تم کربلا کے وقت موجود ہوتے تو اسی طرح آل محمدؐ سے بے خبر رہتے جیسے آج ہو۔ اگر تم پاک اور معصوم اماموں کا زمانہ پاتے تب بھی آج کی طرح خود غرض نظر آتے اور تم میں کا ایک بھی ان کی مدد نہ کرتا۔

"اے مجتہد صاحب! تم اور تمہاری طرح سب پیشوا لوگ ہمارا نام لے کر روٹی کھاتے ہو عزت پاتے ہو۔ محبان اہل بیت مومنین پر حکومت کرتے ہو' مگر تم میں سے ایک کو بھی بی بی فاطمہؓ کی پریشان حال لونڈی سے ہمدردی نہیں ہے۔ ان مجلسوں کی دھوم دھام سے تمہارا مقصد دنیا کی ناموری ہے۔ آل محمد کی خدمت نہیں ہے۔ یہ مٹھائیاں اور کھانے ہماری الفت میں تقسیم نہیں کیے جاتے۔ ان میں تو تمہاری دولت کی نمود ہے اور دکھاوے کے خیالات ہیں۔ ہمارے نام کی محبت اور ہمارے کام کی فدائیت کے خیال سے مومنین تم کو گھر کی دولتیں بخش دیتے ہیں اور تم ان کو ذاتی عیش و آرام میں اڑاتے ہو۔ عمدہ کپڑے' عمدہ کھانے' عمدہ سواریاں' عمدہ مکان' عمدہ نوکر رکھتے ہو اور آل محمد کی بھوک پیاس میں ایک پیسہ تمہاری جیب سے نہیں نکلتا۔ بتاؤ بتاؤ آج کے دن جو لاکھوں مجلسیں ہو رہی ہیں اور ان میں کروڑوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے' وہ آل محمدؐ زندہ اور موجود بی بی فاطمہؓ کے حصے میں کتنا آتا ہے۔ کتنے سادات کی فاقہ کشی دور کرائی جاتی ہے۔ کتنے اہل بیت کے بچوں کی

تعلیم وتربیت میں خرچ ہوتا ہے۔ کس قدر سیدوں اور محتاج وبیکس سیدانیوں کی خبر گیری کی جاتی ہے۔ چپ کیوں ہو۔ بولو۔ جواب دو۔ کیا بول سکتے ہو؟ کیا جواب دے سکتے ہو؟ کہ تمہارے دل نادم ہیں اور میری کھری بات نے تم کو شرمندہ کر دیا ہے۔

''مجتہد صاحب! توبہ کرو اور دنیا بھر کے مجتہدوں اور ان لوگوں کو پیام دو جو آل محمد کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور محبان آل محمد کی سرداریاں کر رہے ہیں کہ قیامت کے دن رسول خداؐ تم سے ان جھوٹے وعدوں کی نسبت جواب طلب کریں گے۔ امیر المومنین حضرت علیؓ اور سیدہ معلومہ بی بی فاطمہؓ دریافت فرمائیں گے کہ تم نے ہماری اولاد کے ساتھ عملی محبت بھی ظاہر کی؟ یا محض زبانی باتیں بناتے رہے۔''

ذکیہ کی اس تقریر سے سب لوگ ششدر رہ گئے اور کسی کو جرأت بولنے کی نہ ہوئی۔ اس کے بعد ذکیہ چپکے سے نکل کر قبرستان میں چلی گئی۔

کچھ دن کے بعد ذکیہ نے ایک شریف مزاج سید سے نکاح کر لیا۔ وہ سید کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور ذکیہ کے اصرار سے قبرستان ہی میں انہوں نے مکان بنالیا' جہاں ذکیہ ساری عمر رہی۔ ذکیہ جمعہ کے دن قبرستان میں مسلمانوں کے سامنے دنیا کے انجام عبرت پر وعظ کہا کرتی تھی اور ہزاروں آدمی اس کی نصیحت آمیز پُر اثر تقریر سننے آتے تھے اور اس کا نام سب لوگوں میں ذکیہ بیابانی مشہور ہو گیا تھا' جو اب بھی کہیں کہیں اسی نام سے مشہور ہے۔

ذکیہ نے جو کچھ مجتہد صاحب سے کہا' اس سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے۔ ہز ہائنس سر آغا خان صاحب اور بوہروں کے ملا طاہر سیف الدین صاحب اور تمام مجتہدین وعلماء ومشائخ کو جو بی بی فاطمہؓ کا نام لے کر اور مجلسوں کو گرما کرامت کے بزرگ اور مقتدا بن گئے ہیں' مگر آل محمد کی ہمدردی ان کو کچھ نہیں ہے' سوائے اس کے کہ انہوں نے اپنے اپنے فرقہ اور گروہ بنالئے ہیں اور آل محمد کے نام سے بے شمار روپیہ وصول کر کے شاہانہ کر و فر سے اوقات بسر کر رہے ہیں۔ میں ان کو پھر جگاتا ہوں اور جھنجوڑتا ہوں' جس طرح کہ دو سال پہلے اپنی کتاب ''یزید نامہ'' میں نام لے لے کر جگاتا تھا' مگر دو برس میں بھی آج تک کوئی بیدار نہ ہوا۔

دو شہزادے جیل خانے میں

مرزا تیغ جمال کی عمر اب اسی برس کی ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں وہ انیس برس کے گبرو جوان تھے اور ان کو غدر سے پہلے کی باتیں ایسی یاد ہیں جیسے ابھی کل کی گذری ہوئی حالت کو بیان کیا کرتے ہیں۔

تیغ جمال مرزا فخرو ولی عہد دوم کے لڑکے ہیں۔ مرزا دارا بخت بہادر شاہ کے پہلے ولی عہد تھے' لیکن جب ان کا انتقال ہو گیا تو مرزا فخرو ولی عہد قرار پائے۔

مرزا فخرو بہت دین دار اور متقی شہزادے تھے۔ اگر دلی کا تخت باقی رہتا تو یہ ہندوستان کے بہت ہی نیک بادشاہ

مانے جاتے، مگر جوانی کے دیوانہ پن میں بڑے بڑے پارساؤں کا قدم ڈگمگا جاتا ہے۔ میرزا فخرو تو پھر بادشاہ ہند کے بیٹے اور ولی عہد تھے جن کو شباب کی آنکھ مچولیاں کرنے میں کسی کا خوف و لحاظ نہ تھا۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں لال قلعہ خانگی بدچلنی میں اس قدر بدنام تھا جس کی کچھ حد نہیں۔ پھر اگر میرزا فخرو سے کوئی غلطی ہو گئی اور وہ جوش شباب کی مستی کو روک نہ سکے تو کچھ زیادہ گرفت کے قابل نہیں سمجھا جائے گا۔ میرزا تیغ جمال اسی پہلی اور خفیہ مگر نہایت دلچسپ غلطی کا نتیجہ ہے۔ ان کے بعد ان کی والدہ سے پھر کوئی اولاد نہیں ہوئی اور میرزا فخرو کی دوسری اولاد میرزا فرخندہ جمال وغیرہ ان کی نکاحتہ بیوی سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ برٹش گورنمنٹ نے بڑی پنشن کا حقدار میرزا فرخندہ جمال کو قرار دیا' جن کو ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار ملتا ہے اور تیغ جمال کو پانچ روپے پنشن بھی نہ ملی۔

تیغ جمال عجب زندہ دل اور خوش طبع شہزادے ہیں۔ ان کو پنشن نہ ملنے اور شہزادہ مشہور نہ ہونے کا ذرا بھی غم نہیں اور وہ اپنے والدین کے خفیہ تعلقات کو اس لطف سے بیان کرتے ہیں گویا ان کا اس عشق بازی کے نتیجہ سے کچھ ذاتی واسطہ ہی نہیں ہے' حالانکہ وہ اس چھپی ہوئی اور لال قلعہ کی بیگمات میں نہایت مبالغہ آمیز کیفیات کے ساتھ مشہور عشق بازی کا بوتا ہوا حاصل مقصد ہیں۔

تیغ جمال کہتے ہیں "اماں جان کی عمر سولہ برس کی تھی اور ابا جان تیرہ برس سے کچھ مہینے زیادہ کا سن رکھتے تھے' جب یہ عشق بازی شروع ہوئی تھی۔ پوچھا جائے کہ جناب تیرہ برس کا بچہ سولہ برس کی عورت سے کیونکر محبت کر سکتا ہے تو سنجیدہ صورت بنا کر کہہ دیتے ہیں جس طرح اسی برس کا بڈھا سولہ برس کی کم سن عورت سے محبت کا دم بھرا کرتا ہے۔

ہم مغلوں میں بچے بہت جلدی جوان ہو جاتے تھے۔ لڑکیاں تو بعض اوقات دس اور گیارہ سال کی عمر میں نمود شباب کا اعلان کر دیتی تھیں اور لڑکے بھی بارہ تیرہ برس کے سن میں عشق و محبت اور اس کے نتائج پر غور و عمل کرنے لگتے تھے۔ میں خود بارہ برس کا تھا تو آج کل کے اٹھارہ سالہ جوانوں سے زیادہ جذبات اپنے اندر پاتا تھا۔"

تیغ جمال نے کہا "اماں جان ایک کہاری لڑکی تھیں۔ نانی اماں کو محل کی کہاریوں میں سب سے دیدارو کہاری کہا جاتا تھا' جو حضرت اکبر شاہ ثانی کی نظر کردہ تھیں' مگر جو حسن اور جو غمزہ ہائے جان ستان اماں جان رکھتی تھیں' وہ نانی اماں کے خواب و خیال میں بھی نہ گذرے ہوں گے۔

"ہونے کو تو اماں جان بھی محل شاہی کی نوکر تھیں' مگر ان کا قیام اکثر خانم کے بازار میں رہتا تھا۔ جہاں نانی اماں نانا ابا اور ہماری ننھیال کے سب کہار رہتے تھے۔

"ایک دن کا ذکر ہے کہ ابا جان ڈیوڑھی کے داروغہ کے ساتھ اپنی کمان درست کرانے خانم کے بازار چلے گئے۔ وہاں انہوں نے کہیں اماں جان کو دیکھ لیا اور اسی وقت ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ گھر آئے تو اٹوانی کھٹوانی لے کر پڑ گئے اور رونا شروع کیا۔ ہر چند لوگ پوچھتے تھے کہ میاں مزاج کیسا ہے۔ دادی اماں کہتی تھیں۔ بیٹا کسی نے کچھ کہا ہو۔ سنا ہو۔ کوئی بات مرضی کے خلاف ہوئی ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں اس کا تدارک کروں' مگر یہ تو عشق کے ستائے ہوئے تھے۔ ایک بات منہ سے نہ کہتے تھے اور چپ چاپ پڑے روتے تھے۔

"آخر رفتہ رفتہ بھیات کھل گئی اور محل میں اس کے مذاق اور چرچے ہونے لگے۔ بیگمات ابا جان کو چھیڑنے لگیں

اور ہم سن لڑکوں میں بھی اشارہ بازیاں اور آوازہ کشیاں شروع ہو گئیں۔ رفتہ رفتہ نانی اماں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اماں جان کو محل میں بلا لیا اور دادی اماں کی ڈیوڑھی پر حاضری لکھوادی' مگر ابا جان کی حالت یہ تھی کہ باوجود اس سرانجام خاص کے وہ اماں جان سے بات کرتے ہوئے شرماتے تھے۔ اماں جان کبھی اکیلے دُکیلے مل جاتیں تو فس کر ابا جان کا ہاتھ پکڑ لیتیں اور کہتیں صاحب عالم آپ غمگین کیوں رہتے ہیں' تو ابا جان ہاتھ چھڑا کر بھاگ جاتے اور اماں جان کی طرف مخاطب نہ ہوتے۔

''بظاہر تو یہ حالات تھے۔ اندر کی خبر نہیں' کیا ہوا اور میرزا تیغ جمال کیونکر پیدا ہو گئے۔ میرزا تیغ جمال کا بیان ہے کہ ان کی پیدائش کے وقت اماں سترہ برس کی اور ابا چودہ ساڑھے چودہ سال کے تھے۔

''دادی اماں نے بہت چاہا کہ اب اس کہاری کے ہاں میرا پوتا پیدا ہو گیا ہے۔ یہ محل میں بیگمات کی طرح رہے' مگر نانی اماں نے اس کو قبول نہ کیا اور اماں جان پھر وہیں خانم کے بازار میں رہنے لگیں۔ میرزا تیغ جمال جب چھ برس کے ہوئے تب وہ لال قلعہ میں اپنے باپ کے پاس آ کر رہے۔ وہ کہتے ہیں:

''بھائی ہم کہار ہیں ننھیال کی طرف سے اور بادشاہ ہیں ددھیال کے رشتہ سے۔ وہاں بھی انسانوں کا بوجھ اٹھاتے تھے اور یہاں بھی۔ ہماری برابری کون اس دنیا میں کر سکتا ہے کہ ہماری زندگی خدا کے بندوں کے بوجھ اٹھانے اور خدمت خلق کرنے میں بسر ہوتی ہے۔''

غدر کے بیس برس بعد

میرزا تیغ جمال کہتے ہیں ''غدر کے ایام میں اپنی والدہ کے ساتھ دہلی سے بھاگ کر ہم شاہجہاں پور چلے گئے تھے' جہاں ہماری ننھیال کا قدیمی کنبہ رہتا تھا۔ قلعہ کی افراتفری دیکھ کر میں نے شہزادوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور اماں کے پاس چلا گیا' کیونکہ شہزادوں کی زندگی اس زمانہ میں دو کوڑی کے برابر بھی نہ تھی۔ مجھ کو جان کی خیر اسی میں نظر آئی کہ کہاروں میں جا کر رہوں اور کہار کہلاؤں۔''

وہ کہتے ہیں کہ ''اماں جان کے پاس اتنی دولت تھی کہ ہم نے شاہجہاں پور میں جا کر ایک دکان کر لی اور بیس برس بڑے عیش و آرام سے گزرے۔

میں حلوائی کی دکان کرتا تھا۔ ایک دن کسی پٹھان نے مٹھائی کی خرابی بیان کر کے مجھ کو گالی دی۔ میں شاہی خون کا مغل۔ گالی کی برداشت کیوں کر کرتا۔ لوہے کا کھچہ اٹھا کر پٹھان صاحب کے مارا جس سے وہ چکرا کر گر پڑے اور پانچ منٹ کے اندر تڑپ کر مر گئے۔

میں پکڑا گیا اور مدتوں مقدمہ اور حوالات کا جھمیلا برداشت کر کے چودہ برس کی قید کا سزاوار بنا۔''

بریلی کا جیل خانہ

''پہلے دن جب میں جیل خانہ کے اندر داخل ہوا تو مجھے ذرا بھی پریشانی اور غم اپنے قید ہونے کا نہ تھا' کیونکہ

شروع سے ہر وقت خوش اور بے فکر رہنے کی عادت تھی اور غم کبھی میرے پاس نہ آنے پاتا تھا۔ قید کا حکم سننے کے بعد بھی خوش رہا اور جب اماں جان ملنے آئیں اور رونے لگیں تو میں نے ہنس کر کہا "اے بی! تم روتی کیوں ہو۔ دکان میں اتنی مٹھائی چھوڑ کر آیا ہوں جو کئی مہینے تک کھاتی رہو گی۔" اماں جان بولیں "بس تجھ کو ہر وقت مسخرہ پن سوجھتا ہے۔ میرا کون وارث ہے جو چودہ برس تک خبر گیری کرے گا۔ میں نے تو تیرے دم کی بدولت اس پردیس میں بیس برس گذار دیئے۔ ورنہ دلی کی سی اس گاؤں میں بات کہاں۔" میں نے جواب دیا "جب ابا جان کا سارا خاندان تباہ ہو گیا اور بڑی حویلیاں خاک میں مل گئیں اور ہمارے شہزادے بھائی تخت سے تختہ پر آ گئے تو ہم کس گنتی میں ہیں۔ چودہ سال کی بات ہی کیا ہے۔ پلک مارتے گذر جائیں گے اور میں تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ ذرا میری بیوی کا خیال رکھنا۔ اس کا دل تمہاری بدمزاجی سے میلا نہ ہو۔ تم ملکہ کا سا مزاج رکھتی ہو اور وہ بچاری محض ایک کہاری ہے۔ مہربانی کر کے اس پر شاہانہ مزاج ظاہر نہ کرنا۔" اماں جان یہ گفتگو سن کر ہنسنے لگیں اور یہ کہتی ہوئی چلی گئیں "خبر نہیں تو اتنا بے غیرت اور ڈھیٹ کیوں ہے۔ خیر جا خدا کے سپرد کیا۔"

"جس وقت جیل خانے کے کپڑے پہننے کو دیئے گئے تو میں نے مذاق سے کہا "اس جانگیہ کو رہنے دیجئے۔ مجھ کو اپنا پاجامہ اس سے زیادہ پیارا ہے۔" یہ گفتگو برقنداز جیل کو کب گوارا ہو سکتی تھی۔ اس نے دو تین ڈنڈے رسید کیے اور کہا "یہ تمہاری نانی اماں کا گھر نہیں ہے، جو دل لگی کی باتیں کرتے ہو۔" میں نے ڈنڈے کھا کر بھی ہنسی کا جواب دیا کہ "بھائی! نانی اماں کا گھر خانم بازار میں تھا اور وہ محلہ کے ساتھ کھود کر برابر کر دیا گیا۔ دادی اماں کا گھر لال قلعہ میں تھا۔ اس میں اب گورے رہتے ہیں۔ میں تو اس کو سسرال کا گھر سمجھ کر آیا تھا۔ وہاں جوتیاں تو مارا کرتے ہیں۔ ڈنڈے مارتے کبھی نہیں سنے۔ تم میرے سالے ہو یا سسرے۔"

"برقنداز آگ بگولا ہو گیا اور اس نے دو تین آدمیوں کی امداد سے مجھ کو اتنا مارا کہ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آیا تو ایک کوٹھڑی کے اندر لیٹا تھا اور برقنداز سامنے کھڑا تھا۔ میں نے کہا "جناب مارنے کا شگون ہو چکا۔ اب اپنی بہن کو یہاں لایئے جو مجھ کو کھانا دے اور ہلدی چونہ چوٹ پر لگائے۔" برقنداز کو بے اختیار ہنسی آ گئی اور اس نے کہا "تم آدمی ہو یا پتھر۔ کسی بات کا تم پر اثر نہیں ہوتا۔ میاں یہ جیل خانہ ہے۔ یہاں یہ خوش مذاقیاں قائم نہیں رہ سکتیں۔ تم کو چودہ برس گذارنے ہیں۔ سیدھے ہو کر رہو گے تو خیر ہے ورنہ پٹتے پٹتے چودہ دن کے اندر مر جاؤ گے۔"

"میں نے کہا "مرنے کے بعد بھی آدمی کو قبر کے جیل خانہ میں جانا پڑتا ہے، مگر مجھ کو مردہ پر بڑا غصہ آتا ہے کہ وہ کیوں چپ چاپ کفن اوڑھ کر قبر میں چلا جاتا ہے۔ میں تو مرنے کے بعد بھی خاموش نہ رہوں گا اور جو شخص میرے پاس رہے گا اس کو بھی ایسا بنا دوں گا کہ اگر وہ مرے تو چپکا نہ رہے بلکہ ہنستا ہوا قبر میں جائے۔ اگر تم کو شک ہو تو ابھی مر کر دیکھ لو یا کہو تو میں مار ڈالوں۔"

"برقنداز نے سمجھا یہ کوئی پاگل ہے اور ہنستا ہوا باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھ کو چکی خانہ میں لے گئے جہاں ایک چکی پر دو آدمی کھڑے ہو کر آٹا پیستے ہیں۔ میری چکی کا شریک ایک بڈھا آدمی تھا اور شاید نیا نیا قید ہو کر آیا تھا۔ اس واسطے زار و قطار رو رہا تھا۔ میں نے پہلے تو جھک کر ایک فرشی سلام اس کو کیا اور اس کے بعد بولا "نانا ابا! آپ روتے کیوں ہیں۔ فدوی ایک دوغلی قسم کا آدمی ہے۔ آدھا تیموری شہزادہ اور آدھا کہار اور جب آپ کے ہمراہ چکی کا کام کرے گا تو

تیسری شاخ میرے اندر اور لگ جائے گی اور وہ یہ کہ پاؤ بسور یہ۔"

"بڑے میاں نے میری بات پر ذرا توجہ نہ کی۔ ان کو اپنی حالت کا اتنا سخت صدمہ تھا کہ آخر مجھ پر بھی اس کا اثر پڑا اور میں نے کہا۔ "آپ بیٹھ جایئے۔ میں اکیلا چکی چلالوں گا اور آپ کے حصے کا بھی پیس ڈالوں گا۔" ان حضرت نے اس کا بھی جواب نہ دیا اور کھڑے روتے رہے' لیکن جب برقنداز نے ان کی سفید کتری ہوئی ڈاڑھی پکڑ کر ایک طمانچہ مارا اور کہا "بس رو چکا۔ کام کر" تو بچارے نے آسمان کو دیکھا اور بے اختیار چکی چلانے لگے۔ ان کی اس حالت کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ اپنی ساری شوخیاں بھول گیا اور ان کے ساتھ چپ چاپ چکی چلانے لگا۔

"کئی روز یہی نوبت رہی۔ میں ہر چند ان سے بات کرتا تھا' مگر وہ جواب نہ دیتے تھے اور روتے رہتے تھے۔ آٹھ دن کے بعد انہوں نے اپنی سرگذشت سنائی۔"

شاہ عالم کے پڑوتے کی داستان

میں میرزا جہانگیر کا بیٹا ہوں جو اکبر ثانی بادشاہ دہلی کے بیٹے شاہ عالم بادشاہ کے پوتے اور بہادر شاہ کے بھائی تھے۔

جب میرے والد میرزا جہانگیر نے سٹین صاحب انگریز کے گولی ماری تو اس قصور کے عوض قید ہو کر الہ آباد بھیجے گئے۔ الہ آباد میں انہوں نے ایک عقد کر لیا تھا۔ میری والدہ نظر بندی کے افسر پہرہ دار کی لڑکی تھیں۔ نکاح ہونے کے بعد سے لے کر میرے پیدا ہونے تک والد نے میرے نانا اور والدہ کو اتنی دولت دی کہ سات پیڑھی کو کفایت کرتی۔ میری دادی اپنے بیٹے کو دلی سے برابر جواہرات اور اشرفیاں بھیجا کرتی تھیں اور ان کے پاس دولت کی کچھ کمی نہ تھی۔

میں نے والد کے انتقال کے بعد نانا کے پاس پرورش پائی اور ایسے ناز و نعمت سے پلا کہ شاید دنیا میں کوئی بچہ میری طرح آرام سے نہ ہو گا۔ ہوشیار ہوا تو ہر قسم کی تعلیم مجھ کو دلائی گئی۔ عربی فارسی کی تکمیل کے بعد میں نے کپڑے کی دکان کر لی۔

دن بھر دکان داری' رات کو خدا کی مہربانی سے تھوڑی عبادت و بیداری میں عمر بسر ہوتی تھی۔ چار بچے خدا نے دیئے۔ بوڑھی والدہ اب تک زندہ ہیں۔

ایک روز ایک تھانہ دار صاحب کچھ کپڑا خریدنے آئے۔ میں نے عادت کے موافق ایک بات قیمت کی کہہ دی۔ انہوں نے حجت شروع کی تو میں نے کہا "جناب! میری دکان پر جھوٹ نہیں بولا جاتا۔" اس پر وہ بدزبان بگڑ کر بولا "بڑا ایمان دار تجھ جیسے ٹھگ میں نے بہت جیل خانہ میں بھجوا دیئے ہیں۔" میں نے کہا "تھانہ دار صاحب زبان سنبھال کر بولیے۔ شریفوں کی گفتگو ایسی نہیں ہوا کرتی۔" اس پر اس کو اتنا غصہ آیا کہ فوراً ایک تھپڑ میرے کلہ پر مارا۔ مجھ میں بھی مغلئی خون تھا۔ جواب میں دو تھپڑ میں نے بھی مار دیئے۔ سپاہیوں نے مجھ کو پکڑ لیا اور تھانہ لے گئے۔ وہاں تھانہ دار نے مجھ کو حوالات میں بند کرا کے میرے گھر کی تلاشی کرائی اور چوری کا کپڑا برآمد کرا کے مقدمہ قائم کر دیا۔ ہر چند میں نے اپنی بے گناہی ظاہر کی اور حکام سے اصلی واقعات کہے' مگر کسی نے نہ سنا اور چھ ماہ قید سخت کا حکم دے دیا۔

میری بیوی اور ضعیف والدہ نے گھر کا سارا اثاثہ فروخت کر کے مقدمہ میں خرچ کر دیا اور وہ بچاریاں مفلس ہو گئیں۔ لیکن نتیجہ خاک نہ نکلا اور یہاں جیل خانہ میں آنے کی نوبت آ گئی۔

سب سے زیادہ مجھے والدہ کا صدمہ ہے جو مجھ سے حوالات میں ملنے آئی تھیں اور میری یہ حالت دیکھ کر آہ کا نعرہ مار کر گر پڑیں اور روح پرواز کر گئی۔ اس وقت میرا بڑا لڑکا جس کی عمر بارہ سال کی ہے' ان کے ہمراہ تھا۔ وہ گھبرا گیا اور مجھ سے کہنے لگا۔ "ابا! دادی جان مر گئیں۔" میں چاہتا تھا کہ اماں جان کو جھک کر دیکھوں' مگر ظالم داروغہ کے سپاہی مار کر مجھ کو جیل خانہ میں لے آئے اور والدہ کی لاش وہیں پڑی رہ گئی۔ چلتے وقت میں نے اپنے لڑکے کو یہ کہتے سنا۔

"ابا جان! ہم کہاں جائیں۔ اب یہ سپاہی ہم کو بھی ماریں گے۔ دادی جان کو کیونکر گھر لے جائیں۔ تم ذرا ٹھہرو ابا جی ابا جی۔"

"میں اس غم میں رات دن گھلا جاتا ہوں۔ خبر نہیں بیوی بچوں پر کیا گذرتی ہو گی اور ظالم تھانہ دار نے اس پر کیسی کیسی زیادتیاں کی ہوں گی۔

"میرزا تیغ جمال نے یہ سن کر ایک قہقہہ لگایا اور کہا یہ دنیا بھی عجب مقام ہے۔ میری تمہاری ایک سی حالت ہے اور ایک ہی نسل کا تم میں مجھ میں خون ہے' مگر تم غم کے تحت الثریٰ میں پڑے ہو اور میں خوشی کے آسمان میں زندگی بسر کرتا ہوں۔

"واہ واہ۔ ایک صورت کا آدمی۔ ایک کھانا' ایک پہننا' ایک طرح سونا' ایک طرح جاگنا مگر کسی کو عادت تڑپنے تڑپانے کو دی۔ کسی کو تڑسانے تڑپانے والا بنایا۔ کوئی ہر وقت مغموم و رنجیدہ رہتا ہے۔ کوئی صبح سے شام' اور شام سے صبح تک سوائے ہنسنے ہنسانے کے کسی غم کے پاس نہیں پھٹکتا۔

"بھائی صاحب قید تم بھی کاٹو گے اور میں بھی کاٹوں گا۔ تم کو یہ زندگی دوبھر اور اجیرن معلوم ہو گی اور میں اس کو ذرا بھی خاطر میں نہ لاؤں گا' اور مرتے دم تک یوں ہی ہشاش بشاش رہوں گا۔"

☆ ☆ ☆

سبز پوش عورت کی لڑائی

دلی کے وہ بڈھے جو غدر ۱۸۵۷ء میں جوان تھے' عام طور سے روایت بیان کرتے ہیں کہ جس زمانہ میں انگریزی فوج نے پہاڑی پر مورچے بنائے تھے اور کشمیری دروازہ کے رخ سے دلی شہر پر گولہ باری کی جاتی تھی' ایک بڑھیا مسلمان عورت سبز لباس پہنے ہوئے شہر کے بازاروں میں آتی اور بلند و گرجدار آواز سے کہتی تھی:

"آؤ چلو خدا نے تم کو بہشت میں بلایا ہے"

شہر کی خلقت یہ صدا سن کر جوق در جوق اس کے آس پاس جمع ہو جاتی تھی اور وہ ان سب کو لے کر کشمیری

دروازے پر دھاوا کرتی اور شہر والوں کو صبح سے شام تک خوب لڑاتی تھی۔

بعض لوگ چشم دید قصہ کہتے ہیں کہ اس عورت میں غضب کی دلیری تھی۔ اس کو موت کا کچھ بھی خوف نہ تھا۔ وہ گولوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں بہادر سپاہیوں کی طرح آگے بڑھی چلی جاتی تھی۔

کبھی اس کو پیدل دیکھا جاتا تھا اور کبھی گھوڑے پر سوار۔ اس کے پاس تلوار' بندوق اور ایک جھنڈا ہوتا تھا۔ بندوق بہت عمدگی سے چلاتی تھی اور جو لوگ اس کے ہمراہ پہاڑی سے مورچہ تک گئے ہیں' ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ وہ تلوار چلانے کے فن سے بھی اچھی واقفیت رکھتی تھی اور بارہا دیکھا گیا کہ اس نے سامنے والی فوج سے دست بدست تیغ زنی کی۔

اس عورت کی جرأت وہمت کو دیکھ کر شہر کے عوام میں بڑا جوش پیدا ہو جاتا تھا اور وہ بڑھ بڑھ کے حملے کرتے تھے' مگر لڑائی سے ناواقف ہونے کے سبب عموماً ان کو بھاگنا پڑتا تھا اور جب وہ بھاگتے تو یہ عورت ان کو بہت روکتی اور آخر مجبور ہو کر خود بھی واپس چلی آتی' مگر واپس آنے کے بعد پھر کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ کہاں چلی جاتی ہے اور پھر کہاں سے آتی ہے۔

آخر اسی طرح ایک دن ایسا ہوا کہ وہ جوش میں بھری ہوئی حملہ کرتی' بندوق مارتی' تلوار چلاتی مورچہ تک پہنچ گئی اور وہاں زخمی ہو کر گھوڑے سے گری۔ انگریزی فوج نے اس کو گرفتار کر لیا۔ پھر کسی کو معلوم نہ ہوا کہ وہ کہاں گئی اور اس کا کیا حشر ہوا۔

غدر کے ایک انگریز افسر کی شہادت

صوبہ دلی کی گورنمنٹ نے انگریزی کے چند خطوط چھاپے ہیں جو ایام محاصرۂ دلی میں انگریزی فوج کے افسروں نے لکھے تھے۔ ان خطوط میں ایک خط لفٹنٹ ڈبلیو۔ ایس۔ آر۔ ہڈسن صاحب کا ہے جو انہوں نے دلی کیمپ سے ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو مسٹر جے تھکسن فارسائتھ ڈپٹی کمشنر انبالہ کے نام بھیجا تھا۔ اس خط میں اس مسلمان بڑھیا کی کیفیت پر روشنی پڑتی ہے۔ خط کا اردو مفہوم یہ ہے:

"مائی ڈیئر فارسائتھ۔ میں تمہارے پاس ایک بڑھیا مسلمان عورت کو روانہ کرتا ہوں۔ یہ عجیب قسم کی عورت ہے۔ اس کا کام یہ تھا کہ سبز لباس پہن کر شہر کے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرتی تھی اور خود ہتھیار باندھ کر ان کی کمان کرتی ہوئی ہمارے مورچہ پر حملہ کرتی تھی۔

جن سپاہیوں سے اس کا سابقہ پڑا ہے' وہ کہتے ہیں کہ اس نے بارہا دلیرانہ اور مردانہ حملے کیے اور مستعدی سے ہتھیار چلائے اور اس میں پانچ مردوں کے برابر طاقت ہے۔

جس روز یہ گرفتار ہوئی' اس دن یہ گھوڑے پر سوار تھی اور شہر کے باغیوں کو فوجی ترتیب سے لڑا رہی تھی۔ اس کے پاس بندوق تھی جس سے اس نے بہت سے نشانے مارے اور سپاہی کہتے ہیں کہ تلوار اور بندوق کے وار سے خود اس نے ہمارے بہت سے آدمی قتل کر ڈالے۔ مگر جیسا کہ امید تھی اس کے ساتھی بھاگ گئے اور یہ زخمی ہو کر گرفتار ہوئی۔

جنرل صاحب کے سامنے پیش ہوئی تو انہوں نے عورت سمجھ کر اس کے رہا کر دینے کا حکم دیا' مگر میں نے ان کو روکا اور کہا کہ اگر یہ رہا ہو گئی تو شہر میں جا کر اپنی باطنی اور غیبی طاقت کا دعویٰ کرے گی اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو اس کی رہائی کسی مخفی اثر کا نتیجہ معلوم ہو گی اور ممکن ہے کہ اس سے یہ عورت فرانس کی اس مشہور عورت کی طرح ہمارے واسطے باعث تکلیف ہو جائے جس کا ذکر انقلاب فرانس کی تاریخ میں مذکور ہے۔[1]

جنرل صاحب نے میرے مشورہ کو قبول کیا اور اس عورت کو قید کرنے کی تجویز قرار پائی۔ لہٰذا آپ کی خدمت میں اس کو روانہ کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ آپ اس کی حراست کا معقول بندوبست کریں گے کیونکہ یہ ڈائن بہت ہی اندیشناک عورت ہے۔ ہڈسن۔"

سبز پوش عورت کی حقیقت

دہلی کی عام روایتوں اور اس سرکاری افسر کے خط کی تصدیق کے بعد میں نے بہت کوشش کی کہ اس سبز پوش عورت کی حقیقت معلوم ہو جائے مگر قابل اطمینان بیان ایک بھی میسر نہ آیا۔ جو لوگ اس عورت سے واقف ہیں وہ اسی قدر بیان کر سکتے ہیں کہ ہم نے اس کو جوش دلانے اور عوام کو جمع کر کے لڑانے کو لے جاتے دیکھا۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے کہ وہ کون تھی اور کہاں سے آئی تھی۔

البتہ ایک قصہ ایسا سنا ہے جو اس واقعہ سے تھوڑا بہت متعلق معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی عورت ہو جس کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

ریاست ٹونک کے ایک صاحب نے بیان کیا کہ ان کے والد' حضرت حاجی لال محمد صاحب چشتی نظامی کے مرید تھے۔ حاجی صاحب حضرت مولانا فخر الدین چشتی نظامی دہلوی کے خلیفہ تھے اور ان کا مزار درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مشرقی دروازے میں داخل ہوتے ہی سنگ مرمر کے ایک کٹہرہ میں نظر آتا ہے۔

ٹونک کے راوی کا بیان ہے کہ میرے والد حاجی صاحب کے ہاتھ پر بمقام اجمیر شریف مرید ہوئے تھے اور جس وقت انہوں نے بیعت کی تو ایک مجذوب نما عورت حاجی صاحب کی خدمت میں بیٹھی تھی اور کہہ رہی تھی' میرے لیے شہید ہونے کی دعا مانگو۔ اس کی درخواست کے الفاظ تو بالکل ہوش و حواس میں ادا ہوتے تھے' مگر اس کی حرکتیں دیوانوں کی سی تھیں۔

حاجی صاحب نے دیر تک کچھ جواب نہ دیا اور آخر جوش میں آ کر فرمایا:

"نفس پر جہاد کر کہ اس سے بڑھ کر کوئی جنگ نہیں ہے۔"

۱۔ انقلاب فرانس کے ایام میں ایک عورت اسی طرح دشمنوں سے لڑتی تھی اور ہزاروں آدمی اس کو غیبی اور آسمانی قوت کا ظہور سمجھ کر اس کے ساتھ ہو گئے تھے جس سے بڑا سخت کشت و خون ہوا تھا اور عوام اس کو نا قابل ہلاکت تصور کرنے لگے تھے۔ آخر فرانس کی حریف فوج نے اس کو زندہ جلا دیا تھا' تب یہ فتنہ دبا تھا۔ اس عورت کا نام جون آف آرک تھا۔ اسی عورت کی طرف خط میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (حسن نظامی)

عورت نے کہا "تو کیا نفس مجھ کو قتل کرے گا۔ جب شہادت پاؤں گی میں تو نفس کو قتل کروں گی اور نفس کے غلاموں کی شہادت لوں گی۔"

اس پر حاجی صاحب نے تبسم فرمایا اور کچھ دیر تک سکوت کر کے ارشاد کیا:

"مہندی کے پتے سبز ہیں مگر باطن سرخ رکھتے ہیں۔ جا سبز ہو اور سرخ بن۔"

یہ استعارہ ہم سب لوگوں کی سمجھ میں نہ آیا' مگر وہ عورت قدموں پر گر پڑی اور ان کو بوسہ دے کر کہیں چلی گئی۔ اس کے چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے حضرت حاجی صاحب کا مطلب سمجھ لیا اور جو چاہتی تھی وہ اس کو مل گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد میں نے اس عورت کو درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ میں دیکھا کہ سبز لباس پہنے ہوئے حضرت مولانا فخر صاحبؒ کے مزار پر مراقب بیٹھی ہے۔ جب وہ فارغ ہوئی تو میں نے اس سے پوچھا کہ "تم وہی عورت ہو جس کو میں نے اجمیر شریف میں دیکھا تھا" تو اس نے کہا "ہاں بھائی! میں وہی ہوں۔ اور تمہاری پیر بہن ہوں۔"

میں نے کہا "آہاہا۔ تم بھی حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہو۔" بولی "ہاں میں انہی کی لونڈی ہوں۔" میں نے پوچھا "تمہارا مکان کہاں ہے اور یہ درویشی کب سے لی" تو اس نے اپنا قصہ اس طرح بیان کیا۔

میرے دادا احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں سردار تھے۔ جب مرہٹوں سے پانی پت پر لڑائی ہوئی ہے تو وہ اس میں موجود تھے اور اسی میں شہید ہوئے۔ میرے والد بھی احمد شاہ کی فوج میں تھے' مگر ان کی عمر اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ اپنی بیوہ والدہ کے ہمراہ کچھ دن لاہور میں رہے اور اس کے بعد ریاست بہاول پور چلے گئے' جہاں معمولی نوکری سے گذر اوقات کی اور وہیں ان کی شادی ہوئی۔ میرے دو بھائی ہوئے تھے مگر زندہ نہ رہے۔ ان کے بعد میں پیدا ہوئی اور ابتدائی عمر بہاول پور میں گذری۔ اس کے بعد والدین کے ہمراہ ریاست جے پور میں آ گئی' جہاں میرے والد نے نوکری کر لی تھی۔ یہیں ان کا انتقال ہو گیا اور میں نے راجہ صاحب کے ایک مسلمان چوبدار سے شادی کر لی۔

ہند الولی کا حکم

میرا شوہر بیمار تھا اور زندگی کی کچھ امید نہ رہی تھی۔ میں اس کے سرہانے بیٹھی دعائیں مانگ رہی تھی کہ بے اختیار میری زبان پر ہند الولی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا نام آیا کہ الٰہی ان کے صدقہ سے میرے خاوند کو تندرست کر دے۔ دعا کرتے کرتے میں سو گئی تو خواب میں دیکھا' چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے اور خلقت بجھانے کو اس پر پانی ڈالتی ہے تو وہ پانی بھی آگ کا شعلہ بن کر برتنوں سے نکلتا ہے۔ میں اس منظر کو دیکھ کر گھبرا گئی تو سامنے ایک بزرگ کو کھڑا دیکھا جو فرماتے ہیں "اری او عورت! اپنا سر قربان کر۔ جب یہ آگ فرو ہو گی۔" میں نے عرض کیا "کیونکر سر کو قربان کروں۔" ان بزرگ نے فرمایا "کیا تو شہید ہونا نہیں جانتی۔" یہ کہہ کر انہوں نے ایک سبز چادر مجھ کو دی کہ اس کو اوڑھ لے۔ میں نے جونہی اس کو اوڑھا' ہوا میں اڑ گئی۔ جوں جوں اوپر اڑتی تھی چاروں طرف سے آوازیں آتی تھیں کہ یہ شہید ہے یہ شہید ہے۔ یہ سنتے ہی آنکھ کھل گئی۔

دیکھا تو شوہر سکرات میں تھا اور اسی میں اس کی رحلت ہو گئی۔ خاوند کے مرنے سے مجھ کو بہت صدمہ ہوا اور میں

کچھ دیوانی سی ہو گئی اور اجمیر شریف جا کر رہنے لگی۔ وہیں حضرت حاجی صاحب کی زیارت نصیب ہوئی اور میں نے ان سے بیعت کی۔ اب میں اکیلی تھی' کیونکہ والدین پہلے مر چکے تھے۔

اس دن سے میرے دل میں بھی یہی سمائی ہے کہ ہندالولی خواجہ اجمیریؒ نے مجھ کو شہید ہونے کا حکم دیا ہے اور خواب میں انہی کی زیارت مجھ کو میسر آئی تھی۔

اب میں دہلی کی زیارتیں کرنے آئی ہوں اور زیادہ حصہ دادا پیر (یعنی حضرت مولانا فخر صاحبؒ) کے مزار پر رہتی ہوں۔

پرسوں دادا پیر صاحب خود خواب میں آئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا تو سبز پوش شہید ہے۔

ٹونک والے صاحب کا بیان ہے کہ اس عورت کی یہ عجیب باتیں سن کر میں واپس چلا آیا اور اس کے کچھ دن بعد دہلی میں غدر ہو گیا۔

اس حکایت سے خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ سبز پوش عورت جس کا ذکر غدر دہلی کے قصہ میں آیا ہے' یہی ہو اور اسی نے اپنے دماغی جنون کے سبب یہ حرکت کی ہو۔

قدرت کے اسرار

اگر واقعی غدر میں انگریزی فوج سے لڑنے والی اور عوام کو لڑائی پر آمادہ کرنے والی یہی عورت تھی' تو تاریخ میں یہ ایک عجیب واقعہ سمجھا جائے گا۔

مگر میرا خیال ہے کہ ٹونک والے صاحب نے جس عورت کا قصہ بیان کیا' وہ اس عورت سے جو غدر دہلی میں نمودار ہوئی' زیادہ مناسبت نہیں رکھتا۔

کیونکہ حاجی لال صاحب کی مریدہ وہ عورت گو سپاہی کی پوتی اور بیٹی تھی' مگر ایسے واقعات موجود نہیں ہیں جن سے یہ ثابت ہو کہ اس نے بندوق اور تلوار چلانا کہاں سیکھا۔ نہ ایسی وجوہات معلوم ہوئیں جو سبز پوش عورت کو گھوڑے پر سوار ہونے اور لڑائی کی قواعد جاننے کی شہادت دے سکیں۔ ایک ایسی عورت جس کی بیان شدہ زندگی میں کہیں بھی فوجی مصروفیت کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ یکا یک ایک ایسی قواعد دان اور گھوڑے سوار ہتھیار چلانے والی کیونکر بن گئی۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ غدر کی لڑاکا عورت کوئی اور ہو گی۔ جس کو حاجی لال صاحب کی مریدہ سے کچھ تعلق نہیں معلوم ہوتا۔

البتہ ایک خفیف شبہ اس کا ہوتا ہے کہ حاجی لال صاحب کی مریدہ بوجہ موروثی سپاہی ہونے اور شہادت کے خیال میں محو رہنے کے سبب ممکن ہے غدر کے ہنگامہ سے متاثر ہوئی ہو اور باغی افواج میں شریک ہو کر اس نے گھوڑے کی سواری اور ہتھیار چلانا سیکھ لیا ہو اور فوجوں کے فرار کے بعد جوش شہادت میں از خود رفتہ ہو کر دہلی کے عام شہریوں کو لڑائی پر آمادہ کیا ہو۔

یا ممکن ہے کہ غدر کے بانی لوگوں نے ایک نیم عقل اور شہادت کی شوقین عورت کو شکار کھیلنے کی ٹٹی بنا لیا ہو اور انہی کی سعی سے اس نے لڑائی کے ہنر سیکھے ہوں۔

بہر حال یہ عورت کوئی بھی ہو، مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا واقعہ قدرت کے اسرار میں شمار ہونے کے قابل ہے اور غدر کی تاریخ لکھنے والوں نے اگر اس عجیب قصہ کو نہیں لکھا تو ایک دلچسپ حصہ چھوڑ دینے کا جرم ان سے سرزد ہوا۔

ایشیا اور ہندوستان میں مذہبی عقائد اور بعض اوقات محض خیالی توہمات ایسے ایسے شاندار کام کر جاتے ہیں، جن کے سامنے عقل و تدبیر حیران رہ جاتی ہے۔

اگر غدر کی سبز پوش عورت سے بلوہ فساد کے علاوہ کسی جائز فوجی کام میں مدد لی جاتی یا اس کو تاریخ میں کوئی اور کام کرنے کا موقع ملتا تو اس کا نام بھی چاند بی بی اور رضیہ بیگم اور نور جہاں کی طرح مشہور ہو جاتا۔

مجھ کو مسٹر ہڈسن کی اس تحریر سے اتفاق ہے کہ اگر جنرل صاحب اس سبز پوش عورت کو رہا کر دیتے اور مسٹر ہڈسن کا کہنا نہ مانتے تو یقیناً وہ عورت انگریزی فوج کو کسی دوسری صورت سے عرصہ دراز تک پریشان کرتی اور کچھ مشکل نہ تھا اگر وہ ہندوستان میں بجھے ہوئے جوش انقلاب کو پھر ایک نئی صورت سے زندہ کر دیتی۔ پھر اس دوسرے تلاطم کا مقابلہ انگریزوں کو آسان نہ ہوتا اور معلوم نہیں حالات کیا سے کیا ہو جاتے۔

میرے شبہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صوفیائے کرام کے متوسل لوگ خلاف شریعت فتنہ و فساد میں حصہ لینا جائز نہیں سمجھتے۔ اگر یہ سبز پوش عورت واقعی حاجی لال صاحب کی مرید تھی تو اس نے غدر جیسے خلاف شریعت محاربہ میں کیونکر شرکت کرلی۔ ممکن ہے اس کو اسی طرح بہکا لیا گیا ہو جیسے کہ اور بہت سے پابند شریعت مسلمان بہک گئے تھے اور انہوں نے غدر کو جہاد سمجھ لیا تھا۔

میں چاہتا ہوں کہ اور کسی ہندوستانی کی نظر سے کسی انگریزی یا دیسی تاریخ میں اس سبز پوش عورت کا قصہ گذرا ہو اور میرے بیان سے زائد حالات معلوم ہوئے ہوں تو وہ مجھ کو مطلع فرمائیں۔ تاکہ میں تاریخ غدر دہلی میں ان کو درج کر دوں۔

سبز پوش عورت کے باغیانہ فعل سے کسی ہندوستانی کو ہمدردی نہ ہوگی۔ تاہم ہر ہندوستانی اس کی دلیری اور جرأت اور مردانہ فوجی کمان کے واقعہ کو فخر سے یاد رکھنا پسند کرے گا اور چاہے گا کہ اس عورت کے اور حالات بھی معلوم ہوں تاکہ ہندوستان کا فخر ایک جائز حد کے اندر ہمیشہ برقرار رہے۔

آخر میں مجھ کو محاصرہ دہلی کے کمانڈر کی تعریف کرنی ضروری ہے جس نے برٹش شرافت کا اظہار کیا اور اس بہادر عورت کو قتل کی سزا سے بچا لیا۔ حالانکہ اس نے بہت زیادہ نقصان جان انگریزی افواج کا کیا تھا۔ کیا انبالہ کے کوئی صاحب اس واقعہ پر روشنی ڈالیں گے۔

☆ ☆ ☆

غمگین شہزادی

شہزادی کا موجودہ گھر

اس گھر کی کچی دیواریں تھیں، جن کا ایک حصہ اسی برسات میں گر گیا ہے اور خراب ہو گیا ہے۔ دروازہ پر ٹاٹ کا

ایک پھٹا ہوا پردہ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے آواز دی تو نوکرانی بڑھیا باہر آئی اور شہزادی صاحبہ نے مجھے اندر بلا لیا۔

اس مکان کا صحن بہت چھوٹا ہے۔ دو چار پائیاں مشکل سے آتی ہوں گی۔ دالان بھی اتنا مختصر ہے کہ دو چار پائیوں کی بھی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔ دالان کے شمال میں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی بھی ہے۔

جب میں اندر گیا شہزادی صاحبہ بوریے پر بیٹھی تھیں۔ دالان میں ایک طرف چار پائی پڑی ہوئی تھی اور اس کے سامنے ایک بوریہ بچھا ہوا تھا' جس پر بیٹھی ہوئی شہزادی صاحبہ ہن گئی میں اپنا پان کوٹ رہی تھیں۔ بوریہ بہت پرانا تھا اور جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا۔ پیوندلگی ہوئی ایک سفید چادر بھی چار پائی پر بچھی ہوئی تھی۔ تکیہ چھوٹا تھا اور ذرا میلا تھا۔ شہزادی صاحبہ کے سامنے مٹی کی ایک بدھنی رکھی تھی' جس میں مٹی بھری ہوئی تھی۔ شہزادی صاحبہ اس سے اگال دان کا کام لیتی ہیں۔ ان کی دائیں طرف پٹاری رکھی تھی جو اگر چہ بدقطعی تھی' لیکن اس پر پان کے دھبے نہیں تھے۔ دالان کی کڑیاں بہت بوسیدہ تھیں۔ گلہریوں اور چوہوں نے تختوں کو خراب کر رکھا تھا۔

شہزادی صاحبہ کا حلیہ

شہزادی صاحبہ کا سر بالکل سفید ہے۔ پلکیں اور بھویں بھی سفید ہو گئی ہیں۔ جوانی میں ان کا قد لمبا ہوگا' اس واسطے اب بہت جھک گئی ہیں۔ ان کا لباس ستھرا تھا' لیکن ہر کپڑے میں کئی کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ ان کی آواز بہت صاف اور مضبوط ہے اور ان کی بول چال نہایت میٹھی اور مؤثر اور خالص اردو میں ہوتی ہے۔ وہ نہایت تمکنت اور وقار کے ساتھ بات کرتی ہیں۔ ان کے چہرے پر جھریاں بہت زیادہ ہیں اور جسم بھی بہت کمزور ہے۔

بات چیت

جب میں ان کے سامنے گیا تو ''آداب عرض ہے'' کہا۔ بولیں ''جیتے رہو۔ میاں جب سے آنکھیں خراب ہوئی ہیں' درگاہ شریف میں حاضر نہیں ہو سکتی۔ تم کو بھی دیکھا نہیں' لیکن مدت سے نام سنتی ہوں۔ اب بڑی بی نے نام لیا کہ خواجہ صاحب آئے ہیں اور ملنا چاہتے ہیں تو میں بہت خوش ہوئی کہ جن کا نام سنتی تھی وہ خود میرے گھر میں آ گئے۔ ان سے ہمارے بزرگوں کو بڑی عقیدت تھی اور میں بھی ہمیشہ سترہویں کے عرس میں جایا کرتی تھی۔ اب آنکھیں جاتی رہیں۔ ہاتھ پاؤں سے معذور ہو گئی۔''

''بتایئے کیونکر آنا ہوا۔'' میں نے کہا'' آنے کی غرض ابھی ظاہر کروں گا' مگر پہلے یہ بتایئے کہ آپ کو اس مکان میں کچھ تکلیف تو نہیں ہوتی۔ یہ تو بہت ہی چھوٹا مکان ہے اور چھت میں جگہ جگہ سوراخ ہیں۔ مٹی جھڑتی ہوگی۔'' بولیں ''ارے میاں' اب بھلا فکر کیا۔ جب تقدیر نے قلعے اور محل چھڑوا دیئے تو اب جو کچھ بھی میسر آ جائے غنیمت ہے۔ ڈیڑھ روپیہ مہینہ کرایہ کا مکان اس سے اچھا اور کیا ہوگا۔ چھت سے مٹی جھڑتی ہے اور کوئی رات ایسی نہیں آتی کہ دو چار دفعہ پلنگ کی چادر صاف نہ کرنی پڑے۔ ایک وقت تھا کہ لال قلعہ کے اندر اپنے محل میں سوتی تھی۔ چھت میں کسی چڑیا نے گھونسلا بنا لیا تھا۔ اس کے کچھ تنکے میرے بچھونے پر گر پڑے تو رات بھر نیند نہ آئی یا ایک یہ وقت ہے کہ رات بھر مٹی جھڑتی ہے اور اس

تکلیف کو سہنا پڑتا ہے۔"

میں نے پوچھا "سرکار سے کچھ پنشن ملتی ہے۔" بولیں "جی ہاں دس روپے مہینہ مدت سے مل رہا ہے۔" میں نے کہا "کچھ اور آمدنی بھی ہے۔" بولیں "جی ہاں ایک مکان ہے جس کا کرایہ سات روپے مہینہ آتا ہے۔ میں پہلے اسی میں رہتی تھی مگر جب سے آنکھیں گئیں تو دس روپے میں گذارہ نہ ہو سکا اس واسطے مکان کرائے پر دے دیا اور میں خود کم کرایہ کے مکان میں آ گئی۔ اب ہم دو آدمی ہیں۔ ایک یہ بڑی بی ہیں۔ ایک میں ہوں۔ مکان کا کرایہ اور کھانے کپڑے میں ہم دونوں کا گذارہ سترہ روپے میں پان چھالیہ کا بھی خرچ ہے۔ نذر نیاز کا بھی خرچ ہے۔"

میں نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے حالات مجھے بتائیں تاکہ میں ان کو کتاب میں لکھوں کیونکہ میں نے آپ کے خاندان کے بہت سے مردوں اور عورتوں کے حالات شائع کیے ہیں۔"

یہ بات سنتے ہی شہزادی صاحبہ نے پان کا کونا چھوڑ کر میری طرف رخ کیا اور کہا "نا میاں مجھ کو یہ منظور نہیں کہ میرا نام گھر گھر گلی گلی کوچہ کوچہ چھپتا پھرے۔"

میں نے کہا "آپ کا نام شائع نہیں کروں گا۔ صرف حالات شائع کروں گا۔" جواب دیا "وہ حالات ہی کیا ہیں۔ فقط دو باتیں ہیں "ہم بادشاہ تھے اور اب ہم فقیر ہو گئے۔" اس سے زیادہ پوچھو تو یہ جواب ہے کہ "اب ہم مر بھی جائیں گے۔"

سرگذشت

میں نے کہا "تو اپنے حالات بتا دیجئے۔ میں نام اور پتہ شائع نہیں کروں گا۔" شہزادی صاحبہ کو اس قدر رقت آ گیا تھا کہ وہ بہت دیر چپکی بیٹھی رہیں اور پٹاری اپنے قریب سرکا کر میرے لیے ایک پان کا ٹکڑا بنایا اور ٹھنڈا سانس لے کر بولیں۔ "میاں غدر میں میری عمر دس گیارہ سال کی تھی۔ ہم قلعہ کے اندر رہتے تھے۔ بادشاہ سلامت ہمارے خاندان سے کچھ ناراض تھے، لیکن ہماری تنخواہ مہینہ کے مہینہ مل جاتی تھی۔ میرے تین بھائی تھے اور بہن فقط ایک میں تھی۔ والد نے آخر عمر میں ایک شادی کر لی تھی حالانکہ میری اماں بھی زندہ تھیں اور اس بڑھاپے کی شادی کی وجہ سے میری اماں اور سوکن میں بھی لڑائی جھگڑا رہتا تھا اور ہم تینوں بہن بھائی بھی سوتیلی ماں سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے مگر مجھ سے پہلی ماں کو بہت محبت تھی اور میں اپنی سگی اماں اور سوتیلی اماں کی لاڈلی بیٹی کہلاتی تھی۔

"ہمارے گھر میں کئی عورتیں اور کئی مرد خدمتگاری پر نوکر تھے۔ غدر سے چھ مہینے پہلے میری سوتیلی اماں کو ہیضہ ہوا۔ وہ مر گئیں اور میرے دو بھائی بھی اسی زمانے میں ہیضے سے مر گئے اور جب غدر ہوا تو ہم صرف دو بہن بھائی اور ایک ابا حضرت اور ایک اماں حضرت موجود تھے۔

"بادشاہ سلامت قلعہ سے نکل کر ہمایوں کے مقبرہ میں چلے گئے اور بھی سب قلعہ کے رہنے والے باہر نکل گئے اور قلعہ خالی ہو گیا مگر ہمارا مکان قلعہ کی عمارتوں سے ذرا الگ تھا اور بہت مضبوط تھا اس لیے ابا حضرت راضی نہیں ہوئے اور انہوں نے کہا باہر جائیں گے تو وہاں بھی مریں گے اور باہر کا مرنا بڑی بے غیرتی کا مرنا ہوگا۔ اس واسطے یہیں گھر میں رہو۔

جو خدا کو منظور ہوگا اسی گھر میں ہو جائے گا۔

"بادشاہ سلامت کے جانے کے بعد دو دن تک ہمارے گھر میں کوئی نہیں آیا۔ باہر کے نوکر اور گھر کی مامائیں سب بھاگ گئے تھے۔ ہم نے گھر کے دروازے بند کر لیے تھے۔ ڈیوڑھی میں تین چار دروازے تھے اور موٹی موٹی کنڈیاں بھاری بھاری کواڑان میں لگے ہوئے تھے۔ تیسرے دن مکان کے باہر گھوڑوں کی ٹاپوں اور بہت سے آدمیوں کے بولنے کی آوازیں آئیں اور کسی نے دروازے توڑنے شروع کیے۔ میرے بھائی کی عمر سولہ برس کی تھی۔ ابا حضرت اور اماں حضرت نے فوراً وضو کیا اور بھائی سے کہا میاں اٹھو تم بھی وضو کر و مرنے کا وقت آ گیا۔ یہ بات سن کر میرا دل دہل گیا اور میں اماں حضرت کو جا کر لپٹ گئی۔ وہ رونے لگیں اور مجھ کو پیار کیا اور کہا گھبراؤ نہیں اللہ مددگار ہے۔ شاید وہ کوئی صورت جان بچانے کی نکال دے۔ اس کے بعد ان سب نے وضو کیا اور فوراً ہم سب نے مصلے بچھا کر اور سجدے میں سر جھکا کر اللہ میاں سے دعائیں مانگنی شروع کیں۔

دروازے توڑنے کی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔ ہم سب سجدے ہی میں تھے کہ دس بارہ گورے اور دس بارہ سکھ بندوقیں لیے ہوئے جن پر سنگینیں چڑھی ہوئی تھیں گھر کے اندر آ گئے۔ ابا حضرت اور بھائی سجدے سے فوراً اٹھ کھڑے ہو گئے۔ اماں حضرت نے مجھ کو گود میں لے کر چادر سے منہ چھپا لیا۔ ایک سکھ نے ابا حضرت سے پوچھا تم کون ہو اور یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ ابا حضرت نے جواب دیا "یہ میرا گھر ہے اور میں اسی میں رہتا ہوں۔ شاہ عالم بادشاہ کی اولاد میں ہوں۔" اس سکھ نے انگریز افسر کو یہ بات سمجھائی۔ انگریز افسر نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں کچھ کہا جس کو میں نہیں سمجھی تو پھر اس سکھ نے ابا حضرت کو سمجھایا کہ صاحب کہتے ہیں بادشاہ بھاگ گئے اور سب لوگ بھاگ گئے۔ تم کیوں نہیں بھاگے۔ ابا حضرت نے کہا "بادشاہ ہم سے کچھ ناراض تھے اس واسطے نہ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے گئے نہ ہم ان کے ساتھ گئے اور ہم نے سپاہیوں کے بلوے میں بھی کچھ حصہ نہیں لیا اور ہمیں یقین تھا کہ انگریز سرکار بے گناہ آدمیوں کو نہیں ستاتی۔ ہم بے گناہ تھے اس واسطے ہم نہیں بھاگے۔" انگریز افسر نے کہا "تم کو پہاڑی پر چلنا ہوگا۔ ہم تحقیقات کریں گے۔ اگر تم بے گناہ معلوم ہوئے تو تم کو جان کی امان ملے گی۔"

ابا حضرت نے کہا "میرے ساتھ میری بیوی ہے اور ایک چھوٹی بچی ہے اور یہاں کوئی سواری نہیں ہے اور ان عورتوں کو پیدل چلنے کی عادت نہیں ہے۔" انگریز افسر نے جواب دیا "اس لڑائی کے وقت ہم تمہارے لئے سواری کا انتظام نہیں کر سکتے۔ اگر تم یہاں ٹھہرے رہو گے تو ڈر ہے کہ دوسرے سپاہی یہاں آئیں گے اور بے خبری میں تم کو مار ڈالیں گے۔ اس واسطے تم کو جلدی یہاں سے روانہ ہونا چاہیے۔ ہم دو سپاہی تمہارے ساتھ کریں گے۔ اگر راستے میں کوئی سواری مل جائے گی تو تمہاری عورت اور تمہاری لڑکی اس میں بیٹھ جائیں گی۔ نہیں تو ان سب کو پیدل چلنا ہوگا۔"

مجبوراً ابا حضرت تیار ہوئے اور انہوں نے کچھ قیمتی زیورات اور جواہرات اپنے ساتھ لے کر باقی سارا سامان گھر میں چھوڑ دیا اور فوج والوں کے ساتھ گھر سے باہر نکلے۔ اماں حضرت ہمیشہ بیمار رہتی تھیں اور بہت کمزور تھیں۔ مجھ کو بھائی نے گود میں اٹھا لیا اور ابا حضرت نے اماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہم نے اپنے بھرے پُرے گھر کو حسرت کے ساتھ ایک نظر اٹھا کر دیکھا کہ پھر ہم کبھی یہاں نہیں آئیں گے اور ایسا ہی ہوا کہ ہم پھر کبھی وہاں نہیں گئے۔

جب ہم گھر سے نکلے تو وہ انگریز اور سکھ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور دو سکھ سواروں کو ہمارے ساتھ پہاڑی کی طرف بھیج دیا اور وہ خود کسی اور طرف گھوڑے دوڑا کر چلے گئے۔

قلعہ کے دروازے تک تو وہ سکھ سوار آہستہ آہستہ چلتے رہے اور انہوں نے ابا حضرت اور اماں حضرت سے کچھ نہ کہا' کیونکہ اماں حضرت سے چلا نہ جاتا تھا اور وہ ہر دس قدم کے بعد بیٹھ جاتی تھیں اور رعشہ سے ان کا بدن کانپ رہا تھا۔ جب اماں حضرت بیٹھ جاتیں تو وہ سکھ سوار بھی ٹھہر جاتے' لیکن جب ہم قلعہ کے دروازہ کے باہر پہنچ گئے تو ان سواروں نے سخت کلامی شروع کی اور کہا اس طرح تو شام ہو جائے گی تم جلدی جلدی کیوں نہیں چلتے۔ والد نے نرمی سے جواب دیا کہ بھائی تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ساتھ ایک بیمار اور کمزور عورت ہے' جو ساری عمر بھی پیدل نہیں چلی۔ ہم شرارت اور سرکشی سے ایسا نہیں کرتے۔ عورت اور بچے کی وجہ سے مجبور ہیں۔ سوار یہ سن کر خاموش ہو گئے' مگر میرے بھائی کے منہ سے بے اختیار یہ بات نکل کر تم ہمارے ملک کے ہو۔ تم کو رحم نہیں آتا۔ اس پر ایک سکھ نے کہا کہ ہم کیا کریں۔ حاکم کا حکم ہے۔ بھائی نے کہا حاکم نے یہ نہیں کہا کہ ہم پر ایسی سختی کرنا۔ سکھ سوار نے جواب دیا ہم نے کونسی سختی کی' لیکن اب سختی کرنی پڑے گی۔ تم لوگ جان کر چلنے میں دیر لگاتے ہو۔ یہ کہہ کر ایک سوار ہمارے پیچھے آ گیا اور ایک آگے ہو گیا۔ اماں حضرت گھوڑے کو اپنے پیچھے دیکھ کر گھبرا گئیں۔ ان کو اختلاج کا مرض تھا اور یکایک اختلاج کا دورہ شروع ہو گیا اور وہ نڈھال ہو کر گر پڑیں اور ان کے منہ سے بے اختیار ہائے ہائے نکلنی شروع ہوئی۔ سکھ سوار یہ حالت چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا اور کچھ دیر کے بعد اس نے ابا حضرت سے کہا میں پیدل چلتا ہوں تم اس بیمار عورت کو لے کر گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ آخر ابا حضرت نے اماں حضرت کو گود میں اٹھا لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چلے اور وہ بے چارہ سکھ سوار پہاڑی تک پیدل گیا اور میں بھائی کی گود میں پہاڑی پر پہنچی۔

پہاڑی پر انگریزوں کی فوج چاروں طرف ٹھہری ہوئی تھی۔ ہم کو بھی ایک طرف خیمہ میں ٹھہرا دیا گیا اور ان سکھ سواروں نے فوجی لانگری سے روٹی لا کر دی اور وہ رات ہم نے اسی خیمہ میں گذاری۔

دوسرے دن صبح فوج کے جرنیل نے ہم سب کو اپنے سامنے بلایا۔ دلی کا کوئی مخبر اس انگریز کے پاس کھڑا تھا۔ اس سے پوچھا کہ تم ان کو جانتے ہو۔ اس مخبر نے کہا ہاں میں جانتا ہوں یہ بادشاہ کے خاندان سے ہیں اور جب لال قلعہ کے اندر انگریز مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کیا گیا تو اس شخص نے ان کے قتل کرانے میں بڑا حصہ لیا تھا۔ یہ سن کر جرنیل نے ابا حضرت کی طرف بہت غصہ کی نظر سے دیکھا۔ ابا حضرت نے جواب دیا کہ یہ شخص جھوٹ کہتا ہے۔ یہ پہلے میرے ہاں نوکر تھا اور چوری کے الزام میں میں نے اس کو ایک دفعہ بہت پٹوایا تھا اور نوکری سے موقوف کر دیا تھا۔ اس واسطے دشمنی سے یہ ایسا کہتا ہے۔ آپ اس سے اتنا پوچھیے کہ بہادر شاہ بادشاہ کتنے سال سے مجھ سے ناراض تھے اور میرا سلام کتنے عرصے سے بند تھا۔ مخبر نے جواب دیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں ان کے ہاں نوکر تھا' مگر یہ غلط ہے کہ مجھے چوری کے الزام میں انہوں نے پٹوایا تھا۔ میں نے خود ان کی نوکری چھوڑ دی تھی' کیونکہ یہ تنخواہ کم دیتے تھے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ بادشاہ ان سے ناراض تھے لیکن جب غدر ہوا تو انہوں نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے ان کے پاس آنا جانا شروع کیا اور جس دن انگریز قتل کیے گئے تو یہ اور ان کا لڑکا دونوں بہت کوشش کر رہے تھے اور ان لوگوں سے حجت بازی کرتے تھے جو

انگریز بچوں اور عورتوں کے خلاف رائے دے رہے تھے کہ یہ بات اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ اس وقت ان دونوں نے یہ کہا کہ سانپ کو مارنا اور اس کے بچوں کو چھوڑ دینا عقل مندوں کا کام نہیں ہے اور محض انہی دونوں کے کہنے سے ان بچوں اور عورتوں کو قتل کیا گیا۔

یہ سن کر جرنیل غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور اس نے پھر ابا حضرت کی کوئی بات نہ سنی' حالانکہ وہ برابر کہتے رہے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے' مگر جرنیل کی آنکھیں لال ہو گئی تھیں۔ اس نے کوئی بات نہ سنی اور حکم دیا کہ ابھی ان دونوں کو گولی سے اڑا دو اور پھر یہ کہا کہ اگرچہ ان دونوں نے ہماری عورتوں اور بچوں کو قتل کرایا' مگر ہم ان پر رحم کرتے ہیں اور اس کی عورت اور بچے کو چھوڑ دیتے ہیں اور ان دونوں کو چھاؤنی سے نکال دو۔ یہ جہاں چاہیں چلی جائیں۔

قتل کا وقت

سپاہی گورے اور دیسی آگے بڑھے اور انہوں نے بھائی اور ابا حضرت کے ہاتھ پکڑ کر کمر کے پیچھے باندھے۔ ابا حضرت مجھ کو دیکھ کر رونے لگے' مگر بھائی چپکے کھڑے رہے۔ اماں حضرت نے ایک چیخ ماری اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ میں دوڑی کہ ابا حضرت کو چمٹ جاؤں' مگر ایک سپاہی نے مجھ کو زور سے دھکا دیا اور میں اماں حضرت کے اوپر گر پڑی اور میں نے دیکھا کہ ابا حضرت اور بھائی کو سپاہی کھینچتے ہوئے دور لے گئے اور ان کے سامنے پانچ چھ سپاہی بندوقیں لے کر کھڑے ہوئے اور ان کے پاس جرنیل بھی کھڑا ہو گیا اور اس نے کچھ زور زور سے باتیں کیں جن کو میں سمجھ نہیں سکی۔ اس کے بعد سپاہیوں کو اشارہ کیا اور سپاہیوں نے بندوقیں اپنی چھاتی پر رکھیں اور بندوقوں کا منہ ابا حضرت اور بھائی کی طرف کیا۔ اس وقت ابا حضرت کی آواز آئی اور انہوں نے میرا نام پکارا اور کہا ''لو بیٹی! اللہ بیلی' ہم دنیا سے جاتے ہیں'' اور بھائی کی آواز آئی ''اماں' اماں' مجھ سے تمہاری تنہائی دیکھی نہیں جاتی۔ سلام میں مرتا ہوں۔''

بندوقوں کی آواز آئی اور بہت سا دھواں نکلا۔ میں نے دیکھا بھائی اور ابا جان خاک میں لوٹ رہے ہیں۔ میں رو رہی تھی اور میرا دل ڈر کے مارے بیٹھا جاتا تھا۔ اماں کو ذرا ہوش آیا اور میں نے ان سے کہا ''بھائی کو اور ابا کو مار ڈالا۔ دیکھو وہ خاک میں تڑپ رہے ہیں۔ اے ہے اماں جان کے سینے سے خون ابل رہا ہے۔ اب میرے بھائی اور ابا مجھ سے بچھڑ گئے۔ اب وہ مجھ سے کبھی نہیں ملیں گے۔ ابا نے تو مجھے پکارا بھی تھا اور بھائی نے تم کو پکارا تھا۔ اچھی اماں اب کیا ہو گا۔ کیا یہ ہم کو بھی مار ڈالیں گے۔ کیا یہ ہم کو قیدی بنا لیں گے۔'' اماں دونوں ہاتھوں کو ٹیک کر سہارے سے اٹھیں اور انہوں نے بھائی کی اور ابا حضرت کی لاشوں کو غور سے دیکھا۔ ان کا تڑپنا بند ہو گیا تھا اور بیتاب ہو کر کہا ''میرا بیٹا! میرا لال! میری سولہ برس کی محنت!!! میری زندگی کا آخری سہارا!! میرا دولہا مجھ سے چھن گیا۔ میں مٹ گئی۔ میرا اس دنیا میں کچھ نہیں رہا۔ میں دنیا میں آئی تھی۔ یا اللہ یہ خواب ہے یا سچ مچ مجھ پر مصیبت آئی ہے۔ میرا سرتاج ہی خاک میں مل گیا۔ وہ بھی جوان بیٹے کے پاس خون میں نہایا ہوا پڑا ہے۔ اے مخبر! خدا تجھ کو غارت کرے تو نے بالکل جھوٹ بولا۔ یہ دونوں تو غدر کی شروعات سے آخر تک گھر سے بھی نہیں نکلے۔ ارے تو نے کس دن کا بدلہ لیا۔ مجھ بیمار دکھیا پر بھی تجھ کو رحم نہ آیا۔ تو نے اس معصوم بچی کا بھی خیال نہ کیا اور ہمارے وارثوں کو بے خطا اور بے قصور خون میں ڈبو دیا۔''

اماں یہ کہہ رہی تھیں کہ دیسی فوج کے سپاہی آئے اور مجھ کو اور اماں کو ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور کھینچتے ہوئے لے چلے۔ ہم دونوں لاشوں کے پاس سے گذرے۔ گولیاں سینوں پر اور چہروں پر لگی ہوئی تھیں۔ خون نے سب کچھ چھپا دیا تھا اور لاشیں چپ چاپ پڑی تھیں۔ سپاہی ہم کو کشاں کشاں لیے جا رہے تھے۔ نہ اماں چل سکتی تھیں۔ نہ میں چل سکتی تھی مگر وہ بکریوں کی طرح ہم کو کھینچے لیے جا رہے تھے۔ پہاڑی کے پتھروں سے ہمارے پاؤں لہولہان ہو گئے تھے اور میں نہیں کہہ سکتی کہ دنیا میں جیسی تکلیف اس وقت ہمیں تھی ایسی تکلیف اور بھی کسی کو پیش آ سکتی ہے۔

فوجی چھاؤنی سے باہر لا کر سپاہیوں نے ہم کو چھوڑ دیا۔ اماں بالکل بے ہوش پڑی تھیں اور میں ان کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں ایک گھسیارہ گھاس کی گٹھڑی لیے ہوئے وہاں سے گذرا اور میرے پاس آیا اور اس نے گٹھڑی سر سے اتار کر اماں کو دیکھا اور کہا یہ عورت تو مر گئی۔

وہ ہندو تھا۔ مجھ کو وہاں چھوڑ کر چھاؤنی میں گیا اور وہاں سے دو تین مسلمان گھسیاروں کو لایا اور ان سب نے کہا یہ عورت مر گئی۔ انہوں نے میرے اور میری اماں کے ہاتھوں سے اور گلے سے زیور اتار لیا اور کہا کہ جب ان کے مرد مارے گئے تو ان کے پاس سے بہت سے جواہرات نکلے اور وہ سب سرکاری خزانہ میں گئے مگر یہ ہمارا حق ہے۔ اس کے بعد انہوں نے گڑھا کھود کر اماں کو دبا دیا اور دو آدمی مجھ کو اٹھا کر اجمیری دروازے کی طرف لائے اور یہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ میں اکیلی بیٹھی رو رہی تھی کہ خانم کے بازار کے مسلمان سنار اپنی عورتوں کو لیے ہوئے وہاں آئے جو قطب صاحب جا رہے تھے۔ وہ مجھ کو بھی اپنے ساتھ قطب صاحب لے گئے۔

اور جب شہر میں امن چین ہو گیا اور وہ مسلمان سنار بھی دلی میں واپس آئے تو مجھ کو میرے رشتے کے چند شہزادوں کے حوالے کر دیا اور میں انہیں کے پاس رہ کر بڑی ہوئی اور انہیں میں میری شادی ہوئی اور شادی کے بعد ہی میری پنشن ہو گئی۔ خدا نے مجھے کئی بچے دیئے مگر کوئی زندہ نہ رہا۔ یہاں تک کہ شوہر کا بھی انتقال ہو گیا اور اب چار سال سے آنکھیں بھی جاتی رہیں۔

سن لیا میاں۔ مجھ دکھیا غمزدہ کی یہ کہانی ہے۔ میرے رونگٹے رونگٹے سے ہائے کی آوازیں آتی ہیں۔ میں نے اس دنیا میں بس دس برس کی عمر تک عیش دیکھا اور ستر برس مصیبتیں اٹھائیں۔ اب قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں۔ آج مری کل دوسرا دن۔ یہ بڑی بی بے چاری مل گئی ہیں۔ بازار سے ضرورت کی چیزیں خرید لاتی ہیں اور رات دن پاس بیٹھی رہتی ہیں اور ہم دونوں آخری عمر کے یہ غمگین دن مل جل کر جس طرح ہوتا ہے گذار رہے ہیں۔

☆ ☆ ☆

نرگس نظر کی مصیبت

شہزادی نرگس نظر میرزا شاہ رخ ابن بہادر شاہ کی بیٹی تھیں۔ غدر ۱۸۵۷ء میں ان کی عمر سترہ سال کی تھی۔

موجودہ لال قلعہ دہلی میں دیوان خاص اور موتی مسجد کے غرب میں اور گورا بارگ کے شرق میں ایک غمگین

تالاب ہے' جس کے وسط میں ایک خوبصورت محل بنا ہوا ہے اور اس کے شمال سے نہر آتی ہے۔ سنگ مرمر کی جھلملیاں اور چراغدان بنے ہوئے ہیں۔ ان پر سے نہر کا پانی گذرتا ہوا اس تالاب میں آتا تھا۔ میرزا شاہ رخ بہادر اسی جل محل میں رہتے تھے۔ ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا' اس لیے میرزا صاحب کو اپنی بیٹی نرگس نظر سے بہت ہی محبت تھی۔

جل محل کو کشمیری شالوں اور رومی قالینوں اور بنارسی کپڑوں سے خوب ہی آراستہ کیا گیا تھا۔ نرگس نظر کی طبیعت میں نفاست ونزاکت وسلیقہ مندی بہت زیادہ تھی۔ ان کا محل سارے قلعہ میں سب حویلیوں اور محلات سے زیادہ خوبصورت اور آراستہ سمجھا جاتا تھا۔

نرگس نظر کا نظام اوقات یہ تھا کہ وہ صبح سورج نکلنے کے بعد بیدار ہوتی تھیں۔ گرمی کے موسم میں ان کا چھپر کھٹ صحن میں بچھایا جاتا تھا' جہاں سنگ مرمر کا فرش تھا۔ چھپر کھٹ کے پائے اور ڈنڈے سونے کے تھے۔ اندر ریشمی تکیے رکھے رہتے تھے۔ چار نازک نرم نرم تکیے سرہانے ہوتے تھے اور سرہانے کے تکیوں کے پاس دو چھوٹے چھوٹے گول گول اور تکیے ہوتے تھے جن کو گال (گل) تکیہ کہا جاتا تھا۔ یہ تکیے رخسار کی ٹیک کے لیے تھے کہ اگر شہزادی کا سر تکیوں سے نیچے آ جائے تو گل تکیے ان کے رخسار کو تکلیف سے بچالیں۔ دو تکیے ذرا بڑے بڑے دونوں پہلوؤں میں ہوتے تھے کہ ان سے شہزادی صاحبہ اپنے گھٹنے کو سہارا دے سکیں۔ رات کو جب نرگس نظر مسہری کے اندر جاتی تھیں تو مولسری اور جوئی اور چپا کے پھول ان کے گل تکیوں کے پاس رکھے جاتے تھے کہ رات کو ان کی خوشبو شہزادی کو مسرور کرتی رہے۔ جوں ہی نرگس نظر مسہری میں گئیں' چار ناچنے والی چھوکریاں آجاتی تھیں اور ہلکے سروں میں گاتی تھیں' جب شہزادی کو نیند آتی تھی۔ صبح کو بھی سورج نکلنے سے پہلے یہ ناچنے گانے والی لڑکیاں مسہری کے قریب آکر گاتی تھیں اور ان کی سریلی آوازوں کو سن کر شہزادی صاحبہ بیدار ہوتی تھیں۔

شہزادی بیدار ہونے کے بعد مسہری کے اندر بیٹھ جاتیں اور دیر تک جمائیاں لیتیں۔ انگڑائیاں لیتیں اور گانے والی لڑکیاں ان سے ہنسی کی باتیں کرتیں۔

ایک کہتی' اے حضور جمائی آتی ہے رومال حاضر کروں منہ کو ڈھک لیجیے۔

دوسری کہتی' سرکار کی انگڑائی دیکھنے کو تالاب کی مچھلیاں بیتاب ہو ہو کر پانی کے چہرے پر چلی آرہی ہیں۔ نرگس نظر آنکھیں مل کر اور مسکرا کر کہتیں' چل دور موئی' مردار کیسی جھوٹی باتیں بناتی ہے' تو چھوکری کہتی۔ میں جھوٹ کہتی ہوں یا یچ آئینے سے پوچھ لیجیے۔ وہ بھی سامنے آپ کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے اندر بھی تو بال بکھر رہے ہیں۔ وہ بھی تو مہندی لگی لال لال انگلیاں اونچی کر کے سرکار کی انگڑائی کی تعریف کر رہا ہے۔ وہاں بھی تو ایک مستی کا عالم نظر آرہا ہے۔

تیسری کہتی' آفتاب کی کرنیں لال لال بادلوں سے ایسی نکلیں جیسے سرکار کی لال لال ہونٹوں سے سفید سفید دانت' اور یہ رخسار تو صبح صادق کا نور ہیں۔ بال بکھر کر جو چہرے پر آئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے چودھویں رات کے چاند پر کالے بادل چھائے ہوئے چلے آتے ہیں' مگر چاندنی سے مات ہو کر ان کا کلیجہ شق ہو گیا ہے اور چاند کے چاروں طرف اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو بکھیر دیا ہے۔

نرگس نظر یہ سن کر مسکراتی ہوئی مسہری کے باہر آتیں۔ طشت چوکی پر جاتیں' پھر باہر آکر کلی اور بیسن سے منہ

ہاتھ دھوتیں۔ پھر جوڑا بدلا جاتا۔ ناشتہ کیا جاتا۔ اس کے بعد گھر کی آرائش کو خود جا کر دیکھتیں اور نئی نئی ایجادیں چیزوں کے سنوارنے میں ہوتیں۔ دوپہر کا کھانا کھا کر گانا ہوتا۔ شام کو چمن میں گلگشت کا معمول پورا کیا جاتا۔ رات کے کھانے میں بڑی بہار ہوتی۔ باجے بج رہے ہیں' گانے ہو رہے ہیں اور مصاحب لڑکیوں کے ساتھ کھانا کھایا جا رہا ہے۔

قلعہ کی آخری رات

جس رات بہادر شاہ بادشاہ لال قلعہ سے نکل کر ہمایوں کے مقبرے میں گئے اور یقین ہو گیا کہ صبح انگریز دہلی کو مفتوح کر لیں گے تو نرگس نظر چپ چاپ جل محل کے کنارے پر کھڑی چاندنی کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کا عکس تالاب میں پڑ رہا تھا اور ان پر اپنی دید کا ایک عجیب عالم محویت طاری تھا۔

یکا یک ان کے باپ میرزا شاہ رخ اندر آئے اور انہوں نے کہا ''نرگس بیٹا! میں ابا حضرت (بہادر شاہ) کے ہمراہ جانا چاہتا ہوں۔ تم ابھی چلو گی یا سواری کا بندوبست کر دوں' صبح آ جانا۔'' نرگس نظر نے کہا ''ابا جان! آپ بھی ابھی نہ جائیے۔ پچھلی رات میرے ساتھ چلیے گا۔ میں دادا حضرت کے ساتھ جانا مناسب نہیں سمجھتی۔ انگریزی فوج انہی کی تلاش کرے گی اور جو لوگ ان کے ساتھ ہوں گے وہ سب مجرم سمجھے جائیں گے' اس لیے ہمایوں کے مقبرے میں دادا حضرت کے ساتھ جانا ٹھیک نہیں ہے۔ غازی نگر (غازی آباد) میں چلیے۔ وہاں میری انا کا گھر ہے اور سنا ہے' بہت اچھی اور محفوظ جگہ ہے۔ گمنامی اختیار کر کے چلنا چاہیے۔ جب یہ بلا دور ہو جائے گی پھر یہاں آ جائیں گے۔''

میرزا نے کہا ''اچھا جیسی تمہاری رائے ہو۔ غازی نگر جانے کے لیے رتھوں کا بندوبست کرتا ہوں۔ تمہارے ساتھ کون کون جائے گا۔''

نرگس نظر نے جواب دیا ''کوئی نہیں صرف میں اکیلی چلوں گی' کیونکہ نوکروں کا ساتھ رکھنا بھی نامناسب ہے اور نوکر ساتھ جانے کے لیے تیار بھی نہیں معلوم ہوتے۔'' میرزا یہ سن کر باہر چلے گئے اور نرگس نظر پھر ماہتاب اور عالم آب کو دیکھنے لگیں۔

کچھ دیر کے بعد نرگس نظر نے نوکر عورتوں کو آواز دی مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ معلوم ہوا سب بھاگ گئے اور نرگس نظر سارے جل محل میں اکیلی ہیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ نرگس نظر نے حاکمانہ آواز دی اور جواب میں کوئی بھی نہ بولا۔ نرگس نظر گھبرا کر محل کے اندر گئیں۔ شمعیں روشن تھیں' مگر کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ نرگس نظر کو اندر ڈر لگا اور وہ پھر صحن میں آ گئیں۔ قلعہ میں جگہ جگہ سے لوگوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاروں طرف سے گھروں کے رہنے والے نکل نکل کر جا رہے ہیں۔ نرگس نظر نے بہت دیر باپ کی راہ دیکھی مگر وہ نہ آئے اور نرگس نظر گھبرا کر رونے لگیں۔ رات کے دو بجے ایک خواجہ سرا محل میں آیا اور اس نے کہا ''صاحب عالم نے فرمایا ہے کہ انگریزی جاسوس میری تلاش میں قلعہ کے اندر اور باہر چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ غازی نگر نہیں جا سکتا۔ سواری کا انتظام کر دیا ہے۔ تم خواجہ سرا کے ساتھ چلی جاؤ اور میں بھیس بدل کر کہیں اور چلا جاتا ہوں۔'' نرگس نظر نے گھبرا کر کہا ''آخر کہاں جانے کا ارادہ ہے۔'' خواجہ سرا بولا ''مجھے معلوم نہیں۔'' نرگس نظر نے حاکمانہ لہجے میں کہا ''جا یہ معلوم کر کے آ کہ ابا حضرت

کہاں جانے والے ہیں۔ وہ لباس بدل کر میرے ساتھ غازی نگر کیوں نہیں چلتے؟"

خواجہ سرا فوراً واپس گیا اور نرگس نظر صحن میں ٹہلتی رہی۔ کچھ دیر کے بعد خواجہ سرا واپس آیا اور اس نے کہا "ابا حضرت سائیس کے کپڑے پہن کر قلعہ کے باہر چلے گئے اور کوئی نہیں جانتا کہ کہاں چلے گئے۔ آپ کی سواری کے لیے رتھ تیار ہے۔" نرگس نظر کو رونا آ گیا اور ان کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے نہایت بے کسی اور بے بسی کی حالت میں ہچکیاں لے کر آنسو بہائے۔ انہوں نے جواہرات اور زیورات کا صندوقچہ اور چند ضروری کپڑے ساتھ لیے جن کو خواجہ سرا نے اٹھا لیا اور جل محل سے نکلیں اور سوار ہونے سے پہلے مڑ کر جل محل اور اس کی آرائش کو بہت دیر تک کھڑے ہو کر دیکھا۔ پھر کہا "خبر نہیں تجھ کو پھر دیکھنا نصیب ہوگا یا آج تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہو رہا ہے۔"

رات کے تین بج چکے تھے۔ نرگس نظر رتھ میں بیٹھی غازی نگر (غازی آباد) کی طرف جا رہی تھیں۔ صبح آٹھ بجے غازی آباد پہنچ گئیں۔ راستے میں ان کو بہت لوگ آتے جاتے ملے' مگر کسی نے ان کے رتھ کی مزاحمت نہیں کی۔ غازی آباد میں نرگس نظر کی انا کا گھر مشہور تھا۔ جوں ہی نرگس نظر انا کے گھر کے سامنے رتھ سے اتریں انا دوڑتی ہوئی گھر کے باہر آ گئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے شہزادی کی بلائیں لیں اور اندر لے جا کر بٹھایا اور اپنی حیثیت سے زیادہ خاطر مدارات کی۔

مصیبت

نرگس نظر دو تین روز انا کے گھر میں آرام سے رہیں۔ یکا یک خبر مشہور ہوئی کہ بادشاہ گرفتار ہو گئے اور کئی شہزادے قتل کر دیئے گئے اور فوج غازی آباد کو لوٹنے آ رہی ہے۔ نرگس نظر نے جواہرات کا صندوقچہ انا سے کہہ کر زمین میں دفن کرا دیا اور مصیبت کی گھڑی کا انتظار کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر میں سکھ فوج غازی آباد میں داخل ہوئی اور اس نے باغیوں کی تلاش شروع کی۔ مخبروں نے کہا "بادشاہ کی پوتی اپنی انا کے گھر میں موجود ہے۔" دو سکھ سردار چار سپاہیوں کے ساتھ انا کے گھر میں آئے اور انہوں نے انا کو اور سب گھر والوں کو پکڑ لیا۔ نرگس نظر کوٹھڑی میں چھپ گئی تھیں۔ ان کو بھی کواڑ توڑ کر باہر نکالا گیا اور بے پردہ سامنے کھڑا کیا گیا۔ سردار نے پوچھا "کیا تم بہادر شاہ کی پوتی ہو۔" نرگس نظر نے کہا "میں ایک آدمی کی بیٹی ہوں۔ بادشاہ کی اولاد ہوتی تو اس غریب گھر میں کیوں آتی۔ اگر خدا نے بادشاہ کی پوتی بنایا ہوتا تو تم اس طرح بے پردہ مجھ کو سامنے کھڑا نہ کرتے۔ تم ہندوستانی ہو۔ تم کو شرم نہیں آتی کہ اپنے ملک کی عورتوں پر ظلم کرتے ہو۔" سردار نے کہا "ہم نے کیا ظلم کیا؟ ہم تو یہ دریافت کرتے ہیں کہ تم کون ہو؟ ہم نے سنا ہے کہ تم بہادر شاہ کی پوتی ہو اور تمہارے باپ نے بہت سے انگریزوں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قلعہ کے اندر قتل کیا تھا۔" نرگس نظر نے کہا "جو کرتا ہے وہی بھرتا ہے۔ اگر میرے باپ نے ایسا کیا ہوگا تو ان سے پوچھو۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں نے کسی کو نہیں مارا۔" یہ سن کر دوسرا نوجوان سکھ سردار بولا "ہاں تم تو آنکھوں سے قتل کرتی ہو۔ تم کو تلواروں اور ہتھیاروں سے مارنے کی کیا ضرورت ہے۔" نرگس نظر نے نہایت جرأت کے ساتھ جواب دیا' حالانکہ اس کی زندگی میں غیر مردوں سے بات کرنے کا یہ پہلا موقع تھا "خاموش رہو۔ بادشاہوں سے ایسی بے تمیزی کے ساتھ بات نہیں کرتے۔ تمہاری زبان گدی کے پیچھے سے نکال لی جائے گی۔" نوجوان یہ سن کر بگڑا اور اس نے آگے بڑھ کر نرگس نظر کے بال پکڑ لیے اور ان کو زور سے جھٹکا دیا۔ بوڑھے سکھ

سردار نے نوجوان سردار کو روکا اور کہا "عورت کے ساتھ ایسی زیادتی کرنا مناسب نہیں ہے۔" نوجوان سردار نے یہ بات سن کر بال چھوڑ دیئے۔

کرایہ کی بیل گاڑی منگوائی گئی اور اس میں نرگس نظر کو سوار کیا گیا۔ انا اور اس کے گھر والے بھی سب قید ہو کر پیدل ساتھ چلے۔ نرگس نظر سے پوچھا گیا "تمہارا زیور اور روپیہ پیسہ کہاں ہے۔" انہوں نے کہا "میں خود ہی زیور ہوں اور خود ہی سمجھنے والوں کے لئے جواہر اور دولت ہوں' میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔"

یہ سن کر دونوں سردار خاموش ہو گئے اور بہلی کو دہلی کی طرف لے چلے۔

ہنڈن ندی کے پاس گاؤں کے جاٹوں اور گوجروں نے سکھ فوج والوں پر بندوقیں چلائیں اور دیر تک ان کی آپس میں لڑائی ہوتی رہی۔ سکھ تھوڑے تھے اور گاؤں والے زیادہ تھے۔ سکھ سب مارے گئے اور گاؤں والے قیدیوں کو اپنے ساتھ گاؤں میں لے گئے۔

گنواروں نے نرگس نظر کے جسم پر جو دو چار قیمتی زیور تھے' ان کو اتار لیا اور قیمتی کپڑے بھی اتروا لیے اور کسی چماری کا پھٹا ہوا لہنگا اور پھٹا ہوا کرتہ اور میلا دوپٹہ پہننے کو دے دیا۔ نرگس نظر نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا اور مجبوراً تن ڈھانپنے کو یہ کپڑے پہنے۔ تھوڑی دیر میں پاس کے گاؤں کے چند مسلمان گنوار آئے اور ان کے نمبردار نے نرگس نظر کو گوجروں سے خرید لیا اور اپنے گاؤں میں لے گیا۔ یہ لوگ ذات کے رانگھڑ تھے اور کچھ لوگ تگا قوم کے مسلمان تھے۔ نمبر دار نے اپنے لڑکے کا پیغام دیا کہ تیری شادی اس کے ساتھ کر دیں۔ یہ بڈھا آدمی تھا اور اس کا لڑکا اگرچہ گنوار تھا' لیکن صورت شکل کا اچھا تھا۔ نرگس نظر نے ہاں کر لی اور گاؤں کے قاضی نے اس کا نکاح پڑھا دیا اور نرگس نظر تین چار مہینے نمبردار کے گھر میں نئی دلہن بنی آرام سے بسر اوقات کرتی رہیں۔

دوسری مصیبت

انگریزوں کا قبضہ پوری طرح ہو گیا تھا اور ان کے جاسوس جگہ جگہ خبریں لیتے ہوئے پھر رہے تھے۔ کسی جاسوس نے دہلی کے حاکم کو خبر دی کہ میرزا باغی دستیاب نہیں ہوئے' مگر ان کی بیٹی فلاں گاؤں میں فلاں نمبردار کے گھر میں موجود ہے۔ انگریز حاکم نے اس گاؤں میں پولیس کو بھیجا۔ میرٹھ کی پولیس نے آ کر گاؤں کا محاصرہ کر لیا اور نرگس نظر اور ان کے خاوند اور سسرے کو گرفتار کر کے دہلی میں لایا گیا۔ حاکم نے نرگس نظر سے میرزا کے متعلق بہت سوالات کیے' مگر جب کوئی مفید مطلب جواب نہ ملا تو حکم دیا کہ نمبردار اور اس کا بیٹا باغی معلوم ہوتے ہیں اور ان دونوں نے ایک باغی کی بیٹی کو پناہ دی ہے۔ اس واسطے ان دونوں کو جیل بھیج دیا جائے اور یہ عورت دہلی میں کسی مسلمان کے حوالے کر دی جائے۔ چنانچہ نمبردار اور اس کا بیٹا دس دس سال کے لیے جیل بھیج دیئے گئے اور نرگس نظر سے پوچھا گیا کہ وہ کس کے ہاں رہنا چاہتی ہے۔ شہزادی نے جواب دیا اگر میرے خاندان کے آدمی دہلی میں ہوں تو ان کے پاس بھیج دیا جائے۔ معلوم ہوا تیمور یہ خاندان کے لوگ ابھی تک یا تو روپوش ہیں یا جنگلوں اور دیہات میں مقیم ہیں۔ دہلی شہر میں ابھی کوئی نہیں آیا۔ اس واسطے نرگس نظر ایک فوجی مسلمان سپاہی کے حوالے کر دی گئیں جو ان کو اپنے گھر میں لے گیا۔ اس سپاہی کی بیوی موجود تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک

قبول صورت جوان عورت گھر میں آئی ہے تو اس نے ایک دو ہنڑ اپنے خاوند کے مارا اور نرگس نظر کو بھی دھکا دے کر گھر سے باہر نکال دیا اور یہ پہلا موقع تھا کہ نرگس نظر کو کسی نے دھکا دیا۔ سپاہی گھر کے باہر آیا اور نرگس نظر کو ساتھ لے کر اپنے ایک دوست کے ہاں لے گیا۔ وہ بڑی عمر کے ایک مسلمان تھے اور گھر میں اکیلے رہتے تھے۔ انہوں نے شہزادی کا حال سنا تو رونے لگے اور بہت محبت کے ساتھ اپنے گھر میں جگہ دی اور نرگس نظر ایک رات آرام سے اس گھر میں رہیں۔

دوسری رات کو نرگس نظر سوتی تھیں کہ چند آدمیوں نے ان کا منہ اپنے ہاتھوں سے بند کیا اور اٹھا کر کہیں لے گئے۔ نرگس نظر نے ہر چند ہاتھ پاؤں مارے مگر انہوں نے ایسا مضبوط پکڑا تھا کہ یہ جنبش نہ کر سکیں۔ وہ لوگ اسی گاؤں کے رہنے والے تھے جہاں کے نمبردار کے بیٹے سے نرگس نظر کا نکاح ہوا تھا' مگر وہ دہلی کے قریب ایک گاؤں میں لے گئے اور وہاں ایک چھپر میں ٹھہرایا اور ایک چارپائی سونے کے لیے دے دی۔ یہ گاؤں بھی رنگا مسلمانوں کا تھا۔

نرگس نظر جس گھر میں رہتی تھیں' وہ نمبردار کا گھر تھا اور نمبردار بہت نیک چلن آدمی تھا۔ تین چار سال تک نرگس نظر اس گھر میں رہیں۔ وہ سارے گھر کا کام کرتی تھیں' لیکن گوبر تھاپنا اور دودھ دوہنا ان کو نہ آتا تھا۔

چار سال کے بعد ان کا خاوند رہا ہو گیا اور وقت سے پہلے گورنمنٹ نے اس کو رہائی دے دی اور وہ نرگس نظر کو اس گاؤں سے اپنے گھر لے گیا۔ جہاں ساری عمر انہوں نے گذار دی اور ان کے کئی بچے ہوئے اور ۱۹۱۱ء میں نرگس نظر کا انتقال ہو گیا۔

مصیبت کی ایک رات

نرگس نظر کہتی تھیں کہ جب میں دہلی کے قریب رنگا نمبردار کے گھر میں رہتی تھی۔ اس زمانے کا ذکر ہے۔ برسات کا موسم تھا اور مجھے بہت تیز بخار چڑھا ہوا تھا۔ رات کے وقت بادل گرج رہا تھا' بجلی چمک رہی تھی اور میں اکیلی اپنے چھپر میں گاڑھے کی ایک میلی چادر اوڑھے کھری چارپائی پر لیٹی تھی۔ خواب میں دیکھا گویا جل محل میں سونے کے جڑاؤ چھپر کھٹ کے اندر لیٹی ہوں۔ جوئی اور چمپا اور مولسری کے پھول اور ریشمی تکیے میرے پاس ہیں اور گانے والی لڑکیاں دھیمے سروں میں گا رہی ہیں اور مجھے عجب لطف آ رہا ہے۔ اسی خواب کی حالت میں میں نے ایک گانے والی کو آواز دی کہ مسہری کا پردہ اٹھا اور مجھ کو سہارا دے کر بٹھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ دوڑی ہوئی آئی اور اس نے مجھے گود میں لے کر اٹھایا اور اٹھانے میں شوخی سے ذرا مجھ کو دبا بھی دیا۔ میں نے اس کے ایک طمانچہ مارا اور وہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔ میری آنکھ کھل گئی۔ اندھیرا بہت زیادہ تھا۔ مجھ کو اس خواب نے اور جل محل کی یاد نے بے قرار کر دیا اور میں چھپر کے دروازے پر گاڑھے کی چادر اوڑھے ہوئے آ کر کھڑی ہو گئی۔ مینہ بہت زور سے برس رہا تھا۔ بجلی چمکتی تھی تو صحن کا پانی دکھائی دیتا تھا اور مجھ کو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جل محل کے صحن میں کھڑی ہوئی ماہتاب اور عالم آب کا تماشہ دیکھ رہی ہوں۔

جب سے مصیبت کے دن آئے تھے۔ میں کبھی نہیں گھبرائی اور میں نے کبھی اچھے دنوں کو یاد نہیں کیا تھا' لیکن آج خبر نہیں کیا بات تھی کہ میں جل محل کو یاد کرتی تھی اور یہ بھی خیال آتا تھا کہ میں شہنشاہ ہند کی پوتی ہوں اور یہ بھی خیال آتا تھا کہ میں اپنے باپ کی لاڈلی ہوں اور یہ بھی خیال آتا تھا کہ میں سترہ برس کی عمر تک شہزادی تھی اور آج ایک مفلس نادار

نوکرانی ہوں۔ میرے ہاں سارے قلعہ سے اچھے اور نفیس کپڑے تھے اور ہر چیز نہایت صفائی اور ستھرائی سے رکھی جاتی تھی اور یہی میرا رات دن کا مشغلہ تھا' مگر آج برعکس ہے۔ اناکے گھر میں جو زیور اور جواہرات دفن کرائے تھے بعد میں اس کو خفیہ طور سے کھود کر دیکھا تو سب کچھ غائب تھا۔ خبر نہیں کون لے گیا۔ گویا پچھلے زمانے کی کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی۔ صرف میں باقی ہوں اور وہ بھی بدلی ہوئی اور ہر بات میں مٹی ہوئی۔

ان خیالات کا مجھ پر اتنا زیادہ اثر ہوا کہ مجھے غش آ گیا اور میں وہیں بیہوش ہو کر گر پڑی اور صبح تک بیہوش پڑی رہی۔ صبح ہوئی تو وہی میں تھی جس کو ننگو کہہ کر سب پکارتے تھے اور وہی چولہا تھا جہاں میں روٹی پکاتی تھی اور وہی سب گھر کے کام تھے جو مجھے رات دن لونڈیوں سے بڑھ کر محنت کے ساتھ کرنے پڑتے تھے اور میں کہتی تھی

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

☆ ☆ ☆

کفنی

''دل شاد! گدگدیاں نہ کر' مجھے سونے دے۔ نماز قضا ہوتی ہے تو کیا کروں آنکھ کھولنے کو جی نہیں چاہتا۔''

''بیوی! گدگدیاں میں نے نہیں کیں۔ یہ گلاب کا پھول تمہارے تلووں سے آنکھیں مل رہا ہے۔''

''میں اس پھول کو مسل ڈالوں گی۔ اتنے سویرے مجھے کیوں جگاتا ہے۔ میرا دل ابھی سونے کو چاہتا ہے۔ ذرا سندری کو بلا۔ بانسری بجائے۔ ہلکے سروں میں بھیرویں سنائے۔ گل چمن کہاں ہے۔ چپی کرے۔ تو کوئی کہانی شروع کر۔''

''کہانی کہوں گی تو مسافر راستہ بھول لیں گے۔ دن کو کہانی نہیں کہنی چاہئے۔ سندری حاضر ہے۔ گل چمن کو بلاتی ہوں۔ اماں جان آ جائیں گی تو خفا ہوں گی کہ مہ جمال کو اب تک بیدار نہیں کیا۔ نماز کا وقت جاتا ہے۔''

سندری بانسری بجا رہی تھی کہ مہ جمال نے آنکھیں کھول دیں۔ بالوں کو سمیٹا۔ مسکرائی۔ کلمہ پڑھا۔ نرگس نے سلام کیا۔ جواب میں اس کے ایک چٹکی لی گئی۔ انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی اور کہا:

''دل شاد! ہم نے نرگس کے چٹکی لی تو یہ ہنسی نہیں۔ منہ بنا لیا۔ آ تو آ۔ تیرے کان مروڑوں اور تو خوب ہنس۔''

دل شاد اٹھ کر بھاگی۔ دور کھڑی ہوئی اور کہا ''لیجئے میں کھل کھلا کر ہنستی ہوں۔ آپ مجھ لیجئے کان مروڑ دیجئے۔''

مہ جمال نے پھر انگڑائی لی اور مسکراتی ہوئی طشت چوکی پر گئی۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ صحن میں نکلی۔ باغ کے پاس تخت پر بیٹھی۔ قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ سب لونڈیاں فرش کی درستی میں مصروف ہوئیں۔ ناشتے کا سامان کرنے لگیں۔

مہ جمال تلاوت سے فارغ ہوئی تو مالن چنگیر میں چند ہری مرچیں لیے حاضر ہوئی۔ پہلے مہ جمال کی بلائیں لیں۔ دعائیں دیں۔ پھر بولی ''سرکار آج حضور کے لگائے ہوئے پودوں میں یہ مرچیں لگی تھیں۔ نذر کے لیے لائی ہوں۔''

مہ جمال نے چنگیر لے لی۔ سب لونڈیوں کو پکارا اور مرچوں کی آمد سے محل میں ایک دھوم مچ گئی۔ نرگس نے کہا

''کیسی ہری ہری چکنی صورت ہے۔'' دل شاد بولی ''جیسے بیوی کے گال۔'' سندری نے کہا ''کیسی چپ چاپ چنگیر میں لیٹی ہیں جیسے بیوی چھپر کھٹ میں سوتی ہیں۔'' گل چمن بولی ''ڈالی سے ٹوٹی ہیں گھر سے چھوٹی ہیں۔ اس لیے ذرا چپ چپ ہیں۔''

مہ جمال نے کہا ''مالن کو جوڑا دو۔ کپڑے پہناؤ۔ پانچ روپے نقد بھی دینا۔ میرے درختوں کا پہلا پھل لائی ہے۔ اس کا منہ بھی میٹھا کرنا۔''

مالن کو ریشمی جوڑا ملا۔ چاندی کے کڑے پہنائے گئے۔ لڈو کھلائے گئے۔ پانچ روپے نقد اور ایک پان کا بیڑا ملا۔ وہ دعائیں دیتی ہوئی اپنے گھر گئی۔ یہاں اماں جان کو لونڈی خبر دینے پہنچی کہ بیوی کے درختوں کا پہلا پھل آیا ہے۔ وہ برابر کے مکان سے آئیں۔ مغلانی ساتھ تھیں۔ بیٹی کی بلائیں لیں۔ مہ جمال نے آداب کہا۔ اماں اور مغلانی نے مرچوں کی خوب تعریفیں کیں اور تھوڑی دیر تک مرچوں کا غلغلہ گھر میں برپا رہا۔

مہ جمال خورشید جمال کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کے والد میرزا علی گوہر عرف نیلی شاہ عالم کے بیٹے اکبر شاہ ثانی کے بھائی تھے جو مر چکے تھے۔ خواصوں سے ان کے کئی بچے تھے مگر بیگم سے صرف جمال ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی اور وہ بھی بڑھاپا آجانے کے بعد۔ جب میرزا نیلی مرے ہیں تو مہ جمال کی عمر پانچ سال کی تھی۔ اب ماشاءاللہ پندرہویں سال میں ہے۔ صورت سانولی ہے۔ چہرہ کتابی ہے۔ قد میانہ ہے۔ آنکھیں سیاہ اور بے حد رسیلی اور مخمور ہیں۔ آواز میں قدرتی درد ہے۔ جب ہنس کر بولتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مرثیہ پڑھا گیا۔ سن کر کلیجے پر چوٹ لگتی ہے۔ وہ بہت چنچل' شوخ' آرام طلب اور نازک مزاج ہے۔ لاڈ پیار میں پلی ہے۔ شہزادی ہے۔ ماں باپ کی اکلوتی ہے اور کچھ فطرتاً ضدی اور ہٹیلی ہے۔ بدن بہت دبلا ہے۔ چلتی ہے تو غیر مصنوعی انداز سے بدن کو جھکاتی۔ پھولوں کی ٹہنی کی طرح ادھر اُدھر جھکولے کھاتی ہوئی چلتی ہے۔ ٹھوکریں قدم قدم پر لگتی ہیں۔ لونڈیاں ساتھ دوڑتی ہیں۔ بسم اللہ یا اللہ خیر کہتی جاتی ہیں۔

پھول والوں کی سیر

بہادر شاہ اپنے نئے ظفر محل میں جو درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کے دروازے کے قریب بنا تھا' تشریف رکھتے تھے۔ بیگمات اندر تھیں' مگر خورشید جمال اور مہ جمال نے دوسرا مکان لیا تھا' کیونکہ میرزا نیلی کے وقت سے ان کی اور بہادر شاہ کی ان بن تھی۔ بہادر شاہ کو انگریز لاکھ روپے مہینہ دیتے تھے۔ اس میں سے ایک ہزار روپے مہینہ خورشید جمال کا علیحدہ بھیج دیا جاتا تھا۔ سستا سماں تھا۔ ہزار روپے آج کل کے لاکھ روپے کے برابر تھے اور خورشید جمال خوب عیش آرام سے زندگی بسر کرتی تھیں۔ جس شام کو پنکھا چڑھا' مہ جمال عصر کے وقت سے برآمدے میں چلمن کے پاس بیٹھی تھی۔ نفیری بج رہی تھی۔ دہلی کے ہندو مسلمان زرق برق کپڑے پہنے پنکھے کے ساتھ تھے۔ دکانیں آراستہ تھیں۔ بتے کٹورے بجا رہے تھے۔

مغرب کا وقت آیا تو خورشید جمال نے لونڈیوں سے کہلا بھیجا کہ پہلے آن کر نماز پڑھ لو پھر تماشا دیکھنا۔ مہ جمال اٹھی تو چلتے وقت اس نے دیکھا' ایک فقیر سفید کفنی پہنے زرد چہرہ' ننگے سر ننگے پاؤں پنکھے کے پاس سے گذر کر اس کو دیکھتا ہوا

چلا گیا۔ اس کی صورت اور کفنی دیکھ کر مہ جمال ڈر گئی۔ نماز میں بھی اسی کا خیال رہا۔ سیر سے فارغ ہو کر سوئی تو رات کو بھی کفنی کئی دفعہ خواب میں دکھائی دی۔ صبح ہوئی تو ہلکا ہلکا بخار تھا۔ ماں کو خبر ہوئی اس نے کچھ پڑھ کر دم کیا۔ صندوقچے سے ایک نقش نکال کر گلے میں ڈالا۔ فقیروں کو خیرات بھجوائی۔

دوپہر کو بخار تیز ہو گیا۔ مہ جمال چونکتی تھی اور کہتی تھی "وہ کفنی والا آیا۔ وہ مجھ کو بلاتا ہے۔ اماں جی آنا۔ وہ دیکھو کھڑا مسکراتا ہے۔"

ماں نے لونڈیوں سے پوچھا۔ انہوں نے کہا "ایک فقیر کل شام کو کفنی پہنے جاتا تھا۔ بیوی نماز کے لیے اٹھیں تو چلمن کا پردہ ہٹ گیا۔ فقیر نے ان کو گھور کر دیکھا اور بیوی نے اس کو دیکھا۔ اس کے بعد وہ کہیں چلا گیا۔"

خورشید جمال نے نوکروں کو حکم دیا کہ اس حلیہ کا فقیر جہاں ملے اس کو لاؤ۔ نوکر سارے میلے میں ڈھونڈتے پھرے۔ شام کو وہ فقیر ملا۔ اس کو ساتھ لے کر مکان پر آئے۔ خورشید جمال نے پردے کے پاس بٹھا کر لڑکی کا حال کہا۔ وہ بولا "مجھے اندر لے چلو۔ میں دم کر دوں گا۔ اچھی ہو جائیں گی۔"

خورشید جمال نے اندر پردہ کرایا۔ فقیر کو پلنگ کے پاس کھڑا کیا۔ اس نے آنکھ بند کر کے دونوں ہاتھ اپنے رخساروں پر رکھے اور کچھ دیر چپ کھڑا رہا اور پھر کہا "لو لڑکی اچھی ہو گئی۔"

دیکھا تو واقعی بخار اتر گیا تھا۔ مہ جمال اٹھ بیٹھی۔ خورشید جمال اور سب لونڈیاں حیران ہو گئیں۔ فقیر کو بٹھایا۔ کچھ روپے اور کپڑے کے دو تھان نذر پیش کیے۔ فقیر نے کہا "یہ میں نہیں لیتا۔ مجھے لڑکی کی صورت دکھا دو۔ ورنہ پھر بیمار ہو جائے گی۔"

خورشید جمال نے پہلے تو کچھ تامل کیا۔ پھر خیال آیا کہ فقیر تو ماں باپ ہوتے ہیں۔ پردہ ہٹایا۔ مہ جمال نے فقیر کو دیکھا اور سر جھکا لیا۔ فقیر نے مہ جمال کو دیکھا اور برابر دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد "بھلا ہو بابا" کہہ کر اٹھا اور چلا گیا۔

یہ تیس برس کا جوان تھا' مگر بیمار معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر زردی بہت زیادہ تھی۔ سفید کفنی کے سوا کوئی کپڑا پاس نہ تھا۔ آنکھیں ایسی معلوم ہوتی تھیں گویا روتے روتے سوج گئی ہیں۔

یہ شخص اس مالن کا بیٹا تھا جو مہ جمال کے باغ کی محافظ تھی۔ مہ جمال کو ایک سال پہلے اس نے باغ میں دیکھا تھا۔ اپنی غریبی اور مہ جمال کی شان کا خیال کر کے اس کو ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس تکلیف کو کسی کے سامنے بیان کرے جو مہ جمال کے دیکھنے سے خود بخود اس کے اندر پیدا ہو گئی تھی۔

چھ مہینے وہ اس خلجان میں پریشان رہا۔ اس کے بعد اس کو ایک ہندو جوگی ملا جس سے اس نے اپنا حال بیان کیا۔ جوگی نے ایک سفید کفنی دی کہ اس کو پہن لے تیرے سب کام پورے ہو جائیں گے۔ کفنی پہنتے ہی وہ نیم مجذوب ہو گیا اور گھر بار چھوڑ کر جنگل میں نکل گیا۔ چھ مہینے تک جنگلوں میں پھرتا رہا۔ چھ ماہ کے بعد اب وہ پھر آبادی میں آیا تھا جہاں اس نے پھر مہ جمال کو دیکھا' مگر اب اس کے دیکھنے میں ایسی قوت پیدا ہو گئی تھی کہ مہ جمال کو اس نے ایک نگاہ میں بیمار کر دیا۔

۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ایک رتھ نجف گڑھ کے قریب کھڑا تھا اور خاکی وردی کے فوجی سپاہی اس کو گھیرے ہوئے

تھے۔ یہ سب لشکر سے تعلق رکھتے تھے۔ اس رتھ میں خورشید جمال، مہ جمال اور دو لونڈیاں سوار تھیں۔ باہر چار نوکر تلواریں لیے کھڑے تھے۔ فوج والے کہتے تھے ہم اندر کی تلاشی لیں گے۔ اس میں کوئی باغی پوشیدہ ہے۔ بیگم کے نوکر کہتے تھے۔ اندر عورتیں ہیں۔ ہم پردہ نہ کھولنے دیں گے۔ نوبت لڑائی کو پہنچی۔ نوکروں نے تلوار چلائی اور وہ سب ایسے لڑے کہ ایک بھی زندہ نہ بچا۔ فوجیوں نے رتھ کا پردہ الٹ دیا۔ عورتوں کو دیکھا اور زیور کا صندوقچہ ان سے چھین لیا۔ اس کے علاوہ اور جس قدر اسباب تھا وہ بھی لوٹ کر آگے بڑھ گئے۔ رتھ بان بھاگ گیا تھا۔ بیگم لونڈیوں کو لے کر نجف گڑھ کی طرف چلیں کہ اتنے میں چند گوجر لٹھ لیے ہوئے آئے اور ان سے زیورات اور کپڑے مانگنے لگے۔ بیگم نے کہا ہم کو تو فوج والوں نے لوٹ لیا ہے۔ اب ہمارے پاس کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ تم رتھ اور بیل لے لو مگر گوجر نہ مانے اور انہوں نے زبردستی ان کے برقعے اتار ڈالے۔ سب فالتو کپڑے چھین لیے۔ خورشید جمال اور لونڈیوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ ایک گوجر نے خورشید جمال کے سر پر لکڑی ماری اور دوسرے نے لونڈیوں پر لکڑیوں کے وار کیے۔ مہ جمال ڈری سہمی چپ کھڑی تھی۔ اس کو کسی نے نہ چھیڑا۔ خورشید جمال کا سر پھٹ گیا اور وہ تڑپ کر مر گئیں۔ لونڈیاں بھی دونوں چوٹ کے صدمے سے تمام ہو گئیں۔ مہ جمال اکیلی کھڑی تماشہ دیکھتی تھی۔ ماں کو مرتے دیکھا تو چیخ کر رونے لگی۔ گوجر تو مار کوٹ کر چلے گئے اور مہ جمال روتے روتے بے ہوش ہو گئی۔

ہوش آیا تو اس نے دیکھا نہ اس کی ماں کی لاش ہے نہ لونڈیوں کی لاشیں ہیں نہ وہ جنگل ہے بلکہ وہ ایک گھر کے اندر چارپائی پر لیٹی ہے۔ سامنے ایک گائے بندھی کھڑی ہے۔ چند مرغیاں آنگن میں پھر رہی ہیں اور ایک میواتی چالیس پچاس برس کی عمر کا سامنے بیٹھا اپنی بیوی سے باتیں کر رہا ہے۔ مہ جمال کو پھر رونا آ گیا اور اس نے میواتی کی بیوی سے مخاطب ہو کر پوچھا "میری اماں کہاں گئیں؟" میواتن نے کہا "وہ مر گئی تھیں۔ ان کو دفن کر دیا گیا۔ تم کو یہاں لائے ہیں۔ تم کچھ کھاؤ گی۔ لو کھیر پکی ہے کھا لو۔"

مہ جمال نے کہا "مجھے بھوک نہیں ہے اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ میواتن پاس آ گئی اور اس نے دلاسا دینا شروع کیا اور کہا "بیٹی صبر کرو۔ رونے سے کیا ہوتا ہے۔ اب تیری ماں زندہ نہیں ہو سکتی۔ ہمارے اولاد نہیں ہے۔ بیٹی بنا کر رکھیں گے۔ اس گھر کو تو اپنا گھر سمجھ۔ تو کون ہے تیرا باپ کہاں ہے اور تو کہاں جاتی تھی؟"

مہ جمال نے کہا "میں دلی کے بادشاہ کے خاندان سے ہوں۔ میرے ابا جان گیارہ برس ہوئے مر گئے۔ ہم غدر کی بھاگڑ میں گھر سے نکلے تھے۔ نجف گڑھ میں ہمارے باغ کا مالی رہتا ہے۔ اس کے گھر میں جانا چاہتے تھے کہ راستے میں پہلے فوج والوں نے لوٹا پھر گوجروں نے۔ اماں جان اور دو لونڈیوں کو مار ڈالا۔" یہ کہتے کہتے وہ پھر رونے لگی۔

چند روز مہ جمال میواتن کے ہاں آرام سے دن گذارتی رہی اگرچہ وہ پچھلے وقت کو یاد کر کے روتی تھی لیکن میواتن کی محبت کے سبب اس کو کسی بات کی تکلیف نہ تھی۔ پکی پکائی روٹی مل جاتی تھی۔ تاہم مہ جمال کو یہ گھر اور اس کی سادگی کاٹے کھاتی تھی اور وہ پچھلے زمانے کا عیش یاد آتا تھا۔

ایک رات کو مہ جمال اور میواتن اور اس کا خاوند اپنے مکان میں سوتے تھے کہ پڑوس کے ایک چھپر میں آگ لگ گئی اور وہاں سے بڑھ کر ان کے چھپر میں بھی آن لگی۔ دھوئیں کی بو سے مہ جمال کی آنکھ کھل گئی اور چیختی ہوئی اٹھی۔

میواتن اور میواتی کا کچھ زیور گھر کے اندر رکھا تھا۔ وہ اس کو لینے کے لیے اندر بھاگے اور مہ جمال گھر کے باہر بھاگی۔ کوٹھے کا جلتا ہوا چھپر گر پڑا اور وہ دونوں اس کے اندر جل کر مر گئے۔ قصبے والوں نے بمشکل آگ بجھائی' مگر مہ جمال کا یہ ٹھکانا بھی خاک کا ڈھیر بن کر رہ گیا۔

صبح جلی ہوئی لاشیں قصبے والوں نے دفن کیں اور مہ جمال کو ایک نمبردار اپنے گھر میں لے گیا۔ اس کے کئی بچے اور دو بیویاں تھیں۔ مہ جمال کو ایک چارپائی سونے کو دے دی گئی۔ وہ دن تو گذر گیا۔ رات کو ایک بیوی نے کہا "اری لڑکی دودھ چولہے پر رکھ دے۔" دوسری بولی "ادھر آ۔ میرے بچے کو سلا دے۔" ایک وقت میں دو حکم سن کر مہ جمال ذرا گھبرا گئی۔ اس نے نہ کبھی دودھ چولہے پر رکھا تھا نہ کسی بچے کو لوریاں دے کر سلایا تھا۔ تاہم وہ دودھ اٹھا کر چولہے پر رکھنے چلی۔ چولہے کے قریب آ کر ٹھوکر گئی' ہانڈی ہاتھ سے گر پڑی اور ٹوٹ گئی۔ دودھ سب بکھر گیا۔ آواز سن کر نمبردار کی بیوی دوڑ کر آئی اور دودھ گرا ہوا دیکھ کر ایک دو ہتڑ مہ جمال کے مارا اور گالیاں دینی شروع کیں۔

مار کھانے اور گالیاں سننے کا یہ پہلا موقع تھا۔ مہ جمال کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ دودھ اس کے کپڑوں پر بھی گرا تھا۔ کبھی وہ کپڑوں کو دیکھتی اور کبھی نمبردار کی بیوی کو دیکھتی تھی جو لگاتار گالیاں بک رہی تھی۔

آخر وہ دیوار کے سہارے لگ کر کھڑی ہو گئی اور بے اختیار رونے لگی۔ مہ جمال کو روتا دیکھ کر نمبردار کی بیوی کو پھر غصہ آیا اور اس نے جوتی نکال کر دو تین جوتیاں اس کے چہرے پر ماریں اور کہا "اب تو مجھ کو رو کر ڈراتی ہے۔ موئی ڈائن میواتن کو کھا گئی ہے۔ اب یہاں کس کو کھانے آئی ہے۔ میرا سارا دودھ پھینک دیا۔ خدا رکھے میرے بچوں کو۔ دودھ کا چولہے کے سامنے گرنا بڑا منحوس ہوتا ہے۔ خبر نہیں تیرا آنا کیا مصیبت لائے گا۔"

مہ جمال کے چہرے پر جوتیاں پڑیں تو وہ بلبلا اٹھی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔ اتنے میں نمبردار آ گیا اور اس نے جو یہ شور وغل سنا تو وہ بھی وہاں آیا۔ مہ جمال وہاں سے بھاگ کر اپنی چارپائی کے پاس آ گئی۔ نمبردار اور اس کی بیوی بھی دالان میں آئے۔ نمبردار نے بیوی سے پوچھا "کیا ہوا تھا؟" اس نے سارا قصہ بیان کیا۔ اس نے کہا "چلو خیر جانے دو۔ غریب عورت ہے۔ خطا ہو گئی۔ کچھ خیال نہ کرو۔" دوسری بولی "یہ غریب نہیں ہے۔ بڑی ظالمہ ہے۔ میں نے آواز دی کہ ذرا بچے کو سلا دے تو کانوں میں بول مار کر چپ ہو گئی اور سنی ان سنی کر دی۔ اس کو تم بیگم بنا کر لائے ہو یا نوکر بنا کر۔ نوکر ہے تو اس کو کام کرنا پڑے گا۔"

نمبردار نے کہا "میں تو لاوارث سمجھ کر لایا ہوں۔ اس کو کام کرنا چاہیے۔ ہم کو ایک نوکر عورت کی ضرورت بھی تھی۔"

مہ جمال نے ڈرتے ڈرتے کہا "مجھ کو آج تک نوکری کرنی نہیں آتی تھی۔ تم مجھ کو سکھا دو۔ تقدیر نے یہ وقت مجھ پر ڈالا' مگر نوکری کرنی نہ سکھائی۔ میرے سامنے تو لونڈیاں کام کرتی تھیں۔ میں نے تو کبھی کچھ کام نہیں کیا۔" یہ کہتے کہتے اس کو ایسا رونا آیا کہ ہچکی بندھ گئی۔

نمبردار نے کہا۔ "تو رو مت۔ رفتہ رفتہ سب کام آ جائے گا۔" اس کے بعد کچھ کھانے کو دیا' مگر مہ جمال سے کھایا نہ گیا اور وہ یونہی پڑ کر سو گئی۔ صبح کو نمبردار کی بیوی نے زور سے جھنجھوڑا اور کہا "اری اٹھتی نہیں۔ کب تک سوئے گی۔ جھاڑو

ہنے کا وقت ہے۔"

مہ جمال کو یاد آیا کہ دل شاد' نرگس' سندری کس طرح جگایا کرتی تھیں۔ یا وہ وقت تھا یا یہ وقت ہے۔ ٹھنڈا سانس لے کر اٹھی اور حسب عادت دو چار انگڑائیاں لیں۔

نمبردار کی بیوی نے دھکا دے کر کہا "نحوست پھیلاتی ہے' اٹھتی نہیں۔" اس وقت مہ جمال نے جانا کہ اب میں واقعی لونڈی بن گئی ہوں۔ شہزادی نہیں رہی۔ فوراً اٹھی' مگر آنسو لگاتار اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ نمبردار کی دوسری بیوی نے کہا "اس عورت کا گذر ہمارے گھر میں نہ ہوگا۔ ہر وقت روتی ہے۔ بال بچوں کے گھر میں اس منحوس کا رکھنا اچھا نہیں۔" اتنے میں نمبردار آ گیا اور اس نے بیویوں کے کہنے سے مہ جمال کو کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیا۔

مہ جمال حیران پریشان کھڑی تھی اور کہتی تھی "یا اللہ کدھر جاؤں۔" اتنے میں اس کو اپنی مالن کا خیال آیا کہ وہ اسی قصبے میں رہتی تھی اور اماں اسی کے ہاں ٹھہرنے کو گھر سے آئی تھیں۔

مہ جمال یہ خیال کر ہی رہی تھی کہ اتنے میں وہی کفنی والا فقیر سامنے سے آیا اور مہ جمال کو دیکھ کر کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ مہ جمال پر بھی اس ناگہانی ملاقات کا بہت اثر ہوا اور وہ بھی کچھ گم سم سی ہو گئی۔ اگرچہ وہ ایسی مصیبت کے حال میں تھی کہ اس کو تن بدن کا ہوش نہ تھا' تاہم فقیر اور اس کی کفنی اور اس کی زرد صورت اور لال لال آنکھوں کا ایسا اثر اس پر ہوا کہ تمام بدن میں سنسناہٹ ہونے لگی۔

فقیر نے کہا "میری ملکہ تم یہاں کہاں؟" مہ جمال نے میری ملکہ کا لفظ سنا تو لحاظ سے منہ پھیر لیا اور کہا "مجھ کو تقدیر یہاں لے آئی ہے۔" اور پھر سارا قصہ بیان کیا۔ اس نے کہا "میرا گھر تو قریب ہے' مگر میں نے بھی آپ کا حال نہ سنا۔ چلیے میرے گھر چلیے۔"

مہ جمال اس کے پیچھے پیچھے چلی۔ وہ اپنے گھر میں گیا اور مالن سے مہ جمال کا حال کہا۔ وہ دوڑی ہوئی آئی اور مہ جمال کے قدموں میں گر پڑی اور پروانوں کی طرح اس پر صدقے قربان ہونے لگی۔ اس کے بعد بڑی عزت سے چارپائی پر لے جا کر بٹھایا اور حالات پوچھتی رہی اور کہا "بیگم! یہ گھر آپ کا ہے۔ میرے بیٹے کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ آپ کے گھر کی بدولت خدا نے مالا مال کر رکھا ہے۔ اب آپ اس گھر کی مالک ہیں۔ میں اور میرا بیٹا آپ کا غلام ہے۔"

مالن نے اپنی حیثیت کے موافق اس قدر آرام مہ جمال کو پہنچایا کہ وہ مصیبتوں کو بھول گئی۔ اس نے دیکھا کہ مالن کے لڑکے کے پاس دور دور سے بیمار آتے ہیں اور وہ پہلے اپنی کفنی پر ہاتھ ملتا ہے پھر اپنے دونوں رخساروں پر ان کو رکھتا ہے اور آنکھیں کچھ دیر بند رکھ کر پھر کھول دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "جاؤ تم اچھے ہو۔" سب بیمار آن کی آن میں اچھے ہو جاتے ہیں۔

مہ جمال کئی روز تک یہ تماشا دیکھتی رہی تو اس نے مالن سے پوچھا "تیرے لڑکے میں یہ طاقت کہاں سے آ گئی۔ اس نے مجھ کو بھی ایک دن اسی طرح اچھا کر دیا تھا۔"

مالن نے ہاتھ جوڑ کر کہا "بیوی جان کی امان پاؤں تو کہوں۔" مہ جمال نے کہا "اب میں جان کی امان دینے کے قابل نہیں ہوں۔ تم کہو مجھے اس بھید کے معلوم کرنے کا شوق ہے۔"

مالن نے کہا" بیگم میرے لڑکے کو تم سے محبت ہو گئی تھی اور تمہارے فراق میں اس نے بہت دکھ اٹھائے۔ آخر ایک فقیر نے اس کو یہ کفنی دی۔ یہ اسی کی برکت ہے۔ جس سے ہزاروں کو فیض پہنچ رہا ہے اور خدا نے گھر بیٹھے تم کو بھی یہاں بھیج دیا۔"

مہ جمال پر اس خبر کا بہت اثر ہوا اور کچھ دن کے بعد اس نے مالن سے کہہ کر قاضی کو بلوایا اور کفنی پوش سے نکاح کر لیا۔

مالن نے تمام عمر مہ جمال کی ایسی خدمت کی اور ایسی محبت سے اس کو رکھا کہ وہ کہتی تھی کہ" مجھ کو اپنا بچپن بھی یاد نہیں آتا۔"

مگر مالن کے لڑکے نے کفنی پہننی بھی ترک نہ کی اور اس کفنی کا فیض دور دور مشہور ہو گیا اور اس طرح مہ جمال کی سوئی قسمت کفنی نے جگا دی۔

☆ ☆ ☆

میرزا مغل کی بیٹی لالہ رخ

غدر ۱۸۵۷ء میں جب باغی فوجیوں نے بہادر شاہ بادشاہ کے مضبوط اور بہادر لڑکے میرزا مغل کو اپنا کمانڈر انچیف بنالیا اور مرزا مغل عملاً باغیوں کی سرداری کا کام انجام دینے لگے تو ایک دن انچاس انگریز مرد بچے بوڑھے دہلی کے لال قلعے میں باغی فوج کی شرارت سے قتل کیے گئے۔ جس وقت ان انگریز مردوں اور عورتوں اور بچوں کو دیوان خاص کے سامنے قتل کرنے کے لیے کھڑا کیا گیا ہے تو مرزا مغل اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہوئے مقتل کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ان کی آٹھ برس کی لڑکی لالہ رخ بھی پاس کھڑی تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ انگریزوں کے بچے بھی قتل گاہ میں لا کر کھڑے کیے گئے اور ان بچوں نے بلبلا کر رونا شروع کیا اور ان کی مائیں گھٹنے ٹیک کر خدا سے دعا مانگنے لگیں اور انہوں نے اپنے بچوں کو چھاتی سے لگا کر زار و قطار رونا شروع کیا تو اس وقت وہ اور کوئی دوسرا آدمی ایسا نہ تھا جس کی آنکھ سے آنسو جاری نہ ہوں۔ مرزا مغل کے چند مصاحب جوان کے پاس کھڑے تھے' خصوصاً ان کی لڑکی لالہ رخ کے استاد مولانا معین اللہ صاحب آنکھوں میں آنسو بھر کر بولے۔" صاحب عالم' یہ تو بڑی سفاکی کا کام ہے۔ عورتوں اور بچوں کا قتل کس مذہب میں روا نہیں ہے اور اسلام نے تو سختی سے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ للہ' آپ فوج کو حکم دیجئے' کہ وہ ان عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرے۔" مرزا مغل نے جواب دیا کہ" بیشک یہ بہت بڑے ظلم و ستم کی بات ہے' مگر فوج کے جاہل سپاہیوں اور غصے میں بھرے ہوئے افسروں کو روکنا اور اس برے کام سے باز رکھنا آسان نہیں ہے۔ یہ لوگ بالکل جنگلی اور وحشی ہیں اور انگریزوں سے باغی ہونے کے بعد اتنے خود سر اور بے بہرہ ہو گئے ہیں کہ کسی شخص کا حکم نہیں مانتے۔ جو جی میں آتا ہے کرتے ہیں۔"

مولانا معین اللہ صاحب نے کہا" صاحب عالم کو تو انہوں نے اپنا بڑا سپہ سالار بنا لیا ہے اور جہاں پناہ ظل سبحانی' اعلیٰ حضرت بادشاہ سلامت کو یہ اپنا حکمران تسلیم کر چکے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہ آپ کا اور آپ کے والد بادشاہ سلامت کا

حکم نہ مانیں۔ آپ کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ان انگریز عورتوں اور بچوں کے رونے اور آہ و زاری کرنے سے آسمان و زمین کانپتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

مرزا مغل نے جواب دیا "مولانا! میں اور میرے والد نام کے کھلونے بنا دیئے گئے ہیں۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ نہ میرا کوئی کہنا مانتا ہے نہ بادشاہ سلامت کا۔ جب یہ انگریز عورت مرد گرفتار ہو کر آئے تو میں نے اسی مصلحت سے قلعہ میں حضرت بادشاہ سلامت کے پاس بھجوا دیا تھا کہ کسی صورت سے ان عورتوں اور بچوں کی جان بچا لوں' مگر ان ظالم باغیوں نے قلعہ کے اندر بھی ان بیچارے انگریز عورتوں اور مردوں کو اپنی گرفت کے اندر رکھا اور بادشاہ سلامت کے اثر کو کسی طرح قبول نہ کیا۔ یہاں تک کہ جب میرے کہنے سے دو ایک مرتبہ بادشاہ سلامت نے مکلف کھانے ان بے کس قیدیوں کو اپنے خاصے سے بھجوانے چاہے تو باغی مزاحم ہوئے اور بڑی مشکل سے ان قیدیوں کو وہ کھانا دینے پر رضامند ہوئے۔ ان کا اس وقت سے یہ خیال ہے کہ بادشاہ سلامت اور ان کی اولاد انگریزوں سے ملی ہوئی ہے۔ چنانچہ ان کے اکثر منہ پھٹ سپاہیوں نے میرے اور جہاں پناہ کے منہ در منہ کہا ہم نے اپنی جانوں کو اور سارے گھر بار کو تباہی میں ڈال دیا ہے مگر آپ اس کی کچھ قدر نہیں کرتے اور بات بات میں انگریزوں کی رعایت کرتے ہیں۔ اگر آپ لوگ اس سے باز نہ آئے تو پہلے ہم آپ سب لوگوں کا تلوار سے صفایا کریں گے۔ مولانا! تمہیں انصاف کرو ایسی جنگلی اور وحشی فوج سے کیونکر سفارش کی جا سکتی ہے۔ اگر اس وقت میں ان لوگوں کو عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کروں تو یہ پہلے مجھ کو اور میرے بچوں کو اسی مقام پر لے جا کر قتل کر دیں گے جہاں ان بیچارے انگریز قیدیوں کو ہلاکت کے ارادے سے لے کر گئے ہیں۔"

مولانا امین اللہ نے فرمایا کہ "صاحب عالم کی یہ مجبوری حق بجانب ہے مگر اسلام حکم دیتا ہے کہ مظلوم کی حمایت کے لیے اپنی جان تک کی بھی کچھ پروا نہ کرنی چاہیے۔ دنیا چند روزہ ہے۔ چلیے میرے ساتھ چلیے۔ میں خود جا کر ان باغیوں کو نصیحت کروں گا۔

مرزا مغل نے اس کا جواب تو نہ دیا مگر ان کے چہرے کے تذبذب اور سکوت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس خیال پر کچھ آمادہ ہونا چاہتے ہیں' مگر قبل اس کے کہ وہ ایک لفظ اپنی زبان سے نکالتے' ایک شخص نے جو مرزا کے مصاحبوں کے پیچھے کھڑا ہوا تھا' دوڑ کر مولانا امین اللہ صاحب کی پیٹھ میں ایک چھری ماری اور الٹے پاؤں یہ کہتا ہوا بھاگا کہ کافروں اور کافروں کے دوستوں کی یہی سزا ہے۔ مرزا مغل کے مصاحب اور خود مرزا مغل مولانا امین اللہ کو سنبھالنے لگے اور دو ایک آدمی قاتل کے پیچھے دوڑے تاکہ اس کو گرفتار کریں' مگر قاتل کوٹھے سے نیچے اتر کر دوڑا اور باغی سپاہیوں کے جھرمٹ میں جا کر چھپ گیا۔

چھری مولانا امین اللہ کے بائیں پہلو پر لگی تھی' جس نے پسلیوں کو چیر کر گردوں کے دو ٹکڑے کر دیئے اور بیچارے مولانا گرتے ہی رحلت کر گئے اور ایک بات بھی ان کے منہ سے نہ نکلنے پائی۔

لالہ رخ گو بچہ تھی' مگر اپنے استاد کا یہ حال دیکھ کر پہلے تو کچھ خوفزدہ ہو گئی اور اس کے بعد ہائے میرے مولوی صاحب کہہ کر رونا شروع کر دیا۔

باغی فوجیں بھاگ گئیں۔ انگریزی فوج نے دہلی فتح کر لی۔ بہادر شاہ بادشاہ ہمایوں کے مقبرے میں گرفتار ہو

گئے۔ مرزا مغل‘ مرزا ابوبکر وغیرہ فاتح فوج کے ہاتھوں اسیر ہو کر قتل کر دیے گئے۔ اس وقت لالہ رخ اپنی والدہ کے ساتھ جو مرزا مغل کی ایک منظور نظر لونڈی تھی‘ بیل گاڑی میں سوار جنگل میں جارہی تھی۔ گاڑی میں ایک لالہ رخ‘ ایک اس کی ماں اور ایک خانم نام کی ماما کل تین عورتیں تھیں اور دو مرد۔ مردوں میں ایک مرزا گھسیٹا تھے‘ جن کی دور کی قرابت شاہ عالم بادشاہ سے ہوتی تھی اور دوسرے مرزا مغل کی ڈیوڑھی کے داروغہ قدرت خاں تھے۔ گاڑی قطب صاحب کی درگاہ سے آگے بڑھ کر چھترپور کے قریب پہنچی تھی کہ سامنے سے چند سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ ان لوگوں نے سمجھا کہ انگریزی فوج آ گئی اس واسطے انہوں نے گاڑی کو راستے سے بالکل ہٹا لیا اور چاہا کہ درختوں کی آڑ میں چھپ جائیں‘ مگر گاڑی دس قدم بھی نہ بڑھنے پائی تھی کہ سوار قریب پہنچ گئے اور انہوں نے گاڑی کو گھیر لیا۔ لالہ رخ نے دیکھا ان سواروں میں وہ شخص بھی ہے جس نے مولانا معین اللہ کو شہید کیا تھا۔ اس وقت اس نے چپکے سے اپنی ماں کے کان میں کہا ”یہ انگریزی فوج نہیں ہے بلکہ باغی فوج ہے۔“ سواروں نے گاڑی کو روک لیا اور کہا ”جو کچھ مال تمہارے پاس ہو ہمیں دے دو۔“ مرزا گھسیٹا نے ایک باغی سپاہی کو پہچان کر کہا ”تم کو تو ہماری مدد کرنی چاہیے نہ کہ الٹا ہم کو لوٹو۔“ اس پر مولانا معین اللہ کے قاتل نے کہا ”تم لوگ مدد کے قابل نہیں ہو‘ کیونکہ تمہاری مخبریوں نے انگریزوں کو فتح دلوائی اور ہم کو بھاگنا پڑا۔“ داروغہ قدرت خاں نے جواب دیا ”بالکل جھوٹ ہے۔ تمہیں لوگوں نے ہماری اطاعت نہ کی اور اتنی بڑی طاقت کے باوجود بھاگ کھڑے ہوئے اور ہمارا عیش و آرام اور گھر بار برباد کر دیا۔“ یہ فقرہ سن کر باغی سوار بے تاب ہو گئے اور غضبناک ہو کر انہوں نے گاڑی بان اور مردوں پر تلواریں مارنی شروع کیں۔ چنانچہ مرزا گھسیٹا‘ داروغہ قدرت خاں اور گاڑی بان اسی جگہ مارے گئے اور بیچاری خانم بھی قدرت خاں کے بچانے میں تلوار کھا کر گر پڑی اور جان سے گئی۔ صرف لالہ رخ اور اس کی ماں زندہ بچیں۔

باغیوں نے گاڑی کا سب اسباب لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ مقتولوں کے کپڑے بھی اتار لیے۔ لالہ رخ کی والدہ کے پاس جتنا زیور تھا‘ وہ بھی چھین لیا گیا اور لالہ رخ کے کانوں میں اور گلے میں جو گہنا تھا‘ وہ بھی زبردستی اتار لیا۔ اس کے بعد آپس میں مشورے کرنے لگے کہ ان دونوں کو کون لے۔ ایک سوار نے کہا ”عورت جوان ہے‘ اس سے میں شادی کروں گا۔ اس کو مجھے دے دو۔ اور اس کے عوض میرے حصے کا زیور لے لو۔“ مولانا معین اللہ کا قاتل بولا ”اس لڑکی کو میں لوں گا کیونکہ میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔“ چنانچہ اس مشورے پر عمل کیا گیا اور لالہ رخ کی والدہ کو ایک سوار نے اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور لالہ رخ کو مولانا معین اللہ کے قاتل نے اپنے گھوڑے پر سوار کر لیا۔ لالہ رخ ”اماں اماں“ کہہ کر رونے لگی تو لالہ رخ کی ماں نے اس سوار سے کہا کہ ”میری لڑکی کو بھی تو لے لے تاکہ ہم دونوں ایک جگہ رہیں۔“ اس سوار نے کہا میں بھرت پور کا رہنے والا ہوں اور وہاں تجھ کو لے جاؤں گا اور یہ سوار جس کے حصے میں تیری لڑکی آئی ہے‘ سوہنہ ضلع گوڑگانوہ کا رہنے والا ہے۔ ہم اپنے آپس کی تقسیم کو بدلنا نہیں چاہتے۔“ لالہ رخ کی ماں نے کہا ”للہ مجھ پر رحم کرو اور اکلوتی بچی کو مجھ سے نہ چھڑاؤ۔“ مگر ان ظالموں کو ذرا رحم نہ آیا اور بھرت پوری سوار لالہ رخ کی ماں کو لے کر بھرت پور چلا گیا اور مولانا معین اللہ کا قاتل لالہ رخ کو لیے ہوئے سوہنہ پہنچ گیا۔

لالہ رخ کا بیان ہے کہ جب میری والدہ مجھ سے جدا ہو کر چلیں تو وہ اپنے بال نوچتی تھیں اور دھاڑیں مار مار کر روتی تھیں اور میں بھی ”اماں اماں“ کہہ کر چیختی تھی‘ مگر ان ظالموں کو ہم میں سے کسی کی فریاد پر بھی رحم نہ آتا تھا۔ مجھ کو جب

تک اماں کا گھوڑا نظر آتا رہا' ان کو چیخ چیخ کر پکارتی رہی' لیکن جب گھوڑا آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تو میں چپ ہو گئی۔ سوہنہ میں پہنچ کر وہ شخص مجھ کو اپنے مکان میں لے گیا۔ وہ ذات کا گھوسی تھا۔ اس کے گھر میں تین چار بھینسیں بندھی ہوئی تھیں۔ اس کی بیوی نے جب مجھ کو دیکھا اور خاوند سے یہ سنا کہ وہ مجھ کو بیٹی بنانے کے لیے لایا ہے تو وہ بہت خوش ہوئی اور اس نے مجھ کو پیار محبت سے اپنے پاس بٹھایا۔ آٹھ دن تک اس گھوسن نے میری ایسی خاطر کی کہ میں اپنی ماں کی جدائی کے غم کو بھول گئی۔ آٹھ دن کے بعد یکایک انگریزی فوج آئی اور اس نے میرے موجودہ باپ کو پکڑ لیا اور گھر کا تمام مال و اسباب ضبط کر کے لے گئی۔ مجھ کو میری گھوسن ماں نے بہت تسلی دی اور پڑوس کے ایک شخص کے ہاں لے کر چلی گئی۔ تین روز کے بعد ہم نے سنا کہ وہ گھوسی بغاوت کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور اس کا تمام مال و اسباب نیلام ہو گیا۔ بچاری گھوسن بھاگتے وقت کچھ نقدی اپنے ساتھ لے گئی تھی' جس سے وہ دو سال تک اپنا گذارہ کرتی رہی اور میری دلداری میں اس نے کسی قسم کی کمی نہیں کی۔

ایک روز رات کو ہمارے گھر میں چور آئے اور انہوں نے میری گھوسن ماں کے گلے میں سے ہنسلی اتارنی چاہی۔ گھوسن ماں کی آنکھ کھل گئی اور اس پر چوروں نے گھوسن ماں کا گلا گھونٹ ڈالا۔ وہ بچاری اس صدمے سے مر گئی۔

گھوسن ماں کے مرنے کے بعد ایک دو دن تک مکان والوں نے مجھ سے کچھ نہ کہا بلکہ تسلی و تشفی سے پیش آتے رہے' مگر تین دن کے بعد اس مکان والے کی بیوی نے کہا "اری تو دن بھر بیٹھی رہتی ہے۔ کچھ کام کیوں نہیں کرتی۔ ہمارے ہاں مفت کی روٹی نہیں ہے۔ خدمت کرے گی تو کھانے کو ملے گا۔" میں نے کہا "مجھے کام بتاؤ۔ تم جو کہو گی میں وہی کروں گی۔" اس عورت نے کہا "گھر میں جھاڑو دیا کر۔ بھینسوں کا گوبر اٹھایا کر اور ان کے اُپلے تھاپا کر۔"

میں نے جواب دیا "اُپلے تھاپنے مجھ کو نہیں آتے۔ جھاڑو میں نے کبھی نہیں دی۔ یہ کام میں نے کبھی نہیں کیئے۔ میں ہندوستان کے بادشاہ کی پوتی ہوں' مگر خدا نے یہ وقت مجھ پر ڈالا ہے' تو جو کام تم کہو گی وہی کروں گی۔ دو چار دفعہ مجھ کو یہ کام کر کے بتاؤ تاکہ میں سیکھ جاؤں۔" وہ عورت بڑی نرم مزاج تھی۔ اس نے مجھ کو جھاڑو دینی اور اُپلے تھاپنے سکھا دیئے اور میں یہ کام کرنے لگی۔

ایک دن مجھ کو شدت کا بخار تھا اور اس کی تکلیف کے سبب مجھ سے اُپلے نہ تھاپے گئے۔ اس عورت کا خاوند گھر میں آیا اور مجھ کو پڑا ہوا دیکھا تو اس نے میرے ایک ٹھوکر ماری اور کہا "دس بج گئے تو اب تک پڑی سوتی ہے۔ یہ لال قلعہ نہیں ہے۔ گھوسی کا گھر ہے۔ اٹھ کر بیٹھ اور گوبر تھاپ۔" گھوسی کے ٹھوکر مارنے سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے' میں اٹھ بیٹھی اور کہا "مجھ سے خطا ہو گئی۔ میں ابھی گوبر تھاپتی ہوں۔" چنانچہ میں نے اسی بخار کی حالت میں جھاڑو دی اور اُپلے بھی تھاپے۔ اس وقت تو مجھے اتنی سمجھ نہ تھی' مگر آج جب مجھے اس مصیبت کا دھیان آتا ہے تو دل بے چین ہو جاتا ہے اور میں سوچتی ہوں کہ ان کم بخت ظالم باغیوں کی بدولت ہم لوگوں کو کیسی چتا سہنی پڑی۔ ہم اس محل کے رہنے والے تھے جس کے اندر کا تصور شاعروں سے عجیب و غریب نظمیں لکھواتا تھا اور جہاں یہ شعر لکھا ہوا تھا:

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمی است و ہمی است و ہمی است

(اگر زمین پر کہیں بہشت ہے تو وہ یہی ہے یہی ہے)

مگر مصیبت نے یہ دن دکھایا کہ ہم محلوں سے نکل کر در بدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے اور اُپلے تھاپتے تھے۔
دو سال اسی مصیبت میں گزرے۔ آخر اسی گھوسی نے اپنے بھائی کے ساتھ میری شادی کر دی' جہاں میری ساری عمر بسر ہوئی۔
میں نے گھوسیوں کی زندگی میں جان بوجھ کر کبھی قلعہ اور اس کی بادشاہی کا خیال نہیں کیا' مگر میں مجبور تھی کہ دل ہر روز بچپن کا وقت یاد دلاتا تھا اور سوتے میں بھی دیکھا کرتی تھی کہ میرے والد مرزا مغل مسند پر بیٹھے ہیں۔ میں ان کے زانو پر سر رکھے لیٹی ہوں۔ لونڈیاں چنور ہلا رہی ہیں اور دنیا مجھ کو بہشت کا ٹکڑا معلوم ہوتی ہے' لیکن جب آنکھ کھلتی تھی تو ٹوٹے ہوئے چھپر' ایک چکی' ایک چرخہ اور تین چار پائیوں کے سوا گھر میں کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔
اب اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ کیا تم مرزا مغل کی بیٹی لالہ رخ ہو؟ تو میں صاف کہہ دوں گی کہ نہیں۔ میں تو ایک غریب گھوسن ہوں' کیونکہ آدمی کی ذات وہی ہے کہ جس ذات کے کام کرتا ہو۔

☆ ☆ ☆

غدر کی زچہ

نواب فولاد خاں کی لاش پہاڑی کے مورچے سے گھر میں آئی تو ان کی بہو کے درد زہ ہو رہا تھا۔ اس وقت دہلی کا کوئی گھر ایسا نہ تھا' جہاں بھاگنے اور شہر سے نکلنے کی تیاری نہ ہو رہی ہو۔ بہادر شاہ بادشاہ کی نسبت عام چرچا ہو گیا تھا کہ وہ بھی لال قلعہ سے نکل کر مقبرہ ہمایوں میں چلے گئے۔
نواب فولاد خاں خاندانی امیر تھے' مگر ان کے والد کسی قصور کے سبب معین الدین اکبر شاہ کے دربار میں معتوب ہوئے اور منصب و جاگیر ہاتھ سے دے بیٹھے۔ اس وقت فولاد خاں جوان تھے اور انہوں نے انگریزی فوج میں نوکری کر لی تھی۔ فوج باغی ہوئی تو یہ بھی انگریزی سرکار سے برگشتہ ہو گئے۔ آخری دن وہ اپنے رسالے کو لے کر دھاوے پر گئے تھے۔ پہاڑی پر انگریزی مورچہ تھا۔ بڑی بہادری اور جی داری سے لڑے اور آخر ایک گولے کا ٹکڑا لگنے سے ان کا کام تمام ہو گیا۔ سپاہی لاش کو گھر میں لائے تو یہ تماشا دیکھا کہ ان کی بہو کے درد زہ ہو رہا ہے اور دائی کوئی ملتی نہیں۔
فولاد خاں کا جوان بیٹا چار دن پہلے مارا گیا تھا۔ غریب عورت چار دن کی بیوہ تھی۔ ساس کو مرے ہوئے دو برس گزر چکے تھے۔ گھر میں سسر کے سوا اور کوئی ولی وارث نہ تھا۔ اب وہ بھی خون میں نہائے' آنکھیں بند کئے' چہرے پر مردنی کی نقاب ڈالے گھر میں آئے تو سکینہ خانم کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔
گھر میں سب کچھ موجود تھا۔ ایک چھوڑ چار چار مامائیں خدمت میں حاضر' لیکن سر دھرے کی ڈھارس ہی اور ہوتی ہے۔ سکینہ خانم نے سسر کا مرنا سنا تو ہائے کا نعرہ مار کر بیہوش ہو گئی۔
لاش صحن میں رکھی تھی' سپاہی دروازے پر کھڑے تھے۔ سکینہ دالان میں پلنگ پر بیہوش پڑی تھی۔ دو مامائیں سکینہ کے سرہانے اور پائنتی دم بخود بیٹھی تھیں اور دو اوسان باختہ کھڑی قدرت کی یہ سیر دیکھتی تھیں اور زار و قطار روتی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد سکینہ خانم کو ہوش آیا اور درد کی شدت سے بیتاب ہو کر اس نے ماما سے کہا "دیکھو ڈیوڑھی پر کوئی سپاہی ہو تو اس سے دائی تلاش کراؤ۔" ماما دوڑی ہوئی دروازے پر گئی اور ہے ہے ہے ہے کہتی ہوئی الٹے پاؤں بھاگی ہوئی آئی اور کہا "بی بی! سپاہیوں کو گورے خاکی پکڑے لیے جاتے ہیں اور وہ گورے خاکی وردی والے (غدر میں انگریزی سپاہیوں کا نام خاکی تھا) ہمارے گھر کے قریب آتے ہیں۔ سکینہ بولی "مردار دروازہ تو بند کر۔" ماما پھر الٹی پھری اور اس نے دروازے کے کواڑ بند کر دیئے۔ اب درد اور بڑھا اور بیچاری سکینہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ نہ دائی پاس تھی نہ اور کچھ سامان۔ قدرت نے خود ہی مشکل آسان کر دی' مگر سکینہ غریب صدمے سے پھر بے ہوش ہو گئی' ماما نے جلدی سے لڑکے کو نہلایا اور نہالچے میں لپیٹ کر گود میں لے لیا۔

سکینہ کی عمر سترہ سال کی تھی۔ شادی کو صرف سوا برس ہوا تھا۔ میکہ فرخ آباد میں اور وہ دہلی میں۔ جہاں یہ افراتفری۔ ہوش آیا تو اس نے ماما سے کہا "مجھے سہارا دو۔ اٹھا کر بٹھاؤ۔" وہ بولی "بیٹی! ایسا غضب نہ کرنا۔ ابھی لیٹی رہو۔ تم میں بیٹھنے کی حالت کہاں ہے۔" سکینہ نے کہا "تو بہ بوا۔ یہ وقت کہیں ان احتیاطوں کا ہے۔ قسمت خبر نہیں ابھی اور کیا کیا دکھائے گی۔"

ماما نے یہ سن کر سر کو سہارا دیا اور سکینہ کو بٹھا کر گاؤ تکیہ کمر سے لگا دیا۔ سکینہ نے پہلے اپنے بچے کو ماتا بھری نظروں سے دیکھا جو دنیا میں اس کی سب سے پہلی مراد تھی اور چاہا کہ برابر دیکھے جائے مگر اس کو شرم آ گئی اور اس نے مسکرا کر اپنا رخ بچے کی طرف سے ہٹا لیا۔ جوں ہی اس کی نظر صحن کی طرف گئی' فولاد خاں کی میت رکھی دکھائی دی۔ اس کی خوشی کو ایک دھکا سا لگا جس سے وہ بیتاب ہو گئی اور دانشمند ہونے کے باوجود اس کے منہ سے بہکی بہکی باتیں نکلنے لگیں۔ اس نے کہنا شروع کیا۔

"اپنے یتیم پوتے کو دیکھ لیجئے۔ اٹھیے جس کی آپ کو بہت آرزو تھی وہ پیدا ہو گیا۔ اس کے باپ کو گود میں لے کر قبر میں سلایا تھا۔ اس کو بھی آغوش میں لے کر قبر میں سو جایئے۔ میں بے وارثی اس کو کہاں رکھوں کیوں کر رکھوں۔ اس ننھے مہمان کو کیا خبر کہ جس گھر میں وہ آیا ہے' وہ ایک بڑی مصیبت میں مبتلا ہے۔ دہلی میں آپ میرے باپ تھے' آج آپ بھی مر گئے۔ فرخ آباد میں میرے باپ ہیں' مگر وہ جیتے جی مجھ سے بچھڑ گئے۔ اس لڑکے کا بھی ایک باپ تھا' جس سے میری دنیا آباد تھی۔ اس کو بھی گولی نے مار ڈالا۔"

یہ فقرہ کہہ کر سکینہ کو کچھ خیال آ گیا۔ اس نے دل کی چھپی ہوئی تکلیف سے بے تاب ہو کر آہستگی سے بایاں ہاتھ اس پر رکھ دیا اور دایاں ہاتھ منہ پر رکھ کر گردن تکیے سے لگا کر رونے لگی اور روتے روتے اس کو پھر غش آ گیا۔

ماما نے سکینہ کو غش میں چھوڑا اور دروازہ کھول کر باہر گئی کہ کسی کو بلائے اور فولاد خاں کے دفن کا بندوبست کرے' مگر اس کو ساری گلی سنسان نظر آئی۔ ایک آدمی بھی چلتا پھرتا دکھائی نہ دیا' تو اشارے سے دوسری ماما نے بلایا اور کہا "بوا! اپنی جان کی خیر مناؤ اور چلو یہاں سے بھاگ چلو۔ بیوی کے ساتھ رہیں تو جان مفت میں جاتی رہے گی۔" وہ بولی "ایسے کٹھن وقت میں مالک کو دغا دینا اور اپنی جان لے کر بھاگ جانا بڑی بے وفائی اور بے مروتی کی بات ہے اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ ایک بے کس بچہ بھی ہے۔" پہلی نے جواب دیا "دیوانی بنی ہے۔ کس کی وفا' کیسی مروت۔ جان ہے تو جہان ہے۔ میں تو جاتی ہوں۔ تو جانے تیرا کام۔ خاکی ابھی آتے ہوں گے۔ گھر لوٹ لیں گے اور ہم سب کو مار ڈالیں گے۔" یہ سن کر

دوسری کے دل میں بھی سختی پیدا ہوئی اور اس نے تیسری اور چوتھی کو اشارے سے پاس بلایا۔ وہ نامرادیں بھی بھاگنے پر آمادہ ہو گئیں اور کہا "چلتی ہو تو کچھ خرچ لے کر چلو۔ سکینہ بے ہوش ہے۔ کنجیاں سرہانے سے لے لو اور نقدی کا صندوقچہ کوٹھڑی سے نکال کر چل دو۔"

جس کی گود میں بچہ تھا' اس کو ترس آیا اور کہنے لگی "اس کو کون رکھے گا۔" ایک نے کہا "ماں کے پاس لٹا دو۔" بولی "نہیں بوا! میں اس کو ساتھ لے کر چلوں گی۔" سب ایک منہ ہو کر بولیں "واہ سبحان اللہ! اپنی جان تو سنبھلتی نہیں' بچے کو کیونکر سنبھالو گی۔ اس کے علاوہ بیچاری سکینہ پھڑک کر مر جائے گی۔ تم کو رحم نہیں آتا۔" اس نے جواب دیا "تم سکینہ کو اکیلا چھوڑ کر جاتی ہو۔ اس پر تم کو رحم آتا نہیں۔ میں اس لال کو کیوں نہ لے جاؤں۔ میں اپنی بچی کو دوں گی۔ وہ اس کو پالے گی۔ اس کا بچا ابھی مر گیا ہے۔ یہاں چھوڑا تو سکینہ بھی مرے گی اور یہ بچہ بھی۔"

آخر وہ چاروں کی چاروں نقدی کا صندوقچہ اور بچے کو ساتھ لے کر گھر سے نکل کر اپنے اپنے ٹھکانوں کو چلی گئیں اور سکینہ کو اس گھر میں اکیلا چھوڑ دیا' جہاں ایک لاش کے سوا دوسرا آدمی نہ تھا۔

سکینہ پر زچگی کی ناتوانی' بے کسی و پریشانی کا ایسا اثر ہوا تھا کہ چار گھنٹے بیہوش رہی۔ رات کے آٹھ بجے ہوش آیا تو گھر میں اندھیرا گھپ تھا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ جب کچھ دکھائی نہ دیا تو سمجھی میں مر گئی ہوں اور یہ قبر کی تاریکی ہے۔ بے اختیار منہ سے کلمہ نکلا اور اس نے کہنا شروع کیا "دین میرا اسلام' رسول میرا محمدؐ۔ خدا میرا ایک وحدہ لاشریک۔ یا اللہ توبہ ہے میں بے گناہ ہوں۔ میری قبر کو اندھیرے میں نہ رکھ اور جنت کی روشنی دے۔"

تھوڑی دیر میں اس کو آسمان پر تارے چمکتے دکھائی دیئے اور وہ سمجھی کہ میں زندہ ہوں اور پلنگ پر لیٹی ہوں۔ تب تو اس نے ماماؤں کو آوازیں دینی شروع کیں۔ جب کوئی نہ بولا تو ڈر کر اور بے اوسان ہو کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی کمزوری جاتی رہی یا اس کو یاد نہ رہا کہ میں کمزور ہوں۔ پلنگ سے نیچے اتری۔ شمع روشن کی تو اس نے دیکھا گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ صحن میں سسرے کی لاش رکھی ہے۔ اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

رات کے وقت مردے کو دیکھ کر اس کو بہت ڈر لگا اور چیخیں مارنے لگی۔ محلے میں کوئی آدمی ہوتا تو چیخنے کی آواز سے دوڑ کر اندر آتا' مگر محلے والے تو پہلے ہی سب بھاگ چکے تھے۔ سکینہ چیختے چیختے ایسی دہلی اور ایسی ڈری کہ اس کے حواس جاتے رہے اور تڑا کھا کر فرش پر گر پڑی اور پھر اس کو غش آ گیا۔

صبح تک اس کے حواس درست نہ ہوئے اور وہ فرش پر بے ہوش پڑی رہی۔ دن چڑھا تو اس نے آنکھ کھولی۔

اس وقت دل میں ایک طرح کی سہار اس کو معلوم ہوئی۔ اگرچہ دو وقت سے اس نے کچھ کھایا نہ تھا' مگر غم اور خوف' مصیبت کی تیزی میں انسان کو مضبوط بنا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ فوجی گھرانے میں پرورش پانے کے سبب اس کا دل بھی عام عورتوں کی طرح بودا نہ تھا۔ اس نے چاہا کہ میت کو دفن کرنے کی تدبیر کرے اور خود کچھ کھائے' کیونکہ بھوک اس کو شدت کی معلوم ہوتی تھی۔ یکایک اس کو خیال آیا کہ میرا بچہ کیا ہوا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ کلیجے میں مامتا کی ایک ہوک سی اٹھی اور اس نے دیوانوں کی طرح دوڑ دوڑ کر سارے گھر میں ڈھونڈنا شروع کیا اور جب کہیں بچہ نہ ملا تو پانی کے مٹکوں کی چپنیاں اٹھا اٹھا کر مٹکوں کو جھانکنے لگی کہ ان کے اندر میرا بچہ نہ ہو۔ پلنگ کے تکیے اٹھا اٹھا کر چھاتی سے لگانے لگی۔

آخر معصیت کے عروج نے پھر اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کے دل کو تھوڑی سی تسلی دی اور وہ بچے کے خیال کو بھول گئی اور سسرے کے دفن کا خیال اس کے سامنے آ گیا۔ اس نے الماری کھولی ایک سفید چادر نکالی اور شہید کی لاش پر ڈال دی اور مصلیٰ بچھا کر سجدے میں گر پڑی اور رو رو کر کہنے لگی:

"اے خدا! تیرے ایک بندے کی لاش ہے' جس کو نہ کفن میسر ہے نہ دفن' قبر نصیب ہے نہ نماز' اپنے فرشتوں کو بھیج کہ وہ اس کی نماز پڑھیں اور اپنی آغوش رحمت میں اس کو دفن کر دیں۔ مجھے سب نے دغا دی۔ میرا تاجدار بھی ملک خاک کے پردیس میں چلا گیا۔ میرا لال بھی مجھ سے چھن گیا۔ اب تیرے سوا میرا کوئی وارث نہیں ہے۔ یہ بیکسی کا سجدہ قبول کر اور میرا ہاتھ پکڑ۔"

سکینہ خانم ابھی سجدے میں تھی کہ دروازہ کھلا اور چار سپاہی خاکی وردی پہنے ہوئے اندر آئے۔ سکینہ نے جلدی سے سر اٹھایا اور نامحرم مردوں کو آتا دیکھ کر چادر چہرے پر ڈال لی اور ڈر کر کوتے میں چھپنا چاہا' مگر سپاہی اندر آ چکے تھے۔ انہوں نے سکینہ کو پکڑ لیا اور زبردستی چہرہ کھول کر دیکھا اور سب مل کر بولے "جوان ہے جوان ہے اور بڑی خوبصورت۔"

اس کے بعد انہوں نے سکینہ کو چھوڑ دیا اور گھر کا سب اسباب دیکھنے لگے۔ نقدی تو مامائیں لے گئی تھیں۔ کچھ زیور اور نفیس کپڑے انہوں نے لوٹے۔ صحن میں میت کے اوپر سے چادر اٹھا کر انہوں نے کہا "او تو یہ کوئی بڑا باغی ہے۔"

اس کے بعد سپاہیوں نے سکینہ کو ہاتھ پکڑ کے اٹھا لیا اور کہا "چل ہمارے ساتھ چل۔" سکینہ منہ سے نہ بولی اور سپاہیوں کے جبر سے مجبور ہو کر کھڑی ہو گئی۔ وہ نہ کہہ سکی کہ میں زچہ ہوں۔ اس نے نہ کہا کہ میں بھوکی ہوں۔ اس کے منہ سے نہ نکلا کہ مجھے نہ ستاؤ۔ میرا اس دنیا میں کوئی حامی نہیں ہے۔ اس کو خاندانی شرافت اور غیرت بات کرنے سے روکتی تھی۔

جب سپاہی اس کو گھسیٹ کر لے چلے اور سکینہ دروازے پر پہنچ گئی تو اس نے مڑ کر گھر کو دیکھا اور ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا:

"رخصت اے سسرال' سلام اے بے گور و کفن مرنے والے۔ میں ان تلوار چلانے والوں کی ناموس ہوں' جو زندہ ہوتے تو اپنی آبرو پر مر جاتے۔"

سکینہ کے اس درد بھرے فقرے پر سپاہی ہنسے اور اس کو کھینچتے ہوئے باہر چلے گئے۔ سکینہ کچھ دور تو چپ چاپ چلی گئی۔ اس کے بعد اس نے کہا:

"میں زچہ ہوں' مجھ پر رحم کرو۔ میں بھوکی ہوں' مجھ پر ترس کھاؤ۔ میں تمہارے ملک کی ہوں' میں تمہارے مذہب کی ہوں' میں عورت ہوں اور بے خطا ہوں۔"

یہ سن کر چاروں سپاہی رک گئے اور انہوں نے افسوس کر کے کہا "تو نہ گھبرا۔ ہم تیرے لیے سواری لاتے ہیں۔" یہ کہہ کر تین آدمی ٹھہر گئے اور ایک آدمی زخمیوں کی گاڑی لایا' جس میں سکینہ کو ڈال کر پہاڑی کے کیمپ میں لے گئے۔

بارہ برس کے بعد

کسی کو معلوم نہیں غدر کی زچہ سکینہ پر بارہ برس کیسے گذرے اور وہ کہاں کہاں رہی اور اس نے کیسی کیسی مصیبتیں اٹھائیں۔ ہم نے جب اس کو دیکھا تو رہتک کے ایک محلے میں وہ بھیک مانگ رہی تھی۔ اس کے پاؤں میں جوتی نہ تھی۔ اس کا پاجامہ پھٹا ہوا تھا' اس کا کرتا بے حد میلا اور پیوندار تھا اور سر کا دوپٹہ بالکل پھٹا ہوا ایک چیتھڑا سا معلوم ہوتا تھا۔ وہ غالباً بہت فاقہ زدہ تھی۔ ہڈی سے چمڑا لگ گیا تھا۔ آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے تھے۔ سر کے بال الجھے ہوئے تھے' چہرے پر حسن موجود تھا' مگر لٹا ہوا۔ آنکھوں میں قدرتی زیبائش موجود تھی' لیکن اجڑی ہوئی اور ستائی ہوئی۔ وہ چلنے میں چکراتی تھی اور دیوار پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا لیتی تھی۔ اس کے پاؤں لڑکھڑاتے تھے تو ذرا ٹھہر کر سانس لیتی تھی' پھر آگے بڑھتی تھی۔

تھوڑی دور جا کر اس کو ایک شادی کا گھر ملا' جہاں سینکڑوں آدمی کھانا کھا کر باہر آ رہے تھے۔ یہ وہاں ٹھہر گئی اور اس نے بڑے دردناک انداز سے یہ صدا لگائی:

"فلک کی ستائی ہوں۔ بڑے گھر کی جائی ہوں' عزت گنوا کر شرم مٹا کر روٹی کھانے آئی ہوں۔ بھلا ہو صاحب' روٹی کا ٹکڑا مجھ کو بھی۔ سہرے کی خیر' گھوڑے کی خیر' جوڑے کی خیر' ایک نوالہ مجھ کو بھی۔"

سکینہ کی صدا فقیروں کے غل شور میں کسی نے نہ سنی بلکہ ایک نوکر نے جو شادی کا منتظم تھا' اس کو ایسا دھکا دیا کہ بیچاری چاروں شانے چت گر پڑی اور گرتے وقت بے کسی کے لہجے میں اس نے کہا:

"میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا' مجھے نہ مار کہ میں خود قسمت کی ماری ہوئی ہوں۔ اے خدا میں کہاں جاؤں' اپنی بپتا کس کو سناؤں۔" یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔

ایک لڑکا کھڑا ہوا یہ حال دیکھ رہا تھا۔ اس کو خود بخود سکینہ پر ترس آیا اور بے اختیار رونے لگا۔ اس نے سکینہ کو سہارا دے کر اٹھایا اور کہا "آؤ میرے ساتھ چلو۔ میں تم کو روٹی دوں۔"

سکینہ لڑکے کے ساتھ بمشکل اٹھ کر گئی۔ لڑکا قریب کے ایک گھر میں خدمت گاری پر نوکر تھا۔ وہاں لے گیا اور شادی کا آیا ہوا اپنے حصے کا کھانا اس کے آگے رکھا۔ سکینہ نے دو لقمے کھائے۔ پانی پیا۔ آنکھوں میں دم آیا تو لڑکے کو ہزار ہزار دعائیں دینے لگی۔

اب جو اس نے لڑکے کو غور سے دیکھا تو اس کے دل میں دھواں سا اٹھا اور وہ بے اختیار ہو کر لڑکے کے گلے لگ کر رونے لگی اور لڑکا بھی سکینہ کو چمٹ کر بے تاب سا ہو گیا۔ سکینہ نے پوچھا "تو کس کا بچہ ہے؟" بولا "میری ماں اس گھر کی ماما ہے اور میں یہیں نوکر ہوں۔" سکینہ نے کہا "تمہاری ماں کہاں ہے؟" لڑکے نے جواب دیا "وہ اور نانی دونوں شادی میں گئی ہوئی ہیں۔ ان چودھرائن کے ساتھ جن کی وہ نوکر ہیں۔" سکینہ یہ سن کر چپ ہو گئی۔ مگر وہ سوچتی تھی کہ اس لڑکے پر مجھے ایسی محبت کیوں آ رہی ہے۔ بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا ہے' لیکن احسان دل کو بے قرار نہیں کیا کرتا۔

اتنے میں لڑکے کی ماں اور نانی گھر میں آئیں تو سکینہ نے فوراً پہچان لیا کہ لڑکے کی نانی سکینہ کی ماما ہے جو غدر میں اس کے بچے کو لے کر بھاگ گئی تھی۔ ماما نے سکینہ کو نہ پہچانا' مگر جب سکینہ نے اس کا نام لے کر پکارا اور اپنا نام اور حال

اس کو بتایا تو ماما اس کو لپٹ گئی اور بے اختیار رونے لگی۔

لڑکے کو معلوم ہوا کہ میں دراصل سکینہ کا بیٹا ہوں تو وہ پھر دوبارہ سکینہ کو چمٹ کر رونے لگا اور سکینہ نے اپنے بچے کو چھاتی سے لگا کر آسمان کو دیکھا اور کہا۔

''شکر اے پروردگار! احسان اے مولا! کہ غدر کی تباہی میں میرے بچے کو زندہ رکھا اور بارہ برس کے بعد مجھ کڑی کے دن پھیر دیئے۔''

اس کے بعد سکینہ نے فرخ آباد اپنے میکے میں خط بھجوایا۔ وہاں باپ مر چکے تھے۔ تین بھائی زندہ تھے۔ وہ رہتک آئے اور بہن اور بھانجے کو ہمراہ لے گئے۔ لڑکے نے ماما اور اس کی لڑکی یعنی پالنے والی کو ساتھ لے لیا اور فرخ آباد جا کر انہوں نے امیرانہ زندگی بسر کی۔

☆ ☆ ☆

بھکاری شہزادہ

دلی کی جامع مسجد سے جو راستہ مٹیا محل اور چتلی قبر ہوتا ہوا دلی دروازہ کی طرف گیا ہے' وہاں ایک محلہ کلو خواص کی حویلی کے نام سے مشہور ہے۔ اس محلے سے روزانہ رات کو اندھیرا ہو جانے کے بعد ایک فقیر باہر آتا ہے اور جامع مسجد تک جاتا ہے۔ پھر وہاں سے واپس چلا آتا ہے۔ اس فقیر کا قد بہت لمبا ہے۔ جسم دبلا ہے۔ داڑھی چگی ہے اور سفید ہے۔ کلے پچکے ہوئے ہیں۔ آنکھوں سے معذور ہے۔ میلا پیوند لگا ہوا ایک پاجامہ ہے۔ ٹوٹی ہوئی جوتیاں جن کو لترا کہنا چاہئے' پیروں میں ہیں۔ کرتہ بہت میلا ہے اور اس میں بھی دس بارہ پیوند ہیں۔ سر پر پٹھے ہیں' لیکن بال بہت الجھے ہوئے ہیں۔ پھٹی ہوئی ایک ٹوپی تالو پر رکھی ہے۔ فقیر کے ایک ہاتھ میں بانس کی اونچی سی لکڑی ہے اور ایک ہاتھ میں مٹی کا پیالہ ہے جس کا ایک کنارہ ٹوٹا ہوا ہے۔ فقیر کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یا تو چنڈو پیتا ہے اور یا کئی مہینے کی بیماری کے بعد آج ہی اٹھا ہے کیونکہ چہرے پر زردی چھائی ہوئی ہے۔ جب چلتا ہے تو دائیں پاؤں کو گھسیٹ کر قدم اٹھاتا ہے۔ شاید اسے کبھی فالج ہو گیا ہو۔

دردناک آواز

اس کی آواز بہت بلند اور دردناک ہے۔ جب وہ نہایت مایوس اور حسرت آمیز لہجے میں بلند آواز سے کہتا ہے ''یا اللہ ایک پیسے کا آٹا دلوا دے۔ تو ہی دے گا۔ تو ہی دلوائے گا۔ ایک پیسے کا آٹا دلوا دے۔'' تو بازار والے اور بازار کے قریب جتنے گھر ہیں' ان کے رہنے والے اس آواز سے خود بخود متاثر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے سوائے دو چار کے کوئی بھی واقف نہیں ہے کہ فقیر کون ہے اور اس کی آواز میں اتنا درد کیوں ہے۔ بعض گھروں کی عورتیں تو یہ کہنے لگتی ہیں کہ شام ہوئی اور یہ منحوس آواز کانوں میں آئی۔ ہمارا تو کلیجہ پاش پاش ہو جاتا ہے' جب یہ آواز سنتے ہیں۔ خبر نہیں کون فقیر ہے

جو ہمیشہ رات ہی کے وقت بھیک مانگنے نکلتا ہے۔ دن کو کبھی اس کی آواز نہیں آتی۔

فقیر جب کلو خواص کی حویلی سے بازار میں آتا ہے تو سیدھا جامع مسجد کی طرف لکڑی ٹیکتا ہوا اپنے داہنے مفلوج پاؤں کو کھینچتا ہوا ٹوٹے ہوئے لیتڑوں سے خاک اڑاتا ہوا آہستہ آہستہ چلا جاتا ہے۔ ایک ایک منٹ کے وقفے کے بعد اس کی زبان سے بس یہ صدا بلند ہوتی ہے "یا اللہ! ایک پیسے کا آٹا دلوا دے۔ تو ہے دے گا۔ تو ہی دلوائے گا۔ ایک پیسے کا آٹا دلوا دے۔"

فقیر کسی دکان پر یا کسی شخص کے سامنے ٹھہرتا نہیں۔ سیدھا چلتا رہتا ہے۔ اگر کسی راہ گیر کو یا دکان دار کو رحم آ گیا اور اس نے فقیر کے پیالے میں پیسہ ڈال دیا یا آٹا یا اور کچھ کھانے کی چیز ڈال دی تو فقیر نے بس اتنا کہا "بھلا ہو بابا۔ خدا تم کو برا وقت نہ دکھائے۔" اور آگے بڑھ گیا۔ آنکھوں کی معذوری کی وجہ سے دیکھ بھی نہیں سکتا کہ اس کو خیرات دینے والا کون تھا اور کون ہے۔

جامع مسجد سے واپسی کے وقت بھی یہی آواز لگاتا ہوا کلو خاص کی حویلی میں آ جاتا ہے۔ اس حویلی میں غریب مسلمانوں کے بہت سے الگ الگ چھوٹے چھوٹے مکان ہیں۔ انہی مکانوں میں ایک بہت ہی چھوٹا اور ٹوٹا پھوٹا مکان اس فقیر کا بھی ہے۔ گھر کے دروازے پر واپس آتا ہے تو کواڑوں کی لگی ہوئی کنڈی کھول کر اندر جاتا ہے۔ اس مکان میں صرف ایک دالان ہے اور ایک کوٹھری ہے اور ایک پاخانہ ہے اور چھوٹا سا صحن ہے۔ دالان میں ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی ہے اور فرش پر ایک پھٹا ہوا کمبل بچھا ہوا ہے۔

بادشاہ کا نواسہ

دہلی والوں کو معلوم ہی نہیں کہ یہ فقیر کون ہے۔ بس دو چار جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ بہادر شاہ بادشاہ کا حقیقی نواسہ ہے اور اس کا نام میرزا قمر سلطان ہے۔ غدر سے پہلے خوبصورت جوان تھا اور قلعہ میں اس کے حسن کی اور قد رعنا کی بڑی دھوم تھی۔ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا تھا تو قلعہ کی عورتیں اور دہلی کے بازار والے راستہ چلتے چلتے کھڑے ہو جاتے تھے اور اس کی خوبصورتی کو دیکھتے تھے اور سب لوگ جھک جھک کر سلام کرتے تھے۔

یا آج یہ وقت ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے اور مسلمانوں کی سلطنت اور تہذیب کی بربادی نے اس کو بھکاری بنا دیا۔ گورنمنٹ نے پانچ روپے ماہوار پنشن مقرر کی تھی۔ وہ بھی فضول خرچی کی وجہ سے بنیے کے ہاں رہن ہو گئی۔ اب رات کو گداگری کے لیے نکلتا ہے اور جو کچھ مل جاتا ہے اس سے دونوں وقت کی گذر اوقات کر لیتا ہے۔

کسی نے پوچھا "میرزا! تم دن کو باہر کیوں نہیں آتے؟" شہزادہ قمر سلطان نے جواب دیا "جن بازاروں میں میری اچھی صورت اور شاندار سواری کی دھوم مچا کرتی تھی ان بازاروں میں یہ بری حالت لے کر دن کے وقت نکلتے ہوئے شرم آتی ہے اس لیے رات کو نکلتا ہوں اور صرف خدا سے مانگتا ہوں اور اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہوں اور مجھے وہی دیتا ہے۔"

پھر کسی نے کہا "میرزا! کیا افیون کی عادت بھی ہے؟" تو شہزادہ قمر سلطان جواب دیتا ہے کہ جی ہاں بری محبت

کے سبب افیون کی عادت بھی پڑگئی ہے اور کبھی کبھی چنڈو بھی پی لیتا ہوں۔"
پھر پوچھا گیا کہ "غدر سے لے کر آج تک تم پر کیا گذری' ذرا اس کا حال بھی تو سناؤ" تو قمر سلطان ایک ٹھنڈا سانس لے کر چپ ہو جاتا ہے اور کچھ دیر کے بعد کہتا ہے" کچھ نہ پوچھو۔ خواب دیکھ رہا تھا آنکھ کھل گئی۔ اب جاگ رہا ہوں اور وہ خواب پھر کبھی نظر نہیں آیا۔ نہ اس کے نظر آنے کی امید ہے۔"

☆ ☆ ☆

جب ساقی کے ہاتھ میں جام تھا

جب ساقی کے ہاتھ میں جام تھا اور دلی کی محفل میں شمع بھی روشن تھی اور گل اندام بھی زندہ تھے۔ ایک میخوار نے جھوم جھوم کر کہا تھا۔

"یارو! یہ آخری رات ہے۔ غنیمت جانو جو یہ چند ہم صورت اور ہم خیال جمع ہیں۔ کل یہاں کچھ نہ ہوگا۔"

(۱)

اس وقت شہزادہ گل اندام نے انگڑائی لے کر جواب دیا تھا" کل کی فکر میں آج کی بزم کو کیوں مکدر کرتے ہو۔ مانا کہ بہادر شاہ قلعہ چھوڑ کر چلے گئے اور صبح انگریز پہاڑی کے مورچے سے شہر کے اندر آجائیں گے مگر جو وقت میسر ہے اس کو غنیمت جانو اور دو گھڑی غم ایام کو دل سے دور رکھو۔ لاؤ میاں ساقی! ایک جام اور دے دو۔ پی لیں اور اس آخری شمع کو ایک دفعہ جی بھر کر اور دیکھ لیں۔"

صبح قریب تھی۔ پہاڑی کا مورچہ دلی پر رات بھر گولے برساتا رہا اور اب بھی توپوں کی گرج سے دلی کے درو دیوار لرز رہے تھے۔

(۲)

خاص بازار کے ایک عالیشان مکان میں چند نوجوان جمع تھے۔ ستار بج رہا تھا۔ دور چل رہا تھا۔ چنگیروں میں پھول بھرے رکھے تھے۔ چاروں طرف شمع دان تھے اور ان میں پگھلی ہوئی شمعیں جھلملا رہی تھیں۔

شہزادہ گل اندام بہادر شاہ کے قریبی رشتے دار تھے۔ گل رو نواب جھجر کی برادری کا ایک نوعمر لڑکا اس محفل رندانہ کا روح رواں تھا۔ دلی میں ہر شخص کو یقین تھا کہ کل دہلی مغلوب ہو جائے گی۔ بادشاہ ہمایوں کے مقبرے میں چلے گئے ہیں۔ انگریز سویرے آجائیں گے' اس لئے آج انہوں نے ایک آخری بہار اپنی سلطنت اور اس کے عیش ونشاط کے دیکھنے کو یہ مجلس آراستہ کی تھی۔ تمر تمری نام کا ایک خوش گلو اور خوش رُو زنانہ ساقی بنایا گیا تھا۔ دردناک اشعار پڑھے جا رہے تھے اور موت ہر شخص کے سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔

صبح کی اذان ہوئی۔ سب کھڑے ہو گئے۔ گل اندام کے ملازم نے خبر دی' دروازے پر رتھ حاضر ہے۔ گل اندام نے ساقی کو انعام دیا۔ گل رو کو گلے لگا کر رخصت کیا اور رتھ میں سوار ہو کر الور کی طرف روانہ ہو گیا۔

(۳)

پندرہ دن کے بعد الور میں مشہور ہوا کہ دلی سے انگریز مخبر آئے ہیں اور ان لوگوں کی تلاش ہو رہی ہے جو بادشاہ کے قرابت دار ہیں یا غدر میں حصہ لے چکے ہیں۔

گل اندام باریک ململ کا کرتہ پہنے' پنکھا ہاتھ میں لیے مکان کی چھت پر ٹہل رہا تھا کہ چند آدمی بے باکانہ کوٹھے پر آ گئے اور کہا "صاحب عالم! آپ گرفتار ہیں۔ چلیے نیچے سواری حاضر ہے۔"

گل اندام مسکراتا ہوا نیچے آیا اور رتھ میں سوار ہو کر دلی کی طرف روانہ ہوا۔ سات آٹھ رتھوں میں قیدی سوار تھے' مگر ان میں کوئی مغموم معلوم نہ ہوتا تھا۔ سب ہنستے بولتے جا رہے تھے۔

(۴)

چاندنی چوک سنہری مسجد کے سامنے کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ انگریز عورت مرد بیٹھے تھے۔ سامنے پھانسیاں گڑی ہوئی تھیں۔ قیدی مشکیں بندھے کھڑے تھے۔ ایک ایک کو لاتے اور پھانسی پر لٹکاتے تھے۔

گل اندام کو بھی لائے۔ اس کا وہی ٹھاٹھ تھا۔ شبنمی ململ کا کرتہ' ناٹ بانی جوتی' گوری رنگت کا چوڑا سینہ' سرخی بڑی بڑی آنکھیں' پتلی کمر' سرو قد' چہرے پر تبسم کا انداز۔ حاکم نے کہا "شہزادہ گل اندام! تم پر بغاوت میں حصہ لینے کا الزام ہے۔ اس لیے تم کو پھانسی دی جاتی ہے۔"

گل اندام نے گردن موڑ کر حاکم کو دیکھا اور کہا۔

"مجھے حکومت کی بغاوت و اطاعت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ البتہ خدا کا گناہ ضرور کرتا تھا۔ پیتا تھا' پلاتا تھا اور ہر وقت غم ایام سے دور رہنا چاہتا تھا۔ تم کہتے ہو میں نے بغاوت میں حصہ لیا۔ ہاں سچ ہے میں نے خدا سے بغاوت کی تھی اور میں ہر سزا کا مستحق ہوں۔"

حاکم نے یہ تقریر سنی اور سپاہی کو اشارہ کیا۔ وہ گل اندام کو پھانسی کے تختے پر لے گیا اور رسی گلے میں ڈال دی۔ یکا یک ایک چیخ کی آواز آئی۔ سب لوگ ہجوم کی طرف دیکھنے لگے جو قریب ہی ایک طرف کھڑا تھا۔ دیکھا ایک بوڑھی عورت زار و قطار رو رہی ہے اور دونوں ہاتھ مل رہی ہے۔ اور "میرا بیٹا" "میرا گل اندام" کہہ کہہ کر بے قرار ہو رہی ہے۔

گل اندام نے بھی اپنی بے کس بوڑھی ماں کو نگاہ پھیر کر دیکھا کہ تختہ کھینچ گیا اور گل اندام پھانسی میں لٹک گیا۔ حاکم کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے اور سپاہی بھی گل اندام کی ماں کی بے تابی کو دیکھ کر رونے لگے۔

(۵)

۱۹۳۰ء میں دتی کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی' مگر دلی والے نہ تھے۔ سب باہر کے لوگ یہاں آباد تھے۔ گل اندام کی لاش لال قلعہ کی کھائی میں سلیم گڑھ کے قریب دفن کی گئی تھی۔ وہاں ایک بوڑھے آدمی دلی کا رسالہ "ساقی" لیے بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ یکا یک ان کو خیال آ گیا کہ میں بھی گل اندام کی آخری محفل میں شریک تھا۔ اگر چہ بچہ تھا اور خدمتگاری کر رہا تھا' مگر وہ سب سماں آنکھوں کے سامنے ہے اور جس دن گل اندام کو پھانسی دی گئی اور اس کی لاش یہاں کھائی میں ڈالی گئی اس دن بھی موجود تھا۔ لاؤ پکار کر دیکھوں شاید اس کھائی میں گل اندام کی کوئی ہڈی یا جسم کی خاک کا کوئی ذرہ باقی ہو اور وہ مجھ کو جواب دے اور یہ خیال آتے ہی ان کو غش آ گیا اور کئی گھنٹے بے ہوش پڑے رہے۔

☆ ☆ ☆

جب میں شہزادہ تھا

بمبئی کے بھنڈی بازار میں مغل ہوٹل کے برابر ایک بڈھا آدمی بے ہوش پڑا تھا۔ آنے جانے والوں نے پہلے خیال کیا کہ کوئی تھکا ہوا مسافر بے جواب تک سوتا ہے۔ بھنڈی بازار کی ان پٹڑیوں پر جن پر پیدلوں کا راستہ ہے' صبح کے وقت سینکڑوں پردیسی مسافر جن کو مکان میسر نہیں' پڑے سویا کرتے ہیں' لیکن جب دس بج چکے اور بڈھا بیدار نہ ہوا تو پہرے والے سپاہی نے قریب آ کر دیکھا۔ بڈھا بہت کمزور اور ناتواں تھا۔ چگی داڑھی' بھوؤں تک کے بال سفید' چہرے پر جھریاں' آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں' بدن پر ایک میلا کرتہ' جس میں کئی پیوند' ٹانگوں میں گاڑھے کا پاجامہ۔

سپاہی نے پہلے تو جگانا چاہا اور جب وہ نہ جاگا تو قریب آ کر غور سے اس کی صورت دیکھی اور بولا "یہ تو شاید مر گیا۔" دو تین راہگیروں نے جھک کر بڈھے کو کروٹ دی۔ اس کا چہرہ دیکھا تو معلوم ہوا سانس آ رہا ہے' مگر کسی وجہ سے بے ہوش ہے۔

سپاہی نے ایک وکٹوریہ گاڑی والے کو آواز دی اور بڈھے کو اٹھا کر اس میں لادا اور جے جے ہسپتال میں لے گیا۔ پارسی ڈاکٹر نے بڈھے کو دیکھ کر کہا "اس کو کسی نے کچھ کھلا دیا ہے۔ زہر اثر کر چکا۔ اب اس کا علاج مشکل ہے۔" پھر بھی اس نے کوشش شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد بڈھے کو ہوش آیا اور اس نے کہا "بیٹی! تو کہاں چلی گئی۔"

بڈھے کی آواز اس قدر ناتوان تھی کہ کمپوڈر کے سوا کسی نے نہ سنی اس لیے اس نے کہا "ارے تو اب اسپتال میں ہے۔ تیری بیٹی یہاں نہیں ہے۔" بڈھے نے پھر مری ہوئی دھیمی آواز میں کہا "میں نے سات وقت سے کچھ نہیں کھایا۔ مجھے کچھ کھانے کو دو۔ میری بیٹی نے کئی دن سے خبر نہیں لی وہ مجھ کو روٹی کھلایا کرتی تھی۔ خبر نہیں وہ کہاں چلی گئی۔"

کمپوڈر نے ڈاکٹر سے یہ حال کہا۔ ڈاکٹر نے شوربا تجویز کیا جو تھوڑا تھوڑا کر کے اس کو پلایا گیا۔ جب بڈھے میں ذرا جان آئی تو پولیس والوں نے اس کے اظہار لیے' کیونکہ تھانے کا محرر اس کی بیہوشی میں ایک پھیرا کر کے چلا گیا تھا۔ جب اس کو خبر ہوئی کہ بڈھے کو ہوش آ گیا تو وہ پھر آیا اور اس کے حالات دریافت کیے۔

بڈھے نے کہا" میں چار مہینے سے بمبئی میں رہتا ہوں۔ میرا کوئی مکان نہیں ہے۔ سڑکوں پر گذارہ کر لیتا ہوں۔ میری ایک بیٹی پکانے کی نوکری کرتی ہے۔ وہ کھیت باڑی میں ایک طوائف کے ہاں نوکر تھی اور صبح شام مجھ کو اپنے حصے کے کھانے میں سے آدھا کھانا سڑک پر آ کر دے جاتی تھی' مگر چار دن سے وہ نہیں آئی۔ جس مکان پر وہ نوکر تھی میں وہاں بھی گیا اور رنڈی سے اس کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا وہ تو دس دن ہوئے ہماری نوکری چھوڑ کر کہیں چلی گئی۔ یہ سن کر میں نے اس کو اور کئی جگہ ڈھونڈا' مگر وہ کہیں نہ ملی۔ جب یہ چو وقت کا فاقہ ہو چکا اور مجھ میں چلنے کی طاقت نہ رہی تو میں بھنڈی بازار کی سڑک پر رات کو لیٹ رہا اور بیہوش ہو گیا۔"

تھانے کے محرر نے پوچھا" تم تو بھیک مانگتے تھے۔ پھر کیوں بھوکے رہے۔ بمبئی شہر میں بھیک مانگنے والے بی اے پاس لوگوں سے زیادہ کما لیتے ہیں۔"

بڈھے نے محرر کی یہ بات سنی تو اس کو اس قدر طیش آیا کہ آنکھیں حلقوں سے ابل پڑیں اور اس نے اپنی کمزور آواز حلق سے بہت زور کے ساتھ باہر نکال کر کہا۔" بس جناب چپکے رہئے۔ زیادہ بکواس نہ کیجئے۔ شاید آپ نے اپنے باوا کے ساتھ مجھ کو بھیک مانگتے دیکھا ہوگا۔"

محرر کو ایک شکستہ حال کنگلے کی یہ بات تیر ہو کر لگی اور اس نے بڈھے کے ایک طمانچہ مارا۔ بڈھا طمانچہ کھا کر چت گر پڑا' مگر فوراً اٹھا اور ڈاکٹر صاحب کا رول میز پر سے اٹھا کر محرر کے سر پر مارا' جس سے محرر کا سر پھٹ گیا اور وہ غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے بڈھے کو پکڑ لیا ورنہ وہ دوسرا وار کرنا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر نے محرر کو ڈریسنگ روم میں لے جا کر اس کے زخم کو دھویا اور دوا لگائی۔ سپاہی بڈھے کو لے کر تھانے میں پہنچا۔ یورپین انسپکٹر وہاں موجود تھا۔ جب اس نے بڈھے کے حالات سنے تو اس کو بھی بہت غصہ آیا' مگر اس نے کہا محرر کے بیان تک اس کو حوالات میں رکھو۔

شور بالی کر بڈھا بہت تیز ہو گیا تھا اور محرر کو برابر برا کہہ رہا تھا۔

زخم پر پٹی باندھے ہوئے محرر تھانے میں آیا اور انسپکٹر کو واقعات کی رپورٹ سنائی۔ اس نے بڈھے کو حوالات سے نکال کر پھر اس کے بیانات لکھنے شروع کیے۔

بڈھے نے کہا" میں بیان اس وقت دوں گا کہ پہلے آپ کے محرر صاحب مجھ سے معافی مانگیں۔ انہوں نے مجھ جیسے عزت دار کو بھک منگا کیوں کہا۔"

محرر نے کہا" کیوں بکتا ہے۔ بڑا عزت دار آیا کہیں سے' خود تو کہتا ہے کہ میری بیٹی رنڈی کے ہاں نوکر تھی اور اب عزت دار بنتا ہے۔ تو بھک منگا نہیں ہے تو کوئی ٹھگ یا ڈاکو ضرور ہے۔"

بڈھے پر پھر غصے کی لہر طاری ہوئی اور قریب تھا کہ وہ محرر پر دوبارہ حملہ کرے' لیکن سپاہیوں نے اس کو پکڑ لیا اور انسپکٹر نے بڈھے کو دھمکایا کہ خبردار اپنی جگہ کھڑے رہو ورنہ اچھا نہ ہوگا۔

بڈھے نے کہا" تو کیا آپ ایک شریف آدمی کو گالیاں دلوانے کو یہاں لائے ہیں۔ میں شہنشاہ دہلی کا خون ہوں تو ہرگز کسی کی گالی نہ سنوں گا اور اپنی جان اس کی جان ایک کر دوں گا۔"

شہنشاہ دہلی کے خون کا لفظ سن کر انسپکٹر کو ہنسی آ گئی اور اس نے محرر سے کہا "یہ تو پاگل معلوم ہوتا ہے۔ تم اس کو بکنے دو۔"

اس کے بعد انسپکٹر نے بڈھے سے سوالات کرنے شروع کیے۔

"تمہاری بیٹی کی عمر کتنی ہے۔" بڈھے نے جواب دیا "وہ بیس سال کی ہے، مگر وہ میری سگی بیٹی نہیں ہے۔ میں نے اس کو پالا ہے۔ میں نے اس کی شادی کر دی تھی، مگر اس کا خاوند انفلوئنزا کی وبا میں مر گیا۔ وہ آدم جی پیر بھائی کے کارخانے میں نوکر تھا۔ میری لڑکی نے بھوپال میں یہ خبر سنی تو وہ اس کو دیکھنے بمبئی میں آ گئی۔ میں بھی اس کے ہمراہ آیا۔ یہاں آ کر واپسی کا خرچ پاس نہ تھا اس لئے چار مہینے سے ہم بمبئی میں ہیں۔ میری بیٹی نوکری کرتی ہے۔"

انسپکٹر نے کہا "۔ بھوپال میں کیا کام کرتے تھے۔" بڈھا بولا "میں ایک امیر کے دروازے پر چوکیدار تھا۔ میری لڑکی اسی امیر کی چھوکری تھی۔ میں نے اس کو بیٹی بنا لیا تھا۔"

انسپکٹر نے پوچھا "شہنشاہ دہلی کا خون تمہارے اندر کس دن سے آیا، کیونکہ ابھی تم کہتے تھے کہ میں شہنشاہ دہلی کا خون ہوں۔ ایک ٹکے کا چوکیدار یہ کیونکر دعویٰ کر سکتا ہے۔"

بڈھے نے مسکرا کر کہا "جب سے تم یہاں آئے میں چوکیدار بن گیا۔ ورنہ تمہارے آنے سے پہلے میں شہزادہ تھا۔" انسپکٹر بڈھے کے مسکرانے سے بگڑا اور اس نے کہا "میرے آنے سے پہلے اگر تم شہزادے تھے تو اتنی جلدی چوکیدار کیونکر بن گئے۔ میرے سامنے پاگل پنے کی باتیں نہ کرو، میں تمہاری حقیقت کو جانتا ہوں، تم بڑے ہوشیار بدمعاش ہو۔"

بڈھے نے یہ بات سنی تو پھر اس کے چہرے کا رنگ بدلا، مگر اس نے بہت ضبط کے ساتھ جواب دیا "جی ہاں آپ میری حقیقت سے واقف ہیں اور میں آپ کی حقیقت سے واقف ہوں۔ میں نے ابراہیم لودھی کا گھر لوٹا تھا اس واسطے میں بھی بدمعاش ہوں۔ آپ نے میرا گھر لوٹا لہٰذا آپ بھی بدمعاش ہیں۔"

انسپکٹر غصے سے بیتاب ہو گیا، مگر اس نے اپنے اپنے مزاج کو قابو میں رکھ کر کہا "تمہارے گھر میں کتنا سونا چاندی تھا جس کو میں نے لوٹ لیا۔" بڈھے نے جواب دیا "جتنا سونا چاندی بابر اور ہمایوں نے ابراہیم لودھی کے گھر سے لوٹا تھا وہ سب آپ کے قبضے میں ہے۔"

انسپکٹر نے کہا "تو کیا تم بابر کی اولاد ہے؟" بڈھا بولا "میں بابر کی اولاد تھا، مگر اب چوکیدار ہوں، نہیں بلکہ آپ کا قیدی ہوں۔"

انسپکٹر نے اس کے بعد کچھ نہ کہا اور حکم دیا اس کو حوالات میں لے جاؤ۔

(۲)

بمبئی میں مغلیہ خاندان کے ایک شہزادے رہتے تھے۔ گیروا لباس، تلوار لگائے ہوئے۔ انگریزی حکام سے بھی ان کا ملنا جلنا تھا۔ انسپکٹر صاحب نے ان کو بلایا اور کہا "ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں دہلی کے شاہی خاندان سے ہوں۔ کیا تم اس کو پہچان سکتے ہو، کیونکہ تم کو بھی دعویٰ ہے کہ میں شہزادہ دارا بخت ابن بہادر شاہ کا بیٹا ہوں۔"

یہ شخص حوالات کے قریب گیا اور بڈھے چوکیدار کو دیکھ کر بولا "جھوٹ ہے۔ یہ شہزادہ نہیں ہے۔ حوالات کے اندر سے بڈھے نے کہا' نہیں بلکہ تم شہزادے نہیں ہو۔"

انسپکٹر نے پوچھا "تم کس دلیل سے کہتے ہو کہ حوالات کا بڈھا دہلی کے خاندان سے نہیں ہے۔" وہ بولا "دلیل کچھ نہیں ہے۔ میں اپنے خاندان کے سب لوگوں کو جانتا ہوں۔"

حوالات کے اندر سے بڈھا بولا "میں تم سے عمر میں زیادہ ہوں اور مجھے اپنے خاندان کا حال تم سے زیادہ معلوم ہے۔ بتاؤ جب بہادر شاہ گرفتار ہو کر رنگون گئے تو ان کے ہمراہ کون کون گیا تھا۔" بمبئی والے شہزادے نے کہا "جواں بخت اور میں اور زینت محل اور بہادر شاہ ایک ٹمٹم میں اور زینت محل دوسری میں جواں بخت اور منزل بمنزل کلکتہ گئے۔ وہاں واجد علی شاہ نے موتیوں کا تھال نذر بھیجا' مگر انگریزوں نے اس کو پیش نہ ہونے دیا۔ کلکتہ سے ہم رنگون گئے اور بہادر شاہ کی رحلت کے بعد بمبئی چلا آیا۔"

حوالاتی بڈھا نے ہنس کر کہا "یہی جھوٹ ہے کہ بادشاہ اور زینت محل ٹمٹم میں تھے۔ دہلی کے بچے بچے کو معلوم ہے کہ یہ دونوں پالکی میں تھے۔ ایک پالکی میں جواں بخت اور زینت محل تھے' دوسری میں تاج محل تھیں۔ تیسری میں خود بادشاہ تھے ان کے سوا کوئی شخص ان کے ہمراہ نہ تھا۔"

بمبئی والا شہزادہ کچھ گھبرا سا گیا' کیونکہ اس نے فرضی داستان اپنے شہزادہ ہونے کی بمبئی میں مشہور کر رکھی تھی اور لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔

بڈھے حوالاتی نے اور بھی چند سوالات کیے' مگر کسی کا ٹھیک جواب بمبئی والے شہزادہ نے نہ دیا۔

انسپکٹر کھڑا ہوا باتیں سن رہا تھا۔ اس کو یقین ہو گیا کہ حوالاتی بڈھا سچا ہے اس لیے اس نے اس کو حوالات سے نکال لیا اور سامنے کرسی پر بٹھا کر حالات دریافت کرنے لگا کہ غدر سے اب تک اس پر کیا کیا گذری۔

(۳)

حوالاتی بڈھے نے کہا "میں میرزا خضر سلطان کا بیٹا ہوں جو بہادر شاہ کے بیٹے تھے اور جن کو غدر کے بعد گولی سے قتل کر دیا گیا۔ غدر میں میری عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ غدر کے زمانے میں مجھ کو پیچش ہو رہی تھی۔ چار مہینے لگاتار بیمار رہا۔ جس دن میرے والد گرفتار ہوئے' میں ہمایوں کے مقبرے میں تھا۔ شام کو جب خبر آئی کہ میرزا مغل اور میرزا خضر سلطان وغیرہ قتل کر دیئے گئے تو میری والدہ مجھ کو اور میری چھوٹی بہن کو لے کر فرید آباد کی طرف روانہ ہوئیں کیونکہ وہاں ہمارے دو نوکروں کا گھر تھا۔

"جب ہماری بیل گاڑی بدر پور پہنچی تو میجر ہڈسن اور میرزا الٰہی بخش نے سوار لا کر ہم کو گھیر لیا۔ گاڑی کی تلاشی لی اور مجھ کو گرفتار کر لیا۔ میری صورت مردوں کی ہو رہی تھی۔ خون کے دست آتے تھے۔ والدہ نے رو رو کر کہا یہ بہت بیمار ہے۔ اس کا کچھ قصور نہیں ہے۔ یہ تو چار مہینے سے گھر میں پڑا ہوا ہے۔ ہڈسن صاحب نے کہا' مگر اس کے باپ نے انگریزوں کے بچوں اور عورتوں کا قتل کرایا تھا۔ ہم اس کو قید کر کے تحقیقات کریں گے۔ اگر یہ بے گناہ ہوا تو چھوڑ دیں گے ورنہ اس کو قتل کیا

جائے گا۔ میری بہن مجھ سے بہت مانوس تھی۔ اس نے مجھ کو گرفتار ہوتے ہوئے دیکھ تو روتی ہوئی دوڑی اور مجھ کو چمٹ گئی۔ صاحب نے اس کو زبردستی ہٹا دیا اور مجھ کو ایک سوار کے پیچھے بٹھا کر دلی کے کیمپ میں لے آئے۔

''میں والدہ اور بہن سے جدا ہوا تو وہ دونوں زاروقطار کھڑی روتی تھیں۔ والدہ نے روتے روتے اتنا کہا۔ بیٹا جان سے بچ گئے تو جلدی صورت دکھانا۔ جاؤ اللہ بیلی اللہ نگہبان۔

''تحقیقات کے زمانے میں مجھ کو سمندر خاں پنجابی سپاہی کے پاس رکھا گیا تھا جو بڑا ظالم تھا۔ میں پیچش کے سبب گھڑی گھڑی پاخانے جاتا تھا۔ جب فارغ ہو کر آتا تو وہ کہتا جاؤ۔ اس کو اپنے ہاتھ سے صاف کرو۔ پہلی دفعہ میں نے انکار کیا تو اس نے دو تین طمانچے میرے مارے۔ کمزوری کے سبب مجھ کو غش آ گیا اور تمام رات بخار بھی چڑھا رہا۔ اسی حالت میں پاخانے جاتا تھا۔ چکر آتے تھے گر پڑتا تھا' مگر مجبوراً پاخانے کو ہر دفعہ صاف کر کے باہر ڈالنے جاتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے کہا مجھ کو جنگل میں جانے کی اجازت دیجئے تاکہ صاف کرنے کی تکلیف سے بچ جاؤں تو اس ظالم نے کہا کہ شاید بھاگنے کا ارادہ ہو گا تم جنگل میں نہیں جا سکتے۔

''کھانے کو بھی بہت خراب غذا ملتی تھی جس سے پیچش بڑھ گئی تھی۔ چار دن کے بعد مجھ کو بڑے انگریز کے سامنے پیش کیا گیا۔ گامی خاں مخبر کی گواہی ہوئی جس نے بیان کیا کہ یہ لڑکا اپنے باپ مرزا خضر سلطان کے ساتھ پہاڑی پر لڑنے جاتا تھا اور لال قلعے میں جو انگریزوں کے بچے اور عورتیں قتل کیے گئے' اس وقت بھی یہ موجود تھا اور اسی نے زنانے محل سے باہر آ کر کہا تھا کہ بادشاہ نے ان لوگوں کے قتل کا حکم دے دیا ہے۔

''بڑے صاحب نے یہ گواہی سن کر میری پھانسی کا حکم دیا۔ میں نے کہا اس گواہ سے یہ تو پوچھیے کہ پہاڑی پر باغی فوج کے ساتھ جاتے ہوئے یا لال قلعہ میں زنانے محل سے باہر آتے ہوئے اس نے خود مجھ کو دیکھا تھا یا سنی سنائی کہتا ہے۔

''گامی خاں نے کہا' میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ میں نے پوچھا جس روز ڈگلس صاحب قلعہ دار مارے گئے' تم کہاں تھے۔ گامی خاں کا چہرہ فق ہو گیا اور اس نے گردن جھکا لی اور کچھ دیر کے بعد کہا میں اس روز اپنے گھر میں تھا۔ میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم خود وہاں باغیوں کے ساتھ موجود تھے اور تم ہی نے باغیوں کو ڈگلس صاحب کے قتل پر ابھارا تھا۔ میں اس وقت وہاں موجود تھا کیونکہ والدہ نے پیچش کے علاج کے لئے ڈگلس صاحب کے مہمان ڈاکٹر صاحب کے پاس مجھ کو بھیجا تھا۔ تم نے صاحب اور میم صاحب اور مہمانوں کے قتل کے بعد چاندی کا ایک گل دان اٹھا لیا تھا اور صاحب کی گھڑی بھی تم نے لی ہے۔ گامی خاں نے کہا جھوٹے ہو۔ میں وہاں نہیں تھا' مگر اس کے چہرے پر ایسی گھبراہٹ تھی کہ بڑے صاحب کو شبہ ہوا اور انہوں نے حکم دیا کہ گامی خاں کے گھر کی تلاشی لی جائے۔ چنانچہ اسی وقت دوڑ بھیجی گئی اور کچھ دیر بعد گھڑی اور گل دان لیے سپاہی آئے اور اس کے علاوہ ہزار ہا روپے کا اور بھی قیمتی سامان اس کے گھر سے نکلا۔

''صاحب نے یہ دیکھ کر گامی کو پھانسی کا حکم دیا اور مجھ کو رہا کر دیا۔ قید سے چھوٹ کر میں فرید آباد آیا' مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ والدہ اور بہن یہاں نہیں آئیں۔ ہر چند تلاش کیا' لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ چند روز فرید آباد میں ٹھہرا رہا۔ جب تندرستی ٹھیک ہو گئی تو منزل بمنزل پیدل چل کر بھوپال آیا' کیونکہ یہاں میرے والد کے دوستوں میں ایک امیر رہتے تھے۔ بھوپال پہنچ کر معلوم ہوا کہ ان امیر کا انتقال ہو گیا۔ ان کے وارثوں نے بہت بے توجہی برتی" آخر میں ایک دوسرے امیر

کے ہاں چوکیداروں میں نوکر ہو گیا اور تمام زندگی اسی جگہ گذار دی۔

''انسپکٹر پولیس نے یہ بیان سن کر محرر سے کہا بیشک یہ عزت دار آدمی ہے۔ تم اس سے معافی مانگو۔ اس کے بعد حکم دیا کہ اس کی بیٹی کو تلاش کیا جائے اور جب تک اس کا حال معلوم نہ ہو اس کے کھانے کا خرچ میں دوں گا۔ چار دن کے بعد معلوم ہوا کہ کسی بدمعاش نے اس کی لڑکی کو پکڑ کر کہیں چھپا دیا تھا اور وہ اس سے بازاری پیشہ کرانا چاہتا تھا۔ مخبروں نے سراغ نکال لیا۔ بدمعاش کو سزا ہوئی اور شہزادہ لڑکی کو لے کر انسپکٹر کے خرچ سے بھوپال چلا آیا۔

''چلتے وقت شہزادے نے انسپکٹر کا بہت شکریہ ادا کیا اور کہا برا نہ مانیے گا میں نے سچ کہا تھا کہ جب بابر و ہمایوں نے ہندوستان کو فتح کیا تو وہ ڈاکو تھے اور اب آپ ہیں آج آپ شہزادے ہیں اور جب میں شہزادہ تھا۔''

☆ ☆ ☆

خانساماں شہزادہ

بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں مہاراجہ بھاؤ نگر ٹھہرے ہوئے تھے۔ برسات کا موسم تھا۔ سمندر میں صبح شام طوفان برپا رہتا تھا اور پانی کی آوازوں سے مسافروں کو قریب کی بات سننی بھی دشوار تھی۔

تاج محل ہوٹل میں ایک خانساماں ستر اسی برس کی عمر کا نوکر تھا جو اپنے کام میں بہت ہوشیار اور تجربہ کار مانا جاتا تھا۔ ہوٹل والے اپنے بڑھیا مہمانوں کی خاطر مدارات کے لیے اسی خانساماں کو مقرر کرتے تھے۔ اس خانساماں کا نام قسمت بیگ تھا۔ اس کی دیانت داری بھی شہرۂ آفاق تھی۔ جب سے ہوٹل میں نوکر ہوا تھا' بارہا ہوٹل کے منیجر کو اس کی امانت و دیانت کے تجربے ہوئے تھے اور وہ ہوٹل کے سب نوکروں سے زیادہ اس خانساماں پر اعتماد کرتا تھا۔

ایک دن صبح کے وقت مہاراجہ بھاؤ نگر نے پلنگ پر لیٹے لیٹے قسمت بیگ سے کہا ''میں نے بمبئی کے چند مہمانوں کو لنچ کی دعوت دی ہے۔ منیجر سے کہہ دینا کہ دس مہمانوں کا انتظام کر دے۔'' سمندر کے پانی کا غل شور' برسات کا زمانہ' مہاراجہ بھاؤ نگر کی دھیمی آواز اور بہرہ خانساماں۔ یہ حکم کیونکر اس کے کانوں تک پہنچتا' مگر قسمت بیگ کی تمیزداری کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے بہرے پن کو ظاہر نہ ہونے دیتا تھا۔ ہونٹوں کی حرکت سے مطلب سمجھ لیتا تھا۔

بہرے آدمیوں کی طرح کان جھکا کر بات نہ سنتا تھا۔ آج ایسا اسباب جمع ہوئے کہ قسمت بیگ مہاراجہ کے حکم کو نہ سمجھا اور اس نے ذرا پلنگ کے قریب آ کر نہایت تذبذب اور ادب کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر سوال کیا کہ ''وہ جو ارشاد ہوا ہے اس کی تعمیل کی جائے گی' لیکن اگر تکلیف نہ ہو تو تھوڑی سی تفصیل اور فرما دی جائے۔'' مہاراجہ بھاؤ نگر بالکل نہیں سمجھے کہ خانساماں نے ان کی بات نہیں سنی تھی اور انہوں نے خانساماں سے دوبارہ کہا کہ ''جن دس آدمیوں کو بلایا ہے وہ اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں۔ لنچ کا اہتمام اعلیٰ قسم کا ہونا چاہیے۔'' قسمت بیگ نے بات سمجھ لی اور ادب سے کہا ''جو حکم' فرمان کی پوری تعمیل کی جائے گی۔'' اور یہ کہہ کر بڑی تمیزداری کے ساتھ پچھلے قدم چل کر سامنے سے ہٹ گیا۔

مہاراجہ بھاؤ نگر دیر تک سوچتے رہے کہ انگریزی ہوٹلوں میں سب خانساماں انگریزی ادب آداب استعمال

کرتے ہیں۔ یہ بڈھا کون ہے جو پرانے زمانے کے مشرقی ادب آداب کو استعمال کرتا ہے۔ اس کا حال معلوم کرنا چاہیے۔ انہوں نے فوراً بٹن دبایا اور کمرے کا خدمتگار حاضر ہو گیا۔ مہاراج نے حکم دیا "آج جب ہم لنچ سے فارغ ہوں تو ملاقات کے کمرے میں قسمت بیگ خانساماں کو بلایا جائے۔ ہم اس سے کچھ پرائیویٹ باتیں کرنی چاہتے ہیں۔" خدمت گار نے کہا "حضور وہ بہت بدمزاج آدمی ہے۔ صاحب لوگوں سے ہمیشہ لڑتا رہتا ہے۔ آپ اس سے پرائیویٹ بات کریں گے تو وہ آپ سے بھی گستاخی سے پیش آئے گا۔ وہ نوکری کے وقت تو بہت اچھا ہے اور صاحب لوگ اس کو پسند کرتے ہیں' لیکن پرائیویٹ وقت میں وہ بہت بدمزاج ہو جاتا ہے۔" مہاراج نے کہا "ایسا کیوں ہے؟" خدمت گار نے جواب دیا "حضور وہ کہتا ہے میں ہندوستان کا بادشاہ ہوں۔" یہ سن کر مہاراجہ کو بہت تعجب ہوا اور وہ مسکرا کر خاموش ہو گئے اور کچھ دیر کے بعد انہوں نے خدمت گار سے کہا "کچھ پروا نہیں۔ قسمت بیگ سے کہہ دو کہ وہ لنچ کے بعد پرائیویٹ باتوں کے لیے ہمارے پاس آئے۔" خدمت گار نے انگریزی سلام کیا اور انگریزی طریقے سے باہر چلا گیا۔

لنچ کے بعد

مہاراجہ بھاونگر اور "ٹائمز آف انڈیا" اور "بمبئی کرانیکل" اور "سانجھ ورتمان" کے ایڈیٹر اور چند ہندو اور پارسی عمائد بمبئی دوپہر کا کھانا کھا کر باتوں کے کمرے میں آئے تو مہاراج نے قسمت بیگ کو بلایا۔ قسمت بیگ نہایت ادب سے حاضر ہوا اور اس نے ہندوستانی طریقے کے موافق مہاراج کو تین فرشی سلام کیے اور ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ مہاراج نے کہا "قسمت بیگ! تم کون ہو؟" قسمت بیگ دانستہ مہاراج کی کرسی کے قریب کھڑا ہوا تھا تا کہ اس کے بہرے پن کا عیب چھپا رہے اور مہاراج کی بات سن سکے۔

مہاراج کا سوال سن کر قسمت بیگ نے کہا "حضور گستاخی معاف' اس کا جواب تو آپ کو بھی معلوم نہیں ہے کہ ہم سب کون ہیں اور کیوں اس دنیا میں پیدا کیے گئے ہیں۔ ہم کو بھوک' پیاس' نیند' بچپن' جوانی' بڑھاپا' تندرستی بیماری کے انقلابات میں کس غرض سے مبتلا کیا گیا ہے۔"

قسمت بیگ کی یہ عجیب تقریر سن کر سب حاضرین مبہوت ہو گئے اور حیرت سے دیکھنے لگے کہ ایک خانساماں یہ کیسی فلسفیانہ باتیں کر رہا ہے۔ مہاراج نے مسکرا کر کہا "بے شک ہم کو اس سوال کا جواب معلوم نہیں ہے' لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم نے زندگی کی ان مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے کیونکہ تم نے ایک سانس میں سب بڑے بڑے انقلابات کا ذکر کر دیا۔ اس واسطے میرا خیال ہے کہ تم میرے سوال کا جواب دے سکتے ہو۔"

قسمت بیگ نے کہا "حضور میں ایک آدمی ہوں۔ نسل کے لحاظ سے تیموری مغل ہوں۔ پیشے کے لحاظ سے تاج محل ہوٹل کا خانساماں ہوں۔ عمر کے لحاظ سے بڈھا ہوں۔ طبیعت کے اعتبار سے کبھی بچہ ہوتا ہوں اور کبھی جوان۔ اخلاقی حیثیت میری ایک کامل انسان کی ہے۔ جھوٹ نہیں بولتا۔ چوری نہیں کرتا۔ ظلم اور بے رحمی سے بچتا ہوں۔ خدمت خلق کو اپنا مقصد زندگی مانتا ہوں۔ اگرچہ گدا ہوں لیکن دل کے تخت پر شہنشاہ ہوں۔ کچھ ارشاد ہو تو اس کا بھی جواب دوں۔"

قسمت بیگ کی موثر اور مسلسل اور برجستہ تقریر کا ایک دوسرا اثر پیدا ہوا اور مہاراج اپنے مہمانوں سمیت پوری

طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور بے اختیار مہاراج کی زبان سے نکلا ''کیا تم تیموری شہزادے ہو؟''

قسمت بیگ کو جوش آ گیا اور اس نے کہا ''شاہزادہ نہیں ہوں آزادہ ہوں۔ دنیا کی مصیبتوں کی سب ذدیں میں نے اٹھائی ہیں۔ تیموری خاندان تو اب مٹ چکا ہے جس نے باوجود انسان ہونے کے دوسرے انسانوں کو غلام بنانے کی کوشش کی تھی اور غلام بنا لیا تھا۔ آپ نہیں تو آپ کے باپ دادا بھی اس کے غلام تھے۔ یہ سوال فضول ہے اور آپ کے لیے تکلیف دہ ہے اور میں اس سوال کی کشمکش میں پڑنا اپنے دل کے لیے ایک آری سمجھتا ہوں جو میرے دل کو چیر رہی ہے۔''

یہ فقرہ سن کر مہاراج نے سر جھکا لیا اور سب لوگ بھی خاموش ہو کر زمین کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر کچھ دیر کے بعد خود قسمت بیگ نے کہا ''انسان کو اپنی موجودہ حیثیت دیکھنی چاہیے۔ آج چونکہ میں ایک خانساماں ہوں اس لیے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ حضور میری زندگی کی تفصیل معلوم کرنی چاہتے ہیں۔ میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو ماضی پر فخر کریں یا افسوس کریں اور میں ان لوگوں میں بھی نہیں ہوں جو مستقبل کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے ہیں۔ حضور میں ماضی کا مالک ہوں۔ حال کا مالک ہوں اور مستقبل کا بھی مالک ہوں۔ یہ آسمان بھی میرا ہے۔ یہ زمین بھی میری ہے۔ یہ سمندر بھی میرا ہے اور آپ سب لوگ جو کرسیوں پر میرے سامنے بیٹھے ہیں آپ بھی میرے ہیں اور میں خود جو آپ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوں محسوس کرتا ہوں کہ یہ وجود بھی میرا ہے۔ دنیا کی کوئی چیز بھی میرے سوا اور کسی کی نہیں ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ دوسرا کوئی موجود نہیں ہے۔ میں ہی ہوں' میں ہی تھا۔ میں ہی آخر تک رہوں گا۔ یہ سمندر ابل رہا ہے۔ جل کھار ہا ہے۔ جوش میں آ رہا ہے۔ برسات ختم ہو گی' سردی آئے گی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ تالاب بن جائے گا۔ اس کے اندر طوفان بھی میں ہی ہوں اور اس کی ٹھنڈک بھی میں ہی ہوں۔''

قسمت بیگ کی مجذوبانہ تقریر سنتے سنتے مہاراج کو ہنسی آ گئی' مگر انہوں نے ہنسی کو ضبط کیا اور کہا ''شہزادہ صاحب! کیا آپ میرا حکم مانیں گے اور سامنے کی کرسی پر بیٹھنے کی تکلیف گوارا کریں گے۔'' قسمت بیگ نے کہا ''ہرگز نہیں' کالج میں استاد کھڑا رہتا ہے اور شاگرد بیٹھے رہتے ہیں۔ تم شاگرد ہو اور میں استاد ہوں۔ تم سب انجان ہو اور میں دانا ہوں۔ تم سب بے خبر ہو اور میں خبردار ہوں۔ تم سب غافل ہو اور میں ہوشیار ہوں۔ تم سب ادنیٰ ہو اور میں اعلیٰ ہوں۔ تم سب بڑے ہو اور میں چھوٹا ہوں۔ تم سب امیر ہو اور میں غریب ہوں۔ تم سب فانی ہو اور میں باقی ہوں۔ تم سب بلبلا ہو اور میں پانی ہوں۔ تم سب خاک ہو اور میں ہوا ہوں۔ تم سب ایندھن ہو اور میں آگ ہوں۔ تم سب تاریکی ہو اور میں روشنی ہوں۔'' یہ کہتے کہتے قسمت بیگ نے اپنی دونوں مونچھوں کو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے پکڑا اور ان کو مروڑا اور اچھلنا شروع کیا۔ اچھلتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا ''میں ہوں میں۔ تم نہیں ہو۔ میں ہوں میں۔ میں ہوں میں۔ جو کچھ ہے جو کچھ تھا۔ جو کچھ ہو۔ کچھ نہیں ہے۔ کچھ نہیں ہے۔ میں ہوں میں۔ میں ہوں میں۔ پھر سنو پھر کہوں۔ میں ہوں میں۔ میں ہوں میں۔''

مہاراج اور حاضرین کے جسموں پر رعشہ پڑ گیا اور ان سب پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ قسمت بیگ کی دیوانہ وار باتوں اور اچھل کود سے غیر معمولی اثر ہوا۔

کچھ دیر کے بعد قسمت بیگ مہاراج کے قریب خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا اور اس نے نہایت ناتواں آواز میں کہا "حضور سواری چلی گئی۔ میں ایک مرکب تھا اور سوار میرا اور تھا۔ میں ایک ہوٹل تھا اور مہمان کوئی اور تھا۔ میں ایک بوتل تھا اور شراب کوئی اور تھی۔ اب سنئے مجھ بیمار لاچار خانساماں کی کہانی" سنیئے:

بہادر شاہ بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ میری ماں لونڈی تھی اور بادشاہ کی معتوب تھی۔ جب غدر ۱۸۵۷ء کا انقلاب ہوا تو میری عمر دس سال کی تھی۔ بادشاہ نے گھبراہٹ کے وقت اپنے بیوی بچوں کا انتظام بہت ادھورا کیا تھا اور اس وقت میرا اور میری ماں کا شاید ان کو خیال بھی نہ آیا ہوگا کیونکہ میری ماں لال قلعہ کے باہر خاص بازار میں ایک مکان میں رہتی تھیں۔ مکان شاہی تھا۔ پہرے دار اور نوکر بھی بادشاہ کی طرف سے تھے۔ خرچ بھی ملتا تھا' مگر بادشاہ میری پیدائش سے پہلے میری اماں سے خفا ہو گئے تھے اور انہوں نے کبھی میری صورت نہیں دیکھی' نہ میری ماں کو قلعہ میں بلایا۔

جب دہلی کے سب باشندے بھاگے اور ولسن صاحب کمانڈر کشمیری دروازہ کے راستے شہر میں داخل ہوئے تو میری ماں نے مجھ کو اپنے ساتھ لیا اور پیدل گھر سے روانہ ہوئیں۔ نوکر پہلے ہی سے بھاگ گئے تھے۔ سواری کا کوئی انتظام نہ تھا۔ میری والدہ نے سو اشرفیاں اپنے ساتھ لیں اور کوئی سامان نہ لیا۔ دہلی سے نکل کر ہم دونوں قدم شریف کی درگاہ میں گئے جو دہلی کی فصیل سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ہے' مگر یہ راستہ بھی ہم کو کئی کوس کا معلوم ہوا' کیونکہ نہ مجھے پیدل چلنے کی عادت تھی نہ میری ماں کو۔ مجھے یاد ہے دہلی کے باشندے ایسی گھبراہٹ میں جا رہے تھے گویا قیامت قائم ہے اور سب نفسی نفسی کہتے ہوئے خدا کے پاس جا رہے ہیں۔ عورتیں کپڑوں کی بقچیاں سروں پر رکھے ہوئے چھوٹے بچوں کے ہاتھ پکڑے جا رہی تھیں۔ بچے رو رہے تھے۔ وہ ان کو کھینچتی تھیں اور بچے چل نہ سکتے تھے۔ مردوں کا بھی یہی حال تھا۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ سب اپنی مصیبت میں مبتلا تھے۔

قدم شریف میں جا کر ہم ایک ٹوٹے ہوئے مکان میں بیٹھ گئے۔ برسات کا موسم تھا۔ رات ہوئی۔ مجھے بھوک لگی مگر وہاں کچھ کھانے کو نہ تھا۔ میری ماں نے مجھے اپنی گود میں بٹھا لیا اور تسلی دلاسے کی باتیں کرنے لگیں۔ شہر سے بندوقوں کی آوازیں اور شہر والوں کا غل شور سن کر میں گھبرایا جاتا تھا اور میری والدہ بھی سہمی بیٹھی تھیں' یہاں تک کہ میں اسی بھوک کی حالت میں سو گیا۔

صبح ہندوستانی فوج کے سپاہی قدم شریف میں آئے اور انہوں نے لوگوں کو پکڑنا شروع کیا۔ میری ماں کو بھی گرفتار کر لیا اور ایک پوربیہ ہندو ان کو اپنے ساتھ پہاڑی پر لے گیا جو قدم شریف سے کئی میل دور تھی اور ہم دونوں جب پہاڑی پر پہنچے تو ہمارے پاؤں خونم خون ہو گئے تھے۔ شام کو ہمیں انگریز افسر کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے میری ماں سے کچھ سوالات کیے۔ مجھے یاد نہیں انگریز نے کیا کہا اور میری ماں نے کیا جواب دیا۔ اتنا یاد ہے کہ انگریز کو میری ماں نے بتا دیا کہ وہ بادشاہ کی لونڈی ہے اور بچہ بادشاہ کا بیٹا ہے اور انگریز نے حکم دیا کہ ان دونوں کو آرام سے رکھا جائے۔ آرام یہ تھا کہ ہم کو ایک چھوٹا سا خیمہ دے دیا گیا جس میں ہم رات دن پڑے رہتے تھے اور دو وقت کھانا ہم کو مل جاتا تھا۔

جب دہلی میں انگریزی انتظام قائم ہو گیا تو ہم دونوں کو چاندنی محل میں جو جامع مسجد کے قریب ایک محلہ تھا' بھجوا دیا گیا جہاں ہمارے خاندان کے اور لوگ بھی آباد ہو گئے تھے۔ میری والدہ کے نام دس روپے ماہوار گذارے کے

مقرر کر دیے گئے اور میں نے اپنی والدہ کے ساتھ بچپن سے جوانی تک جیسی جیسی مصیبتیں اٹھائیں' بس میرا ہی دل جانتا ہے۔

چاندنی محل کے قریب ایک خانقاہ تھی اور میں وہاں' اکثر جایا کرتا تھا۔ خانقاہ میں ایک درویش رہتے تھے۔ ان کی باتیں سنتا تھا اور ان کا مجھ پر بہت اثر ہوتا تھا۔ انہی کی باتوں سے مجھے اپنی اور کائنات کی ہر چیز کی حقیقت کا علم ہوا اور اس وقت جو کچھ میں عرض کر رہا تھا' یہ بھی انہیں کی صحبت کا اثر ہے۔

والدہ نے خاندان ہی کے اندر میری شادی بھی کر دی' اولاد بھی ہوئی مگر وہ زندہ نہیں رہی۔ میں نے دہلی میں ایک خانساماں کی شاگردی اختیار کی اور یہ کام سیکھا جو اب کر رہا ہوں اور جب میری والدہ اور بیوی کا انتقال ہو گیا تو میں دہلی سے بمبئی چلا آیا اور یہاں مختلف لوگوں کی نوکریاں کیں۔ ہوٹلوں میں بھی رہا اور اب مدت سے تاج محل ہوٹل میں ہوں۔

بچپن سے میرے کان میں کچھ خرابی ہو گئی جو آج تک باقی ہے' مگر میں کوشش کرتا ہوں کہ کوئی میرے بہرے پن کو سمجھ نہ سکے کیونکہ مجھے اس عیب سے بہت شرم آتی ہے۔

خانساماں کی یہ بات سن کر مہاراج نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور کہا ''قسمت بیگ نام کس نے رکھا۔''

خانساماں نے کہا ''میری قسمت نے' ورنہ میری ماں نے تو میرا نام تیمور شاہ رکھا تھا' مگر جب میں دہلی سے بمبئی آیا تو ہر شخص کو میں نے اپنا نام قسمت بیگ بتایا۔''

مہاراج نے کہا ''چلو میں تم کو بھاؤ نگر لے چلوں۔ جو تنخواہ یہاں ملتی ہے اس سے دگنی تنخواہ دوں گا اور تمہاری باتیں سنا کروں گا۔ کوئی کام نہیں لوں گا۔''

یہ بات سن کر قسمت بیگ نے جھک کر تین فرشی سلام مہاراج کو کیے۔ پھر کہا ''یہ عین بندہ نوازی ہے' لیکن جس نے اس دنیا کے انقلاب کو بچشم خود دیکھا ہو وہ قناعت کے دروازے پر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک دروازے کو پکڑ اور مضبوط پکڑ' دربدر بھٹکتا نہ پھر۔ اس ہوٹل میں میری عزت بھی ہے اور میری مزاج داری بھی ہے۔ صاحب لوگ بھی میری بدمزاجیوں کو برداشت کر لیتے ہیں۔ ضرورت کے موافق ہر چیز موجود ہے۔ آپ ہی فرمایئے میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کیوں کروں اور ایک جگہ کو چھوڑ کر جہاں کوئی تکلیف نہیں ہے آپ کے ہاں کیوں آؤں۔''

مہاراج نے آفریں کہی اور ایک ہزار روپے کا چک لکھ کر دیا۔ کہا کہ اس کو اپنے خرچ میں لانا' آئندہ بھی ہر سال ہوٹل کے منیجر کی معرفت ہزار روپے تم کو مل جایا کریں گے۔ قسمت بیگ نے پھر سلام کیا اور چک لے کر رونے لگا اور پچھلے قدم ہٹ کر باہر چلا آیا۔

معلوم نہیں اس کو رونا کیوں آیا اور اسے کیا بات یاد آ گئی۔

☆ ☆ ☆

انگریزوں کی بپتا

["انگریزوں کی بپتا" انقلاب دہلی ۱۸۵۷ء کی تاریخ کا دوسرا حصہ۔ سابقہ عنوان "انگریزوں کے قصے" طبع ششم' دہلی ۱۹۴۶ء۔ جس میں کہانیوں کے عنوانات بدل دیئے گئے اور اغلاط کو درست کر دیا گیا۔ ابتدا میں ہر قصے کا خلاصہ بھی لکھ دیا ہے۔

بقول مصنف: "اس کتاب کو انگریزوں کے لکھے ہوئے حالات سے ترجمہ کرایا گیا ہے یعنی جتنے قصے اس کتاب میں ہیں وہ سب انگریزی زبان میں تھے اور بعض حصے خان بہادر شمس العلماء منشی ذکاء اللہ صاحب مرحوم کی اردو "تاریخ ہند" سے میں نے چھانٹے ہیں اور بعض حصے ذاتی تحقیقات سے گھر گھر پھر کر اور ایک ایک آدمی سے پوچھ کر خود میں نے قلمبند کئے ہیں۔"

کتاب کے اختتام پر وہ "آخری رائے" کے تحت رقمطراز ہیں:

"اس میں تیرہ قصے ہیں۔ آخری تیرہواں قصہ بہت دردناک ہے۔ میں نے جب پہلی بار اس کو کتاب میں لکھا تھا تو رونا آ گیا تھا اور اب بھی میرے دل پر اس قصے کے ایک ایک لفظ کا بہت زیادہ اثر ہوا۔

میں نے اس تاریخی کتاب کے پہلے حصے "بیگمات کے آنسو" نامی کتاب میں ہندوستانی عورتوں اور مردوں کی مصیبتوں کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں اور پڑھنے والے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء میں باغیوں نے بھی بہت ظلم کئے تھے' مگر انگریزوں نے بھی کچھ کم ظلم نہیں کئے تھے۔ انسان کا وحشیانہ پن دونوں میں یکساں نظر آتا ہے۔ البتہ یہ بات بھی ان قصوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ ہر انگریز عورت مرد کو ہر مقام پر رحم دل ہندوستانی بہت زیادہ میسر آتے رہے' خاص کر مسلمان فقیر اور ہندو سادھو ہر جگہ رحم دل ثابت ہوئے' لیکن جب انگریزوں کو غلبہ حاصل ہوا تو ان کی قوم میں ایسے بہت کم آدمی تھے جنہوں نے بے گناہوں پر ترس کھایا ہو۔

آخری کہانی لکھنے والا کوئی ناول نویس معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اپنا قصہ دانستہ ایسے طریقے سے لکھا ہے جس سے اس کی قوم کو ہندوستانیوں پر غصہ آئے اور اس کے دل میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو۔

میں نے "بیگمات کے آنسو" کے بعد ہی یہ کتاب اس لئے لکھنی ضروری سمجھی تھی کہ ہندوستانیوں کے ظلم وستم بھی سب کے علم میں آ جائیں اور ہندوستانیوں پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ وہ اپنی ہی قوم کی مظلومیت پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا میں بحیثیت ایک ہندوستانی ہونے کے اور بلحاظ ایک مسلمان ہونے کے فخر کر سکتا ہوں کہ میں نے انقلاب دہلی ۱۸۵۷ء کی تاریخ لکھنے میں انصاف اور نیک نیتی سے کام لیا ہے یعنی جو زیادتیاں انگریزوں نے کیں' ان کو بھی لکھ دیا اور جو ظلم وستم

ہندوستانیوں نے کئے' ان کو بھی قلمبند کر دیا۔

دراصل انگریز مردوں اور عورتوں نے اپنی مصیبتوں کا جو حال لکھا ہے' وہ انگلستان میں رہنے والوں اور یورپ کے رہنے والوں کو اس جان فشانی سے آگاہ کرنے کی غرض سے لکھا ہے جو ان کو ہندوستان حاصل کرنے کے سلسلے میں پیش آئی' مگر تاریخ بتاتی ہے کہ دنیا کی ہر قوم جب کسی دوسری قوم پر غلبہ حاصل کرتی ہے تو ایسی ہی سفاک اور بے رحم بن جاتی ہے۔ مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی امیہ کے بادشاہ امیر معاویہ کے بیٹے یزید نے رسولِ خدا کی اولاد پر اس سے زیادہ بے رحمانہ ظلم کئے تھے حالانکہ دونوں ایک خاندان اور ایک مذہب اور ایک ملک کے تھے۔ پس ظاہر ہے کہ حکومت کے لین دین میں ہمیشہ ہر ملک میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

گیارہویں قصہ نویس نے بلب گڑھ کے راجہ کے احسانات کا بہت صاف الفاظ میں ذکر کیا ہے' مگر غالباً اس نے انگریزی غلبے کے بعد ان حکام کو ان احسانات کی اطلاع نہیں دی جن کے سامنے راجہ بلب گڑھ کا مقدمہ پیش ہوا تھا ورنہ وہ حکام راجہ بلب گڑھ کو پھانسی نہ دیتے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ خود غرض ہندوستانی مخبروں نے اپنے ملک کے بہت سے بے گناہ لوگوں پر جھوٹی مخبری کر کے انگریزوں سے ظلم کرائے' لیکن انگریز حکومت انصاف پسند اور مہذب حکومت تھی' اس کا فرض تھا کہ بعد میں جب راجہ بلب گڑھ کے ان احسانات کا اس کو علم ہوا تھا تو وہ راجہ بلب گڑھ کی اولاد کو بلب گڑھ کی حکومت دے دیتی اور بلب گڑھ کو ضبط کر کے گڑگانوہ کے ضلع میں شریک نہ کیا جاتا۔ میں نے "بہادر شاہ کے مقدمہ" میں جو اس تاریخ کا چوتھا حصہ ہے' راجہ بلب گڑھ اور نواب جھجر کے مقدمات کا حال بھی لکھا ہے جن کی روئداد سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان دونوں کے جرائم ایسی سخت سزا کے مستحق تھے۔ اس تاریخ کے بارہویں حصے میں جس کا نام "غدر کا نتیجہ" اور "دہلی کی سزا" ہے نواب صاحب لوہارو کے خاندان کے ایک وفادار آدمی نے جو کچھ لکھا ہے' اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دہلی کے ایسے آدمیوں کو بھی پھانسیاں دی گئیں جو بے گناہ تھے۔

خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب انگریزی سرکار کے ثابت قدم وفادار تھے۔ انہوں نے اپنی "تاریخ ہند" میں جو حالات انقلاب ۱۸۵۷ء کے لکھے ہیں ان کو میں نے "دہلی کی جانکنی" کتاب میں درج کیا ہے جو اس تاریخ کا آٹھواں حصہ ہے۔ اس سے بھی ان بے گناہوں کا حال ظاہر ہوتا ہے جن کو پھانسیاں دے دی گئیں۔

میں نے آج سے چالیس سال پہلے جب یہ تاریخ لکھنی چاہی تو خوف کی یہ حالت تھی کہ ہر شخص مجھ کو ڈراتا تھا کہ جو قلم کار ایسی تاریخ لکھے گا پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا' مگر میں انگریزوں کی آزاد خیالی کو جانتا تھا اس لئے میں نے جرأت کر کے یہ تاریخ لکھ دی اور شروع کی چند مشکلات کے سوا کوئی تکلیف مجھے یہ تاریخ لکھنے کی وجہ سے انگریز حکومت نے نہیں دی۔

بہرحال وقت آ گیا ہے کہ اب ہم سب انسان آپس میں ایک دوسرے کو ایسی ایذا دینے کا خیال بھی دلوں میں نہ آنے دیں۔" ---مدیر]

دہلی میں غدر کا پہلا دن

(ریزیڈنٹ کا قتل۔ ان کے سائیس نے ان کو مارا۔ کپتان ڈگلس کا قتل۔ کشن گڑھ کی کوٹھی پر حملہ۔ بینک پر حملہ۔ گرجا جلا دیا۔ اسکنر صاحب کی کوٹھی پر حملہ۔ انگریز عورتوں اور بچوں کا قتل۔ مسز جارج اسکنر اور ان کے بچوں کا قتل۔ بادشاہ سے تنخواہ کا مطالبہ۔ دلی میں گرانی۔ کتنی فوج دلی میں تھی۔ کتنا روپیہ فوج کے پاس تھا)

غدر ہونے سے تقریباً ایک مہینہ پہلے یکم اپریل ۱۸۵۷ء کو ایک اشتہار اس مضمون کا جامع مسجد دہلی میں چسپاں کیا گیا تھا کہ ۱۱ مئی کو دہلی لوٹی جائے گی اور بڑا کشت و خون ہوگا' مگر اس وقت حکام نے اس طرف کچھ توجہ نہیں کی اور معمولی بات سمجھ کر ہنسی میں ٹال دیا۔ شمالی و مغربی اضلاع کے اخبارات نے بھی اس کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام لوگ بھی بے فکر اور مطمئن ہو کر بیٹھ رہے۔ یہاں تک کہ ۱۱ مئی کا وہ خوفناک دن آ گیا اور میرٹھ کے مفسدین کا ایک گروہ صبح کے وقت ۷ بجے کشتیوں سے دریا عبور کر کے شہر میں داخل ہو گیا۔ ان مفسدہ پردازوں میں کچھ نیزے سوار اور کچھ ۲۰ اور ۱۱ ہندوستانی رجمنٹ کے پیدل شریک تھے۔

سب سے پہلے ان مفسدین نے گھاٹ کے ٹھیکہ دار کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد پل کے ذریعہ شہر میں گھس پڑے اور پل ہی پر ایک فرنگی کو جو راستے میں ان کو نظر آ گیا تھا' مار ڈالا۔ دریا عبور کرنے کے بعد ملاحوں نے پل توڑ دیا۔ سوار گھوڑوں پر پار ہو کر دہلی دروازے کے راستہ سے انگوری باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ باغ قلعہ کے نیچے تھا اور یہاں بڑے صاحب یعنی ریزیڈنٹ رہتے تھے۔ یہ سوار اس غرض سے وہاں گئے تھے کہ ان کو قتل کر ڈالیں۔ اس عرصہ میں کوتوال کو خبر ہو گئی۔ وہ بھاگتا ہوا مسٹر فریزر صاحب کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی۔ صاحب موصوف نے فوراً حکم دیا کہ دفتر کے تمام کاغذات شہر میں لے جاؤ اور خود دو نالی بندوق بھر کر مفسدین کی طرف بگھی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے تا کہ اس فتنہ کو کسی طرح دبائیں' مگر مفسدین ان کو دیکھتے ہی ان کی جان کے دشمن ہو گئے۔ غریب فریزر صاحب نے یہ رنگ دیکھا تو جان بچانے کی فکریں کرنے لگے اور بگھی سے کود کر براہ ثمن برج قلعہ کے اندر جا کر اس کے دروازے بند کر دیئے۔ اسی اثناء میں صاحب موصوف نے ایک دو بلوائیوں کو گولیوں کا نشانہ بھی بنایا۔ ثمن برج سے فریزر صاحب سیدھے قلعہ کے لاہوری دروازہ پر گئے اور اس دروازہ کے دربان کو حکم دیا کہ یہ دروازہ بھی بند کر دو۔ اس کے بعد ایک مفسد نے آ کر صوبہ دار سے کہا کہ دروازہ کھول دو۔ صوبہ دار نے دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میں میرٹھ کے رسالے کا سوار ہوں۔ صوبہ دار یہ سن کر تھوڑی دیر چپ رہا۔ اس کے بعد کہا کہ اور سپاہی کہاں ہیں؟ سپاہی نے جواب دیا کہ وہ سب انگوری باغ میں ہیں۔ صوبہ دار نے یہ سن کر اس سے کہا کہ جاؤ ان سب کو بلا لاؤ۔ وہ سپاہی چلا گیا۔ جب وہ سب جمع ہو گئے تو صوبہ دار

نے دروازہ کھول دیا اور سارے سپاہی قلعہ میں داخل ہو گئے۔ کپتان ڈگلس قلعہ دار اور فریزر صاحب نے صوبہ دار سے کہا کہ ایسی کھلی ہوئی دغابازی کی تم سے امید نہ تھی۔ پھر کچھ سمجھانا چاہا اور صوبہ دار سے کہا کہ سپاہیوں سے کہو کہ بندوقیں بھر لیں کیونکہ قلعہ کے دروازہ پر ہمیشہ ایک گارد رہا کرتا تھا اور وہ ان مفسدین کی روک تھام کے لئے کافی تھا' مگر صوبہ دار پہلے ہی برگشتہ اور فتنہ پردازوں کے ساتھ سازش میں شریک ہو چکا تھا۔ اس نے اس حکم کی بھی تعمیل نہ کی' بلکہ نہایت سخت کلامی سے پیش آیا اور مغلظ گالی دے کر کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ دونوں انگریزوں نے جب یہ رنگ دیکھا تو مجبوراً وہاں سے بھاگ کر قلعہ کے اندرونی حصہ کی طرف آئے۔ دونوں غریب بھاگتے ہوئے آ ہی رہے تھے کہ راستہ میں مفسدوں کے سوار مل گئے۔ ایک نے فریزر صاحب کے اور دوسرے نے کپتان ڈگلس کے پستول سر کیا جس سے دونوں زخمی ہوئے اور دیوار کے سہارے سے کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد ایک اور مفسد آیا اور تلوار کے وار سے دونوں کے سر تن سے جدا کر دیئے۔

اس دردناک واقعہ کو ایک صاحب نے دوسرے طریقہ سے بیان کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جب فریزر صاحب گولی کھا کر زخمی ہوئے تو اسی حالت میں انہوں نے دو مفسدین کو ہلاک کر ڈالا اور بگھی پر سوار ہو کر بھاگے۔ اگرچہ سخت زخم آیا تھا اور زخم سے خون جاری تھا' مگر بگھی چلانے کی طاقت باقی تھی یا یہ کہ جان کے خوف سے ہمت اپنا کام کر رہی تھی۔ اسی عرصہ میں کہ غریب زخموں سے چور اور درد سے مجبور بھاگے چلے جا رہے تھے' ایک مفسد آیا اور اس نے صاحب موصوف کے سائیس کو تلوار دے کر کہا کہ تو اس کو مار ڈال۔ وحشی سائیس نے تلوار لے کر صاحب کے ایسا ہاتھ مارا کہ صاحب موصوف کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ پھر کپتان ڈگلس کو بھی ہلاک کر ڈالا۔ اس کے بعد بلوائی دیوان عام کی طرف گئے۔ وہاں دو معصوم میمیں تھیں۔ ان کو بھی ان سنگدلوں نے نہ چھوڑا اور بندوق کا نشانہ بنا دیا۔ وہاں سے نکل کر سیدھے دریا گنج کا رخ کیا اور یہاں آ کر تمام مکانوں کو آگ لگا دی۔ یہ مکانات زیادہ تر انگریزوں کے تھے۔ اس عرصہ میں ایک اور رجمنٹ مفسدوں کی شہر میں گھس آئی اور آتے ہی شہر کے لچوں اور شہدوں سے کہا کہ تم لوگ شہر کو خوب لوٹو۔ ہمیں اس سامان غنیمت میں ہاتھ لگانا حرام ہے۔ جو بلوائی دریا گنج کو جلا رہے تھے' انہوں نے وہاں پانچ انگریزوں اور دو میموں کو اور مار ڈالا۔ باقی جس قدر عیسائی تھے' وہ سب راجہ کشن گڑھ کی کوٹھی میں جا کر پناہ گیر ہوئے۔ جب دریا گنج جل کر بالکل خاک سیاہ ہو گیا تو وہاں سے مفسد بینک کی کوٹھی پر گئے۔ اس کو بھی آگ لگا کر جلا ڈالا اور پانچ فرنگیوں کو جان سے ہلاک کر دیا۔ پھر وہاں سے کوتوالی گئے اور بدمعاشوں سے کہہ دیا کہ شہر کو لوٹو۔ کوتوال خوف زدہ ہو کر کوتوالی چھوڑ کر بھاگ گیا اور کوئی تدبیر غریب غربا کو بچانے کی نہ کی۔ کوتوالی سے اسکنر صاحب مرحوم کی کوٹھی پر پہنچے مگر اس کو آگ نہیں لگائی' لیکن وہاں گرجا اور گرجا کے قرب و جوار میں جس قدر مکانات تھے' سب میں آگ لگا دی اور جلا کر خاک کا ڈھیر کر دیا اور جس قدر میمیں اور فرنگی تھے' سب کو مع ننھے ننھے بچوں کے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد انہی مفسدوں میں سے پانچ سوار چھاؤنی پہنچے۔ ان کے پہنچتے ہی وہاں جس قدر سپاہی تھے' انہوں نے اپنے افسروں کے بنگلوں کو جلانا شروع کر دیا اور جو فرنگی نظر آیا فوراً نہایت بے رحمی و بے دردی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔ باقی سوار میگزین کی طرف گئے' مگر قریب پہنچے ہی تھے کہ جس قدر سپاہی تھے' وہ سب اور تقریباً ایک ہزار شہری آدمی میگزین کے پھٹنے سے اڑ گئے۔ خدا معلوم میگزین میں کیونکر آگ لگ گئی۔

اب یہاں چھاؤنی میں جس قدر سپاہ تھی' دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ دو رجمنٹیں تو مفسدوں کے ساتھ مل کر شہر کو

لوٹنے میں مصروف ہو گئیں اور دو رجمنٹیں لال ڈگی کے قریب قلعہ کے سامنے ٹھہریں۔ ان میں سے ایک گارد راجہ کشن گڑھ کی کوٹھی پر گیا' کیونکہ اس نے انگریزوں کو پناہ دی تھی۔ چنانچہ اس کوٹھی میں بتیس زن و مرد اور کچھ بچے پناہ گزین تھے۔ اس گارد نے وہاں پہنچ کر کوٹھی میں آگ لگا دی جو ایک رات دن برابر جلتی رہی۔ دوسرے روز یہ مفسدین میگزین میں سے دو توپیں اٹھا لائے اور تمام دن اس پر گولہ باری کرتے رہے' لیکن چونکہ تمام انگریز جو پناہ گزین تھے' تہ خانہ میں چلے گئے تھے' اس لئے سب کے سب محفوظ رہے اور بچ گئے اور کسی قسم کا ان کو نقصان نہیں پہنچا۔ اس کے بعد مفسدوں نے تمام شہر کو لوٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اسکنر صاحب کی کوٹھی کو بھی شہر کے بدمعاشوں نے خوب لوٹا' حالانکہ میرٹھ کے مفسدین نے اس کو اب تک ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

۱۳ تاریخ کو مفسدوں نے پھر دوبارہ ان انگریزوں پر حملہ کیا جو راجہ کشن گڈھ کی کوٹھی میں چھپے ہوئے تھے' لیکن اس دن انگریزوں نے بھی کوٹھی کے اندر سے گولیاں چلائیں اور چند مفسدین کو ہلاک کر ڈالا' مگر جب غریبوں کے پاس گولی بارود نہ رہی تو سوائے چار انگریزوں کے سب باہر نکل آئے اور لڑتے رہے۔ اس عرصہ میں ولی عہد شاہی بھی وہاں پہنچ گئے اور مفسدوں سے کہا کہ ان انگریزوں کو ہمیں دے دو۔ ہم ان کو حراست اور نگہبانی میں محفوظ رکھیں گے' مگر ان مفسدوں نے ایک نہ سنی اور سب کو تہ تیغ کر ڈالا۔

مسز جارج اسکنر صاحب اپنے بال بچوں سمیت قلعہ میں پناہ گیر تھے۔ جاسوسوں نے خبر دی کہ وہاں چھپے ہوئے ہیں۔ مفسد انہیں قلعہ سے کوتوالی میں پکڑ لائے اور یہاں انہیں نہایت ذلت و خواری کے ساتھ قتل کر ڈالا اور شفاخانہ کے ہندوستانی اور انگریز ڈاکٹروں کو شفاخانہ اور جیل خانہ کے اندر ہلاک کیا۔ ان بچاروں کی تین روز تک لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں۔ آخر چوتھے روز خود مفسدوں نے ان کو دریا میں پھکوا دیا۔

اب مفسدوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ یا تو دو مہینے کی تنخواہ دو ورنہ ہمارا روزینہ مقرر کر دو' یعنی رسد وغیرہ روزانہ دلوا دیا کرو۔ بادشاہ نے شہر کے سب مہاجنوں کو بلا کر حکم دیا کہ اگر وہ سپاہ کی درخواست پوری نہ کریں گے تو سب اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں (غریب بادشاہ چونکہ مجبور تھے اس لئے عام شہر کی بربادی اور قتل عام کو بچانے کی خاطر مہاجنوں کو یہ حکم دیا ہوگا) مہاجنوں نے بادشاہ کے حضور میں عرض کیا کہ ہم ان کو بیس روز تک صرف دال روٹی کھلا سکتے ہیں' اس سے زیادہ ہم میں مقدور نہیں' مگر مفسدین اس پر راضی نہ ہوئے اور کہنے لگے ہم تو مرنے مارنے پر کمر باندھے بیٹھے ہیں۔ چند روز جو زندگی کے باقی ہیں' ان میں بھی دال روٹی کھائیں۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ غرض کہ بادشاہ نے یہ سب باتیں سن کر چار آنہ یومیہ مقرر فرما دیئے۔

اس کے بعد مفسدین نے شہر کی ناکہ بندی کر دی اور ہر دروازہ پر دو دو توپیں چڑھا دیں اور ایک ہزار من بارود چھاؤنی کے میگزین سے اٹھا لائے اور جس قدر گولہ بارود میگزین میں موجود تھا اس پر قبضہ کر لیا۔ اس شور و شر اور فتنہ و فساد کی وجہ سے شہر میں رسد آنی بند ہو گئی اور تمام چیزیں گراں ہو گئیں۔

آٹا ۳ سیر' گیہوں آٹھ سیر اور گھی ڈیڑھ سیر کا بکنے لگا۔ علیٰ ہذا القیاس تمام چیزیں مہنگی ہو گئیں۔ دہلی کے گرد و نواح کے جس قدر دیہاتی تھے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ بادشاہ نے رفع فساد کی غرض سے گوجروں

کے چار پانچ گاؤں کو جلوادیا' مگر یہ آگ فرو نہ ہوئی۔ اسکنر صاحب کی جو کوٹھی بلاسپور میں تھی' وہ بھی لوٹ کی نذر ہوگئی۔

فسادیوں نے جب دہلی کو اچھی طرح لوٹ لیا تو دو سو سوار گوڑگانوہ کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں بھی فتنہ فساد' لوٹ کھسوٹ اور آتش زنی کا بازار گرم کردیا اور سرکاری خزانہ کو جس میں ۷ لاکھ ۸۴ ہزار روپیہ تھا لوٹ کر دہلی واپس آگئے۔ اس وقت مفسدین کے پاس دہلی اور گوڑگانوہ کے خزانوں کا ۲۱ لاکھ ۸۰ ہزار روپیہ نقد موجود تھا' جو قلعہ شاہی اور مفسد سپاہ کی حراست میں رکھا گیا۔

اس وقت دہلی میں تین رجمنٹیں موجود تھیں۔ ایک تو میرٹھ کی اور دو خاص دہلی کی۔ نیز دو سو سوار بھی موجود تھے۔ باقی فسادی سپاہیوں کی فوج علی گڑھ اور آگرہ کی طرف روانہ ہوگئی۔ شہر میں سب سے بڑا متمول تاجر چمن چند تھا مگر صرف اس کی کوٹھی لوٹ مار سے بچی ہوئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ روزانہ مفسدین کی دعوتیں کیا کرتا تھا۔

ایک انگریز کا پہلا قصہ

(رجمنٹ نمبر ۵۴ کی بغاوت۔ کرنل ریلی کا قتل۔ میگزین کی فوج کی بغاوت۔ فساد کی خبر کا تار۔ رجمنٹ نمبر ۵۴ کے افسر مارے گئے۔ میگزین اڑا۔ انگریز میرٹھ کی طرف بھاگے۔ کرنال کی طرف بھاگے۔ گولہ اندازوں کی سرکشی)

ہندوستانی پیادوں کی اڑتیسویں رجمنٹ کا ایک افسر اپنی مصیبت کا حال اس طرح بیان کرتا ہے کہ ۱۱ تاریخ کو قریب ساڑھے دس بجے صبح کے میرا نوکر بھاگتا ہوا میرے کمرے میں آیا اور نہایت گھبراہٹ سے کہنے لگا کہ شہر میں بہت کھلبلی مچ رہی ہے اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ میرٹھ کی تمام ہندوستانی سپاہ دہلی پر قبضہ کرنے کے واسطے بڑھی چلی آرہی ہے۔ سب سے پہلے خبر فساد کی جو میں نے سنی' وہ یہی تھی۔ چونکہ میرا بنگلہ چھاؤنی ہی میں تھا اس لئے میں یہ خبر سنتے ہی اسسٹنٹ کیپٹن صاحب ایجنٹن ۳۸ رجمنٹ ہندوستانی کے بنگلہ کی طرف پیدل چل دیا۔ وہاں جاکر میں نے دیکھا کہ کمانڈنگ افسر اور کرنیل نوٹ صاحب دونوں موجود ہیں۔ انہوں نے بھی میری خبر کی تصدیق کی اور کہا کہ ہندوستانی پیادوں کی ایک رجمنٹ نمبر ۵۴ مع توپوں کے شہر میں بھیجی گئی ہے اور دو کمپنیاں نمبر ۳۸ و ۷۴ رجمنٹ کی پہاڑی پر جو شہر اور چھاؤنی کے درمیان واقع ہے' قیام کریں گی۔ بقیہ سپاہی ان رجمنٹوں کے کسی دوسری جگہ نہ بھیجے جائیں گے' لیکن اپنی چھاؤنی میں ہر وقت مسلح اور مستعد رہنا چاہئے۔ جب میں کمانڈنگ افسر کے بنگلہ سے واپس ہوا تو راستہ میں مجھ کو کول صاحب ملے' مگر ان سے صرف اسی قدر معلوم ہوا کہ میرٹھ کے مفسد سواروں میں قریب ڈیڑھ سو سواروں نے کشتیوں کے پل پر قبضہ کرلیا ہے اور میرٹھ سے آتے ہوئے جو انگریز ان کو ملا اس کو قتل کر ڈالا۔

جب میں اپنے بنگلہ پر پہنچ گیا تو تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں توپیں میرے بنگلے کے برابر سے شہر کی طرف جاتی ہوئی نظر آئیں تو مجھے اطمینان ہوا کہ فسادیوں کے شر و فساد کو روکنے اور رفع کرنے کے لئے رجمنٹ نمبر ۵۴ اور یہ دونوں

تو پیں کاٹی ہوں گی اور اس کے بعد جو واقعات ظاہر ہوئے' ان کا تو مجھے سان گمان ہی نہ تھا' لیکن میں نے بہ نظر احتیاط اپنا پانچ فیری طمنچہ بھر لیا اور حکم دیا کہ گاڑی کے گھوڑے تیار رکھو۔

دوپہر کے ۱۲ بجے کے قریب میرے نوکروں نے مجھ کو خبر دی کہ دریا گنج کی چھاؤنی جل رہی ہے اور میری رجمنٹ کے صاحب اجیٹن اور کمانڈنگ افسر چھاؤنی کی طرف گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر میں بھی سوار ہو کر گیا اور دیکھا کہ سپاہیوں کو سامان جنگ تقسیم ہو رہا ہے۔ وہاں سے میں اپنی کمپنی میں گیا اور سپاہیوں سے گفتگو کرنے لگا۔ وہ سب بظاہر نیک چلن معلوم ہوتے تھے اور اس فساد سے سب نے لاعلمی ظاہر کی' بلکہ بہت سے سپاہی کمربندی سے ناخوش معلوم ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ابھی شہر کی ہفت روزہ تعیناتی سے واپس آئے ہیں۔ ابھی اچھی طرح روٹی پانی سے بھی فارغ نہیں ہوئے کہ پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں میں نے ان سے کہا کہ غالباً تھوڑے عرصہ میں یہ فساد فرو ہو جائے گا پھر آرام کرنا' کیونکہ ایک رجمنٹ اور دو توپیں فسادیوں کے منتشر کر دینے کے واسطے روانہ کی جا چکی ہیں۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ مجھے یقین ہے کہ اگر ضرورت پڑے گی تو تم سب لڑو گے اور نمک کا حق ادا کرو گے۔ جس کے جواب میں سپاہیوں نے کہا کہ ہم نے سرکار کمپنی کا نمک کھایا ہے اور ہم ہر طرح پر لڑنے مرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ ان میں سے ایک حوالدار زیادہ شور وغل مچا رہا تھا' مگر بنظر احتیاط صاف صاف یہ نہیں کہتا تھا کہ ہم مفسدوں سے نہ لڑیں گے' بلکہ یہ کہتا تھا کہ اگر کوئی غنیم رجبہ بابو آوے گا تو اس سے لڑیں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد دونوں کمپنیاں جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے' پہاڑی کی طرف روانہ ہوئیں کہ وہاں جا کر قیام کریں۔ روانگی کے وقت دونوں کمپنیوں کے سپاہیوں نے بہت شور وغل مچایا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو بہت خوشی ہے۔ ان کی کسی حرکت سے یہ شبہ نہ ہوتا تھا کہ وہ مفسدانہ خیال رکھتے ہیں۔ میں سپاہیوں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ خبر پہنچی کہ رجمنٹ نمبر ۵۴ نے شہر میں داخل ہونے کے بعد لڑنے سے انکار کر دیا اور اپنے افسروں کو رسالہ سوم کے سواروں سے کٹوا دیا اور ذرا بھی سپاہ مفسد کا مقابلہ نہ کیا۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی اور معاملہ اس قدر نازک ہو گیا تو سپاہ کو آراستگی وغیرہ کا حکم دیا گیا۔ کارتوس تقسیم کئے گئے۔ باجے والوں کو بھی بندوقیں اور لڑائی کا سامان دیا گیا۔ سب نے حکم کی تعمیل کی اور بندوقیں بھر کر لڑائی کے لئے تیار ہوئے۔ یہاں یہ ہو ہی رہا تھا کہ نمبر ۵۴ رجمنٹ کے کرنل ریلی ڈولی میں آئے۔ زخموں سے ان کا بدن لہولہان ہو رہا تھا۔ میں نے خود اپنے کانوں سے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ کو خود میرے ہی سپاہیوں نے سنگینیں ماری ہیں۔ اس کے بعد فوجی ڈاکٹر صاحب کی زبانی جو کیفیت معلوم ہوئی' وہ اور زیادہ غم افزا اور دردناک تھی۔ انہوں نے سپاہیوں کی غداری اور اپنے افسروں کے قتل وخونریزی کا حال سنایا جس سے معلوم ہو گیا کہ رجمنٹ نمبر ۵۴ مفسدوں کے ساتھ شامل ہو گئی۔ جب حالت اس قدر اندیشہ ناک ہو گئی تو افسروں کے باہم مشورہ سے یہ طے پایا کہ جس قدر توپیں اور فوج باقی ہے' وہ سب پہاڑی کے اوپر جا کر قیام کریں۔ البتہ نمبر ۷۴ کی رجمنٹ کشمیری دروازہ پر بھیجی گئی تاکہ وہاں پر جو گارڈ ہے اس کی امداد کرے۔ باقی کل فوج پہاڑی کے برج پر جا کر مقیم ہوئی اور دونوں توپیں اس طرح لگائیں کہ ان کی زد اس راستہ پر پڑتی تھی جو شہر کو جاتا تھا۔ ۳۸ رجمنٹ کے جو باقی ماندہ سپاہی تھے' وہ برج مذکورہ کے سیدھے ہاتھ کی طرف جمع کر دیئے گئے۔ جس قدر فرنگی عورتیں اور ان کے بچے وہاں تھے' سب آ کر برج کے اندر جمع ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد بہت

سے شہر کے باشندے بھی آ گئے۔ اب ہر طرف انگریزوں کی جو شہر میں رہتے تھے' قتل عام کی خبریں آنے لگیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس قدر فوج میگزین نیز دوسرے مقامات پر متعین تھی' سب نے سرکار کے کام سے انکار کر دیا یعنی لڑنے سے منہ موڑ لیا۔

جب فوج کی غداری اور بغاوت کا یقین ہو گیا اور ہر طرف شر و فساد اور قتل عام کا بازار گرم ہونے لگا تو صاحب برگیڈیئر نے شتر سوار کے ذریعہ میرٹھ کے حکام کو چٹھی بھیجی اور قریب دس بجے حکم دیا کہ بذریعہ تار اس فساد کی خبر انبالہ بھیجی جائے۔ اس کے بعد افسر مذکور نے تمام سپاہ کو جمع کر کے ان سے دریافت کیا کہ آخر تمہیں کیا عذر ہے اور تم کیا چاہتے ہو تو بعض سپاہیوں نے کارتوس کا عذر کیا۔ اس پر صاحب موصوف نے ان کو سمجھایا اور یقین دلایا کہ سرکار کا ارادہ یہ ہرگز نہیں کہ وہ کسی طرح تمہارے مذہب میں دخل دے اور فوج کو ہرگز ایسے کارتوس نہیں دیئے جائیں گے جن سے کسی قسم کا ان کے مذہب کو نقصان پہنچے۔ گفتگو کا سلسلہ جاری تھا اور افسر موصوف برابر فوج کو سمجھا رہے تھے مگر فوج ترش رو ہو رہی تھی اور اپنی ناراضی کا اظہار کر رہی تھی اور ان کی طرف سے اطمینان نہیں ہوا تھا۔

پہاڑی کے گرد اگرد سب فوج جمع تھی۔ میں بھی ان کے پاس گیا اور بیٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگا۔ سپاہیوں نے جب یہ خبر سنی کہ ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے تمام افسروں کو اس نے اپنے ہی ہاتھوں مار ڈالا تو انہوں نے بہت اظہار افسوس کیا اور کہا کہ ہم کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی ہے۔ تب میں نے ان سے پوچھا کہ تم ہمارا ساتھ دو گے یا مجھے اور میرے بال بچوں کو بلکہ تمام انگریزوں کو مارے جاتے ہوئے دیکھو گے؟ اس کے جواب میں اکثر سپاہیوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ جہاں تمہارا پسینہ گرے گا' ہم اپنا خون بہانے کو تیار ہیں اور جب تک میں بیٹھا رہا مجھ سے نہایت ادب و لحاظ سے پیش آتے رہے۔

پہاڑی چونکہ بلند مقام پر تھی' اس لئے ہم شہر کو اچھی طرح سے دیکھ سکتے تھے۔ اب شہر میں کئی جگہ آگ کے شعلے نظر آتے تھے۔ بظاہر وہ سب مقامات انگریزوں کے معلوم ہوتے تھے۔ اسی عرصہ میں میگزین اڑا جس کو دیکھ کر تمام سپاہی اپنے اپنے ہتھیار لے کر اور شور و غل مچا کر اور بیہودہ اشارات کر کے دوڑ پڑے۔ اس وقت ان کو بمشکل تمام روکا۔ میں اس وقت افسروں کے ساتھ فوج کے بیچ میں تھا۔ اس وقت تک میں نے کوئی کلمہ فحش ان کی زبان سے نہیں سنا۔ البتہ صرف ایک سپاہی نے اتنا کہا کہ اب تمہارا نمک پانی کھایا نہیں جاتا۔ میگزین کے اڑنے سے قبل ایک گاڑی شہر سے آئی جس میں کپتان اسمتھ' کپتان برڈ' لفٹنٹ ایڈورڈ اور لفٹنٹ واٹر فیلڈ صاحب کی لاشیں تھیں۔ یہ سب افسر رجمنٹ نمبر ۵۴ کے تھے۔ ان لاشوں پر میموں کے کپڑے پڑے ہوئے تھے جو ان کی بیکسی اور مظلومیت کا پتہ دے رہے تھے۔

برگیڈیئر صاحب نے وہ دونوں توپیں جو شہر میں روانہ کی گئی تھیں' پھر واپس منگائیں مگر واپسی کے وقت ان سپاہیوں نے شرارت شروع کی جو توپوں کے ساتھ تھے اور بجائے پہاڑی پر آنے کے جہاں دوسری فوجیں پڑی ہوئی تھیں' سیدھا چھاؤنی کا راستہ لیا۔ چھاؤنی کے راستہ میں کپتان ٹیلر صاحب کی جماعت کے تھوڑے سے سپاہی ملے جنہوں نے کپتان موصوف کو چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے فوراً توپوں پر قبضہ کر لیا اور کپتان ایلن صاحب کمانیئر اور سارجنٹ کو جو توپوں کے ہمراہ تھے' لڑ بھڑ کر بھگا دیا۔ یہ دونوں صاحب گولیوں کی بارش سے بہزار دقت جان بچا کر پہاڑی کے برج میں آئے۔

میری دانست میں ان انگریزوں میں سے جو شہر میں فوج کے ساتھ گئے تھے' صرف یہی دو صاحب تھے جو صحیح سلامت یہاں پہنچے تھے۔

مفسد سپاہی توپیں چھین کر شہر کی طرف جا رہے تھے۔ چونکہ پہاڑی پر سے سب نظر آتا تھا' اس لئے کپتان ڈی تسلر صاحب نے جو توپوں کو شہر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس غرض سے گئے کہ ان کو پہاڑی پر واپس لائیں' مگر مفسد سپاہیوں نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو گولیوں کی بھرمار کر دی۔ چنانچہ صاحب موصوف کا گھوڑا زخمی ہوا اور صاحب موصوف خدا خدا کر کے بچے۔

فسادی جماعت جب شہر کے قریب پہنچی تو اتفاقاً ڈپٹی کلکٹر کر نبرا صاحب پر ان کی نظر پڑ گئی اور ان پر بھی گولیاں برسانی شروع کر دیں' مگر انہوں نے بھاگ کر جان بچائی۔

رفتہ رفتہ دن بھر میں بہت سامان جنگ برج میں جمع ہو گیا تھا اور ہم کو قوی امید تھی کہ اگر توپخانہ بگڑ نہ گیا اور برابر کام دیتا رہا تو جب تک میرٹھ سے کمک پہنچے' ہم تمام انگریز اور سارجنٹ اور عیسائی یہاں برج میں پوری حفاظت کے ساتھ رہ سکتے ہیں' مگر یہ معلوم نہ تھا کہ تقدیر میرٹھ میں کیا گل کھلا رہی ہے۔

لیکن جب ہر طرف سے امید جاتی رہی اور کوئی آسرا باقی نہ رہا تو ناچار تمام جنگی عہدہ داروں کے مشورہ سے یہ رائے قرار پائی کہ میرٹھ چلنا چاہئے۔ چنانچہ تمام میم صاحبان اور وہ لوگ جو لڑنے کے قابل نہ تھے' سب کو بگھیوں میں سوار کرا کر وزیر آباد کے گھاٹ سے جو چھاؤنی سے قریب تھا' جمنا پار اتار کر روانہ کر دیا۔ بگھیاں اور دونوں توپوں کو لے کر کپتان ڈی تسلر صاحب آگے بڑھے اور پیدل فوج ان کے پیچھے چلی۔ ہندوستانی سپاہی جس قدر ساتھ تھے' سب کے سب نہایت بے دلی کے ساتھ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔

جب پہاڑی سے آئے تو ہم نے دیکھا کہ بگھیاں اور توپیں کرنال کے راستہ پر جا رہی ہیں اور وزیر آباد کے راستہ کو چھوڑ دیا ہے۔ میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ پیدل چل رہا تھا' اس لئے کہ میرا گھوڑا میرے ساتھ نہ تھا۔ میرے علاوہ بھی بہت سے آفیسر میرے ساتھ پیدل تھے۔ جب ہم اپنی لین کے قریب پہنچے تو تمام سپاہی خود سر ہو کر لین میں چلے گئے۔ چونکہ میرا بنگلہ بھی قریب تھا' اس لئے میں بھی وہاں گیا اور گھوڑے کو تیار پا کر اس پر سوار ہو کر لین میں آیا اور سپاہیوں سے دریافت کیا کہ تم میرے ساتھ چلنے کے لئے راضی ہو؟ مگر سپاہیوں نے کچھ جواب نہ دیا' بلکہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرا بولنا بھی ان کو زہر لگتا ہے۔ اس وقت تمام سپاہی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں علیحدہ علیحدہ بیٹھے تھے۔ صرف ایک سپاہی بدچلن معلوم ہوتا تھا جس نے مجھ کو نہایت سخت درشت اور فحش جواب دیا۔

اس کے بعد میں کرنال کی طرف چلا تا کہ گاڑیوں سے جا ملوں' چنانچہ تھوڑی دور جا کر وہ دونوں توپیں جو گاڑیوں کے ساتھ تھیں' مجھ کو دہلی کی طرف واپس جاتی ہوئی ملیں۔ واپس اس لیے آ رہی تھیں کہ گولہ اندازوں نے کرنال جانے سے انکار کر دیا تھا۔

مجھے راستے میں بہت سے زخمی افسر ملے جو بے تحاشا کرنال کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ میں نے ان کو متفق اللفظ یہ کہتے ہوئے سنا کہ اب کچھ باقی نہیں رہا اور کسی طرف کوئی امن کی جگہ ڈھونڈنی چاہئے۔

دوسرے انگریز کا قصہ

(کرنل ریلی کا قتل۔ انگریز ہمارا مذہب خراب کرنا چاہتے ہیں۔ پانچ انگریز مارے گئے۔ کپتان ڈی لسلر پر حملہ۔ کپتان کورون مارے گئے۔ لفٹنٹ رویلی بھی قتل ہو گئے۔ لفٹنٹ اسمتھ مارے گئے۔ مٹکاف صاحب کی کوٹھی میں کھانا کھایا۔ مسٹر کوہن تالی کی نیکی۔ نمبردار بافپت کی نیکی۔ دیہاتیوں کے ہاتھوں مارے جانے کا شبہ۔ میگزین اڑانے کا قصہ۔ رحیم بخش دربان میگزین۔ سارجنٹ مویل کا قتل۔ رجمنٹ نمبر ۷۴ کے سب افسروں کا قتل۔ موری کے ذریعے بھاگنا پڑا۔ عورتوں کو خندق میں اتارا۔ بندوق آٹھ آنے کی ایک۔ کرچ چار آنے کی ایک۔ سنگین ایک آنے کی ایک۔)

جب دہلی کے اندر مفسدوں کے گھس آنے اور انگریزوں کے قتل کرنے، عمارتوں کے جلانے و مسمار کرنے نیز محصول خانہ کو ڈھا دینے کی خبریں چھاؤنی میں پہنچیں تو جنگی افسروں نے تمام فوج کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے ۵۴ نمبر کی رجمنٹ ہندوستانی پیدلوں کی تیار ہوئی کیونکہ یہ شہر کے حکام سے قریب تر تھی۔ اس رجمنٹ میں سے چھ کمپنیاں کرنل ریلی صاحب کے زیر حکم کشمیری دروازہ پر مفسدین کو روکنے کے لئے گئیں اور دو کمپنیاں میجر پیٹرسن کے زیر حکم توپوں کے ساتھ جانے کے لئے کھڑی رہیں۔ کرنل ریلی صاحب چونکہ فساد کی اصلی ماہیت سے واقف نہ تھے اور محض بازاریوں کا بلوہ سمجھے ہوئے تھے، اس لئے اپنی سپاہ کو خالی بندوقوں کے ساتھ لے گئے تھے کہ سنگینوں کے زور سے بازاری فسادیوں کو منتشر کر دیں گے، مگر یہ فوج جب شہر کے قریب پہنچی تو اتفاقاً چند مفسد سوار نظر آئے اور انہوں نے آتے ہی افسروں پر حملہ کر دیا اور سپاہیوں سے کہا کہ ہم تم سے کچھ نہیں کہتے اور نہ مزاحمت کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ بیچارے افسروں کو اس فساد کی اہمیت کی خبر نہ تھی اور وہ اس کو اس قدر سنگین نہ سمجھتے تھے، اس لئے وہ سب فوج کے آگے تھے، اس وجہ سے مفسدوں نے سب سے پہلے افسروں پر وار کیا اور کارباین گولیاں برسانی شروع کیں۔ کرنل ریلی کے پہلے تو گولی لگی، پھر مفسدوں نے تلواروں سے چور چور کر دیا۔ کرنل موصوف کے علاوہ اور بھی دو تین عہدہ دار گولیوں سے زخمی ہوئے۔ افسروں نے بہت کچھ سپاہیوں سے منت سماجت کی کہ ہم کو بچاؤ، مگر فوج نے ایک نہ سنی۔ نہ بندوقیں بھریں نہ مفسدین سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ اس کے برعکس چند بدذات اور دغاباز سپاہیوں نے الٹے کرنل ریلی صاحب کو سنگین کے زخم پہنچائے۔

اس ہنگامہ میں کپتان ڈیلیس جو ایک ہفتے کے لئے شہر میں متعین کئے گئے تھے، پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے گارڈ کو فیر کرنے کا حکم دیا، مگر بدقسمتی دیکھئے کہ ان بدذاتوں نے بھی صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ صاحب موصوف نے تحکمانہ بھی کہا، منت و لجاجت اور نصیحت بھی کی، مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ بیہودہ اشارات کرتے اور طعن آمیز فقرے کہتے رہے۔ جب صاحب موصوف نے بہت خوشامد سے وجہ دریافت کی تو وہ فسادیوں کے لہجہ میں کہنے لگے کہ "صاحب! ہم ان لوگوں کے

لے کچھ نہیں کر سکتے جنہوں نے ہمارے مذہب کے خراب کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا اور چاہتے تھے کہ ہندو مسلمان دونوں کے مذہب اور ان کی ذاتیں خراب ہو جائیں۔" غرضیکہ اسی طرح کے غلط سلط اور لغو و مہمل الزامات سرکار پر لگاتے رہے اور آخر میں کہنے لگے کہ اب ہم اس کا بدلہ لیں گے۔ اس عرصہ میں پانچ افسر جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے مارے گئے۔ کئی زخمی ہوئے اور ایک سپاہی بھی زخمی ہوا۔

جب مفسدوں اور سرکش سپاہیوں نے دیکھا کہ سرکاری فوج نے ان کا مقابلہ نہیں کیا اور اپنے افسروں کے حکم کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا' تو وہ کشمیری دروازہ کی طرف چلے جہاں ایک چھوٹا سا مورچہ بنا ہوا تھا جس میں گارڈ رہا کرتا تھا کہ وہاں جا کر قبضہ کر لیں' مگر خوش نصیبی سے وہاں لفٹنٹ ولسن صاحب کے زیر حکم دو کمپنیاں رجمنٹ نمبر ۵۴ کی اور ایک توپخانہ پہنچ گیا' جس کی وجہ سے بدمعاش مفسد پھر شہر کی طرف واپس لوٹ آئے۔

اس دغابازی اور عین وقت پر دھوکہ دینے کی خبر قریب گیارہ بجے کے چھاؤنی پہنچی جس کے سنتے ہی ۷۴ رجمنٹ کے ہندوستانی سپاہیوں کو جمع کیا گیا تو اس میں صرف ڈیڑھ سو آدمی موجود تھے۔ باقی مختلف مقامات پر پہلے ہی سے تقسیم و تعینات ہو چکی تھی۔ ان ایک سو پچاس سپاہیوں کو مع دو توپوں کی کمک اور مدد کی غرض سے میجر ایبٹ کے زیر حکم شہر کی طرف روانہ کیا گیا۔

ان سپاہیوں کی غداری اور نمک حرامی کی ایک اور حرکت دیکھئے کس قدر شرمناک اور حیا سوز ہے۔ جب سپاہیوں کی غداری کی خبر معلوم ہوئی تو ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کا باقی حصہ اور ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی پریڈ پر طلب کیے گئے۔ بریگیڈیئر صاحب نے ہر ایک کمان افسر سے کہا کہ وہ اپنے اپنے سپاہیوں کا ارادہ اور ان کے خیالات اس طرح سے دریافت کریں کہ ان کو بلا کر بطور خود والنٹیئر بننے کے لیے کہا جائے۔ اگر وہ خود درخواست دے کر شامل فوج ہوں تو سمجھنا چاہئے کہ سرکاری خدمت بجالانے کے لئے تیار و آمادہ ہیں اور اگر خود درخواست نہ کریں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ وفادار نہیں ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حسب الحکم تمام سپاہی پریڈ میں جمع ہو گئے' مگر ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کا ایک سپاہی بھی اپنی جگہ سے تل برابر نہ سرکا' البتہ ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہیوں نے تعمیل حکم کی اور اپنی اپنی بندوقیں بھر لیں اور شہر کی طرف رفع فساد اور انتظام کے لئے روانہ ہو گئے۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں کشمیری دروازہ پر پہنچ گئے مگر چونکہ وقت گذر چکا تھا اس لئے ان کا وہاں جانا بیکار ہوا' کیونکہ مفسدین وہاں سے چلے گئے تھے' اس لئے ان سے سوائے اس کے کوئی فائدہ نہ ہوا کہ وہ وہاں جا کر ٹھہر گئے۔

اب مفسدین کا کہیں پتہ نشان نہ تھا اور نہ کسی نے بتلایا کہ کہاں گئے۔ بہت سے ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی بھی غائب تھے۔ صرف دو کمپنیاں زیر حکم میجر پیٹرسن وہاں موجود تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد افسروں کی لاشیں گاڑی میں لائی گئیں جن کے اوپر ان کی عورتوں کے گون وغیرہ پڑے ہوئے زبان حال سے ان کی بیکسی کا ماتم کر رہے تھے۔ جب نمبر ۷۴ کی رجمنٹ شہر چلی گئی تو کپتان ڈی ٹسٹر مع دو توپوں کے پیچھے رہ گئے اور انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ جلدی سے آگے بڑھ کر وسطی مقام پر قبضہ کر لیں۔ جس کے ایک طرف پختہ سڑک تھی جو چھاؤنی کو جاتی تھی اور دوسری جانب پہاڑی کو راستہ جاتا تھا۔ چنانچہ بدقت تمام صاحب موصوف نے ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کو راستہ پر قبضہ کرنے اور اس کو گھیرنے کے لئے بھیجا۔

ان کی غرض یہ تھی کہ کپتان ڈی ٹسنر صاحب کی توپوں پر قبضہ کرلیں۔

کپتان مذکور ہر چند حکمت عملی سے یہ چاہتے تھے کہ ان کی توپوں کے قریب سپاہی جمع نہ ہوں مگر پھر بھی دن بھر چار پانچ سپاہی گولہ اندازوں کے اردگرد پھرتے ہی رہے۔

قریب بارہ بجے دن کے پہاڑی کا برج انگریزوں' میموں اور دوسرے عیسائیوں سے بھر گیا اور اس قدر شوروغل ہورہا تھا کہ کسی قسم کا انتظام وغیرہ ممکن ہی نہ تھا۔کوئی شخص کسی طرح کی ہدایت یا حکم نہ مانتا تھا۔اس موقع پر ایک سارجنٹ نے خبر دی کہ اس نے ایک نئے تواز کو سنا ہے کہ ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی کہتے ہیں کہ اگر توپ کی ایک آواز بھی ہوئی تو ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے تمام سپاہی باغی ہو جائیں گے اور انگریزوں کو قتل کرڈالیں گے۔

شام ہورہی تھی' وقت گذرتا جاتا تھا اور شہر میں ہر طرف آگ ہی آگ دکھائی دیتی تھی۔قریب شام کے شہر میں ایک بڑے زور کی آواز ہوئی۔یہ آواز میگزین کے اڑنے کی تھی۔سپاہیوں نے یہ دھماکہ سنا تو بگڑ کر بولے کہ جرنیل یہ کیا بات ہے جو ہمارے آدمیوں کو اس طرح مارا جاتا ہے۔

کپتان ڈی ٹسنر صاحب نے پھر کشمیری دروازہ کی توپوں کو واپس لانے کا حکم دیا۔تھوڑی دیر کے بعد پھر حکم ہوا کہ میجر ایبٹ صاحب ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کو واپس لائیں۔چنانچہ تھوڑے عرصہ میں دونوں توپیں بڑے راستے پر نظر آئیں۔ گویا چھاؤنی کی طرف جارہی تھیں۔کپتان ڈی ٹسنر صاحب نے یہ دیکھ کر بگل بجایا کہ وہ آکر پہاڑی پر ان کے ساتھ شامل ہوں مگر وہ نہ پھرے۔جب وہ نہ پھرے تو کپتان صاحب موصوف سمجھے کہ شاید انہوں نے بگل کی آواز نہیں سنی۔اتنی دیر میں توپیں ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے ایک گروہ کے قریب جا پہنچیں اور ان کے پہنچتے ہی بندوقوں کے سر ہونے کی آواز آنے لگی اور توپیں شہر کی طرف مڑتی نظر آئیں۔کپتان صاحب یہ دیکھتے ہی فوراً گھوڑے پر سوار ہوکر توپوں کی طرف گئے کہ ان کو واپس لے آئیں۔جب وہ قریب پہنچے تو حکم دیا کہ داہنی طرف ہوکر جلدی سے ہمارے پاس آجاؤ' مگر جب صاحب موصوف قریب ہو گئے تو اکثر سپاہیوں نے بندوقیں ان کی طرف کیں اور متواتر چھ فیر کردیئے جن میں سے تین تو خالی گئے اور تین گولیاں گھوڑے کے لگیں' مگر اس میں اتنی قوت باقی تھی کہ اس نے صاحب موصوف کو برج تک پہنچادیا۔برج پر پہنچ کر گھوڑا زمین پر گر کر مر گیا اور دونوں توپیں اور سپاہی شہر کی طرف چلے گئے۔

اس کے بعد جب لفٹنٹ ڈلوبی صاحب بھی آ گئے تو میجر ایبٹ صاحب نے ۷۴ نمبر کی ایک رجمنٹ کو اس لئے روانہ کیا کہ وہ جاکر یہ خبر لائے کہ آیا میگزین کے اڑنے سے جو راستہ ہو گیا ہے' اس میں سے وہ پیش قدمی کرتے ہیں یا نہیں مگر وہاں مفسدین کی اچھی طرح خدمت ہو گئی تھی۔وہ اس قدر خوف زدہ ہو گئے تھے کہ سب کے سب ایک دم شہر کو فرار ہو گئے۔

اس وقت تین بجے ہوں گے اور کشمیری دروازہ میں مفسدین کا کوئی پتہ نشان نہ تھا۔اس اثناء میں چھاؤنی سے حکم آیا کہ دونوں توپیں چھاؤنی کو واپس بھیج دی جائیں' چنانچہ لفٹنٹ اسپلیسی صاحب کے ہمراہ فوراً توپیں روانہ کردی گئیں۔ میجر ایبٹ صاحب نے اب یہ ارادہ کیا کہ جو میمیں گارڈ کی قیام گاہ میں پناہ گیر ہیں' ان کو چھاؤنی روانہ کردینا چاہئے چنانچہ حکم دیا کہ گاڑی تیار کی جائے۔

تھوڑے عرصہ کے بعد وہی دونوں توپیں جو چھاؤنی بھیجی گئی تھیں' کشمیری دروازے میں پھر واپس آ گئیں' مگر لفٹنٹ اور گولہ انداز ان کے ساتھ نہ تھے۔ دراہیوں نے آ کر بیان کیا کہ گولہ انداز چھوڑ کر بھاگ گئے اور ہم بغیر ان کے چھاؤنی نہ جائیں گے۔ آخر توپوں کے ساتھ تین تین چار چار سپاہی مل کر دروازے کے اندر آئے۔

قریب ساڑھے تین بجے کے بریگیڈیئر صاحب کا حکم میجر ایبٹ صاحب کے نام اس مضمون کا آیا کہ جس قدر نمبر ۷۴ کی رجمنٹ کے سپاہی ان کے ہمراہ ہوں' ان کو لے کر بہت جلد چھاؤنی پہنچ جائیں۔ جب یہ حکم آیا تو میجر پیٹرسن اور ڈپٹی کلکٹر صاحب نے کہا کہ اس وقت اس رجمنٹ کا یہاں سے جانا مناسب نہیں ہے کیونکہ جب تک وہاں ان کے قائم مقام سپاہی نہ ہوں' اس جگہ کو چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے' مگر ڈپٹی کلکٹر صاحب کو دوسرا خوف تھا۔ وہ ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کا حال دیکھ چکے تھے اور ان کے اوضاع واطوار مشتبہ تھے' مگر میجر ایبٹ صاحب نے کہا کہ چونکہ حکم خاص طور سے میرے نام آیا ہے' اس لئے میں اس کی تعمیل لازمی سمجھتا ہوں' مگر ڈپٹی صاحب نے کہا کہ آپ تھوڑا سا توقف کریں' میں خود چھاؤنی جا کر بریگیڈیئر صاحب سے یہاں کے قیام کی ضرورت بیان کرتا ہوں۔ اگر وہ مان گئے تو خیر ورنہ پھر حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ چنانچہ یہ کہہ کر سوار ہو گئے۔ توپیں پہلے ہی واپس جا چکی تھیں۔ ڈپٹی کلکٹر صاحب نے ان سے کہا کہ اب تم ہمارے ساتھ چلو اور چونکہ بہت سی میمیں بھی موجود تھیں اور وہ گاڑی اب تک نہیں آئی تھی جس کے لئے حکم دیا گیا تھا اس لئے توپ خانے کی ایک پیٹی خالی کرا کر اس میں سب کو سوار کرا دیا گیا اور گاڑی چھاؤنی کو روانہ کر دی گئی۔

اب ڈپٹی صاحب کو گئے ہوئے دیر ہو گئی تھی اس لئے میجر ایبٹ صاحب نے زیادہ توقف کرنا مناسب نہ جانا۔ اس خیال کی تائید ایک حوالدار نے بھی کی اور بیان کیا کہ اس نے چھاؤنی کی طرف بندوقوں کی آوازیں سنی ہیں۔ اب یہاں زیادہ دیر لگانا کسی طرح مناسب نہیں' چنانچہ میجر صاحب نے فوج کی تیاری کا حکم دیا اور چل دیئے۔ قریب سو قدم دروازہ سے باہر گئے ہوں گے کہ ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی دروازے کے اندر گھس آئے اور دروازہ بند کر لیا اور وہیں بدمعاش سپاہیوں نے افسروں پر جو اب تک باہر نہ نکل سکے تھے' گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ اس فریب اور دغابازی کے صلہ میں ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کے کپتان کوردن صاحب سب سے پہلے مارے گئے۔ ایک سپاہی نے پیچھے سے گولی ماری اور وہ فوراً مر گئے۔ ان کے بعد لفٹنٹ رویلی صاحب اس رجمنٹ میں سخت زخمی ہوئے' مگر انہوں نے مرتے مرتے اپنی دو نالی بندوق مفسدوں پر سر کر دی جس سے دو ایک مفسد ہلاک ہوئے۔ انسائن رویلین متعلقہ ۷۴ نمبر رجمنٹ نے جب یہ حال دیکھا تو وہاں سے بھاگے اور دیوار پھاند کر خندق میں کود پڑے اور دوسری پٹڑی پر چڑھ کر جنگل کے راستہ سے چھاؤنی کو روانہ ہو گئے۔ صاحب موصوف کو راستہ میں میجر پیٹرسن ملے جو ۷۴ نمبر رجمنٹ کے ساتھ دروازہ سے باہر نکل گئے تھے۔ یہ دونوں صاحب چھ بجے کے قریب چھاؤنی میں پہنچے۔ میجر ایبٹ صاحب نے بندوقوں کی آواز سنی تو اپنے سپاہیوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی اپنے افسروں کو مار رہے ہیں۔ یہ سن کر میجر صاحب نے حکم دیا کہ واپس چل کر ان افسروں کی مدد کرو' مگر کسی نے حکم نہ مانا اور تمام خوشامد و چاپلوسی میجر صاحب کی بیکار اور ضائع گئی۔ سپاہیوں نے کہا کہ یہی بہت ہے کہ ہم نے تم کو بچا لیا۔ ہم سے وہاں جا کر کچھ نہ ہو گا بلکہ تمہیں بھی کھو بیٹھیں گے۔ یہ کہہ کر بہت سے سپاہی میجر صاحب کے گرد جمع ہو گئے اور زبردستی ان کو چھاؤنی کے اندر دھکیل کر لے گئے۔ معلوم ہوا

کہ سپاہیوں نے نہایت بیدردی اور بے رحمی کے ساتھ افسروں پر گولیاں برسائیں۔ لفٹنٹ اسمتھ صاحب پہلے تو چار سپاہیوں کے ہاتھوں سے بمشکل بچ گئے تھے' مگر بعد میں گلزار سنگھ سپاہی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام سپاہیوں نے اس شخص کو خاص طور سے اسمتھ صاحب کو قتل کرنے کی غرض سے مامور کیا تھا اس لئے کہ صاحب موصوف نے اس سپاہی کو غفلت اور عدول حکمی کی بنا پر عہدے سے گھٹا دیا تھا۔ ان کے علاوہ لفٹنٹ اسبوری صاحب بھی زخمی ہوئے تھے اور فورٹ صاحب کی میم کے شانے پر گولی لگی تھی۔ باقی جس قدر عورتیں اور مرد افسر تھے وہ دیوار پر چڑھ گئے تھے اس لئے مفسدوں نے فیر کرنے اور گولیاں چلانی موقوف کر دی تھیں۔ اب وہ خزانہ لوٹنے کی غرض سے روانہ ہو گئے تھے' مگر چلتے چلتے جس قدر توپیں تھیں' سب کا منہ ان بیکسوں کی طرف کر کے سر کر دیا مگر خدا کے فضل سے کسی کو نقصان اور گزند نہیں پہنچا' حالانکہ صرف چالیس گز کا فاصلہ تھا۔ جب ان غریبوں کو دم لینے کی فرصت ملی تو یہ سب خندق میں اتر کر اور پار جا کر منکاف صاحب کی کوٹھی میں پہنچے۔ وہاں خوبی تقدیر سے کھانا تیار تھا۔ بچارے دن بھر کی فاقہ کشی سے نڈھال ہو گئے تھے۔ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اگر چہ پیٹ بھر کر نصیب نہ ہوا تھا' مگر دوسرے افسروں سے پھر بھی بہتر رہے کہ ان کو صبح سے کچھ نہ ملا تھا اور نہ آئندہ ملنے کی کوئی امید تھی۔

میجر ایبٹ صاحب شام کے قریب اپنی رجمنٹ کے کوارٹر میں گئے۔ وہاں ان کے سپاہیوں نے صلاح مشورہ سے یہ طے کیا کہ اگر آپ یہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جائیں تو بہتر ہے اور نہایت عاجزی سے کہا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں' اس لئے کہ اگر ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہیوں نے سن لیا یا دیکھ لیا کہ آپ یہاں چھپے ہوئے ہیں تو وہ آپ کو قتل کر ڈالیں گے اور ہم سے کچھ نہ ہو سکے گا اور ہم آپ کو نہ بچا سکیں گے۔ یہ کہہ کر کچھ سپاہی گھوڑا لینے کے واسطے چھاؤنی گئے۔ اس عرصہ میں بہت سی گاڑیاں اور بگھیاں کرنال کی طرف جاتی اور بھاگتی ہوئی نظر آئیں۔ یہ دیکھ کر سپاہیوں نے کہا کہ وہ دیکھو بہت سی میمیں اور انگریز افسر کرنال جا رہے ہیں۔ آپ بھی ان کے ساتھ چلے جائیے' مگر باوجود اس کے کہ انہوں نے بہت گڑ گڑا گڑ گڑا کر بگھیاں روکنے کے لئے کہا مگر وہ شاید اس خیال سے نہیں رکے کہ مبادا مفسدین حیلے بہانے سے نہ ٹھہراتے ہوں' مطلق نہ ٹھہرے۔

اس عرصہ میں کپتان ہاکی صاحب گھوڑے پر سوار ہوئے اور میجر صاحب کو اپنے پیچھے سوار کر کے لے چلے اور ان دونوں توپوں تک پہنچا دیا جو کرنال کی طرف جا رہی تھیں۔ چنانچہ پہیے پر میجر صاحب بیٹھ گئے اور بااتفاق انسائن لائن صاحب چار میل تک گئے' مگر وہاں سے آگے نہ جا سکے کیونکہ دراہیوں نے جانے سے انکار کر دیا اور ان دونوں انگریزوں کو راستے میں اتار دیا۔ خوش قسمتی سے کپتان ڈبلیس صاحب بگھی پر سوار ہو کر وہاں آ موجود ہوئے اور دونوں صاحبوں کو اپنے ساتھ بٹھا کر روانہ ہو گئے۔

دہلی سے جس قدر گاڑیاں اور بگھیاں چوری چھپے سے جان بچا کر بھاگ نکلی تھیں' جن میں بہت سے انگریز افسر اور ان کے عیال و اطفال تھے' سب کرنال پہنچ گئے۔ راستہ میں صرف ایک جگہ دہلی سے قریب چالیس میل کے فاصلے پر ٹھہرے تھے۔ یہاں چونکہ ڈاک بنگلہ تھا اس لیے کھانا کھانے کی غرض سے اتر پڑے تھے۔ بہر حال یہ لوگ مع الخیر کرنال پہنچ گئے' مگر کرنیل نیوٹ اور ان کے ساتھ میں جو لوگ بھاگ نکلے تھے' وہ لوگ البتہ بچارے میدانوں میں سرگرداں ٹھوکریں کھا

رہے تھے۔ آخر کار رسالہ سوم لفٹنٹ گف کے اور لفٹنٹ میکنزی کے زیر حکم ادھر آنکلا اور اس نے ان کو حفاظت میں لے لیا۔ اس گروہ میں جو بھٹک رہا تھا کرنل نیوٹ' لفٹنٹ پروکٹر' لفٹنٹ میکر ۳۸ رجمنٹ کے اور لفٹنٹ ولسن توپ خانے کے اور لفٹنٹ سالکیلڈ صاحب انجینئر اور لفٹنٹ وال مارث ۵۴ رجمنٹ کے اور لفٹنٹ جے فورٹ میگزین والے مع اپنی میم اور تین لڑکیوں کے اور فریزر صاحب کی میم شامل تھیں۔ یہ تمام لوگ کوبن تالی ایک شخص کے بہت شکر گزار ہیں جو ہر چند پور میں رہتے ہیں اور ڈیوس صاحب کے رشتہ دار ہیں جن کو شمرو کی بیگم نے اپنا لڑکا قرار دیا تھا۔ کوبن صاحب موصوف نے ان سب صاحبوں کی بڑی مہمان نوازی کی اور اپنی حفاظت میں رکھا۔

بارہ مئی دو بجے کے قریب ذیل کے اصحاب باغپت پہنچے جہاں اس قصبے کے نمبردار نے ان سب لوگوں کی بے حد مہمانداری کی۔ ان کے علاوہ بھی جو انگریز اس طرف آنکلا اس کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ باغپت میں ان لوگوں نے کھانا کھایا اور میرٹھ کی طرف کھاپی کر روانہ ہو گئے اور آفتاب کے غروب ہوتے ہوتے میرٹھ پہنچ گئے۔ اس گروہ میں یہ لوگ شامل تھے:

کپتان ولسن مع میم' کپتان ہاکی اور انسائن طلبن متعلقہ ۷۴ رجمنٹ ہندوستانی اور کپتان ڈی ٹسلر مع اپنی بیوی اور مس ہچنسن صاحبہ اور مرفی صاحب کلکٹر کسٹم مع اپنی والدہ اور بیلی صاحب مع اپنے اہل و اطفال کے۔

ایک اور گروہ جس میں لفٹنٹ ہوزبل ایڈ چکشن اور لفٹنٹ ریز صاحب مع انجلو صاحب و لفٹنٹ ڈیولی صاحب تھے ان کا کہیں پتہ نشانہ نہ لگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

لفٹنٹ ڈیولی' لفٹنٹ فورسٹ اور لفٹنٹ ریز صاحب نیز دوسرے انگریزوں نے میگزین کے بچانے اور حفاظت میں نہایت بہادری اور شجاعت سے کام لیا' مگر چونکہ کچھ لوگ میگزین کے اندر تھے اور وہ بھی سخت دغاباز تھے۔ نیز باہر مفسدین کا بہت مجمع ہو گیا تھا اس لئے اب اس کی حفاظت ممکن نہ تھی اس لئے میگزین کو آگ لگادی اور اڑادیا۔ اس ہنگامہ میں چند انگریز بھاگ نکلے تھے۔ منجملہ ان کے ایک لفٹنٹ فورسٹ صاحب تھے اور ان ہی کی چٹھی سے میگزین کی محافظت کا حال معلوم ہوا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

میگزین اڑنے کا افسانہ

گیارہ مئی صبح سات آٹھ بجے کے درمیان سر تھیوفلس منکاف صاحب میرے مکان پر آئے اور کہا کہ میگزین میں چل کر دو توپیں نکلوا کر پل پر بھیج دو تاکہ مفسدین دریا کو عبور نہ کر سکیں۔ میں ان کے ہمراہ میگزین میں آیا۔ یہاں لفٹنٹ ڈیولی' لفٹنٹ ریز مع کنڈکٹر ویکلی صاحب اور شا بکلی صاحب اور وایکنگ سب کنڈکٹر وکنز صاحب اور سارجنٹ ایڈورڈ صاحب اور سٹوارٹ صاحب مع اپنے ہندوستانی عملے کے موجود تھے۔ سر تھیوفلس اپنی بگھی سے اترے اور میں اور لفٹنٹ ڈیولی صاحب ان کے ساتھ برج پر گئے جو دریا کی طرف تھا۔ یہاں سے پل صاف نظر آتا تھا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا تو مفسد پل سے عبور رہے تھے۔

یہ حال دیکھ کر سر تھیوفلس منکاف صاحب لفٹنٹ ڈیولی صاحب کو ساتھ لے کر شہر پناہ کا دروازہ دیکھنے گئے کہ وہ

بند کر دیا گیا ہے یا نہیں۔ چنانچہ تمام دروازے کھلے ہوئے تھے اور مفسد نہایت خوش و خرم قلعہ کے دروازوں میں داخل ہو رہے تھے اور بادشاہی مکانات تک پہنچ گئے تھے۔ جب لفٹنٹ ڈیولی واپس آئے تو انہوں نے میگزین کے دروازے بند کرا کر ان میں جنگلے لگوا دیئے اور دروازہ کے اندر دو توپیں چھ پنی کی دو چند گراب بھروا کر ایکٹنگ سب کنڈکٹر صاحب اور سارجنٹ اسٹوارٹ صاحب کے زیر اہتمام رکھوا دی گئیں اور ان صاحبوں کو بتیاں دے کر یہ حکم دے دیا گیا کہ اگر مفسدین دروازہ کے اندر داخل ہوں تو دونوں توپیں سر کر دی جائیں۔ میگزین کا بڑا دروازہ بھی اسی طرح دو توپوں سے مضبوط و مستحکم کر دیا گیا اور دروازہ کے اندر گوکھرو بچھا دیئے گئے۔ بہ نظر احتیاط و حفاظت دو توپیں اور اس طرح پر قائم کر دی گئیں کہ ان کا گولہ دروازہ اور برج تک پہنچتا تھا۔ اس کے علاوہ دروازہ اور دفتر وسامان کے درمیان راستہ تھا۔ ان دونوں راستوں پر تین تین چھ پنی اور چوبیس پنی کے غبارہ اس طرح نصب کر دیا کہ جدھر چاہیں' گھما کر قرب و جوار کے مکانات کی حفاظت کر سکیں۔ جب غبارہ اور توپیں قائم کر دی گئیں تو ان سب میں دو چند گراب چھرے بھروا دیئے گئے۔ غرضیکہ تمام ممکن حفاظت کا سامان اچھی طرح کر کے ہندوستانی عملے کو ہتھیار تقسیم کیے جانے لگے جو ان لوگوں نے نہایت ناخوشی سے لیے' مگر کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ ان لوگوں کے چہروں پر نہیں پائی جاتی تھی۔ اس کے بعد کنڈکٹر بکلی صاحب اور سارجنٹ اسٹوارٹ صاحب نے ایک شتابہ لگایا۔ ان کو یہ حکم تھا کہ جب لفٹنٹ ڈیولی صاحب کے حکم سے کنڈکٹر بکلی صاحب اپنی ٹوپی سر سے اٹھائیں' اسی وقت شتابہ میں آگ دے دو۔ چنانچہ صاحب موصوف نے یہ شتابہ اڑایا' مگر اس وقت جبکہ ایک ایک گولہ غبارہ کا چل چکا تھا۔ اتنے عرصہ میں قلعہ سے گارد آیا اور میگزین پر شاہ دہلی کے نام سے قبضہ طلب کیا' مگر اس کا کچھ جواب ادھر سے نہ دیا گیا۔ اس کے بعد میگزین کے گارد کی صوبے دار لفٹنٹ ڈیولی صاحب کو اطلاع دی گئی کہ شاہ دہلی نے مفسدین کو کہلا بھیجا ہے کہ ہم زینہ بھیجتے ہیں تاکہ تم لوگ میگزین کی دیواروں پر چڑھ جاؤ۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں زینہ آ گیا اور اس کو لگا کر تمام ہندوستانی عملہ دیواروں پر چڑھ کر باہر اتر گیا۔ مفسدین بے انتہا کثرت سے آ گئے۔ ہمارے پاس جب تک گولہ بارود رہا' خوب مقابلہ کرتے رہے۔ چنانچہ مفسدین کا بہت نقصان ہوا' مگر چونکہ وہ بہت کثرت سے تھے اور رجنگ کے توز دان ہندوستانی سپاہی مفسدین میں سے پہلے چھپا کر رکھ گئے تھے اس لئے مجبوراً میگزین اڑا دینا پڑا۔

ہندوستانی عملہ میں سے رحیم بخش نامی ایک شخص مفسدین کے گروہ سے ملا ہوا تھا۔ وہ میگزین کے دروازوں کا دربان تھا۔ یہ شخص باہر مفسدین کو اندر کا حال بتلا دیا کرتا تھا۔ یہ بار بار اندر آتا جاتا تھا اور سب حال کہہ دیتا تھا۔ لفٹنٹ ڈیولی صاحب اس شخص کی ناشائستہ حرکات سے اس قدر تنگ اور عاجز آ گئے تھے کہ مجبوراً حکم دے دیا تھا کہ اگر یہ اس مرتبہ پھر باہر جائے تو گولی مار دو۔

لفٹنٹ ریز صاحب نے دوسرے انگریزوں کے ساتھ مل کر میگزین کی حفاظت کے لئے تمام ممکن تدابیر کر ڈالیں۔ کنڈکٹر نکل صاحب نے جس قدر توپیں تھیں' کم از کم چار دفعہ سر کیں اور اس مضبوطی اور اوسان کی درستی کے ساتھ انہوں نے اپنا فرض انجام دیا گویا پریڈ پر کام انجام دے رہے ہیں' حالانکہ مفسدین جو چالیس یا پچاس گز کے فاصلے پر تھے' ہر طرف سے گولیوں کی بارش کر رہے تھے۔ جب گولہ بارود ختم ہو گیا' اس وقت کنڈکٹر نکل صاحب کے کہنے سے ذرا اوپر ایک گولی آ کر لگی جو بعد میں نکال لی گئی۔ اس کے بعد دو گولیاں میرے بھی لگیں۔ اس جنگ اور ہنگامہ کے بعد لفٹنٹ ڈیولی

صاحب نے میگزین کے اڑا دینے کا حکم دیا جس کی تعمیل کنڈکٹر نکل صاحب نے فوراً کی اور تمام شتابوں کو آگ لگا دی۔ اگر چہ کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جس کو کچھ نقصان نہ پہنچا ہو لیکن جان سے بچ گئے اور ان راستوں سے جو میگزین کے اڑنے سے اس کی دیواروں میں بن گئے تھے دریا کی طرف باہر آ گئے۔ لفٹنٹ ڈیولی اور میں جان سلامت لے کر کشمیری دروازہ تک پہنچ گئے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اوروں کے ساتھ کیا ہوا۔ لفٹنٹ ریز صاحب اور کنڈکٹر نکل صاحب جان سلامت بچا لائے۔ سارجنٹ سویل صاحب میگزین کی حفاظت و اعانت کے لیے آ رہے تھے کہ مفسدوں نے راستہ ہی میں انہیں مار ڈالا۔ اس حادثے کے متعلق ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے ایک اور افسر کی چٹھی بھی ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

گیارہ مئی سنیچر کے روز دہلی کی تمام فوج کو پریڈ کرنے اور رسالہ سوم کے کورٹ مارشل کی تجویز سننے کے لیے حکم صادر ہوا۔ چنانچہ سب فوج پریڈ پر جمع ہوئی اور پریڈ کرنے کے بعد حسب دستور اپنی اپنی چھاؤنی میں چلے گئے۔ قریب نو بجے کے کرنل ریلی صاحب واپس آئے تا کہ اپنی رجمنٹ اور دو توپیں دریا کے پل پر لے جائیں اور رسالہ سوم کے مفسدین کو دریا عبور کرنے سے روکیں۔ چنانچہ گوروں کی تمام رجمنٹ فوراً حکم پاتے ہی باہر آ گئی اور دس منٹ میں تیار ہو کر بخوشی تمام روانہ ہو گئی۔ جب میں پریڈ پر پہنچا تو کرنل صاحب نے مجھ کو حکم دیا کہ اپنی نویں کمپنی اور پہلی کمپنی کو لے کر اور توپ خانے میں جا کر ان دونوں توپوں کے ساتھ رہو جو روانہ ہونے والی ہیں۔ چونکہ کپتان ڈی ٹسلر صاحب کا بنگلہ راستہ میں تھا اس لیے میں ان کے پاس گیا اور ان سے توپوں کی روانگی کے متعلق دریافت کیا۔ صاحب ممدوح نے کہا کہ ابھی تیار ہوتی ہیں، تم صدر بازار میں ان کا انتظار کرو۔ دونوں توپیں وہیں پہنچیں گی۔ میں ان کے حکم کے مطابق صدر بازار میں جا کر ٹھہر گیا۔ مجھے وہاں پہنچے ہوئے آدھ گھنٹے کے قریب گذر گیا، مگر توپوں کا اب تک کوئی پتہ نشانہ نہ تھا۔ عاجز و ناچار ہو کر میں نے لفٹنٹ وائی مارٹ صاحب سے کہا آپ جا کر دریافت کریں کہ توپوں کے آنے میں کیوں اس قدر دیر ہوئی اور میں اپنی کمپنیاں لے کر شہر کی طرف جاتا ہوں تا کہ وقت بیکار نہ جائے۔ لفٹنٹ وائی مارٹ جس وقت پہنچے توپیں باہر آ رہی تھیں اور میرے پاس اس وقت پہنچیں، جب میں نصف راستہ سے زیادہ طے کر چکا تھا۔ جب میں گارد سے سو گز کے قریب پہنچا تو کپتان ول مین صاحب متعلقہ ۳۸ رجمنٹ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ جلد چلو کیونکہ مفسد وہاں پہنچ گئے تھے اور ان بدبختوں نے ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے تمام افسروں کو قتل کر ڈالا تھا۔ یہ سن کر میں نے حکم دیا کہ دونوں توپیں اور سب بندوقیں بھر لی جائیں۔ اس عرصہ میں میں نے دیکھا کہ کرنل صاحب مجروح اور خستہ حال میجر صاحب کی امداد میں ایک پالکی میں سوار چلے آ رہے ہیں۔ چونکہ میری دونوں کمپنیوں نے بندوقیں بھر لی تھیں اس لئے میں ان کو لے کر مفسدین کی تلاش میں نکلا اور گارد میں آیا، مگر اس وقت وہاں کوئی مفسد نہ تھا اور نہ ۵۴ رجمنٹ کی ہشتم کمپنی کا کوئی سپاہی مجھ سے پہلے وہاں موجود تھا۔ یہ حال دیکھ کر میں نے دونوں توپیں شہر کے دروازہ پر لگا دیں اور جا بجا پہرے مقرر کر دیے۔ اس جگہ میں یہ بیان کر دینا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ کپتان ولسن صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ جو گارڈ پہرے میں تھا جس میں پچاس سپاہی ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے تھے وہ چھ گز کے فاصلہ پر کھڑے کرنل ریلی صاحب کے مجروح اور زخمی ہونے کا تماشا دیکھتے رہے اور کسی نے ان کی مدد نہ کی۔ حالانکہ کپتان ولسن صاحب نے بہت کچھ ترغیب دی، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ خود کرنل ریلی صاحب کا بیان ہے کہ مجھ کو خود میری ہی رجمنٹ کی سپاہیوں نے سنگینوں سے مجروح کیا ہے۔ ڈاکٹر اسٹورٹ صاحب

بیان کرتے ہیں کہ میں نے صاحب موصوف کو مفسدین کے سواروں کے خوشامد سے ہاتھ جوڑتے دیکھا تھا۔ اس پر بھی ان دغابازوں نے مفسدین کے روکنے اور افسروں کو قتل ہونے سے مطلق نہیں بچایا۔

غرض کہ جب کوئی مفسد نظر نہ آیا تو ہم نے افسروں کی لاشوں کو تلاش کرنا شروع کیا۔ چنانچہ ان کو جا بجا میدانوں میں اور گرجا گھر کے قریب اور اس کے متصل مکانات کے اردگرد پایا۔ چنانچہ سب لاشوں کو گارد کے مکان کے صحن میں جمع کیا۔ جن افسروں کی لاشیں تلاش سے مل گئیں ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

کپتان اسمتھ صاحب' کپتان روس صاحب' لفٹنٹ ایڈورڈ صاحب' واٹر فیلڈ صاحب' ڈاکٹر دوچنگ صاحب' لفٹنٹ بٹلر صاحب۔ ان کے علاوہ لفٹنٹ اسبورن صاحب انسائن انجلو صاحب بھاگ گئے تھے۔ بعد میں ہمارے پاس صحیح سلامت آ گئے۔ ان میں سے لفٹنٹ بٹلر صاحب کے ایک سخت زخم سر پر لگا تھا' جو ان کے بیان کے موافق شہر والوں نے مارا تھا۔ اب شہر والوں نے گرجا گھر اور انگریزوں کی کوٹھیوں کو خوب لوٹنا شروع کیا۔ میمیں بمشکل گارد تک جان سلامت لے کر پہنچیں' لیکن ان تمام امور کے باوجود شہر میں اس وقت سب طرح امن امان تھا۔ اس کے بعد میگزین کی طرف سے توپوں کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ میں یہ بیان کرنا بھول گیا کہ دوپہر کے بعد ۷۴ نمبر کی رجمنٹ زیر حکم میجر ایبٹ صاحب آ چکی تھی۔ اس کے بعد ایک گھنٹہ کے بعد میگزین کے اڑنے کی آواز آئی' لیکن ہم کو یہ نہ معلوم ہوا کہ میگزین کس نے اڑایا اور کیونکر اڑا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد لفٹنٹ ڈیولی صاحب جو میگزین سے بھاگ کر ہمارے پاس آئے تھے' انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اور سارجنٹوں نے حتی المقدور بچایا اور جب تک اس کا بچنا ممکن تھا میں نے اسے نہیں اڑایا' مگر جب شاہ دہلی کے بھیجے ہوئے جنگی زینے آ گئے اور مفسدین اندر تک پہنچ گئے اور خلاصی وغیرہ بھی ہم سے منحرف ہو کر مفسدین سے مل گئے تو ناچار ہم نے اس کو اڑا دیا۔ ہم نہیں جانتے کہ اس میں کس قدر آدمی مرے مگر میں بمشکل بچ کر بھاگ نکلا ہوں۔ صاحب موصوف کے چہرے سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ اگر فضل الٰہی شامل حال نہ ہوتا تو ان کا بچنا ممکن نہ تھا' کیونکہ بارود کے صدمہ سے ان کا بھی تمام چہرہ سیاہ ہو گیا تھا۔

اس روز تمام دن برگیڈیر صاحب کا کوئی حکم ہمارے پاس نہ آیا' حالانکہ ہم نے کئی مرتبہ ان کے پاس آدمی بھیجے کہ وہ کوئی حکم ہم کو دیں' مگر ایک مرتبہ بھی صاحب موصوف اور برگیڈیر میجر صاحب ادھر دیکھنے تک نہ آئے کہ کیا ہو رہا ہے' حالانکہ ان کا یہاں آنا بہت ضروری تھا۔ البتہ صاحب موصوف نے دو بعد توپیں ہماری امداد کے واسطے بھیجی تھیں' مگر بعد میں پھر واپس منگا لیں۔ ۳۸ رجمنٹ کے ڈاکٹر دو صاحب کو تو پخانہ کے ایک سپاہی نے سخت زخمی کر ڈالا۔ ان کے چہرے پر شدید زخم آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف گارڈ میں علاج کے واسطے آئے تھے اور اب واپس جا رہے تھے کہ راستے میں ان کو زخمی کر دیا گیا۔

شام کے پانچ بجے کے قریب ایک حکم اس مضمون کا آیا کہ ایک رجمنٹ ۷۴ نمبر کی جو میجر ایبٹ صاحب کی کمان میں تھی' پہاڑی پر جہاں ۳۸ نمبر کی رجمنٹ پہلے سے تیار کھڑی ہے' فوراً آ جائے۔ سپاہی تیار ہو کر کوچ کے منتظر کھڑے تھے کہ دفعتہً ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے بعض سپاہیوں نے افسروں پر جو صحن میں موجود تھے' گولیاں مارنی شروع کر دیں۔ میں اتفاقاً کشمیری دروازہ کے قریب تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک افسر زخمی ہو کر زمین پر گرا۔ اتنے میں میری رجمنٹ کے ایک

سپاہی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھ کو دروازہ کے باہر زور سے دھکا دے کر نکال دیا اور یہ کہا کہ اگر ایک لحہ بھی یہاں ٹھہرو گے تو تم بھی اسی طرح مارے جاؤ گے۔ جونہی میں باہر آیا ایک سپاہی ۷۴ نمبر رجمنٹ کا میرے ساتھ ہو گیا۔ ہم نے سپاہی کو ساتھ لے کر راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ سے پہاڑی کے برج کی راہ لی۔ وہاں پہنچ کر بریگیڈیر صاحب اور دوسرے انگریزوں سے سب حال بیان کیا۔ یہاں چھاؤنی میں بہت سی میمیں اور اکثر عہدہ دار موجود تھے۔ یہ حال سن کر سب کا بھاگنے کا ارادہ ہوا تو آدمیوں کا اژدہام گاڑی، بگھی اور پالکی گاڑیوں کی کثرت اور آدمیوں کی پریشانی قابل دید تھی۔ یہ سب کرنال کی طرف روانہ ہوئیں، مگر جب اس مقام پر پہنچیں جہاں سے ایک راستہ میرٹھ کی طرف جاتا تھا تو چند سواریاں میرٹھ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ مجھے اس سے پہلے یہ بیان کر دینا چاہیے کہ قریب گیارہ بجے کے ۷۴ نمبر رجمنٹ کی لائٹ کمپنی کا ایک سپاہی میرے پاس آیا اور اس نے بیان کیا کہ مجھ کو رجمنٹ والوں نے اس واسطے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کو جہاں کا حکم دیں وہ وہاں جائیں۔ میں یہ سن کر متعجب ہوا اور میں نے دریافت کیا کہ رجمنٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا سبزی منڈی میں موجود ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ رجمنٹ وہاں کس لئے اور کیونکر گئی؟ اس نے جواب دیا کہ جس وقت مفسدین نے افسروں پر حملہ کیا تو تمام سپاہی متفرق ہو کر بھاگ گئے اور اب تمام شہر میں پھر پھرا کر سبزی منڈی میں جمع ہوئے ہیں۔ یہ سن کر میں نے حکم دیا کہ سب میرے پاس چلے آئیں۔ چنانچہ وہ گیا اور سب سپاہی حسب الحکم مع نشان جھنڈہ وغیرہ کے حاضر ہو گئے۔

اس کے بعد حوالدار میجر نے آ کر کہا کہ تم لوگ رسالہ سوم کے سواروں کے ہمراہ تھے اور ان کے لوگوں کو شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے، مگر سپاہی نے اس سے انکار کیا۔ یہاں تک تو چشم دید حالات میں نے بیان کئے مگر جب میں گارد سے چلا آیا تو اس کے بعد کچھ واقعات ظاہر ہوئے۔ وہ ایک صاحب کی چٹھی سے نقل کئے جاتے ہیں جو وہاں موجود تھے اور دوسرے انگریزوں کے ساتھ بھاگے تھے۔

۳۸ رجمنٹ کے سپاہیوں نے جب اپنے ہی افسروں پر گولیاں برسانی شروع کیں تو تمام افسر ایک موری کے ذریعہ جو گارد کے کمرے کے اندر تھی بھاگ کر پناہ گیر ہوئے، مگر جب تک بھاگیں بھاگیں۔ تین افسر یعنی کپتان گارڈن صاحب، لفٹنٹ اسمتھ صاحب اور لفٹنٹ ریولی صاحب مارے گئے اور لفٹنٹ اسبورن صاحب کے ایک گولی ٹانگ میں آ کر لگی، مگر یہ سب کے ساتھ مقام مذکور میں کسی طرح پہنچ گئے اور زخم کو باندھ باندھ کر خندق میں کود پڑے اور خندق کی تہہ تک پہنچ گئے۔ دوسرے انگریز بھی کودنے کے لئے تیار تھے کہ عورتوں اور بچوں کی گریہ وزاری اور رونے کی آواز آئی۔ یہ سب میمیں گارد کے کمرہ کے اندر موجود تھیں۔ یہ سن کر سب انگریز کمرہ کے اندر واپس آ گئے، حالانکہ گولیوں کی ان پر بارش ہو رہی تھی، مگر ان لوگوں نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی اور سب عورتوں کو ایک ایک کر کے رومالوں کو باندھ کر اس کے ذریعہ خندق میں نیچے اتار دیا اور خود بھی اتر گئے۔ اس کی دوسری طرف کی دیوار پر چڑھ کر انہیں رومالوں کے ذریعہ پھر سب عورتوں کو کھینچ لیا۔ وہاں سے سب کے سب دریا کی طرف روانہ ہو گئے، مگر ہر ہر قدم پر یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں مفسد نہ آ جائیں اور ہم کو مار نہ ڈالیں مگر خدا کا شکر ہے کہ مفسدین نے ان کا پیچھا نہیں کیا بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ اس وقت بھی گولیاں نہیں چلائیں جب یہ سب عورتیں اور مرد خندق میں اتر رہے تھے۔ حالانکہ اس اترنے چڑھنے میں آدھ گھنٹہ صرف ہوا ہو گا۔

غرضیکہ یہ سب انگریز اور ان کی عورتیں دریا کے پار پہنچیں اور وہاں سے بے انتہا سرگردانی اور فاقہ کشی کے بعد یہ لوگ ایک گاؤں میں پہنچے جو دہلی سے بارہ میل پر واقع ہے۔ یہاں کے نمبردار نے ان لوگوں سے اقرار کر لیا تھا کہ وہ ایک چٹھی میرٹھ روانہ کر دے گا' چنانچہ میرٹھ سے تیسرے دن کچھ فوج آئی اور اس قافلے کو اپنی حفاظت میں میرٹھ لے گئی۔ لفٹنٹ ٹیلر صاحب اور انسائن انجلو صاحب بھی بھاگے تھے' مگر وہ کسی گاؤں میں مارے گئے۔

انگریزوں کے قتل و غارت کے بعد مفسدین نے ایک شاہزادے کو حکومت پر بٹھا دیا اور اپنا چوکی پہرہ سب دروازوں پر بٹھا دیا۔ قلعہ کے چاروں طرف توپیں چڑھادی گئیں۔ خزانہ بھی قلعہ ہی میں رکھا گیا کیونکہ مفسدین کا ارادہ تھا کہ اگر انگریز ہم پر حملہ کریں گے تو وہ اس مقام کو آخر دم تک نہ چھوڑیں گے۔

مفسدین نے صرف انگریزوں ہی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کی بلکہ شہر والوں کے ساتھ بھی وہ وہ ظلم کئے کہ الامان والحفیظ۔ دہلی شہر ہمیشہ سے دولتمند مشہور ہے۔ مفسدین خوب جانتے تھے' اس لئے خوب جی کھول کر اسے لوٹا۔

ایک ہندوستانی جو اس درمیان یعنی ۳۱ مئی سے ۲۳ جون تک دہلی میں تھا' شہر کی کیفیت اس طرح بیان کرتا ہے کہ مفسدوں نے شہر کے باشندوں کا ایک گھوڑا بھی نہیں چھوڑا۔ سب چھین لے گئے۔ اکثر دوکانداروں کو محض اس قصور پر جان سے مار ڈالا کہ وہ واجبی قیمت مانگتے تھے۔ بزرگوں سے بدزبانی سے پیش آئے۔ دریا کے پل پر جو گارڈ مقرر تھا' اس نے ہر ایک مسافر کو لوٹ لیا۔

جس روز سے میں شہر میں داخل ہوا اور جب تک رہا' میں نے کبھی پورا بازار کھلا ہوا نہیں دیکھا۔ صرف دو چار بنیے بقالوں کی دکانیں معمولی سامانوں کی کھلا کرتی تھیں۔ شہر کے باشندے اور دوکاندار سب ہی افسوس کرتے تھے۔ اہل حرفہ کی حالت فاقہ کشی تک پہنچ گئی۔ بیوہ عورتیں مکانوں میں بیٹھی رویا کرتی تھیں اور صبح سے شام تک مفسدین کو بددعا دیا کرتی تھیں۔ انگریزوں کے نامی اور مشہور ملازموں نے گھر سے نکلنا موقوف کر دیا تھا۔

ہر روز ایک نیا کوتوال مقرر ہوتا تھا۔ مفسدوں کو شہر میں جہاں نقد روپیہ نظر آتا فوراً لوٹ لیتے تھے۔ یہ سب روپیہ ابھی تک سپاہیوں کے قبضے میں تھا اور خزانہ شاہی میں ایک حبہ داخل نہیں ہوا تھا۔ بعض رجمنٹوں کے سپاہیوں کے پاس اس قدر روپیہ جمع ہو گیا تھا کہ وہ بمشکل حرکت کر سکتے تھے۔ چنانچہ بوجھ کی وجہ سے انہوں نے روپیہ کی مہریں بدلوا لیں۔ مہاجنوں نے مہر کا نرخ اس قدر بڑھا دیا تھا کہ جو مہر سولہ روپے کے ورک کی تھی اس کے چوبیس اور پچیس روپے کر دیئے۔ جس طرح پہلے سپاہیوں نے مہاجنوں کو لوٹا تھا' اسی طرح اب مہاجن سپاہیوں کو لوٹنے لگے۔ یہاں تک لوٹا کہ طلائی اشرفیوں کی بجائے چنگی اشرفیاں فروخت کیں۔

جس رجمنٹ کے ہاتھ کچھ لوٹ نہیں لگی' وہ دولتمند سپاہیوں پر رشک کرتی تھی اور چونکہ متمول سپاہی میدان جنگ میں نہ جاتے تھے' اس بہانے سے مفلس سپاہی ان کو بہت سخت سست کہتے تھے بلکہ میں نے سنا کہ دولت مند اور غریب سپاہیوں میں لڑائی ہونے والی ہے۔

ایک رجمنٹ علی گڑھ سے ایک سو پچاس سوار اور مین پوری سے تھوڑی بے سلاح سپاہی آگرہ سے ایک رجمنٹ اور دو سو سوار ہانسی حصار سے' تھوڑے بے ہتھیار سپاہی انبالے سے' دو سو سوار اور دو کمپنی متھرا سے' ششم رسالہ لائٹ اور دو

رجمنٹ جالندھر سے دو رجمنٹ اور توپ خانہ نصیرآباد سے میرے سامنے دہلی میں داخل ہوئیں اور یہ سب مفسدین کے ساتھ شامل ہو گئیں۔

مراد نگر، جھنگ، علی گڑھ، ہانسی، متھرا، گڑھی ہرسرو، نرسیلی اِن مقامات کے سرکاری خزانوں کو مفسدین نے لوٹ لیا اور شاہی خزانہ میں داخل کر دیا۔ بادشاہ کی طرف سے فی پیدل سپاہی چار اور فی سوار ایک روپیہ یومیہ دیا جاتا تھا۔ مجھ کو یہ نہیں معلوم کہ سرکاری خزانوں سے کس قدر روپیہ آیا لیکن ۱۷ جون کو شاہی خزانہ میں ایک لاکھ انیس ہزار روپیہ موجود تھا۔

شہزادے شاہی فوج کے افسر مقرر ہوئے تھے۔ مجھے ان عیش کے بندوں پر رحم آتا تھا۔ بعض وقت ان بچاروں کو ٹھیک دوپہر میں شہر سے باہر جانا پڑتا تھا تو مصیبت آجاتی تھی۔ توپ و بندوق کی آواز سے دل دھڑک اٹھتا تھا۔ اس پر لطف یہ کہ آئین حکمرانی سے بالکل ناواقف۔ سپاہی ان کی ناواقفی پر قہقہہ لگاتے تھے بلکہ بعض اوقات تو ان کی بدنظمی کے باعث بدزبانی سے پیش آتے تھے۔ فوج کے لئے بادشاہ شیرینی وغیرہ میدان جنگ میں بھیجتے تھے تو یار لوگ راستے ہی میں مال غنیمت سمجھ کر چٹ کر جاتے تھے۔ شاہی فوج کی شجاعت و بہادری اور بھی قابل تعریف تھی۔ حقیقت میں وہ بڑے دانا تھے۔ جب ان کا جی چاہتا کہ میدان جنگ سے واپس آجائیں تو پھٹے پرانے کپڑے پیروں میں زخم کے بہانے سے باندھ کر لنگڑاتے اور ہائے وائے کرتے ہوئے واپس چلے آتے تھے۔

۳۰ جون کو رات کے وقت ہنڈن پر مفسدین بالکل حواس باختہ ہو گئے تھے۔ اکثر سپاہیوں نے اپنی تلواریں اور بندوقیں کنوؤں میں ڈال دی تھیں اور منتشر ہو کر جنگلوں اور دیہاتوں کی طرف بھاگ گئے تھے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ انگریزی فوج ان کا تعاقب کرتی چلی آرہی ہے۔ اگر اس دن انگریزی فوج آجاتی تو دہلی پر اسی دن قبضہ ہو جاتا اس لئے کہ یہ منتشر سپاہ دوسرے روز شہر میں واپس آئی۔ اکثر ان میں سے لاپتہ ہو گئے۔ راستہ میں گوجروں نے ان کو خوب لوٹا۔ چنانچہ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو ان کے پاس ایک حبہ نہ تھا۔

بادشاہ کا حکم شاذ و نادر مانا جاتا تھا اور شہزادوں کو تو کوئی پوچھتا تک نہ تھا کہ تم ہو کس مرض کی دوا۔ سپاہ بالکل بے سری ہو گئی تھی۔ نہ بگل کو مانتے تھے نہ افسروں کی سنتے تھے اور نہ اپنا متعلقہ کام انجام دیتے تھے۔ فوج کی گنتی تو ایک طرف رہی وردی بھی نہیں پہنی۔

رئیس شہزادے اور بیگمات اپنی گذشتہ خوش باشیوں کا افسوس کرتے تھے۔ شہزادے فوج کی زبان نہ سمجھتے تھے اور بغیر مترجم کے گفتگو نہ کر سکتے تھے۔

شل کے گولوں سے شہر کے اکثر مکانات منہدم ہو گئے تھے۔ قلعہ کے دیوان خاص میں جو تخت سنگ مرمر کا بچھا ہوا تھا چور چور ہو گیا۔

دہلی کا انگریزی مدرسہ پہلے ہی دن لوٹ لیا گیا تھا اور انگریزی کتابیں گلی کوچوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ جو کوئی انگریزی بولتا تھا تو سپاہی اس کی خوب مرمت کرتے تھے اور قید کر دیا کرتے تھے۔

میگزین ۱۴ مئی کو پھٹا تھا۔ اس کے سبب سے قرب و جوار کے بہت سے مکانات کو صدمہ پہنچا تھا۔ قریب پانسو آدمی اس کے صدمہ سے مر گئے تھے۔ لوگوں کے مکانوں میں اس قدر گولیاں گری تھیں کہ لڑکوں نے آدھ آدھ سیر اور بعض

لڑکوں نے سیر سیر بھر چن لیں۔

اس کے بعد مفسدوں اور شہر کے باشندوں نے میگزین کو خوب لوٹا۔ جس قدر ساز و سامان ٹوپی بندوق تلوار اور سنگین لے سکے اٹھا کر لے گئے۔

خلاصیوں نے اپنے گھروں کو عمدہ عمدہ ہتھیاروں اور سامان سے خوب بھر لیا اور روپیہ کے تین سیر کے حساب سے تول تول کر بیچ ڈالا۔

تانبے کی چادریں روپیہ کی تین فروخت ہوتی تھیں۔ بندوق کی قیمت بہت سے بہت آٹھ آنہ تھی، مگر خوف سے کوئی خریدتا نہیں تھا۔ اچھی سے اچھی انگریزی کرچ چار آنے کو بھی گراں سمجھی جاتی تھی اور سنگین تو ایک آنہ میں بھی بہت مہنگی تھی۔ توزدان اوپر تلے اس کثرت سے تھے کہ ان کے لوٹنے والوں کو بیچتے وقت ایک حبہ نہیں ملا یعنی کسی نے خریدا ہی نہیں۔ مجنوں کے ٹیلے میں جس قدر بارود تھی اس میں سے نصف تو گوجر وغیرہ لوٹ کر لے گئے اور نصف شہر میں آ گئی۔

تیسرے انگریز کا قصہ

(بیلی صاحب کی شرافت۔ انگریز عورتوں کی مدد۔ بیلی صاحب کی میم اور بچے مارے گئے)

میگزین کی حفاظت کے متعلق کنڈکٹر بیلی اور دوسرے انگریزوں کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ ذیل کی چٹھی سے معلوم ہوگا کہ بیلی صاحب پر میگزین کے اڑنے اور بھاگنے کے بعد کیا گذری۔

صاحب موصوف نے میگزین سے نکلتے ہی یہ کار نمایاں کیا کہ رابرٹ صاحب کی میم کو مع چار سالہ لڑکے کے دریا پار کرایا۔ اس میں دقت یہ تھی کہ صاحب موصوف کے ہاتھ پر میگزین کی لڑائی میں ایسا سخت زخم آیا تھا کہ وہ ہاتھ بالکل بیکار ہو گیا تھا۔ دریا عبور کرنے کے بعد پانچ چھ زخم اور آئے تھے، کیونکہ جمنا پار مفسدوں نے انہیں گھیر لیا اور تمام بدن کے کپڑے سوا قمیص کے سب چھین لئے گئے۔

وہ بارہ دن کی آوارہ گردی کے بعد لفٹنٹ ریز صاحب مع ان کے عیال و اطفال کے ساتھ میرٹھ پہنچے۔ ریز صاحب سے بظاہر وہ ایک دن کے بعد گئے تھے۔ بیلی صاحب کی ملاقات ریز صاحب سے ایسی ہی حالت میں ہوئی کہ مفسدین نے جو کچھ ان کے پاس تھا سب چھین لیا تھا اور ان کو گھیر رکھا تھا۔ ریز صاحب اور ان کی میم صاحب مجھ سے بیان کرتے تھے کہ اگر اس شخص یعنی خبر دینے والے کا شجاعانہ اور دلیرانہ طریق کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو وہ کبھی صحیح و سالم میرٹھ نہ پہنچ سکتے۔ کیونکہ اس نے کئی مرتبہ اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ مفسدین میں سے ایک شخص نے اس کی گردن پر پاؤں بھی رکھ دیا کہ سر تن سے جدا کر دے، مگر جب اس نے یہ کہا کہ میں اپنے سر کو اس نیت سے قربان کراتا ہوں کہ میری جان لینے کے بعد تم ان عورتوں کی بے پردگی اور بے ستری نہ کرو گے تو اس بات سے مفسدین کو رحم آیا اور انہوں نے ہم کو

چھوڑ دیا۔

اس سے زیادہ شجاعت و بہادری کا کام یہ کیا کہ صرف چھ روز اسپتال میں رہے تھے کہ بریگیڈیئر ولسن صاحب دہلی جانے لگے۔ ان کو خبر ہوئی تو یہ بھی بریگیڈیئر صاحب کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ مجھ کو ہمراہ لے چلیے' مگر چونکہ زخم اب تک ہرے تھے اس لیے بریگیڈیئر صاحب نے درخواست نامنظور کر دی۔ تاہم ہم نے سنا ہے کہ وہ صرف نو دن اسپتال میں رہے اور دسویں دن توپخانہ اور سامان جنگ جو میرٹھ کی فوج کے واسطے جا رہا تھا' اس کے ساتھ ہو گئے اور مقام ہنڈن پر پہنچ کر فوج کے ہمراہ دہلی کی چھاؤنی میں داخل ہو گئے اور ے اجون تک فوج کے ہمراہ رہے۔ اس درمیان میں تین مرتبہ ان کو سرسام ہوا۔ دو مرتبہ راستے میں اور ایک دفعہ مور چال چھاؤنی میں جہاں وہ ضروری کاموں میں مشغول تھے۔ تیسری مرتبہ سرسام ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ اول تو جسم نحیف و کمزور پھر دن بھر آفتاب کی تیزی میں سخت کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ الغرض سترہ کو وہ میرٹھ واپس کیے گئے' مگر یہ واپسی ان کی مرضی کے خلاف تھی۔ ان صاحب نے چھبیس برس تک سرکار کی خدمت کی۔ اس عرصہ میں سترہ سال تک صرف میگزین کا کام کیا اور جو کچھ مال و اسباب تھا' وہ سب برباد کر دیا۔ زیادہ افسوس یہ کہ ان کی میم صاحب اور تین بچے بھی اسی ہنگامہ غدر میں ضائع ہوئے۔

چوتھے انگریز کا قصہ

(صاحب کو ننگا کر دیا۔ امام مہدی کی دہائی۔ رسول خدا کے نام پر پناہ دی۔ زخمی کرنیل کو مار ڈالا۔ بھس کی کوٹھری میں چھپا۔ اردو بولی نے جان بچائی۔ جوگی بنا۔ جوگی کی مہربانی)

ڈاکٹر ایس ایچ ولسن صاحب بیس پچیس روز تک ہندوستانیوں میں حیران و سرگرداں پھرتے رہے اور ہر طرح کی تکلیفیں اور بے عزتی اس عرصہ میں انہوں نے اٹھائی۔ تین چار مرتبہ تو ایسا ہوا کہ وہ اپنے تئیں قریب المرگ سمجھنے لگے۔ بھاگنے اور سفر کے وقت جو جو تکلیفیں اور مصیبتیں ان پر پڑیں' اس کے متعلق خود ان کا بیان ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ نہایت توجہ اور شوق سے پڑھا جائے گا۔

دہلی کی پہاڑی پر جو برج ہے' اس میں تمام میمیں جمع ہو گئی تھیں۔ جب خوف اور خطرہ ظاہر ہوا تو میں بریگیڈیئر گریوس صاحب کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اگر آپ گورہ فوج کی کمک اور مدد طلب کرنے کے لیے چٹھی لکھیں تو میں اسے لے کر میرٹھ جاؤں گا۔ چنانچہ موصوف نے فوراً چٹھی لکھ کر میرے حوالے کر دی۔ میں اپنے بال بچوں اور دوسری میموں سے مل ملا کر اپنے بنگلہ پر آیا اور فقیرانہ لباس پہن کر اور ہاتھ پاؤں رنگ کر شہر میں ہوتا ہوا دریا کے پل تک پہنچا مگر خوبی قسمت دیکھیے کہ وہاں پل ٹوٹا ہوا تھا۔ ناچار اس نیت سے چھاؤنی واپس آیا کہ میگزین سے قریب جو راستہ ہے' اس طرف سے دریا عبور کرنا چاہیے' مگر اس عرصہ میں رسالہ سوم کے سوار چھاؤنی میں پہنچ گئے تھے اور جاٹ و گوجر چھاؤنی کے قرب و جوار کے

دیہاتوں کو جوق جوق لوٹنے کے واسطے چلے آ رہے تھے۔ صاحب لوگوں کے بنگلوں کو آگ لگ چکی تھی۔ میں یہ حال دیکھ کر میرٹھ پہنچنے سے مایوس ہو گیا اور پریڈ کے میدان سے آگے بڑھا۔ اس اثناء میں دو سپاہیوں نے مجھ پر گولی چلائی اور میں بچ گیا۔ میں ابھی اس باغ تک پہنچا تھا جو شہر کے متصل ہے کہ گاؤں والوں نے مجھے گرفتار کر لیا اور میرے سب کپڑے چھین لئے۔ میں وہاں سے مادرزاد برہنہ اس خیال سے کرنال کی طرف روانہ ہوا کہ شاید ان لوگوں (انگریزوں) میں سے جو کرنال جا رہے ہیں' راستہ میں کوئی مل جائے' مگر میں ابھی ایک ہی میل گیا ہوں گا کہ دو سپاہی نمودار ہوئے جو دوسرے انگریزوں کا تعاقب کر رہے تھے' مگر کوئی ان کے ہاتھ نہ لگا۔ بہر حال وہ میرے پاس آئے اور ننگی تلواریں لے کر کہنے لگے تو فرنگی ہے' مگر میں نہایت عاجزی سے ان کے سامنے گر پڑا اور چونکہ میں مذہب اسلام اور ہندی زبان سے واقف تھا' اس لئے میں نے پیغمبر محمدؐ کی تعریفیں شروع کر دیں اور کہا کہ اگر تم یقین رکھتے ہو کہ امام مہدی انصاف کے لئے آئیں گے تو مجھ بے گناہ کو نہ مارو' نیز دوسرے مسائل مذہبی اور اخلاق امیر بیان کئے' مگر اس پر بھی ایک نے تلوار کا وار مجھ پر کیا' مگر میں ان کے سامنے زمین پر گر پڑنے سے وار بچا گیا اور چونکہ وہ سوار تھے' اس لئے ان کی تلواریں مجھ تک نہ پہنچ سکیں اور میرے عجز و انکسار کی باتوں نے کچھ اثر کیا اور یہ کہہ کر مجھ کو چھوڑ دیا کہ اگر آنحضرتؐ کے نام پر پناہ نہ مانگتا تو تو بھی اور کافروں کی طرح نہ بچتا۔ اب میں بہت گھبرا رہا تھا۔ مجھ میں کھڑے رہنے کی بھی طاقت نہ تھی' مگر چونکہ چلنا ضروری تھا' اس لئے ناچار میں وہاں سے آگے روانہ ہوا۔ قریباً ایک میل اور چلا ہوں گا کہ بہت سے مسلمان نظر آئے اور وہ سب میری طرف بھاگ کر آئے اور مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ فرنگی ہے۔ کافر کو مار ڈالو اور میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم فرنگیوں نے یہ چاہا تھا کہ ہم سب کو کرسٹان کر ڈالیں۔ یہ کہہ کر مجھے کشاں کشاں ایک گاؤں میں لے گئے جو ایک میل یا اس سے کچھ زیادہ فاصلے پر تھا اور میرے بازو پشت سے باندھ دیئے۔ اس کے بعد ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ کریم بخش جاؤ اور اپنی تلوار لے آؤ۔ ہم اس کافر کا سر کاٹیں گے۔ کریم بخش گیا اور جب تک تلوار لا دے' گاؤں سے ایک آواز آئی کہ دھاڑ ہے دھاڑ ہے۔ یہ سن کر جتنے مسلمان میرے پاس تھے' سب اپنی اپنی فکر کرنے چلے گئے۔ وہ ادھر گئے اور میں موقع کو غنیمت سمجھ کر بے تحاشا بھاگا۔ اس طرح ان بے رحموں سے نجات پائی۔ راستہ میں آ کر میں کرنال کی طرف بھاگا' مگر راستہ میں پھر مجھے چند آہنگر جو دہلی کے میگزین میں ملازم تھے' مل گئے اور مجھ کو گھیر لیا' مگر ان میں سے ایک شخص نے مجھے پہچان لیا اور کہا صاحب خوف نہ کرو اور میرے ساتھ گاؤں میں چلو۔ وہاں آپ کے کھانے پینے کی فکر کروں گا اور اگر تم آگے جاؤ گے تو ان مسلمانوں کے ہاتھ سے جو لوٹنے اور فرنگیوں کو مار ڈالنے کے ارادہ سے باہر گئے ہیں' یقیناً مارے جاؤ گے۔ چنانچہ ان آہنگروں کے ساتھ میں ان کے گاؤں گیا۔ فی الحقیقت انہوں نے میری بہت خاطر تواضع کی۔ کسی نے پہننے کو دھوتی دی' کسی نے ٹوپی' کسی نے دودھ پلایا' کسی نے روٹی کھانے کو دی۔ غرضیکہ میں یہاں سمجھا کہ ابھی زندگی کے کچھ سانس باقی ہیں' مگر میں اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ مجھ سے اچھی طرح بولا بھی نہیں جاتا تھا۔ مجھے انہوں نے چارپائی دی۔ میں اس پر لیٹ گیا' مگر مجھ کو نیند نہ آئی۔ میں نے ان آدمیوں سے کہا کہ میں ڈاکٹر ہوں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے میری اور بھی خاطر مدارات کی۔ دوسری صبح کو گاؤں کے چودھری نے مجھ کو بلوایا تو تمام گاؤں فرنگی ڈاکٹر کے دیکھنے کے لئے اکٹھا ہو گیا۔ ہر چند میں تھکا ماندہ تھا' مگر گاؤں والے جو کچھ مجھ سے پوچھتے تھے' میں اس کا شافی جواب دیتا تھا خصوصاً جب انہوں نے دیکھا کہ میں ان کے مذہب اور رسوم سے

پوری واقفیت رکھتا ہوں تو بہت زیادہ میرے زندہ رکھنے کا خیال کرنے لگے۔ چنانچہ وہ علانیہ کہتے تھے کہ ہم حتی المقدور تم کو بچائیں گے۔ میں اس گاؤں میں رہتا تھا کہ میں نے سنا کہ قریب کے کسی گاؤں میں ڈاکٹر وڈ صاحب موجود ہیں۔ اس گاؤں کا نام سمیع پور ہے۔ اس گاؤں کے ایک آدمی نے مجھ سے آکر کہا کہ میرے گاؤں میں ڈاکٹر وڈ صاحب نامی ہیں۔ ان کو کچھ دوائیں مطلوب ہیں۔ تم سب ہندوستانی دوائیں جانتے ہو۔ برائے مہربانی بتاؤ کہ ان کو کیا دیا جائے۔ میں نے ایک نسخہ لکھ دیا، مگر مجھے معلوم نہیں کہ دوا ان کے پاس پہنچی یا نہیں۔ میں اس گاؤں میں مقیم تھا کہ کرنل ریلی صاحب کی خبر میرے پاس پہنچی کہ صاحب موصوف برف خانہ کے قریب جو پریڈ کے میدان کے متصل ہے، مجروح وخستہ پڑے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر میں نے گاؤں والوں سے کہا کہ صاحب بہت بڑے نامی صاحب ہیں اگر تم ان کے واسطے کھانا پانی لے جاؤ گے تو سرکار اس خدمت کے عوض میں تم کو بہت سا انعام دے گی۔ چنانچہ گاؤں والے سات روز تک برابر کھانا لے گئے، مگر جب میں اس گاؤں سے روانہ ہوا تو کوئی دس روز کے بعد میں نے سنا کہ کرنل صاحب موصوف کو کسی سپاہی نے برف خانہ کے پاس قتل کر ڈالا۔

مجھے اس موضع بادری میں قیام پذیر ہوئے چند روز ہوئے تھے کہ بات عام طور سے مشہور ہوگئی کہ جس قدر انگریز میرٹھ، انبالہ اور کلکتہ میں تھے سب قتل ہو گئے اور شاہ دہلی کی حکومت قائم ہوگئی۔ اگر کوئی شخص کسی فرنگی کو اپنے گھر یا گاؤں میں پوشیدہ رکھے گا تو وہ قتل کر دیا جائے گا اور اس کا گاؤں جلا کر ویران و برباد کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر گاؤں والے گھبرائے اور مجھ کو رات کے وقت نکال کے ایک آموں کے باغ میں چھوڑ آئے۔ وہاں میں شب و روز رہتا تھا۔ رات کو کوئی نہ کوئی گاؤں والا مجھے کھانا پانی دے جاتا تھا۔ ایسے نازک وقت میں جو کچھ مجھ پر گذرتا تھا، بیان سے باہر ہے۔ دن بھر آفتاب کی سخت گرمی میں رہتا تھا اور رات تنہائی میں گذرتی تھی اور اکثر گرد و پیش گیدڑ وغیرہ چلایا کرتے تھے۔ جو جو مصیبتیں میں نے جھیلی ہیں، میں جانتا ہوں یا پھر خدا کو معلوم ہے کہ کیا کیا تکلیفیں میں نے اٹھائیں۔ پانچ دن کے بعد اس باغ میں سے پھر مجھے گاؤں میں لے گئے اور وہاں بھوسہ کی ایک کوٹھری میں مجھے پوشیدہ کر دیا۔ میں اس تنگ و تاریک کوٹھری میں چوبیس گھنٹے تک رہا۔ اس میں جس قدر گرمی تھی اور دل گھبراتا تھا اس کا حال زبان سے ادا نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کونسی مصیبت زیادہ سخت تھی۔ آیا باغ کی تنہائی یا اس بھوسہ کی کوٹھری کی۔

اس کے بعد ایک اور خبر مشہور ہوئی کہ فرنگیوں کی تلاش کے واسطے سوار مقرر ہوئے ہیں کہ وہ ہر ایک گاؤں میں جا کر تلاش کریں۔

اب مصلحت یہ قرار پائی کہ میں ایک جوگی فقیر کے ساتھ اس گاؤں سے کہیں اور چلا جاؤں، چنانچہ وہ فقیر میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ تم جہاں کہو گے میں تم کو وہاں پہنچا دوں گا، مگر اب تمہارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ میں اسی وقت جوگی کے ساتھ روانہ ہو کر مقام بر سوہہ میں گیا اور تمام رات وہاں بسر کی۔ اس فقیر نے میرے تمام کپڑے اپنے دوست کے گھر میں جا کر رکھے اور مجھ کو مالا اور دراچہ پہننے کو دیا تاکہ جوگی فقیر اور میری صورت میں کچھ فرق نہ رہے۔ جب فقیر کا سب سامان درست ہو گیا تو میں نے اس جوگی کے ساتھ پھیری شروع کی۔ وہ مجھے کئی گاؤں میں لے گیا اور کہیں مجھ کو کشمیری کہیں دادو چشتی اور جوگی فقیر بتلاتا رہا۔ جس گاؤں میں میرا گذر ہوا، وہاں کے لوگوں نے کچھ نہ کچھ مجھ سے پوچھا۔

چونکہ میں ان کا جوتش اور نجوم وغیرہ جانتا تھا اس لیے جو جس نے پوچھا میں نے اس کا شافی جواب دیا۔ اس وجہ سے میری خاطر تواضع اور بھی زیادہ ہونے لگی۔ کوئی پیسہ دیتا تھا۔ کوئی کھانا میرے واسطے لاتا تھا۔

اس گاؤں سے روانہ ہو کر ایک اور گاؤں میں پہنچے۔ وہاں سیوک داس مہنت کبیری فقیر رہتا تھا۔ اس کے پاس گئے۔ میں اس کے مذہب سے بھی واقف تھا۔ کچھ کتابیں جو میں نے پڑھیں تو وہ میرے حال پر بہت مہربان ہو گیا اور اس کے دریافت کرنے پر میں نے اس سے کہا کہ میں کشمیری ہوں' مگر اس نے کہا کشمیری بھوری آنکھ والا نہیں ہوتا۔ اس نے کہا کہ تمہاری زبان اور اوضاع واطوار اور کپڑے سب درست اور ٹھیک ہیں' مگر تمہاری آنکھیں تم کو چھپنے نہیں دیتیں۔ تم یقیناً فرنگی ہو۔ میں نے اس کا اقرار کر لیا۔ چونکہ کبیر کے اقوال میں نے اس کے سامنے پڑھے اور قول وقسم دے چکا تھا اس لئے مجھ سے وہ بہت مہربانی سے پیش آیا۔ میں اسی فقیر کے یہاں تھا کہ ایک سپاہی آیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس انبالہ کی فوج کے واسطے (جو بالفعل مقام لائی میں ٹھہری ہوئی ہے) کچھ چٹھیاں ہیں۔ میں یہ وہاں لے جاؤں گا۔ اس نے مجھ کو نہیں پہچانا کہ یہ بھی فرنگی ہے' مگر میں نے اس سے کہا کہ میں ڈاکٹر ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری چٹھی فوج مذکور کے کمان افسر کے پاس پہنچا دو۔ اس نے اقرار کیا اور میں نے چٹھی لکھ کر دے دی۔ دن بھر اس چٹھی کی وجہ سے انتظار رہا' مگر جب اس کا کوئی جواب نہ آیا اور نہ کمک آئی تو اب میں نے مصلحت اس میں دیکھی کہ میرٹھ چلنا چاہیے۔ جس جوگی فقیر کے ساتھ میں یہاں تک آیا تھا اس نے میرٹھ چلنے کا وعدہ بھی کیا۔ اس گاؤں کے اکثر آدمی میرے ساتھ ہرچند پور تک گئے' جہاں ایک زمیندار فرانس کوہن صاحب نامی رہتے تھے۔ یہ پہلے تحصیلدار تھے۔ یہ بزرگ آدمی میرے ساتھ از حد مہربانی سے پیش آئے اور مجھ کو وہ چٹھیاں دکھلائیں جو کرنل نیوٹ اور کپتان سالگیڈ صاحب نے لکھ کر دی تھیں کہ انہوں نے مجھ کو بہت آرام پہنچایا اور ہماری بڑی خاطر مدارات کی اور بحفاظت میرٹھ تک پہنچا دیا۔

یہ چٹھیاں دیکھ کر میں نے بھی میرٹھ جانے کی تجویز کی۔ اس عرصہ میں ایک چٹھی میرے نام موضع کیکرا سے اس مضمون کی آئی کہ راجہ جیند کے سوار کپتان میک انڈور کی سرکردگی میں مقام کیکرا میں میرے منتظر ہیں اور وہ مجھے مقام رائی جہاں پڑاؤ ہے' پہنچا دیں گے۔ چنانچہ کوہن صاحب نے مجھے اپنی گاڑی پر سوار کرا کر کیکرا روانہ کر دیا۔ یہاں پہنچ کر کپتان میک انڈور اور لفٹنٹ میو صاحب کو دیکھ کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی اور جان میں جان آئی۔

میں پچیس روز تک دیہاتوں' جنگلوں اور ویرانوں میں سرگرداں مارا مارا پھرتا رہا۔ اگر مجھے ہندوستانی زبان نہ آتی ہوتی اور میں اس قدر صفائی اور خوبی کے ساتھ نہ بول سکتا تو میں بھی کبھی قتل کر دیا جاتا۔

میں ہندوستانی زبان ایسی ہی بولتا ہوں جیسے انگریزی۔ میں اپنی جاں بری کو ایک اعجاز اور فضل الٰہی کا نتیجہ سمجھتا ہوں' مگر جو تکلیف اور مصیبتیں میں نے برداشت کی ہیں ان کا بیان مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

پانچویں انگریز کا قصہ

(ہندوستانی دیہاتی مدددیتے تھے۔گوجر بے رحم تھے۔فقیر نے جان بچائی۔فقیر نے پناہ دی)

ایک گروہ جس میں بہت سے افسر اور میمیں تھیں' دلی سے بھاگنے اور میرٹھ جانے کا حال اس طرح بیان کرتا ہے۔

پہلے یہ ارادہ تھا کہ پہاڑی پر جو برج ہے' اس میں قلعہ بند ہو کر مفسدین کا مقابلہ کیا جائے' مگر اب یہ بات بیکار سی نظر آئی کیونکہ کوئی فائدہ نہ تھا' اس لیے بھاگنے کی رائے طے پائی۔ جب روانگی شروع ہوئی تو ۳۸ اور ۷۴ رجمنٹ کے سپاہی بھی روانہ ہو گئے۔ تھوڑے سے سپاہی افسروں کے پاس جھنڈہ کے قریب باقی رہ گئے۔ میموں کی گاڑیاں کرنال کو روانہ ہوئیں۔ افسروں کو بھی سپاہیوں نے یہ صلاح دی کہ فوراً فرار ہو جانا چاہئے' بلکہ جبراً ان کو وہاں سے بھگا دیا' اس لیے کہ اس مقام پر بھی شہر سے مفسد آنے والے تھے۔ یہ شام کا وقت تھا۔ تاریکی زمین پر پھیل رہی تھی کہ چاروں طرف سے بندوقوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں اور چھاؤنی کے اکثر بنگلوں میں آگ لگ گئی جس کی روشنی دور دور تک پہنچ رہی تھی۔ اب سوائے بھاگنے کے کوئی تدبیر بچنے کی باقی نہ رہی۔ جو افسر وہاں باقی رہ گئے تھے' انہوں نے بھی دوبارہ انتظام قائم کرنا بے سود اور فضول سمجھ کر جگہ چھوڑ دی کیونکہ جو لمحہ ان پر گذرتا تھا' زیادہ خوفناک ہوتا جاتا تھا۔ غرضیکہ وہاں سے باحالت زار بھاگے اور سرگرداں رات بھر جنگلوں میں پھرتے رہے۔ کبھی تھک کر زمین پر لیٹ جاتے تھے کہ شاید نیند آ جائے۔ کبھی جان کے خوف سے اٹھ بیٹھتے تھے۔ غرضیکہ بہزار خرابی رات کاٹی۔ صبح کو مفسد سپاہی ان کے گرد و پیش منڈلاتے نظر آئے مگر خدا کا شکر ہے کہ وہ جگہ معلوم نہ ہوئی جہاں یہ سب صاحب لوگ تھے۔ جب کوئی نظر نہ آیا تو ناچار سپاہی تلاش کی غرض سے آگے بڑھے۔ یہ افسر لوگ جہاں ٹھہرے تھے' اس کے قرب و جوار کے لوگوں کے بہت شکرگزار ہیں کیونکہ گاؤں والوں نے ان کی بہت خدمت کی تھی اور بہت کچھ آرام پہنچایا تھا۔ کسی نے کھانا کھلایا' کسی نے اپنے گھر میں پوشیدہ رکھا۔ رات بھر جو صاحب جدا رہے تھے' وہ آ ملے اور جو رات بھر ساتھ رہے تھے' صبح کو جدا ہو گئے۔ گاؤں والوں نے ان انگریزوں کو جن کی حفاظت کا انہوں نے ذمہ لیا تھا' دریائے جمنا کے ایک نالے کو عبور کرا کر جنگل میں ایک محفوظ مقام میں چھپا دیا اور تیسرے پہر آ کر ان کو خبر دی کہ ایک اور گروہ انگریزوں کا جس میں میمیں بھی ہیں' قریب ہی کسی جگہ مقیم ہے۔ یہ گروہ وہ تھا جو کشمیری دروازہ سے بھاگا تھا اور جب وہاں امن نظر نہ آیا تو میموں کو توپ کی بگھی پر سوار کرا کر چھاؤنی بھیجا تھا اور مفسدین نے ان کو راستہ میں لوٹ لیا تھا بلکہ گولیاں بھی ان پر ماری تھیں۔ اس کے بعد یہ لوگ خندق میں اتر کر دوسری جانب سے چڑھ کر فرار ہو گئے تھے۔ انہی میں سے ایک میم کے شانے پر گولی کا زخم بھی لگا تھا۔ غرضیکہ وہاں سے بھاگ کر تمام رات یہ گروہ بھی حیران و سرگرداں رہا۔ کئی دفعہ سپاہیوں کے ہاتھ سے بمشکل تمام بچے بلکہ بعض وقت تو مفسد سپاہی ان لوگوں کی تلاش میں ایک گولی

کی زد تک پہنچ گئے' مگر خدا کی قدرت کہ ان کے پنجہ ظلم میں یہ گرفتار نہیں ہوئے۔

غرضیکہ دونوں گروہ یکجا ہو کر چلے اور ایک دوسرے کی ملاقات سے کچھ تسکین ہوئی اور چونکہ اب آدمی زیادہ ہو گئے تھے اس لئے اپنی طاقت پر اطمینان کر کے آگے روانہ ہوئے۔ وہ دو یا تین میل تک دریائے جمنا کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ اس کے بعد ایک نالے پر پہنچے جس کو عبور کرنا بہت دشوار تھا کیونکہ وہ گردن تک گہرا تھا اور اس زور سے بہتا تھا کہ پاؤں اکھڑے جاتے تھے۔ چنانچہ تھوڑی دور تک وہ سب بہتے ہوئے چلے گئے۔ آخر بمشکل قدم جما کر دوسرے کنارے تک پہنچے۔

اب شام ہو گئی تھی اور نالے میں گھسنے کی وجہ سے سخت سردی لگ رہی تھی۔ دوسری صبح کو پھر گاؤں والے ان کے دوست بنے اور ایک مقام پر جہاں درخت بہت تھے' لے جا کر ٹھہرایا' مگر تھوڑی دیر کے بعد ان سے کہا کہ یہاں رہنا مناسب نہیں کیونکہ مفسد سواروں کے گروہ ان کے درپے ہیں اور تلاش کر رہے ہیں۔ یہاں سے روانہ ہوئے تو گوجروں کے ایک گروہ کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے' جن کے فاسد ارادے بہت جلد ظاہر ہو گئے۔ چونکہ ان لوگوں کی بندوقیں وغیرہ پانی سے تر ہو گئی تھیں' اس لئے گوجروں کا مقابلہ نہ ہو سکا اور ناممکن و بے سود معلوم ہوا۔ گوجروں نے سخت بیہودگیاں کیں اور نہایت سختی کے ساتھ تمام ہتھیار اور دوسرا اسباب چھین کر بلکہ پہننے کے کپڑے تک اتروا کر چلے گئے۔ یہ گوجر کمبخت ان کی جان بھی نہ چھوڑتے' مگر ایک فقیر نے سمجھا بجھا کر ان کی جان بچائی۔ اب ان کے پاس ستر چھپانے کے سوا کوئی کپڑا جسم پر باقی نہ تھا۔ اسی حالت میں آفتاب کی گرمی میں جلتے بھنتے شام کو ایک گاؤں میں پہنچے۔ یہ گاؤں برہموں کا تھا اس میں ایک فقیر کے تکیے پر جا پڑے اور تین دن تک وہاں ٹھہرے رہے۔ یہاں اپنے محافظوں کے ہاتھ سے بہت آرام پایا۔ ان لوگوں نے بے انتہا مدارات کی' یہاں تک کہ ایک جراح بھی ان کے زخموں کو صاف کرنے کے لئے پہنچایا اور جو دوا گاؤں میں مل سکی تھی' وہ بھی مہیا کی۔ اس گاؤں سے ایک دوسرے گاؤں میں اس کے زمیندار کی حسب خواہش چلے گئے۔ یہ زمیندار نسلاً جرمن تھا۔ وہاں ان لوگوں کو یہاں سے زیادہ آرام ملا۔ رہنے کے لئے مکان اور کھانے کپڑے کا اچھی طرح سے انتظام کر دیا۔ اس رات کو زیادہ اطمینان ہوا' کیونکہ میرٹھ سے سواروں کا ایک رسالہ جو چٹھی بھیج کر انہوں نے طلب کیا تھا' ان کے پاس آ گیا۔ زمیندار نے سواریاں کر دیں اور آٹھویں روز یہ سب لوگ اپنی اصلی صورتوں میں میرٹھ پہنچ گئے۔

چھٹے انگریز کا قصہ

(اودھ کے زمیندار کی مدد۔ کرنال کا علاقہ وفادار تھا۔ گوجر وفادار نہ تھے)

ڈاکٹر بالفور صاحب دہلی سے اپنے بھاگنے کا حال یوں بیان فرماتے ہیں:

جب یہ طے ہو گیا کہ شہر دہلی اب چھوڑ دینا چاہئے تو لیباس صاحب نے اپنی بگھی مجھ کو دی۔ میں نے اپنی بہن

مس اسمتھ کو اپنے پاس بٹھایا اور راستے سے لفٹنٹ طامس انجینئر اور میم ڈانش مع فریزر صاحب کے بچے کے جو اس وقت موصوف کی گود میں تھا' سب کو بگھی میں بٹھا کر کرنال کی طرف روانہ ہو گیا۔ لفٹنٹ طامس صاحب نے کہا بہتر یہ ہوگا کہ نہر کے پار ہو کر اس تھانے پر چلیں جو راستہ میں ہے۔ وہاں پہنچ کر جدھر کی صلاح ہوگی اُدھر روانہ ہوں گے۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا اور چھوٹے تھانہ تک پہنچے۔ دوسرے روز صبح کو ہم ابھی چلنے کی صلاح ہی کر رہے تھے کہ موضع ادھ کا زمیندار جو قوم سے جاٹ تھا' ہمارے پاس آیا اور کہا کہ ہم نے دہلی کے قتل و فساد کا حال سنا ہے۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو امن و حفاظت میں ہم تمہیں رکھ سکتے ہیں۔ میں نے سب کو صلاح دی کہ اس کو قبول کرنا چاہئے۔ چنانچہ رات کے وقت ہم سب اس کے ساتھ گاؤں میں گئے اور وہاں اس نے ہم کو چار پانچ روز تک رکھا اور بے حد خاطر داری اور تواضع کی۔ آخر جب کسی فوج کی آمد کی خبر نہ سنی تو انہوں نے ہم کو مشورہ دیا کہ نہر کے کنارے کنارے کرنال چلنا مناسب ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہماری رہنمائی کی اور گاؤں کے مفسدوں سے ہماری حفاظت کا بندوبست کیا اور ہر طرح ہماری خاطر داری میں مشغول رہے اور اس قدر ہم لوگوں کی خدمت کی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ ہم اس کا عوض نہ دے سکیں گے۔ غرض کہ ہم امن و امان اور حفاظت کے ساتھ کرنال پہنچ گئے۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر یہ سن کر بہت خوش ہوں گے کہ یہ حصہ ملک جس میں سے ہم گذر رہے تھے' اس میں زیادہ آدمی ہماری سرکار کے خیر خواہ اور وفادار تھے اور ایسے سخت بلوہ میں بھی وفادار رہے۔ صرف گوجروں کی قوم البتہ سرکشی اور فساد کرتی تھی جو بڑی سڑک کے متصل رہتے بستے ہیں۔

ایک میم صاحبہ جن کا ذکر ڈاکٹر بالفور صاحب کی چٹھی میں آچکا ہے' اپنے بھاگنے کا حال اس طرح بیان کرتی ہیں۔

ساتویں میم صاحب کا قصہ

(ہندوستانی نوکروں کی وفاداری۔ انگریزوں کو کیوں مارا۔ بچے والی کو ستایا۔ ایک ہندوستانی نے جان بچائی۔ ایک باغی نے مدد کی۔ پچیس میل تک بھاگنا پڑا۔ ٹھیکیدار نے مدد کی۔ کمانڈر انچیف کا انعام۔ گود کا بچہ مر گیا۔ لیٹے لیٹے چلتے تھے)

۱۱ مئی دوشنبہ کے دن صبح کے وقت میں ایک دوست کی ملاقات کو جو میگزین کے پاس رہتے تھے گئی' جب اول اول یہ خبر سنی کہ مفسدوں کا گروہ میرٹھ سے آتا ہے تو مجھے اور دوسری میم صاحبوں کو یہ صلاح دی گئی کہ ہم سب میگزین میں جا کر پناہ گیر ہو جائیں' مگر میں وہاں نہ گئی اور اپنی والدہ کے گھر میں جو قریب ہی تھا' چلی گئی اور ان سے اس فساد کا ماجرا بیان کیا اور نوکروں سے کہا کہ اس بات کی ٹھیک ٹھیک خبر لاؤ مگر اس وقت ان سب نے یہ کہا کہ یہاں کچھ اندیشہ نہیں ہے اور یہاں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں پیدا ہو سکتی' کیونکہ دہلی کی حفاظت کا انتظام ہوشیاری سے کیا جاتا ہے۔ اس عرصہ میں اور بھی کئی

میمیں آ کر جمع ہو گئیں۔ قریب نصف گھنٹے کے گذرا ہو گا کہ نوکر نے شور و غل مچایا کہ مفسد آ گئے اور مکانات لوٹ رہے ہیں اور گرجا گھر تک پہنچ گئے ہیں۔ چونکہ گرجا گھر ہماری کوٹھی کے احاطے سے قریب تھا' اب بھاگنا بھی ناممکن ہو گیا۔ ہمارے نوکروں نے ہم کو صلاح دی کہ ملازموں کے مکان میں جا کر چھپ رہیں' چنانچہ ہم سب ایک مکان میں جا کر چھپ گئے۔ ہمارے چھپنے کے تھوڑی دیر بعد دو سوار احاطہ کے اندر آ گئے اور اس مکان کے قریب آ کر جس میں ہم سب چھپی ہوئی تھیں' کھڑے ہوئے اور نوکروں سے دریافت کیا کہ صاحب لوگ اور میم صاحبان کہاں ہیں۔ تم اپنی جان کا خوف نہ کرو۔ ہم تم میں سے کسی کو نہ ماریں گے' لیکن ہمارا ارادہ ہے کہ سب عیسائیوں کو جو دلی میں ہیں' قتل کر ڈالیں۔ نوکروں نے جواب دیا کہ سب بھاگ گئے۔ ہم کو معلوم نہیں کہ کہاں گئے۔ اگر تم کو خیال ہو کہ بنگلہ میں ہوں گے تو تم خود جا کر تلاش کر لو۔ اس جواب سے بچھوان کو اطمینان ہو گیا اور وہ وہاں سے باہر جا کر انگریزوں کی تلاش میں مشغول ہو گئے۔

تھوڑے عرصہ کے بعد ۷۴ رجمنٹ کے چھ سپاہی اور آ گئے۔ ان کو وہ مکان جہاں ہم سب مخفی تھے' معلوم ہو گیا۔ وہ خوب ہنسے اور قہقہہ مار کر بندوقیں دکھلا کر کہا ہم تم کو مار ڈالیں گے۔ ہم نے بہت منت و خوشامد سے کہا کہ ہمیں مت مارو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اچھا باہر آؤ اور ہمارے ساتھ چلو۔ پھر دیکھنا کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ ہم باہر نکلے اور ان کے ساتھ ہو لیے۔ وہ سب ہم کو گارد میں جہاں وہ رہتے تھے' لے گئے اور افسروں کی لاشیں دکھا کر ہنس کر کہنے لگے کہ دیکھو یہ سب اس واسطے مارے گئے ہیں کہ کمانڈر انچیف صاحب نے ہمارے مذہب کے خراب کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

اس کے بعد افسروں نے دیکھا کہ ہم بچے سپاہیوں کے پاس کھڑی ہوئی ہیں تو وہ جلدی سے دوڑ کر ہمارے پاس آ گئے اور سپاہیوں کو ہٹا کر ہم سے کہا اوپر جاؤ۔ ہم سب وہاں گئیں۔ وہاں پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ اکثر افسر موجود ہیں۔ وہاں ہم لوگ دس بجے تک بھوک پیاس کی سخت تکلیف میں رہے۔

میجر ایبٹ صاحب نے برج جھنڈہ والے پر کہلا بھیجا کہ توپ کی پیٹیاں بھیج دو تا کہ ان پر میم صاحبوں کو سوار کر کے اپنے سپاہیوں کی حفاظت میں برج مذکور تک پہنچا دیں' اس لئے کہ یہاں کا کچھ بھروسہ نہیں اور برج مذکور اس سے زیادہ محفوظ مقام ہے۔ تھوڑی دیر میں پیٹیاں مع توپوں کے آ گئیں۔ ان کے ساتھ ۳۸ رجمنٹ کے کچھ سپاہی بھی تھے۔ میجر ایبٹ صاحب ہم سب کو ان پر سوار کر کے آپ خود اپنی کمپنی لے کر بڑھے اور حکم دیا کہ پیٹیاں ان کے ساتھ آ دیں۔ ۳۸ رجمنٹ کے سپاہی اس وقت تک خاموش کھڑے رہے جب تک کہ میجر صاحب کشمیری دروازہ سے باہر نہیں چلے گئے' مگر جب وہ باہر چلے گئے تو دروازہ فوراً بند کر لیا اور ہم سے کہا کہ اگر تم ابھی اس پر سے نہیں اترتیں تو ہم تم سب کو مار ڈالیں گے۔ یہ سنتے ہی ہم پیٹیوں پر سے اتر آئیں' مگر میری بہن نہ اتر سکیں کیونکہ ان کی گود میں بچہ تھا۔ اس نے سپاہیوں سے کہا ذرا صبر کرو میں لڑکا کسی کو دے کر اترتی ہوں' مگر جب انہوں نے دوبارہ اترنے کو کہا تو اس نے لڑکے کو میری گود میں ڈال دیا اور آپ جھٹ کود پڑیں۔

اس عرصہ میں ۵۴ رجمنٹ کا ایک ڈرامبر آ گیا اور میرا بازو پکڑ کر کہا کہ اگر زندگی چاہتی ہو تو میرے ساتھ چلو اور زبردستی ایک کھڑکی کے راستہ سے مجھے صدر بازار لے گیا۔ راستہ میں میں نے بندوقوں کی آوازیں سنیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سپاہی ان افسروں کا جو بھاگ کر جانا چاہتے ہیں' تعاقب کر رہے ہیں اور مار رہے ہیں۔ چند افسر مقتول بھی ہو

چکے ہیں۔

میرا ہمراہی مجھے کپتان برڈ صاحب کے بنگلہ پر لے گیا اور مجھ سے کہا کہ یہاں ایک اور میم صاحبہ ہیں' وہ تمہاری خبر داری رکھیں گی' مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بھی جھنڈے والے برج پر چلی گئیں۔ تب میں نے کہا کہ مجھے بھی وہیں پہنچا دو۔ اکثر سپاہی مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے' مگر ایک نے مجھ سے کہا چلو میں تم کو بحفاظت پہنچا دوں۔ چنانچہ اس نے اپنا قول پورا کیا۔

میں برج میں زیادہ سے زیادہ دس منٹ ٹھہری ہوں گی کہ بھاگنے کا ارادہ مصمم ہو گیا۔ تمام سپاہی مفسد ہو گئے تھے اور ان میں سے کوئی اپنے افسر کا حکم نہ مانتا تھا۔ چنانچہ جس کے جدھر سینگ سمائے' چلا گیا۔ ڈاکٹر بالفور صاحب نے مجھ پر رحم کیا اور مجھے اپنی گاڑی میں جگہ دی۔ جس قدر جلد ممکن ہوا' ہم سڑک چھوڑ کر بھاگے اور نہر کے کنارے پچیس میل تک بھاگ چلے گئے۔ پچیس میل پر ایک مقام کیا اور ایک گھنٹہ تک آرام کر کے پھر روانہ ہوئے اور ایک چوکی پر پہنچے جو اس مقام سے پانچ میل پر تھی۔ جس قدر رات باقی رہ گئی تھی' میدان میں کاٹی۔ اس مقام سے قریب ایک گاؤں تھا۔ یہاں سے نہر کا ایک ٹھیکہ دار آیا اور کہا کہ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔

صبح کو اس نے ہم لوگوں کو دور لے جا کر ایک باغ میں رکھا اور کہا دن کو یہاں رہا کرو اور رات کو غارتگروں کے خوف سے اپنے مکان میں لے جاتا تھا۔ وہاں ہم کوٹھے پر رات بسر کرتے تھے۔ چھ روز اسی طرح ہم وہاں رہے۔ چھ دن کے بعد اس کے ہمسایہ دیہاتیوں نے اس سے کہا کہ انہوں نے تجھ کو بہت روپیہ دیا ہو گا ورنہ تو کیوں ان کی اس قدر حفاظت کرتا ہے۔ پس اگر اس میں سے ہم کو بھی حصہ دے تو بہتر ہے ورنہ رات کو آ کر ہم ان سب کو مار ڈالیں گے۔ ہمارے محافظ نے یہ حال سن کر ہم سے کہا کہ اب مناسب یہ ہے کہ تم سیدھی کرنال چلی جاؤ۔ سننے میں آیا ہے کہ وہاں کچھ سرکاری فوج آ گئی ہے۔ چنانچہ راستے کی حفاظت کی غرض سے وہ کرنال تک ہمارے ساتھ گیا۔ کمانڈر انچیف صاحب نے اس کی خدمت کے عوض اس کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا۔ جولڑکا میں گود میں لائی تھی' وہ دو روز میں مر گیا۔ یہ خبر بھی سننے میں آئی کہ میری والدہ بھی بوجہ تنگی اور محنت کے جانبر نہ ہو سکی اور مر گئی۔

وہ گروہ جس کو ہم نے پیچھے چھوڑا تھا جس میں میری ہمشیرہ تھی۔ اس کے تعاقب میں مفسد آ گئے تھے' مگر وہ خدا کے فضل سے اس طرح بچ گئے کہ کبھی جھاڑیوں میں چھپتے تھے' کبھی ان جھاڑیوں میں بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے چلتے تھے۔ کانٹے جو بدن میں چبھ گئے تھے ان سے خون جاری تھا۔

آٹھویں میم صاحب کا قصہ

(سائیس کی وفاداری۔ مالیوں کی مدد۔ سب کچھ لوٹ لیا۔ زمیندار کی مدد۔ بھیک مانگ کر روٹی کھائی۔ رانی نے خاطر کی۔ جوتیاں ٹوٹ گئیں۔ زمیندار نے مدد کی۔ میلا گندہ پانی پیا۔ کرنل ریلی صاحب کا قتل)

ڈاکٹر ڈیوڈ صاحب کی میم نے بھی اپنی سختیوں اور مصیبتوں کا حال مشتہر کیا ہے جو دوسرے صاحبوں کے ساتھ دہلی سے کرنال تک بھاگنے میں انہیں جھیلنی پڑی تھیں۔

ڈاکٹر ڈیوڈ صاحب زخمی ہو گئے تو میں پیادہ پا ان سے ملنے کو دوڑی۔ قبل اس کے میں نے ان سے کہلا بھیجا تھا کہ پہاڑی کے برج پر جو ایک محفوظ مقام ہے' چلے آئیں۔ چیل صاحب کی میم جو اس مصیبت میں میری شریک تھیں' ایک دوست کی مہربانی سے ان کو بگھی پر جگہ ملی۔ میں بھی ان کے ساتھ سوار ہو گئی۔ جب میں ڈیوڈ صاحب کے پاس پہنچی تو وہاں اسپتال کی ایک ڈولی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے اس خیال سے کہ ڈولی میں صاحب کو آرام ملے گا اور وہ اچھی طرح سفر کر سکیں گے' ڈولی مذکور میں ان کو سوار کرا کر اپنے ساتھ کیا۔ تھوڑی دور ہم گئے ہوں گے کہ کہاروں نے جانے سے انکار کر دیا۔ یہاں سے ان کو پالکی گاڑی میں جو ان کے ساتھ آئی تھی' سوار کرا کر کرنال روانہ کیا اور میجر پیٹرسن اور چیل صاحب کو یہاں سے رخصت کیا۔ اب ہم سب پیچھے پریڈ سے گذرے۔ راستے میں تین مرتبہ ڈاکٹر صاحب کی سواری بدلنی پڑی اور اس میں دیر لگ گئی۔ اس وجہ سے دوسری عورتوں اور انگریزوں سے ہم پیچھے رہ گئے اور ان سب کے بعد ہم دہلی سے روانہ ہوئے۔ ہم صرف دس میل طے کرنے پائے تھے کہ دیہاتی آ گئے اور ہم کو روکنا چاہا۔ اتنے میں ہمارے سائیس نے ہم سے کہا کہ اگر آپ آگے جائیں گی تو ماری جائیں گی کیونکہ دیہاتی راستے میں آپ کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ یہاں بھی ہم کو مشکل نظر آتی تھی کیونکہ ہمارے گھوڑے انہوں نے پکڑ لئے تھے اور ننگی تلواریں سائیس کے سر پر تنی ہوئی تھیں اور آگے کا بھی خوف تھا۔ القصہ ان سے تو کسی طرح بچ گئے مگر اب ارادہ کیا کہ کمپنی باغ کو واپس چلیں اور وہاں دوسرے روز تک پوشیدہ رہیں۔ چنانچہ یہی کیا اور مالیوں نے ہم سے اقرار کر لیا کہ ہم تم کو پناہ دیں گے۔ بہت دیر کے بعد ایک گروہ لاٹھیاں لے کر ہمارے پاس آیا اور کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے' دے دو۔ ان کا مقابلہ بے فائدہ تھا کیونکہ ہم صرف دو بیکس عورتیں اور وہ پورا گروہ کا گروہ وحشیوں کا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو ایسا شدید زخم لگا تھا کہ وہ اٹھنا تو درکنار' بات بھی نہ کر سکتے تھے۔

ہم دونوں کے پاس ایک ایک صندوق زیور اور جواہر کا تھا۔ اس کے علاوہ میرے پاس سو روپیہ نقد بھی تھا جس کو بچانے کے خیال سے ساتھ لائے تھے۔ اب یہ خیال فضول تھا۔ انہوں نے سب چھین لیا۔ اس کے علاوہ چیل صاحب کی میم کا گون' ٹوپی' پہننے کے کپڑے اور دو خون آلود چادریں بھی لے لیں۔ بگھی بھی توڑ ڈالی اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنی راہ لی۔ ان کے بعد بھی کئی مرتبہ لٹیرے آئے اور اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک اچھی طرح یہ نہ دیکھ لیا کہ ہم بالکل مفلس اور فقیر ہو گئے ہیں۔

اب ہمارے پاس ایک حبہ باقی نہ تھا۔ رات کو قریب ایک بجے میں اور چیل صاحب کی میم ڈاکٹر صاحب کو ایک درخت کے نیچے چھوڑ کر کسی گاؤں کی تلاش میں نکلیں۔ بڑی کوشش اور ترغیب کے بعد ایک زمیندار ہم کو اپنے ساتھ لے گیا۔ رہنے کو مکان اور کھانے کو دودھ روٹی دی۔ اسی روز شام کو ہم کرنال روانہ ہو گئے۔ اسی طرح رات ہی رات میں سات سات میل ہم بدقت طے کرتے تھے کیونکہ ایک زخمی بھی ہمارے ساتھ تھا۔ گاؤں گاؤں سے روٹی مانگ کر کھاتے تھے اور زمین پر سو رہتے تھے۔ بعض مقامات پر لوگ مہربانی سے پیش آتے تھے' مگر اکثر مقاموں پر لوگ طعنہ دیتے تھے اور بری

طرح سے پیش آتے تھے یہاں تک کہ سخت دھوپ کے وقت کوئی سائے میں بھی ہم کو بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ اسی طرح ہم نے چھ دن ہزار مصیبت کاٹے۔ اس میں دن کو تو کسی درخت یا پل کے نیچے دھوپ کے وقت رہتے تھے۔ ہر وقت جان کا خوف لگا رہتا تھا۔ پانی بھی نہ ملتا تھا مگر اس بات سے ایک گونہ تشفی ہوتی تھی کہ بادشاہ کے سپاہیوں کے ہاتھ سے شاید بچ جائیں گے۔

چھٹے دن مقام بال گڈھ میں وارد ہوئے۔ یہ گاؤں رانی منگلا دیبی کا ہے۔ یہاں رانی صاحب نے ہماری بہت خاطر مدارات کی اور کہا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے' مگر دوسرے دن یہ امیدیں برباد ہو گئیں کیونکہ رانی کے آدمی ہمارے ساتھ یہ مہربانی دیکھ کر ناراض ہو گئے اور انہوں نے رانی کو دھمکایا کہ اگر تم ان کو یہاں سے نہ روانہ کرو گی تو ہم تمہارا گاؤں لوٹ لیں گے۔ یہ بات ہمارے واسطے بے انتہا افسوسناک اور رنج دہ تھی' مگر کوئی علاج نہ تھا۔ ناچار یہ تجویز ہوئی کہ رات کو یہاں سے روانہ ہونا چاہئے۔ اس عرصہ میں اطمینان کی ایک صورت اور پیدا ہوئی یعنی اتفاقاً میجر پیٹرسن صاحب مجروح اور پیروں میں چھالے پڑے ہوئے لنگی باندھے ہوئے آپہنچے۔ موصوف تمام راستہ ہمارا پتہ لگاتے ہوئے چلے آتے تھے۔ یہ ملاقات اگرچہ بہت غنیمت تھی' مگر رنج بھی زیادہ ہوا کہ ہم سے ذی رتبہ آدمیوں کے پاس کپڑے تک پہننے کو نہ ہیں اور ہندوستانی کپڑوں میں بسر کریں۔

آفتاب ڈوبنے کے بعد ہم گاؤں سے نکالے گئے اور سڑک کا رستہ چھوڑ کر دو تین گاؤں طے کئے۔ اسی فکر و تردد میں ہم اس قدر تھک گئے تھے کہ آخر بمنت و خوشامد ایک زمیندار سے کہا کہ ہم کو کہیں بیٹھنے دو اور کچھ کھانے کو لا دو۔ کل یہاں سے چلے جائیں گے۔ اس زمیندار نے ہماری بڑی خاطر کی۔ کھانا بھی بافراط لایا اور سونے کے لئے چارپائیاں بھی دیں۔ دوسرے روز صبح چار بجے ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ایک گاؤں والے نے ایک چارپائی اور کہار میرے شوہر کے واسطے دیئے۔ میری جوتی گھس گئی تھی۔ میجر پیٹرسن کی جوتی بھی پھٹ پھٹا کر غائب ہو گئی تھی۔ میں اس حالت میں گرم ریت اور خاردار میدانوں میں ننگے پاؤں چلتی تھی۔ الغرض ہم تھانہ کولی کے قریب پہنچے۔ یہاں ہمارے ساتھ نہایت مہربانی اور رعایت کے ساتھ لوگ پیش آئے۔ ایک آدمی نے ہمارے حال پر رحم کھا کر ہمارے واسطے نہایت مزیدار کڑھی پکائی۔ دوسری صبح کو ہماری سواری کے واسطے دو گھوڑے' ایک خچر اور ایک گدھا تحصیل کسوتی تک جانے کے لئے دیا۔ وہاں پہنچ کر ہمیں اطمینان ہوا اور ہم سمجھے کہ اب محفوظ ہیں۔ دوسرے روز کرنال سے ہمارے واسطے شکرم آئی اور مہاراجہ پٹیالہ کے سپاہی حفاظت کے واسطے ساتھ آئے۔ ہم سب وہاں سے روانہ ہو کر بتاریخ ۲۰ مئی کرنال پہنچے۔ یہاں پہنچ کر ہم سیدھے رگمی صاحب کے مکان پر گئے اور سچ یہ ہے کہ انہوں نے ہم فقیروں اور پناہ گیروں کے ساتھ ایسا عمدہ سلوک کیا جو ایک حقیقی اور اصلی عیسائی کے لئے لازم ہے۔ ہمیں انہوں نے اس قدر آرام پہنچایا کہ ان کا احسان ہم کبھی نہ بھولیں گے۔ ایک ہفتے سے زائد ہم کرنال میں ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد پھر سفر شروع کیا۔ کرنال سے انبالے گئے اور انبالے سے ڈاک کارٹ پر سوار ہو کر انکا پہنچے۔ راستہ میں اکثر گاڑی سے اتر کر خود گرم ریت میں گاڑی کھینچنی پڑتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے زخم کو بھی ہم نے خود گیارہ دن تک دھویا اور باندھا۔ زخم اس قدر خراب اور شدید آیا تھا کہ گولی سے دانتوں کے جبڑے اڑ گئے تھے۔ گیارہ روز کے بعد ایک ڈاکٹر صاحب نے ان کا زخم ملاحظہ فرمایا تھا۔

ہماری مفروری نہایت خراب تھی۔ ہم نے اس بھاگڑ میں بڑی سختیاں جھیلیں اور نہایت سخت کریہہ بلکہ آدمیت سے خارج طعنے سہنے پڑے۔ جس قدر سامان تھا سب لٹ گیا۔ ہمارے اور چپل صاحب کی میم کے پاس از قسم جواہرات بہت سی بیش بہا چیزیں تھیں۔ کچھ ہم نے خود خریدی تھیں کچھ دوستوں نے تحفتاً نذر کیے تھے لیکن ان نالائق غارت گروں نے کچھ بھی خیال نہ کیا اور سب لوٹ لے گئے۔ ہم نے پانی کی طرف سے بھی سخت مصیبت اٹھائی۔ پیدل چلنے کی وجہ سے ہمیں پیاس بہت لگتی تھی اور جب پانی ہمارے پاس ختم ہو جاتا تھا تو ناچار جھیلوں اور تالابوں کا میلا اور کیڑے پڑا ہوا پانی پینا پڑتا تھا۔ کنوؤں سے کھینچ کر پیتے تھے۔ اگرچہ کھاری ہوتا تھا مگر مجبوراً پینا پڑتا تھا۔ یہاں میں یہ بھی بیان کر دینا چاہتی ہوں کہ کرنل ریلی صاحب کی ڈولی ہم سے آگے آگے جاتی تھی لیکن وہ کہاں رکھ دی گئی ہمیں معلوم نہیں۔ ہماری قدرت سے باہر تھا ورنہ ہم کوشش کر کے ان کو اپنے ساتھ لے لیتے اور تنہا ان کو قتل ہونے کے لئے نہ چھوڑتے۔

نویں موہن لال کا قصہ

(ہاجس صاحب کو پناہ دی۔ ہاجس صاحب نے راز کھول دیا۔ ہاجس صاحب مارے گئے۔ بالا گڑھ میں قید ہوا۔ بھاگ کر بلند شہر گیا۔)

موہن لال جس نے کابل میں سرکاری خدمت کی تھی دہلی میں موجود تھا۔ جب وہاں فساد شروع ہوا فسادیوں سے بچ کر وہ ولی داد خاں کے ہاں پناہ گیر ہوا مگر ولی داد خاں نے اس کو بالا گڑھ کے قلعہ میں بیالیس دن تک قید رکھا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے بھاگ کر اگست کے پہلے ہفتہ میں میرٹھ پہنچا۔ وہ اپنا حال ایک خط میں جو ہاجس صاحب کے بیٹے کے نام لکھا تھا اس طرح بیان کرتا ہے:

ہاجس صاحب سنیچر کے روز ۱۰ مئی کو صبح کے وقت دہلی پہنچ گئے۔ ہم دونوں مل کر بہت خوش ہوئے اور ان چیزوں کے روانہ کرنے کی تدبیر کی جو ہم نے راجہ صاحب کے واسطے خریدی تھیں۔ شام کے وقت میں ان کو اپنی گاڑی میں سوار کرا کر شہر کی عالیشان عمارات دکھانے کی غرض سے لے گیا۔ رات ہم نے نہایت خوشی اور مسرت سے بسر کی۔ تمہاری اور ہنری کی تعلیم کا اکثر ذکر رہا کہ باوجود مصروفی کے کس خوبی سے اپنے دفتر کا کام انجام ہوتا ہے۔

۱۱ مئی کی منحوس صبح نمودار ہوئی۔ اتوار کی صبح تک ہر طرح شہر میں امن وامان تھا۔ فساد کی کوئی علامت معلوم نہیں ہوتی تھی۔ کلکتہ کے اخبارات بھی ہمارے پاس آئے۔ یکا یک یہ خبر وحشت اثر سن کر یاس کی حالت طاری ہوئی کہ میرٹھ کے مفسد یہاں بھی آ پہنچے اور نہایت بے رحمی سے قتل وغارت اور عیسائیوں کے مکانات جلانے شروع کر دیے ہیں۔ سواروں کے بعد پیادہ سپاہ بھی آ گئی اور دہلی کی فوج میں شامل ہو کر ان کے ساتھ قتل وخونریزی کرنے لگی۔ جب وہ دن یاد آتا ہے تو میرے جسم پر لرزہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ قریب دو بجے دن کے چار سپاہی مع بندوقوں کے میرے دروازے کے

سامنے آ کر کھڑے ہوئے۔ گو دروازہ بند تھا مگر چونکہ ان کو شہر کے بدمعاشوں نے ترغیب دی تھی۔ اس لئے انہوں نے بدزبانی شروع کر دی اور کہا کہ یہ مکان ایک عیسائی کا ہے۔ کل یہاں ایک فرنگی آ کر ٹھہرا ہے۔ ہم مالک مکان اور نو وارد فرنگی دونوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ ہمارے نوکروں اور محلہ والوں نے کہا کہ یہ گھر کسی عیسائی کا نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی فرنگی ٹھہرا ہے۔ بہت سی عاجزی اور خوشامد اور کچھ روپیہ دینے کے بعد اس روز تو وہ شریر چلے گئے۔

جس وقت تک یہ تکرار ہوتی رہی اور وہ سپاہی چلے نہ گئے' تمہارے والد اور میں ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں جس کے اندر جلانے کی لکڑیاں رکھی ہوئی تھیں' چھپے بیٹھے رہے۔ رات کو ہاجس صاحب کو تمہارے چچا کے گھر میں اس خیال سے بجوا دیا کہ اگر وہ سپاہی دوبارہ آئیں اور مکان کے اندر زبردستی گھس آئیں تو صاحب کو نہ پائیں۔

۱۲ مئی کو شہر کے بدمعاشوں سے مفسدین نے میرے تعلق سرکاری کا حال سن کر پھر حملہ کیا۔ پہلے قرب و جوار کی دکانوں کو لوٹا۔ پھر زبردستی میرے گھر میں گھس آئے۔ سب مال اسباب لوٹ لیا اور مجھ کو گرفتار کر لیا اور کہا کہ تو انگلستان جانے کی وجہ سے ہندو نہیں رہا اور اپنی لڑکی کو ولایت تعلیم کے لئے بھیجنے اور ہاجس صاحب کی رشتہ داری کی وجہ سے تو مسلمان بھی نہیں۔ اس کے علاوہ تو گورنمنٹ انگلشیہ کا جاسوس بھی ہے۔ اسی واسطے تجھے ایک بڑی مقدار میں پنشن ملتی ہے' اس لئے ہم تجھے مار ڈالیں گے۔ یہاں تک کہ ایک نے بندوق کی نال میرے سینہ پر رکھ دی مگر عورتوں کی گریہ وزاری اور عاجزی و خوشامد نیز ہندو مسلمان ہمسایوں کے سمجھانے بجھانے سے کوتوال شہر نے جو اس وقت اتفاقاً ادھر سے گذر رہا تھا' میرے قتل کو ملتوی کر دیا اور کہا کہ تحقیقات کرنے کے بعد ماریں گے۔

اس واقعہ کے بعد میں روپوش ہو گیا۔ کبھی کہیں رہتا۔ کبھی کہیں۔ ہاجس صاحب بھی چچا کے گھر سے میری خالہ کے مکان میں چلے گئے اور وہاں چند روز رہے۔ اب لوگوں کو شک ہوا کہ ہاجس صاحب وہاں روپوش ہیں۔ چنانچہ ہاجس صاحب اور ہم سب کی صلاح ہوئی کہ قسمت آزمائی کیجئے اور یہاں سے بھاگ چلنا اس سے بہتر ہے کہ گھر میں گرفتار ہو کر قتل کر دیئے جائیں۔

چنانچہ رات کے آٹھ بجے لباس تبدیل کر کے صاحب اس ارادے سے روانہ ہوئے کہ لاہوری دروازہ سے کسی طرح باہر ہو کر کرنال روانہ ہو جائیں' مگر ان کا رہبر بیان کرتا ہے کہ بدقسمتی سے مفسدین ان کے اوضاع و اطوار سے ان کو پہچان گئے اور گرفتار کر لیا۔ گفتگو کے بعد سارا راز کھل گیا کہ وہ ہندوستانی لباس میں انگریز ہیں۔ آخر کار ہاجس صاحب نے قبول کیا کہ وہ کون ہیں اور کس واسطے کس کے پاس آئے تھے۔ اسی سلسلے میں صاحب موصوف نے میرا نام بھی بتلا دیا۔

الغرض صاحب موصوف کو تو وہیں قتل کر ڈالا اور اب میرے در پے تلاش ہوئے۔

میرے چند دوستوں نے خضر سلطان شہزادے سے سفارش کر کے اجازت حاصل کرائی کہ میں تعلقہ دار ولی داد خاں کے ہمراہ چلا جاؤں۔ ولی داد خاں بالا گڑھ کا تعلقہ دار تھا۔ بالا گڈھ بلند شہر سے دو میل پر واقع ہے۔ خان مذکور گورنمنٹ کا پنشن خوار اور نمک حلال رعایا میں سے تھا اور ۱۰ جون تک وفادار رہا۔

ولی داد خاں کے ہاں کی سواریاں بھی دہلی سے جا رہی تھیں۔ میں بھی ان ہی کے ساتھ ایک علیحدہ پالکی میں بیٹھ کر شہر سے نکلا۔ خان مذکور نے دہلی میں مجھ سے اقرار کیا تھا کہ وہ مجھ کو آگرہ تک پہنچا دیں گے اور ہمیشہ سرکار کے خیر خواہ

رہیں گے' مگر چند مقامات کی بدانتظامی کا حال سن کر بے وقوف منحرف ہو گیا اور مجھ کو قید کر لیا۔

اگرچہ میں نہایت پریشان اور مغموم تھا۔ مگر ہر وقت اسی فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح اس دغاباز کی قید سے رہائی ملے۔ راؤ گلاب سنگھ سرکار کا خیرخواہ اور ایک متمول تعلقہ دار گوجر تھا۔ وہ ولی داد خاں کا بھی دوست تھا۔ میں نے اس کو لکھ بھیجا کہ آپ ولی داد خاں کے پاس سے مجھے اپنے پاس بلا لیں۔ راؤ صاحب موصوف نے از راہ مہربانی اپنے دیوان کو خان مذکور کے پاس بھیجا کہ براہ عنایت وہ مجھ کو اس کے حوالہ کر دیں' مگر اس نے منظور نہ کیا۔

اس کے بعد میں نے ایک اور دوست کو آگرہ میں لکھا کہ تم تیں سپاہی ملازم رکھ کر بالا گڈھ آؤ اور مجھ کو خفیہ قید سے چھڑا لے جاؤ' مگر ان کے پاس روپیہ نہ تھا اور نہ سپاہی میسر آئے۔ اس وجہ سے وہ بھی کچھ امداد نہ دے سکے۔

اب کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ صرف خدا پر نظر تھی جس نے اس وقت تک جان بچائی ہے وہی آئندہ بھی حفاظت کرے گا۔

۲۹ جولائی کو تھوڑی سی گورہ فوج کے سپاہی آئے اور مفسد مذکور کی فوج کو ہاپوڑ میں شکست دی۔ اس شکست سے قلعہ میں اس قدر خوف و ہراس پیدا ہوا کہ سب کے حواس باختہ ہو گئے۔ میں ۳۰ تاریخ کو علی الصباح قید خانے سے نکل کر بلند شہر بھاگ گیا۔

چند روز کے بعد لیٹ صاحب نے (جن سے مجھ سے پہلے ملاقات ہو چکی تھی) میرے بھاگنے کا حال سن کر صاحب موصوف اور ڈنلاپ صاحب مجسٹریٹ میرٹھ نے تلطف آمیز ایک چٹھی لکھ کر اور کچھ سوار ولسن صاحب کے رسالے کے میرے لینے کو بھیجے۔

میرٹھ میں ولیم صاحب نے مجھ پر بڑی مہربانی کی اور بیحد خاطر داری سے پیش آئے۔ صاحب موصوف نہایت خلیق اور رحم دل افسر ہیں۔

صاحب موصوف کے ارشاد کے مطابق میں نے قلعہ مالا گڑھ کا نقشہ اور مفسدین کے حالات لکھ کر ان کے حوالہ کیئے۔

دسویں میم صاحب کا قصہ

(عیسائیوں کو کھانا پانی نہیں دیا۔ معصوم بچوں کو ذبح کر دیا۔ عورتوں کو مار ڈالا۔)

ایک میم جو سکندر صاحب کے خاندان سے ہندوستانی لباس پہن کر میرٹھ چلی گئی تھیں۔ وہ دہلی کے فساد کا حال اس طرح بیان کرتی ہیں:

دریا گنج میں جس قدر عیسائی رہتے تھے' وہ سب فساد کے روز ایک کوٹھے پر جمع ہوئے اور تین چار دن تک وہاں

قائم رہے۔ جب سپاہیوں نے دیکھا کہ بندوق کے زور سے وہ اس مقام سے نہیں اتریں گے تو ایک توپچی توپ لائے۔ اس کے ایک گولے سے سب کنڈکٹر اشل صاحب جاں بحق تسلیم ہوئے۔ جب تک یہ لوگ کوٹھے پر رہے کھانے پینے کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں پہنچی۔ غریب معصوم ننھے ننھے بچے بھوک پیاس سے بلک رہے تھے۔ ان کمبخت سنگدلوں نے لڑکوں سے کہا کہ اگر تم نیچے اتر آؤ تو ہم تمہیں کھانا پانی سب پہنچا دیں گے' مگر جب وہ معصوم بچے نیچے اترے تو فوراً قتل کا اشارہ کیا اور سب معصوموں کو ذبح کر ڈالا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد قتل عام شروع ہو گیا۔ اس ہنگامہ میں جو لوگ قتل ہوئے' ان میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں:

میگزین کے تین کنڈکٹر مع عیال و اطفال۔ مسز پرایس صاحب مع عیال و اطفال اور دو نواسوں کے۔ مسز ریلی مع دو بچوں کے۔ آبوس صاحب کی میم وغیرہ۔

روڈ صاحب مصور اپنے بھاگنے اور چھپنے کے سفر کا حال جس عرصہ میں وہ دہلی سے آگرہ تک پہنچے تھے' اس طرح بیان کرتے ہیں:

گیارہویں انگریز کا قصہ

(ہمایوں کے مقبرے میں ہزاروں مزدور کام کر رہے تھے۔ فرید آباد میں پناہ لی۔ رعیہ بلب گڑھ نے مدد کی۔ روپے دیئے۔ گھوڑے دیئے۔)

میں جی لول صاحب ریلوے انجینئر اور ایچ اسپنسر صاحب اور کمنگ صاحب (یہ بھی ریلوے انجینئر تھے) کے بنگلے پر رہتا تھا۔ یہ بے حد خلیق اور مہمان نواز ہیں۔ ان کا بنگلہ دہلی سے دو میل پر جنوب کی طرف واقع ہے۔

صبح نو بجے کے قریب ہم نے فساد کی خبر سنی۔ دس بجے دو گھوڑے سوار بغیر گھوڑوں کے ہمارے دروازے پر آئے۔ ٹھیک بارہ بجے گھر لوٹا اور پانچ انگریز وہاں مارے گئے۔ چھاؤنی اور شہر کے تمام بنگلے اس روز دن بھر جلتے رہے۔ جس دن ہم نے شہر چھوڑا' دو بجے کے قریب نہایت خوفناک اور وحشت انگیز خبریں مشہور ہوئیں۔ ہم نے احتیاط کو عین شجاعت سمجھ کر تھوڑا سا ضروری اسباب اکٹھا کیا اور بابو کو حکم دیا کہ نوکروں کو سامان کے ساتھ روانہ کر دے۔ اس کے بعد ہم بھی روانہ ہو گئے اور آہستہ آہستہ پکی سڑک کے کنارے کنارے چلے۔ ہمایوں کے مقبرے میں ڈیڑھ سو سوار مفرورین کی گرفتاری کے لیے مقیم تھے۔ ان سے بچ کر آگے بڑھے۔ چونکہ ہزاروں مزدور وہاں کام کر رہے تھے' اس لیے مفسدوں نے ہم کو نہیں دیکھا۔ جب ہم بٹلر صاحب کے بنگلے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ صاحب موصوف ابھی تھوڑی دیر ہوئی' چلے گئے۔ کچھ دیر ہم اس بنگلے میں ٹھہرے۔ وہیں ہم نے میگزین کا اڑنا دیکھا۔ اس کے بعد بنگلہ سے روانہ ہوئے اور چار میل پر بٹلر صاحب کو جا لیا۔ وہاں ایک بنگلہ تھا۔ اس میں اترے' کھانا کھایا اور پھر روانہ ہو کر فرید آباد جو یہاں سے چھ میل پر تھا' پہنچ

گئے۔

یہاں ہم نے مقام کیا۔ چائے پی اور بہت ہوشیاری سے رہے۔ آدھی رات کے قریب بلب گڑھ کا راجہ ہمارے پاس آیا اور کہا کہ پچاس سوار تمہاری تلاش میں آئے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے خدمتگاروں کا لباس پہن لو اور جلدی میرے قلعہ میں آ جاؤ۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے قلعہ میں گیا تاکہ وہاں کوئی فساد برپا نہ ہو۔ راجہ نے بلب گڑھ پہنچ کر ایک سوار بھیجا کہ ہم کو لے جائے' چنانچہ ہم قلعہ میں پہنچے۔ راجہ صاحب نے ہمیں ایک مکان میں مخفی رکھا۔ ہم وہاں پہنچے ہی تھے کہ وہ پچاس سوار بھی آ پہنچے' مگر ان سے راجہ صاحب کے آدمیوں نے کہہ دیا کہ صاحب لوگ آگے بڑھ گئے۔ وہ تو یہ سن کر آگے روانہ ہو گئے اور ہم ایک خیمہ لے کر دوسرے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے جو بلب گڑھ سے چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ ہماری حفاظت کے واسطے راجہ کا ایک رسالہ ہمارے ہمراہ تھا۔ اس گاؤں میں پانچ دن تک ایک چھوٹے سے مکان کے کوٹھے پر رہے۔ پانچ روز کے بعد وہاں سے بھی راجہ صاحب کے مرسلہ اونٹ پر راجہ صاحب کے معتمد کے ساتھ متھرا روانہ ہوئے۔ راستے میں ہر گاؤں سے بچتے چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں میں پہنچے جس کا نام اروان تھا۔ شتربان ہم کو سیدھا وہیں لے گیا' مگر اتفاق سے راستہ جھگڑے سے رکا ہوا تھا' اس لئے ہم اس راستے سے واپس آئے۔ چار اونٹ تو واپس آئے' مگر ایک جس پر بین صاحب تھے' پیچھے رہ گیا۔ ہم ان کے انتظار میں گاؤں کے باہر ٹھہرے رہے اور گاؤں والے ہمارے گردو پیش مسلح کھڑے تھے۔ اتنے میں بندوق کی دو آوازیں آئیں۔ آواز سنتے ہی ہم سب وہاں سے بھاگے۔ پہلا اونٹ جس پر بول صاحب سوار تھے' وہ تو اچھی طرح باہر نکل گیا۔ دوسرا جس پر اسپنسر صاحب تھے' گر پڑا اور اٹھ کر بھاگ گیا۔ ہمارا اونٹ بھی زمین پر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ جو اس کے قریب جاتا تھا' اس کو کاٹنے دوڑتا تھا۔ ناچار اس کو وہیں چھوڑا۔ اسپنسر صاحب اور کنگ صاحب تو راستہ چھوڑ کر بھاگے اور بٹلر صاحب راستہ پر بھاگتے رہے۔ مفسدین نے ہم کو دور سے مارنا شروع کیا۔ چونکہ صبح ہونے والی تھی ہم مفسدین کے مقابلہ پر آمادہ ہوئے۔ انہوں نے ہم کو گھیر لیا تو بٹلر صاحب نے مصالحت کر لی۔ مفسدین نے کہا کہ اگر تم اپنی بندوقیں دے دو تو ہم تم کو تکلیف نہ دیں گے۔ اس اقرار پر اپنی بندوقیں ہم نے ان کے حوالہ کر دیں۔ مگر یہ معاملہ ہو ہی رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے میرے شانے پر زور سے لکڑی ماری۔ میں نے بھی لوٹ کر اپنی رائفل کا کندہ اس کے جڑ دیا۔ جب ہم اپنی بندوقیں دے کر گاؤں کو واپس آتے تھے' اس وقت بٹلر صاحب نے اپنا پستول اس آدمی سے چھین کر جس کو انہوں نے دیا تھا' واپس راستہ کی راہ لی۔ اس عرصہ میں ایک شخص نے میرے سر پر تلوار ماری۔ میں نے کہا بس جو کچھ میرے پاس ہے لے لو۔ چنانچہ ڈیڑھ سو روپے میرے پاس تھے' وہ میں نے اس کو دے دیئے۔ روپے کی تقسیم میں باہم ان میں تکرار ہونے لگی۔ میں نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو بٹلر صاحب رفو چکر ہو گئے تھے اور کوئی ان کے تعاقب میں نہ تھا۔ اس عرصے میں پھر ایک شخص دوڑ کر آیا اور بڑے زور سے تلوار میرے سر پر ماری جس کے صدمہ سے میں زمین پر گر پڑا' مگر تلوار کند تھی اس لئے زخم نہ آیا۔ میں نے زمین پر گر کر دم سادھ لیا اور اوندھے منہ سینے کے بل پڑا رہا' جس سے وہ سمجھے کہ مر گیا۔ ان لوگوں نے میرے کپڑے' جوتے اور سگریٹ بکس سب کچھ اتار لیا اور آپس میں تکرار کرنے لگے۔ سگریٹ بکس میں تین روپے تھے۔ ایک نے کہا کہ یہ میں لوں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں لوں گا۔ اسباب تقسیم کرنے کے بعد وہ میرے اردگرد کھڑے ہوئے اور تھوڑی دیر تک بطور نوحہ اور مرثیہ کے

گاتے رہے۔ کبھی کبھی مجھے لات بھی مار دیتے تھے۔ ایک نے اس خیال سے کہ دیکھیں مر گیا یا ابھی زندہ ہے' میری گردن پر پاؤں رکھا اور اٹھا کر زمین پر پٹک مارا' مگر میں نے بھی ایسا دم سادھا کہ ان کو نہ معلوم ہو سکا کہ میں زندہ ہوں۔ پتھر کی طرح میں نے اپنا جسم سخت کر لیا۔ ایک شخص نے پھر میری گردن کے نیچے پیر ڈال کر مجھ کو سیدھا کیا اور میرے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ اس وقت میں نے سانس لینا بالکل بند کر دیا اور جب اس کا ہاتھ میرے دل پر آیا' میں نے دم نہیں لیا۔ اس کے بعد کچھ شور و غل ہوا' مگر میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو میں نے ایک آنکھ چپکے سے کھولی تو مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ اس وقت میں اٹھا' مگر خون چونکہ بہت نکل گیا تھا' میں کمزور ہو گیا تھا اور بمشکل چل سکتا تھا' مگر ناچار افتاں و خیزاں بھاگا ہی تھا کہ ایک مسلح آدمیوں کا گروہ نظر پڑا۔ وہ آپس میں کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر اشارے سے انہوں نے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ان میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور میری التجا اور خواہش سے ایک کنوئیں پر مجھ کو لے گیا۔ وہاں میں نے پانی پیا۔ اسی آدمی نے مجھ کو ایک سیدھا اور صاف راستہ بتلایا جس میں جھاڑ جھنکاڑ اور کانٹے وغیرہ نہ تھے' اس لئے کہ میرے پاؤں میں جوتے نہ تھے اور کانٹے دار راستہ میں میرا چلنا بہت دشوار تھا۔ راستہ بتا کر خود بھی میرے ساتھ چلا اور کہا کہ اپنے خون آلودہ کپڑے دے دو' میں ان کو دھلا دوں۔ اس حیلے سے اس نے میری واسکٹ جس میں عقیق کے بٹن اور سونے کی زنجیر لگی ہوئی تھی' اتروالی اور چاہا کہ مجھے مارے' مگر میں نے اس کے ذہن نشین کر دیا کہ اگرچہ میں زخمی ہوں مگر مقابلہ کر سکتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اس کو زمین پر دے مارا اور آگے بڑھا' مگر دھوپ کی تیزی کی وجہ سے مجھ میں تاب نہ تھی۔ میں نے قمیص ہندوستانی کپڑوں کے نیچے سے نکال کر سر پر رکھی اور اس طرح دو ایک میل چلا تھا کہ دو یا تین آدمی لٹھ لئے ہوئے میرے پاس آئے اور مجھے دھمکانے لگے۔ میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ اگر تم مار ڈالو گے تو تم کو کچھ نہ ملے گا۔ اس لئے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے' لیکن اگر تم مجھ کو بلب گڑھ پہنچا دو گے تو سو روپے دوں گا اور اگر آگرے پہنچا دو گے تو تین سو روپے دوں گا۔ یہ سن کر انہوں نے تھوڑا سا پانی پلایا اور چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ایک نہایت وحشت ناک آدمی کھیتوں میں سے دوڑتا اور شور و غل کرتا میری طرف آیا۔ میں اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے میرے سر سے قمیص اتار لی اور مارنے کو تھا کہ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا کہ میرے پاس ایک کوڑی نہیں ہے' مگر میں بلب گڑھ تک کے سو روپے اور آگرہ تک لے جانے کے تین سو روپے دے سکتا ہوں۔ مگر اس کو اس بات کا یقین نہ آیا کہ راجہ بلب گڑھ ہمارا دوست ہے۔ اس اثنا میں اور گاؤں والے بھی آئے اور انہوں نے کہا کہ دو انگریز دوسرے گاؤں میں جو یہاں سے قریب ہے آئے ہوئے ہیں۔ ان آدمیوں نے مجھے پانی بھی پلایا اور اس گاؤں میں پہنچا دیا۔ وہاں اسپنسر صاحب اور کنگ صاحب موجود تھے اور خدا کے فضل سے ان کو راستہ میں کوئی مفسد بھی نہیں ملا تھا۔ ان دونوں صاحبوں سے مل کر میں بہت خوش ہوا۔ سپنسر صاحب نے از راہ مہربانی میرے زخم دھوئے۔ دونوں صاحبوں نے گاؤں کے نمبردار سے اقرار کیا کہ اگر تم ہمیں آگرہ پہنچا دو گے تو فی کس پانسو روپے دیں گے۔ بہت قیل و قال کے بعد نمبردار نے انکار کر دیا۔ مگر ان کی بندوقیں اور تین سو روپے چھین لیے۔ اسی وقت ہمارے پاس مچل صاحب کی ایک چٹھی پہنچی۔ انہوں نے ہم کو بلایا تھا اور لکھا تھا کہ حامل رقعہ کے ساتھ چلے آؤ کہ یہ گاؤں سرکار کا خیر خواہ ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گاؤں مذکور یہاں سے دو کوس پر ہے۔ یہاں سے روانہ ہو کر ہم صاحب موصوف کے پاس پہنچے۔ وہاں سب شام تک مقیم رہے۔ ہمارے رہبر نے ہم کو صلاح دی کہ یہاں سے دوسرے گاؤں

میں جو چھ میل یہاں سے ہے چلنا چاہئے۔ کیونکہ وہ گاؤں بڑا ہے اور اس کے رہنے والے اچھی طرح ہماری حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم اس کے کہنے کے مطابق دوسرے گاؤں میں چلے گئے اور وہاں نو روز تک مقیم رہے۔ گو اس درمیان میں میواتیوں نے اس گاؤں والوں کو بہت کچھ ڈرایا دھمکایا کہ ہم تمہارے گاؤں پر حملہ کریں گے' مگر وہ کچھ خاطر میں نہ لائے۔ اس وقت ہم کو یقین ہو گیا کہ اگر ہم اس چھوٹے گاؤں میں رہتے تو سب کے سب قتل کر دیئے جاتے۔ اس کے بعد ہمیں اور زیادہ تشفی ہوئی کہ فورڈ صاحب مجسٹریٹ گوڑ گانواں نے ہوڈل کے مقام سے بھرت پور کی فوج کا ایک پیش گارد ہماری حفاظت اور ہمراہی کے لئے بھیجا اور ہم صاحب موصوف کے پاس پہنچ گئے اور وہاں ان کے پاس بہت آرام ہم کو ملا۔ وہاں بہت دنوں قیام رہا۔ دہلی کے فتح ہونے کی خبر کے منتظر رہا کرتے تھے۔ اس عرصہ میں متھرا میں بھی فساد ہو گیا اور جو سپاہی ہمارے ساتھ تھے' انہوں نے بھی فسادیوں کا ساتھ دیا اور ہم سے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ اس کے بعد ہم ہارڈی صاحب کے ہمراہ امن و امان کے ساتھ ہوڈل سے ۲۶ جون کو آگرہ چلے گئے۔

مچل صاحب نے ہوڈل سے روانہ ہونے سے قبل راجہ بلب گڑھ سے دو سو روپیہ نقد اور سواری کے واسطے گھوڑے لئے تھے' مگر سواروں کے حساب سے ایک کم تھا' مگر پھر بھی راجہ صاحب نے بہت بڑی رعایت کی تھی (اس راجہ کو فتح دہلی کے بعد پھانسی دے دی گئی۔)

بارہویں میم صاحب کا قصہ

(گود کا بچہ گولی سے مارا گیا۔ افغان جہادیوں نے مدد کی۔ ایک افغان جہادی قربان ہو گیا۔ میم صاحبہ کا افسوسناک حال۔)

۱۹ اگست کو مِسن صاحب کی میم دہلی کے فوجی کیمپ میں ایک غازی ساکن سوات کے ہمراہ آ گئیں۔ گو شہر سے دو غازی ان کے ساتھ چلے تھے' مگر ایک مفسدوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا تھا۔ میم صاحب افغان لڑکوں کی ہیئت و شکل میں بھاگی تھیں۔ میم صاحب موصوف شروع غدر دہلی یعنی ۱۱ مئی سے ۱۹ اگست تک تین مہینے قید میں رہی تھیں۔ ان کا ایک بچہ ان کی گود میں گولی سے مارا گیا تھا اور وہی گولی خود میم صاحب کے بھی لگی تھی۔ زخمی ہونے کے بعد دونوں غازیوں نے ان کی حفاظت کی تھی۔

فوجی کیمپ میں داخل ہونے سے پہلے ایک رات کی تدبیر سے میم صاحب اجمیری دروازہ سے باہر نکل کر گھاس میں چھپ رہیں۔ صبح کے وقت غازیوں میں سے ایک کو بھیجا کہ جا کر دیکھے کہ انگریزی فوج سبزی منڈی میں ہے یا نہیں۔ وہ دیکھ کر گیا اور سارا حال جا کر بیان کیا۔ میم صاحب یہ سب حال سن کر وہاں سے روانہ ہوئیں اور جس قدر چل سکیں' چل کر کیمپ میں آ گئیں۔ راستہ میں دشمن کے سنتریوں نے ایک غازی کو گولی سے مار ڈالا۔ دوسرے غازی اور میم صاحب کا بھی

تن قب کیا گیا مگر جب وہ ہماری گولی کے نشانہ پر پہنچے تو مفسدوں نے پھر آگے قدم نہیں رکھا اور عازی دیم صاحب نے بخیریت سبزی منڈی میں پہنچ کر سجدۂ شکر ادا کیا۔

میم صاحب بہت زیادہ خستہ حال تھیں۔ ہمارے اکثر سپاہی ان کا حال دیکھ کر بہت روئے۔ ان کے کولہے پر ایک زخم تھا اور ان کا انگوٹھا بالکل گھس گیا تھا' کیونکہ قید میں ان کے انگوٹھے کو باندھ کر ایک جگہ کس دیا تھا۔ ہمارے سپاہیوں نے ان کی تواضع کی۔ کوئی پانی لایا۔ کوئی رم شراب لایا۔ کوئی روٹی لایا' کوئی گوشت لایا' مگر میم صاحب نے بوجہ ضعف اور کمزوری کے کچھ کھایا نہ پیا۔ تھوڑے عرصہ تک ان کے گرد جمع رہے اور مختلف سوالات کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو دق کر دیا مگر میم صاحب نے سب کا مجمل طور پر جواب دیا۔ آخر کار کپتان ہیلی صاحب آ گئے اور ایک ڈولی منگوا کر اس میں سوار کیا اور بحفاظت تمام ان کو کیمپ میں بھیج دیا۔ وہاں ان کو ایک علیحدہ خیمہ دیا گیا اور تمام ضروریات کی چیزیں مہیا کر دی گئیں۔ شہر سے بھاگنے کے وقت ان کے پاس ایک پرانا میلا کپڑا تھا جس کو انہوں نے اپنے جسم پر لپیٹ لیا تھا۔ ایک ٹکڑا اور تھا جو ان کے سر پر لپٹا ہوا تھا۔ نہ ہاتھوں میں دستانے تھے اور نہ پاؤں میں ثابت جوتی' صرف ایک پھٹی پرانی ہندوستانی جوتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس سے زیادہ خراب خستہ حالت میں نہیں ہو سکتی تھیں۔

تیرہویں انگریز کا قصہ

(بیوی بچوں کو اکیلا چھوڑ دیا۔ ٹوٹی گاڑی کی چھت میں چھپ گیا۔ بیوی بچے مارے گئے۔ دھوبی نے مدد کی۔ ایک فقیر نے انگریز بچے کی جان بچائی۔ سو روپیہ انعام دیا' مگر فقیر نے انعام نہ لیا۔ گوشائیں نے تکلیف نہ دی۔)

جیمس مورلے صاحب جن کی ایک ہندوستانی نوکر کی مدد اور اعانت سے جان بچی تھی' وہ اپنے بھاگنے کا تعجب انگیز واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

میں اور میرے دوست ولیم کلارک صاحب دونوں ایک دو منزلہ مکان میں کشمیری دروازہ میں رہتے تھے۔ ہم دونوں کی شادیاں بھی ہو گئی تھیں اور میرے بچے بھی تھے۔ کلارک صاحب کے بھی ایک لڑکا تھا اور ان کی بیوی حاملہ تھیں۔

اا مئی کو صبح نو بجے کے قریب میں دفتر جانے کے لئے تیار تھا کہ بازار میں ایک شور ہوا۔ اتنے میں میرا نوکر آیا اور اس نے کہا کہ چند رجمنٹیں اپنے انگریز افسروں کو قتل کر کے میرٹھ سے یہاں شہر میں آ گئی ہیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اب کیا کرنا چاہئے' چنانچہ بگھی بھی واپس کر دی۔ ہم دو تین گھنٹے مکان پر اور ٹھہرے رہے کہ اتنے میں ایک اور نوکر نے آ کر کہا کہ بدمعاش جمع ہو کر انگریزوں کو قتل کر رہے ہیں۔ یہ سن کر میری بیوی اور بچوں نے رونا شروع کیا۔ کچھ نوکر دروازہ پر جا کھڑے ہوئے اور ایک شخص نے ان میں سے کہا کہ چلو میرے مکان میں چل کر چھپ رہو' مگر میرا ارادہ تھا کہ میں باہر جا

کر دیکھوں کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں ایک سونٹا ہاتھ میں لے کر گلی میں گیا۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ میں اور آگے بڑھا۔ وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ آخر اس گلی کو طے کر کے دوسرے کوچہ میں گیا۔ اس میں بھی کوئی آدمی نہ تھا۔ صرف ایک بوڑھا آدمی دکان پر بیٹھا تھا۔ میں تھوڑی دیر وہاں ٹھہرا تو سیدھے ہاتھ کی طرف ایک گروہ آدمیوں کو نظر آیا' مگر مجھ سے دور تھا اور سوائے غل وشور کے اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ میں اس خیال سے کہ وہ میرے ہی مکان پر آئیں گے' وہیں تھوڑی دیر ٹھہرا رہا اور ان کو دیکھتا رہا۔ اس کے بعد ایک شور کی آواز پیچھے سے سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا تو ایک گروہ آدمیوں کا میرے دروازہ کے اندر جاتا تھا اور مجھ کو دیکھ کر چند آدمیوں کو میری طرف بھیجا۔ یہ دیکھ کر فوراً بائیں طرف بھی ایک راستہ جاتا تھا۔ میں وہاں گھس گیا' جہاں سے ایک راستہ بہت پھیر سے میرے مکان کی طرف بھی جاتا تھا۔ اس دروازہ پر چند عورتیں اور ایک یا دو مرد کھڑے تھے مگر انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ وہاں سے بھی آگے بھاگا۔ میں زیادہ دور نہ گیا تھا کہ دو آدمی اور گلی سے بھاگتے ہوئے نکلے اور میری طرف یہ کہتے ہوئے آئے کہ مارو فرنگی کو۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ دوسرے کے پاس لاٹھی تھی۔ جب وہ نزدیک آئے تو میں بھی ٹھہرا اور تلوار والے کے میں نے ایک ایسا سونٹا سر پر مارا کہ وہ زمین پر گر گیا۔ دوسرے نے میرے سر پر لاٹھی ماری' مگر میں نے سر جھکا لیا اور وہ لاٹھی میرے شانے سے چھوتی ہوئی چلی گئی۔ میں نے جوابی لاٹھی پھرائی تو اس کے زانو پر اس زور سے لگی کہ وہ بھی چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔ اس عرصہ میں لوگ وہاں جمع ہونے لگے اور میں وہاں سے بھی آگے روانہ ہو کر ایک تاجر کی دکان پر پہنچا۔ وہاں بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں اور ایک گاڑی کی چھت ٹوٹی ہوئی زمین پر پڑی تھی۔ اس میں میرے لئے کافی جگہ تھی۔ میں اس میں گھس کر بیٹھ گیا۔ اس عرصہ میں چار پانچ آدمیوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ادھر ہی کو گیا ہے۔ میں مارے ڈر اور خوف کے ذرا بھی آرام سے نہ بیٹھ سکا۔ ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد پھر وہاں کوئی نہ تھا اور نہ ادھر سے کوئی آدمی گذرا۔ اب مجھے اپنے اہل وعیال اور کلارک صاحب کے بیوی بچوں کا خیال آیا۔ میں اپنے دل میں سوچتا تھا کہ کیا وہ سب مارے گئے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اپنے دل میں کہا کہ جو کچھ ہو مجھے گھر جانا چاہئے۔ اس خیال نے مجھے دیوانہ بنا دیا۔ ابھی ان ہی توہمات میں گھرا ہوا تھا کہ دوبارہ اسی راستے میں شور وغل برپا ہوا اور ایک انبوہ کثیر شور کرتا اور انگریزوں کو گالیاں دیتا ادھر سے گذرا۔ اس عرصہ میں دو تین عورتیں گھروں سے نکل کر اس چھت کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔ ان کی گود میں ایک بچہ بھی تھا۔ بچہ اس کے نیچے (چھت) جھانکنے لگا تو کسی نے کوٹھے سے آواز دی کہ اندر آ کر دروازہ بند کر لو۔ میں وہاں بہت دیر تک چھپا رہا' کیونکہ یہ بازار بہت چلتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس میں ہر جگہ آدمی ملیں گے' مگر دوبارہ مجھے اپنے اہل وعیال کا خیال آیا اور میں نے فیصلہ کر لیا کچھ بھی ہو مجھے گھر ضرور جانا چاہئے۔ غرضیکہ میں باہر آیا اور ابھی نکلا ہی تھا کہ ایک عورت نے کہا کون ہے؟ مگر میں نے کچھ جواب نہ دیا اور وہاں سے چل دیا۔ یہ گلی بیچ شہر میں واقع نہ تھی' بلکہ شہر کی فصیل کے قریب تر تھی۔ بیشتر بقال اس میں رہتے تھے' بلکہ بنگالی رہتے تھے۔ جس قدر بدمعاش تھے وہ سب شہر لوٹنے گئے ہوئے تھے۔ مجھے اس راستہ میں صرف دو آدمی ملے اور وہ مجھے جانتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اپنے کو بچاؤ۔ قصہ مختصر یہ کہ میں اپنے مکان کے پچھواڑے تک پہنچ گیا۔ یہاں ایک باغ تھا اور ایک کھڑکی میں سے اندر گیا۔ اس وقت چار بجے تھے کیونکہ میں تمام دن اسی چھت کے نیچے چھپا رہا تھا۔ اس میں وقت گذر گیا تھا۔ وہاں بھی میں نے بندوقوں کی آوازیں سنی تھیں اور ساتھ ہی ایک بہت زور کا دھماکا اور زلزلہ سا بھی آیا' جو بعد میں معلوم ہوا

کر میگزین اڑایا گیا تھا۔

غرضیکہ میں اپنے باغ کے اندر آیا تو سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ مکان کے نزدیک پہنچا تو کرسیاں، گلاس، رکابیاں اور کتابیں ٹوٹی پھوٹی اور منتشر پھیلی ہوئی تھیں۔ کپڑوں کے بچھے جل رہے تھے۔ پہلے جدھر نوکر رہتے تھے، ادھر گیا مگر وہاں کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ گائے خانہ کی طرف کچھ رونے کی سی آواز آئی۔ میں گیا تو دیکھا کہ ہمارا قدیم دھوبی جس نے بیس برس تک ہمارے والد کی خدمت کی تھی، پڑا ہے۔ میں نے اس کا نام لے کر آواز دی تو اس نے آنکھ کھولی اور مجھ کو دیکھ کر رو رو کر کہنے لگا کہ صاحب انہوں نے سب کو مار ڈالا۔ یہ سنتے ہی مجھ پر غشی کا سا عالم طاری ہوا اور میں بیٹھ گیا۔ دھوبی سے میں نے پانی مانگا۔ اس نے اپنے گھر سے لا کر دیا۔ پانی پینے کے بعد میں نے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا اور کیونکر ہوا۔ پہلے تو وہ خوب رویا۔ پھر کہا کہ صاحب جب تم چلے گئے تو دونوں میم صاحب اور بچے ایک جگہ خوف کے مارے بیٹھ گئے کیونکہ گلی کوچوں میں بہت شور ہو رہا تھا اور بندوقوں کی آوازیں بھی آتی تھیں۔ یہ حال دیکھ کر کلارک صاحب نے اپنی شکاری بندوق نکالی اور اس کو بھرا۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ کہیں تو دروازہ بند کر لوں، مگر انہوں نے جواب دیا کہ نہیں ہم کو کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ اس کے بعد ایک بڑا سا گروہ لاٹھیاں، تلواریں اور برچھیاں لیے ہوئے احاطے کے اندر آ گیا۔ کلارک صاحب زینے پر کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان سے پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو اور کیا چاہتے ہو۔ ان لوگوں نے سوائے گالیوں کے اور کچھ جواب نہ دیا اور کہا کہ ہم ہر ایک فرنگی کو ماریں گے۔ صاحب یہ سن کر اندر چلے گئے اور دروازہ بند کیا۔ ان کے پیچھے وہ سب آدمی بھی اندر گھس آئے۔ نوکر سب بھاگ گئے۔ صرف میں رہ گیا۔ جب وہ سب اندر داخل ہو گئے تو کلارک صاحب نے کہا یہ سب چیزیں موجود ہیں لے جاؤ، مگر ہم کو نہ مارو، لیکن انہوں نے صاحب کو گالی دے کر اور ان کی میم کی طرف دیکھ کر کہا۔ کیا یہ تمہاری میم ہے؟ یہ کہہ کر خوب ہنسے اور اب انہوں نے سب اسباب کو توڑنا پھوڑنا اور لوٹنا شروع کیا۔ میری میم صاحب نے تینوں بچوں کو لے کر غسل خانے میں جا کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ کلارک صاحب میرے پیچھے بندوق لے کر کھڑے ہو گئے۔ ان لوگوں نے بندوق دیکھی تو کہا کہ یہ ہم کو دے دو۔ ان میں سے ایک شخص میم صاحب کے پاس گیا اور ان کے گالوں کو چھو کر فحش بکنے لگا۔ کلارک صاحب یہ دیکھ کر چلائے اور کہا کہ او سور اور اس کو گولی سے مار دیا اور دوسرے کو دوسری گولی سے زخمی کر کے بندوق کی نال سے مارنے لگے۔ یہ دیکھ کر میں نے سمجھا کہ اب یہ لوگ سب کو مار ڈالیں گے۔ میں بھاگ کر غسل خانہ کی طرف گیا کہ میم صاحب کو نکال لے جاؤں، مگر وہاں بھی بہت سے آدمی موجود تھے۔ انہوں نے مجھے مارا اور کہا کہ یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ ہم تجھ کو مار ڈالیں گے۔ میں مجبوراً باغ میں جا کر ایک درخت کی آڑ میں جا بیٹھا۔ وہاں سے میں نے اول بڑا شور و غل سنا۔ اس کے بعد دیکھا کہ وہ لوگ مال و اسباب نکال نکال کر چاروں طرف پھینک رہے ہیں۔ دروازوں کے شیشے بھی توڑ ڈالے اور پھر چلے گئے۔

یہ سن کر تھوڑی دیر تو مجھ پر سناٹے کا عالم طاری رہا۔ پھر میں نے اٹھ کر دھوبی سے کہا کہ چلو اندر چلیں۔ مکان میں جا کر باہر کے کمرے میں دیکھا کہ اکثر چیزیں ٹوٹی پڑی ہیں۔ میزیں کلہاڑیوں سے توڑی گئی تھیں اور سب چیزیں فرش پر بکھری پڑی تھیں۔ مربے اچار کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، بسکٹ تمام پھیلے ہوئے پڑے تھے اور برانڈی وغیرہ شراب کی بوتلیں ٹوٹی ہوئی پڑی تھیں اور ان کی بدبو سب جگہ پھیل گئی تھی۔

یہ تمام حالات میرے دل پر نقش ہیں اور ایسے موقعوں پر ہر شخص کو جو بدترین اندیشہ لگا رہتا ہے' وہی خوفناک اندیشہ اور خطرہ مجھ کو بھی تھا۔ اسی اندیشے سے میں دیر تک اس کمرے میں رہا اور ادھر اُدھر دیکھتا رہا۔ آخر کار دل کو مضبوط کر کے دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں جو کچھ نظر آیا' حقیقت میں اس کے دیکھنے کے لئے بہت مضبوط دل ہونا چاہئے۔ وہاں داخل ہوتے ہی میرا دل خوف و حقارت سے بھر گیا۔ سامنے جو نظر پڑی تو کلارک صاحب کا بیٹا دیوار پر ایک میخ سے لٹکا ہوا تھا۔ اس کا سر نیچے تھا اور خون کے فوارے جاری تھے۔ افسوس یہ دردناک اور وحشیانہ قتل انہوں نے ماں کے سامنے کیا ہو گا۔ یہ ہیبت ناک نظارہ دیکھ کر میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ جب ڈرتے ڈرتے دوبارہ میں نے آنکھیں کھولیں تو اس سے زیادہ نادیدنی اور مہیب نظارہ دیکھنا پڑا یعنی کلارک صاحب اور ان کی میم دونوں پہلو بہ پہلو پڑے تھے اور میں بیان نہ کروں گا کہ کس قدر یہ منظر وحشتناک اور پُر الم تھا' کیونکہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ کلارک صاحب کی میم حاملہ تھیں اور قریب تھا کہ ان کے اولاد پیدا ہو۔

میں چیخنے کی آواز سن کر تیسرے کمرہ میں گیا اور وہاں دیکھا کہ دھوبی غریب ہاتھ مل کر رو رہا ہے۔ وہ غسلخانہ کے دروازہ میں کھڑا تھا۔ میں دوڑ کر غسل خانہ تک گیا' مگر اندر نہ جا سکا کیونکہ وہاں وہ حال تھا کہ دشمن کو بھی دیکھنا نصیب نہ ہو۔ میں تو اس کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لا سکتا کہ کلارک صاحب کی طرح میں اپنی بیوی کو دیکھوں۔ میں بدحواس ہو کر دونوں ہاتھ زانو پر رکھ کر بیٹھ گیا۔ مجھے اس وقت رونا بھی نہیں آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل پر ایک پہاڑ قائم ہے جو آنکھوں تک آنسوؤں کو آنے نہیں دیتا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنی دیر وہاں بیٹھا رہا۔ آخر دھوبی نے آ کر کہا کہ ادھر آدمی آتے جاتے ہیں' اب یہاں رہنا مناسب نہیں ہے چنانچہ وہی پکڑ کر مجھے اپنے گھر میں لے گیا۔ اب شام ہو گئی تھی اور اندھیرا پھیل گیا تھا۔ خیال ہوا کہ شاید نوکر واپس آئیں گے' مگر مجھے اب کسی پر اعتبار نہ رہا تھا۔

دھوبی نے مجھ سے کہا کہ آج رات کو میں تم کو اپنے بھائی کے ہاں لے جاؤں گا جو شہر کی دوسری طرف رہتا ہے اور کوئی ایسی تجویز نکالوں گا کہ تم بھی کسی طرح شہر سے باہر نکل جاؤ۔ ہم اور آپ کرنال چلیں گے۔ میں اس کے گھر کے اندر جا کر لیٹ رہا اور وہ دروازہ پر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بھی نہیں گذری تھی کہ بدمعاشوں کا ایک گروہ اندر آیا اور خوب قہقہہ لگا کر ہنسے' چیخے' چلائے اور ایک کھڑکی کے راستے سے باہر چلے گئے۔ میں نے خود سنا کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ کیا خوب تماشا ہے۔

اب میرے نوکر بھی واپس آ گئے تھے اور اس واقعہ کا ذکر آپس میں کرنے لگے تھے اور مجھے اس کی بہت خوشی ہوئی کہ انہوں نے مجھ کو مقتولین میں خیال کر لیا۔ ایک شخص نے کہا کہ میم صاحب اور بچوں کا قتل بہت بری بات ہوئی۔ اب روزگار کہاں ملے گا' مگر دوسرے نے فوراً جواب دیا کہ وہ لوگ ملیچھ اور کافر تھے۔ اب شاہ دہلی ہماری پرورش کریں گے۔

میں آدھی رات کے بعد بہت آہستگی سے باغ میں گیا اور دھوبن کی کُرتی پہن کر اوڑھنی اوڑھ کر باہر نکلا اور مقام مقررہ پر پہنچ کر دھوبی سے ملا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر اپنے بھائی کے مکان پر گیا۔ راستہ میں ہر جگہ کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ میگزین کی طرف سے ایک تیز شعلہ بلند ہو رہا تھا اور فصیل کے باہر بندوقیں چل رہی تھیں۔ جب ہم اس کے بھائی کے مکان کے قریب پہنچے تو دھوبی نے کہا کہ تم چپ چاپ ایک گوشہ میں کھڑے رہو۔ میں اندر جا کر دیکھوں کہ کون کون ہیں۔

چنانچہ یہ امر میرے لئے خوش قسمتی کا باعث ہوا' کیونکہ بعد میں معلوم ہوا کہ دھوبی کا بھائی ہمارے قتل سے خوش ہوا کہ اب سب کپڑے اس کے پاس رہیں گے۔ اگر میں اندر چلا جاتا تو وہ ہرگز ہمارے بچانے کی کوشش نہ کرتا بلکہ وہ تو ہمارے قتل پر آمادہ تھا۔ میں اس گوشے میں بہت دیر تک گزارا رہا۔ اکثر آدمی ادھر سے گذرتے تھے۔ اگر ان کو ذرا بھی خبر ہو جاتی کہ ایک فرنگی ان کے قریب موجود ہے تو خدا جانے کیا کیا ذلتیں اٹھانی پڑتیں۔ میں تمام عمر شہر میں رہا ہوں۔ مجھ کو اکثر لوگ جانتے تھے اس لئے خوف تھا کہ کوئی پہچان نہ لے اور میری اوڑھنی کی بے ترتیبی سے کوئی شناخت نہ کرلے۔ اسی شش و پنج میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا۔ اب صبح ہونے لگی تھی اور اس خیال سے کہ اب پردہ کھل جائے گا اور زیادہ اندیشہ ہوا۔ آخر دھوبی نکلا۔ اس کے آگے آگے ایک بیل کپڑوں سے لدا ہوا جا رہا تھا' مگر وہ میری طرف نہ آیا بلکہ سامنے ایک دوسری گلی میں چلا گیا۔ یہ دیکھ کر مجھے افسوس ہوا کہ دیکھو یہ بھی مجھے چھوڑ چلا۔ خیر جو قسمت میں ہے وہ ہوگا' لیکن جب اس کی خدمت گزاری اور ایمانداری کا خیال آیا تو دل نے کہا کہ یہ اس وجہ سے میری طرف نہیں آیا کہ کسی کو میری طرف سے شبہ نہ ہو۔ یہاں تک کہ دھوبی دور نکل گیا۔ اس وقت میں اٹھا اور اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ آگے آگے جاتا تھا اور میں کچھ پیچھے پیچھے جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس گلی سے باہر نکل آئے جس میں اس کا بھائی رہتا تھا۔ اس کے بعد وہ ٹھہر گیا اور اشارے سے مجھ کو بلایا۔ میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ میرا بھائی بے ایمان ہے۔ وہ کبھی تم کو نہ بچاتا اور میں اس بہانے سے نکل آیا ہوں کہ ایسے وقت شہر میں رہنا مناسب نہیں ہے' جبکہ چاروں طرف شہر میں فساد برپا ہے۔ میں تو یہاں نہیں رہوں گا اور گاؤں جاتا ہوں چنانچہ ہم دونوں شہر کی فصیل سے باہر نکل گئے اور کسی نے ہم کو نہ روکا۔ ہم سڑک کے راستہ سے تین میل کے قریب گئے ہوں گے کہ دھوبی نے مشورہ دیا کہ اب کرنال جانا مناسب ہے۔ کرنال کا راستہ وہاں سے دور تھا اور ہمیں تمام شہر کا چکر کاٹ کر وہاں پہنچنا تھا۔ غرضیکہ ہم اس طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں بہت سے آدمی ملے مگر کوئی نہیں بولا۔ ہم آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور قریب شام کے کرنال کے راستہ پر پہنچے۔ یہاں معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ جو لوگ کرنال جاتے تھے' ان کی تلاشی لی جاتی تھی۔ چنانچہ مفسدین نے ہم کو گھیر لیا اور کہنے لگے یہ بوڑھا آدمی بڑا ہوشیار مال غنیمت لیے جاتا ہے۔ دھوبی نے بلا تامل ان سے کہا کہ میرا بوجھ دیکھ لو۔ جب انہوں نے دیکھ لیا اور کچھ نہ پایا تو ہم لوگوں کو چھوڑ دیا۔ اب میں نے دھوبی سے کہا کہ آئندہ اگر کوئی گروہ مفسدین کا ملے تو پہلے ہی سے کہنا چاہئے کہ جاؤ فرنگیوں کو لوٹو اور اس واقعہ (فساد و قتل و غارت) کا ذکر ہنسی مذاق سے کرنا چاہئے۔ چنانچہ آئندہ سے اس نے ایسا ہی کیا جس کی وجہ سے پھر کسی نے ہم پر شبہ نہیں کیا۔

دوسرے روز ہم بہت سویرے اندھیرے ہی سے بیل پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ تیسرے روز ہم ہندوؤں کے ایک مندر کے قریب ٹھہرے اور ایک پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ وہاں ایک بڑا تالاب تھا اور ایک گوشائیں وہاں آکر ٹھہر گیا۔ اس کے بعد دھوبی کھانا لینے گیا۔ چونکہ ہوا سرد چل رہی تھی' میں سو گیا۔ جب دھوبی کھانا لے کر واپس آیا اور مجھے جگایا تو اس سے گوشائیں نے کہا کہ میں جانتا ہوں' یہ فرنگی ہے۔ ہم نے اس کی بہت عاجزی اور خوشامد کی اور کہا کہ ہم پر رحم کرو۔ گوشائیں نے کہا جاؤ میں کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

اب میں زنانہ لباس سے تنگ آ گیا تھا اور مجھ کو اس سے شرم ہوتی تھی۔ میں نے اس خیال سے کہ اب تو دلی

سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ یہاں کون تکلیف دے گا' لباس تبدیل کریں یعنی دھوبیوں کا مردانہ لباس پہن لیا۔ راستہ میں اکثر گاؤں والے ہم کو گالیاں اور طعنے دیتے تھے' مگر کسی نے ہم کو جسمانی تکلیف نہیں دی۔

راستے میں میں نے دیکھا کہ ایک لاش تیرتی ہوئی پڑی ہے اور جب میں نے دیکھا کہ ایک گدھ بولتا ہوا اس لاش کی طرف اڑتا ہوا جا رہا ہے تو مجھے بے حد رنج ہوا۔ میں اس لاش کے پاس گیا تو ایک اور جوان العمر انگریز کی لاش اس کے برابر پڑی ہوئی تھی جس کا سن سولہ برس کے قریب تھا۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو لاٹھیوں سے مارا ہے۔ میں نے اس کو وہاں دفن کیا مگر قبر برائے نام تھی۔ تھوڑی سی ریت ادھر اُدھر سے سرکا کر لاش رکھ دی اور وہی ریت پھر اس پر ڈال کر دبا دیا۔ افسوس۔

راستہ میں میں نے سنا کہ چند انگریز آگے جا رہے ہیں' چنانچہ میں نے کوشش کی کہ ان سے جا ملوں مگر ان تک نہ پہنچ سکا۔ اس فساد سے پہلے ہی میری ٹانگ میں درد رہتا تھا۔ اب جو گرمی اور مٹی میں پیدل چلنا پڑا تو اور زیادہ ہو گیا تھا۔ اکثر بمد سے چلا نہ جاتا تھا تو میں پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر رکتا تھا' مگر چلنا ضرور تھا۔ اگر موقع نہ ہوتا تو میں کبھی ایسی تکلیف گوارا نہ کرتا' مگر جان کی حفاظت کا خیال اس قدر قوی ہوتا ہے کہ خواہ کیسا ہی سخت اور تکلیف دہ امر ہو' انسان اس کے واسطے سب جھیل لیتا ہے۔

دہلی کی روانگی کے چھ روز بعد میں کرنال پہنچا۔ وہاں مجھے آرام ملا۔ چونکہ اب جان کا فکر و اندیشہ دور ہو گیا تھا مجھے کچھ ہوش آنے لگا' مگر اس فکر سے نجات ملی تو بخار نے آ دبایا اور نوبت سرسام تک پہنچ گئی' مگر اب مجھے کچھ افاقہ ہے۔

۱۲ مئی کو ایک فقیر میرٹھ میں آیا۔ اس کے ساتھ ایک انگریز کا بچہ تھا جس کو اس نے جمنا سے ڈوبتے ہوئے نکالا تھا۔ میرٹھ آنے تک اس بچے کی وجہ سے غریب پر کئی جگہ مار پڑی اور تکلیفیں دی گئیں' مگر اس نے بچہ کسی کو نہیں دیا۔ میرٹھ میں آ کر جب حکام کے حوالے کیا تو اس خدمت و حفاظت کے معاوضہ میں اس کو ایک سو روپیہ کی گرانقدر رقم دینے لگے' مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا' مگر یہ درخواست کی کہ ایک کنواں اس کے نام سے بنوا دیا جائے تا کہ اس کا نام یادگار رہے۔

غرضیکہ اس فساد میں نہایت سخت وحشیانہ ظلم و ستم کیے گئے۔ بچے رحم مادر سے نکالے گئے۔ ننھے ننھے بچے تلوار اور نیزوں کی نوک پر اٹھا کر بازاروں میں تحریہ پھرائے گئے۔ عورتوں کو برہنہ کر کے نہایت ذلت و خواری سے قتل کیا گیا اور اسی وجہ سے خدا نے فسادیوں کو ذلیل کیا اور انگریزی حکومت پھر قائم ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

محاصرۂ غدر دہلی کے خطوط

[''محاصرۂ غدر دہلی کے خطوط'' غدر دہلی کے افسانوں کا تیسرا حصہ' جس میں ان انگریزی خطوط کا ترجمہ شائع کیا گیا ہے جو غدر دہلی ۱۸۵۷ء کے محاصرہ کے دوران میں انگریزی قوم کے افسروں نے جارج کارنک بارنس (Barnes) کو لکھے تھے۔ ان دنوں بارنس دریائے ستلج کی مغربی ریاستوں کا کمشنر تھا۔

ان مراسلات سے غدر اور محاصرہ دہلی کے حالات پر مزید روشنی پڑتی ہے اور دہلی کی تاریخ کے شائقین کو ان خطوط میں پوری دلچسپی کی کیفیت حاصل ہو سکتی ہے۔

بقول مصنف ''ان خطوط میں بظاہر کوئی خاص بات نہیں معلوم ہوتی اور غور کرنے سے خیال ہوتا ہے کہ شاید ان کے اندر کی کچھ باتیں کم کر دی گئی ہیں' یعنی اصلی قلمی خطوط میں اس مطبوعہ عبارت کے سوا کچھ اور مضمون بھی ہوگا' جو عوام کے قابل نہ سمجھ کر قلم زن کر دیا گیا۔

یہ خط ایک ہولناک وقت کی یادگار ہیں' جبکہ ۱۸۵۷ء کے غدر نے انگریزوں اور ان کی باغی فوجوں کو تہلکہ میں ڈال دیا تھا۔ یہ تہلکہ حکام انگریزی اور ان کی افواج تک محدود نہ تھا' بلکہ رعایا پر بھی اس کا اثر پڑا تھا۔ رعیت کے جو افراد غدر میں شریک ہو گئے تھے' ان کو تو یہ خوف تھا کہ دیکھیے اگر ہم کامیاب نہ ہوئے اور انگریزوں کو دوبارہ غلبہ ہو گیا تو ہم کو کیسی کیسی سزائیں دی جائیں گی اور جو لوگ شریک بغاوت نہ ہوئے تھے' ان کو غارت پیشہ لٹیروں کا ہر وقت خوف لگا رہتا تھا' جنہوں نے سارے ملک میں آفت بچا رکھی تھی۔ ابتدائی خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز بھی اسی وقت امید و بیم کی حالت میں تھے اور ان کو اپنی فتحیابی کا پورا یقین نہ ہو سکتا تھا۔ ایک خط سے مترشح ہوتا ہے کہ کسی شخص نے دہلی کی فصیلوں کو بودا اور کمزور سمجھ کر محاصرہ کرنے والی انگریزی فوج پر طعن کیا تھا کہ اس نے اب تک دہلی کو کیوں فتح نہ کر لیا' لیکن محاصرہ کی فوج کے افسر ہی جانتے تھے کہ دہلی کی فصیل بودی ثابت نہ ہوئی اور اس نے لیل سے زیادہ توپوں کا مقابلہ کیا۔

ہر شخص جو ان خطوط کو پڑھے گا' انگریز افسروں کی ہمت کا قائل ہو جائے گا۔ انہوں نے کثیر توپوں اور بے شمار باغی فوجوں کا مقابلہ کیا اور ہمت نہ ہاری۔ اگر وہ بغاوت کی عام حالت کو دیکھ کر گھبرا جاتے اور انتظام نہ کرتے تو ایک انگریز بھی ہندوستان میں زندہ نہ بچتا۔ ان خطوط سے انگریزوں کی دلیرانہ خصلت کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ کمی تعداد' کمی اسلحہ' کمی رسد اور کمی وفاداری سے ذرا نہ گھبرائے اور آخر تک مستقل مزاج بنے رہے اور یہی چیز تھی جس نے ان کو آخر کو فتح یاب کر دیا۔

یہ خطوط اس تاریخی نکتہ کو بھی ظاہر کرتے ہیں جو انگریزوں کے دوبارہ قبضہ ہندوستان کا راز ہیں اور وہ صرف یہی ہے کہ تمام ملک کے انگریز باوجود خط و کتابت کی مشکلات کے ایک دوسرے کے مشورہ سے فائدہ اٹھاتے اور ایک دوسرے

کی مدد حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ محاصرہ دہلی کے انگریز افسروں نے جو وقتاً فوقتاً مسٹر بارنس کو یہ خطوط بھیجے، وہ اس بات کی شہادت ہیں کہ ہر انگریز اپنے خیالات مسٹر بارنس پر ظاہر کرتا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر بارنس کی پوزیشن محاصرہ دہلی کے وقت افواج محاصرہ کو بہت ضروری نظر آئی تھی، کیونکہ مسٹر بارنس پر پنجاب کی ریاستوں اور پنجاب کی رعایا کا وفادار رکھنا اور پنجابی ریاستوں سے فوجوں اور سامان کی مدد حاصل کرنا اور محاصرہ دہلی کی مادی اعانت کرنے کا بوجھ تھا اور یہی وجہ تھی کہ محاصرہ دہلی کا ہر انگریز افسران کو فوجی حالت اور فوجی ضروریات سے آگاہ کرتا تھا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مسٹر بارنس پر محاصرہ کی افواج سے زیادہ ذمہ داری کی مشکلات کا بار تھا اور وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں ایسے لائق ثابت ہوئے کہ ایک طرف مغربی ریاستیں پنجاب کی وفادار رہیں اور دوسری طرف محاصرہ دہلی کی افواج کو مسلسل مدد ملتی رہی۔

ان خطوط سے ایک تاریخی قصہ پر روشنی پڑتی ہے جو دہلی میں بہت مشہور ہے اور وہ یہ ہے کہ دہلی والے حکیم احسن اللہ خاں صاحب پر شبہ کرتے ہیں کہ وہ انگریزی افواج کے قلعہ اور بہادر شاہ کے دربار اور شہر دہلی میں جاسوس تھے، مگر ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب پر پورا اعتماد انگریزی افسروں کو نہ تھا اور وہ ان کی خیر خواہی پر شبہ کی نظر رکھتے تھے۔

حکیم صاحب نے دہلی اور رعایا کی بہتری اسی میں سمجھی تھی کہ دوبارہ انگریزی تسلط قائم ہو جائے تا کہ باغی فوجوں کے مظالم ختم ہوں۔ اس واسطے ممکن ہے کہ انہوں نے انگریزی افواج کو کچھ مشورے دیے ہوں، مگر وہ بہادر شاہ اور دہلی کے غدار ہرگز نہ تھے اور انہوں نے غالباً ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے دہلی کو نقصان پہنچا۔

بہادر شاہ کے مقدمہ میں بھی ان کی شہادت پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سچ اور بے لاگ باتیں کرتے ہیں اور ان کو نہ انگریزوں کی رعایت منظور ہے نہ بہادر شاہ کی۔ باقی غیب کا علم تو خدا کو ہے۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنے شہر والے کو بدنامی سے بچاؤں۔" --- مدیر]

مراسلہ نمبر ا

جسے جنرل سر ہنری برنارڈ کمانڈر انچیف نے جارج کارنک بارنس (جو دریائے ستلج کی مغربی ریاستوں کے کمشنر تھے) کے نام ۱۲ جون ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

از کیمپ بالائے دہلی۔ مورخہ ۱۲ جون ۱۸۵۷ء

مائی ڈیئر بارنس۔

میں یہاں سے ابھی تک دہلی کی جانب دیکھ رہا ہوں اور ہر گھڑی مجھے یہ امید ہوتی ہے کہ ہماری توپیں قلعہ کی دیواروں کی توپوں کو خاموش کر سکتی اور مجھے اس قابل بنا سکتی ہیں کہ کامیابی کی معقول امید کے ساتھ قریب پہنچ کر اس مقام پر قبضہ کر لوں، لیکن ان (باغیوں) کی توپوں کی زیادتی میری ہمت پست کیے دیتی ہے۔ بس اب (جیسا کہ واقعہ ہے) میرے سامنے (اور مجھے کسی چیز کا خوف نہیں) سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ میں اچانک اور زبردست حملہ کر دوں اور

ان روشن راتوں میں یہ کام آسان نہیں معلوم ہوتا۔[1]

میں صرف چھ توپوں کا انتظام کر سکا ہوں اور ان کے چلانے والے بھی بالکل ناتجربہ کار ہیں۔ یہ (باغی) حیوان تقریباً ہر روز باہر نکلتے ہیں اور دو دفعہ تو میں نے انہیں خاصی کی کے ساتھ واپس بھیجا' لیکن میرے سپاہی بھی ضائع جاتے ہیں اور اس لئے مجھے ان کی بہت کچھ ہمت افزائی کرنی پڑتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آٹھویں تاریخ سے لے کر اب تک اوپر تلے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ وہ آٹھویں تاریخ کے بعد سے اپنے نقصانات کا اندازہ دو ہزار سے زیادہ کرتے ہیں' لیکن مجھے شک ہے کہ اس میں وہ تعداد شامل نہیں کی گئی جس کا پتہ نہیں لگا۔

جب آپ حقارت آمیز طریقہ سے دہلی کی فصیلوں کا ذکر کرتے تھے تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے آپ لوگوں کا مقصد کیا تھا۔ چوبیس پونڈ وزنی گولہ پھینکنے والی توپیں باغیوں کے برجوں میں ہر جگہ نصب ہیں اور ان کے پیچھے تقریباً سات ہزار سپاہی بھی موجود ہیں۔ (ایسی حالت میں) داخلہ آسانی کے ساتھ نہیں ہو سکتا اور میرے انجینئر کہتے ہیں کہ ہم باقاعدہ خندقیں بنا کر قلعہ تک نہیں پہنچ سکتے اور میرے توپ خانہ والے بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم ان توپوں کو جو میرے پاس ہیں' نہیں چلا سکتے۔ پس اب میرے پاس ایک تدبیر رہ گئی ہے اور اسے بھی پوری طرح آزما لینا چاہئے۔ اگر اس میں ناکامیابی ہوئی تو میرے پاس کوئی محافظ فوج باقی نہ رہے گی اور یہ (گویا) بالکل تباہی کے آثار ہوں گے۔ ہندوستان کے لئے کونسی بات کم مضرت رساں ہے۔ یہ کہ امدادی فوج (کمک) کے انتظار میں تضیع اوقات کی جائے یا ناکامی کے خطرہ کو برداشت کیا جائے؟

وہ (باغی) اپنی دوسری آمد (حملہ) کی تیاریاں کر رہے ہیں اور اس لئے مجھے اپنے مراسلہ کو (جلد) ختم کر دینا چاہئے۔ مسز بارنس سے میرا سلام کہہ دیجئے۔

آپ کا صادق: ایچ۔ ایچ۔ برنارڈ

☆ ☆ ☆

مراسلہ نمبر۲

جسے جنرل سر ہنری برنارڈ نے جارج کارنگ بارنس کے نام ۱۷ جون ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

۱۷ جون ۱۸۵۷ء

مائی ڈیئر بارنس۔

کسی غیر معمولی قسم کے بے حس شخص نے میری برساتی غائب کر دی۔ یہ میرے پاس فقط ایک ہی تھی۔ ہمارے بنگلہ میں دو صندوق ہیں جو معمولی دیودار کی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں اور ان کے اندر ٹین منڈھا ہوا ہے۔ سب سے چھوٹے میں ایک بہت بڑا بھورے رنگ کا جنگل کوٹ (رکھا ہوا) ہے۔ اگر آپ برائے مہربانی بکس کھول کر کوٹ میرے پاس بھیج دیں تو آپ میرے ساتھ بہت بڑی نیکی کریں گے۔

فی الحال ہم دہلی کے سامنے پڑے ہوئے ہیں یا جیسا کہ کسی نے مذاقاً کہا ہے۔ ہم ابھی تک دہلی کے عقب میں ہیں۔ جو دیواریں (فصیلیں) کہ میدانی توپوں کے ذریعہ منہدم کی جانے والی تھیں' وہ اٹھارہ پونڈ وزنی گولوں کے مقابلہ میں

جوں کی توں نہایت مضبوطی سے قائم ہیں۔ ہم محل پر گولہ باری کرتے رہتے ہیں اور ابھی تک کیے جا رہے ہیں۔ رائفلو پلٹن کے ایک گورے نے ایک ہندوستانی سپاہی کو نشانہ بندوق بنایا اور اس کی ایک سو چوراسی اشرفیاں بھی چرا لیں۔

مجھے امید ہے کہ انگور باقاعدہ ٹپک رہے ہیں۔

انہوں نے ہم پر کوئی حملہ نہیں کیا اور اس لئے میرا خیال ہے کہ وہ آج حملہ کریں گے اور پھر ایک اور چپت کھائیں گے۔

ہڈسن کو زکام ہے اور ہلکی سی سوجن بھی ہے لیکن آج کسی قدر افاقہ ہے۔ گریٹ ہیڈ کے صاحبزادے کو بھی ہلکا سا بخار ہو گیا تھا مگر اب حالت بہتر ہے۔ مرے ... صاحبزادے کو جو چاند ماری کے اسکول میں تعلیم پا رہا تھا اب گائڈز میں بھرتی کر دیا گیا ہے۔

ایک مہاوت کمسریٹ کے بہترین ہاتھی کو بادشاہ کی خدمت میں تحفۂ نذر کرنے کے لئے کل دہلی لے گیا تھا۔

کرزن تمہیں سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگ ہماری پوجا کرنے کے لئے ابھی تک نہیں آئے۔

جنرل ریڈ بہتر ہیں اور اس لئے وہ اب اپنے سفر واپسی پر روانہ ہو جائیں گے۔

میری خواہش ہے کہ وہ میرے جنرل کو اس مہم کے ختم ہو جانے کے بعد مدراس بھیج دیں اس لئے کہ جنرل گرانٹ کے ماتحت بریگیڈیر کی پوزیشن میں رہ کر کام کرنا کسی طرح ان کے شایان شان نہ ہوگا۔ خیر ہم دیکھ لیں گے۔

تمہارا بہت گہرا صادق

ایچ۔ ایچ۔ برنارڈ

مراسلہ نمبر۳

جسے جنرل سر ہنری برنارڈ کمانڈر انچیف نے جارج کارنگ بارنس کے نام ۱۸ جون ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

۱۸ جون ۱۸۵۷ء

مائی ڈیئر بارنس۔[۸]

میں نے ابھی آپ کی چٹھی پڑھی اور اس سے مجھے قدرے اطمینان ہوا اس لئے کہ آپ نے اس تجویز کو ناپسند کیا کہ میں اپنی مختصر سی فوج کو لے کر دہلی میں داخل ہونے کا خطرناک تجربہ کروں اس طرح سے کہ میرا کیمپ اسپتال ذخائر خزانہ الغرض میری فوج کا سارا سامان بالکل غیر محفوظ حالت میں پڑا رہ جائے۔

مجھے اقرار ہے کہ جو پولیٹیکل مشیر میرے ساتھ کام کر رہے ہیں ان کی ترغیب دہی سے متاثر ہو کر میں اچانک اور زبردست حملہ کی تجویز پر رضامند ہو گیا تھا جس میں مذکورہ بالا تمام امور کا خطرہ دامنگیر تھا۔ صرف حسن اتفاق سے یہ تجویز عمل میں آنے سے رک گئی۔ ممکن ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا فضل و کرم ہو اس لئے کہ جو کچھ میں نے سنا ہے اور جن اشخاص سے مشورہ کرنا میرے فرض منصبی میں داخل تھا ان کی آراء کا خیال کرنے کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ فتح اتنی ہی مہلک ثابت ہوتی جتنی کہ شکست۔

جو فوج کہ دو ہزار سپاہیوں سے بھی کم ہو اور جو دہلی جیسے طول و عرض کے شہر میں پھیلی ہوئی ہو وہ کوئی (و قیع) فوجی طاقت نہیں رہ سکتی تھی اور اس دغا بازی کے ہوتے ہوئے جس نے ہو را چاروں طرف سے محاصرہ کر رکھا ہے' میرے سامان جنگ کی کیا حالت ہوتی؟ (اگر عاجلہ کر دیا جاتا)

اس خیال سے کہ فوجی قانون میرا رہنما ہے (اگر چہ اس شور و شغب کا مقابلہ کرنے کے لئے جو اس بنا پر بلند کیا جائے گا کہ ہم دہلی کے سامنے کیوں بیکار اور معطل پڑے ہوئے ہیں' اخلاقی دلیری کی سخت ضرورت ہے' تاہم) میں صرف بہترین اغراض حاصل کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ ضرب لگانے کے لئے مناسب موقع کا احتیاط کے ساتھ مجھے انتظار ہے۔

مسٹر گریٹ ہیڈ" نے جو اہم تجویز پیش کی تھی وہ یہ تھی کہ دو آبے پر قبضہ حاصل کر لیا جائے اور دہلی سے علی گڑھ افواج بھیجی جائیں' لیکن اگر میں شہر میں بھی ہوتا تو بھی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ قلعہ اور سلیم گڈھ ابھی تک میرے پیش نظر ہیں اور شہر پر قابض رہنا اور دو ہزار سے کم سپاہیوں کی مدد سے ان (مقامات) پر حملہ آور ہونا' یہ معنی رکھتا ہے کہ میں ایک شخص کو بھی علیحدہ نہ کروں۔ حالت یہ ہے کہ دہلی توپوں سے پٹی پڑی ہے اور وہاں وہ سپاہی مقیم ہیں جو اگر چہ کھلے میدان میں چنداں اہمیت نہیں رکھتے' تاہم پتھر کی فصیلوں کے پیچھے رہ کر کچھ نہ کچھ کارگذاری بالضرور دکھا سکتے ہیں اور جنہیں بھاری توپوں کے استعمال سے بھی کچھ واقفیت ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ ہفتہ کے دن گولہ باری کی صحت و درستی سے ہمیں نیچا دکھا دیا)۔ پس "انبالہ والی فوج اور چھ توپیں رکھنے والی دو پلٹنیں" اس پر بھی اپنا قبضہ نہیں جما سکتیں اور اس کی موجودہ طاقت کا بہت ہی کم اندازہ کیا گیا ہے۔

باؤلی کی سرائے پر ہم ایک معرکہ سر کر چکے ہیں' جہاں باغی اس وقت تک ہمارا خوفناک مقابلہ کرتے رہے جب تک کہ ان کی توپیں ان کے قبضہ میں رہیں۔ اس کے بعد سے ہم پر پیہم حملے ہو رہے ہیں۔ ہر نیا حملہ جوش و خروش سے کیا جاتا تھا' مگر بھاری نقصان کے ساتھ پسپا کر دیا جاتا تھا اور اب ہم اس پوزیشن پر قابض ہو گئے ہیں جہاں سے اس مقام کو منہدم کیا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک بہترین پالیسی یہ ہے کہ اسے مشکل کام کی طرح اصلی رنگ میں دیکھا جائے' اور یہ امر اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیا جائے کہ اسے کافی فوج کے بغیر پایہ تکمیل تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔

ذرا ایک مرتبہ ہم شہر میں پہنچ جائیں پھر تو بازی ہماری ہے' بشرطیکہ ہم اس پر قبضہ رکھ سکیں اور پھر جب بھی مسٹر کالون کو جس کسی مقصد کے لئے فوج کی ضرورت ہو گی وہ انہیں مہیا کر دی جائے گی۔

تاخیر سخت تکلیف دہ ہے اور روزانہ ان حملوں میں سپاہیوں کا ضائع جانا نہایت دل شکن معلوم ہوتا ہے۔ میں بخیریت ہوں البتہ پریشان بہت زیادہ ہوں' لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جتنا زیادہ میں خیال کرتا ہوں اتنا ہی زیادہ مجھے بے معنی اور بے نتیجہ تجربہ کے عمل میں نہ آنے کی خوشی ہوتی ہے اور یہ دیکھنے سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے کہ آپ بھی میرے ہم خیال ہیں۔

میری توقع صرف اس قدر ہے (جسے اور لوگ اب غالباً معلوم کر لیں گے) کہ مجھے دہلی میں داخل ہو جانے کے علاوہ اور بھی کچھ کام کرنا تھا۔

یقین رکھیے کہ میں اب کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔

آپ کا صادق ایچ۔ ایچ۔ برنارڈ

کل ہم نے انہیں خوب سزا دی اور بھاری نقصان پہنچایا۔ انہوں نے کشن گنج، ٹریولین گنج اور پہاڑ پور میں اپنے تئیں قائم کرنے اور توپخانہ جمانے کی کوشش کی تھی، لیکن ہم نے دو مختصر دستوں کے ذریعہ جو میجر ٹومس ایچ اے اور میجر ریڈ (مسوری بٹالین) کی کمان میں تھے انہیں نہ صرف ان مقامات سے ہٹا دیا بلکہ سرائے کے بالائی حصہ کو ان سے بالکل صاف کر دیا اور شہر کے اس حصہ سے ہم نے ان سب کو نکال دیا۔ سنا ہے کہ اس کا ان پر نہایت پست کن اثر پڑا اور یہ کہ وہ بہت پریشان ہو رہے ہیں، لیکن فصیلوں سے جو گولہ باری وہ کرتے ہیں ہم کچھ مفید کارروائی نہ کر سکیں گے اور عملی کام کی یہ حالت ہے کہ اس وقت کے باوجود جو توپخانہ و سامان حرب وغیرہ کے حاصل کرنے میں برداشت کرنی پڑتی ہے، میرے توپخانہ کا کمانڈنگ افسر صرف چھ توپوں کے چلانے کا انتظام کر سکتا ہے اور میرے انجینئر کے پاس ریت کا ایک بھی تھیلا موجود نہیں۔ یہ درحقیقت حد سے زیادہ تکلیف دینے والی بات ہے۔ میں نے اس وقت تک کبھی باقاعدہ یورش کرنے کا خیال نہیں کیا جب تک کہ مجھے یہ امید نہ ہوگئی ہو کہ جو توپیں بھی میرے خلاف لائی جائیں گی، میں انہیں خاموش کر دوں گا۔

لیکن اس کام کو انجام دینے کی غرض سے ان کے اور زیادہ قریب تک پہنچنے کی ضرورت ہے۔ تاخیر باغیوں کو ایک جگہ مجتمع کر دیتی ہے اور حملہ کو نہایت زوردار بنا دیتی ہے، لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایسی کارروائی مہلک اثرات بھی اپنے میں رکھتی ہے۔ تاہم میں سچائی کے ساتھ یہ خیال نہیں کر سکتا کہ جب انہیں دہلی کے دروازے بند کرنے کا موقع دیا گیا تھا تو اس وقت ہم اس سے زیادہ کر سکتے تھے جتنا کہ ہم نے کیا۔

اگر میرٹھ کی فوج فی الفور دہلی میں گھس جاتی تو سب کچھ بچایا جا سکتا تھا، لیکن جب انبالہ والی فوج مقام مقصود پر پہنچی ہے تو موقع بالکل ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

سب سے بڑا میگزین اور سامان جنگ کا ڈپو اس سے پیشتر سے میرے خلاف استعمال کیا جا رہا تھا۔ میرے سپاہی اچھی طرح ہیں ور زخمی خاطر خواہ طریقے سے رو بہ صحت ہو رہے ہیں، لیکن سب کے سب اس کام سے تھک گئے ہیں۔

ہمیشہ آپ کا

ایچ۔ ایچ۔ بی

☆ ☆ ☆

مراسلہ نمبر۲

جسے ہنری گریٹ ہیڈ مشیر سیاسی متعینہ افواج محاصرہ دہلی نے جارج کارنگ بارنس کے نام ۱۹ جون ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ محاصرۂ دہلی۔ ۱۹ جون ۱۸۵۷ء

مائی ڈیئر بارنس۔

مسٹر رچرڈز پیر کے دن پانی پت چلے گئے اور یہ خبر میں نے اس وقت سنی جبکہ میں سڑک پر سے گذر رہا تھا۔ ان کی موجودگی سے کسی حد تک وہ دہشت رفع ہوگئی تھی جو افسروں اور ڈاک کے ٹھیکہ داروں میں اس دھاوے کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی' جسے دہلی کے دو سو سواروں کی پارٹی نے علی پور پر کیا تھا۔ بظاہر وہ تحصیلدار کی تلاش میں تھے۔ تحصیل میں پٹیالہ کے سواروں کے مختصر دستے کے جتنے گھوڑے موجود تھے' وہ سب کو لوٹ کر لے گئے۔ جونہی کہ پنجاب کے بے قاعدہ سوار پہنچ جائیں گے' ہم ان کی اس کارروائی کا انتقام لے لیں گے۔

مجھے رہتک کو راجہ صاحب جیند کے چارج میں رکھنے سے بہت خوشی ہوگی' لیکن سر ایچ۔ برنارڈ (فی الحال) ان کی فوج کو علیحدہ نہیں کرسکتے اور اس کے بغیر ان کے لیے حملہ کی کوشش کرنا بے سود ہوگا۔

اگر پٹیالہ کچھ فوج دے سکے اور آپ کو حصار کی جانب پنجاب سے افواج کی نقل و حرکت کی کچھ خبر نہ ملے' تو (اس صورت میں) میں بخوشی تمام اس امر پر رضامند ہو جاؤں گا کہ اس ضلع کو عارضی طور پر ان کی حفاظت میں دے دیا جائے۔ ایسا کرنا درحقیقت ان باشندوں پر رحم کھانا ہوگا جو ہانسی اور حصار دونوں سے امداد کے طالب ہو رہے ہیں۔ آپ کی اس تجویز پر عمل پیرا ہونے سے مجھے بہت خوشی ہوگی اور اگر انتظام ہو جائے تو میں مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں خریطہ[۱] لکھ دوں گا۔

میرا خیال ہے کہ نواب صاحب جھجر نے ناقابل علاج طریقہ سے سازباز کی ہے' لیکن ان کا علاقہ دہلی کے اس پار ہے اور ہمیں (فی الحال) دفع الوقتی کرنی چاہیے۔ نواب صاحب بہادر گڑھ فرار ہونے پر مجبور ہو گئے ہیں اور سابق حکمران نسل کا کوئی شہزادہ گدی[۲] پر بٹھا دیا گیا ہے۔ باقی روساء غیر جانبداری برقرار رکھنے میں سخت جدوجہد کر رہے ہیں۔

ذخائر کی ہمارے پاس کافی سے زیادہ افراط ہے (البتہ) روپیہ کی کمیابی ایک ایسی مشکل ہے جس کی نسبت ہمیں امید تھی کہ دہلی کے سر ہو جانے سے جاتی رہے گی۔ خزانہ اور دفتر کمسریٹ کے جو صاحب انچارج ہیں' میں ان کی چٹھیاں آپ کے بھیج رہا ہوں۔

جب میں وہاں سے روانہ ہوا تھا تو اس وقت تقریباً چار لاکھ تھے۔ میں بہت زور سے سفارش کرتا ہوں کہ جو فوجیں اب یہاں آ رہی ہیں' ان کے ہمراہ آپ روپیہ کی ایک (معقول) مقدار ضرور بالضرور بھیج دیجیے۔

مجھے اپنا صادق یقین کیجیے۔ ایچ۔ ایچ۔ گریٹ ہیڈ

☆ ☆ ☆

مراسلہ نمبر ۵

جسے بریگیڈیئر جنرل نیویل چیمبرلین ایجوٹنٹ جنرل نے جارج کارنک بارنس کے نام ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ مقابل دہلی۔ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء وقت ایک بجے دوپہر۔

مائی ڈیئر بارنس۔

اب جبکہ کرنال ہمارے مستقل سامان حرب اور ذخائر کا ڈپو بن گیا ہے۔ ہمیں وہاں پیدل فوج کا ایک دستہ رکھنا

چاہئے اور چونکہ اس کیمپ سے ہم ایک آدمی بھی نہیں دے سکتے' ہمیں حسب معمول سپاہیوں کی بہم رسانی کے لئے پنجاب سے توقع رکھنی چاہئے۔ برائے مہربانی اس مسئلہ کے متعلق لاہور سے نامہ و پیام کیجئے اور اگر اور سپاہی نہ دستیاب ہوسکیں تو (کم سے کم) سکھ سپاہیوں کی چار پلٹنوں کو حاصل کرنے کی سعی کیجئے۔ ہمارا عقب کھلا اور خاموش رہنا چاہئے اور یہ ہماری فاش غلطی ہوگی' اگر ہم اپنے ذخائر کو غیر محفوظ حالت میں چھوڑ جائیں گے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے مزید افواج کا مطالبہ کیا ہے اور میں اب ایسا نہ کرتا' لیکن مشکل یہ آن پڑی ہے کہ ہم ایک آدمی کو بھی علیحدہ نہیں کرسکتے۔ ۹ جون کو ایک سخت معرکہ میں ہمارے ۲۷۰ سپاہی ضائع ہوئے جن میں مقتول' مجروح اور بیمار سب شامل ہیں اور اس خط کے تحریر کرتے وقت بھی ہم باہر نکلنے (یعنی حملہ کرنے) کے لئے آمادہ ہیں۔ چاروں طرف سے حملہ کی دھمکی دی جارہی ہے۔

میں نے انتخاب کرنال کی سفارش اس لئے کی تھی کہ اس کا ہمارے کیمپ سے کافی آسانی کے ساتھ سلسلہ نامہ و پیام قائم کیا جاسکتا ہے اور نیز یہ کہ وہ شہر سے اس قدر فاصلہ پر ہے کہ اچانک حملہ کی صورت میں نہیں کیا جاسکتا۔ میرٹھ' سہارنپور اور مظفر نگر تک وہاں سے نامہ و پیام کیا جاسکتا ہے اور چونکہ وہاں کے نواب صاحب ہم سے برسر صلح ہیں' اس لئے مقامی شورش کا بہت ہی کم امکان موجود ہے۔ موجودہ موسم میں دریائے مارکندر "کا کچھ بھروسہ نہیں' اور اس لئے بارود اور ذخائر کو اس کے قرب وجوار میں نہ رکھنا چاہئے۔

سننے میں آیا ہے کہ بعض باغی شکاری توپ کی ٹوپیاں استعمال کررہے ہیں (لہٰذا) تمام دکانداروں اور تمام فرقوں کے دیگر اشخاص جو ان چیزوں کی تجارت کرتے ہیں' ان تمام اشیا کے چھین لینے کی فوری کارروائی عمل میں آجانی چاہئے تاکہ آتش گیر اور زور سے پھٹنے والے بارود کی قسم کی کوئی شے وہ اپنے پاس نہ رکھ سکیں۔ گورنمنٹ کو چاہیے کہ وہ مجموعی مقدار پر قبضہ کرلے اور ایک رسید دے دے۔

آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ چوتھے لانسرز کے ہتھیار رکھوالیے جائیں گے اور یہ کہ ۱۰ ویں ایل سی نہیں آرہی ہے۔ جب تک آپ ہمارے عقبی حصہ ملک کو خاموش رکھے رہیں گے اور ہمیں ذخائر و سامان دیتے رہیں گے' ہماری حالت ٹھیک رہے گی یا کم سے کم ہم اس وقت تک مقابلہ کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ دن نہ آجائے کہ دوسرے اشخاص ہماری جگہ لینے کے لئے تیار ہوجائیں۔

آپ کا صادق: نیویل چیمبر لین [15]

☆ ☆ ☆

مراسلہ نمبر ۶

جسے لفٹنٹ ہنری نارمن قائم مقام ایجوٹنٹ جنرل نے جارج کارنگ بارنس کے نام ۱۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ مقابل دہلی۔ ۱۹ جولائی ۱۸۵۷ء

مائی ڈیئر مسٹر بارنس۔

چیمبر لین نے مجھے آپ کی ۱۷ تاریخ کی چٹھی دی تاکہ میں ایک دو باتوں کا جواب دوں۔ کرنال کے ذخائر

توپخانہ کا انتظام کپتان نچ نل کے سپرد کیا جانے والا تھا' مگر وہ بیمار ہو جانے کے سبب انبالہ ہی میں رہ گئے ہیں' اس لئے میں نے توپخانہ کے کسی ڈپٹی اسسٹنٹ کمشنر کو یا فیروز پور سے ادائیگی فرائض کے لئے کسی مستقل کنڈکٹر کو بذریعہ تار بلا بھیجا ہے۔
اگر کپتان نچ نل صحت یاب ہو گئے تو بلاشبہ ابتدائی حکم (جسے مسٹر لی میں کے ذریعہ پہنچایا گیا تھا) بدستور قائم رہے گا۔

جو افسر کہ پرائیویٹ چھٹی پر گئے ہوئے تھے' ان سب کو واپس آ جانے کا حکم ۱۲ مئی کو دے دیا گیا ہے اور اس حکم کو کچھ عرصہ کے بعد دہرا بھی دیا گیا تھا اور ہمارے محکمہ کے کپتان بیکر نے یہ اطلاع دی ہے کہ اس حکم کی تعمیل ہو چکی ہے۔ مجھے کسی ایسے افسر کا حال معلوم نہیں ہو سکا جس نے تعمیل نہ کی ہو۔ اگرچہ بعض نے بیماری کے سرٹیفکیٹ حاصل کر لیے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اب کرنال میں کافی فوج موجود ہے۔

اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں اگر آپ بریگیڈیئر ہارلی سے یہ درخواست کریں کہ وہ پانچویں بٹالین کے دو افسروں کو کرنال میں کام کرنے کی غرض سے بھیج دیں' بشرطیکہ ان کی وہاں (واقعی) ضرورت ہو' لیکن اگر کوئی افسر نہ مل سکے تو ایک (لفٹنٹ چیسٹر کے جونیئر افسر) کو آسانی نوشہرو کی بٹالین مقیم سہارن پور کے ساتھ کام کرنے کے لئے بھیجا جا سکتا ہے۔ ہم نے دشمن کو کل سہ پہر کے وقت بلا کسی دقت کے سبزی منڈی کے باہر نکال دیا۔ ہمارے نقصانات ۱۲ مقتول اور ۲۹ زخمی تھے۔ افسروں کے کل کے مجموعی نقصانات یہ ہیں لفٹنٹ کروزیئر (۷۵ ویں) مقتول' اینسائن والٹر (۴۵ ویں دیسی پیدل فوج) جو دوسری فیوزیلیرز کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ سرسام کی وجہ سے مر گئے۔ لفٹنٹ جونز (انجینئرز) کی ٹانگ کاٹ ڈالی گئی۔ لفٹنٹ پالٹون (۶۱ ویں پیدل فوج) سخت مجروح ہوئے اور لفٹنٹ چیسٹر (توپخانہ) خفیف طور پر زخمی ہوئے۔

اب اور پٹھانوں کو مت بھیجئے۔ یہ چیمبرلین کی خواہش ہے اور اس کے لئے وجوہ ہیں۔ بلاشبہ آپ انہیں اس وقت بھیج سکتے ہیں جبکہ کوئی رسالہ آ رہا ہو اور وہ بھی اس میں موجود ہوں' لیکن جتنے کم ہوں اتنا ہی بہتر ہو گا۔

آپ کا زیادہ مخلص
ایچ۔ اے۔ نارمن

☆ ☆ ☆

مراسلہ نمبر ۷

جسے لفٹنٹ ڈبلیو ایس آر ہڈسن نے ۔ ڈگلس فارسیتھ ڈپٹی کمشنر انبالہ کے نام ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء ارسال کیا۔

دہلی کیمپ۔ ۲۹ جولائی

مائی ڈیئر فارسیتھ۔

جو بوڑھی خاتون بہ نفس نفیس اس مراسلہ کے ہمراہ آ رہی ہے' وہ محاصرہ دہلی کی مکمل مجسم داستان ہے۔
وہ ہمارے خلاف شہر میں جہاد کا وعظ کہتی تھی اور اپنے مواعظ و نصائح سے تعجب خیز طریقہ پر مسلمانوں کے دلوں میں جوش پیدا کر دیا تھا۔ بلا آخر اس کی عدم کامیابی سے متنفر ہو کر وہ خود میدان جنگ میں اتر آئی اور سبز لباس پہن گھوڑے پر سوار ہو اور تلوار و بندوق سے مسلح ہو کر اس نے سواروں کے ایک دستہ کی کمان لی اور ۷۵ ویں پیدل فوج پر حملہ آور ہوئی۔

سپاہیوں کا بیان ہے کہ اس ایک کا مقابلہ کرنا پانچ سپاہیوں کے مقابلہ سے زیادہ مہلک تھا اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے ان کے رفقاء میں سے بہت سوں کو نشانہ بندوق بنا دیا۔ آخرکار وہ زخمی ہو کر گرفتار ہو گئی"[۲]۔ جنرل نے اول اول اسے آزادانہ طور پر چلے جانے کی اجازت دینی چاہی تھی' مگر میں نے ان سے بہ منت درخواست کی کہ وہ ایسا نہ کریں' اس لئے کہ وہ پھر شہر میں فاتحانہ طریقہ سے داخل ہو گی اور ہمارے قبضہ سے نکل جانے پر تعصب کا طوفان بے تمیزی مچا دے گی۔ (اور بلاشبہ یہ ظاہر کرے گی کہ وہ اپنی کرامت کی وجہ سے بچ گئی ہے) اور اس طرح سے جون آف آرک[۳] کا سا رتبہ حاصل کر لے گی۔

مجھے اس کو آپ کے پاس بھیجنے کی اجازت مل گئی ہے تاکہ وہ جیل خانہ میں بحفاظت تمام رکھی جائے یا جہاں کہیں آپ مناسب خیال کریں' تاوقتیکہ یہاں کا کام ختم نہ ہو جائے۔

کیا آپ براہ مہربانی اس امر کی نگہداشت رکھیں گے کہ اس کا طرز عمل قابل اطمینان رہے۔ یہ کہتے ہوئے تعجب معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت اس بڑھیا کھوسٹ نے معقول اثر پیدا کر لیا تھا (اس سبز پوش عورت کا ذکر خطوط ہذا کے آخر میں ذرا تفصیل سے درج کیا گیا ہے۔۔حسن نظامی)

آپ کا زیادہ مخلص

ڈبلیو۔ ایس۔ آر۔ ہڈسن

☆ ☆ ☆

مراسلہ نمبر ۸

جسے ہنری گریٹ ہیڈ مشیر سیاسی معینہ افواج نزد دہلی نے جارج کارنک بارنس ۱۵ اگست ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ مقام دہلی۔ ۱۵ اگست ۱۸۵۷ء

مائی ڈیئر بارنس۔

مولوی رجب علی (صاحب) نے مجھ سے خواہش کی کہ میں آپ کو یہ اطلاع دوں کہ انہوں نے حکیم احسن اللہ (صاحب) کے نام ایک مراسلہ بھیجا تھا' جو مجھے پڑھ کر سنایا گیا تھا اور میرا یہ خیال تھا کہ اس سے کچھ ضرر نہ پہنچے گا' بلکہ ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے حکیم (صاحب) بادشاہ اور باغیوں کے منصوبوں کے اندرونی راز بتانے کے قابل ہو جائیں۔ مولوی (صاحب) کہتے ہیں کہ اس کے باعث حکیم (صاحب) کی سخت بے عزتی ہوئی (اس لئے کہ) وہ مراسلہ سپاہیوں کے ہاتھ میں پڑ گیا' جنہوں نے ان کے مکان کی تلاشی لے ڈالی' لیکن اس کا مشکل ہی سے یقین کیا جا سکتا ہے (کہ حکیم احسن اللہ خاں کی تلاشی لی گئی یا ان کو کچھ نقصان پہنچا)۔

کیمپ کی حالت میں نمایاں ترقی ہو گئی ہے۔ ہم ہر لحاظ سے آرام سے ہیں اور ابھی تک افواج کی صحت اچھی ہے جس کے لئے ہم (خدا کے) شکر گزار ہیں۔ دشمن کو تمام مقامات پر اور تمام جنگی چالوں میں کلیتہً ناکامی ہوئی ہے۔ جب تک کہ قلعہ شکن توپیں مع پورے ساز و سامان کے نہ پہنچ جائیں اس وقت تک کسی زبردست جنگی کارروائی کا فیصلہ کرنا بالکل بے سود ہے اور اس وقت تک یہ معلوم ہو جائے گا کہ آیا جنرل ہاویلاک کا انتظار کرنا چاہئے یا نہیں۔ اب تک تجربات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اودھ کی باغی فوجوں کا بہت جلد صفایا ہو جائے گا۔ مجھے آگرہ سے یہ خبر ملی ہے کہ ڈھائی ہزار نیپالی افواج

جنرل ہاویلاک سے لکھنؤ کے مقام میں ملنے والی تھیں۔ ڈرمنڈ کو بالآخر آگرہ کے دیسی افسروں کی نالائقیوں کی سزا بھگتنی پڑی۔ انہوں نے ان پر اعتماد کیا اور وہی اسٹیشن کو تباہ و برباد کرنے میں پیش پیش تھے۔ پانی پت میں ۳۲۲۰۰۰ (روپیہ) محاصل میں موصول ہوا ہے اور میرٹھ والوں نے اپنے خزانوں کو بھرپور کر لیا ہے۔ ہڈسن گائیڈز (رہنماؤں کے دستہ) کے ساتھ باہر گئے ہیں اور وہاں وہ ان باغیوں کے دستہ کی دیکھ بھال کریں گے جو رہتک چلا گیا ہے۔ ان (باغیوں) کا یہ ارادہ تھا کہ وہ ایسے چند دستوں کو باہر بھیجیں تاکہ وہ ملک کو شورش پر آمادہ کر سکیں' لیکن کسی شخص نے کہا کہ یہ حکیم احسن اللہ (صاحب) کی ایک چال ہے تاکہ وہ دہلی کی فوج کو (اس کے کچھ حصہ کو باہر بھیج کر) کمزور کر دیں اور پھر شہر کو ہمارے قبضہ میں کرا دیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ نے جیند کی افواج کے ذریعہ رہتک کے بعض حصوں کو قبضہ میں لانے کی تجویز پر (ابھی تک) عمل درآمد نہیں کیا ہوگا۔ بلاشبہ آپ کے پاس ایسی کارروائی نہ کرنے کے کافی وجوہ ہیں۔ بریگیڈیر والینا ئل کو آگرہ میں برطرف کر دیا گیا ہے اور کرنل کاٹن اب ان کی جگہ براج رہے ہیں۔

آپ کا صادق: ایچ۔ ایچ۔ گریٹ ہیڈ

☆ ☆ ☆

مراسلہ نمبر۹

جسے ہنری گریٹ ہیڈ مشیر سیاسی متعینہ افواج نزد دہلی نے جارج کارنک بارنس کے نام ۳۰ اگست ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ۔ ۳۰ اگست ۱۸۵۷ء

مائی ڈیر بارنس۔

لی میں کی خواہش ہے کہ گوہانہ میں مالگذاری جمع کرنے کی غرض سے ایک تحصیلدار کا تقرر کر دیا جائے۔ میں انہیں فی الفور اس کارروائی کے کرنے کا مجاز نہیں بناتا' اس لئے کہ مہاراجہ صاحب جیند کے انتظامات سے تصادم ہو جانے کا اندیشہ ہے' لیکن اگر راجہ صاحب کچھ نہ کر رہے ہوں تو میری خواہش ہے کہ آپ لی میں سے کہہ دیں کہ وہ بہترین طریقوں سے مالگذاری جمع کرنے کا انتظام کر دیں۔

مجھے یقین نہیں آتا کہ لکھنؤ کے لئے کسی قسم کا خطرہ موجود ہے۔ ہاویلاک بٹھور اور شیوراج پور میں باغیوں کو شکست فاش دے کر اپنے عقب اور بازوؤں کو صاف کر رہے ہیں اور میں یہ خیال نہیں کر سکتا کہ باوجود خطرات کے اگر لکھنؤ کی قلعہ بند فوج کو بچانے کے لئے حملہ کی ذرا سی بھی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ (ہاویلاک) اپنی موجودہ کارروائی کو جاری رکھتے۔ آگرہ کی قلعہ کی فوج کے ایک دستہ نے علی گڑھ کے قریب اہم معرکہ سر کیا ہے۔ انہوں نے تین ہزار باغیوں کو مار بھگایا اور ان کے تین چار سو آدمیوں کو کھیت کر ڈالا۔ تاہم کے سواروں میں سے کا گس کا نام خاص امتیاز کے ساتھ لیا گیا ہے۔ میجر ٹینڈی انسائن مارش اور تین پرائیویٹ افسر مقتول ہوئے۔ کپتان چیل کے ماتحت ایک بریگیڈ بھیجا جا رہا ہے۔[18]

مدراس انفنٹری (پیدل فوج) کا ایک بریگیڈ کلکتہ پہنچ گیا ہے۔ مدراس کی افواج جبل پور اور بجور پر قابض ہو گئی ہیں۔

آپ کا صادق: ایچ۔ ایچ۔ گریٹ ہیڈ

☆ ☆ ☆

مراسلہ نمبر۱۰

جسے ہنری گریٹ ہیڈ مشیر سیاسی متعینہ افواج نزد دہلی نے جارج کارنگ بارنس کے نام ۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ ۹ ستمبر ۱۸۵۷ء

مائی ڈیئر بارنس۔

اگر آپ روزانہ برقی مراسلات کو پڑھتے ہیں تو (ان کے مقابلہ میں) میری خبریں باسی معلوم ہوں گی۔ قدسیہ باغ اور لڈلو کیسل ۷ تاریخ کو قبضہ میں آ گئے تھے اور اسی وقت موری (دروازہ) ۶۵۰ گز کے فاصلہ سے دس توپوں کی ایک بیٹری نصب کر دی گئی تھی۔ صبح ہوتے ہوتے چار توپیں چلنی شروع ہو گئیں اور شام تک سب کی سب مصروف کار تھیں۔ توپخانہ پر ابتدا میں سخت گولہ باری کی گئی اور قدسیہ اور لڈلو کی چوکیوں پر بھی حملہ کیا گیا' مگر ہمارا نقصان بالکل خفیف رہا۔ لفٹنٹ ہائنڈ بریٹڈ (توپخانہ) اور لفٹنٹ بیر ینن (بلوچی) مقتول اور لفٹنٹ بڈ (توپخانہ) زخمی ہوئے اور تقریباً تیس سپاہی مقتول و مجروح ہوئے۔ گذشتہ شب سے لے کر صبح کے دس بجے تک صرف تین آدمی زخمی ہوئے۔ موری (دروازہ) اور کشمیری (دروازہ) پر نشانہ بازی نہایت موثر رہی۔ گذشتہ رات کو بائیس چھوٹی توپیں نصب کی گئی تھیں اور ایک اور بھاری توپوں کی بیٹری بھی تیار ہے اور جب یہ سب نصب ہو جائیں گی تو آتش بازی سخت خوفناک ہو گی۔ میرے بھائی دہلی "مغربی حملہ کے انچارج (منتظم) ہیں۔ مجھے ان کے پاس سے ابھی ایک دلچسپ اور ہمت افزا مراسلہ ملا ہے۔ وہ زبردست پیمانہ پر توپخانہ کے حملہ کو شروع کرنے کے لئے پرسوں کا دن منتخب کرتے ہیں۔ جس رفتار سے برانڈ اپنی دس توپوں سے کام لے رہے ہیں (اسے دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ) اس وقت تک موری (دروازہ) کا بہت ہی کم حصہ باقی رہ جائے گا۔

آپ کا صادق

ایچ۔ ایچ۔ گریٹ ہیڈ

☆ ☆ ☆

مراسلہ نمبر۱۱

جسے ہنری گریٹ ہیڈ مشیر سیاسی متعینہ افواج دہلی نے جارج کارنگ بارنس کے نام ۱۳ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ۔ ۱۳ ستمبر ۱۸۵۷ء

مائی ڈیئر بارنس۔

فی الحال موری دروازہ کا برج بھاری توپوں کے نصب کرنے کے قابل نہیں ہے' تاہم ہلکی توپیں وہاں سے کبھی

بھی دھوکہ دینے کی غرض سے چھوڑ دی جاتی ہیں۔ کشمیری دروازہ کا برج مؤثر طریقے سے خاموش کر دیا گیا ہے اور اب وہ کھنڈرات کا ایک ڈھیر ہے اور توپوں کے جو گولے وہاں پھینکے جا رہے ہیں ان کی موجودگی میں اس مقام پر کسی کو ٹکنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ برج کے دائیں حصہ والی فصیل میں بہت بڑا سوراخ کر دیا گیا اور ہمارے گولے اس شگاف کو بتدریج وسیع کر رہے ہیں۔ بائیں جانب کی شگاف ڈالنے والی بیٹری نے جو کسٹم ہاؤس کے کپاؤنڈ (احاطہ) میں دیوار سے ۱۸۰ گز کے فاصلہ پر نصب کی گئی تھی صرف کل سے گولہ باری شروع کی ہے۔ اس توپخانہ کی تعمیر میں بے انتہا مصائب کا سامنا ہوا اور (جنگی) کارروائیوں میں تعویق بھی ہو گئی۔ پہلے پہل اسے قدسیہ باغ میں نصب کرنے کا ارادہ تھا، جہاں وہ زیادہ حفاظت میں اور سرعت کے ساتھ تیار ہو سکتا تھا، مگر اس کے اور فصیل کے درمیان نئی دشواریاں حائل نظر آئیں جو کسی نقشہ میں درج نہ تھیں اور (اس لئے) سامنے کی جانب بہت سی نئی زمین کو بھی ایسے فاصلہ سے درست کرنا پڑا، جہاں مزدوروں پر بہت شدومد سے آتش باری ہوتی رہی۔ بیٹری (توپخانہ) کل سہ پہر تک تیار نہ ہو سکی اور اب وہ پانی کے برج اور درمیانی دیوار کے خلاف استعمال کی جا رہی ہے، لیکن یہ کام سخت محنت اور جانفشانی کا ہے۔ ہر شخص کو کپتان فیگن کی موت کا افسوس ہے جن کے بیٹری چلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد سر میں گولی لگی۔ وہ حد سے زیادہ شجاع اور دلیر تھے اور خطرہ میں خود کو ڈالنے سے رو کے نہیں جا سکتے تھے۔ گولی لگتے وقت ان کا نصف جسم خندق کے باہر تھا اور وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ نشانہ بازی کہاں سے کی جائے۔ جن خطرات اور دشواریوں پر قابو حاصل کیا گیا ہے، وہ سخت خوفناک ہیں۔ توپخانہ کے افسروں کو آرام کرنے کا ذرا سا بھی موقع نہیں ملا اور جب سے توپخانے معروف جنگ ہوئے ہیں، وہ شب و روز کام میں لگے ہوئے ہیں۔ شہر کی براہ راست آتش باری میں معتد بہ کمی آ گئی ہے، لیکن دشمن غیر متوقع مواقع پر جدید توپیں چڑھانے میں بڑا ماہر اور ہوشیار معلوم ہوتا ہے (اور) وہ اس میدان سے جو ہماری دائیں جانب واقع ہے، خوفناک قسم کی تباہ کرنے والی آتش باری کر رہا ہے اور ہماری بائیں جانب دریا کی طرف سے دو توپوں کے ذریعہ بھی اس کی گولہ باری ہنوز جاری ہے۔ سلیم گڑھ بھی ہماری تمام مغربی بیٹریوں پر گولے اور بم پھینک سکتا ہے۔ ان تمام دقتوں کے باوجود ہماری کارروائیاں ترقی کر رہی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ حملہ کل یا پرسوں شروع ہو جائے گا۔ کمانڈنگ افسروں کو کل ہدایات مل گئیں۔ تمام مقامات پر حفاظتی تدابیر کا پورا پورا انتظام کر لیا گیا ہے۔ صرف باہر نکل کر ان کے اچانک حملوں کی روک تھام کے لئے کچھ نہیں کیا گیا اور وہ ان حملوں کا (کچھ بھی) انتظام نہیں کر سکتے۔ محصور فوج میں سے سپاہیوں کے فرار ہو جانے کے متعلق مجھے کوئی باوثوق اطلاع نہیں ملی ہے۔ محاصرہ بچوں کا کھیل نہیں ہے، لیکن کوئی قوت ہماری افواج کی جانبازانہ بہادری میں مزاحم نہیں ہو سکتی اور تمام امور کا لحاظ کرتے ہوئے ہمارے نقصانات بھاری نہیں خیال کئے جا سکتے۔ بعض افسروں کے نام اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ حسب ذیل نقصانات ہوئے ہیں:

زخمی

میجر کیمبل	توپخانہ
لفٹنٹ ارل	توپخانہ
لفٹنٹ گلسپی	توپخانہ

چانسلر	۷۵ ویں
رینڈل	۵۹ ویں دیسی پیدل فوج
لاک ہارٹ	۵۹ ویں دیسی پیدل فوج
ایشن	۶۰ ویں رائفلز

مجھے اور کسی کا نام یاد نہیں آتا۔ ولیم ایڈورڈز فتح گڑھ کے قریب کسی گاؤں میں پروین اور ان کے بال بچوں سمیت بحفاظت تمام زندہ ہیں۔ مجھے غریب باب تھارن ہل کا افسوس ہے وہ اچھا آدمی تھا۔

شمال مغربی حصہ میں ہمارے پاس افسر کم رہ گئے ہیں۔ مسٹر کالون پیچش میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے موقع ملتے ہی چلے جانے کا ارادہ مصمم کرلیا ہے اور میں اپنے نظام کو کلی طور پر از سرنو مرتب کرنے کے لیے تیار ہوں' لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا آئی پی گرانٹ' اگزکٹو (عمال) کے ہاتھ مضبوط کریں گے یا نہیں۔ میرے آدمیوں نے بسا اوقات مسز بارنس کا ذکر کیا ہے اور وہ ان کی خیریت مزاج معلوم کرنے کے ہر وقت شائق رہتے ہیں۔

مجھے یقین کیجئے۔ آپ کا صادق
ایچ۔ ایچ۔ گریٹ ہیڈ

☆ ☆ ☆

مراسلہ نمبر ۱۲

جسے ہنری گریٹ ہیڈ مشیر سیاسی متعینہ افواج نزد دہلی نے جارج کارنک بارنس کے نام ۱۶ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

دہلی ۱۶ ستمبر
مائی ڈیئر بارنس۔

میں نے لڈلو کیسل کی بلندی سے حملہ کا مشاہدہ کیا۔ میں نہیں خیال کرسکتا کہ کوئی شخص زیادہ عرصہ تک ان چند لمحات کی پریشانی کو برداشت کرسکتا ہے۔ جو دستہ کے سروں کے غائب ہونے اور اس کے شگاف تک پہنچنے کے لئے گذرنے ضروری ہیں۔ جو آتش باری فصیلوں سے پانی کے برج والے سوراخ کے خلاف کی جارہی تھی' وہ ایسی شدید تھی کہ صرف دو سیڑھیاں کھائی (خندق) تک پہنچنے میں کامیاب ہوسکیں۔ میرے بھائی ولبی "توپ خانہ سے اس شگاف تک جاتے جاتے زخمی ہوگئے۔ گولی ان کے دائیں ہنسلی سے گذر کر سینہ کے پار اتر گئی۔ دوسرے بھائی" حملہ کے وقت تمام خطرات برداشت کرنے کے بعد بچ گئے اور خدا کا شکر کہ وہ اب بالکل تندرست و توانا ہیں۔ کشمیری دروازہ کی فصیل کے سوراخ تک سیڑھی لگا کر پہنچے اور دروازہ کو بارود کے ذریعہ اڑا دینے اور اندر داخل ہوجانے کی کارروائی بہت کامیاب طریقہ سے عمل میں آئی۔ یہ سب کچھ دن دہاڑے ہوا۔ نکلسن کا دستہ فصیلوں کے گرداگرد تاخت کرتا ہوا لاہوری دروازہ کے برج تک پہنچ گیا۔ وہ زخمی ہوگئے۔ سامان جنگ میں کمی ہوگئی اور انہوں (باغیوں) نے پلٹ کر پھر کابلی دروازہ پر حملہ کردیا۔ کرنیل کیمبل کا دستہ جو جانباز اور بہادر منکاف کی زیر کمان تھا' نہایت شاندار طریقہ سے جامع مسجد پہنچ گیا۔ ان کا انجینئر

افسر گولی کھا کر مارا گیا اور ریت کے تھیلے پیچھے رہ گئے۔
اور آدمی ٹینڈی اور براؤن (انجینئرز) کے ماتحت بھیجے گئے۔ اول الذکر مقتول اور موخر الذکر زخمی ہو گئے۔
لاہوری دروازہ والے حصہ سے کوئی امداد نہیں آئی اور اس لئے کیمبل کو پسپا ہونا پڑا۔ پہلے بیگم کے باغ کی جانب جسے وہ ایک گھنٹہ تک اپنے قبضہ میں رکھ سکے اور ازاں بعد گرجا کے احاطہ میں۔ یہ ایک نازک موقع تھا ہمارے سپاہی تھک کر چور ہو گئے تھے۔ بہت سے افسر ناکارہ ہو گئے تھے اور گھبراہٹ بہت زیادہ پھیل گئی تھی اور یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ریڈ کا دستہ کشن گنج پر قبضہ کرنے میں بالکل ناکام رہا۔ توپیں لائی گئیں اور بڑے بڑے بازاروں کی جانب موڑ دی گئیں اور اس طرح سے پانڈے کا آخری موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا۔
افسوس ہے کہ جموں کی فوجیں جب سے اپنے پہاڑی مقامات سے نکلی ہیں نہ صرف بالکل ناکام رہیں بلکہ کشن گنج میں پانڈیوں کے مقابلہ میں ان کے ہاتھ سے چار توپیں بھی جاتی رہیں اور اس کی وجہ سے انہوں نے ریڈ کے بازوؤں کو خطرے میں ڈال دیا۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو دیوان صاحب ہی نے فرار ہونے میں سبقت کی تھی۔ جیند کی پیدل فوج کی کارگذاری بہت اچھی رہی۔ آج ہماری پوزیشن (حالت) میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے۔ میگزین پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور اب ہمارا تصرف کابلی دروازہ سے لے کر نہر کے برابر اس فوج کی چوکیوں تک وسیع ہو گیا ہے جو میگزین پر قابض ہے۔ شہر کے اس سارے حصہ کو باشندوں نے خالی کر دیا ہے اور (اس لئے) وہاں سے جو روپیہ پیسہ مل سکے گا اپنے قبضہ میں لے لیا جائے گا۔ پانڈیوں کی ایک معقول تعداد مقتول ہوئی اور میرا خیال ہے کہ بہت ہی کم لوگ بچنے پائے ہیں' لیکن کسی عورت کو دیدہ و دانستہ ایذا نہیں پہنچائی گئی۔
کیمپ کی حفاظت کشن گنج کی ناکامی سے ایک حد تک خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ اس پر حملہ کا اندیشہ تھا مگر ہوا نہیں۔ سلیم گڈھ اور شاہی محل پر گولے برسائے جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کامل کامیابی یقینی ہے۔ ہماری فوج میں مقتول و مجروح دونوں کا شمار آٹھ سو سے کم نہ ہو گا۔ نکلسن کی جان کا سخت اندیشہ ہے۔ ان کے نقصان کی تلافی ناممکن ہے۔ [۲۲] کرنل کیمبل (۵۲ ویں) بھی ناقابل ہو گئے ہیں۔ پورے کرنل جو رہ گئے ہیں' ان کے نام یہ ہیں: لانگ فیلڈ (۸ ویں) جونز (۶۱ ویں) ڈینس (۵۲ ویں)۔ جنرل ولسن کی بہت کچھ ہمت افزائی کی گئی ہے۔
مسز کالون ۹ ویں کو انتقال کر گئیں۔
مسٹر ریڈ نے سینئر سولین [۲۳] ہونے کی حیثیت سے اس امر کے متعلق ایک غیر معمولی سرکاری گزٹ شائع کیا ہے کہ انہوں نے شمال مغربی صوبجات کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ برتریا کے پاس اس کے علاقہ کی وسعت کے مساوی سلطنت موجود ہے۔

آپ کا
ایچ۔ ایچ۔ گریٹ ہیڈ [۲۴]

☆ ☆ ☆

مراسلہ نمبر۱۴

جسے سر جان لارنس چیف کمشنر پنجاب نے جارج کارنک بارنس کے نام ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

لاہور ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۵۷ء

مائی ڈیئر بارنس۔

آپ نے جو پچاس روپے ڈاک بنگلہ میں اس غریب لڑکی کو دیئے تھے' میں انہیں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں رہا۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنی منزل مقصود تک بحفاظت تمام پہنچ گئی ہوگی۔ میں نے سانڈرس کو لکھ بھیجا ہے کہ (مولوی) رجب علی (صاحب) کو بھیج دیں جو غریب اپنی خدمات کے باوجود عجیب زغہ میں پھنس گئے ہیں۔

مجھے ملول کو پنجاب میں واپس بلا لینے سے خوشی ہوگی اور وہاں میں ان کے فوائد کا خاص خیال رکھوں گا۔

طوفان ختم ہو گیا اور ہمیں سانس لینے کی فرصت ملی اور جب میں گذشتہ واقعات پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ہم لوگ کس طرح سے اب تک جوں کے توں زندہ موجود ہیں۔ صرف خدا تعالیٰ کے رحم کی وجہ سے ہم زندہ بچے ہیں۔ یقیناً یہ بات ہماری توقعات سے زیادہ نکلی کہ تمام پنجابی پلٹنیں وفادار ہیں۔ ہزارہ کے بارہ میں مجھے بھی اطمینان نہیں ہوا۔ مری میں بھی اہم معاملہ رونما ہونے والا تھا اور جیسی کہ میں نے توقع کی تھی معاملات ابھی تک پورے طور پر طے نہیں ہوئے۔ میں پنڈی میں ایک اور فوج بھیج رہا ہوں اور اس فوج کو ہٹا دینا چاہتا ہوں جو لدھیانہ میں ابھی بھرتی کی گئی ہے۔ گوگیز میں بدانتظامی پھیلی ہوئی ہے اور جنگل بہت گھنا ہے اور باغیوں کو بڑی آسانی سے وہاں جائے پناہ مل سکتی ہے۔ جان چین جنہوں نے فوج کی کمان کی تھی' سخت بزدلے نکلے' اس لئے کہ جب بدمعاش ان کے قبضہ میں تھے' وہ ان کا کچھ بھی نہ کر سکے' اب انہیں بخار چڑھ آیا۔ لہٰذا انہیں بالضرور واپس آ جانا چاہئے کہ پھر کہیں میں امید کر سکتا ہوں کہ سارے معاملات ٹھیک طے ہو سکیں گے۔

سکھوں کی ان دو پلٹنوں کا کیا حشر ہوا جنہیں رکٹس [۲۵] نے بھرتی کیا تھا؟ مجھے امید ہے کہ انہیں چھوڑ نہ دیا گیا ہوگا۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں لوگوں کی ضرورت سے زیادہ تعریف کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ اب مجھے اپنی غلطی معلوم ہو گئی ہے' لیکن جو کچھ بھی میں کہتا ہوں اس سے میری مراد بھی وہی ہوا کرتی ہے اور میری رائے میں تو آپ نے بہت اچھا کیا کہ ڈویژن کو دائیں جانب رکھا اور فوج کو امداد دی۔ آپ کی چوکی سخت خطرہ میں تھی۔

پٹیالہ' نابھہ اور جیند [۲۶] کے لئے جو انعامات ہمیں تجویز کرنے چاہئیں' ان پر ذرا اپنے ذہن میں غور و خوض کر لیجئے۔ انہیں بالضرور انعام و اکرام دینا چاہئے۔ اگر وہ وفاداری نہ کرتے تو ہم کہاں کے رہتے۔

آپ کا صادق

جان لارنس

☆ ☆ ☆

حواشی

۱۔ ۱۸ جون ۱۸۵۷ء کے مراسلے کے نیچے جو نوٹ درج ہے 'اچانک اور زبردست حملہ کے سلسلہ میں اس سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ "روشن راتوں" سے مراد وہ راتیں ہیں جنہیں گولوں کے شعلوں نے روشن کر دیا ہو۔ ان الفاظ سے چاندنی راتیں نہ سمجھنا چاہیے۔ (مترجم)

۲۔ اس سے غالباً مراد یہ ہے کہ واقعات کی نشوونما توقعات کے مطابق عمل میں آ رہی ہے۔

۳۔ لفٹنٹ ڈبلیو ایس آر ہڈسن جو بعد میں "ہڈسن آف ہڈسنز ہارس" کے نام سے مشہور ہوئے۔

۴۔ لفٹنٹ ولبرفورس گریٹ ہیڈ (رائل انجینئرز)

۵۔ لفٹنٹ اے ڈبلیو مرے (جو ۴۲ویں این ایل آئی میں تھے) ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دھاوے میں مقتول ہوئے۔

۶۔ آنریبل آر کرزن جو کمانڈر انچیف کے فوجی سیکریٹری تھے اور جو بعد میں "ارل ہو" کے لقب سے ملقب ہوئے۔

۷۔ جنرل ریڈ وہ صاحب ہیں جو ۵ جولائی ۱۸۵۷ء کے دن جنرل برنارڈ کے ہیضہ سے انتقال کر جانے پر کمانڈر انچیف کی حیثیت سے ان کے جانشین مقرر ہوئے۔

۸۔ سپاہیوں کی جنگ کی تاریخ مصنفہ "کے" میں اس مراسلہ کے اقتباسات درج کئے گئے ہیں اور وہاں غلطی سے یہ لکھ دیا گیا ہے کہ یہ کلمات برنارڈ کی ایک چٹھی سے اخذ کئے گئے ہیں جو انہوں نے سر جان لارنس کو لکھی تھی۔ اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نقل لارنس کو بھی بھیجی گئی ہوگی اور بالآخر "کے" کے ہاتھوں میں پڑ گئی اور انہیں کوئی ایسی یادداشت نہ ملی جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ وہ کہاں سے دستیاب ہوئی۔

۹۔ ہاروے گریٹ ہیڈ جو پہلے میرٹھ کے کمشنر تھے اور اب میدانی فوج کے سیاسی مشیر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

۱۰۔ ۱۱ جون کو جنرل برنارڈ کی خدمت میں ایک اطلاع بھیجی گئی تھی جس میں کابلی دروازہ اور لاہوری دروازہ پر فوری حملہ کرنے کی مصلحت پر زور دیا گیا تھا۔ رپورٹ پر چار ماتحت افسروں (ولبرفورس گریٹ ہیڈ میونسپل چینی (انجینئرز) اور ہڈسن (محکمہ خفیہ) کے دستخط ثبت تھے۔ موخر الذکر بعد میں "ہڈسن آف ہڈسنز ہارس" کے نام سے مشہور ہوئے۔

بہت زیادہ غور و تامل کے بعد برنارڈ نے اسکیم کو منظور کر لیا۔ حملہ ۱۲ تاریخ کی رات کو تاریکی میں کیا جانے والا تھا لیکن جب مقررہ وقت پہنچا تو معلوم ہوا کہ مجوزہ مہم کے لئے جو فوج منتخب کی گئی تھی اس کا ایک اہم حصہ موجود نہیں ہے۔ بریگیڈیئر گریوز نے احکام کا مطلب غلط سمجھا اور اس لئے وہ اپنے تین سو سپاہیوں کو لے کر مقررہ مقام پر نہ آ سکے۔ دستہ اس طرح سے کمزور ہو گیا اور معرکہ کے لئے کسی حالت میں مضبوط نہ تھا اور اس لئے مجبوراً حملہ کرنے والی فوج کو اپنے کوارٹر میں واپس آنے کے احکام صادر کر دیے گئے۔

۱۱۔ نواب لفٹنٹ گورنر صوبہ جات شمال مغربی۔

۱۲۔ سرکاری مراسلہ

۱۳۔ تخت

۱۴۔ کرنال اور انبالہ کا درمیانی دریا

۱۵۔ چیمبر لین کو جان لارنس نے اول اول پنجاب کے متحرک دستہ کا کمانڈر بنایا تھا' لیکن کرنل چیسٹر کی وفات پر جو باؤلی کی سرائے والے معرکہ میں مقتول ہو گئے تھے وہ ایجوٹنٹ جنرل بنا دیے گئے۔

۱۶۔ بریگیڈیئر جنرل چیمبر لین (ایجوٹنٹ جنرل) ۱۴ جولائی کو سخت مجروح ہو گئے تھے اور لفٹنٹ نارمن ان کی جگہ پر قائم مقام مقرر ہوئے تھے۔

۱۷۔ یہ خاتون ''آرلینز کی کنواری عورت'' کے نام سے بھی شہرت رکھتی ہے۔ یہ فرانس میں منیسی کے قریب پیدا ہوئی تھی۔ سن پیدائش صحیح طور پر معلوم نہیں۔ لیکن چونکہ وہ عین عالم شباب میں ۱۴۳۱ء میں جلا دی گئی تھی اس لئے بالضرور پندرہویں صدی کی ابتدا میں پیدا ہوئی ہو گی۔ مارچ ۱۴۲۹ء کا واقعہ ہے کہ شہر آرلینز کو انگریزی افواج نے محصور کر رکھا تھا۔ یہ فرانس کے بادشاہ چارلس ہفتم کے پاس گئی اور کہا کہ مجھے غیب سے یہ کام سپرد ہوا ہے کہ میں شہر کو بچالوں اور آپ کی تخت نشینی کا انتظام کروں۔ پارلیمنٹ کے سوال و جواب پر اسے وزیر جنگ بنا دیا گیا اور وہ پھر اپنے مشن کی تکمیل پر روانہ ہوئی۔ اس نے ڈیونوائے اور الینکوں جیسے بہادر سپاہیوں سے خراج تحسین وصول کیا اور اپنی ذاتی دلیری اور بسالت سے افواج میں غیر معمولی جوش پیدا کر دیا۔ اس نے بالآخر آرلینز کو بچالیا (۸ مئی)۔ ۱۷ جولائی کو تخت نشینی کے مراسم ادا ہوئے۔ اس کے بعد اس نے پیرس کی جانب اپنی توجہ مبذول کی' لیکن اس میں اسے ناکامی ہوئی اور وہ زخمی ہو گئی۔ ۱۴۳۰ء میں اس نے کمپین کے محصور شہر سے نکل کر ایک شبخون مارا' مگر گرفتار ہو کر انگریزوں کے ہاتھ فروخت کر دی گئی۔ اسے روآن میں مقید کیا گیا اور اس سے سخت تشدد کا سلوک روا رکھا گیا۔ ۹ جنوری ۱۴۳۱ء کو اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ یہ عدالتی کارروائی محض برائے نام تھی اس لئے کہ جتنا وہاں انصاف کا خون ہوا ہے اتنا کہیں نہیں ہوا ہو گا۔ بووے کے بشپ کی گواہی پر اس پر جادوگر کا الزام رکھا گیا اور اسی جرم کی پاداش میں اسے ۳۰ مئی ۱۴۳۱ء کو نذر آتش کر دیا گیا۔ اس وقت سے اسے تقدس کا درجہ دے دیا گیا ہے اور مغرب کے مصوروں نے اس کی تصاویر بنا کر اسے غیر فانی بنا دیا گیا ہے (مترجم)

۱۸۔ ہز میجسٹی ملک معظم کے جہازات موسومہ پرل اور شینن (جو کپتان ولیم پیل کے ماتحت تھے) کے ملاحوں سے مراد ہے۔

۱۹۔ لفٹنٹ ولبرفورس گریٹ ہیڈ رائل انجینئرز۔

۲۰۔ مسٹر کالون ۹ ستمبر کو انتقال کر چکے تھے۔ لفٹنٹ ولبرفورس گریٹ ہیڈ (رائل انجینئرز) جو دوسرے دستہ سے متعلق تھے۔

۲۱۔ لفٹنٹ کرنل ایڈورڈ گریٹ ہیڈ جو آٹھویں پلٹن اور دوسرے دستہ کے ایک حصہ کے کمانڈر تھے۔ بعد میں وہ تعاقب کرنے والے دستہ کے کمانڈر مقرر ہوئے۔ (مترجم)

۲۲۔ بریگیڈیئر جنرل جان نکلسن ۲۳ ستمبر کو انتقال کر گئے۔

۲۳۔ شمال مغربی صوبجات کے صاحب لفٹنٹ گورنر کا نام۔

۲۴۔ ہروے گریٹ ہیڈ (مصنف مراسلہ ہذا) ہیضہ میں مبتلا ہونے کے تین دن بعد ۱۹ ستمبر کو اسی مرض میں انتقال کر گئے۔

۲۵۔ جی ایچ ایم رکٹس ڈپٹی کمشنر لدھیانہ۔

۲۶۔ نواب صاحب جھجر اور رئیس دادری (جن پر بغاوت کرنے کا الزام تھا) کی ضبط شدہ جاگیریں ان تینوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔

بہادر شاہ کا مقدمہ

["دیباچہ

خدا کی شان کے قربان ہونا چاہیے۔ ایک زمانہ تھا ہندوستان میں مغل بادشاہ فاتح کی حیثیت میں داخل ہوئے تھے۔ بابر و ہمایوں نے لودھی سلطنت کا چراغ گل کیا تھا یا وہ وقت بھی آیا کہ مغلوں کی حکومت کا چراغ بھی جھلملا جھلملا کر خاموش ہو گیا۔ بہادر شاہ تیموری خاندان کے آخری شہنشاہ تھے اور ان کا نام سراج الدین تھا۔ سراج عربی زبان میں چراغ کو کہتے ہیں۔ بہادر شاہ کیا مٹے مغل سلطنت کا چراغ بجھ گیا۔ اس کتاب میں وہ داستان ہے جو تیموریہ خاندان کی تاجداری کا خاتمہ سناتی ہے۔ اس میں ان تمام حالات کی تفصیل ہے جن کی بنا پر بہادر شاہ دوامی طور پر تخت دہلی سے محروم کر دیے گئے۔ جب یہ کتاب پڑھ لی جائے گی تو زوال سلطنت کے تمام اسباب بر نظر آسانی سے بجھ جائے گا۔ ضرورت نہیں ہے کہ ان پر یہاں گفتگو کی جائے۔

اس کتاب میں جس قدر شہادتیں بہادر شاہ بادشاہ کے خلاف جمع کی گئی ہیں اور جن پر سرکاری وکیل نے ایک طولانی تقریر ججوں کے سامنے کی تھی' ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بہادر شاہ اور اسلام و مسلمان اس غدر و فتنہ و فساد کے بانی مبانی تھے۔ میں یہ دیباچہ اسلام کو یا مسلمانوں کو یا بہادر شاہ کو اعتراضات سے بچانے کے واسطے نہیں لکھتا' نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ بہادر شاہ کو بے قصور ثابت کروں کیونکہ اگر میں ایسا کر بھی سکوں' تو باوجود لاجواب ہونے کے انگریز اس سے قائل نہ ہوں گے اور نہ یہ امید ہے کہ بہادر شاہ کا موروثی ملک ان کی اولاد کو پھر واپس دے دیا جائے گا۔ میری خواہش تو صرف اتنی ہے کہ اس کتاب کے بعض الجھے ہوئے مضامین ناظرین کو سمجھاؤں اور اسباب غدر کے فلسفہ کو مورخانہ حیثیت سے غور کروں' تا کہ اس کتاب کے پڑھنے والے مقدمہ بہادر شاہ کی وجوہات اور الزامات کو تاریخی روشنی میں دیکھ سکیں اور ان کو معلوم ہو جائے کہ منصفانہ حاصل مقصد اس فساد کا کیا تھا۔ جو کچھ اس مقدمہ کے دوران میں عدالت کے سامنے استغاثہ نے پیش کیا' میرا منصب نہیں ہے اور نہ اتنی جگہ ہے کہ میں اس پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کروں۔ میں تو مجمل طور پر یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ غدر میں دہلی شہر کے اندر انقلاب حکومت کی جو بساط بچھائی گئی تھی اور جس قدر مہرے اس میں حرکت کرتے ہوئے نظر آتے تھے' ان میں سے ایک شخص بھی سوائے صوبہ دار بخت خاں کے غدر کا بانی مبانی یا محرک اس کی ابتدائی سازش کا شریک نہ تھا بلکہ اس عظیم الشان فساد کی بنیاد رکھنے والے کچھ اور ہی لوگ تھے' جو ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے رہے اور آخر وقت تک سامنے نہ آئے۔ میں یہ نہیں بتا سکتا' کیونکہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ غدر کے اصلی بانی مبانی ہندو تھے یا مسلمان' والیان ریاست تھے یا عوام' فوجی تھے یا شہری۔ اودھ کے تھے یا بنگال کے' جنوب کے تھے یا شمال کے۔ میرا مقصد تو صرف یہ کہنا

ہے کہ مقدمہ بہادر شاہ میں جن لوگوں پر غدر کا الزام لگایا گیا یا جن پر غدر کرانے کا جرم عاید ہوا' ان کو بانی غدر کا خطاب دینا بالکل جائز ہے۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ غدر میں جن لوگوں کو سزائیں دی گئیں' وہ حقیقت میں مجرم نہ تھے اور سب کے سب بیگناہ تھے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ غدر میں انگریزوں نے جن ہندو مسلمانوں کو سزائیں دیں' ان میں سے ایک حصہ اس کا مستحق تھا اور کچھ ایسے تھے جو غلط فہمی کے سبب بے گناہ مارے گئے۔ میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں نے غدر میں شرکت کی اور انگریزوں کے خلاف تلوار اٹھائی اور ناجائز ظلم و ستم کیئے اور اس کے عوض خود بھی انگریزوں کے انتقام کا شکار ہوئے وہ اصلی بانی غدر نہ تھے بلکہ پردہ کے پیچھے چھپی ہوئی ایک جماعت نے ان کو بھڑکایا اور اس قسم کے خلاف انسانیت جرائم پر آمادہ کیا اور جب انتقام کا وقت آیا تو پردے میں چھپی ہوئی جماعت آرام سے محفوظ بیٹھی رہی اور اس کے اشاروں پر بھڑک اٹھنے والی جماعتیں انگریزوں کے جوش انتقام سے تباہ و برباد ہو گئیں۔

مقدمہ بہادر شاہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں دہلی شہر تمام باغی قوتوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اگرچہ غدر کی ابتدا میرٹھ سے ہوئی' لیکن وہاں کی باغی افواج نے سب سے پہلے دہلی کا رخ کیا۔ یہی حال اور شہروں کا تھا کہ جہاں جہاں فوجیں باغی ہوتی تھیں' سیدھا دہلی کا رخ کرتی تھیں' کیونکہ دہلی میں مغلیہ سلطنت کے نام چار کے ایک بادشاہ موجود تھے' جن کو ہندو مسلمان صدیوں کی روایات کی بنا پر دلوں میں اپنا بادشاہ سمجھتے تھے اور ان کی مجبوری و محصوری سے دل ہی دل میں کڑھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ غدر اور بغاوت کے بعد ہر شخص دہلی کا رخ کرتا تھا' کیونکہ بادشاہ دہلی کو اس موقع کے لئے سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے بزمانہ غدر دہلی شہر میں سب سے بڑی شخصیت بہادر شاہ بادشاہ کی تھی اور ان کے بعد ان کے بیٹے مرزا مغل اور صوبہ دار بخت خاں تھے۔ مرزا خضر سلطان یا خیر سلطان اور مرزا ابو بکر اور مرزا عبداللہ شاہی نسل میں ہونے کے سبب باغی افواج کے عہدے دار بنا دیئے گئے تھے' مگر جو شخصیت مرزا مغل اور بخت خاں اور بہادر شاہ کی تھی وہ کسی اور کی نہ تھی۔ یوں ہونے کو تو مقدمہ بہادر شاہ میں سینکڑوں نام محرکین غدر کے نظر آتے ہیں مگر اصلی روح رواں تمام قوتوں کے یہی تین آدمی تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تینوں میں کون سب سے زیادہ اس کی اہلیت رکھتا تھا کہ انقلاب جیسے مشکل کام کی سرپرستی اور رہنمائی کر سکتا؟ مجھے یقین ہے کہ بہادر شاہ اور ان کے بیٹے مرزا مغل میں انقلاب کی رہنمائی کا کچھ بھی مادہ و سلیقہ نہ تھا' البتہ بخت خاں صوبہ دار اس کی قابلیت رکھتا تھا۔ اگر اس کو بہادر شاہ بادشاہ اور مرزا مغل کی سی شاہانہ شخصیت حاصل ہوتی تو وہ ضرور اپنی فوجی و انقلابی لیاقت سے انگریزوں کو ہندوستان سے پورے طور پر بے دخل کرنے میں کامیاب ہو جاتا' کیونکہ آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انقلابی جماعت کا وہی ایک ہونہار رکن تھا اور ایک مخصوص قابلیت' فاتح ہونے کی اس کے اندر موجود تھی جس کو انگریزوں کی فوجی تربیت نے چار چاند لگا دیئے تھے۔ انقلاب پسند افراد میں سے صرف ایک صوبہ دار بخت خاں پردے کے باہر میدان میں آیا تھا۔ اگرچہ کچھ اور لوگ بھی عمل کارگذاریوں کے وقت کھلم کھلا اس کے ساتھ ہوتے اور مغلوں کے شاہی خاندان کا نا سد راہ نہ ہوتا' تو آج ہندوستان میں بخت خاں کا بیٹا یا پوتا حکمراں نظر آتا' مگر مشکل یہ آن پڑی تھی کہ باغی افواج اور تمام ملک کو شاہی خاندان اور اس کے سرغنہ بہادر شاہ پر اعتماد تھا۔ اس کے سوا کسی اور کی سرداری وہ قبول نہ کر سکتے تھے اور شاہی خاندان بادشاہ سمیت فن حرب اور تدابیر سیاسی سے قطعاً نابلد تھا۔ نہ اس کے اندر مغلوں کی وہ قدیمی سرفروشانہ و فاتحانہ روح باقی تھی' نہ وہ جفاکشی اور محنت کے عادی تھے اور نہ

ایسی نازک اور مخدوش حالت کو قابو میں کرنے کی ان کے دل و دماغ میں قابلیت تھی۔

صوبہ دار بخت خاں نے بڑی گہری چال چلی تھی کہ تمام بادشاہ کار ہے اور کام میں کروں اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہادر شاہ نے بھی اس نکتہ کو سمجھ لیا تھا اور اپنی کمزوری اور اپنے لڑکوں اور خاندان کی نالائقی کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ صوبہ دار بخت خاں میں ہر قسم کی قابلیت موجود ہے۔ اسی واسطے انہوں نے تمام اختیارات بخت خاں کے ہاتھ میں دے دیئے تھے اور اس کو لارڈ گورنر بنا دیا تھا' مگر بدقسمتی سے مرزا مغل اس نکتہ کو نہیں سمجھے تھے۔ ان کو خود مختار بادشاہ بننے کا خبط ہو گیا تھا۔ وہ خیال کرنے لگے تھے کہ بہادر شاہ چند دن کے مہمان ہیں۔ ولی عہد کمسن بچہ ہے۔ انگریزوں کا میدان صاف ہے۔ اب میرے سوا کون ہندوستان کا بادشاہ بن سکتا ہے؟ یہ نہ سمجھے کہ بادشاہی کانٹوں کی سیج ہے۔ اس پر سونا آسان نہیں ہے اور اس کے لئے بہت بڑی قابلیت درکار ہوا کرتی ہے۔

انجام یہ ہوا کہ مرزا مغل نے بخت خاں کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالیں اور ان سے مخالفت شروع کی اور بخت خاں بچارے پر حریفوں کے مقابلہ کا بوجھ ٹوٹ پڑا۔ ایک طرف انگریز تھے دوسری طرف مرزا مغل۔ اسی کش کش میں فوجیں قابو سے باہر ہو گئیں۔ انتظام کی مشین بگڑ گئی' انگریزوں نے دہلی فتح کر لی اور انقلاب کی اسکیم دھواں ہو کر اڑ گئی۔

ان تمام حالات کو سننے کے بعد آسانی سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مقدمہ بہادر شاہ میں جن جن لوگوں پر غدر کا الزام لگایا گیا تھا' وہ محض بے قصور تھے سوائے صوبہ دار بخت خاں کے۔ بہادر شاہ نے جو تحریری بیان اپنا پیش کیا' وہ ایک حد تک بالکل صحیح ہے یعنی غدر کی سازش سے ان کو کچھ بھی تعلق نہ تھا اور ان کو انقلابی تحریکوں کا سرپرست ثابت کرنا بالکل ناممکن ہے۔ حضرت پیرزادے حسن عسکری صاحب کی نسبت یہ کہنا کہ انہوں نے غیبی اشارات کے سہارے بادشاہ کو غدر اور انقلاب پر آمادہ کیا' بالکل جھوٹ اور بہتان ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ حسن عسکری صاحب نے کچھ خواب بہادر شاہ کے سامنے بیان کئے ہوں گے اور بادشاہ ان خوابوں کی تعبیر سے خوش ہوئے ہوں گے' لیکن یہ بات بالکل غلط ہے کہ محض خواب دیکھنے کی بنا پر اور حسن عسکری صاحب کے کہنے سے بادشاہ ایک ایسے عظیم الشان انقلاب کے لئے آمادہ ہو گئے کیونکہ بادشاہ کی طاقت اور عقل اور ظاہری ذرائع اس بڑے منصوبے کے سراسر خلاف تھے۔ ہر آدمی اپنے متعلق کوئی اچھا خواب سن کر یا اچھی پیشین گوئی معلوم کر کے قدرتاً خوش ہوا کرتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ خواب اور پیشین گوئی سے متاثر ہو کر اس قسم کے احمقانہ اور خلاف عقل افعال کے لئے بھی آمادہ ہو جائے جیسا کہ بہادر شاہ کی نسبت سے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بالکل قرین عقل ہے کہ شیدی قنبر کو ایران یا ترکی میں بھیجا گیا ہو مگر یہ کوئی ایسا جرم نہیں ہے کہ جس کو اسباب غدر میں شمار کیا جائے۔ اگر انگریز بہادر شاہ کی جگہ ہوتے اور بہادر شاہ نے ان کے موروثی ملک پر قبضہ کر لیا ہوتا تو کیا وہ یورپ کے بادشاہوں کو مدد کا بلاوا نہ دیتے یا اس قسم کی خفیہ سفارتیں نہ بھیجتے! یہ ہر انسان کی فطرت ہے۔ اگر بہادر شاہ یا حسن عسکری نے ایسا کیا' تو کوئی جرم کی بات نہیں کی۔ کیونکہ اسباب غدر کو ترکی و ایران سے کچھ تعلق نہیں ہوا' یعنی نہ ترکوں نے ہندوستان کی کچھ مدد کی اور نہ ایرانیوں نے۔ بہادر شاہ نے اپنے تحریری بیان میں اپنی سراسر مجبوری کا اظہار کیا ہے۔ ایک مقدمہ کی حالت میں ان کو ایسا ہی کرنا چاہئے تھا مگر آج جبکہ سب معاملات ختم ہو چکے ہیں' ایک مورخ یہ رائے دے سکتا ہے کہ بہادر شاہ اگرچہ مجبوری سے باغی فوج کے ساتھ ہوئے اور ناجائز قتل و غارت کا انہوں نے کبھی حکم نہیں دیا اور ظلم و ستم سے وہ حد درجہ

ناخوش تھے' تاہم انقلاب کی حالت دیکھ کر اور انگریزوں کی شکست کے آثار محسوس کر کے اپنے تاج و تخت کی بحالی کا ان کو ضرور خیال آیا ہوگا اور انہوں نے فوج کے مجبور کرنے کے بعد جب انقلاب کی سرپرستی قبول کی ہوگی تو وہ سچے دل سے چاہتے ہوں گے کہ انگریزوں کا پوری طرح قلع قمع ہو جائے اور ہندوستان میں ان کا نام و نشان کہیں بھی باقی نہ رہے۔

مفتیان تاریخ کی نظر میں یہ خیال جرم نہیں ہے۔ ہر دور اور ہر انقلاب کے زمانہ میں یہ مسئلہ جائز قرار دیا گیا ہے۔ اگر بہادر شاہ کامیاب ہو جاتے اور انگریزوں پر اسی قسم کا مقدمہ قائم کیا جاتا' تو کیا مغل دربار کا سرکاری وکیل انگریزوں کو مجرم ثابت کرنے میں انگریزی وکیل سے کچھ کم رہتا۔ یہ تو دنیا میں ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی ہے' بھینس کی ملکیت کی ہزاروں دلیلیں وہ جمع کر سکتا ہے۔

سرکاری وکیل نے جو دھواں دھار تقریر روئداد مقدمہ پر کی ہے اس کے تمام بڑے بڑے حصوں کا جواب میں سمجھتا ہوں اشاروں ہی اشاروں میں میں نے دے دیا۔ صرف ایک چیز باقی ہے جس کو میں جداگانہ حیثیت سے رد کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ سرکاری وکیل نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ یہ غدر مسلمانوں کی سازش کا نتیجہ تھا اور اسلام ابتدا سے اس قسم کی ناروا سازشوں اور خوں ریزیوں کا حامی و مددگار ہوتا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ الزام کئی وجہ سے مسلمانوں اور اسلام پر لگایا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ بہادر شاہ مسلمان تھے اور تمام باغیوں کا مرکز بن گئے اور جس قدر ناجائز مظالم جاہل فوجیوں کے ہاتھ سے انگریز عورتوں اور بچوں پر ہوئے ان کا ذمہ دار و سردھرا بہادر شاہ کے سوا دوسرا کون تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ فاتح قوم کو زیادہ کھٹکا مسلمانوں کا رہتا تھا' کیونکہ ملک مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے لیا گیا تھا اور ہندوستان کی دیگر غیر مسلم اقوام کے مقابلہ میں مسلمان ہی سب سے زیادہ حاکمانہ و سپاہیانہ قوتیں رکھتے تھے۔ تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ سرکاری وکیل ہندوستان کے اتحاد کو برٹش گورنمنٹ کے قبضے اور تفرقہ ہندوستان کے خلاف سمجھتا تھا اور شاید امن قائم رکھنے کی ضرورت ہی اس امر کی متقاضی تھی کہ ہندو مسلمانوں کے اتحاد میں تفرقہ ڈالا جائے اور وہ جب ہی ہو سکتا تھا کہ ایک فریق کی جانب داری ہو اور دوسرے پر الزامات رکھ دیے جائیں۔ میں ان تمام وجوہات کو پیش نظر لانے کے بعد سرکاری وکیل کی آتش بیانی کو معاف کر دینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے جو کچھ کہا اور جیسے جیسے الزام مسلمانوں اور اسلام پر لگائے اور جیسا سخت لہجہ اختیار کیا' وہ اگرچہ صداقت کے اعتبار سے بالکل کمزور اور بودا معلوم ہوتا ہے۔ تاہم ایک ایسے وقت جبکہ انگریزوں کے دلوں کے زخم ہرے تھے' غدر نیا نیا ہو چکا تھا۔ انگریزوں کو اپنی عورتوں اور بچوں کی دردناک داستانیں یاد تھیں۔ تیموریہ اقبال بحالت اسیری' بحیثیت مجرم' عدالت کے کٹہرے میں حاضر تھا۔ سرکاری وکیل اگر ایسی خشمناک تقریر نہ کرتا تو میں سمجھتا کہ وہ آدمی نہیں پتھر تھا۔ انسان جب مایوس ہو جاتا ہے یا تو اس وقت زبان درازی کرتا ہے اور یا جب ہر خطرہ سے محفوظ ہو جاتا ہے تب اس قسم کی باتیں کرنے کی جرأت اس کو پیدا ہوتی ہے' البتہ موجودہ نسلوں کے لیے یہ لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سازش اور بغاوت کا حامی نہیں ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں جس قسم کے ناجائز واقعات پیش آئے' اسلام نے کہیں بھی ان کی اجازت نہیں دی۔ تیرہ سو برس سے آج تک تاریخ ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کرتی کہ اسلام کی اجازت سے اس قسم کی کوئی حرکت کی گئی ہو جیسی غدر ۵۷ء میں پیش آئی' البتہ مسلمانوں کے ذاتی افعال کا اسلام ذمہ دار نہیں ہے۔ اگر کوئی مسلمان شراب پئے' زنا کرے' چوری اور جوئے کا ارتکاب اس سے سرزد ہو تو اس کا جواب دہ اسلام نہیں ہوگا بلکہ مسلمانوں

کی بشری اور نفسانی سرشت پر اس کا الزام بھی رکھا جائے گا' کیونکہ کوئی مذہب کسی آدمی کو سراسر بے نفس بنا دینے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی عیسائی کسی کے چہرہ پر ظلم کا ایک طمانچہ مارے یا جبر سے کسی کو بیگار میں پکڑ کر لے جائے تو کیا اس کا الزام عیسائیت پر لگایا جا سکے گا؟ ہر گز نہیں کہ عیسائی مذہب تو یہ سکھاتا ہے کہ اگر کوئی تیرے رخسار پر ایک طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کے آگے کر دے کہ ایک اور مار لو' اور اگر تجھ کو کوئی ایک میل بیگار میں لے جائے تو تُو دو میل اس کے ساتھ چلا جا۔

بہر حال سرکاری وکیل کی پُر جوش تقریر پر یہ حاشیہ کافی سمجھا جائے گا اور یہ سمجھنے میں کچھ دشواری نہ ہو گی کہ سرکاری وکیل نے اسلام پر جس قدر الزام لگائے' وہ سب غلط اور ذاتی جوش کا نتیجہ تھے۔

مقدمہ بہادر شاہ میں پیرزادے حسن عسکری کا جگہ جگہ ذکر آیا ہے اور مقدمہ کی ضرورت سے ان کا چال چلن مشتبہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ناظرین کتاب ہذا کے سامنے میں صداقت سے شہادت دینی چاہتا ہوں کہ وہ بزرگ بالکل بے عیب اور پاک نفس تھے۔ بادشاہ پر جو رسوخ ان کو حاصل تھا' وہ ان کی جان لینے کا باعث ہوا۔ جناب نواب محمد خضر صاحب دہلوی پنشنر تحصیلدار نے اپنے والد مرحوم کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت حسن عسکری کی صورت ایسی نورانی تھی کہ جو ان کو دیکھتا تھا' مسخر ہو جاتا تھا۔ وہ حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسوی کے خلیفہ تھے۔ نواب خضر صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے والد نے مجھ سے ارشاد کیا کہ بیٹا! اگر تم حضرت حسن عسکری کو دیکھتے تو تم کو یہ خیال ہوتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی صحابی جا رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ حضرت حسن عسکری کو پھانسی دے دی گئی اور آج ان کا ذکر نامناسب الفاظ میں کیا جاتا ہے مگر دنیا کا انصاف اور ہندوستان کی اقوام حضرت حسن عسکری کے نام کو ہمیشہ عزت کے ساتھ یاد رکھیں گی!

مقدمہ بہادر شاہ میں حکیم احسن اللہ خاں صاحب کا نام جگہ جگہ آیا ہے اور ان کی شہادت تمام مقدمہ کی جان ہے۔ وہ دہلی کے ممتاز رئیسوں میں تھے۔ طبی اور دینی معلومات اعلیٰ درجہ کی رکھتے تھے۔ مدبری میں ان کے دماغ کو خاص دستگاہ حاصل تھی۔ ان کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑے دور اندیش تھے اور انہوں نے باغی افواج کے ابتدائی طرز عمل سے سمجھ لیا تھا کہ ان کا انگریزوں کے سامنے ٹھہرنا ناممکن ہے اور وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جبکہ انگریز دہلی کو دوبارہ فتح کر لیں گے اور ہندوستان پر ان کا پورا تسلط ہو جائے گا۔ اس واسطے انہوں نے اپنی پالیسی یہ مقرر کی کہ ایک طرف بادشاہ کو نیک صلاحیں دیتے رہے اور دوسری طرف انگریزوں سے بھی خفیہ میل جول قائم رکھا اور یہی وجہ ہوئی کہ باغی افواج نے ان کو انگریزوں کا آدمی سمجھ کر قتل و قید کا کئی مرتبہ ارادہ کیا اور ان کا گھر بھی لوٹا گیا اور یہی وجہ ہے کہ غدر سے لے کر آج تک دہلی میں ان کا نام نہایت نفرت و حقارت سے لیا جاتا ہے اور بہادر شاہ کے نام سے چند اشعار جگہ جگہ پڑھے جاتے ہیں' جن میں حکیم احسن اللہ خاں کو بہادر شاہ نے یہودی کہا ہے اور ان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی کا باعث قرار دیا ہے۔

بچپن میں مَیں نے خود اپنے والدین سے خصوصاً والدہ صاحبہ سے حکیم احسن اللہ خاں کے خلاف بہت سخت اور بری بری روایتیں انگریزوں کی تائید کی سنی تھیں' مگر آج جب میں نے مقدمہ بہادر شاہ کو پڑھا تو ایمانا میری رائے یہ ہو گئی کہ حکیم احسن اللہ خاں مسلمانوں اور ہندوستان اور بہادر شاہ کے غدار نہ تھے۔ انہوں نے جو کام کیا' ملک و قوم کی ہمدردی کی

وجہ سے کیا۔ اس میں ان کی ذاتی غرض کو کچھ دخل نہیں تھا۔ تمام الزامات کی تردید ان کی شہادت کرتی ہے۔ جو شخص حکیم صاحب کے بیان کو غور اور انصاف سے پڑھے گا وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ حکیم صاحب نے نہایت عقلمندی سے بادشاہ کو اور مسلمانوں کو الزامات بغاوت سے بچانے کی کوشش کی ہے۔ اگر وہ انگریزوں کے دوست اور ملک و قوم کے دشمن ہوتے تو ان کی شہادت سراسر سرکاری وکیل کے حسب منشا ہوتی' لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا بڑا حصہ استغاثہ کے خلاف ہے۔ کہا جائے گا کہ شہادت کے بعض حصے مجرموں کے خلاف بھی پائے جاتے ہیں۔ میں اس کا انکار نہیں کرسکتا اور انہی حصوں نے مجھ کو حکیم صاحب کی ایمانداری کا قائل کیا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں ایمان اور سچائی سے کہتے ہیں۔ ایک طرف انہوں نے بادشاہ اور شاہی خاندان کو بناوٹی الزامات سے صاف کیا اور دوسری طرف جو اصلی قصوروار تھے ان کا بھی اقرار کرلیا تو کیا انصاف سے آنکھ بند کرلی جائے اور کیا انقلاب پسندوں کے کسی ایسے جرم کو جو ان سے سرزد ہوا' بیان نہ کیا جائے اور کیا غدر ۵۷ء میں باغیوں سے جرائم سرزد نہ ہوئے تھے۔ مجھے امید ہے کہ دہلی کی موجودہ نسل اور آنے والی نسلیں حکیم احسن اللہ خاں کے ساتھ آئندہ عناد اور نفرت کو دل میں نہ رکھیں گے کہ مقدمہ بہادر شاہ کی شہادت نے ان کو ملک و قوم کا اصلی دوست ثابت کر دیا۔

بہادر شاہ کے اشعار جو حکیم صاحب کی ہجو میں پڑھے جاتے ہیں یا عام چرچے ان کے خلاف ہوتے ہیں' ان کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ اشعار بہادر شاہ نے نہ کہے ہوں یا ممکن ہے کہ ان کو بھی کسی نے حکیم صاحب کی طرف سے بہکا دیا ہو اور عوام کی شہرت تو کسی اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ یہ تو ہمیشہ بات کا بتنگڑ بنالیا کرتے ہیں۔ ان کے دربار میں اکثر بے گناہ کو گناہگار اور گناہگار کو بیگناہ بنایا جاچکا ہے۔ جس کی مثالیں آج کل بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ حکومت سے ساز باز رکھتے ہیں ان کو پبلک کا خیر خواہ سمجھا جاتا ہے اور جو پبلک کے خیر خواہ ہیں' ان کو حکومت کا خوشامدی خطاب ملتا ہے۔

بہادر شاہ بادشاہ کی چہیتی بیوی زینت محل تھیں۔ مرزا جواں بخت انہیں کے لڑکے تھے جن کی شادی دہلی میں نہایت دھوم دھام سے ہوئی تھی اور جن کے سہرے لکھنے میں ''غالب اور ذوق'' کی چشمک کے افسانے شمس العلماء آزاد نے ''آب حیات'' میں لکھے ہیں۔ ایام غدر میں ان پر بھی شبہ کیا گیا تھا کہ انگریزوں سے ملی ہوئی ہیں اور انگریزوں نے ان سے جواں بخت کو بادشاہ بنانے کا وعدہ دے کر اپنی طرف ملالیا ہے۔ اسی واسطے باغیوں نے کئی مرتبہ بہادر شاہ سے یہ مطالبہ کیا کہ زینت محل ہمارے سپرد کردی جائیں تاکہ ہم ان کو اس جرم کی سزا دیں جیسا کہ بادشاہ نے اپنے بیان میں خود لکھا ہے۔

مگر مقدمہ کی روئداد سے اور انگریزوں کے ان خطوط سے جو غدر کے زمانہ میں ان کے آپس میں آتے جاتے تھے اور جن کو حاصل کرکے میں نے چھاپ دیا ہے' کہیں زینت محل کے ساز باز کا اشارہ نہیں پایا جاتا اور دشمنوں نے ان کی نسبت عداوت سے یہ بے پر کی خبر اڑا رکھی تھی۔ سب سے بڑا ثبوت انگریزوں سے سازش نہ رکھنے کا یہ ہے کہ غدر کے بعد ان کے رہنے کا مکان مہاراجہ پٹیالہ کو دے دیا گیا جو آج تک ریاست پٹیالہ کے قبضہ میں ہے۔ لال کنوئیں اور فراش خانہ کے وسط میں یہ عمارت اب بھی موجود ہے۔ اس کا پھاٹک لب سڑک نظر آتا ہے۔ جس کے اوپر بہادر شاہ کی کہی ہوئی اور خاص ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تاریخ کندہ ہے۔ اگر زینت محل انگریزوں سے ساز باز رکھتی ہوتیں تو ان کے رہنے کا مکان

غیروں کو نہ دیا جاتا یا ان کے اور ان کے بچوں کے ساتھ کوئی ایسا سلوک ہوتا جیسا کہ مرزا الٰہی بخش کے ساتھ کیا گیا۔

مجھے تعجب ہے کہ مقدمہ بہادر شاہ میں مرزا الٰہی بخش صاحب کا نام کہیں نہیں آیا' حالانکہ انہوں نے انگریزوں کی بڑی مدد کی تھی جس کے صلہ میں غدر کے بعد بارہ سو روپے ماہوار ان کی پنشن مقرر کی گئی اور جوان کے تین لڑکوں مرزا سلیمان جاہ' ثریا جاہ' اقبال شاہ کو تقسیم ہو کر ملتی رہی اور اب ان کی اولاد کو مل رہی ہے۔ تیموریہ خاندان کے جتنے لوگ دہلی میں ہیں' سرکاری منشا سے مرزا الٰہی بخش صاحب کا خاندان ان لوگوں کا سر دھرا سمجھا جاتا ہے۔ جو روایتیں مرزا الٰہی بخش صاحب کی نسبت انگریزوں سے ساز باز کرنے کی مشہور ہیں' میں ان کو لکھنا نہیں چاہتا۔ اس واسطے کہ مقدمہ ہذا کی مسل میں مرزا الٰہی بخش صاحب کا نام ہی کہیں نہیں آیا۔ لہٰذا میں بھی سکوت اختیار کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

بہادر شاہ کا کیریکٹر اس کتاب اور اس کے حصوں سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے' لیکن ایک بات ایسی ہے جس کی نسبت میں بھی اشارہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ وہ حالت اسیری میں بھی صحیح دماغ رکھتے تھے اور مقدمہ میں ان کی جرح خاص قانونی نکتوں پر ہوتی تھی' حالانکہ بیٹوں اور پوتوں کی ہلاکت اور بڑھاپے میں اپنے گھربار کی تباہی کے بعد کوئی بوڑھا آدمی اپنے حواس میں نہیں رہ سکتا' مگر بہادر شاہ کی یہ خصوصیت قابل تعجب ہے کہ وہ آخر وقت تک مضبوط رہے اور مقدمہ میں ایسی جرح کی کہ گواہ لاجواب ہو ہو گئے۔ بعض ہندو اور انگریز گواہوں سے جو جرح انہوں نے ان کے بیان کو بناوٹی ثابت کرنے کے لئے گرفت نما انداز سے کی' وہ معمولی دل و دماغ کا آدمی نہیں کر سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہوش و حواس کی یہ سلامتی ایک حد تک ان کو غدر کا شریک ثابت کرتی ہے۔ اگر موقع خلاف نہ ہو جاتا تو بہادر شاہ ضرور انقلاب سے فائدہ اٹھا سکتے تھے اور باوجود جسمانی کمزوری کے ان کے دماغ میں صلاحیت حکمرانی کی موجود تھی۔

میرزا مغل مرحوم بہادر شاہ کے بیٹے تھے جن کو باغی افواج کا کمانڈر بنایا گیا تھا۔ انہوں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے ان کی فوجی قابلیت یا ملکی مدبری کا ثبوت مل سکتا بلکہ وہ صوبہ دار بخت خاں کے کاموں میں رخنہ انداز ثابت ہوئے اور انہی کی ضد اور جاہ پسندی نے انگریزوں کو دوبارہ قبضہ دہلی کا موقع دیا۔ اس واسطے ملکی نظر میں وہ قابل ملامت اور سرکاری نگاہ میں قابل تعریف کہے جا سکتے ہیں۔

مکند لال صاحب سکریٹری کی مقدمہ میں شہادت معتبر مانی گئی تھی۔ وہ بہادر شاہ کے میر منشی تھے اور ان کے اکثر راز جانتے تھے' مگر انہوں نے کوئی ایسی بات بیان نہیں کی جس سے کوئی گرفت بادشاہ کے خلاف حاصل ہوتی۔

مسلمانوں کے خلاف جو کچھ ان کی زبان سے نکلا میرا خیال ہے کہ ان کی ذاتی خواہش سے نہ تھا بلکہ مقدمہ کی تیاری کے لئے استغاثہ فراہم کرنے والوں نے ان کو مجبور کر کے یہ بیان دلوایا ہوگا۔

حکیم احسن اللہ خاں صاحب اور مکند لال صاحب کے بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ ایک فریق مسلمانوں کو قصوروار رکھتا تھا اور دوسرا ہندوؤں کو۔

حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ غدر کے وقت کسی قوم کی خصوصیت نہ تھی۔ ہر جماعت نے یکساں غدر میں حصہ لیا تھا۔

لیکن وقت کی ضرورت اکثر صداقت کی صورت بدل دیا کرتی ہے۔

جس قدر چھوٹے درجہ کے گواہ اس مقدمہ میں پیش ہوئے وہ عموماً انگریزی ملازم تھے اور ان میں یہ سمجھنے کی تمیز کم تھی کہ ہم کیا کہتے ہیں اور ہم سے کیا کہوایا جاتا ہے''۔۔حسن نظامی]

بہادر شاہ کا مقدمہ

مقدمہ ہذا کی کارروائی دہلی میں ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو زیر تحت ایک یورپین فوجی کمیشن کے جو بحکم صاحب بہادر میجر جنرل پینی سی بی کمانڈنگ ڈویژن وحسب ہدایت سر جان لارنس چیف کمشنر پنجاب مقرر کیا گیا تھا عمل میں آئی۔

پریسیڈنٹ

لفٹنٹ کرنل ڈاس۔افسر توپخانہ

ممبران

میجر پامر رسالہ نمبر ۶۰

میجر ریڈمنڈ رسالہ نمبر ۶۱

میجر سارس کمپنی نمبر ۶

کپتان راتھن کپتان سکھ پیدل نمبر ۴

مترجم

مسٹر جیمس مرفی

وکیل سرکار

میجر ایف جے ہیرٹ ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل

پہلے روز کی کارروائی

دیوان خاص قلعہ دہلی میں پہلا اجلاس ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو بوقت صبح شروع ہوا۔ پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' وکیل سرکار موجود تھے۔

ملزم محمد بہادر شاہ سابق شاہ دہلی کو لایا گیا۔

اجلاس کے مجتمع کرنے اور لفٹنٹ کرنل ڈاس کو پریسیڈنٹ بنانے کے احکام پیش ہوئے اور پڑھے گئے۔ افسران متعینہ کے نام ملزم کی موجودگی میں پڑھے گئے۔

ملزم سے عدالت کا سوال۔ آپ کو موجودہ ممبران جوری و پریسیڈنٹ کے مقدمہ کی سماعت کرنے میں کوئی اعتراض ہے؟

جواب: مجھے کچھ اعتراض نہیں ہے۔

ممبران جوری و پریسیڈنٹ سے حلف لیا گیا۔

گواہان کو عدالت سے چلے جانے کی ہدایت کی گئی۔

فرد قرارداد جرم جو لگائی گئی' مندرجہ ذیل ہے:

فرد قرارداد جرم

اول یہ کہ گورنمنٹ ہند کے پنشن خوار ہونے کے باوجود انہوں نے ۱۰ مئی اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان مختلف اوقات میں محمد بخت خاں صوبہ دار رجمنٹ توپخانہ اور دیگر متعدد اشخاص دیسی افسروں اور سپاہیوں کو جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج کے ملازم تھے' غدر اور بغاوت کرنے کی ترغیب اور امداد دی۔

دوم یہ کہ ۱۰ مئی اور یکم اکتوبر کے درمیان انہوں نے اپنے بیٹے مرزا مغل کو جو گورنمنٹ ہند کی رعایا تھا اور دیگر نامعلوم باشندگان دہلی و ممالک مغربی و شمالی کو جو گورنمنٹ ہند کی رعایا تھے' سلطنت کے خلاف ہتھیار اٹھانے میں مدد دی اور سازش کی۔

سوم یہ کہ سلطنت برطانیہ کے رعایا ہونے کے باوجود انہوں نے جو گورنمنٹ کی وفاداری نہیں کی جو کہ ان کا فرض تھا اور دہلی میں ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء یا اس کے قریب قریب اپنے تئیں بادشاہ ہند مشہور کیا اور شہر دہلی پر ناجائز طور سے قبضہ کر لیا اور دس مئی تا یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان مرزا مغل اپنے فرزند اور محمد بخت خاں صوبہ دار توپخانہ سے سازش کی اور علم بغاوت بلند کیا۔ برطانیہ عظمیٰ کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ ہوئے۔ گورنمنٹ برطانیہ کا تختہ الٹ دینے کی غرض سے ہتھیار بند سپاہیوں کو مثویانہ دہلی میں جمع کر کے متذکرہ سلطنت کے خلاف لڑنے کے لئے آمادہ کیا۔

چہارم یہ کہ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء یا اس کے قریب قریب قلعہ دہلی کے اندر ۴۹ نفر انگریزوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے' قتل کرایا یا قتل کرانے میں حصہ لیا۔ ۱۰ مئی و یکم اکتوبر کے درمیان انگریز افسران و برطانوی رعایا کے (جس میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے) قتل کرانے میں مدد دی اور قاتلوں سے ملازمت' ترقی اور عہدہ دینے کا وعدہ کیا۔ مزید برآں انہوں نے مختلف والیان ریاست کے نام احکام جاری کئے کہ وہ عیسائیوں اور انگریزوں کو اپنی حدود میں جہاں پائیں' قتل کریں۔

بموجب ایکٹ ۱۶-۱۸۵۷ء اس قسم کا طرز عمل نہایت سنگین جرم ہے۔

فریڈ جے۔ ہیرٹ میجر۔ دہلی

ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل ووکیل سرکار جنوری ۱۸۵۸ء

سوال: محمد بہادر شاہ بموجب بیان مذکورہ آیا آپ مجرم ہیں یا نہیں؟

جواب: مجرم نہیں ہوں۔

تمام گواہان کو پیش کیا گیا۔

پیروی

وکیل سرکار کا عدالت کو مخاطب کرنا۔

معززین قبل اس کے کہ کوئی کارروائی کی جائے' یہ دریافت کر لینا ضروری ہے کہ آیا آپ صاحبان کے روبرو گواہان پیش کئے جائیں جو ثبوت جرم کی شہادت دیں گے۔ اس پر کافی غور کر لیا گیا ہے کہ گذشتہ بغاوت سے تعلق رکھنے والے حالات اگر فرد قرارداد جرم میں نہ بھی شامل ہوں' تب بھی یہاں باضابطہ درج کر لئے جائیں۔ کسی گذشتہ تاریخ کو فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ بادشاہ کی زندگی چونکہ ضمانت شدہ محفوظ ہوتی ہے لہٰذا یہ تفتیش فرد قرارداد جرم کے ساتھ نہ شامل کی جانی چاہئے' بلکہ ایسے جملہ معاملات مثل خط و کتابت متعلقہ وغیرہ علیحدہ پیش کرنے مناسب ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ آیا عدالت میں اس حالت میں کہ کوئی خاص الزام موجود نہیں ہے۔ اس خط و کتابت متعلقہ کو داخل کرنے کی مجاز ہے یا نہیں' لیکن یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ہر ایک تفتیش جس کا ملزم سے تعلق ہو' قابل اطمینان اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ملزم کو بھی موقع دیا جائے کہ کسی تحریر یا شہادت کے ذریعہ ان الزامات کو جو ان پر قائم کئے گئے ہیں' دور کر سکیں۔ میں یہ صلاح دیتا ہوں کہ بہتر ہوگا اگر ان الزامات کو کسی خاص صورت میں مرتب کر لیا جائے تاکہ جرم یا بریت صاف طور پر ثابت ہو سکے۔ میری یہ صلاح پسند کی جا چکی ہے۔ لہٰذا فرد جرائم کو جو میں نے ابھی پڑھی ہے' عدالت میں پیش کرتا ہوں' لیکن صاف طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ تفتیش کا دائرہ محدود نہیں ہے۔ یعنی صرف ان قائم کردہ جرائم پر جو باقاعدہ اجلاس میں پیش کئے جا چکے ہیں' اکتفا نہیں ہوگی۔

وہ خط جو میں نے سرکاری طور پر میجر جنرل پینی سی بی کمانڈنگ ڈویژن کو لکھا تھا' جس میں ملزم کے خلاف جرائم کی تفتیش کا ذکر تھا اور جسے ممدوح نے بہت پسند کیا تھا' میں اب عدالت میں پیش کرتا ہوں۔

نمبر ۵۹

دہلی جنوری ۵۔ ۱۸۵۸ء

جناب! میں آپ کی آگاہی کے لئے اطلاع دیتا ہوں کہ راجہ بلب گڑھ کے مقدمہ کی تجویز ختم کر چکنے کے بعد میں تیار ہوں یہ تفتیش کرنے کے لئے کہ آیا محمد بہادر شاہ سابق بادشاہ دہلی بھی بغاوت میں شامل تھے یا نہیں؟ ایسی تفتیش کو قابل اطمینان بنانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقدمہ کی صورت اختیار کرے' یعنی بادشاہ پر الزامات قائم کئے جائیں اور انہیں پیروی کرنے کے لئے کہا جائے۔ میرے خیال میں کسی دوسرے طریقے سے بادشاہ کا جرم یا بریت ثابت نہیں ہو سکتی اور ہر دوسرے طریقہ کا فیصلہ بے انصافی اور ایک طرفہ کارروائی کے الزام سے بری نہ ہو سکے گا۔ اگر کسی امر واقعہ پر جو تفتیش میں آئے یا ملے فیصلہ کیا جائے تو بہت ہی موزوں ہوگا کہ مقدمہ کے دونوں رخ سنے اور سمجھے جائیں۔ ایسا فیصلہ خواہ وہ سزا کا ہو یا بریت کا' موافق ہو یا مخالف' مستند اور قطعی فیصلہ تسلیم کیا جائے گا۔ لہٰذا میں مشورہ دیتا ہوں کہ یہ طریقہ اختیار کیا جائے' کیونکہ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے عدالت' ملزم اور عوام کسی اطمینان بخش نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ اگر آپ نے میری رائے کی تائید کی تو میں فی الفور فرد جرائم تیار کروں گا جس کی بنا پر سابق بادشاہ دہلی ماخوذ کئے جا سکتے ہیں۔ اس کی ترتیب

میں وہی طریقہ برتوں گا جو عام طور سے ایسی حالت میں برتا جاتا ہے۔

صلاح کا طالب آپ کا نیاز مند

فریڈ جے۔ ہمفریث ڈپٹی ایڈوکیٹ جنرل

اس پر یہ حکم لکھا گیا۔

میں ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔

این پنی۔ میجر جنرل۔

کمانڈنگ دہلی فیلڈ فورس

یہ خط مسٹر سانڈرس قائم مقام کمشنر دہلی کی خدمت میں روانہ کیا گیا اور یہ قرار پایا کہ اس صلاح پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ فرد قرارداد جرم تیار کی گئی اور مقدمہ باضابطہ شروع ہو گیا' لیکن پھر بھی وہ پہلا خیال کہ بغاوت سے تعلق رکھنے والے تمام معاملات کی تفتیش پوری طرح کی جائے' ترک نہیں کیا گیا۔ اس بات کا ذکر یہاں کرنے سے میرا منشا یہ ہے کہ ان واقعات کو بھی شامل کر لیا جائے جو ظاہرا بے علاقہ معلوم ہوں گے۔ اس افتتاحی بیان کو ختم کرنے کے بعد میں مقدمہ ہذا کے متعلق کچھ الفاظ کہتا ہوں' جو یقینا بجائے خود اثبات جرم ہیں۔

بلحاظ ملزم کے مرتبہ کے اور پولیٹیکل نقطہ نظر سے ان کے عروج و زوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقدمہ معمولی مقدمہ نہیں کہا جا سکتا' بلکہ ہمیشہ کے لئے تاریخ کے صفحات پر محفوظ رہنے والا معاملہ ہے۔ مقدمہ حقیقتاً اہم اور نادر ہے' حالانکہ اس کا خاتمہ ایک فیصلہ پر ہوگا۔ تاہم وہ فیصلہ ہزارہا لوگوں کی نظر سے گذرے گا اور لوگ اسے ایسے جذبات سے دیکھیں گے جن سے کوئی اور فوجداری کا مقدمہ نہ دیکھا گیا ہوگا۔

ذیل میں خط نمبر ۱۹ مورخہ ۲۶ نومبر ۱۸۵۷ء سے اقتباس کیا گیا ہے' جو کہ سانڈرس قائم مقام کمشنر دہلی نے میجر جنرل پنی سی بی کمانڈنگ دہلی فیلڈ فورس کو تحریر کیا تھا' جو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ عدالت کے اختیارات کیوں صرف فیصلہ ہی تک محدود کئے گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ میجر جنرل ولسن نے ملزم سے وعدہ کر لیا تھا کہ تمہیں سزائے موت نہ دی جائے گی۔ مسٹر سانڈرس کا خط بموجب ہدایت سر جان لارنس لکھا گیا ہے اور اس کے اقتباس درج ذیل ہیں۔

میں ساتھ ہی ساتھ آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ بادشاہ سابق کی زندگی کا کپتان ہڈسن نے ذمہ لے لیا ہے اور یہ میجر جنرل ولسن کی ہدایت کے بموجب کیا گیا ہے۔ پس فوجی کمیشن کو مجاز نہ ہوگا کہ ان پر کوئی سزا مقرر کرے یا اپنی تحقیقات کی بنا پر تجویز جرم کرے۔

میں مقدمہ ہذا کے متعلق تحریری شہادات جو مجھے دستیاب ہو سکیں' پیش کرتا ہوں اور ہر وقت اپنے مقدور بھر امداد دینے و گواہان کو بہم پہنچانے کے لئے موجود ہوں۔

میرے پاس ورنیکلر تحریری شہادت ہے جسے مسٹر جیمس مرفی ڈپٹی کلکٹر محصول سرکاری دہلی نے مزید احتیاط سے ترجمہ کیا ہے جو اعلیٰ درجہ کے زبان دان ہیں اور اگر آپ منظور فرماویں تو وہ خود کو آپ کی مرضی کے موافق بطور مترجم پیش کر سکتے ہیں۔

تحریری شہادت بہت لمبی چوڑی ہے اور اسے حتی الامکان مختصر کرنے کے لئے میں نے پانچ حصوں میں منقسم کیا ہے۔ اول کاغذات متفرقہ۔ دوم: وہ جن میں قرض کا بیان ہے۔ سوم وہ جن میں سپاہیوں کی تنخواہ کا مذکور ہے۔ چہارم میں تمام فوجی معاملات کا بیان ہے اور پنجم وہ جس میں واردات قتل کا حال ہے اور یہ خاص طور سے چہارم سے علاقہ رکھتا ہے۔

اس تحریری شہادت کے کثیر حصہ کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ خود ملزم کے لکھے ہوئے احکام ہیں اور اس کی گرفت کے لئے گواہی طلب کی جائے گی۔ دیگر کاغذات کی بھی اسی طور سے ترتیب دی جائے گی یا جیسا صورت حالات کے مناسب ہوگا کیا جائے گا' لیکن مجھے خوف ہے کہ چند کاغذات ایسے بھی آپ کے روبرو پیش کئے جائیں گے جن کا کوئی بین ثبوت نہ ہوگا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور جن کی طرف یہ منسوب ہیں' وہ کون ہیں۔ اس صورت میں عدالت کو خیال ہوگا کہ پوری تحقیقات نہایت ضروری ہے اور یہ بھی پوری نہ ہو سکے گی۔ اگر شہادت جو بجائے خود معتبر ہو' صرف اس وجہ سے کہ خفیف ضابطہ سے منطبق نہیں ہو سکتی' رد کر دی جائے۔ آپ ان مشکلات کو پیش نظر رکھیں گے جو کسی تحریر کے اثبات میں حائل ہو جاتی ہیں اور جبکہ منسوب الیہ انکار کی کافی وجوہات رکھتا ہے کہ وہ تحریر اس کی لکھی ہوئی نہیں ہیں اور اسے ملزم سے کوئی تعلق نہیں۔ زبانی شہادت پر مجھے اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں وہ معتمد ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا' لیکن یہ ذہن نشین ہو جانا چاہئے کہ ہر ہندوستانی جلسے میں بطور گواہ کے عدالت میں پیش کروں گا۔ وہ ضرور اپنے اظہار کو مفید مطلب بنانے کے لئے کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل کرے گا اور غدر کے ان مستند واقعات کی موافقت نہ کرے گا جن کا ہمیں اول ہی سے علم ہے۔ میں اب تحریری شہادت سے شروع کرتا ہوں اور پہلی شہادت تحریری ملزم و نیز ان افراد کی جو بغاوت میں شریک تھے۔ ثبوت استغاثہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔

ایف جے ہیریٹ میجر۔

ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل و وکیل سرکار

(یہاں وکیل سرکار نے نہایت دلچسپ خطوط عدالت کے سامنے پیش کئے جن میں بعض بہادر شاہ کے نام ان کے امراء' رعایا' افسران فوج وغیرہ کے ہیں اور بعض خود بادشاہ کے مذکورہ لوگوں کے نام ہیں۔ اکثر خطوط پر خود بادشاہ کی تحریریں اور دستخط موجود بیان کئے گئے تھے۔

میں نے ان خطوط کو علیٰحدہ چھپوایا ہے۔ ورنہ یہ کتاب بہت طویل ہو جاتی۔ حسن نظامی)

پہلے گواہ احسن اللہ خاں طبیب سابق شاہ ہند کو عدالت میں طلب کیا گیا اور انہوں نے اظہار دیا۔ جج ایڈوکیٹ نے سوالات کئے۔ کاغذات متفرقات کی ضمن میں نمبر ۲، ۳، ۴، ۱۳، ۱۴، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۴، ۲۷، ۳۰، ۳۳، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۴، ۴۵، ۵۰، ۵۲، ۵۳، ۵۴، گواہ کو دکھائے گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ہر ایک کی پیشانی پر لکھے ہوئے احکام خود ملزم کے ہاتھ کے ہیں۔ (یہ سب نمبر انہی خطوط کے ہیں جو مقدمہ ہذا کی شہادت میں پیش ہوئے اور میں نے ان کو علیحدہ کتاب میں شائع کیا ہے۔ حسن نظامی)

یہ بھی گواہ کو دکھائے گئے۔ نمبر ۲۶، ۱۵، ۱۸، ۲۵، ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۳۵، ۳۶، ۴۵۔ گواہ دستخط کو جانتے ہیں۔ خود ملزم کی ہے۔

کاغذات نمبر ۵، ۱۶، ۲۹، ۳۲ اور ۳۸ دکھائے جاتے ہیں۔ گواہ کا بیان ہے کہ یہ سب مکندلال کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں جو ملزم کا اسپیشل سیکریٹری تھا اور یہ کہ ان میں سے تین یعنی ۵، ۱۶ اور ۳۲ پر مہر شاہی ثبت ہے۔

کاغذات نمبر ۱۲، ۲۳، ۲۸، ۲۷، ۳۲، ۳۶، ۴۷، ۵۱ اور ۵۵ گواہ کو دکھائے جاتے ہیں۔ گواہ ان میں سے کسی کا بھی خط نہیں پہچانتے" لیکن کہتے ہیں کہ نمبر ۲۳ پر مہر ثبت ہے۔ وہ مرزا مغل کمانڈر انچیف کی ہے۔ نمبر ۲۷ پر چیف پولیس افسر اور چیف کورٹ دہلی کی مہر ہے اور نمبر ۳۲ پر پولیس اسٹیشن بدرپور کے اور بادشاہ کے خاص سیکریٹری کی اور ۳۶ پر مرزا مغل کی مہر منقش ہے۔ اس کے سوا وہ کچھ نہیں پہچان سکتے۔

کاغذات نمبر ۱، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۷ اور ۴۹ گواہ کو دکھائے جاتے ہیں۔ ان تمام کاغذات کی مہریں کاغذ نمبر ۱۰ کی مہر دیکھ کر پہچان جاتے ہیں کہ بادشاہ کے دستخط ان پر ہیں اور مکندلال ملزم کے اسپیشل سیکریٹری کی مہر ہے۔ نمبر ۵۶ گواہ کو دکھایا جاتا ہے اسے وہ مکندلال کی تحریر بتاتے ہیں اور بادشاہ کی خاص مہر شاہی ثبت ہے۔

جج ایڈووکیٹ پھر متذکرہ کاغذات کا ترجمہ نمبر ۳۶ تک پڑھتا ہے۔

اب ڈھائی بج گئے۔ ملزم پیشی بڑھانے کی درخواست کرتے ہیں۔ عدالت دوسرے روز گیارہ بجے تک کے لئے مقدمہ ملتوی کر دیتی ہے۔

دوسرے روز کی کارروائی

جمعرات۔ ۲۸ جنوری ۱۸۵۸ء

آج پھر عدالت بوقت گیارہ بجے صبح قلعہ لال دہلی کے دیوان خاص میں منعقد ہوئی۔ پریسیڈنٹ، ممبران، مترجم اور ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم عدالت میں حاضر کئے گئے۔

حکیم احسن اللہ خاں عدالت میں طلب کئے گئے اور گذشتہ تصدیق کی یاددہانی کی گئی۔

اب ملزم استدعا کرتے ہیں کہ ایک قانون پیشہ غلام عباس نامی ان کی طرف سے عدالت میں باریاب کیا جائے تاانہیں قانونی مدد دے سکے۔

عدالت منظور کرتی ہے اور غلام عباس اپنے مقام پر بلالیا جاتا ہے۔

پھر مترجم اصلی کاغذات کو پڑھتا ہے جس کا ترجمہ جج ایڈووکیٹ نے کل پڑھا تھا اور ملزم کے مددگار کو سمجھایا جاتا ہے کہ کل گواہ نے ہر ایک کاغذ کی کیسی شہادت دی۔ جب مترجم اصلی فارسی کاغذات کو نمبر ۳۶ تک پڑھ چکتا ہے تو جج ایڈووکیٹ نمبر ۵۶ تک انگریزی ترجمہ پڑھتا ہے۔

ملزم پر غشی کی حالت طاری ہو گئی۔ لہٰذا عدالت دو بج کر بیس منٹ پر دوسرے روز گیارہ بجے تک کے لئے برخاست کی گئی۔

تیسرے روز کی کارروائی

یوم جمعہ۔ ۲۹ جنوری ۱۸۵۸ء

عدالت گیارہ بجے دیوان خاص، واقعہ قلعہ دہلی میں منعقد ہوئی۔ پریسیڈنٹ، ممبران، مترجم، جج ایڈوکیٹ سب موجود ہیں۔ ملزم عدالت میں لائے گئے اور غلام عباس مختار بھی موجود تھا۔

مترجم نمبر ۵۶ تک اصلی فارسی کاغذات پڑھتا ہے۔ کل جس کو جج ایڈوکیٹ نے انگریزی میں پڑھ کر سنایا تھا۔

وکیل غلام عباس گواہ کی حیثیت سے اظہار دیتا ہے۔

جج ایڈوکیٹ اظہار لیتا ہے۔

سوال ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو جب باغی فوجیں میرٹھ سے آئی تھیں، تم کہاں تھے؟

جواب میں اس دیوان خاص میں تھا۔

سوال تم نے جو کچھ اس موقع پر دیکھا ہو بیان کرو۔

جواب آٹھ بجے صبح پانچ یا چھ سواروں کی آمد سنی گئی اور وہ بادشاہ کی نشست گاہ کے باہر تھے۔ پہلے انہوں نے بہت زور زور سے چلانا شروع کیا جس پر بادشاہ نے اپنے غلاموں کو دیکھنے کے لئے کہا کہ کون لوگ شور مچاتے ہیں۔ ایک غلام برآمدہ میں آیا اور سواروں سے تھوڑی دیر گفتگو کرتے رہنے کے بعد بادشاہ کے پاس واپس چلا گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے بادشاہ سے جا کر کیا کہا۔ اسی وقت بادشاہ نشست گاہ سے ملے ہوئے دوسرے کمرے میں آئے اور مجھے طلب کیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا یہ سوار میرٹھ میں بغاوت پھیلا کر چلے آ رہے ہیں اور اب چاہتے ہیں کہ مذہب کی حمایت میں انگریزوں سے لڑیں اور انہیں قتل کریں۔ پھر مجھے فی الفور کپتان ڈگلس کے پاس جانے کی ہدایت کی اور کہا کہ انہیں سب حال بتا دینا اور انتظام کے لئے درخواست کرنا۔ بعدہٗ اپنے کسی شاہی خدمتگار سے کہہ کر دروازہ بند کرا لیا۔ حسب الحکم میں کپتان ڈگلس کے پاس گیا اور پیام سنا دیا۔ کپتان ڈگلس سنتے ہی میرے ہمراہ ہو لئے اور کہا کہ کیا معاملہ ہے؟ خیر سمجھ لوں گا۔ پھر وہ اسی دیوان خاص میں آئے اور بادشاہ بھی ان سے ملنے کے لئے یہیں آ گئے۔ بادشاہ میں اس وقت خاصی طاقت تھی اور بدون کسی کے سہارا دیے صرف لکڑی ٹیکتے ہوئے آ گئے تھے۔ پھر انہوں نے کپتان ڈگلس سے دریافت کیا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ کیا معاملہ ہے؟ یہ فوجی سوار آئے ہیں اور اپنی حسب منشاء کارروائی بہت جلد شروع کرانا چاہتے ہیں۔ حکیم احسن اللہ خاں اور میں اس وقت موجود تھے۔ کپتان ڈگلس نے درخواست کی کہ نشست گاہ کا دروازہ کھلوا دیجئے تاکہ میں ان سواروں سے دو بدو گفتگو کر سکوں۔ بادشاہ نے کہا کہ میں ایسا نہ کرنے دوں گا کیونکہ وہ لوگ قاتل ہیں اور مبادا تمہارے ساتھ بھی کوئی خراب برتاؤ نہ کر بیٹھیں۔ کپتان ڈگلس نے پھر دروازہ کھلوانے کے لئے اصرار کیا مگر بادشاہ اس پر رضامند نہیں ہوئے اور کپتان ڈگلس کا ہاتھ تھام کر کہا کہ میں تمہیں جانے نہ دوں گا۔ اسی وقت حکیم احسن اللہ خاں نے دوسرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، اگر آپ کو بات چیت ہی کرنی ہے تو برآمدہ میں سے کر لیجئے۔ چنانچہ کپتان ڈگلس دیوان خاص اور کمرۂ شاہی کے درمیانی کٹہرا میں آئے اور اس جگہ کو دیکھنے لگے جہاں وہ تمام سوار جمع ہو رہے تھے۔ میں بھی کپتان ڈگلس کے ہمراہ کٹہرا میں گیا۔ وہاں تمیں

چالیس سوار نیچے کھڑے نظر آئے جن میں سے بعض کے پاس برہنہ تلواریں تھیں اور بعض پستولیں اور کارتوس ہاتھ میں لیے ہوئے تھے اور کئی ایک پل کی طرف سے چلے آرہے تھے۔ ان کے ہمراہ پیدل بھی تھے جو شاید سائیس تھے جن کے سروں پر گٹھڑیاں تھیں۔ کپتان ڈگلس نے سواروں کو للکار کر کہا "ادھر نہ آنا۔ یہ شاہی بیگمات کے کمرے ہیں۔ تم ان کے پاس کھڑے ہو کر بادشاہ کی بے عزتی کر رہے ہو۔" یہ سنتے ہی وہ سب ایک ایک کر کے راج گھاٹ کے پھاٹک سے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد کپتان ڈگلس بادشاہ کے پاس پھر حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے قلعہ اور شہر کے دروازے بند کرنے کے لئے کہا تا کہ باغی اندر نہ داخل ہو سکیں۔ کپتان ڈگلس نے بادشاہ کو اطمینان دلایا کہ خوف کی کوئی بات نہیں ہے اور ان کا فرض ہے کہ خاطر خواہ انتظام کریں۔ یہ کہہ کر کپتان ڈگلس چلے گئے اور بادشاہ اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے۔ میں اور حکیم احسن اللہ خاں دونوں یہاں دیوان خاص میں آکر بیٹھ گئے۔ اس کمرہ میں ہمیں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ گذرا ہوگا کہ کپتان ڈگلس کا ایک خدمت گار ایک رقعہ لئے دوڑتا آیا جس میں حکیم احسن اللہ خاں کو طلب کیا گیا تھا۔ احسن اللہ خاں کے اصرار سے میں بھی ان کے ہمراہ ہو لیا۔ جو شخص ہمیں لینے کے لئے آیا تھا' کہنے لگا کہ کپتان ڈگلس اس وقت کلید خانہ میں ہیں' مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ اپنی قیام گاہ پر چلے گئے ہیں۔ اسی وقت میں نے شہر کے ایک حصہ موسومہ دریا گنج میں بہت دھواں اٹھتے دیکھا اور راہ گیروں کی زبانی سنا کہ سوار بنگلوں پر فیر کر رہے ہیں۔ پھر ہم گشت کرتے ہوئے کپتان ڈگلس کی جائے رہائش لاہوری دروازہ قلعہ پر پہنچ گئے تو معلوم ہوا کہ تیسرے کمرہ میں ہیں۔ درمیانی کمرہ میں ہمیں مسٹر سیمن فریزر ملے۔ حکیم احسن اللہ خاں کپتان ڈگلس سے ملنے اندر چلے گئے اور میں مسٹر فریزر کی درخواست پر ان کے ہمراہ واپس ہولیا' جو بادشاہ سے دو توپیں اور چند پیدل سپاہ کپتان ڈگلس کی قیام گاہ کی حفاظت کے لئے مانگنے جارہے تھے۔ میں اور مسٹر فریزر سیڑھیوں سے اتر آئے۔ ان کے ہمراہ ایک صاحب اور تھے جن کا نام مجھے معلوم نہیں۔ مسٹر فریزر کے پاس ایک تلوار تھی اور ان کے ہمراہی کے ایک ہاتھ میں پستول اور دوسرے میں بندوق تھی۔ مسٹر فریزر نے میرے جلد پہنچنے کی خواہش کی۔ گو وہ خود بھی آرہے تھے مگر میں پہلے ہی پہنچ گیا۔ بادشاہ کے کمرہ میں پہنچ کر میں نے انہیں خبر کرائی اور جب وہ باہر آئے تو میں نے مسٹر فریزر کی درخواست گوش گذار کر دی۔ بادشاہ نے سنتے ہی تمام فوج کو جو اس وقت حاضر تھی' مع ایسے افسروں کے جو میسر آسکیں' دو توپیں لے کر فوراً کپتان ڈگلس کے مقام رہائش پر پہنچنے کا حکم دیا۔ اسی وقت حکیم احسن اللہ خاں بھی آگئے۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ کپتان ڈگلس نے دو پالکیوں کے لئے درخواست کی ہے تا کہ ان دو لیڈیوں کو جو ان کے مکان میں مقیم ہیں' حرم سرا میں لے جا کر پوشیدہ کر دیا جائے۔ بادشاہ نے حکیم احسن اللہ خاں سے بندوبست کرنے کے لئے کہا اور مقرب خدمتگاروں کو دو پالکیاں اور ان کے اٹھانے کے لئے معتمد کہاروں کو روانہ کرنے کا حکم دیا اور کہا انہیں سیدھی راہ سے نہ لائیں' بلکہ پائین باغ سے چکر دے کر لائیں تا کہ باغی سواروں کو جو قلعہ میں گھس گئے ہیں' یہ نہ معلوم ہونے پائے۔ بادشاہ احکام دے کر اندر کھڑے ہوئے جلدی کی تاکید کر رہے تھے اور حکیم احسن اللہ خاں ان کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک خدمتگار جو پالکیاں لینے گیا تھا' واپس آکر کہنے لگا کہ پالکیاں روانہ کر دی گئی ہیں۔ پالکیوں والے بھی تھوڑے عرصہ بعد پلٹ آئے اور کہا مسٹر فریزر قتل کر دیئے گئے۔ یہ دس بجے سے قبل کا واقعہ ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں نے پھر دوسرا آدمی صحیح خبر لانے کے لئے روانہ کیا۔ نیز یہ کہ کپتان ڈگلس کہاں ہیں۔ وہ لوگ بھی کچھ دیر بعد واپس

آئے اور کہا صرف مسٹر فریزر ہی نہیں بلکہ کپتان ڈگلس اور ان کی ہمراہی لیڈیاں سب قتل کر ڈالے گئے۔ بادشاہ تو یہ سن کر اندر چلے گئے' مگر میں حکیم احسن اللہ خاں کے ہمراہ نہایت سراسیمہ ہو کر دیوان خاص کے کمرہ میں چلا آیا۔ فوراً بعد ہی پیدل سپاہ کے دونوں دستے جو قلعہ کے پھاٹکوں پر متعین تھے' میرٹھ کے باغی سواروں کو ہمراہ لیے ہوئے دیوان خاص میں داخل ہوئے۔ جہاں ان لوگوں نے بندوقیں اور پستول ہوا میں فیر کیے اور ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ بادشاہ شوروغل سن کر اندر سے نکل آئے اور دیوان خاص کے دروازے پر کھڑے ہو کر اپنے خدمتگاروں سے کہا "لوگوں کو شور مچانے سے منع کرو اور سپاہیوں کو آگے آنے کے لئے کہو۔" پھر شور فرو ہو گیا اور افسر سوار بدستور گھوڑوں پر چڑھے ہوئے بادشاہ کے پاس چلے آئے اور کہا وہ چاہتے ہیں کہ کارتوسوں کا استعمال یک لخت مسترد کر دیا جائے جو ہندو اور مسلمان دونوں مذہب کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ان میں سور اور گائے کی چربی ہے اور انہوں نے حال ہی میں میرٹھ کے تمام انگریزوں کو قتل کر ڈالا ہے اور اب بادشاہ سے امداد طلب کرتے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ میں نے تمہیں طلب نہیں کیا تھا۔ یہ تم نے بڑی بدذاتی کا کام کیا۔ اس پر ایک سو یا دو سو کے قریب پیدل جو میرٹھ سے آ گئے تھے' آگے بڑھے اور دیوان خاص میں داخل ہو گئے اور کہا "تاوقتیکہ حضور بادشاہ ہم میں شامل نہ ہوں ہم مردہ لوگ ہیں اور کچھ بھی نہیں کر سکتے۔" پھر بادشاہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور سپاہی' سوار' افسر یکے بعد دیگرے آتے گئے اور زمین بوس ہو کر بادشاہ کو اپنا ہاتھ ان کے سروں پر رکھنے کے لئے درخواست کی۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور وہ لوگ جو دل میں آیا' کہتے رہے اور جب بہت اژدہام ہو گیا تو میں وہاں سے چلا گیا۔ اس وقت خوب شوروہنگامہ مچا ہوا تھا اور سب لوگ متفق ہو کر بلند آواز سے چلا رہے تھے۔ بعدہ بادشاہ اپنے کمرۂ خاص میں چلے گئے اور سواروں نے صحن میں گھوڑے باندھ کر اور تمام باغی سپاہ نے دیوان عام میں اپنے بستر کھول کر بچھا دیئے۔ قلعہ کے چاروں طرف پہرہ تعینات کر دیا گیا اور میں حکیم احسن اللہ خاں کے کمرہ میں جا کر لیٹ گیا۔ شام کو چار یا چار بجے کے بعد بہت شوروغل سنا اور باہر نکل کر دیکھا تو میگزین کی طرف سے بہت گرد و غبار اٹھتا ہوا نظر آیا۔ اسی وقت یہ معلوم ہوا کہ باغیوں نے میگزین پر حملہ کر دیا ہے' لیکن بعد میں بتایا گیا کہ برطانوی فوج نے میگزین کو اڑا دیا ہے۔ قریب پانچ بجے کے میں نے یہ سنا کہ باغیوں نے انگریز مرد و عورت اور بچے سات آٹھ کی تعداد میں گرفتار کر لیے ہیں اور انہیں قتل کرنے کے لئے بادشاہ سے اجازت طلب کرتے ہیں' مگر بادشاہ نے کہا کہ ان قیدیوں کو مجھے دے دو۔ میں انہیں حفاظت سے رکھوں گا۔ انہوں نے اس شرط پر قیدیوں کو بادشاہ کے حوالے کیا کہ گارڈ کے سپاہی باغیوں میں سے مامور کیے جائیں گے۔ اس پر بادشاہ نے انہیں کمرہ میں مقید کر دیا اور حکم نافذ کیا کہ قیدیوں کے لئے کھانا باقاعدہ طور پر بادشاہ کے خرچ سے مہیا کیا جائے۔ غروب آفتاب کے بعد میں ارادہ کر رہا تھا کہ شہر میں اپنے مکان کو جاؤں اور جب دیوان عام کے صحن میں پہنچا تو میں نے وہاں دہلی رجمنٹ کے بہت سپاہی موجود پائے۔ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھا مکان کو چلا گیا۔ دوسرے روز صبح کو جب میں قلعہ میں آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ توپوں کی آواز جو میں نے دس یا گیارہ بجے شب کو سنی تھی وہ ہندوستانی توپخانہ دہلی نے بادشاہ کی سلامی میں داغی تھیں' مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ نے عنان حکومت دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے لی ہے یا کچھ اور۔ بات تب میں دیوان خاص میں آیا اور حکیم احسن اللہ خاں سے مل کر دریافت کیا کہ آیا بادشاہ نے اس بدامنی کو فرو کرنے کی کوئی تدبیر کی ہے یا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ نے ایک خط لفٹنٹ گورنر

آگرہ کو اس مضمون کا بذریعہ سانڈنی سوار روانہ کیا ہے۔ پندرہ روز کے بعد پھر میں نے ان سے دریافت کیا کہ اس خط کا کوئی جواب آیا یا نہیں' تو انہوں نے جواب دیا کہ سوار تو واپس آ گیا ہے' لیکن نہ جواب لایا اور نہ رسید لایا۔ وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے خط پہنچا دیا اور اس کا جواب پندرہ روز کے بعد آئے گا۔ پہلے دن کے واقعہ کے بعد میں نے قلعہ جانا چھوڑ دیا۔ چوتھے پانچویں روز کبھی کبھی چلا جاتا تھا اور بادشاہ کو سلام کر کے واپس آ جاتا تھا۔ بعد کے واقعات کی نسبت میں کچھ نہیں جانتا۔

سوال: تم نے یہ بھی سنا کہ مسٹر فریزر کو کس نے قتل کیا؟ کیا بادشاہ کے ملازموں نے کیا تھا یا کسی اور نے؟

جواب: اس وقت تو یہ مشہور تھا کہ سپاہیوں نے بلوہ کیا اور مسٹر فریزر بلوہ میں مارے گئے' لیکن بعد میں میں نے یہ سنا کہ انہیں ایک لوہار نے قتل کیا ہے' جس کی دکان کپتان ڈگلس کے مکان کے نیچے بازار میں واقع ہے' لیکن میں نہیں بتا سکتا کہ اب وہ کہاں ہے یا اس کا کیا نام ہے؟

سوال: بادشاہ کا رسی افسروں کے سر پر ہاتھ رکھنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا اس سے ان کی خدمات کا قبول کرنا مدنظر تھا؟

جواب: قریب قریب ایسا ہی تھا' لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت بادشاہ کے کیا خیالات تھے۔

سوال: بادشاہ کا اقتدار کب دہلی میں مشتہر کیا گیا یا بادشاہ کا عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لینا کب عام طور پر مشہور ہوا تھا؟

جواب: مجھے معلوم نہیں کہ کوئی باقاعدہ تشہیر اس امر کی کی گئی تھی یا نہیں ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو اور میں نے نہ سنا ہو' لیکن بادشاہ کا اقتدار غدر ہی کے روز سے قائم ہو گیا تھا۔

سوال: کیا اسی وجہ سے توپوں کی سلامی دی گئی تھی؟

جواب: میں یہ نہیں جانتا۔ میں نے توپوں کی آواز سنی جو بطور سلامی داغی گئی تھیں کہ وہ لوگ بادشاہ کے زیر حکم ہو گئے ہیں۔

سوال: تمہیں یاد ہے کتنی توپیں داغی گئی تھیں؟

جواب: عام طور پر شاہی سلامی میں اکیس توپیں داغی جاتی ہیں۔ میرے خیال میں شاید اتنی ہی داغی گئی ہوں گی۔

سوال: بادشاہ نے سب سے پہلا دربار عام کس روز منعقد کیا تھا؟

جواب: انہوں نے غدر کے پہلے ہی روز سے دربار منعقد کرنا شروع کر دیا تھا اور فوجی سواروں کو پہلے باریاب کیا تھا۔ وہی پہلا دربار سمجھا جا سکتا ہے۔

سوال: غدر سے پہلے بادشاہ اور ان کے خاندان میں کیا تم اکثر رہا کرتے اور ان سے ملتے جلتے تھے؟

جواب: میں روزمرہ قلعہ آیا کرتا تھا اور لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ سے جو خط و کتاب ہوتی' وہ میرے ہی معرفت ہوتی تھی۔ میں بادشاہ کا ملازم تھا اور میرا تقرر سر تھیوفلس مینکاف کے اثر اور ذریعہ سے ہوا تھا۔

سوال: کیا تمہیں یہ جاننے کا موقعہ ملتا تھا کہ قلعہ میں کیا ہوا کرتا ہے یا اس گفتگو کا جو غدر سے پہلے ہوا کرتی تھی؟

جواب: مجھے یہ مواقع حاصل تھے' مگر میں نے کبھی کوئی خاص بات نہیں سنی۔

سوال: کیا تم پر بادشاہ اور ان کے مقربین کو اتنا اعتبار تھا کہ وہ ان راز کی باتوں یا تدابیر کو جو گورنمنٹ برطانیہ سے چھپانا چاہتے ہوں' تم پر ظاہر کر دیں؟

جواب: میرا شمار ان لوگوں میں نہ تھا جن سے ایسے معاملات کے متعلق رائے لی جاتی یا آگاہی کی جاتی تھی۔ البتہ حکیم احسن

اللہ خاں و محبوب علی خاں زیادہ معتمد سمجھے جاتے تھے۔

عدالت بوقت چار بجے دوسرے روز گیارہ بجے تک کے لئے برخاست ہوگئی۔

چوتھے روز کی کارروائی

یوم سنیچر۔۳۰ جنوری ۱۸۵۸ء

عدالت آج گیارہ بجے پھر منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل سب موجود ہیں۔

ملزم عدالت میں لائے گئے۔

غلام عباس گواہ پھر طلب کیے گئے اور گذشتہ بیان کے سلسلہ میں اظہار لیا گیا۔

جج ایڈوکیٹ اظہار لیتے ہیں۔

سوال کیا تمہیں غدر سے پہلے ملزم کے خطوط دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے؟

جواب جی ہاں میں نے بارہا دیکھے ہیں اور اب بھی ان کا خط پہچان سکتا ہوں۔

سوال: جو کاغذات عدالت میں پیش کئے گئے ہیں اور ملزم کے خود تحریر کردہ ہیں۔ نیز ان پر مہر شاہی ثبت ہے۔ کیا تمہیں ان کے اصلی ہونے میں شبہ ہے؟

جواب کاغذات علی العموم بادشاہ کے ہاتھ کے ہیں اور شاید دو کاغذوں پر شبہ ہے۔

سوال جب انگریز عورتیں اور بچے قلعہ میں قتل کئے گئے' کیا تم اس وقت موجود تھے؟

جواب۔ جی نہیں میں قلعہ میں موجود نہیں تھا' لیکن بعد میں سنا کہ کچھ لوگ قتل کئے گئے ہیں۔

سوال: تمہیں معلوم ہے انہیں کس نے قتل کیا؟ کیا بلوائیوں میں سے کوئی تھا یا بادشاہ کے خاص ملازموں نے ان کو قتل کیا تھا؟

جواب: میں یقینی کچھ نہیں بتا سکتا۔ البتہ دو یا تین روز جب میں قلعہ میں آیا اور حکیم احسن اللہ خاں سے دریافت کیا کہ کیوں انہوں نے بموقع واردات لوگوں کو اس فعل سے باز نہیں رکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکا' کرتا رہا' لیکن باغی باز رہنے والے نہیں تھے۔

سوال۔ کیا حکیم احسن اللہ خاں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ موقع واردات پر موجود تھے؟

جواب۔ نہیں' انہوں نے صاف ظاہر نہیں کیا کہ آیا وہ وہاں موجود تھے یا نہیں۔

سوال: اس واردات میں کتنے انگریز قتل کئے گئے تھے؟

جواب: پہلے مجھے تعداد معلوم نہیں تھی یا ممکن ہے معلوم ہو اور میں بھول گیا ہوں' لیکن ابھی گذشتہ دس بارہ روز میں معلوم ہوا ہے کہ وہ لوگ تعداد میں مع عورتوں اور بچوں کے پچاس تھے۔

سوال: کیا ملزم کے ایماء سے یہ لوگ قتل کئے گئے؟

جواب میں اس معاملہ میں زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ جو کچھ حکیم احسن اللہ خاں سے سنا ہے' وہ یہ ہے کہ بادشاہ نے قتل کرنے سے

منع کیا تھا مگر ان کی خلاف مرضی ایسا کیا گیا۔

سوال۔تمہیں معلوم ہے غدر کے زمانے میں ملازم ڈائری (روزنامچہ) لکھتا تھا۔ اگر ایسا ہے تو وہ کون شخص تھا؟

جواب مجھے معلوم نہیں۔ اس وقت ڈائری تھی یا نہیں' مگر غدر کے پیشتر البتہ ڈائری تھی۔

سوال کیا مرزا مغل دہلی کی باغی افواج کے کمانڈر انچیف مقرر کیے گئے تھے اور اگر کیے گئے تھے تو کب اور کس نے کیا تھا؟

جواب مرزا مغل بیشک فوجوں کے کمانڈران چیف مقرر ہوئے تھے اور عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فوجوں کے کہنے سے کیا تھا۔

سوال غدر سے پہلے ہندوستانی فوج کی ناراضگی کی بابت تم نے کچھ سنا تھا؟

جواب جی ہاں میں نے سنا کہ چربی کارتوسوں کے استعمال کی وجہ سے کلکتہ میں دو رجمنٹوں نے بغاوت کی تھی اور پھر وہ منتشر کر دی گئیں۔

سوال غدر سے پہلے تم نے سنا کہ دہلی کی رجمنٹوں کو کسی طرح بھی بدول کیا گیا۔

جواب نہیں۔

عدالت نے اظہار لئے

سوال۔انگریزوں کے قتل کے بعد کیا تم نے ان کی لاشیں' خون یا کوئی اور نشان دیکھا جس سے معلوم ہو کہ وہ قتل کیے گئے ہیں؟

جواب: میں نے یہ کچھ نہیں دیکھا۔

سوال۔کیا تمہیں وہ جگہ معلوم ہے جہاں یہ عورتیں بچے وغیرہ قتل کیے گئے؟

جواب میں نے سنا ہے کہ وہ صحن میں قتل کیے گئے جو لاہوری دروازہ سے قلعہ میں داخل ہوتے ہوئے ملتا ہے اور چبوترہ کے پاس ہی ہے مگر کوئی خاص جگہ نہیں بتا سکتا۔

سوال:تمہیں معلوم ہے لاشوں کا کیا حشر ہوا؟

جواب: مجھے نہیں معلوم کہ ان کا کیا حشر ہوا' مگر اتنا سنا ہے کہ گاڑیوں میں ڈال کر لے گئے تھے۔

جج ایڈووکیٹ کا مکرر اظہار لینا

سوال۔تمہیں معلوم ہے کہ یہ انگریز عورتیں اور بچے قتل کیے جانے کے قبل ہی سے قید کر دیے گئے تھے۔ اگر کیے گئے تھے تو کہاں؟

جواب میں نے سنا ہے کہ وہ قید کر لئے گئے تھے اور انہیں بادشاہ کے باورچی خانے یا اسی کے متعلقہ کمرہ میں بند کیا گیا تھا۔

سوال۔انہیں کے روز بند رکھا گیا؟

جواب: آٹھ یا دس روز۔

سوال۔غدر کے زمانہ میں ملزم کی مہر شاہی کس کے پاس رہتی تھی؟

جواب: وہ ملزم کے کمرہ خاص میں رکھی تھی۔

سوال: کیا اس کا استعمال صرف بادشاہ تک محدود تھا؟

جواب: مہریں کبھی بادشاہ کے حکم کے بغیر نہیں لگائی جاتی تھیں۔

ملزم سوالات جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ پھر ملزم کے مددگار کی حیثیت سے اپنی جگہ پر جا بیٹھتے ہیں۔

فارسی کے کاغذات ضمن متفرقات میں نمبر ۵۷ سے ۸۷ تک جو راجہ بلب گڑھ کی تجویز مقدمہ میں عدالت کے روبرو صحیح مان لئے گئے تھے اور بدون کسی شہادت کے اب پھر صحیح تسلیم کئے گئے اور ان کا ترجمہ پڑھا گیا۔

حکیم احسن اللہ خاں پھر طلب کئے گئے اور گذشتہ بیان کا اظہار لیا گیا۔

کاغذات نمبر ۲، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹ ضمن "قرض" میں ترتیب دے کر گواہ کو دکھائے جاتے ہیں جو بیان کرتے ہیں کہ ان پر ملزم کی مہر خاص ثبت ہے۔ گواہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ سوا نمبر ۶ کے تمام کاغذات مکندلال کے ہاتھ کے ہیں جو ملزم کا سیکریٹری تھا۔

کاغذات ۱، ۲، ۳، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۱۶ گواہ کو دکھائے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ۲، ۳ اور ۱۲ کو بالکل نہیں جانتے۔ بقیہ کے لئے وہ حسب ذیل شہادت پیش کرتے ہیں۔ نمبر ۱ مکندلال کے ہاتھ کا ہے اور بادشاہ کی مہر ثبت ہے۔ نمبر ۱۱ پر بھی بادشاہی مہر ہے مگر خط نہیں پہچانا جا سکتا۔ نمبر ۱۰، ۱۱، ۱۵، ۱۶ پر احکام خاص بادشاہ کے ہاتھ کے ہیں لیکن گواہ ان کا خط نہیں پہچان سکتا۔

ان سولہ ضمن قرض کے کاغذات کا ترجمہ پڑھایا گیا۔

عدالت یکم فروری ۱۸۵۸ء گیارہ بجے تک کے لئے برخاست کردی جاتی ہے۔

پانچویں روز کی کارروائی

یوم دوشنبہ۔ یکم فروری ۱۸۵۸ء

دیوان خاص قلعہ دہلی میں آج پھر عدالت کا اجلاس شروع ہوا۔

پریسیڈنٹ، ممبران، مترجم، ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل وغیرہ موجود ہیں۔

ملزم عدالت میں لائے گئے۔

مترجم ضمن قرض کے تمام کاغذات فارسی میں پڑھتا ہے، جس کا ترجمہ گذشتہ ماہ کی ۳۰ تاریخ کو پڑھا گیا تھا۔

حکیم احسن اللہ خاں پھر طلب کئے گئے اور آٹھ کاغذات ضمن تنخواہ میں ترتیب دے کر انہیں دکھائے گئے۔

جج ایڈوکیٹ کا اظہار لینا

سوال۔ ان کاغذات کی مہروں اور خط کی بابت تمہیں کیا معلوم ہے؟

جواب: چھ کاغذات یعنی ۱، ۲، ۵، ۶، ۷، ۸ خود ملزم کے لکھے ہوئے ہیں اور نمبر ۴ ملزم کے سیکریٹری مکندلال کا لکھا ہوا ہے اور اس پر مہر شاہی ثبت ہے۔ نمبر ۳ مرزا مغل ملزم کی فرزند کی درخواست ہے جو ان کے منشی جوالا ناتھ کے ہاتھ کی ہے اور اس پر

سرکاری مہر "کمانڈر انچیف" لگی ہوئی ہے۔

اب کاغذات مذکورہ کا ترجمہ اور اصلی فارسی میں ملزم کے سمجھنے کے لئے پڑھے گئے۔

اکاون کاغذات بضمن افواج ترتیب دے کر گواہ کو دکھائے جاتے ہیں۔

سوال. ان کاغذات کی مہروں یا خط کی بابت تم کیا جانتے ہو؟

جواب. کاغذات نمبر ۱، ۲، ۴، ۵، ۶، ۹، ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۱، ۳۳، ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰ کے تمام احکام ملزم کے ہاتھ کے ہیں۔ نمبر ۲۱ پر کچھ نشانات پائے جاتے ہیں' لیکن یہ بادشاہ کے نہیں۔ نمبر ۱۷ بھی ملزم کا تحریر کردہ ہے۔ کاغذات ۸، ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۴ پر خاص ملزم کی مہر ہے۔ کاغذات نمبر ۳، ۱۱، ۳۰، ۴۲ اور ۵۱ مکند لال سیکریٹری ملزم کے تحریر کردہ ہیں اور مہر شاہی ثبت ہے۔ کاغذات ۷، ۳۲، ۳۶، ۳۹، ۴۰ کی بابت مجھے کچھ معلوم نہیں۔ نمبر ۳۴ پر مہر خاص گورنر جنرل کے نام کی ہے۔ کاغذ نمبر ۱۳ میں ملزم کے دفتر کی مہر ہے اور پولیس افسر بدر پور کی تحریر ہے کہ حکم کی تعمیل کی گئی۔

پھر کاغذات پڑھے جاتے ہیں۔

کچہری بوقت چار بجے شام دوسرے روز گیارہ بجے تک کے لئے ملتوی کر دی جاتی ہے۔

چھٹے روز کی کارروائی

یوم سہ شنبہ۔ مورخہ ۲ فروری ۱۸۵۸ء

عدالت دیوان خاص قلعہ دہلی میں آج بوقت گیارہ بجے پھر منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل تمام موجود ہیں۔

ملزم عدالت میں لائے گئے غلام عباس ان کا مددگار بھی حاضر ہے۔

مترجم اصلی فارسی کاغذات کو پڑھتا ہے جس کا کل ترجمہ پڑھا گیا تھا۔

حکیم احسن اللہ خاں عدالت میں طلب کئے گئے اور ان کا اظہار لیا جانے لگا۔

ڈپٹی جج ایڈوکیٹ اظہار لیتے ہیں۔

سوال ان چھ کاغذات کو دیکھو اور بتاؤ کہ ان میں سے کسی کا بھی خط پہچان سکتے ہو؟

چھ کاغذات فارسی کے ضمن "قتل" میں ترتیب دے کر گواہ کو دکھائے جاتے ہیں۔

جواب: نمبر ۱، ۶ پر ملزم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے احکام ہیں۔ کاغذات نمبر ۲، ۳، ۴ خیرات علی کے لکھے ہوئے ہیں جو بخت خان گورنر جنرل کا محرر تھا۔ اس شخص کی عادت تھی کہ کاغذات پیشتر سے تیار کر رکھتا اور بادشاہ کی مہر وغیرہ بھی ثبت کر دیتا۔ بعد میں بادشاہ کی منظوری پر کاغذات روانہ کیا کرتا تھا۔

سوال: کاغذ نمبر ۵ کی بابت جانتے ہو؟

جواب: جی نہیں' میں خط نہیں پہچان سکتا۔

سوال۔ کیا ممکن ہے کہ یہ دفتر میں رکھنے کی نقل ہو اور کسی نئے محرر نے لکھا ہو جس کا خط تم نہ پہچانتے ہو؟
جواب۔ جی ہاں مجھے محمد بخت خاں کے دفتر کے کسی منشی کا خط معلوم ہوتا ہے۔

چھ کاغذات ترتیب دیئے گئے اور ڈپٹی جج ایڈووکیٹ نے ان کا ترجمہ اور مترجم نے اصلی فارسی میں انہیں پڑھا۔

کاغذ جس پر الف کا نشان تھا مع اس کے اصلی لفافہ کے جس پر دہلی پوسٹ آفس کی مہر ہے لایا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۲۵ مارچ ۱۸۵۷ء کو دہلی کے ڈاک خانہ میں ڈالا گیا تھا اور ۲۷ مارچ ۱۸۵۷ء کی مہر ظاہر کرتی ہے کہ یہ اس وقت آگرہ پہنچا۔

جج ایڈووکیٹ نے بیان کیا کہ یہ اہم دستاویز مسٹر کالون سابق لفٹنٹ گورنر آگرہ کے کاغذات میں پائی گئی۔ پھر اس کا ترجمہ پڑھا گیا۔

جج ایڈووکیٹ نے گواہ کے اظہار لئے

سوال کیا تم محمد حسن عسکری دہلوی سجادہ نشین کو جانتے ہو؟
جواب۔ جی ہاں جانتا ہوں۔ وہ دہلی دروازے کے قریب ہی رہتے تھے اور اکثر بادشاہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔
سوال۔ کتنے روز ہوئے جب تم نے انہیں دیکھا تھا؟
جواب۔ سرکار انگلشیہ کے دوبارہ دہلی پر قبضہ پانے کے قریب قریب بیس روز قبل دیکھا تھا۔
سوال تم جانتے ہو وہ کہاں گئے اور ان کا کیا حشر ہوا؟
جواب۔ نہیں۔ میں نہیں جانتا۔
سوال وہ کس زمانے میں بادشاہ کے پاس اکثر آتے جاتے رہتے تھے اور یہ بھی جانتے ہو سب سے پہلے وہ کب بادشاہ سے ملے تھے؟
جواب سب سے پہلی ملاقات کو تقریباً چار سال ہوئے۔ بادشاہ کی ایک دختر ان کی مرید ہو گئی تھی۔ اس نے بادشاہ کے سامنے حسن عسکری کی پاکبازی کی بے حد تعریف کی اور بادشاہ نے بیماری کی حالت میں اپنے لئے دعا کرنے اور تعویذ وغیرہ دینے کے لئے انہیں بلایا۔ گذشتہ ایک یا دو سال سے ان کی آمد و رفت بہت بڑھ گئی تھی۔ یہ دختر دہلی دروازہ کے قریب حسن عسکری کے مکان سے ملے ہوئے مکان میں رہتی تھی اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس کی بیوی بن گئی تھی۔
سوال۔ کیا یہ شخص حسن عسکری قوت اعجاز کا جھوٹا مدعی تھا یا آئندہ واقعات درحقیقت بتا دیتا تھا؟
جواب وہ خواب کی تعبیریں بیان کرتے آئندہ ہونے والے واقعات کا پتہ بتاتے اور صاحب کشف مانے جاتے تھے۔
سوال۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب انگریزوں اور شاہ ایران میں جنگ چھڑی تھی اس وقت وہ اس کے متعلق کچھ کہتا تھا؟
جواب۔ صرف برطانیہ اور ایران کے درمیان جنگ چھڑنے ہی کے وقت نہیں بلکہ دو سال قبل انہوں نے بادشاہ سے چار سو روپیہ حاصل کیا تھا جو ایک شخص کو جس کی بابت کہا جاتا تھا کہ مکہ جا رہا ہے دیئے گئے تھے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حج کے بہانہ شاہ ایران کے پاس روانہ کیا گیا ہے۔ اس شخص کا نام شیدی قنبر تھا۔ وہ حبشی تھا اور غالباً حبش ہی سے آیا ہوگا۔
سوال تمہیں معلوم ہے کہ یہ کیوں ظاہر کیا گیا کہ یہ شخص مکہ جا رہا ہے جبکہ اس کی منزل مقصود شاہ ایران تھا؟

جواب میں اس دھوکہ دہی کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے جتو یا جاٹ مل جاسوس دربار نے خبر دی تھی کہ شیدی قنبر حج کو نہیں بلکہ ایران جارہا ہے اور دربار کے دیگر ندیموں سے بھی پوچھنے سے یہی معلوم ہوا۔

سوال تم نے کبھی سنا کہ اس شخص کے ایران بھیجنے سے کیا مدعا تھا؟

جواب نہیں' لیکن قلی خان اور بسنت' بادشاہ کے دو مقرب ملازموں سے سنا تھا کہ حسن عسکری نے شیدی قنبر کو بوقت شب چند کاغذات دیے جن پر مہر شاہی ثبت تھی۔ پھر اسے ایران روانہ کر دیا گیا۔

سوال کیا قلعہ دہلی میں ایران وانگریزوں کی جنگ کا ہمیشہ تذکرہ ہوا کرتا تھا اور بادشاہ کو اس گفتگو سے دلچسپی تھی؟

جواب نہیں۔ محل میں کچھ اسی مضمون پر خصوصیت سے بحث نہیں ہوتی تھی۔ البتہ ہندوستانی اخبارات قلعہ میں آتے رہتے تھے اور ان میں نقل وحرکت کے حالات مرقوم ہوتے تھے' لیکن بادشاہ کو میں نے اس طرف دلچسپی کا اظہار کرتے کبھی نہیں دیکھا۔

سوال کیا مسلمانان دہلی کو اس جنگ سے دلبستگی تھی اور اسے مذہبی جنگ کی نقطہ نظر سے دیکھتے تھے؟

جواب نہیں۔ مسلمانان دہلی سنّی ہیں اور اہل ایران شیعہ اس لئے انہوں نے ذرا بھی دلبستگی ظاہر نہیں کی۔

سوال تمہیں معلوم ہے کہ گذشتہ مارچ میں یعنی دس ماہ قبل بادشاہ نے حسن عسکری کو کسی خاص کام کے لئے بیس اشرفیاں دی تھیں؟

جواب۔ وہ ان کو ہمیشہ روپیہ دیتے ہی رہتے تھے' لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ کون سے کام یا کس خاص موقع کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

سوال کیا تم نے کبھی یہ بھی سنا کہ کوئی شخص مکہ جانے والے کارواں کے ہمراہ قسطنطنیہ گیا ہے؟

جواب نہیں میں نے کبھی کسی شخص کے قسطنطنیہ روانہ کیے جانے کا حال نہیں سنا۔

سوال تم دہلی میں کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جس کا لقب محمد درویش ہو؟

جواب: میں نہیں جانتا۔

سوال کیا غدر سے چند ماہ پہلے جامع مسجد دہلی یا شہر کے کسی اور مقام میں کوئی تحریر شدہ کاغذ جس پر شاہ ایران کی مہر تھی' چسپاں کیا گیا تھا؟

جواب جی ہاں غدر سے چند ماہ قبل میں نے سنا تھا کہ شاہ ایران کا اعلان جامع مسجد پر چسپاں کیا گیا ہے۔

سوال کیا تم نے کبھی سنا کہ وہ کاغذ کیونکر وہاں آیا؟

جواب نہیں' لیکن یہ سنا ہے کہ مضمون ایسا ہی تھا جیسے شیعہ مسلمان لکھتے ہیں۔

سوال کیا عموماً تسلیم کر لیا گیا تھا کہ وہ کاغذ اصلی ہے؟

جواب اس کی اصلیت کا عوام کو یقین نہیں تھا۔ علی العموم انہیں اس میں اشتباہ تھا۔

سوال کاغذ کا مضمون کیا تھا؟

جواب میں نے سنا ہے کہ اس میں مذکور تھا کہ مسلمان تعصب وتفرقہ کو علیحدہ رکھیں اور موجودہ وقت میں باہم متحد ہو کر ایک

ہی علم کے زیر سایہ جہاد کریں۔
سوال: کیا اس اعلان سے شہر میں جوش و اضطراب نہ پیدا ہو گیا تھا؟
جواب: نہیں کسی بڑی حد تک نہیں۔
سوال: کیا قلعہ میں یا ملزم کو اس اعلان کا ذکر کرتے ہوئے تم نے سنا؟
جواب: ملزم نے میرے سامنے کچھ نہیں کہا' لیکن قلعہ کے دیگر چند اشخاص کا تذکرہ کرتے سنا تھا۔
سوال: کیا کمپنی کے الحاق اودھ سے دہلی کی مسلمان آبادی میں بے چینی اور ناراضگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے؟
جواب: اس سے ذرا بھی ناراضگی نہیں پیدا ہوئی' بلکہ مسلمانان دہلی کو بڑی خوشی ہوئی' کیونکہ اہل لکھنؤ شیعہ ہیں اور انہوں نے مولوی امیر علی کو جو سید اور سنی تھے' قتل کر دیا تھا۔
سوال: کیا غدر سے کچھ روز پہلے جامع مسجد پر فرقہ مسلم کی ناراضگی کا کوئی نوٹس یا اشتہار چسپاں کیا گیا تھا؟
جواب: مجھے یاد نہیں کہ کوئی کیا گیا ہو۔
سوال: کیا کبھی دہلی کے ہندوستانی اخبارات نے بغاوت سے پہلے انگریزوں سے جہاد کرنے کی ضرورت ظاہر کی تھی؟
جواب: انہوں نے کبھی نہیں کی۔ وہ ایسا کرتے تو سرکاری حکام خود محسوس کر سکتے تھے۔

ملزم سوالات جرح سے انکار کرتے ہیں۔
کاغذ نمبر الف مترجم اصلی فارسی میں پڑھ کر سنا تا ہے۔
عدالت کل چار بجے تک کے لئے برخاست ہو جاتی ہے۔

ساتویں روز کی کارروائی

یوم بدھ۔ ۳ فروری ۱۸۵۸ء
عدالت دیوان خاص قلعہ دہلی میں آج گیارہ بجے سے منعقد ہوئی۔
پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل تمام موجود ہیں۔
ملزم عدالت میں حاضر کئے گئے اور ان کا مددگار غلام عباس بھی حاضر ہے۔
حکیم احسن اللہ خاں طلب کئے گئے اور اظہار دینے لگے۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے۔

سوال: تم نے محمد درویش کی عرضی سن لی۔ کیا تم جانتے ہو کہ کوئی چیز کھانے کے خوان یا روغن یا تانبے کے سکے یا کپڑا بادشاہ نے حسن عسکری کے وظائف یا عمل پڑھنے کے لئے روانہ کئے تھے؟
جواب: جی ہاں' یہ تمام اشیا حسب معمول بھیجی جاتی تھیں مگر میں یہ نہیں جانتا کہ کسی خاص مطلب سے روانہ کی جاتی ہوں جیسا کہ عرضی میں مذکور ہے۔
سوال: تم نے کہا تھا کہ جاٹ مل دربار کا جاسوس تھا۔ کیا مخبری کرنے کے صلہ میں بادشاہ اسے کچھ دیتے تھے؟

جواب نہیں وہ بادشاہ کا ملازم نہیں تھا' بلکہ گورنمنٹ برطانیہ کا اخبار نویس تھا۔
سوال۔ پھر یہ کیونکر ہوا کہ اسے اس راز سے آگاہی ہوگئی اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ گورنمنٹ کے اخبار نویس کو ایسے اہم معاملہ سے مطلع کیا جائے؟
جواب: جاٹ مل محل کے آس پاس خبریں جمع کرنے کے لئے جایا کرتا تھا اور اس معاملہ کو سن کر اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس راز سے آگاہ ہوں۔ اس وقت میں اس سے بالکل لاعلم تھا اور بعد میں جو کچھ میں نے سنا اس سے جاٹ مل کے بیان کی تصدیق ہوگئی۔ گواہ جاتے میں جاٹ مل' سابق اخبار نویس لفٹنٹ گورنر آگرہ عدالت میں طلب کیا گیا اور اظہار لئے گئے۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے۔

سوال: کیا تم حسن عسکری نامی شخص کو جانتے ہو؟

جواب: جی جانتا ہوں۔

سوال کیا وہ اکثر ملزم کے پاس حاضر رہتا تھا؟

جواب جی ہاں۔

سوال بادشاہ اور اس کے درمیان کیا راہ و رسم تھی' جو معلوم ہو بیان کرو۔

جواب وہ بادشاہ کے پاس آتے اور کچھ پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔ وہ خود کو صاحب کشف و کرامت بتاتے تھے اور پیشنگوئیاں و خواب کی تعبیریں بیان کرتے تھے (یہاں ملزم خود بخود بتاتے ہیں کہ حسن عسکری میں یہ تمام فضائل ہیں جو بیان کئے جا رہے ہیں)۔ حسن عسکری کا قول تھا کہ اکثر ہاتف غیب کی آوازانہیں آیا کرتی ہیں۔ جب انہیں طلب کیا گیا جاتا تو فی الفور بادشاہ کے پاس حاضر ہو جاتے تھے اور اکثر بے بلائے بھی چلے آتے تھے' خصوصاً رات کے وقت جب بھی انہیں بادشاہ سے مشورہ کرنا ہوتا۔

سوال: تم نے کبھی کسی خاص خواب کی نسبت کچھ سنا جس کی تعبیر عسکری نے بادشاہ کو بتائی ہو۔

جواب جی ہاں اسی وقت جبکہ ایرانی افواج ہرات میں آئیں تو میں نے سنا ہے کہ حسن عسکری نے خود کا دیکھا ہوا خواب بادشاہ سے بیان کیا تھا کہ اس نے مغرب سے ایک بگولہ نمودار ہوتے دیکھا جس کے تعاقب میں ایک سیلاب عظیم آیا اور ملک کو روندتا ہوا نکل گیا مگر اس سیلاب سے بادشاہ کو بالکل پریشانی و تکلیف نہیں ہوئی' بلکہ وہ اسی سیلاب میں اپنے تخت پر بیٹھے رہے۔ پھر حسن عسکری نے اس کی یہ تعبیر بیان کی کہ شاہ ایران مشرق میں برطانوی طاقت کو تباہ و برباد کر دے گا اور بادشاہ کو تخت پر بٹھا کر از سر نو عنان سلطنت ان کے ہاتھ میں دے گا اور کفار یعنی برطانوی قتل کئے جائیں گے۔

سوال: کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس شخص حسن عسکری کے ذریعہ شاہ ایران کے پاس خطوط بھیجے گئے یا اس سے سلسلہ پیام رسانی رہا ہو؟

جواب: جی ہاں میں جانتا ہوں کہ خطوط بھیجے جاتے تھے۔ ڈیڑھ یا دو سال ہوئے کہ ایک قافلہ مکہ جا رہا تھا۔ ایک شخص شیدی قنبر نامی نے جو محل کے تمام حبشیوں کا سردار تھا اس قافلہ کے ہمراہ جانے کی اجازت چاہی۔ منظوری مل گئی اور حسب دستور اسے ایک سال کی تنخواہ پیشگی دے دی گئی اور کہا جاتا ہے کہ ساتھ ہی بادشاہ کی طرف سے ایک درخواست بحضور خداوند تعالی

بھیجی گئی تا کہ اسے لے جا کر خانہ کعبہ میں چسپاں کر دیا جائے۔ دس یا بارہ روز بعد میں نے سنا کہ شیدی قنبر کا مکہ جانا محض فریب تھا' بلکہ دراصل وہ بادشاہ دہلی کا خط شاہ ایران کو دینے کے لئے لے کر ایران گیا ہے۔ میں نے یہ بادشاہ کے قاصد خواجہ بخش اور ایک مقرب خاص سے' جس کا نام مجھے یاد نہیں' سنا ہے۔ اسی وقت میں نے کپتان ڈگلس کو اطلاع کی جنہوں نے کہا کہ یہ نہایت اہم بات ہے اور مجھے زیادہ تحقیقات کرنے کی ہدایت کی' کیونکہ بادشاہ دہلی کو شاہ ایران سے اس قسم کی خط و کتابت کرنے کی ممانعت تھی۔ میں نے حکیم احسن اللہ خاں سے دریافت کیا کیونکہ جو خفیہ معاملات تحریری وقوع میں آتے تھے انہیں خبر رہتی تھی۔ حکیم احسن اللہ خاں نے انکار کیا کہ انہیں اس کی مطلق خبر نہیں اور اگر ایسا کیا گیا ہے تو ان کی لاعلمی میں ہوا ہوگا۔ میں نے کپتان ڈگلس کو مطلع کر دیا اور اپنی تحقیقات بدستور جاری رکھی۔ اور کوئی بیس روز کے بعد اصل حال تحقیق ہو گیا۔ میں بھول گیا کہ کس سے یہ معلوم ہوا تھا کہ حیدر حسین کمانڈنٹ توپخانہ ملزم اور حسن عسکری نے مل کر چند خطوط شیدی قنبر کے ذریعہ ایران روانہ کئے ہیں۔ میں نے یہ کپتان ڈگلس کو جا کر بتا دیا اور کہہ دیا کہ لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ یہ خبر میرے بھی کانوں میں پڑ چکی ہے۔ لہٰذا اب وہ محتاط رہتے ہیں اور اب میں سراغ نہیں لگا سکتا۔ نیز کپتان ڈگلس سے میں نے یہ کہا کہ لاہور کے پاس شیدی قنبر کو گرفتار کرنے کا بندوبست کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تحقیق نہیں ہے کہ وہ کونسی راہ سے گیا ہے۔ لہٰذا اس معاملہ کو طول دینا فضول ہے۔

سوال: کیا مسئلہ جنگ ایران پر اہل قلعہ و بادشاہ بہت بحث کیا کرتے تھے؟

جواب: جی ہاں۔ محل اور شہر میں اکثر یہی بحث چھڑی ہوئی تھی۔

سوال: کیا تم جانتے ہو کہ مذہبی جنگ کی رُو سے اس پر روشنی ڈالی جاتی تھی؟

جواب: جی ہاں ہر حصہ ملک میں عموماً یہی خیال کیا جاتا تھا کہ مذہبی جنگ ہے اور شاہ ایران فتح یاب ہوگا' مگر بعض لوگ جنہیں حقیقت امر سے آگاہی تھی' کہا کرتے تھے کہ شاہ ایران انگریزوں سے عہدہ برآنہ ہو سکے گا۔

سوال: کیا تم جانتے ہو کہ کمپنی کی فوج کے دیسی سپاہیوں یا افسروں سے ملزم یا ان کے کسی معتمد نے بھی سلسلہ جنبانی کی ہو یا کرنے کی کوشش کی ہو؟

جواب: نہیں کسی سلسلہ جنبانی کی نسبت جو ملزم یا ان کے ایجنٹوں نے کی ہو' کبھی نہیں سنا۔ البتہ ساڑھے تین سال قبل پہلی مرتبہ دس یا بارہ مسلمان سپاہیوں نے اور دوسری بار چھ یا سات نے ملزم کے مرید ہونے کی استدعا کی تھی جسے ملزم نے بھی منظور کر لیا تھا۔ اس معاملہ کو سر جان تھیوفلس مٹکاف نے سن کر تحقیقات کی تھی اور تدارک کر دیا تھا۔

سوال: کیا کمپنی کے اودھ کو لے لینے پر بھی بادشاہ یا اہل قلعہ بحث کرتے تھے۔ اگر کرتے تھے تو کس نقطہ نظر سے؟

جواب: جی نہیں الحاق اودھ کی بابت میں نے صرف دو مرتبہ گفتگو کرتے سنا ہے' جس میں سے ایک مرتبہ جبکہ فوجیں کانپور جا رہی تھیں تو ملزم نے مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس سے دریافت کیا تھا کہ کیا کمپنی نے اودھ لے لیا ہے۔ ان دونوں نے بیان کیا کہ انہیں اس بات کی کوئی خبر نہیں ملی۔

سوال: کیا حسن عسکری نے بادشاہ کی مدت عمر یا انگریزوں پر آئندہ کامیابیوں کی کوئی پیشین گوئی کی تھی؟

جواب: جی ہاں یہ کہا تھا کہ اس نے اپنی عمر کے بیس سال بادشاہ کی عمر میں بڑھا دیئے' لیکن انگریزوں پر فتح پانے کا ذکر کیا ہو

یہ بھی نہیں سنا۔ صرف اس کے خواب کا ذکر سنا تھا جو بتا چکا ہوں۔
سوال کیا تم نے محل میں کبھی یہ سنا کہ پلاسی کی لڑائی کے سو برس بعد انگریزوں کی حکومت مٹ جائے گی؟
جواب۔ جی نہیں۔ کبھی نہیں۔
سوال۔ کیا تمہیں معلوم تھا کہ قبل بغاوت ایسٹ انڈیا کمپنی دہلی کی رجمنٹیں کسی طرح ناخوش تھیں؟
جواب میرے قلعہ میں آتے جاتے وقت ان کی ناراضگی کا کچھ یونہی سا احساس ہوتا تھا' لیکن غدر سے بیس یا پچیس روز قبل سپاہیوں میں انبالہ کے مکان جلا ڈالنے کا ذکر آپس میں ہوتا تھا اور چربی دار کارتوسوں کے بھی تذکرے کرتے اور انہیں استعمال نہ کرنے کے پیمان باندھتے تھے۔
سوال: کیا اس مضمون یعنی سپاہیوں کی ناراضگی کا قلعہ میں بھی تذکرہ ہوتا تھا؟
جواب۔ جی ہاں سپاہیوں کی ناراضگی بسبب چربی دار کارتوسوں کے استعمال کے اور انبالہ کے مکانات جلا ڈالنے کا چرچہ عام طور سے قلعہ میں ہوا کرتا تھا' لیکن بادشاہ کے منہ سے یا ان کے سامنے کبھی میں نے نہیں سنا۔ غدر سے چند روز قبل قلعہ کے پھاٹک والے سپاہیوں سے یہ سنا تھا کہ اگر میرٹھ کی فوجوں کو چربی دار کارتوسوں کے استعمال کے لئے مجبور کیا گیا تو یہ قرار پا گیا ہے کہ وہ دہلی کی فوج سے آ کے مل جائے گی اور یہ سازش ایک ہندوستانی افسر کے ذریعہ عمل میں آئے گی جو کورٹ مارشل ڈیوٹی میں میرٹھ جائے گا۔
سوال کیا یہ بات تم نے کسی پر ظاہر کی تھی یا اس کی رپورٹ کسی سے کی تھی۔
جواب۔ جی نہیں۔ یہ ایک فوجی معاملہ تھی۔ ویسے بھی مجھے اس کی رپورٹ نہیں کرنی تھی کیونکہ میری تمام رپورٹیں صرف بادشاہ کی ذات تک محدود رہتی تھیں۔
سوال: جب باغی افواج میرٹھ سے آئیں اس وقت تم یہاں موجود تھے؟
جواب۔ میں اپنے مکان میں شہر کے اندر موجود تھا۔ میں نے سنا کہ میرٹھ کے چند سواروں نے سلیم گڑھ پل کے محصول وصول کرنے والے کو قتل کر دیا ہے اور محصول کا مکان جلا ڈالا ہے۔ میں نے ان خبروں پر چنداں اعتبار نہیں کیا اور خبروں کا خط لکھتا رہا۔ اسے پورا کر کے میں قلعہ میں آیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ کپتان ڈگلس اور مسٹر فریزر مسٹر ہچنزن مجسٹریٹ اور مسٹر نکسن ہیڈ کلرک کمشنر آفس' کلکتہ دروازہ کی طرف باغیوں کا تدارک کرنے کے لئے گئے ہیں۔ میں بھی فوراً ان کے تعاقب میں روانہ ہوا اور وہاں جا کر دیکھا کہ وہ کلکتہ دروازہ (کشتی کے پل کے پاس ایک دروازہ تھا) پر پہنچ گئے ہیں۔ جب یہ لوگ وہاں انتظام کر رہے تھے کہ کسی نے آ کر خبر دی کہ باغی براہ دروازہ زینت المساجد شہر میں داخل ہو گئے اور دریا گنج میں جا پہنچے اور بنگلوں پر فیر کر رہے ہیں۔ دھواں دراصل بلند ہو رہا تھا۔ یہ صبح آٹھ بجے کا واقعہ ہے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد تین سوار دریا گنج کی طرف سے ایک انگریز کے تعاقب میں دوڑے چلے آ رہے تھے۔ ایک نے اس پر پستول کا فیر کیا مگر نشانہ خطا کر گیا۔ یہ انگریز میگزین کے راستہ کی طرف فرار ہو گیا۔ اسی وقت مسٹر فریزر نے دروازہ کے ایک محافظ سپاہ کی بندوق لے کر ایک سوار کو گولی ماردی۔ دیگر سواروں نے ان کے گھوڑے کو گھائل کر دیا۔ مسٹر فریزر اپنی بگھی میں سوار ہو گئے۔ ان کے ساتھ کپتان ڈگلس اور مسٹر ہچنزن پیدل ہو لئے اور یہ سب کے سب قلعہ کی طرف چلنے لگے۔ مسٹر ہچنزن کے شانہ پر کہنی

سے پچھاو پرایک سور کی پستول کی گولی سے شدید زخم آیا۔ مسٹر فریزر کے قلعہ کی طرف جاتے ہوئے چند سوار اور آ پڑے۔ ایک نے پشت کی طرف سے آ کر پستول کا فیر کیا' مگر مسٹر فریزر بال بال بچ گئے۔ اس وقت کپتان ڈگلس کا چپراسی بختاور مسٹر فریزر کی بگھی کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ کپتان ڈگلس نے جب اپنے آپ کو سواروں سے گھرا ہوا پایا تو شہر کی خندق میں کود پڑے اور چند نوکیلے پتھروں پر گرنے سے کپتان موصوف کے سخت چوٹ آئی۔ اس وقت سوار جابجا انگریزوں کو ڈھونڈ تے پھر رہے تھے۔ اسی اثنا میں بختاور اور چند ہندوستانی ملازموں نے موقع پا کر کپتان ڈگلس کو خندق سے باہر نکالا۔ دیکھا تو ان پر بیہوشی طاری تھی۔ پھر انہیں قلعہ کے دروازہ پر ان کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جب ذرا ہوش آیا تو انہوں نے اپنے پاس کے لوگوں کو مسٹر جینزن کے اٹھا لانے کی ہدایت کی اور کہا کہ انہیں ضرب شدید آئی ہے۔ ان کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ مسٹر فریزر قلعہ کے لاہوری دروازہ کے نیچے کی پوشیدہ راہ سے ایک انگریز کو ہمراہ لئے جو اسی روز کلکتہ سے آیا تھا' جا رہے تھے۔ انہوں نے "پران" قاصد کو بادشاہ کے پاس توپیں لانے کے لئے روانہ کیا اور خود بھی مخفی راستہ کے دہانہ پر پہنچ گئے۔ انہیں دیکھ کر ایک انبوہ کثیر جس میں مرد اور ہر عمر کے بچے موجود تھے اس طرف دوڑا اور پاس جا کر لاف زنی کرتا رہا۔ مسٹر فریزر دشمنی اور ذلت کی علامتیں دیکھ کر سخت سراسیمہ ہوئے اور کپتان ڈگلس کے مکان کی طرف لوٹے۔ سیڑھیوں تک پہنچنے پائے تھے کہ حاجی لوہار نے ان کے قتل کرنے کی غرض سے تلوار کھینچ لی۔ مسٹر فریزر جن کی تلوار نیام میں تھی' اسے اونچا اٹھا کر پھرتی سے پلٹے اور حوالدار سے کہا "یہ کیا ہے۔" اس پر حوالدار نے دکھانے کے لیے مجمع کو منتشر کر دیا' لیکن جونہی مسٹر فریزر نے پیٹھ پھیری' اس نے جھک کر لوہار سے کچھ کہا جس کا منشا یہ تھا کہ اسے پھر حملہ آور ہونا چاہیے۔ لوہار کی ہمت بندھ گئی اور اس نے بڑھ کر مسٹر فریزر کی گردن پر سیدھی طرف سے نہایت گہرا اور کاری زخم لگایا۔ مسٹر فریزر فوراً گر پڑے۔ ان کے گرتے ہی تین شخص خالق داد ایک قبولی پٹھان مغل بیگ یا مغل جان اور شیخ دین محمد جو ڈیوڑھی میں چھپے ہوئے تھے' دوڑے اور ان کے سر چہرہ اور سینہ پر مسلسل کئی وار کئے' جس سے مسٹر فریزر کا بالکل کام تمام ہو گیا۔ شیخ دین محمد ایک مسلح شخص تھا جسے بادشاہ سے تنخواہ ملتی تھی اور خالق داد و مغل بیگ بھی محبوب علی خان بادشاہ کے وزیر اعظم کے ہتھیار بند سپاہی تھے۔ ان تینوں نے مسٹر فریزر کو ہلاک کر کے کپتان ڈگلس کے مکان کی راہ لی اور انبوہ کثیر کو ہمراہ لئے ہوئے سیڑھیوں پر چڑھنا شروع کیا۔

جب وہ زینہ طے کر چکے تو ماکھن نامی گورنمنٹ ملازم نے جو کپتان ڈگلس کا اردلی تھا' اندر جا کر بلوائیوں کے گھس آنے کی اطلاع کی اور اسے دروازہ بند کر دینے کی تاکید کی گئی۔ جب اندر سے دروازہ بند کر دیا گیا تو کمرہ کے جنوبی رخ سے صدہا آدمی دوڑ کر براہ زینہ اوپر چڑھ گئے اور وہاں سے اندر داخل ہوئے اور جو دروازہ ماکھن نے بند کر دیا تھا اسے ان تینوں قاتلوں اور ان کے مسلح گروہ کے لئے کھول دیا جنہوں نے مسٹر فریزر کو گرنے کے بعد قتل کر ڈالا تھا۔ ان لوگوں نے یکے بعد دیگرے کپتان ڈگلس' مسٹر جینزن' ریورینڈ مسٹر جننکس' مس جننکس' مس کلیفارڈ اور وہ تمام جو کپتان ڈگلس کے مکان میں تھے سب کو قتل کر ڈالا۔ نو وارد جو اسی روز کلکتہ سے آیا تھا' بھاگ نکلا اور قلعہ کی فصیل کے باہر نکلنے کی تدبیر کرنے لگا۔ وہ اسی تجسس میں مرزا کوچک کے مکان تک قلعہ کے دہلی دروازہ کے متصل جا پہنچا۔ کسی نے اس پر فیر کیا جس سے اس کا شانہ زخمی ہو گیا۔ وہ فی الفور لوٹا اور کپتان ڈگلس کے جنوبی زینہ تک پہنچتے پہنچتے دو ٹکڑے کر ڈالا گیا۔ اس قتل کاری میں صرف پندرہ منٹ کا وقفہ صرف ہوا تھا اور میں نے یہ ماکھن' بختاور' پران اور کشن کے بیانات سے حاصل کیا ہے' لیکن مسٹر فریزر کی موت

کے وقت تک کے تمام واقعات میرے چشم دید ہیں۔ اب چار بج چکے۔ عدالت یوم جمعہ تاریخ ۵ فروری تک کے لئے ملتوی کر دی گئی۔

آٹھویں روز کی کارروائی

یوم جمعہ۔ مورخہ ۵ فروری ۱۸۵۸ء

عدالت آج قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم اپنے مشیر قانونی کے ہمراہ عدالت میں لائے گئے۔

گواہ جات مل پھر طلب کیا گیا اور گذشتہ اظہار کی یاد دہانی کی گئی۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے۔

سوال جب انگریز کپتان ڈگلس کے کمرے میں مار ڈالے گئے تو سپاہیوں اور عوام نے پھر کیا کیا؟

جواب ان کے مارے جانے کے بعد میں فوراً شہر میں اپنے مکان پر چلا آیا اور قلعہ میں کئی روز نہیں گیا۔

سوال بادشاہ نے کب عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور کیا اس وقت توپوں سے سلامی دی گئی تھی؟'

جواب میرٹھ کی فوجوں کے آنے کے تین چار روز بعد انہوں نے تمام سرکاری مال اور بارود جو شہر کے باہر تھی اور اسلحہ' سب پر قبضہ کر لیا اور ایک ہفتے کے بعد مختلف محکموں کو احکام جاری کئے کہ سرکاری کاروبار کی عرضیاں انہیں نہ بھیجیں۔ گیارہ مئی کو بوقت شب چوبیس توپوں کی سلامی سر کی گئی' مگر مجھے علم نہیں کہ کس بنا پر بعض کہتے ہیں کہ میرٹھ کے علم آنے کی خوشی میں توپیں سر ہوئیں اور بعض کا خیال ہے کہ ملزم سلیم گڑھ گئے ہوئے تھے۔ ان کی سلامی میں توپیں داغی گئیں۔

سوال مرزا مغل کمانڈر انچیف کب بنائے گئے؟

جواب۔ غدر کے آٹھ یا سات روز بعد دیسی افسران سے مشورہ لینے لگے تھے اور ان کے احکام بھی جاری ہونے شروع ہو گئے تھے' لیکن ایک مہینہ بعد ان کا تقرر عام طور سے شائع ہو گیا اور خلعت فاخرہ ملا۔ نیز اسی سلسلے میں بادشاہ کے دوسرے بیٹے اور پوتے جرنیل اور کرنیل بنائے گئے اور ہر ایک کو خلعت دیا گیا۔

سوال: حسن عسکری غدر کے زمانے میں کیا کام کرتا رہا؟ کیا وہ بادشاہ کا خاص مشیر رہا تھا؟

جواب: وہ بادشاہ سے سابق دستور ملتے رہے اور بظاہر کوئی مشہور کام نہیں کیا۔ بادشاہ کی ایک دختر حسن عسکری کی مرید تھی؟ لیکن لوگ کہتے تھے کہ ان دونوں میں ناجائز تعلقات ہیں۔

سوال۔ تمہیں معلوم ہے کہ میگزین پر حملہ کرنے کی نیت سے قلعہ سے سیڑھیاں گئی تھیں؟

جواب۔ میں نے سنا تھا کہ میگزین پر حملہ کرنے کے لئے سیڑھیاں لگائی گئیں' مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں سے لائی گئی تھیں؟

سوال: کیا کبھی تم نے سنا کہ دیہات میں غدر سے چند ماہ پیشتر روٹیاں تقسیم کی گئیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس سے کیا مقصود تھا؟

جواب جی ہاں میں نے اس کی بابت سنا تھا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ آفات سے بچنے کے لئے خدا کی نذر مانی گئی تھی۔ بعض

کا خیال تھا کہ گورنمنٹ کی طرف سے تقسیم کی گئی ہیں اوران کا مطلب یہ ہے کہ تمام آبادی بلوائیوں کا سا کھانا کھانے پر مجبور کی جائے گی اور اس طرح اپنے مذہب سے محروم کی جائے گی۔ کچھ لوگوں کا قول ہے کہ گورنمنٹ نے روٹیاں تقسیم کر کے دوسروں کا مذہب بگاڑنے اور عیسائیت کو فروغ دینے کا قصد کیا ہے۔ پھر سنا گیا کہ سب کو اس کے انسداد کی کوشش کے لئے آمادہ ہونا چاہئے۔

سوال: جب دیہات میں ایسی چیزیں بھیجنے کا ہندو اور مسلمانوں میں عام رواج ہے تو کیا بغیر وجہ یا بے سوچے سمجھے بھی یہی مفہوم سمجھا جا سکتا ہے؟

جواب: جی نہیں۔ ایسا رواج ہرگز نہیں ہے۔ میری پچاس سال کی عمر آئی مگر اس سے پہلے کبھی میں نے ایسی بات نہیں سنی۔

سوال: کیا کبھی یہ بھی سنا ہے کہ چپاتیوں کے ہمراہ کوئی پیام بھیجا گیا تھا؟

جواب: جی میں نے کبھی نہیں سنا۔

سوال: کیا یہ چپاتیاں کسی خاص ہندو یا مسلمان نے تقسیم کی تھیں؟

جواب: وہ بلا امتیاز ہر دو مذہب کے دیہاتیوں کو تقسیم کی گئی تھیں۔

سوال: گیارہ مئی کے کے روز بعد تم پھر قلعہ میں گئے تھے؟

جواب: میں نے جب شہر میں سنا کہ انگریز قتل کئے جانے والے ہیں۔ مجھے ٹھیک تاریخ یاد نہیں' لیکن ابتدا غدر سے سات آٹھ روز بعد میں مجمع کے ہمراہ قلعہ گیا تھا۔ اس وقت صبح کے آٹھ بجے تھے۔ جب میں پہلے صحن میں پہنچا تو انگریزوں کو حوض کے کنارے ایک قطار میں بیٹھے ہوئے دیکھا جن کے ہاتھ پیچھے موڑ کر کمر کے پاس بندھے ہوئے تھے۔ کچھ مرد' عورتیں اور بچے تھے۔ میرے پہنچتے ہی میرٹھ کے ایک باغی سپاہی نے جو فاصلہ پر گھوڑے پر سوار کھڑا تھا' ان پر پستول کا فیر کیا۔ نشانہ خطا کر گیا اور بادشاہ کے ایک ملازم کو گولی جا لگی جو قیدیوں کی پشت پر کھڑا ہوا تھا۔ انجام کار وہ شخص گر کر مر گیا۔ اس حادثہ کی وجہ سے جماعت نے فیصلہ کیا کہ انگریزوں کو تلوار سے قتل کیا جائے۔ بادشاہ کے مصاحبین اور چند باغیوں نے اس مقصد کے لئے تلواریں کھینچیں مگر مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہاں ٹھہروں اور ان کے قتل کا مشاہدہ کر سکوں' لہٰذا میں مکان چلا گیا اور اس کے بعد سنا کہ بادشاہ کے نوکروں اور باغی سپاہیوں نے انہیں قتل کر ڈالا۔

سوال: اس حادثہ کے وقت کیا کوئی توپ خوشی کا اظہار کرنے کے لئے سر کی گئی تھی؟

جواب: نہیں میں نے نہیں سنی؟

سوال: کیا بادشاہ نے ان قیدیوں کے قتل کرنے کی رائے دی تھی؟

جواب: اول روز سپاہیوں کی یہ استدعا کہ انگریز قتل کر دیئے جائیں' بادشاہ نے منظور نہیں کی' لیکن کہا جاتا ہے کہ دوسرے روز بسنت علی خاں مصاحب خاص جو اپنی وحشیانہ عادت میں مشہور تھا' سپاہیوں کے پاس گیا اور انگریزوں کے قتل پر زور دیا۔ چنانچہ بادشاہ نے بھی حکم دے دیا کہ انگریز ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ پھر سپاہیوں نے انہیں قتل کر ڈالا۔ یہ تھا جو کچھ میں نے اپنے گھر سے سنا۔ قتل کئے جانے کی صبح دیوان خاص کے دروازے پر بسنت علی خاں نے کھڑے ہو کر بآواز بلند کہا کہ بادشاہ نے انگریزوں کے قتل کی اجازت دے دی ہے اور ملازم کے ہتھیار بند سپاہیوں کو قتل میں شریک ہونے کی ہدایت کی۔

سوال۔ کیا تمہارے خیال میں اگر بادشاہ چاہتے تو ان انگریزوں کو اور خصوصاً ان کے بیوی بچوں کو بچا سکتے تھے؟
جواب میں نے شہر میں سنا تھا کہ بادشاہ انگریزوں اور خاص کر ان کی عورتوں بچوں کو بچانا چاہتے تھے مگر سپاہیوں کے غیظ وغضب کی مخالفت کرنے کی انہیں جرأت نہیں ہوئی۔
سوال۔ کیا بادشاہ کے زنان خانہ میں کافی جگہ نہیں تھی جہاں انگریز عورتوں مردوں اور بچوں کو چھپا دیا جاتا؟
جواب ضرور تھی۔ وہاں تو اتنی گنجائش تھی کہ اگر پانچسو آدمی چھپا دیئے جاتے تو پتہ نہ لگ سکتا کیونکہ وہاں کئی خفیہ راستے اور تہ خانے تھے جہاں باغی لوگوں سے بچ کر عصمت مآب عورتیں روپوش ہو سکتی تھیں۔
سوال برٹش افواج کے محاصرہ کرتے وقت تم دہلی میں موجود تھے؟
جواب میں غدر شروع ہونے سے تین ماہ متواتر دہلی میں مقیم رہا۔ حتیٰ کہ شاہی آدمیوں نے گورنمنٹ کے ملازموں کی تلاشیاں اس شبہ پر لینی شروع کر دیں کہ وہ گورنمنٹ کو خبریں پہنچا رہے ہیں۔ میں اس وقت فرار ہو گیا اور شہر میں اس وقت تک قدم نہ رکھا جب تک کہ گورنمنٹ نے دوبارہ دخل نہ پالیا۔
سوال قلعہ میں انگریزوں کے قتل کے بعد کیا کچھ اور انگریز بھی مارے گئے تھے؟
جواب مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ دوبارہ قتل کے لئے کوئی انگریز باقی رکھا گیا ہو البتہ قتل مذکورہ کے قبل میں نے سنا تھا کہ ازتیں یا چالیس انگریز تہ خانہ میں روپوش ہو گئے تھے مگر بھوک سے تنگ آ کر باہر نکل آئے اور مار ڈالے گئے۔
سوال کیا سپاہیوں کو علاوہ چربی دار کارتوسوں کے تم نے اور کوئی شکایت کرتے سنا؟
جواب: نہیں میں نے کبھی نہیں سنا۔
سوال۔ محاصرہ کے زمانے میں کمپنی کی حکومت کی نسبت سپاہی عموماً کیا رائے رکھتے تھے؟
جواب وہ عموماً گورنمنٹ کی بہت شکایت کرتے تھے کہ وہ ہمارے مذہب اور قوم کی بیخ کنی کرتی ہے۔ انگریزوں کے قتل کا حتمی عہد کر چکے تھے۔ وہ جو زخمی پڑے ہوئے تھے نہایت خوشی سے کہتے تھے کہ انگریزوں نے جو بے پرواہی ہمارے ساتھ برتی اس کے مقابلہ میں ہمارا مر جانا اچھا۔
سوال انگریز گورنمنٹ کے برخلاف کیا ہندو اور مسلمانوں کے جذبات میں کچھ فرق تھا؟
جواب جی ضرور تھا۔ مسلمان متفقہ طور پر گورنمنٹ برطانیہ کو الٹ دینے کے درپے تھے مگر بڑے بڑے ہندو تاجروں و ساہوکاروں میں اس پر اظہار افسوس کیا جاتا تھا۔
سوال مگر ہندو اور مسلمان سپاہیوں کے جذبات میں تو کوئی اختلاف نہیں تھا۔ کیا دونوں انگریزی حکومت کے خلاف تھے؟
جواب فوج میں تو ہندو اور مسلمان ہر دو کے جذبات عموماً یکساں تھے۔
سوال تم سمجھتے ہو کہ میرٹھ کی سپاہ کا قلعہ میں انتظار تھا؟
جواب جی ہاں ان کا انتظار کیا جاتا تھا۔ اتوار کو میرٹھ سے خطوط آئے تھے جن میں یہ خبر تھی کہ بیاسی سپاہیوں کو پابہ زنجیر کر لیا گیا ہے اور انجام کار معاملہ بالکل خطرناک صورت اختیار کرے گا۔ چنانچہ قلعہ کے دربان تک اپنے جذبات وخیالات کو پوشیدہ نہ رکھ سکے علانیہ کہنے لگے کہ انہیں امید ہے کہ میرٹھ میں بغاوت کر کے فوجیں دہلی آئیں گی۔

سوال: تمہارے پاس کوئی وجوہات ہیں کہ ملزم کو بھی اس کی اطلاع دے دی گئی تھی اور خبردار کر دیا گیا تھا؟

جواب: نہیں۔ میری پاس کوئی وجہ نہیں ہے۔

سوال: کیا کسی وجہ سے تم فیصلہ کر سکتے ہو کہ ملزم کو میرٹھ سے آنے والی فوجوں کا پیشتر سے علم تھا؟

جواب: میرے مشاہدہ میں قبل یا بعد کوئی ایسی بات نہیں آئی جس سے میں یہ نتیجہ اخذ کر سکوں۔

سوالات جرح از ملزم

سوال: تم نے پرسوں اپنی شہادت میں بیان کیا تھا کہ ایک انگریز جان بچانے کی کوشش میں مرزا کو چک کے مکان تک پہنچ گیا جہاں اسے گولی ماردی گئی' کیا مرزا کو چک اس وقت مکان میں تھا؟

جواب: جی میں اس قسم کے تفصیلی واقعات نہیں بتا سکتا۔

سوال: کیا تمہیں معلوم ہے کہ مسٹر فریزر کے قاتلوں کو میں نے کھڑا کیا تھا یا فوج نے انہیں ایسا کرنے کی ہدایت کی تھی؟

جواب: جہاں تک مجھے علم ہے بادشاہ کو قتل سے پہلے خبر نہیں تھی۔ باغیوں نے فوج کے ایما اور ترغیب سے انہیں قتل کیا۔

سوال: انگریز مقتولین کی لاشوں کو میں نے لے جانے کی خواہش ظاہر کی اور سپاہیوں نے مجھے اجازت نہیں دی۔ کیا یہ تم نے سنا ہے؟

جواب: جی نہیں۔ اس کا مجھے علم نہیں۔

سوال: کیا تم خوب جانتے ہو کہ میں نے اپنے مسلح مصاحبوں کو انگریزوں کے قتل کا حکم دیا تھا یا بسنت علی خاں نے غلط اڑایا تھا؟

جواب: میں کہہ نہیں سکتا۔

عدالت نے اظہار لیے

سوال: جس وقت قتل ہونے سے پیشتر تم نے انگریزوں کو بندھا ہوا دیکھا تھا کیا بادشاہ کے معتبر افسر و ملازم موجود تھے؟

جواب: جی نہیں' صحن میں ان میں سے کسی کو بھی میں نے نہیں دیکھا۔ البتہ مرزا مغل بادشاہ کے صاحبزادے اپنے مکان کی چھت سے کھڑے ہوئے صحن کا تماشہ دیکھ رہے تھے اور اسی وقت دوسرے صاحبزادے اور پوتے بھی اپنے اپنے مکانوں میں سے صحن کا نظارہ کر رہے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قتل کا نظارہ ہی کرنے کھڑے تھے۔

سوال: کیا ان میں سے کسی نے عورتوں اور بچوں کو بچانے کی کوشش کی یا اس کے برعکس کیا؟

جواب: جی نہیں وہ صرف کھڑے تماشہ ہی دیکھتے رہے۔ یہ طے پا چکا تھا کہ انگریز قتل کیے جائیں گے۔

گواہ جاتا ہے۔

کپتان فارسٹ اسسٹنٹ کمشنر آف آرڈیننس طلب کیے جاتے ہیں اور حلف لیا جاتا ہے۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لیے

سوال: کیا گذشتہ مئی کی گیارہ تاریخ کو تم دہلی میں تھے؟

جواب: میں تھا۔

سوال: کیا اس وقت میرٹھ سے آئی ہوئی باغی فوجوں کو تم نے دیکھا تھا؟
جواب۔ میں نے دیکھا تھا۔ پہلے غالباً ایک رجمنٹ سواروں کی آئی' جس کے بعد ہی گیارھویں اور بارھویں دیسی پیدل رجمنٹوں نے بھی براہ میرٹھ آ کر پل عبور کیا۔ یہ لوگ سنگینوں کو جھکائے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ فوجی قاعدہ سے صفیں بندھی ہوئی تھیں۔ اس سے قبل میں نے انہیں نہیں دیکھا' مگر سنا البتہ تھا کہ علی الصباح بوقت سات بجے سواروں کا ایک دستہ پل سے گذر کر دہلی میں داخل ہو چکا ہے۔ جس وقت یہ فوجیں پل عبور کر رہی تھیں' میں میگزین میں تھا۔ ان کی آمد کے تھوڑے عرصہ قبل سر تھیوفلس مٹکاف نے مجھ سے کہا تھا کہ باغی فوجوں کے میرٹھ سے آنے کی افواہ ہے اور دو توپیں باہر نکلوانی چاہی تھیں تا کہ ان سے پل توڑ دیا جائے اور باغی دریا کو عبور نہ کر سکیں' لیکن نہ تو وہاں جانور تھے کہ توپوں کو باہر نکالا جاتا اور نہ گولہ انداز جو توپ چلاتے۔ لہٰذا مسٹر ولف بائی نے میرے ساتھ اس رائے پر اتفاق کیا اور کہا کہ سب سے بہتر تجویز تو یہ ہے کہ میگزین کے دروازے بند کر لئے جائیں اور حتی المقدور اس کی حفاظت کی جائے۔ ہم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ اگر شام تک ہم میگزین پر قابض رہ گئے تو یقیناً میرٹھ سے انگریزی فوجیں آ جائیں گی اور ہمیں مدد مل جائے گی۔ نو اور دس بجے کے درمیان اڑتیسویں رجمنٹ دیسی پیدل کے صوبہ دار نے جو میگزین کے دربانوں کا افسر تھا اور باہر رہا کرتا تھا' کھڑکی میں سے مجھے اطلاع کی کہ بادشاہ دہلی نے میگزین پر قبضہ کرنے کی نیت سے ایک فوجی گارد بھیجا ہے اور انگریزوں کو محل میں طلب کیا ہے اور اگر وہ اسے نامنظور کریں تو میگزین سے نکل کر کہیں جانے نہ پائیں۔ اس وقت کوئی گارد نہیں تھا۔ صرف ایک پیام رساں کھڑا تھا۔ وہ خوش پوش اور معزز مسلمان معلوم ہوتا تھا۔ اس نے صوبہ دار دربان سے کہا کہ وہ کسی فرمان یا پیام پر التفات نہ کرے اور سوا میرے یا لفٹنٹ ولف بائی کے خود کوئی جواب نہ دے۔ ہم نے اس شخص کو جو مذکورہ بالا پیام لایا تھا' کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد ایک دیسی افسر بادشاہی سپاہیوں کا ایک زبردست دستہ لے کر بادشاہ کے حکم سے نفیس وردیاں زیب بدن کئے ہوئے آئے اور صوبہ دار دربان و نان کمیشنڈ افسر سے کہنے لگے کہ بادشاہ نے تمہاری امداد کے لئے ہمیں روانہ کیا ہے۔ اسی وقت میں نے بھی صوبہ دار کو احکام دیئے تھے اور کہا تھا کہ کسی کی باتوں پر التفات نہ کرو۔ بعد ازاں دیسی افسر نے میگزین کے ہر ایک دروازہ پر ایک ایک ماتحت افسر کے ہمراہ بارہ بارہ سپاہیوں کو متعین کر دیا۔ ان لوگوں نے فوجی قاعدہ کے بموجب اپنی سنگین زمین میں گاڑ دیں اور باقاعدہ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے افسروں کے ہر ایک حکم کی بجا آوری سپاہیانہ کی۔ وہ سب کے سب فوجی شاہی وردی پہنے ہوئے تھے۔ یہ واقعہ دس اور گیارہ بجے دن کے درمیان کا ہے۔ اس کے ایک گھنٹہ بعد دربان نے باہر سے پکار کر کہا کہ یا تو میں لفٹنٹ ولف بائی اس کے پاس جا کر کھڑے کھڑے گفتگو کر آئیں۔ جب ہم دونوں دروازہ پر پہنچے تو اس نے اطلاع دی کہ بادشاہ دہلی نے تمام گورنمنٹ کا سامان نکال لے جانے کے لئے کئی آدمیوں کو روانہ کیا ہے اور ہم انہیں اس سے باز نہیں رکھ سکتے۔ اس کی بات کا نہ تو میں نے اور نہ مسٹر ولف بائی نے کوئی جواب دیا بلکہ کھڑکی میں ہمیں نے جھانک کر دیکھا تو تمام مال و اسباب صاف کر دیا گیا تھا۔ جو لوگ اس کام میں لگائے گئے تھے معمولی مزدور تھے' جن سے شاہی گارد کا ایک دستہ کام لے رہا تھا۔ دستہ پوری وردی میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہمارے دربانوں کے صوبہ دار نے مجھ سے یا لفٹنٹ ولف بائی سے ملنا چاہا اور جب ہم دونوں اس کے پاس گئے تو وہ کہنے لگا کہ بادشاہ کے پاس سے ایک پیامبر اتنا کہنے کے لئے اور آیا ہے کہ اگر فی الفور دروازے نہ کھولے گئے تو وہ فوراً حملہ

کرنے کے لئے اور دیوار پر چڑھنے کے واسطے سیڑھیاں روانہ کریں گے اور یہ سیڑھیاں کچھ دیر بعد لائی گئیں جنہیں میگزین کے جنوب مشرقی گوشہ پر لگا دیا گیا۔ میگزین کے ہندوستانی کام کرنے والے یہ دیکھتے ہی ایک ڈھالو گودام میں سے ہو کر دیوار پر چڑھ گئے اور سیڑھیوں سے اتر کر باہر نکل بھاگے۔ باغیوں نے یہ دیکھ کر ذرا دیر نہیں کی اور اوپر چڑھنا شروع کیا اور چھوٹے برج میں گھسنے کا راستہ بنالیا۔ وہاں سے ہم پر حملہ کرنے لگے۔ انہوں نے شام کے ساڑھے تین بجے تک حملہ جاری رکھا اور اندر اترنے کی کوشش کرتے رہے۔ ہم نے ان پر گولیاں برسانی شروع کیں۔ صرف مسٹر بکلی اور میں ہی بندوقیں چلا رہے تھے۔ دو بندوقیں ہم بھری ہوئی رکھتے اور دو سے فیر کرتے جاتے تھے اور دو توپیں میگزین کے دوسرے دروازہ پر رکھوا دی گئی تھیں؛ جن پر سب کنڈکٹر کراؤ اور سارجنٹ ایڈورڈ کو مامور کیا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں روشن فلیتے موجود تھے مگر لفٹنٹ ولف بائی کا حکم تھا کہ تاوقتیکہ باغی دروازہ پر بلہ نہ کریں' بتی نہ دکھائی جائے۔ یہ دونوں میگزین میں مارے گئے۔ ایک توپ دریا کے رخ رکھی گئی تھی اور کنڈکٹر شا کو اس پر مسلط کیا تھا جو آخر کار کشمیری دروازہ کے محافظین کی طرف بھاگا اور نمبر ۵۴ دیسی پیدل رجمنٹ کے ایک سپاہی کی گولی سے ہلاک ہوا۔ لفٹنٹ ولف بائی اور میں بہت مستعدی دکھا رہے تھے۔ ایک پہرہ سے دوسرے تک جاتے' ضروری احکام دیتے اور باغیوں کو منتشر کرنے کی فکر کرتے پھر رہے تھے۔ اس اثنا میں میں اور ولف بائی کئی بار دروازہ تک گئے اور جب باہر والوں سے دریافت کیا کون حملہ آور ہو رہا ہے تو ہمیشہ یہی جواب ملا کہ بادشاہ کا ایک لڑکا اور ایک پوتا دونوں ہم پر حملہ کرنے کی تدبیریں کر رہے ہیں اور جتنے آدمی سیڑھیاں لگا کر چڑھے تھے' وہ سب گیارہویں اور بیسویں دیسی پیدل رجمنٹ کے سپاہی تھے۔ ایک بجے کے قریب جو پیام آیا تھا میں کہنا بھول گیا۔ وہ یہ تھا کہ اگر وہ لوگ مطیع نہ ہوں گے تو ہم دیوار کا وہ حصہ جو بالکل کمزور ہے' توڑ کر اندر داخل ہو جائیں گے۔ چار بج چکے۔ کل گیارہ بجے تک کے لئے عدالت برخاست ہو گئی۔

نویں روز کی کارروائی

یوم جمعہ۔ ۶ فروری ۱۸۵۸ء

قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں آج عدالت منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل سب موجود ہیں۔

ملزم مع ان کے مختار غلام عباس کے عدالت میں لائے گئے۔

کپتان فارسٹ اسسٹنٹ کیمشنری آف آرڈی ننس طلب کئے گئے اور گذشتہ بیان کی یاد دہانی کی گئی۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال- ساڑھے تین بجے تک جو کچھ ہوا وہ تم بیان کر چکے ہو۔ بعد میں کیا ہوا؟

جواب- اس وقت تک میگزین بچانے میں ہم نے کثیر بارود گولی صرف کی' مگر چونکہ سامان مختلف جگہوں پر رکھا ہوا تھا لہٰذا ہم زیادہ حفاظت نہ کر سکے۔ کنڈکٹر بکلی کے شانے میں زخم لگ گیا تھا اور میرے ہاتھ میں بھی دو زخم لگ چکے تھے۔ لفٹنٹ ولف بائی جو صبح سے ساڑھے تین بجے تک ہمیں میگزین اڑانے سے باز رکھتے رہے' صورت حالات کا معائنہ کر کے انہیں بھی اس

کی ضرورت محسوس ہوئی اور ساڑھے تین بجے یہ دیکھ کر کہ وہ وقت آ گیا ہے جبکہ ایسا کیا جائے' انہوں نے آخری اشارہ کرنے کا حکم دیا' جو یہ تھا کہ کنڈ کٹر بکلی پیچھے مڑ کر اپنے سر سے ٹوپی اٹھائیں اور کنڈ کٹر اسکلی دیکھتے ہی شتابہ میں آگ دے دیں' جو بالکل تیار تھا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور کنڈ کٹر اسکلی نے فوراً مڑ کر شتابہ کو آگ دکھادی اور ایک سیکنڈ میں میگزین بھڑک اٹھا۔ ہولناک آواز ہوئی اور گردو پیش کے ہزارہا ہندوستانی جل کر مر گئے۔ کہا جاتا ہے کہ دیواروں کے ٹکڑے نصف میل پر جا جا کر گرے اور کئی انگریز عورتیں اور بچے جنہوں نے میگزین میں پناہ لی تھی' بہت بری طرح زخمی ہوئے اور بعض مر گئے۔ کنڈ کٹر اسکلی کو خود سخت زخم آیا۔ میگزین کے اڑنے کے بعد جب میں نے اس کا چہرہ دیکھا تو جینے کی بہت کم امید تھی۔ ہاتھ اور چہرہ بالکل کوئلہ ہو گئے تھے۔ مجھے صرف یہ اور کہنا ہے کہ دیسی آدمیوں میں سے کوئی ایک بھی میگزین میں نہ ٹھہرا۔ (بنگالی مورخ بھی تسلیم کرتا ہے) انہیں پہلا موقعہ ملتے ہی ہتھیار لے کر وہ فرار ہو گئے اور میگزین کی حفاظت کے لئے ہم لوگوں کو تنہا چھوڑ گئے۔ میگزین اڑاتے ہی میں اور لفٹنٹ ولف بائی کشمیری دروازہ کے محافظین کی طرف بھاگے۔ لفٹنٹ ریز اور مسٹر بکلی دوسری راہ سے بھاگے اور آخر کار میرٹھ پہنچ گئے۔ بقیہ تمام یا تو میگزین میں جل گئے یا اس کے بعد بھاگتے ہوئے قتل ہوئے۔ دو تین روز بعد لفٹنٹ ولف بائی بھی میرٹھ کے راستہ میں قتل کر دیئے گئے۔

سوال جو سیڑھی دیوار پر چڑھنے کے لئے لائی گئی تھی' وہ پرانی تھی یا قصداً اسی مقصد کے لئے تیار کی گئی تھی؟

جواب میں سیڑھی کو صرف ایک فٹ تک دیکھ سکتا تھا اور وہی حصہ دیکھ سکتا تھا جو دیوار سے اونچا تھا' لہٰذا ایسے سوالات کا جواب میں نہیں دے سکتا۔

سوال ہندوستانی عملے کی پوشاک یا عادت میں اس روز کوئی فرق معلوم ہوتا تھا؟ یا غدر سے پہلے کچھ ایسے آثار پائے جاتے تھے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ انہیں اس واقعہ کی پیشتر سے خبر تھی؟

جواب ان کی پوشاک میں میں نے کوئی فرق نہیں پایا۔ البتہ غدر کے کئی روز پہلے سے ان کی عادات میں فرق عظیم مشاہدہ کیا جاتا تھا۔ وہ ہماری توہین کرتے اور بسا اوقات دھمکا دیتے تھے' خصوصاً مسلمان عملہ ایسی حرکتیں کرتا تھا۔ مسٹر بکلی نے بھی اسے مشاہدہ کیا اور ہم دونوں آپس میں اس کی نسبت گفتگو کرتے رہتے تھے۔ گیارہ مئی کی صبح کو جب میں میگزین میں گیا تو میں نے دیکھا کہ محافظین وغیرہ نہایت نفیس لباس پہنے ہوئے ہیں۔ جیسا کبھی انہیں پہنے نہیں دیکھا تھا۔ نیز میگزین کے مزدور اپنی معمولی پوشاک میں نہیں تھے بلکہ صاف پوشاک پہنے ہوئے تھے۔ میں نے لفٹنٹ ولف بائی کو بھی مشاہدہ کرایا جنہوں نے میرے ساتھ اتفاق کیا اور کہا کہ مجھ کو بھی اس معاملہ سے سخت تشویش ہے۔

سوال۔ کیا تمہارے پاس کوئی شہادت ہے کہ میگزین کے ہندوستانی عملے نے کارتوسوں کی نسبت فوج کے سپاہیوں سے کچھ کہا ہو؟

جواب۔ میں جب تک دہلی میں رہا' اس قسم کا کسی پر شبہ نہیں تھا' لیکن ۱۹ مئی کو میرٹھ پہنچ کر ہسپتال میں داخل ہونے پر' کیونکہ میں زخمی ہو گیا تھا' تو شفاخانہ ہسپتال کے سارجنٹ نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا دہلی کے میگزین میں کوئی دیسی ہوشیار شخص بھی ملازم تھا؟ میں نے کہا جی ہاں تھا اور ایک شخص کریم بخش نامی کا ذکر کیا' جو نہایت عقلمند اور عالم آدمی تھا۔ فارسی نہایت اچھی طرح لکھ پڑھ لیتا تھا۔ اس سارجنٹ نے پھر مجھ سے ذکر کیا کہ صبح ایک ہندوستانی نے مجھ سے آ کر کہا ہے کہ دہلی کے

میگزین سے کسی شخص نے تمام رجمنٹوں میں مراسلے بھیجے ہیں کہ جو کارتوس اس میگزین میں بنائے جاتے ہیں ان پر چربی لگی ہوئی ہوتی ہے اور اگر انگریز افسر کوئی بات اس بارے میں کہیں تو ان لوگوں کو ان کا مطلق اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ یہ شخص کریم بخش جس وقت ہندوستانی میگزین پر حملہ آور ہو رہے تھے بہت سرگرمی دکھا رہا تھا اور حملہ آوروں سے سلسلہ جنبانی کر رہا تھا۔ اس کی تمام خصلت ایسی مشتبہ نظر آئی کہ لفٹنٹ ولف بائی نے اسے دروازے سے باہر کر دینے کا حکم دیا اور کہا کہ اگر وہ ذرا کچھ سرگوشی کرے گا تو میں فی الفور اسے گولی مار دوں گا۔

جرح از ملزم

سوال: وہ لوگ کس قسم کی وردی پہنے ہوئے تھا جنہیں تم میرے سپاہی بتاتے ہو جو میری طرف سے میگزین پر قبضہ کرنے گئے تھے؟

جواب: وہ ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ نیلی پوشاک تھی جس پر پیتل کی ایک ڈاب تھی جس میں بندوقیں لگی ہوئی تھیں۔ یہی وہ وردی تھی جسے میں تیس برس سے آپ کے توپخانہ کے سپاہیوں کو پہنے دیکھتا ہوں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ کون لوگ ہیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ بادشاہ کے ملازم۔

عدالت نے اظہار لئے

سوال: تم نے کبھی غور کیا کہ یہ سیڑھیاں کہاں سے لائی گئی تھیں؟

جواب: نہیں میں نے غور نہیں کیا۔

گواہ چلا جاتا ہے

مکھن، کپتان ڈگلس کا چوبدار عدالت میں طلب کیا گیا اور قسم دی گئی۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال: کیا گذشتہ مئی کی گیارہ تاریخ کو کپتان ڈگلس کے پاس تم تھے؟

جواب: جی ہاں میں اس روز کپتان ڈگلس کے کمرے میں صبح سے ان کے قتل ہونے تک موجود رہا۔

سوال: اس موقع پر تم نے کیا کیا دیکھا؟

جواب: قریب ۷ بجے صبح ایک سوار قلعہ لاہوری دروازہ کے پاس آیا اور اندر آنے کی اجازت طلب کرنے لگا۔ محافظ نے انکار کیا مگر وہ ضد کرنے لگا۔ کپتان ڈگلس کو خبر دے دی گئی، جو فی الفور نیچے اتر آئے اور آ کر حال دریافت کرنے لگے۔ کپتان ڈگلس نے اس شخص سے دریافت کیا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ میرٹھ میں بغاوت کر کے آ رہا ہے اور اب دہلی کے ذرہ ذرہ کی حفاظت کرے گا۔ کپتان ڈگلس نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا مگر وہ بھاگ گیا۔ کپتان ڈگلس دروازہ سے پلٹ کر آ رہے تھے کہ بادشاہ کا قاصد ملا اور کہا کہ بہت سوار آ رہے ہیں اور محل کے نیچے جمع ہو رہے ہیں۔ کپتان موصوف اتنا سنتے ہی محل کی طرف چلے اور درباری کمرہ میں گھس کر برآمدہ میں پہنچے۔ وہاں سے ان سواروں سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا مطلب ہے۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ ہم نے میرٹھ میں بغاوت کی ہے اور اب انصاف کی خاطر یہاں حاضر ہوئے ہیں۔ کپتان ڈگلس نے کہا فیروز شاہ کے پرانے قلعہ کو چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں انصاف مل جائے گا۔ اس کے بعد

کپتان ڈگلس قلعہ کے لاہوری دروازہ کو واپس ہو گئے جہاں جا کر سنا کہ مسٹر فریزر کوتوال کے ہمراہ انتظام کرنے کے لئے کلکتی دروازہ کو گئے ہیں۔ کپتان ڈگلس نے مکان کی حفاظت کے لئے پہرہ متعین کیا اور مسٹر فریزر کے پیچھے پیچھے چلے گئے۔ میں اور چپراسی انہیں کے ہمراہ پیچھے پیچھے ہو لئے۔ جب کلکتی دروازہ پر پہنچے تو مسٹر فریزر' مسٹر ہچنسن اور دو صاحب اور موجود تھے جن کے نام مجھے معلوم نہیں۔ مسٹر فریزر ہندوستانی کوتوال کو حکم دے رہے تھے کہ دو سوار لے کر جاؤ اور بندوبست میں کوئی فرق نہ آنے دو۔ جب وہ ادھر چلے گئے تو معاً چار یا پانچ سوار ننگی تلواریں لئے محل کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان میں سے ایک نے نزدیک آ کر مسٹر فریزر پر پستول کا فیر کیا۔ مسٹر موصوف بگھی سے کود پڑے اور بختاور سنگھ چپراسی نے پولیس کے پہرہ والے سپاہی کی بندوق لے کر اپنے آقا کو دے دی۔ بندوق بھری ہوئی تھی۔ مسٹر فریزر نے فیر کیا جس سے وہ سوار اسی جگہ ڈھیر ہو گیا۔ اس کے ہمراہیوں کو اس سے اشتعال پیدا ہوا اور انہوں نے جاتے جاتے مسٹر ہچنسن کو زخمی کر دیا۔ اسی اثنا میں عوام جمع ہو گئے اور کپتان ڈگلس گھبرا کر قلعہ کی خندق میں کود پڑے' جس سے ان کے پیروں اور پشت پر سخت چوٹ آئی۔ مسٹر فریزر لاہوری دروازہ تک اپنی بگھی میں بیٹھ کر آئے اور کپتان ڈگلس خندق کے اندر ہی اندر وہاں پہنچ گئے۔ اسی اثنا میں مسٹر ہچنسن اور مسٹر جینکنس بھی پہنچ گئے تھے۔ دروازہ پر پہنچ کر کپتان ڈگلس کو باہر نکالا گیا۔ ان کی حالت نہایت ابتر تھی اور سخت چوٹ آئی تھی۔ انہوں نے کمرہ میں جس کا نام کلیات خانہ تھا' پہنچانے کے لئے کہا اور انہیں وہاں پہنچا دیا گیا۔ مسٹر فریزر بندوبست کرنے کے لئے نیچے رہ گئے تھے۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ حاجی لوہار نے ان کو تلوار سے کاٹ ڈالا اور بادشاہ کے ملازموں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ حتیٰ کہ ان کا بالکل کام تمام ہو گیا۔ میں زینے کے اوپر تھا اور یہ واقعہ زینے کے نیچے ہوا تھا۔ مسٹر فریزر کے قاتلوں میں ایک حبشی بھی شریک تھا۔ قتل کر چکنے کے بعد وہ زینہ پر چڑھ گئے اور کمرہ میں گھسنا ہی چاہتے تھے کہ میں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور دوسری راہ سے جا کر ہر طرف کے دروازے بند کرنے لگا۔ مجمع نے جنوبی رخ کے زینہ سے داخل ہونے کا موقعہ دیکھا اور فوراً اندر گھس کر تمام دروازے کھول دیئے' جس سے بقیہ آدمی جن میں مسٹر فریزر کے قاتل بھی تھے' کمرے میں گھس آئے اور کپتان ڈگلس' مسٹر ہچنسن مسٹر جینکنس اور دو نوجوان عورتوں کو جو وہاں تھیں' قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھتے ہی میں نیچے بھاگا۔ میں نیچے نہ پہنچنے پایا تھا کہ "محمد" بادشاہ کا قاصد مل گیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا "فوراً بتاؤ کپتان ڈگلس کہاں ہے۔ تم لوگوں نے انہیں چھپا دیا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ جبراً مجھے کھینچ کر اوپر لے گیا۔ میں نے اسے جواب دیا "تم لوگوں نے خود تمام انگریزوں کو قتل کر ڈالا ہے۔" کپتان ڈگلس کے کمرہ میں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ بالکل مردہ نہیں تھے۔ محمد نے یہ دیکھتے لاٹھی کی کئی ضربیں ان کے سر پر لگائیں جس سے وہ بالکل مر گئے۔ میں نے ان دونوں لیڈیوں کی اور دیگر لاشیں بھی دیکھیں۔ مسٹر ہچنسن کی لاش ایک کمرہ میں پڑی ہوئی تھی اور دوسرے میں مسٹر جینکنس' وہ دونوں لیڈیاں اور کپتان ڈگلس کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں مگر کپتان ڈگلس بستر پر پڑے ہوئے تھے اور یہ سب فرش پر۔ ایک اور نو وارد انگریز جو اسی روز صبح کلکتہ سے آیا تھا' بھاگنے کی جدوجہد کرتا ہوا لاہوری دروازہ کے پاس کہیں قتل کر دیا گیا تھا۔ مسٹر فریزر کی موت کے سوا گھنٹہ بعد تک انبوہ کثیر کمروں کا مال و اسباب لوٹتا رہا اور ان کا قتل نو دس کے درمیان ہوا تھا۔ میں نے اپنی جان کے خوف سے مکان کی راہ لی اور تاوقتیکہ گورنمنٹ نے دہلی پر دوبارہ قبضہ نہ کر لیا اپنے مکان سے باہر نہ نکلا۔

سوال۔ جس وقت کپتان ڈگلس دیوان خاص میں گئے تھے، کیا تم ان کے ہمراہ تھے اور کیا انہوں نے ملزم سے ملاقات یا گفتگو کی تھی؟

جواب۔ جی ہاں۔ میں کپتان ڈگلس سے دو قدم پیچھے تھا اور ان کے ہمراہ رہا اور کہہ سکتا ہوں کہ نہ ملزم سے ملاقات کی، نہ کسی قسم کی گفتگو اور اپنے مکان واپس آ گئے۔

سوال۔ کیا تمہیں یقین واثق ہے کہ گیارہ مئی کو صبح سے اپنے قتل ہونے تک کپتان ڈگلس نے بادشاہ سے گفتگو یا ملاقات نہیں کی؟

جواب: مجھے یقین واثق ہے کہ انہوں نے صبح سے اپنے قتل ہونے تک بادشاہ سے نہ ملاقات کی اور نہ گفتگو۔

سوال: کیا دیوان خاص میں جاتے وقت تمہارے علاوہ کوئی اور بھی تھا؟

جواب۔ جی ہاں۔ بختاور سنگھ وکشن سنگھ قاصد تھے۔

سوالات جرح از ملزم

سوال: کیا تمہارے سامنے کپتان ڈگلس نے ملزم سے نشست گاہ کا دروازہ کھلوانے کے لئے کہا تھا کہ باہر جا کر باغیوں سے گفتگو کریں؟

جواب: جی ہاں، انہوں نے کہا تھا اور کہا تھا کہ "باغیوں کے پاس جاؤں گا" مگر ہم نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا تھا۔

سوال: کیا ملزم عبادت خانہ میں موجود نہیں تھے۔ اس وقت جبکہ کپتان ڈگلس برآمدہ پر چڑھے تھے اور اس کے قبل کپتان نے موافق معمول کورنش نہیں کی؟

جواب: جی ہاں بادشاہ وہاں تھے مگر کپتان ڈگلس نے دور سے کورنش کر کے گذر گئے، گفتگو نہیں کی۔

سوال: بادشاہ سے کپتان ڈگلس کتنے فاصلے پر تھے؟

جواب: پندرہ قدم کے فاصلے سے تھے۔

سوال: جب ملزم کپتان ڈگلس کو باغیوں کے پاس جانے سے روک رہے تھے، کیا تم نے کچھ گفتگو سنی تھی؟

جواب: جی نہیں میں نے نہیں سنی۔

سوال۔ کیا اس روز کپتان ڈگلس اور حکیم احسن اللہ خاں میں کچھ گفتگو ہوئی تھی؟

جواب: جی ہاں۔ کپتان ڈگلس کو چوٹ لگنے کے بعد جب وہ کمرہ میں آ گئے تو حکیم احسن اللہ خاں ان کے کمرے میں گئے تھے مگر میں اس وقت موجود نہیں تھا اور نہیں جانتا ان میں کیا گفتگو ہوئی۔

سوال: کیا تم جانتے ہو کہ احسن اللہ خاں اپنی مرضی سے گئے تھے یا طلب کئے گئے تھے؟

جواب: میں نہیں جانتا۔

سوال: جب کپتان ڈگلس قلعہ میں آئے تو حکیم احسن اللہ خاں سے یا مجھ سے یا کسی اور شاہی ملازم سے کچھ گفتگو کی تھی؟

جواب: مجھے خیال ہے کہ نہیں کی، لیکن میں نے نزدیک سے نہیں دیکھا تھا۔

گواہ جاتا ہے۔

چار بج گئے۔ عدالت برخاست ہوتی ہے اور ۸ تاریخ گیارہ بجے صبح تک کے لئے مقدمہ ملتوی کر دیا جاتا ہے۔

دسویں روز کی کارروائی

یوم دوشنبہ۔ ۸ فروری ۱۸۵۸ء

قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں آج بوقت گیارہ بجے عدالت کا اجلاس ہوا۔

پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج' ایڈوکیٹ جنرل سب موجود ہیں۔

ملزم اپنے مختار غلام عباس کے ہمراہ عدالت میں حاضر کئے گئے۔

سر تھیوفلس میٹ کاف کو عدالت میں طلب کیا گیا اور ان سے حلف لیا گیا۔

جج ایڈوکیٹ کا اظہار لینا۔

سوال ماہ مئی میں غدر سے چند روز قبل جامع مسجد دہلی کی دیوار پر کیا کوئی کاغذ چسپاں کیا گیا تھا جسے شاہ ایران کا اعلان بتایا گیا ہو؟

جواب جی ہاں۔ میلے سے کاغذ کا ایک چھوٹا ٹکڑا تھا جس کے دائیں اور بائیں تلوار و ڈھال کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ شاہ ایران عنقریب اس ملک میں آنے والے ہیں اور انہوں نے تمام دینداروں کو جو پیروان محمدؐ ہوں' اپنے ساتھ متفق ہو کر کافر انگریزوں کو فنا کرنے کی دعوت دی ہے اور جو لوگ اس کام میں شریک ہوں گے ان کے لئے اجر عظیم ہو گا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اشتہار دیکھ کر دہلی کے پانچسو مسلمانوں نے جہاد کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔

سوال۔ کیا اس میں کچھ اور بھی تحریر تھا کہ فرقہ شیعہ سنّی اپنے اختلاف کو دور کر کے متفق ہوں اور باہم مل کر انگریزوں سے جہاد کریں؟

جواب: جی نہیں۔ مجھے خیال نہیں کہ یہ تھا۔

سوال کیا اشتہار مذکورہ جس کے لئے بیان کیا جاتا تھا کہ شاہ ایران نے بھیجا ہے' جعلی تھا؟

جواب جی ہاں' میں تو ایسا ہی خیال کرتا ہوں۔

سوال: یہ جامع مسجد کی دیوار پر کب تک چسپاں رہا؟

جواب: تقریباً تین گھنٹہ تک۔ وہ رات کے وقت چسپاں کیا گیا تھا۔ مجھے ٹھیک تاریخ یاد نہیں' لیکن غدر کے چھ ہفتے پیشتر چسپاں ہوا تھا۔ یہ خوب یاد ہے اور صرف تین گھنٹہ تک لگا رہا۔ صبح کے وقت اس کے پاس آدمیوں کا ہجوم لگ گیا اور جب میں نے سنا تو جا کر اتار ڈالا۔

سوال۔ جہاں تک تم جانتے ہو کیا دہلی کے باشندوں کو اس کے پڑھنے کا بہت شوق تھا اور کیا اکثر اسی کا چرچا ہوتا رہتا تھا؟

جواب جی نہیں۔

سوال: کیا پتہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ یہ کہاں سے آیا؟

جواب: بالکل نہیں۔ یہ بالکل مہمل تصور کیا جاتا تھا۔ عام خیال تھا کہ کسی بدمعاش نے چسپاں کر دیا ہوگا۔ پھر اس کے لئے

تحقیقات لاحاصل تھی۔
سوال کیا کسی اور وجہ یا بنا پر تم کہہ سکتے ہو کہ اس وقت دہلی کی خلق میں گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف کسی قسم کی بغاوت کے آثار پائے جاتے تھے؟
جواب جی نہیں۔ دہلی کی خلق میں نہیں پائے جاتے تھے بلکہ وہ تو فوجی سپاہیوں میں گورنمنٹ کی وفاداری کی ضرورت محسوس کرتے تھے اور اکثر اس مضمون پر مباحثے میں گورنمنٹ کی وفاداری کی ضرورت محسوس کرتے تھے اور اکثر اس مضمون پر مباحثے ہوتے رہتے تھے' مگر غدر سے تقریباً پندرہ روز قبل صحیح طور سے اطلاع ملی تھی کہ مجسٹریٹ کے نام ایک گمنام خط بھیجا گیا تھا کہ کشمیری دروازہ بسبب شہر بھر میں مستحکم مقام ہونے کے اور دہلی چھاؤنی کی شاہراہ ہونے کے باعث انگریزوں سے چھین لیا جائے گا اور جب بھی شہر میں بلوہ ہوگا' سب سے پہلے اسی مقام پر قبضہ میں جائے گا۔ یہاں فوجی گارد متعین رہتا ہے اور جنگی نقطہ نظر سے اسی مقام پر پہلے قبضہ کرنا چاہئے۔ یہ خبر بالکل راست تھی اور اس سے اہل دہلی کے بعد کے خیالات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے' مگر انہیں برانگیختہ کیا گیا تھا۔ ان کے جذبات کو مشتعل کرنے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ بادشاہ کے ایک شیدی ملازم نے جو قلعہ میں رہتا تھا' نمبر ۴ بے قاعدہ سواروں کی رجمنٹ کے رسالدار کو خفیہ طور پر بہکایا تھا کہ ہماری ملازمت چھوڑ کر بادشاہ کی ملازمت کرے اور بغرض ترغیب یہ کہا کہ موسم گرما میں روسی ہندوستان میں آئیں گے اور انگریزی سلطنت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ رسالدار نے مجھے اس کی اطلاع کی تھی۔ اس کا نام ابوریٹ ہے۔ وہ انگریزی گفتگو کر سکتا ہے اور انگریزی خون سے مل کر پیدا ہوا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ چھ ماہ پیشتر بادشاہ نے روس کو سفیر روانہ کئے تھے۔ رسالدار مذکور ابھی بلاسپور میں ہے۔
سوال کیا چپاتیوں کی بابت عدالت کو کوئی اطلاع دے سکتے ہو جو غدر سے چند ماہ قبل گاؤں گاؤں تقسیم کی گئی تھیں؟ ان کی اصلیت یا تقسیم کئے جانے کا مطلب بھی معلوم ہوا؟
جواب ان کی بابت صرف خیال ہی خیال ہے' لیکن پہلا اعتقاد جو ہندوستانیوں میں تھا وہ یہ ہے کہ یا تو وہ کسی بیماری یا آفت کے سلسلہ میں بھیجی گئی تھیں مگر یہ غلط فہمی تھی۔ جب میں نے تحقیقات کی تو ثابت ہوا کہ گورنمنٹ مواضع ہی تک محدود تھیں۔ کسی ریاست میں نہیں بھیجی گئیں۔ وہ صرف حدود دہلی کے چار پانچ گاؤں میں تقسیم ہوئی تھیں کہ ذمہ دار حکام نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ میں نے ان اشخاص کو اپنے روبرو طلب کیا۔ جو ضلع بلند شہر سے یہاں لا کر تقسیم کر رہے تھے۔ ان کی عذرخواہی یہ تھی کہ گورنمنٹ کے حکم سے تقسیم کی جا رہی ہیں اور یہ کہ جس طرح وہ تقسیم کر رہے ہیں' اسی طرح انہیں بھی تقسیم کی گئی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ حدود دہلی میں چپاتیوں کا مدعا نہیں سمجھا گیا تھا۔ کیونکہ در حقیقت یہ ان لوگوں کے لئے تھیں جو ایک ہی ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے ہوں اور ان لوگوں سے امتیاز کرنے کے لئے تھیں جو باہم اختلاف رکھتے ہیں اور مختلف رسم و رواج کی پابندی کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ چپاتیوں کی ابتدا لکھنؤ سے ہوئی اور کچھ شک نہیں کہ اپنے ہم خیالوں میں جوش پھیلانا اور انہیں تیار رہنے کی ہدایت کرنا مقصود تھا' تاکہ وقت پر ایک دوسرے کو سہارا دیں اور آنے والے خطرات کا مستعدی سے مقابلہ کریں۔
سوال کیا تم نے سنا ہے کہ ہرات کی طرف ایرانیوں کی پیش قدمی کا ہندوستانیوں میں بہت چرچا ہوا کرتا تھا؟

جواب: جی ہاں کثرت سے اور اکثر روسیوں کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی بھی افواہ تھی۔ ہر ایک اخبار کا نامہ نگار کابل میں رہتا تھا اور وہاں سے شمالی خبر رسانی ہوتی تھی۔ ہر ایک اخبار میں شمالی خبروں کا ایک حصہ ضرور رہتا تھا۔

سوال: تم جانتے ہو وہ شیدی جس نے مسٹر ایوریٹ کو گورنمنٹ کی ملازمت ترک کرنے کی ترغیب دی تھی اب کہاں ہے؟

جواب: وہ عرب سرائے میں قتل کر دیا گیا۔

سوال: کیا تم عدالت کو بتا سکتے ہو کہ سپاہیوں یا دیسی آبادی میں اسی قسم کا کوئی اور خیال بھی پھیلا ہوا تھا؟

جواب: جی ہاں مجھے معلوم ہے کہ غدر کے پانچ یا چھ ہفتے قبل سپاہیوں کی لائنوں میں یہ خبر مشہور تھی اور کثرت سے تذکرے ہوتے تھے کہ دس لاکھ روسی شمال کی جانب سے آ رہے ہیں اور گورنمنٹ کمپنی بہت جلد نیست و نابود ہو جائے گی۔ روسیوں کی فوج کشی تو عام طور پر مشہور تھی۔

سوال: کیا تمہیں معلوم ہے کہ بادشاہ دہلی ان کے رشتہ دار یا متعلقین غدر سے پہلے کمپنی کی فوج سے پوشیدہ خط و کتابت یا پیام رسانی کرتے تھے؟

جواب: جی نہیں میں اس معاملہ پر رائے زنی نہیں کر سکتا۔

سوال: کیا تم جانتے ہو کہ شاہ دہلی نے شاہ ایران کے پاس خطوط یا سفیر پوشیدہ روانہ کئے تھے؟

جواب: میں نے سنا ہے کہ انہوں نے روانہ کئے تھے مگر یقیناً نہیں کہہ سکتا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ ہٹ جاتا ہے۔

پیرزادہ حسن عسکری عدالت میں طلب کئے جاتے ہیں اور حلف اٹھاتے ہیں۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

سوال: کیا تم ایام غدر میں دہلی میں تھے اگر تھے تو کیا کام کرتے تھے؟

جواب: جی میں دہلی میں تھا۔ میرا کام پیری مریدی تھا۔ ایک موقع پر بادشاہ بیمار ہوئے اور کئی درویش دعا کرنے کے لئے آئے تھے۔ اس وقت مجھے بھی طلب کیا گیا تھا۔ جب میں نے کچھ دعائیں پڑھ کر دم کیں اور بادشاہ نے شفا پائی تو اکثر مجھے طلب کرنے لگے۔ لیکن بار بار کی طلبی سے عاجز آ کر میں نے بادشاہ سے التجا کی کہ آئندہ مجھے نہ طلب کیا جائے۔ اس وقت بادشاہ نے قسم کھا کر وعدہ کیا کہ اب وہ صرف اسی وقت بلایا کریں گے جب بہت سخت بیمار ہوں گے۔

سوال: کیا شیدی قمر شاہی ملازم کو جانتے ہو؟

جواب: میں بادشاہ کے اکثر مسلح حبشی مصاحبین کو صرف صورت سے پہچانتا ہوں۔ دو تین کے نام بھی جانتا ہوں مگر شیدی قمر ان میں سے نہیں ہے۔

سوال: عدالت ہذا کے روبرو شہادت دی گئی ہے کہ تم نے ایک حبشی شیدی قمر نامی کو شاہ دہلی کا خط دے کر شاہ ایران کے پاس روانہ کیا۔ تم اس کی بابت کیا کہتے ہو؟

جواب: میں اس معاملہ میں کچھ نہیں جانتا۔

سوال شہادت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمہیں پیشین گوئی کرنے کا زعم ہے۔ خوابوں کی تعبیر بتاتے ہو۔ آسمان سے تمہیں الہام ہوتا ہے۔ صاحب کرامت ہونے کا تمہیں دعویٰ ہے۔ چنانچہ خود ملزم نے انہیں صحیح تسلیم کیا ہے۔ ان کے لئے تم کیا جواب رکھتے ہو؟

جواب میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے ہرگز اس قسم کا حیلہ و مکر نہیں کیا۔

سوال بموجب تمہارے قول کے بادشاہ پر تم نے کیا دم کیا تھا؟ کیا تمہارے سانس میں تاثیر شفا تھی؟

جواب ہماری کتاب میں لکھا ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کے لئے دعا کرتا ہے اور پڑھ کر دم کرتا ہے تو اسے یقینی فائدہ ہوتا ہے۔

سوال تم نے کبھی بادشاہ سے ذکر کیا تھا کہ خواب میں مغرب کی طرف سے بگولہ اٹھتا ہوا تمہیں نظر آیا یا کوئی آفت جو ہندوستان پر آنے والی ہو دکھائی دی۔ پھر سیلاب نے آ کر اسے روند ڈالا یا انگریزوں کو زوال ہوگا اور بادشاہ تخت نشین ہوں گے۔

جواب خدا جانتا ہے مجھے کبھی ایسا خواب نظر نہیں آیا۔ نہ میں نے کبھی ایسا کہا۔

سوال شہر دہلی کو تم نے کب چھوڑا تھا اور تمہارے روپوش ہو جانے کی کیا وجہ تھی یہاں تک کہ پولیس نے تمہیں ڈھونڈھ نکالا؟

جواب جب یہ ہر طرف مشہور ہو گیا کہ شہر میں قتل عام ہوگا اور میں نے لوگوں کے غول فرار ہوتے اور شہر سے باہر نکلتے دیکھے تو میں بھی چلا گیا۔ پہلے میں درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا صاحب میں مقیم رہا۔ حتیٰ کہ وہاں سے بھی چلے جانے کے لئے کہا گیا۔ بعد کو قطب صاحب کو چلا گیا۔ وہاں سے گڑھی ہر سرو پہنچا' جہاں میں بیمار پڑ گیا۔ میں کئی مقامات پر پہنچا اور آخر کار لکھنوتی آیا جہاں معلوم ہوا کہ گنگوہ میں میری جستجو ہو رہی ہے۔ میں نے اپنی مرضی سے وہاں جانے کی ٹھانی اور چلا گیا۔ میرے بھائیوں کو میرے آنے کی خبر پہنچی اور جب میں درگاہ امام صاحب میں بیٹھا ہوا اوراد پڑھ رہا تھا' سپاہیوں نے تنہا پا کر گرفتار کر لیا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ جاتے ہیں۔

بختاور سنگھ چپراسی گواہ سرکاری آیا اور اس سے سچ کہنے کے لئے قسم لی گئی۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

سوال کیا گذشتہ مئی کی گیارہ تاریخ کو تم دہلی میں تھے؟

جواب۔ جی میں تھا۔

اس موقع پر جو کچھ تم نے دیکھا ہو بیان کرو۔

میں نوکری پر تھا۔ خندق صاف کرا رہا تھا اور حساب کی کتاب لے کر کپتان ڈگلس کے معائنہ کے لئے لے جا رہا تھا۔ میں ہنوز راستہ میں تھا کہ ایک سوار کلکتی دروازہ کی طرف سے گھوڑا بھگاتا ہوا آیا اور قلعہ کے دروازہ کے پاس جہاں کپتان ڈگلس کھڑے تھے' گیا۔ میں نے کپتان ڈگلس کو اس شخص سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا اور پھر اس سوار نے اپنا گھوڑا

پھیرا اور بھاگتا ہوا چلا گیا۔ کپتان ڈگلس نے مجھے کمرے پر ٹھہرنے کے لئے کہا اور کہنے لگے کہ میں قلعہ میں ہو آؤں تم یہیں ٹھہرو۔ میں بہت جلد واپس آؤں گا۔ پھر کپتان ڈگلس چلے گئے اور میں دروازہ پر ٹھہرا رہا۔ مکھن' کشن سنگھ اور دیگر لوگ انہیں کے پیچھے چلے گئے۔ کپتان ڈگلس کے جانے کے بعد مسٹر فریزر بگھی میں بیٹھ کر آئے اور ان کی بابت مجھ سے دریافت کرنے لگے۔ وہ بگھی سے اتر کر تھوڑی دور چلے۔ پھر کہنے لگے' کپتان ڈگلس آ جائیں تو کہہ دینا میں کلکتی دروازہ جاتا ہوں۔ ان کے جانے کے بعد میں بھی بادشاہ کے کمرہ کی طرف چلا۔ راہ میں کپتان ڈگلس پریشان حالت میں مل گئے۔ میں نے مسٹر فریزر کا پیام ان کو سنایا۔ کپتان ڈگلس قلعہ کے لاہوری دروازہ پر پہنچے اور ہندوستانی گارد کے افسر کو پھاٹک بند کر دینے کے لئے کہا جو کر دیا گیا۔ انہوں نے یہ حکم بھی دیا کہ قلعہ جانے والے پل پر ہجوم نہ ہونے پائے۔ اسی وقت بادشاہ کا افسر جو کپتان کے عہدہ پر مامور تھا' دہلی کی سڑک سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ دروازہ بند تھا اور کپتان ڈگلس کی بگھی اندر تھی۔ انہوں نے مجھ سے دیسی افسر کی بگھی کلکتی دروازہ تک چلنے کے لئے مانگنے کی ہدایت کی۔ پھر کپتان ڈگلس اس میں بیٹھ گئے اور میں پیچھے جا بیٹھا۔ کلکتی دروازہ پر مسٹر فریزر' مسٹر نکسن ہیڈ کلرک اور پانچ انگریز تھے۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ بند کر دیا گیا۔ مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس دونوں ایک بگھی میں بیٹھ گئے اور دیگر انگریزوں کے ساتھ جو گھوڑوں پر سوار تھے' قلعہ کی طرف آنے لگے' لیکن تھوڑی دور بھی نہ گئے ہوں گے کہ چار پانچ سواروں نے جو تالاب کی سمت سے تیزی سے گھوڑے دوڑاتے چلے آ رہے تھے' نزدیک پہنچ کر ایک نے مسٹر ہچنسن کو پستول کی گولی سے مجروح کر دیا۔ دیگر سواروں نے بھی فیر کیے مگر خطا کر گئے۔ مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس بگھی سے اتر کر باغیوں کی زد سے ہٹ گئے اور پھاٹک کے محافظ سپاہیوں کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ اس وقت دو انگریز اور انہیں کے پاس آ گئے۔ مسٹر فریزر نے ایک سپاہی کی بندوق لے کر ایک سوار کے تاک کر گولی ماردی۔ پھر دوسروں کے قدم نہ جم سکے اور منہ پھیر کر بھاگ گئے۔ اس وقت وہاں انبوہ کثیر اکٹھا ہو گیا اور کپتان ڈگلس اور ایک صاحب خندق میں گھبرا کر کود پڑے اور اسی کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک چلے گئے۔ مسٹر فریزر اور دیگر صاحبان سڑک پر سے وہیں پہنچ گئے' لیکن میں نہیں بیان کر سکتا کہ اس وقت کیوں اتنی گھبراہٹ تھی۔ بسبب زخم کے جو خندق میں کودنے سے لگے تھے' کپتان ڈگلس پر بیہوشی طاری تھی۔ ہم نے انہیں کمرہ کلیات خانہ میں لے جا کر بستر پر لٹا دیا' مگر لے جانے کے پہلے مسٹر جنکس پادری صاحب نے آ کر کہا تھا کہ کپتان ڈگلس کو کمرہ پر لے چلو۔ پھر ہمیں طبیب شاہی کو بلا لانے کا حکم ملا اور عبداللہ چپراسی فوراً انہیں بلا لایا۔ حکیم احسن اللہ خاں کے جانے کے تھوڑے عرصہ بعد بادشاہ کے تقریباً پانچ مسلمان ملازم "دین، دین" کے نعرے مارتے ہوئے آئے اور اسی وقت مسٹر فریزر بھی اوپر چڑھنا چاہتے تھے' جن پر ان لوگوں نے حملہ کیا اور تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ یہ شمالی زینہ پر ہوا تھا۔ اسی وقت ایک ہجوم جو تلوار اور لاٹھیوں سے مسلح تھا' جنوبی زینہ سے اوپر چڑھ آیا اور تمام کمروں پر قبضہ کر لیا اور نیچے والے بھی آ کر اس سے مل گئے۔ اس وقت ہر شخص اپنے بچاؤ کی فکر میں تھا۔ میں نے بھی یہی کیا۔ اس تاریخ سے پھر میں نے قلعہ کا رخ نہیں کیا' یہاں تک کہ دہلی سے جبو کے کٹرہ کو چل دیا۔ یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ حملہ آور گروہ کا سردار اڑتیسویں دیسی پیدل رجمنٹ کا حوالدار تھا جو مسلمان تھا اور قلعہ کے لاہوری دروازہ کے گارد میں تھا۔ اس کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں

گواہ ہٹ جاتا ہے۔

کشن سنگھ چپراسی ملازم گورنمنٹ طلب کیا جاتا ہے اور اس سے حلف لیا جاتا ہے۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال. کیا گیارہ مئی گذشتہ کو تم دہلی میں تھے؟

جواب. جی ہاں میں کپتان ڈگلس کی اردلی میں تھا۔

سوال. کیا کپتان ڈگلس بادشاہ کے کمرہ میں برآمدہ کے نیچے کھڑے ہوئے باغیوں سے گفتگو کرنے گئے تھے۔ اگر ایسا تھا تو کیا بادشاہ نے بھی گفتگو کی تھی اور اس وقت تم موجود تھے؟

جواب. جی ہاں میں موجود تھا۔ کپتان ڈگلس اور بادشاہ سے تھوڑی دیر گفتگو ہوتی رہی۔ بادشاہ نے انہیں کہا تھا کہ باغیوں کے پاس نہ جائیں مگر جب کپتان ڈگلس نہ مانے تو انہوں نے اپنے ملازم کے ہاتھ دروازہ بند کرا دیا تھا کہ وہ باہر نہ جانے پائیں۔

سوال. جب یہ کہا گیا تھا اس وقت کپتان ڈگلس کتنے فاصلے پر تھے؟

جواب. وہ چلے جاتے تھے۔ بات کرنے کو کھڑے نہ ہوئے تھے۔ دو چار قدم گئے ہوں گے کہ بادشاہ عبادت خانہ کے دروازے پر آ کے کھڑے ہو گئے۔

سوالات جرح از ملزم

سوال. واپس ہوتے ہوئے کپتان ڈگلس دیوان خاص میں سے گئے یا کسی اور راستہ سے؟

جواب: وہ عبادت خانے کی دوسری راہ سے گئے تھے۔

سوال. کیا ملزم نے یہ نہیں ظاہر کیا تھا کہ انگریزی سلطنت میں انہیں بہت آرام حاصل ہے؟

جواب. جی نہیں' گورنمنٹ کی نسبت انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ لیکن کپتان ڈگلس کی نسبت کہا تھا کہ وہ ملزم پر بہت مہربان ہیں۔

سوال. کیا کپتان ڈگلس نے ملزم سے برآمدہ کے نیچے جانے کی استدعا نہیں کی تھی؟ اگر نہیں کی تھی تو ملزم کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ وہ ایسا کرنے والے ہیں؟

جواب. مجھے اچھی طرح خیال نہیں۔ نو مہینے کا واقعہ ہے۔ البتہ کپتان ڈگلس نے نیچے کا دروازہ کھلوانا چاہا تھا۔

چار بج گئے۔ کل گیارہ بجے تک کے لئے عدالت برخاست ہو گئی۔

گیارھویں روز کی کارروائی

یوم سہ شنبہ۔ مورخہ ۹ فروری ۱۸۵۸ء

آج پھر قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں عدالت گیارہ بجے منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ' ممبران جوری' مترجم' ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم ان کے مختار غلام عباس سمیت عدالت میں لائے گئے۔
چنی پیلک اخبار نویس طلب کیا گیا اور اس سے حلف اٹھوایا گیا۔
جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال: کیا گذشتہ مئی کی گیارہ تاریخ کو تم دہلی میں تھے؟

جواب۔ جی میں اپنے مکان میں تھا۔

سوال: کیا تم نے میرٹھ سے آتے ہوئے سپاہیوں کو دیکھا تھا؟ اگر دیکھا ہو تو جو کچھ تمہیں اس کے متعلق معلوم ہو بیان کرو۔

جواب۔ نہیں میں نے انہیں آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا' لیکن دروازے کے پھاٹک بند ہو جانے کی خبر سن کر میں باہر دیکھنے گیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ چاندنی چوک کی سڑک پر جب میں پہنچا تو دیکھا کہ کوتوال دکانیں بند کرانے میں مصروف ہیں۔ ابھی سے یہ بھی سنا کہ سر تھیو فلس میٹکاف بھی انتظام میں مصروف ہیں۔ میں ایک ہجوم کے ہمراہ کلکتی دروازہ کی طرف گیا اور مسٹر فریزر اور چار پانچ انگریزوں کو وہاں دیکھا۔ مسٹر فریزر کے ہمراہ جھجر کے سوار تھے اور وہ کوتوال شہر شریف الحق اور پولیس افسر سبزی منڈی درجہ دوم کے ہمراہ دروازہ پر چڑھے' پھر اتر گئے اور جھجر کے سواروں کو صف باندھ کر کھڑے رہنے کا حکم دیا اور خود بھی ان میں کھڑے ہو گئے۔ دربان سپاہی صف بستہ تھے اور انہیں تلواریں برہنہ کرنے کی ہدایت کی جا چکی تھی۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور اُدھر دریا گنج کی طرف سے چھ شخص اونٹوں پر سوار ہو کر چلے آ رہے تھے۔ ایک بندوق کی زد پر ٹھہر کر انہوں نے انگریزوں پر متواتر فیر کیے' جس سے مجمع ہر چار طرف منتشر ہو گیا اور میں بھی اپنے مکان چلا آیا۔ آنے سے قبل اتنا ضرور میں نے دیکھا کہ جھجر کے سواروں نے ان لوگوں سے کچھ مزاحمت نہیں کی بلکہ مسٹر فریزر کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بعد ازاں میں مکان سے نہیں نکلا اور اس روز کے کسی اور حادثہ سے محض ناواقف ہوں۔

سوال جس وقت تم کلکتی دروازہ پر گئے کیا بہت ہجوم وہاں جمع ہو گیا تھا؟

جواب تخمیناً چار یا پانچ سو آدمی اس مختصر جگہ میں تھے جسے انگوری باغ کہتے ہیں۔

سوال: ایسا کب ہوا تھا؟

جواب قریب نو بجے کے مگر میں ٹھیک وقت نہیں بتا سکتا۔

سوال: جب وہ عام راستہ نہیں تھا تو کیوں اتنا ہجوم جمع ہو گیا؟

جواب: خلاف معمول پھاٹک بند ہو جانے کی وجہ سے لوگ وہاں جمع ہو گئے اور اشنان کرنے والوں کی جماعت غیر معمولی سرعت سے دوڑی آئی تھی تا کہ پھاٹک بند ہونے کے قبل وہ نکل جائے۔

سوال: تم کہتے ہو کہ تم اخبار نویس تھے۔ پس جو واقعات گزرے تمہیں ان سے پوری واقفیت ہونی چاہئے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ جو حادثہ گیارہ مئی کو ہونے والا تھا۔ دو یا تین روز قبل اس کا کچھ چرچا نہ تھا؟

جواب: جو واقعہ خصوصیت سے گیارہ مئی کو ہوا۔ اس سے مجھے اصلاً واقفیت نہیں تھی' لیکن شہر میں بہت جوش اور اشتعال پھیلا ہوا تھا۔ شاہ ایران کا اعلان۔ انبالہ کے بنگلوں کو جلا ڈالنے کی خبریں۔ مجرب کارتوسوں سے سپاہیوں کی دل شکنی۔ یہ افواہیں جا بجا اڑ رہی تھیں۔

سوال کیا تم نے کوئی خاص اخبار جاری کیا تھا؟ اگر کیا تھا تو اس کا کیا نام رکھا تھا؟

جواب میں نے جاری کیا تھا۔ وہ کسی نام سے نہیں پکارا جاتا تھا بلکہ مضامین کے لحاظ سے لوگ "دہلی اخبار" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ میں اسے روزمرہ لکھتا اور اپنے خریداروں کو پڑھ کر سنا دیتا تھا۔

سوال کیا تم اس کی نقل فائل میں رکھتے تھے اور اگر رکھتے تھے تو کیا اب بھی تمہارے پاس موجود ہے؟

جواب میں نے غدر کے پہلے اور بعد کی اصل کاپیاں جمع کیں اور انہیں فائل کر دیا۔ گیارہ مئی سے کئی روز تک کی کاپیاں نہیں تھیں مگر ہندکشور کی مدد سے دہلی پر قبضہ ہو جانے کے بعد میں نے وہ کمی پوری کر لی اور کرنل برن ملٹری گورنر دہلی کے سپرد کر دیں جنہوں نے ان کا ترجمہ کر لیا۔

سوال گیارہ مئی کو مسٹر فریزر کے ہمراہ مجر کے کتنے سوار تھے؟

جواب گارد میں مع افسروں کے بائیس یا تیئس آدمی تھے اور جس وقت حملہ ہوا وہ سب مسٹر فریزر ہی کے ہمراہ تھے۔

سوال تم نے بیان کیا ہے کہ تمام آدمی اگرچہ باقاعدہ صف بندی کئے ہوئے تھے لیکن صرف چھ سواروں کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ جو کچھ ہونے والا تھا اس کا انہیں پہلے ہی سے علم تھا؟

جواب میرا خیال ہے کہ پہلے سے علم نہیں تھا لیکن باغی "دین دین" چلاتے آ رہے تھے۔ اس وقت مجر والے بھی چلانے لگے اور ان میں جا کر مل گئے۔ مسٹر فریزر تنہا رہ گئے۔

سوال تم نے پہلے تو یہ نہیں بتایا کہ وہ لوگ دین دین چلا رہے تھے اسے کیوں بھلا دیا تھا؟

جواب آٹھ مہینے گذر گئے جب یہ سب کچھ ہوا تھا۔ اب متفرق باتیں یاد آتی جاتی ہیں۔ جب میں جانے لگا تو باغی سوار دین دین پکار رہے تھے اور دو طرفہ ہجوم سے کہہ رہے تھے کہ وہ ہندوستانیوں کو نہ ستائیں گے نہ ہاتھ لگائیں گے۔

سوال گیارہ مئی سے قبل تم اپنے اخبار میں کس قسم کے مضمون لکھا کرتے تھے۔ کیا ہندوستانی سپاہ کی بابت بھی کبھی کوئی مضمون لکھا تھا یا ان کی ناراضگی کا ذکر کیا تھا؟

جواب میرے اخبار میں ہر قسم کے عامیانہ مذاق کے مضامین اور وہ جو میں مطبوعہ پرچوں سے نقل کر لیتا تھا درج ہوتے تھے۔ مسئلہ کارتوس اور اسپرٹ پر بھی کبھی روشنی ڈالی تھی۔

سوال کیا تمہیں یاد ہے کہ ہرات کی طرف ایرانیوں کی پیشقدمی کی بھی کوئی خبر درج کی تھی یا مضمون لکھا تھا؟

جواب مجھے یاد نہیں کہ یقیناً میں نے ایسا کیا ہو۔ لیکن علی العموم ایسی خبریں جن کا تعلق ایران سے تھا شہر کے فارسی اخبارات سے اخذ کر لیتا تھا؟

سوال جب تم خود اپنے خریداروں کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے تو تم ضرور جانتے ہو گے کہ پبلک کو کن مضامین سے دلچسپی رہتی تھی۔ کیا سپاہیوں میں ناراضگی پھیلنے کو دلچسپی سے سنا جاتا تھا؟

جواب ہندوؤں میں تو کوئی جوش نہیں پھیلا مگر مسلمان ایرانی خبروں میں بہت دلچسپی لیتے تھے اور شیخیاں بگھارتے مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے تھے کہ ایرانی عنقریب آئیں گے یہ کریں گے وہ کریں گے۔ سپاہیوں میں ناراضگی پھیلنے کو بھی صرف مسلمان بہت دلچسپی سے سنتے تھے اور اس سے ان میں جوش و غضب پیدا ہو گیا تھا۔

سوال جس زمانہ میں ایرانیوں کی آمد کا ذکر تھا' کیا روسیوں کی بابت بھی کچھ چرچا ہوتا تھا؟
جواب جی ہاں۔ ان دونوں کا ذکر ہوتا تھا' لیکن ایرانیوں کا کثرت سے۔
سوال کیا دہلی سے کوئی دیسی اخبار نکلتے تھے جن کا منشاء گورنمنٹ برطانیہ کی مخالفت تھا؟
جواب ایسا ایک پرچہ تھا جو جمال الدین کی طرف سے ہفتہ وار شائع ہوتا تھا۔ اس کے مضامین گورنمنٹ سے عداوت ظاہر کرتے تھے اور اسے "صادق الاخبار" کہتے تھے۔
سوال کیا یہ پرچہ کثرت سے شائع ہوتا تھا اور چھپا ہوا ہوتا تھا؟
جواب: اس کی تعداد اشاعت شہر میں اور شہر کے باہر دو سو تھی اور لیتھو پریس میں طبع ہوتا تھا۔
سوال. کیا یہ پرچہ اپنی ہفتہ وار اشاعت پر اکتفا کرتا تھا یا خبریں بہم پہنچنے پر ضمیمے بھی نکالا کرتا تھا؟
جواب جی ہاں غیر معمولی خبریں آنے پر ضمیمہ جات بھی شائع کرتا تھا۔
سوال کون اور کس طبقہ کے افراد میں اس کی اشاعت زیادہ ہوتی تھی؟
جواب ہر طبقہ میں بدون تخصیص مذہب کے یہ مقبول تھا۔
سوال اتنے بڑے شہر دہلی کے لئے مقبول عام اخبار کی دو سو کاپیاں تو بہت کم ہیں۔ کیا ہندوستانیوں میں مروج ہے کہ ایک اخبار کئی لوگوں کو سنانے کے لئے خرید لیا جائے۔ کس طرح ایک پرچہ کئی خاندانوں کے لئے کافی ہوتا ہوگا؟
جواب جی ہاں خریدار پڑھ کر اپنے پرچے دوستوں اور عزیزوں کو پڑھنے کے لئے دے دیتے ہیں۔
سوال کیا دہلی میں "صادق الاخبار" مقتدر آرگن مانا جاتا تھا اور تعداد اشاعت میں دوسرے پرچوں سے بڑھ کر تھا؟
جواب جی ہاں یہ مقتدر آرگن خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے مضامین نہایت عمدہ اور انگریزی اخبارات کا اقتباسات ہوتے تھے۔ مسلمانوں میں بہت منظور نظر تھا۔ دیگر اخبارات سے اور اس سے کثرت اشاعت کا توازن تو میں نہیں کرسکتا۔ البتہ وہ بہ نسبت کسی ہندوستانی ہمعصر کے زیادہ طبع ہوتا تھا۔
سوال تم نے بیان کیا ہے کہ وہ گورنمنٹ برطانیہ سے عداوت رکھتا تھا۔ کیا تمہیں کوئی خاص مضمون یاد ہے جس میں ایسے جذبات کو ظاہر کیا گیا ہو؟
جواب. میں کوئی ایسا خاص مضمون نہیں یاد رکھ سکا' جس میں ایسے جذبات کو زیادہ وضاحت سے ظاہر کیا گیا ہو' لیکن ایران و روس کے متعلق جو کچھ لکھا انگریزوں کے لئے الفاظ سخت برتے ہیں۔
سوال. کیا تم نے کسی گمنام درخواست کی نسبت کچھ سنا جو مجسٹریٹ کے نام تھی کہ کشمیری دروازہ بلوہ کر کے چھین لیا جائے گا؟
جواب جی مجھے یاد نہیں کہ کوئی ایسی خبر سنی ہو۔
سوال کبھی یہ خبر بھی سنی کہ ۱۷ مئی یا کسی اور مقررہ تاریخ کو بہت ہنگامہ مچے گا؟
جواب نہیں میں نے اس قسم کی ایک بھی خبر نہیں سنی۔
سوال کیا تمہیں چپاتیوں کا حال معلوم ہے۔ جو گاؤں گاؤں تقسیم کی گئی تھیں؟
جواب: جی معلوم ہے۔ غدر سے پہلے سنا تھا۔

سوال کیا ہندوستانی اخبارات میں اس پر بحث کی جاتی تھی؟ اگر کی جاتی تھی تو اس کا کیا نتیجہ نکالا گیا تھا؟
جواب جی ہاں اس پر تنقیدیں کی جاتی تھیں اور یہ کسی آنے والے واقعہ کی فال بھی بھی جاتی تھی اور تمام دیہات کی آبادی کو تقسیم کر کے انہیں کسی سربستہ راز کے لیے متحد کرنا' سمجھا جاتا تھا' جس کی عقدہ کشائی کہتے تھے کہ آگے ہوگی۔
سوال تم جانتے ہو یہ چپاتیاں سب سے پہلے کہاں تقسیم ہونی شروع ہوئیں؟ یا ہندوستانیوں کا عموماً خیال کیا ہے؟
جواب مجھے علم نہیں کہ کہاں سے تقسیم ہونی شروع ہوئیں مگر عموماً خیال کیا جاتا تھا کہ پانی پت کرنال سے نکلی ہیں۔
سوال کیا تم جانتے ہو اہل قلعہ کے پاس بھی "صادق الاخبار" کا ایک پرچہ روانہ کیا جاتا تھا؟
جواب ایک کیا کئی پرچے قلعہ میں جاتے تھے مگر میں یہ نہیں جانتا کہ انہیں لیتا کون تھا۔
سوال کیا زمانہ بغاوت میں فوجی اخبار بھی ملزم کے حکم سے مقرر ہوا تھا؟
جواب جی ہاں ایک تھا جو شاہی لیتھوگراف پریس قلعہ میں طبع ہوتا تھا۔ اس میں صرف بادشاہ اور قلعہ وغیرہ کے حالات دیئے جاتے تھے اور گاہے بگاہے دیگر معاملات بھی لکھے ہوتے تھے۔ اسے "سراج الاخبار" کہتے تھے۔
سوال جب انگریزوں کو قتل کیا گیا تم قلعہ میں موجود تھے؟
جواب میں تھا۔ غدر کے پانچ چھ روز بعد صبح کے وقت میں نے اپنے گھر میں سنا کہ قلعہ میں ایک ہنگامہ برپا ہے۔ میں فوراً وہاں سے چلا اور دہلی دروازے سے داخل ہو کر نئے قلعہ میں پہنچا' جہاں میں نے بادشاہ کے مسلح مصاحبوں اور چند باغی سپاہیوں کو انگریزوں کو قتل کرتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت ساڑھے نو یا دس بجے تھے۔ بادشاہ کے ایک ملازم نے مجھ سے کہا' تم بہت انگریزوں کے لیے خبریں جمع کرتے ہو' اگر اب بھی کیے جاؤ گے تو تمہاری یونہی خاطر کی جائے گی جس طرح ان لوگوں سے کی گئی ہے۔ اس شخص کا نام بھیکا تھا اور یہ مرزا عبداللہ ملزم کے بیٹے کا ملازم تھا۔
سوال یہ انگریز کہاں سے گرفتار کیے گئے تھے؟
جواب۔ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ بادشاہ کے باورچی خانہ سے نکال کر لائے تھے۔
سوال کیا یہ باورچی خانہ اسی صحن میں تھا جہاں بادشاہ کا کمرہ تھا؟
جواب بادشاہ کا کمرہ اس کے سامنے تھا۔ درمیانی جگہ میں صحن تھا اور اس طرف یہ باورچی خانہ تھا جہاں انگریزوں کو قید رکھا گیا تھا۔ صحن میں دیوان خاص و دیوان عام واقع ہیں۔ بادشاہ کے کمرہ اور باورچی خانے کے درمیان دو یا ڈھائی سو گز کا فاصلہ ہے۔
سوال: جہاں انگریز مردوں اور عورتوں اور بچوں کو محبوس رکھا گیا تھا' وہاں کس عہدہ اور قسم کے لوگ بودو باش رکھتے تھے؟
جواب اس عمارت میں بادشاہ کے متعلق کا دفتر رہتا تھا۔
سوال کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ جیسی عمارت میں لیڈیوں اور بچوں کو رکھا گیا تھا' وہ معزز عہدہ داروں کے استعمال کے قابل تھی؟
جواب جی نہیں اس میں غالباً کوئی نہیں رہتا تھا۔
سوال پھر اس سے کیا کام نکالا جاتا تھا؟

جواب: وہ مال گودام کا کام دیتی تھی اور قدیم زمانے میں مجرموں کو قید کیا جاتا تھا۔
سوال: کیا لیڈیوں اور بچوں کو وہاں زیادہ آرام مل سکتا تھا یا یہ خیال تھا کہ کوئی بدمعاش انہیں چھیڑ نہ سکے؟
جواب: نہیں وہ کھلی ہوئی عمارت تھی جس میں پردہ وغیرہ نہیں تھا۔ صرف تاریک کوٹھڑی تھی۔
سوال کیا ادنیٰ ہندوستانی بھی وہاں رہنا انتہائی تحقیر نہ سمجھے گا؟
جواب: جی بالکل صحیح۔ وہ اپنے آپ کو حد درجہ ذلیل و بے عزت سمجھے گا اگر اسے وہاں رکھا جائے۔
سوال: کیا تمام قلعہ میں صرف وہی ایک جگہ رہ گئی تھی جہاں لیڈیوں اور بچوں کو قید کیا جا سکتا تھا؟
جواب: وہاں عمارات کی کمی نہیں تھی جن میں ان کو خاطر خواہ آرام مل سکتا تھا۔
سوال: کس کے حکم سے ان انگریزوں کو قتل کیا گیا؟
جواب: بادشاہ کے حکم سے کیا گیا۔ اور کون ایسا حکم دے سکتا تھا۔
سوال تم نے بادشاہ کے کسی لڑکے کو مقتل کا نظارہ کرتے دیکھا تھا۔
جواب وہاں مجمع کثیر تھا۔ میں ان سے کسی کو دیکھ نہ سکا۔ البتہ مرزا مغل کے مکان کی چھت پر کچھ لوگ کھڑے تھے اور سنا گیا کہ مرزا صاحب بھی جھروکوں میں سے دیکھ رہے ہیں۔
سوال کیا قتل سے پیشتر انگریزوں کو رسیوں سے باندھا گیا تھا؟
جواب: میں نے خیال نہیں کیا۔
سوال: کیا قتل کرنے کے قبل انہیں ایک قطار میں بٹھایا گیا تھا؟
جواب: میں اس جگہ نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے انہیں بھی نہیں دیکھا لیکن جب قتل ختم ہوا اور مجمع منتشر ہو گیا تو بادشاہ کے احکام آئے کہ لاشوں کو پھینک دیا جائے۔ پھر انہیں گاڑیوں میں لادا جا رہا تھا۔ میں گیا اور مہتروں سے پوچھا جو اس کام کو کر رہے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ ۵۲ نفر کو قتل کیا گیا ہے۔ اس وقت لاشیں حلقہ نما بکھری پڑی تھیں۔
سوال: ان میں مردوں کی کتنی لاشیں تھیں؟
جواب: صرف پانچ یا چھ۔ بقیہ تمام بچے اور عورتیں تھیں۔
سوال: تم جانتے ہو ان لاشوں کا کیا کیا گیا؟
جواب۔ جی ہاں ملزم کے حکم کے بموجب سلی گڑھ کی جانب لے جا کر دریا میں ڈال دی گئیں۔
سوال: کیا قتل سے فراغت پا کر اظہار خوشی میں توپیں سر کی گئی تھیں؟
جواب: میں نے توپوں کی آواز نہیں سنی اور نہ کسی سے سنا کہ توپیں بھی چلی تھیں۔
چار بج گئے۔ عدالت کل گیارہ بجے تک کے لئے ملتوی کر دی گئی۔

بارھویں روز کی کارروائی

یوم چہارشنبہ۔ مورخہ ۱۰ فروری ۱۸۵۸ء

قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں حسب معمول عدالت منعقد ہوئی۔
پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل سب موجود ہیں۔
ملزم اپنے مختار غلام عباس کے ہمراہ عدالت میں حاضر کیے گئے۔
چنی کل کا گواہ دوبارہ طلب کیا گیا اور اپنے گذشتہ بیان کے سلسلہ میں شہادت دینے لگا۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لیے

سوال کیا تم عدالت کو بتا سکتے ہو کہ شہر دہلی کے کسی اور حصہ میں انگریز قتل کیے گئے؟
جواب میں نے سوائے ان کے جن کا ذکر کر چکا ہوں' دوسرے مقتولوں کو نہیں دیکھا۔ البتہ سنا ہے کہ راجہ کشن گڑھ کے مکان میں پچیس انگریزوں نے پناہ لی تھی اور جب تک ان کے پاس بارود گولی رہی' جان بچاتے رہے۔ بعد میں انہیں تہ خانہ میں سے باہر لا کر باغی سواروں کے چند مسلمان ہمراہیوں نے تہ تیغ کر ڈالا۔
سوال کیا کبھی دہلی میں بادشاہ کی فرمانروائی کا اعلان کیا گیا تھا؟ اگر کیا گیا تھا تو کب؟
جواب بارہ مئی کو دکانیں کھولنے کا حکم ہوا اور بادشاہ کی طرف سے منادی کرا دی گئی۔ اس کے دو روز بعد بادشاہ ہاتھی پر سوار ہو کر شہر میں نکلے۔ ایک پیدل رجمنٹ' چند توپیں' بینڈ باجہ اور خاص مسلح باڈی گارڈ بھی ہم رکاب تھے۔ وہ دکانیں کھلوانے کی غرض سے گئے تھے اور شاہ راہ عام کے اس حصہ تک چلے گئے جہاں مکانوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ پھر جس جلوس کے ہمراہ گئے تھے' اسی کے ساتھ واپس قلعہ میں داخل ہوئے۔ قلعہ سے روانہ ہوتے وقت اکیس توپوں سے سلامی سر کی گئی تھی اور جب قلعہ پہنچے تو سلامی اسی طرح سر ہوئی۔

سوالات جرح از ملزم

سوال کبھی تم نے یہ بھی سنا کہ میرٹھ سے آئی ہوئی باغی فوجوں نے بادشاہ کے کہنے سے ایسا کیا یا اپنی مرضی سے جبراً کیا اور کرایا؟
جواب مجھے اس سے آگاہی نہیں ہے۔ اس طرح ہوا ہو گا یا اُس طرح۔
سوال کل تم نے بیان کیا تھا کہ جس مکان میں لیڈیوں اور بچوں کو محبوس کیا گیا تھا اس میں شاہی مفتی رہتے تھے۔ بعد میں یہ کہا کہ کسی دیسی افسر کو وہاں رکھا جائے تو وہ بے شبہ خود کو ذلیل و حقیر سمجھے گا۔ ان ہر دو بیانات میں کیونکر مطابقت ہو سکتی ہے؟
جواب ادنیٰ اور اعلیٰ ہر قسم کے آدمی بوجہ دفتر ہونے کے وہاں جمع ہوتے تھے اور اس سے یہ ظاہر ہے کہ معزز اشخاص کے رکھنے کا وہ موزوں مقام نہیں اور مفتی صاحب کا بھی جائے قیام نہیں تھا۔ صرف وہ جگہ تھی جہاں وہ دفتر کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔

گواہ ہٹ جاتا ہے۔
چنی۔ لی بساطی عدالت میں طلب کیا گیا اور اظہار دینے لگا۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لیے

سوال کیا گذشتہ گیارہ و بارہ مئی کو تم دہلی میں تھے؟

جواب: جی ہاں میں دونوں تاریخوں میں تھا۔

سوال: کیا دونوں تاریخوں میں سے کسی میں بادشاہ کا عنان حکومت ہاتھ میں لینا بذریعہ منادی اعلان کیا گیا تھا؟

جواب: گیارہ مئی کو بوقت نیم شب قلعہ میں بیس توپیں سر کی گئی تھیں جن کی آواز میں نے اپنے مکان سے سنی۔ دوسرے روز دوپہر کے وقت منادی کرائی گئی کہ ملک پر بادشاہ کا قبضہ ہو گیا۔

سوال: کیا تم نے کوئی جلوس جسے بادشاہ نے ہاتھی پر سوار ہو کر نکالا ہو دیکھا تھا؟

جواب: جی نہیں۔ غدر کے چند روز بعد میں نے قلعہ جانا ترک کر دیا اور کبھی بادشاہ کا جلوس نہیں دیکھا۔ البتہ مرزا مغل کا جلوس نکلتے ہوئے دیکھا تھا جو انہیں کمانڈر انچیف کا اعزاز بخشنے کی خوشی میں نکلا تھا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ چلا جاتا ہے

گلاب نامہ بر عدالت میں طلب کیا گیا اور اظہار دینے لگا۔

جج ایڈووکیٹ کا اظہار لینا

سوال: گذشتہ مئی میں جس وقت انگریز بچے اور لیڈیاں قلعہ میں قتل کیے گئے' کیا تم موجود تھے؟

جواب: جی میں تھا اور انہیں قتل ہوتے ہوئے دیکھا۔

سوال: تم نے سب سے پہلے کب سنا تھا کہ وہ قتل کیے جائیں گے؟

جواب: میں نے واردات کے دو روز قبل سنا تھا۔ یہ کہا گیا تھا کہ انگریز دو روز کے اندر اندر قتل کر دیے جائیں گے' مگر مجھے یاد نہیں کہ وہ کیا دن تھا۔ قتل کے مقررہ روز عوام الناس کے غول کے غول دس بجے کے وقت قلعہ جا رہے تھے اور ان میں میں بھی شامل تھا۔ جب پہلے صحن میں پہنچے تو دیکھا کہ انگریز سب کے سب ایک ساتھ کھڑے ہوئے ہیں اور شاہی مسلح مصاحبین جنہیں باڈی گارڈ کہا جاتا ہے' چاروں طرف سے ان کے گرد حلقے کیے ہوئے ہیں۔ انہیں کے ہمراہ چند باغی سپاہی بھی تھے۔ میں نے کسی کو کوئی اشارہ یا حکم دیتے نہیں سنا' بلکہ یکایک ان لوگوں نے اپنی تلواریں کھینچ لیں اور ایک ہی دفعہ سب نے مل کر قیدیوں پر وار کیے اور پے در پے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان سب کو قیمہ قیمہ کر ڈالا۔ کم از کم سوا ڈیڑھ سو آدمی اس کام کو انجام دے رہے تھے۔

سوال: کیا کسی نے ان کو بچانے کی کوشش نہیں کی یا تم نے کبھی سنا کہ کسی نے بادشاہ کے پاس ان کی شفاعت کی ہو؟

جواب: جی نہیں' نہ بچانے کی کسی نے کوشش کی اور نہ میں نے کبھی سنا کہ کسی نے بادشاہ کے پاس ان کی شفاعت کی ہو۔

سوال: تم کہتے ہو کہ ان عورتوں اور بچوں کے قتل کا وقت دو روز پیشتر ہی سے مقرر کر دیا گیا تھا۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ کس کے حکم سے وہ مارے جائیں گے؟

جواب: میں نہیں جانتا کہ اس معاملہ میں کس کے احکام جاری ہوئے تھے مگر بغیر حکم ایسا ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

سوال: کیا عموماً یہ سمجھا جاتا تھا کہ بادشاہ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی اجازت دے دی ہے؟

جواب: اس وقت یہ نہیں معلوم ہوا' لیکن لوگ اتنا ہی بتاتے تھے کہ پرسوں قیدی مارے جائیں گے۔

سوال کیا دہلی میں بادشاہ کی ہمسری کا کوئی اور بھی تھا جو ایسے احکام دے سکتا ہو؟

جواب صرف بادشاہ یا ان کے صاحبزادہ مرزا مغل یہی دو مرکز تھے جہاں سے احکام کا اجراء ممکن تھا۔

سوال تمہارے خیال میں کتنے قیدی قتل کیے گئے تھے؟ اور کیا قتل سے پیشتر انہیں آپس میں جکڑ دیا گیا تھا؟

جواب میں حساب نہیں بتا سکتا۔ وہ قاتلوں سے گھرے ہوئے تھے۔ ان کا زیادہ حصہ بچے تھے اور وہ جکڑے ہوئے نہیں تھے۔

سوال: تم جانتے ہو لاشوں کو کیا کیا گیا؟

جواب جی نہیں۔ سپاہیوں نے قتل کرنے کے بعد قلعہ سے سب کو باہر کر دیا تھا اور پھر میں نے نہیں سنا کہ ان کا کیا ہوا۔

سوال بینک میں کسی کو قتل کرتے ہوئے دیکھا تھا؟

جواب جی ہاں۔ مسٹر بیرسفارڈ اور ان کے خاندان کو قتل کیے جاتے وقت میں دیکھ رہا تھا۔ باغیوں اور مفسدوں نے جب بینک پر حملہ کیا تو مسٹر بیرسفارڈ اور ان کا خاندان بیرونی دفتر میں روپوش ہونے چلے گئے اور جب قاتلوں نے ان کی تلاش کی تو وہ عمارت کی چھت پر تھے۔ مسٹر بیرسفارڈ تلوار سے مسلح تھے اور مسز بیرسفارڈ کے پاس نیزہ تھا۔ سامنے والے زینے سے چڑھتے ہوئے باغی خائف ہوئے۔ انجام کار مفسدوں نے دھاوا کیا اور وہ مغلوب ہو کر قتل ہو گئے۔ میں نہیں جانتا کہ بینک میں کتنے آدمی مارے گئے، مگر قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ایک تھے۔ عین غدر کے روز بارہ بجے یہ واقعہ ہوا تھا۔

سوال کیا کسی لیڈی کو زندہ لے گئے تھے یا سب کو قتل کر ڈالا تھا؟

جواب ان سب کو فی الفور قتل کر دیا گیا تھا۔

سوال کیا بادشاہ کے مسلح مصاحبوں میں سے کوئی بینک میں موجود تھا؟

جواب۔ جی نہیں۔

سوال کیا غدر ہوتے ہی بادشاہ فرمانروا مشتہر کر دیے گئے تھے؟

جواب جی ہاں۔ غدر کے روز بوقت تین بجے منادی کرائی گئی کہ آج سے بادشاہ کی حکومت ہو گئی ہے۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

عدالت نے اظہار لیے

سوال تم جانتے ہو کہ قیدیوں کو کیوں اتنے روز تک حراست میں رکھا گیا اور ان کے قتل کا کوئی خاص دن مقرر کرنے کی بھی کوئی وجہ تھی؟

جواب جی نہیں۔ مجھے دونوں باتوں کا علم نہیں۔

حکیم احسن اللہ خاں پھر طلب کیے گئے اور گزشتہ حلف کی رو سے ان کا اظہار لیا گیا۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لیے

سوال کیا غدر کے زمانہ میں قلعہ کے واقعات کی کوئی کورٹ ڈائری تھی (یعنی سرکاری روزنامچہ)؟

جواب کورٹ ڈائری موافق معمول تھی جیسی کہ غدر کے بہت پہلے سے لکھی جاتی تھی۔

سوال اس صفحہ کو دیکھو اور بتاؤ کہ کس کا خط ہے؟ کیا پہچانتے ہو؟
جواب۔ جی ہاں۔ یہ اس کا خط ہے جو کورٹ ڈائری لکھا کرتا تھا اور یہ صفحہ اسی ڈائری کا ہے۔

کورٹ ڈائری مورخہ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء کے اقتباس کا ترجمہ

''بادشاہ نے دیوان خاص میں دربار کیا۔ ۴۹ انگریز مقید تھے۔ فوج نے ان کے قتل کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے قیدیوں کو فوج جیسا چاہے کرے کہ کر ان کے حوالہ کر دیا اور آخر کار وہ لوگ تہ تیغ کئے گئے۔ درباری بکثرت تھے۔ روساء' شرفاء' افسران' اہل قلم سب دربار میں حاضر ہوئے اور تعظیم بجالانے کی عزت حاصل کی۔''

سوال: کیا گیارہ مئی کو تم دہلی میں حاضر تھے؟
جواب: جی ہاں میں موجود تھا۔
سوال اس موقع پر تم نے جو کچھ دیکھا ہو بیان کرو۔
جواب سولہ رمضان یعنی گیارہویں مئی کو صبح سات بجے نمبر ۳۸ دیسی پیادہ رجمنٹ کا ایک ہندو سپاہی قلعہ میں دیوان خاص کے دروازہ پر آیا اور چند دربانوں سے جو اس وقت وہاں موجود تھے' کہا کہ دیسی فوج نے میرٹھ میں گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کی ہے اور اب دہلی میں داخل ہوا چاہتی ہے اور وہ اور اس کے تمام ہمراہی کمپنی کی ملازمت نہ کریں گے بلکہ دھرم کے لئے جنگ کریں گے۔ میرا مکان قلعہ میں دیوان خاص کے قریب ہی تھا۔ محافظ سپاہیوں نے فی الفور مجھ سے آکر جو کچھ رجمنٹ کے سپاہی نے کہا تھا' بیان کیا۔ میں نے یہ خبر پائی ہی تھی کہ شاہ دہلی نے مجھے طلب کیا۔ جب میں وہاں گیا تو اعلیٰ حضرت نے کہا ''دیکھو سوار زیر جھروکہ کی راہ سے آ رہے ہیں (زیر جھروکہ یعنی جھروکے کے نیچے مگر معلوم ہوتا ہے کہ محل کے جھروکوں کے نیچے کی زمین کو اس نام سے موسوم کیا جاتا تھا) میں نے نظر کی اور دیکھا کہ ۱۵ یا ۲۰ سوار تقریباً ۱۵۰ گز کے فاصلہ پر تھے۔ ان میں اکثر وردیاں پہنے ہوئے تھے اور بعض معمولی ہندوستانی کپڑوں میں تھے۔ میں نے فوراً وہ دروازہ بند کر دیئے جانے کے لئے بادشاہ سے کہا جس میں سے ہو کر زیر جھروکہ سے قلعہ میں داخل ہوتے تھے۔ یہ بمشکل بند کیا گیا تھا کہ پانچ یا چھ سوار ثمن برج کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ جہاں بادشاہ کے خانگی کمرے ملکہ اور دیگر شاہی بیگمات کے کمرے تھے۔ سواروں نے چلانا شروع کیا۔ ''دہائی ہے بادشاہ صاحب کی' ہم اپنے دھرم کی جنگ میں مدد کے خواستگار ہیں۔'' بادشاہ نے سن کر کچھ جواب نہیں دیا اور نہ نیچے والے آدمیوں کو اپنا چہرہ دکھایا بلکہ غلام عباس شمشیر الدولہ کو جو اس وقت حاضر تھے' کپتان ڈگلس قلعہ دار کے پاس جا کر سواروں کی آمد سے مطلع کرنے اور مناسب انتظام کی فہمائش کرنے کے لئے روانہ کیا۔ پھر بادشاہ اندرونی کمروں میں چلے گئے اور میں دیوان خاص میں آ گیا۔ تقریباً اسی وقت کپتان ڈگلس غلام عباس کو ہمراہ لئے ہوئے پہنچے۔ اول الذکر برآمدہ پر چڑھ کر زیر جھروکہ دیکھنے لگے جہاں سوار بدستور موجود تھے اور ان سے کہا ''یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ بادشاہ کا محل ہے۔ تمہارا یہاں کھڑا رہنا بادشاہ کی ناراضگی کا باعث ہوگا۔'' اس پر سوار راج گھاٹ کی راہ سے جو شہر میں پہنچنے کا قریبی راستہ ہے' چلے گئے۔ بادشاہ کپتان ڈگلس کی آمد سن کر فوراً باہر نکل آئے اور دیوان خاص اور کمرۂ خاص کے درمیان ان سے ملاقات کی۔ کپتان ڈگلس نے بادشاہ سے کہا آپ گھبرایئے نہیں۔ شورش کو بہت جلد فرو کر دیا

جائے گا۔ میں ابھی جا کر انہیں گرفتار کئے لیتا ہوں۔ وہ یہ کہہ کر جانے لگے اور درخواست کی کہ ثمن برج محل کا دروازہ جو میں نے بند کر دیا تھا' کھول دیا جائے تا کہ وہ سواروں سے دو بدو گفتگو کر سکیں۔ بادشاہ نے کہا نہ تمہارے پاس پستول ہے نہ بندوق نہ سپاہی ہمراہ ہیں اور دشمنوں میں جا رہے ہو۔ یہ ناتجربہ کاری ہے۔ یہ سن کر کپتان ڈگلس اپنے قیام گاہ پر چلے گئے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد پران جمعدار کپتان ڈگلس کا ملازم آیا اور کہنے لگا کہ کپتان ڈگلس مجھے اور غلام عباس کو بلاتے ہیں۔ جب ہم گئے تو کپتان صاحب نے کہا کہ میرے پیر میں بہت چوٹ آئی ہے۔ ان کے ہمراہ ایک اور صاحب تھے جنہیں میں نہیں پہچانتا اور وہ ایک کوچ پر لیٹے ہوئے تھے اور ان کے شانے میں بہت گہرا زخم لگا ہوا تھا۔ کپتان ڈگلس نے کہا۔ دو پالکیاں فوراً مع کہاروں کے بھجوا دیجئے تا کہ انگریز لیڈیوں کو یہاں سے لے جا کر ملکہ کے پاس چھوڑ دیا جائے۔ اسی وقت مسٹر سمن فریزر صاحب کمشنر کمرے میں آئے اور کہنے لگے بادشاہ کے یہاں سے دو توپیں منگواؤ اور پھاٹک پر رکھوا دو۔ پھر مسٹر فریزر مجھے اور غلام عباس کو ہمراہ لئے ہوئے نیچے آئے جہاں سے وہ تو دروازہ کی طرف چلے گئے اور میں غلام عباس کو ہمراہ لئے ہوئے بادشاہ کے پاس مسٹر فریزر کا پیام سنانے کے لئے چلا گیا۔ پھر بادشاہ کی اجازت سے ہم نے لیڈیوں کے لئے دو پالکیاں پہنچوا دیں اور توپوں کے لئے بھی حکم دے دیا' لیکن بعد میں یہ خبر موصول ہوئی کہ سوار محل میں لاہوری دروازہ سے داخل ہو گئے ہیں جہاں مسٹر فریزر توپیں لگانی چاہتے تھے۔ ہم سے یہ بھی کہا گیا کہ ان سواروں نے مسٹر فریزر کو قتل کر ڈالا ہے اور کپتان ڈگلس کو قتل کرنے گئے ہیں۔ کہاروں نے بھی واپس آ کر اس خبر کی تصدیق کی۔ انہوں نے بیان کیا کہ وہ مسٹر فریزر کو قتل ہوتے دیکھ آئے ہیں جن کی لاش پھاٹک کے پاس پڑی ہے اور سپاہی پھاٹک کے اوپر کے رہنے والوں کو قتل کرنے چڑھ رہے ہیں۔ بادشاہ نے قلعہ کے دروازوں کو یہ سن کر بند کرنے کا حکم دیا' لیکن جواب دیا گیا کہ پیدل یعنی اڑتیسویں رجمنٹ کے چند سپاہی جو قلعہ کے دروازوں کے گارد تھے' ایسا نہیں کرنے دیتے۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد ۵۰ سوار دیوان خاص تک چلے آئے اور گھوڑوں کو پائیں باغ میں باندھ دیا۔ پیدل رجمنٹ نے بھی آ کر قلعہ کے دیوان خاص و عام میں جہاں جی چاہا بستر بچھا لیا۔ مجھے ٹھیک معلوم نہیں کہ کونسی رجمنٹ' لیکن خیال ہے کہ دہلی کی تینوں رجمنٹیں تھیں۔ میرٹھ کی پیدل سپاہ اس روز دو بجے تک دہلی نہ پہنچ سکی وہ متفق ہو کر نہیں آئی۔ بلکہ جماعت در جماعت آ کر دہلی کی رجمنٹ سے مل گئی۔ اور بستر سے پھیلا دیئے۔ اس روز کوئی خاص دربار نہیں ہوا' لیکن بادشاہ دیوان خاص میں کوئی تین چار مرتبہ آئے جہاں ہر طرف باغی پڑے ہوئے تھے۔ باغی سوار دن بھر اور رات بھر گروہ در گروہ آتے رہے۔ شام کو نمبر ۵۴ پیادہ رجمنٹ اندر آئی اور قلعہ سلیم گڑھ پر قبضہ کرنے چلی گئی۔ جہاں دوسرے روز میگزین سے لا کر توپیں نصب کر دی گئیں تا کہ میرٹھ سے آنے والی انگریزی فوجوں کو راستہ میں ہی روک لیں۔ تین روز دن اور رات انگریزوں کے آنے کا خدشہ لاحق رہا۔ ذرا بگل کی آواز آئی اور باغی کل کانوں سے درست ہو کر چوکنے ہو گئے۔ گیارہ مئی کو ملزم کے تین فرزندوں مرزا مغل' مرزا خیر سلطان اور جواں بخت اور پوتے مرزا ابوبکر نے فوج پر اعلیٰ سردار ہونے کی درخواست کی۔ میں نے بادشاہ سے کہا کہ ابھی یہ لوگ کم عمر ہیں اور ایسے منصبوں کا تجربہ بھی نہیں رکھتے اور وہ اپنے فرائض کو نہ سمجھ سکیں گے۔ بہتر ہو گا کہ آپ انہیں عہدے نہ دیں۔ شہزادے اس بات سے بہت ناخوش ہوئے اور مرزا عینڈو مرزا بختاور شاہ اور مرزا عبداللہ کو مع افسران فوج اپنی درخواست پر متفق کرنے کے لئے کا تھا اور دو روز کے بعد وہ جبراً افسران اعلیٰ مقرر ہو گئے۔

سوال تم نے کہا ہے کہ کپتان ڈگلس کے مکان پر دو پالکیاں روانہ کرنے کے لئے درخواست کی گئی تھی۔ جب انہوں نے سنا کہ کپتان موصوف اور مسٹر فریزر قتل کیے گئے تو کیا قاتلوں کی گرفتاری یا سزا میں سعی کی گئی تھی؟

جواب جی نہیں' وہاں ایسی گڑبڑ تھی کہ کچھ نہ کیا جاسکا۔

سوال یہ ظاہر ہے کہ بادشاہ کے خاص ملازموں نے اس روز مسٹر فریزر کو اور کئی انگریزوں کو قتل کیا تھا۔ کیا یہ ملازمین بدستور اپنی جگہ پر بحال رہے اور تنخواہ پاتے رہے؟

جواب میرے گوش گذار کبھی یہ بات نہیں ہوئی کہ بادشاہ کے ملازمین قتل میں شامل تھے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ کوئی شخص اس وجہ سے کبھی برخاست نہیں کیا گیا۔

سوال کیا تمہارا اس سے یہ مطلب ہے کہ عام طور سے معلوم نہیں ہوا کہ قتل کے مرتکب کون تھے؟

جواب جی ہاں۔ عام طور پر یہ بات معلوم نہ تھی' نہ میں نے سنا کہ قتل کس نے کیا۔

سوال: کیا اس کی کبھی تحقیقات کی گئی تھی؟

جواب: نہیں۔

سوال غدر سے پہلے بادشاہ کے کتنے ہمراہی مسلح رہتے تھے؟

جواب: قریب قریب بارہ سو کے۔

سوال کیا یہ آدمی فوج کے مختلف شعبوں میں تھے مثلاً توپخانہ' سوار' پیادے وغیرہ؟

جواب جی ہاں۔ اس میں توپخانہ' سوار' پیدل سب شامل تھے۔

سوال: بادشاہ کے پاس کتنی توپیں تھیں؟

جواب قابل استعمال توپیں چھ تھیں اور نہیں جانتا کہ بیکار کتنی تھیں۔

سوال گیارہ مئی کو غدر کے روز اس فوج سے کیا کام لیا گیا تھا؟

جواب یہ خاص خاص دروازوں اور قلعہ کے خاص افسروں کے مکانوں کی حفاظت پر متعین کئے گئے تھے۔ کچھ ان میں کے جن کا تقرر روپیہ کے بالعوض ہوا تھا' بہت کم حاضر رہتے تھے تاہم انہیں ماہانہ تنخواہ گھر بیٹھے مل جایا کرتی تھی۔

سوال اتنے انگریز بچے اور عورتیں کیونکر قلعہ میں لائے گئے اور مقید کئے گئے؟

جواب باغیوں نے انہیں شہر اور شہر کے گرد و نواح سے گرفتار کیا تھا اور چونکہ وہ قلعہ میں مقیم تھے لہٰذا ان قیدیوں کو بھی اپنے ہمراہ قلعہ میں لیتے آئے۔

سوال کیا تمہارا اس سے یہ مطلب ہے کہ جس شخص نے جس عورت اور بچے کو پکڑا اسے اپنی قید میں علیحدہ رکھا؟

جواب۔ جی نہیں' بلکہ انہوں نے اس امر کی اطلاع محافظ قید خانہ کو کی جس پر ان کو حکم ملا کہ وہ ہر ایک انگریز کو باورچی خانہ میں لے جا کر قید کر دیں۔

سوال: باورچی خانہ کو قید خانہ کس نے بنایا تھا؟

جواب بادشاہ نے یہ سمجھ کر کہ وہ بہت وسیع عمارت ہے' باغیوں کو ہدایت کی کہ قیدیوں کو وہیں رکھا جائے۔

سوال غدر سے پہلے بادشاہ کے باڈی گارڈ کا کون افسر تھا؟
جواب محبوب علی خاں۔
سوال کیا ان میں سے کسی نے گیارہ تاریخ کو میگزین پر حملہ کیا تھا؟ اگر کیا تھا تو کس کے حکم سے۔؟
جواب جی نہیں۔ میں نے نہیں سنا کہ ان میں کا کوئی شخص کسی کے حکم سے حملہ کرنے گیا ہو۔ نہ میں یہ جانتا ہوں کہ کسی شخص نے حملہ کیا بھی یا نہیں' لیکن جو کچھ میں کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ شہر کے باہر رہنے والے لوگ حملہ آور ہوئے ہوں گے۔
سوال کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ فی الحال بادشاہ کا سفیر یا کوئی عزیز شاہ ایران کے دربار میں ہے یا حال میں گیا ہے؟
جواب جی نہیں' موجودہ حالت کی بابت میں کچھ نہیں کہہ سکتا' لیکن دو تین سال گزرے جب محمد باقر کے اخبار میں میں نے یہ پڑھا تھا کہ مرزا نجف ملزم کے بھائی شاہ ایران کے دربار میں گئے ہیں جن کا استقبال نہایت تزک و احتشام سے کیا گیا۔
سوال کیا یہ شخص دہلی سے روانہ کئے گئے تھے۔؟
جواب میں نہیں جانتا البتہ ان کے بھائی دو برس پیشتر بہت سے کاغذات لے کر سفیر بنا کر گورنمنٹ کے پاس کلکتہ روانہ کئے گئے تھے۔
سوال کیا حسن عسکری کے شیدی قنبر کو ایران روانہ کرنے کی کوئی اطلاع تم عدالت کو نہیں دے سکتے؟ یہ بالکل صحیح ہے کہ ضروری کاموں میں تم پر بھی اعتبار کیا جاتا تھا' خصوصاً تحریر کے متعلق۔ نیز یہ یقین کرلیا گیا ہے کہ جو کچھ بیان ہو چکا ہے' اس سے تم بخوبی واقف ہو۔
جواب میں قسمیہ کہتا ہوں کہ میں نے عدالت سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی۔ لاکھ مجھ پر اعتبار کیا جاتا۔ تاہم میں نوکر تھا' بہت راز مجھ سے مخفی رکھے جاتے تھے۔ مثال کے لئے سنئے کہ بادشاہ نے اپنی بیوی تاج محل سے نکاح کرنے کی (جو قوم کی مسلمان ڈومنی تھی اور نیچے طبقہ کی تھی اور جس سے بعد میں بادشاہ کا نکاح ہو گیا) مجھ سے بالکل صلاح نہیں لی تھی۔ نہ جواں بخت کی تخت نشینی کی سازش سے مجھے آگاہی تھی۔ اور ایسے کئی دیگر اہم معاملات کا حال ہے۔ لہٰذا میں نہیں کہہ سکتا کہ ملزم حسن عسکری اور شیدی قنبر میں کیا گذرا۔
سوال کیا تم جانتے ہو کہ غدر سے پہلے بادشاہ نے اپنے رفقاء کی معرفت کمپنی کی دیسی فوج کے افسروں سے خط و کتابت یا پیام رسانی رکھی ہو؟
جواب جی نہیں میں نہیں جانتا۔ یہ ممکن ہے کہ ان میں خط و کتابت ہوئی ہو مگر مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسا ہوا ہو۔
چار بج جانے سے عدالت کل گیارہ بجے تک کے لئے برخاست ہوگئی

تیرہویں روز کی کارروائی

یوم جمعرات۔ ۱۱ فروری ۱۸۵۸ء
عدالت بدستور قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں منعقد ہوئی۔
پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل سب موجود ہیں۔

ملزم عدالت میں لائے گئے۔

حکیم احسن اللہ خاں بھی عدالت میں طلب کئے گئے اور گذشتہ اظہار کی یاددہانی کی گئی۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

سوال: کیا تمہیں معلوم ہے کہ پرچہ "صادق الاخبار" کو ملزم غدر سے پہلے بہت پڑھا کرتے تھے؟

جواب: وہ باقاعدہ نہیں پڑھتے تھے۔ البتہ اتفاقیہ کوئی شہزادہ کسی مضمون کا کچھ حال بتا دیتا تھا۔

سوال: شہزادے مضامین متعلقہ ایران کو ضرور دلچسپی سے پڑھتے ہوں گے اور کیا عموماً یہ بتایا جاتا تھا کہ انگریزوں کو ایرانیوں کے ہاتھوں شکست ہوئی؟

جواب: میں نے خود وہ اخبار نہیں پڑھا۔ میں یہ جانتا ہوں' لیکن عام طور پر بیان کیا جاتا تھا کہ انگریز ایرانیوں سے شکست کھا رہے ہیں اور شہزادے اس خبر کو ضروری سمجھ کر پڑھتے اور اس پر یقین رکھتے تھے۔

سوال: غدر سے پہلے کیا مسلمانوں کو یقین تھا کہ انگریزی عمل داری ختم ہو جائے گی اور کیا شہزادوں کو بھی اس رائے سے اتفاق تھا؟

جواب: جی نہیں میں نے ایسا نہیں سنا۔

سوالات جرح از ملزم

سوال: تم نے بتایا ہے کہ بادشاہ کی ملازمت میں بارہ سپاہی تھے بادشاہ کی فوج کی تینوں ٹکڑیوں کی وردیاں بیان کرو اور مختلف رجمنٹوں کے کیا لقب تھے؟

جواب: دو پیدل رجمنٹیں تھیں ہر ایک میں پانچسو آدمی تھے۔ ان کی وردیوں کا رنگ گہرا سیاہ اور خاکستری تھا۔ ان کے عمامے اور کمر بند سرخ تھے۔ وردیوں پر کوئی نشانات یا تمغے نہیں تھے جس سے مختلف ٹکڑیوں میں امتیاز کیا جاسکتا۔ توپخانہ میں تقریباً چالیس آدمی تھے۔ ان کی وردی گہری نیلگوں عمامے اور کمر بند سرخ ہوتے تھے۔ ان کی وردیوں پر بھی کوئی خاص تمغہ یا علامت نہیں رہتی تھی۔ ملزم کا باڈی گارڈ سرخ کوٹ پہنتا تھا اور گہرے نیلگوں عمامے اور کمر بند تھے۔

گواہ ہٹ جاتے ہیں۔

مسز آلڈویل زوجہ الگزینڈر آلڈویل گورنمنٹ پنشن خوار عدالت میں طلب کی گئیں اور ان سے حلف لیا گیا۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

سوال: کیا گیارہ مئی ۱۸۵۷ء کو تم دہلی میں تھیں؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: تم کہاں رہتی تھیں اور تم نے کس وقت سنا کہ دیسی فوجیں میرٹھ سے آئی ہیں؟

جواب: میں شہر کے اس حصہ میں رہتی تھی جسے دریا گنج کہتے ہیں اور میرٹھ کے سپاہیوں کے آنے کی خبر مجھے گیارہ مئی کو صبح آٹھ اور نو بجے کے درمیان ملی۔

سوال: اس روز جو کچھ تم نے دیکھا ہو' بیان کرو۔

جواب میرے ایک سائیس نے آ کر بیان کیا کہ فوجیں بغاوت کر کے میرٹھ سے آ گئی ہیں اور راہ میں جو انگریز ملتے گئے انہیں قتل کر ڈالا اور کہنے لگا کہ اپنی گاڑی تیار کر کے بھاگنے کے لئے آمادہ ہو جانا چاہئے کیونکہ باغی دہلی کے انگریزوں کو بھی قتل کریں گے۔ میں اس سے باتیں کر رہی تھی کہ ہمارے دوسرے دروازہ کے ہمسائے مسز نولن نے آ کر سائیس کے بیان کی تصدیق کی اور مسز آلڈویل کو دریافت کرنے لگے تا کہ ان سے کچھ مشورت کر سکیں۔ پھر وہ مسز آلڈویل کے پاس چلے گئے اور یہ دونوں عرصہ تک باہم مشورہ کرتے رہے اور آخر کار یہ طے پایا کہ تمام قرب وجوار کے انگریز ہمارے مکان میں جو نہایت فراخ اور مستحکم تھا' آ کر مجتمع ہو جائیں اور جب تک دم میں دم ہے' اپنی عزت وآبرو پر آنچ نہ آنے دیں۔ اس کے بعد مسز آلڈویل اور مسز نولن نزدیک کے اسپتال کے گارد کے پاس گئے۔ اس گارد میں ہندوستانی پیدل سپاہی تھے اور ان سے اپنے ساتھ جدوجہد کرنے کے لئے دریافت کیا اور یہ بھی کہا کہ اس کے بدلے انگریز انہیں معقول معاوضہ دیں گے۔ سپاہیوں نے جواب دیا ''جاؤ اپنا کام کرو اور ہم اپنا کام کرتے ہیں۔'' اس وقت صبح کے ۸ بجے سے کچھ زیادہ وقت تھا اور میرٹھ کے سپاہیوں نے پل تک عبور نہیں کیا تھا جو یہ کہا جا سکے کہ گارد کے سپاہیوں کو انہوں نے گانٹھ لیا ہو گا۔ اس کے بعد انگریزوں نے جو ہمارے مکان میں جمع ہو رہے تھے دروازوں کی ناکہ بندی کرنی شروع کی اور عورتوں اور بچوں کو چھت پر چڑھا دیا گیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ مع عورتوں اور بچوں کے کل تعداد تیس تھی۔ پھر ۹ بجے کے قریب باغیوں کو ہم نے پل عبور کرتے ہوئے دیکھا۔ ان میں خاصی تعداد سواروں کی تھی اور کچھ پیادے بھی تھے۔ باغیوں کا یہ گروہ ہمارے مکان کے زیر دیوار گزر رہا تھا جو لب دریا واقع تھا اور ان میں سے بعض نے ایک صاحب پر فیر بھی کیا تھا جو چھت پر تھے۔ پھر یہ جماعت جیل خانہ کی طرف چلی گئی اور ہم نے سمجھ لیا کہ وہ قیدیوں کو آزاد کرے گی۔ تھوڑی دیر بعد ہم نے سنا کہ وہ شہر میں گھس گئے ہیں اور انگریزوں کو جہاں پاتے ہیں' قتل کرتے ہیں۔ اسی وقت شہر کا ایک مسلمان باشندہ جو پیشہ کار انگریز تھا' خون آلود تلوار ہاتھ میں لئے کلمہ پڑھتا ہوا ہمارے مکان کے پاس آیا اور چلا کر کہنے لگا ''انگریز کہاں ہیں۔'' مسز نولن نے اس سے دریافت کیا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے' مگر اس کے جواب نہ دینے پر مسز نولن نے گولی ماردی اور وہ مر گیا۔ صرف یہی ایک شخص تھا کہ جو اس وقت تک ہماری سرحد میں داخل ہوا' مگر اس کے بعد ہی پچاس ساٹھ شہری باشندے اس کے پیرو ہمارے دروازہ پر اکٹھے ہو گئے۔ گیارہ بجے کے قریب مسز فاؤلن ایک مسلمان کے ہاتھوں ہمارے مکان میں پہنچائی گئیں۔ انہیں شہری باشندوں نے زدوکوب کیا تھا جس سے ان کے سر میں کاری زخم آیا تھا اور ان کے مکان کا تمام اسباب لوٹ کھسوٹ کر لے گئے تھے۔ پھر تین بجے تک کوئی بات قابل ذکر نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ میگزین اڑا دیا گیا۔ اس وقت میں نے مسز آلڈویل سے التجا کی کہ مجھے اور میرے تینوں بچوں کو مکان سے نکال دیں کیونکہ خدمت گاروں نے مجھ سے کہا تھا کہ باغی توپیں لینے گئے ہیں تا کہ یہاں لا کر نصب کریں اور میں پناہ گاہ ڈھونڈنے کے لئے بے قرار تھی۔ چنانچہ میں نے اور تینوں بچوں نے ہندوستانیوں کا سا لباس پہنا اور دو ڈولیوں میں سوار ہو کر مکان سے نکل گئے اور بادشاہ کے پوتے مرزا عبداللہ کے مکان پر پہنچے۔ اس کی بہن اور اہلیہ نے ہماری بہت خاطر تواضع کی کیونکہ مسز آلڈویل کو اور مجھے وہ لوگ بہت عرصہ سے جانتے تھے۔ رات کے آٹھ بجے تک ہم وہاں رہے جب مرزا عبداللہ آیا اور کہا کہ وہ ہمیں بہترین پناہ گاہ اور محفوظ مکان یعنی اپنی ساس کے مکان میں پہنچا دے گا۔ چنانچہ اسی وقت اس نے ہمیں وہاں پہنچا دیا مگر ہمارا کچھ اسباب

اپنے پاس رکھ چھوڑا اور کہنے لگا کہ عام راستہ سے اس قدر سامان لے کر نکلنا بہت خطرناک ہے۔ کل تم اپنے منشی کو روانہ کرنا۔ میں وہ سامان اس کے ہاتھ بھیج دوں گا۔ میں نے دوسرے روز حسب وعدہ اپنے منشی کو دو سو روپیہ نقد اور کچھ چاندی کی طشتریاں مرزا عبداللہ سے لے کر آنے کے لئے روانہ کیا' لیکن مرزا نے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے اور ساتھ ہی ہمیں یہ پیام بھیجا کہ اگر اس کی ساس کے مکان کو فی الفور خالی نہ کر دیا جائے گا تو وہ لوگوں کو ہمارے قتل کے لئے روانہ کر دے گا۔ اس نے چھ بجے شام کو اپنے چچا اور چند لوگوں کو دیکھنے کے لئے روانہ کیا کہ اگر ہم نہ چلے گئے ہوں تو وہ لوگ قتل کر دیں۔ میں نے اس کے چچا کو تو نہیں دیکھا لیکن ملازموں کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں برہنہ تلواریں تھیں۔ میرے منشی کی والدہ ملامت کرنے لگیں اور کہنے لگیں کیا یہی مرزا کی مہمان نوازی ہے؟ اگر اس کا یہی ارادہ تھا تو کیوں ہمیں مکان میں گھسنے دیا۔ کیا حفاظت اور پناہ گاہ کا وعدہ صرف قتل کے لئے کیا تھا؟ اس نے ان لوگوں سے یہ بھی کہا کہ اگر تم کو قتل کرنا ہی ہے تو پہلے مجھے کرو۔ میں نے انگریزوں کا نمک کھایا ہے اور انہیں قتل ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ پھر یوں کہنے لگی۔ مجھے قتل کرنے سے تم کو بہت ثواب ہوگا کیونکہ میں سیدانی اور شیعہ ہوں۔ یہ بادشاہ کے خاندان کی طرف اشارہ تھا جو سنی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور سنی فرقہ نے حقیقتاً ئی کے بچوں یا سیدوں کو شہید کیا تھا۔ لوگوں نے جواب دیا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو یقیناً کافر ہو جائیں گے البتہ انہوں نے عیسائیوں کے قتل کا بیڑا اٹھایا ہے۔ پھر اس سے کہنے لگے کہ وہ مکان سے نکل جائے تاکہ وہ لوگ ہمیں قتل کر دیں ورنہ ہمیں مکان سے باہر کر دے تا سڑک پر لے جا کر ان کو ہلاک کیا جائے۔ آخر کار بصد دقت دوسرے روز صبح تک مکان خالی کر دینے کی ہمیں اجازت ملی۔ رات کے وقت منشی میرے درزی کو بلا کر لایا اور میں نے اس سے کوئی ایسی جگہ دریافت کی جہاں جا کر ہم لوگ روپوش ہو سکیں۔ جواب میں اس نے کہا کہ سنا گیا ہے کہ نواب احمد علی خاں انگریزوں کو پناہ دے رہے ہیں اور وہ ہمیں وہاں لے جا کر پوشیدہ کرے گا۔ پھر وہ سواری لانے کے لئے نواب کے ہاں گیا مگر ناکام واپس آیا اور کہنے لگا کہ نواب کے مکان میں انگریزوں کا روپوش ہونا باغیوں کو معلوم ہو گیا ہے اور وہ ان کے مکان کے سامنے توپیں لگانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا وہ ہمیں اپنے مکان میں رکھے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور ہم اس کے مکان میں رہنے لگے۔ ایک روز کہنے لگا کہ کئی عیسائیوں کو بادشاہ کے حضور میں حاضر کیا گیا ہے۔ انہوں نے اگرچہ حراست میں رکھ لیا مگر ان کی جان بخشی کر دی ہے اور ہمیں بھی وہاں جانے کی ہدایت کی۔ بدھ کے روز سات اور آٹھ بجے شب کے درمیان درزی ایک باغی سوار قادر داد خاں کو بلا لایا جس نے ہمیں قلعہ میں پہنچا دیا۔ اگرچہ باغیوں نے قسم کھائی تھی کہ انگریزوں کو ہرگز زندہ نہ چھوڑیں گے مگر وہ سوار درزی کا کسی زمانہ کا احسان مند تھا اور اس وجہ سے ہماری حفاظت کا پختہ وعدہ کر لیا اور کہا کہ وہ زینہار بے ایمانی نہ کرے گا۔ قلعہ کے لاہوری دروازہ تک اس نے ہمیں پہنچا دیا جہاں محافظ گارد کے ہاتھوں ہم لوگ قیدی بنائے گئے۔ یہ لوگ پھر ہمیں مرزا مغل کے روبرو لے گئے جنہوں نے ہمیں بھی دوسرے قیدیوں کے ہمراہ رکھے جانے کا حکم دیا۔ مورخہ ۱۳ مئی یوم بدھ کی شب کو ہم مقید کئے گئے تھے۔ جہاں تک میرا خیال ہے مجھے کہنا چاہئے کہ قیدیوں کی تعداد عورت' مرد' بچے سب مل کر ۴۶ یا ۵۰ نفر تھی۔ ان کے نام جہاں تک میں اور میرے بچے یاد رکھ سکے' مندرجہ ذیل ہیں: مسز اسکلی اور تین بچے' مسز گلن' مسز ایڈورڈس اور دو بچے' مسز مولانی اور دو بچے' مسز شیمن اور ایک بچہ' مسز کاربٹ اور ان کی دختر' مسز اسٹیفنس' مسز آتینس' ماسٹر چارڈ شا' مس ایم ہنٹ' مس ای بیر سٹارڈ' مس ایل رائلی' مس الائس شا' مس انشا'

مسز رابرٹس اور ایک لڑکا' مسز کراؤ' مسز اسمتھ' کوئی ایک شخص اور تھا جس کا نام مجھے یاد نہیں۔ باقی تین عورتیں اور بچے تھے جن کے نام میں یاد نہ رکھ سکی۔ ہم ایک تاریک کوٹھڑی میں بند کیے گئے تھے جس میں صرف ایک کھڑکی تھی۔ اس کے سوا کوئی دوسرا روزن نہیں تھا۔ وہ مقام کسی انسان کے رہنے کے لائق نہیں تھا اور ہمارے لئے تو بالکل نہیں۔ زبردستی اس میں ٹھونسا گیا تھا۔ ہر شخص ہوا لینے کے لئے کھڑکی کے پاس کھڑا رہنا چاہتا تھا اور وہ کھڑکی بھی جہاں سے روشنی اور ہوا آتی تھی' ہمیں بند کرنی پڑی کیونکہ سپاہی اپنی بھری بندوقیں جن کے گھوڑے چڑھے ہوتے' لے کر آتے تھے اور بچوں کو ڈراتے اور دھمکاتے تھے۔ بسا اوقات ہم سے پوچھتے کہ اگر بادشاہ ہماری جان بخشی کر دے تو کیا ہم مسلمان ہونے اور ان کی لونڈیاں بننے کے لئے تیار ہیں' لیکن بادشاہ کے خاص مسلح باڈی گارڈ کے سپاہی جو ہم پر مسلط تھے' دیگر سپاہیوں کو ہدایت کرتے رہتے تھے کہ ہمیں زندگی کی بالکل امید نہ دلائی جائے اور کہتے تھے کہ "ہم ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیلوں اور کووں کو کھلائے جائیں گے۔" ہمیں کھانا معمولی دیا جاتا تھا البتہ دو مرتبہ بادشاہ نے ہمیں نہایت عمدہ کھانا بھیجا تھا۔ جمعرات کو چند سپاہی آئے اور کہنے لگے کہ "وہ ہمیں مار ڈالیں گے اور انہوں نے انگریزوں کے قتل کا بیڑا اٹھایا ہے۔" جمعہ کو دوپہر تک کوئی واقعہ نہیں گذرا۔ صرف بادشاہ کے ایک خاص ملازم نے کسی لیڈی سے کہا تھا (میں جانتی ہوں وہ مسز ٹینس تھیں) کہ اگر انگریزوں کی پھر حکومت ہو جائے تو وہ ہمارے ساتھ کیسا سلوک کریں۔ لیڈی صاحبہ نے جواب دیا کہ "جس طرح تم نے ہمارے خاوندوں اور بچوں کے ساتھ کیا ہے۔" ۱۶ مئی یوم جمعرات کو سوا میرے اور میرے بچوں کے اور اس مسلمان عورت کے جو عیسائیوں کو کھانا دیتی تھی۔ سب انگریزوں' بچوں اور عورتوں کو باہر نکال کر قتل کر دیا گیا۔

سوال تم نے کیسے جانا کہ یہ لوگ سب کے سب قتل کر دیئے گئے اور یہ کیونکر ہوا کہ تم اور تمہارے بچے بچا دیئے گئے اور باقی سب کو قتل کر دیا گیا؟

جواب درزی کے مکان سے جانے کے قبل میں نے ایک درخواست لکھ رکھی تھی اور میری خواہش تھی کہ میں خود جا کر ان کے حضور میں اسے پیش کروں گی۔ مگر جب میں قلعہ کے لاہوری دروازہ پر پہنچی اور سپاہیوں نے جہاں اور چیزیں لی تھیں' وہاں یہ بھی چھین لی۔ میں نے اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں اور میرے بچے کشمیری مسلمان ہیں۔ اسی وجہ سے قید خانہ میں' ہمیں علیحدہ کھانا ملا کرتا تھا اور بادشاہ کے خاص ملازم ہمیں مسلمان سمجھتے تھے۔ چنانچہ بارہا انہوں نے ہمارے ہمراہ کھانا وغیرہ کھایا ہے۔ غدر کے شروع سے میں نے مسلمانوں کے مذہبی کلمات یاد کر لئے تھے اور بچوں کو بھی یاد کرا دیئے تھے۔ چنانچہ ہم سب بڑی روانی سے اس کو پڑھ سکتے تھے اور مسلمان بنے رہنے سے ہماری جانیں بچ گئیں۔ سولہ مئی کی صبح کو بادشاہ کے خاص ملازمین چند پیدل سپاہیوں کو ہمراہ لئے ہوئے آئے اور ہماری جماعت کو مخاطب کر کے کہا کہ عیسائی مکان سے باہر نکل آئیں اور پانچ مسلمان اندر ہی رہیں۔ بچوں اور عورتوں نے واویلا مچانا شروع کیا اور کہا کہ انہیں پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ قتل کئے جائیں گے' لیکن مسلمانوں نے قرآن اور ہندوؤں نے جمنا کی قسم کھا کر کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ انہیں اور اچھی جگہ لے جا کر رکھیں گے اور جس میں وہ فی الحال مقید ہیں وہ میگزین بنایا جائے گا۔ غرضیکہ انہیں دم دلاسا دے کر وہ باہر لے گئے اور گنتی کی گئی۔ مجھے تعداد یاد نہیں۔ پھر ان کے گرد ایک رسا پھینکا گیا اور سب کو اکٹھا کر کے اس طرح جکڑا جیسے قیدیوں کو عموماً کہیں لے جاتے وقت جکڑتے ہیں۔ پھر انہیں وہاں سے جدا کیا گیا یہاں تک کہ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں

نے سنا ہے کہ صحن میں پیپل کے درخت کے نیچے چھوٹے حوض کے پاس لا کر کھڑے کر دیئے گئے۔ سپاہیوں میں سے کسی نے بھی ان کے قتل میں حصہ نہیں لیا۔ صرف بادشاہ کے خاص ملازموں کی تلواروں سے قتل کئے گئے اور انہیں کو قیدیوں کے قتل کرنے کا استحقاق دیا گیا تھا' کیونکہ ان کے عقیدے میں کفار کو قتل کرنے سے بہشت ملتی ہے اور ان لوگوں کو بھی وہ ملے گی۔ میں نے یہ جاروب کش کی عورت سے سنا تھا۔ اور تمام ایام غدر دہلی میں مجھے بارہا اس کی تصدیق ہوتی رہی۔ قتل کے بعد ہی دو توپیں داغی گئیں اور مجھ سے کہا گیا کہ یہ اظہار مسرت میں سر کی گئی ہیں۔ قتل کے ایک گھنٹہ بعد ایک پیر مرد جنہیں مفتی صاحب کہتے تھے میرے محافظوں سے آ کر کہنے لگے کہ وہ ان پانچ قیدیوں کو دیکھنا چاہتے ہیں جو بچا لئے گئے ہیں۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ ہماری جان بخشی کر دی گئی ہے اور شاہی ملازموں سے کہا کہ ہمیں کسی محفوظ مقام میں پہنچا دیا جائے' لیکن دن کے وقت کسی صورت سے نہیں کیونکہ سپاہی اور شہر کے باشندے دیکھ لیں گے تو ہمیں مار ڈالیں گے (مجھے یہاں یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ بعض لوگوں کو میرے عیسائی ہونے کا شبہ تھا)۔ شام کو ہمیں درزی کے مکان میں پہنچا دیا گیا اور دوسرے منگل کو چیف پولیس افسر نے ہمیں وہاں گرفتار کر لیا۔ ہم قیدیوں کی طرح مرزا مغل کے سامنے حاضر کئے گئے اور پولیس افسر نے ان سے کہا کہ ہم عیسائی ہیں اور بھیس بدل کر رہتے ہیں۔ مرزا مغل نے حکم دیا کہ ہماری گردنیں ماردی جائیں' لیکن اڑتیسویں رجمنٹ کے سپاہیوں نے ہمیں آزاد کر دیا۔ جب سپاہی شکست کھا کر واپس شہر میں آئے اور لوگ علانیہ کہنے لگے کہ ہمیں انگریزوں کے خلاف رہنے کی طاقت نہیں' خصوصاً ہندو سپاہیوں نے مسلمانوں کو ملامت کرنی شروع کی کہ انگریزوں سے تمہارا یہ پہلا ہی مقابلہ ہے۔ کیا اسی بھروسہ پر مذہب کے لئے لڑتے تھے۔ وہ خود بھی افسوس کرتے تھے کہ ہم انگریزوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ وہ مسلمانوں کو مذہب کی آڑ میں دھوکہ دینے سے لعنت ملامت کرتے رہے۔ انہیں ہمیشہ یہی پس و پیش لگا رہا کہ آیا دراصل انگریز گورنمنٹ ان کے مذہب میں دخل دیتی ہے یا نہیں؟ ہندو سپاہیوں کی کثیر تعداد کہنے لگی کہ اگر اسے جان بخشی کا اطمینان ہو جائے تو وہ پھر انگریزوں کی ملازمت میں آنا چاہتے ہیں' لیکن مسلمان ہمیشہ اس کے برخلاف کہتے رہے کہ بادشاہ کی ملازمت بہ نسبت گورنمنٹ کی ملازمت کے افضل تر ہے اور نواب راجہ وغیرہ جرار فوجوں سے بادشاہ کی مدد کریں گے اور وہ ضرور آخرکار کامیاب ہوں گے۔

سوال: دہلی میں جب تم غدر کے زمانے میں مقیم تھیں' تمہیں ہندو اور مسلمان باغی سپاہیوں کے جذبات کا اندازہ کرنے کا کبھی موقع ملا تھا؟

جواب: جی ہاں غدر کے زمانہ میں میں نے ہمیشہ مسلمانوں کو مسرور و شاداں پایا ہے۔ محرم کے زمانہ میں مسلمان عورتیں اپنے بچوں کو دعا کرنا سکھاتی تھیں کہ ان کے مذہب کو فتح نصیب ہو اور ان دعاؤں میں عموماً انگریزوں پر لعن طعن کیا جاتا تھا۔

سوال: جب ہندو اور مسلمان دہلی میں متفق تھے' کیا ان میں کوئی مذہبی مناظرہ یا تنازعہ ہوا تھا؟

جواب: مجھے خیال ہے کہ جب فوجیں پہلے پہل میرٹھ سے آئیں تو ہندوؤں نے بادشاہ سے عہد کرا لیا کہ شہر میں گاؤ کشی نہ کی جائے گی' اور یہ عہد برقرار رکھا گیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ تمام ایام غدر تک دہلی میں اس عہد کے سبب ایک گائے بھی نہیں کاٹی گئی۔ بقرعید کے موقعہ پر جبکہ مسلمان یقینی گائے قربانی کیا کرتے ہیں۔ ایک بے چینی پھیل گئی تھی مگر مسلمانوں نے اس موقعہ پر بھی گائے کی قربانی نہیں کی۔ نویں ستمبر کی صبح کو دیسی پوشاک پہن کر میں دہلی سے بھاگی اور اپنے تینوں بچوں اور دو

ملازموں کو لے کر میرٹھ پہنچی۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

عدالت نے اظہار لئے

سوال کیا تم جانتی ہو کہ انگریز خواتین کی ہندوستانی سپاہ یا باشندگان شہر نے عصمت ریزی اور توہین کی تھی؟

جواب جی ہاں۔

گواہ چلی جاتی ہے۔ چارج جانے سے عدالت کل گیارہ بجے تک کے لئے ملتوی کردی جاتی ہے۔

چودھویں روز کی کارروائی

یوم جمعہ ۱۲ فروری ۱۸۵۷ء

آج گیارہ بجے پھر عدالت قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ، ممبران، مترجم، ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل، تمام اراکین موجود ہیں۔

ملزم عدالت میں لائے گئے۔

مسٹر سی بی سانڈرس قائم مقام کمشنر اور لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ عدالت میں طلب کئے گئے۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال کیا تم عدالت کو اس امر کی اطلاع دے سکتے ہو کہ کس وجہ سے شاہان دہلی گورنمنٹ برطانیہ و ہند کی رعایا پنشن خوار ہوئے؟

جواب: شاہ عالم شہنشاہ دہلی کی آنکھیں نکالے جانے اور غلام قادر کے ہاتھوں ہر قسم کی اذیتیں اٹھانے کے بعد ۱۷۸۸ء میں وہ مرہٹوں کے ہاتھ پڑ گئے۔ شہنشاہ دہلی کی حکومت پوری پوری تھی، مگر وہ دہلی میں ہی قید شدید یا خفیف میں رہے اور ۱۸۰۳ء تک مرہٹوں کے دست ستم کا آماجگاہ بنے رہے۔ جب جنرل لیک صاحب نے علی گڑھ پر قبضہ کرلیا تو برطانوی فوجیں لے کر دہلی پر بھی حملہ کیا۔ مرہٹہ افواج دہلی سے چھ میل کے فاصلے پر مقابلہ کے لئے نکلیں مگر جنرل لیک صاحب کے ہاتھوں شکست فاش کھا کر بھاگ گئیں۔ جب شہر اور قلعہ مرہٹوں کے ہاتھ سے نکل کر گورنمنٹ کے ہاتھ آ گیا تو شہنشاہ شاہ عالم نے جنرل لیک صاحب سے انگریزی گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں آنے کی درخواست کی اور ۱۴ ستمبر سے جو ۱۸۵۷ء کے فاتحانہ قتل اور برطانوی افواج کے دہلی میں داخل ہونے سے کہیں زیادہ قابل یادگار ہے۔ شاہان دہلی گورنمنٹ برطانیہ کے پنشن خوار اور رعایا بن گئے اور برطانوی حکمرانوں نے انہیں مرہٹوں کے ظلم و ستم اور قید با مشقت سے چھڑا کر عیش و آرام عطا کیا۔ ملزم نے ۱۸۳۷ء سے دہلی کی فرضی حکومت حاصل کی، لیکن ان کا اقتدار خاص قلعہ والوں پر بھی نہیں تھا۔ البتہ اپنے مقربین کو خلعات فاخرہ اور خطابات دینے کی طاقت تھی۔ وہ اور ان کے اہل خاندان بیشک لوکل کورٹ سے بری تھے مگر گورنمنٹ عالیہ کے زیر نگیں تھے۔

سوال کیا گورنمنٹ نے ملزم کے مسلح سپاہیوں کی کوئی حد مقرر کی تھی؟

جواب: ملزم نے لارڈ ہارڈنگ سے درخواست کی تھی کہ جتنے ملازم وہ رکھنا چاہیں رکھنے دیئے جائیں۔ گورنر جنرل نے جواب میں اجازت دے دی کہ وہ اپنے وظیفہ میں سے تنخواہ دے کر جتنے ملازم رکھنے چاہیں رکھ سکتے ہیں۔

سوال: جو پنشن گورنمنٹ نے ملزم کے لیے منظور کی تھی بیان کر سکتے ہو کیا تھی؟

جواب: ان کا ایک لاکھ روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر تھا جس میں سے ۹۹۰۰۰ روپیہ دہلی میں اور ۱۰۰۰ لکھنؤ میں ان کے اہل خاندان کو ملتا تھا۔ نیز سرکاری اراضی سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ وصول کرنا بھی منظور تھا اور دہلی کے مکانات کا کرایہ اور زمین کا معاوضہ بھی لیتے تھے۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ چلے جاتے ہیں۔

مسٹر پیٹرسن میجر دیسی پیدل نمبر ۵۴ عدالت کے روبرو حاضر کیے گئے اور شہادت دینے لگے۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لیے

سوال: کیا گذشتہ مئی کی گیارہویں تاریخ کو تم دہلی میں تھے؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: اس وقت جو کچھ تم نے دیکھا ہو بیان کرو۔

جواب: گیارہ تاریخ کو حسب معمول صبح کے وقت قواعد تھی اور بعض احکام پڑھ کر سنانے تھے۔ چنانچہ یہ بخیر و خوبی انجام پایا اور اس وقت تک غدر کا ذرا بھی شبہ نہ تھا' لیکن نو بجے رجمنٹوں کو فی الفور تیار ہو کر جمنا کے پل پر جانے کا حکم ملا تاکہ رسالہ نمبر ۳ کے سوار جو میرٹھ سے بغاوت کر کے آرہے تھے' دریا کو عبور نہ کرنے پائیں۔ کرنل رپلی نے پریڈ کی میدان میں مجھے حکم دیا کہ اپنی کمپنی گرینا ڈیرس اور کمپنی نمبر ایک دونوں کو مع دو توپوں کے ہمراہ لے کر پل پر جاؤں اور اس کی حفاظت کروں۔ کرنل مذکور نے مجھ سے یہ بھی کہہ دیا کہ جانے کے قبل کپتان ڈے ٹیزرس کے مکان پر جو راہ میں ملتا تھا' جا کر ان کے احکام بھی حاصل کروں۔ کپتان ڈی ٹیزرس نے مجھے مع کمپنی کے صدر بازار میں ٹھہرنے کا حکم دیا اور کہا کہ توپیں آلیں' پھر وہاں سے کوچ کرنا مگر پون گھنٹے تک میں ٹھہرا رہا اور توپیں نہ آئیں تو میں نے اپنے ماتحت لفٹنٹ وبرٹ کو تحقیق کرنے کے لئے روانہ کیا کہ کیا سبب ہے جو ابھی تک توپیں نہیں آئیں اور اس خیال سے کہ توپیں ہمیں راہ میں مل جائیں گی اور وقت بھی بچ جائے گا' میں نے اپنے زیر کمان کمپنیوں کو مارچ کا حکم دیا اور پل کی طرف روانہ ہوا۔ لفٹنٹ وبرٹ مجھے نصف راہ میں ملے اور کہا کہ ہندوستانی توپچی میگزین کو چھوڑ رہے ہیں' لیکن توپیں بہر حال بہت جلد پہنچا دی جائیں گی اور جب میں پل سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا تو توپیں پہنچ گئیں۔ کشمیری دروازہ سے سو گز آگے پہنچ کر کپتان والس مل گئے جو اس ہفتہ فیلڈ افسر تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو پل پر پہنچوں کیوں کہ باغی سوار پہنچ چکے ہیں اور دیسی پیدل نمبر ۵۴ کے افسروں پر فیر کر رہے ہیں۔ میں نے فوراً اپنی کمپنیوں کو بندوقیں بھرنے کا حکم دیا اور جب یہ ہو چکا تو کرنل رپلی کشمیری دروازہ سے نکلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے کئی مقامات پر زخم آئے تھے اور میجر فائف انہیں سنبھالے ہوئے تھے۔ میں پھر باغیوں کی سرکوبی کا تصور کر کے وہاں سے روانہ ہوا' لیکن راہ میں ایک بھی نہ ملا۔ نمبر ۵۴ پیدل رجمنٹ کی

آٹھویں کمپنی کے سپاہی جو کرنل ریلی کے زیر کمان پیش بندی کے لیے روانہ کیے گئے تھے وہاں موجود نہ تھے۔ صرف نمبر ۳۸ دیسی پیدل کے ۵۰ سپاہی بطور گارڈ لفٹنٹ پراکٹرز کی سپردگی میں موجود تھے۔ کپتان والس نے مجھ سے ذکر کیا کہ نمبر ۳۸ کے ان سپاہیوں نے چند گز کے فاصلہ پر کرنل ریلی کو باغیوں کے ہاتھوں کٹتے دیکھا۔ ہرچند میں نے حکم دیا مگر کوئی بھی کرنل کو بچانے کے لیے ایک قدم نہیں ہلا۔ نمبر ۵۴ نے بھی اپنے افسروں سے ایسا ہی شرمناک برتاؤ کیا۔ گرجا کے مغربی میدان میں میں نے کپتان اسمتھ، کپتان بروز، لفٹنٹ ایڈوارڈس، لفٹنٹ واٹرفیلڈ اور میجر سرجنٹ کو مردہ پایا جو خاک پر پڑے ہوئے تھے۔ یہ سب نمبر ۵۴ دیسی پیدل کے افسر تھے۔ توپوں کو موقع بموقع نصب کر کے اور مختلف مقامات پر سنتریوں کو کھڑا کر کے میں نے لفٹنٹ ویرٹ سے مشورہ کیا کہ ہم چل کر ان مقتولین کی لاشیں اٹھالائیں، لیکن کمپنی کے سپاہیوں نے ہمیں منع کیا کہ ابھی اس سے باز رہیں کیونکہ باغی سوار افسروں کی تلاش میں ہر طرف پھر رہے ہیں۔ سپاہیوں نے یہ بھی کہا کہ وہ خود لاشوں کو اٹھا دیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایڈ جوٹینٹ لفٹنٹ آس برن اور لفٹنٹ بٹلر جو شہریوں کے ہاتھوں زخمی ہو گئے تھے ہم سے آملے۔ انسائن اینگو بھی ہمارے پاس چلے آئے۔ اس وقت کشمیری دروازہ کے گردونواح میں بالکل سکون تھا۔ بارہ بجے لائٹ کمپنی کا ایک سپاہی میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ حوالدار میجر نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ رجمنٹ کہاں جائے۔ پھر میں نے اس سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سواروں کے افسر پر گولیاں چلانے سے یہ لوگ بھاگ نکلے اور سبزی منڈی میں جا کر جمع ہو گئے۔ میں نے اس سے کہا کہ انہیں جا کر کشمیری دروازہ آنے کا حکم دے۔ وہ سب بغیر کسی انگریز افسر کے آگئے اور کہنے لگے کہ راستہ بھر باغی سواروں نے ان کا تعاقب کیا اور کہتے رہے کہ ہم سے مل کر بغاوت میں حصہ لو۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے سپاہیوں کی مدد سے انگریز افسروں کی لاشیں اٹھوالیں۔ اب ہم میں نمبر ۷۴ میجر ایباٹ کے زیر کمان مل گئی تھی اور کپتان ڈیٹرس کی دو توپیں بھی ہمارے ہی ہمراہ تھیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ شاید اس وقت دو بجے تھے جبکہ ہمیں میگزین کی طرف سخت ہنگامہ اور گولہ باری سنائی دینے لگی اور ساڑھے تین بجے تک یہ آوازیں آتی رہیں۔ میں یہ کہنا بھول گیا کہ جب میں کشمیری دروازہ پر پہنچا تو مسٹر گیلوے نے آ کر خزانہ کے گارد کو تقویت دینے کے لیے کہا۔ چنانچہ کئی سپاہی روانہ کر دیے گئے۔ مسٹر ولف بائی میگزین سے بھاگ کر ہم میں آئے اور بیان کیا کہ کس طرح انہوں نے اور چند انگریزوں نے میگزین کو اب تک بچائے رکھا اور بادشاہ کا فوج بھیجنا اور میگزین پر حملہ کرنے کے لیے سیڑھیاں روانہ کرنا وغیرہ بیان کرتے رہے۔ ہم پانچ بجے تک کشمیری دروازہ پر مقیم رہے جب میں کھڑا تھا کہ اچانک ایک باڑھ ماری گئی جو میرے سامنے سے گزر گئی۔ اس میں نمبر ۷۴ کے کپتان گارڈن اور لفٹنٹ ریولی مقتول اور نمبر ۵۴ کے لفٹنٹ اسمارن مجروح ہوئے۔ پھر لائٹ کمپنی کے ایک سپاہی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بہتر ہوگا میں فوراً چلا جاؤں ورنہ گولی سے مار دیا جاؤں گا اور نمبر ۵۴ کے سپاہیوں کو اپنی ماتحتی میں نہ پا کر اور اپنا ٹھہرنا لاحاصل سمجھ کر میں نمبر ۷۴ کے ایک افسر کے پاس چلا گیا۔ ہم شاہراہ سے جا رہے تھے، مگر وہی لائٹ کمپنی کا سپاہی (صرف وہی جو میرے پاس کھڑا تھا) مجھ سے گلیوں میں سے جانے کے لیے کہنے لگا کیونکہ شاہراہ محفوظ نہیں تھی۔ چنانچہ ہم اسی کے نصیحت کی بموجب گلیوں میں سے بریگیڈیر گریوز کے پاس پہنچے اور جو کچھ دیکھا تھا، اطلاع دے دی۔ وہاں دو توپیں اور دیسی پیدل نمبر ۳۸ کی تین سو سپاہ موجود تھی جو اس وقت تک نہایت وفاداری سے خدمات بجا لا رہی تھی۔ مجھے وہاں پندرہ منٹ کا وقفہ ملا جس

کے درمیان میں سپاہ مذکورہ نے عہد کیا کہ وہ ہماری رفاقت نہ چھوڑے گی اور جہاں ہم جائیں گے ساتھ چلے گی۔ چنانچہ وہ سپاہی ہمارے ہمراہ ہو لئے۔ پہاڑی پر سے نیچے اتر کر چھاؤنی کی سڑک پر چلنے لگے اور جب لائنوں میں پہنچے تو وہ لوگ ایک ایک دو دو کر کے اپنی جھونپڑیوں میں چلے گئے اور پھر صورت نہیں دکھائی۔ جب میں نے ان سے دریافت کیا تو کہا کہ پانی پی کر ابھی آتے ہیں' مگر ہتھیار وغیرہ وہ لے کر چل دیئے۔ یہ حالت دیکھ کر میں اپنے خاص مکان کے گارد میں پہنچا۔ اس وقت ساڑھے سات بجے تھے۔ میں نے گارد کو اپنے ہمراہ چلنے کی ترغیب دی اور تقریباً آدھ گھنٹہ تک ان کی خوشامد کرتا رہا۔ آخر کار بہزار خرابی حوالدار میجر اور دو سپاہیوں نے میرا ساتھ دینا منظور کیا۔ چنانچہ ہم تینوں چل کھڑے ہوئے' مگر تاریکی میں راستہ بھول گئے اور صبح ہم نے اپنے آپ کو دہلی سے چار میل کے فاصلہ پر پایا۔ میں تین روز تک برف کے کھتوں کے قرب و جوار میں روپوش رہا جو دہلی سے تین میل کے فاصلہ پر ہیں۔ حوالدار سپاہی نے پہلے ہی روز صبح کھانا لانے کے بہانے سے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ دوسرا سپاہی دوسرے روز تنہا چھوڑ چکا تھا۔ آخر کار میں ایک فقیر کی مدد سے کرنال بھاگ گیا۔

سوال کیا تمہیں اپنی رجمنٹ میں کوئی آثار معلوم ہوئے تھے جس سے ظاہر ہوا ہو کہ سپاہیوں کو میرٹھ کے باغیوں کی آمد کی اطلاع پہلے سے تھی؟

جواب۔ گیارہ مئی تک میں کوئی علامت یا نشانی محسوس نہیں کر سکا' لیکن اب مجھے ان لوگوں کی اس روز کی تمام عادات و اطوار سے یقین ہوا ہے کہ انہیں بیشک پہلے سے معلوم تھا۔ ہنگامہ سے قبل اڑتی اڑتی خبریں ہمیں ملتی رہتی تھیں' مگر اس کا سان و گمان بھی نہ تھا۔ لفٹنٹ ویبرٹ نے گذشتہ ستمبر میں مجھ سے کہا تھا کہ صوبہ دار میجر کریم بخش نے کپتان رسل کو گیارہ مئی سے دو ماہ قبل اطلاع کی تھی کہ لوگ ہماری لائنوں میں آتے جاتے ہیں اور سپاہیوں کو بغاوت کی تحریک کرتے ہیں۔ گذشتہ جون کی آٹھ تاریخ کو کپتان رسل باؤلی کی سرائے میں مار ڈالے گئے اور صوبہ دار میجر تا حال میرٹھ میں موجود ہے۔ مجھے یقین ہے اور اب ثابت ہوتا ہے کہ جو خبریں کپتان رسل کو ملتی رہیں' وہ بیشک غدری کی بابت تھیں۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ جاتے ہیں۔

مکند لال سیکریٹری سابق شاہ دہلی طلب کیا جاتا ہے اور اظہار لیا جاتا ہے

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

سوال گذشتہ بغاوت کی اصلیت اور دیسی فوج کے بارے میں تم کچھ جانتے ہو؟

جواب: بادشاہ دہلی دو سال گذرے جب برٹش گورنمنٹ سے بدظن ہو گئے تھے اور طے کر لیا تھا کہ وہ آئندہ انگریزوں کی بالکل خاطر اور عزت نہ کیا کریں گے۔ مفصل حالات یہ ہیں۔ جب مرزا حیدر شکوہ اور مرزا فرید فرزندان مرزا خان بخش ابن مرزا سلیمان شکوہ لکھنؤ سے یہاں آئے تو شاہ حسن عسکری نے بادشاہ دہلی کو بادشاہ ایران کے پاس خط روانہ کرنے کی رائے دی۔ انہوں نے بتایا کہ اس خط میں یہ ہونا چاہئے کہ انگریزوں نے بادشاہ دہلی کو قیدی بنا دیا ہے اور تمام حقوق جو بادشاہ ہونے کی حیثیت سے انہیں حاصل ہونے چاہئیں' سلب کر لئے ہیں۔ ولی عہد مقرر کرنا مسترد کر دیا ہے۔ پھر یہ تحریر کیا گیا تھا کہ کوئی ایسا ذریعہ حاصل کیا جائے جس سے یہ معاملہ راہ پر آ جائے اور طرفین (شاہ ایران و شاہ دہلی) میں خط و کتابت ہوتی

رہا کرے اور ملاقات بھی ہوا کرے۔ چنانچہ شیدی قنبر کو زادِ راہ کے لئے ایک سو روپیہ محبوب علی خاں کی معرفت عطا کئے گئے اور وہ خط مذکورہ لے کر ایران روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد مرزا حیدر اور اس کا بھائی لکھنؤ چلے گئے' جہاں سے انہوں نے مرزا نجف بادشاہ کے ایک دور کے رشتہ دار کو مرزا ابلاتی فرزند مرزا اشرف الدین ابن مرزا آغا جان کے ہمراہ ویسا ہی ایک خط دے کر ایران روانہ کیا۔ تین سال ہوئے کہ چند پیدل سپاہی متعینہ دہلی معرفت مرزا علی جن کا کام عرضیاں وصول کر کے پیش کرنا تھا اور حیدر خاں جمعدار بادشاہ کے مرید ہوئے۔ اس موقع پر بادشاہ نے ہر ایک مرید کو ایک ایک شجرہ مع تفصیل نام ان پیشواؤں کے جن کے ہاتھ پر وہ بیعت ہوئے اور اس میں اپنا بھی نام داخل کر کے اور ایک رومال رنگین سرخ علامت برکت کی عطا کی۔ لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ نے یہ سن کر تحقیقات کی اور فوجی لوگوں کا آئندہ مرید ہونا مسدود کر دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس روز سے بادشاہ اور فوج میں ایک قسم کا ارتباط پیدا ہو گیا تھا۔ گذشتہ بغاوت کے بیس روز قبل خبر موصول ہوئی تھی کہ میرٹھ کی فوجیں علانیہ بغاوت کرنے والی ہیں' لیکن یہ نہیں سنا گیا تھا کہ وہ یہاں آ رہی ہیں۔ جب سوار یہاں پہنچے تو پہلے محل کی کھڑکیوں کے تلے آ کر بادشاہ سے کہنے لگے کہ وہ تمام انگریزوں کو قتل کر کے یہاں آئے ہیں اور اب یہاں کے انگریزوں کو فی الفور قتل کر ڈالیں گے اور ملزم کو اپنا بادشاہ تصور کریں گے اور پھر کہنے لگے کہ تمام ہندوستان میں کوئی ایک انگریز بھی نہ بچ سکے گا۔ سب کے سب قتل کر دیئے جائیں گے اور تمام فوج بادشاہ کے احکام بجالائے گی۔ بادشاہ نے کہا اگر ان کی یہی خواہش ہے تو انہیں آخری وقت تک ساتھ دینا ہوگا اور اگر اس پر وہ رضامند ہوں تو شوق سے چلے آئیں اور تمام انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ جب انہوں نے رضامندی ظاہر کی تو بادشاہ نے انہیں آنے دیا۔ وہ شہر میں گھس گئے۔ مسلح باڈی گارڈ نے ان کا ساتھ دیا۔ قادر داد خاں نامی کابلی نے ریزیڈنٹ مسٹر فریزر کو قتل کیا۔ اسی وقت کچھ پیدل سپاہی مسلح باڈی گارڈ کے سپاہیوں کے ہمراہ قلعدار صاحب کی قیام گاہ میں گھس گئے اور انہیں قتل کر ڈالا۔ بعد ازاں جہاں کہیں انگریز ملتے گئے' باغی انہیں قتل کرتے رہے۔ اسی روز تمام شہر میں منادی کرادی گئی کہ خدا حکمران جہاں ہے اور بہادر شاہ اس ملک کے تاجدار ہیں اور انہیں کامل اختیار حاصل ہے۔ دوسرے روز جب میرٹھ اور دہلی کی فوجیں آپس میں مخلوط ہو گئیں تو بادشاہ تخت نشین ہوئے' توپوں کی سلامی دی گئی اور افسروں کو ان کے اپنے مرتبے اور درجے کے موافق انعام بھی دیئے۔ دیوان خاص میں قدیم سے ایک نقرئی تخت رکھا ہوا تھا' جس پر بادشاہ ایسے موقعوں پر بیٹھا کرتے تھے لیکن ۱۸۴۲ء میں لفٹنٹ گورنر نے جب بادشاہ کے تحائف اور نذریں لینے کو ممنوع قرار دیا تو یہ تخت بھی بادشاہ کے نشست گاہ کے تہ خانے میں بند کر دیا گیا تھا۔ اس وقت سے یہ تخت ۱۲ مئی تک بیکار رہا اور اس روز اسے پھر باہر نکالا گیا جس پر بادشاہ پھر بیٹھنے لگے۔

سوال کیا گیارہ مئی سے قبل بادشاہ کو سپاہیوں نے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا تھا؟

جواب مجھے معلوم نہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی اطلاع بالا بالا ملزم کو پہنچی ہو لیکن بادشاہ کے ملازمین و مقربین اپنے خانگی کمروں کے پاس بیٹھ کر ذکر کیا کرتے تھے کہ فوج بہت جلد بغاوت کرنے والی ہے جس کے بعد وہ قلعہ میں آئے گی' پھر بادشاہی حکومت از سر نو قائم ہوگی اور تمام قدیم ملازموں کو ترقیاں دی جائیں گی اور انعام و اکرام بخشا جائے گا۔

چارج گئے۔ کل گیارہ بجے تک کے لئے عدالت برخاست ہوگئی۔

پندرہویں روز کی کارروائی

یوم شنبہ۔ مورخہ ۱۳ فروری ۱۸۵۷ء

عدالت دیوان خاص قلعہ دہلی میں آج گیارہ بجے منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم اپنے مختار غلام عباس کے ہمراہ عدالت میں لائے گئے۔

مکندلال سیکریٹری بادشاہ سابق' عدالت میں طلب کیا گیا اور گذشتہ اقرار کی بنا پر اظہار لئے گئے۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

سوال. ایسی باتیں بادشاہ کے کون سے مصاحب کیا کرتے تھے؟

جواب: بسنت علی خاں اور ان کا تمام گروہ۔

سوال: غدر سے کتنے روز قبل وہ ایسی باتیں کیا کرتے تھے؟

جواب: چار روز۔

سوال: تمہارے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا حیدر شکوہ نے بھی شاہ ایران کی خط و کتابت میں حصہ لیا' لیکن یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ بادشاہ نے مرزا حیدر شکوہ کی شکایت کی تھی کہ مرزا نے انہیں لکھنؤ میں بدنام کر دیا ہے۔ اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟

جواب: یہ محض بناوٹ تھی جو یہ واقعات روشنی میں نہ آنے کے لئے کی گئی تھی تا کہ خدانخواستہ بھانڈا پھوٹ جائے تو بطور ثبوت یہ پیش کیا جا سکے کہ فریقین میں اتحاد ہی نہیں' حالانکہ پوشیدہ ہر دو فریق میں مصالحت تھی۔

سوال: لیڈیاں اور بچے جو قلعہ میں مقید تھے' کس کے حکم سے قتل ہوئے۔

جواب: انہیں تین روز تک گرد و نواح سے اکٹھا کیا گیا۔ چوتھے روز پیادہ اور سوار سپاہی مرزا مغل کے ہمراہ بادشاہ کے خانگی کمروں کے پاس آئے اور بادشاہ سے قتل کی اجازت چاہی۔ بادشاہ اس وقت اپنے کمرہ خاص میں تشریف فرما تھے۔ مرزا مغل اور بسنت علی خاں اندر چلے گئے اور سپاہی باہر کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر تقریباً بیس منٹ بعد دونوں اندر سے واپس آئے اور بسنت علی خاں نے علانیہ چلا کر کہا کہ بادشاہ نے قیدیوں کو قتل کئے جانے کی اجازت دے دی ہے اور وہ لوگ انہیں لے جا سکتے ہیں چنانچہ بادشاہ کے مسلح سپاہیوں نے قیدی جن کی زیر حراست تھے انہیں مقتل کو پہنچایا' جہاں باغی فوجوں سے مل کر غریب قیدیوں کو قتل کر دیا گیا۔

سوال: تم کچھ اور جانتے ہو؟

جواب: لڑائی شروع ہونے کے بعد جو شخص کسی انگریز سپاہی یا افسر کا سر لاتا تھا' دو روپیہ فی سر انعام پاتا تھا۔

سوال: کسی موقع پر کوئی سپاہی یا افسر قید کر کے زندہ بھی لایا گیا؟

جواب: جی نہیں۔

سوال اس غدر سے قبل کیا مسلمانوں نے کبھی سازش کی تھی یا ایسا فتنہ برپا کرنے کے لئے اتحاد کیا تھا؟
جواب جونہی باغی آئے مسلمان فی الفور ان سے مل گئے۔ کیا اس سے نہیں معلوم ہوتا کہ ان سے پہلے سے ربط ضبط تھا؟ لیکن اعلیٰ طبقہ نہیں تھا بلکہ ذلیل طبقہ جو ان سے ملا ہوا تھا۔
سوال کیا مسلمانوں کے طبقہ اعلیٰ کے کسی شخص کا نام بتا سکتے ہو جو گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف سازش میں نہ شریک ہوئے ہوں؟
جواب میں جواب نہیں دے سکتا۔
سوال وہ کون لوگ تھے جو بادشاہ کی خفیہ انجمن میں شریک ہوا کرتے تھے؟
جواب خواجہ سرا محبوب علی خاں بادشاہ کے وزیر اعظم' پیرزادہ حسن عسکری بادشاہ کی محبوبہ ملکہ زینت محل' ان کی دختر نانی بیگم' آقا بیگم دوسری دختر ملزم بادشاہ کی بیوی اشرف النساء یہ اراکین انجمن تھے۔ اور جب لکھنے کی ضرورت ہوتی تو بادشاہ کا دفتر خاص جو حکیم احسن اللہ خاں کی زیر ہدایت رہتا تھا' اسے انجام دیتا۔ دفتر مذکورہ میں ایک شخص اور تھا جو ذات کا کایستھ اور میرا ہم نام تھا یعنی اس کا نام بھی مکند لال تھا۔
سوال فارسی کاغذات نمبر ۲، ۳ اور ۴ ضمن قتل میں ترتیب دے کر گواہ کو بتائے گئے اور پوچھا گیا کہ کیا وہ ان کا خط جانتا ہے؟
جواب میں نہیں جانتا۔ وہ نئے دفتر میں جو صوبہ دار بخت خاں نے قائم کیا تھا' لکھے گئے ہوں گے۔ اس میں ایک مولوی صاحب محرر تھے جو کاغذات تیار کر کے بادشاہ کی مہر ثبت کرنے کے لئے لاتے تھے۔
سوال کیا تمہیں بادشاہ کی خفیہ انجمن میں کبھی شریک نہیں کیا گیا؟
جواب: جی کبھی نہیں۔
سوال پھر تم کیونکر بادشاہ ایران کو مشن روانہ کرنے کے راز سے آگاہ ہوئے؟
جواب اگرچہ میں بادشاہ کا ملازم تھا مگر محبوب علی خاں کی اردلی میں رہا کرتا تھا اور ان سے کوئی کوئی راز کی بات معلوم ہو جاتی تھی۔
سوال کیا قلعہ میں علی العموم سمجھا جاتا تھا کہ حسن عسکری کا اثر بادشاہ پر بہت ہے؟
جواب جی ہاں۔ صرف قلعہ ہی میں نہیں بلکہ تمام شہر میں مشہور تھا کہ پیر حسن عسکری اور محبوب علی خاں کا بادشاہ پر بہت اثر ہے۔
سوال کیا بادشاہ کی کوئی لڑکی حسن عسکری کی مرید تھی؟ اگر تھی تو کیا ان میں کی ایک وہ تو نہیں جن کا تم نے ابھی ذکر کیا ہے؟
جواب بادشاہ کی ایک لڑکی مسماۃ نواب بیگم زوجہ مرزا زمان شاہ حسن عسکری کی مرید ہو گئی تھیں' مگر انہیں وفات پائے ہوئے عرصہ ڈیڑھ سال کا ہو گیا۔ دیگر وہ جن کے نام میں نے لئے ہیں پیرزادہ مذکور کی علانیہ مرید نہ تھیں لیکن عقیدت مند تھیں اور بزرگی کی قائل تھیں۔
سوال کیا کبھی سپاہیوں کو انگریزوں کے خلاف لڑنے کے لئے بادشاہ قلعہ سے باہر نکلے تھے؟
جواب جی ہاں ہنگامہ کے دو روز بعد یعنی ۱۶ مئی کو وہ ہوادار میں سوار ہو کر میگزین کی طرف چلے اور دو سو گز پر ٹھہر گئے۔ وہاں

ایک گھنٹہ توقف کیا اور واپس قلعہ میں چلے گئے۔ پیدل سپاہ کا دل بڑھانے کے لئے وہ نکلے تھے۔

سوال تم جانتے ہو کہ ملزم کے اتنی تھوڑی دور چل کر ٹھہر جانا کیا معنی رکھتا تھا؟

جواب: میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں۔ وہ فوج کا دل بڑھانے گئے تھے اور برطانوی فوج کو نکالنے کے لئے۔

سوال کیا بادشاہ "صادق الاخبار" کو ہمیشہ پڑھتے تھے؟

جواب: میں ہمیشہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کی نسبت کچھ نہیں بتا سکتا۔ البتہ یہ اور دیگر اخبارات ان کے پاس آتے رہتے تھے۔

سوال کیا غدر سے چند ماہ قبل مسلمانان دہلی میں انگریزی حکومت کے خلاف جوش و نفرت تھی؟

جواب میں نہیں جانتا۔

سوال. کیا تم "صادق الاخبار" پڑھا کرتے تھے؟

جواب: جی نہیں۔ میں نے کبھی اسے نہیں پڑھا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

عدالت نے اظہار لئے

سوال کیا علاوہ مکند لال کا یستھ کے کسی اور ہندو کو بھی خفیہ انجمن میں شریک کیا جاتا تھا؟

جواب جی نہیں، کسی دوسرے ہندو پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔

سوال تمہیں آگاہی ہے کہ کوئی قاصد دہلی سے دیسی رجمنٹوں کے پاس غدر کے بعد بھیجا گیا ہو تا کہ انہیں دہلی کی بغاوت میں شامل کرے جو اس وقت وفادار گورنمنٹ تھیں؟

جواب: میں نہیں جانتا۔

گواہ جاتا ہے۔

کپتان ٹملر از تیسویں پیادہ رجمنٹ کے طلب کیے جاتے ہیں اور بیان کرتے ہیں۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے۔

سوال: کیا گذشتہ مئی کی گیارہ تاریخ کو تم دہلی میں تھے؟

جواب: جی ہاں۔

سوال کیا اس روز تم نے کسی گاڑی کو دیکھا یا سنا تھا جو تمہاری رجمنٹ کی لائنوں میں گئی ہو؟ اگر دیکھا ہو یا سنا ہو تو مفصل بیان کرو۔

جواب. جی ہاں دس مئی یوم اتوار کی شام کو تین بجے کے قریب میں نے بگل کی آواز سنی اور گاڑی کے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دینے لگی جو میرے دروازے کے پاس سے گزر رہی تھی۔ میرے مکان کے پاس سے گاڑی کا گزرنا بالکل غیر معمولی تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے نوکر کو دوڑ کر دیکھنے اور اگر کوئی میرے گھر مہمان آ رہا ہو اسے لینے کے لئے روانہ کیا۔ وہ جا کر فوراً واپس آیا اور کہنے لگا کہ ہندوستانیوں کی ایک گاڑی لائنوں کی طرف جا رہی ہے۔ چونکہ میرا مکان سرے پر تھا اور تین طرف سے جانے والے راستے میرے احاطے ہی میں سے تھے اور یہ گاڑی بھی وہیں سے گزر رہی تھی۔ مجھے خیال ہوا کہ صوبہ دار

میجر اور افسران رجمنٹ میرٹھ سے آئے ہوں گے جو کورٹ مارشل ڈیوٹی پر گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے اسی ملازم کو لائنوں کی طرف روانہ کیا اور کہا کہ صوبہ دار میجر کو ہمارا سلام دو اور کہو کہ صاحب تم سے ملنا چاہتا ہے۔ نوکر نے تھوڑے عرصہ بعد واپس آ کر کہا کہ اس گاڑی میں رجمنٹ کا کوئی افسر یا سپاہی نہیں ہے بلکہ میرٹھ کے کئی سپاہی ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی اور رجمنٹ کے سپاہیوں کا ذکر کر رہا ہے۔

سوال: ۱۱ مئی کو تم نے کیا مشاہدہ کیا؟

جواب گیارہ مئی کو صبح میں سمجھتا ہوں نو بجے ہوں گے کہ میرا ایک نوکر کمرہ میں دوڑا آیا اور کہنے لگا کہ لفٹننٹ ہالینڈ نے پیام بھیجا ہے کہ باغی فوجیں دہلی آ رہی ہیں۔ میں نے اپنی وردی پہنی اور ان سے ملنے کے لئے گیا۔ پھر ہم دونوں مل کر ایڈجوٹنٹ لفٹننٹ گمبیر کے پاس گئے جہاں ہمیں کمانڈنگ رجمنٹ کرنیل ناوٹ، کپتان گارڈنر بریگیڈ میجر کپتان نکول بھی ملے۔ اسی وقت یہ معلوم ہوا کہ باغی میرٹھ سے دہلی آ رہے ہیں اور مجھے فوراً لائنوں میں پہنچ کر اپنی اور کپتان گارڈنر کی کمپنی لے کر مارچ کرنے کا حکم دیا گیا اور کہا گیا کہ دو سو آدمیوں کو تیار کر کے اور ہر ایک کو بارود وغیرہ دے کر شہر کے باہر دریا کے کنارے نئے میگزین کے متصل ایک مکان ہے اس میں جاؤں اور کسی باغی کو دریا نہ عبور کرنے دوں۔ کپتان گارڈنر اور میں لائنوں میں پہنچے۔ ہمیں اسی وقت اپنی کمپنی کے سپاہیوں کے تیور بدلے ہوئے نظر آئے۔ تھوڑے وقت کے بعد ہم ہر دو کمپنیوں میں سے سو سو آدمی منتخب کرنے میں کامیاب ہوئے۔ جب میگزین پہنچے تو بارود وغیرہ لینے میں سپاہیوں کو بہت عرصہ ہو گیا اور ہم باہر کھڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں دیر کی وجہ دریافت کرنے اندر گیا تو خلاصیوں نے کہا "ہم کیا کریں؟ سپاہی جو بارود گولی لینے آئے ہیں، کارتوسوں اور ٹوپیوں کو زیادہ تعداد میں لینے کے لئے جھگڑ رہے ہیں اور ہم بغیر گنتی کئے دے نہیں سکتے۔ میں نے جوں توں سپاہیوں میں بارود تقسیم کر دی۔ کارتوس اور ٹوپیاں تقسیم ہونے کے بعد بھی ہر شخص کارتوسوں کے بنڈل اٹھانے لگا۔ مجھ پر عجیب انتشار طاری تھا۔ دیر ہو رہی تھی۔ لہٰذا میں نے ان لوگوں کو خیال میں رکھا۔ جو مقدار سے زائد کارتوس لے رہے تھے۔ اس کی پاداش میں بعد کو کسی وقت سزا دی جائے۔ کپتان گارڈنر نے بھی ذکر کیا کہ ان کی کمپنی کے سپاہی مقدار سے زیادہ اسلحہ جنگ لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب کمپنیوں کو چلنے کا حکم دیا گیا تو میں نے اور کپتان گارڈنر نے ان کی غیر معمولی حالت محسوس کی۔ وہ چلاتے ہوئے لائنوں سے نکلے اور راستہ بھر شور وغوغا مچاتے گئے اور انہیں ہم بھی باز نہ رکھ سکے۔ مجھے یہاں ایک بات اور بتانی ہے جو پیشتر بتانا بھول گیا تھا۔ اسی روز صبح بریگیڈ پریڈ تھی، جہاں ایشوری پانڈے ایک دیسی افسر کی سزا جنرل کورٹ مارشل پڑھے جانے کے بعد بولی جانے والی تھی۔ اس وقت میں نے تمام رجمنٹ میں غصہ اور ناراضگی کے آثار پائے اور گو یہ صرف چند سیکنڈ تک رہا تاہم ہم لوگوں پر بہت اثر پڑا، کیونکہ یہ انوکھی اور ایسی بات تھی جو کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔ جب ہم میگزین کے متصل مکان پر پہنچ گئے تو میں نے مختلف مقامات پر سنتری قائم کئے۔ باقی ماندہ سپاہیوں نے اپنے ہتھیار زمین پر کھڑے کر دیئے اور مکان کے اندر چلے آئے۔ گرمی شدت کی تھی اور بعض لوگ اپنے ہمراہ تربوز اور مٹھائی وغیرہ لائے تھے۔ چنانچہ ہم نے اور کپتان موصوف نے بھی اس میں حصہ لیا۔ جب ہم کھا رہے تھے کہ سپاہیوں نے باہر بلایا۔ کہا دیکھو شہر میں دم بہ دم بندوقیں چل رہی ہیں۔ اس کی تھوڑی دیر بعد ہمیں توپ کی بھی گرج سنائی دی۔ ہم کچھ نہ سمجھ سکے کہ یہ کیا معاملہ ہے، مگر کپتان گارڈنر نے مجھ سے کہا کہ ہمارے لئے کتنی خوشی

کی بات ہے کہ سب فوجیں بگڑ بیٹھیں' مگر ہماری سپاہ اب تک وفاداری سے احکام بجالا رہی ہے۔ ہمیں کچھ کچھ یقین تھا کہ شہر میں بھی غالباً ویسا ہی ہنگامہ برپا ہے جیسا کہ انبالہ وغیرہ میں تھا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ ہمارے سپاہی تمازت آفتاب میں چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنائے آپس میں مشورے کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں اندر آنے اور یوں اپنے آپ کو دھوپ میں نہ جلنے کا حکم دیا' مگر انہوں نے جواب دیا کہ "ہم دھوپ ہی میں رہنا پسند کرتے ہیں۔" میں نے پھر تاکید کی مگر وہ ٹال گئے۔ پھر میں ایک ٹولی میں جو دوسرے کمرے میں تھی' گیا اور دیکھا کہ ایک ہندوستانی سپاہی اپنے ہم چشموں سے کہہ رہا تھا کہ تمام طاقت و حکومت ایک وقت معینہ تک رہتی ہے۔ یہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے۔ پس کیا تعجب ہے جو انگریزی عملداری بھی برلب اختتام ہی ہو۔ قبل ازیں کہ میں اس مفسد کو قید کرتا' شہر کا میگزین اڑ گیا اور پھر دونوں کمپنیوں کے سپاہیوں نے چیخیں ماریں' اپنے ہتھیار اٹھا لئے اور "پرتھی راج کی جے ہو" کے نعرے مارتے شہر کی طرف بھاگ گئے۔

سوال: کیا ۱۰ مئی سے پہلے تم نے کوئی ایسی بات دیکھی تھی جس سے معلوم ہو کہ تمہاری رجمنٹ کی سپاہ گورنمنٹ سے بدظن تھی؟

جواب: نہیں دیکھی۔

سوال: کیا کوئی اور بات تمہاری نظر سے گزری تھی جس سے یہ معلوم ہو کہ دہلی کے ہنگامہ کی قبل اس کے مشتعل ہونے کے امید تھی؟

جواب: جی ہاں' میرا ایک پرانا خدمتگار تھا جو ہمارے خاندان میں چھبیس برس تک رہا اور وہ غدر سے کچھ روز پہلے رخصت پر جانے والا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم ضرور واپس آنا۔ نوکری تمہارے لئے موجود ہے۔ اس نے نہایت غمگین لہجہ میں کہا: "بہت بہتر جناب' بشرطیکہ آپ کا چولہا بدستور سلگتا رہے" یعنی بشرطیکہ تمہارا خاندان مجھے نوکری دینے کے لئے زندہ قائم رہے۔ پھر وہ چلا گیا اور آج تک اس کی خبر نہیں ہے۔ غدر سے دس روز پہلے اس نے یہ کہا تھا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ جاتا ہے۔

سارجنٹ فلیمنگ سابق سارجنٹ بازار دہلی طلب کئے جاتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے۔

سوال: کیا غدر سے کچھ پہلے تمہارا لڑکا ملزم کے بیٹے جواں بخت کے گھوڑوں کو پھرانے اور دوڑانے پر مقرر تھا؟

جواب: جی ہاں' اس نے پانچ سال تک یہی کیا۔

سوال: تمہارے لڑکے کی کیا عمر تھی؟

جواب: اس کی عمر تقریباً انیس سال کی تھی۔

سوال: غدر سے کچھ روز قبل اس نے ملزم کے لڑکے جواں بخت کے بدکلامی کرنے کی شکایت کی تھی؟

جواب: اپریل ۱۸۵۷ء کے آخر میں ایک روز وہ مسٹر فریزر کے دفتر سے آیا جہاں وہ اکثر لکھا کرتا تھا اور مجھ سے کہا کہ وہ وزیر اعظم کے مکان پر گیا تھا جہاں ملزم کا لڑکا جواں بخت بھی اسے مل گیا اور جواں بخت نے اس سے کہا کہ وہ پھر اس طرف

قدم نہ رکھے۔ ہم ملازم نہیں رکھنا چاہتے۔ کافروں کی صورت دیکھنی ہمیں جائز نہیں ہے اور تھوڑے روز بعد سب کافر قدموں کے نیچے رگڑے جائیں گے۔ پھر جواں بخت نے اس پر تھوک دیا۔ اسی وقت میرے لڑکے نے مسٹر فریزر سے ذکر کیا جنہوں نے اسے جھڑک دیا اور کہا وہ ایسی خرافات نہیں سننی چاہتے۔ اس کے بعد دو مئی کو وزیراعظم نے میرے لڑکے کو تنخواہ دینے کے لئے بلوایا اور اس موقع پر پھر جواں بخت نے اس کو بہت گالیاں دیں اور کہا کہ تھوڑے دن کے بعد وہ اس کا سر اتارے گا۔ میرا لڑکا اسی جگہ غدر میں مارا گیا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ جاتا ہے۔

عدالت ساڑھے تین بجے سے منگل ۲۳ فروری تک کے لئے ملتوی کر دی جاتی ہے تا کہ اور گواہ حاضر ہو سکیں اور مترجم چند ضروری کاغذات کا ترجمہ کر سکیں۔

سولہویں روز کی کارروائی

یوم منگل۔ مورخہ ۲۳ فروری ۱۸۵۸ء

دیوان خاص قلعہ دہلی میں عدالت آج منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ ممبران مترجم ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم مع اپنے مختار غلام عباس عدالت میں حاضر کیے گئے۔

دیسی پیدل نمبر ۱۰ کے کپتان مارٹینو عدالت میں طلب کیے گئے اور بیان کرنے لگے۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے۔

سوال کیا مئی ۱۸۵۷ء تک تم انبالہ چھاؤنی میں بندوق بازی سکھاتے تھے؟

جواب جی ہاں۔

سوال کیا ہندوستانی پیدل کا ہر ایک سپاہی تمہارے پاس سیکھنے کے لئے آتا تھا؟

جواب ہر ایک دیسی پیدل تو نہیں بلکہ صرف نمبر ۳۶ رجمنٹ کے چار سپاہی آتے تھے۔

سوال کیا ان لوگوں سے اور تم سے کبھی چپاتیوں کی نسبت کوئی تذکرہ ہوا تھا جو دیہات میں تقسیم کی گئی تھیں؟

جواب جی ہاں کئی سپاہیوں سے اور کئی بار اس معاملہ کا ذکر کرنے کا مجھے موقعہ ملا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ چپاتیوں کے بارے میں وہ کیا رائے رکھتے ہیں کہ کس نے تقسیم کیں اور کیا تھیں۔ ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ وہ بسکٹ کی شکل و صورت کی تھیں اور کہتے ہیں کہ گورنمنٹ کے حکم سے تقسیم کی گئیں۔ گورنمنٹ نے اپنے ملازموں کو اس مطلب سے تقسیم کیں کہ ان سب کو جبراً یہی کھانا کھانا ہوگا اور سب کو عیسائی مذہب اختیار کرنا ہوگا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک کہاوت بھی بنائی ہے کہ ایک کھانا اور ایک مذہب ہوگا۔

سوال جہاں تک تمہیں معلوم ہے کیا عام طور سے تمام سپاہیوں میں یہی خیال پھیلا ہوا تھا؟

جواب: انبالہ کے جتنے سپاہی تھے میں نے جہاں تک دیکھا ان سب میں یہی خیال موجود پایا۔
سوال: کیا وہاں کوئی خبر تھی کہ گورنمنٹ نے آٹے میں پسی ہوئی ہڈیاں ملادی ہیں تاکہ سب لوگ بے دھرم ہو جائیں؟
جواب: جی ہاں میں نے ابتدائے ماہ مارچ میں ایسا سنا تھا کہ تمام گورنمنٹ کے مال گودام کا آٹا ہڈیاں ملا ہوا ہے تاکہ سپاہیوں کے ایمان میں خلل پڑ جائے۔
سوال: کیا تم جانتے ہو کہ سپاہیوں کو اس کا یقین کامل تھا؟
جواب: میں نے کئی سپاہیوں کے خطوط دیکھے جنہیں پانے والے سپاہی دلیری سے میرے ہاتھ میں لاکر رکھ دیتے تھے۔ ان میں صاف ایسا ہی کچھ تحریر ہوتا تھا اور لکھنے والوں کو یقین واثق تھا کہ ضرور ایسا ہی ہے۔
سوال: کیا سپاہی کوئی اور سبب بتاتے تھے جس کے باعث انہیں تکلیف پہنچی ہو؟
جواب: وہ یہی سبب بیان کرتے تھے کہ گورنمنٹ ہمیں بے دھرم کرنا چاہتی ہے۔
سوال: کیا گورنمنٹ پر بھی یہ اعتراض بھی کیا جاتا تھا کہ وہ کیوں ہندو بیوگان کے ازدواج ثانی پر زور دیتی ہے؟
جواب: جی ہاں وہ بیان کیا کرتے تھے کہ وہ ہمارے سوشل حقوق پر حملہ کرتی ہے۔
سوال: کیا الحاق اودھ کے وقت ان میں سے کسی نے کچھ کہا تھا کہ گورنمنٹ تمام خود مختار ریاستوں کو نابود کرنا چاہتی ہے؟
جواب: انبالہ میں تو شاذ و نادر ہی یہ مضمون زیر بحث رہتا تھا کیونکہ یہ ان لوگوں کے مذاق کے موافق نہیں تھا البتہ غدر سے تقریباً ایک ہفتہ بعد کرنال کے نمبر ۳ کے چند سوار ذکر کرتے تھے۔ جب میں نے ان کے ہمراہیوں کی بغاوت کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے "تم لوگوں نے ہندوستان پر فتح پالی ہے اور اس کی ہر ایک چیز کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتے ہو اور اب تم نے ہمارے مذہب پر بھی حملہ کیا ہے۔" میں اس زمانہ میں کرنال میں کمسریٹ افسر مقرر تھا اور نمبر ۳ کے یہ سوار وہ تھے جو باغی نہیں ہوئے تھے۔
سوال: کیا کبھی سپاہیوں نے انگریزی مشنری کی نسبت بھی کبھی شکایت کی تھی جو ہندوستانیوں کو عیسائی کرتی تھی؟
جواب: کبھی نہیں۔ اپنی عمر بھر میں کبھی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان میں ایک شخص کا خیال بھی اس طرف نہ جاتا تھا۔ ان میں اس کا احساس ہی نہیں تھا۔
سوال: انبالہ میں جب سپاہیوں کو کارتوس استعمال کرنے کے لئے کہا گیا تھا، کیا واقعی ان کارتوسوں میں چربی تھی؟
جواب: میگزین سے بن کر آئے تو بالکل نہیں تھی۔ اگر چربی ہوتی تو انہیں ہاتھ نہ لگانے دیا جاتا۔ انہوں نے خود کارتوسوں میں گھی مل دیا تھا جو جوش دیا ہوا مکسن ہوتا ہے اور ہر جگہ سے دستیاب ہو سکتا ہے۔
سوال: کیا ہندو اور مسلمانوں کے جذبات میں نمایاں فرق تھا؟
جواب: جی ہاں۔ مسئلہ کارتوس پر مسلمان خندہ زنی کرتے تھے اور ہندوؤں کو شکایت رہتی تھی کہ ہمارا دھرم بگاڑا جا رہا ہے۔ مگر الحاق اودھ کی بابت جن کو رنج تھا میں نہیں جانتا وہ ہندو تھے یا مسلمان۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

عدالت نے اظہار لئے۔

سوال کیا تم نے اپنے محکوم سپاہیوں میں غدر سے پہلے کوئی آثار پائے تھے یا نہیں؟ جو کچھ گزرنے والا تھا اس کی خبر پہلے ہی تھی؟

جواب جی ہاں۔ انہوں نے مجھ سے صاف کہہ دیا تھا کہ ایک غدر ضرور ہوگا' جس کی ابتدا بنگلوں میں آگ لگ جانی تھی۔ پہلی آتش زدگی اس روز وقوع میں آئی جبکہ ہم نے انفیلڈ کارتوس استعمال کیے تھے اور تقریباً دس مئی تک متواتر آتش زدگی کے حادثات وقوع میں آتے رہے۔ ہم نے ۱۷ اپریل سے انفیلڈ کارتوس استعمال کرنے شروع کیے تھے اور اگرچہ گورنمنٹ نے بلوائیوں کا پتہ لگانے کے لئے گرانقدر انعام مقرر کیا تھا' تاہم کوئی شخص تلاش کے لئے آگے نہیں بڑھا اور یہ بجائے خود ان کی ناراضگی اور فساد برپا کرنے کی بیّن علامت ہے۔ میں نے علانیہ فوجی صدر مقام انبالہ کو یہ اطلاع دے دی تھی اور کپتان سیلیس بیکر اسسٹنٹ ایڈجوٹنٹ جنرل آف دی آرمی کو بھی اطلاع کر دی تھی۔

گواہ جاتا ہے۔

مسز فلیمنگ زوجہ سارجنٹ فلیمنگ عدالت میں طلب کی گئیں اور شہادت دینے لگیں۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے۔

سوال گذشتہ اپریل کے خاتمہ پر کیا تم ملزم کی بیگم زینت محل کے مکان میں تھیں؟ اور کیا تم نے ملزم کے بیٹے جواں بخت کو وہاں دیکھا تھا؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: اس موقعہ پر کیا گزرا بیان کرو۔

جواب. میں اس کی سالی کے ہمراہ بیٹھی ہوئی تھی اور جواں بخت اپنی بیوی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس وقت میری اپنی لڑکی مسز اسکلی بھی موجود تھی۔ جب میں جواں بخت کی سالی سے گفتگو کر رہی تھی تو مسز اسکلی نے مجھ سے کہا "اماجان اتم سنتی ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تھوڑے روز اور ہیں' پھر جواں بخت تمام انگریزوں کو اپنے پیروں سے روندے گا اور اس کے بعد ہندوؤں کو قتل کرے گا۔" میں یہ سن کر جواں بخت کی طرف چلی اور اس سے دریافت کیا کہ "یہ تم نے کیا کہا۔" اس نے جواب دیا "صرف مذاق کر رہا ہوں۔" میں نے کہا جیسا تم کہتے ہو اگر یہی ہونا ہے تو پہلے تمہارا ہی سر اتارا جائے گا ۔ پھر وہ کہنے لگا کہ ایرانی دلی آرہے ہیں۔ اگر وہ قتل کریں گے تو میں تمہیں اور تمہاری لڑکی کو بچا لوں گا۔ پھر رہا کر دوں گا۔ میں جانتی ہوں وسط اپریل ۱۸۵۷ء میں یہ واقعہ ہوا تھا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں

گواہ جاتا ہے

نقول اخبارات

چنی لال اخبار نویس از ۱۱ تا ۳۰ مئی جو اس کے مکان سے برآمد ہوئیں اور ضبط کی گئیں عدالت میں پڑھی گئیں۔ پھر ان کا ترجمہ پڑھ کر سنایا گیا اور ذیل میں درج کیا گیا۔

بیان واقعات دہلی از ۱۱ تا ۲۰ مئی رقم زدہ جشنل ڈائری از چنی لال اخبار نویس۔

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کی شب کو مسٹر فریزر کے پاس میرٹھ سے ایک خط آیا جس میں پیدل اور سواروں کی بغاوت کی اطلاع دی گئی تھی' لیکن وہ اس وقت کچھ بندوبست نہ کر سکے اور خبر آئی کہ نمبر ۳ سواروں کا رسالہ اور دو پیادہ رجمنٹوں نے کارتوسوں کی وجہ سے فساد برپا کیا ہے اور دہلی آ رہی ہیں۔ مسٹر فریزر نے فی الفور اپنے اردلی کے سوار کو جو وہاں حاضر رہتا تھا' نواب جھجر کے ایجنٹ کو بلانے کے لئے دوڑایا۔ سر تھیوفلس مینٹکاف بھی اسی وقت شہر میں آئے اور چیف پولیس افسر شہر کے دروازوں پر پولیس گارد متعین کرنے اور انہیں بند کر دینے کا حکم دیا جس کی فی الفور چیف پولیس افسر نے تعمیل کی۔ مسٹر فریزر بھی فی الفور اپنی بگھی میں سوار ہو کر شہر میں آئے اور جھجر کے سواروں کو اور اپنے خاص دستہ کو ہمراہ لائے۔ اس وقت یہ تحقیق ہو چکا تھا کہ کچھ سوار پل پر پہنچ گئے ہیں اور محافظ پل کو جو محصول وصول کرتا تھا' قتل کر کے اس کا مکان جلا ڈالا ہے۔ پھر ایک سپاہی قلعہ دار سے بہت گستاخی سے پیش آیا اور ان پر فیر کیا' لیکن نشانہ خطا کر گیا۔ یہ سپاہی قلعہ کی کھڑکیوں کے نیچے جمع ہو گئے اور بادشاہ سے عرض کی کہ ہم دین کے لئے لڑتے ہیں' اس لئے ہمارے واسطے دروازے کھلوا دیئے جائیں۔ بادشاہ نے فی الفور قلعہ دار صاحب کو خبر بھیجی کہ چند باغی میرٹھ سے آئے ہیں اور ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی کپتان ڈگلس فوراً بادشاہ کے پاس آئے اور سواروں کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ "تم کیوں پریشان کر رہے ہو۔" پھر انہیں چلے جانے کے لئے کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ کپتان ہی سے بھیں گے۔ مسٹر فریزر پھرتے ہوئے کشمیری دروازہ پہنچے اور گارد سے گفتگو کرتے رہے۔ دوران گفتگو میں انہوں نے سپاہیوں سے کہا کہ تم ایسٹ انڈیا کمپنی کے تربیت یافتہ ہو اور اس لئے میں تم سے مدد چاہتا ہوں اور تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ چند باغی فوجیں میرٹھ سے آئی ہیں اور آمادہ فساد ہیں۔ لہٰذا میں تم سے نہایت اعلیٰ انتظام کا متمنی ہوں' مگر ان لوگوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ تمہارا کوئی بیرونی دشمن ہوتا تو اس سے بے شک ہم جنگ و جدال کر سکتے تھے۔ مسٹر فریزر وہاں سے چند اصحاب کے ہمراہ کلکتی دروازہ چلے گئے اور مناسب بندوبست کرنے میں مصروف ہو گئے۔ مسٹر فریزر کے اردلی کے جمعدار جوالا سنگھ نے ان سے شہر چھوڑ دینے کے لئے کہا اور کہا کہ مسلمان بغاوت پر آمادہ ہیں۔ مسٹر فریزر نے جواب دیا کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کر سکتا' چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ تمام شہر کی دکانیں بند ہو چکی تھیں اور یہ خبر ہر طرف بجلی کی طرح کوند گئی تھی۔ ریورینڈ مسٹر جینکس و دیگر اصحاب قلعہ دار صاحب کے مکان کے دریچے میں کھڑے ہوئے میرٹھ سے آنے والے سواروں کو دوربین سے دیکھ رہے تھے۔ کپتان ڈگلس بھی اپنی بگھی میں سوار ہوئے اور کلکتی دروازہ مسٹر فریزر کے پاس پہنچے اور انہیں ایک خط پڑھنے کے لئے دیا۔ پھر مسٹر فریزر نے اپنے اردلی کے سواروں کو ہوشیار رہنے کا حکم دیا۔ مسلمانان محلی بازار راج گھاٹ پہنچے اور باغیوں سے کچھ عہد و پیمان کر کے ان کے اندر آ جانے کے لئے دروازہ کھول دیا۔ باغیوں نے شہر میں گھستے ہی مکانات میں آگ لگائی اور انگریزوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ دریا گنج کے تمام مکانات کو آگ لگا دی اور انگریزوں کو قتل کر دیا اور اس کے بعد ڈاکٹر چمن لال کو جو ہسپتال کے سامنے کھڑے تھے' ہلاک کر ڈالا۔ پھر مسلمانان شہر نے سواروں کو خبر دی کہ مسٹر فریزر کلکتی دروازہ پر ہیں۔ وہ فوراً وہاں پہنچے اور پستولوں سے فیر کرنے لگے۔ دو انگریز جو وہاں موجود تھے' گھائل ہو کر گر پڑے۔ مسٹر فریزر کے اردلی کے سواروں نے بوجہ مسلمان ہونے کے باغیوں کی ذرا مزاحمت نہیں کی' مگر مسٹر فریزر نے

زبردستی ایک گارد کے سپاہی کی بندوق چھینی اور ایک باغی کو ہلاک کر دیا۔ پھر مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس بگھی میں سوار ہو کر قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اول الذکر تو اپنے کمرہ پر چڑھ گئے' مگر موخرالذکر چڑھنا چاہتے ہی تھے کہ باغی سواروں اور بادشاہ کے مسلح مصاحبوں نے دوسری سیڑھی پر انہیں ہلاک کر دیا۔ پھر ان کے قاتل اوپر چڑھ گئے جہاں کپتان ڈگلس' ریورینڈ مسٹر جیننگس' ان کی دختر اور ایک صاحب پر ہاتھ صاف کیا۔ انہیں قتل کرنے کے بعد تمام مسلمانان شہر و قلعہ کمروں میں گھس گئے اور سارا مال و اسباب لوٹ کھسوٹ کر لے گئے۔ سر تھیوفلس مینکاف برہنہ شمشیر ہاتھ میں لیے ہوئے گھوڑے پر سوار چاندنی چوک بازار کی طرف جا رہے تھے جن کے پیچھے کئی باغی سوار لگ گئے اور مسٹر موصوف اجمیری دروازہ سے باہر نکل گئے' جہاں موچی رہا کرتے تھے اور جو انہیں بھاگتا دیکھ کر خود بھی لاٹھیاں لے کر گھروں سے نکل آئے۔ دہلی کی تینوں پیدل رجمنٹیں باغیوں سے مل گئیں اور اپنے افسروں کو کثیر تعداد میں قتل کر کے شہر میں گھس گئیں۔ پھر باغیوں نے دریا گنج اور میجر اسکنر کے مکان وغیرہ میں جہاں انگریزوں کو پایا' فوراً تہ تیغ کر دیا۔ اس کے بعد شہر کے مسلمانوں اور کچھ ہندوؤں سے مل کر انہوں نے بڑے پولیس اسٹیشن اور بارہ چھوٹے اسٹیشنوں کو تاراج کر دیا۔ سڑکوں کی تمام لالٹینوں کو توڑ ڈالا۔ چیف پولیس افسر تو روپوش ہو گئے' مگر اسسٹنٹ چیف پولیس افسر زخمی ہوئے اور فرار ہو گئے۔ باغیوں نے جس وقت بنک پر حملہ کیا تو دو صاحب اور تین لیڈیاں مع دو بچوں کے چھت پر چڑھ گئے۔ ایک مفسد درخت پر چڑھا تو ایک صاحب نے اسے گولی مار دی۔ یہ دیکھ کر باغی آگ بگولہ ہو گئے اور طیش میں آ کر بنک گھر میں آگ لگا دی اور مسلمانوں نے ان صاحبوں اور لیڈیوں کو لاٹھیوں سے کچل کچل کر مار ڈالا اور پھر تمام شہر میں فتح مندانہ نعرے لگاتے پھرتے رہے۔ راجہ بلب گڑھ ایک ریلوے افسر سے ملاقات کرنے گئے اور دس بجے واپس آ گئے۔ تینوں رجمنٹوں نے خزانہ لوٹ لیا اور آپس میں تقسیم کر لیا۔ نیز جوڈیشل ورت اور کالج کو لوٹ لیا اور ان تمام عمارات میں آگ لگا دی۔ سواروں کا رسالہ چھاؤنی پہنچا اور وہاں کی عمارتوں میں بھی آگ لگا دی۔ اتنا کرنے کے بعد میرٹھ سے آئی ہوئی سواروں کی رجمنٹ اور پیادہ رجمنٹ دہلی کی تینوں رجمنٹوں کے ساتھ بادشاہ کے پاس پہنچیں اور ان کی سرپرستی و منظوری کی ملتجی ہوئیں اور بادشاہ سے ان کی حکومت تمام قلمرو ہند میں قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ان کی دلی آرزو یہی ہے اور ان پر لطف و کرم فرمایا۔ پھر سلیم گڑھ میں مقیم رہنے کا حکم فرمایا اور ظاہر کیا کہ تمہاری بدولت تمام بازار اور دکانیں بند ہو گئی ہیں۔ پس فوراً لوٹ مار بند ہو جانی چاہئے۔ پیادہ اور سوار سپاہیوں نے جب یہ سنا کہ بعض انگریز اپنی عورتوں کو لے کر میگزین میں چلے گئے ہیں تو دریا گنج سے دو توپیں لے آئے اور ان میں پتھر بھر کر میگزین کے دروازوں پر فیر کیے۔ انگریز بھی اندر سے گولیاں چلاتے اور ترکی بہ ترکی جواب دیتے رہے۔ یکا یک میگزین جل اٹھا اور شہر کے بہت آدمی ہلاک ہو گئے۔ قرب و جوار کے صدہا مکانات ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو گئے۔ میگزین کے اندر سے انگریز مرد و عورت دریا کے رخ بھاگے جنہیں سواروں نے دوڑ کر قتل کر دیا۔ ان سب میں سے صرف تین سارجنٹ اور دو میمیں زندہ گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور میں لائی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک سارجنٹ نے بادشاہ سے اپنے اور اپنے ہمراہیوں کے لئے پناہ چاہی' کیونکہ انہیں پورا یقین تھا کہ باغی ضرور قتل کر ڈالیں گے۔ بادشاہ نے انہیں عبادت خانہ میں رکھنے کا حکم دیا۔ غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ قبل راجہ نہر سنگھ اپنی عورت بھائی' سالے کو اور مسٹر منرو کو جو تبدیل لباس میں تھے' لے کر بلب گڑھ روانہ ہو گئے۔ پیادہ سپاہ نے سالگ رام خزانچی کے مکان پر دھاوا کیا' مگر مکان

کے دروازے بہت مضبوط تھے جنہیں وہ توڑ نہ سکے۔ یہاں تک کہ نصف شب گذر گئی۔ غرض بہ ہزار خرابی انہوں نے اندر جانے کا راستہ بنایا اور مسلمانان شہر کے ہمراہ اندر گھسے۔ تمام مال و اسباب لوٹا اور چلتے بنے۔ کچھ سارجنٹ چھاؤنی سے توپیں لئے جا رہے تھے مگر باغی سواروں نے دیکھتے ہی چھڑا لیں اور پھر جہاں کی وہ تھیں وہیں رکھ آئے۔ قلعہ میں اکیس توپوں سے سلامی دی گئی اور رات بھر تمام شہر میں بے چینی اور ہنگامہ برپا رہا۔ لوٹ مار اور آتش زدگیاں عمل میں آتی رہیں۔

منگل ۔ ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ دیوان خاص میں آئے جہاں امراء و روساء نے مجرا عرض کیا۔ نمبر ۵۴ رجمنٹ کے صوبہ داروں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ کوئی شخص روزانہ رسد پہنچانے کے لئے مقرر کر دیا جائے۔ رام سہائے مل اور دیوانی مل پانچ سو روپیہ روزانہ کی رسد مثلاً دال' چنا' آٹا وغیرہ فراہم کر کے رجمنٹوں میں پہنچانے کے لئے مقرر ہوئے۔ چار انگریز صاحبان محمد ابراہیم ولد علی محمد تاجر کے مکان میں روپوش ہیں۔ اتنا سنتے ہی سوار دوڑ گئے۔ انگریزوں کو ڈھونڈھ نکالا اور چشم زدن میں قتل کر دیا۔ جس کے بعد اس تاجر کے مکان کو بھی انگریزوں کے چھپانے کی پاداش میں جلا ڈالا۔ ایک انگریز عورت ہندوستانی لباس میں ٹیلیوڑف تالاب کے پاس سے گزر رہی تھی جسے سواروں نے قتل کر ڈالا۔ پیدل سپاہی زبردستی تمام شہر کے حلوائیوں کی دکانوں پر جا پڑے اور دکان میں کچھ بھی نہ چھوڑا۔ بادشاہ یہ خبر سن کر بہت متاثر ہوئے اور منیر الدین خاں سابق پولیس افسر پہاڑ گنج کو حاکم شہر مقرر کیا اور ایک پیدل رجمنٹ ہمراہ دے کر چیف پولیس اسٹیشن پر روانہ کیا اور تاکید کی کہ فوراً ہی قتل و خونریزی بند کی جائے۔ مرزا نے کہیں آ کر بادشاہ سے کہہ دیا کہ سپاہی اس وقت چاوڑی بازار لوٹ رہے ہیں۔ بادشاہ نے فوراً تمام رجمنٹوں کے صوبہ داروں کو حکم دیا کہ شہر میں سے فوجیں ہٹالی جائیں اور ایک رجمنٹ قلعہ کے پاس اور ایک دہلی دروازہ پر رہے۔ باقی ایک ایک دو دو دستہ ہر دروازہ مثلاً اجمیری دروازہ' لاہوری دروازہ' فراش خانہ' کشمیری دروازہ وغیرہ پر مامور کیا جائے اور ایک کمپنی دریا گنج بازار میں رکھی جائے اور فرمایا کہ ما بدولت کو اپنی رعیت کی غارتگری ہرگز منظور نہیں۔ پیدل اور سواروں نے کوچہ گرسیتہ کو لوٹنے کا قصد کیا' مگر باشندوں نے مکانات کے دروازے بند کر لئے اور اندر سے سپاہیوں پر پتھر اور اینٹ برسائے جس سے سپاہ پسپا ہو کر واپس چلی گئی۔ کئی کلرکوں نے عورتوں کے ساتھ راجہ کلیان سنگھ کشن گڑھ والے کے ہاں پناہ لی۔ سواران کی تلاش میں وہاں پہنچے اور بندوقوں اور پستولوں سے فیر کرتے رہے۔ انگریزوں نے بھی فیر کئے جس سے باغی غضبناک ہوئے اور دو توپیں لا کران پر فیر کرنا چاہا مگر کلرک زمین دوز کوٹھڑیوں میں چھپ گئے۔ بادشاہ نے مرزا مغل کو شہر کے قتل و غارت کو فرو کرنے کا حکم دیا۔ مرزا مغل ہاتھی پر سوار ہو کر چیف پولیس اسٹیشن پہنچے اور اعلان کیا کہ جو شخص لوٹ مار کرتا ہوا پایا جائے گا' اس کی ناک اور کان کاٹے جائیں گے اور اگر دکاندار اپنی دکانیں نہ کھولیں گے اور سپاہیوں کو سامان دینے سے انکار کریں گے تو جرمانہ اور قید کے مستوجب ہوں گے۔ علیا حضرت ملکہ تاج محل حراست سے آزاد کی گئیں۔ دو انگریز چیف پولیس اسٹیشن کے سامنے جاتے ہوئے قتل کر دیئے گئے۔ وہ ہندوستانی لباس پہنے ہوئے تھے۔ دو پیدل رجمنٹیں اور کچھ توپیں لے کر بادشاہ شہر میں نکلے۔ وہ ہاتھی پر سوار تھے اور ان کے پیچھے مرزا جواں بخت بیٹھے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے عام راستوں کی دکانیں کھلوانے اور ضروریات فوج کو پورا کرنے اور سپاہیوں کو سودا دینے کی دکانداروں کو تاکید کی اور پھر قلعہ میں واپس تشریف لے گئے۔ حسن علی نے بوساطت حکیم احسن اللہ خاں ایک

سنہری مہر بادشاہ کی نذر کی اور اعلیٰ حضرت نے انہیں لایق سمجھ کر اپنی مصاحبت میں رکھ لیا۔ مرزا منیر الدین کو خلعت فاخرہ اور دہلی کی گورنری دی گئی۔ مرزا نے چار روپے بطور نذرانہ پیش کیے۔

بروز بدھ۔ ۱۳ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ عبادت خانہ میں تشریف لائے۔ نواب محبوب علی خاں و دیگر روساء نے نذریں پیش کیں۔ ناظر حسن مرزا کو مرزا امیر الدین کے لانے کا حکم دیا گیا۔ ناظر نے واپس آ کر کہا کہ مرزا بیمار ہیں اس وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتے۔ مرزا منیر الدین چیف پولیس افسر شہر سے کہا گیا کہ فوج کو رسد نہیں روانہ کی گئی ہے لہٰذا اس کے بندوبست میں دیر نہ کی جائے۔ حسن علی خاں حاضر تھے۔ بادشاہ نے ان سے فرمایا "فوج قلعہ میں جمع ہو گئی ہے کیا کرنا چاہئے؟ خان موصوف نے جواب دیا کہ یہ سپاہی اپنے مالکوں کے قاتل ہیں۔ ان پر چنداں اعتبار نہ کیا جائے۔ شاہ نظام الدین پیرزادہ اور بڈھن صاحب فرزند نواب محمد خاں مرحوم کو مدبرین کی کانفرنس میں شریک کرنے کا حکم دیا گیا۔ مرزا مغل، مرزا خیر سلطان، مرزا عبداللہ وغیرہ پیادہ رجمنٹوں کے کرنل مقرر ہوئے اور انہیں فی الفور ہر ایک کو دو توپیں ہمراہ لے کر کشمیری، لاہوری اور دہلی دروازوں پر حفاظت کے لئے جانے کا حکم ملا۔ شاہ نظام الدین نے کہا کہ سواروں نے نواب میر حمید علی خاں کو اس الزام کی بناء پر گرفتار کر لیا ہے کہ ان کے مکان میں انگریز چھپے ہیں۔ حالانکہ میر صاحب نے انہیں یہاں تک یقین دلایا کہ اگر ایک انگریز بھی نکل آئے تو انہیں خود کو قید کر لیا جائے۔ اس پر بادشاہ نے شاہ نظام الدین کو پیدل و سواروں کے ہمراہ جا کر مکان کی تلاشی لینے کے لئے روانہ کیا۔ حسب حکم شاہ نظام الدین اور مرزا ابوبکر وہاں گئے مگر کسی انگریز یا اینگلو انڈین کو نہیں پایا۔ یہ دیکھ کر سواروں نے لوٹا ہوا مال واپس کر دیا اور میر صاحب کو رہا کر دیا۔ مرزا ابوبکر سواروں کی رجمنٹ کے کرنل مقرر کیے گئے۔ خبر پہنچی کہ کشن گڑھ کے راجہ کلیان سنگھ کے مکان میں انتیس نفر مرد، عورت اور بچے یورپین چھپے ہیں۔ یہ سنتے ہی سواروں اور پیادوں نے انہیں جا کر قید کیا اور بندوقوں کی باڑھ مار کر ہلاک کر ڈالا۔ کچھ سوار کرنل اسکنر کے مکان میں گھس گئے اور ان کے لڑکے جوزف اسکنر کو چیف پولیس اسٹیشن کے سامنے لا کر مار ڈالا۔ کسی کی ترغیب سے پیدل اور سوار نارائن داس و رام چرن داس ڈپٹی کلکٹر کے مکان میں یہ بیان کر کے گھس گئے کہ یہاں انگریز چھپے ہیں اور لوٹ مار کر کے چلتے بنے۔ کچھ سپاہیوں نے قاضی بنوں اور ان کے لڑکے کو شہید کر دیا۔ دو انگریز ہندوستانی لباس پہنے بدررو دروازہ سے باہر جا رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی مار ڈالا گیا۔ بادشاہ نے ہر ایک رجمنٹ کو مصارف کے لئے چار سو روپے عطا کیے۔ چیف پولیس افسر نے شہر میں اعلان کر دیا کہ جن لوگوں کو ملازمت کی خواہش ہو وہ اپنے ہتھیار لے کر فوراً چلے آئیں اور جو شخص کسی انگریز کو اپنے مکان میں چھپائے گا اس سے مجرموں کے مانند برتاؤ کیا جائے گا۔ نواب احمد علی خاں اور ولی داد خاں ساکنان مالاگڑھ عندالطلب حاضر ہو کر کورنش بجا لائے اور انہیں روزانہ حاضر دربار ہونے کا حکم فرمایا گیا۔

بادشاہ نے خاص خاص تاجران غلہ کو طلب کیا اور نرخ کم کر کے تمام اجناس بازار میں فروخت کرنے کا حکم دیا۔

میرزا منیر الدین خاں نے دو سو آدمیوں کو "دریا سڑک" پر انتظام قائم کرنے کے لئے مامور کیا۔ سقوں نے لال کنویں کے کسی دکاندار کا مکھن چرا لیا تھا انہیں گرفتار کیا گیا۔ قلی خاں اور سرفراز خاں مع دیگر لٹیروں کے جنہوں نے تیلی واڑہ سبزی منڈی میں ڈاکہ زنی کی تھی، گرفتار کر لئے گئے۔

بروز جمعرات۔ ۱۴ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ کمرہ خاص سے برآمد ہو کر عبادت خانہ میں تشریف لائے۔ ناظر حسن مرزا کپتان ولدار علی خاں' حسن علی خاں اور مرزا منیر الدین' مرزا ضیاء الدین اور مولوی صدر الدین حاضر ہو کر آداب بجالائے' مولوی صاحب نے ایک طلائی مہر پیش کی۔ بادشاہ نے انہیں عدالت دیوانی و جوڈیشل کورٹ کا منصف مقرر کیا' مگر مولوی صاحب نے عرض کی کہ مجھے معافی دی جائے۔ حسب الحکم خزانچی سالگ رام حاضر ہوا اور ایک اشرفی نذر کی۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ خزانہ میں کتنا روپیہ تھا؟ اس نے کہا کہ مجھے خبر نہیں۔ پھر بادشاہ نے فرمایا کہ کسی اپنے نوکر کے ذریعہ ہمیں اطلاع دینا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا "بہت بہتر ہے۔" حسن علی خاں نے رحمت علی خاں کو باریاب کرایا اور انہوں نے ایک اشرفی نذر کی۔ بادشاہ نے دریافت کیا "یہ کون ہیں۔" جواب دیا گیا کہ نواب فیض محمد خاں کے صاحبزادے اور حسن علی خاں کے بھتیجے ہیں۔ محمد علی خاں فرزند سالار جنگ نے بھی ایک اشرفی نذر کی۔ بادشاہ نے ان کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ کون ہیں۔ جواب دیا کہ بہادر جنگ رئیس دادری کے بھتیجے۔

رئیس سنوت کا ایجنٹ حاضر ہوا اور عرض کی کہ رئیس کی طبیعت ناساز ہے' اس لئے وہ حاضر دربار نہ ہو سکے۔ پھر ایجنٹ نے جے پور جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو بادشاہ کے حکم سے فی الفور ایک مراسلہ راجہ رام سنگھ والی جے پور کے نام لکھا گیا کہ بہت جلد اپنی فوج لے کر دربار میں حاضر ہو اور ایجنٹ کو لے جانے کے لئے دے دیا گیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ بہت جلد جے پور پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد نواب عبدالرحمٰن خاں والی جھجر' بہادر جنگ خاں والی دادری' اکبر علی خاں والی پاٹودی' راجہ نہر سنگھ رئیس اعظم بلب گڑھ' حسن علی خان رئیس دوجانہ' نواب احمد علی خاں والی فرخ نگر کے نام فی الفور حاضر دربار ہونے کے جدا جدا احکام روانہ کئے گئے۔ مرزا امین الدین خاں و مرزا ضیاء الدین خاں کو ضلع جھجر کہ وگڑ گانوہ کی نظامت عطا کی گئی۔ چند رواں کے گوجر سبزی منڈی' تیلی واڑہ' راجپورہ' مندر یسا وغیرہ کی دکانوں میں رات کے وقت ڈاکہ زنی کرتے ہیں۔ مرزا مغل کو ان گوجروں کی کارروائیوں کے انسداد کا حکم ملا۔ مرزا ابوبکر اپنی رجمنٹ لے کر گاؤں مذکورہ میں پہنچے اور اسے لوٹ کر جلا دیا۔ بہادر سنگھ داروغہ اراضی سرکاری متعلق ریاست لکھنؤ نے ایک طلائی مہر پیش کی۔ ایک انگریز سپاہی انبالہ سے جاسوسی کرنے دہلی میں آیا تھا' اسے گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے حکم دیا کہ قید خانہ میں رکھا جائے۔ چند پیادہ سپاہی اور صوبہ دار جوتا پہنے ہوئے دربار شاہی کے فرش پر چلے آئے۔ بادشاہ نے انہیں نگاہ غضب سے دیکھا اور بہت ناراض ہوئے۔ چنانچہ منیر الدین خان پولیس افسر کے نام حکم جاری کرایا کہ نمبر ۳۸ دیسی پیادہ رجمنٹ کو یہاں سے نکال کر چھاؤنی کی طرف ہٹا دو اور سبزی منڈی و پہاڑی ورنگ کوان کی دست برد سے محفوظ رکھو۔ میرٹھ سے چار آدمیوں نے آ کر کہا کہ انگریزی فوجیں راہ میں ہیں وہ عنقریب یہاں پہنچ کر تمہیں پوری پوری سزا دیں گی۔ سپاہ اس خبر سے بہت ناخوش ہوئی اور ان چاروں کو گرفتار کر لیا۔ پولیس افسر نگمبدہ سیکشن کو مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس کی لاشیں دفن کر دینے اور بقیہ مردوں' عورتوں اور بچوں کی لاشیں دریا میں بہا دینے کا حکم ملا اور انہوں نے اس کی فی الفور تعمیل کی۔ گوجروں نے مسٹر فریزر کے مکان کا تمام فرنیچر لوٹ لیا اور کمشنری اور لفٹنٹ گورنر کے ایجنسی کے تمام کاغذات کو دھجیاں دھجیاں کر ڈالا۔

بروز جمعہ ۔۱۵ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ کمرہ خاص میں تشریف رکھتے تھے۔ مولوی عبدالقادر نے ایک مجوزہ فہرست پیش کی جو انہوں نے بابت تنخواہ افواج مرتب کی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے مولوی صاحب کو ایک دوشالہ عطا کیا اور نواب محبوب علی خاں کا مددگار مقرر کر دیا۔ اس کے بعد مولوی صاحب ہاتھی پر سوار ہو کر مکان واپس گئے۔ رئیس شیو سنگھ والی سمنوت نے اپنے ایجنٹ کی معرفت کچھ ادویات بادشاہ کی نذر کیں۔ بادشاہ نے فی الفور ایجنٹ کو ایک حکم تحریری دیا کہ راجہ بہت جلد دربار میں حاضر ہوں۔ غلام نبی خان داروغہ کو امل میر اضیاء علی سوار کے ہمراہ جو مسٹر فریزر کی اردلی میں تھا' حاضر دربار ہوا اور آداب بجالا کر عرض کی کہ پچاس سوار جو نواب جھجر نے روانہ کئے تھے' پہنچ گئے ہیں مگر نواب صاحب خود بوجہ بدامنی ریاست کے حاضر نہیں ہو سکتے۔
مولوی احمد علی راجہ نہر سنگھ والی بلب گڑھ کے سفیر بن کر آئے اور ایک روپیہ نذر کیا اور راجہ کا خط پیش کیا جس میں راجہ نے لکھا تھا کہ گوجروں نے لوٹ مار مچا رکھی ہے' لہٰذا بوجہ بدامنی ملک ابھی حاضر نہیں ہو سکتا۔ ریاست میں کامل بندوبست ہو جائے تب حاضر دربار ہوں گا۔ راجہ کو فوراً حاضر دربار ہونے کے احکام روانہ کئے گئے۔ خبر پہنچی کہ روہتک کا مجسٹریٹ فرار ہو گیا ہے اور خزانہ وہیں ہے جسے لوگ لوٹنے والے ہیں۔ یہ بھی خبر ملی کہ گوڑگانوہ کا خزانہ لوٹ لیا گیا۔ یہ خبر سن کر بادشاہ نے ایک پیادہ رجمنٹ اور چند سواروں کو روہتک کا خزانہ لانے کا حکم دیا اور عبدالکریم کے نام حکم جاری کیا کہ چار سو پیدل سپاہی اور ایک رجمنٹ سوار بھرتی کئے جائیں اور پیدل سپاہیوں کو پانچ روپیہ اور سواروں کو بیس روپے تنخواہ ملے گی۔ دو سو آدمی بات کہتے میں بھرتی کر لئے گئے۔ عبدالقادر پرعنر نے بادشاہ کے معائنہ کے لئے چند کاغذات پیش کئے اور کہا کہ وہ ان کا بندوبست کر لے گا۔ سواروں کے افسران کے نام بادشاہ نے ایک حکم جاری فرمایا کہ مرزا ابو بکر کرنیلی سے برطرف کر دیئے گئے اور ان لوگوں کو ان کا حکم نہ مان کر صرف بادشاہ کا حکم ماننا چاہئے۔ قاضی فیض اللہ نے بادشاہ کے حضور میں پانچ روپیہ نذرانہ پیش کیا اور چیف پولیس افسر شہر مقرر کئے جانے کی درخواست کی اور ان کی درخواست منظور کی گئی۔

ایک سنار نے اپنے ایک ہم پیشہ شخص کو جس سے دیرینہ دشمنی تھی' قتل کر دیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ جے سنگھ پورہ کے میواتیوں نے ریلوے افسر کے مکان پر ڈاکہ ڈالا اور چار ہزار روپیہ نقد و دیگر اشیاء لے کر فرار ہو گئے۔ سوار اور پیدل جے سنگھ پورہ کو تاراج کرنے کی غرض سے جاتے ہی تھے کہ لالہ بدھا سنگھ سفیر جے پور نے ایک درخواست اس مضمون کی گزرانی کہ بادشاہ باشندگان جے سنگھ پورہ کو امان دیں۔ اس درخواست کی بنا پر ایک حکم جاری کیا گیا کہ کوئی پیادہ یا سوار بادشاہ کی اجازت لئے بغیر جے سنگھ پورہ نہ جانے پائے۔ خبر پہنچی کہ پیدل اور سوار سپاہی سڑکوں پر ننگی تلواریں لئے گشت کرتے پھرتے ہیں اور خوف کے مارے کوئی دکان نہیں کھولی گئی ہے۔ حکم ہوا کہ سوا قلعہ کے پھاٹکوں کے اور کہیں بھی کوئی شخص برہنہ تلوار لے کر نہ نکلے۔ جھجر کے سواروں کے کمانڈنگ کو مہتاب باغ میں رہنے کا حکم ہوا۔ اطلاع کی گئی کہ چودہ کشتیاں گندم و دیگر اجناس سے لدی ہوئیں منج رام جی داس اگروال کی آئی ہیں۔ اس پر دولوالی مل کے نام حکم جاری کیا گیا کہ تم غلہ مذکورہ کو اتروا کر ہمارے یہاں لے آؤ۔ دو پیدل سپاہیوں نے خفیہ طور پر رام جی داس اگروال کے یہاں دو سو روپیہ امانت رکھ دیئے تھے کہ لکھنؤ چل کر لے لیں گے۔ کسی طرح ان دونوں سپاہیوں میں تفیض پیدا ہو گئی اور راز سب پر عیاں ہو گیا تو اسی وقت ایک دستہ سپاہ روپیہ لینے کے لئے روانہ کیا گیا اور ساہوکار نے فوراً روپیہ ادا کر دیا۔ شہر کے تاجروں کو دربار میں حاضر

ہونے کا حکم دیا گیا۔ سواروں اور پیدلوں نے باہم سازش کی اور بادشاہ کے پاس دیوان خاص میں آ کر کہا کہ انہیں الاؤنس اور کپڑے ٹھیک طور پر نہیں ملتے' اس کا بندوبست کر دیا جائے اور شکایت کی کہ حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں انگریزوں سے مل گئے ہیں۔ پھر حویلی لال کنوں میں گئے اور پیرزادہ شاہ نظام الدین کو اس الزام میں گرفتار کر لیا کہ ان کے مکان میں دو انگریز لیڈیاں روپوش ہیں۔ شاہ نظام الدین نے دریافت کیا کہ تمہیں کس نے خبر دی ہے تو سپاہیوں نے کسی شخص کو لا کر کھڑا کیا جو رام پور کا رہنے والا تھا اور جس نے کہا کہ میں نے صرف اڑتی ہوئی خبر سنی ہے۔ شاہ نظام الدین نے سواروں سے کہا کہ اگر کوئی انگریز ولیڈی برآمد ہو جائے تو تمہیں میرا تمام مال لوٹ لینے کی اجازت ہے اور اگر تم اس تہمت کے در پردہ صرف لوٹنے کی غرض سے آئے ہو تو اس کا تمہیں اختیار ہے۔ میں تمہارے فعل کا مزاحم نہیں ہوں۔ یہ سن کر سوار خاموش ہو رہے۔ محبوب علی خاں نے قرآن کی قسم کھائی کہ میں انگریزوں سے نہیں ملا۔ سپاہیوں نے آغا محمد خاں کا مکان لوٹ لیا۔

بروز شنبہ۔ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ دیوان خاص میں تشریف لائے اور دربار منعقد کیا۔ حکیم احسن اللہ خاں' آغا سلطان تقسیم کنندہ تنخواہ' کپتان دلدار علی خاں' رحمت علی خاں و دیگر روساء حاضر ہو کر آداب بجا لائے۔ پیادہ اور سوار سپاہی اپنے افسروں کو ساتھ لے کر دربار میں آئے اور ایک خط پیش کیا جس پر حکیم احسن اللہ خاں اور نواب محبوب علی خاں کی مہریں ثبت تھیں۔ پھر شکایت کی کہ ہم نے یہ خط دہلی دروازہ پر پکڑا ہے جسے حکیم صاحب اور نواب صاحب نے انگریزوں کو روانہ کیا تھا۔ اس میں لکھا ہے کہ انگریز لوگ فوراً چلے آئیں۔ ہم شہر میں داخل کرا دیں گے اور زینت محل بھی انگریزوں سے ملی ہوئی ہیں اس طرح پر کہ جواں بخت تخت نشین کرا دیا جائے گا۔ اس خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ تمام فوج و سپاہ کو تمہارے قبضہ میں کرا دیا جائے گا۔ خط مذکورہ احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں کو بھی دکھایا گیا جسے دیکھ کر انہوں نے کہا کہ یہ جعلی ہے۔ پھر اپنی انگوٹھیاں اتار کر سپاہیوں کے آگے پھینک دیں اور کہا کہ یہ کاغذ ان کا نہیں ہے اور اس کی ثبت شدہ مہریں جعلی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے قسمیں بھی کھائیں کہ یہ کاغذ ان کا نہیں ہے' مگر سپاہیوں کو پھر بھی یقین نہیں آیا۔ کسی نے سپاہیوں کو خبر دی کہ نہر کی چادر کے نیچے بہت انگریز روپوش ہیں۔ سنتے ہی مرزا ابوبکر سپاہیوں کو ہمراہ لے کر چادرہ پہنچے۔ پستول کے کئی فیر کیے مگر وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ پھر پیدل اور سواروں نے تلواریں کھینچ لیں اور حکیم احسن اللہ خاں کو گھیر لیا۔ انہیں پورا یقین تھا کہ وہ ضرور انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور آپس میں کہنے لگے یہی وجہ تھی کہ جو اس نے انگریز قیدیوں کو قتل ہونے سے بچانا چاہا تھا تا کہ جب انگریز آ جائیں تو قیدیوں کو ان کے حوالہ کر دیا جائے اور سپاہیوں کو قتل کرا دے۔ ان کا شک یہاں تک بڑھا کہ وہ قید خانہ سے تمام انگریزوں کو جو عورتوں بچوں سمیت باون تھے باہر نکال لائے اور حوض کے پاس قتل کرنے کے ارادے سے بٹھا دیا۔ شہزادہ مرزا مغلے نے انہیں اس فعل قبیح سے باز رکھنا چاہا اور کہا کہ شرع اسلامی میں عورتوں اور بچوں کا قتل حرام ہے۔ اس پر سپاہیوں نے مرزا کو بھی قتل کرنا چاہا مگر مرزا خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا۔ پھر انہوں نے قیدیوں کو نیچے بٹھا کر پستول کا ایک فیر کیا مگر گولی بادشاہ کے ایک ملازم کو جا لگی جو پیچھے کھڑا تھا۔ اس کے بعد بادشاہ کے مسلح مصاحبوں نے آ کر انگریز مردوں' بچوں اور عورتوں کو تلواروں سے قتل کر دیا۔ جب یہ ہو رہا تھا' اسی وقت دو سو مسلمان حوض پر کھڑے ہوئے مقتولوں کو لعنت کر رہے

تھے۔ اثنائے قتل میں بادشاہ کے ایک مصاحب کی تلوار ٹوٹ گئی۔ قتل کے بعد لاشوں کو دو گاڑیوں میں بھر کر دریا پر لے گئے اور بہا دیا۔ اس واقعہ سے شہر کے ہندوؤں میں بد دلی پھیل گئی اور انہوں نے کہنا شروع کیا کہ ان پوربیوں کو جنہوں نے ایسا پاپ کیا ہے' کبھی انگریزوں پر فتح نصیب نہ ہوگی۔ پھاٹکوں کے گارد تبدیل کیے گئے۔ کسی نے سواروں کو خبر دی کہ خزانچی متھرا داس اور اس کے مکان میں انگریز چھپے ہوئے ہیں' جو چودھری کے کوچہ میں رہتا ہے۔ انہوں نے فی الفور جا کر تلاشی لی مگر کسی انگریز کو نہ پا کر واپس چلے آئے۔ اس موقعہ پر انہوں نے کسی کو کچھ تکلیف نہ دی۔ ایک حکم بیدادخاں کے نام تحریر کیا گیا کہ جمنا کی مشرقی ساحل پر گوجروں نے مفسدہ پردازی پھیلا رکھی ہے۔ اس کا فوراً تدارک کیا جائے۔ لاہوری دروازہ کے دکانداروں نے شکایت کی کہ کاشی ناتھ ان کے حلقہ کا پولیس افسر بطور رشوت ایک ہزار روپیہ طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وہ نہ دیں گے تو باندھ کر چیف پولیس اسٹیشن پر پہنچائے جائیں گے۔ حکیم احسن اللہ خاں نے فوراً قاضی فیض اللہ کو پولیس افسر مندرجہ بالا کی گرفتاری کا حکم روانہ کیا۔

بروز اتوار۔ ۱۷ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ خاص کمروں میں تھے کہ پیدل و سوار اپنے افسروں کو ہمراہ لے کر آئے اور عرض کی کہ انہوں نے سلیم گڑھ کو مستحکم کر لیا ہے۔ اعلیٰ حضرت تشریف لے چل کر ملاحظہ فرمائیں۔ بادشاہ ہوادار پر سوار ہو کر سلیم گڑھ تشریف لے گئے۔ وہاں مشاہدہ کیا کہ توپوں کو کس طریقہ سے نصب کیا گیا ہے اور پھر سپاہیوں کو اپنے متفق الرائے ہونے کا یقین دلا کر اور انہیں زینت محل و احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں پر بدگمانی نہ کرنے اور اعتماد رکھنے کی نصیحت کر کے واپس آ گئے۔ سپاہیوں کا دل بڑھانے کے لئے بادشاہ نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ کسی انگریز کو گرفتار کر کے لائیں گے تو خود میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ یہ سن کر فوجیں مطمئن ہوگئیں اور حکیم احسن اللہ خاں کی بے گناہی کا سب کو پورا یقین آ گیا۔ پل پر ایک شخص گرفتار کیا گیا جس کے پاس سے میرٹھ کے کسی انگریز کا خط برآمد ہوا۔ پیدل سپاہ نے اسے توپ کے منہ سے باندھ دیا اور بہت دیر تک یونہی لٹکائے رکھا۔ باغیوں نے دیوان خاص کو مکان بنا رکھا تھا۔ انہیں وہاں سے نکال کر اسے صاف کیا گیا اور قالینوں و فانوسوں وغیرہ سے آراستہ کیا گیا۔ مرزا امین الدین خاں و مرزا ضیاء الدین خاں حسب الحکم حاضر دربار ہوئے اور کورنش عرض کی۔ انہیں روز مرہ حاضر ہونے کا حکم ہوا تو بیماری کا بہانہ کیا۔ پھر بادشاہ نے فوج بڑھانے کے لئے کہا جس کو انہوں نے منظور کر لیا اور وعدہ کیا کہ وہ ایسا کریں گے۔ بادشاہ نے انہیں فرمایا کہ تم کو ملک کا زرخیز حصہ عطا کیا جائے گا' اگر مابدولت کے احکام کی پوری پوری تعمیل کرو گے۔ اس کے بعد ارادت خاں و میر خاں برادران نواب مصطفیٰ خاں والی جہانگیر آباد' اخبار خاں و دیگر نامی اصحاب حاضر دربار ہوئے اور ہر ایک نے دو دو روپیہ نذر کئے۔ پیدل رجمنٹ کے لئے کرنیلوں کا تقرر زیر بحث رہا۔ گڑھی ہرسرو سے ایک سوار آیا اور خبر دی کہ کئی لاکھ روپیہ ضلع گوڑگانوہ کی آمدنی کا پیدل کی ایک کمپنی اور سواروں کی حفاظت میں دہلی آ رہا ہے' مگر اسی علاقہ میں تین سو میواتیوں اور گوجروں نے خزانے پر حملہ کیا ہے اور لوٹنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سپاہیوں اور لٹیروں میں لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے مولوی محمد باقر کو دو کمپنی پیدل اور ایک رسالہ سوار ہمراہ لے کر گوجروں سے مقابلہ کرنے اور خزانہ بحفاظت لے آنے کا حکم دیا۔ مرزا مغل کے ایک خاکروب کو جاسوس ہونے کے الزام میں سپاہیوں نے پکڑ لیا اور بہت بری طرح زدوکوب کیا۔ بہرکیف مرزا مغل کے حکم پر اسے رہا کر دیا گیا۔

ایک رپورٹ کی گئی کہ جے سنگھ پورہ کے میواتی جنہوں نے ریلوے سپرنٹنڈنٹ کا مکان لوٹا تھا' زخمی ہو گئے ہیں اور انگریزوں کے ملازم ہیں۔ موضع ندھونی کے زمینداروں نے حاضر ہو کر ایک ایک روپیہ نذر کیا اور اپنی وفاداری اور فرمانبرداری کا پورا یقین دلایا۔ بادشاہ نے زمینداروں سے کہا کہ اپنے موضع میں عمدہ انتظام رکھا جائے۔ اگر یہ نہ ہو گا تو اس کے ذمہ دار وہی لوگ ٹھہرائے جائیں گے۔

بادشاہ کے دو قاصد جو خبر لانے کے لئے روانہ کئے گئے تھے' واپس آئے اور خبر لائے کہ تقریباً ایک ہزار سپاہی مع چند انگریز مردوں' عورتوں اور بچوں کے صدر بازار میں جمع ہوئے ہیں اور سورج کنڈ میں قلعہ بندی کی ہے' جہاں ہاتھیوں سے کھنچوا کر توپیں نصب کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ میرٹھ سے سلیم پور تک سڑک پر گوجر لوٹ مار کر رہے ہیں اور میرے ساتھ بھی بدسلوکی سے پیش آئے۔ بادشاہ نے جمنا کے پل پر پیدل کی دو کمپنیوں کو متعین کیا۔ حکیم عبدالحق نے حاضر ہو کر پانچ روپیہ نذر کئے۔ رڑکی سے خندق کھودنے والوں کی پانچ کمپنیاں میرٹھ گئیں۔ انگریزوں نے ان سے اپنا کام لینا چاہا مگر وہ رضامند نہ ہوئے اور انگریزوں نے ان پر حملہ کر کے کئی آدمیوں کو مقتول و مجروح کر دیا۔ جو باقی بچے' وہ بھاگ کر دہلی چلے آئے۔ مہاراجہ نریندر سنگھ والی پٹیالہ' راجہ رام سنگھ والی جے پور' راجہ صاحب الور و راجگان جودھ پور کوٹہ بوندی وغیرہ کے نام حاضر دربار ہونے کے کئی فرمان جاری کئے گئے۔ دو بجے دیوان کشن لال کے برآمدہ سے گر کر مر گئے۔ رپورٹ کی گئی ہے کہ فوجیں انبالہ سے آ رہی ہیں۔ اس کے سوا ہر طرف امن و امان ہے۔

بروز پیر۔ مورخہ ۱۸ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ اپنے کمرہ خاص سے برآمد ہو کر دیوان خاص میں تشریف لائے اور تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے۔ پانچوں رجمنٹوں کے بینڈ باجے آئے اور انگریزی طرز پر باجہ بجایا گیا۔ بادشاہ نے مستحقین کو حسب مراتب ہتھیار و خلعات فاخرہ عطا کئے اور عہدے دیئے۔ مرزا مغل کو کمانڈر انچیف افواج' مرزا کوچک سلطان' مرزا خیر سلطان' مرزا مینڈو و دیگر فرزندوں کو رجمنٹوں کا کرنیل مقرر کیا اور اپنے پوتے مرزا ابوبکر کو سواروں کی رجمنٹ کا کرنیل مقرر کیا۔ مرزا مغل نے دو اشرفیاں اور دیگر شہزادوں نے ایک ایک اشرفی اور ایک ایک روپیہ عہدے عطا کرنے کے شکریہ میں گذرانے۔ حسن علی خاں حاضر ہوئے اور مجرا عرض کیا۔ انہیں روزانہ دربار میں آنے کی ہدایت کی گئی جسے بالمواجہ انہوں نے منظور کیا۔ پھر بادشاہ نے ان سے فوج بڑھانے کے لئے کہا اور بہت سا علاقہ دینے کا وعدہ کیا' مگر انہوں نے کہا کہ وہ ایسا نہ کریں گے بلکہ صرف حضور کی خدمت کیا کریں گے۔ دو سوار جو خط لے کر الور روانہ کئے گئے تھے۔ واپس آئے اور کہنے لگے کہ ہزار ہا گوجر نہیں جانے دیتے۔ مزدوروں اور خندق کنوں کے افسر حاضر ہوئے اور کہا کہ ان کی پانچ کمپنیاں رڑکی سے میرٹھ آ رہی تھیں' جہاں تمام انگریز مع اپنی عورتوں کے کمین گاہ میں جسے دمدمہ کہتے ہیں' محصور ہیں اور انہوں نے مزدوروں کو دہلی آنے سے باز رکھنے کی کوشش بہتیری کی اور میرٹھ میں رکھ کر ان سے کام لینا چاہا۔ تنخواہوں میں اضافہ کرنے کی طمع دلائی مگر مزدوروں نے انگریزوں کی بات نہ مانی جس پر قریب قریب تین بجے کے ایک باڑھ بندوقوں کی ان پر ماری گئی جس سے تین سو سے کچھ زائد آدمی ہلاک ہوئے اور باقی ماندہ بھاگ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کو سلیم گڑھ میں ٹھہرنے کا حکم ملا۔ نواب محبوب علی خاں نے رام جی داس گودام والا' رام جی داس اگروال' سالگ رام خزانچی و مثل اس کے دیگر

مہاجنوں کی ایک فہرست بنائی اور ملازموں کے ہاتھ سے ان کے پاس روانہ کی اور لکھ دیا کہ چونکہ فوج کے روزانہ مصارف پچیس سو روپیہ ہیں پس سب مل کر وہ پانچ لاکھ روپیہ فراہم کر کے مصارف فوج کی کفالت کریں۔ اس پر تمام سوداگر محبوب علی خاں کے پاس گئے اور کہا کہ غدر کے روز ان کا تمام سامان و نقدی لوٹ لیا گیا ہے۔ اب وہ کہاں سے روپیہ لائیں؟ رام جی داس نے کہا کہ اگر محبوب علی خاں دوسرے مہاجنوں سے لے لیں گے تو میں بھی بلا عذر دے دوں گا۔ مرزا ابوبکر سواروں کی رجمنٹ لے کر چندراول اور وزیر آباد کے گوجروں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے مگر ان کے جانے کے قبل ہی گوجر فرار ہو چکے تھے۔

بروز منگل۔ مورخہ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ کمرہ خاص میں سے دیوان خاص میں تشریف لائے۔ دو سوار میرٹھ سے آئے اور اطلاع دی کہ ایک فوج جس میں پیدل و توپخانہ شامل ہے' کئی لاکھ روپیہ لے کر بریلی اور مراد آباد سے میرٹھ پہنچی ہے۔ انگریزوں نے ان سے میرٹھ کی فوجوں کے باغی ہو جانے اور انگریزوں کے قتل کر ڈالنے کی شکایت کی جس پر بریلی کی فوج نے جواب دیا کہ انگریزوں نے بھی تین سو مزدوروں اور خندق کھودنے والوں کو مار کر اپنا حوصلہ نکال لیا ہے اور کچھ شک نہیں جو وہ ہم سے بھی ایسا ہی برتاؤ کریں۔ یہ جواب سن کر انگریز اپنے مورچوں پر چلے گئے اور گولہ باری شروع کی جس کا جواب مراد آباد و بریلی کی فوجوں کی طرف سے بھی ترکی بہ ترکی دیا جانے لگا۔ خدا کا فضل ہمارے شامل حال رہا۔ چنانچہ ہم نے ایک فیر ایسا کیا جس سے دشمنوں کی پناہ گاہ بالکل جل گئی۔ بادشاہ اور تمام فوج یہ سن کر بہت خوش ہوئی اور اپنی خوشی کے اظہار میں سلیم گڑھ میں پانچ فیر توپوں کے کئے۔ اس کے بعد یہ خبر آئی کہ گڑھی ہرسرو میں گوڑ گانوہ کا مجسٹریٹ بھاگتے بھاگتے سترہ ہزار روپیہ رکھ گیا تھا۔ چنانچہ ایک سو سوار اور دو کمپنیاں پیدل اس روپیہ کو لے آئی ہیں۔ حکم دیا گیا کہ اسے خزانہ میں داخل کرو۔

بیجا بائی کا بھیجا ہوا سوار آیا اور عرض کی کہ ہماری مالکہ نے دریافت کیا ہے کہ کیا انگریزوں اور ان کی عورتوں کو قتل کیا گیا ہے یا نہیں۔ انہیں ان خبروں پر یقین نہیں ہے وہ مستند شہادت چاہتی ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ یہاں جتنے انگریز تھے وہ سب قتل کر دیئے گئے اور اپنے دو سو سوار اور مراسلہ شاہی اس کے ہمراہ دے کر گوالیار روانہ کیا گیا اور زبانی بھی کہہ دیا کہ بائی صاحب سے کہہ دینا کہ تمام فوج لے کر یہاں چلی آئیں اور اپنی وفاداری کا ثبوت دیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے دیوان خاص میں دربار کیا اور ایک خلعت فاخرہ مع ایک چاندی کی دوات کے اور ایک خطاب "وزیر اعظم ممالک ملتوحہ"... (نام نہیں ہے۔ غالباً جواں بخت جو اس وقت مقرر کیا گیا تھا اس عہدہ پر ممتاز کیا گیا ہو گا) کو عطا کیا۔ مرزا نے اس اعزاز کے شکریہ میں دس طلائی مہریں پیش کش کیں۔ بادشاہ نے ایسا ہی ایک خلعت اپنے فرزند مرزا بختاور شاہ کو نمبر ۲۴ دیسی پیدل کا کرنیل مقرر کرتے وقت عطا کیا۔ مرزا نے دو طلائی مہریں اور پانچ روپے بطور شکریہ نذر کئے۔ پھر اعلیٰ حضرت نے ہر ایک مقرر کردہ کرنیل کو ایک جفت نقارہ دیا۔ ناظر حسن مرزا کو کنور اجیت سنگھ پٹیالہ والہ کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ کنور صاحب نے حاضر ہو کر ایک طلائی مہر نذر کی۔ انہیں بھی ایک خلعت عطا کیا گیا جس کے بعد میں انہوں نے پانچ روپے پیش کئے۔ بادشاہ نے فرمایا وہ کنور صاحب کو بہت عرصہ سے جانتے ہیں جب سے کہ وہ دہلی میں رہا کرتے تھے۔ احمد مرزا اور فرزند حکیم عبدالحق حاضر ہوئے اور پانچ پانچ روپیہ نذر کئے۔ محمد اخبار علی خاں کا روانہ کردہ رسالدار حاضر ہوا اور دو روپے اپنی طرف

سے نذر کیے اور ایک عرضی اخبار علی خاں کی پیش کی جس میں لکھا تھا کہ ریاست کا پورا بندوبست کرنے کے بعد فوراً حاضر دربار ہوں گا۔ تھو درزی کے مکان میں دو انگریز مرد اور تین لیڈیاں دو بچے پوشیدہ تھے جنہیں سواروں نے جا کر گرفتار کر لیا اور درزی بیچارے کے مکان میں آگ لگا دی۔ بادشاہ نے ان قیدیوں کو سپاہ کی زیر حراست رکھا۔ اعلیٰ حضرت سلیم گڑھ تشریف لے گئے تھے جہاں تمام فوجوں نے سلامی دی۔ نمبر ۲۰ پیدل نے کہا کہ میرٹھ کے مورچوں کے جل جانے کی خبر انہیں صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ان کا ارادہ خود جا کر مورچوں کو اڑا دینے کا ہے۔ بادشاہ نے فرمایا اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور کہا کہ اپنے جنرل مرزا مغل کے احکام کی ہر حال میں تعمیل کرو۔ اور ان کے بغیر حکم کوئی کام نہ کرو ایک حکم قاضی فیض اللہ چیف پولیس افسر شہر کے نام جاری کیا گیا کہ جمنا کے پل کی دو کشتیاں الگ ہوگئی ہیں لہٰذا سو مزدوروں کو مرمت کے لئے روانہ کرو۔ خبر پہنچی کہ علمائے دین نے تمام شہر کے مسلمان باشندگان کو جمع کر کے انگریزوں سے جہاد کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ کفار کو قتل کرنے سے اجر عظیم ملتا ہے۔ ہزاروں مسلمان ان کے علم کے نیچے جمع ہو گئے اور جب بادشاہ نے یہ خبر سنی تو ان لوگوں کو خبر بھیجی کہ جن سے تم جہاد کرنا چاہتے ہو وہ سب مار ڈالے گئے اور حکم روانہ کیا کہ علم سرنگوں کر دیا جائے۔ خود مولوی صدر الدین جامع مسجد گئے اور دیر تک عالموں سے بحث کرتے رہے اور جھنڈا بلند کرنے کو بیکار ثابت کیا۔ غلہ ڈنگر وغیرہ کی کئی گاڑیاں شہر سے باہر پکڑی گئیں اور اندر لائی گئیں۔

بروز بدھ۔ مورخہ ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ کمرۂ خاص میں سے برآمد ہوئے۔ دیوان خاص میں دربار منعقد کیا۔ محمد سعید حاضر ہوئے اور انہوں نے سلام علیک کی۔ بادشاہ نے کہا "کیا انہی (مولوی) نے انگریزوں سے جہاد کرنے کا علم بلند کیا تھا؟ لیکن جب وہ سب قتل ہو چکے تو پھر ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" مولوی صاحب نے کہا کہ "وہ ہندوؤں کے برخلاف جہاد کرنا چاہتے ہیں۔" اس پر بادشاہ نے کہا کہ "وہ ہندو اور مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں اور وہ ہندوؤں کے برخلاف کوئی مذہبی جنگ نہیں کرنی چاہتے۔" پھر کہا کہ "عیسائیوں کو اگر کہتے ہو تو وہ تمام قتل کر دیئے گئے۔" اس کے بعد ہندو افسران فوج حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ مسلمان باشندوں نے ان کے برخلاف اسلامی علم بلند کیا ہے' لیکن بادشاہ نے انہیں یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ ان کا مقصد صرف انگریزوں کا قتل تھا۔ افسروں نے بیان کیا کہ ایک شخص جو میگزین میں ملازم تھا' تانبے کی چھوٹی توپ چرا لے گیا تھا۔ اسے پل پر گرفتار کیا گیا ہے۔ بادشاہ نے اسے توپ سے اڑا دینے کی سزا مقرر کی۔ مرزا امین الدین خاں' مرزا ضیاء الدین خاں' حسن علی خاں اور رحمت علی خاں حاضر ہوئے اور مجرا عرض کیا۔ بادشاہ نے مہربانی فرما کر ایک ایک دستی چوب عطا کی۔ جس کے شکریہ میں ہر ایک نے پانچ روپیہ نذر کیے۔ مرزا مغل کو حکم موصول ہوا کہ چار توپیں اور چار پیدل رجمنٹیں لے کر میرٹھ جائیں اور انگریزوں کے مورچوں اور پناہ گاہ کو اڑا دیں۔ مرزا مغل نے جواب میں کہا کہ ہمارے ہمراہ مرزا امین الدین خاں' مرزا ضیاء الدین خاں' حسن علی خاں جنہوں نے بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں ہیں' بھیجے جائیں اور انگریزوں کے قتل کرنے کا مرزا صاحب نے وعدہ کیا۔ اس جواب کو سن کر تمام رؤساء چپ ہو گئے اور کسی نے جانے کے لئے "ہاں" نہیں کی۔ بادشاہ نے یہ حالت دیکھ کر مرزا ابوبکر کو فوج لے کر جانے کا حکم دیا اور نواب محبوب علی خاں اور حکیم احسن اللہ خاں کو فوج کے میرٹھ کے مصارف کا انتظام کر دینے کا حکم دیا۔

پیدل سپاہیوں نے میرٹھ سے ایک گاڑی آتی دیکھ کر اس پر حملہ کیا اور زیور لوٹ لیا۔ بعض سپاہیوں نے مبارک باغ میں جو چھاؤنی کے عقب میں تھا' جستجو کی اور دو انگریزوں کو چھپے ہوئے پا کر قتل کر دیا۔ افسران فوج نے آ کر درخواست کی کہ پانچ انگریز عورتیں جو مقید ہیں' ہمارے حوالہ کر دی جائیں۔ بادشاہ نے مولوی محبوب علی صاحب کو از روئے شرع مسئلہ بتانے کا حکم کیا۔ مولوی صاحب نے شرعی مسئلہ ان کے سامنے پیش کر دیا کہ اسلام میں عورتوں کا قتل جائز نہیں ہے۔
پھر بادشاہ اپنے کمرہ خاص کی خفیہ انجمن میں جہاں ملکہ اور مکند لال سیکریٹری تھے' تشریف لے گئے۔
چار بج گئے۔ عدالت کل گیارہ بجے تک کے لئے برخاست کی جاتی ہے۔

سترہویں روز کی کارروائی

یوم چہار شنبہ۔ مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۵۸ء
عدالت قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں منعقد ہوئی۔
پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔
ملزم مع اپنے مختار غلام عباس حاضر کئے گئے۔
اقتباسات اخبار "صادق الاخبار" فارسی زبان میں پڑھے گئے۔ پھر ان کا ترجمہ پڑھا گیا جو ذیل میں درج ہوا۔

۶ جولائی ۱۸۵۷ء۔ ایک حکم جس پر مہر شاہی ثبت تھی' بنام کمانڈر انچیف جاری کیا گیا' جس میں فوج کے روزانہ الاؤنس کی بابت تحقیقات کی ہے اور حکم دیا ہے کہ تمام فوجی امور کو اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے۔

۷ جولائی ۱۸۵۷ء۔ ایک مراسلہ راجہ گلاب سنگھ والی کشمیر نے اس اطلاع کے لئے کہ ان کا اقتدار حکومت لاہور لاہور کے قرب وجوار میں مستحکم ہو گیا ہے' بھیجی اور ایک دوست محمد خاں کی درخواست ہے کہ حاضر دربار ہونا چاہتا ہوں۔ ہر دو درخواستیں جنرل بہادر کے پتہ پر موصول ہوئی ہیں جن کے جواب میں مراسلات جاری کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔

۹ جولائی ۱۸۵۷ء۔ خبر موصول ہوئی ہے کہ بختیار خاں نے ایک فوج تیار کر کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے روانہ کی ہے' جو جوہر مردانگی دکھا رہی ہے۔ قاصد دم بہ دم فتح کی خبریں لا رہے ہیں۔

۱۱ جولائی ۱۸۵۷ء۔ اقتباس کورٹ گزٹ (سراج الاخبار) یہ سب پر روشن ہو چکا ہے کہ بادشاہ نے دربار منعقد کرنا شروع کر دیا ہے۔ آج رؤساء و معززین کو باریاب فرمایا گیا۔ ملعون دشمنوں کی نقل و حرکت اور انتظامات جنگ کا مشورہ اور بہادران شاہی کی کارگزاریاں بادشاہ اور اہل دربار کی واقفیت کے لئے پڑھ کر سنائی گئیں۔ غلام نبی خاں کے نام حکم جاری ہوا کہ نواب جھجر کا مکان واقع محلہ دریا گنج مجروحین کے لئے صاف کرا کر رکھا جائے۔ مجاہدین کے خرچ کے لئے کچھ روپیہ عنایت کیا گیا۔

۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء۔ سید علی و بکر علی رؤساء بنارس کی ایک درخواست موصول ہوئی۔ انہوں نے لکھا تھا کہ مردود کفار کی بڑی تعداد انہوں نے قتل کر دی ہے اور اب حضور اقدس کی خدمت میں مشرف ہونا چاہتے ہیں۔ فی الفور عنایت

نامہ سے سرفراز کیا گیا۔

۱۳ جولائی ۱۸۵۷ء۔ جنرل بہادر نے عرضی روانہ کی کہ بحکم خدا آگرہ فتح کر لیا گیا۔ اکیس توپوں سے بادشاہ کو سلامی دی گئی۔ باجے والوں نے انگریزی باجہ بجایا۔ انگریزی سارنگیاں' ڈھول' شہنائیاں وغیرہ خوشی کے اظہار میں بجائی گئیں۔ دو جاسوس مع انگریزی خطوط کے گرفتار کیے گئے اور تحقیقات کی غرض سے مرزا مغل کے پاس روانہ کیے گئے۔ افسران جھانسی رجمنٹ کی ایک درخواست قتل کفار کے متعلق موصول ہوئی جس کا جواب ارسال فرما دیا گیا۔

۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء۔ جسین بخت خاں کو ایک شاہی مراسلہ روانہ کیا گیا کہ جھانسی کی فوج سے طیں جو کل صبح آ کر اجمیری دروازہ کے باہر قیام کرے گی۔

۱۶ جولائی ۱۸۵۷ء۔ افسران جھانسی فوج حاضر ہوئے اور اپنی وفاداری کے اظہار میں تلواریں اور بندوقیں زمین پر ڈال دیں۔ بادشاہ نے شفقت فرمائی اور سردست دو ہزار روپیہ خرچ کے لئے عنایت کیا۔

۱۷ جولائی ۱۸۵۷ء۔ ایک اطلاع موصول ہوئی کہ پیدل کی دو رجمنٹیں انبالہ سے حاضر ہوئی ہیں۔ مرزا مغل کو حکم دیا گیا کہ گذشتہ آئی ہوئی رجمنٹوں میں کہیں ان کو بھی ٹھہرا دیا جائے۔

۱۸ جولائی ۱۸۵۷ء۔ قبرستان میں کئی جاسوسوں کو گرفتار کیا گیا ہے۔

۱۲ اگست ۱۸۵۷ء۔ ایک عرضی گورنر جنرل کی طرف سے موصول ہوئی کہ غنیم پسپا ہو رہا ہے۔ اس پر ایک حکم لکھا گیا کہ عرضی ہٰذا داخل دفتر کی جائے۔

۱۴ اگست ۱۸۵۷ء۔ جنرل سدھاری سنگھ افسران فوج و دیگر ممتاز افسران حاضر ہوئے۔ مجرا عرض کیا اور میدان جنگ سے دفعیہ کفار کی تدابیر پیش کیں۔ بادشاہ ان سے بہت دیر تک گفتگو کرتے رہے۔

۱۵ اگست ۱۸۵۷ء۔ بادشاہ نے دو احکام جاری فرمائے۔ ایک نواب ولی داد خاں کی درخواست کا جواب جس میں لکھا گیا کہ انگریزوں کو سامنے سے ہٹا دینے کے بعد افواج روانہ کی جائیں گی۔ دوسرا راجہ الور کے نام کہ خراج مع عرضی فی الفور روانہ کرو۔

۱۶ اگست ۱۸۵۷ء۔ بادشاہ افواج کی مردانگی و شجاعت کے کارنامے سن رہے تھے کہ معاً خبر آئی کہ دلیر فوج نے مورچوں پر قبضہ پانے کی عزت حاصل کی۔ فوراً فوج اور بارود ان کی ہمت افزائی کے لئے بھیجنے کا حکم دیا گیا۔

۱۷ اگست ۱۸۵۷ء۔ خبر موصول ہوئی ہے کہ ہماری سپاہ مورچوں میں جا کر نہایت دلاوری سے غنیم سے برسرپیکار ہے۔ شام کے وقت افسوسناک خبر ملی کہ میگزین واقعہ محلہ چوڑی والہ میں یک بیک آگ لگ گئی جس سے صدہا وہاں کے کام کرنے والے مرد و عورت جل کر کوئلہ ہو گئے اور بارود نے عمارت کو بالکل مسمار کر دیا۔ پیدل سپاہ جو ہمیشہ ایسے مواقع سے فائدہ اٹھاتی رہتی ہے یہ سنا تو بگڑ گئی۔

اور جناب وقار الملک (حکیم احسن اللہ خاں' طبیب شاہی) پر میگزین میں آگ لگانے کا جھوٹا الزام لگا کر ان کے مکان کا صفایا کر دیا۔ جو چیز جس کے ہاتھ آئی' لے کر چل دیا۔ نیز ہمسایوں کے مکانات لوٹے گئے۔ بادشاہ یہ سن کر بہت غضبناک ہوئے اور حکیم صاحب کو بہت تسلی تشفی دی اور اعلان کر دیا کہ حکیم صاحب کا جو کچھ مال جس شخص نے لیا ہو فی

الفور لا کر یہاں حاضر کردے۔ پھر اعلیٰ حضرت نے یہ دعا پڑھی۔

میرے دشمن ہر طرف سے جمع ہو کر طاقت پکڑ رہے ہیں۔

یا خدا علی مشکل کشا کے طفیل (مدد کر)

تو نے میری مدد کے لئے غیبی فوج روانہ کی ہے......

پس تجھی سے میں فتح وظفر کی دعائیں مانگتا ہوں

اقتباسات ''سراج الاخبار'' جو اصلی فارسی میں پڑھے گئے' پھر ان کا ترجمہ ذیل میں درج ہوا۔

بروز منگل مورخہ ۲۵ اگست ۱۸۵۷ء صبح صادق سے طلوع آفتاب تک مذہبی مراسم کی ادائیگی میں صرف ہوا۔ وقار الملک (طبیب) کو نبض شاہی دیکھنے کی عزت نصیب ہوئی۔ پھر بادشاہ مسند شاہی پر جلوہ افروز ہوئے اور ممتاز شرفا کو دربار شاہی میں باریاب ہونے کی عزت بخشی۔ انہوں نے بیحد ادب و احترام کا اظہار کیا۔ اعلیٰ حضرت نے دو فرمانوں کا معائنہ کیا جو دفتر خاص میں تیار کئے گئے تھے۔ ایک بہادر علی خاں' حسن علی خاں' درگا پرشاد' بھوپ سنگھ' افسران فوج پشاور کے نام تھا جس میں انہیں تاکید کی تھی کہ مع فوج فی الفور دربار شاہی میں حاضر ہوں اور معقول خزانہ بھی ہمراہ لیتے آئیں۔ دوسرا بنام شہزادہ مرزا محمد کوچک جس میں تحریر تھا کہ نصیر آبادی فوج کی تنخواہ تقسیم کردی جائے۔ بعد ملاحظہ شاہی ان پر مہر خاص ثبت کی گئی۔ پھر حکم شاہی سے انہیں روانہ کر دیا گیا۔ پھر اعلیٰ حضرت نے ان درخواستوں پر توجہ مبذول فرمائی۔ اول نادر علی خاں پسر محمد عبد الغفار خاں سکنہ مصطفیٰ آباد عرف رامپور کی درخواست جس میں وفاداری اور خیر خواہی کا اعتراف کیا گیا تھا اور تحریر تھا کہ دربار شاہی میں حاضر ہونے کی خواہش ہے۔ دوم راجہ نہر سنگھ والی بلب گڑھ کی جس میں اطاعت شعاری' خیر خواہی' وفاداری کا اظہار کیا گیا تھا اور میر فتح علی خاں کی معرفت روانہ کی گئی تھی۔ سوم وارث محمد خاں بھوپالی کی درخواست جس میں چھپن انگریزوں کو قتل کردینے کی خبر درج کی ہوئی تھی اور ایک اعلان کی کاپی بھی درخواست کے ساتھ شامل تھی جو باشندگان شہر و ملک کو کفار کے قتل کی تحریص و ترغیب دلانے کے لئے تقسیم کیا گیا تھا۔ نیز ایک فرمان شاہی مانگا تھا۔ چہارم کاشی راؤ بل کروالی اندور کی درخواست جس میں انہوں نے محبت وفاداری جتائی تھی اور خیر خواہی بادشاہ کا اعتراف کیا تھا اور اپنے عزم بالجزم سے مطلع کیا تھا جو انہوں نے انگریزوں کے قتل پر کیا تھا اور پانچ انگریزوں کے سر روانہ کئے تھے۔ پنجم محمد امیر خاں پسر غلام محمد خاں ابن عبد الصمد خاں رئیس دوجانہ کی ایک درخواست تھی۔ متذکرہ بالا درخواستوں کو پڑھ کر اعلیٰ حضرت نے حکم دیا کہ بعد مزید غور ان کا جواب لکھا جائے۔ افسران فوج نے دربار شاہی میں حاضر ہو کر کہا کہ محمد بخت خاں گورنر جنرل بہادر حضور کی فوج ظفر موج کے ہمراہ دشمنان دین سے لڑنے تشریف لے گئے ہیں اور بہت جانفشانی دکھا رہے ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے کمک ارسال کرنی ضرور ہے۔ اسی وقت ایک حکم جاری کیا گیا کہ ایک دستہ فوج اور روانہ کر دیا جائے۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت کمرہ خاص میں تشریف لے گئے۔ دوپہر کو خاصہ تناول فرمایا جس کے بعد دل بہلاتے رہے۔ پھر آپ نے نماز فریضہ ادا کی اور اس میں اتنے عرصہ مصروف رہے کہ عصر کا وقت آ گیا اور عصر کی نماز بھی آپ نے پڑھی۔ دن ختم ہونے کے قریب وقار الملک (طبیب شاہی) کو نبض دکھانے کی عزت عطا فرمائی۔ بعد ازاں سیر و تفریح کی غرض سے سلیم گڑھ باغ تشریف لے گئے۔ سلیم گڑھ سے واپس ہو کر اپنے کمرۂ خاص میں چلے گئے۔ افسران فوج مقیم تیلی

واڑہ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ انہیں مدد نہیں پہنچائی گئی۔ پھر حضور دیوان خاص میں برآمد ہوئے اور دربار کیا مگر فوراً ہی بہت خفا اور ناراض ہو کر واپس تشریف لے گئے۔ غروب آفتاب کے بعد حاضرین دربار کو جانے کی اجازت مل گئی۔

بروز بدھ۔ ۲۶ اگست ۱۸۵۷ء

صبح سے طلوع آفتاب تک اعلیٰ حضرت وظائف میں مشغول رہے جس کے بعد وقار الملک (طبیب شاہی) کو نبض دکھائی۔ پھر تخت پر رونق افروز ہوئے۔ معزز عمائد نے چاند کے گرد ہالہ کے حلقہ کی طرح اعلیٰ حضرت کو گھیر لیا۔ افسران فوج نے آ کر عرض کی کہ فوجیں غنیم سے مقابلہ کر رہی ہیں اور داد شجاعت دے رہی ہیں لہٰذا ان کے لئے کمک ارسال کی جائے۔ احکام جاری کئے گئے کہ تمام پیدل و سوار مہم پر جائیں۔ بعدہ بادشاہ نے ان تین احکام کا ملاحظہ کیا جو دفتر خاص میں تیار کئے گئے تھے اور مہر شاہی ثبت کر کے فوراً روانہ کرنے کی ہدایت کی۔

حکم اول۔ بنام افسران فوج کہ نصف فوج نجف گڑھ کے مورچہ پر اور نصف تیلی واڑہ کے مورچہ کو روانہ کی جائے۔

حکم دوم۔ بنام مرزا محمد ظہور الدین بہادر کہ محاصرہ کیا جائے اور فوج کو اپنے اختیار کامل میں رکھا جائے۔

حکم سوم۔ بنام ٹھاکر چمن سنگھ برائے طلبی برادران ٹھاکر مذکورہ۔

شہزادہ محمد عظیم بہادر کی ایک درخواست موصول ہوئی جس میں اپنی مشکلات کا اظہار تھا جو غنیم کی فوجوں کے اچانک آ پڑنے سے پیش آئی تھیں اور سپاہ و توپخانہ کی کمک مانگی تھی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک مراسلہ شاہی درخواست کے جواب میں لکھ دیا جائے۔ پھر بادشاہ دربار سے اٹھ کر اپنے کمرہ خاص میں تشریف لے گئے۔ دوپہر کو خاصہ تناول فرمایا اور پھر آرام کیا۔ نماز ظہر سے فارغ ہو کر ذکر و شغل میں مصروف ہو گئے۔ پھر عصر کی نماز پڑھی۔ غروب آفتاب کے قریب اعلیٰ حضرت مع اپنے تمام اراکین کے باغ سلیم گڑھ برائے تفریح تشریف لے گئے۔ شام کو واپس آئے اور کمرۂ خاص میں تشریف لے گئے۔

بروز جمعرات۔ ۲۷ اگست ۱۸۵۷ء

علی الصباح اٹھ کر اور فرائض مذہبی کو انجام دے کر اعلیٰ حضرت نے طبیب شاہی وقار الملک کو نبض دکھائی۔ پھر اعلیٰ حضرت سریر آرائے مسند ہوئے جبکہ ان کے مشہور فرزندوں اور عمائد دربار نے مجرے عرض کئے۔ پھر بل دیو سنگھ کندے کش نے نذر گزرانی تو اعلیٰ حضرت نے بے انتہا الطاف و شفقت سے ایک دوشالہ عطا کیا اور اس نے بعد میں نذر بطور شکر پیش کی جو قبول کر لی گئی۔ بادشاہ نے حسب ذیل چھ فرمانوں کا جو دفتر خاص میں تیار کئے گئے تھے ملاحظہ کیا۔ پھر حکم دیا کہ مہر شاہی لگا کر روانہ کر دیئے جائیں۔

اول حکم بنام مرزا محمد خیر سلطان بہادر کہ انہیں چندہ وصول کرنے کا پورا پورا اختیار ہے اور اس معاملہ میں کوئی مانع نہ ہوگا۔

دوم حکم بنام مرزا مغل بہادر و مرزا خیر سلطان بہادر اور افسران فوج اور ممبران کورٹ کہ راجی داس اگروال سے روپیہ دو مرتبہ وصول کر لیا گیا ہے۔ اب کسی حالت میں مطالبہ نہ کیا جائے۔

سوم حکم بنام مرزا عبدالحسن عرف مرزا عبداللہ بجواب درخواست امیر خاں ساکن دوجانا جسے دربار میں حاضر ہونے کی ہدایت کی گئی تھی۔

فرمان چہارم بنام کاشی راؤ ہلکر والی اندور جن کو دربار میں مدعو کیا گیا تھا۔

حکم پنجم راجہ نبر سنگھ رئیس بلب گڑھ کے نام کہ ابلق گھوڑا پہنچ گیا اور تم فوج کی چھیڑ چھاڑ سے خوف نہ کھاؤ۔

فرمان ششم بنام نثار علی خاں پسر عبداللہ خاں رامپوری معرفت فتح علی خاں لکھا گیا جس میں انہیں حاضر دربار ہونے کا ارشاد ہوا تھا۔

کچھ سواروں نے افواج شاہی کی کارگزاریاں اور خصوصاً فوج نیچ کے کارنامے سنانے شروع کیے اور علاقہ نجف گڑھ کے کسانوں کا ساتھ دینا بھی بیان کیا۔ طبیعت ناساز ہو جانے کی وجہ سے اعلیٰ حضرت نے طبیب شاہی کو طلب کیا اور محل سرا میں تشریف لے گئے۔ دوپہر کو اعلیٰ حضرت نے خاصہ تناول فرمایا۔ پھر آرام کیا۔ اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر ذکر و شغل میں مصروف ہو گئے' یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا۔ پھر نماز پڑھی۔ طبیب شاہی نے جو حاضر تھے' دوالمسک بارود تیار کر کے دی۔ دن ختم ہونے کے قریب تمام حاضرین دربار کو جانے کی اجازت ملی۔

جمعہ۔ ۲۸ اگست ۱۸۵۷ء

صبح بعد ادائے فرائض مذہبی اعلیٰ حضرت نے طبیب شاہی کو نبض دکھائی۔ پھر دیوان خاص میں تشریف فرما ہوئے جہاں رؤسا و عمائد نے مجرے عرض کیے۔ خواجہ اسمٰعیل خاں ایک باشندہ کالپی آگے آئے اور باریاب ہونے کے بعد موافق معمول نذر پیش کی۔ اعلیٰ حضرت پر ناتوانی و ضعف غالب آ گیا۔ آپ اٹھ کر کمرۂ خاص میں چلے گئے۔ دوپہر کو خاصہ تناول فرمایا۔ پھر آرام کیا۔ پھر حسب معمول ظہر و عصر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد حکیم صاحب کا تیار کردہ مفرح بارود دیا۔ اس روز دربار برخاست رہا۔ حسب ذیل احکام بمُہر شاہی مہر ثبت کر کے جاری کیے گئے۔

(۱) بنام محمد شفیع بریگیڈیئر دیگر اشخاص بجواب درخواست کہ اعلیٰ حضرت ان سے ناراض یا خفا نہیں ہیں اور نہ نیچ کی فوج پر انہیں کسی قسم کا اشتباہ ہے۔

(۲) بنام مرزا رحمت بہادر کہ امام باڑہ کا کرایہ ادا کر دیا جائے جو ایک مد موسومہ "نیاز نذر" کے خرچ کے لئے وقف ہے۔

(۳) بنام احمد علی خاں رئیس فرخ نگر جنہیں چند توڑے دار بندوقیں بھیجنے کی ہدایت کی گئی۔

(۴) بنام بہادر جنگ چودہ اونٹوں کی ان کی حدود میں چوری ہو جانے کی اطلاع۔ ایک درخواست عبداللطیف خاں رئیس خانپور کی موصول ہوئی جس میں انہوں نے اپنی ناسازی طبیعت کا عذر کیا تھا اور پھر بھی دربار میں حاضر ہونے اور کئی ہاتھی ہمراہ لانے کا وعدہ کیا تھا۔

عدالت ایک بجے برخاست ہو گئی اور مزید کارروائی ۲۷ فروری گیارہ بجے تک کے لئے ملتوی رکھی گئی۔ تاکہ گواہ مسٹر ایوریٹ حاضر ہو سکیں۔

اٹھارھویں روز کی کارروائی

یوم شنبہ۔ مورخہ ۲۷ فروری ۱۸۵۸ء

آج گیارہ بجے قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں عدالت منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم مع مختار غلام عباس عدالت میں لائے گئے۔

جان ایوریٹ رسالدار سابق بے قاعدہ سواران نمبر۴ ار جمنٹ وحال کانسٹبلری فورس طلب کیے گئے اور شہادت دی۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لیے۔

سوال: کیا گیارہ مئی ۱۸۵۷ء کو تم دہلی میں ہی تھے؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: پھر تم نے غدر کے متعلق کیا دیکھا' بیان کرو۔

جواب صبح بوقت نو بجے میرٹھ سے آنے والے باغی شہر میں داخل ہو گئے اور خوف پیدا ہو گیا کہ وہ تمام انگریزوں اور عیسائیوں کو قتل کریں گے۔ نصف گھنٹہ بعد میگزین کی سمت سے بندوقوں کی آوازیں آنے لگیں۔ شام تک بوجہ بیمار ہونے کے میں باہر نہ نکل سکا۔ کیونکہ میں دہلی میں بیماری کی رخصت لے کر آیا تھا' لیکن میں جس مکان میں رہتا تھا وہ کرایہ کا تھا اور میرے لئے محفوظ مقام نہیں تھا۔ میں نے خود کو محفوظ نہ پا کر اس مکان کو شام کے وقت چھوڑ دیا اور رات کی تاریکی میں کرنل اسکنر کے احاطہ میں چلا گیا جہاں شب بسر کی۔ دن نکلتے ہی میں مرزا عظیم بیگ (جو بے قاعدہ سواروں کے ایک پنشن یافتہ افسر تھے) کے مکان پر پہنچا اور ان سے اپنے مکان میں دن بھر کے لئے پناہ دینے اور پھر کسی طرح شہر سے باہر پہنچا دینے کی درخواست کی۔ انہوں نے مجھے اپنے مکان میں رکھا اور کہا کہ وہ ایسا کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں ان کے مکان میں ایک دن اور ایک رات رہا۔ دوسرے روز وہ کہنے لگے کہ میری روپوشی کی خبر ہمسایوں کو ہو گئی ہے۔ مسٹر جارج اسکنر بھی انہیں کے مکان میں روپوش تھے۔ مرزا عظیم بیگ ہم جن کے یہاں رہتے تھے' بادشاہ کے پاس ہماری حفاظت کے لئے گارد لینے گئے۔ انہوں نے ایک گھنٹہ بعد خبر بھیجی کہ طبیب شاہی احسن اللہ خاں بوجہ عیسائیوں کو پناہ دینے کے ان سے بہت ناخوش ہوئے ہیں (کیونکہ احسن اللہ خاں مرزا صاحب کے قرابت دار تھے) اور ہمیں فوراً ان کے (مرزا کے) مکان سے نکل جانا چاہئے۔ میں تو فی الفور وہاں سے نکل گیا' لیکن مسٹر جارج اسکنر وہیں زنانخانے میں چھپے رہے۔ میں سردار بہادر کے مکان سے قریب دو سو گز گیا ہوں گا کہ مجھے باغی سپاہی آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میں نزدیک کی مسجد میں یہ خیال کر کے چھپ رہا کہ یہاں باغی مجھے نہ دیکھ سکیں گے' لیکن جونہی باغی پاس آئے کسی نے مجھے پہچان کر انہیں پکارا اور کہا کہ ایک عیسائی مسجد میں چھپا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے گرفتار کیا اور مرزا عظیم بیگ کے مکان پر جا کر جارج اسکنر کو بھی ماخوذ کر لیا۔ ہمیں کوتوالی پہنچایا گیا' لیکن قبل ازیں کہ ہم کوتوالی پہنچیں' نمبر ۱۱ لائٹ کیولرائے کے سوار دوڑتے ہوئے آئے اور سپاہیوں سے دریافت کیا تم کون ہو جو قیدیوں کو لئے جا رہے ہو؟ کیا یہ عیسائی ہیں؟ جس کے جواب میں انہوں نے کہا "ہاں" تو کچھ سواروں نے پستولیں تان لیں اور کہا کیوں ناحق کوتوالی لئے جا رہے ہو؟ یہیں کیوں نہ قتل کر دیا جائے؟ سپاہیوں نے جواب دیا کوتوالی یہاں سے کچھ دور نہیں ہے' وہاں لئے چلتے ہیں۔ وہاں جو جی میں آئے کرنا۔ سپاہیوں نے کوتوالی میں جا کر رپورٹ کی کہ وہ دو انگریزوں کو گرفتار کر کے لائے ہیں' مگر کوتوال (چیف پولیس افسر) نے ان کی طرف

مطلق التفات نہیں کیا۔ ایک سوار مسز جارج اسکنر کے پاس آیا اور ان کے بال پکڑ کر کوتوالی سے گھسیٹتا ہوا پچیس قدم تک لے گیا جہاں دیوار کے سہارے بٹھا کر گولی ماردی اور دو سواروں نے بھی گولیاں چلائیں جبکہ وہ بے جان ہو کر گر پڑے۔ میں کوتوالی کے پاس سہما ہوا کھڑا تھا کہ سوار میرے پاس بھی آئیں مگر مسز اسکنر کو قتل کرنے کے بعد وہ قلعہ کی طرف بھاگ گئے۔ پھر مجھے کوتوال کے حوالہ کر دیا۔ اس نے مجھے ان قیدیوں میں بیٹھنے کا حکم دیا جو وہاں موجود تھے۔ میں مع چالیس مرد عورت اور بچوں کے وہاں پچیس روز تک قید رہا۔ جس کے بعد ہمیں ایک مولوی محمد اسمٰعیل نامی کی شہادت پر کہ ہم سب مسلمان ہیں اور اگر مسلمان نہ بھی ہوں تو اب ہو جائیں گے رہا کر دیئے گئے جنہوں نے یہ بھی کہا کہ جو لوگ بخوشی و خاطر مذہب اسلام قبول کرنا چاہیں انہیں قتل کرنا حرام ہے۔ غرضیکہ ہم رہا تو ہو گئے مگر شہر سے باہر نہ نکلنے دیا۔ پھر میں ایک افریقی ''موجود'' نامی کے ہاں چلا گیا۔

سوال اس شخص سے تمہاری کبھی کی ملاقات یا دوستی تھی؟

جواب میں اسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ کرنیل اسکنر کی ملازمت میں رہا ہے مگر ۱۸۴۲ء میں اس نے ملازمت چھوڑ دی تھی۔

سوال غدر کے زمانہ میں یہ افریقی کس کی ملازمت میں تھا؟

جواب اس وقت سے بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔

سوال کیا کبھی اس نے تمہیں کمپنی کی ملازمت چھوڑ کر بادشاہ کی ملازمت کرنے کے لئے کہا یا ترغیب دی؟

جواب جی ہاں غدر سے تین روز قبل اس نے کہا تھا۔ میں اپنی سواری کے لئے گھوڑا خرید رہا تھا۔ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ سے تخلیہ میں کچھ گفتگو کرنی چاہتا ہوں۔ جب میں اس کے ساتھ ایک گوشہ میں گیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ تم کمپنی کی ملازمت چھوڑ کر بادشاہ کی ملازمت کر لو۔ پھر کہنے لگا میں دوستانہ طریقہ سے تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ میں نے جب سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ موسم گرما میں تم ہر جگہ روسیوں کو پاؤ گے۔ میں اس کی تجاویز پر ہنس پڑا اور اس سے پھر بھی ملنے کے لئے نہ کہا' کیونکہ میں اپنے کام میں بے حد مشغول تھا۔ یہ گفتگو ۹ مئی روز یک شنبہ ۱۸۵۷ء کو ہوئی تھی' مگر وہ پھر میرے پاس نہیں آیا اور جب میں کوتوالی سے رہا ہوا تو اس کے پاس پہنچا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا۔ کیا میں تم سے پہلے آنے کو نہیں کہتا تھا اور پھر اس نے مجھ سے ذکر کیا کہ ایک افریقی قنبر نامی غدر سے دو سال قبل قسطنطنیہ روانہ کیا گیا ہے اور یہ شخص دہلی سے مکہ جانے کے بہانے روانہ ہوا تھا' لیکن بادشاہ دہلی کا سفیر بن کر روسیوں سے کچھ امداد طلب کرنے گیا ہے اور قنبر نے دو سال بعد دہلی واپس آنے کا وعدہ کیا ہے۔

سوال غدر کے زمانہ میں جب تم موجود کے پاس رہتے تھے' کیا تمہیں کچھ خبریں ملتی تھیں؟

جواب خصوصیت سے غدر کی بات تو نہیں البتہ وہ نوکری سے شام کے وقت مکان پر آتا تھا اور دن بھر کے کوائف و حالات مجھے سنا دیتا تھا۔ ایک موقع پر اس نے کہا کہ بادشاہ نے اپنے تمام امراء و فرزندان کو دربار عام میں جمع کیا اور کہا کہ جب سے غازی الدین نگر کی لڑائی ہوئی ہے آئے دن تم لوگوں میں نا اتفاقیاں پھیلتی جاتی ہیں اور یہ بہت خطرناک امر ہے۔

اس نے کہا پھر بادشاہ نے یہ کہا کہ اب سب کو متفق ہو کر انگریزوں کو نکال دینے کی کوشش کرنے کا وقت ہے اور

اگر تم ایسا نہ کرو گے تو یاد رکھو کہ اگر برٹش فوج دوبارہ دہلی میں داخل ہو گئی تو خاندان تیموریہ کے کسی نفس واحد کو بھی زندہ نہ چھوڑے گی۔ موجود دس یا بارہ افریقیوں کا افسر اور بادشاہ کے خاص ملازمین میں سے تھا جو ہر وقت ان کے پاس کھڑے رہتے تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بیانات ضرور صحیح ہوں گے۔

سوال. کیا اس شخص (موجود) نے کبھی روپیہ یا کوئی اور شے کمپنی کی ملازمت ترک کر دینے کی غرض سے دی؟

جواب جی نہیں۔

سوال کیا تم جانتے ہو کہ متذکرہ بالا تحریک بادشاہ یا کسی قلعہ والے کے ایما سے تھی؟

جواب: میں اسے ایسا نہیں سمجھتا۔ میں نے تو صرف اس کی ذاتی بیوقوفی پر محمول کیا تھا۔

سوال: کیا تمہیں معلوم ہے کہ کمپنی کے کسی دوسرے ملازم کو بھی بادشاہ کی ملازمت میں آنے کی ترغیب دی گئی ہو؟

جواب: مجھے علم نہیں۔

سوال کیا کبھی اپنی رجمنٹ کے سپاہیوں کو تم نے چپاتیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا جو غدر سے قبل گاؤں گاؤں میں تقسیم ہوئی تھیں؟

جواب جی نہیں۔ میں اس زمانے میں اپنے گاؤں میں رخصت پر تھا اور جو کچھ میں نے ان کی نسبت سنا وہ یہ تھا کہ چپاتیاں تقسیم ہو رہی ہیں۔ اور کوئی شخص اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا۔

سوال گیارہ مئی سے کتنے عرصہ پیشتر سے تم دہلی میں تھے؟

جواب: تیرہ یا چودہ روز۔

سوال. کیا اس وقت تم نے لوگوں کو تذکرہ کرتے سنا تھا کہ دہلی میں کوئی حادثہ ہونے والا ہے؟

جواب: جی نہیں' میں بیمار تھا اور اہل دہلی سے بہت کم ملتا جلتا تھا۔

سوال تم نے کہا ہے کہ موجود غدر کے بعد کہتا تھا کہ روسی ہر جگہ آ جائیں گے۔ کیا تم جانتے ہو کہ باشندوں کا بھی یہی یقین تھا؟

جواب: جی ہاں۔ مجھے خیال ہے کہ تھا۔ جب مسلمانوں سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوتا تو ان کی تقریر کا ماخذ یہی ہوتا تھا کہ وہ روسیوں کو موسم گرما تک آیا ہی سمجھتے ہیں۔

سوال. غدر سے پہلے اپنی رجمنٹ اور دیسی افسران میں اور تم میں کمپنی کی ملازمت کی بابت کبھی گفتگو ہوئی تھی؟

جواب: ایک مسلمان نمبر ۱۲ بے قاعدہ سواروں کا افسر جس کا نام مرزا محمد تقی ہے' کہتا تھا کہ اس کی کتابوں میں لکھا ہے کہ انگریزی عملداری بہت جلد نیست و نابود ہو جائے گی۔ وہ شخص پشاور میں تھا اور مجھے ٹھیک معلوم نہیں ہے کہ آیا اس نے ۱۸۵۵ء میں کہا تھا یا ۱۸۵۶ء میں۔

سوال. کیا تم نے کبھی کسی شخص کو انگریزی حکومت کے خاتمہ کی مدت بتاتے اور یہ کہتے سنا ہے کہ روزمرہ کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حکومت قریب الاختتام ہے؟

جواب. جی نہیں۔

سوال کیا تم اندازہ لگا سکتے تھے کہ انگریزوں سے ہندوؤں کو زیادہ نفرت تھی یا مسلمانوں کو؟

جواب: مسلمانوں کو۔

سوال کیا کبھی تم نے سنا تھا کہ شاہ ایران فوج لے کر ایران سے آ رہا ہے؟

جواب جی نہیں۔ ان مضامین پر میں نے ان سے کبھی بحث نہیں کرتا تھا کیونکہ انگریزی اخبارات سے مجھے خبریں ملتی رہتی تھیں۔

سوال کیا تم جانتے ہو کہ روسیوں کی آمد کا چرچہ ہندوستانیوں میں غدر سے پہلے بھی ہوتا تھا؟

جواب جی نہیں میں کچھ نہیں کہہ سکتا' کیونکہ مجھے ایسی گفتگو کرنے یا سننے کا کبھی موقعہ نہیں ملا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

عدالت نے اظہار لئے۔

سوال جب تم دلی میں تھے کسی طرح بھی یہ خبر تمہارے کانوں میں پڑی تھی کہ ملزم بے دلی سے باغیوں کے شریک ہوئے کیا تم بھی یہی سمجھتے ہو؟

جواب میں صرف وہی بتا سکتا ہوں جو میں نے سنا ہے۔ پہلے بادشاہ بے دل تھے مگر جب انہوں نے بھی خود کو اس میں گھرا ہوا پایا تو شامل ہو گئے یعنی پندرہ روز کے بعد شامل ہوئے۔ یہ صرف افواہ ہے اور میں اس کی حقانیت کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔

گواہ جاتے ہیں۔

غلام عباس ملزم کے مختار کو ان کی گذشتہ شہادت کی یاددہانی کی جاتی ہے۔

جج ایڈووکیٹ اظہار لیتے ہیں۔

سوال ان بارہ کاغذوں کو دیکھو اور کہو کہ آیا تم ان کے اصلی ہونے کا یقین رکھتے ہو یا نہیں؟

جواب وہ جن کے سروں پر پنسل سے تحریر شدہ احکام ہیں' فی الواقع اصلی ہیں کیونکہ بادشاہ کے تحریری احکام ان پر موجود ہیں۔ دیگر کاغذات کو بھی اصل سمجھنے میں مجھے کلام نہیں۔ جن پر پنسل سے دستخط ہیں وہ بھی اصلی ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ بادشاہ کے دستخط ہیں۔

پھر مترجم ان کاغذات کو پڑھتا ہے اور ان کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

چار بج گئے۔ عدالت یوم بدھ مورخہ ۳ مارچ تک کے لئے برخاست ہو جاتی ہے' تاکہ مترجم کو دیسی اخبارات کے اقتباس و دیگر دستاویزوں کے ترجمہ کرنے کی مہلت مل سکے۔

انیسویں روز کی کارروائی

یوم بدھ۔ مورخہ ۳ مارچ ۱۸۵۸ء

آج پھر قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں عدالت منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ' ممبران جوری' مترجم' ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔
ملزم اوران کے مختار غلام عباس عدالت میں لائے گئے۔
مندرجہ ذیل اٹھارہ کاغذات اصل مترجم نے پڑھے اوران کا ترجمہ پڑھا گیا۔(اخباروں کے اقتباسات علیحدہ ایک مجموعہ میں چھاپے گئے ہیں۔اس واسطے یہاں درج نہیں کئے۔حسن نظامی)

بیسویں روز کی کارروائی

یوم جمعرات۔مورخہ ۴ مارچ ۱۸۵۸ء
کل کی کارروائی کے سلسلہ میں آج پھر گیارہ بجے عدالت منعقد ہوئی۔
پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔
ملزم اپنے مختار غلام عباس کے ہمراہ عدالت میں لائے گئے۔
ملزم نے اب عدالت میں اپنی تحریری جوابدہی پیش کی جسے مترجم نے پڑھا۔
عدالت ساڑھے بارہ بجے برخاست ہوگئی اور منگل مورخہ ۹ مارچ کی پیشی مقرر ہوئی تاکہ ترجمہ کرنے اور ڈپٹی جج ایڈوکیٹ کو اس کا جواب دینے اور شہادتوں کا خلاصہ کرنے کی مہلت ملے۔

اکیسویں روز کی کارروائی

یوم منگل۔مورخہ ۹ مارچ ۱۸۵۸ء
عدالت آج پھر دیوان خاص قلعہ دہلی میں منعقد ہوئی۔
پریسیڈنٹ' ممبران' مترجم' ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔
ملزم ان کے مختار غلام عباس کے ہمراہ عدالت میں لائے گئے۔
اب جج ایڈوکیٹ ملزم کی جوابدہی کو پڑھتے ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔
جواب تحریری از بہادر شاہ سابق بادشاہ دہلی۔
اصل حقیقت یہ ہے۔غدر کے روز کی مجھے پہلے سے خبر نہیں تھی۔آٹھ بجے کے قریب باغی سوار دفعتہً آگئے اور محل کی کھڑکیوں کے نیچے شور وغل مچانے لگے۔انہوں نے کہا کہ وہ انگریزوں کو قتل کر کے میرٹھ سے آئے ہیں اور اپنے ایسا کرنے کا یہ عذر پیش کیا کہ ان سے گائے اور سور کی چربی سے بنے ہوئے کارتوسوں کو منہ میں رکھ کر دانتوں سے کاٹنے کے لئے کہا گیا تھا' جو سراسر ہندو اور مسلمانوں کے دھرم کو ستیاناس کرتا تھا۔میں نے یہ سن کر قلعہ کے دروازے بند کرادیئے اور فی الفور قلعہ دار کو اس امر کی اطلاع پہنچادی۔وہ خبر سنتے ہی خود میرے پاس آئے اور جہاں باغی جمع تھے جانا چاہا اور دروازہ کھول دینے کی درخواست کی۔میں نے انہیں اس ارادے سے باز رکھا۔بہرکیف جب دروازہ نہ کھولنے دیا تو وہ اوپر گئے اور برآمدہ میں کھڑے ہو کر سپاہیوں سے کچھ کہا جسے سنتے ہی وہ لوگ چلے گئے۔اس کے بعد قلعہ دار یہ کہہ کر کہ وہ ہنگامہ کو

روکنے کا بندوبست کریں گے میرے پاس سے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد مسٹر فریزر نے دو توپوں کے لئے اور قلعہ دار نے دو پالکیوں کے لئے خبر بھیجی اور کہا کہ ان کے پاس دو لیڈیاں ٹھہری ہوئی ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ انہیں محل سرا میں پہنچا دیا جائے۔ میں نے دو پالکیاں روانہ کیں اور حکم دے دیا کہ توپیں بھی بھیج دی جائیں۔ اس کے بعد میں نے سنا کہ پالکیاں بھی نہ پہنچنے پائی تھیں کہ مسٹر فریزر قلعہ دار اور وہ لیڈیاں سب قتل کر دیئے گئے۔ اسے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ باغی سپاہی دیوان خاص میں گھس آئی۔ عبادت خانہ میں بھی ہر طرف پھیل گئی اور مجھے چاروں طرف سے گھیر کر پہرہ متعین کر دیا۔ میں نے ان کا مطلب دریافت کیا اور چلے جانے کے لئے کہا جس کے جواب میں انہوں نے خاموش کھڑے رہنے کو کہا اور کہا کہ جب انہوں نے اپنی زندگیوں کو خطرے میں ڈالا ہے تو اب اپنی طاقت کے موافق سب کچھ کر کے چھوڑیں گے۔ خوف کھا کر کہیں میں نہ قتل کر دیا جاؤں' میں نے منہ سے اف تک نہ کی اور چپ چاپ اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ شام کے وقت یہ نمک حرام کئی انگریز مرد وعورت کو گرفتار کر کے لائے جنہیں انہوں نے میگزین میں پکڑا تھا اور ان کے قتل کا قصد کرنے لگے۔ میں نے باز رہنے کی درخواست کی اور اس وقت تو میں ان انگریزوں کی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا مگر باغی سپاہیوں نے انہیں اپنی ہی زیر حراست رکھا۔ متواتر دو موقعوں پر انہوں نے انگریزوں کے قتل کا قصد کیا اور میں نے منت وسماجت کر کے باز رکھا اور قیدیوں کی جانیں بچالیں۔ آخری وقت اگرچہ میں مفسد بلوائیوں کو حتی المقدور باز رکھنے کی کوشش کرتا رہا' مگر انہوں نے میری طرف التفات نہیں کیا اور ان بیچاروں کو قتل کرنے باہر لے گئے۔ میں نے اس قتل کے لئے کچھ بھی حکم نہیں دیا۔ مرزا مغل' مرزا خیر سلطان' مرزا ابوبکر اور میرا ایک خاص مصاحب بسنت سپاہ سے مل گئے تھے۔ انہوں نے میرا نام شاید لیا ہو لیکن مجھے علم نہیں کہ انہوں نے کیا کہا۔ نہ میں یہ جانتا ہوں کہ میرے خاص مصاحبین میرے حکم سے سرتابی کر کے قتل میں شریک ہوئے ہوں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ مرزا مغل سے مرعوب ہو کر گزرے ہوں گے۔ نیز قتل کے بعد تک مجھے اس کے متعلق کسی نے خبر نہیں دی۔ بعض گواہان نے شہادت میں میرے ملازمین کا مسٹر فریزر اور قلعدار کے قتل میں شریک رہنا بیان کیا ہے۔ میں اس کا بھی وہی جواب دیتا ہوں یعنی میں نے انہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اپنی آزاد مرضی سے کیا۔ مجھے اس کا بھی علم نہیں اور یہ بات بھی مجھے نہیں بتائی گئی۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو میرا گواہ ہے کہ میں نے مسٹر فریزر یا اور کسی انگریز کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ مکند لال و دیگر گواہان نے کہا ہے کہ میں نے حکم دیا ہے۔ غلط کہا ہے۔ مرزا مغل و مرزا خیر سلطان نے احکام دیئے ہوں تو تعجب نہیں کیونکہ وہ سپاہ سے مل گئے تھے۔ بعد ازاں فوجیں مرزا مغل' مرزا خیر سلطان اور مرزا ابوبکر کو میرے سامنے لائیں اور کہا کہ ہم انہیں اپنا افسر بنانا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کی درخواست رد کر دی' لیکن جب سپاہ ضد کرنے لگی اور مرزا مغل غصہ ہو کر اپنی والدہ کے مکان میں چلا گیا تو میں سپاہیوں کے خوف سے ساکت رہ گیا اور پھر طرفین کی رضامندی سے مرزا مغل کمانڈر انچیف افواج مقرر ہوا۔ میری مہر کے ثبت شدہ اور دستخط کئے ہوئے احکام کی نسبت معاملہ کی اصل حالت یہ ہے کہ جس روز سے سپاہ آئی انگریزی افسروں کو قتل کیا اور مجھے مقید کر لیا۔ میں ان کے اختیار میں رہا جیسا کہ اب ہوں۔ تمام کاغذات جو مناسب سمجھتے میرے پاس لاتے اور مجھے مہر ثبت کرنے پر مجبور کرتے۔ بسا اوقات احکام کے مسودے لاتے اور میرے سیکریٹری سے انہیں صاف کرواتے۔ کبھی اصلی کاغذات لاتے اور ان کی نقلیں دفتر میں رکھ دیتے۔ اس لئے کئی خطوط اور مختلف تحریریں روئداد کی فائل بن گئی

ہیں۔ بارہا انہوں نے خالی لفافوں پر مہر ثبت کر لی ہے۔ نہیں معلوم ان میں انہوں نے کون سے کاغذات بھیجے اور کہاں بھیجے۔ عدالت میں ایک درخواست پیش ہوئی ہے جو مکند لال کی طرف سے کسی گمنام شخص کے نام ہے' جس میں ایک روز کے جاری شدہ احکام کی تفصیل دی ہوئی ہے۔ اس فہرست میں صاف مرقوم ہے کہ اتنے احکام اس کی ہدایت سے لکھے گئے ہیں اور اتنے احکام اس کی ہدایت سے' لیکن کہیں میری ہدایت سے لکھے ہوئے ایک حکم کا بھی حوالہ نہیں ہے۔ پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بدون میرے حکم کے جس نے جتنے احکام چاہے' لکھ لئے اور مجھے ان کے خلاصہ تک سے اطلاع نہیں کی جاتی تھی۔ میں اور میرا سیکریٹری جان کے خوف سے کسی معاملہ میں کچھ نہیں کہتے تھے۔ ٹھیک یہی حالت ان درخواستوں کی بھی ہے' جن پر میری دستی تحریر ہے۔ جب سپاہی یا مرزا مغل یا مرزا خیر سلطان یا مرزا ابو بکر کو کچھ لکھوانا ہوتا تو وہ درخواستیں لے آتے اور افسران فوج کو بھی ہمراہ لاتے اور احکام لکھنے کے لئے مجھے مجبور کرتے تھے۔ وہ میرے سنانے کے لئے اکثر کہا کرتے تھے تاکہ میں ان سے مرعوب ہو کر ان کی خواہشات کی تکمیل کر دیا کروں کہ وہ جو ان کی خواہشات کی تعمیل نہ کرے گا' اپنی حالت کے موافق سزا پائے گا۔ علاوہ ازیں میرے ملازموں پر انگریزوں کے پاس خط بھیجنے اور سازش کرنے کی تہمت لگایا کرتے تھے۔ علی الخصوص حکیم احسن اللہ خاں' محبوب علی خاں اور ملکہ زینت محل پر سازش کا الزام لگایا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ اب اگر ایسا معلوم ہوا تو ہم ان کو مار ڈالیں گے۔ اسی طرح ایک روز حکیم صاحب کا مکان لوٹ لیا اور بارادہ قتل انہیں مقید کر لیا تھا۔ بہ ہزار دشواری اور میری منت کرنے پر اپنے ارادہ سے باز رہے' لیکن پھر بھی حکیم صاحب کو قید رکھا۔ اس کے بعد میرے دیگر ملازموں کو گرفتار کر لیا۔ مثلاً شمشیر الدولہ والدہ ملکہ زینت محل وغیرہ کو۔ نیز انہوں نے کہا کہ وہ مجھے معزول کر کے میری جگہ مرزا مغل کو بادشاہ بنائیں گے۔ پھر یہ معاملہ سنجیدگی و انصاف سے قابل غور ہے کہ میرے پاس کسی قسم کی کونسی طاقت تھی یا ان کو خوش رکھنے کا کونسا سبب میرے پاس تھا؟ افسران فوج یہاں تک سر چڑھ گئے تھے کہ ملکہ زینت محل کا مطالبہ کرتے تھے کہ میں ان کو ان کے حوالہ کر دوں تاکہ وہ انہیں قید میں رکھیں اور کہا کہ ملکہ نے انگریزوں سے دوستانہ تعلقات قائم کئے ہیں۔ پھر اگر مجھے پوری طاقت یا اختیار ہوتا تو کیا میں حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں کو مقید ہونے دیتا یا حکیم صاحب کے مکان کو لٹتا ہوا دیکھتا۔ باغی سپاہ نے ایک کورٹ قائم کیا تھا جہاں تمام معاملات طے ہوتے تھے۔ اور جن معاملات کو وہاں طے کیا جاتا تھا انہیں یہ کونسل اختیار کرتی تھی' لیکن میں نے کبھی ان کی کانفرنس میں شرکت نہیں کی۔ انہوں نے اس طرح بدون میری مرضی یا خلاف حکم صرف میرے ملازموں ہی کو نہیں لوٹا بلکہ کئی محلوں کو لوٹ لیا۔ چوری کرنا' قتل کرنا' قید کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اور جو جی چاہتا تھا' کر گزرتے تھے۔ جبراً مرزا مغل اہل شہر سے اور تجار سے جتنی رقم چاہتے' وصول کرتے تھے اور یہ مطالبات اپنے ذاتی اغراض کے لئے کرتے تھے۔ جو کچھ گزرا ہے وہ سب مفسدہ پرداز فوج کا کیا دھرا ہے۔ میں ان کے قابو میں تھا اور کر کیا سکتا تھا۔ وہ اچانک آ پڑے اور مجھے قیدی بنا لیا۔ میں لاچار تھا اور دہشت زدہ۔ جو انہوں نے کہا کہ میں نے کیا' ورنہ انہوں نے مجھے کبھی کا قتل کر ڈالا ہوتا۔ یہ سب کو معلوم ہے۔ مجھے ایسی مایوسی ہوئی تھی کہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا جبکہ میرے ماتحت عہدہ داروں کو بھی جانبری کی امید نہیں تھی۔ اسی لئے میں نے فقیری کا تہیہ کر لیا تھا اور گیروے رنگ کی صوفیانہ پوشاک پہننی شروع کر دی تھی۔ پہلے قطب صاحبؒ کی درگاہ وہاں سے اجمیر شریف اور اجمیر شریف سے بالآخر مکہ معظمہ جانے کا عزم تھا' لیکن فوج نے مجھے اجازت نہیں دی' جس نے

بیخزین وخزانہ ہوا۔ یہ سپاہ ہی تھی جس نے جو چاہا کیا۔ میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا' نہ ان لوگوں نے لوٹ کا کچھ مال مجھے لا کر دیا۔ ایک روز یہی لوگ ملکہ زینت محل کا مکان لوٹنے کی نیت سے گئے تھے مگر دروازہ توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ غور کرنا چاہئے کہ اگر وہ میرے ماتحت ہوتے یا میں ان کی سازش میں شریک ہوتا تو یہ باتیں کیونکر ظہور پذیر ہوتیں؟ اس سب کے ساتھ ہی یہ بھی قابل غور ہے کہ کوئی شخص غریب ترین انسان کی عورت کا مطالبہ بھی یوں نہیں کرتا ہے کہ لا ڈالے مجھے دے دو میں قید کروں گا۔ مختی قمر کی نسبت یہ ہے کہ اس نے مجھ سے حج کرنے اور مکہ شریف جانے کی رخصت لی تھی۔ میں نے اسے کہیں نہیں روانہ کیا' نہ میں نے شاہ ایران کو کوئی خط بھیجا۔ یہ قصہ کسی نے غلط مشہور کیا ہے۔ محمد درویش کی درخواست میری دستاویز نہیں ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے۔ ممکن ہے کسی نے میرے یا میاں حسن عسکری کے دشمن نے وہ درخواست بھیجی ہو تو اس پر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ باغی فوج کی عادتوں کی نسبت معلوم ہو کہ انہوں نے مجھے کبھی سلام تک نہیں کیا' نہ میرا کسی قسم کا ادب ولحاظ کیا۔ وہ دیوان خاص و دیوان عام میں بے دھڑک جوتیاں پہنے چلے آتے تھے۔ میں ان فوجوں پر کیا اعتبار کرتا جنہوں نے اپنے ذاتی آقاؤں کو قتل کر دیا ہو؟ جس طرح انہوں نے ان کو قتل کیا' مجھے بھی مقید کر لیا' مجھ پر جور کئے' مجھے حکم میں رکھا اور میرے نام سے فائدہ اٹھایا' تاکہ میرے نام کی وجہ سے ان کے افعال مقبول ہوں۔ یہ دیکھ کر کہ ان فوجوں نے اپنے ذاتی وجاہت و صاحب فرمان افسروں کو مار ڈالا' میں بے فوج' بے خزانہ' بے سامان جنگ' بے توپ۔ کیونکر انہیں روک سکتا تھا یا ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر سکتا تھا' لیکن میں نے کبھی کسی طرح کی انہیں مدد نہیں دی۔ جب باغی افواج قلعہ کے پاس آئیں' میری طاقت میں تھا' میں نے دروازے بند کر دیئے۔ میں نے قلعدار کو طلب کیا اور جو کچھ گزرا من وعن بیان کر دیا اور انہیں باغیوں میں جانے سے باز رکھا۔ میں نے لیڈیوں کے لئے دو پالکیاں اور دو توپیں قلعہ کے پھاٹک کی حفاظت کے لئے قلعدار اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر کی درخواستوں پر روانہ کر دی تھیں۔ مزید برآں اسی شب کو تیز سانڈنی سوار کو جو کچھ ہنگامہ یہاں برپا ہوا تھا' اس کا اطلاعی خط دے کر بجزائر لفٹنٹ گورنر آگرہ کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا' کیا۔ میں نے اپنی خود مختار مرضی سے کوئی حکم نہیں دیا۔ میں سپاہ کے اختیار میں تھا اور انہوں نے جبراً وقہراً جیسا چاہا کرایا۔ چند ملازمین جو میں نے رکھے تھے' باغی و بلوائی فوجوں سے ڈر کر اور اپنی جان کے خوف سے رکھے تھے۔ جب یہ فوجیں فرار ہونے پر آمادہ ہوئیں تو میں موقع پا کر چپ چاپ قلعہ کے پھاٹک سے نکلا اور مقبرہ ہمایوں میں جا کر ٹھہر گیا۔ اس جگہ سے میں خاموشاً طلب کیا گیا کہ میری جان محفوظ رہے گی اور میں نے فوراً اپنے آپ کو گورنمنٹ کی حفاظت میں دے دیا۔ باغی فوجیں مجھے اپنے ہمراہ لے جانا چاہتی تھیں مگر میں نہ گیا۔ (جس وقت افسران فوج نے بادشاہ کو ہمراہ لے جانے کا اصرار کیا' میرے نانا وہاں موجود تھے۔ حسن نظامی)

مذکورہ بالا جواب میرا خود تحریر کیا ہوا ہے اور بلا مبالغہ ہے۔ حق سے اصلاً انحراف نہیں کیا ہے۔ خدا میرا عالم و شاہد ہے کہ جو کچھ بالکل صحیح تھا جو کچھ مجھے یاد تھا وہ میں نے لکھا ہے۔ شروع میں میں نے آپ سے حلفیہ کہا تھا کہ میں بغیر بناوٹ اور بغیر ملاوٹ کے وہی لکھوں گا جو حق اور راست ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی میں نے کیا ہے۔

دستخط بہادر شاہ بادشاہ

تتمۂ خط

مرزا مغل کے نام کے ایک حکم کا حوالہ دیتے ہوئے جس میں سپاہ کے کردار کی شکایت اور میرے آخری ارادہ درگاہ خواجہ صاحب کو اور وہاں سے مکہ معظمہ جانے کا بیان ہے۔ میں اظہار کرتا ہوں کہ مجھے ایسے کسی حکم کا اجراء یاد نہیں۔ حکم زیر بحث برخلاف میرے دفتر کے قوانین کے اردو زبان میں ہے۔ جہاں اس قسم کی ہر ایک تحریر فارسی زبان میں لکھی جاتی تھی۔ میں یہ نہیں جانتا کہ یہ حکم کس نے اور کہاں تیار کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجھے فوج سے بالکل عاجز آیا ہوا دیکھ کر اور میرے تارک الدنیا ہو کر فقیری لے لینے' پھر مکہ معظمہ جانے کو خیال کر کے مرزا مغل نے یہ حکم اپنے دفتر میں لکھوایا ہوگا اور میری مہر اس پر ثبت کر دی ہوگی۔ بہر حال فوج سے میری ناراضگی اور میری پوری بے بسی کا جس کا میں پہلے ذکر کر آیا ہوں' حکم زیر بحث سے بھی تصدیق ہو سکتی ہے۔ دیگر دستاویزوں کی بابت جو اس کے ماسوا ہیں' جیسے راجہ گلاب سنگھ کے مراسلات کی نقل یا بخت خان کی درخواست پر میرے احکام اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے و مہر ثبت کئے ہوئے دیگر کاغذات جو کارروائی میں شامل ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے ان کی یاد نہیں ہے بلکہ میں ابھی جیسا بیان کر چکا ہوں کہ افسران فوج نے بلا اطلاع جیسا چاہا لکھ اور اس پر میری مہر ثبت کر دی اور مجھے یقین ہے کہ یہ بھی ضرور اسی قسم کے ہیں اور بخت خاں کی درخواست پر ضرور مجھے حکم لکھنے کے لئے مجبور کیا گیا ہوگا جس طرح دوسری درخواستوں پر لکھوایا کرتے تھے۔

دستخط ....

جج ایڈ وکیٹ نے عدالت کو مخاطب کر کے تقریر کی۔

حضرات! ایڈریس ہذا میں میرا یہ مقصد ہوگا کہ مختلف حقائق کو جو دوران کارروائی میں بہم پہنچے ہیں' جمع کر دوں اور جہاں تک ہو سکے انہیں اصلی شکل میں جیسے کہ وہ گذرے ہیں' آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ ہماری تفتیش کئی ماہ کی تحقیقات پر محیط ہے جبکہ اس شہر میں مفسدہ پردازی کثرت سے تھی اور میں یقین کرتا ہوں کہ ہم مختلف اوقات کے جو میری بیان کردہ مدت میں گذرے ہیں' نہایت باریکی سے پتہ لگانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ہماری جانفشانیاں فی الحقیقت اس حد تک نہیں ہوئیں جتنا کہ چاہئے۔ جسے میری رائے میں ہمارے فرائض کا غیر اہم حصہ کہنا چاہئے۔ حقائق وقوعہ کے سلسلے میں وہ قرارداد جرم ہیں۔ جن پر ملزم ماخوذ کئے گئے ہیں اور ان کا مرتبہ و حکومت سابقہ بیشک فیصلہ کو جس کی سماعت کے لئے آج آپ لوگ طلب کئے گئے ہیں' بہتم بالشان بنا دے گا۔ تاہم خواہ وہ رہائی ہو یا اثبات جرم میری رائے میں ان اہم نکات کے بالمقابل جن پر چنداں غور کیا گیا ہے اور جو عرصہ دراز تک سبق دیتے رہیں گے۔ میزان میں تولنے سے ہلکا اترے گا۔ میں حقیقتاً ان اسباب کو جو خواہ قریب ہوں یا بعید' جنہوں نے وہ بغاوت پیدا کی جو تاریخ میں یا تو اپنے تعدی کے لحاظ سے جس کا مستقبل نہاں ہوگا' دیا۔ اچانک ظاہر ہونے سے جس سے ابھی تک عناصر اربع مذہب کی رو سے ناموافق سمجھے گئے ہیں' بے نظیر ہے۔ بیشک کسی مذہب کے برخلاف باہم مل کر جہاد عام کرنا اور اس ملک کے ہندو اور مسلمان باشندگان کے لئے نادر الوجود ہے۔ مجھے خوف ہے کہ معاملہ ناکافی طور پر واضح ہوا اور شاید مذہبی اثر کو جو بالآخر پولیٹکل تحریک ثابت ہوا۔ میں اس طرف منسوب کرنے میں غلطی کر رہا ہوں۔ طاقت و حکومت کے اخراج کی ایک جدوجہد' ایسے ملک میں جہاں کے لوگ مذہب میں' خون میں' رنگ میں' عادات میں' جذبات میں اور ہر چیز میں مختلف ہوں' واقعی عجیب

ہے۔ کوئی بحث پر تحریری رائے میں چاہے بھی ہوں مسائل سے جہاں تک میں واقف ہوں ہنوز واضح و تسکین دہ نہیں ہوئے ہیں کہ ان وجوہات کی بنا پر یہ ہونا کہ بغاوت اور مسلسل قتل عام وجود میں آئے اور اس کے اصلی محرکین اعظم کون تھے؟ میں یقین کرتا ہوں کہ میرا اس عدالت میرے ساتھ متفق الرائے ہوں گے کہ ہماری تفتیش ایسے سوالات کا صاف اور مکمل جواب نہیں دیتی ہے اور جواب نہیں دیتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ مختلف مقامات و منبعات سے لوکل تحقیقات کے بیچ شہادت بہم پہنچانے میں ہم قاصر رہے جو اس ریب کی جگہ میسر آ سکتی ہے۔ تاہم اس نقطہ نظر سے ہمیں امید کرنی چاہئے کہ ہماری جد وجہد بے نتیجہ یا غیر مفید نہیں رہے گی اور اگر ہم خود کو پوری کامیابی کے لئے مبارکباد نہیں دے سکتے تو بھی ہمیں ان کے قریب تک پہنچ جانے کا یقین رکھنا چاہئے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ بعض لوگ بغیر اس نتیجہ پر پہنچے کہ سازش اس عدالت دہلی کی پرورش یافتہ ہے۔ ان طویل کارروائیوں کو پڑھتے رہیں گے۔ ظاہری طاقتوں کی نمائش گاہ میں یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ ان فرضی بادشاہی کے مالک کو اسلامی تعصب نے سرغنہ اور اپنے مذہب کا پُر شوکت ستارہ سمجھا تھا۔ ان سے اب تک لوگوں کی امیدیں وابستہ تھیں۔ وہ جنہوں نے ان کو منبع عزت سمجھ رکھا تھا۔ علاوہ ازیں یہ صرف مسلمانوں کے جامع نہیں سمجھے گئے ہیں بلکہ ہزار ہا دوسروں کے سرتاج بھی رہے ہیں جنہیں مذہبی تعصب کی وجہ سے ایک ہی مرکز پر لانا قریب قریب ناممکن تھا۔ ایسے معاملہ پر پوری طرح روشنی ڈالنا ایک روز یا ایک مہینہ کا کام نہیں ہے۔ وقت رازہائے سربستہ کا مظہر اعظم بیشک ایک نہ ایک روز ان چشموں کو عیاں کر دے گا جن میں سے ایسا بد کردار و خرابات کا دریا بہا ہے لیکن اس وقت ہمیں صرف ان معاملات پر اکتفا کرنی چاہئے جو ہماری موجودہ تحقیقات رونما کرتی ہے۔ مفسدین کے بہت سے راز ہم کو معلوم ہو گئے ہیں لیکن مجھے عجلت نہ کرنی چاہئے۔ یہی ہماری تحقیقات کا ایک حصہ ہے جس پر نظر ڈالنی چاہتا ہوں لیکن واقعات کا مجمل بیان شاید ایڈریس ہذا کی ابتدا میں موزوں ہوگا۔

لہٰذا مجھے بیان کرنا چاہئے کہ نمبر ۳ کیولرائی کے سواروں و نان کمیشنڈ افسران جنہیں گذشتہ مئی میں کارتوسوں سے انکار کرنے کی پاداش میں میرٹھ میں جنرل کورٹ مارشل کی رو سے سزا دی گئی تھی۔ ان کی مجموعی تعداد پچاسی تھی۔ ۹ مئی کی صبح انہیں سزا سنادی گئی اور پریڈ کے میدان میں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں اور ۱۰ مئی کو بوقت شام میرٹھ کی تینوں رجمنٹوں نے بغاوت کی جو اس روز شام کے ساڑھے چھ بجے سے شروع ہوئی۔ اس دوران میں میرٹھ کی بغاوت کرنے والی فوجوں اور یہاں کی فوجوں کے درمیان جو ان سے آخر میں مل گئیں تبادلہ خیالات کے لئے چھتیس گھنٹہ تک کی مہلت ملی تھی۔ یہاں سے وہاں تک سفر کرنے میں ایک کوچ گاڑی کے لئے چھ گھنٹہ کا وقفہ درکار ہے اور باغیوں نے طرفین میں گفت و شنید کر کے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ میں کپتان ٹلر کی شہادت کو پیش کرتا ہوں۔ کپتان موصوف کی شہادت سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ میرٹھ سے اتوار کی شام کو سپاہیوں کی گاڑی آئی اور اس میں باغی ہی تھے جو پیدل رجمنٹ نمبر ۳ میں گئے تھے۔ بیشک سپاہیوں کو ان کے ہوائی احباب مناسب مہمان نوازی کے لئے خبر دینے آئے تھے اور گو ہمارے پاس یقینی شہادت نہ بھی ہوتا ہم اس پر خیال کیا جائے کہ صرف اتوار کی شام ہی ان سازشوں کی توسل کرنے کا پہلا موقعہ نہیں تھا۔ بیشک ہمارے پاس درج ہے کہ میرٹھ میں باغیوں کو کورٹ کی سزا دینے سے قبل بھی یہ جوش پھیلا ہوا تھا کہ اگر مجرب کارتوسوں کا استعمال برابر جاری رکھا گیا تو دہلی اور میرٹھ کی فوجیں مل کر علم بغاوت بلند کریں گی اور یہ انتظام اتنا پختہ اور قابل یقین ہو چکا تھا کہ اتوار کی شام کو

قلعہ کے پھاٹک والے سپاہی بھی اپنے خیالات کو پوشیدہ نہ رکھ سکے اور بے دھڑک ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کل کیا ہونے والا ہے۔کل واقعہ کے معقول اور بے بنیاد الزامات کا توازن کرتے وقت یاد رہے کہ میرٹھ کی تینوں رجمنٹ کے میگزینوں میں کوئی ایک مجرب کارتوس بھی نہیں تھا اور جہاں تک مجھے خبر ملی ہے' نہ دہلی میں تھا۔خیال رکھئے کہ ہندوستانی سپاہی بذات خود حسب ذیل معاملات میں شاید سب سے زیادہ واقف تھے۔

چاند ماری کرنے کے لئے میگزینوں میں کارتوس قدیم سے بنتے چلے آتے ہیں اور بنانے والے خودان کے ابنائے جنس ہم مذہب اور ہم عقیدہ لوگ تھے۔

پس بالکل ناممکن تھا کہ میگزین کی کوئی بات ان سے پوشیدہ رہتی اور رجمنٹوں کے خلاصی جو کارتوس بنایا کرتے تھے' اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو فوراً سب پر ظاہر کر دیتے۔دراصل قابل اعتراض کارتوس (اس سے میرا مقصد وہ کارتوس ہیں جن سے ہندو یا مسلمانوں کے مذہب کو صدمہ پہنچے) خودان کی رجمنٹوں کے میگزینوں میں بنائے جاتے تھے۔اگر کوئی مشتبہ بات ہوتی تو خود ہندوستانی کاریگر بنانے سے انکار کرتے' مگر سب سے بڑھ کر تو بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی ذات نہیں ہے۔مسلمان سور کے گوشت کو بھی چھولیں تو ان کے مذہب کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا' چنانچہ وسط ہند کے مسلمان اس کی مثال موجود ہیں۔ہم میں کا کون ہے جو روز مرہ ان مسلمانوں کو ٹیبل سرونٹ (میز کا ملازم یا کھانا کھلانے والے) کی حیثیت سے کھانے اور طشتریاں لے جاتے نہ دیکھتا ہو جس میں مریحاً وہی چیز ہوتی ہے جس کا کارتوسوں میں حوالہ دیا جاتا ہے۔ بالفرض ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ کارتوسوں میں سور اور گائے کی چربی تھی۔تاہم مسلمان سپاہیوں کو ان کے استعمال سے کونسی شرعی حجت مانع ہو سکتی تھی۔ان کے عزیز و برادر جو افسروں کی خانگی ملازمت کرتے ہیں' ان کھانوں کو جو ہماری میز پر آتے ہیں' لانے یا پکانے میں مطلق احتراز نہیں کرتے۔اس حالت میں مسلمان سپاہیوں کا اعتراض عین لغو ہے۔اگر ان میں کا کوئی ذرا سی عقل و شعور والا شخص ذاتی اطمینان یا واقفیت حاصل کرنے کے لئے تجسس کرے تو صحیح و غلط معلوم کر لے گا کیونکر ان کے مذہبی امور کا تحفظ کیا گیا۔کچھ تھوڑے معزز تکہ رس بیشک ان سے علیحدہ ہو گئے اور اپنے بھائیوں کی عادت کو برا سمجھا' لیکن ایسے آدمیوں کو ایسی بات کے لئے جو محتاج شہرت ہو تشریح و ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں جہاں غلطی کی گنجائش نہیں۔میرٹھ یا دہلی میں ایسے کارتوسوں پر مسلمان یا ہندوؤں کو خوشی سے پاس رکھنے اور بھرتی سے استعمال کرنے میں اس وقت بالکل اعتراض نہیں ہے جبکہ ان کا مدعا اپنے انگریز افسروں کو ہلاک کرنا ہو جیسا کہ پورے طور سے ثابت ہو چکا ہے یا جبکہ ملزم سے جو آپ کے کٹہرہ میں ہیں۔مل کر جیتوں اس طاقت سے برسر پیکار رہنا جس کی فرمانبرداری و خیر خواہی ان کے شایاں تھی۔ان کارروائیوں کے درمیان میں بے شمار درخواستیں آپ لوگوں کی نظروں سے گذری ہیں' مگر عدالت کو حیرت ہے کہ کسی ایک میں بھی وہ بات نہیں بیان کی گئی ہے جسے سپاہیوں نے ہمیں اپنی ناراضگی کا یقین دلایا ہو۔ایک سو اسی سے زائد درخواستیں ہر ممکن مضمون پر لکھی ہوئی عدالت کے پیش نظر ہیں۔ایک پکانے کے برتن سے لے کر خنجر کی بازیافت یا گھوڑے کے پیر میں زخم تک ہیں اور ہر ایک دستخط شاہی کے لائق خیال کی گئی ہے' لیکن اس آزادانہ خط و کتابت میں جہاں انہوں نے اپنے خیالات کا عامیانہ اظہار اپنے مقرر کردہ بادشاہ کے سامنے صاف صاف کیا ہے اور جہاں اپنے سابق آقا انگریزوں کے متعلق کوئی زبان کا پاس یا جذبات کا خیال ان کے اظہار خیالات کو باز نہ رکھ

سکا۔ کتنا سبق آموز ہے' جبکہ ہمیں ملعون' دوزخی اور کفار کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔ وہاں ہم اس گناہ کا پتہ نہیں پاتے اور کوئی چربی کا داغ اس غیر وفادارانہ برتاؤ پر لگا ہوا نہیں نظر آتا۔ بے شک ہم نے انہیں ان کے ذاتی قصور پر پہنچا دیا ہے جسے ان کی بغاوت و مفسدہ پردازی کا ہم اصلی سبب گردانتے ہیں۔ ایسے ارتکاب جرائم جن پر انسانیت کانپ اٹھتی ہے! باہم مل کر برطانوی افسروں کی تحقیقات و تجسس سے انہوں نے اپنے آپ کو مبرا سمجھ لیا تھا اور وفاداری و فرمانبرداری کی غیر مغلوب مزاحمت بجرب کارتوس قرار دے دیئے تھے' صریحاً غلط ہے۔ اس ناراضگی کی کوئی ایک آواز نہیں سنی گئی۔ اگر واقعی ہوتی تو ضرور ہر ایک دماغ میں چکر کھانے لگتی' ضرور ان کی خونخواری پر اثر ڈالتی اور عذر خواہی ہوتی ان کے جرائم کی' جنہوں نے انہیں رحم سے دور پھینک دیا۔ اس کو ان کی تقریروں سے مقابلہ کیجئے جو انگریزی کانوں کو سنائی جاتی ہیں' بجرب کارتوس جن کا استعمال سپاہی کی زندگی کو زنجیر مسلسل بنا دیتا ہے' انہیں ہمیشہ سامنے کر دیا گیا ہے۔ حقیقتاً اگر ہم اس معاملہ پر نظر غائر ڈالیں۔ اگر ہم یاد دہانی کریں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ ان تینوں رجمنٹوں نے جنہوں نے پہلے بغاوت کی' مردوں ہی کو نہیں بلکہ بے گناہ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کیا۔ وہ کوئی ایک کارتوس نہیں تھا اور ہر ایک سپاہی اس سے کماحقہٗ آگاہ تھا۔ جب ہم خیال دوڑائیں کہ بجرب کارتوس تھے اور ان مفسدہ پردازوں کے ہاتھوں انہیں استعمال بھی کرایا گیا تھا' تو کسی مسلمان کو کسی حالت میں بھی آئین مذہبی کی رو سے کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ پھر ساتھ ہی اس کے خیال کیجئے کہ تمام اہل ہند' کیا ہندو کیا مسلمان' کیا انگریز' ہر ایک بخوبی جانتا ہے کہ ہندوستانی سپاہی اگر موقوفی چاہے تو امن کے وقت بغیر تحقیقات یا کسی قسم کی دشواری کے اسے مل جاتی ہے۔ کافی وجوہ ہیں جن سے تمیز ہو سکتا ہے کہ کیا ان لوگوں نے بغاوت کسی حقیقی ناراضگی کی بنا پر کی یا فرضی' خیال باطل' تعصب' شرارت یا کوتاہ اندیشی کے خواب ہوں یا جو کچھ بھی ہو۔ تاہم جس سے انقلابیوں کو سابقہ پڑتا ہے' وہ بجرب کارتوس ہیں۔ ان کے ترکش میں یہی ایک زہر آلود تیر ہے۔ کتنا سہل علاج تھا جس کے لئے نہ زیادہ علیت کی ضرورت تھی نہ کسی فلاسفر کو بتانا پڑتا تھا کہ وہ جس طرح ہو سکے' موقوفی کی درخواست دے کر چلے جائیں۔

حضرات! اس اندوہناک مسئلہ میں آپ کس نتیجہ پر پہنچے۔ میں نہیں بتا سکتا' لیکن ہر طرح غور کرنے سے میرے خیال نے یہی پیش کیا ہے اور میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ بجرب کارتوسوں سے بڑھ کر کوئی گہری اور طاقتور بات اس میں پنہاں ہے۔

وہ مشنری جس نے متحرک ہو کر ایک ہی وقت قتل و بغاوت کو ہندوستان کے ایک گوشہ سے دوسرے تک مشتعل کر دیا' اگر دور اندیشی سے نہیں تو کامیاب ترین مکاری و غداری سے ضرور تیار کی گئی تھی۔ اس مسئلہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں یاد پڑتا ہے کہ جہاں جہاں ہندوستانی فوجیں اپنے انگریز افسروں سے برگشتہ ہوئیں' وہاں کہیں بجرب کارتوسوں کا بہانہ قرار واقعی نہیں تھا بلکہ کثیر تعداد نے صریحاً یہ سمجھ کر کہ اب غدر کرنے کا خوشگوار موقع ہے' بغاوت کی۔ چونکہ وہ سینکڑوں کی تعداد میں تھے اور حکام قلیل۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے ہولناک نتائج پیچھے کہ یہ ہیں' دفعتاً واقع ہوں اور کیا دیسی فوج مسئلہ کارتوس کی نمود کے قبل خوش رہتی تھی؟ کیا کوئی تصور کر سکتا ہے' وہ گہری اور وسعت خیز عداوت' جس کے ہمیں سابق میں بھی کئی ثبوت مل چکے ہیں' فوری اور اچانک جذبات کے مشتعل ہو جانے کا نتیجہ تھی؟ کیا واقعات کی ذاتی صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عناد صرف ایک اشتعالک سے ظہور پذیر ہوا یا ہندوؤں کی فطری عادات سے یا خیال کرنے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بدون تحقیق

کئے اور بے سوچے سمجھے ان بیش قرار فوائد کو جو گورنمنٹ سے پہنچ رہے ہوں لاپرواہی سے ایک طرف پھینک کر یوں انسانی خون میں ہاتھ رنگنے لگیں گے؟ یا اس سے سوا کیا یہ خیال کیا جاسکتا تھا کہ میرٹھ کی تینوں رجمنٹیں دہلی کی رجمنٹوں سے مل کر ہندوستان سے گورنمنٹ برطانیہ کا تختہ الٹ دینے کی ایسی اہم اور ہولناک تدبیر کریں گی۔

حضرات! اگر ہمارے پاس بغاوت کی کوئی شہادت نہیں ہے سازش سابقہ کی کوئی سند نہیں ہے نہ سہی۔ میں جانتا ہوں کہ ہر ایک تسلیم کرے گا کہ غدر کی حالت نے خود ہمیں بتا دیا ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور تھا۔ خلقی اور خُلقی دنیا میں ضرور کچھ نہ کچھ اسباب و وسائل ہوتے ہیں۔ لہٰذا کیا سال گذشتہ کی ہولناک خونریزی کو جو ابدالآباد تک یادگار رہے گی ہم کارتوس کی زہر آلودگی سے زیادہ تحقیق نہیں کر سکتے۔ مسئلہ کارتوس جس کی آڑ سے دس گی تک میرٹھ یا دیگر مقامات میں غلط الزام لگایا جاتا رہا ہے اب رفتہ رفتہ آسانی سے روشنی میں آ رہا ہے کیونکہ بغاوت خود مضبوط و پختہ ثبوت جمع کر رہی ہے اور باغیوں کی پچھلی مدافعانہ کوشش نے جواب دے دیا ان کا مطلب فوت ہو گیا اور حقانیت اس کی جانشین ہوئی ہے۔

اگر ہم ان باغیوں کی حرکات و سکنات پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھ لیں گے کہ بالکل ابتدا سے مکاری اور خفیہ سازش ان پر منقش ہے۔ بطور مثال جب ان کے پچاسی ہم وطنوں کو نو مئی کی صبح ہتھکڑی ڈال کر ان کی موجودگی میں جیل خانہ بھیجا گیا اس وقت کسی کے چہرے پر برہمی یا غصہ کے آثار نہیں پائے جاتے تھے۔

ان لوگوں سے جن کے دلوں میں بیشک بغاوت بہت پہلے سے بھری ہوئی تھی برہمی کی کوئی آواز یا کوئی فعل صادر نہیں ہوا بلکہ ملازمین سے کسی نے ہمدردی کا بھی اظہار نہیں کیا۔ دراصل شکل و شباہت سے میرٹھ کی پیدل رجمنٹیں قابل اعتماد تھیں اور نمبر ۳ کیولرائے بھی ایسے ہی وفادار نظر آتی تھی یہاں تک کہ ان کی تدابیر پختہ ہو گئیں اور علانیہ بغاوت کرنے کا وقت آ پہنچا۔ نمبر ۳ کیولرائے کو بارہ گھنٹہ کی قید کے بعد پاس کے میگزین پر جانے کا نادر موقع ملا تھا لیکن اس وقت دہلی کی سپاہ کو بھی پیش قدمی کرنے کے لیے تیار کرنے کا موقع نہیں تھا کیونکہ میرٹھ میں تو موقعہ سے پہلے معاملات نے ترقی کر لی تھی۔ لہٰذا دہلی سے دوبارہ گفتگو کرنی اور گیارہ تاریخ یوم پیر کو ہونے والے ڈراما کی اطلاع دینی ضروری تھی۔ کپتان ٹلر کی شہادت ظاہر کرتی ہے کہ ایسا ہوا تھا کیونکہ سپاہیوں کی بھری گاڑی اتوار کی شام کو میرٹھ سے آنے اور سیدھی نمبر ۳۸ دیسی پیدل کی لائنوں میں جانے کی کوئی دوسری وجہ سمجھنا سخت دشوار ہے۔

پھر ہم اسی وقت جو غدر کے لئے تجویز کیا گیا تھا میرٹھ میں بھی مکاری و غداری کا نظارہ دیکھ سکتے ہیں۔ میرٹھ کی چھاؤنی نے سازشیوں کو قابل قدر امداد دی کیونکہ دیسیوں کی لائنیں چھاؤنی کے اس حصہ سے جہاں انگریزی فوجیں رہتی ہیں اتنے فاصلہ پر ہیں کہ اگر وہاں ہنگامہ دنگل بھی برپا ہو یا بالکل کھلا بغاوت ہو جائے تو بھی سنائی نہیں دے سکتی یا ایک سے دوسرے کو نہیں معلوم ہو سکتی تاوقتیکہ خاص طور پر اطلاع نہ کی گئی ہو۔ شاید افسروں نے سرکاری رپورٹ کا خیال کر کے اپنے سپاہیوں کی مفسدہ پردازی کو دبا دیا ہو۔ انگریزوں کو کارتوس لینے اور دو میل کا فاصلہ طے کر کے وہاں تک پہنچنے میں کچھ دیر تو ضرور لگے گی۔ بہرحال ڈیڑھ گھنٹہ کے عرصہ میں ایسا اہم کام کر گزرنا واقعی حیرت ناک ہے لیکن چونکہ ساڑھے چھ بجے سے ان کی کارروائی شروع ہوئی۔ لہٰذا بوجہ تاریکی ہو جانے کے انہیں چنداں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ یہ تھا جو بیشک کیا گیا اور ہوا۔ انگریزوں کے دیسی لائنوں میں پہنچنے پر تاریکی ہو گئی تھی۔ کوئی سپاہی موجود نہ تھا اور کوئی بات نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ

بھاگ چلے گئے۔ ہم تحقیقات سے معلوم ہوا کہ غداری کی تجویز کرکے باغیوں نے دہلی کی سیدھی سڑک اختیار نہیں کی۔ وہ دس پانچ پانچ کی ٹولیاں بنا کر مختلف راستوں سے گئے اور ایک مقرر کردہ مقام پر باہم مل گئے۔ میرٹھ سے فوجی ترتیب میں روانہ ہونا بیشک ان کی دوراندیشی ہے مگر آگے بھی اسی ترکیب سے جانا بیشک ان کی کم فہمی تھی' جہاں کوئی انگریز ان کا مانع نہیں تھا۔ پھر ہم انہیں پوری فوج بن کر پل پر سے گذرتے اور قواعد داں سواروں کا ایک دستہ بطور مقدمۃ الجیش روانہ کرتے پاتے ہیں۔

اب ہم ملزم کو جو تمہارے کٹہرہ میں ہیں ان سے ساز باز کرتے پاتے ہیں۔ وہ پہلا نصب العین جس کی طرف وہ پلٹے' وہ پہلا شخص جس سے انہوں نے التجا کی' یہی دہلی کے فرضی بادشاہ ہیں۔ یہ دیکھ کر معمولی عقل والا بھی کہہ سکتا ہے کہ ان میں ضرور پچھلا ربط و ضبط تھا۔ کیا ہوا اگر ملزم کی شرکت بعد میں ہوئی۔

غدر کی ہولناک واقعیت بہت دشواری سے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا موقع دیتی۔ اگر ان کے خاص ملازمین ان کے قلعہ کے چار دیواری کے اندر اور تقریباً ان کی آنکھوں کے سامنے ہر ایک انگریز کے خون میں جسے پائیں' ہاتھ رنگنے کو نہ دوڑتے۔ جب ہم یاد کرتے ہیں کہ ان میں سے دو نوجوان و نازک بدن عورتیں بھی تھیں' جنہوں نے مفسدین کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ اس میں ہم خوفناک و غیر فطری اثر کی خفیف سی جھلک دیکھ سکتے ہیں جو مسلمانوں کی سرشت میں جبلی واقع ہوا ہے۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ تعلیم جو نسل شاہی کے لئے باعث فخر ہو' جس پر خوش حالی و فارغ البالی کی مہذبانہ زندگی کا دارومدار ہو۔ اس بوڑھے و سفید ریش انسان کو تمام افعال سے' جو انسانیت سے خارج کر دینے کے لئے کافی ظالمانہ ہیں' باز نہ رکھتی۔

میں دریافت کرنے کے لئے ٹھہر جاتا ہوں کہ کیا عدالت میں ثابت ہو گیا ہے اور سالہا سال تک ہوتا رہے گا کہ خاندان تیموریہ کے آخری بادشاہ اس بغاوت میں شریک تھے۔ اب حالات صاف صاف بیان کر دیئے جاتے ہیں۔ قتل روز روشن میں درجنوں تماش بینوں کے روبرو کئے گئے اور چھپا کر کرنے کی بھی ذرا سی کوشش نہیں کی گئی۔

اور بیان کیا جا چکا ہے کہ ملزم کے خاص مصاحبین کے ہاتھوں واقع ہوئے ہیں اور ان کے قلعہ کی چار دیواری میں جہاں کمپنی کی حکومت کے بالمقابل ان کی حکومت بالاتر تھی۔ ابھی میں خود نتیجہ نکالنے کی کوشش نہیں کرتا کہ ضرور یہ قتل ملزم کی اجازت سے ہوئے کیونکہ استدلال خفیف' عدالت اس معاملہ میں تسلیم نہیں کر سکتی۔ لہٰذا میں شہادت پیش کرتا ہوں جسے بہ نسبت اس کے انسب خیال کرتا ہوں۔ یہ حکیم احسن اللہ خاں ہیں جو بتا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ وقت مذکورہ پر وہ اور غلام عباس مختار عدالت بادشاہ کے پاس موجود تھے' جس وقت ان سے کہا گیا تھا کہ سواروں نے مسٹر فریزر کو قتل کر ڈالا اور کپتان ڈگلس کو قتل کرنے کے لئے اوپر چڑھ گئے ہیں اور کہاروں کی فوری واپسی سے اس کی تصدیق ہو گئی' جنہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے مسٹر فریزر کو قتل ہوتے دیکھا ہے' جن کی لاش دروازے کے پاس پڑی ہے اور کپتان ڈگلس کو قتل کرنے کے لئے باغی سوار اوپر چڑھ رہے ہیں۔ بادشاہ کے غلاموں نے کیوں ہم سے مظالم کو چھپانے کی کوشش کی' آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ حکیم صاحب نے اظہار کے آخری حصہ میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے نہیں سنا کہ بادشاہ کا کوئی ملازم اس قتل میں شریک ہوا ہو۔ پھر کہا ہے کہ عام طور پر معلوم نہیں تھا کہ انہیں کس نے قتل کیا' بادشاہ کے طبیب

خاص کا یہ بہانہ ہے جو اس موقعہ پر وصل کیا جانا مصلحت سمجھا گیا تھا۔ عام طور پر معلوم نہیں تھا کہ کس نے قتل کیا! وقت کے گذرنے میں ہمیں ان افراد کو ڈھونڈ نکالنے اور ان کے نام تحقیق کرنے میں ذرا دقت پیش نہیں آتی۔ کیا یہ عام طور پر معلوم نہیں تھا کہ خاص بادشاہ کے ملازمین قاتل تھے۔ پھر بھی معاملہ اسی شان اور خصوصیت سے اسی زمانہ میں شہر کے دیسی اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد میں ضروری نہیں سمجھتا کہ ان لوگوں کی شہادت کو جنہوں نے خاطر خواہ اور صاف طور سے ثابت کیا ہے کہ بادشاہ کے ملازمین قاتل تھے' بار بار دہراؤں کیونکہ ان کی شہادت بالکل یکی ہے۔ تاہم ان میں کا کوئی بیان ضرور پیش کرنا چاہئے' لہٰذا ذیل میں ملاحظہ ہو۔

مسٹر فریزر اس وقت ہنگامہ فرو کرنے کی کوشش میں پیچھے رہ گئے اور جب وہ اپنے کام میں مصروف تھے' میں نے دیکھا کہ حاجی لوہار نے انہیں تلوار سے دو ٹکڑے کر دیا اور اسی وقت بادشاہ کے ملازموں نے ان پر تلواریں ماریں' حتیٰ کہ وہ بالکل مر گئے۔ مسٹر فریزر کے قاتلوں میں ایک حبشی بھی تھا۔ اس کے بعد انہوں نے بالا خانے پر حملہ کیا۔ جب میں فوراً دوڑا اور زینہ کا دروازہ بند کر لیا' میں ہر طرف کے دروازے بند ہی کر رہا تھا کہ انبوہ جنوبی زینے سے چڑھ گیا اور مسٹر فریزر کے قاتلوں کو اندر داخل ہونے کے لئے دروازہ کھول دیا۔ یہ لوگ فوراً ان کمروں میں گھس گئے جہاں صاحب یعنی کپتان ڈگلس مسٹر ہچنزن' مسز جینکنس اور دو نوجوان لیڈیاں تھیں۔ انہوں نے حملہ کیا اور سب کو قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر میں زینہ سے نیچے بھاگا۔ جونہی میں نیچے پہنچا' مجھے "محمد" بادشاہ کے قاصد نے پکڑ لیا اور پوچھنے لگا کہ بتاؤ کپتان ڈگلس کہاں ہیں۔ تم لوگوں نے انہیں چھپا دیا ہے۔ وہ مجھے زبردستی اپنے ہمراہ اوپر لے گیا۔ میں نے کہا تم نے خود تمام صاحبوں کو قتل کیا ہے۔ کپتان ڈگلس کو میں نے دیکھا کہ وہ نیم جاں تھے۔ محمد و نے بھی دیکھا اور ان کی کھوپڑی پر لکڑیاں مار مار کر ہلاک کر ڈالا۔ یہ ثابت کرکے کہ ان لیڈیوں کے قاتل بادشاہ کے ملازمین تھے۔ ہم پھر حکیم احسن اللہ خاں کی شہادت کی طرف واپس ہوتے ہیں۔ ملزم کو اطلاع ہونے کے بعد انہوں نے جو چارہ جوئی کی' وہ اپنے قلعہ کے دروازے بند کرانا تھی۔ ہم طبعاً دریافت کرتے ہیں کہ کیا قاتلوں کو فرار ہونے سے روکنے کے لئے وہ بند کیے گئے تھے؟ شہادت صاف ثابت کرتی ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ پھر حکیم صاحب کا اظہار لیا گیا' جہاں وہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ بادشاہ نے کوئی تفتیش نہیں کی اور مجرموں کو سزا دینے یا مقتولوں کو بچانے میں کوئی کارروائی نہیں کی۔ پھر کیوں نہیں کی؟ اسے اس زمانہ کے ہنگامہ و پُر آشوب ہونے کی طرف منسوب کرتے ہیں' لیکن حقیقتاً اگر بادشاہ کا اپنے ملازموں پر کچھ بھی اختیار نہ رہا ہو تو بھی مجرموں کو فی الفور زیر عدل لا کر از سر نو اختیار قائم کرنا ممکن وسائل میں سے ایک تھا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ایسا نہیں کیا گیا اور ہم قیاس سے سمجھ جاتے ہیں کہ ملزم کے ملازمین کے یہ افعال گو ان کے خود حکم کردہ نہ ہوں' تاہم حقیقت میں ان کی منشاء کے موافق تھے۔ پھر آگے چل کر دیکھتے ہیں کہ کوئی ملازم محض اس وجہ سے کبھی برطرف نہیں کیا گیا۔ نہ کچھ ذرا سی تفتیش و تحقیقات بھی کی گئی۔ گواہ سے سوال کیا گیا تھا جس کا جواب یہ ہے کہ بادشاہ نے قاتلوں کی تنخواہ و ملازمت جاری رکھی اور جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں' اس روز کے اخبارات نے بادشاہ کے اظہار کے برخلاف خبر دی ہے۔ کیا اب بھی سوال کرنا باقی رہ گیا ہے کہ آیا انہوں نے (بادشاہ نے) ان افعال کو خود جان بوجھ کر کرایا یا کیا تھا یا نہیں؟ مجھے بتانا لازمی نہیں ہے کہ اس جرم پر کون سا قانون عائد کیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ ایک اعلیٰ تر قانون بھی ہے جو انہیں رہا کراسکتا یا خطاوار ٹھہرا سکتا ہے۔ وہ قانون ضمیری اور ادراکی ہے۔ یہ وہ قانون ہے جو

میرا ہر ایک سامع لگا سکتا ہے۔ جو لیگل کوڈ یا ملٹری یا جس لیشن کے انفصال سے بدرجہا بڑھ کر خطرناک فیصلہ اپنے ہمراہ لئے ہوئے ہے۔ یہ وہ قانون ہے جو لوکل کانسٹیٹیوشنوں یا انسانی کونسلوں یا مذاہب کا ساختہ پرداختہ نہیں۔ یہ وہ قانون ہے جسے دست خالق نے انسان کے قلب میں رکھ دیا ہے اور کیا وہ قانون اس جگہ علیحدہ ڈالا جا سکتا ہے؟

شاید اب وقت ہے کہ ہم اپنے خیال کو میگزین کی طرف پلٹائیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے اور باغیوں کی دیگر کارگذاریوں کا پتہ لگائیں۔ کپتان فارسٹ نے ہم سے کہا کہ صبح کے نو بجے تھے جبکہ میرٹھ کی ہندوستانی فوج سنگینیں ترچھی پکڑے ہوئے فوجی ترتیب میں پل عبور کر رہی تھی اور آگے آگے رسالہ تھا پیچھے پیادہ۔ اس کے پورے ایک گھنٹہ بعد یا کچھ پہلے نمبر ۳۸ دیسی پیدل کا صوبہ دار جو میگزین کے گارد پر محیط تھا' کپتان فارسٹ کے پاس آیا اور خبر دی کہ بادشاہ دہلی نے میگزین پر قبضہ کرنے کی غرض سے ایک دستہ روانہ کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تمام انگریزوں کو قلعہ میں لایا جائے اور اگر انہوں نے منظور نہ کیا تو کوئی بھی میگزین کے باہر نہ نکلنے پائے۔ کپتان فارسٹ کہتے ہیں کہ انہوں نے کسی دستہ فوج کو تو نہیں دیکھا۔ البتہ جو شخص یہ پیام لایا تھا' وہ کھڑا تھا اور وہ ایک خوش پوش مسلمان تھا۔ یہیں خاتمہ نہیں ہو گیا بلکہ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ کا ایک دیسی افسر زبردست گارد لے کر آیا جو بادشاہ کے ملازم سپاہیوں پر مشتمل تھا اور جو اپنی وردیاں پہنے ہوئے تھے۔ مذکورہ بالا افسر صوبہ دار و نان کمیشنڈ افسران سے کہنے لگا کہ بادشاہ نے مجھے تمہاری مدد کے لئے روانہ کیا ہے تاکہ تمہارے فرائض منصبی پوری طرح سے ادا ہو جائیں۔ ہم پھر دیکھتے ہیں کہ کتنی پھرتی اور چالاکی سے گرفت میگزین کا یہ اہم ترین مسئلہ حل کیا جاتا ہے۔ اب کیا یقین کر لیا جائے کہ یہ فوری تیاری اور یہ عجلت مآب حکم حکم شاہی تھا یا ان کی تجویز جنہوں نے کورٹ قائم کیا تھا؟ ان لوگوں کی طرف اس قسم کی کوئی بات منسوب کرنا گویا انہیں صاحب فہم و ذکا مان لینا ہو گا' حالانکہ یہ محض مافوق الفطرت انسان ہی کا خاصہ ہوتا ہے۔ تمام و کمال ترقی و فحوائے تجویز چلا کر کہہ رہی ہے کہ یہ تجویز پیشتر کی طے شدہ اور کئی افراد کے عرصہ تک غور کرنے سے بنی ہے۔ یہ سمجھنا بہت دشوار ہے کہ کوئی بھی جو قبل از وقت اس راز سے واقف نہ ہو پھر وقت پر قرار واقعی اور مناسب کام اس کی تکمیل کے لئے اختیار کرے اعظم کی ضرورت شدید اور عظمت مقاصد کو یاد رکھے۔ پھر ساتھ ہی آپ مستحکم وجوہات و بیشمار دلائل کو پیش نظر رکھیے جو کوتاہ اندیشوں کے ہاتھوں ایسی مہم کے عجلت سے سر ہونے کے خلاف صف بستہ ہوں گی۔ درحقیقت بادشاہ کو خونخوار وحشیوں نے اپنے زمرہ میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی۔ کوئی تحریص یا خوش آئند منافع کا سبز باغ جو انہوں نے بادشاہ کو دکھایا ہو' وہ اس خطرہ کے مقابلہ میں جس میں انہیں ضروری پڑنا تھا' بالکل بے وقعت تھا۔ اس نازک معاملہ میں پڑ کر انہوں نے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی زندگی کو معرض خطرہ میں ڈال لیا۔ اور کس لئے؟ تاج کی امید موہوم جس کا یقین کسی غیر معمولی وجہ یا خفیف ترین خیال نے پیدا کر دیا ہو' دراصل دھوکہ تھا۔ ایک عصائے شاہی کا تصور تھا جو گرفت میں آ کر نکل گیا۔ ان واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا ہم خیال نہ کر لیں کہ اس ناتوان اور کانپتے ہوئے بوڑھے انسان نے موقع پا کر اپنی آرزو پوری کرنی چاہی؟ اور فوج کو بعجلت تمام میگزین کی طرف روانہ کر دیا تاکہ اپنا ارادہ پورا کر سکے یا گر دانائی و سازش سابقہ بادشاہ یا ان کے لواحقین کی ریشہ دوانی نہیں تھی تو کیا ہم اس ضعیف الاعتقادی اور افترا آمیز خوابوں پر محمول کریں جس میں حالات کا انکشاف ہوا اور جو اس سے بہتر کسی زاہدانہ تحریک سے عوام کے دلنشین نہیں ہو سکتے تھے۔

عدالت ہذا کے روبرو ہم سب نے خواب کا واقعہ سنا ہے کہ ایک بگولہ مغرب کی طرف سے نمودار ہوا جس کے ساتھ ہی سیلاب عظیم تمام زمین کو پامال کرتا ہوا آیا' لیکن اس کی لہروں پر قدیم خاندان شاہی بدستور قائم تھا۔

یہ خواب حسن عسکری نے بیان کیا تھا جس سے پیرزادہ کا مقصد یہ تھا کہ انگریز کفار کی تباہی و بربادی شاہ ایران کے ہاتھوں ہونے والی تھی جو سلطنت ہند مورث اعلیٰ کو بخش دینے والا تھا۔ کیا یہ اس لئے مشہور کیا گیا تھا کہ ان ایشیائی سست تحریکوں میں سنسنی پیدا ہو جائے۔ میں جانتا ہوں کہ سوائے مشرقی زمین کے اور کہیں ایسے اوہام ان نظروں سے نہیں دیکھے جاتے' لیکن حیرت سے دیکھا جاتا ہے کہ فوجی بغاوت میں یہ خیال پیوست تھے اور ہزار ہستیوں کو برائی پر آمادہ کرنے کا موجب رہے ہیں۔ میگزین پر فوری حملہ کرنا صرف سپاہیوں کی سازش نہیں کہا جا سکتا' بلکہ بادشاہ کی فوج کا پہلے قبضہ کرنے کی کوشش کرنا اور فوجی قواعد و اصول میں مطلق لغزش نہ ہونا عیاں کر دیتا ہے کہ ایسا حکم دینے والی اور ہی طاقت تھی۔ اس وقت وہاں کوئی بے چینی نہیں تھی۔ شور و غل نہیں تھا۔ لوٹ مار کی مطلق کوشش نہیں کی گئی۔ نان کمیشنڈ افسران متفرق دروازوں پر گارد لئے متعین تھے جبکہ دوسرا گارد حفاظت کے اہتمام میں تھا جو میگزین کی اشیاء باہر نکال رہے تھے۔ بے ترتیبی کا قواعد و احکام میں اتنے جلد مبدل ہو جانا کیا خود بخود ہو گیا؟

کیا بادشاہ نے اور ان کے سرکاری افسروں نے حالات حاضرہ کا پہلے ہی سے پروگرام نہ دے دیا تھا؟ کیونکر ہو سکتا ہے اے صاحبو! کیا بادشاہی فوجیں بغیر کسی قسم کا حکم پائے ہوئے خود بخود ایسے اہم کار کے لئے تیار ہو گئیں؟ اگر میں بادشاہ کی ذاتی اجازت کا پتہ لگانے میں کامیاب نہ ہوا ہوں تو مجھے یقین ہے اور شہزادہ جواں بخت کی یاوہ گوئی صاف ظاہر کرتی ہے کہ بروز پیر گیارہ مئی کو گذرنے والے واقعات کا علم بااثر اہل قلعہ کو ضرور تھا۔ جواں بخت کو انگریزوں کے زوال پر اس قدر خوشی ہے کہ وہ اپنے جذبات کو چھپا نہیں سکتا۔ میرا مقصد صاف طور پر وہ باتیں بیان کرتا ہے جنہیں میں صحیح سمجھتا ہوں۔ یعنی سازش ابتداء ہی سے سپاہیوں تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کی شاخیں قلعہ اور شہر میں بھی تھیں۔ کیا وہ قتل جن پر ہم غور کر رہے ہیں' حقیقت کو مستحکم نہیں کرتے؟ ہمارے پاس مستند شہادت ہے کہ گیارہویں اور چھتیسویں پیادہ رجمنٹ کے باغی میگزین اڑائے جانے کے قبل اس پر حملہ آور ہوتے اور سیڑھیاں لگا کر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی وقت گورنمنٹ کے بدخواہوں کی جماعت میں سب سے پہلی صورت جو ہماری نظروں سے دوچار ہوتی ہیں' وہ بادشاہ ہی ہیں۔ اس کے بعد انہیں مخفی رہنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور وہ چشمہ بغاوت میں بے دھڑک اتر کر سیلاب کی مدد سے آگے بڑھے چلے جاتے ہیں اور حکومت ہند کا تصور کرتے ہیں' جبکہ دفعتاً مدبران کی امیدوں پر پانی پھیر دیتا ہے اور تو وہ ریگ پر لا پٹکتا ہے۔ میں لفٹنٹ ولف بائی کی طرف رجوع کرنے کے لئے ایک سکنڈ ٹھہر جاتا ہوں اور ان جیسے بہادر شخص کے لئے جس نے میگزین کی اس لاتعداد فضولیات کے مقابل' جس کے سپرد تمام میگزین تھا' اسے اتنے عرصہ تک قابو میں رکھا۔ ایک شخص سخت تشویش میں پڑ جاتا ہے کہ کسے بنظر استعجاب دیکھے؟ کیا فراست اور دانشمندی کو جس نے ایک نظر میں اس کے اڑا دینے کی ضرورت محسوس کی اور مناسب انتظام کر دیا یا جانبازانہ استقلال کو جس سے آخری قربانی چڑھائی گئی؟ اس مردانگی کو انصاف سے دیکھنا مورخین کا دلچسپ فرض ہو گا۔ میں اس پر چلتے چلتے صرف سرسری ایک نظر ڈال سکتا تھا' کیونکہ دیگر معاملات پر بہت کچھ بحث کرنی ہے جن کا موجودہ کارروائیوں سے بہت گہرا تعلق ہے۔ دہلی کا میگزین اڑتے ہی بغاوت

کے سیلاب عظیم کو روکنے کی ہر ایک امید مٹ گئی اور انگریزی جماعت جو کچھ پہلے برسر اقتدار تھی اب مخدوش حالت میں گھر گئی اور جان بچانا ہر ایک کا فرض ہو گیا۔ دہلی بالکل بدمعاشوں پر چھوڑ دی گئی جنہوں نے چوبیس گھنٹوں کے مختصر وقت میں اپنے اوپر جرائم کے ایسے بھاری داغ لگائے جن سے بمشکل زمانہ سلف کی سیہ کاریوں کی فہرستیں مساوی ہو سکیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ بادشاہ خود اس عظیم ڈراما کے ایکٹر بن کر آ رہے ہیں جس کے تماش بین انگلینڈ و یورپ سے کہیں زیادہ تعداد میں ہیں۔ وہ ڈراما جس کے مناظر کو تہذیب و تمدن کی مخالف قوتوں نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھا۔ شہادت بتا رہی ہے کہ گیارہ مئی کی سہ پہر کو بادشاہ دیوان خاص میں آ کر کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں اور سپاہ و افسران ہر ایک یکے بعد دیگرے آگے آ کر سروں کو خم کرتا ہے اور ان کا ہاتھ اپنے سر پر رکھوانے کی درخواست کرتا ہے۔ بادشاہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ پھر ہر ایک جو جی میں آیا' کہتا ہوا وہاں سے رخصت ہوتا ہے۔ گواہ غلام عباس ملزم کے مختار خبر دیتے ہیں کہ بادشاہ کے سپاہیوں کے سروں پر ہاتھ رکھنے سے یہ مفہوم ہے کہ وہ ان کی خدمات و فرمانبرداریوں کو قبول کرتے ہیں۔ گواہ پھر آگے بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ انہیں بادشاہ کے عنان حکومت لینے کی باقاعدہ منادی کا تو علم نہیں ہے' لیکن شاید بغیر انہیں اطلاع ہوئے ایسا ہو گیا ہو۔ البتہ بادشاہ کا اختیار غدر کے روز ہی سے قائم ہو چکا تھا اور اسی شب کو اکیس توپوں سے سلامی دی گئی تھی۔

یہ واقعات' ہمیں جرم لگانے کے لئے کافی ہیں اور شاید اب ان تواریخ کا چنداں لحاظ نہ رکھا جائے گا جن میں یہ فراہم ہوتے رہے ہیں۔ محمد بہادر شاہ سابق بادشاہ دہلی پر پہلا جرم یہ ہے کہ برٹش گورنمنٹ ہند کے پنشن خوار ہونے کے باوجود انہوں نے ۱۰ مئی سے یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم سپاہیوں کو محمد بخت خاں صوبہ دار رجمنٹ توپخانہ اور دیسی کمیشنڈ افسران کو حکومت کے برخلاف بلوہ و بغاوت کرنے کی ترغیب دی اور بلوہ کا باجود دہلی میں ہوئی تھی۔ میں شہادت کا دسواں حصہ بھی جو جرم قائم کرنے کے لئے ہے' عدالت کے روبرو پیش کر کے اسے دق نہیں کرنا چاہتا۔ مسٹر سانڈرس قائم مقام کمشنر اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر نے واضح کر دیا تھا کہ کن وجوہات سے ملزم برٹش گورنمنٹ ہند کے پنشن خوار ہوئے یعنی ان کے دادا شاہ عالم مرہٹوں کی قید شدید میں تھے اور جب ۱۸۰۳ء میں سلطنت انگلشیہ نے انہیں شکست دی تو شاہ عالم نے برٹش گورنمنٹ کی حفاظت میں آنے کی درخواست کی۔ چنانچہ انہیں حفاظت میں لے لیا گیا اور اس وقت سے فرضی بادشاہان دہلی' گورنمنٹ برطانیہ کی رعایا سمجھے جاتے تھے۔ پھر جہاں تک اس خاندان کا تعلق ہے معلوم رہے کہ کسی کو کسی قسم کی شکایت یا تکلیف نہیں تھی اور ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ملزم کے جد امجد شاہ عالم نے صرف تخت ہی کو ضائع نہیں کر دیا تھا بلکہ ان کی دونوں آنکھیں بھی نکال لی گئی تھیں اور وہ ہمہ قسم کے مظالم کا شکار بنائے گئے تھے اور قید شدید میں رکھے گئے تھے' جبکہ لارڈ لیک نے انہیں آزاد کرایا اور ان کی ابتر حالت پر ترس کھا کر از راہ ہمدردی فراخدلی سے وظیفہ اور مرتبہ عطا کیا جو ان کے جانشینوں تک بدستور باقی رکھا گیا۔ حتیٰ کہ اس مار آستین نے اپنے دانت انہیں پر مارے جن کا وہ احسان مند تھا اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوئے تھے۔

"بنام غلام خاص لارڈ گورنر محمد بخت خاں صوبہ دار۔

مابدولت کی مہربانی ہو جیو۔ جانو تم کہ نیچ کی فوج علا پور پہنچ گئی ہے اور اس کا سامان بار برداری پیچھے رہ گیا ہے۔ تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ دو سو سوار اور پیادوں کے پانچ یا سات دستے لے کر تمام سامان مذکورہ گاڑیوں میں لدوا کر

علاپور پہنچوا دو۔ آگے تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ کفار کو آگے بڑھنے نہ دینا۔ وہ عیدگاہ کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یاد رکھو کہ اگر فوج بدون فتح پائے اور ذخائر جنگ چھینے واپس پلٹ آئی تو بڑی رسوائی ہوگی اور انجام الگ خطرناک ہوگا۔ تمہیں اطلاع دی جاتی ہے اور ان احکام کو تم ضروری جانو۔"

یہ صحیح ہے کہ اس خط میں کوئی تاریخ نہیں ہے، لیکن مضمون میں شک کی گنجائش نہیں کہ اسی زمانہ میں لکھا گیا تھا جس کی بنا پر پہلا جرم قائم کیا گیا ہے۔

جوابدہی پر میرے اظہار رائے کرنے کا شاید یہ بہترین موقع ہے۔ ملزم نے بھی ان دیگر اشخاص کا وطیرہ اختیار کیا ہے جو ہمارے روبرو پیش ہو چکے ہیں اور خود کو عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ٹھہرایا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ غدر سے قبل انہیں کسی ایسے معاملہ کی خبر نہیں تھی۔ باغی سپاہ نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور پہرے قائم کر دیئے اور وہ جان کا خوف کر کے دم بخود رہ گئے اور کمرہ میں چلے گئے۔ باغی سپاہ نے مردوں، عورتوں اور بچوں کو مقید رکھا۔ انہوں نے منت و سماجت سے مکرر ان کی جان بچائی اور تیسری مرتبہ بھی انہوں نے جان بچانے کی حتی المقدور کوشش کی مگر مفسد سپاہ نے ان کی بات کا مطلق خیال نہیں کیا اور ان بیچاروں کو میرے حکم کے خلاف قتل کر ڈالا۔ اب خاص اعتراض یہ ہے کہ یہ بات صرف مشاہدہ ہی سے ناپائیدار نہیں ٹھہرتی بلکہ تحریری اور زبانی شہادات جو خاص ان کے ملازمین کی یا غیروں کی دی ہوئی ہیں، بالکل اس کے برعکس ثابت کرتی ہیں۔ جوابدہی سرتاپا صرف انکار معاصی کی زرروزی ہے۔ اپنے فعل مختار نہ ہونے کا اظہار اپنے گناہوں کو دوسروں کے سر تھوپنے کی کوشش وغیرہ سے وہ جوابدہی پر ہے۔ ان کی جوابدہی کے مخالف اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی دستاویزوں اور تحریروں سے یا ان کی خاص مہر و دستخط سے انکار تو نہیں کر سکتے تھے اور سوائے اس کے چارہ ہی نہ تھا کہ وہ کہیں کہ ان سے جبراً لکھوائے گئے ہیں اور مہر بھی زبردستی ثبت کرائی گئی ہے۔ صرف ایک بھنور جس سے وہ خود کو آزاد نہ کر سکے اور وہ بھی خاص اپنی ہی مرضی سے، وہ مقبرہ ہمایوں کو جانا اور پھر چلے آنا ہے۔ بیشک انہیں بیان کر دینا چاہئے تھا کہ آخری بات اپنی خوشی سے کی ہے، کیونکہ اس کا امکان بہت دشوار ہے کہ وہاں بھی انہیں زبردستی لے جایا گیا ہو اس وجہ سے کہ اگر سپاہی واقعی انہیں زبردستی لے جاتے تو ان کا اپنی مرضی سے واپس آنا بہت مشکل تھا۔ پس ہم ذیل کے دلچسپ الفاظ میں اس پر رائے زنی کرتے ہیں۔

جب باغی اور بلوائی سپاہ بھاگنے کے لئے تیار ہوئی تو میں موقع پا کر چپ چاپ قلعہ کے دروازے سے نکلا اور جا کر ہمایوں کے مقبرہ میں ٹھہر گیا' کوئی خیال کرے کہ جب انہوں نے بلوائی سپاہ سے خود کو علیحدہ کرنا چاہا تھا تو بہترین تدبیر یہ تھی کہ جس وقت وہ لوگ بھاگنے کے لئے تیار ہو رہے تھے یہ دہلی میں ہی ٹھہر گئے ہوتے' نہ یہ کہ چپ چاپ قلعہ کے دروازے سے دوسری جگہ نکل کر جاتا۔ بہرحال میرا مدعا یہ نہیں ہے کہ جواب کے فقرہ فقرہ کو لوں اور اس پر تنقیدی نگاہ ڈالوں۔

میں یقین کرتا ہوں کہ اس کے لئے میرا بہترین جواب یہ بتانا ہوگا کہ جرائم کتنے مدلل اور باثبوت ہیں اور اس مقصد کے لئے میں پھر خود کو خطاب کرتا ہوں اور دوسرے جرم قرارداد کی طرف بڑھتا ہوں جو پہلے سے بھی زیادہ مستند و صحیح ہے۔ وہ یہ ہے کہ ۱۰ مئی اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان انہوں نے اپنے فرزند مرزا مغل کو جو گورنمنٹ برطانیہ ہند کی رعایا

تھا' دیگر باشندگان شمال مغربی صوبجات کو جن کے نام معلوم نہیں ہیں اور سپاہیوں کو جو سب کے سب گورنمنٹ کی رعایا تھے' حکومت کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا اور اشتعال دلایا۔ اس الزام کے ثبوت میں اس قدر دستاویزیں اور شہادات ہیں کہ جن کا شمار کرنا بھی تھکا دے گا۔ اخبارات نے مرزا مغل کا تقرر بطور کمانڈر انچیف' ان کی خلعت پوشی و دیگر معاملات متعلقہ کا چرچا کیا ہے۔

اس مسئلہ پر زبانی شہادات بھی قوی ہیں اور برآمد شدہ خط و کتابت بھی ظاہر کرتی ہے کہ مرزا مغل اپنے باپ کے فرزند اور شاید دہلی کے بلوائیوں کے نمبر ۲ قافلہ کے سالار تھے۔ میں موضوع کی خاطر مولوی محمد ظہور علی پولیس افسر نجف گڑھ کی عرضی کا تھوڑا سا اقتباس دیتا ہوں

بحضور جہاں پناہ بادشاہ!

مؤدبانہ التماس ہے کہ مراسلہ شاہی کے احکام اس قصبہ نجف گڑھ کے جملہ ٹھاکروں' چودھریوں' پٹواریوں اور قانون گویوں کو سنا دیئے گئے ہیں اور بخوبی ذہن نشین کرا دیئے گئے ہیں اور بہترین انتظامات قائم کر دیئے گئے ہیں۔ دیگر یہ کہ بموجب حکم آنحضور پیادہ و سواروں کی بھرتی جاری کر دی گئی ہے اور انہیں سمجھا دیا گیا ہے کہ اس ضلع کی آمدنی وصول ہونے پر انہیں الاؤنس دیا جائے گا۔ تاوقتیکہ کچھ غازی تازہ مرتب کر کے نہ بھیج دیئے جائیں' غلام کو اطمینان نہیں ہو سکتا۔ لگی' کرکولی' دچاؤ' کلن وغیرہ مقامات کی نسبت عرض ہے کہ یہاں کے باشندے پرُ آشوب وقت دیکھ کر مسافروں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ مرزا مغل ان کے فرزند و دیگر مختلف باشندگان دہلی و صوبجات مغربی و شمالی کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے ثبوت میں کافی ہے۔ جس درخواست کا میں نے ذکر کیا ہے' اس کی پشت پر بادشاہ کا دستی فرمان مرزا مغل کے نام ہے' جس میں مرزا مغل کو فی الفور ایک پیادہ رجمنٹ مع افسران کے نجف گڑھ روانہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ عرضی دہندہ کی تجاویز آسانی سے پوری ہو سکیں اور انگریزوں سے لڑنے کے لئے پیدل اور سوار جمع کرنے میں دشواری نہ پیش آئے' لیکن ایک اور درخواست ہے جو بوجہ دیر سے دستیاب ہونے تحریری دستاویزوں کے سلسلہ میں پیش نہ کی جا سکی' لہٰذا اسے یہاں درج کرنا ضروری ہے۔ یہ امیر علی خاں فرزند نواب خراج پورہ کی طرف سے ۱۲ جولائی کی تحریر ہے اور حسب ذیل ہے:

بحضور بادشاہ جہاں پناہ!

مؤدبانہ عرض ہے کہ غلام حضور کے دربار شاہی میں حاضر ہوا ہے' جہاں دارائے دربانی کی ہو۔ فدوی نے حضور کی خاطر جان قربان کرنے کے جوش میں آ کر اپنا وطن چھوڑا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ یہ دن دیکھنے کے لئے زندہ رہا جبکہ مردود انگریزوں نے قصر شاہی تک جس کے آسمانی ملائک پاسباں ہیں' اپنی توپیں لانے کی جرأت کی۔ غلام نے جب سے ہوش سنبھالا ہے' فنون سپہ گری میں شیر کی مانند لڑنا سیکھا ہے۔ نہ مثل روباہ کے جو اپنی جان کا خوف کرے ؎

پلنگ اپنا شکار پہاڑوں کی چوٹیوں پر مارتے ہیں
مگرمچھ اپنا شکار دریا کے کنارے گھاٹ سے نگل لیتے ہیں

فدوی عرض پرداز ہے کہ اگر اس کی التجا قبول کر لی گئی اور اس جنگ کی ضروری تدابیر و آئین میں اس پر بھروسہ کیا گیا تو حضور

عالی کے اقبال سے صرف تین روز میں ان گورے چٹے اور سیہ بخت لوگوں کو ایک دم قتل کر دے گا۔ یہ واجب تھا اس لئے عرض کیا۔ (ترقی اقبال وسلطنت کی دعائیں بدخواہان سلطنت کو درشت وسخت کلامی سے کوستا ہے)

''عرضی غلام امیر علی خاں ولد نواب نجابت خان رئیس ٹراچورہ''

حکم شاہی پنسل کا بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔

مرزا ظہور الدین۔ تحقیقات کی جائے اور سائل کو ملازمت دی جائے۔

تیسرا جرم یہ ہے کہ باوجود برٹش گورنمنٹ ہند کی رعایا ہونے کے اپنی فرمانبرداری کا خیال نہ رکھ کر جو ان کا فرض تھا' امئی ۱۸۵۷ء یا اس کے کچھ بعد سلطنت کے خائن ہوئے۔ اپنے آپ کو بادشاہ دہلی مشہور کیا اور شہر دہلی پر خلاف قانون قبضہ کر لیا۔ نیز مرزا مغل اپنے فرزند و محمد بخت خاں صوبہ دار توپخانہ و دیگر فتنہ پردازوں سے سازش کی اور ۱۰ مئی تا یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء باغی سلطنت ہوئے اور گورنمنٹ سے لڑنے کے لئے دہلی میں فوج جمع کی۔

پہلا جرم قائم ہوتے ہوئے بتا دیا گیا ہے کہ ملزم گورنمنٹ برطانیہ ہند کے پنشن خوار ہیں اور گورنمنٹ نے ان کی یا کسی ان کے اہل خاندان کی جاگیر و حکومت نہیں چھینی ہے بلکہ برخلاف اس کے انہیں ظلم وعسرت سے نکال کر لاکھوں روپیہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ میرے خیال میں ایسی حالت میں ان کا فرض تھا کہ اطاعت شعاری کرتا۔ برعکس اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی محسن گورنمنٹ کو الٹ دینے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ غدر کے پہلے ہی روز سہ پہر کو دیوان خاص میں بیٹھ کر وہ باغیوں کے مجرے لیتے ہیں اور عام اخوت روسیاہی کو جوڑتے ہیں۔ اس سین کو یہاں ہو بہو دکھانا شاید مشکل ہے۔ ایک کمزور' کانپتا ہوا ضعیف العمر انسان اپنے مرعوش ہاتھوں سے عصائے شاہی کو پکڑنا چاہتا ہے' جو اس کی ناتواں گرفت سے بالاتر ہے۔ وہ سن وثقاہت سے خمیدہ ہستی ایک شہنشاہ کی سلطنت پر گندے مظالم اور قتل کی رحمت وبرکت کے ذریعہ قابض ہونا چاہتی ہے! ہر ایک دلسوزی کو جو قلب انسان پر ایک شان سے نازل ہوا کرتی ہے' مار کر اس بغض سے ملوث انسان نے ضرور خود کو ان وحشیوں کا نصب العین بنا لیا تھا جو چاروں طرف سے گھیرے کھڑے تھے!

یہاں کئی گواہ ہیں جو ملزم کی تخت نشینی کا اعلان مختلف ایام میں ہوتا ہوا بتاتے ہیں اور گمان غالب ہے کہ حقیقتاً ایسا ہوا تھا۔ اتنے بڑے شہر دہلی کے گلی کوچوں میں صرف ایک یا دو مرتبہ کا اعلان بہت مشکل سے کافی سمجھا جا سکتا ہے۔ ملزم کے مختار تسلیم کرتے ہیں کہ بادشاہ کی حکومت ۱۱ مئی کو قائم ہوئی تھی اور گلاب خبر رساں سے پوچھا گیا'' کیا بادشاہ غدر کے ہوتے ہی فرمانروا مشہور کر دیئے گئے تھے؟'' تو جواب دیا کہ ''جی ہاں غدر ہی کے روز تین بجے قریب سہ پہر کے منادی کرائی گئی تھی کہ آج سے بادشاہ کی حکومت قائم ہو گئی' اور چنی لال بساطی دوسرا گواہ بیان کرتا ہے کہ گیارہ مئی کو آدھی رات کے وقت قلعہ میں توپوں کے بیس فیر ہوئے تھے۔ میں نے اپنے مکان میں سے آواز سنی تھی اور دوسرے روز دوپہر کو منادی کرائی گئی تھی کہ ملک بادشاہ کے قبضہ میں آ گیا۔ آخری فقرہ اس جرم پر مشتمل ہے کہ شہر دہلی پر ناجائز قبضہ کیا' لیکن اس جرم کے قائم کرنے میں کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ جرم آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ ''ملزم نے ۱۰ مئی اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان مرزا مغل اپنے فرزند اور محمد بخت خاں صوبہ دار رجمنٹ توپخانہ سے سازش کی اور دیگر نامعلوم نمک حراموں کو اشتعال دلا کر سلطنت سے بھڑکایا اور لڑنے کے لئے آمادہ کیا۔'' مرزا مغل کمانڈر انچیف مقرر کر دیئے گئے تھے اور غدر کے

چند روز بعد ایک خاص سرکاری جلوس ان کے تقرر کو مشتہر کرنے کے لئے نکالا گیا۔ جس گواہ نے بیان کیا ہے کہ ایسا ہوا تھا' وہ چنی لال بساطی ہے' لیکن وہ صحیح تاریخ نہیں بتا سکتا کہ اس نے یہ کس روز دیکھا تھا۔ مرزا مغل کا تمام فوجی معاملات پر پورا اختیار رہا' جب تک کہ جنرل بخت خاں نہ آ گیا جو گورنر جنرل و کمانڈر انچیف مقرر ہو گیا تھا۔ اس کی آمد کی تاریخ یکم جولائی ہے اور اس کے بعد ہر دو کمانڈر انچیفوں کی شکررنجی اور اختیارات کے لئے آپس کی تفتیش قابل ملاحظہ ہے۔ چنانچہ ۱۷ جولائی کو مرزا مغل اپنے والد کو تحریر کرتا ہے اور اطلاع دیتا ہے کہ اس روز اس نے فوج مرتب کی اور انگریزوں پر حملہ کرنے کی نیت سے شہر سے باہر نکلا تو جنرل بخت خاں درمیان میں حائل ہو گیا اور عرصہ تک تمام فوج کو بیکار کھڑا رہنے دیا اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ فوج کس کے حکم سے باہر آئی ہے اور پھر یہ کہہ کر کہ "بغیر اس کی اجازت کے کہیں نہ جانا" اسے واپس کر دیا۔ مرزا مغل آگے کہتا ہے "میرے حکم کے مسترد ہونے سے میرے افسروں کو بہت صدمہ ہوا لہٰذا آپ مفصل تحریر فرما دیجئے' کہ فوج پر پورا اختیار کس کا ہے۔" اس خط پر کوئی حکم تو نہیں ہے جس سے پورا پتہ چل سکے' لیکن نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مستحسن انتظام کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ ہم دوسرے روز ۱۸ جولائی کو مرزا مغل اور جنرل بخت خاں کو باہم مشورہ کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ چنانچہ خط ہذا جو مرزا مغل نے اپنے والد کو لکھا تھا' پوری وضاحت سے بیان کئے دیتا ہے' جو ۱۹ جولائی کا لکھا ہوا ہے۔

"کل سے مکمل اور پختہ طور پر انتظام کر دیا گیا ہے جس سے غنیم کو رات اور دن برابر نقصان پہنچتا رہتا ہے۔ اگر علا پور کی طرف سے امداد مل گئی تو خدا کے حکم اور حضور کے اقبال سے یقین ہے کہ پوری فتح حاصل ہو جائے گی۔ لہٰذا میں عرض کرتا ہوں کہ بریلی کے جنرل کو ہدایت کی جائے کہ وہ علا پور کی طرف سے آ کر مدد دیں اور اس طرف سے کفار پر حملہ آور ہوں اور فدوی اس طرف سے حملہ کرے گا تاکہ دونوں فوجیں بالاتفاق تمام مردود کفار کو جہنم واصل کر دیں۔ مزید برآں امید ہے کہ علا پور کی سمت جانے والی فوج دشمنوں کی رسد کو بھی منقطع کر دے گی۔ واجب جان کر عرض کیا گیا۔" اس خط پر حکم شاہی تحریر ہے۔ "مرزا مغل جو مناسب ہو' انتظام کیا جاوے۔" پھر مرزا مغل نے بھی تحریر کیا ہے۔ ایک حکم بریلی کے جنرل کے نام جاری کر دیا گیا۔ تین ہستیوں کا باہم مل کر مشورت کرنا سازش کرنا اس سے عیاں ہے۔ تین دستاویزیں اور ہیں جنہیں یہاں پیش کرنا ضروری ہے اور جو ہنوز عدالت میں پیش نہیں کی گئی ہیں۔ ایک تو جنرل بخت خاں کا ۱۲ جولائی کا اعلان ہے جس کا اقتباس اخبار "دلی اردو گزٹ" سے کیا گیا ہے:

> "ان لوگوں کو جو شہر یا دیہات میں رہتے ہیں مثلاً مالگذار' زمیندار' وظیفہ خوار' جاگیردار وغیرہ' معلوم ہو جائے کہ اگر آمدنی کی طمع سے وہ ہنوز انگریزوں کے طرفدار ہوں یا ان سے مل کر انہیں خبریں پہنچایا کرتے ہوں یا رسد دیتے ہوں۔ ان کا ایسا کرنا قابل معافی نہیں ہو سکتا۔ پس اعلان کیا جاتا ہے کہ تمام وہ جو ایسے ہیں پورا یقین رکھیں کہ جب پوری فتح حاصل ہو جائے گی تو بعد تحقیقات انہیں گذشتہ اور تازہ خطابات اور معطل شدہ آمدنی کا کافی معاوضہ جو موجودہ بدامنی کی وجہ سے لاحق ہوا اور خاطر خواہ انعام ملے گا' لیکن اگر احکام کے پہنچنے کے بعد بھی کوئی شخص انگریزوں کا طرفدار رہے گا یا خبریں وغیرہ پہنچایا کرے گا تو حکومت اس کو جیسا

چاہے گی سزا دے گی۔ چیف پولیس افسر شہر کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اس کی پشت پر ان تمام جاگیرداروں وزمینداروں کے دستخط لے کر جو ان کے علاقہ میں ہوں اعلیٰ حضرت کو واپس کر دیں۔"

دوسری دستاویز بادشاہ کا حکم چیف پولیس افسر کے نام ہے۔ محررہ مورخہ ۹ ستمبر ۱۸۵۷ء۔ وہ حسب ذیل ہے:

"تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ شہر میں بذریعہ منادی اعلان کرا دو کہ یہ مذہبی جنگ ہے اور صرف مذہب ہی کی خاطر کی جا رہی ہے۔ پس تمام ہندو مسلمان باشندگان شہر کو اور دیہات کے تمام اہل مواضع اور ان کو جو شہر سے باہر ہم سے مقابلہ کر رہے ہیں یا کہیں اور انگریزوں کی ملازمت کر رہے ہوں' خواہ وہ مشرقی صوبجات کے ہوں یا سکھ ہوں یا کوہ ہمالہ کے نیپالی' ہدایت کی جاتی ہے کہ یہاں انگریزوں کے ہمراہی ہندوستانیوں اور دیگر ممالک کے رہنے والوں کو علی الاعلان کہہ دو' خواہ وہ سکھ ہوں یا کوہستانی' ہندوستانی ہوں یا کسی اور ملک کے ہندو ہوں یا مسلمان' دشمن سے بے ہراس ہو کر ادھر آ جائیں۔ جب وہ یہاں آ جائیں گے تو عمدہ خوراک ملا کرے گی اور انہیں اپنے اپنے مذہب پر چلنے کی اجازت ہو گی۔ اور جو لوگ اس حملہ میں شریک ہوں گے خواہ وہ فوجی ملازم ہوں یا نہ ہوں' مال غنیمت میں سے انہیں حصہ ملے گا اور جو مال انگریزوں کا لوٹیں گے' ان سے کوئی نہ چھین سکے گا اور اعلیٰ حضرت سے جو انعام ملے گا' وہ اس کے علاوہ ہے۔"

یہ کاغذ جو میں نے پڑھا ہے' دفتر کی نقل ہے اور حال ہی میں چیف پولیس اسٹیشن سے دستیاب ہوا ہے۔ اس پر افسر مذکورہ کی اور شاہی اسسٹنٹ چیف پولیس افسر کی مہر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعینہٖ اصلی فرمان کی نقل ہے۔ ایک عدالت کے سامنے اس سے بڑھ کر مستند شہادت پیش کر سکنا دشوار ہے۔ اب مجھے خیال ہوتا ہے کہ تیسرے جرم کو پورے طور سے ثابت کر دیا جائے اور بے شمار بے ضروری دستاویزوں کا بیان ختم کر دیا جائے۔ نیز یہ فرمان تیسرے جرم کے آخری حصہ پر عائد ہوتا ہے۔

میں اب اپنا خیال اس جرم قرارداد کی طرف رجوع کرتا ہوں' جو ملزم پہ یہ الزام عائد کرتا ہے کہ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء یا اس کے ماقبل و مابعد شہر اور قلعہ دہلی میں انچاس نفر انگریز اور مخلوط انگریز جن میں خصوصاً عورتیں اور بچے بکثرت تھے' قتل کرایا اور یا قتل میں حصہ لیا۔ جہاں تک ان مظلوم مقتولوں کا تعلق ہے' میں کچھ بیان نہیں کرتا۔ واقعات خود عدالت پر واضح کر دیئے گئے ہیں اور وہ ایسے نہیں ہیں جو آسانی سے محو کر دیئے جائیں۔ اتنی سنگدلی و بیدردی جو عورتوں و بچوں کو ذبح خانہ میں لے جائے اور وہ بھی محض غلط فہمی پر یا مذہبی جوش جنوں میں ایسی بعید از انسانیت بات ہے کہ قلب سلیم اس کے قبول کر لینے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا' چاہے اس سانحہ پُرالم کی حقانیت پر متفق رائیں' قوی دلائل' براہ راست شہادات ہی ہمارے خیالات پر کیوں نہ زور ڈالیں۔ تاہم یہ حقائق اتنی آسانی سے تسلیم نہیں کیے جا سکتے جیسے متذکرہ بالا واقعات جن کے ثابت کرنے کے لئے میں اس جگہ آیا ہوں' وہ بد نصیبانہ بلکہ بیحد دردناک حالات اور زیادہ تشریح کے محتاج نہیں ہیں۔ اب یہ بتانا

رہ گیا ہے کہ ملزم کو اس مفسدانہ خونریزی سے کتنا گہرا تعلق ہے اور جیسا فرد قرارداد جرم میں بتایا گیا ہے' کیا دراصل انہوں نے ان انچاس نفر کے قتل کرنے یا کرانے میں حصہ لیا ہے؟ میں اس موقع پر اس قانون سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا جو سازش میں شریک شدہ تمام افراد کو ہر ایک فعل شنیع کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے جو ان کے ہم جماعت سازشیوں سے سرزد ہوئے ہوں۔ گو یہ افعال ان افراد کی خوشی سے نہ ہوئے ہوں یا انہیں اس کی مطلق اطلاع نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ ان عورتوں اور بچوں کی اموات سے ملزم کی وابستگی کی ہر ایک حقیقت کو جدا جدا بیان کر دوں۔ میں ان کی گرفتاری کی شہادت' ان کے محبوس کرنے کا مقام' خوفناک مظالم جس کا وہ شکار بنے اور ظلم سے بدتر سلوک جو ان کے ساتھ کیا گیا' بیان کرتا ہوں۔

ابتدائے قید سے انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے حق میں کونسا فتوئی صادر ہوتا ہے۔ پہلا شخص جس کی شہادت پیش کی جائے' حکیم احسن اللہ خاں ہیں۔ جب یہ دریافت کیا گیا" کیا وجہ تھی جو اتنی انگریز عورتیں اور بچے قلعہ میں لا کر قید کئے گئے؟" تو جواب دیا" باغیوں نے انہیں شہر اور شہر کے گردونواح سے گرفتار کیا تھا اور انہوں نے اپنے رہنے کی جگہ قلعہ میں قائم کی تھی۔ ان کو بھی اپنے ہمراہ لے آئے۔" آگے اظہار لینے سے وہ بیان کرتے ہیں کہ" باغیوں نے ہر ایک قیدی کو اپنے زیر حراست نہیں رکھا تھا بلکہ اندر لا کر ملزم کو اطلاع کی گئی اور انگریزوں کو باورچی خانے میں لے جا کر مقید رکھنے کا حکم ہوا۔ نیز یہ خیال کیا گیا تھا کہ وہ عمارت کشادہ اور وسیع ہے۔" دوبارہ سوال کرنے سے وہ جواب دیتے ہیں کہ" بادشاہ نے خود باورچی خانے کو ان کے مقید کرنے کے لئے مقرر کیا تھا' محض اس خیال سے کہ وہ عمارت کشادہ اور وسیع ہے۔" پس اس سے ظاہر ہے کہ ملزم نے محض آدمی عورتوں اور بچوں کے جھنڈ کو مثل گلہ محبوس کرنے ہی کے لئے وہ جگہ تجویز نہیں کی تھی بلکہ یہ بھی دیکھا تھا کہ ان کے خاص قلعہ میں ہے اور ان کی مرضی کے موافق ہے اور صاف ظاہر ہے کہ انہیں اس جگہ کا بھی ذاتی علم تھا کہ وہ کیسی ہے۔ وہ اسے ایک وسیع و کشادہ عمارت کہتے ہیں' مگر یہ اصطلاح اس پر عائد نہیں ہو سکتی ہے اور جب برعکس مقاصد کے لئے مستعمل کی جائے تو مفہوم بھی عیاں اور ٹھیک ہو جاتا ہے۔ جب حکیم احسن اللہ خاں نے یہ شہادت دی تو میں اپنے شک کو رفع کرنے کی غرض سے خود اس مکان میں گیا اور پیمائش کی۔ مکان چالیس فٹ طویل اور بارہ فٹ عریض اور دس فٹ بلند ہے۔ پرانا اور میلا پڑا ہوا ہے۔ استرکاری نام کو بھی نہیں ہے اور سب سے بدتر یہ کہ وہ تاریک ہے۔ فرش نہیں' دریچہ نہیں اور ہوا اور روشنی کا گزر نا ممکن ہے۔ اس میں صرف ایک روزن ہے جو ایک چھوٹا اور بوسیدہ دروازہ ہے' لیکن اب میں مسز آلڈویل کی زبان سے اس بیان کو ادا کرتا ہوں:

"ہم سب ایک کمرہ میں مقید تھے جس میں صرف ایک دروازہ تھا اور کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ وہ کسی انسان کے رہنے کے لائق نہیں تھا اور خصوصاً ہمارے اتنے ہجوم کے لئے تو بالکل ہی نہیں۔ ہم سب ہوا لینے کے لئے کھڑکی کے پاس مجتمع ہو گئے تھے اور ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے اور اس کھڑکی کو بھی سپاہیوں کی وجہ سے بند رکھنا پڑتا تھا جو بھری بندوقیں لے کر آتے اور بچوں کو ڈراتے دھمکاتے تھے۔ وہ ہمارے پاس آ کر کہتے کہ اگر بادشاہ تمہاری جاں بخشی کر دیں تو کیا تم مسلمان ہونے کو اور ہماری لونڈیاں بننے کو تیار ہو؟ لیکن بادشاہ کے مسلح مصاحبین جو اس گارد میں تھے' انہیں اس سے باز رکھتے اور کہتے کہ یہ سب بوٹی بوٹی کر دیئے جائیں گے اور چیلوں کوؤں کو کھلا دیئے جائیں گے۔ ہمیں بالکل خراب کھانا ملتا تھا۔ صرف دو مرتبہ بادشاہ نے اچھا کھانا بھیجا تھا۔ یہ بدلہ ہے اس خاندان کا جسے انگریزوں نے لاکھوں روپیہ

بخشا" ایک گواہ نے صاف طور پر بیان کیا ہے۔"ان کی محل سرا میں بہت وسیع جگہ ہے جہاں یہ عورتیں اور بچے رہ سکتے تھے۔"جس کے بعد کہتا ہے"اس میں ایسے تہ خانہ ہیں جہاں پانچ سو آدمی بھی چھپائے جائیں تو پتہ نہ لگے اور بلوائی بھی حرم سرا کے لحاظ سے وہاں نہ جا سکتے تھے" اور دوسرے گواہ کا قول ہے کہ "قلعہ میں خالی مکانات کی کمی نہیں تھی جہاں عورتوں اور بچوں کو آرام مل سکتا تھا مگر انگریزی سخاوت سے مستفیض ہونے والے نے ان کے لئے ایک تنگ و تاریک غار منتخب کیا جہاں ان کے ساتھ مجرموں سے بھی بدتر سلوک کیا گیا۔ چنانچہ وہ سب محدود جگہ ہی میں رہتے تھے اور ہر شخص جو جی میں آتا' انہیں کہتا تھا۔ قصر شاہانہ اور وظیفہ سلطانی کا انگریزوں کو یہ بدلہ ملا! احسن اللہ خاں اور مسز آلڈویل کے اظہار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ان معاملات کو بادشاہ کی ذات پر منسوب کرتے ہیں اور متفق علیہ ہیں۔ وہ معاملات جن پر صرف توجہ ہی مبذول نہیں رہتی تھی بلکہ تحریری احکام بھی وقتاً فوقتاً جاری ہوتے رہتے تھے جیسا کہ عدالت پر خود روشن ہو گیا ہے۔ تمام اہم معاملات کے ذمہ دار وہی تھے۔ کیا اس میں اب بھی کچھ شک ہے؟ بیشک تمام گواہان کی مستند شہادات اور ان کا تحریری جواب خود ہی ثابت کرتا ہے کہ ایسا تھا۔ ہم بادشاہ کو قید خانہ تجویز کرنے کا ذمہ دار یوں ٹھہراتے ہیں کہ قیدیوں پر ان کے مسلح مصاحبین مامور تھے۔ وہ بادشاہ ہی تھے جو انہیں خراب کھانا بھجواتے تھے اور دو مرتبہ اچھا کھانا دیا تھا اور سپاہی پوچھتے تھے کہ اگر بادشاہ جان بخشی کر دیں تو وہ مسلمان ہونا اور لونڈیاں بننا قبول کریں گے۔ یہ بھی ثبوت ہے۔ اتنا پڑھنے کے بعد ان کے ایسا کرنے پر کون شبہ کر سکتا ہے۔ کیا کوئی بھی ایسا واقعہ گذرا ہے جو یہ بتائے کہ ملزم نے بھی ان پر کوئی عنایت عامہ یا مہربانی کی ہو؟ ان سے مہربانی بہت دور تھی۔ جب تک ان لوگوں نے جو قیدیوں پر بعید از انسانیت ظلم کرتے تھے' تحقیق نہ کر لیا ایک مسلمان عورت کو بھی قیدیوں کے ساتھ بند رکھا' محض اس وجہ سے کہ وہ عیسائیوں کو کھانا پانی دیتی تھی۔ کیا سختی عناد کا اس سے بڑھ کر بھی کوئی درجہ ہے۔ بیشک تلوار کی دھار ان لوگوں کو ایسے برے قید خانہ میں تڑپ تڑپ کر جان دینے سے زیادہ پیاری ہوگی اور آزادی بخشنے والی محسوس ہوتی ہوگی۔

کیا میں یہاں توقف نہ کروں اور استقلال سے فیصلہ عدالت کا منتظر رہوں؟ مگر ثبوت موجوں کی روانی کے ساتھ کامل ہوتا جاتا ہے اور میرا مقصد بھی یہی ہے کہ اس کے کسی شعبہ کو بغیر جانچے نہ چھوڑوں۔

گلاب چپراسی (یا نامہ بر) نے بیان کیا ہے کہ قتل کے دو روز قبل یہ مشہور ہو گیا تھا کہ انگریز دو ایک دن میں قتل کر دیئے جائیں گے اور قتل کے مقررہ روز انبوہ کثیر قلعہ میں جمع ہو رہا تھا۔ ہر ایک گواہ جس نے اس کی نسبت کہا ہے۔ اس سین کے ایکٹروں اور تماش بینوں کے صبح کے وقت قلعہ میں جمع ہونے کی بابت کچھ نہ کچھ ضرور بتایا ہے اور چونکہ یہ آٹھ اور نو بجے صبح کے درمیان واقع ہوا تھا تو کوئی شک نہیں کہ اس کی اطلاع تماش بینوں کو بہت پہلے سے کر دی گئی تھی۔ مطلق ظاہر نہیں ہوتا کہ اس دردناک نظارہ پر فوج یا رعایا نے اظہار ناراضگی کیا ہو۔ علاوہ ازیں گواہ کہتا ہے کہ بغیر احکام یہ ہو نہیں سکتا تھا اور احکام دینے والے صرف دو شخص تھے۔ بادشاہ یا مرزا مغل۔ پھر وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا ان میں سے کس نے حکم دیا۔ آگے وہ بیان کرتا ہے کہ قتل کا میں مشاہدہ کر رہا تھا۔ جہاں انگریز بادشاہ کے مسلح مصاحبین جنہیں باڈی گارڈ کہتے ہیں اور باقی سپاہ سے گھرے ہوئے تھے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ گو میں نے کسی کو حکم دیتے نہیں دیکھا نہ سنا' لیکن یک بیک مذکورہ بالا آدمی تلواریں کھینچ کر دوڑے اور قیدیوں پر اتنی دیر تک پے در پے وار کرتے رہے کہ وہ سب بالکل قتل ہو گئے۔

دوسرے گواہ چنی لال اخبار نویس سے جب پوچھا گیا کہ انگریزوں کو کس کے حکم سے قتل کیا گیا تھا تو صاف صاف جواب دیتا ہے۔ بادشاہ کے حکم سے ہوا تھا اور کون ایسا حکم دے سکتا ہے؟ وہ اور دیگر گواہ اس پر متفق ہیں کہ مرزا مغل بادشاہ کے فرزند اپنے مکان کی چھت سے صحن کا نظارہ کر رہے تھے۔ مرزا مغل کا اس وقت میں ہونا گویا بادشاہ کا ہونا تھا۔ پس کیا یہ قابل اعتبار ہے کہ بادشاہ کے مسلح مصاحبین یعنی ان کے خاص باڈی گارڈ نے ایسے خونخوار مظالم کو ان کی مرضی کے خلاف کیا ہو گا۔ اس معاملہ پر اگر کچھ شک بھی ہو تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ملزم کی تحریروں کو جنہیں خود انہوں نے تسلیم کر لیا ہے' دیکھ کر رفع ہو جائے گا جس میں انگریزوں کے خون کی پیاس بجا طور پر جھلک رہی ہے۔ مرزا مغل کی موجودگی کے علاوہ دیگر ثبوت بھی ہیں کہ مظلوم عورتیں اور بچے خاص بادشاہ کے حکم سے قتل کیے گئے۔ میں بادشاہ کے اسپیشل سیکرٹری مکند لال کی شہادت پیش کرتا ہوں۔

سوال: کس کے حکم سے یہ لیڈیاں اور بچے جو قلعہ میں مقید تھے' قتل کیے گئے؟

جواب دیتا ہے۔ یہ لوگ تین روز تک جمع ہوتے رہے۔ چوتھے روز پیدل و سوار سپاہی مرزا مغل کے ہمراہ بادشاہ کے کمرہ خاص کے دروازے پر آئے اور ان کے قتل کرنے کی اجازت کے بادشاہ سے طلب گار ہوئے۔ بادشاہ اس وقت اپنے کمرہ خاص میں تھے۔ مرزا مغل اور بسنت علی خاں اندر چلے گئے جبکہ سپاہ باہر کھڑی رہی۔ بیس منٹ کے بعد وہ باہر آئے اور بسنت علی خاں نے باآواز بلند کہا کہ بادشاہ نے قیدیوں کے قتل کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ پس بادشاہ کے مسلح مصاحبین نے جن کے زیر حراست یہ قیدی تھے' انہیں باہر نکالا اور چند باغی سپاہیوں کے ساتھ انہیں قتل کر ڈالا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا مغل اسی وقت اس مکروہ ترین خونی کام کے لیے مسلح ہو کر آئے تھے۔ مذکورہ بالا کے سوا کچھ اور کہنا شاید بلا ضرورت ہو لیکن ملزم کی ڈائری کا اقتباس ایسا قابل وثوق ہے کہ میں اس کے پیش کرنے پر مجبور ہوں۔ حکیم احسن اللہ خاں کی شہادت اس بارے میں یہ ہے:

سوال: اس کاغذ کے ورق کو دیکھو اور پہچانو کہ یہ کس کا خط ہے؟

جواب: جی ہاں۔ یہ اس شخص کا خط ہے جو ڈائری لکھا کرتا تھا اور یہ اس کا ایک ورق ہے

کورٹ ڈائری مورخہ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء کے ایک اقتباس کا ترجمہ

''بادشاہ نے دیوان خاص میں دربار منعقد فرمایا۔ انچاس انگریز قید تھے اور فوج نے مطالبہ کیا کہ وہ اسے دے دیئے جائیں۔ بادشاہ نے یہ کہہ کر حوالہ کر دیئے کہ ''فوج جو چاہے کر سکتی ہے'' اور انہیں تہ تیغ کر دیا گیا۔ حاضرین کثیر تعداد میں تھے اور روساء و امراء افسران و اخبار نویسوں نے حاضر دربار ہو کر مجرے عرض کیے۔''

یہاں اب ہمارے پاس زبانی شہادت کے علاوہ تحریری شہادت بھی ہے اور کیا ملزم کے تحریری اقبال جرم سے بھی بڑھ کر کوئی ثبوت ہو سکتا ہے؟

میرا مطلب اس جوابدہی سے نہیں ہے جو محض عدالت کی خاطر بنائی گئی ہے' جو سراسر جھوٹ ہے اور جس میں ان حقائق صحیحہ کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے' جو ان کے برخلاف ہیں بلکہ میں ان کے طول طویل خط کی طرف اشارہ کرتا ہوں جو اپنے فرزند مرزا مغل کو لکھا تھا اور جس میں اپنے مسیحی قیدیوں کو قتل کرنے کا اجر عظیم دکھلایا گیا ہے۔ اس کے بعد اس

مضمون پر زیادہ بحث کرنی فضول ہے۔ اب چوتھے جزو قرارداد کا پچھلا حصہ غیر مشرح رہ گیا ہے۔ اس کے قائم کرنے کے لئے ہمارے پاس ان مراسلات کی نقول موجود ہیں جو راؤ بھاراوالی کچھ بھوج رنجیت سنگھ رئیس جیسلمیر اور راجہ گلاب سنگھ والی جموں کے نام جاری کیے گئے تھے اور ان کا مندرجہ ذیل اقتباس کافی ہوگا۔

"بنام راؤ بھاراوالی کچھ۔ خبر ملی ہے کہ تم خیر خواہ ما بدولت نے کفار کو بالکل نہ تیغ کر دیا ہے اور اپنی زمین کو ان کی نجس موجودگی سے پاک و صاف کر لیا ہے۔ ہم تمہاری اس کارروائی سے بہت خوش ہوئے اور اس لقب سے تمہیں اعزاز بخشتے ہیں۔ تم اپنے ملک میں ایسا انتظام کرو کہ مخلوق خدا کو کسی طرح کی تکلیف و اذیت نہ پہنچے۔ علاوہ یہ کہ جو کفاری تمہاری سرحد میں براہ سمندر پہنچیں قتل کر دیے جائیں۔ ایسا کرنے سے تم بالکل ہماری رضا و خوشی کے باعث ہو گے۔"

بنام رنجیت سنگھ والی جیسلمیر

"ہمیں پورا یقین ہے کہ ملعون کفار انگریزوں کا تمہاری سرحد میں نام ونشان بھی باقی نہ رہا ہوگا اور اگر اتفاقاً کچھ فرار ہو گئے ہوں یا روپوش ہو گئے ہوں تو پہلے انہیں قتل کر ڈالو۔ پھر اپنے ملک کا پورا بندوبست کر کے مع افسران فوج حاضر دربار ہو۔ الطاف و عنایات تم پر مبذول کی جائیں گی اور تم عزت و سرفرازی میں اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے کہیں زیادہ بڑھ جاؤ گے۔"

بنام راجہ گلاب سنگھ

"تمام ملاعین انگریزوں کے قتل کی مفصل کیفیت جو تمہارے علاقہ میں تھے' مجھے تمہارے خط سے معلوم ہوئی۔ تم قابل صد آفرین ہو۔ تم نے اس معاملہ میں وہ کام کیا ہے جو ہر ایک بہادر کو کرنا چاہیے۔ زندہ رہو اور خوش حال۔" پھر لکھا ہے کہ "دربار شاہی میں آؤ اور راہ میں جہاں انگریزوں کو پاؤ قتل کر ڈالو۔ تمہاری تمام خواہشات اور آرزوئیں پوری کی جائیں گی اور 'راجہ' کے خطاب سے سرفراز کیے جاؤ گے۔"

نمبر ۲ بے قاعدہ رجمنٹ کے دفعدار کی ایک درخواست ہے۔ جس میں وہ ڈینگ مارتا ہے کہ تمام مظفر نگر کے انگریز افسروں کو قتل کر ڈالا ہے۔ جس کے صلہ میں ملازمت کا فرمان خود ملزم کا تحریر کردہ ہے۔

قرارداد جرم پر میں اپنی رائے یہاں ختم کرتا ہوں اور حضرات آپ کے فیصلہ پر چھوڑتا ہوں کہ آیا ملزم جو آپ کے کٹہرہ میں ہیں' گوشہ نشینی اور کنج عزلت میں جا کر بھی اپنی معزول شدہ عظمت کے دعوے دار ہوں گے یا تواریخ کے مجرمان اعظم میں سے ایک سمجھے جائیں گے؟ آپ کو بتانا ہوگا کہ کیا شاہی خاندان تیموریہ کا یہ آخری بادشاہ جو اپنی ضعیف العمری اور تقاضائے سن سے خمیدہ ہو گیا ہے' نہیں بلکہ خاندانی تکالیف نے اس کی یہ حالت بنائی ہے' آج اپنے آبائی محل

سے جدا کر دیا جائے گا؟ یا یہ نفیس کمرۂ دیوان خاص یہ اعلیٰ حضرت انصاف کی درگاہ آج کے روز ایک ایسے فیصلہ سزاوار ہوگی جو قرون آخری میں یادگار رہے گا کہ بادشاہ معصیت کرنے سے کیسے مجرم کی طرح آبرو ریختہ کر دیئے جاتے ہیں اور کس طرح ایک شاہی خاندان کے تعیش ہائے مدید ایک دن میں ہمیشہ کے لئے نیست کر دیئے جاتے ہیں۔

ملزم کی ذات پر جو جرائم قائم کئے گئے ہیں اور ثابت کئے گئے ہیں' ان کا بیان اب ختم ہو گیا۔ میں باوثوق کہتا ہوں کہ اگر بلوۂ گذشتہ اور سازش سابقہ کے وجود میں آنے کے اسباب بیان کروں' تو بے جا نہ ہوگا۔ ایڈریس ہذا کے پچھلے حصہ میں کہہ آیا ہوں کہ اگر مسئلہ کارتوس کے قبل دیسی رجمنٹیں آمادۂ پیکار ہوتیں تو ایسی ہولناک و عالمگیر بغاوت نہ پھیلنے پاتی۔ ضرور وہاں کوئی دوسری زبردست و مخفی طاقت سربراہ کار تھی جس سے کلکتہ سے لے کر پشاور تک مختلف چھاؤنیوں میں پھیلی ہوئی تمام فوج متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ طرفین کی پوشیدہ کارروائی اور کسی پیشتر کی تیاری کے بغیر نہیں ہوا جسے اصطلاح میں سازش کہا جا سکتا ہے۔ میں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اتنے بھاری ہنگامہ و قتل کو کارتوس کی طرف ہرگز منسوب نہیں کر سکتے' بلکہ اگر مسئلہ کارتوس کو جو فساد کی تمنائے دیرینہ کو بر لانے کا فوری ذریعہ یا آلہ ہاتھ آیا تھا' ان کارروائیوں میں یا اور کہیں شناخت کرنے میں قاصر رہا تو میں اندھے سے بدتر ہوں گا۔ یہ وہ چنگاری تھی جو اتفاقاً نہیں بلکہ قصداً پہلے کی تیار کردہ سرنگ کو اڑا دینے کے لئے منتخب کی گئی تھی۔ پھر سازش کے وجود کی نسبت میں یہ کہنا نہیں چاہتا کہ ہم نے کسی خاص سازشی جماعت کا پتہ لگا لیا ہے جس نے اسی طریقہ سے جیسا کہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے' دیسی پیدل میں بغاوت پھیلائی ہو لیکن ایسی شہادت جسے ہم بہم پہنچا سکے' ظاہر کرتی ہے کہ دس مئی سے کتنے ہی عرصہ قبل حکومت برطانیہ نے نفرت و ناراضگی مسلمانوں میں بیشتر پھیلی ہوئی تھی' جنہوں نے ہر ایک حسب مطلب موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور ان میں سے شاید ایک موقع حکومت برطانیہ میں الحاق اودھ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی آخری سلطنت کے جو ہندوستان میں یکہ و تنہا رہ گئی تھی' ہاتھ سے نکل جانے سے زیادہ قلق ہوا اور چند وجوہات سے شاید ہندو سپاہی کو بھی برا معلوم ہوا کیونکہ بجائے دیسی تعلقداروں کی ماتحتی کے اب اسے انگریز کے زیر تحت آنا تھا۔ ایک گواہ جاٹ مل نے ہندو سپاہی اور ہندو سوداگر کے گورنمنٹ برطانیہ کے لئے مختلف فیہ جذبات کا خوب توازن کیا ہے۔ کیا ہندو اور مسلمانوں میں اس لحاظ سے کچھ فرق تھا؟ دریافت کرنے پر وہ جواب دیتا ہے ''جی ہاں۔ ضرور تمام مسلمان گورنمنٹ برطانیہ کا تختہ الٹ دینے کے درپے تھے جبکہ ہندوؤں میں معزز سوداگر تجار تاسف کرتے تھے۔'' وہ پھر آگے لکھتا ہے کہ ''فوج میں ہندو اور مسلمانوں کے جذبات علی العموم یکساں تھے اور وہ دونوں برابر خلاف تھے۔ ہمارے ذاتی تجربات بھی اس بات کے مؤید ہیں۔ دیسی فوج کا کثیر حصہ ہندو تھا اور ہم نے نہیں دیکھا کہ ظلم و تعدی میں کوئی کسر انہوں نے اٹھا رکھی ہو اور جہاں تک فوج کا تعلق تھا ہندو اور مسلمان ہر دو جرم کبائر کرنے میں ایک دوسرے سے فائق ہونے کی کوشش کرتے تھے' لیکن فوج سے علیحدہ بغاوت شاید کئی گذشتہ اسلامی سازشوں پر مبنی ہے اور غالباً اگر اسلامی نقش پا کی جستجو کی جائے تو معلوم ہو سکتا ہے جنہوں نے گھڑے ہوئے اور جھوٹے افسانوں کو سچ کا تھوڑا سا حصہ ملا کر قوی الاثر بنا دیا' جن سے وہ افواج جن کی وفاداری پر کبھی ناز تھا' متاثر ہو گئیں۔ ایسے موقع کے لئے موزوں نہیں ہے کہ گذشتہ سالوں کی طرف چلیں اور قدم بقدم ان اسباب کی جستجو کرتے چلیں جنہوں نے باہم مل کر اس اعتبار کو فنا کر دیا جو موجودہ خائنوں پر کیا گیا تھا اور بیشک ان میں کے بعض وسائل گورنمنٹ کے دست قدرت

میں تھے۔ کافی ہوگا اگر میں یہاں صرف گذشتہ مواقع کا تاریخ وار نہیں بلکہ یونہی ذکر کروں کہ جن میں دیسی رجمنٹوں نے خود کو بہت کم قابل اعتبار ثابت کیا ہے۔ ان مواقع نے یہ بھی ثابت کر دکھایا ہے کہ ایک بات پر سب کا اتفاق اور جذبات کی یکرنگی ان میں ہوتی ہے۔ اس وقت جو سبق ہمیں حاصل ہوئے وہ کبھی بھولے نہیں جا سکتے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہیں ایام سے ہندوستانی فوج ایک بڑی جھگڑالو جماعت بن گئی ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ بہت زیادہ سپاہی اپنے طرز کے عمدہ اور احسن معنوں میں گورنمنٹ کے وفادار رہے۔ "اپنے طرز کے" اس وجہ سے کہا ہے کہ میں نے تحقیق کیا ہے کہ ان میں اس قدرتی استقلال اور راست بازی کا چھوٹا سا شائبہ بھی نہیں ہوتا جو ہونا چاہئے۔ ان کی وفاشعاری جہاں تک قائم رہتی ہے فطرتاً نہیں ہوتی بلکہ عادتاً ہوتی ہے۔ وہ ایسی غلط بیانیوں کے شائق ہیں جن میں کوئی مذہبی نکتہ موجود ہو۔ ایسی جماعت میں ضرور کوئی نہ کوئی فطرتی بھی ہوتے ہیں۔ ایشیائی طرز معاشرت کی جو کوئی بھی تھوڑی واقفیت رکھتا ہوگا فی الفور اسے تسلیم کر لے گا اور خصوصاً ہندوؤں کی نسبت کہ ان میں کے بہت تھوڑے برائی کی طرف راغب ہوتے ہیں جبکہ زیادہ حصہ بھلائی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ تین یا چار لیڈروں کو سر باز آر جرم کرنے کے لئے آگے بڑھنے دیجئے یا انہیں باغیانہ مخفی سازشوں میں شریک ہونے دیجئے۔ پھر باقیماندہ لوگ اگر فی الفور خائف نہ ہو گئے تو بھی ان کی روک تھام یا مزاحمت کو اپنا فرض نہ خیال کریں گے۔ گو وہ خود ایک حد تک محترز ہیں' لیکن فعل متعدی کی مدافعت یا قتل و بغاوت کا انسداد' ان کے سیاسی یا مذہبی عقیدے کے کسی حصہ میں نظر نہیں آتا۔ خطرناک ترین جرائم اسی طرح ترقی پذیر ہوتے ہیں اور چند روز میں ناکردہ گناہوں کو بھی ہمراہ لے کر قعر مذلت کی تہ میں گر پڑتے ہیں اور اس طرح چند افراد کے جرائم بہتیروں کی بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔ گذشتہ بلوہ کو ترقی دینے میں بھی اثر کام کر رہے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے چند ہی لوگ انکار کریں گے اور میں جانتا ہوں کہ کوئی خط و کتابت عدالت میں پیش نہیں کی گئی اور نہ براہ راست شہادت فی الواقع ہم سپاہیوں سے یہ یاد نہ لے سکے۔ تاہم یہ بالکل صحیح ہے اور معتبر ذریعہ سے خبر ملی ہے کہ غدر سے ایک یا دو ماہ پیشتر ہمارے ہندوستانی سپاہیوں میں جو خطوط آتے جاتے تھے' بہ نسبت عام حالت کے بہت زیادہ تعداد میں تھے۔ یہ حال ان حقائق سے مل کر جو ہمارے پیش نظر رہ چکے ہیں' ہمیں سیدھا اس نتیجہ پر پہنچا دیتا ہے کہ کوئی زبردست تحریک ضرور کام کر رہی تھی جس کا نتیجہ نافرمانی اور ناراضگی ہوا۔

تنقید بالا میں جو کچھ گزرا ہے اسے بد کردار باغیوں کی تحریک کی طرف منسوب کیا ہے۔ اب اگر قدرتاً دریافت کیا جائے کہ کیوں یہ نتیجہ ناراضگی بہ نسبت کسی اور موقع کے اس وقت ظاہر ہوا؟ اس کے چند وجوہ میں اوپر بیان کرتا ہوں مثلاً الحاق اودھ وغیرہ۔ دوسری وجہ یہ کہ پیشوایان مذہب کی مکارانہ بنائی ہوئی چار دیواری بھی ہے' جو پست ترین بیوقوفی کو پیروان مذہب میں محفوظ رکھتی ہے اور اس طرح مذہب کی آڑ سے انقلاب پیدا کیا جاتا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ انقلابی جماعت نے گورنمنٹ کی چند تازہ لغزشوں سے فائدہ اٹھایا ہے اور خفگی و شورش کو مذہبی تعصب پر پھیلایا ہے۔ میرا منشا ہندو بیوگان میں ازدواج ثانی کی تحریک' ہر قسم کے کاروبار کے لئے بھرتی کرنا اور مسئلہ کارتوس وغیرہ سے ہے۔ میرا مقصد ان آدمیوں کی منت کرنے سے نہیں جن کے ضمیر میں صرف نفرت و کراہیت تھی۔ وہ غرور پر نازاں تھے اور جہالت میں سرشار۔ وہ ایک گروہ بن گئے تھے اور فوجی اطاعت و فرمانبرداری میں حد سے زیادہ مغرور تھے۔ اتحاد طرفین میں وہ بڑے مشاق

تھے۔ وہ گورنمنٹ کو اپنی فرضی تکالیف کا خاکہ دکھا کر اور تدابیر بھی بڑی دلیری سے بتا دیتے تھے بلکہ نمبر ۳ لائٹ کیولرائے کو سزا دینے کے قبل بھی بغاوت کے آثار نمایاں تھے جو اس بغاوت سے کہیں بڑھ کر تھے۔ اس وقت بیشک مہذب بغاوت کی ہوا ہندوستانی فوجوں میں سرایت کر چکی تھی۔ کئی موقعوں پر سپاہیوں کو اس خیال میں غرق پایا گیا ہے کہ اگر فوجی حکم کی نافرمانی' ایک فرشی سلام و عاجزانہ روش کے ہمراہ ہو تو بہت وقت سے جرم ہو سکتی ہے۔ اتحاد میں مشاق ہونے اور جماعت کی طاقت سے بخوبی آگاہی رکھنے کی وجہ سے انہوں نے اپنی شکایتوں کو فرداً فرداً نہیں بلکہ بالاتفاق گورنمنٹ کے سامنے لا کر کھڑا کرنے میں بہت کم مواقع ہاتھ سے جانے دیئے ہیں۔ ایسے موقعوں پر ہندو مسلمانوں میں کچھ فرق نہیں رہتا تھا۔ مفویانہ کارروائی کے لئے وہ بہت جلد متحد ہو جاتے تھے۔

اور فی الواقع اگر ہم تواریخ میں چھان بین کریں تو میں یقین کرتا ہوں کہ ایشیائی قوموں کی باقاعدہ حالت کا صحیح اندازہ لگا سکیں گے۔ غالباً یہ مذہبی قواعد کے زیر انتظام رکھنے کا ضروری نتیجہ ہے کہ بڑی بڑی زبردست جماعتیں متحد الخیال ہوتی ہیں۔ وفادار ہوتی ہیں جو تعلیم و تربیت سے کسی طرح ممکن نہیں۔ فوجی تعلیم بدون ان معاونین کے ایک خوفناک ہتھیار ہے جو آخر کار اسی پر وار کرنے دوڑتا ہے جس نے اسے تیز کیا ہو۔ ثبوت اس کا یہ ہے کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایشیا کی غیر مسلح و غیر تربیت یافتہ خلوق کی بغاوت و مفسدہ پردازی بہت شاذ و نادر ہے۔ حالانکہ شاہان ہند کے زمانے میں ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنانا بغاوت پھیلانے کے لئے بہت کافی تھا۔ ایسے وقت میں صرف تربیت یافتہ سپاہی کا حملہ سلطنت پر ہوتا ہے۔ زمانہ سلف میں مذہبی شان ایک حد تک' مختلف مذاہب کے افراد کو کسی سیاسی یا دیگر معاملہ کے لئے متحد الخیال ہونے میں شاید مزاحم ہوئی ہو' مگر ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اسی مذہبی شان نے جمہوریت کی خواہش مند کثیر سوسائٹیوں کی پیدائش کو لازمی قرار دے دیا ہے' جنہوں نے اہل ہند کو فی الفور متحد الخیال ہو جانے میں مشاق بنا دیا ہے اور یوں انہیں خاص اغراض کے لئے متفق ہو جانے کے بنیادی سبق پڑھائے ہیں جس سے ان میں کثیر جماعتوں کے متحد الخیال ہو جانے کا قدرتی مادہ پیدا ہو گیا ہے۔ ان اسباب کی رو سے انہیں صرف موقع چاہئے تھا اور کس نے نہیں دیکھا کہ دیسی فوج نے ایک موقع پیش کر دیا اور واقعات نے دوسرا عطا کر دیا۔ پھر برہمن اور مسلمان ایسے متحد ہو گئے کہ گویا دونوں ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں۔ فوج میں ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے ان میں برادرانہ یگانگت رہتی تھی۔ ایک ہی پوشاک' ایک ہی انعام' ایک ہی طرح سے چلتے اور ایک ہی طرح کے مقاصد پر حاوی ہوتے تھے اور وہ اکثر ایک دوسرے کے جداگانہ تہواروں میں شرکت کرتے اور گورنمنٹ کی مہربانی سے نشوونما پایا ہوا اتحاد آخر کار اسی کے تہ و بالا کرنے کا ذریعہ بنا۔

میں اتمام حجت کے لئے ان تمام تاثرات کو جو تازہ حادثہ میں معاون ہوئے ہیں' بہ تشریح بیان کرنا نہیں چاہتا۔ اس مقام پر ایسی بحث شاید پسندیدہ نہ ہو گی۔ غرضیکہ مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف مجرب کارتوس ہی اس حادثہ کا موجب تھے نہ ہو سکتے ہیں۔ سپاہیوں میں پہلے سے تیاری ہو رہی تھی اور لوگوں کو خصوصاً مسلمانوں کو ملک میں پہلے سے بدظن کیا جا رہا تھا۔ بیشک مجھے صحیح تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس حادثہ کو اسلامی سازش کے ضمن میں رکھنا چاہئے جس کا خاص مدعا حکومت برطانیہ سے نفرت و بدگمانی پھیلانا اور غلط خبریں لغو اور بے بنیاد قصے پھیلا کر لوگوں کو انقلاب کے لئے آمادہ کرنا تھا۔ جہاں تک پتہ لگایا جا سکتا ہے' اس سازش کی ابتدا ملزم یا ان کے دیگر ہمراز مثلاً حسن عسکری وغیرہ سے ہوئی۔ چاہے جو ہو مگر اس

میں شک نہیں کہ شیدی قنبر قسطنطنیہ وایران کے بادشاہوں کے پاس سفارت لے کر گیا تھا۔ ان حکومتوں سے استدعا کی گئی تھی کہ ایک اسلامی سلطنت کی مدد کرو۔ یہ قابل غور ہے کہ متعدد واقعات باہم دیگر جمع ہو گئے ہیں۔ معتبر شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیدی قنبر کی روانگی مئی ۱۸۵۷ء سے بالکل دو سال قبل ہوئی تھی اور اس کی واپسی کا وعدہ بھی عین ایام غدر میں تھا۔ یہ تحقیق ہو چکا ہے۔ پھر اس کا توازن اس پیشین گوئی سے کرتا ہوں جو مسلمانوں میں تھی کہ جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء سے لے کر ایک سو سال تک انگریزوں کی حکومت ہندوستان پر رہے گی۔ اب ہم بخوبی ان مصالح کو سمجھ سکتے ہیں' جنہوں نے مسلمانی تعصب کو گذشتہ شان وشوکت کے پھر واپس آنے کا یقین دلایا تھا۔ میں پیرزادہ حسن عسکری کا خواب بیان کر چکا ہوں جس کی غرض مصنوعی خواب سے بادشاہ اوران کے اہالیان کے حسب منشاء خیالات کا اظہار اوران پر تصرف کرنا تھی۔ ہمیں تو یہ حالات لایعنی معلوم ہوں گے' مگر بیشک یہ ان باطل پرست دلوں پر منقش ہو گئے تھے جن کے سامنے پیش کئے گئے تھے۔ جس شخص کے لئے کہا جاتا تھا کہ وہ صاحب کرامت ہے' گو وہ دروغ گو ہی کیوں نہ ہوتا مگر اس کی ہر ایک بات قابل یقین تھی اور پیرزادہ کا خواب ان کی امیدوں کو تقویت پہنچانے کا ایک نسخہ تھا۔ ہمیں محمد درویش کی عرضی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو اس نے مسٹر کالون لفٹنٹ گورنر کو ۲۷ مارچ ۱۸۵۷ء کو لکھی تھی کہ حسن عسکری نے بادشاہ دہلی کو یقین دلا دیا ہے کہ شہزادہ ایران نے بوشہر پر قبضہ کر لیا ہے اور عیسائیوں کو اس نے تباہ کر دیا ہے اور کسی ایک کو زندہ نہیں چھوڑا۔ بہتیروں کو قید کر کے اپنے ہمراہ لے گیا ہے اور بیشک بہت جلدی ایرانی فوجیں براہ کابل وقندھار دہلی آ جائیں گی اور وہ آگے لکھتا ہے کہ محل میں اور خصوصاً بادشاہ کے ملاقاتی کمرہ میں شب وروز شاہ ایران کی آمد کا تذکرہ رہتا ہے اور حسن عسکری نے بادشاہ کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ اسے مکاشفہ غیبی ہوا ہے کہ شاہ ایران کی سلطنت بیشک دہلی تک ہو جائے گی اور وہ بادشاہ دہلی کو تاج بخش دے گا اور دہلی کی قسمت پھر جاگ اٹھے گی! محرر آگے لکھتا ہے کہ قلعہ میں اور خصوصاً بادشاہ کو اس خبر سے بہت مسرت ہے اور یہ سن کر اتنی خوشی ہوتی ہے کہ نذر اور نیازیں کی جاتی ہیں اور حسن عسکری روزمرہ ڈیڑھ گھنٹہ قبل شام شاہ ایران کے جلد آنے اور عیسائیوں کے پامال ہو جانے کا وظیفہ پڑھا کرتا ہے اور ہر ایک جمعرات کو ان مراسم کی ادائگی کے لئے کئی خوان کھانے کے اور میٹھا تیل تانبے کے پیسے اور کپڑا وغیرہ بادشاہ کے یہاں سے حسن عسکری کو بھیجا جاتا ہے۔

اب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں مذہبی مشیخت کو کتنا دخل ہے اور یہ اسلامی سازش کتنی مکمل اور بلا شرکت غیرے تھی۔ اگر ہم گذشتہ سینٹریوں کا نظارہ کرتے' ان باطل پرستانہ مراسم کو ادا ہوتے بچشم خود دیکھتے اور وہ دعائیں جو شاہ ایران کی آمد' عیسائیوں کی تباہی کے لئے مانگی جاتی تھیں' بنفس نفیس سنتے تو بیشک سال گذشتہ کے وقوعات ہائلہ کی جو علی الدوام یاد رہیں گے' دردناک تصویر قبل از وقت ہی ہماری نظروں میں پھر جاتی۔ اگر ہم ان دستاویزوں وعرضیوں کو بھی دیکھیں جن میں سے بوئے عناد ٹپک رہی ہے تو ہم مسلمانوں کے کینہ کو سمجھ سکتے ہیں جو صرف دنیا ہی پر موقوف نہیں رہتا بلکہ عقبیٰ میں بھی ہمارے عذاب ابدی پر جو محض ان کا تصور کردہ ہے' خوشیاں مناتے ہیں۔ کسی شخص کو دریافت کرتے بن نہیں پڑتی کہ آیا دراصل ہندوستان میں لاکھوں شریف النفوس بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں یا صرف جن کا خیال انگریزوں کی نسبت ایسا ہوا؟ میں اس پر بغیر اظہار خیال کئے اس کو اپنے سامعین کی راؤں پر چھوڑتا ہوں۔ مسز آلنڈویل' ہمیں بتاتی ہیں کہ انہوں نے محرم کے زمانہ میں مسلمان عورتوں کو اپنے بچوں کو یہ دعائیں سکھاتے سنا کہ ان کے مذہب کی فتح ہو اور

یہ دعائیں عموماً انگریزوں پر لعن طعن سے مملو ہوتی تھیں۔ مظلوم و بے گناہ عورتوں اور بچوں کی موت کے بعد بھی ان کے غصہ و حسد کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی یا ترس و رحم کی خفتہ آواز ان کے سینوں میں نہ جاگی' بلکہ لوکل اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مکروہ ترین قتل کے بعد دو سو مسلمان حوض پر کھڑے ہوئے قیدیوں پر لعنت کر رہے تھے۔ کیا یہ ایسی عفریت مآب سنگدلی و عداوت کا پتہ نہیں دیتا جس کا بہت مشکل سے یقین آئے گا۔

دوسرا مسئلہ جس پر میں رائے زنی کروں' تقسیم چپاتیاں ہیں جو بسکٹ کی ہم شکل تھیں۔ پھر خواہ وہ گورنمنٹ کے نام سے تقسیم کی گئی ہوں اور یہ مقصود رہا ہو کہ عوام کے ذہن نشین کرا دیں کہ آئندہ صرف ایک مذہب اور ایک کھانا رہے گا یا بموجب دوسرے قول کے ان کا یہ مدعا ہو کہ لوگوں میں جوش و تیاری کے آثار نمایاں ہو جائیں اور بایک دیگر مل کر آنے والے حادثہ کے لئے ہوشیار ہو جائیں۔ بہر حال یہ تدبیر نہایت خطرناک تھی اور ایسے لوگوں میں بدگمانی پیدا کرنے والی تھی جو اس قسم کے جذبات سے قبل ازیں نا آشنا تھے۔ دیہاتی لوگوں پر اس سے کوئی قوی اثر نہیں پڑا اور اس کی وجہ غالباً حکومت کا سرعت سے اس طرف توجہ کرنا اور اس کا تدارک کر دینا تھی اور شاید یہ بھی دلچسپ ہوگا اگر ہم طشت از بام کر دیں کہ ایسی کارروائی کی ابتدا کیونکر اور کہاں سے ہوئی؟ یہ کارروائی اور آٹے میں ہڈیوں کے ملانے کی افواہ بلا شبہ ایک ہی جڑ سے نکلی ہیں اور دونوں کو اسلامی سازش کی گھڑی ہوئی فطرت کی طرف منسوب کرنا صاف بیانی یا استدلال قطعی کی حد سے باہر نہیں ہونے دیتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندو سپاہی اپنی پہلی لغزش جذبات پر نادم ہوتے ہیں اور مسلمان سپاہیوں پر ملامت کرتے ہیں کہ انہوں نے بلا وجہ ہمیں گمراہ کیا اور ان کارروائیوں کے دوران میں دوسرا ثبوت یہ ہے کہ گو ہم اسلامی سازشوں کی کھوج میں جہاں تک ہماری تحقیقات لائی' پہنچ گئے' مگر ہمیں کوئی ایسا کاغذ دستیاب نہیں ہوا جس سے یہ معلوم ہو کہ ہندوؤں نے بھی جماعت بن کر ہمارے خلاف سازش کی یا ان کے برہمنوں اور پنڈتوں نے بھی عیسائیوں سے جہاد کرنے کی تبلیغ کی ہو۔ ان کے پاس کوئی بادشاہ تخت نشین کرانے کے لئے نہیں تھا۔ کوئی مذہب تلوار سے اشاعت پھیلانے کے لئے نہیں تھا۔ ایسی حالت میں چپاتیوں یا پسی ہوئی ہڈیوں کو آٹے میں ملانے کی غلط بیانیاں ان کی طرف منسوب کرنا گویا بغیر کسی معقول وجہ کے الزام لگانا ہے۔ اس اسلامی سازش میں استقلال و چالاکی بھی پائی جاتی ہے۔ جس کے وسیلہ سے یہ اپنا کام کئے جاتی ہے۔ چپاتیوں کی تقسیم کو جب جلدی سے بند کر دیا گیا تو اس کی جگہ کوئی اور شگوفہ کھلانا چاہئے تھا' چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ''ہڈیوں کا آٹے میں ملانا'' بہت ہوشیاری کے ساتھ چپاتیوں کے سلسلہ میں جوڑا گیا۔ چنانچہ مشہور ہو گیا تھا کہ ''ایک مذہب ایک کھانا'' یہ بے شکل والی اور بے وقت کی چپاتی تھی۔ تجویز کرنے والوں نے سوچ لیا تھا کہ چپاتیوں اور انگریزی مداخلت سے بے حد مناسبت ہے اور یہ چپاتیاں شور و شر کی ایجنٹ بن کر خوب کام چلائیں گی اور اسی لئے آٹے اور ہڈیوں کی آمیزش سے انہیں اور تقویت پہنچ گئی۔ پھر سپاہیوں میں یہ پھیلانا کہ گرانڈ ٹرنک روڈ کی دکانوں پر یہی آٹا ملتا ہے' جہاں سے کوچ کرتے وقت سپاہیوں کو مجبوراً خریدنا پڑتا تھا۔ یہ انقلابیوں کی دلی خواہش تھی۔ انہوں نے یہ بھی عام طور پر مشہور کر دیا تھا اور یقین دلا دیا تھا کہ گورنمنٹ لوگوں کو جبراً عیسائی بنا رہی ہے۔ ان کی بازی خود ان کے ہاتھ تھی اور میرا خیال ہے کہ انہیں انتہا سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ میں ضرور اعتراف کروں گا کہ چپاتیوں سے لے کر ان کے ایک چھوٹے سے معمولی کام میں بھی ایک زبردست چال معلوم ہوتی ہے اور ان کا وہ جہاز صاف نظر آتا ہے جس میں انقلابی سوار تھے۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ کوئی معمولی قابلیت کام نہیں کر رہی تھی اور انقلابیوں نے اپنی طرف سے کوئی مفسدانہ کوشش اٹھا نہیں رکھی تھی' ہم اس زمانہ کے دیسی اخبارات کا حوالہ دیتے ہیں۔

ہم دیکھیں گے کہ کتنی چالاکی سے مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا ہے۔ چپاتیاں' ہڈیوں کا سفوف' مجرب کارتوس۔ خیر یہ تو سب ہندوؤں کی طرف منسوب کئے لیتے ہیں' لیکن ایک دوسری غذا مسلمانوں کے لئے درکار تھی اور ہم سمجھ سکتے ہیں کہ کتنی صفائی سے اس حکمت عملی کو نباہا گیا ہے۔ پہلا پرچہ شاہ ایران کے حکم سے شروع کیا گیا ہے جو اس نے فوجوں کو طہران میں جمع ہونے کے لئے دیا۔ پھر آگے بیان کرتا ہے کہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ دوست محمد خاں کے خلاف شاہ ایران کی ایک چال ہے۔ اپنے مقاصد کو چھپانے اور دوست محمد خاں کے در پردہ انگریزوں سے لڑنے اور فتح پانے کی ایڈیٹر یقین رکھتا ہے کہ بہر وجوہ تینوں طاقتوں میں یقینی اتحاد ہو گیا ہے۔ دوسرا اقتباس ۲۶ جنوری ۱۸۵۷ء کا ہے اور ایڈیٹر یوں کہتا ہوا شروع کرتا ہے کہ بادشاہ فرانس یا شہنشاہ ٹرکی نے ابھی تک انگریزوں یا ایرانیوں سے متحد ہونے کا اعتراف نہیں کیا ہے' لیکن دونوں طرف کے سفیر ہر دو سلطنتوں میں خفیہ آتے جاتے ہیں اور تحائف بھی لے جاتے ہیں۔ بعض لوگ (ایڈیٹر کہتا ہے) بیان کرتے ہیں کہ شاہ فرانس و شہنشاہ ٹرکی انگریزوں کے قضیہ میں نہ پڑیں گے' لیکن زیادہ تر لوگ کہتے ہیں کہ وہ شاہ ایران کے طرفدار ہوں گے۔ روسیوں کی بابت یہ ہے۔ پھر آگے کہتا ہے کہ "انہوں نے اپنی تیاریوں کو پوشیدہ نہیں رکھا ہے اور وہ ایرانیوں کو فوج اور مال سے امداد کرتے رہیں گے۔" یہ بھی کہا گیا ہے کہ "درحقیقت صرف روسی ہی اس جنگ کے بانی مبانی ہیں اور ایرانیوں کی آڑ پکڑ کر اپنے اغراض فتح ہندوستان کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔" "یہ یقینی بات ہے کہ روسی فوج جرار لے کر میدان میں آ جائیں گے۔ اب یہاں صرف ایران و روس ہی ہندوستان کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں بلکہ فرانس و ٹرکی بھی ان کی مدد پر آمادہ ہیں اور غریب انگریزوں کو دوست محمد خاں کے افغانوں تک کا سہارا نہیں۔ خیر ایڈیٹر صاحب کو ایسی مشفقانہ ہولناک خبریں سنا کر کہنے دیجئے کہ ناظرین "صادق الاخبار" منتظر ہیں کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ دوسرے اقتباس میں ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ ایران نے اپنے درباریوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو مختلف مقامات کی حکومت عطا فرمائیں گے جن میں سے ایک بمبئی' دوسرا کلکتہ' تیسرا پونا اور تاج ہندان بادشاہ دہلی کو بخش دے گا۔ یہی ملزم جو ہمارے سامنے موجود ہیں۔ حضرات! آپ کو یاد ہوگا کہ "صادق الاخبار" کی کئی کاپیاں محل میں جایا کرتی تھیں اور ہر ایک شخص ان خوشیوں کا اندازہ لگا سکتا ہے جو ایسی خبریں خصوصاً زار روس کا چار لاکھ فوج جرار لے کر آنا پڑھ کر ہوتی ہوں گی۔ نیز اس کا بیشارۃ خارج جنگ تسخیر ہند کے لئے ایرانیوں کی مدد میں بھیجنا وغیرہ' لیکن صرف اہل قلعہ یا شہزادوں ہی کو اس کے سننے سے خوشی نہیں ہوتی تھی بلکہ تمام آبادی جو انہیں سنتی' مارے خوشی کے پھولی نہیں سماتی تھی۔

سر تھیوفلس مٹکاف نے ہمیں بتایا ہے کہ ایرانیوں کے ہرات کی طرف بڑھنے کا چرچا زبان زد عام تھا اور روسیوں کی فوج کشی کا بھی تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔ اس زمانہ میں ہر ایک اخبار کا کابل میں نامہ نگار رہتا تھا اور غنیم کی نقل و حرکت کا خیالی پلاؤ پکایا جاتا تھا اور وہی گواہ بیان کرتے ہیں کہ سپاہیوں میں اس وقت تحریک سرگرم تھی اور غدر کے پانچ یا چھ ہفتہ قبل لائنوں میں یہ خبر صحیح بتائی جاتی تھی کہ ایک لاکھ روسی شمال کی طرف سے آ رہے ہیں اور کمپنی کی حکومت تباہ ہو جائے گی اور فی الحقیقت روسیوں کے آنے کی خبر عام طور سے جا بجا پھیلی ہوئی تھی۔ ایسی غلط افواہوں کا زہر اپنا اثر کر رہا تھا۔ پھر غدر کا ناگہانی ہو پڑنا

یا مجرب کارتوسوں کا بہانہ ہمیں اندھا بنانے کے لئے ہے۔

''صادق الاخبار'' کے اقتباس میں ہم نے پڑھا تھا کہ دوست محمد خاں انگریزوں کا مشتبہ دوست ہے اور در پردہ ایرانیوں سے ملا ہوا ہے۔ پھر یہ بھی کتنی صفائی سے لکھا ہے کہ چار وجوہات کی بنا پر شاہ ایران انگریزوں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوا ہے۔ پہلا ہرات جسے کسی موقع پر ہندوستان کا دروازہ کہا جاتا تھا۔ دوسرے روسیوں کی غیبی امداد ملے گی۔ تیسرے شرفاء ایران و ہند پر فوج کشی کرنے کے لئے مستعد ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کامیاب کرے گا۔ چوتھے تمام ایران کا جہاد کے لئے اٹھ کھڑا ہونا۔ شگون و معجزات بھی اسلامی قلب کو جنبش دینے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ''صادق الاخبار'' مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۸۵۷ء اسے ثابت کردے گا جس کی سرخی یہ ہے

''ضلع ہانسی۔ مقامی خبریں۔

حال ہی میں دیہات سے ایک شخص آیا ہے اور ایڈیٹر سے بیان کرتا ہے کہ کئی مقامات پر بے موسم کی ہولی جلائی گئی ہے۔ جس شخص نے یہ بیان کیا اس کو حقیقی طور پر معلوم ہوا ہے کہ بے موسمی ہولی کا سبب یہ ہے کہ تین لڑکیاں اکٹھی پیدا ہوئی تھیں اور تینوں اسی وقت بولنے لگیں۔ پہلی نے کہا کہ آنے والا سال بڑی آفات کا ہے اور بلیات تمام قوم کو تکلیف پہنچائیں گی۔ دوسری نے کہا جو زندہ رہیں گے وہ دیکھیں گے۔ تیسری بولی اگر ہندو اس موسم میں ہولی جلائیں تو ساری آفتوں سے بچے رہیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب''

مجھے احتمال ہے کہ ایسے بیانات و واقعات ان لوگوں پر اثر نہیں کر سکتے جو مغربی خیال کے ہیں۔ ہرات کا لے لینا' ایرانی شرفاء کی دعائیں اور ان لڑکیوں کی پیشین گوئیاں ہمارے لئے اس قابل بھی نہیں کہ ہم ان کو نظر اٹھا کر بھی دیکھیں؛ لیکن اگر ہم ایشیائی خیالات و عقائد کو اسی پیمانہ میں جانچیں جو ہمارے اپنے خیالات کے جانچنے کا ہو تو ہم بہت بڑی غلطی کر رہے ہوں گے۔ اگر مذکورہ ایڈیٹوریل بیانات پر غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ جن کے لئے لکھے گئے تھے' کتنی خس پوشی سے ان کے عقائد پر حادی ہیں۔ ان کی پیشین گوئیوں کا پورا اترنا' حسن عسکری کے خواب اور شیدی قنبر کی سفارت اور اسلامی قدیمی روایات سب کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ کیا ہم اب بھی نہیں سمجھ سکتے کہ قلعہ اور اخباری پریس میں کتنا گہرا تعلق تھا؟ کیا یہ واقعات اتفاقیہ تھے؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک پیرزادے کے خواب' درباری منصوبے اور اخبارات کی من گھڑت اتفاقیہ ایک ہی مسئلہ پر بحث کرے۔ ہم ان دل فریبیوں کو دیکھ چکے ہیں جن سے ہندو سپاہیوں کو قابو میں لایا گیا تھا اور کیا ہم یہاں اس محرک روح کو نہیں پہچان سکتے۔ کیا یہ واقعات اسلامی غرور اور تعصب اور مذہبی جنگ کے لئے نفسانیت کو نہیں ظاہر کرتے اور کیا انگریزوں سے اتنی نفرت ان کی ذاتی خصوصیات پر مبنی نہیں ہے' اور ۱۹ مارچ کے ''صادق الاخبار'' میں لکھا جا چکا ہے کہ بیان کیا گیا ہے کہ نو سو ایرانی سپاہ مع افسران کے ہندوستان میں داخل ہو گئی ہے اور پانچ سو ایرانی سپاہ بہ تبدیل لباس دہلی میں موجود ہے۔ مانا کہ یہ بیان ایک شخص صادق خاں نامی کے اظہار پر جو خود بھی تبدیل لباس میں تھا' لکھا گیا تھا اور جس نے اپنا صحیح نام پوشیدہ رکھا تھا' مگر بیشک یہ حالات بھی اس تجویز کا حصہ تھے اور اخبار کی سرگرم تحریک میں انہوں نے بھی سہارا دیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایڈیٹر صاحب نے اپنے ناظرین کے خیالات کو اس مضمون سے جوش دلانے کے لئے

عمداً یہ مضمون پیش کر کے باغیانہ تحریک کا فرض ادا کیا ہے۔ دریافت کیا جائے کہ شہر کے مقتدر اخبار میں بغیر کسی یقین یا مستند شہادت کے ایک گمنام شخص کا بیان کیونکر دیا جا سکتا ہے۔ یہ فقط ایرانیوں کی سازش کو جو ہمارے یقین میں بالکل لغو ہے، نہیں ظاہر کرتا' بلکہ اڈیٹر صاحب اور ان کے تمام اہالی موالی کی گہری سازش کا پتہ دیتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ نام یعنی صادق خاں اس اشتہار میں بھی تھا جو جامع مسجد کی دیوار پر چسپاں تھا۔ وہ اعلان اور نو سو سپاہیوں کا افسانہ لازم و ملزوم ہیں' جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچا سکتے تھے۔ اگر کوئی اعلان کے لئے باز پرس کرتا تو جواب تیار تھا کہ اس کا لانے والا پانچ سو تبدیل لباس والے سپاہیوں کے ہمراہ دہلی میں موجود ہیں۔ اگر ایرانیوں کے دخول پر یقین نہ کیا جاتا تو کیا اعلان بطور ثبوت موجود نہ تھا؟ اس ابلہ فریبی کی تہ ہر جگہ یکساں ہے اور جوں جوں ہم اس معاملہ میں مزید غور کرتے ہیں ان حیلوں اور چالوں کا جو ایسے مناسب طریق سے عمل میں لائی گئیں' یقین زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

اعلان کی ایک طرف ڈھال دوسری طرف تلوار بالکل بے معنی ہوں گی مگر معزز افسروں کا قصہ جو اسے پورا کرنے کے لئے آئے' کیسا ہے؟ اعلان سرتاپا غلط ہے اور ہمارا یقین کلی ہے کہ سازش اور اسلامی سازش کی کھلی ہوئی حالت ہے۔ بیشک کسی اور طرف اس اعلان کو منسوب کرنا غیر ممکن ہے۔ پھر وہ کون تھا جو اعلان لایا اور لکھا؟ میں یقین کرتا ہوں کہ اڈیٹر اخبار سے اس کا جواب مل سکتا ہے' جس نے اس مضمون کو کثرت سے شائع کیا ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مضمون اس کا حسب دلخواہ ہے' جس پر وہ پوری طرح حاوی ہے۔ اس کے پاس اس کی اصلی نقل ہے۔ اور اسی سے اس کی وضاحت ہو سکتی ہے اور بلاشبہ پوری طرح اس کو علم ہے کہ اعلان کا لکھنے والا کون ہے۔

میں نہیں چاہتا کہ ایک ہی مضمون پر اڑا رہوں اور اخبارات کے اقتباس پیش کر کر کے اسلامی سازش کا ثبوت دیئے جاؤں' مگر اس میں ہی اسلامی سازش مجھے نظر آتی ہے اور دیگر شہادات سے بھی اس کا ثبوت میرے لئے دشوار نہیں۔ بہر حال ایک اور اقتباس ہے جسے یہاں چھوڑ دینا بہت بڑی غلطی ہوگی۔

مورخہ ۱۳ اپریل کے پرچہ کا اقتباس ہے اور سر تھیوفلس منکاف کی شہادت کے مطابق جو انہوں نے بیان کیا ہے کہ غدر سے پندرہ روز قبل مجسٹریٹ کے نام ایک گمنام درخواست آئی تھی کہ شہر کا کشمیری دروازہ انگریزوں سے چھین لیا جائے گا کیونکہ شہر کا مستحکم و مضبوط مقام یہی ہے جو کہ شہر اور دہلی کی چھاؤنی کو باہم ملاتا ہے۔ پس سب سے پہلے جب بھی شہر میں ہنگامہ برپا ہو گا' اس دروازے پر قبضہ کیا جائے گا۔ اس سے بے حد مناسب ہے۔ سر تھیوفلس منکاف کہتے ہیں کہ گو یہ درخواست کبھی موصول نہیں ہوئی مگر معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ لکھی گئی تھی اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دنوں ہندوستانیوں کے خیالات کیا تھے۔ پس کوئی شخص نہیں رہا کہ وہ اقتباس بھی اسی غرض سے نکلا تھا اور اس درخواست کے مضمون کی بچی تفسیر تھا جسے اڈیٹر نے بلاخوف وخطر چھاپ دیا۔ کتنی حکمت و دانائی سے تجویز گھڑی گئی تھی تاکہ صرف انہیں لوگوں کو سمجھ میں آ سکے جو اس راز سے واقف ہوں' مگر اب سب پر روشن کر دیا جاتا ہے۔ اڈیٹر کہتا ہے کہ "مجسٹریٹ کی عدالت میں کئی درخواستیں گذری ہیں اور ان میں یہ لکھا ہے کہ آج سے ایک مہینہ کے بعد کشمیر پر حملہ کیا جائے گا۔ جس کی خوبصورتی و فرحت افزائی کو کسی شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

اگر ایک کباب شدہ جانور کشمیر میں پہنچ جائے تو اس کے بھی بال و پر وہاں پیدا ہو جائیں گے اور یہ ارضی بہشت

لکھنے والوں کے قبضہ میں آ جائے گی۔"

دریافت کیا جائے کہ دہلی کے مجسٹریٹ کو درخواست دینے والے کیونکر کشمیر لے سکتے تھے؟ اور اب کون نہیں سمجھ سکتا کہ شہر دہلی کے کشمیری دروازہ کو اس کے ہم نام ملک سے موسوم کر کے پردہ ڈھانپ دیا ہے اور خوبصورتی و فرحت افزائی کو کشمیری دروازہ کی گذشتہ خوبصورتی پر محمول کیا ہے۔ میں یہاں غور کرنے کے لئے نہیں ٹھہر جاتا کہ آیا مرغ بسمل و سوختہ جاں کی تمثیل کلامی سے موجودہ ملزم مراد ہیں یا کیا' مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ دروازہ پر قبضہ کر لینے سے انہیں اپنے نوچے ہوئے بال و پر درست ہو جانے کی امید تھی اور اس کے ذریعہ مرتبہ اعلیٰ پر پرواز کرنا چاہتے تھے۔ ۱۳ اپریل کو یہ بیان کرنا کہ آج کی تاریخ سے ایک مہینہ بعد بہت سخت ہنگامہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یعنی اسی جگہ افسروں پر فیر کئے گئے تھے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ ایڈیٹر صاحب ''صادق الاخبار'' کو سازش سے ضرور واقفیت تھی ورنہ وہ اتنی صحیح پیشین گوئی کی اقلیم میں بلند پروازی کر کے نہ پہنچ سکتے۔

ایڈیٹر کی مذکورہ بالا دانشمندانہ خبر اور جواں بخت کی ناتجربہ کارانہ گفتگو ایک دوسرے کی مماثل ہیں اور فی الواقع حیرت خیز ہیں۔

۱۱ مئی کو حملہ کیا گیا جس کی اطلاع پیشتر دی جا چکی تھی اور اس کے بعد وہی ہوا جو ذکر ہو چکا ہے۔ پس کیا میرے سامعین میں سے کوئی ہے جو کہے کہ بہت گہری اور خفیہ سازش کو اس سے کچھ واسطہ نہیں!

ملزم کا اس سے گہرا تعلق رکھنے کا ثبوت یہیں تمام نہیں ہو جاتا بلکہ کچھ اور بھی ہے۔ ''موجو'' حبشی جو صرف بادشاہ کا ملازم ہی نہیں بلکہ ان کا مصاحب خاص اور ہمیشہ ان کی خدمت میں رہنے والا تھا' مسٹر ایوریٹ کو علیحدہ لے جایا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنی فوج سمیت کمپنی کی فوج سے علیحدہ ہو جاؤ اور بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لو' کیونکہ موسم گرما میں ہر جگہ روسی ہی روسی دکھائی دیں گے۔ مسٹر ایوریٹ خندہ زن ہوتے ہیں اور اسے اس شخص کی بیوقوفی تصور کرتے ہیں' لیکن اب ہمارے پاس کافی ثبوت ہیں کہ وہ کوئی بڑی گہری بات تھی' چنانچہ ان کی دوسری ملاقات میں جو غالباً ایک ماہ بعد ہوئی جبکہ غدر برپا ہو چکا تھا' موجو کہتا ہے ''کیا میں نے تمہیں چلے آنے کے لئے نہیں کہا تھا؟'' اور پھر تاکید کی شرح بیان کرتے ہوئے شیدی قنبر کا پورا قصہ بیان کرتا ہے کہ وہ کیونکر شاہ دہلی کی سفارت لے کر قسطنطنیہ گیا اور اس نے روانگی کے وقت مکہ جانے کا کیسا بہانہ کیا۔ مجھے یہ تشریح بالکل تعجب خیز دکھائی دیتی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہنگامہ میرٹھ صرف بغاوت کی بنا نہیں تھی بلکہ بغاوت کی مکڑی عرصہ سے بہت بڑا جالا تن رہی تھی۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان دیسی افسران اور اہل رجمنٹ دہلی و میرٹھ میں کوئی گہری سازش نہیں تھی؟ مسٹر ایوریٹ بھی آخر عیسائی تھے جنہیں باغیوں نے اپنے ہمراہ ملانا چاہا اور خبر نہیں کہ اگر ان کی بجائے کوئی مسلمان افسر ہوتا تو بیشک وہ عیسائیوں کے محکوم رہنے پر بادشاہی ملازمت کو ترجیح دیتا اور جس زمانے میں بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لینے کی ان سے استدعا کی گئی تھی' میرٹھ کے کورٹ مارشل کی خبر دہلی میں بالکل نامعلوم تھی۔ کیا اس سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ تیاری بہت عرصہ پہلے سے ہو رہی تھی اور ان سے کہا کس نے تھا؟ کیا صرف ایک خانگی ملازم ایک ادنیٰ اردلی کو وہ کتنا ہی منظور نظر کیوں نہ ہو' بدون اپنے آقا کے حکام کے ایک رسالدار اور پوری پلٹن کو گورنمنٹ کی ملازمت سے برطرف کرا کر خود ملازمت دے سکتا ہے؟ اتنے بڑے گروہ کو شاہی ملازمت سوائے بادشاہ کے

اور کون عطا کر سکتا ہے! میں استدعا کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے جو میرے مخاطب ہیں کہ ان سوالات پر خوب غور کریں اور پھر دیکھیں کہ کیا ملزم کی شرکت اس سے ثابت نہیں ہوتی؟ ہمیں مکندلال سکریٹری سے بھی معلوم ہوا ہے کہ تین سال قبل کچھ پیدل سپاہ متعینہ دہلی بادشاہ کی مرید ہو گئی تھی اور اس موقع پر بادشاہ نے ہر ایک کو ایک شجرہ دیا تھا جس میں ان کے حقہ میں کے اسماء و احکام تھے جو ایک دوسرے کے مرید ہوتے گئے تھے اور خود بادشاہ کا نام بھی ان میں شامل تھا اور ایک ایک سرخ رومال اپنی برکت کی علامت کے طور پر دیا تھا۔ اب سے تین سال قبل شیدی قنبر کی سفارت ایران وقوع میں آئی تھی اور مسلمانوں کی سازش کی ابتدا بھی اسی وقت ہوئی۔ ایک ہی موقع کا انتخاب کرنا جس میں ایک طرف تو بے انتہا زہد و تقویٰ کی نمائش دوسری طرف بادشاہی شان کا غیر معمولی دکھاوا۔ پوری طرح ہمیں بتاتا ہے کہ ضرور ان دونوں باتوں میں کوئی نہ کوئی پولیٹکل چال مضمر تھی۔ لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ نے ان نمائشوں کا انسداد کر دیا تھا' لیکن گواہ کہتا ہے کہ اس روز سے فوج میں اور بادشاہ میں تعارف ہو گیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ فرد جرم قرار داد جرم میں پانچ باتیں اور اضافہ کی گئی ہیں یعنی پیرزادہ حسن عسکری کے بیان کردہ خواب اور پیشین گوئیاں' شیدی قنبر حبشی کی سفارت قسطنطنیہ و ایران' ہندوؤں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کا مدبرانہ منصوبہ' ہندوستانی پریس کی مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کی تحریک اور آخری یہ کہ دیسی فوج کے ہندو مسلمانوں کو ایسی اور دیگر قسم کی تدبیروں سے وفاداری سے منحرف کرانا۔ کیا ان پانچوں باتوں میں ملزم کی شرکت کا پتہ ملتا ہے یا نہیں؟ اگر سوال ہذا کے جواب میں جیسا کہ مجھے یقین ہے اعتراف کیا جائے تاہم ایک بات اور باقی رہ جاتی ہے جو شاید اہم ترین ہے یعنی آیا وہ ان تمام معاملات میں مقتدار ہے یا مقتدی؟ یا حقیقی متحرک کرنے والے؟ میر قافلہ اور پیشوا ہے یا رہنما یا تابع فرمان یا کٹھ پتلی یا مرشدانہ چالوں سے مذہبی تعصب کی ترقی کے لئے کوشاں؟ میں یقین کرتا ہوں کہ کئی آدمی موخر الذکر کی طرف مائل ہوں گے۔ معلوم اسلامی تعصب سب سے پہلا حملہ آور تھا۔ اس خاص مذہب کا کینہ ور تعصب حکومت کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ مغویانہ سازش اس کا وسیلہ ملزم اس کے دانشمند کارکن اور ہر ایک ممکن جرم بھیانک انجام۔

میرا خیال ہے کہ علاوہ شاہی خاندان سے وابستہ ہونے کے ملزم ہندوستان میں مذہبی شان دلآویزی سے دیکھے گئے ہیں۔ پولیٹکل اور مذہبی یہی ہر دو متحدہ قوتیں تھیں جنہوں نے ملزم کو سازش میں مدد کیا۔ اسلامی جوش و تعصب ہم ہر جگہ پاتے ہیں جو کاغذات سے عیاں ہے اور عرضیوں میں وہ چمک رہا ہے اور اپنے افعال میں نہایت قوی الاثر ہے۔ اس کے موثر حملہ سے مخلصی ملنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ شہزادہ مرزا عبداللہ کا اپنے ملاقاتی اور پچھلے وقت کے دوست کو لوٹ لینا' پھر اپنے چچا کو قتل کرنے کے لئے بھیجنا اس کی مبالغہ آمیز مثال نہیں ہے۔ پھر ایک مسلمان افسر مرزا تقی بیگ پشاوری جو گورنمنٹ برطانیہ کی ملازمت میں معزز عہدہ پر ممتاز ہونے اور معقول تنخواہ پانے کے باوجود اپنی کتابوں میں سے کتنی حلیم الطبع سے حوالہ دیتا ہے کہ ''ایک انقلاب ہوگا اور حکومت برطانیہ بالکل نیست و نابود ہو جائے گی۔'' اس سے بھی زیادہ کریم بخش دہلی کا میگزین والا اس کا متبع پایا جاتا ہے جو انگریزی تنخواہ پاتے ہوئے فارسی کی تعلیم و تعلم سے فائدہ اٹھا کر دیسی رجمنٹوں میں خفیہ مراسلات بھیجتا ہے کہ میگزین کے ساختہ کارتوس مجرب کئے گئے ہیں اور سپاہیوں کو اس معاملہ میں اپنے انگریز افسروں کا اگر وہ کچھ کہیں تو یقین نہ کرنا چاہئے۔ غور کیا جائے کہ یہ شخص کتنا بڑا خائن ثابت ہوا۔ پھر جبکہ بادشاہ کی

تو جیس میگزین پر حملہ آور ہوری تھیں تو کیسی سرگوشیاں کر رہا تھا؟ کیا اس کی سازش میں شرکت کرنے سے کوئی انکار کر سکتا ہے جبکہ ظاہراً انگریزوں کی نوکری کر رہا تھا مگر باطن میں ان لوگوں سے ملا ہوا تھا جو انگریزوں کی تباہی کے درپے تھے۔

میں بہت خوشی سے ایک بات کا حوالہ دیتا ہوں وہ محمد درویش کی درخواست ہے جو ایک حیرت انگیز خط ہے جسے مسٹر کالون لفٹنٹ گورنر آگرہ اس شریف و بہادر شخص نے بھیجا تھا اور اپنے یہاں اس کا ذکر کئے بغیر نہ رہنا چاہئے جو کہ ایک مسلمان کی طرف سے برطانیہ کی وفاداری میں ایک بہترین مثال ہے۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ اس دوسری درخواست کو شامل نہیں کر سکتا جو نبی بخش خاں کی طرف سے بتائی جاتی ہے جو بادشاہ کو ارسال کی گئی تھی اور کہتے ہیں کہ لکھا ہوا تھا ''عورتوں اور بچوں کا قتل ناجائز ہے۔'' پھر درخواست کی گئی تھی کہ علمائے دین سے فتویٰ لیا جائے۔ چنانچہ جب سے میں نے اسے عدالت میں پیش کیا ہے اس کے اس وقت لکھے جانے میں بھی کئی شکوک پیدا ہو گئے ہیں اور عجب نہیں کہ دہلی پر قبضہ ہو جانے کے بعد بغرض انعام و منافع حاصل کرنے کے لکھ لی ہو۔ اس کے ایسا ہونے کا یقین اس وجہ سے ہوتا ہے کہ نبی بخش خاں جیسی حیثیت کا آدمی بادشاہ کو ایسی نصیحت کرنے یا تحریر کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ سپاہ کو پہلے اپنا غصہ بادشاہ پر اتارنا چاہئے۔ چنانچہ نبی بخش خاں ڈینگ مارتے ہیں کہ میں نے ایسا لکھا۔ بیشک کچھ مثالیں ایسی ہیں جن میں مسلمانوں نے انگریزوں سے نہایت اچھا سلوک کیا اور وہ بوجہ قلیل ہونے کے بہت دلچسپ ہیں۔ ہم اس سے استنباط کر سکتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم کا ان کے پیروؤں کے دل پر اثر نہ ہوا اور نہ ایسی تعلیم' ایسے اصول علم الٰہی کیا انہیں خونخواری و مغویانہ جرائم کی طرف لے جاتے' یہاں تک کہ عام انسانیت بھی ان کے افعال سے بالاتر ہے۔

ایڈریس ہذا کے درمیان میں نے بارہا مسلمانوں کی سازش کا ذکر کیا ہے اور ہم بیشک ۱۸۵۷ء کے واقعہ ہائلہ کو اسی کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ میں نے بتانے کی کوشش کی ہے کہ ملزم ہندوستان میں بطور پیشوائے دین کے ہیں اور اس سازش میں بھی بطور لیڈر کے شریک رہے ہیں۔ میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ پریس نے اور مسلمانوں نے مل کر ہندوؤں کو بھڑکایا اور خصوصاً فوجی سپاہ کو اشتعال دلایا۔ نمبر ۳ لائٹ کیولرائی کے سواروں کا کارتوس لینے سے انکار کرنا ثابت کر سکتا ہے کہ ایسا ہی ہے۔ ان ۸۵ سواروں میں سے زیادہ حصہ مسلمانوں کا تھا اور ان لوگوں کی کوئی ذات پات نہ تھی۔ اس حالت میں اگر گائے یا سور کی چربی بھی کارتوسوں پر ملی گئی ہوتی۔ تاہم ان کے پاس کوئی مذہبی اعتراض نہیں تھا۔ کپتان مارٹینو ہمیں بتاتے ہیں کہ انبالہ کے سپاہیوں میں مسئلہ کارتوس پر جب بحث ہوتی تو مسلمان ہنستے تھے۔ اسی سے ہم جان سکتے ہیں کہ ان لوگوں کا مقصد کھلم کھلا بغاوت تھا اور ایسی حرکت کرنے کا کوئی قابل پذیرائی عذر یا معافی کے لائق کوئی وجہ نہیں رکھتے اور پھر اگرچہ ان کی تکلیفوں کا کوئی ثبوت نہیں تھا' تاہم انہوں نے بغاوت کی اور ہندوؤں کو بے دھرم ہو جانے کا خوف دلا کر اپنے ہمراہ شامل ہونے کی ترغیب دی۔ میں نے جو یہ کہا کہ ''ہندوؤں کو شامل ہونے کی ترغیب دی۔'' تو اس کا ہمارے پاس یقین ثبوت ہے اور وہ ایسی بات ہے جس میں مسلمان اپنے شاکی دوستوں کی ہمدردی نہ کر سکے اور ہندوؤں کو بھی اس حکمت عملی کے ڈھونڈھ نکالنے میں زیادہ غور کی ضرورت ہوئی' چنانچہ ایک گواہ جس کا حوالہ بارہا دیا جا چکا ہے ہم سے بیان کرتا ہے کہ لڑائی کے بعد ہی فوراً ہندوؤں نے اپنے رفیق مسلمانوں کو ملامت کرنی شروع کی کہ تم نے ہمیں ورغلایا اور مذبذب میں پڑ گئے کہ کیا دراصل انگریزی گورنمنٹ ہمارے مذہب میں دخل دینا چاہتی تھی۔ ہندو سپاہیوں کی کثیر تعداد نے کہنا شروع کیا

کہ اگر ہمیں یقین ہو جائے کہ ہماری جان بخشی کر دی جائے گی تو ہم پھر گورنمنٹ کی ملازمت میں آ جائیں گے' لیکن مسلمان اس کے برخلاف کہتے رہے کہ بادشاہ کی ملازمت انگریزی ملازمت سے بدرجہا بہتر ہے اور نواب راجہ بادشاہ کو فوج کثیر سے مدد دیں گے اور آخرکار ہم ہی فتح مند ہوں گے۔

اگر ہم ان واقعات پر سرسری نظر ڈالیں جو دوران کارروائی میں وقتاً فوقتاً ہمارے سامنے پیش ہوتے رہے ہیں تو ہم دیکھیں گے کہ صرف مسلمان ہی خلش دار پیکاں ہیں جو باہم جڑے ہوئے ہیں۔ ایک مسلمان پیرزادہ اس کے فرضی خواب اور بناوٹی طاقت اعجاز۔ ایک مسلمان بادشاہ اور ان کی ضعیف الاعتقادی وارتکاب جرائم۔ ایک مسلمان خفیہ سفارت اسلامی طاقتوں ایران وترکی کو برانگیختہ کرنے کے لئے ہماری طاقت کے زوال کی نسبت' مسلمانی پیشین گوئیاں' ہماری حکومت مٹا کر اسلامی حکومت کا خیال' مسلمانوں کا کیا ہوا جابرانہ قتل' اسلامی غلبہ کی خاطر جہاد' ایک مسلمانی پریس کا اشتعال دلانا اور مسلمان سپاہیوں کا بغاوت کرنا۔ ہنودیت کے متعلق میں ضرور کہوں گا کہ یہاں اس پر ذرا غور کیا جائے اور روشنی ڈالی جائے کیونکہ وہ توفقط ہمیشہ اپنے پیش قدم ہمسائے کی حکم بردار رہی ہے۔

اسلامی سازش کی بحث اب ختم ہوگئی۔ میرا یہ مدعا نہیں ہے کہ دیگر سازشی ہماری پیش نظر کارروائیوں سے بری ہو گئے' کیونکہ یہاں میں نے صرف ان لوگوں کو منتخب کیا ہے جو مجھے سب سے زیادہ بڑھ کر ذمہ دار نظر آئے۔ میں بیٹھنے کے قبل چاہتا ہوں کہ ایک سوال کروں اور کپتان مارٹینیو کی شہادت میں سے جواب دوں۔ کیا تم نے کبھی سپاہیوں کو یہ شکایت کرتے سنا ہے کہ انگریز پادری ہندوستانیوں کو زبردستی عیسائی کر ڈالتے ہیں؟

جواب جی نہیں' عمر بھر میں کبھی نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ ایک ذرہ بھر اس کا خیال کرتے ہوں؟ میں یقین کرتا ہوں کہ کوئی افسر ایسا نہیں ہے' جسے سپاہیوں کی طرز عادات سے تھوڑی بہت واقفیت نہ ہو یا ان کے احساسات وجذبات کو نہ جانتا ہو۔ وہ بیشک اس خیال کی تصدیق کر دے گا کہ عیسائی مشن کا ہندوستان میں کوئی خوف نہ تھا۔ مناسب طریقہ سے تبلیغ مسیحیت ہندوستانیوں اور فوجیوں کو خوف نہیں دلاتی۔ اگر وہ وعظ ونصیحت جو فقط تبلیغ کا ایک ذریعہ ہے' یہاں کی جائے تو کسی مذہب کو تعصب نہیں ہو سکتا۔ پیروان مسیح کی تعداد میں ترقی کی کوشش' جہاں تک مجھے معلوم ہے ہندوستانیوں میں بری نظر سے نہیں دیکھی جاتی اور اگر اسے اس کی اصلی شان سے پیش کیا جائے تو کوئی شک نہیں کہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے موجودہ تاریکی کا پردہ دور ہو جائے گا اور معلوم ہو گا کہ مسیحیت کوئی ذات نہیں ہے اور وہ ہر چیز کھانے کا حکم رکھتی ہے۔ اگر یہ توقیر گھٹانے والا خیال ان کے دلوں سے دور ہو جائے تو ساتھ ہی ہندوؤں کا خوف بھی غائب ہو جائے گا۔ وہ دیکھیں گے کہ مسیحیت کو زبردستی پھیلانا غیر ممکن ہے اور ان کے دل سے بغاوت کا یہ قوی ترین ہتھیار نکال ڈالنا چاہئے' لیکن اگر میں یونہی کہتا چلا جاؤں تو حکومت کی پالیسی کی بیخ کنی کر رہا ہوں گا۔ پس میں عدالت کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ بغور میری طرف متوجہ رہی اور ساتھ ہی مسٹر مرفی مترجم کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس میں اور دیگر مقدمات میں قابل قدر اعانت کی۔ مشرقی علوم میں انہیں کامل دستگاہ ہے۔ زبانی اظہارات میں طراری اور مستعدی جس سے تمام مختلف نوشتوں کو ترتیب دیئے کر پڑھنا اور بغیر معمولی دقت کے دستاویزوں کا صحیح اور ان کے مفہوم کو قائم رکھتے ہوئے ترجمہ کرنا ثابت کرتا ہے کہ فارسی اور اردو پر انہیں پورا عبور ہے۔ ان کئی کاغذات کے علاوہ جو نوٹ ہیں نہایت قیمتی ہیں اور میرے کہنے کے بغیر خود ہی مسٹر

مرنی کی ترجمانہ اعلیٰ قابلیت کا اظہار کر رہے ہیں۔ اگر میں اس طرح ان کے احسانات کا اعتراف نہ کروں تو ضرور میں اور وہ ہر دو ناقص رہ جائیں گے۔

دہلی — ایف جے ہیریٹ میجر

۹ مارچ ۱۸۵۸ء — ڈپٹی ایڈوکیٹ جنرل و وکیل سرکار

عدالت تجویز رائے جوریان کے لئے ختم ہوتی ہے

تجویز و رائے جوریان

عدالت اس شہادت پر جو اس کے پیش نظر ہے' متفق ہے کہ ملزم محمد بہادر شاہ سابق بادشاہ دہلی تمام جرائم کے مجرم ہیں جو ان کے خلاف بیان کئے گئے ہیں۔

ایم ڈاوس لفٹنٹ کرنل

پریسیڈنٹ — دہلی

ایف جے ہیریٹ میجر — ۹ مارچ ۱۸۵۸ء

ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل

منظور کیا گیا اور بحال رکھا گیا۔

این پینی میجر جنرل

کمانڈنگ میرٹھ ڈویژن

سہارن کیمپ

۱۹ اپریل ۱۸۵۸ء

عدالت تین بجے سے غیر معین وقت تک کے لئے ملتوی کر دی گئی۔

ضمیمہ کارروائی مقدمہ
محمد بہادر شاہ سابق بادشاہ دہلی
شہادت حکیم احسن اللہ خاں سابق طبیب بادشاہ دہلی

لارڈ ایلنبرو گورنر جنرل کی طرف سے بادشاہ کا نذرانہ دیا جانا موقوف ہو گیا تو وہ ہمیشہ مغموم رہتے تھے۔ پہلے تو

انہوں نے اس معاملہ کے متعلق انگلستان کو لکھا اور پھر ہمیشہ اس حکم کے برخلاف شکایت اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ نیز اس سے بہت رنجیدہ تھے کہ ان کی خواہش تھی کہ چھوٹا لڑکا مرزا جواں بخت ولی عہد مقرر کر دیا جائے اور حق تھا سب سے بڑے لڑکے مرزا فتح الملک کا اور جواں بخت کی ولی عہدی کی مخالفت کی تھی۔ تھوڑے عرصہ بعد مرزا حیدر ولد مرزا خان بخش پسر مرزا سلیمان شکوہ اپنے بھائی مرزا مراد کے ہمراہ لکھنؤ سے آئے اور انہوں نے بادشاہ کو رضامند کر کے ایجنٹ لفٹنٹ گورنر کو لکھنے کی ترغیب دی کہ انہوں نے (بادشاہ نے) شہزادوں کو گورنمنٹ آفس میں اپنا ایجنٹ مقرر کیا ہے' مگر لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ نے منظور نہ کیا' کیونکہ شہزادوں کو ایسے کام پر مقرر کرنے کا قاعدہ نہیں تھا۔ جاتے وقت لکھنؤ کے شہزادے اپنے ہمراہ کئی کاغذات لیتے گئے جن پر بادشاہ کی مہر ثبت کرائی گئی تھی اور ان شہزادوں کو حرم سرائے شاہی میں بھی بڑا رسوخ تھا۔

لکھنؤ میں مرزا حیدر نے شاہ عباس کی درگاہ پر بادشاہ دہلی کی طرف سے ایک علم چڑھایا اور مجتہد کو ایک تحریری رقعہ دیا جو پنسل کا لکھا ہوا تھا اور جس پر بادشاہ دہلی کی مہر ثبت تھی۔ اس رقعہ میں تحریر تھا کہ بادشاہ دہلی نے شیعہ عقائد اختیار کر لئے۔ یہ اطلاع دو تین شہزادوں سے ملی ہے جو سُنّی مذہب رکھتے تھے۔ نیز کئی سنیوں کی عرضیوں سے بھی معلوم ہوا جو بادشاہ دہلی کے نام سے موصول ہوئی تھیں۔ ان میں سے میں ان لوگوں کو جانتا ہوں۔ امین الرحمٰن خاں باشندۂ دہلی مگر لکھنؤ میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ شیدی بلال جو پہلے بادشاہ کے ہاں ملازم تھا' مگر پھر لکھنؤ جا کر ملازمت کر لی تھی۔ جب یہ حالات دہلی میں معلوم ہوئے تو کئی علماء بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہمیں آگاہ کیا جائے کہ یہ کیا بات ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ مرزا حیدر نے بادشاہ کی مہر تمام کاغذات پر لگائی ہے جو خود اپنے ہاتھ سے لکھے تھے اور بادشاہ نے بھی ایک فرمان مجتہد کو دیا ہے۔ پھر بادشاہ نے آگے کہا کہ ان کے فرمان میں صرف یہ لکھا ہے کہ وہ (بادشاہ) اہل بیت سے بہت محبت کرتے ہیں اور جو ان سے محبت نہ کرے وہ مسلم نہیں ہے۔ بعد ازاں بادشاہ کی درخواست پر لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ نے اس فرمان کی نقل لکھنؤ سے منگوا دی اور اس کاغذ میں بعینہٖ وہی مضمون نکلا جو درخواستوں میں ظاہر کیا گیا تھا۔ اس وقت یہ یقین کر لیا گیا تھا کہ بادشاہ نے علاوہ مجتہد کے فرمان کے کچھ شاہ اودھ کو بھی لکھا ہو گا جو خود شیعہ تھے اور مرزا حیدر نے ضرور بادشاہ دہلی کو ان سے مل کر فتح پانے کی امید دلائی ہو گی۔

ایک سال بعد معتبر خبر ملی تھی کہ مرزا نجف ایران گیا ہے جو مرزا حیدر کا بھائی اور بادشاہ دہلی کا بھتیجا تھا۔ مولوی بکر کی بتائی ہوئی یہ خبر بھی اخبار میں شائع کی گئی تھی کہ مرزا سے شاہ ایران نہایت عمدگی سے پیش آیا۔ میں نے مرزا علی بخت سے جو مرزا نجف کا بڑا گہرا دوست تھا' دریافت کیا کہ آیا مرزا نجف بادشاہ دہلی کا کوئی خط شاہ ایران کے پاس لے کر گیا ہے۔ اس نے اس کی تصدیق کی اور بتایا کہ خط کا مضمون یہ تھا کہ بادشاہ دہلی نے شیعہ مذہب قبول کر لیا ہے اور آپ ان کی امداد کیجئے۔ مزید براں اس خط میں بادشاہ دہلی نے اپنی خراب حالت کا شکوہ کیا تھا اور مفلوک الحالی ظاہر کی تھی۔ مرزا علی بخت نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ابھی تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا ہے۔ چند ماہ بعد شیدی قنبر نے حج کی تیاری کی اور مکہ جانے کی اجازت چاہی۔ پیرزادہ حسن عسکری کی معرفت رخصت مل گئی اور زاد راہ کے لئے کچھ خرچ بھی دے دیا گیا۔ اس کے چند ماہ بعد جاٹ مل ملازم گورنمنٹ برطانیہ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا دراصل شیدی قنبر حج کرنے گیا ہے۔ اس نے پھر کہا کہ مجھے یقین نہیں کہ وہ حج کو گیا ہو بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایران گیا ہے۔ میں نے کہا مجھے علم نہیں' لیکن خواجہ سراؤں سے خفیہ

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دراصل وہ ایران گیا ہے اور پیرزادہ حسن عسکری کی معرفت رات کے وقت اسے چند کاغذات دیئے گئے تھے جس میں بادشاہ دہلی کی مہر ثبت تھی۔ اس سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ شیدی قنبر مرزا نجف کے پاس گیا تھا کہ پچھلی خط و کتابت کا جواب لائے۔ یہ تمام حالات سنیوں سے پوشیدہ رکھے گئے تھے (اور میں بھی ان میں شامل تھا) کیونکہ بادشاہ کا مذہب مرزا حیدر نے تبدیل کرا دیا تھا۔ اس کا ذکر بھی کرنا چاہئے کہ بادشاہ دہلی ان تمام خبروں کے سننے کے مشتاق رہتے تھے جو ایران اور بوشہر سے تعلق رکھتی تھیں۔

مرزا حیدر کوئی معمولی آدمی نہیں تھا بلکہ وہ بادشاہ دہلی کا خاص رشتہ دار یعنی بھتیجا تھا اور لکھنؤ سے ایک ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ پاتا تھا۔ وہ خاندانی شیعہ تھا اور اس کے دادا سلیمان شکوہ اور اس کے والد خان بخش دونوں شیعہ مذہب کے تھے۔ ان کے مذہب میں یہ بڑا ثواب ہے کہ غیر مذہب والے کو اپنا ہم مذہب بنا لیا جائے۔ علاوہ ازیں اس نے دنیاوی فائدہ کو بھی نظر انداز نہ کیا ہو گا جو اسے تین ہم عقیدہ بادشاہوں کے ہونے سے حاصل ہو سکتے تھے یعنی بادشاہ دہلی و لکھنؤ و ایران۔

اس میں شک نہیں کہ شاہ ایران سے خط و کتابت کرنے کی تجویز سب سے پہلے مرزا حیدر نے بتائی تھی جس نے اپنا ذاتی نفع بھی سوچا تھا اور یہ بھی خیال کر لیا ہو گا کہ بادشاہ دہلی کے شیعہ ہونے کا حال شاہ ایران کو بذریعہ اخبارات مرزا نجف کے جانے کے قبل ہی معلوم ہو جائے تاکہ بادشاہ اس سے خاطر و مدارات سے پیش آئے۔ بہادر شاہ بادشاہ اپنے پولیٹکل منصوبوں کو پوشیدہ رکھنے کی بہت کم پرواہ رکھتے تھے۔ ان کے معمولی معمولی ملازم ان پر اچھا خاصہ اثر رکھتے تھے چنانچہ خواجہ سراؤں سے کچھ بھی مخفی نہیں تھا' کیونکہ وہ ہر ایک مقام پر جا سکتے تھے۔ بادشاہ اپنی بیگمات کو بھی پولیٹکل معاملات میں شریک کرتے تھے اور ان کی سنتے تھے' چنانچہ زینت محل بیگم کے خوش کرنے کو انہوں نے اس کے لڑکے مرزا جواں بخت کو اپنا ولی عہد بنانا چاہا تھا' حالانکہ وہ بالکل کم سن اور اس مرتبہ کے لائق نہ تھا۔ خواجہ سراؤں کے قبضے میں تمام راز رہتے تھے' کیونکہ انہیں کہیں جانے کی ممانعت نہ تھی۔ حتیٰ کہ خلوت خانوں میں بھی بے دھڑک جا سکتے تھے چنانچہ محبوب علی خواجہ سرا بادشاہ کے تمام معاملات کا مختار تھا۔

میں نے وہ خط بھی نہیں پڑھا جو بادشاہ دہلی نے شاہ ایران کو لکھا تھا۔ البتہ جو کچھ سنا تھا' من وعن بیان کر دیا۔ میرے خیال میں بادشاہ دہلی نے ضرور مالی اور فوجی امداد چاہی ہو گی۔ بادشاہ روپیہ کی پرستش کرتے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ طمع میں پڑ کر باوجود ضعیف العمری کے اپنا مذہب تک تبدیل کر دیا تھا۔

میں نے کبھی نہیں سنا کہ شاہ ایران کے خط میں دیسی فوج کو گورنمنٹ سے باغی کرانے کی تجویز بادشاہ نے کی ہو اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کیا گیا ہو گا' کیونکہ اس وقت ایسا چاہیے نہیں تھا۔ بادشاہ دہلی نے صرف ایران سے قرابت کرنے کا خیال کیا تھا۔ مجھے خواجہ سراؤں سے معلوم ہوا تھا اور اسی وقت ان پر مہر ثبت کی گئی تھی اور شیدی قنبر کو دے کر ہدایت کی گئی تھی کہ انہیں لے جا کر مرزا نجف کو دے دے اور گذشتہ خط کا اور اس کا جواب لائے۔

میں جانتا ہوں کہ ان کاغذات میں جو شیدی قنبر کو دیئے گئے تھے' کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو خواجہ سرا ضرور بتاتے۔ شیدی قنبر ایران روانہ ہو گیا اور اس کے بعد اخبار میں شائع ہوا کہ مرزا نجف ایران پہنچ گیا ہے۔ شیدی قنبر

کے جانے کے ایک سال بعد صوبہ اودھ گورنمنٹ برطانیہ کے زیر نگیں آ گیا اور ہنومان گڑھی میں بھی شیدی کی روانگی کے بعد ہنگامہ ہوا تھا۔

بہادر شاہ گورنمنٹ کی مرضی کے موافق نہیں تھے۔ گورنمنٹ کا خیال تھا کہ ان کی وفات کے بعد قلعہ کو شاہی خاندان سے خالی کرا لیا جائے گا اور گورنمنٹ کا یہ ارادہ مرزا فتح الملک کو ولی عہدی مل جانے کے بعد ظاہر ہوا تھا۔ اس وجہ سے بادشاہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مرزا (فتح الملک جس کی جانشینی کے بادشاہ مخالف تھے) کو اپنی ولی عہدی پر خوشی منانے کا بہت کم موقع ہے' کیونکہ بادشاہ کے بعد ان کے جانشین کا کچھ اختیار نہ رہے گا نہ اسے قلعہ میں رہنے دیا جائے گا۔

ایران کی لڑائی کے دوران میں بعض شہزادوں کا خیال تھا کہ اگر روس نے ایران کی مدد کی ہوگی تو انگریزوں کو ضرور شکست فاش ہوگی اور ایرانی ضرور ہندوستان کے مالک ہو جائیں گے۔ بادشاہ کو بھی اس رائے سے اتفاق تھا۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ مرزا نجف نے ایران سے کوئی خط اکر دہلی میں پہنچایا ہو۔ البتہ (اگر کوئی خبر بھیجی ہو) تو اپنے بھائی مرزا حیدر کو براہ راست لکھنؤ بھیجی ہوگی۔

جب بادشاہ کو ایران سے مدد پہنچنے کی امید تھی تو انہوں نے ہندوستانی والیان ریاست پر اثر قائم رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی اور اس کا سبب یہ ہے کہ مرزا حیدر جب سے یہاں سے گیا تو پھر واپس نہ آیا اور یہی شخص سازشوں کا بانی مبانی تھا۔ پہلے اس نے ہی شاہ ایران کو خط روانہ کرنے کی صلاح دی تھی۔

بادشاہ لارڈ ایلنبرو کے مخالف تھے' کیونکہ انہوں نے مرزا جواں بخت کو ولی عہد نہ کر کے مرزا فتح الملک کو تخت نشینی دے دی تھی۔ حکومت برطانیہ سے یا کسی اور افسر سے عموماً وہ ناخوش نہ تھے اور مذہب مسیحیت کے دشمن تھے۔

مرید کرنے کی وجہ سے بادشاہ بہ نسبت دنیاوی رہنما ہونے کے دینی رہنما زیادہ مانے جاتے تھے۔ صرف فوجی لوگ ہی ان کے مرید نہ ہوتے تھے بلکہ ان کو تو ہزاروں آدمی اپنا پیشوا ماننے لگے تھے۔ یہ رسم بہت قدیمی ہے۔ بہادر شاہ کے والد ماجد بھی مرید کیا کرتے تھے اور بادشاہ نے سرخ رنگین رومال دینا خود ایجاد کیا تھا۔ پیرزادگان دہلی نے جو شاہان دہلی کے روحانی معلم تھے لوگوں کو تعلیم دی تھی کہ بادشاہ روحانی معاملات میں زمین پر روحانی خلیفہ الہی ہوتا ہے اور اس کی پیشوائی ہر طرح مسلّم ہے۔

علاوہ ازیں اس میں ایک فائدہ عظیم یہ ہے کہ مرید اپنے پیر کے تمام دنیاوی اور دینی احکام قبول کر لیتا ہے۔ سب سے پہلے بادشاہوں میں مرید کرنے کا رواج بہادر شاہ کے والد نے قائم کیا تھا۔ اول الذکر نے بہت سے لوگوں کو مرید کر لیا تھا اور مریدوں سے صرف ایک سلسلہ میں بیعت لیتے تھے۔ میں نے یہ کبھی نہیں سنا کہ جن سپاہیوں نے بادشاہ سے بیعت کی تھی' ان کے ہاں ملازمت بھی کی ہو۔ غدر سے پہلے کوئی مرید نہیں آیا اور نہ کسی کو سرخ رومال دیا گیا۔ مزید برآں پانچ مہینے تک زمانہ قیام دہلی میں کوئی سپاہی بیعت کے لئے بھی حاضر نہیں ہوا' بلکہ مرزا مغل کے ضبط شدہ کاغذات میں بھی کسی مرید کی کوئی ایک درخواست بھی دستیاب نہیں ہوئی اور نہ ان کا تذکرہ پایا گیا اور یہ کاغذات میری نظر سے گزر چکے ہیں۔ کارتوس کے ہنگامہ کے بعد پانچ مہینے تک کوئی شخص آ کر مرید نہیں ہوا۔ اگر کوئی ہوتا تو مجھے ضرور معلوم ہوتا۔

ہمیشہ مسلمان ہی بادشاہ کے مرید ہوتے تھے اور کسی ذات کا کوئی شخص مرید نہ ہوتا تھا۔

میں نے نہیں سنا کہ بادشاہ نے ہندوستانی فوجوں سے کوئی خط و کتابت کی ہو لیکن وہ دیسی فوج کی نسبت جب کبھی کہیں لڑائی ہوا کرتی تو متفکرانہ طور سے دریافت کرتے تھے اور چونکہ وہ گورنمنٹ برطانیہ سے ناخوش تھے' اس لئے اس کی زک اور ہزیمت کی خبریں شوق سے سنتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ماسوا برطانیہ کے جو حکمران آئے گا' وہ ان سے بوجہ نسل شاہی ہونے کے نہایت عزت و توقیر سے پیش آئے گا' مگر تھوڑے دنوں بعد ان کو یقین ہو گیا کہ گورنمنٹ برطانیہ کی تباہی کے ساتھ ہی ان کی خوش اقبالی بھی ان کے ہاتھوں سے چلی جائے گی۔

مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے لیکن میں یقین کرتا ہوں کہ الحاق پنجاب کے بعد بسبب موقوفی بھتہ کے دیسی رجمنٹوں کی بغاوت کی خبر بادشاہ کو پہنچی تھی اور مجھے وہ مہینہ تو یاد نہیں جبکہ کلکتہ کی رجمنٹ کے سب سے پہلے نئے کارتوس لینے سے انکار کرنے کی خبر پہنچی تھی۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ کلکتہ کے کسی اخبار سے اطلاع موصول ہوئی تھی اور جب کارتوسوں کا چرچا بجا پھیلا ہوا تھا تو یہ قیاس کیا گیا تھا کہ جتنا زیادہ چرچا ہو رہا ہے' اتنا ہی جوش و غضب ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل جائے گا اور دیسی فوج برطانیہ کو تاراج کر کے اس کی حکومت کا خاتمہ کر دے گی۔ اس وقت بادشاہ نے ظاہر کیا تھا کہ اس وقت ان کی حالت نہایت عمدہ ہو گی' کیونکہ جو طاقت حکمراں ہو گی' وہ ان کی قدر و منزلت کرے گی۔

خاندان شاہی کے شہزادے کہا کرتے تھے کہ بسبب قلت روپیہ فوج یا تو نیپال چلی جائے گی یا ایران' مگر بادشاہ کے پاس نہ ٹھہرے گی۔

گو نئے کارتوسوں کا اجرا ظاہری بغاوت کا باعث مانا جاتا ہے' مگر در اصل ایسا نہیں ہوا۔ دیسی فوج کے بعض افراد بہت روز سے اس کی کوشش کر رہے تھے کیونکہ گورنمنٹ برطانیہ سے ناخوش تھے اور کہتے تھے کہ ان سے بہت جابرانہ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ نئے کارتوسوں کا بہانہ اپنے حسب مطلب پا کر انہوں نے اپنا کام نکالا۔ انہی باغیوں اور سازشیوں نے اسے اپنے اغراض کی ٹٹی بنا کر اور کچھ اور مذہبی عنصر ملا کر تمام فوجوں کو حکمرانوں سے برگشتہ کر دیا۔ نیز انہیں یقین تھا کہ انہی کی بدولت گورنمنٹ قائم ہے اور گورنمنٹ ان سے نہیں لڑ سکتی۔ عام لوگ (اصلیت سے) بالکل بے بہرہ تھے اور خیال کرتے تھے کہ گورنمنٹ نے ہمارے مذہب کو برباد کرنے کی ٹھانی ہے اور در اصل یہی امر غور طلب ہے' کیونکہ کمانڈر انچیف نے خود تہیہ کیا تھا کہ وہ دو سال میں تمام ہندوستان کو عیسائی کر لیں گے اور اسی وجہ سے باغیوں کی عیارانہ چال چل گئی اور ناواقف پبلک نے ان کی بات کو سچ جانا۔

میرے خیال میں تو دیسی فوج بہت پہلے سے گورنمنٹ کی مخالف تھی اور اگر نئے کارتوس جاری نہ بھی کئے جاتے' تاہم وہ بغاوت کا کوئی دوسرا بہانہ ڈھونڈ لیتی' کیونکہ اگر سپاہیوں کو محض مذہبی وجوہات مانع ہوتے تو وہ فوراً نوکری چھوڑ دیتے اور اگر انہیں ملازمت کرنی ہوتی تو وہ بغاوت نہ کرتے۔

بادشاہ کا خیال تھا کہ گورنمنٹ لوگوں کے مذہب میں مخل ہونا چاہتی ہے' مگر میں سمجھا دیا کرتا تھا کہ یہ صرف بدمعاشوں کی اڑائی ہوئی بات ہے اور انگریز بڑے عقلمند ہیں وہ ایسا کوئی کام نہ کریں گے جس سے کسی کے مذہب میں مداخلت ہو اور وہ کسی فوج کو جس سے عمدہ خدمات کی توقع رکھتے ہوں' کبھی صدمہ نہ پہنچائیں گے۔ جب کبھی میں سمجھاتا بادشاہ میری رائے سے اتفاق کرتے' مگر پھر خواجہ سراؤں اور مصاحبوں کے بہکانے سے اپنے دیرینہ خیال پر آ جاتے تھے۔

میری موجودگی میں میرٹھ سے کوئی خبر موصول نہیں ہوئی تھی۔ دوشنبہ کو طلوع آفتاب کے بعد ایک والنٹیر سپاہی جو لاہوری دروازہ پر تعینات تھا آیا اور دیوان خاص کے خدمتگاروں سے کہا کہ میرٹھ میں سرکاری فوجوں نے بغاوت کر دی ہے اور وہ بہت جلد دہلی پہنچنے والے ہیں۔ اس خبر کے ایک گھنٹہ بعد ہی دہلی چھاؤنی کی رجمنٹ قلعہ میں گھس گئی اور اس کے بعد میرٹھ کی فوج آئی۔

میری موجودگی میں کبھی ایسا تذکرہ نہیں کیا گیا کہ میرٹھ میں کارتوسوں سے انکار کرنے کی بنا پر سپاہیوں کو کورٹ مارشل ہوا ہے اور یہ غیر ممکن نہیں ہے کہ پانچ یا چھ روز بعد بذریعہ اخبارات معلوم ہو گیا ہو۔

مجھے یقین نہیں ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کی طرف سے تحقیق حالات کے لئے میرٹھ بھیجا گیا ہو' نہ میں نے سنا کہ زینت محل نے کسی کو میرٹھ روانہ کیا ہے۔

بادشاہ کو اس وقت حیرت ہوئی جب یک بیک فوجیں ان کے پاس آ گئیں۔ مجھ کو خود تعجب تھا کہ بغیر اطلاع اور بے نشان و گمان یہ کیونکر آ گئیں۔ تاہم جب سے کارتوسوں کا ذکر سنا تھا' یہ خیال کر لیا تھا کہ کچھ نہ کچھ آفت ضرور آ کر رہے گی۔

اسی روز شام کو جبکہ فوجیں آئی تھیں' میں نے بادشاہ کو سمجھا دیا تھا کہ ایسے لوگوں سے بھلائی کی امید رکھنا بے سود ہے' جنہوں نے اپنے مالکوں سے بغاوت کی ہو اور پھر میں نے لفٹنٹ گورنر آگرہ کو بادشاہ کی طرف سے لکھ دیا تھا اور اطلاع دے دی تھی کہ فوجوں نے انگریز افسروں کو قتل کر ڈالا ہے اور بادشاہ کی بے بسی کا ذکر کر کے مدد طلب کی گئی تھی۔

بادشاہ باغیوں کی آمد کے لئے پہلے سے تیار نہیں تھے' چنانچہ جب میں نے اور غلام عباس وکیل نے آ کر کہا کہ قلعدار صاحب اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر نے درخواست کی ہے کہ دو توپیں لاہوری دروازہ پر اور دو پالکیاں کپتان ڈگلس کے مکان پر پہنچا دی جائیں تو انہوں نے فوراً حکم دے دیا اور کچھ عذر نہ کیا۔

کوئی نہیں بتا سکتا کہ چپاتیوں کی تقسیم کا کیا مطلب تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ سب سے پہلے یہ تدبیر کس نے نکالی تھی۔ قلعہ کے تمام لوگ حیرت میں تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے اور میں نے بذات خود بادشاہ سے اس مسئلہ پر کچھ گفتگو نہیں کی' مگر دیگر لوگ ان کے روبرو اس کا چرچا کرتے اور متحیر ہوتے تھے کہ یہ کیا اسرار ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چپاتیوں کی ابتدا فوجوں میں صوبہ اودھ سے شروع ہوئی تھی۔ پہلے پہل میں خود حیرت میں تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے مگر سمجھتا تھا کہ یہ کسی خاص معاملہ کی طرف دلالت کرتی ہیں۔ بعض کا خیال یہ تھا کہ چپاتیوں کی ایجاد فوج سے ہوئی جو کسی رسم کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ بعض کا اعتقاد تھا کہ ان میں کچھ جادو ہے کیونکہ وہ تمام ملک میں پھیل گئی تھیں' مگر پتہ نہیں چلا کہ کس جگہ سے نکلی تھیں اور ابتدا کس شخص نے کی۔ بعض کا قیاس تھا کہ کسی کامل بزرگ کی ایجاد کی ہوئی ہیں تاکہ ملک کے لوگوں کا مذہب اچھوتا رہے جس کی نسبت خیال تھا کہ گورنمنٹ خراب کرنا چاہتی ہے۔

مجھے افسران فوج سے معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے بغاوت اس وجہ سے کی کہ گورنمنٹ نے کارتوسوں میں چربی اور آٹے میں ہڈیاں ملائی تھیں تاکہ لوگوں کا دھرم خراب ہو جائے اور عموماً ان کے ہتھیار اٹھانے کا یہی سبب بتایا جاتا ہے' لیکن میں نے حیدر حسن سے جو دیسی افسروں کا گہرا دوست تھا' یہ سنا ہے کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم لوگ باہم متفق رہے تو

گورنمنٹ کی فوجیں ہمیں شکست نہ دے سکیں گی اور ایک روز ہم تاج وتخت کے مالک بن جائیں گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ دیسی فوجوں نے ملک گیری کی ہوس میں بغاوت کی تھی اور مذہب کی آمیزش صرف ان کے اصلی ارادوں کی پردہ پوشی تھی۔ اگر وہ مذہب کے لئے لڑ رہے ہوتے تو کبھی لوگوں کے مکانات نہ لوٹتے اور طرح طرح کے ظلم نہ کرتے بلکہ صرف گورنمنٹ برطانیہ سے سرگرم جدال رہتے۔ بغاوت کرنے کے بعد مفسد فوجیں اکثر کہا کرتی تھیں کہ اب وہ تاج وتخت کی مالک ہیں اور مختلف شہزادوں کو مختلف صوبہ جات میں لے جا کر حکومت دیں گی۔

نمبر ۳۷ دیسی پیادہ رجمنٹ نے کہا کہ انہوں نے غدر سے قبل ہی میرٹھ کی فوجوں سے مشورہ کر لیا تھا اور تمام چھاؤنیوں سے بذریعہ خط وکتابت طے کر لیا تھا کہ سب دہلی میں آ کر جمع ہوں۔ دیسی پیدل کے اس بیان سے مجھے خیال گزرا کہ دہلی کے سپاہیوں کے نام جو خطوط موصول ہوتے تھے ان میں اسی قسم کی باتیں ہوں گی۔

دہلی کی باغی رجمنٹوں نے کئی اور رجمنٹوں کو اپنے ہمراہ شامل کرنے کے لئے تحریر کیا تھا اور بادشاہ نے بیشک باغی افسروں کی درخواست پر نیمچ فیروز پور وغیرہ کی فوجوں کو آ کر شامل ہونے کے احکام جاری کئے تھے۔ دہلی کے باغیوں کے خطوط کا مضمون بالعموم یہی ہوتا تھا کہ ''ہم میں کے بیشتر یہاں آ گئے ہیں۔ کیا تم بھی حسب وعدہ فوراً آ ؤ گے۔'' باغی افسروں کی استدعا پر بادشاہ منشیوں کو حکم دے دیا کرتے تھے کہ جیسا وہ (افسر) چاہیں لکھ دو۔ فوج کی بغاوت کے متعلق میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جو کچھ مجھے معلوم تھا' وہ بتا دیا۔

قبل از بغاوت فوجوں نے طے کر لیا تھا کہ اپنی اپنی چھاؤنی کے انگریز مرد وعورت اور بچوں کو قتل کر ڈالیں گے' مگر میں مفصل نہیں بتا سکتا کہ انہوں نے کیا بندوبست کیا تھا۔ اتنا میں جانتا ہوں کہ ان کی جملہ تدابیر اس وقت کی تیار کردہ نہیں تھیں جب ہنگامہ برپا ہو چکا تھا۔

میں نے نہیں سنا کہ باغیوں نے اپنا کام شروع کرنے کے لئے کوئی خاص تاریخ مقرر کی ہو۔ اگر کی ہوتی تو ان کے خطوط میں ضرور اس کا حوالہ ہوتا' حالانکہ کسی خط میں کچھ نہیں تھا۔ میرا مدعا اس قسم کے حسب ذیل جملوں سے ہے:

تم نے فلاں تاریخ کو بغاوت کا وعدہ کیا تھا' لیکن تم اب تک نہیں آئے۔ پس تم نے اپنا وعدہ وفا نہ کیا۔

میں نے ہنگامہ برپا ہونے کا اوپر ذکر کیا ہے۔ میرا مقصد میرٹھ کے ہنگامہ سے ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ہنگامہ مذکور اچانک نہیں برپا ہوا' بلکہ عرصہ دراز سے تدبیریں پخت وپز ہو رہی ہوں گی۔

میرٹھ کی بغاوت کا دفعتاً ہو جانا اس سبب سے ہوگا کہ ان کو انگریز افسروں کے جبر وانتقام کا خوف تھا۔ چنانچہ گلاب شاہ افسر کیولرائی نمبر ۳ میرٹھ یہاں آ کر بیان کرتا تھا کہ انہوں نے (گورنمنٹ نے) فوجوں کو بے ہتھیار کر دیا ہے اور سواروں کو ماخوذ کر لیا ہے۔

نئے کارتوسوں کے ساتھ ہی سپاہیوں کو اور کئی تکالیف درپیش تھیں جس سے ان میں گورنمنٹ کی طرف سے بدظنی پیدا ہو گئی تھی۔ فوجوں کو کم رخصت ملنے لگی تھی۔ بھتہ بند کر دیا گیا تھا۔ فوجوں کو جہازوں پر سمندروں میں روانہ کیا جاتا تھا وغیرہ' لیکن انہوں نے سب سے بڑھ کر اپنی بغاوت کا باعث اجرائے کارتوس قرار دیا تھا۔ ان کی دیگر تکالیف پر چنداں التفات نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس کا سبب بالکل روشن ہے' یعنی کارتوس کو بدنام کرنے سے انہیں ایک مذہبی موقعہ ہاتھ آ گیا

تھا اور انہی لوگوں کو پورا یقین تھا کہ بیشک وہ مذہب کے لیے لڑ رہے ہیں۔

باغی گورنمنٹ برطانیہ کے لیے بہت حقارت آمیز الفاظ استعمال کرتے تھے۔ وہ انہیں 'نصاریٰ' 'کفار' وغیرہ ناموں سے یاد کرتے تھے' لیکن بالکل پایہ ثقاہت سے گرے ہوئے الفاظ استعمال نہ کرتے تھے۔ وہ اکثر کہتے تھے کہ گورنمنٹ کسی رئیس کو کچھ زمین یا علاقہ نہ دے گی اور ہندوستانیوں سے مہربانی سے پیش نہ آئے گی۔

دیسی فوج میں ہندو' مسلمان دونوں گورنمنٹ سے ناخوش تھے' مگر شہر میں (دہلی میں) مسلمان بہ نسبت ہندوؤں کے زیادہ ناراض تھے اور ان کی ناراضگی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ بقرعید کے موقع پر گاؤکشی کا جھگڑا ہو گیا تھا اور مقامی حکام کا فیصلہ مسلمان آبادی کے موافق نہ ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی مشہور تھا کہ گورنمنٹ سور کا گوشت کھلا کر ہندوستانیوں کو عیسائی بنانا چاہتی ہے۔

بعد ازاں یہ افواہ ہوئی کہ (نمبر ۱۱ دیسی پیدل) سپاہیوں نے اپنے افعال شنیع سے توبہ کی ہے اور ان کی توبہ کا ثبوت یہ ہے کہ کلی طور پر وہ رجمنٹ سے علیحدہ ہو گئے ہیں' حالانکہ بات یہ تھی کہ بعض لوگوں نے ترقی تنخواہ و سرفرازی عہدوں کے لیے اپنے افسروں کو درخواستیں دی تھیں۔ چونکہ ان کی درخواستیں نامنظور کی گئیں' اس وجہ سے وہ نوکری چھوڑ کر چلے گئے۔

شہزادے یا اہل قلعہ پہلے سے آگاہ نہیں تھے کہ دہلی والنٹیئرز رجمنٹ نے گورنمنٹ کے برخلاف میرٹھ کی فوجوں سے سازش کی ہے۔ یہ صرف اس وقت آشکارا ہوا جب باغی فوجوں کے افسروں نے دہلی میں اس کا تذکرہ کیا۔ میرے خیال میں ہندوستانی روساء اور سپاہیوں کے مابین بغاوت سے قبل کوئی خط وکتابت نہیں تھی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو روساء کے خطوط میں ضرور کچھ نہ کچھ اشارات ہوتے۔ مزید برآں باغی فوجوں کا کچھ حصہ ان والیان ریاست کے پاس چلا جاتا جو سازش میں شریک ہوئے تھے' مگر ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا میرے خیال میں باغیوں نے خود ہی اپنی مرضی سے ہنگامہ برپا کیا۔ کسی والیٔ ملک کی تحریک پر نہیں' کیونکہ مؤخر الذکر حالت میں یا تو خود باغی ہی جا کر اپنے محرکوں سے مل جاتے یا انہیں شرکت کرنے کے لیے طلب کرتے۔

دیہاتی باشندوں پر باغی فوجوں کا کچھ اثر نہیں تھا اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ان سے بہت نرمی سے پیش آتے' نہ کہ ان کے مکانات کی لوٹ مار اور ان پر جبر وتعدی روا رکھتے۔ ہنگامہ برپا کرنے کے پیشتر باغی دہلی کی مسلمان آبادی سے ملے ہوئے نہیں تھے۔ اگر ملے ہوئے ہوتے تو دہلی کے مسلمانوں پر ایسا ستم نہ توڑتے جیسا کہ انہوں نے توڑا۔

شہر کے رذیل طبقوں کو تحریک کی ضرورت نہ تھی۔ اس وقت کی ہل چل اور محشر خیزی نے انہیں سپاہیوں سے متفق ہونے کی جرأت دلائی تھی۔ میرا خیال ہے کہ گوجروں اور سپاہیوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا' لیکن سپاہیوں نے بعد میں دہلی کے قرب وجوار میں رہنے والے چند گوجروں کو بادشاہ سے دو نقارے دلوائے تھے جو انگریزی کیمپ کی رسد لوٹ لیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک شخص راؤ نامی کو ضلع بلند شہر میں سکندرہ کے متصل ایک نقارہ عطا کیا گیا تھا جو اسی منصب پر مامور تھا۔

دوران ہنگامہ میں حکومت انگریزی کو برا اور خراب نہیں کہا گیا۔ جن لوگوں نے سپاہیوں کا حد سے بڑھا ہوا ظلم

دیکھا تھا وہ کیونکر حکومت انگریزی کے خلاف کہہ سکتے تھے۔

کیولرائے افسروں میں گلاب شاہ پیدل رجمنٹوں میں افسران الگونڈرر جمنٹ' بادشاہ کے ملازموں میں شیدی ناصر خاں اور بسنت خواجہ سرای خاص اشخاص تھے جنہوں نے انگریزوں کے قتل کی تحریک کی۔ سبب یہ ہے کہ گلاب شاہ اور اس کی جماعت باغ حیات بخش میں مقیم تھے اور شاہی ڈیوڑھی پر خواجہ سراؤں کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے۔

میں نے اس معاملہ میں بادشاہ سے گفتگو کی تھی اور اس وقت خواجہ سرا بھی موجود تھے۔ ان لوگوں نے (خواجہ سراؤں نے) گلاب شاہ کی درخواست پر انگریزوں کے قتل کا حکم دینے کے لئے التماس کیا اور میں نے بادشاہ کو سمجھایا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ دنیوی فوائد کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی ان کا رہا کر دینا زیادہ مفید ہوگا اور پھر میں نے ان سے کہا کہ مفتیان شرع سے عورتوں اور بچوں کے خلاف قتل فتویٰ لے کر افسران فوج کو دکھائیں اور یہ بھی سمجھایا کہ انہیں اگر حوالات میں رکھا جائے تو کسی محفوظ مقام پر اپنے ہی بچوں جیسا سمجھا جائے اور اس کے نتائج بھی جتا دیئے اور سردار محمد اکبر خاں والی کابل کی نظیر پیش کی جنہوں نے دوران جنگ کے گرفتار شدہ انگریزوں کو بچایا تھا اور اسی سبب سے امیر دوست محمد خاں (محمد اکبر خاں کے والد) کو کس طرح آزادی ملی جو انگریزوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے تھے۔

میری ہی باتوں کا اثر تھا کہ بادشاہ نے انگریزوں کے قتل کو منسوخ کر دیا اور دو روز تک یہی حالت رہی' لیکن بعد میں درخواست کنندوں نے بادشاہ پر بہت زور ڈالا کہ وہ اس کی منظوری دیں اور خواجہ سرا یعنی بسنت و ناصر نے قیدیوں کو گلاب شاہ کے حوالہ کر دیا جس نے لب حوض لے جا کر قتل کر ڈالا۔

اگر بادشاہ ان عورتوں اور بچوں کو اپنے زنان خانے میں رکھتے اور سپاہیوں کے مطالبہ کرنے پر سمجھا دیتے کہ پہلے وہ ہماری عورتوں اور بچوں کو قتل کر ڈالیں تو اغلب تھا کہ سپاہی حرم سرائے شاہی میں گھس کر جبراً قیدیوں کو نہ نکال سکتے اور قتل کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

اگر بادشاہ نے جان بوجھ کر ایسا کہا اور کیا' وہ اکثر سپاہیوں سے اپنے ارادے کی نسبت کچھ نہ کچھ کہا کرتے تھے۔ اگر بادشاہ کی منظوری نہ ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا کہ سرکاری کاغذات میں بادشاہ کا نام نہ ہوتا کہ انہوں نے منظوری دی۔

بسنت اور الگونڈرر جمنٹوں کے افسر انگریزوں اور عیسائیوں کے سخت مخالف تھے اور اگر گلاب شاہ' بسنت و ناصر ہر دو خواجہ سرا قیدیوں کو قتل نہ کر دیتے تو خود وہ لوگ جا کر عیسائیوں کے قتل کا مطالبہ کرتے' لیکن میں نہیں جانتا کہ ان سے بھی بڑھ کر کوئی عیسائیوں کا دشمن جانی تھا اور یہ عیسائی شیدی ناصر الہ داد خاں ولایتی' گلاب شاہ کے سواروں کے ہاتھوں نہ تیغ کیے گئے جن میں کچھ بادشاہی ملازم بھی تھے۔ الہ داد خاں ولایتی بادشاہ کی ملازمت میں تھا۔

سب سے پہلے باقاعدہ سوار آئے۔ پھر والنٹیر رجمنٹ دہلی قلعہ میں داخل ہوئی۔ سواروں کے ہمراہ والنٹیر وں کی دو کمپنیاں تھیں جو قلعہ کے دروازوں پر متعین کی گئی تھیں۔ والنٹیر رجمنٹ کے افسروں نے چلا کر کہا کہ یہ میرٹھ سے آئے ہوئے سوار ہیں اور دیسی پیدل بھی بہت جلد آنے والے ہیں۔ چنانچہ میں نے دہلی رجمنٹ کے افسروں کے اقوال سے استنباط کیا کہ دہلی اور میرٹھ کی رجمنٹوں میں گہری سازش تھی۔ دیگر چھاؤنیوں کے سپاہیوں کو ان لوگوں نے

بھی دہلی آنے کے خطوط یا احکام نہیں لکھے البتہ صرف ان کے خطوط میں یہ تحریر ہوتا تھا کہ ''کیا تم بھی آتے ہو۔''

میرے خیال میں کئی وجوہات ہیں جن کی بنا پر باغیوں نے دہلی کو منتخب کیا۔

اول۔ دہلی میرٹھ سے جہاں بغاوت اٹھنے والی تھی' بالکل نزدیک تھی اور میرٹھ کی فوجیں دہلی والی فوجوں کی ہم خیال تھیں۔

دوم۔ دہلی میں معقول خزانہ اور بافراط ذخائر حرب تھے۔

سوم۔ دہلی میں شہر پناہ تھی جس سے شہر بالکل محفوظ رہ سکتا تھا۔

چہارم۔ شاہ دہلی کے پاس فوج نہیں تھی اور وہ کمزور و بیکس تھے۔

پنجم۔ بادشاہ کی شخصیت ایسی تھی جس کی توقیر اور فرمانبرداری ہر ہندو اور مسلمان فرض گردانتا تھا۔

فوجوں نے بادشاہ کو اپنے ارادے کی کوئی اطلاع نہیں دی اور نہ بادشاہ کو علم تھا کہ والنٹیئر رجمنٹوں نے میرٹھ کی فوجوں سے سازش کی ہے۔

میں نے نہیں سنا کہ اہل دہلی نے انعامات یا اراضی معافی کی ضبطی کی شکایت کی ہو لیکن سپاہی کہا کرتے تھے کہ گورنمنٹ رفتہ رفتہ تمام انعام اور وظیفے ضبط کرے گی اور کسی کو فارغ البال نہ چھوڑے گی۔

الحاق اودھ کا دہلی میں بہت چرچا ہوتا تھا' مگر دہلی کی اسلامی آبادی بسبب سنی ہونے کے اسے بری نگاہ سے نہ دیکھتی تھی۔ نیز ان کے ایک مولوی امیر علی نامی کو مع چار پانچ سو سنیوں کے ہنومان گڑھی کے موقع پر بادشاہ اودھ کے حکم سے توپ کے منہ اڑا دیا گیا تھا اور وہ لوگ تو کہا کرتے تھے کہ شاہ اودھ کو اتنے بے گناہ سنیوں کے خون بہانے کی سزا ملی ہے جو اس کا ملک چھن گیا۔ دہلی کے ہندو باشندوں سے بھی میں نے کوئی ایسی بات نہ سنی جس سے معلوم ہو کہ وہ الحاق اودھ سے ناراض تھے۔ البتہ سپاہی کہا کرتے تھے کہ جس طرح انگریزوں نے اودھ پر قبضہ کیا ہے' وہ رفتہ رفتہ تمام ملک پر قابض ہو جائیں گے۔ میں نہیں خیال کرتا کہ اسباب بغاوت میں الحاق اودھ بھی ایک سبب ہو۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ سپاہیوں کے اظہار خفگی و رنج کا کوئی محل ہی نہ تھا' کیونکہ ان کا کچھ کھویا نہیں گیا تھا بلکہ برخلاف اس کے انہیں حکومت اودھ کے ظلموں سے نجات مل گئی تھی۔ جو سپاہی دہلی میں تھے انہوں نے تو بالخصوص الحاق اودھ پر کبھی ناراضگی ظاہر نہیں کی۔ میں کہتا ہوں اگر الحاق اودھ نہ بھی ہوتا' تب بھی سپاہی بغاوت کرتے کیونکہ ان کی تدابیر بارآور ہو چکی تھیں۔ لکھنؤ کی تین یا چار رجمنٹوں نے بادشاہ کو عرضی بھیجی تھی کہ اودھ پر پورا قبضہ کر لینے کے بعد وہ دہلی کی طرف بڑھیں گی اور انہوں نے انگریزوں کو بیلی گارڈ میں محصور کر لیا ہے۔ قدرت اللہ خاں رسالدار ایک سو سواروں کے ساتھ تمام اودھ کی فوجوں کی طرف سے عرضی لے کر آئے تھے اور جواں بخت کے ذریعہ دربار شاہی میں باریاب ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک سکہ بادشاہ کے حضور میں پیش کیا جو بہادر شاہ کے نام کا ڈھالا ہوا تھا۔ سکہ پر مندرجہ ذیل الفاظ کندہ تھے

''سراج الدین بہادر شاہ غازی''

عرضی دہندوں نے یہ بھی کہا کہ فی الحال فرزند واجد علی شاہ کو انہوں نے گدی نشین کر دیا ہے تاکہ وہ وزیر بہادر شاہ کی حیثیت سے رہے اور ان کی فرمانبرداری کرے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے اس قسم کا اقرار نامہ بھی لکھوا لیا گیا ہے کہ جب بادشاہ کی مرضی ہو گی' تب مستقل طور پر گدی نشین کیا جائے گا۔ بادشاہ نے بخت خاں کو حکم دیا کہ منظوری اور بندوبست کا

ایک فرمان لکھ دیا جائے۔ وہ سنہری اشرفیاں جنہیں قدرت اللہ خاں نے پیش کیا تھا اور جن پر بادشاہ کا سکہ تھا' ابھی کمشنر صاحب دہلی کے قبضہ میں موجود ہیں۔ میری دانست میں واجد علی شاہ نے ان کارروائیوں میں حصہ نہیں لیا اور اگر واجد علی شاہ و علی نقی خاں نے حصہ لیا ہوتا تو پوشیدہ نہ رہتا اور علاوہ اس کے مؤخر الذکر لکھنؤ میں موجود نہ تھے۔ خود واجد علی شاہ اور ان کے فرزند کے ہوتے ہوئے چھوٹا لڑکا کبھی گدی نشین نہیں ہو سکتا تھا۔

میرا خیال ہے کہ اودھ کی فوجیں بیلی گارڈ پر قبضہ کرنے کے بعد ہی دہلی روانہ نہیں ہوئی ہوں گی بلکہ انتظام اودھ میں مصروف ہوگئی ہوں گی۔ میں جانتا ہوں کہ واجد علی شاہ کے فرزند کا حکم جسے باغیوں نے گدی نشین کیا تھا' برائے نام تھا۔

میں نے کبھی نہیں سنا کہ قیام کلکتہ کے زمانہ میں واجد علی شاہ (اور بادشاہ) سے کوئی خط و کتابت ہوئی ہو' نہ مجھے ایسا یقین ہے کہ ایسا ہوا ہوگا۔ علی نقی خاں سے بھی کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی۔ البتہ سابق میں کچھ عرصہ تک مرزا حیدر کی وساطت سے ہوتی رہی تھی' لیکن جب اس نے لکھنؤ میں مشہور کر دیا کہ بادشاہ دہلی نے مذہب شیعی اختیار کر لیا ہے اور بادشاہ نے دہلی میں انکار کیا کہ انہوں نے نہیں کیا تو مرزا حیدر نے بادشاہ کو لکھنا چھوڑ دیا اور پھر دہلی بھی نہیں آیا اور چونکہ شاہ دہلی و شاہ اودھ کا قاصد بھی مرزا حیدر تھا اور وہ شاہ اودھ کے ہمراہ کلکتہ بھی نہیں گیا تھا' لہٰذا ان دونوں میں خط و کتابت نہیں ہوئی۔

میں نے کسی سپاہی سے نہیں سنا کہ خود بادشاہ اودھ یا ان کے کسی اہل خاندان نے انہیں بغاوت کی تحریک کی ہو۔ اودھ کی فوجوں کی نسبت اور کچھ میں کہہ نہیں سکتا کیونکہ وہ دہلی نہیں آئی تھیں۔

دوران بغاوت میں میں نے سنا تھا کہ مرزا حیدر لکھنؤ میں ہے' مگر دیگر با اثر روساء کی طرح وہ بھی گورنمنٹ برطانیہ کے زیر نگیں بیلی گارڈ میں محصور ہے۔

دوران ہنگامہ میں بادشاہ دہلی اور مرزا حیدر میں کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی۔ ان کے تمام تعلقات اسی روز سے منقطع ہو گئے جب کہ مرزا نے بادشاہ کا شیعہ ہو جانا لکھنؤ میں مشتہر کر دیا تھا۔ اب میں بیان کرتا ہوں کہ کن رجمنٹوں اور کن مقامات سے عرضیاں موصول ہوئیں۔

نیمچ

نیمچ کی فوج نے ایک درخواست بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی تھی کہ وہ آگرہ پہنچ گئے ہیں اور شہر پر قبضہ کر لیا ہے' مگر انگریز قلعہ بند ہو گئے ہیں جن کا محاصرہ کر لیا گیا ہے۔ آگے لکھا تھا کہ ان کے پاس بھاری توپیں نہیں ہیں' لہٰذا وہ دہلی آ کر توپیں لے جائیں گے اور قلعہ فتح کریں گے۔ اپنی درخواست میں ذکر کیا تھا کہ وہ انگریز افسروں کو مار کر آ گئے ہیں۔ یہ عرضی متھرا سے لکھی تھی اور غوث خاں و ہیرا سنگھ صوبہ داران کی طرف سے تحریر کی گئی تھی۔ درخواست مذکورہ ایک شتر سوار لایا تھا جو بخت خاں نے بادشاہ کے حضور میں پیش کی تھی اور نیمچ فوج کی بہت تعریف بیان کی۔ بادشاہ نے ایک حکم جاری کرنے کی ہدایت کی کہ وہ دہلی آ جائیں اور پھر ایک حکم لکھا گیا۔

جھانسی

قاصد نے جھانسی افواج کی درخواست لا کر خواجہ سراؤں کو دی جنہوں نے بادشاہ کے سامنے پیش کی۔ لکھنے والوں نے درخواست کی تھی کہ انہوں نے اپنے انگریز افسروں کو مار ڈالا ہے اور اب دہلی آنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے جواب میں یہ لکھ دینے کی ہدایت کی کہ وہ آ جائیں۔

داناپور (دیناپور)

غدر کے ڈھائی ماہ بعد دہلی فوج کے افسر کے ذریعہ دیناپور کی ایک درخواست موصول ہوئی تھی جس میں لکھا گیا تھا کہ یا تو ہم لوگ روانہ دہلی ہو گئے یا ہونا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ آ جانے کے لئے لکھ دیا جائے۔ میں یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ واقعی فوجیں آئیں یا نہیں۔

الہ آباد

دو سپاہی افسروں کے بھیس میں آئے اور الہ آباد کی فوجوں کی درخواست پیش کی جو غدر کے ڈیڑھ ماہ بعد افسران والنٹیئر رجمنٹ کے ذریعہ بادشاہ کے حضور میں پہنچائی گئی۔ انہوں نے بادشاہ کی خیر خواہی کا اظہار کیا تھا اور لکھا تھا کہ وہ دہلی آنا چاہتے ہیں۔ انہیں جواب بھیج دیا گیا کہ آ جائیں۔

علی گڑھ

غدر کے ڈھائی ماہ بعد دہلی کے ایک فوجی افسر کی معرفت ایک درخواست پیش ہوئی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ قاصد کے ذریعہ آئی تھی یا بذریعہ ڈاک۔ بہر حال مضمون یہی تھا کہ عرضی دینے والے دہلی روانہ ہونے والے ہیں۔ انہیں جواب لکھ دیا گیا کہ وہ آ جائیں۔

متھرا

غدر کے بیس روز بعد قاصد متھرا سے ایک درخواست لایا تھا جو والنٹیئر رجمنٹ کے افسروں نے بادشاہ کے سامنے پیش کی۔ لکھنے والوں نے اطلاع دی تھی کہ وہ دہلی سے روانہ ہو گئے ہیں اور اپنے ہمراہ ایک خزانہ لا رہے ہیں۔ حسب معمول جواب دے دیا گیا تھا۔ عرصہ بعد یہ فوجیں ایک لاکھ روپیہ لے کر حاضر ہوئیں۔

بلند شہر

مرزا مغل نے ایک سپاہی کو جو بلند شہر کا تھا' بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ وہ ایک درخواست ہمراہ لایا تھا جس میں مذکور تھا کہ فوجیں تمام خزانہ جوان کے قبضہ میں ہے' لے کر دہلی آ رہی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ہمراہ تیس ہزار روپیہ لائی

تھیں' مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ دہلی آتے آتے وہ پاؤ حصہ خود ہضم کر چکی تھیں۔

روڑکی

مجھے یقین ہے کہ ایک سپاہی مسافر کے بھیس میں آیا تھا اور روڑکی افواج کی طرف سے ایک عرضی ہمراہ لایا تھا جو غدر کے ڈیڑھ ماہ بعد بذریعہ افسران نمبر ۵۴ رجمنٹ بادشاہ کے حضور میں پیش کی گئی۔ مضمون یہ تھا کہ سائلان' دہلی روانہ ہونے کے خواہش مند ہیں اور دل و جان سے بادشاہ کی خدمت کرنی چاہتے ہیں۔ حسب دستور جواب دیا گیا اور تقریباً تین سو خندق کھودنے والے مزدور قادر بخش کی زیر کمان آئے۔ مرزا خیر سلطان سے اور اس افسر سے بہت راہ و رسم تھی اور بادشاہ پر بھی اس کا اچھا اثر تھا۔ وہ اکثر فوج کی روانگی کے وقت (مشورہ کے لئے) طلب کیا جاتا اور بخت خاں سے مل کر شہر کے ساہو کاروں سے روپیہ فراہم کرنے کا حکم حاصل کر چکا تھا۔

فرخ آباد

بخت خاں نے دہلی آتے وقت فوج کا کچھ حصہ فرخ آباد میں چھوڑ دیا تھا۔ غدر کے دو ماہ بعد بادشاہ کو حقیقت حال سے اس نے مطلع کیا۔

ہانسی

دو سوار ہانسی سے درخواست لائے جس میں تحریر تھا کہ وہ لوگ بادشاہ کے لئے جنگ کر رہے ہیں اور اب مذہب کی خاطر لڑنے کے لئے دہلی روانہ ہونے والے ہیں۔ مجھے خیال ہے کہ اغلباً گلاب شاہ کمانڈر افواج میرٹھ نے بغاوت کے چھ ہفتہ بعد یہ درخواست پیش کی تھی۔

سرسہ

سرسہ سے تین درخواستیں موصول ہوئی تھیں' ایک منجانب گوری شنکر افسر تنخواہ رجمنٹ' دوسری ایک کیولرائے رسالدار کی طرف سے جس کا نام یاد نہیں رہا' تیسری شہزادہ محمد عظیم متعلق محکمہ کمسریٹ کی تھی۔ ان میں انہوں نے لکھا تھا کہ وہ شاہی خدمات کو اعلیٰ طریقہ سے انجام دے چکے ہیں اور تمام زر وصول شدہ لے کر دہلی آ رہے ہیں۔ غدر سے چھ ہفتہ بعد دو قاصدوں کے ذریعہ یہ عرضیاں موصول ہوئی تھیں۔ حسب دستور جواب تحریر کر دیا گیا۔ تھوڑے روز بعد فوجیں تیس ہزار روپیہ' دو سو بیل اور پچاس یا ساٹھ بھیڑیں لے کر دہلی میں وارد ہوئیں۔

کرنال

کرنال کی فوجوں کی کوئی درخواست موصول نہیں ہوئی۔

نصیر آباد

دو سپاہیوں نے ایک درخواست لا کر پیش کی جس میں حسب معمول تحریر تھا کہ ہم دہلی آنا چاہتے ہیں۔ مرزا مغل نے بادشاہ کے حضور میں پیش کی اور حسب دستور جواب تحریر کیا گیا۔ دو یا ڈھائی ہزار کے درمیان پیدل سپاہ توپوں کی معقول تعداد لے کر وارد ہوئی۔

ساگر و جبلپور

مجھے یقین ہے کہ غالباً ان مقامات سے درخواستیں آئی تھیں اور جواب روانہ کر دیئے گئے تھے۔

پنجاب (فیروز پور)

ایک سپاہی نے جو فقیر کے بھیس میں تھا فیروز پور افواج کی ایک درخواست پہنچائی تھی۔ مرزا مغل نے وہ بادشاہ کے حضور میں گذرانی۔ قاصد سے کہا گیا کہ دوسرے روز حکم لکھا جائے گا۔ اس شخص نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ فیروز پور سے آ رہا ہے اور فیروز پور کی فوجیں دہلی آنے کے لئے آمادہ ہیں اور انہوں نے گورنمنٹ برطانیہ سے بغاوت کر لی ہے۔ میں نے بچشم خود اس درخواست کو نہیں دیکھا نہ مرزا مغل نے مجھے بتایا کہ فیروز پور سے کوئی درخواست موصول ہوئی ہے۔ غدر سے چھ ہفتے بعد اور بخت خاں کے آنے کے قبل یہ درخواست آئی تھی۔

انبالہ

ایک سپاہی انبالہ چھاؤنی سے فقیر کے بھیس میں آیا تھا اور درخواست ہمراہ لایا تھا' لیکن میں یقینی نہیں بتا سکتا کہ آیا جواب تحریر کیا گیا تھا یا نہیں۔

پھلور

اگر مجھے ٹھیک یاد ہے تو شاید ایک افسر بیلی رجنٹ (نمبر ۳۰ پیدل رجنٹ) فوج پھلور کی طرف سے ایک درخواست لایا تھا' لیکن اس کے ہمراہ کوئی فوج نہ تھی۔ ابتدائے ہنگامہ کے دو ماہ بعد عرضی آئی تھی اور سائلان نے تحریر کیا تھا کہ وہ پھلور میں بادشاہ کی خدمت انجام دینے کے بعد دہلی روانہ ہو جائیں گے۔ معمولی جواب روانہ کیا گیا تھا۔ بہت عرصہ بعد دو سو آدمی دہلی پہنچے۔

جالندھر

مجھے خیال ہے کہ شاید مسافروں کے بھیس میں چند سپاہی دہلی آئے تھے اور جالندھر فوج ورن ست رجنٹ

(نمبر ۱۱ دیسی پیدل) کی طرف سے درخواست پیش کی تھی۔ موافق معمول مضمون تھا اور ویسا ہی جواب دے دیا گیا۔

سیالکوٹ

کوئی سپاہی سیالکوٹ سے درخواست لے کر نہیں آیا' البتہ غدر کے دو مہینے سے بھی زیادہ عرصہ بعد باغی رجمنٹ کے ایک افسر نے ایک درخواست بادشاہ کے حضور میں پیش کی تھی۔ سائلوں نے دہلی آنے کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔ جواب روانہ کر دینے کا حکم ہوا۔ میں نے خیال نہیں کیا کہ آیا کوئی فوج آئی یا نہیں۔

جہلم

جہلم سے بہت عرصہ بعد یعنی آغاز غدر کے تین ماہ بعد درخواست موصول ہوئی تھی اور میرا خیال ہے کہ قادر بخش کمانڈر سفر میناروڑ کی معرفت پیش کی گئی تھی۔ مضمون حسب معمول اور ویسا ہی جواب تھا۔

راولپنڈی

دو سپاہی برہمن سیاحوں کے بھیس میں راولپنڈی سے عرضی لائے تھے جس میں دہلی آنے کی خواہش اور بادشاہ کی خدمت کرنے کی التجا تھی۔ عرضی مذکورہ افسران سیپرٹ رجمنٹ نے بادشاہ کے حضور میں پیش کی۔ موافق معمول حکم لکھایا گیا۔ بغاوت کے دو ماہ بعد یہ درخواست موصول ہوئی تھی۔

لدھیانہ

میں نے سنا تھا کہ ایک درخواست لدھیانہ سے موصول ہوئی اور مجھے یقین ہے کہ آئی ہوگی' لیکن یہ نہیں جانتا کہ کس کے توسل سے آئے' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ غالباً جواب بھی دے دیا گیا تھا۔ مجھے اس کا مضمون یاد نہیں رہا۔ البتہ اتنا یاد ہے کہ انہوں نے دہلی آنے کی خواہش کی تھی اور غالباً غدر سے دو ماہ بعد درخواست موصول ہوئی تھی۔

ان مقامات کی افواج نے کوئی درخواست نہیں روانہ کی۔ بنارس' اعظم گڑھ' گورکھپور' کانپور' میرٹھ' سہارنپور' بجنور' مرادآباد' فتح گڑھ' فتح پور' بریلی' بدایوں' آگرہ' شاہجہانپور' غازی پور۔

نیز ان افواج کی طرف سے کوئی عرضی موصول نہیں ہوئی۔ امرتسر' ہوشیارپور' کانگڑہ' لاہور' اٹک' پشاور' ملتان' گوگیرہ' ڈیرہ اسمٰعیل خاں' ڈیرہ غازی خاں' شاہ پور' خان گڑھ یا نیز کلکتہ یا بارک پور یا دیگر چھاؤنیوں سے کوئی درخواست موصول نہیں ہوئی۔ بمبئی یا سندھ کی فوجوں کی کوئی درخواست نہیں آئی' لیکن باغیوں نے بادشاہ سے کہا تھا کہ انہیں بمبئی کی فوج نے لکھا ہے کہ وہ دہلی آ رہی ہے۔ میں نے یہ ایک بار یا دو بار سنا تھا' لیکن میں یقینی نہیں کہہ سکتا کہ آیا کوئی درخواست آئی تھی یا نہیں۔

ایک درخواست علاقہ گوالیار کے کسی مقام سے جس کا نام میں بھول گیا ہوں' موصول ہوئی تھی جس میں تحریر تھا

کہ وہاں پچاس توپیں اور میگزین کا اتنا سامان ہے کہ پانچ سو گاڑیاں اس کے لے جانے کے لئے چاہئیں' لیکن دریائے چنبل جو درمیان میں حائل تھا' طغیانی پر تھا' اس وجہ سے وہ عبور نہیں کر سکتے۔ غدر کے دو ماہ بعد درخواست مذکورہ موصول ہوئی تھی اور جواب لکھ دیا گیا تھا کہ جب دریا کا زور کم ہو جائے' تب آ ئیں۔

دہلی کے باغیوں اور بیکانیر' جیسلمیر' جودھپور' جے پور' جھجر' الور' کوٹہ بوندی کی فوجوں کے درمیان کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی' نہ ان کی کوئی درخواست دہلی میں موصول ہوئی۔ بادشاہ کے پاس جھجر' بلب گڑھ اور فرخ نگر کے روساء کی اور ولی داد خاں والی مالا گڑھ ضلع بلند شہر کی درخواستیں آئی تھیں۔ انہوں نے بادشاہ کی وفاداری کا اعتراف کیا تھا اور حاضر دربار ہونے کے لئے معذرت چاہی تھی اور لکھا تھا کہ اگر وہ آ جائیں تو تمام مملکت درہم برہم ہو جائیں گے۔ نواب جھجر نے تین سو سواروں کو اپنے خسر عبدالصمد خاں کے زیر کمان روانہ کیا تھا۔ بلب گڑھ سے پندرہ سو سوار روانہ کئے گئے۔ فرخ نگر سے کچھ فوج نہیں آئی۔ ولی داد خاں نے اور توپوں کے لئے لکھا تھا' مگر عرصہ تک کچھ روانہ نہ کیا۔ بغاوت کے وقت خود ولی داد خاں دہلی میں موجود تھے' پھر انہیں دو آب کی حکومت دے دی گئی اور وہ دہلی سے چلے گئے۔

خان بہادر خاں نے ایک درخواست اور ایک سفیر بخت خاں کی معرفت روانہ کیا تھا۔ نیز ایک ہاتھی' ایک کوتل گھوڑا جس پر چاندی کا ساز و سامان تھا اور ایک سو ایک طلائی اشرفیاں پیش کی تھیں۔ راؤ تلا رام نے کئی بار فوج طلب کی۔ راؤ مذکور نے چالیس ہزار روپیہ روانہ کیا جو بذریعہ بخت خاں خزانہ میں داخل کر دیا گیا۔ باغیوں کی استدعا پر مندرجہ ذیل روساء کو شقے تحریر کئے گئے کہ فوج و سامان جنگ لے کر فی الفور چلے آ ئیں۔

جھجر' بلب گڑھ' فرخ نگر' خان بہادر خاں بریلی' جے پور' الور' جودھ پور' بیکانیر' گوالیار' بیجا بائی اور جیسلمیر۔ بیجا بائی کو دو شقے لکھے گئے' مگر انہوں نے کسی کا جواب نہیں دیا۔ بخت خاں کی معرفت راجہ پٹیالہ کو ایک شقہ تحریر کیا گیا جس میں مذکور تھا کہ ابوالاسلام کی سفارش سے مہاراجہ کا قصور بادشاہ نے معاف کر دیا ہے اور انہیں مدد دینے اور بہ نفس نفیس آ کر انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے لکھا گیا۔ ایک شقہ رئیس جموں کے نام لکھ کر بخت خاں کے حوالہ کیا گیا کہ اسے روانہ کر دیں۔ انہوں نے پہلے ایک درخواست (جسے جعلی تصور کیا گیا تھا) روانہ کی تھی جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ راجہ گلاب سنگھ نے لکھی ہے۔ اس میں راجہ نے لکھا تھا کہ وہ فوجیں لے کر دہلی روانہ ہوں گے اور راہ میں مہاراجہ پٹیالہ کی سرکوبی کریں گے اور امیر دوست محمد خاں راجہ جموں کے دوست ہیں۔ لہٰذا وہ بھی بادشاہ کی خدمات سے محروم نہ رہیں گے۔ رئیس اعظم جموں کو مع فوج لے کر دہلی میں آنے کا شقہ تحریر کیا گیا۔

رئیس جھجر' بلب گڑھ' فرخ نگر اور خان بہادر خاں بریلی کے جواب آئے' مگر مندرجہ ذیل ریاستوں میں سے کوئی جواب نہیں آیا۔

جے پور' الور' جودھ پور' بیکانیر' گوالیار' جیسلمیر' پٹیالہ' جموں ان روساء نے جواب نہیں بھیجے' کیونکہ وہ بادشاہ کے طرفدار نہ تھے۔ جودھ پور اور گوالیار کے راجگان نے برٹش گورنمنٹ کی وفاداری میں ثابت قدمی دکھائی اور گو ان کی فوج باغی ہو گئی تھی' تاہم وہ خود برٹش گورنمنٹ کے سچے خیر خواہ بنے رہے۔ بھرت پور میں کوئی شقہ نہیں بھیجا گیا' کیونکہ دہلی کے سپاہیوں نے کہا کہ راجہ بالکل نابالغ ہے اور وہاں کا کام گورنمنٹ برطانیہ خود کرتی ہے۔

اندور سے کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی' نہ وہاں سے کوئی پیام آیا۔

باغی کنور سنگھ شاہ آباد کو کوئی خط نہیں لکھا گیا' نہ پیام بھیجا گیا۔

راجہ بنارس یا راجہ دیوان یا نواب باندا سے کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی' نہ وہاں کا کوئی پیام آیا' نہ ان میں سے کوئی خود آیا۔

راجگان ناگپور بادشاہ کے مابین کوئی خط و کتابت نہ ہوئی۔

بہاولپور' کپورتھلہ یا پہاڑی زیر شملہ کے روساء کو بھی خط نہیں بھیجا گیا۔

راجہ نیپال کو کوئی خط نہیں لکھا گیا' نہ وہاں سے کوئی آیا۔ باغی فوجوں کے دہلی میں مجتمع ہو جانے کے بعد ان کی رائے کے موافق راجگان و والیان ریاست کو شقے لکھے گئے۔ اس وقت انہوں نے راجہ نیپال کو لکھنے کی خواہش نہیں ظاہر کی اس لئے نہیں لکھا گیا۔

والی گجرات یا نظام دکن یا روساء بلوچستان' امیر افغانستان و روساء درۂ خیبر سے بادشاہ کی کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

پہلے تو فوجوں نے الزام لگایا کہ شاہی ملازموں نے ان روساء کو جنہوں نے کچھ جواب نہیں دیا تھا' شقے نہیں لکھے' مگر جب خود انہوں نے لکھے اور کوئی جواب نہیں آیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ سب غیر وفادار ہیں اور گورنمنٹ برطانیہ کو نیست کر دینے کے بعد ان سے بھی سمجھیں گے۔ مخبروں نے فوج سے کہا کہ والیان ریاست نتیجہ کا انتظار کر رہے ہیں اور ابھی ملتے ہوئے خوف کھاتے ہیں۔ گوری شنکر مخبروں کا ممتاز افسر کہا کرتا تھا کہ دہلی کے سامنے والی پہاڑی کی انگریزی فوجیں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہیں اور جونہی یہ نکال دی جائیں تو سب تدابیر درست ہو جائیں گی۔ سپاہی کہتے تھے کہ پہاڑی پر صرف دو انگریزی رجمنٹیں ہیں جن میں سے دو تین سو آدمی تو مارے جا چکے ہیں۔ جب باقی ماندہ بھی مارے جائیں گے تو برٹش فوج خود بخود پہاڑی چھوڑ دے گی۔ فوج کے کسی افسر نے نواب بہاول پور کو لکھنے کی خواہش نہیں کی اور نہ وہاں سے کوئی درخواست آئی۔ میرا ایسا خیال ہے کیونکہ بادشاہ اور نواب مذکور کے درمیان پرانی عداوت تھی۔ وہ یہ کہ جب نواب بہاول خاں سابق رئیس بہاولپور دہلی سے گذرے تو ان کے فرزند کو دیوان خاص میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا اور کہا تھا کہ جب تک وہ ہتھیار کھول کر اور زیورات اتار کر نہ آئے' اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ اودھ کے کسی حاکم کی درخواست موصول نہیں ہوئی۔ مولوی لیاقت علی پیشوائے مجاہدین کی ایک درخواست الہ آباد سے موصول ہوئی تھی جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ دہلی آ رہا ہوں اور کچھ کارد طلب کیا تھا تاکہ سفر جلد طے ہو جائے۔ انہیں کوئی جواب نہیں روانہ کیا گیا' کیونکہ وہ خود آ رہے تھے' لیکن جب وہ آئے تو بخت خاں نے بادشاہ سے ملاقات کرائی اور وہ فی الفور لکھنو واپس چلے گئے۔ یہ بغاوت شروع ہونے کے تین ماہ بعد کا واقعہ ہے۔ نانا کے پاس سے کوئی درخواست موصول نہیں ہوئی' لیکن آغاز غدر کے دو ماہ بعد ایک ایجنٹ (مرہٹہ) نانا کی طرف سے آیا تھا اور مرزا مغل نے اسے دربار میں حاضر کیا تھا۔ مرزا مغل کی استدعا پر نانا کو بھی شریک جنگ ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔ ایجنٹ مذکور پھر واپس چلا گیا۔

کسی ساہوکار کی درخواست موصول نہیں ہوئی۔ البتہ فوج کے منشا سے سیٹھ لکھمی چند کو ایک حکم لکھا گیا تھا کہ وہ

ایک لاکھ روپیہ قرض دے اور اپنا کوئی معتمد نیب خزانچی مقرر کرے۔ سیٹھ سے کہا گیا کہ جو مالگذاری آمدنی اطراف و جوانب سے جمع ہوگی اسے دے دی جائے گی اور قرض پر سود بھی ملے گا' مگر سیٹھ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

جہاں تک میں واقف ہوں کسی گورنمنٹ ملازم کی کوئی درخواست نہیں آئی' لیکن یہ سنا تھا کہ ایک شخص مسلمان جسے گورنمنٹ نے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز کیا تھا' چھوڑ کر ولی داد خاں سے مل گیا ہے' مگر میں اس کا نام نہیں جانتا۔ مفتی صدرالدین صدر امین' کرم علی خان منصف' مولوی عباس علی صدر امین دہلی اور مرزا محمد علی بیگ تحصیلدار مہرولی کو بھی شقے لکھے گئے کہ گورنمنٹ کی ملازمت چھوڑ کر ہماری ملازمت کرو' مگر انہوں نے منظور نہ کیا۔ جب بخت خاں نے علمائے دین کو جامع مسجد میں اکٹھا کر کے مجبور کیا کہ بیان کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ سے جہاد کرنا چاہئے تو مجھے کہا گیا ہے کہ اس نے (بخت خاں نے) مفتی صدرالدین کو مہر لگانے پر مجبور کیا تھا' مگر مولوی عباس علی بخت خاں کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی دہلی چھوڑ کر اپنے وطن چلے گئے تھے۔ آگرہ یا کسی اور حصے سے کوئی درخواست موصول نہیں ہوئی' البتہ مولوی فیض احمد جو صدر بورڈ کے آفس میں ملازم تھے' بذات خود دہلی آئے اور بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ انہیں عدالت کا حاکم مقرر کیا گیا۔

ایک شقہ نواب رامپور کو بھی لکھ گیا مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بخت خاں نے نواب رامپور کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جب وہ (بخت خاں) نواب صاحب کے ہاں گئے تو انہوں نے ظاہر کیا تھا کہ وہ غیر جانبدار رہیں گے۔

نواب امین الدین خاں' ضیاءالدین خاں جاگیرداران لوہارو' برادر نواب ججر' حسن علی خاں' نواب حمید علی خاں' کے نام شقے تحریر کئے گئے۔ یہ سب دہلی میں رہتے تھے اور اجیت سنگھ چچا مہاراجہ پٹیالہ کو بھی تحریر کیا تھا۔ حسب ہدایت یہ سب دربار شاہی میں حاضر ہوئے مگر شقوں کا جواب کسی نے نہ دیا اور جب فوج و روپیہ کا مطالبہ کیا گیا تو ہر ایک نے کچھ نہ کچھ عذر پیش کر دیا اور کچھ نہیں۔ چنانچہ فوج نے انہیں لوٹنے کا قصد کیا تھا اور ایک مرتبہ اپنے ارادہ کو حد تکمیل تک بھی پہنچا دیا۔ مرزا ابوبکر بادشاہ کے پوتے جو قواعد داں کیولرائے کے افسر تھے' حمید علی خاں کے مکان پر جا پڑے اور خوب لوٹ مار مچائی۔ بعد ازاں نواب کو گرفتار کر کے قلعہ میں لے آئے۔ ضیاءالدین خاں و امین الدین خاں نے فوج کی سرپرستی پر آمادگی ظاہر کی۔ اس وجہ سے وہ لوٹ سے بچے رہے۔ ایک شقہ رئیس پٹودی کو بھیجا گیا' مگر کچھ جواب نہیں ملا۔

اب میں بیان کرتا ہوں کہ ملک کی عام آبادی میں کہاں کہاں سے درخواستیں موصول ہوئیں۔

ضلع گوڑگانوہ

زمینداران گوڑگانوہ نے بادشاہ کو ایک درخواست ارسال کی جس میں بدنظمی کا ذکر کر کے التجا کی تھی کہ کوئی افسر نظم و نسق کے لئے وہاں مقرر کر دیا جائے۔ مولوی فیض الحق نے جو الور سے آئے تھے اپنے بھانجے (جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا) کی سفارش کی کہ وہ وہاں مقرر کر دیا جائے' کیونکہ گورنمنٹ برطانیہ کے دور حکومت میں وہ اسی ضلع میں مقرر تھا' چنانچہ یہ شخص ضلع دار مقرر کیا گیا' مگر میں آگاہ نہیں ہوں کہ آیا وہ گوڑگانوہ گیا یا نہیں۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ زوال دہلی کے چندرہ یا بیس روز قبل یہ تقرر ہوا تھا۔ فیض الحق نے بھی کئی تحصیلداروں کو ضلع دار کی نیابت میں مقرر کیا تھا۔

ریواڑی

راؤ تلارام مستقل ناظم ریواڑی نے بخت خاں کی معرفت اپنا ایک ایجنٹ اور ایک درخواست بادشاہ کے حضور میں ارسال کی تھی۔ تحریر کیا تھا کہ علاقہ کا انتظام ہو رہا ہے اور فصل خریف کی جو آمدنی جمع ہوئی تھی وہ سب مصارف فوج میں خرچ ہوگئی اور اگر علاقہ مذکور اسے جاگیر میں دے دیا جائے تو وہ پینتالیس ہزار روپیہ کا نذرانہ پیش کرے گا۔ بغاوت کے تین ماہ بعد یہ لکھا تھا اور زوال دہلی کے دس روز قبل پینتالیس ہزار روپیہ تلارام نے خزانہ شاہی میں داخل کرادیا تھا۔

بادشاہ پور

زمینداران بادشاہ پور نے ایک تحصیلدار کے لئے درخواست کی۔ ضلع دار کو ایک تحصیلدار مقرر کرنے کی ہدایت کی گئی۔

ضلع دہلی

شہر پناہ کے باہر نہ کسی سے خط و کتابت ہوئی نہ کوئی قابل ذکر بات وقوع میں آئی۔

ضلع روہتک

باشندگان روہتک نے کوئی درخواست نہیں بھیجی مگر انہوں نے فوج کو رسد پہنچانے کا بندوبست کیا تھا۔

حصار

گارد حصار جیل اور افسران محکمہ مالگذاری آمدنی نے بادشاہ کو عرضیاں بھیجی تھیں۔ لکھنے والوں کے نام یاد نہیں۔ انہوں نے بیان کیا تھا کہ وہ دہلی آنے کے لئے بے چین ہیں۔ غدر شروع ہونے کے دو ماہ بعد یہ خبریں موصول ہوئی تھیں۔

کرنال

اس ضلع سے کوئی درخواست موصول نہیں ہوئی۔

میرٹھ

اس ضلع سے بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

بلند شہر

ولی داد خاں کا حال بیان کردیا ہے اور کسی دوسری جماعت سے بالکل خط و کتابت نہیں ہوئی۔

سہارنپور و مظفر نگر

ان اضلاع میں کہیں سے کوئی درخواست نہیں آئی۔

بجنور

اس ضلع کے زمینداروں کی ایک درخواست موصول ہوئی تھی جس میں بادشاہ سے التجا کی گئی تھی کہ بندوبست کر دیا جائے۔ جواب میں ہدایت کی گئی کہ فوجیں ضلع مذکور کی طرف آ کر انتظام کریں گی۔

مراد آباد

نہ کسی جماعت نے کچھ لکھا نہ وہاں کے کسی مفسد کو کوئی درخواست آئی۔

بریلی

خان بہادر خاں کی ایک درخواست موصول ہوئی تھی جنہیں بخت خاں نے گورنر کر دیا تھا۔ انہوں نے ایک گھوڑا ایک ہاتھی اور ایک سو ایک طلائی مہریں بادشاہ کے نذر کیں۔ میں ایجنٹ کا نام بھول گیا جو بخت خاں کے ذریعہ دربار میں حاضر تھا۔ ایک شقہ تحریر کیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ مال گذاری کی وصول شدہ آمدنی میں سے (اپنا) خرچ نکال کر باقی روانہ کر دے۔

بدایوں

اس ضلع کے کسی حصہ سے کوئی درخواست نہیں آئی۔

پیلی بھیت

یہاں سے بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

ضلع متھرا

برادر ونڈی خاں جاگیردار گڑھی ضلع متھرا نے اپنے بھتیجے کے ہاتھ ایک درخواست اپنی جاگیرات ضبط شدہ کو از سر نو عطا کئے جانے کے لئے روانہ کی تھی جنہیں گورنمنٹ برطانیہ نے ضبط کر لیا تھا۔ ابتدائے غدر کے تین ماہ بعد یہ درخواست موصول ہوئی تھی۔ بخت خاں نے اس پر سفارش کی اور قاصد کو فوج میں شامل کر کے گورنمنٹ کی فوجوں پر حملہ کر دیا۔ وہ شخص اس موقع پر زخمی ہوا اور ایک ہفتہ کے بعد مر گیا (اس کا نام امراؤ بہادر تھا)۔ بخت خاں نے اس کے متعلقین کے

لئے حقوق دوامی منظور کرائے' مگر ان تک منظوری پہنچ نہ سکی۔

ضلع آگرہ

اس ضلع سے کوئی پیام نہیں آیا۔ البتہ مولوی فیض احمد خود اس شہر سے آئے تھے جیسا میں ذکر کر چکا ہوں۔ وزیر خاں ڈاکٹر (سب اسسٹنٹ سرجن) بھی یہاں سے آئے تھے۔ بخت خاں ان کے سفارشی تھے اور انہیں آگرہ کا گورنر مقرر کرا دیا تھا۔ جب بخت خاں دہلی سے فرار ہوئے تو وزیر خاں بھی ان کے ہمراہ تھے۔

اضلاع علی گڑھ' کانپور' فتح گڑھ

دہلی اور ان اضلاع کے درمیان کوئی نامہ و پیام نہیں ہوا۔

مین پوری

راجہ مین پوری کی ایک درخواست فوجیں مانگنے کی آئی تھی۔ مرزا مغل کو حکم ہوا کہ افسران فوج سے مشورہ کر کے کچھ فوج مین پوری روانہ کر دی جائے' مگر دوسرے روز افسروں نے کہہ دیا کہ فوجیں یہاں سے جانا اس وقت تک پسند نہیں کرتیں جب تک کہ گورنمنٹ برطانیہ کو دہلی سے نہ نکال دیں۔ اسی قسم کا جواب راجہ مذکور کو بھیج دیا گیا۔ اس ضلع کی کسی اور جماعت کی کوئی درخواست نہیں آئی۔

اضلاع گورکھپور' فتح پور' مسوہ

میری یادداشت میں نہیں ہے کہ ان اضلاع یا ضلع کماؤں سے کوئی درخواست موصول ہوئی ہو۔

ضلع الہ آباد

میں کہہ آیا ہوں کہ مولوی لیاقت علی اس ضلع سے آئے تھے اور مستقل گورنر مقرر ہوئے تھے۔ کسی اور جماعت کی کوئی درخواست نہیں آئی۔

راجہ باندا متصل ریواں

ان رئیس کو کوئی شقہ نہیں بھیجا گیا تھا نہ انہوں نے یہاں کوئی درخواست بھیجی۔

اضلاع عظیم گڑھ' شاہجہان پور' ناوہ' غازی پور' بنارس' گیا

بادشاہ اور ان اضلاع کے درمیان کوئی پیام رسانی نہیں ہوئی۔

بندیل کھنڈ، جبل پور، ساگر، مالوہ واملاک دکن

میری یادداشت میں نہیں ہے کہ ان اضلاع اور دہلی کے مابین کوئی خط و کتابت ہوئی ہو۔

نظام حیدرآباد (دکن)، کچھ، گجرات، مشرقی صوبجات، کلکتہ، بارک پور، سونگیر، دیناپور وغیرہ

نظام اور بادشاہ کے درمیان کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی، نہ گجرات سے خط و کتابت ہوئی۔ صوبجات مشرقی کی نسبت بھی مجھے خیال ہے جو کہ نہیں ہوئی۔

پٹنہ

نہ نواب پٹنہ نے یا اور کسی جماعت نے بادشاہ کو کچھ لکھا، نہ بادشاہ نے انہیں دہلی سے کوئی شقہ وغیرہ تحریر کیا۔

پنجاب

پنجاب میں کسی جماعت نے کوئی درخواست نہیں بھیجی۔ زمینداران باری دوآب ضلع کوٹہ میں بادشاہ نے کچھ لکھا نہ وہاں سے انہوں نے کوئی درخواست بھیجی۔ مجھے اس کی خبر نہیں کہ فوجیں اہل پنجاب کو اشتعال دلا رہی تھیں یا نہیں۔ اقوام بندیلہ اور بادشاہ میں کوئی پیام رسانی نہیں ہوئی۔ اخوند سوات اور بادشاہ میں کوئی پیام رسانی نہیں ہوئی، مگر دو آدمی بخت خاں کے ذریعہ دربار شاہی میں باریاب ہوئے تھے اور کہا گیا تھا کہ یہ اخوند کے بھیجے ہوئے ہیں۔ حسن عسکری انہیں بادشاہ کے سامنے لے گئے۔ یہ لوگ ولایتی (افغانی) تھے۔ ایک نے جو معزز شخص معلوم ہوتا تھا، اخوند کی طرف سے ایک تلوار بادشاہ کی نذر کی۔ نیز ایک تحریر دی جس پر اخوند کی مہر تھی اور لکھا تھا کہ یہ قاصد اخوند کے خلیفہ ہیں۔ اس میں یہ تھا کہ شہر میں مشتہر کر دیا جائے کہ اخوند سوات اور اس کے پیرو جہاد میں شامل ہونے کے لیے دہلی آرہے ہیں، مگر دوسرے روز ایک سید صاحب نے جن کا نام بھی میں نہیں جانتا، بادشاہ سے کہا یہ شخص اخوند کا بھیجا ہوا نہیں ہے، نہ یہ خط اس کا ہے بلکہ اس نے جعل کیا ہے۔ بادشاہ نے بخت خاں کو تحقیقات کرنے کا حکم دیا، مگر میں نہیں جانتا بخت خاں نے اس معاملہ میں کیا کیا۔ بہر حال اتنا مجھے یاد ہے کہ یہ شخص تین روز کے بعد دہلی سے چلا گیا۔

بادشاہ کی پالیسی حکومت

فوج اور شہزادوں کو ایک مرتبہ حکم دیا گیا تھا کہ خاص معاملات سلطنت میں وہ دخل نہ دیں۔ عدل وانصاف قاضیوں اور مفتیوں کا کام ہے اور انہیں سے کرایا جائے گا۔ افسران فوج اور محکمہ مالگذاری اس میں کچھ بھی دخل نہ دیں، مگر کبھی اس حکم پر عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ شہزادے ہمیشہ فوج کی حمایت سے دخل دیتے رہے۔ بادشاہ نے خود مختلف اضلاع میں تحصیلدار مقرر نہیں کیے تھے، بلکہ بخت خاں نے ہوڈل، پلول، شاہدرہ میں تحصیلدار اور گوڑگانوہ میں ایک ضلع دار مقرر کیا

تھا' مگر کوئی آمدنی جمع نہیں ہوئی۔ شہزادے بھی اپنی فوج کو آمدنی جمع کرنے کے لئے بھیجنے کا ارادہ کرتے' مگر بھی بھیجی نہیں۔ مولوی فیض احمد جو آگرہ سے آئے تھے اور شہزادگان مرزا خیر سلطان و مرزا مغل عدالت کیا کرتے تھے' شہر میں ایک کوتوال (چیف پولیس افسر) اور کئی تھانیدار مقرر تھے۔ تھانیداروں کے نام مجھے یاد نہیں۔ سب سے پہلے معین الدین خاں پسر نواب قدرت اللہ خاں باشندہ دہلی کوتوال مقرر ہوئے تھے' مگر لوگوں پر ظلم و زیادتی کرنے کی وجہ سے تھوڑے عرصہ بعد برخاست کر دیے گئے۔ اس کے بعد خواجہ واجب الدین کی سفارش سے یہ عہدہ قاضی فیض اللہ کو دیا گیا جو باشندہ دہلی تھے۔ پھر سید مبارک شاہ رامپوری کو عطا کیا گیا' مگر میں ان کے نام نہیں جانتا۔ شہزادوں کے علاوہ بخت خاں کو بھی ان معاملات میں دخل تھا بلکہ بادشاہ سے انہوں نے تمام تھانیداروں و کوتوال کے نام احکام جاری کرائے تھے کہ بخت خاں کے احکام کو قبول کریں۔

سپاہی کہا کرتے تھے کہ جب وہ مالک ملک ہو جائیں گے تو مختلف شہزادوں کو مختلف صوبجات دے دیں گے۔ امور مملکت کے انتظام کے لیے شہزادوں اور بخت خاں نے متفرق لوگ مقرر کیے تھے۔ میرٹھ کے لئے کوئی گورنر مقرر نہیں ہوا۔ بلند شہر کی گورنری ولی داد خاں کو عطا کی گئی۔ وزیر خاں ڈاکٹر کو سند عطا ہوئی تھی کہ وہ اودھ کے گورنر مقرر کیے گئے' مگر وہ اپنے منصب پر کبھی دہلی سے گئے نہیں۔ علی گڑھ کے لئے کسی شخص کا تقرر نہیں ہوا۔ خان بہادر خاں روہیلکھنڈ کے گورنر تھے اور کوئی تقرر نہیں ہوا۔ کوئی شخص راجپوتانہ نہیں گیا اور اگرچہ گوڑگانوہ میں ایک شخص مقرر ہوا تھا' مگر وہ بھی اپنے منصب پر نہیں گیا۔

فوج کی قواعد دانی کی بابت میں کوئی مفصل حال نہیں بتا سکتا۔ بادشاہ سے اس معاملہ میں بھی مشورت نہیں کی گئی' مگر میں جانتا ہوں کہ گورنمنٹ کی فوجوں سے مقابلہ کرنے جو افواج جاتی تھیں' وہ علی العموم نیمچ اور نصیر آباد کی ہوتی تھیں اور ایسے ہی دیگر رجمنٹیں جو حملہ کرنا چاہتی تھیں' مقابلہ کو نکلتی تھیں۔ مرزا مغل کے مکان پر مختلف افسران مل کر فیصلہ کر لیتے تھے کہ آج کس کی باری ہے اور کل کسی کی۔ سپاہی خود مختار تھے۔ بلا تمیز جس رجمنٹ میں چاہتے تھے' رہتے تھے۔

گوری شنکر نے افسروں کو جو گورنمنٹ ملازمت میں ہوں' جمع کر کے عہدے دینے کی اجازت حاصل کر لی تھی مگر ایسا ہمیشہ جاری نہ رہا' کیونکہ جو جگہیں خالی ہوتیں' ان پر کوئی مقرر نہیں ہوتا اور ہر ایک شخص اپنی پچھلی جگہ چاہتا تھا۔

میری دانست میں فوج میں بندوبست پورا پورا نہیں تھا' فوجوں نے بخت خاں کو گورنر جنرل خطاب دینے کی مخالفت کی اور بادشاہ کو ایک درخواست دی تھی کہ ہم بخت خاں کے زیر کمان رہنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ بخت خاں صرف توپخانہ کا افسر ہے اور گورنر جنرل کا عہدہ پانے کے لائق نہیں۔ نہ اس نے کوئی خزانہ لا کر دیا ہے اور نہ کوئی معرکۃ الآرا کارگذاری کی ہے۔ پھر لکھا تھا کہ مرزا مغل فرزند بادشاہ جنہیں پہلے فوجی امور میں پورا اختیار تھا' گورنر جنرل ہونے کے لائق ہیں اور تمام افواج ان کے زیر کمان رہنا چاہتی ہیں۔ بادشاہ نے یہ درخواست بخت خاں کو بھیج دی اور استدعا کی کہ اس کا مناسب جواب تحریر کیا جاوے۔ انہوں نے جواب دیا کہ فوج تین حصوں میں منقسم کی جاوے۔ اول دہلی و میرٹھ کی رجمنٹوں کو باہم ملا دیا جائے۔ دوم وہ فوجیں جو بخت خاں کے ہمراہ نیمچ اور سرسہ سے آئی ہیں' بدستور رہیں اور تیسرا حصہ باقی تمام فوج کا ہو۔ بادشاہ نے مرزا مغل کو بلا کر سب سمجھا دیا۔

بخت خاں کے عروج کا سبب یہ تھا کہ جب وہ پہلے آئے تو انہوں نے بادشاہ کو نصیحت کی کہ اپنے فرزندوں کو زیادہ اختیارات نہ دیں۔ جو ارشاد ہوا کرے مجھ کو براہ راست حکم دیا جائے تاکہ ہر ایک کام بادشاہ کی حسب مرضی ہو۔ واقعی بات یہ ہے کہ بادشاہ اپنے فرزندوں کی عدول حکمی سے ناراض تھے اور بخت خاں کی یہ خواہش ان کی مرضی کے موافق تھی چنانچہ بخت خاں اس روز سے برابر روز بروز بادشاہ کے الطاف خاص سے سرفراز ہوتے گئے۔

وہابیان

دوران ہنگامہ میں ایک جماعت وہابیان ٹونک سے آئی اور شکایت کی کہ نواب نے کچھ مالی امداد نہیں کی۔ وہابی اور کئی مقامات سے بھی آئے تھے۔ بخت خاں خود بھی وہابی تھے اور محمد رفیع رسالدار مولوی امام خاں رسالدار مولوی عبدالغفور مولوی سرفراز علی بھی وہابی تھے۔ بخت خاں نے سرفراز علی کو پیشوائے مجاہدین مقرر کیا تھا اور وہی ان کی سرپرستی کرتے تھے۔

بخت خاں کے آتے ہی وہابیوں کی کثیر تعداد آ کر شامل ہوگئی تھی۔ ان وہابیوں نے ایک اعلان چھپوا کر شائع کرایا تھا جس میں تمام مسلمانوں کو جہاد کے لئے مسلح ہو کر آنے کی دعوت دی تھی اور لکھا تھا کہ اگر وہ نہ آئیں گے تو ان کے عیال و اطفال برباد ہو جائیں گے۔ یہ اعلان بہادر خاں کے اعلان سے زیادہ فصیح نہیں تھا۔

وہابی ملک کے متعدد حصوں مثلاً جے پور' بھوپال' ہانسی' حصار سے آئے تھے اور کچھ ولایتی بھی تھے' مگر میں جن مقامات سے کہ وہ آئے تھے' تفصیلاً نہ یاد کر سکا' البتہ مرزا مغل کے دفتر میں تفصیل موجود تھی۔

دہلی سے باہر ہندو بھی برٹش گورنمنٹ کے اتنے ہی مخالف تھے جتنے مسلمان اور خاص دہلی میں بھی یہی حالت تھی مگر جب بخت خاں نے علما و فقہا کو جمع کر کے جہاد کا فتویٰ لیا کہ تمام مسلمانوں کو انگریزوں سے جہاد کرنا چاہیے تو مسلمانوں میں حد سے زائد جوش و تعصب بھڑک اٹھا اور وہ گورنمنٹ سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔

بلند شہر' علی گڑھ اور میرٹھ وغیرہ میں ہندو گورنمنٹ برطانیہ کے اتنے ہی مخالف تھے جتنے مسلمان۔

☆ ☆ ☆

غدر کے فرمان

["یہ وہ خطوط ہیں جو تیموریہ خاندان کے آخری بادشاہ ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ کی خدمت میں انگریزی فوج کے باغی لوگوں اور ملک کے ہندو مسلمان امیروں' سرداروں اور افراد رعایا نے بھیجے اور وہ فرمان و جوابات ہیں جو بادشاہ کی جانب سے ان لوگوں کے نام روانہ کیے گئے۔

یہ خطوط بہادر شاہ کے مقدمے کی مثل میں شامل تھے یعنی جب غدر ۱۸۵۷ء میں باغی افواج نے انگریزی سپاہ سے شکست کھائی اور بہادر شاہ انگریزوں کی حفاظت میں اپنی خوشی سے آ گئے تو ان پر ایک باضابطہ مقدمہ قائم کیا گیا جس میں کئی مہینے تک شہادتیں ہوتی رہیں۔ سرکاری وکیل نے استغاثے کی طرف سے مختلف قسم کے ثبوت یہ بات ثابت کرنے کے لیے پیش کیے کہ بہادر شاہ غدر کی سازش میں شریک تھے اور ان کے اشارے سے غدر کی ہنگامہ آرائیاں اور انگریزوں کا قتل عام ہوا۔

بہادر شاہ نے اس مقدمے میں اپنا تحریری بیان دیا تھا اور لکھا تھا کہ سازش اور غدر سے میرا کچھ تعلق نہ تھا' بلکہ فوج نے خود مجھ کو ایک قیدی بنا لیا تھا اور ان کے جبر و تخویف سے میں خطوط و فرمان لکھتا تھا اور بعض خطوط و فرامین وہ خود لکھ کر جبراً میری مہر کر لیتے تھے۔ اس مقدمے کی مفصل کیفیت انگریزی زبان میں سرکاری اہتمام سے "ٹرائل آف بہادر شاہ" کے نام سے شائع ہوئی تھی اور میں نے اس کا اردو ترجمہ تیار کرایا ہے جو شائع ہو گیا ہے۔ اسی مقدمے کی مثل میں یہ خطوط و فرامین بھی تھے' مگر میں نے کتاب کے طویل ہو جانے کے اندیشے سے اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔

پہلا حصہ بہادر شاہ کے مقدمے کے نام سے شائع ہوا۔ دوسرا "غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط" کے نام سے جو یہی ہے اور تیسرا "غدر دہلی کے اخبار" کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے قبل "غدر دہلی کے افسانے" کے نام سے میری لکھی ہوئی ایک کتاب کئی بار شائع ہو چکی ہے اور ملک میں اس کو بہت پسند کیا گیا ہے۔ جس میں وہ دردناک حالات ہیں جو غدر کے زمانے میں بادشاہ اور ان کی بیگمات اور ان کے بچوں کو پیش آئے۔ اس کے بعد اسی کتاب کا دوسرا حصہ شائع کیا گیا جس میں انگریزوں اور ان کی عورتوں اور ان کے بچوں کی مصیبت کا حال ہے جو غدر میں ان کو پیش آئی۔ پھر تیسرا حصہ شائع ہوا جس میں محاصرۂ شہر دہلی کے زمانے کے وہ خطوط ہیں جو انگریز افسروں نے انگریز سول حکام کو لکھے تھے۔ اس کے بعد اسی سلسلہ احوال غدر میں چوتھا حصہ "بہادر شاہ کا مقدمہ" اور پانچواں حصہ یہ "غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط" اور چھٹا حصہ "غدر دہلی کے اخبار" اور ساتواں "غالب کا روزنامچہ غدر" اور آٹھواں "دہلی کی جاں کنی" کے نام سے شائع کیا گیا۔

پہلے یہ خطوط اردو یا فارسی میں تھے۔ مقدمے کی ضرورت سے انگریز وکیل نے ان کا انگریزی ترجمہ کرایا' تاکہ

انگریز جج ان کا مطلب سمجھ سکیں۔ اس زمانے میں ایسے لوگ کمیاب تھے جو فارسی یا اردو کا صحیح مفہوم انگریزی میں ادا کر سکیں' اس لئے ممکن ہے کہ مترجم نے کچھ غلطیاں کی ہوں۔ اس کے بعد اب انگریزی سے اردو ترجمہ کرایا گیا جس میں مزید غلطیوں کا ہو جانا کچھ بعید نہیں ہے۔ پھر بھی میرا خیال ہے کہ مترجم نے بہت احتیاط برتی ہے اور اشخاص و مقامات کے ناموں کی گڑبڑ کے سوا واقعات کے مطالب میں کچھ خامی نہیں ہے۔

ان خطوط پر میں نے جو حاشیے لکھے ہیں' ان کا لطف جب ہی آئے گا کہ بہادر شاہ کا مقدمہ پڑھا جائے' کیونکہ سرکاری وکیل نے بادشاہ پر جو الزام قائم کئے تھے' ان میں زیادہ زور انہی خطوط کے حوالوں سے دیا تھا۔ میں نے یہ نوٹ اسی غرض سے لکھے ہیں تاکہ بہادر شاہ کے جواب اور سرکاری وکیل کے الزام کا فرق ناظرین سمجھ سکیں۔

یہ کتابیں میں نے اس مقصد سے شائع کی ہیں کہ دہلی کی گذشتہ تاریخ اردو زبان میں محفوظ ہو جائے۔ نیز یہ بھی ایک مقصد ہے کہ حکام سلطنت اسباب غدر کو موجودہ وقت میں پیش نظر رکھ کر رعایا کے جذبات کی دلداری اختیار کریں۔ اس کتاب میں یا مذکورہ دونوں کتابوں میں کوئی غلطی نظر آئے یا کسی بات کا مطلب سمجھ میں نہ آئے تو سرکاری لائبریری میں کتاب ''ٹرائیل آف بہادر شاہ'' کو دیکھنا چاہئے' جس کا یہ ترجمہ ہے۔'' فقط۔ حسن نظامی]

غدر کے فرمان

جو ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ سابق شہنشاہ دہلی نے غدر ۱۸۵۷ء میں جاری کئے اور وہ عرضیاں ہیں جو بہادر شاہ کی خدمت میں آئیں

فرمان نمبر۱۔ ۱۴ مئی ۱۸۵۷ء (شاہی مہر اور پنسل کے دستخط) بنام خادم خاص محمد علی بیگ۔ ماتحت کلکٹر مالگذاری آمدنی جنوبی قسمت ضلع ہذا۔ تمہیں معلوم ہو کہ اس حکم کے ملتے ہی فوراً حاضر ہو اور اپنے ہمراہ وہ آمدنی جو فراہم کی ہو' لیتے آؤ۔ علاوہ ازیں تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اپنے علاقوں میں انتظام و امن قائم کرو اور ان احکام کو نہایت ضروری جانو۔

عرضی نمبر۱۔ ۱۵ مئی ۱۸۵۷ء۔ منجانب مولوی محمد ظہور علی پولیس افسر نجف گڑھ بحضور بادشاہ جہاں پناہ' ادب کے ساتھ عرض ہے کہ فرمان شاہی تمام نمبرداروں' چودھریوں' قانون گویوں اور پٹواریوں کو جو نجف گڑھ میں رہتے ہیں' پہنچا دیا ہے اور انتظامات خوش اسلوبی سے قائم کئے گئے ہیں اور خداوند کے ایماء کے بموجب سواروں اور پیدلوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا ہے اور انہیں سمجھا دیا گیا ہے کہ ضلع کی اس قسمت کی وصول شدہ آمدنی سے انہیں تنخواہیں دی جائیں گی۔ غلام کو اس وقت تک اعتماد نہیں ہے' تاوقتیکہ کچھ نئے بھرتی شدہ غازی نہ پہنچ جائیں۔ نگلی' نگر ولی' چاؤ' کلن اور دیگر قرب و جوار کے موضع کی بابت غلام عرض کرتا ہے کہ پُر آشوب زمانے کو دیکھ کر یہاں کے باشندوں نے مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیا ہے۔ جرائم

پیشہ لٹیروں کے متعلق دو درخواستیں مع راضی نامہ ارسال کی جا چکی ہیں اور اب مجھے امید ہے کہ شہزادہ والا تبار کو مع کافی فوج و توپخانہ وغازیان یہاں کے لئے مقرر کیا جائے گا تا کہ اس حصہ ملک کا جہاں فدوی مقیم ہے بندوبست کر دیا جائے۔ اس وقت غلام ان قانون شکن باشندوں کو نام بنام بتا دے گا اور آئندہ کے لئے انتظام قائم رکھنے اور انسداد جرائم کے قابل ہو سکے گا۔ اگر دیر وغفلت کی گئی تو خوف ہے کہ بہت سی جانیں تلف ہو جائیں گی۔ بہت خدمت گزار۔ بباعث قلت روپیہ تکلیف میں ہیں۔ اگر حضور کے ہاں سے کچھ روپیہ عنایت کر دیا جائے تو اس میں کا ایک حصہ مذکورہ بالا آدمیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ باقی سے سوار و پیادے قیام حکومت کے لئے مقرر کئے جائیں گے۔ آئندہ بادشاہ سلامت مالک ومختار ہیں۔ یہ عرضی ایک گاڑیبان کے ہاتھ ارسال کی جاتی ہے جس نے حال ہی میں جرائم پیشہ لوگوں سے اذیت پائی ہے۔ التجا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا فرمان اسی شخص کے ہاتھ بھیجا جائے۔

دستخط ومہر فدوی محمد ظہور پولس افسر

بادشاہ کا دستخطی حکم

مرزا مغل بہت جلد ایک دستہ پیدل مع ان کے افسروں کے نجف گڑھ بھیج دو۔

عرضی نمبر۲۔ ۲۳ مئی ۱۸۵۷ء۔ منجانب کپتان ولد ارعلی خاں۔ حضور بادشاہ جہاں پناہ۔ مؤدبانہ گذارش ہے کہ جو فوجی دستہ غلام کے مکان کی حفاظت کے لئے متعین تھا، چار پانچ دن ہوئے کہ وہاں سے ہٹا لیا گیا ہے اور شہری بدمعاش گروہ بندی کر کے اس مکان کو لوٹنے کے درپے ہیں۔ فدوی کے عیال واطفال اسی مکان میں رہتے ہیں۔ لہٰذا ملتجی ہوں کہ ایک فوجی دستہ اس کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا جائے۔

فدوی خانہ زاد کپتان ولد ارعلی خاں

بادشاہ کا دستخطی حکم۔ مرزا مغل۔ پیادہ رجمنٹ نمبر ۲۰ سے ایک دستہ سائل کے مکان کی حفاظت کے لئے متعین کر دو۔

عرضی نمبر۳۔ منجانب رجب علی جمعدار میگزین بحالی خدمت شاہ جہاں پناہ۔ مؤدبانہ گذارش ہے کہ حضور کے نمک خواران قدیمی اپنے اہل وعیال کو مکان پر چھوڑ کر مطابق فرمان حضور والا صبح سے شام تک میگزین میں کام کیا کرتے ہیں اور چونکہ شہر میں بدامنی پھیل رہی ہے لہٰذا درشاہی پر مدعا پرداز ہیں کہ جہاں پناہ ایک دستخطی فرمان افسران پولس کے نام جاری کر دیں کہ وہ اپنے مختلف حلقوں میں ملازمان میگزین کے مکان کی حفاظت ونگہداشت رکھیں۔ علاوہ ازیں فدویان ودیگر رعایا جو خلاصی لین میں رہتی ہے اور جہاں نکھمو تھ پولس تعینات ہے، ظلم وتشدد سے عاجز آ کر التجا کرتی ہے کہ موجودہ پولس افسر کسی دوسرے حلقے میں یا شہر کے باہر تبدیل کر دیا جائے تا کہ سائلان کو امن وچین نصیب ہو۔

عریضہ نیاز رجب علی جمعدار دہلی میگزین

(اس حکم کا تعلق عرضی سے نہیں معلوم ہوتا۔ شاید غلطی سے درج ہو گیا ہے)

بادشاہ کا دستخطی حکم۔ مرزا مغل! ان تمام آدمیوں کو جو خزانہ لائے تھے میگزین پر مقرر کر دو۔ شاہی دستے کے سپاہیوں کو میگزین سے کوئی شے بغیر کسی خاص حکم کے لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔

فرمان نمبر۴۔ ۲۵ مئی ۱۸۵۷ء۔ عمل السادات سید عبدالحسن۔ جانو کہ جب سے تم رہتک گئے، وہاں کے معاملات کی حالت کا

کوئی مراسلہ نہیں بھیجا۔ لہٰذا تمہیں لکھا جاتا ہے کہ اس فرمان خاص کے پہنچتے ہی فوراً اس ضلع کی مفصل حالت لکھواور یہ کہ زیرنگیں لانے میں ہنوز کامیاب ہوئے یا نہیں۔ اس معاملے کی کیفیت بغیر دیر کے فوراً ارسال کرواور نہایت ضروری فرمان جانو۔ پشت پرنوٹ "نقل کیا گیا ہے۔"

فرمان نمبر۳۔ ۲۷ مئی ۱۸۵۷ء بنام مرزا مغل! (حکم بادشاہ کے ہاتھ کا پنسل سے لکھا ہوا) فرزند دلاور شہرۂ آفاق مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر، جانو کہ حسب ذیل اشیاء جو میگزین میں موجود ہیں مرمت پل جمنا کے لئے درکار ہیں۔ پس تمہیں لکھا جاتا ہے کہ میگزین کے سپرنٹنڈنٹ سے لے کر چنی لال سپرنٹنڈنٹ پل کو دے دو۔ رسے طویل جس قدر درکار ہوں۔ تختے طویل جس قدر درکار ہوں۔ رسی جس قدر درکار ہو۔ کلہاڑیاں آہنی ۲۔ بسولے آہنی ۲۔ آرے آہنی ۲۔ چھینی آہنی ۲۔ کیلے آہنی (دراز) ۱۰۰۔

فرمان نمبر۴۔ بنام عزت نشان جنگ باز خاں پولس افسر علاپور۔ جانو کہ تم غلام بعہدہ پولس افسر علاپور مقرر کیے گیے ہو۔ پس بہت ہوشیاری فکر اور ایمانداری سے اپنے فرائض ادا کرتے رہو اور بہر صورت اپنے علاقے میں ایسے انتظامات قائم کرو کہ لوٹ مار اور قتل و غارت نہ ہونے پائے۔

اس فرمان کی پشت پر نوٹ: "اسے نقل نہیں کیا گیا۔"

فرمان نمبر۵۔ ۲۹ مئی ۱۸۵۷ء۔ حکم زیر مہر شاہی بنام غلام نشان اولوالعزمی محمد علی بیگ۔ خود کو مورد الطاف سمجھو اور جانو کہ ہماری حکم شاہی میں تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ بادشاہ کی خفیہ آمدنی اور حصول آمدنی اراضی ضلع کا ایک دفتر جیمس اسکنر بہادر کے مکان میں قائم کرو جو جیمس بہادر مذکور کی عورت سے خرید لیا گیا ہے۔ ہماری مہربانی کا یقین رکھو۔

فرمان نمبر۶۔ ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء (حکم زیر مہر شاہی) بنام ہیبت رام۔ زمیندار موضع گوراسرا۔ ضروریات کمسریٹ کے لئے جلد انتظام کردو۔ تمہیں ما بدولت کے حضور سے کافی انعام دیا جائے گا۔

فرمان نمبر۷۔ ۵ جون ۱۸۵۷ء۔ (حکم جس پر بادشاہ کی مہر خاص ثبت ہے) بنام سپاہ بندان شاہی و کمپنی برٹش دیسی انفنٹری متعینہ لاہوری دروازہ۔ معلوم ہوا ہے کہ چند پیپے اسپرٹ کے بیمائی کو ضرر پہنچانے والے اور مذہب اسلام میں ممنوع لوٹ میں ہاتھ لگے ہیں۔ ان میں سے تین بڑے میگزین میں بارود بنانے کی غرض سے چھوڑ دیئے گئے ہیں اور ایک ڈاکٹر کے لئے ہسپتال بھیج دیا گیا ہے اور بقیہ مفصلہ ذیل لوگوں کو عطا کئے جاتے ہیں۔ پس لازم ہے کہ محرران قوم کایستھ کو جو قدیم نمک خواران شاہی ہیں، عطا کردہ اسپرٹ اپنے مکان میں لے جانے دو اور مانع نہ ہو۔ حسب احکام شاہی اجازت سے لے جاتے ہیں۔ کوئی شخص پوچھ گچھ کرنے یا باز رکھنے کا مجاز نہیں ہے۔

منشی مکند لال، ایک پیپہ۔ شیو سابق محرر دفتر خفیہ شاہی، ایک پیپہ۔ مَن سابق انسپکٹر فراشخانہ، ایک پیپہ۔ مکھن ذلی و جوالا پرشاد، ایک پیپہ۔ سنت لال لکشمی داس افسران محکمہ تنخواہ، ایک پیپہ۔ جوالیا ناتھ، ایک پیپہ۔ ڈاکٹر ہسپتال، ایک پیپہ۔

فرمان نمبر۸۔ مورخہ ۶ جون ۱۸۵۷ء۔ (حکم زیر مہر شاہی) بنام نشان الوالعزمی، اعزاز سلطانی، محمد تقی خاں۔ جانو کہ تم بندۂ خاص پہلے دیوان خاص کے داروغہ مقرر کیے گیے تھے اور اب ہم تمہاری ایمانداری، علمی جوہر، قابلیت اور اولوالعزمی کو دیکھ کر بجائے کرانی برطرف شدہ کے تمہیں صدر امین شاہجہاں آباد مقرر کرتے ہیں۔ فرائض منصبی نہایت قابلیت سے مانند مولوی

صدرالدین بہادر انجام دو۔

عرضی نمبر۴۔ ۱۶جون ۱۸۵۷ء۔ عرضی ضابطے خاں از پولیس اسٹیشن نسبت بحضور بادشاہ سلامت! قبل ازیں حضور عالی کے احکام برائے منتقل کرنے چالیس پیدل بمقام پولیس اسٹیشن پہاڑ گنج موصول ہوئے تھے' لیکن ان کو بجالانے میں دیر ہوگئی' کیونکہ اشیاء ضروری موجود نہ تھیں۔ آج حضور کے نمک خوار کو اور ایک حکم سے سرفراز فرمایا گیا ہے' جس میں دوبارہ تاکید کی گئی ہے۔ حسب الحکم اعلیٰ حضرت' بندہ زادہ کل حاضر خدمت ہوگا اور اپنے ہمراہ چالیس پیادوں کو بھی لیتا آئے گا' جنہیں پھر پولیس اسٹیشن پہاڑ گنج روانہ کردیا جائے گا۔ نتھیا خاں ترک سوار کے روبرو ان لوگوں کو قواعد و پریڈ سکھا دی گئی ہے۔
(اقبال شاہی کے لئے دعائیں)

عریضہ فدوی ضابطے خاں از پولیس اسٹیشن بسنت

پشت پر نوٹ۔ "۱۶جون ۱۸۵۷ء کو مضامین دیکھ لئے گئے۔"

فرمان نمبر۹۔ ۱۸جون ۱۸۵۷ء (بادشاہ کا دستی حکم پنسل سے لکھا ہوا) بنام مرزا مغل' فرزند دلاور شہرۂ آفاق مرزا ظہیرالدین عرف مرزا مغل بہادر! جانو کہ کل باشندگان قلعہ کہنہ کی درخواست پر ہمارے دستخط خاص سے ایک حکم جاری ہوا تھا جس میں فوجوں کو تاخت و تاراج سے باز رہنے کی تاکید کی تھی اور بعد میں وہ درخواست تمہیں بھیج دی گئی تھی۔ تعجب ہے کہ اب تک کچھ بھی انتظام نہ ہوسکا اور تم نے کوئی دستہ بھیج کر تاراج کرنے والوں کو نہیں روکا۔ فوج کا کام حفاظت کرنے کا ہے نہ کہ تاراج کرنے اور لوٹنے کا۔ افسران فوج فی الفور اپنے ماتحتوں کو اس قسم کی ناجائز کارروائیوں سے باز رکھیں۔ چونکہ غنیم کے نزدیک پہنچنے کی افواہ غلط تھی' لہٰذا ان جرائم پیشہ سپاہیوں کو پرانے قلعے سے نکال کر پانچ چھ میل دور رکھا جائے تاکہ ہماری رعایا کو ان کے ظلم و جبر سے نجات ملے۔ غنیم کی فوجوں کے آنے سے پہلے فصیل تیار کروائی جائے۔ اس میں غفلت ہرگز نہ ہو۔ ہماری عنایتوں کا یقین رکھو۔

(بادشاہ نے پھر پنسل سے لکھا ہے جو تقویت احکام کے لئے ہے)

"بہت جلد بندوبست کیا جائے۔"

عرضی نمبر۵۔ مورخہ ۱۹جون ۱۸۵۷ء۔ منتقلہ درخواست منجانب چاند خاں و گلاب خاں ساکنان جے سنگھ پورہ و شاہ گنج معروف بہ پہاڑ گنج۔ بحضور بادشاہ! جہاں پناہ! مؤدبانہ التماس ہے کہ ان مبارک دنوں ہم غربا باشندگان جے سنگھ پورہ شاہ گنج المعروف بہ پہاڑ گنج و دیگر مقامات حضور کے ظل عاطفت میں پناہ ڈھونڈتے ہیں تاکہ ظالموں سے چھٹکارا ملے۔ قصبہ شاہ گنج ہمیشہ بادشاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے' تاہم افواج شاہی اجمیری دروازے سے نکل کر یہاں گھس جاتی ہیں اور دکانداروں کو بے قیمت دیئے جبراً سامان لے جاتی ہیں اور نادار اور تہی دستوں کے مکانوں میں گھس کر بستر' لکڑیاں اور برتن چھین لے جاتی ہیں اور جو لوگ انہیں بہ منت باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں' انہیں ہتھیاروں سے زخمی کرتی ہیں۔ ان کے ظلم و تعدی سے عاجز آ کر ہم لوگ مجبور ہیں کہ حضور والا سے عرض کریں کہ ہماری زبوں حالی اور عدل پروری کو مدنظر رکھ کر سپاہ سے جواب طلب کیا جائے اور انہیں حکم امتناعی ہو کہ وہ ہم پر اور ساکنان پہاڑ گنج پر ظلم کرنے سے دست بردار ہوں۔ عریضہ نیاز چاند خاں و گلاب خاں۔

بادشاہ کا دستی حکم مرزا مغل۔ ایسی تدبیر اختیار کی جائے کہ یہ مفسد لوٹ مار سے باز رہیں اور ہماری رعایا ظلم کا شکار نہ بنے (پشت پر نوٹ ہے جو اس سے علاقہ نہیں رکھتا)

فرمان نمبر ۱۰۔ ۲۰ جون ۱۸۵۷ء (بادشاہ کا پنسل سے لکھا ہوا دستی حکم) بنام مرزا مغل۔ فرزند دلاور شہرۂ آفاق مرزا ظہور الدین معروف بہ مرزا مغل بہادر۔ معلوم ہو کہ عبدالحسن میر نواب پسر تفضل حسین وکیل مشتبہ آدمی ہے۔ مابدولت کی خواہش ہے کہ اسے قلعہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ ہم نے حال میں سنا ہے کہ یہ شخص تمہاری مصاحبت میں ہے۔ پس ہدایت کی جاتی ہے کہ اسے فوراً نکال دو اور دونوں دروازوں پر حکم پہنچا دو کہ وہ کسی حالت میں آئندہ قلعہ میں داخل نہ ہونے پائے۔ ان احکام کو آخری فیصل شدہ سمجھنا چاہئے۔ مزید براں اس کے بارے میں کسی شخص کی سفارش پر توجہ نہ کی جائے۔

فرمان نمبر ۱۰۔ ۲۴ جون ۱۸۵۷ء بنام نشان عظمت بندہ جماد الدین خاں۔ معلوم ہو کہ تمہاری عرضی بنا بر اجرائے اخبار نظر سے گذری اور منظور کی گئی' لہٰذا تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ تم اپنے اخبار کو بصیغہ راز جاری کرو اور اس امر کی ہدایت کی جاتی ہے کہ غلط خبریں یا ایسے واقعات جن سے معزز لوگوں اور شہری باشندوں کے چال چلن پر دھبہ آئے' درج نہ ہوں۔

فرمان نمبر ۱۱۔ ۲۶ جون ۱۸۵۷ء (حکم جس پر شاہی مہر ثبت ہے) بنام مرزا مغل۔ فرزند دلاور شہرۂ آفاق مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل۔ معلوم ہو کہ ہر روز احکام جاری کئے جاتے ہیں کہ افسران کیولرائے (سواروں کا رسالہ) فوراً باغ کو خالی کر دیں' مگر ہنوز خالی نہیں کیا اور آئے دن عذر و معذرت کرتے رہتے ہیں۔ اب صاف حکم دیا جاتا ہے کہ فرزند مابدولت تم افسران مذکورہ کو بلا کر حکم دو کہ وہ اپنے تئیں سلطنت کے وفادار تصور کرتے ہیں تو کل بجائے تو پخانے میں جانے کے باغ کو خالی کر دیں اور کیٹر صاحب کے مکان میں قیام کریں جو زیر قلعہ واقع ہے۔ وہاں ان کی سکونت کے لئے کافی جگہ اور درختوں کا سایہ ہے۔ جو جواب دیں وہ ہماری آگاہی کے لئے فوراً بھیج دو۔

فرمان نمبر ۱۲۔ ۲۷ جون ۱۸۵۷ء (بادشاہ کا پنسل سے لکھا ہوا دستی حکم) بنام مرزا مغل و مرزا خیر سلطان۔ فرزند دلاوران شہرۂ آفاق مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل و مرزا خیر سلطان بہادر' جانو! کہ تمہاری درخواست موصول ہوئی جس میں ذکر تھا کہ چار یا پانچ بد چلن لوگوں نے جو کمپنی کے پیادے معلوم ہوتے ہیں' شہر میں اودھم مچا دی ہے اور اب وہ دیہات میں گئے ہیں اور استدعا کی گئی ہے کہ ایسی کارروائیوں کا فوراً انسداد کیا جائے اور انہیں گرفتار کیا جائے۔ تعجب خیز امر ہے کہ صرف چار یا پانچ جرائم پیشہ لوگوں نے شہر بھر میں اودھم مچا رکھی ہو اور لوگوں کو لوٹتے پھرتے ہوں اور صرف ان کی گرفتاری پر قیام حکومت منحصر ہو۔ فوج کے آنے اور شہر میں قیام پذیر ہونے کو ابھی کچھ عرصہ بھی نہیں گذرا ہے کہ یہ ظلم شروع ہو گئے۔ اہل قصبات کی درخواستوں میں بھی چند سپاہیوں کی زیادتیاں مذکور ہیں۔ وہ بھی غالباً یہی ہوں گے۔ میرے فرزندو! تمہیں چاہئے کہ فوجی قوت سے کام لے کر ایسی قانون شکنی کو فرو کرو۔ غور کرنے سے یہ بالکل بعید القیاس معلوم ہوتا ہے کہ فوج کے ہوتے ہوئے شہر میں ایسی دست اندازیاں ہوں۔ پس اے فرزندو! ایسے لوگوں کو ہماری جناب میں بھیجو جو ان شریر النفس لوگوں سے واقف ہوں تاکہ ہمارے سوار و پیادے ان کے ہمراہ روانہ کئے جائیں اور چیف پولیس افسر شہر کو فرمان بھیجا جائے کہ وہ بے پس و پیش ایسے لوگوں کو جنہیں یہ واقف کار بتائیں' گرفتار کر کے ہمارے سامنے لائے۔ اگر جرائم زادگی یا غارت گری کا کوئی ثبوت ملا تو ان کے جرائم کی واجبی سزا دی جائے گی' مگر میرے فرزندو! تمہیں ایسے طریقے بھی اختیار کرنے چاہئیں کہ

فوج شہر میں لوٹ مار نہ کر سکے۔ بہر حال اگر اس قسم کا کوئی ثبوت مل گیا یا کوئی اضافی گیرا باشندگان شہر کے مکانوں کے گرد و پیش پایا گیا تو حکام اسے ایسی سزا دیں کہ آئندہ برائیاں وقوع میں نہ آئیں۔ ہماری عنایتوں کا یقین رکھو۔

عرضی نمبر ۶۔ مورخہ ۲۷ جون ۱۸۵۷ء از محمد خیر سلطان بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ گذارش ہے کہ ایک سو باسٹھ بھیڑیں اور بکریاں جو انگریزوں کے لئے جا رہی تھیں، گرفتار کر لی گئی ہیں اور شیو داس پاٹھک اور نرائن سنگھ سپاہیان رجمنٹ نمبر ۴۶ دیسی پیادہ جو توپخانے میں کام کرتے ہیں، چھین لائے ہیں اور پانچ انگریزی سپاہیوں کو اس موقع پر ہلاک کر دیا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے۔ عریضہ خاکسار خیر سلطان۔

بادشاہ نے پنسل سے نوٹ کیا

۱۶۲ بھیڑ و بکریاں وصول ہوئیں

عرضی نمبر ۷۔ مورخہ ۲۸ جون ۱۸۵۷ء از بلدیو کاشتکار فیروز آباد۔ بعالی خدمت بادشاہ! جہاں پناہ! مؤدبانہ عرض ہے کہ بوجہ بد امنی اور شہر کے دروازوں کے بند رہنے کے کمترین نے اب کی فصل سرما ۱۲۶۴ فصلی کا غلہ پرانے قلعہ کے علاقے میں کاشت کیا ہے اور افسران رجمنٹ جو وہاں رہتے ہیں اس کی نکاسی کے درپے ہیں اور کمترین کو مذکورہ سال کی لگان زمیندار سید عبداللہ معافی دار کو دینی ہوگی اس لئے غلام کو یقین ہے کہ حضور اپنی مہر خاص کا ایک پروانہ افسران فوج مقیم قلعہ کہنہ جاری فرمادیں گے کہ وہ غلہ کو شہر میں لے جانے کا حکم نہ دیں تاکہ بندہ غلہ مذکور کو فروخت کر کے زمیندار کی جمع ادا کر سکے۔

عریضہ نیاز فدوی بلدیو کاشتکار موضع فیروز آباد کھدیر عطیہ درگاہ شریف حضرت محمد چشتی۔

فرمان نمبر ۱۲۔ (بادشاہ کا دستی حکم پنسل کا لکھا ہوا) احسن اللہ خاں۔ حکم لکھا جائے۔

پشت پر نوٹ: "حکم تحریر کیا گیا۔"

عرضی نمبر ۸۔ مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از سید محمد عبداللہ سجادہ نشین حضرت شیخ محمد چشتی۔ بحضور! جہاں پناہ! اس سے پہلے بھی خانہ زاد نے ایک عرضی اس مضمون کی گزرانی تھی کہ چند کاشتکاران اراضی معافی موضع فیروز آباد کھدیر نے ۱۲۶۴ کی لگان بوجہ موسم سرما ہونے کے تا حال نہیں ادا کی ہے اور التجا کی تھی کہ کچھ مدد عنایت فرمائی جائے تاکہ ان سے لگان وصول کر سکوں۔ اس وقت تک فصل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا جس کا کاشتکاروں نے جب بیان کیا ہے اور اب بہر حال ۱۲۶۵ فصلی کی تمام فصل خریف مثلاً نیشکر، چری وغیرہ اجاڑ کر دی گئی ہے اور اس کے علاوہ تمام آلات کاشتکاری مثلاً ہل اور کنوؤں کی چوبی چرخیاں وغیرہ سپاہی لوٹ کر لے گئے اور اس صورت میں اب لگان کسی طرح بھی وصول نہیں کیا جا سکتا اور چونکہ اس موضع کی آمدنی بطور عطیہ کے منظور فرمائی گئی ہے جس سے لنگر خانہ کے جو خاکسار کے زیر اہتمام ہے، مصارف پورے کئے جاتے ہیں۔ بندہ حضور کے الطاف شاہی پر اعتماد کرتا ہے کہ ایسے انتظامات کر دیئے جائیں گے کہ کوئی سپاہی کاشتکاران موضع مذکور کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے، کاشتکاروں کی طرف سے ایک عرضی گزرانی جاتی ہے۔

عریضہ نیاز سجادہ نشین سید عبداللہ ابن شاہ صابر علی چشتی۔ درگاہ کی خاص مہر۔

بادشاہ کا تحریری حکم پنسل سے لکھا ہوا ہے اور بدخط ہے۔

عرضی نمبر ۹۔ تاریخ نہیں ہے۔ منتقہ جنگل کشور و شیو پرشاد سوداگران بحضور بادشاہ جہاں پناہ! حضور عالی بموجب حکم سرکار مبلغ

۱۲۰۰ روپیہ خزانے میں داخل کر دیا گیا اور ہمیں ایک دستاویز جس میں اعلیٰ حضرت کے دستخط خاص ہیں ملی جس میں یقین دلایا گیا ہے کہ تمام افکار و ترددات ملکی سے آئندہ کے لئے ہمیں مخلصی مل گئی اور فوجی سپاہیوں اور شہزادگان وغیرہ کے ظلم سے ہم محفوظ ہو گئے۔ اگرچہ یہ سب ہوا' لیکن تاہم کچھ رسالے والے لوٹ مار پر تلے ہوئے ہیں۔ روز فدویوں کے مکانات پر آ پڑتے ہیں اور شہزادوں کا حوالہ دے کر ہماری جانیں لینا چاہتے ہیں یا قید خانے بھیجنا چاہتے ہیں۔ کوئی چارہ نہ پا کر تین چار روز سے ہم مکان میں روپوش ہیں اور ہمارے خدمتگار و متعلقین آئے دن کے جور و ظلم سے عاری آ گئے ہیں اور اب نہیں جانتے کہ کیا کرنا چاہئے۔ ہمیں مکان تک میں رہنا دشوار ہے اور ہماری عورتوں کی بے پردگی کی جا رہی ہے۔ اگر شہزادگان خود ہی رعایا کو غارت کریں تو پھر اس کا پشت پناہ کون ہو سکتا ہے۔ حضور کا لطف و کرم جود و عدل مثل نوشیرواں کے ہے۔ پس امید ہے کہ شاہی خاندان کے ہر شہزادے کے نام ایک پروانہ جاری کیا جائے گا جن کے نام یہ ہیں اعلیٰ حضرت امیر الملک مرزا مغل بیگ بہادر' مرزا محمد خیر سلطان بہادر' مرزا محمد ابو بکر بہادر' مرزا عبداللہ بہادر و دیگر معززین کے نام بھی صادر فرمایا جائے کہ آئندہ کوئی سوار و پیدل بندوں کے مکان میں نہ گھسنے پائے اور کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کرے اور فوجی پہرہ جو آج کل متعین ہے' ہٹا لیا جائے' کیونکہ شہر کے جرائم پیشہ لوگ ان پہروں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور سپاہیوں کو ورغلا کر فدویوں کے مکان سے مال لوٹ لیتے ہیں۔ نیز ہمیں اعلیٰ حضرت کی نوازشوں سے امید ہے کہ حضور توجہ فرما کر چیف پولیس اسٹیشن شہر کے بے قاعدہ سپاہیوں کا ایک پہرہ متعین کر دیں گے تاکہ ہم اور ہمارے نوکر باہر چلے جائیں تو شہر کے جرائم پیشہ لوگوں کا کچھ خدشہ نہ رہے اور ایک حکم چیف پولیس افسر کو دے دیا جائے کہ کوئی جرائم پیشہ فدویوں کے پاس تک نہ پھٹکنے پائے (ترقی سلطنت کی دعائیں) عریضہ بندگان جنگل کشور و شیو پرشاد سوداگران۔ تاریخ نہیں ہے۔ دکانداروں کے دستخط ہندی ہیں۔

فرمان نمبر ۱۴ (بادشاہ کے ہاتھ کا پنسل سے لکھا ہوا حکم) مرزا مغل بہادر۔ سائلوں کے مکان پر پہرہ متعین کیا جائے۔

تاریخ نہیں ہے۔ انڈکس نمبر ۲۱۸

پشت پر نوٹ بموجب فرمان عالی ایک حکم تحریری جاری کیا گیا۔ مورخہ یکم جولائی ۱۸۵۷ء

عرضی نمبر ۱۰ مورخہ ۲ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ التماس ہے کہ آج ایک درخواست اہل شہر کی طرف سے موصول ہوئی ہے کہ انہیں چیف پولیس افسر نے ایک جگہ مجتمع ہونے اور افواج بریلی کے افسران کے زیر کمان ہتھیار باندھ کر تیار رہنے کا حکم دیا ہے۔ معلوم نہیں اس حکم کا کیا مطلب ہے۔ فدوی عرض کرتا ہے کہ اس قسم کے جتنے ضروری احکام ہوں اس میں خادم کی صلاح لے لی جایا کرے۔

مرزا ظہور الدین بہادر۔ سرکاری مہر کمانڈر انچیف (کوئی حکم نہیں)

عرضی نمبر ۱۱ مورخہ ۴ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از فقیر سید محمود بحضور ظل سبحانی جہاں پناہ! مؤدبانہ عرض ہے کہ دیسی پیادہ رجمنٹ نمبر ۹ کے سپاہی اسکنر کے مکان کے قریب آ کر رہے ہیں جو کشمیری دروازے کے پاس ہے اور ایلیکھنڈ خاں پولیس اسٹیشن کے قرب و جوار کے مکانات برباد کر رہے ہیں۔ یہ مکانات اسکنر کے مکان کے ارد گرد واقع ہیں اور ایک پورا محلہ آباد ہے جس میں کچھ تو اینٹ و پتھر کے ہیں اور کچھ گارہ اور کچی اینٹوں کے اور فقرا کی جائے قیام ہیں۔ مذکورۂ بالا سپاہی پہلے دروازے

اور چوکھٹیں (دہلیز) اکھاڑ لے گئے اور اب چھتوں کا ناس کر رہے ہیں۔ چونکہ ظل سبحانی ہر شخص پر نظر انصاف ڈالتے ہیں لہٰذا بندہ بھی حضور کی نوازشوں پر بھروسہ کلی رکھتا ہے اور عرض پرداز ہے کہ سپاہیوں کو ان کی بربادی سے باز رکھا جائے تا کہ بقیہ مکانات ان کی غارت گری سے محفوظ رہیں۔ نہایت ضروری تھا اس لئے عرض کیا گیا (ترقی اقبال و سلطنت کی دعائیں)

عریضہ نیاز فقیر حقیر سید محمود۔

فرمان نمبر ۱۵۔ (بادشاہ کا پنسل کا تحریری حکم) مرزا مغل بہادر۔ نویں دیسی پیدل رجمنٹ کے افسروں کو سخت تاکید کی جائے کہ فریادیوں کے مکانات ضائع کرنے سے باز رہیں۔

پشت پر نوٹ "حکم لکھ دیا گیا" "مہر پر نمبر (غالباً انڈکس نمبر)" "۲۰۴"

عرضی نمبر ۱۲۔ مورخہ ۴ جولائی ۱۸۵۷ء از احسان الحق۔ بحضور بادشاہ! جہاں پناہ! مؤدبانہ التماس ہے کہ کچھ عرصے سے مرزا ابوبکر صاحب شہزادہ فرخندہ زمانی کے مکان میں جو بہرام خاں کے تراہے پر ہے فاسد ارادوں سے جایا کرتے ہیں اور تمام سیہ کاریوں کے مرتکب ہوتے ہیں جو مے نوشی کے لازمی نتائج ہیں۔ کل دوپہر کے وقت وہ موافق معمول آئے اور تمام دن شہزادی مذکورہ کے مکان میں اسپرٹ دار شرابیں پیتے اور ناچ مجرا دیکھتے سنتے رہے۔ غروب آفتاب کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہ جانے کے لئے آمادہ ہوئے' لیکن اتفاقاً سڑک کے دروازے کی کنجی چوکیدار ہی کے ہمراہ تھی اور وہ فی الفور نہ آ سکا۔ جس سے مرزا کو دیر ہو گئی۔ مرزا بہت گھبراہٹ اور جلدی میں تھے اور انہوں نے غلام پر اپنی پستول کا فیر کیا جو اپنے کچھ دوستوں کے ہمراہ ڈیوڑھی پر بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ حضور کا غلام خاموش رہا اور نشانہ خطا کر گیا' لیکن مرزا نے پھر بدکلامی شروع کی اور چاہتے تھے کہ غلام کے مکان میں گھس کر تمام مال و اسباب لوٹ کر لے جائیں' لیکن فدوی نے فوراً اندر سے کنڈی لگا لی۔ مرزا نے حضور کے غلام کو مار ڈالنے میں کچھ کسر نہ اٹھا رکھی تھی' مگر خیر ہو گئی کہ نشانہ خطا کر گیا۔ انہوں نے تو پستول سے فیر کر ہی دیا تھا' مگر غلام کی چند روز زندگی تھی جو بال بال بچ گیا۔ جب دروازہ بند کر لیا گیا تو مرزا نے تلوار کھینچ لی اور اس پر پے در پے کئی وار کئے۔ اس کے سوا اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ مختلف سمتوں سے در و دیوار پر پتھر برسائیں۔ پھر یہ حکم دیا کہ توپخانہ' پیدل و سوار اس مکان کو لوٹ لیں اور اہل خانہ کو تہ تیغ کریں۔ چوکیدار متعینہ فیض بازار موقع پر پہنچا تو مرزا نے اسے بہت زور سے نیچے گرا دیا اور احتمال تھا کہ مبادا اس کا سر تن سے جدا نہ کر دیا ہو۔ ایسا تو نہیں ہوا لیکن مرزا نے اس کے سر اور پیٹھ پر کے مار مار کر ادھ موا کر دیا اور پھر ننگی تلوار سے دروازے کو چُور چُور کر دیا' جس سے لگاتار بندوقوں کے بھی فیر ہوتے رہے۔ پھر پیادہ سپاہیوں کو بازار میں منتشر کر دیا اور سواروں کو لوٹ مار کا حکم دیا کہ راہروؤں پر گولیاں برسیں۔ شہر کے اسسٹنٹ چیف پولیس افسر کے بھی ایک گولی لگی. (اتنا حصہ پھاڑ لیا گیا ہے)...... اس حصہ شہر کے باشندوں اور پولیس افسر کا کچھ بھی مال نہیں بچا۔ تمام سامان لوٹ کر مرزا نے دروازہ توڑ ڈالا اور وہاں پہرہ بٹھا کر خود چل دیئے۔ اس بندہ زادہ پر قیامت برپا ہو گئی۔ حضور عالی کی نوازشوں پر بھروسہ کرتے ہوئے مجھے پورا پورا یقین ہوتا ہے کہ انہیں پوری پوری سزا دی جائے گی ورنہ کل آج سے کچھ دور نہیں ہے جبکہ شاہجہاں مرزا ابوبکر جو برائیوں کی طرف جھکے ہوئے ہیں بالیقین توپیں' بندوقیں اور تلواریں لے کر آئیں گے اور اپنے جی کے حوصلے نکالیں گے اور ہم بے یار و مددگار لوگوں کا خبر نہیں کیا حشر ہو۔ (اقبال و سلطنت کو دعائیں)

فہرست مال تلف شدہ

سوتی دری ۵ گز طویل قیمتی ۷ روپے ایک عدد۔ آفتابہ مسی دو عدد۔ طشتریاں مسی وسرپوس قیمتی ایک روپیہ دو عدد۔ مصلی قیمتی دو روپے ایک عدد۔ بنارسی صافہ (زردار) قیمتی ۷ روپے ایک عدد۔ گھوڑا بھورے رنگ کا قیمتی ۲۰۰ روپے ایک عدد۔ تلوار قیمتی ۷ا روپے ایک عدد۔ حقہ خرد ایک عدد۔ ایک جوڑا بیل قیمتی ۱۰۰ روپے۔

درخواست فدوی احسان الحق

شاہی حکم پنسل کا لکھا ہوا جو واردات مذکورہ سے علاقہ نہیں رکھتا۔

فرمان نمبر ۱۶۔ مورخہ جولائی ۱۸۵۷ء بنام مرزا مغل۔ فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر جانو کہ تمہیں پیشتر بھی ایک خاص معتمد کی معرفت اطلاع دی گئی تھی اور خود بھی ما بدولت نے ہدایت نامہ لکھ کر روانہ کیا تھا کہ اسسٹنٹ چیف پولیس افسر کا گھوڑا، پستول وغیرہ اشیاء کا جلد پتہ لگاؤ۔ آج ہمیں چیف پولیس افسر کے بیان سے معلوم ہوا کہ جگا سائیس ملازم اسسٹنٹ چیف پولیس افسر ابھی گھوڑا پہچان کر کیمپ سے آیا ہے۔ اس نے رسالے کی چھاؤنی میں جو ایلنبورف تالاب پر ہے، گھوڑا مذکور دیکھا ہے۔ پس فرزند تمہیں لکھا جاتا ہے، گھوڑا مذکورہ ان لوگوں سے لے کر پولیس افسر کو دے دو۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

پشت پر حکم تحریر ہے۔ دستخط و مہر کچھ نہیں، مگر صریحاً مرزا مغل کا حکم ہے۔

افسران رسالہ کے نام ایک حکم جاری کیا جائے کہ اسپ مسؤلہ کے لئے تحقیقات کریں۔ اگر وہی گھوڑا ہو اور ثبوت بہم پہنچ جائے کہ اسسٹنٹ پولیس افسر ہی کا ہے تو فوراً یہاں روانہ کر دیا جائے۔ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء۔

حکم کے نیچے نوٹ: یہ حکم غلطی سے یہاں لکھا گیا۔ دوسرے کاغذ پر لکھنا چاہئے تھا۔

فرمان نمبر ۱۷۔ (حکم بادشاہ کے ہاتھ کا پنسل کا لکھا ہوا جو درخواست نمبر ۲۵ سے تعلق رکھتا ہے) بنام مرزا مغل۔ فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر جانو کہ تمہیں تحقیقات کرنے کے لئے لکھا جاتا ہے۔ مرزا ابوبکر بہادر کے ملازموں سے سرخ پگڑی اور تلوار لے لو کیونکہ وہ کامدار خاں چوکیدار فیض بازار کی ہیں جو زخمی ہو گیا تھا اور ان لوگوں کو ما بدولت کے حضور میں پیش کرو۔ تمہیں یہ بھی ہدایت کی جاتی ہے کہ مرزا مذکور کے آدمیوں سے محمد احسان الحق پسر مفتی اکرام الدین اور خدا بخش خاں اسسٹنٹ چیف پولیس افسر کا سامان لے کر ہماری روبکاری میں پیش کرو۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

عرضی نمبر ۱۳۔ مورخہ ۱۱ جولائی ۱۸۵۷ء از مرزا مغل بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ گذارش ہے کہ یوسف بیگ کی معرفت سیاہ پستول ملا۔ اعلیٰ حضرت کا پیام سائل کے سوتیلے والد کے ذریعہ پہنچا۔ اعلیٰ حضرت فدوی کی عادت سے خود ہی واقف ہیں اور کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے اس لئے فدوی کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ غلام خداوندی عرض پرداز ہے کہ اس قسم کا کوئی حکم جاری نہیں کیا گیا، بلکہ صرف وہی جاری کئے گئے ہیں جن کا علم حضور کو ہے یا اگر کوئی جاری ہوتا تو حکیم صاحب کو پہلے اطلاع دے دی جاتی۔ فوج میں تقسیم روپے کی بابت عرض ہے کہ بنہتی صراف کو طلب کیا جائے اور قسمیہ پوچھا جائے کہ حضور کا غلام ایک لاکھ روپے میں سے بالکل ہی کم حصہ لیتا رہا ہے یا نہیں اور کبھی بھی کچھ غبن کیا ہے (ترقی دولت و سلطنت کی

دعائیں) عریضہ خادم ظہیر الدین سرکاری مہر ثبت ہے "کمانڈر انچیف بہادر"

حکم شاہی پنسل سے "تحقیقات جاری ہے" نمبر ۱۰۱۔

عرضی نمبر ۱۴۔ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۸۵۷ء از جمنا داس زمیندار ساکن متھرا بحضور بادشاہ سلامت! جہاں پناہ! نہایت ادب سے عرض ہے کہ فدوی چند سال سے بے روزگار بیٹھا ہے اور پہلے اس کا وقت نہایت عیش و عشرت سے گذرتا تھا اور اب حضور کے ظل عاطفت میں پناہ ڈھونڈنے کے لئے حاضر ہوا ہے اور ملتمس ہے کہ اسے ایک فرمان شاہی اس قسم کا مل جائے کہ وہ دہلی سے متھرا اور وہاں سے آگرہ تک انتظامات کر سکے اور چونکہ نمک خوار متھرا کا باشندہ ہے اور تمام ضلع کے بچے بچے سے واقف ہے پس حضور کے اقبال اور خدا کے حکم سے وہ نہایت عمدگی سے انتظامات کرے گا۔ اس کے سوا غلام ضلع مذکور کے ایسے دو ہزار آدمیوں کو جانتا ہے جو سپہ گری میں طاق ہیں۔ اس کی خواہش ہے کہ حضور اس کو فرمان عطا فرمائیں جس کے ملتے ہی وہ کسر بیٹ اور ڈاکخانے گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں متھرا سے لے کر دہلی تک قائم کر دے گا۔ دس یا بارہ روز کے بعد غلام متھرا پہنچ کا جہاں سے خرچ شاہی و خزانہ عامرہ کے لئے دس لاکھ روپیہ پیش کرے گا۔ پس وہ التجا کرتا ہے کہ معاملہ ہذا پر غور فرما کر منظوری عطا کی جائے اور کچھ فوج بارود گولی اور توپ بھی عنایت فرمایا جائے تاکہ فدوی اس کام کے لئے روانہ ہو جائے۔ ضلع مذکور میں پہنچتے ہی خدا کے حکم سے کافی بندوبست کرے گا اور حضور کی سلطنت وہاں بھی مضبوط و مستحکم ہو جائے گی۔ بدون حضور کے فرمان پانے کے غلام کچھ کام نہیں کر سکتا اور جو کچھ کرے گا حضور کو اطلاع دیتا رہے گا۔ اس معاملے میں خدا کی مدد درکار ہے۔ واجب تھا عرض کیا۔ (ترقی سلطنت و حشمت کی دعائیں)

توپ خانہ مع گولہ بارود ا۔ رجمنٹ پیادہ و سوار ا۔ مہر بطور سند شاہی برائے کارگزاری غلام ا۔

علاوہ بر آں جو مزاج عالی میں آئے بخشا جائے۔ عریضہ نیاز فدوی جمنا داس متوطن متھرا حال وارد دہلی۔ دستخط درخواست کنندہ بخط ناگری۔

عرضی نمبر ۱۵۔ تاریخ نہیں ہے۔ منجانب رتن چند داروغہ باغات شاہی و جائداد خانگی شاہی متعلقہ صاحب آباد۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! نہایت ادب سے گذارش ہے کہ سوار چاندنی چوک میں آ کر بسے ہیں اور دکانوں کے سامنے اپنے گھوڑے باندھتے ہیں۔ بہتیرے کرایہ داروں نے دکانیں خالی کر دی ہیں اور جو رہ گئے ہیں وہ بھی ان کی تقلید کرتے جاتے ہیں۔ یہ سب لوگ سواروں سے خائف ہیں اور دکانوں کے کرایہ کا بہت نقصان ہو رہا ہے۔ غلام عرض کر کے امیدوار ہے کہ بمرضی شاہی ان کے نام حکم جاری کیا جائے۔

درخواست از طرف نمک خوار شاہی فدوی رتن چند داروغہ باغات شاہی و جائداد خانگی متعلقہ صاحب آباد۔

حاشیہ پر نوٹ: "نقل کر لی گئی"

فرمان نمبر ۱۸۔ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۸۵۷ء۔ (حکم شاہی بدون مہر و دستخط یا نام) بنام مرزا مغل۔ فرزند! جواں بخت ظہیر الدین عرف مرزا مغل بہادر۔ جانو کہ ہمیں رتن چند داروغہ باغات شاہی و جائداد خانگی شاہی متعلقہ صاحب آباد کی عرضی سے معلوم ہوا ہے جو اس کے ساتھ شامل کی جاتی ہے کہ سواروں نے جو حال میں جودھ پور سے آئے ہیں دکانوں کے سامنے گھوڑے باندھنے شروع کئے ہیں اور کئی دکانوں پر قبضہ بھی کر لیا ہے اور یہ کہ چند دکانداروں نے دکانیں خالی کر دی ہیں اور بھاگ

گئے ہیں اور دیگر کرایہ دار بھی جو ہنوز موجود ہیں اسی پر آمادہ ہیں۔ اس صورت میں رعایا کی آمدنی میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔ ہماری عنایت پر بھروسہ رکھو۔

حکم کے نیچے نوٹ: "ایک حکم لکھا گیا۔"

فرمان نمبر ۱۹۔ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۸۵۷ء (بادشاہ کے ہاتھ کا پنسل سے لکھا ہوا حکم) بنام مرزا مغل۔ فرزند شہرۂ آفاق دلاور ظہور الدین عرف مرزا مغل بیگ بہادر! جانو کہ سید حسین علی خاں پولیس افسر پہاڑ گنج کی درخواست جس میں ایک جمعدار اور چند سپاہیوں نے علی گنج پنجی حسن اور علا پور کے گوجروں کے ہاتھوں خوفناک زخم کھائے ہیں' پڑھ کر ایک خاص حکم و درخواست مذکورہ تمہیں روانہ کی گئی تھی۔ آج پولیس افسر مہرولی کی عرضی سے معلوم ہوا ہے کہ وہی گوجر وہاں بھی شورش کر رہے ہیں اور تمام دیہاتوں میں غارتگری کرتے پھر رہے ہیں۔ ایسی قانون شکنی از حد خطرناک ہے۔ لہٰذا تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ ایک پیدل کمپنی اور پچاس سوار فوراً روانہ کرو تا کہ یہ لوگ ان گوجروں اور ان گاؤں کے صدر نمبردار کو گرفتار کر کے لائیں۔ اگر یہ ماخوذ ہو گئے تو اپنے کیفر کردار کی واجبی سزا پائیں گے۔ بعد میں مکمل حکم جاری کیا جائے گا۔ ہماری عنایتوں کا یقین رکھو۔

نوٹ: "۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء نمبر ۸۳۹ ملا۔"

فرمان نمبر ۲۰۔ (بادشاہ کا پنسل کا تحریری حکم) بنام مرزا مغل۔ فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر معلوم ہو کہ بجناداس زمیندار متھرا حال وارد دہلی کی درخواست سے یقین ہوتا ہے کہ اس کے زیر حکم دو ہزار آدمی فن سپہ گری کے کامل و ماہر ہیں اور وہ کہتا ہے کہ دس لاکھ روپیہ لا کر خزانہ عامرہ میں داخل کرے گا اور اپنی قابلیت پر اعتماد رکھتے ہوئے دعویٰ کرتا ہے کہ دہلی سے آگرے تک نہایت عمدہ بندوبست کرے گا اور یہ کہ اسے قوی طاقت جو توپخانہ پیادہ' سوار' گولہ بارود اور ایک مہر (برائے کارگزاری اور بطور سند کے ہو) پر مشتمل ہو' درکار ہے' چونکہ اس کے لئے کئی امور دریافت طلب ہیں کہ آیا یہ شخص کس صورت سے اپنے قول کے بموجب عمل کر کے دکھائے گا اور کونسا طریقہ استعمال کرے گا۔

فرزندان مابدولت! تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ خاص خاص افسران فوج کو جمع کر کے اس کے بارے میں مشورت کرو۔ پھر مشرح لکھ کر مابدولت کو ارسال کیا جائے کہ آیا ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں اور کیا وہ کامیاب ہو سکتا ہے تو کونسا طریقہ اختیار کرے گا۔ نیز یہ بیان کیا جائے کہ فوجی افسروں کی کیا رائیں ہیں اور وہ آدمی دراصل اس کام کا اہل بھی ہے یا محض اپنے فائدے کی غرض سے قتل و غارت کے درپے ہے۔

تمام امور مجوزہ مع روئداد کارروائی بموجب اس قول کے جو اس نے عرضی میں تحریر کیا ہے' ہمیں صاف صاف تحریر کیا جائے۔ اس کے بعد آخری احکام دیئے جائیں گے۔ اصلی عرضی اس کے ہمراہ شامل ہے۔ اول تم اسے خوب غور سے پڑھ کر سمجھ لو اور جو کچھ تفصیل اس اجمال کی معلوم ہو سکے' ہمیں تحریر کرو اور ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔ دیگر آنکہ کیا یہ شخص دس لاکھ کا کوئی دفینہ کھودنا چاہتا ہے یا کوئی خزانہ جانتا ہے جہاں اتنا روپیہ پوشیدہ ہو یا کسی کو لوٹ کر لانے کا ارادہ کرتا ہے؟ اس شخص سے ان تمام باتوں کا جواب طلب کیا جائے۔

عرضی نمبر ۱۶۔ تاریخ نہیں۔ آخری حکم کی تاریخ ۱۸ جولائی ۱۸۵۷ء از چودھری امام بخش و دیگر جملہ برف والان بحضور بادشاہ

جہاں پناہ! مودبانہ گذارش ہے کہ فلاں در دولت کے قدیمی نمک خوار ہیں۔ حال میں جو فوج آئی ہے اس نے غلاموں کے مکانوں کے پاس ہی خیمے نصب کر رکھے ہیں اور یہ برف کے کھتوں سے بالکل ملحق ہیں جو ترکمان دروازے کے سامنے ہیں۔ فدویوں میں اضطراب پھیلا ہوا ہے' کیونکہ ان کے مکانات کی چوبی چھتیں اکھاڑ اکھاڑ کر یہ لوگ لئے جا رہے ہیں اور کئی باشندوں نے اپنی جانوں کو معرض خطر میں دیکھ کر اس جگہ کو چھوڑ بھی دیا ہے' لیکن فدوی تادم موجود ہے اور محض اس وجہ سے کہ جو برف حضور کے آبدار خانے کو بھیجی جاتی ہے' وہ غلام ہی کے کھتوں سے جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت تمام مخلوق خدا کی پاسبانی کرتے ہیں لہٰذا عرض گذار امیدوار ہے کہ مادھو گنج جائداد راجہ جے پور مع جنتر منتر جو راجہ جے سنگھ کا ہے اور ترکمان دروازے کے متصل ہے اور جس کی دیواریں ہنوز محفوظ ہیں۔ براہ الطاف و اکرام سے بخش دی جائیں اور بریلی سے آئی ہوئی افواج کے نام ایک پروانہ جاری کیا جائے کہ باز رکھنے کی کوشش نہ کریں تاکہ حضور کا غلام جائے پناہ پا کر شب و روز حضور کی ترقی و اقبال کے لئے دعا کرتا رہے۔ نیز عرض ہے کہ افسروں کے نام حکم جاری کیا جائے۔ اس پر حضور کی مہر خاص ثبت ہو۔

عریضہ غلام امام بخش و جملہ برف والان

فرمان نمبر ۲۱۔ (حکم بادشاہ کے ہاتھ کا پنسل سے لکھا ہوا) (مہر ابو المظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی ۱۲۵۳ ہجری و یکم جلوس) ترجمہ فرمان بنام نواب نجیب آباد از دہلی۔ امیر الدولہ ضیاء الملک محمد محمود خان بہادر مظفر جنگ ہمارے ملازم خاص' مورد الطاف و نگہداشت' ہماری مہربانیوں کے مقصود۔

جانو کہ تم خاص ملازم کی عرضی مشتمل بر حالات مفصلہ مع تفصیل ضلع کے تمام پرگنوں کی خراب حالت کے جو لٹیروں اور بد معاشوں نے کر رکھی ہے اور انسداد کے لئے جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ جتنے پیدل و سوار ملکیں بھرتی کر کے حالت درست کی جائے اور سرکار شاہی کے آبائی نمک خوار ہونے پر مابدولت کی توجہ مبذول کرانا اور یہ کہ بدستور سابق اس جانب کی توجہ شاہی پھر اس ضلع پر ہو جائے' ملاحظہ سے گذری۔ حقیقتاً غلام خاص کے اجداد گذشتہ سلاطین کے وقت سے ہمیشہ مورد عنایت رہے ہیں اور تم غلام خاص کو ہم خاص الخاص عنایت کی نگاہوں سے دیکھتے رہے ہیں۔ نور چشمی مرزا شاہ رخ کی خدمت بجالاتے رہے ہو (یہ بیان ہے سلوکوں کا جو مرزا شاہ رخ فرزند شہنشاہ سے دس برس قبل روہیلکھنڈ میں شکار کے موقع پر کئے گئے تھے) پس تم ہماری خاص عنایتوں کے سزاوار ہو۔

اگر تم اپنی گذشتہ اعلیٰ خدمات کے ساتھ ہی ساتھ اب بھی بڑھ کر خدمتیں انجام دو گے تو لطف شاہی بہت زیادہ کر دیا جائے گا اور تمام ضلع کا انتظام تمہارے سپرد کر دیا جائے گا اور جو کچھ تم نے عرضی میں خواہش کی ہے' منظور فرما لیا جائے گا۔ تاوقتیکہ ایک پختہ سند جاری نہ کی جائے۔ تم ضلع کی آمدنی اپنے پاس جمع رکھو اور افواج افسران نمک آمدنی کی تنخواہ دے کر بقیہ ہمیں ارسال کرو اور ساتھ ہی خزانہ و دیگر اسباب' گھوڑے جو معقول تعداد میں انگریزی فوج کی فراری کے بعد تمہارے ہاتھ آئے ہیں' انہیں تم مع تفصیل مرقومہ بدست معتمر ادا اس روانہ کرو اور دو سواران شاہی ہمراہی کرو تاکہ تمہاری کارکردگی جانچی جاوے اور ترقی دی جائے۔

۲۸ ذی قعدہ بست و یکم سال جلوس خود بدولت مطابق ۲۱ جولائی ۱۸۵۷ء

عرضی نمبر ۱۷۱۔ تاریخ نہیں۔ آخری حکم کی تاریخ ۲۲ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از کریم بخش عرف تھوا بحضور بادشاہ خداوند کرم گستر مؤدبانہ التجا ہے کہ آٹھ یا دس روز ہوئے کہ گیارہویں پیدل کے خفیہ ملازم جواہر بخش نے سڑک مسمی قاضی کے حوض سے فدوی کی خچر مادیان چرالی ہے۔ غلام نے پانچ روز تک بڑی دقت اور تلاش کے بعد اس مادہ خچر کا پتہ لگایا اور جواہر بخش مذکور نے گیارہ روپے لینے کے بعد اسے واپس کیا۔ تین روز کے بعد پھر مذکورہ خفیہ نویس اپنے ایک ہمراہی کو لیے ہوئے غلام کے مکان پر آیا جو ترکمان پولیس کے حلقے میں ہے اور بطور مجرم گرفتار کر کے مرزا خیر سلطان بیگ ڈاکٹر پیادہ رجمنٹ نمبر ۱۱ کے روبرو پیش کیا۔ ڈاکٹر نے غلام کو حوالات کر دیا اور کہا کہ یہ اسی کا (خفیہ نویس کا) خچر ہے۔ پس یا تو اسے لاکر چھوڑ جائے ورنہ حوالات رہے۔ چنانچہ فدوی نے اپنی قریب المرگ اہلیہ کو چھوڑ کر فی الفور لے جا کر اس کے حوالے کیا اور گیارہ روپے اس نے مجھے واپس کر دیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ پانچ مہینے گزرے جبکہ غلام نے مویشی مذکور کو رمضان خاں رسالدار پانچواں ترپ رجمنٹ نے قاعدہ سواران نمبر ۸ سے جو دہلی کے باشندے ہیں' خرید کیا۔ غلام ملتجی ہے کہ اعلیٰ حضرت بلحاظ غریب پروری وحفاظت خلق جو حضور کے خاص اوصاف ہیں' رسالدار مذکورہ اور ان کی رجمنٹ کے چار پانچ افسروں سے تحقیق فرمائیں تاکہ غلام انصاف کو پہنچے اور ہمیشہ اعلیٰ حضرت کی ترقی سلطنت واقبال کا دست بدعا رہے۔ واجب تھا عرض کیا۔ (اقبال سلطنت کی دعائیں)

عرضی کمترین کریم بخش عرف تھوا مالک خچر اور انصاف کا خواستگار۔

فرمان نمبر ۲۲۔ (بادشاہ کا دستی حکم سیاہی کا لکھا ہوا) مورخہ ۲۳ جولائی ۱۸۵۷ء۔ پیادہ رجمنٹ نمبر ۱۱ کے افسروں کے نام ایک حکم جاری کیا جائے۔ پشت پر ایک گوشے میں نوٹ۔ مقدمہ ہٰذا میں حکم نہیں جاری کیا گیا۔

فرمان نمبر ۲۳۔ (حکم بادشاہ کے ہاتھ کا پنسل کا لکھا ہوا) مورخہ ۲۲ جولائی ۱۸۵۷ء۔ نمبر ۶۲۳ بنام مرزا مغل فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر۔ جانو! بہت دنوں پہلے کچھ سواروں نے حیات بخش ومہتاب باغ میں بود و باش اختیار کی تھی اور بوجہ مجروح ہونے کے ان لوگوں سے ہمارے باغ بھرے ہوئے تھے۔ پھر فرمان شاہی سے انہیں وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا اور اب تقریباً دو سو سپاہی جو نمبر ۵۲ پیادہ رجمنٹ کے ہیں اور ایک دیسی ڈاکٹر مع اپنے اہل وعیال کے پھر وہاں مقیم ہو گئے ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نہ ہٹیں گے' ہمارے باغات کو پہلے کی طرح نقصان پہنچتا رہے گا اور علاوہ ازیں ہماری سواری جب کبھی اُدھر سے نکلتی ہے تو بڑی دقت پیش آتی ہے۔ پس فرزند! تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ افسران عدالت سے مل کر ان سپاہیوں اور دیسی ڈاکٹر کو وہاں سے ہٹانے کے متعلق گفتگو کرو۔ امید ہے کہ ایسا کر کے ہماری خوشنودی کو قائم رکھو گے۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

عرضی نمبر ۱۸۔ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از شیو دیال وشادی رام سوداگران بحضور بادشاہ جہاں پناہ! نہایت ادب سے التماس ہے کہ بدمعاشوں کا بڑا بھاری گروہ فدویوں کی دکان متصل کشمیری دروازے پر آتا ہے اور بہت بڑی کارروائیاں کرتا ہے۔ بعض اوقات چیف پولیس افسر اور بعض اوقات سپاہیوں کو بلاتا ہے اور فدویوں پر الزام لگاتا ہے کہ دشمنوں سے سازش کی ہے اور انہیں رسد پہنچاتے ہیں۔ حضور کو معلوم ہو کہ فدویان خانہ زاد غلام ہیں اور ایسی کارروائیوں سے ان کی بربادی یقینی ہے۔ پس ملتجی ہیں کہ ہماری دکانوں پر سرکاری قفل لگا دیئے جائیں تاکہ ہمیں بھی امن وچین نصیب ہو اور

دکانیں بھی محفوظ و مامون رہیں (ترقی جاہ و سلطنت کی دعائیں)

درخواست گزرانیدہ غلام شادی رام شیو دیال سوداگران

فرمان نمبر ۲۴۔ (پنسل کا لکھا ہوا بادشاہ کا دستی حکم) بنام مرزا مغل۔ درخواست کنندگان کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔

پشت پر نوٹ "نمبر ۵۵۷"

پشت پر حکم بدون دستخط یا مہر کے صریحا مرزا مغل کا حکم ہے۔

عرضی ہذا آج پہنچی جس پر بادشاہ کا تحریری حکم ہے انتظام کیا جائے۔ سائلوں کی استدعا ہے کہ ان کی دکان پر سرکاری قفل جڑ دیا جائے۔ پس حکم دیا جاتا ہے کہ چیف پولیس افسر کے نام ایک حکم جاری کیا جائے کہ درخواست کنندوں کی دکان پر سرکاری قفل جڑ دیا جائے اور ان کی خبر گیری کی جائے۔

فرمان نمبر ۲۵۔ (حکم جس پر شاہی عدالت کی مہر ثبت ہے) مورخہ ۲۲ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بنام نشان اولوالعزمی چیف پولیس افسر دہلی۔ پانچ ملزموں میں سے جنہیں تم نے روانہ کیا ہے دفتر ہذا میں دو کے فائل موجود ہیں۔ تفصیل ذیل میں درج ہے لیکن یہ تین کے فائل یہاں موجود نہیں۔ پس اگر تمہارے پاس عدالت شاہی کی کوئی تحریری رسید بابت گم ہو جانے ان تینوں فائلوں کے موجود ہو تو عدالت ہذا میں پیش کرو۔ آئندہ کے لئے خیال رہے کہ کوئی بھی ملزم عدالت میں پیش کیا جائے فرد ارتکاب جرائم بھی اس کے ہمراہ ہونی چاہئے۔

فہرست مقدمات

فائل موجود ہیں

مقدمہ گمانی مدعا علیہ۔ مقدمہ رحم اللہ مدعا علیہ

فائل موجود نہیں۔

ہر سُکھ۔ غلام علی۔ خدا بخش

جواب مبارک شاہ چیف پولیس افسر شہر جو حکم بالا کے پشت پر لکھی ہے۔

بحضور بادشاہ سلامت مورخہ ۲۲ جولائی ۱۸۵۷ء۔

حکم ہذا میں جو کیفیت طلب کی گئی ہے علیحدہ درخواست میں مذکور ہے جو اس کے ہمراہ منسلک کر دی گئی ہے۔

درخواست بندہ مبارک شاہ چیف پولیس افسر دہلی

سید مبارک شاہ کی درخواست منسلک شدہ جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔

بحضور بادشاہ جہاں پناہ، مورخہ ۲۲ جولائی ۱۸۵۷ء

مؤدبانہ گذارش ہے کہ بندگان عالی کا مراسلہ کہ پانچ ملزم جو چیف پولیس آفس شہر سے بھیجے گئے تھے پہنچے اور یہ کہ ان میں سے رحم اللہ اور گمانی کے مقدمات کی فائلیں عدالت شاہی میں ہیں۔ لیکن غلام علی، ہر سُکھ اور خدا بخش کی فائلیں دستیاب نہیں ہوتیں اور اس لئے ہدایت کی گئی ہے کہ اگر کوئی ہدایت شاہی کی تحریری رسید یہاں موجود ہو تو پیش کروں اور آئندہ ملزمین کے ساتھ ہی ساتھ فرد ارتکاب جرائم بھی روانہ کی جایا کرے۔ لہٰذا ان کی تفصیل حسب ذیل حاضر کی جاتی

ہے۔

ہر سکھ کو ماتحت پولیس افسر الہ آباد نے مفسدانہ ذریعہ سے معاش حاصل کرنے کی بنا پر مشتبہ جان کر گرفتار کیا ہے اور ملزم موافق معمول اس پولیس اسٹیشن کو بھیج دیا گیا۔ لیکن چونکہ کوئی مدعی پیدا نہ ہوا اور نہ اس کے پاس سے کوئی مال مسروقہ برآمد ہوا' اس لئے اس کے مقدمے کے کاغذات تیار نہیں کئے گئے۔ غلام علی کی بابت (تحریری غلطی کی بنا پر یہ نام لکھا گیا ورنہ اس کا اصل نام محمد ہے) تفصیل یہ ہے کہ وہ چاندنی چوک پولیس اسٹیشن سے میرے پاس بھیجا گیا ہے اور اس کے ہمراہ ایک مراسلہ بھی تھا جو ظاہر کرتا ہے کہ اس کے مقدمے کی بنا کیا ہے اور اشیائے ذیل جو مال مسروقہ میں سے ہیں' اس کے پاس برآمد ہوئیں۔

ظروف برنجی جو جمن جی کشمیری کا مال ہے۔

بھیڑ اور بکریوں کے چمڑوں کی جوتیاں' کپڑے و دیگر اشیاء جو غلام حیدر خاں کا مال ہے۔ چیف پولیس اسٹیشن میں تحقیقات کی گئی۔ ماتحت پولیس افسر کی تحریر سے جرم ثابت ہو گیا۔ نیز گواہوں نے اظہار دیا اور خود غلام علی نے اقبال کیا کہ اس نے چوری کی ہے۔ بعدہ مدعی سے کئی رسیدیں لے کر اور پہلے خوب اس کی ملکیت کی تحقیق کر کے وہ مال مدعی کو دے دیا گیا۔ ماتحت پولیس اسٹیشن سے جو مراسلہ آیا تھا' وہ بھی حضور کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ملزم کے مقدمے کی بابت میری رپورٹ میں بتا دیا گیا ہے کہ یہ شخص ترکمان دروازے میں چوکیدار تھا' لیکن چاندنی چوک پولیس اسٹیشن کے محرر نے خاص اپنی مرضی سے اسے اشرفی کے کڑے میں منتقل کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے محرر چوکیدار سے اس قسم کے کام لیتے تھے۔ چنانچہ روزنامچے میں یہ رپورٹ مع درخواست پولیس اسٹیشن مورخہ ۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء موجود ہے۔ خدا بخش کے مقدمے کی نسبت عرض ہے کہ اس پولیس اسٹیشن کے روزنامچے میں حوالجات درج ہیں' ان کی تحقیقات کر لی گئی ہے۔ تاریخ اندراج ۱۷ جولائی ۱۸۵۷ء ہے۔ خدا بخش رسالے کے سوار نے ملزم کو اس بنا پر گرفتار کیا تھا کہ وہ ناجائز طریقے سے کسب معاش کرتا ہے اور پھر یہاں پولیس اسٹیشن میں لے آیا۔ رسالے کے سوار نے نتھے ولد کولیا خاں فقیر کو اپنا پستول عاریتاً دے دیا تھا اور ملزم نے زبردستی نتھے سے پستول چھین لیا اور فرار ہو گیا۔ بہت روز تک روپوش رہا اور اب گرفتار ہوا ہے۔ رسالے کے سوار کے بیان کی تصدیق کولیا خاں فقیر نے بھی کی ہے۔ اس مقدمے کی رپورٹ اعلیٰ حضرت کمانڈر انچیف بہادر کی روبکاری میں ارسال کر دی گئی تھی تاکہ کچھ حکم ملے' مگر اب تک کوئی حکم نہیں ملا۔ دیگر عرض ہے کہ عدالت شاہی کی رسیدیں پولیس آفس میں تلاش کی گئیں مگر کہیں سراغ نہیں ملتا۔ سبب یہ ہے کہ ہمیشہ کاغذات روانہ کئے جاتے ہیں مگر عدالت سے کوئی باضابطہ رسید نہیں ملتی اور اس وجہ سے لاچاری ہے۔ جو حق تھا وہ عرض کر دیا۔ آئندہ کے لئے مزید احتیاط کی جائے گی اور جب کوئی ملزم روانہ کیا جائے گا' اس کے ہمراہ فرد ارتکاب جرائم' مدعی و ثبوت وغیرہ بھی بھیجے جائیں گے۔ تمام ماتحت افسران پولیس متعینہ شہر اس حکم سے مطلع کر دیئے گئے ہیں اور بخوبی اس پر عمل پیرا ہوں گے (ترقی اقبال و سلطنت کی دعائیں)

عرضی گزرانیدہ غلام سید مبارک شاہ چیف پولیس افسر شہر دہلی چیف پولیس آفس کی مہر ثبت ہے "شاہجہاں آباد"۔ نیچے ایک گوشے میں نوٹ ہے۔ "نقل لے لی گئی۔"

فرمان نمبر ۲۹۔ (محضر شاہی یا اعلان بغیر دستخط و مہر کے غالباً دفتر کی نقل ہے) مورخہ ۲۳ جولائی ۱۸۵۷ء۔ اعلان کیا جاتا ہے

کہ کوئی کسی پر ہاتھ نہ اٹھائے' ظلم نہ کرے اور یہ کہ اصل زمینداروں کی رعایا بن کر رہے' کیونکہ وہ سلطنت کے خیر خواہ سمجھے جاتے ہیں۔ نظم و نسق کے لئے بہت جلد فوجی قوت روانہ کی جائے گی۔ اعلیٰ حضرت بادشاہ سلامت کو اپنی رعایا کی فلاح و بہبودی کی فکر ہمیشہ دامنگیر رہتی ہے' چنانچہ تمام وہ لوگ جو بدامنی پھیلانے یا حکام بااختیار سے سرکشی کرنے کے مجرم ہوں گے مستوجب سزائے شدید ہوں گے۔ یہ اعلان عوام کی آگاہی کے لئے جاری کیا جاتا ہے۔

عرضی نمبر ۱۹۔ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل۔ بعالی خدمت جناب بادشاہ سلامت جہاں پناہ! خداوندا! گذارش ہے کہ چودہ میانہ قد گھوڑے مع چند میگزین گاڑی بانوں کے کچھ پیادہ سپاہی گرفتار کر کے خادم کے پاس لائے ہیں۔ گاڑی بانوں کا بیان ہے کہ یہ گھوڑے ان کی ذاتی ملکیت ہیں۔ ان کے بیان کی صداقت بغیر تفتیش نہیں ہو سکتی۔ فدوی عرض پرداز ہے کہ اگر اسے ہدایت کی جائے تو وہ بدون مزید تحقیقات کئے ان گھوڑوں کو شاہی توپ خانے میں داخل کر لے۔ ان میں سے بعض توپیں کھینچنے کے لائق ہیں اور بعض چھوٹے پست قد اور بالکل ناقابل ہیں۔ اگر حضور کی رائے عالی ہو تو یہ گھوڑے اس وقت تک رکھے جائیں جب تک باقاعدہ تحقیقات جاری رہے اور بعد وہ ملاحظہ شاہی کے لئے پیش کئے جائیں گے۔ اعلیٰ حضرت کی ہدایتیں مع دستخط خاص کے ارسال فرمائی جائیں تاکہ آگے کارروائی کی جائے۔ ضروری تھا اس لئے عرض کیا۔

درخواست فدوی ظہور الدین

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا

نمبر ۸۵۹

کارروائی جاری رکھو اور نتیجے سے ہمیں اطلاع دو۔

نوٹ زیر حکم ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء کو موصول ہوا۔

عرضی نمبر ۲۰۔ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۸۵۷ء از مبارک شاہ چیف پولیس افسر شہر بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ التجا ہے کہ آج بوقت دوپہر اطلاع موصول ہوئی تھی کہ پیدل سپاہیوں کے ایک کثیر گروہ نے الوپی پرشاد و رام لال کھتریوں کے مکان توڑ ڈالے ہیں اور انگریزوں کی تلاش کے بہانے اندر گھس گئے ہیں۔ میں نے فوراً اپنے اسسٹنٹ کو روانہ کیا کہ ان لوگوں کو تشدد سے باز رکھا جائے' لیکن پھر بھی میں مطمئن نہ ہوا تو اور امداد روانہ کی۔ نائب نے تھوڑی دیر میں واپس آ کر اطلاع دی کہ رجمنٹ کے افسر نے اسے واپس کر دیا ہے اور یہ کہا کہ وہ خود امن قائم رکھے گا۔ اسسٹنٹ چیف پولیس افسر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہاں نہ تو کوئی مشتبہ مال برآمد ہوا اور نہ کوئی انگریز پایا گیا' بلکہ الٹا مکان کے مالکوں کا نقصان ہوا جس کا شمار کرنا دشوار ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ سپاہی دو آدمیوں کو اپنے ہمراہ گرفتار کر کے لے گئے ہیں اور واردات مذکورہ میں فتنہ و شر بپا کیا گیا اور تلاش کے بہانے سے ایسا سلوک کیا گیا۔ ایسی کارروائیوں سے رعایا میں بے چینی اور ناراضگی پھیل رہی ہے۔ آج کل محض مخبروں کے بیان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ خانہ تلاشی نہایت نرمی اور اخلاق سے کی جانی چاہئے جس میں چار پانچ معتمد اشخاص پولیس کے انتظام سے تلاش کریں۔ میں اس کے ہمراہ ایک درخواست ارسال کرتا ہوں تاکہ حضور عالی کے فیصلہ کن ہاتھوں یہ معاملہ طے ہو جائے۔ واجب تھا عرض کیا۔ (ترقی اقبال شاہی کی

دعائیں)

درخواست خادم سید مبارک شاہ چیف پولیس افسر

مہر۔ چیف پولیس افسر مقام دارالسلطنت شاہجہان آباد

بادشاہ کے ہاتھوں کا پنسل سے لکھا ہوا حکم

مرزا مغل۔ فی الفور افسران رجمنٹ کو یہاں بھیجا جائے اور ان غریبوں کو رہا کر دیا جائے۔

عرضی نمبر ۲۱۔ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء از امام اللہ خاں سوار بحضور ظل السبحانی جہاں پناہ! نیاز مندانہ عرض ہے کہ فدوی کا گھوڑا بسبب سُم پھٹ جانے کے بالکل ناکارہ ہو گیا ہے۔ چونکہ خانہ زاد پر حضور کی عنایات قدیمی ہیں لہٰذا نمک خوار ملتجی ہے کہ ایک ماہ کی رخصت دی جائے تا کہ وہ کوئی اور گھوڑا تلاش کرلائے (ترقی اقبال وسلطنت کی دعائیں)

عریضہ کمترین خانہ زاد امام اللہ خاں بارگیر (بیقاعدہ سوار) متعلق محکمہ تنخواہ

بادشاہ کے ہاتھ کا پنسل کا حکم

افسران محکمہ تنخواہ۔ ایک ماہ کی رخصت دے دی جائے۔

عرضی نمبر ۲۲۔ تاریخ نہیں۔ حکم شاہی کی تاریخ ۲۸ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از سالگ رام مالک گاڑیان بحالی خدمت حضور بادشاہ جہاں پناہ! نیاز مندانہ التجا ہے کہ غلام کی بیل گاڑیاں مسافروں اور پارسلوں کو دہلی اور متھرا کے درمیان لے جایا کرتی ہیں اور فوجوں کی بغاوت کے وقت سے غلام کے تمام کاروبار درہم برہم ہو گئے ہیں۔ ایک بھری ہوئی گاڑی جو متھرا سے آ رہی تھی' عرب سرائے میں بوجہ ملک کی نازک حالت کے روک دی گئی تھی۔ جن لوگوں کے ذمہ وہ گاڑی تھی' وہ لوگ ابھی تک حفاظت کر رہے ہیں اور اب غلام سے التجا کرتے ہیں کہ اسے دہلی لے جاؤں۔ غلام اعلیٰ حضرت کی مہربانی اور خبر گیری پر بھروسہ کر کے التجا کرتا ہے کہ مدد کے لئے ایک چپراسی عنایت کیا جائے تا کہ گاڑی مذکورہ کو عرب سرائے سے بحفاظت لے آئے۔ اور پھر خادم حضور کی درازی عمر و خوش اقبالی کی دعا کرے گا۔ واجب تھا عرض کیا۔ (ترقی سلطنت کی دعائیں)

عریضہ فدوی سالگ رام مالک بیل گاڑیان۔ رعایائے شاہی۔ باشندہ دریبہ

پشت پر حکم مع مہر شاہی

''حکم دیا جاتا ہے کہ پولیس افسر رپورٹ لکھ کر روانہ کریں۔'' ۲۸ جولائی ۱۸۵۷ء

علیحدہ پرزے پر سالگ رام کی عرضی کا اقتباس درج ہے جس پر پولیس افسر کی رپورٹ ہے۔

''ایک گاڑی ملکیت درخواست کنندہ عرب سرائے میں کھڑی ہے۔''

اجرائے حکم شاہی

میرزا مغل بہادر۔ ایک چپراسی سالگ رام کے ہمراہ کر دیا جائے اور گاڑی بحفاظت شہر میں منگوا دی جائے۔

پولیس افسر کا اطلاع نامہ کہ حکم بالا پر عمل درآمد کیا گیا۔

بحضور بادشاہ جہاں پناہ' عالی جاہا! بموجب فرمان حضور والا فدوی نے گاڑی کو تارا برہمن سے لے کر مدعی کو دے دی ہے۔ اس کی رسید اطلاع ہذا کے ہمراہ ملفوف ہے۔ مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء درخواست فدوی خواجہ نظیر الدین خاں پولیس افسر

بہادر پور مقیم عرب سرائے ذاتی مہر پولیس افسر اور بہادر پور پولیس اسٹیشن کی مہر۔

سالگرام کی رسید جو پولیس افسر کی اطلاع کے ہمراہ ہے:

منکہ سالگ رام ولد سوتی رام ذات برہمن سکنہ دہلی ایک گاڑی تار برہمن مقیم عرب سرائے کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ اب معرفت پولیس افسر بہادر پور جو عرب سرائے میں رہتے ہیں' بموجب فرمان اعلیٰ حضرت ظل سبحانی وصول پائی۔ میں رسید لکھتا ہوں تاکہ سند رہے اور وقت پر کام آئے۔

مورخہ ۲۸ جولائی ۱۸۵۷ء۔ دستخط گواہان بخط ہندی جن کے نام "چھجو" اور "میدا" ہیں۔

"کاغذات دکان عرب سرائے" سالگ رام کا تصدیق نشان۔

پولیس افسر کے اطلاع نامہ پر بھی حاشیہ سالگ رام کی رسید لکھی ہے مگر اس پر مہر یا دستخط نہیں ہے "فائل داخل دفتر" مورخہ ۳۰ جولائی ۱۸۵۷ء۔

عرضی نمبر ۲۳۔ تاریخ نہیں ہے۔ آخری حکم کی تاریخ ۳۰ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از ڈنڈی خاں کسان قلعہ کہنہ۔ بخدمت حضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ گذارش ہے کہ خادم ایک غریب کسان ہے اور حضور کی قدیمی رعایا میں سے ہے اور تابعدار اپنے کاشتکاروں کے برخلاف فصل خریف کی لگان وصول کرنے کا دعویٰ دائر کرتا ہے' کیونکہ وہ جب انہیں کہتا ہے یہ لوگ آج کل کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ اس لئے عرض کر کے امیدوار ہے کہ جہاں پناہ اپنے سایہ رحمت میں جگہ دیں اور افسران قلعہ کہنہ کو حکم دیں کہ وہ روپیہ وصول کرا دیں تاکہ تابعدار قسط بابت اراضی شاہی ادا کر سکے۔ فدوی یہ بھی عرض کرتا ہے کہ اگر اسے اختیارات دے دیئے جائیں تو وہ اہل موضع سے لگان کی وصولی بالکل پٹواریوں کے کاغذات کی بموجب کر دے گا اور حضور کی جناب میں پیش کر دیا کرے گا۔ اس وقت موضع مذکورہ بالکل تباہ حالت میں ہے اور جب وہ خزانہ شاہی میں داخل کر دیا جائے گا تو یقیناً غلام کی بہت عزت افزائی کی جائے گی۔ نیز عرض ہے کہ جب غلام کسانوں سے تخم ریزی کے لئے آئندہ فصل کے قیام کو مدنظر رکھ کر کہتا ہے تو وہ بالکل شنوائی نہیں کرتے اور جو لوگ کہنا مان کر زمین جوتتے یا بوتے ہیں تو فوجی آدمی اور شتربان وغیرہ اسے برباد کر دیتے ہیں۔ جب یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ کسان گائیں چرانے چلے گئے تو کھیتوں میں گھس جاتے ہیں۔ اگر غلام انہیں روکتا ہے تو قصداً تاراج کرتے ہیں۔ غلاموں کی بربادی وحفاظت حضور عالی کے ہاتھ ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ پانچ سوار اور ایک افسر تابعدار کی حفاظت وسلامتی اور اسے مدد دینے کے لئے مقرر کیا جائے۔ تاکہ وہ کاشتکاری شروع کر دے اور اگر اعلیٰ حضرت چاہیں تو ایک مہینہ یا پندرہ روز کے بعد انہیں واپس بلالیں۔ اگر نہیں ہو گا تو ہم غریب کسان کیونکر موجودہ فصل کی قسط شاہی ادا کریں گے اور اپنی بیوی بچوں کو پرورش کر سکیں گے؟ بہرحال حضور مالک ہیں۔ (ترقی جاہ وسلطنت کی دعائیں)

عرضی فدوی ڈنڈیا خاں کسان سکنہ قلعہ کہنہ قدیم نمک خوار شاہی

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا

مرزا مغل۔ افسران پیدل رجمنٹ مقیم قلعہ کہنہ کو تعمداً تاکید کی جائے کہ ہماری رعایا کی کھیتی کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔

پیشانی پر ایک گوشے میں دستخط شاہی

حکم بغیر دستخط و مہر ظاہراً مرزا مغل کا حکم ہے "قلعہ کہنہ کے کسانوں کو طلب کیا جائے" مورخہ ۲۸ جولائی ۱۸۵۷ء۔

"بادشاہ کا حکم تعمیل کیا گیا۔ کسانوں کے طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔" ۳۰ جولائی ۱۸۵۷ء

حکم کے نیچے نوٹ افسران پیدل رجمنٹ و ساتویں سواروں کے نام احکام جاری کئے گئے جو قلعہ کہنہ میں مقیم ہیں۔

عرضی نمبر ۲۴۔ مورخہ ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء از مرزا مغل و مرزا خیر سلطان بحضور بادشاہ جہاں پناہ! نہایت ادب سے درخواست ہے کہ ملک کی آمد و رفت مسدود ہو جانے کے سبب روپے کی بہت قلت ہے اور اگر کوئی ٹکسال نہ قائم کی گئی تو بہت جلد نایاب ہو جائے گا۔ پس ہم ملتجی ہیں کہ خداوند نعمت سے احکام جاری ہو جائیں۔ فدویان تمام ضروری انتظامات کر لیں گے جو اس سے تعلق رکھتے ہوں گے اور سکہ ڈھالنا شروع ہو جائے گا۔ اس کے ہمراہ ایک شخص کی درخواست ارسال کرتے ہیں جو ٹکسال کا ٹھیکہ لینا چاہتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے مراحم خسروانہ سے ہمیں امید ہے کہ اس کی درخواست کو شرف قبولیت عطا فرمایا جائے گا۔ واجب جان کر عرض کیا (ترقی سلطنت کی دعائیں)

عرضی فدویان مرزا محمد ظہور الدین و مرزا محمد خیر سلطان

بادشاہ کا حکم پنسل کا لکھا ہوا

منظور کیا گیا

فرمان نمبر ۲۷۔ مورخہ ۷ اگست ۱۸۵۷ء بنام بدر الدین خاں مہر کن۔ تمہیں بہترین مہر تیار کر کے ہمارے حضور میں پیش کرنے کی تاکید کی جاتی ہے جس میں مشیر سلطنت وقار الملک مابدولت کے خادم محمد بخت خاں لارڈ گورنر بہادر ناظم جملہ معاملات ملکی و فوجی کا نام مع القاب کے کندہ کیا جائے اور موافق دستور مہر میں سال جلوس ۲۱ بھی ہو گا۔

حاشیے پر نوٹ 'بعینہٖ مہر شاہی کی طرح شاید مطلب یہ ہے کہ بالکل بادشاہ کی مہر جیسا کندہ کیا جائے۔

فرمان نمبر ۲۸۔ مورخہ ۹ اگست ۱۸۵۷ء بنام مرزا مغل از طرف شہنشاہ جس پر کمانڈنگ چیف کی سرکاری مہر ہے مگر مرزا مغل سے بالکل تعلق نہیں رکھتا۔

بنام افسران (والنٹیر رجمنٹ نمبر ۳۶ دیسی پیدل)

معلوم کرنا چاہیے کہ میں نے سب سے حتیٰ کہ خود اپنی زندگی سے بھی بیزار ہونے کے باوجود حتی المقدور سپاہیوں کی دلجوئی کو مد نظر رکھا ہے۔ میں انہیں اپنے بچوں کی طرح سمجھتا ہوں اور اس لئے میں نے ان کی تمام ضدوں اور خواہشوں کو پورا کیا' لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے میری زندگی کی کچھ بھی قدر نہ جانی اور میری ضعیف العمری کا کبھی بھی خیال نہیں کیا۔ انہیں لازم تھا کہ میری صحت و سلامتی کی حفاظت کرتے' کیونکہ میری صحت میں دم بدم انقلاب ہو رہا ہے اور اس کی خبر گیری حکیم احسن اللہ خاں کے ہاتھوں ہوتی تھی جو ہر وقت ان تغیرات کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ اب میرا خبر گیراں سوا خدا کے کوئی نہیں ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ میری صحت میں ایسے ایسے تغیر واقع ہو رہے ہیں جن کا کبھی خیال بھی نہ گذرا تھا۔ تمام افسران اور سپاہیاں اس معاملے میں مجھے خوش کریں جس طرح میں نے ان کی ہر ایک آرزو کو پورا کر کے خوشی کا

موقع دیا اور وہ یہ ہے کہ حکیم صاحب پر سے پہرہ اٹھا لیا جائے اور انہیں حوالات سے آزاد کر دیا جائے تا کہ وہ میرے پاس آزادانہ آئیں جائیں اور جب ضرورت ہو تو میری نبض دیکھیں۔ اگر دشمن انہیں بہکاتے ہوں تو کہو ان کے فریب میں نہ آنا چاہئے' بلکہ اگر کوئی حکیم صاحب کے خلاف کچھ کہے تو اس سے کہو کہ تحریری شہادت لکھ کر دے اور دستخط کر کے یا مہر لگا کر لو اور پھر تم تحقیقات کرو اور اگر تمہیں ثبوت مل جائے کہ وہ دشمن ہیں تو تم سزا دے سکتے ہو۔ مزید براں جو مال تم حکیم صاحب کے گھر سے لوٹ لائے تھے وہ بادشاہ کا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس تمام مال کا پتہ لگا کر ہماری جناب میں حاضر کرو اور وہ لوگ جن کے اشتعال دلانے سے مال مذکورہ لوٹا گیا ہے' مستوجب سزائے سخت ہیں' جنہیں عدالت سے سزا ملے گی۔ اگر تم اس کو منظور نہ کرو گے تو تم مجھے یہاں سے دست بردار ہونے دو۔ خواجہ قطب صاحب کی درگاہ پر مجاور بن کر رہوں گا اور اگر یہ بھی نہ ہونے دیا تو تمام بندشوں سے آزاد ہو کر کہیں چلا جاؤں گا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مجھے روک کر رکھیں گے' دیکھوں گا وہ کیوں کر روکتے ہیں۔ انگریزوں کے ہاتھوں نہ مارا گیا تو تمہارے ہی ہاتھ سے مارا جاؤں گا اور معلوم ہو کہ جو ظلم عوام پر روا رکھا جا رہا ہے' یہ ان پر نہیں' خود مجھ پر کیا جا رہا ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ کسی صورت سے بھی اس کا انسداد کرو' ورنہ مجھے جواب صاف دے دو۔ میں ہیرا نگل کر خودکشی کر لوں گا۔ مزید براں منجملہ دیگر اشیاء کے حکیم صاحب کے مکان سے ایک چھوٹی سی صندوقچی بھی چوری کی گئی ہے جس میں ہماری مہر شاہی تھی۔ ۷ اگست ۱۸۵۷ء سے بغیر مہر کے کوئی کاغذ کارآمد نہیں ہو سکتا۔

فرمان نمبر ۲۹۔ (حکم شاہی بغیر دستخط یا مہر کے (دفتر میں رکھنے کی نقل)) مورخہ ۱۱ اگست ۱۸۵۷ء۔ بنام وفادار دوامی محمد اکبر علی خاں حاکم پٹنہ۔ خود کو مورد عنایات مابدولت و اقبال سمجھو اور معلوم کرو کہ درگا پرشاد رجسٹرار اراضی حق ملکیت ضلع پٹنہ کے بیان سے محمد خاں رسالدار کی ناجائز کارروائیوں کا جو تمہارے خلاف کی گئی ہیں اور تمہاری حدود میں تاخت و تاراج کا واقع ہونا اور قرب و جوار کے دیہاتی کسانوں کا تمہارے مال و اسباب کا لوٹ لینا' مابدولت کو معلوم ہوا ہے۔ یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ سواروں اور رسالدار کا قتل و غارت کرنا ان کی اپنی بدمعاشی ہے۔ ایں جانب کے خادم تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنی جائے سکونت قدیمی میں پلٹ جاؤ اور ہمارے احکام شاہی پر بدستور عمل پیرا ہو جن پر کاربند رہنے سے تمہیں فوائد و منافع بے شمار حاصل ہوں گے۔ ہماری عنایتوں پر بھروسہ رکھو۔

پشت پر لوٹ: "نقل لے لی گئی۔"

عرضی ۲۵۔ تاریخ نہیں ہے۔ دفتر کی تاریخ ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مودبانہ التماس ہے کہ حضور عالی نے حکم دیا تھا کہ پل کی مرمت کے لئے دو سو روپیہ صرف کیا جائے۔ چنانچہ روزانہ مزدوروں کو شام کے وقت اجرت دے دی جاتی ہے اور چونکہ کسی کو ٹھیکہ نہیں دیا گیا ہے لہٰذا دو سو روپے کے خرچ کی ضرورت نہیں' البتہ اسی صورت میں وہ بھی خرچ کر دیئے جائیں گے۔ واجب تھا عرض کیا۔ (ترقی اقبال و سلطنت کی دعائیں)

عرضی غلام مرزا ظہور الدین۔ تاریخ نہیں ہے

حکم شاہی

مرزا مغل۔ ضروری انتظامات کیے جائیں۔"

پیشانی پر نوٹ: ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء کو موصول ہوا۔
"فائل کر دیا جائے۔"

فرمان نمبر ۳۰۔ (مراسلہ شاہی جس پر مہر شاہی ثبت ہے) مورخہ ۱۲ اگست ۱۸۵۷ء۔ بنام مرزا صفی سلطان حیدر مرزا۔ صفی طہماسپ مرزا ضیاء الدین بخت و مرزا خورشید قدر ولد مرزا عالی شان قدر۔ معلوم ہوا کہ تمام مصیبتوں و تباہیوں اور سختیوں کا جو تمہیں صوبہ اودھ میں جھیلنی پڑیں، ہمیں حال معلوم ہوا۔ حیرت انگیز انقلاب واقع ہو رہے ہیں۔ خدا کی مرضی یونہی ہے۔ ان تمام واقعات کو سن کر ہمیں بے حد صدمہ پہنچا۔ قادر ذوالجلال نے اپنی مرضی پوری کی ہے۔ اس نے جو کیا اچھا کیا اور جو بعد میں ہوگا اچھا ہوگا۔ ہر حالت میں شاکر و صابر رہو۔ ایک دوسرے سے بغض و عناد نہ رکھو۔ اور لکھنؤ کے محلّہ موسومہ امین آباد میں توقف کرو اور موجودہ خطرات سے بچ کر اپنے دن کاٹو۔ اللھم ارحم موجودہ نازک حالت اور بے چینی بتائید یزدانی فی الفور ختم ہو جائے گی۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

عرضی نمبر ۲۶۔ تاریخ نہیں ہے۔ از پیر بخش بیگ کسیرا بحضور بادشاہ جہاں پناہ انہایت ادب سے التجا ہے کہ حضور کے غلام نے ایک دکان برتنوں کی محل کے پاس ہی کر رکھی ہے جہاں مطبخ شاہی کے برتن بھی درست ہونے کے لئے آتے تھے۔ پیادہ سپاہیوں نے اسے برباد کر کے خود قبضہ کر لیا اور اب تک ان کے قبضے میں ہے جسے وہ خالی نہیں کرتے۔ پس حضور کا غلام اعلیٰ حضرت کی عنایتوں کا امیدوار ہے کہ حضور غور فرما کر مرزا مغل کے نام ایک حکم جاری فرمائیں کہ وہ حضور کے غلام کے ہمراہ چل کر دکان خالی کرا دیں تاکہ تابعدار سابق دستور برتنوں کی مرمت شروع کر دے۔ واجب سمجھ کر عرض کیا۔ (ترقی اقبال و سلطنت کی دعائیں)

فدوی پیر بخش بیگ کسیرا خادم سلطنت
حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا

مرزا مغل۔ اس درخواست کے بموجب معاملے کو درست کرا دو۔

عرضی نمبر ۲۷۔ تاریخ نہیں ہے۔ از مرزا مغل بحضور بادشاہ جہاں پناہ! گذارش ہے کہ ایک انگریزی داں سے ان کاغذات کا جو خوبرو سائیس کے پاس پائے گئے، ترجمہ کرایا گیا۔ کاغذات مذکورہ سپاہیوں نے پیش کیے ہیں اور وہ اعلیٰ خدمات کے اسناد ہیں جو سائیس کو انگریزوں نے دیے ہیں۔ وہ سرٹیفکیٹ عمدہ چال چلن کے ہیرہٹ کے دیے ہوئے ہیں (باقی نام جو درخواست میں لکھے ہیں پڑھے نہیں جاتے) تاریخ ۱۸۵۳ء ہے۔ ایک سرٹیفکیٹ لفٹنٹ (نام پڑھا نہیں جاتا) نے عمدہ خدمات کے صلے میں اس خوبرو سائیس کو دیا ہے، تاریخ ۱۸۵۶ء۔

عرضی نمبر ۲۸۔ تاریخ نہیں ہے۔ از دکانداران بھتہ۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! نیازمندانہ التماس کہ سپاہیوں کی ایک جماعت نے ہماری دکانوں کے سامنے سکونت اختیار کی ہے اور اس وجہ سے فدویان دکانیں کھول نہیں سکتے۔ التجا ہے کہ از روئے انصاف منتظمین سلطنت کے نام احکام جاری فرمائے جائیں کہ سپاہیوں کو موجودہ جگہ سے ہٹا دیں یا دکانوں کا اسباب ملازمان اعلیٰ حضرت کے روبرو ہمیں دے دیا جائے۔ (ترقی اقبال و سلطنت کی دعائیں)

عرضی غلامان دکانداران بھتہ

مرزا مغل۔ دکانداروں کو ان کی دکانیں دلا دی جائیں۔

عرضی نمبر ۲۹۔ بلا تاریخ۔ از احمد خاں و محمد خاں بحضور بادشاہ۔ غریب پرور مؤدبانہ گذارش ہے کہ فدویوں نے ایک مکان مشتمل بر کشادہ دالان و ایک کمرہ بیرون قلعہ تعمیر کیا ہے جو ملحقہ تالاب کے پاس سرکاری زمین پر واقع ہے اور جس کا محصول ہم دس یا بارہ سال سے حضور عالی کو دیتے رہتے ہیں۔ کل سے رجمنٹ کے سپاہیوں نے حیات بخش باغ کو چھوڑ کر اور قلعہ سے نکل کر جبراً غلاموں کے مکان مذکورہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم حضور کے نمک خوار قدیم ہیں اور حضور کے مراحم خسروانہ سے امیدوار ہیں کہ ہمارا مکان جس پر ناجائز طور سے قبضہ کیا گیا ہے' ہمیں واپس دلا دیا جائے۔ (ترقی دولت و اقبال کی دعائیں)

درخواست کمترین احمد خاں و محمد خاں نقیب شاہی

بادشاہ کا دستی حکم پنسل کا لکھا ہوا

مرزا مغل' حکم جاری کیا جائے کہ سپاہی شہر سے باہر قیام کریں۔ اگر انہیں خیموں یا شامیانوں کی ضرورت ہو تو دے دیے جائیں۔ انہیں چاہئے کہ رعایائے قدیم کو نہ ستائیں۔ سرکاری خیموں اور شامیانوں میں سے جتنے ضروری ہوں' دے دو۔

بادشاہ کے حکم کی نقل پشت پر سیاہی سے لکھ دی ہے۔

پشت پر نوٹ حکم تحریری جاری کیا گیا۔

عرضی نمبر ۳۰۔ تاریخ نہیں ہے۔ از بھوتیا زمیندار فرید آباد بحضور جہاں پناہ بادشاہ سلامت! مؤدبانہ التماس ہے کہ فدوی فرید آباد کا زمیندار ہے اور قوم کا سنار ہے۔ جو کچھ گذارش کرنا ہے یہ ہے کہ پلول کی مالگذاری دفتر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس ہزار روپیہ تا حال موجود ہیں۔ جنہیں راجہ بلب گڑھ کے چند ملازمان لینے گئے تھے' مگر زمینداروں نے انہیں روپیہ نہ لے جانے دیا۔ لہٰذا فدوی ملتمس ہے کہ ایک سوار اور پچاس پیادے اس کے ہمراہ روانہ کر دیے جائیں تا کہ وہ جا کر خزانہ مذکورہ لے آئے اور لا کر خزانہ شاہی میں داخل کر دے۔ واجب تھا عرض کیا۔ عرضی پڑھ کر احکام عطا کئے جائیں۔

عرضی بھوتیا زمیندار فرید آباد

بادشاہ کا حکم پنسل سے لکھا ہوا

مرزا مغل افسران فوج سے مشورہ کر کے فی الفور خزانہ لانے کی تدبیر اختیار کرو۔

عرضی نمبر ۳۱۔ تاریخ نہیں ہے۔ از نبی بخش بحضور ظل سبحانی غریب پرور سلامت! مؤدبانہ التماس ہے کہ حضور پر واضح ہے کہ انصاف خلاق عالم کا پسندیدہ ہے اور ظالمانہ کارروائیاں ممنوع' لہٰذا التجا ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت افسران فوج کو اجازت دے دیں گے جو حضور سے قیدی عورتوں' مردوں اور بچوں کے قتل کا مطالبہ کرتے ہیں اور جن کے سروں پر عرض معروض سن کر اعلیٰ حضرت نے اپنا دست شفقت رکھا تھا تو حضور قوانین مذہب سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ افسران مذکورہ کو پہلے مفتیان شرع متین سے فتویٰ حاصل کرنا چاہئے اور اگر یہ قتل کرنے کی اجازت دیں تو وہ لوگ ان قیدیوں کو قتل کر سکتے ہیں' مگر اعلیٰ حضرت شرع نبویؐ کے خلاف کوئی حکم نہ دیں اور اگر وہ لوگ اسے منظور نہ کریں تو سب سے پہلے شاہی خاندان پر ان کو اپنا

غصہ اتارنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ علی حضرت کے فرمان کے بموجب مذکورہ بالا التماس کے پیرائے میں افسران فوج کے نام جاری کر دیئے جائیں گے۔ واجب سمجھ کر حضور کی جناب میں عرض کیا (ترقی سلطنت کی دعائیں)

عریضہ تابعدار نبی بخش کارندہ اعلیٰ حضرت عرش آرامگاہ۔ تاریخ نہیں ہے۔

(نبی بخش خاں صاحب کی اس درخواست سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مسلمان اپنے مذہب اسلام کی رو سے عورتوں اور بچوں کے قتل سے کس قدر ناراض تھے کہ بلا خوف و خطر بادشاہ کو اس قسم کی عرضیاں دیتے تھے' مگر فوج کی خودسری کے سامنے کچھ نہ ہوسکا۔ انگریزوں کے قابو سے تو فوج نکل گئی۔ بچارے کم طاقت بہادر شاہ کیا کر سکتے تھے۔ سرکاری وکیل مقدمہ بہادر شاہ کے الزامات کی تردید اس خط سے بخوبی ہوسکتی ہے۔ ان نبی بخش خاں صاحب کی مسجد دریبہ کلاں میں گلاب گندی کی دکان کے برابر موجود ہے اور اس عرضی کے صلے میں انگریزوں نے ان کو گرفتار کر کے رہائی دی تھی اور انعام بھی ملا تھا۔ اب ان کے ایک پوتے چیف کمشنر دہلی کے دفتر میں کلرک ہیں۔۔حسن نظامی)

حکم مع مہر شاہی جو پہلی مہر سے مختلف ہے

ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ محی الملۃ والدین

بنام خادمان خاص مورد الطاف عنایت مشیر بارگاہ شاہی وقار الملک محمد عبدالرحمٰن خاں بہادر صفدر جنگ! (والیٔ ریاست جھجر) نوازشہائے خود بدولت برسد۔ اور جانو کہ متعدد ناخوشگوار واقعات گزرنے سے اور زیادہ عمر و کمزوریٔ جسم کی وجہ سے ہم کاروبار سلطنت و ملک میں اب دخل نہیں دے سکتے۔ ہماری خواہش باقی نہیں رہی ہے سوائے اس کے ایسے کام کریں جو خدا اور مخلوق کی خوشنودی کا باعث ہوں اور بقیہ عمر یاد الٰہی میں گذار دیں۔ پس موجودہ رنج و مصائب کی وجہ سے ہمارا مصمم ارادہ ہوگیا ہے کہ فقیرانہ لباس پہن کر مع تمام خاندان تیموریہ کے ہجرت کر جائیں۔ پہلے خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف پر حاضر ہوں اور وہاں تمام ضروری انتظام سفر کر کے مقامات متبرکہ مکہ و مدینہ زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً روانہ ہو جائیں' کیونکہ اس دنیائے فانی کا کوئی اعتبار نہیں۔ تم غلام خاص ہو اس لئے لکھا جاتا ہے کہ فوراً ہماری جناب میں حاضر ہو اور مع اپنے ہمراہیوں اور رفیقوں کے جن پر تمہیں اعتماد کلی ہو جس طرح ممکن ہو ہم تک پہنچو۔ تمام اسباب شاہی کو یہاں لاؤ اور پھر اگر چاہو تو ہمارے ساتھ مقامات متبرکہ کو۔ مزید براں ایسی وزنی اشیاء جنہیں شہزادے یہاں تک نہ لاسکیں' اپنی جائے سکونت ہی میں چھوڑ دی جائیں اور ان کی حفاظت کے لئے تم اپنے کچھ خدمتگار متعین کر دو اور ہماری ذات کی حفاظت کے لئے سپاہیوں کی کافی تعداد مقرر کی جائے۔ تاوقتیکہ ہم بیت اللہ روانہ ہو جائیں۔ انصرام ضروری کے بعد تم اپنی جاگیر پر چلے جانا۔ ایسا کرنے سے تم ہماری خوشنودی حاصل کرو گے اور تمام عالم میں تمہاری شہرت ہو جائے گی۔ چونکہ تم ہمارے خاص خیر خواہوں میں سے ہو اور ایسے وقت میں جبکہ تمام ملاقاتیوں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا' تم نے دیرینہ تعلقات کو پیش نظر رکھ کر وہ خدمات انجام دیں جو کوئی نہیں دے سکتا۔ لہٰذا جتنی عجلت اس معاملے میں ہو سکے بہت مناسب و ضروری ہے۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔ یہاں پر سواری وغیرہ کا انتظام نہیں ہے۔ چار پانچ سو گاڑیاں اور پانچ چھ سو اونٹ ضرور امداد لاؤ۔

تاریخ نہیں ہے۔

(یہ انہی نواب جھجر کے نام خط ہے جن کو غدر میں پھانسی دی گئی۔ اس خط سے بھی بہادر شاہ کی نیت معلوم ہو سکتی ہے کہ وہ

بادشاہی کے خواستگار نہیں تھے اور فوج نے مجبور کر کے ان کو بادشاہ بنالیا تھا۔۔حسن نظامی)

فرمان نمبر ۳۱۔(حکم شاہی جس پر مہر ثبت ہے) تاریخ نہیں ہے۔بنام خادم خاص مورد الطاف و کرم راجہ نہر سنگھ بہادر (والی ریاست بلب گڑھ)۔ہم نے سنا ہے کہ تم نے ایک تھانیدار اپنی طرف سے بعد اپور میں مامور کیا ہے اور مسمیٰ نظیر الدین خاں سلطنت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے جو فی الحال عرب سرائے میں موجود ہے۔پس چونکہ تم ما بدولت کے تابعدار ہو اپنے مقرر کردہ شخص کو برطرف کر دو۔

عرضی نمبر ۳۲۔تاریخ نہیں ہے۔بحضور بادشاہ جہاں پناہ! معدلت گستر! (وغیرہم) نہایت ادب سے عرض ہے کہ چونکہ دہلی کی سڑک پُر امن نہیں تھی۔تابعدار نے بموجب اعلیٰ حضرت کے فرمان کے رات اور دن کی کوشش سے کافی بندوبست کر لیا ہے۔

تب بھی موضع پالی کے جرائم پیشہ باشندے جو سرحد بلب گڑھ سے متصل ہے جو بزمانہ فوجداری (نوٹ راجہ بھرت پور کو جن کی ریاست مسلمان سلطنت کے ماتحت تھی چند اختیارات عطا کئے گئے تھے جن کا نام فوجداری تھا۔چنانچہ اب تک بھرت پور اور قرب وجوار کے جاٹ اپنے آپ کو فوجدار کہتے ہیں۔حسن نظامی) اسی ریاست میں شامل تھا' قانون شکنی کرتے ہیں اور ایسے قتل و غارت پر کمر باندھی کہ مخلوق بالکل عاجز آ گئی ہے۔تابعدار آہستہ آہستہ انہیں راہ پر لا رہا ہے' لیکن اعلیٰ حضرت کی مدد کے بغیر پوری طور سے کامیاب نہیں ہو سکتا۔اگر حضور سے اجازت مل جائے تو ایسے انتظامات عمل میں لائے جائیں گے کہ موضع مذکور کے باغی اور نافرمان سر نہ اٹھا سکیں گے اور بلب گڑھ سے دہلی تک راستہ بالکل محفوظ ہو جائے گا۔دیگر عرض یہ ہے کہ میں نے چند لوگوں سے سنا ہے کہ کسی نے حضور سے چغلی کھائی ہے کہ راجہ بلب گڑھ نے دو انگریزوں کو مع ان کی عورتوں اور بچوں کے چھپا رکھا ہے۔خدا شاہد ہے کہ یہ خبر محض غلط اور بے بنیاد ہے۔حضور کی مرضی اور احکام کے بغیر تابعدار ایسا کرنے کی کیونکر جرأت کر سکتا ہے؟ ایک ہندوستانی البتہ بارہ سال سے میرے پاس ملازم تھا جو درمیان میں عیسائی ہو گیا تھا۔اسے بھی حضور کی خفگی کے خوف سے برطرف کر دیا گیا' مگر اب اس شخص نے عیسویت ترک کر کے مذہب اسلام قبول کر لیا ہے اور اب وہ رحم و معافی کا سزاوار ہے۔اگر حضور اجازت دیں تو میں پھر اسے اپنے پاس بلا لوں (ترقی اقبال و سلطنت کی دعائیں)

عریضہ تابعدار قدیمی نہر سنگھ۔راجہ بلب گڑھ (مہر) راجہ نہر سنگھ بہادر

عرضی نمبر ۳۳۔تاریخ نہیں ہے۔از نہر سنگھ راجہ بلب گڑھ۔بحضور بادشاہ خداوند بنی آدم ظل سبحانی (وغیرہ)!

مؤدبانہ التماس ہے کہ حضور عالی کا حکم بابت میرے حاضر دربار ہونے اور شہر دہلی کی پولیس کا انتظام ہاتھ میں لینے کے موصول ہوا جس کے ساتھ ہی دوسرا حکم حفاظت سڑک پر خادم کو توجہ دلانے اور مسافروں کی سلامتی کے طریقے اختیار کرنے اور رسد وغیرہ کی بابت ملا۔میں یہ سچ عرض کرتا ہوں کہ ان احکام نے صادر ہو کر مجھے بے حد معزز فرمایا' جس کے لئے میں خدا کی جناب میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔میری آدھی رات کی دعائیں خدا قبول کرے اور اعلیٰ حضرت کو ہمیشہ باشوکت و شان برقرار رکھے۔

شاہنشاہا! اگرچہ حضور کے اقبال و دبدبے سے غلام کے علاقے میں امن و امان ہو گیا ہے' جس کے لئے میں

شب و روز بندوبست اور امن قائم رکھنے کی کوشش میں سرگرم رہتا تھا۔ تاہم موضع پالی اور پلول میں جو تابعدار کے علاقے سے ملے ہوئے ہیں' چند بدمعاش ایسے پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے قتل و غارت شروع کر دیا ہے اور ایسی ایسی ڈکیتیاں' چوری اور پٹواریوں اور مالگذاری دفتر کے افسروں کی مشورت سے ایک حد تک بندوبست کر لیا ہے اور افسران مذکورہ کو سوار اور پیدل برائے امداد دیے ہیں' لیکن بدون حضور کے فرمان کے تابعدار کچھ اور کرنا نہیں چاہتا۔ بلب گڑھ سے دہلی تک کی سڑک کو پُر امن بنانے کے لئے میں نے سپاہی بھرتی کیے ہیں اور شب و روز انتظام سلطنت اور خبر گیری خلائق میں لگا رہتا ہوں۔ میں حضور کا دیرینہ خادم ہوں اور جیسا حکم دیا جائے گا انشاء اللہ تعمیل کروں گا! نیز عنقریب حضور کی روبکاری میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کروں گا' مگر اس وقت جبکہ ریاست میں پختہ طور پر امن وامان قائم ہو جائے گا کیونکہ موجودہ حالت نہایت پُر آشوب ہے اور اعلیٰ حضرت کی عتاب شاہی کا بھی خوف ہے۔ واجب تھا عرض کیا (ترقی سلطنت کی دعائیں)

عریضہ خانہ زاد غلام نہر سنگھ راجہ بلب گڑھ

مہر کا نشان "راجہ نہر سنگھ بہادر"

عرضی نمبر ۳۴۔ تاریخ نہیں ہے۔ از احمد علی کارندہ راجہ بلب گڑھ۔ عالی جناب حضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ التماس ہے کہ جناب راجہ صاحب دہلی میں بموجب حکم حضور حاضر خدمت ہیں اور انہوں نے اپنے کپڑے منگوائے ہیں لہٰذا عرض ہے کہ پروانہ راہداری عطا فرمایا جائے تاکہ گاڑیاں بلب گڑھ سے روانہ ہو جائیں اور انہیں کوئی روک نہ سکے اور اشیاء مذکورہ روانہ کر دینے کے بعد کوئی سپاہی دروازے پر اندر جانے سے نہ روکے (ترقی اقبال کی دعائیں)

عریضہ کمترین احمد علی کارندہ راجہ بلب گڑھ

مہر کا نشان "احمد علی"

مرزا مغل: پروانہ راہداری بنا کر دے دیا جائے۔

عرضی نمبر ۳۵۔ مورخہ ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء۔ از راجہ بلب گڑھ۔ عالی جناب۔ حضور بادشاہ جہاں پناہ! نہایت عاجزی اور ادب سے درخواست ہے کہ اس سے پہلے بھی میں نے کئی درخواستیں بھیجیں مگر کسی کے جواب سے بھی مجھے سرفراز نہیں فرمایا۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ موضع پالی وغیرہ کے سرکشوں نے بہت اودھم مچا رکھا ہے اور رعیت کو بہت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اگرچہ مذکورہ موضع کو میں آہستہ آہستہ راہ پر لے آیا ہوں' لیکن حضور کے احکام بغیر پوری سرکوبی نہیں کر سکتا اور کسی معاملے میں دخل نہیں دے سکتا۔ میں شب و روز سوار اور پیادوں کے بڑھانے کی فکر میں ہوں۔ اس ضلع کے نافرمانوں کو ٹھیک کر دوں گا اور پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ میں نے قلندر خاں رسالدار کو مع کچھ پیدل اور سواروں کے حضور کی خدمت میں حسب الحکم اعلیٰ حضرت روانہ کیا ہے۔ جیسا انہیں حکم ہو گا تعمیل کریں گے۔

درخواست نمک خوار غلام نر سنگھ راجہ بلب گڑھ۔ مہر پر راجہ نہر سنگھ بہادر ثبت ہے۔

عرضی نمبر ۳۶۔ مورخہ ۲۱ مئی ۱۸۵۷ء۔ از راجہ بلب گڑھ بعالی خدمت حضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ گذارش ہے کہ بموجب حکم شاہراہ دہلی کا اور پولیس اسٹیشن (تھانہ) بعد اپور کا انتظام جو خاکسار کے سپرد کیا گیا ہے' ہو رہا ہے۔ اگر حضور نے کسی اور تھانے دار کو ممتاز فرمایا ہے تو میں اعلیٰ حضرت کے حکم کے بموجب تمام افسران تھانہ مذکورہ کو برطرف کر دوں گا

اور حضور کے مامور کردہ شخص کو تنخواہ دیا کروں گا۔ قلندر بخش خاں رسالدار کو پیادوں اور سواروں کے ہمراہ حضور کی خدمت میں روانہ کیا تھا' مگر جب یہ لوگ حسب الحکم دہلی دروازے پر پہنچے تو محافظوں نے انہیں شہر میں نہ گھسنے دیا اور کہا کہ پہلے ہتھیار رکھ دو پھر جاؤ۔ حضور کو معلوم ہے کہ صرف ہتھیار ہی سپاہی کی زیب و زینت اور اس کا زیور ہیں۔ ان کے بغیر ایک لمحہ بھی اس کے لئے بیکار ہے' اس لئے وہ لوگ واپس چلے آئے اور چند روز کے لئے پرانے قلعے میں ٹھہر گئے ہیں۔ لہٰذا ایک حکم عطا فرمایا جائے کہ وہ لوگ کھلے بندوں شہر میں داخل ہو سکیں اور خلوص دل سے غلام ہو کر اپنی جانیں حضور پر سے قربان کریں۔ میں جو حضور کا دیرینہ خادم ہوں' سوچا کرتا ہوں کہ حضور کے احکام بجالانا عین سعادتمندی ہے۔ محرر تھانہ بھداپور سے یہ معلوم ہوا تھا اور بغرض اطلاع حضور کو عرض کر دیا گیا (ترقی سلطنت و اقبال کی دعائیں)

درخواست خادم دیرینہ نہر سنگھ بہادر والی بلب گڑھ

مہر کا نشان "راجہ نہر سنگھ بہادر"

عرضی نمبر ۳۷۔ مورخہ ۲۲ مئی ۱۸۵۷ء از راجہ بلب گڑھ بحضور بادشاہ جہاں پناہ' مودبانہ گذارش ہے کہ اعلیٰ حضرت کے احکام نے غلام کو اعزاز بخشا۔ بلب گڑھ سے بھداپور اور وہاں سے دہلی دروازے تک کی شاہراہ کا بندوبست' موضع پالی' پلول' فتح پور وغیرہ کا انتظام بفضل خدا اور حضور کے اقبال سے بخوبی کر دیا گیا ہے اور پولیس و مالگذاری آمدنی کے افسران جابجا مامور کر دیئے گئے ہیں۔ فدوی کی کوشش اور سرگرمی کی بہت دھوم ہے اور عنقریب حضور کے بھی گوش گذار ہوگی۔ جہاں پناہ! چند بے فکرے اس ریاست کے دشمن اور گردن زدنی جنہوں نے حتی المقدور اس ریاست کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی اور اب دہلی شہر کے محافظ پیادوں اور سواروں کو میرے ملازموں کے برخلاف بھڑکاتے ہیں۔ وہ لوگ میری تعریف سن کر خوش نہ ہوتے ہوں گے۔ پس امیدوار ہوں کہ پھاٹک کے سپاہیوں کو ہدایت کر دی جائے گی کہ بلب گڑھ ریاست کے ملازموں سے چھیڑ چھاڑ نہ کیا کریں' کیونکہ اس سے نظم و نسق میں فرق آنے کا اندیشہ ہے' جس کے لئے حضور احکام جاری فرما چکے ہیں۔ آگے حضور مالک ہیں اور بندہ تابعدار ہے۔ حضور کے احکام کی بجا آوری میں ہمیشہ خدشہ رہتا ہے کہ کچھ کوتاہی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ پیادوں اور سواروں کی بھرتی بدستور جاری ہے اور چند روز بعد پولیس اور دیگر صیغوں کے لیے انہیں روانہ کر دوں گا۔ تابعدار دل و جان سے خیر خواہ سرکار ہے (ترقی سلطنت و اقبال کی دعائیں)

درخواست خادم دیرینہ نہر سنگھ بہادر والی بلب گڑھ

مہر کا نشان "راجہ نہر سنگھ بہادر"

عرضی نمبر ۳۸۔ مورخہ ۲۴ مئی ۱۸۵۷ء۔ از راجہ بلب گڑھ بحضور بادشاہ جہاں پناہ' نیاز مند عرض پرداز ہے کہ حضور کا نوازش نامہ پانے کی عزت حاصل ہوئی۔ پھاٹک کے محافظوں کے نام ریاست بلب گڑھ کے ملازموں کو تنگ کرنے کے احکام جاری کرنے اور پیادوں و سواروں کو شاہی قلعے کے پاس چھاؤنی کرانے اور نہایت الطاف و عنایات سے بندہ کو دربار شاہی میں حاضر ہونے کی ہدایت فرمانے کا احوال اس میں مندرج تھا۔ مجھے جو اعزاز بخشا گیا ہے' اس کے لئے میں بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہوں۔ خدا ہمیشہ بادشاہ کو سلامت رکھے۔ جہاں پناہ! حضور کا غلام فرمان شاہی کو بجالانا موجب فخر جانتا ہے' لیکن بندوبست کی ضرورت کے لحاظ سے اور موضع پالی وغیرہ کے بدمعاشوں کو نیچا دکھانے میں مصروف رہنے کی وجہ سے

حاضر دربار ہونے سے معذور ہے۔ ان کا بندوبست کر کے بہت خوشی سے حاضر ہوں گا۔

عالیجاہا! آج اتوار ہے اور موافق معمول آج بھی میں ہوا کھانے دلکشا باغ میں گیا تھا۔ جب میں وہاں تھا تو مجھے ہلال عید نظر آیا اور یہاں کے تمام باشندوں نے بھی اسے دیکھا۔ چونکہ بندہ حضور کا خانہ زاد غلام ہے' لہٰذا مبارک باد دیتا ہے اور تہ دل سے چاہتا ہے کہ خوشخبری اور وعدوں سے بھرا ہوا دن یعنی روز عید جو خوشیاں منانے کا دن ہے' حضور کی خوش اقبالی کا قاصد ہو۔ (بقائے سلطنت کی دعائیں)

درخواست کمترین بندہ نہر سنگھ راجہ بلب گڑھ

مہر "راجہ نہر سنگھ بہادر"

عرضی نمبر ۳۹۔ مورخہ ۲۵ مئی ۱۸۵۷ء۔ از راجہ بلب گڑھ بعالی خدمت حضور بادشاہ جہاں! مؤدبانہ التماس ہے کہ کل ایک درخواست ارسال کر چکا ہوں جس میں ریاست کے معاملات مرقوم ہیں اور حضور کے علم میں آ گئے ہوں گے۔ خدا کے فضل وکرم سے حضور کے اقبال سے دہلی دروازے تک اور اس ضلع کے گردونواح کے دیہات میں پورا پورا انتظام ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں نیچے درجے کا ایک تھانیدار اور دس سپاہی ہنومان تھانے میں اور ایک تھانیدار اور پچیس سپاہی مہرولی میں تعین کرنے نہایت ضروری ہیں۔ پھر حضور کے دبدبہ شاہی سے تمام ضلع میں کامل انتظام ہو جائے گا۔ اگر حضور کی مرضی ہو اور احکام جاری فرما دیئے جائیں تو دونوں جگہ کا سامان مکمل ہو جائے گا۔ (ترقی دولت وسلطنت کی دعائیں)

درخواست خانہ زاد نہر سنگھ راجہ بلب گڑھ

مہر "راجہ نہر سنگھ بہادر"

عرضی نمبر ۴۰۔ مورخہ ۲۷ مئی ۱۸۵۷ء۔ از راجہ بلب گڑھ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ عرض ہے کہ حضور کے احکام بابت قتل وغارت کے انسداد کرنے اور بیس سواروں کو تھانہ پولیس مکندا' اور شہدری میں انتظام اور امن قائم کرنے کے لیے متعین کرنے کے صادر ہوئے اور اعزاز بخشا۔ اس عزت افزائی کو محسوس کر کے سجدہ شکر بجالایا۔ میں بہت جلد سواروں کی روانگی کا بندوبست کر دوں گا۔ انسداد جرائم کی تدبیروں میں مصروف ہوں۔ لیکن اب گوجروں' میواتیوں اور دیگر اقوام نے بہت بری طرح سر اٹھایا ہے اور روزمرہ فرید آباد اور خاص بلب گڑھ پر اچانک حملوں کی تیاریاں کرتے رہتے ہیں۔

لیکن اگر حضور کا اقبال اور فضل خداوندی شامل حال رہا تو بہت جلد نہایت عمدہ انتظامات کر لوں گا اور پھر حاضر خدمت ہوں گا' کیونکہ یہ میری عین تمنا ہے۔ (ترقی اقبال کی دعائیں)

درخواست خانہ زاد نہر سنگھ والی بلب گڑھ

مہر "راجہ نہر سنگھ"

عرضی نمبر ۴۱۔ مورخہ ۳۰ مئی ۱۸۵۷ء۔ از راجہ بلب گڑھ عالی جناب حضور بادشاہ جہاں پناہ! چند روز سے حضور کی خیریت نہیں معلوم ہوئی' جس سے مجھے بے حد فکر رہتا ہے۔ خدا حضور کو اچھا رکھے اور اقبال میں ترقی دے۔ جہاں پناہ کے فرمان سے مجھے بھدرا پور میں گاڑی کے لٹنے کا حال معلوم ہوا۔ میں نے بموجب حکم اعلیٰ حضرت تھانے دار بھدرا پور کو سخت تاکید لکھی ہے کہ تحقیقات کر کے مال اور مدعا علیہ کو بہم پہنچائے۔ خدا چاہے تو معاملہ بالکل تحقیق کر لیا جائے گا۔ ابھی میں

سوار حضور کی خدمت میں روانہ کیے ہیں۔ ان سے کام لیجئے۔ اطلاعاً عرض ہے (ترقی سلطنت کی دعائیں)

عریضہ غلام خانہ زاد نہر سنگھ والی بلب گڑھ مہر راجہ نہر سنگھ بہادر

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا

مضمون پڑھ لیا گیا۔ یہ شخص ما بدولت کا خیر خواہ ہے۔

عرضی نمبر ۴۲۔ مورخہ ۲۸ مئی ۱۸۵۷ء۔ از راجہ بلب گڑھ بجالی خدمت حضور بادشاہ جہاں پناہ' باادب ملتجی ہوں کہ کل حضور کے مراسلے کا جواب ارسال کر چکا ہوں۔ آج خدا کے فضل اور حضور کے دبدبہ شاہی سے تمام ضلع میں امن و امان قائم ہو گیا ہے اور انتظامات پختہ کر دیے گئے ہیں۔ پانچ طلائی مہریں ارسال ہیں۔ خانہ زاد غلام کا خیال کرتے ہوئے بنظر شفقت یہ تحفۂ عید الفطر قبول فرمایا جائے (ترقی اقبال و سلطنت کی دعائیں)

درخواست کمترین نہر سنگھ۔ مہر کا نشان "راجہ نہر سنگھ بہادر"

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہے (پڑھا نہیں جاتا)

عرضی نمبر ۴۳۔ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از راجہ بلب گڑھ بحالی خدمت بادشاہ جہاں پناہ' مؤدبانہ التماس ہے کہ حضور پر بخوبی روشن ہے کہ افسران سابق کو میں نے پورا پورا اختیار دے دیا تھا۔ ان لوگوں نے خیانت کی اور ایک لاکھ روپے کی مالیت ہضم کر گئے۔ جب ان کی بدذاتی کا بھید آشکارا ہوا اور میں نے بھی حساب طلب کیا اور جو کمی واقع ہوئی اسے ان کے گھروں سے بھرنے کی دھمکی دی تو یکے بعد دیگرے کچھ نہ کچھ غدر کر کے دہلی چلے گئے۔ اس کا ان کو اتنا خوف ہے کہ میری ریاست سے جو حضور کو تعلق ہے' اس میں ریشہ دوانیاں شروع کر دی ہیں اور چونکہ حضور خادم پر بہت مہربان ہیں اس لئے اس کی طرف سے حضور کو بدظن کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ انہوں نے حضور کو یقین دلایا ہے کہ میں ظاہراً تو سلطنت کا خادم ہوں مگر باطن میں انگریزوں سے مل گیا ہوں اور فاسد ارادوں سے ذخائر حرب جمع کر رہا ہوں اور یہ کہ میں نے مسافروں کو اور مال وغیرہ کو شاہراہ پر لے جانے سے روک دیا ہے۔ اب حضور کا رحم و لطف بالکل خفگی اور ناراضگی سے مبدل ہو گیا ہے' چنانچہ احمد علی غلام کے ایجنٹ جب حضور کے دربار میں حاضر ہوئے' تو حضور سرد مہری سے پیش آئے جسے دیکھ کر وہ واپس چلے آئے۔ پھر اسی وقت قلندر خاں رسالدار کو جو اعلیٰ حضرت ہی کے حکم سے وہاں گیا تھا' برطرفی کا حکم مل گیا۔ عالیجاہا! میرے اغیار نے جو کچھ چغلی کھائی ہے' سراسر بہتان ہے اور ان کا افترا آخر میں عیاں ہو جائے گا۔ وہ حضور کی محبت و خیر خواہی کا ایسا دم بھرتے ہیں کہ گویا بڑے راست باز ہیں حالانکہ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ انہیں حضور کے افسران کے جواب طلب کرنے سے امن مل جائے اور جو بیش قرار رقم اس ریاست کی اپنی حرام زدگی سے جمع کی ہے' اس سے اپنے گھروں میں بیٹھے مزے اڑایا کریں۔ میرے آباؤ اجداد ہمیشہ سے اسی سلطنت کے وفادار غلام رہے ہیں اور اس کے خلاف کبھی سازش نہیں کی' نہ حصہ لیا۔ ایمانداری اور وفا شعاری میں میں وہ چاندی ہوں جسے اچھی طرح دیکھ پرکھ لیا گیا ہو اگر آپ ایک سو بار بھی جانچیں' پھر بھی کھوٹا نہ اتروں گا۔ میرے دشمن جو چاہیں کہیں۔ میں آپ کا قدیمی غلام ہمیشہ اور ہر حالت میں وفاداری برتوں گا۔

میری آنکھیں سوا تمہارے غیر کا چہرہ نہ دیکھیں گی
میرا آئینہ کسی اجنبی کا عکس قبول نہ کرے گا

علاوہ ازیں تابعدار اگرچہ ہندو مذہب رکھتا ہے' لیکن ان لوگوں کے عادات و خصائل دیکھے ہیں جو خدا کو بزرگ و برتر مانتے ہیں۔ میں پیشوایان اسلام کا معتقد ہوں۔ میں ایسا معتقد ہوں کہ قصبہ کی بنا کے پہلے قلعہ یا بازار میں مسلمانوں کی کوئی مسجد نہیں تھی۔ میں نے قلعہ میں ایک سنگین جامع مسجد تعمیر اکرائی ہے۔ علاوہ ازیں میرے ہاں ایک عیدگاہ بھی ہے جو میرے باغ دلکشا کے قریب ہے اور عید کے موقع پر وہاں نماز ہوتی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ مسلمانوں سے اتحاد قائم رہے۔ آپ کا دیرینہ غلام اشاعت اسلام کی ہمیشہ کوشش کرتا رہتا ہے۔ اب حضور کی ناراضگی مہربانی سے مبدل ہو جانی چاہئے۔ حضور کی عنایتوں کا متمنی ہوں۔ پہلے کی طرح نظر عنایت سے شاد کام کیجئے اور اغیار کی غلط بیانی اور دروغ گوئی پر اعتبار نہ فرمایا جائے۔

ہم جلیسوں سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئے
کیونکہ پانی اگرچہ بظاہر شفاف ہے مگر آئینے کا دشمن ہے

حضور کی شفقتوں سے امید ہے کہ ان لوگوں کو ملازمان سلطنت کے ذریعے گرفتار کرا کر میرے سپرد فرما دیں گے تاکہ ان کی حرامزدگی کا خاتمہ کر دیا جائے اور حضور خفگی کا غبار دل سے دور کر دیں۔ ایسا کرنے سے میں اپنے نقصانات کا معاوضہ لے سکوں گا۔ جیسا کہ تخمینہ ایک لاکھ روپیہ ہے۔ لارڈ صاحب بہادر کو رستم علی قرولی نے درخواست دی ہے کہ گیندہ اور دیگر گیارہ اشخاص دو گاڑی گندم دہلی لئے آ رہے تھے جنہیں راجہ کے تھانیدار نے چھین کر بلب گڑھ روانہ کر دیا ہے' جہاں گاڑیاں خالی کرائی گئیں۔ میں ایمانا کہتا ہوں کہ مدعیوں کا الزام جھوٹا ہے اور ذرا بھی سچ نہیں ہے۔ اس کی حقیقت بلا مبالغہ یہ ہے کہ گیندہ جو بد معاشوں کا سرغنہ ہے' اپنے گاؤں کے چند لٹیروں کو ہمراہ لے کر موضع ننگل پر آن پڑا' جو بدر پور کی حد میں ہے اور بہت سا مال لوٹ کر لے گیا۔ لوگ لوٹ مار پر تلے ہوئے تھے۔ چنانچہ پھر کرولی علاقہ بلب گڑھ میں بھی ڈکیتی کی۔ اتفاقاً مالگذاری افسران اور پولیس افسران فرید آباد دورہ کرتے ہوئے کرولی کی سرحد میں پہنچے اور جو کچھ ہو رہا تھا اسے دیکھا۔ ان دغا بازوں نے اپنی جان بچانے کی بہت کوشش کی اور چند فرار بھی ہو گئے۔ تاہم مالگذاری افسروں نے چند لٹیروں کو گرفتار کر لیا اور ہتھکڑی ڈال کر ریاست کی عدالت فوجداری میں پیش کیا۔ اس مقدمے کی مسل اور کاغذات عنقریب روانہ کئے جائیں گے' اگر ارشاد ہو تو مقدمہ مذکورہ کے تمام کاغذات کارروائی اعلیٰ حضرت کی واقفیت و آگاہی کے لئے روانہ کئے جائیں۔ بگھی اور نبی بخش تاجر کے مقدمہ کی روئداد بھی اس قسم کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ برہمن صوبے دار گیارھویں پیدل نے بگھی خرید کی اور نبی بخش تاجر اس میں بلب گڑھ آ رہا تھا۔ بگھی میں ایک دو انگریزی خطوط پڑے ہوئے ملے اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں یا میرے ملازم بالکل نہیں جانتے کہ کیا معاملہ ہے۔ کس نے لکھا' کیا لکھا اور کہاں سے آئے؟ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کے کسی دشمن نے جو انگریزوں سے ملا ہو گا' چٹھیاں لکھی ہوں گی اور بگھی میں پوشیدہ کر دی ہوں گی اور اس معاملے کو حضور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے پیرزادوں سے معلوم کر سکتے ہیں۔ امیدوار ہوں کہ جواب سے سرفرازی بخشی جائے (ترقی اقبال کی دعائیں)

عریضہ غلام راجہ نہر سنگھ والی بلب گڑھ۔ مہر "راجہ نہر سنگھ بہادر"

(اس میں کچھ شک نہیں کہ راجہ بلب گڑھ دل سے بادشاہ کے خیر خواہ تھے اور دشمن ان کو خواہ مخواہ بدنام کرتے تھے۔ اسی خیر خواہی کے جرم میں برٹش گورنمنٹ نے ان کو پھانسی کی سزا دی اور دہلی میں ان کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔۔۔ حسن نظامی)

عرضی نمبر ۳۳۔ مورخہ ۵ اگست ۱۸۵۷ء۔ از راجہ بلب گڑھ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ التماس ہے کہ سعادتمندی اور خوش نصیبی ان لوگوں کا حصہ ہے، جو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر رہا کرتے ہیں۔ اگرچہ مجھے یہ خوش نصیبی حاصل نہیں اور فی الواقع بہت دور پڑا ہوں' لیکن صدہا قسموں اور ہزارہا دلی اقراروں میں اظہار کرتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ یہی محسوس ہوتا ہے کہ گویا حضور کے تخت شاہی کے روبرو کھڑا ہوں۔ نہایت عاجزی اور ادب سے میں آٹھ مہریں سنہری پیش کرتا ہوں جو عید کا تحفہ ہے اور یقین کرتا ہوں کہ اس تحفہ ناچیز کو قبول فرمایا جائے گا (ترقی سلطنت کے لئے دعائیں اور اس کے دشمنوں کے لئے بددعا)

حضور کے لئے پانچ مہریں سنہری۔ ملکہ کے لئے ۲ سنہری مہریں۔ شہزادہ مرزا جواں بخت کے لئے ایک سنہری مہر۔

عریضہ کمترین راجہ نہر سنگھ بہادر والی بلب گڑھ

مہر "راجہ نہر سنگھ بہادر"

فرمان نمبر ۳۴۔ (حکم شاہی بغیر مہر و دستخط) مورخہ ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء۔ بنام راجہ نہر سنگھ۔ تمہاری درخواست مع آٹھ طلائی مہروں کے وصول ہوئی اور تمہاری خیر خواہی پر مابدولت کو اعتماد رکھنے کا موجب ہوئی۔ چونکہ تم ہمارے خادم خاص ہو' پس ایمانداری اور وفاشعاری سے کبھی غفلت نہ کرنا۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

ہمارے لئے پانچ مہریں۔ ملکہ کے لئے دو مہریں۔ مرزا جواں بخت کے لئے ایک مہر۔

عرضی نمبر ۳۵۔ مورخہ ۱۲ اگست ۱۸۵۷ء۔ از راجہ بلب گڑھ بحضور بادشاہ ظل اللہ! وغیرہ۔ مؤدبانہ گذارش ہے کہ تحفہ عید کی قبولیت کا مراسلہ پہنچا اور سرفراز فرمایا۔ میں نے خود کو حضور کی مہربانیوں سے گھرا دیکھ کر بہت صاحب قسمت پایا' لیکن کون سے قلم سے اور کس زبان سے حضور کی توصیف کروں اور شکریہ ادا کروں؟ مگر یہ دیکھ کر کہ جنوز بدظنی کا غبار حضور کے دل سے دور نہیں ہوا۔ خداوندا! مجھے عرض کرنے دیجئے' کہ میں دیرینہ وفادار اور خیر خواہ ہوں اور میں دل سے اور جان سے حضور کے احکام بجالانا فخر سمجھتا ہوں جیسا حضور پر خود روشن ہے۔ کوئی روز ایسا نہیں جاتا کہ میں حضور کی مہربانیوں کو دل سے بھلا دیتا ہوں۔ کوئی گھڑی ایسی نہیں گذرتی کہ میں حضور کی شفقتوں کو یاد نہ کرتا ہوں۔ ہر طرح سے مجھے اپنا کمترین غلام سمجھئے اور مجھ پر نظر الطاف ڈالئے' کیونکہ میرے اجداد پر بھی حضور کی مربیانہ شفقتیں مبذول ہوتی رہی ہیں۔ کمترین بھی انہی کی اولاد ہے گذشتہ مراحم و احسانات پر نظر کر کے یقین کرتا ہوں کہ ناراضگی کی کدورت آئینہ دل سے دور ہو جائے گی' جسے میرے رقیبوں نے حضور کے منور آفتاب نما قلب پر پیوست کر دیا ہے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ انہی چند در چند وجوہات سے حاضر دربار نہ ہو سکا' مگر اب حاضری کا حکم دیا جائے تا کہ میں خدمت عالی میں حاضر ہوں اور ویسا ہی حکم سواروں کے رسالدار کے لئے بھی ملنا چاہئے۔ میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے نقارے اور علم عطا کئے جائیں تا کہ حضور کی رفعت و شان چاروں

کھونٹوں میں مشتہر کی جائے اور ہفت اقلیم میں حضور کی کشور کشائی کے ساتھ ہی ساتھ جاں نثار کا نام بھی سب لوگوں پر روشن ہو جائے۔ حضور کی زیارت کا بہت مشتاق ہوں' لیکن بد نصیبی سے دہلی چھوڑنے کے بعد سے اب تک ایسے واقعات پیش آتے رہے کہ جن کے سبب پورا بندوبست نہ ہو سکا۔ حضور کی فتح و فیروزی کے علم سر بلند ہوں اور دشمنوں کو ذلت و رسوائی نصیب ہو۔

درخواست فدوی راجہ نہر سنگھ بہادر والی ریاست بلب گڑھ

مہر "راجہ نہر سنگھ بہادر"

فرمان نمبر ۳۳۔ (حکم بغیر دستخط و مہر کے جو مرزا مغل کا کام معلوم ہوتا ہے) مورخہ ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء۔ بنام ملازم خاص نشان سعادت، راجہ نہر سنگھ والی بلب گڑھ۔ خود کو معزز سمجھا گیا۔ مجھو بار ہا زبانی گفتگو کا موقع پڑ جاتا ہے اور ہمارے وفادار مقربوں میں سے کسی نہ کسی کو ضرورت پڑتی ہے۔ پس یہ بہت ضروری ہے کہ تم اپنا کوئی معتمد ایجنٹ دربار میں متعین کرو تاکہ زبانی گفتگو میں دشواری نہ ہو۔ ہر طرح مطمئن رہو اور ایجنٹ کے قائم کرنے میں دیر نہ کرو اور خود کو سرفراز کیا گیا سمجھو۔

عرضی نمبر ۳۶۔ مورخہ ۲۲ اگست ۱۸۵۷ء۔ از راجہ بلب گڑھ بحضور ظل سبحانی! ادب سے عرض ہے کہ حضور پر بخوبی روشن ہے کہ خانہ زاد پشت بہ پشت سے وفادار چلا آتا ہے اور میں اور میرے باپ دادوں نے بھی حضور کے حکم سے سرتابی نہیں کی۔ پس میں چاہتا ہوں کہ حضور کے دربار میں باریاب کیا جاؤں۔ میرے دعوے کی تائید میں جو ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے ہو' یہ ہے کہ اگر مجھے حضور سے ارادت خاص نہ ہوتی اور وفاداری کا خیال نہ ہوتا تو دہلی میں انگریزی سلطنت کے زمانے میں میر فتح علی کی معرفت حضور کی خدمت میں حاضر رہنے کی تمنا ظاہر نہ کرتا اور جب میں نے ایسا کیا تو اعلیٰ حضرت میرے دلی خلوص اور ایمانداری سے بہت خوش ہوئے تھے' لیکن سیاسی مصالح کے سبب چونکہ میرا حضور کے پاس رہنا اس زمانے میں مناسب نہ تھا' آپ نے منع کر دیا۔ غلام کو ایسی بد نصیبی نے گھیرا ہے کہ اب تک دربار شاہی میں حاضر نہ ہو سکا اور اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب سے دہلی سے آیا ہوں آئے دن جسمانی بیماریوں کا شکار رہتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ حضور کے لطف و کرم کو دیکھ کر وہاں حاسد پیدا ہو گئے ہیں اور ڈر ہے کہ انہوں نے میری طرف سے حضور کے مزاج کو مکدر نہ کر دیا ہو اور وہ کوئی ایسی چال نہ چلیں اور ایسی تدبیر نہ کر گزریں جس سے مجھے دہلی آ کر ذلت و رسوائی اٹھانی پڑے یا ان کی دروغ گوئی کے تیل سے حضور کی آتش غضب زیادہ بھڑک جائے۔ علاوہ ازیں یہ بھی سنا گیا ہے کہ سلطنت کے ملازمان اور افسران روپے کے بہت طامع ہو گئے ہیں اور مجھ سے بھی ایک کثیر رقم طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ میری آمدنی بالکل قلیل ہے۔ حضور عالی جو اپنے غلاموں کے تمام حالات سے باخبر رہتے ہیں' غلام کے علاقے کو دیگر ریاستوں سے مقابلہ کر کے دیکھ سکتے ہیں کہ یہ سب سے چھوٹی ریاست ہے اور اس کی آمدنی اتنی بھی نہیں ہے جس سے ریاست ہی کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ برخلاف اس کے ہمیشہ سے ہزار ہا روپے کی مقروض چلی آتی ہے۔ کمترین کے اجداد نے جو کچھ جمع کیا تھا' اس کی بابت عرض ہے کہ میرے سابق افسروں نے فریب و دغا سے وہ سب خورد برد کر لیا اور فرار ہو گئے اور میرے معمور خزانے اور بھرے گھر کو خالی کر کے روپے اور مال سے اپنے گھر بھر لئے اور اب دہلی میں بیٹھے میری ریاست کے خلاف منصوبے گانٹھتے اور سازشیں کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں تابعدار کیونکر اتنا روپیہ تقسیم کر سکتا ہے اور مصارف فوج کو کس

طرح برداشت کر سکتا ہے۔ البتہ اگر حضور کے صلاح کار اور شاہی افسران میرے دغاباز افسروں کے جو تا حال دہلی میں موجود ہیں' گرفتار کر کے میرے سپرد کر دیں گے تو جو کچھ میں وصول کر سکوں گا' اس کا نصف خزانہ شاہی میں داخل کر دوں گا اور اگر ان کا ماخوذ کیا جانا نامناسب خیال کیا جائے تو حضور کے ملازمین بموجب فہرست ذیل خود ہی وصول کر لیں اور اس سے وہ جتنا مناسب سمجھیں' خزانہ میں داخل کر دیں۔ بقیہ مجھے واپس کر دیں۔ نشان شرافت و عظمت میر فتح علی نے یہاں آنے کی تکلیف گوارا فرمائی اور مجھے نہایت ممنون و مشکور کیا۔ انہوں نے میرے معاملات سے نہایت ہمدردی اور پدرانہ شفقت ظاہر کی۔ تمام زبانی احکام جو میر فتح علی کی معرفت فرمائے گئے تھے' مجھے لفظاً بلفظاً پہنچ گئے اور جوابات قابل تحریر نہیں تھے' لہٰذا میر فتح علی صاحب ہی سے حضور کو معلوم ہو جائیں گے۔ دیگر عرض ہے کہ وہ جو کچھ میری طرف سے کہیں گے وہ مجھے منظور ہے' کیونکہ ان کے مجھ سے دیرینہ تعلقات ہیں۔ بغرض اطلاع واجب تھا عرض کیا۔ حضور کے غلاموں کو ہمیشہ فتح و فیروزی نصیب ہو اور اعداء کو ہمیشہ ذلت و رسوائی ملے۔ حسب ذیل لوگوں کے ذمے میری رقمیں ہیں

حکیم عبدالحق جو وزیر اعظم ریاست ہذا کا تھا' دس لاکھ روپے۔ مکتا پرشاد وکیل' پندرہ ہزار روپے۔ راجہ لال صاحب چیف سکرٹری' دس ہزار روپے۔ نثار علی نائب وزیر اعظم' دس ہزار روپے۔ جوالا ناتھ پنڈت خزانچی' تیس ہزار روپے۔ شیر خاں حکیم مذکور کا ذاتی دوست' پچیس ہزار روپے۔

حصار الدین جمعدار اور میری دہلی کی جائداد اور زمین کا داروغہ جو میرے وکیل کا مددگار بھی رہا تھا' پانچ ہزار روپے۔ امیر علی داروغہ محلات و توشہ خانہ' دس ہزار روپے۔ سعادت علی خان تھانے دار' آٹھ ہزار روپے۔ احمد مرزا کاشتکار مواضع بلب گڑھ اور میرے انگوری باغ دہلی کا' دس ہزار روپے۔ مبارک علی خاں' دو ہزار روپے۔

عریضہ غلام راجہ نہر سنگھ بہادر

مہر "راجہ نہر سنگھ بہادر"

عرضی نمبر ۲۷۔ مورخہ یکم ستمبر ۱۸۵۷ء۔ بحضور بادشاہ ظل اللہ وغیرہ وغیرہ۔ مؤدبانہ التماس ہے کہ حضور کے مراسلے نے بجواب میری درخواست صادر ہو کر اعزاز بخشا جس میں گھوڑے کی قبولیت کا ذکر تھا اور مجھے ہدایت کی گئی تھی کہ فوج سے کچھ خوف نہ کیا جائے۔ میرے تحفے کی قبولیت نے مجھے بے حد ممتاز و معزز کیا۔ اگر حضور مراحم خسروانہ سے موضع پلول' پالی مجھے عطا فرمائیں تو میں وہاں مالگذاری وغیرہ کا اچھا انتظام کروں گا۔ انتظام ایسا مستحسن ہوگا کہ ادنیٰ اور اعلیٰ امیر و غریب سب خوش رہیں گے۔ خود اعلیٰ حضرت بھی تابعدار کی کارگذاریوں کو ملاحظہ فرمائیں گے اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں گے (بادشاہ کی عظمت کی استقامت اور فتح و فیروزی کی دعائیں) عرضی غریب راجہ نہر سنگھ

مہر "راجہ نہر سنگھ بہادر"

عرضی نمبر ۲۸۔ مورخہ ۲ ستمبر ۱۸۵۷ء۔ بحضور بادشاہ ظل اللہ وغیرہ وغیرہ۔ نہایت ادب سے عرض پرداز ہوں کہ حضور کے مراسلہ شاہی نے شرف بخشا اور اس سے آگاہی ہوئی کہ حضور نے گھوڑا قبول فرمایا اور تسلی دی کہ ریاست بلب گڑھ کے خلاف کوئی فوجی شخص کسی قسم کی کارروائی نہیں کر سکتا۔ زبان و قلم حضور کی تعریف و شکر گذاری سے قاصر ہیں۔ خدا تا قیامت حضور کو زندہ و سلامت رکھے۔ ظل سبحانی! یہ ایک تعجب خیز امر ہے کہ حضور نے حکم تو دیا ہے کہ کوئی فوجی شخص بلب گڑھ

ریاست کے برخلاف کارروائی یا ظلم وزیادتی نہ کر سکے گا' مگر ۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کو محمد بخت خاں کمانڈر انچیف افواج کا ایک خط موصول ہوا ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ تمام دیہاتی قیدیوں کو رہا کر دیا گیا ہے' صرف ہردیو بخش' پران سکھ' دھوسر اور جماعت خاں پاسٹل ہنوز مقید ہیں اور پھر مجھے ہدایت کی ہے کہ دوسرے قیدیوں کی دستاویزیں اور رسیدیں بخت خاں کو روانہ کر دیں۔ حضور پر بخوبی روشن ہے کہ یہ لوگ اس ریاست کے نمک حرام اور قابل باز پرس ہیں' کیونکہ لاکھوں روپیہ ہضم کر چکے ہیں اور روپیہ واپس دینے پر رضامند بھی ہو چکے تھے' جس کا ان سے حساب طلب کیا گیا تھا۔ پس جو لوگ ایسے ذمہ دار ہوں انہیں کیوں کر رہا کیا جا سکتا ہے۔ اگر انہیں رہا کیا گیا تو غلام کو بھاری نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ نیز ان کے چھوڑ دینے سے لاانتہا برائیاں پھیلیں گی اور میرا انتظام درہم برہم ہو جائے گا اور پھر اس کا قائم کرنا سخت مشکل ہوگا۔ ان معاملات کی وجہ سے میں نہایت عاجزی سے عرض کرتا ہوں کہ ایک حکم بنام کمانڈر انچیف جاری کیا جائے کہ جن ملزموں کا تعلق ریاست بلب گڑھ سے ہو' انہیں وہاں بھیج دیا جائے۔ بہ وجوہ ایسی کارروائیاں بنیاد سلطنت کو کھود دینے والی ہیں۔ پس عرض ہے کہ میری درخواست کو منظور فرما کر احکام جاری کئے جائیں۔ خادم خیر خواہ قدیم ہے اور حضور کی سلطنت کا ادنیٰ غلام ہے۔ زمین وآسمان میں اس کے لئے صرف یہی ایک پناہ گاہ ہے۔ میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ حکیم عبدالحق و پنڈت جوالا پرشاد وغیرہ کو بھی گرفتار کر کے میرے سپرد کر دیا جائے کیونکہ ان پر تقریباً گیارہ لاکھ پچیس ہزار روپے کا میرا دعویٰ ہے تاکہ میں ان سے وصول کر سکوں (ترقی اقبال سلطانی کی دعائیں) کمانڈر انچیف کا اصلی خط بھی ارسال ہے' براہ عنایت پڑھ کر جواب کے ہمراہ واپس کر دیا جائے۔

عریضہ خادم۔ راجہ نہر سنگھ بہادر

مہر۔ "راجہ نہر سنگھ بہادر"

(راجہ بلب گڑھ کے خط کا ترجمہ بہت مبہم کیا گیا تھا۔ ہر چند میں نے درست کیا پھر بھی عبارت صاف نہ ہو سکی۔ میں مجبور تھا۔ اصل انگریزی عبارت سمجھنے کی قابلیت مجھ میں نہ تھی۔۔ حسن نظامی)

کاغذات جو ضمن قرض میں ترتیب دیئے ہوئے ہیں

فرمان نمبر ا۔ (شاہی حکم دستی پنسل کا تحریر کردہ) مورخہ ۸ جولائی ۱۸۵۷ء بنام مرزا مغل۔ فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر۔ معلوم ہو کہ چونکہ تم ہمارے نور چشم ہو اور جانتے ہو کہ ہمارے خزانے میں روپیہ بہت کم رہ گیا ہے اور کسی علاقے سے فی الفور کچھ آمدنی وصول نہیں ہو سکتی اور جو قلیل رقم باقی ہے' وہ بھی بہت جلد خرچ ہو جائے گی۔ لہٰذا تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ آج دن میں یا رات میں تمام افسران رجمنٹ کو جمع کرو تاکہ وہ بتائیں کہ آئے دن کے مصارف پورے کرنے کے لئے کون سے فنڈ جاری کئے جا سکتے ہیں اور ضروریات کس طرح رفع کی جا سکتی ہیں۔ سپاہیوں کی اصطلاح میں ایسے مجمع کو کورٹ کہتے ہیں۔ اس میں بہت عجلت سے کام لو اور جو نتیجہ برآمد ہو' اسے ترتی خزانہ کے تحت میں قلمبند کراؤ اور ان لوگوں کی طرف سے ہمارے سامنے پیش کرو۔ قبل اس کے کہ خزانہ خالی ہو اس کا انتظام کرنا چاہئے۔ ہمارے پاس کوئی پوشیدہ خزانہ نہیں ہے۔ سلطنت کا قرضہ بھی ابھی تک ادا نہیں ہو سکا' اس لئے ہمارے تمام ملازموں کو بہت

وقت پیش آتی ہے۔ ہمارے خانگی مصارف کے لئے ایک لاکھ روپیہ گذشتہ ماہ میں تاجروں سے قرض مانگا گیا تھا۔ وہ بھی پورا پورا نہ مل سکا۔ پھر کیونکر دوسروں کے اخراجات پورے کئے جاسکتے ہیں؟ تم ہر ایک افسر فوج پر ان تمام باتوں کو بخوبی واضح کردو۔ اور کل ان کی رائیں ہمارے سامنے پیش کرنے میں تامل نہ کرو۔

پیشانی پر نوٹ: ۱۳ جولائی ۱۸۵۷ء کو موصول ہوا۔

عرضی نمبر ا۔ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بحضور بادشاہ! غریب پرور! نہایت ادب سے التماس ہے کہ حضور کے مراسلے نے ہمیں اعزاز بخشا جو علاوہ متفرقات کے یہ بھی مرقوم ہے کہ خزانہ بالکل خالی ہو گیا ہے اور مصارف فوج و دیگر ضروری اخراجات میں روپیہ صرف ہو چکا ہے اور رہا سہا بھی جلد ختم ہو جائے گا' اس لئے ہم ممبران کورٹ کو ہدایت کی گئی ہے کہ خزانہ جمع کرنے کی تدابیر پر غور کریں' چنانچہ تعمیل ارشاد میں ہم نے جلسہ کیا اور تدبیریں سوچیں۔ وہ عرض کرتے ہیں۔

پہلی تدبیر یہ ہے کہ کسی ساہوکار سے قرضہ لیا جائے اور جب سلطنت مستحکم ہو جائے تو قرضہ مع سود ادا کر دیا جائے۔

دوسری تدبیر یہ ہے کہ پندرہ سو پیدل سپاہ کی ایک رجمنٹ پانچ ہزار سواروں کا ایک رسالہ اور دو توپیں ہر حصہ ملک اور دیہات میں روانہ کی جائیں اور وہ جگہ جگہ تھانے اور ڈاکخانے قائم کرے تاکہ لوگوں کو حضور کے قیام سلطنت کا پورا پورا یقین آجائے اور اس فوج کو اختیار دے دیا جائے کہ جہاں سے جو روپیہ مل سکے۔ قواعد سلطنت کی رو سے اپنے قبضے میں لے لے۔ اس فوج کو وصولی کے پورے اختیارات ملنے چاہئیں' لیکن ممبران مجلس یہ بھی چاہتے ہیں کہ کسی پر ظلم نہ کیا جائے اور فوجی ضرورت سب کو بتائی جائے۔

ہماری پہلی التجا یہ ہے کہ دونوں مذکورہ بالا تدابیر اختیار کی جائیں اور دائرہ عمل میں لائی جائیں۔

ہماری دوسری التجا یہ ہے کہ حضور کے معتمد مقربوں میں سے بھی جن پر ہر طرح کا بھروسہ کیا جاسکے' کچھ آدمی فوج کے ہمراہ روانہ کئے جائیں تاکہ وہ قانون ملکی کی بموجب وصولی زر کا انجام دیں اور رعایا کو سمجھائیں اور حفاظت ملک کے فرائض بتائیں۔

ہماری تیسری التجا یہ ہے کہ اگر وہ معتمد کسی غریب کسان پر ظلم کریں یا کسی مالگذاری آمدنی کے محاسب وغیرہ پر ستم توڑیں یا کسی سے رشوت لیں تو انہیں مجلس شوریٰ سے سزا دی جائے۔ ہماری رائے میں زمینداروں کے حقوق ملکیت اراضی مندرجہ ذیل طریقے سے نافذ کئے جائیں۔

بہر وجوہ یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ مدعی کا نام قانون گو یا پٹواری کے کاغذات میں درج ہے یا نہیں۔ مدعی کو اپنی گذشتہ لگان کی رسیدیں محفوظ رکھنی ہوں گی' تا یہ معلوم ہو سکے کہ اس نے سلطنت کی لگان ادا کر دی اور پیمائش اراضی کر لی ہے۔ اس کی دستاویزوں کے معائنہ سے یا جانچ کرتے وقت گواہوں یعنی پٹواری' قانون گو اور دیگر مقامی معززین کی شہادت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مدعی زمیندار تھا یا نہیں۔ کوئی معزز آدمی یا مقامی معززین میں سے ایک جو سرکاری طور پر شناخت کر لیا گیا ہو' تمام موضع یا موضع کے کثیر حصے کی آمدنی کا جواب دہ ہوگا اور بندوبست اسی کے نام کیا جائے گا۔ اگر کوئی جانشین مدعی پیدا ہو تو اس کی درخواست پر بعد تحقیقات حکم ملے گا' لیکن اول تقرر اس شخص کا کیا جائے گا جو کبھی پہلے نمبردار رہ چکا ہے۔

ہماری چوتھی التجا گردیہات کے بندوبست کے مقرر شدہ لوگ اپنا کام ان قواعد کے مطابق نہ کریں تو زمینداروں کو اختیار ہو گا کہ وہ کورٹ ہذا میں اپنی شکایت کریں اور اگر عند التحقیقات یہ ثابت ہو تو اسے برطرف کر دیا جائے گا اور اصلی مالک اپنے حقوق کے موافق آزاد رہیں گے۔

عرضی فدویان' ممبران دربار' جیورام صوبے دار میجر بہادر' شیورام مصر صوبے دار میجر۔ تہنیت خاں صوبے دار میجر۔ ہیبت رام صوبے دار میجر۔ بنی رام صوبے دار میجر۔

عرضی نمبر۲۔ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ' نہایت ادب سے التجا ہے کہ حضور عالی کا حکم بابت قلت روپیہ مجلس شوریٰ کے انعقاد اور یہ کہ مجھ سے جواب لے کر حاضر خدمت ہونا چاہئے' مورخہ ۱۰ جولائی ۱۸۵۷ء کو موصول ہوا۔ حضور کے حکم کے مطابق ممبران مجلس سے صلاح کرنے کے بعد عرضی تیار شدہ حضور میں پیش کی جاتی ہے۔ اس معاملے میں جو احکام صادر کئے جائیں گے' عمل میں لائے جائیں گے (ترقی سلطنت کی دعائیں)

درخواست فدوی ظہور الدین

فرمان نمبر۲۔ (حکم شاہ جس پر مہر خاص ثبت ہے) مورخہ ۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بنام مرزا مغل شہرۂ آفاق دلاور مرزا محمد ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر! جانو کہ فوج کی تنخواہ ادا کرنے کے لئے تاجران شہر سے ہمیں فی الحال عارضی قرضہ لینے کی ضرورت ہے جو بشرح ایک روپیہ سیکڑہ ہو۔ بہتیرے سوداگروں نے جن سے طلب کیا گیا تھا' ادا کر دیا ہے۔ بہتیروں نے ادا نہیں کیا' جنہیں سپاہیوں نے گرفتار کر کے قلعے میں خزانچی کے دفتر کے قریب شاہی پہرے میں حوالات کر دیا ہے۔ ہم نے ابھی سنا ہے کہ ان کے متعلقین نے چند پیدل سپاہیوں سے مل کر ان کے چھڑا لے جانے کی تدبیر کی ہے۔ ابھی پیادوں کا ایک خفیہ شخص جو لاہوری دروازے کے محافظین کا معلوم ہوتا ہے' شاہی پہرے میں داخل ہوا اور لکشمی کو دریافت کرنے لگا' جس سے معلوم ہوا کہ وہ لکشمی رام کو نکال کر لے جانا چاہتا ہے۔ پہرے والے سپاہیوں اور افسروں نے اسے روکا تو وہ بہت بدزبانی سے پیش آیا۔ نیز انہیں گولی مار کر لڑکے کو نکال کر لے جانے کی دھمکی دی۔ افسروں کے بیانات سے یہ بھی یقین کیا جاتا ہے کہ وہ سہ پہر کو مع اٹھارہ بیس سپاہیوں کے لڑکے کو لے جانے کے لئے اور گارد سے لڑنے کے واسطے آئے گا۔ فرزند! تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ اسی وقت حوالات کی حفاظت کے لئے معقول گارد روانہ کر دو' تاکہ وہاں سے لڑکے کو نہ نکال لے جاسکے اور ہدایت کر دو کہ کوئی شخص کسی قیدی کو رہا نہ کرے۔ زنہار دیر نہ کرو' کیونکہ اگر ایسی باتوں سے تغافل شعاری کی گئی تو ہمارے اقتدار کو صدمہ پہنچے گا۔ ہماری مہربانیوں کی توقع رکھو۔

پشت پر نوٹ ہے جو غالباً مرزا مغل کا ہوگا' مگر دستخط و مہر نہیں۔ بموجب فرمان شاہی حوالات پر گارد متعین کیا گیا۔

مورخہ ۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء

فرمان نمبر۳۔ (حکم مع بادشاہ کی مہر خاص کے) مورخہ ۲۸ جولائی ۱۸۵۷ء بنام مرزا مغل فرزند۔ شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل کمانڈر انچیف بہادر' معلوم ہو کہ فوج کی روزانہ یا ماہانہ تنخواہ دینے اور میگزین کے ضروری مصارف اور اخراجات توپخانہ و بارود کے لئے خزانہ میں روپیہ بالکل نہیں ہے اور بارود نہ ہوئی تو دشمن سے لڑنا دشوار ہو جائے گا' لہٰذا ضرورت ہے کہ فی الفور کہیں نہ کہیں سے بغیر سود کے قرضہ لیا جائے اور پنجابی سوداگروں اور انگریزوں کے مالداروں کروں

سے بھی روپیہ لے کر خزانے میں داخل کیا جائے۔ نیز یہ حکم دیا جاتا ہے کہ ہنڈیاں بنا کر ہمارے پاس بھیجو تا کہ ہماری مہر خاص اس پر ثبت کی جائے اور روپیہ وصول کرنے کے لئے انہیں تقسیم کیا جائے جس میں معاہدہ ہوگا کہ مالگذاری کی آمدنی وصول ہونے پر سب کا روپیہ ادا کر دیا جائے گا۔ قرض مذکور میں سے کچھ بھی باقی نہ رکھا جائے گا' سب ادا کر دیا جائے گا۔ اس پر تمام لوگوں کو یقین دلا دو۔ ماسوا اس کے اگر وہ لوگ چندے کا بندوبست کریں گے تو علاوہ ان کا قرضہ ادا کرنے کے انہیں اپنے اپنے مرتبے اور لیاقت کے موافق ملازمت اور انعام بھی دیا جائے گا۔ اگر کسی نے بندوبست کرنے سے گریز کیا اور کہنا نہ مانا بلکہ حیلے حوالے کرتا رہا تو فرزند مابدولت! تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ ان کو سخت سزائیں دو تا کہ مابدولت و اقبال سے پھر سرتابی نہ کریں اور فوج' توپخانہ و بارود کے انتظام اور کاروبار میگزین میں کوئی خلل نہ واقع ہونے پائے اور تمام ضروریات روزمرہ ہوتی رہیں۔ تم ایسے طریقے اختیار کرو کہ تین روز کے اندر اندر خزانہ روپے سے معمور ہو جائے۔ اپنے کارندوں کے ذریعے سے بھی روپیہ وصول کر سکتے ہو مگر ان سوداگروں کو جنہوں نے گذشتہ وقت منیر الدولہ مرحوم کی معرفت قرض دیا تھا یا وہ لوگ جن کے پاس مقررہ وقت پر ادائیگی کی دستاویزیں ہوں' نہ ستایا جائے۔ ایسے تمام آدمیوں سے مطالبہ نہ کیا جائے تا کہ ہماری مہر کے ثبت شدہ دستاویزوں میں کچھ فرق نہ آئے جو ہم انہیں دے چکے ہیں اور اس طرح دوسروں کے لئے ناامیدی پیدا ہو جائے۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

فرمان نمبر ۴۔ (حکم جس پر خاص مہر شاہی ثبت ہے) مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بنام بندرابن عرف بندی مال خزانچی توپخانہ۔ ایک معاہدہ جس پر ہماری مہر خاص ثبت ہے اور جو ۴۱۹۸ روپے نو آنے چھ پائی کی دستاویز ہے۔ تم یہ روپیہ جلد خزانے میں داخل کرو' تا کہ اہل توپخانے کی چھ مہینے کی تنخواہ جو ہمارے ذمے باقی ہے' ادا کر دی جائے۔ اس کا یہ مقصد ہے کہ یہ روپیہ بعد میں بھیجا جائے گا۔

سوداگران شہر نے وعدہ کر لیا ہے جن سے رائے سکندلال بہت جلد روپیہ وصول کرائیں گے۔ اس وقت اس معاہدہ کا تمام روپیہ ادا کر دیا جائے گا۔ روپیہ وصول کرنے اور قرض لینے کے بہت سخت احکام جاری کئے گئے ہیں۔ پس تم روپیہ خزانے میں داخل کر دو اور مطمئن رہو اس حکم کو ضروری جانو اور جو تحریر ہے اس پر عمل کرو۔

فرمان نمبر ۵۔ (حکم جس پر بادشاہ کی مہر خاص ثبت ہے) مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بنام ملازم خاص سکندلال بہادر۔ تم پر ہماری عنایات ہوں۔ معلوم ہو کہ قرض شاہی کا جمع کیا ہوا ۵۲۰۰ روپیہ گنگا رام چپراسی کی معرفت وصول ہوا جس کے بدلے ہماری مہر خاص کی ایک رسید دے دی گئی ہے اور مابدولت کے خادم خاص! تمہارے نام ایک حکم جاری کیا گیا ہے۔ بموجب ان رسیدوں کے بہت جلد روپیہ ان سوداگروں سے جنہوں نے وعدہ کر لیا ہے' وصول کر لو۔ رائے بندرابن سے چار ہزار ایک سو اٹھانوے روپے ساڑھے نو آنے ایک روپیہ سینکڑہ سود پر لیا گیا ہے' تا کہ توپخانے والوں کی چھ ماہ کی تنخواہ ادا کر دی جائے۔ پس تمہیں لکھا جاتا ہے کہ بہت جلد روپیہ جمع کرو اور چار ہزار ایک سو اٹھانوے روپے ساڑھے نو آنے مع سود ادا کر کے ہماری تحریری رسید جس پر مابدولت کی مہر خاص ثبت ہے' واپس لے لو اور ہمارے حضور میں پیش کرو۔ بعد میں جو کچھ وصول ہو' خزانے میں داخل کرو۔ ان الفاظ کو بہت ضروری جانو۔

فرمان نمبر ۶۔ مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بنام مرزا مغل فرزند شہرہ آفاق دلاور محمد ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر۔ معلوم ہو

کہ رہتک کرکول وغیرہ کی سرکاری آمدنی وصول نہ ہونے سے روپے کی اشد ضرورت ہے اور چونکہ ہم کو اپنے تمام ملازموں کا اور خصوصاً ان کا جن کو چھ ماہ بعد تنخواہ ملتی ہے زیادہ خیال رہتا ہے اس لئے بندرابن عرف بندی مال خزانچی کے نام ایک حکم جاری کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کی تنخواہ کا بندوبست کردے اور ایک دستاویز جس پر ہماری مہر خاص ثبت ہے برائے چار ہزار ایک سو اٹھانوے روپے ساڑھے نو آنے لکھ دی ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے کارندے سوداگران شہر سے رائے مکند لال کی معرفت روپیہ وصول کر کے پہلے اسی کا ادا کردیں گے۔ خاطر جمعی اور اطمینان کے لئے تم بھی خزانچی مذکور کے نام حکم جاری کردو تا کہ وہ بالکل بے فکر ہو کر جلد تر روپے کا بندوبست کردے اور آج ہی اہل توپخانہ کی چھ ماہ کی تنخواہ تقسیم کردی جائے جس سے وہ لوگ بدستور سلطنت کی ملازمت کرتے رہیں۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

فرمان نمبر ۷۔ (معاہدہ یا پرامیسری نوٹ برائے زر مقروضہ جس پر بادشاہ کی مہر خاص ثبت ہے) مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء۔ مبلغ ۴۱۹۸ روپے نو آنے چھ پائی بندرابن خزانچی سے ایک روپیہ فی صدی فی ماہ سود پر برائے اہل توپخانہ بابت تقسیم تنخواہ چھ ماہ لے کر داخل خزانہ شاہی کیا گیا اور یہ اقرار ہے کہ شہر کے سوداگروں سے رقم مذکور یعنی ۴۱۹۸ روپے نو آنے وصول کر کے خزانچی مذکور کو مع سود کے دے دیئے جائیں گے اور کچھ باقی نہ رکھا جائے گا۔ یہاں تک کہ اخراجات شاہی میں بھی صرف نہ کیا جائے گا۔ یہ دستاویز بطور معاہدے کے ہے۔

عرضی نمبر ۳۔ مورخہ ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل۔ بجالی خدمت بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ التماس ہے کہ شہر کے تمام صاحب اقتدار لوگ اور جملہ عوام الناس کہتے ہیں کہ فوج کے مصارف کے لئے روپیہ دینے میں ہمیں انکار نہیں ہے لیکن وہ بہت شکر گزار ہوں گے اگر ادنیٰ اور اعلیٰ امیر و غریب ہندو مسلمان ہر شخص کے مذہبی معزز اشخاص کی معرفت روپیہ وصول کیا جائے۔ اس طریقے سے ایک بیش قرار رقم وصول ہو جائے گی اور لوگ خوشی سے چندہ دیں گے لہٰذا میں عرض کرتا ہوں کہ اسے منظور فرمالیا جائے اور باشندگان شہر کی درخواست کے بموجب معتقد مذہبی لوگوں کو اس کام میں لگا دیا جائے جن کے نام علیحدہ فہرست میں مندرج ہیں (ترقی دولت و سلطنت کی دعائیں) اگر تمام باشندگان شہر چندہ دیں گے تو ایک کثیر رقم ہاتھ آئے گی اور تابعدار کے کہنے کو کوئی نہ ٹالے گا۔ جملہ مذہبی اساتذہ شہر کے ناموں کی فہرست بھی اس میں شامل ہے جن میں سے ہر ایک اپنے عہدے اور مرتبے کے موافق ممتاز ہے۔ ان لوگوں سے کسی ایک کا عذر بھی قابل سماعت نہ ہونا چاہئے۔ ہندوؤں کو یقین ہو جائے گا کہ حضور ہندو اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کرتے اور ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں اور فوج کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ تمام باشندگان شہر کیا ہندو اور کیا مسلمان ہر ایک نے اس کے مصارف کے لئے چندہ فراہم کیا ہے۔

عرضی ظہور الدین

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا

تدبیر نہایت معقول ہے۔ منظور کی جاتی ہے۔

فرمان نمبر ۸۔ (بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا حکم) مورخہ ۹ اگست ۱۸۵۷ء۔ بنام خدام خاص مورد الطاف ممبران کورٹ۔ تم پر مابدولت کی عنایت ہو اور معلوم ہو کہ چوں کہ تم سلطنت کے خیر خواہ ہو۔ لہٰذا بموجب تمہاری عرضی کے تمہیں دیہات میں ہر

طرح سے مالگذاری کی آمدنی وصول کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ تم سوداگروں اور مقتدر باشندگان شہر سے نہایت نرمی اور ملائمت سے روپیہ وصول کرو۔ ہر ایک سے نرمی کا برتاؤ کرو اور جنگ کے لئے نہایت معقول انتظام کر کے شہر اور باشندگان کی حفاظت کرو اور دشمنان دین سے لڑو۔ تمہارے تمام انتظامات اور درخواستیں قبول کی جائیں گی۔ ان میں کوئی حتیٰ کہ شہزادے بھی دخل نہ دے سکیں گے اور جو روپیہ تم تاجروں اور شہر کے مقتدر باشندوں سے وصول کرو گے' وہ تمہارے ہی کورٹ میں جمع رہے گا اور جو فوج اور میگزین وغیرہ کی ضروریات میں کام میں لایا جائے گا اور جب علاقوں سے مالگذاری آمدنی وصول ہوگی تو سب سے پہلے سوداگروں کا قرضہ مع سود ادا کیا جائے گا۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

عرضی نمبر ۴۔ مورخہ ۲۳ اگست ۱۸۵۷ء از متھر اداس' سالگ رام سوداگران خلاصہ درخواست جو اوپر لکھا ہوا ہے۔

ہم فدویان باورچی خانے کے برتن فروخت کیا کرتے ہیں اور ہزار ہا مصیبتوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ پہلی مرتبہ حضور کے ۵۷۰۰ روپے اور دوبارہ مرزا خیر سلطان کی معرفت قرض دے چکے ہیں۔ ممبران کورٹ وافسران فوج ہماری تباہی کے درپے ہیں اور تیسری مرتبہ پھر روپیہ طلب کرتے ہیں۔ پس عرض ہے کہ خدام سلطنت پر حضور رحم فرمائیں اور افسران فوج کو اور روپیہ وصول کرنے سے روکیں۔

بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ التماس ہے کہ حضور سے مخفی نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت کے حکم سے چھ ہزار روپیہ خزانے میں داخل کر دیا تھا' اور اس وقت کہا گیا تھا کہ ان سے اب اور روپیہ طلب نہ کیا جائے گا۔ پہلے بھی غلاموں کے مکانات لوٹ لئے گئے تھے چنانچہ جس روز میرٹھ سے فوجیں دہلی آئیں' ہمارا سارا مال واسباب تاخت وتاراج کر دیا گیا۔ ہمارے تمام ساہوکاری کا کاروبار خورد برد کر دیا گیا اور اگرچہ ہم بالکل معذور تھے مگر حضور کا حکم پورا کرنے کے لئے ہم نے اپنے زیورات اور بقیہ مال فروخت کر کے روپیہ پورا کیا اور داخل خزانہ کیا۔ یہ روپیہ تین اور چار جون ۱۸۵۷ء کو داخل خزانہ کیا گیا تھا۔ پھر کمانڈر انچیف اور مرزا خیر سلطان بیگ بہادر نے ہم پر زور ڈالا اور دوسری بار فوجی اخراجات کے لئے روپیہ طلب کیا۔ ہم نے بہزار خرابی پندرہ سو روپیہ جمع کر کے دیا' جس کے بدلے ہمیں رسید اور ایک فرمان جس پر شہزادے خیر سلطان بیگ کی مہر تھی کہ اب کوئی فوجی افسر یا ملازم سلطنت دوبارہ کچھ طلب کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ تاہم پھر اب افسران کورٹ نے غلاموں سے تیسری بار روپیہ طلب کیا ہے اور تباہی کے درپے ہیں۔ ہم خیر خواہوں کو کبھی حضور کے حکم سے انکار نہیں ہے اور ہمارا پشت پناہ خدا ہے یا حضور ہیں۔ چونکہ دو مرتبہ بہزار دقت فراہم کر کے ہم دے چکے ہیں اور اب ہماری روزمرہ کی ضروریات بمشکل پوری ہوتی ہیں۔ پس از روئے انصاف اور رعایا پروری حضور تمام افسران فوج وسلطنت کے نام حکم نافذ فرمائیں کہ غلاموں سے تیسری مرتبہ کچھ نہ طلب کیا جائے تا کہ غلام تباہی وبربادی سے جس کے یہ لوگ درپے ہیں' بچے رہیں اور حضور کے انصاف کے ذریعہ امن پا کر ترقی اقبال کی دعائیں کرتے رہیں۔ اور نہیں تو ان کی غارتگری و زیادتیوں سے غلاموں کی جانیں قربان ہو جائیں گی۔ واجب تھا عرض کیا۔ (ترقی اقبال کی دعائیں) عریضہ فدویان متھرا داس وسالگرام تاجران دہلی۔

متھرا داس وسالگرام تاجران کے ہندی میں دستخط ہیں۔

حکم جس پر بادشاہ کی مہر ثبت ہے۔

بنام مرزا مغل! مورخہ ۲۷ اگست ۱۸۵۷ء۔ فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر! معلوم ہو کہ سوداگر راجی داس گڑ والا خزانہ شاہی کو دو مرتبہ روپیہ دے چکا ہے اور نیز سلطنت کے قرض فراہم کرنے میں بھی بہت امداد دی ہے۔ پس فرزند تمہیں لازم ہے کہ اس سے اب کچھ نہ طلب کیا جائے۔ ہمارے احکام کو ضروری سمجھو۔ اور ان پر عمل کرو۔

عرضی نمبر ۵۔ تاریخ نہیں ہے۔ از نبی بخش و دیگر اشخاص۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ التجا ہے کہ موجودہ بدامنی میں غلاموں کا وافر نقصان ہوا ہے۔ تمام روزگار جو کلکتہ دہلی انبالہ لاہور کانپور میں تھا بالکل تباہ ہو گیا ہے اور ہمارا مال لوٹ لیا گیا ہے۔ جس کے علاوہ پچھلے قرضوں کا بار بھی ہمارے سروں پر بدستور موجود ہے۔ ہم اپنی اور اپنے اہل و عیال کی روزمرہ ضروریات کو بمشکل پورا کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت معتمد اشخاص کی شہادت اور ہمارے بہی کھاتوں کے ملاحظے سے اس بیان کی تصدیق فرما سکتے ہیں۔ مرزا مغل صاحب ہم سے پچاس ہزار روپیہ طلب کرتے ہیں حیران ہیں کہ کہاں سے لائیں؟ اس وقت تو ہمیں پانچ ہزار دینا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ تابعداران تین روز سے کپتان میر حسین خاں کے زیر حراست ہیں۔ کپتان موصوف نے ہمیں عیدالضحیٰ کی نماز پڑھنے تک کے لئے اجازت نہیں دی۔ لہٰذا ہم سب ملتجی ہیں کہ اعلیٰ حضرت ہماری رہائی کے لئے احکام جاری فرما دیں گے (دعا ہے کہ حضور تا ابد ہم غلاموں کے سر پر قائم رہیں) ہم بیس روز سے بارہ سو مجاہدین کا انتظام کر رہے تھے اور اب اس سے زیادہ ہم جمع نہیں کر سکتے اور جو ہماری طاقت سے باہر ہوا سے کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ حضور کے عدل و انصاف پر بھروسہ کر کے التجا ہے کہ ہماری رہائی کے احکام صادر کر دیئے جائیں۔ واجب سمجھ کر عرض کیا (ترقی سلطنت کی دعائیں)

عریضہ نیازمندان نبی بخش حاجی ملا بخش کریم بخش جواں بخت پیر بخش فتح محمد محمد حسین محمد بخش احمد کرم دین حاجی احمد وغیرہ۔

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا۔

مرزا مغل۔ آئندہ عمدہ برتاؤ کرنا چاہئے۔ اس قسم کے لوگوں کی دلجوئی بہت ضروری ہے۔ اگر یہ ہم سے بددل ہوں گے تو دشمن کو تقویت ہوگی اور ممکن ہے کہ یہ اس سے خفیہ طور پر مل جائیں جس سے بڑے بڑے نقصانات کا اندیشہ ہے۔

عرضی نمبر ۶۔ تاریخ نہیں ہے۔ از مرزا مغل۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! حضور کو معلوم ہے کہ فوج اپنی ضروریات کے پورا نہ ہونے سے بہت عاجز آ گئی ہے اور بھوکی مرتی ہے۔ تابعدار نے اور سب نے حضور سے عرض کیا تھا کہ موجودہ دشواری دفع کرنے کے لئے کوئی تدبیر کی جائے۔ چنانچہ حضور نے قرض اور چندہ وصول کرنے کا حکم جاری فرمایا تھا اور مہر شاہی کا مراسلہ بھی کمترین کو عطا کیا تھا۔ بموجب اس کے کمترین نے شہر کے پنجابیوں سوداگروں وغیرہ سے روپیہ طلب کیا۔ جن میں سے بعض نے قبول کیا اور لکھ کر دیا تھا کہ ہم ایک یا دو روز میں روپیہ ادا کر دیں گے مگر بعد میں وہ فرار ہو گئے۔ میں نے ابھی سنا ہے کہ حضور نے محمد بخت خاں کو بھی ایک حکم دیا ہے کہ سوداگروں سے روپیہ وصول کرے اور وصول کر کے داخل (خزانہ) کرے۔ اس قسم کا معاملہ فوج میں نااتفاقی اور ناراضی پھیلانے کا باعث ہوگا۔ لہٰذا وہ حکم محمد بخت خاں سے واپس منگوا لیا جائے اور حضور اس معاملے میں دخل نہ دیں کیونکہ غلام نے روپے کا بندوبست کر لیا ہے۔ واجب سمجھ کر عرض کیا (ترقی سلطنت کی دعائیں) عریضہ نیازمند ظہور الدین۔ تاریخ نہیں ہے۔

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا۔

جان من! ایام جنگ وجدل میں احکامات کی تبدیلی وقار کو اور انتظام کو برباد کردیتی ہے۔ ہم کو ضرورت روپے کی ہے۔ جس طرح اور جس جائز طریقے سے اس کا حصول ممکن ہو حاصل کرنا چاہئے۔ خواہ تمہارے ذریعے سے ہو یا کسی اور کے۔ ان اختلافات باہمی سے فوج پر برا اثر پڑتا ہے اور وہ بددل ہوتی جاتی ہے۔ تاریخ نہیں ہے۔

عرضی نمبر ۷۔ تاریخ نہیں ہے۔ از محمد خیر سلطان بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ عرض ہے کہ تابعدار دو سو سواروں اور ایک بریگیڈیئر کے ہمراہ جولارڈ صاحب کے حکم سے آیا تھا' صبح سے اب تک روپیہ فراہم کرتا پھرتا رہا' مگر تمام تاجروں نے یہ حیلہ پیش کیا کہ گوری شنکر نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی شہزادے کو روپیہ نہ دیا جائے' بلکہ کورٹ میں داخل کیا جائے! عالیجاہا! یہ حیلہ بازی سخت قابل حرفت ہے۔ اس قسم کے بدذاتوں کو جو سلطنت کی امداد سے پہلوتہی کرتے ہیں' سخت سزائیں دی جانی چاہئیں تا کہ انتظام میں خلل نہ پڑے۔ اطلاعاً عرض ہے (ترقی اقبال وسلطنت کی دعائیں) عرضی فدوی محمد خیر سلطان۔ تاریخ نہیں ہے۔

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا۔

کسی کو ناراض نہ کیا جائے۔ ملائمت سے سمجھا کر وصول کرنا مناسب ہے (یہاں دو لفظ پڑھے نہیں جاتے) جو کچھ لکھا گیا ہے صرف ممانعت ہے اور کچھ نہیں۔

(اس عرضی اور اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا خیر سلطان محمد بخت خاں لارڈ گورنر کے ہوا خواہ تھے اور مرزا مغل کا رسوخ ان کو ناگوار تھا اور بادشاہ کا میلان اول دن سے محمد بخت خاں لارڈ گورنر کی طرف معلوم ہوتا ہے اور اسی اختلاف نے آخر فوج کو پراگندہ کردیا۔۔حسن نظامی)

ضمن تنخواہ میں ترتیب شدہ کاغذات

عرضی نمبر ۱۔ مورخہ یکم جون ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! دو دن سے شاہدرے میں فوج لوٹ مار کررہی ہے' تنخواہ نہ ملنے کے سبب۔ لہٰذا عرض ہے کہ مجھے فی الفور پندرہ ہزار روپیہ عطا کیا جائے تا کہ چار روز کی تنخواہ تقسیم کردی جائے۔ عرضی غلام ظہور الدین

بادشاہ کا حکم پنسل سے لکھا ہوا

بسنت خزانے سے پندرہ ہزار روپیہ دے دیا جائے۔ مرزا مغل تمام کاروبار میں مرزا افضل بیگ خاں سے متفق ہوکر اس تمام روپے کا جو آج کی تاریخ تک خزانے سے وصول ہوا' حساب بنا کر ہمیں ارسال کیا جائے۔

فرمان نمبر ۱۔ (حکم جس پر شاہی مہر ثبت ہے) مورخہ ۲۲ جون ۱۸۵۷ء۔ ہام مرزا مغل فرزند۔ شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر! معلوم ہو کہ کشن لال نے ہم سے کہا کہ کشمیری اور بدرو دروازوں اور دیگر برجوں کے محافظوں کو معزز الدولہ بہادر کے ذریعے روزانہ راشن میں مٹھائی دی گئی ہے اور ۱۱ جون ۱۸۵۷ء سے انہیں روزانہ خرچ ملتا ہے۔ راشن یا روزانہ خرچ محکمہ فوج کے متعلق ہے اور یہ روپیہ شاہی خزانے سے لیا گیا ہے' اس لئے مابدولت سے درخواست کرتا

ہے کہ فرزند مغل کے نام حکم جاری کریں کہ روپیہ واپس کردیا جائے۔ پس تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ بموجب اس کی فہرست مرتبہ کے ایک سو دس روپے واپس کردو۔ تفصیل نیچے درج ہے۔ آئندہ کے لئے تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ توپخانے والوں کو بھی پیادہ فوج کی طرح یومیہ خرچ دے دیا کرو۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

	روپیہ/آنہ/پائی
۱۱ جون ۱۸۵۷ء۔ بنام کنالی خاں	۸-۰-۰
۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بنام ایضاً	۴-۰-۰
۱۳ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بنام ایضاً	۱۲-۰-۰
۱۴ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بنام ایضاً	۴-۰-۰
۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بنام ایضاً	۴-۰-۰
۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بنام لاہوری دروازے والے	۳-۰-۰
۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء۔ بنام محافظین	۲-۰-۰

۱۶ جولائی کنالی خاں (اسی طرح بہت طول طویل حساب لکھا ہے جس کا کل مجموعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے

	روپیہ/آنہ/پائی
جملہ	۱۱۰-۰-۰

عرضی نمبر۲۔ مورخہ ۹ جولائی ۱۸۵۷ء از مرزا مغل بحضور بادشاہ جہاں پناہ 'عرض ہے کہ غلام نے فوج وسواروں اور پیادوں کو مطمئن کردیا ہے کہ ملک پر قبضہ ہوتے ہی تمہیں ترقی ملے گی اور تنخواہ دی جائے گی اور جب غنیم کو شکست فاش دے دی جائے گی اور خاطر خواہ آمدنی وصول ہونے لگی تو انعام دیا جائے گا۔ ان طریقوں کا ایک خاکہ حضور کی خدمت میں بھی ارسال ہے۔ حضور اپنے دست مبارک سے ایک فرمان بنام افواج لکھ کر جاری کریں تاکہ وہ بالکل مطمئن ہو جائیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ حضور کو ان سے کس قدر رغبت ہے۔ پھر وہ اپنی جانوں سے بھی دریغ نہ کریں گے اور اعلیٰ مراتب کی امنگیں دلوں میں پیدا ہو جائیں گی (ترقی اقبال کی دعائیں) عریضہ فدوی ظہور الدین مہر سرکاری " کمانڈر انچیف۔"

کوئی حکم نہیں ہے۔ منسلکہ شدہ خاکہ شامل نہیں ہے (چونکہ بادشاہ اپنی خوشی اور مرضی سے فوج کے شریک نہ ہوئے تھے اور اپنے شہزادوں کی باہمی اختلافات اور فوج کی سرکشی سے ان کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ اب ان کا ثابت قدم رہنا دشوار ہے اس واسطے انہوں نے مرزا مغل کی اس درخواست پر کوئی حکم نہ لکھا۔ ان کی خواہش پر عمل نہ کیا۔۔۔ حسن نظامی)

عرضی نمبر۳۔ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل۔ بحضور بادشاہ سلامت! جہاں پناہ مؤدبانہ عرض ہے کہ آج محمد جہانگیر خاں کپتان توپخانہ رجبہ گوالیار کی ایک درخواست مع ایک فرضی فہرست کے موصول ہوئی ہے۔ اس نے تحریر کیا ہے کہ کچھ روپیہ برائے خوراک وضروریات زندگی کے عطا فرمایا جائے اور حضور کا حکم ہے کہ نئی آئی ہوئی فوجیں بریلی کی فوجوں کے جنرل کے پاس درخواستیں دیں۔ مذکورہ اصل عرضی ارسال خدمت ہے۔ جو حکم ہوگا عمل میں لایا جائے گا۔ (ترقی سلطنت کی دعائیں)

عرضی تابعدار ظہور الدین

عرضی کے نیچے نوٹ: اسی درخواست میں کوئی نقشہ شدہ کاغذ نہ تھا۔

دستخط کلیان نراین ۱۳ اگست ۱۸۵۷ء

حکم شاہی

جان من! کپتان کو مطلع کردو کہ خزانہ بالکل خالی ہے۔

سرے پر ایک گوشے میں نمبر (جو غالباً انڈکس نمبر ہوگا) "۸۷۷" اور اس کے نیچے ہی نوٹ ہے "موصول ہوا ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء"

عرضی نمبر ۴۔ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل۔ بحضور جہاں پناہ بادشاہ سلامت! مؤدبانہ التجا ہے کہ حضور نے جو ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو سینتیس ہزار روپے مع دو ہزار روپے کسریٹ فنڈ سے عطا فرمایا تھا' وہ سب خرچ ہو گیا اور اب بالکل باقی نہیں رہا۔ حضور نے نو آمدہ سواروں کے لئے حکم دیا ہے کہ فدوی ان کے خرچ وغیرہ کا بندوبست کردے۔ جن سواروں کے نام آخر میں درج ہیں' وہ سولہ اور بیس روز کا خرچ مانگتے ہیں' یعنی ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء تک کا خرچ مانگتے ہیں۔ لہذا غلام کی گذارش ہے کہ دس ہزار روپیہ عطا فرمایا جائے' تاکہ ان لوگوں کی تنخواہ ادا کردی جائے۔

		روپیہ
معز الدین خاں رسالدار	۱۵ روز	۳۶۹۲-۰
مردان خاں مع دس آدمیوں کے	۱۲ جولائی تک	۳۲۸-۰
طرہ دار خاں وفیض الدین خاں	۱۰ یوم	۱۵۹۴-۰
سید گلزار علی مع ۳۲ آدمیوں کے	۱۸ روز ۱۲ جولائی تک	۱۴۰-۰
غازی الدین خاں رسالدار ۱۲۵ آدمی	۱۳ روز	۱۹۵۰-۰
عبدالمجید خاں مع دو آدمیوں کے	۱۹ روز ماہ ذیقعد	۱۳۳-۰

احمد خاں وعداری خاں رسالدار جنہیں آخر ماہ تک دے دیا گیا تھا' مگر پھر بیس روز کا الاؤنس طلب کرتے ہیں۔ عرضی غلام ظہور الدین۔ سرکاری مہر۔ "کمانڈر انچیف"

(ان مطالبات سے حساب داں لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایام غدر میں شاہی خزانے سے سپاہیوں کی کتنی تنخواہ مقرر تھی۔ حسن نظامی)

حکم شاہی پنسل سے

خزانے میں روپے کی قلت ہے۔ اتنی کثیر رقم ادا نہیں کی جاسکتی۔ جو تھوڑا بہت چاہیں انہیں ضروریات کے لئے کچھ دے دیا جائے۔

عرضی نمبر ۵۔ مورخہ ۱۳ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ' نہایت ادب سے عرض ہے کہ لکھنؤ کے بے قاعدہ داروں کے رسالے نمبر ۱ کے رسالدار کو آج تک کی تنخواہ بالمشافہ دے دی گئی ہے۔ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو انہوں نے

پھر ایک درخواست پیش کی ہے۔ جس طرح دوسروں کو الاؤنس ملتا ہے انہیں بھی ملنا چاہئے اور انیس روز کا الاؤنس طلب کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ خزانہ خالی ہے اور اسی لئے وہ روزانہ الاؤنس کی درخواست کرتے ہیں۔ اب جو حکم جاری کیا جائے تعمیل کی جائے گی (ترقی دولت وسلطنت کی دعائیں) عرضی خادم ظہور الدین

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہے

جن لوگوں کو ماہوار ملتا ہے انہیں روزانہ الاؤنس نہیں دیا جا سکتا۔

سرے پر نوٹ موصول ہوا۔ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء نمبر ۹۸/۷ (غالباً انڈکس نمبر ہے)

(جو فوجی ملک کو آزاد کرنے کے لئے باغی ہوئی تھی وہ الاؤنس پر ضد کرتی تھی۔ انجام کا خیال اس کو نہ تھا۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ ان کے ہاتھوں مجبور تھے۔ حسن نظامی)

عرضی نمبر ۶۔ تاریخ نہیں ہے۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! خداوندا گزارش ہے جو لوگ ہانسی اور حصار سے جاں نثار کی ماتحتی میں آئے ہیں' وہ دو مہینے اور بیس روز کی تنخواہ طلب کرتے ہیں۔ یہ لوگ سرسہ' حصار' ہانسی وغیرہ سے نہایت حفاظت اور دیانتداری سے خزانہ لائے ہیں اور حضور کے شاہی خزانے میں داخل کر چکے ہیں اور یہاں روزمرہ اپنی تین چار جانیں قربان کر کے وفاداری کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔ لہٰذا انہیں تنخواہ ملنی چاہئے۔ تابعدار نے انہیں سمجھا دیا ہے اور بجائے دو مہینے بیس روز کے فی الحال صرف ایک ہی مہینے کی تنخواہ دلا دی جائے۔ اگر اتنی بھی نہ دی گئی تو فوج کے منتشر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ میں نے اس کے ساتھ تنخواہ کی تفصیل لکھ دی ہے تاکہ منظوری کا حکم صادر فرمایا جائے۔ واجب جان کر عرض کیا (ترقی اقبال کی دعائیں) درخواست خادم خاص محمد عظیم عفی عنہ

دستخط

دستخط کے نیچے نوٹ: "مہر فی الحال موجود نہیں تھی۔"

حکم شاہی پنسل سے

مرزا مغل۔ ایک مہینے کی تنخواہ دے دی جائے۔

عرضی نمبر ۷۔ تاریخ نہیں ہے۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! بموجب حکم حضور کے گڑھی ہرسرو کی مالگذاری آمدنی کا دس ہزار روپیہ خزانے سے لے کر سپاہ کا چار روز کا الاؤنس تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اب دو روز کا الاؤنس اور باقی ہے اور گڑھی ہرسرو سے آئے ہوئے روپے میں سے ۷۰۱۰ روپے ۱۳ آنے خزانے میں باقی ہیں۔ لہٰذا امید ہے کہ حضور حکم جاری فرمائیں گے تاکہ وہ روپیہ بھی خزانے سے لے کر پیادوں اور سواروں کو باقی ماندہ الاؤنس بھی دے دیا جائے۔ واجب جان کر عرض کیا (ترقی اقبال و دولت کی دعائیں) درخواست تابعدار ظہور الدین۔

حکم شاہی پنسل سے

پانچ پانچ ہزار روپے۔ دو مرتبہ دو روز کے الاؤنس کے لئے سابق میں منظور کیا جا چکا تھا اور پھر اور بھی بھیجا گیا۔ کیا اسے تقسیم کر دیا گیا؟ تاریخ نہیں ہے۔

کاغذات ترتیب شدہ ضمن فوج

عرضی نمبر ا۔ مورخہ ۲۲ مئی ۱۸۵۷ء۔ از شیخ بھنوتا نک اور چوالیسویں پیادہ رجمنٹ کے ساٹھ سپاہیوں کی۔

بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ عرض ہے کہ تابعدار آگرہ سے توپ عربی گھوڑے لے کر میرٹھ روانہ ہوئے تھے۔ علی گڑھ تک بحفاظت تمام لے آئے اور وہاں سے بلند شہر بھی پہنچ گئے۔ بلند شہر میں ہزار ہا دہقانوں نے آکر خزانہ شاہی لوٹنا چاہا۔ ہم نے خدا پر توکل کر کے ان پر حملہ کیا اور خزانہ اور گھوڑے ان کے لوٹ سے بچالئے اور دہلی کی طرف روانہ ہو گئے تا کہ یہ مال حضور کے سپرد کر دیں' مگر جب کشتی والے پل پر پہنچے تو ہمارے پاس تیراسی گھوڑے رہ گئے تھے اور پینتالیس ہزار روپیہ تھا جو دو گاڑیوں میں لدا ہوا تھا اور جب ہم پل عبور کر چکے تو کئی قصباتی آئے اور سائیسوں کو زدوکوب کر کے گھوڑے چھین کر لے گئے۔ جب وہ آ رہے تھے تو ہمیں گمان تھا کہ انہیں حضور نے ہماری حفاظت کے لئے روانہ کیا ہے ورنہ کبھی ہم انہیں گھوڑے نہ لے جانے دیتے۔ خزانہ اور بائیس گھوڑے جو باقی رہ گئے ہیں' سرکار کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ گمشدہ گھوڑے اب بھی چند لوگوں اور سواروں کے پاس موجود ہیں۔ جنہوں نے زبردستی ہم سے چھین لیا ہے اور ہماری سائیس انہیں شناخت کر سکتے ہیں۔ لہٰذا عرض ہے کہ حضور مرزا مغل کے نام حکم جاری فرمائیں کہ وہ گھوڑے جو سائیس بتائیں' ان لوگوں سے واپس لے لئے جائیں اور سرکار میں داخل کر دیئے جائیں۔

بادشاہ کے ہاتھ کا پنسل کا حکم

مرزا مغل تحقیقات کر کے گھوڑوں کو سراغ لگایا جائے اور بعد میں جس طرح مناسب ہو' معاملہ صاف کیا جائے۔

پشت پر نوٹ ''التوا میں ڈال دیا گیا'' (التوا میں ڈالنا یا تو اس وجہ سے ہو کہ عرضی درست نہ تھی' کیونکہ عرضی دہندہ خود ہی قصباتی دہقانوں کے لوٹنے کا ذکر کر کے الزام سواروں پر لگاتے ہیں کہ گھوڑے ان کے پاس ہیں اور بادشاہی دفتر نے کسی دباؤ سے مقدمے کو دبا دیا۔ حسن نظامی)

عرضی نمبر ۲۔ مورخہ ۲۹ مئی ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل! بحضور جہاں پناہ بادشاہ سلامت! چونکہ اعلیٰ حضرت نے فوج کو میرٹھ جانے کا حکم صادر فرمایا ہے لہٰذا رسد وغیرہ کے انتظامات کے لئے بیس سوار اور پچاس پیادے پہلے سے جانے ضروری ہیں۔ امید ہے کہ خادم کو ان کے روانہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے گی۔ عرضی کمترین ظہور الدین

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا۔

میر حیدر حسین خاں بیس سواروں کو اور شاہ رخ بیگ پچاس پیدلوں کو روانہ کریں (آگے پڑھا نہیں جاتا) (یہ ناواقفیت کا طرز عمل تھا۔ ورنہ کمانڈر انچیف کے اختیار کی بات تھی کہ بادشاہ سے حکم لینے کی ضرورت نہ تھی۔ اس میں بھی محمد بخت خاں والا اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ حسن نظامی)

عرضی نمبر ۳۔ تاریخ نہیں ہے۔ از گوری شنکر سکل افسر پیدل پلٹن ہریانہ بحضور بادشاہ غریب پرور! یہاں کی یہ حالت ہے کہ خدا کے حکم اور حضور کے اقبال سے اعلیٰ حضرت کی فرمانروائی آج دس بجے صبح قائم ہو گئی۔ اضلاع حصار اور سرسہ ہردو تا حال رجمنٹ کے قبضے میں ہیں اور یقین ہے کہ فوج خزانہ لے کر بہت جلد حضور کی خدمت میں حاضر ہو گی۔ حضور سے عرض ہے

کہ ہمارے پاس فوج بسبب خاص و عام کے رخصتی ہونے کے بہت کم رہ گئی ہے۔ اب تک ہم نے کئی دستے بنا لئے تھے جو باری باری سرسہ اور حصار میں رہتے تھے۔ ہانسی اور سرسے کے درمیان نوے میل کا فاصلہ ہے اور ہانسی سے دہلی نوے میل ہے اس لئے ہماری ایک ہی رجمنٹ کو دو ضلعوں کا خزانہ لے کر توپخانہ اور رسالہ بطور گارد ارسال کیا جائے۔ نیز ہماری جگہ قائم مقام بھیجے جائیں اور ایک حکم بھی جاری کیا جائے کہ آیا براہ رہتک حاضر ہوں یا جھجر ہو کر۔ دیگر عرض یہ ہے کہ برطانوی افواج پر حملہ کرنے کے لئے کرنال سے آئیں گی۔ پس حضور ان سب امور پر غور فرما کر حکم عنایت فرمائیں (ترقی دولت و سلطنت کی دعائیں) عریضہ نیاز مند گوری شنکر سکل سبک پلٹن ہریانہ

حکم شاہی بدست خود پنسل سے لکھا ہوا

مرزا مغل "تمام ضروری انتظامات کر دیئے جائیں۔"

فرمان نمبر۱۔ مورخہ ۳۰ مئی ۱۸۵۷ء۔ بنام جملہ افسران و سواران رجمنٹ نمبر۴ بے قاعدہ سواران' دیسی پیادہ رجمنٹ نمبر پانچ کی کمپنی کے دو نفر دیسی پیادہ نمبر ۲۹ کی کمپنی کا ایک نفر اور تمام دیگر سواران و پیدل' مع چنی لال اور بچن سواران رسالہ پنجم۔ رجمنٹ نمبر۴ بے قاعدہ سواران۔

ہمارے دربار شاہی میں حاضر ہو اور تمام فوج' سوار اور پیدل میں سے جو چاہے آئے اور اپنے ہمراہ اسلحہ جنگ اور خزانہ بھی لیتے آؤ۔ ان لوگوں کو اس شرط پر اجازت ہے کہ وہ کسی کو نہ ستائیں اور لوٹ مار نہ کریں۔ یہ سمجھ لیا جائے کہ مابدولت کے پاس ان تمام احکام کی بغیر حیلہ و حجت تعمیل کرنی ہوگی۔ جو دیئے جائیں گے پس بے چون و چرا مابدولت کے پاس حاضر ہو اور بیان کردہ خزانہ بھی ہمراہ لیتے آؤ۔ تم غلاموں پر شاہی شفقت رہے گی۔

عرضی نمبر۲۔ مورخہ ۹ جون ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل بحضور بادشاہ جہان پناہ سلامت! حضور نے تابعدار کو باڑی کے ہمراہ جانے کا حکم دیا ہے اور تابعدار نے جنرل عبدالصمد خان بہادر سے مشورہ کیا کہ وہ بھی ہمراہ چلیں تو انہوں نے جواب دیا کہ پیدل کا کوئی بھروسہ نہیں۔ صرف رسالے پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ ان کی رائے ہے کہ نہ میں جاؤں اور نہ وہ جائیں اور کہا کہ جب رئیس کی فوجیں آ جائیں گی اور سپاہیوں کو بخوبی قواعد داں بنا لیا جائے گا' اس وقت میرا اور ان کا باڑی میں جانا مناسب ہوگا۔ چوں کہ حضور کا حکم ہے کہ جنرل مذکور کے خلاف مشورہ کوئی کام نہ کروں' اس لئے میں نہیں جاتا۔ اس کی بابت اور بھی عرض کرنا ہے جو زبانی عرض کروں گا اور حضور کا فرمان تھا کہ میر حیدر حسین کو توپخانے میں شامل نہ ہونے دیا جائے۔ ورنہ باعث خفگی حضور ہوگا۔ چنانچہ فدوی نے تو تعمیل کر دی تھی' مگر سواروں نے نہ مانا اور میر حیدر حسین کو اپنے ہمراہ لے گئے (ترقی سلطنت و اقبال کی دعائیں) عرضی تابعدار مرزا ظہیر الدین

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہے۔

مطلب سمجھ لیا گیا۔ بموجب رائے عبدالصمد خاں عمل کرو۔

(بادشاہ افسروں پر اپنے حقیقی بیٹے سے زیادہ بھروسہ رکھتے تھے' جب ہی تو مرزا مغل کو جنرل عبدالصمد خاں کی اطاعت کا حکم دیا۔ حسن نظامی)

فرمان نمبر۲۔ مورخہ ۱۰ جون ۱۸۵۷ء۔ بنام مرزا مغل۔ فرزند۔ شہرۂ آفاق ولاور مرزا مغل بہادر۔ معلوم ہوگا کہ گلاب اور

جوالا سنگھ پہاڑی دھیرج حریف کو رسد پہنچایا کرتے ہیں اور ابھی خبر آئی ہے کہ وہ وہاں موجود ہیں۔ پس تمہیں بہت سخت تاکید کی جاتی ہے کہ باقاعدہ پیدل کا ایک دستہ اور باقاعدہ رسالے کے پچاس سواران کی اوران کے رفقاء کی گرفتاری کے لئے فی الفور روانہ کرو۔ اس کام میں ذرا دیر نہ کی جائے۔

پشت پر نوٹ: "احکام جاری کئے گئے"

عرضی نمبر۵۔ مورخہ ۱۹ جون ۱۸۵۷ء۔ از ضابطے خاں۔ پولیس اسٹیشن بسنت۔ بعالی خدمت بادشاہ خداوند عالم! مجھے آج ہی خبر ملی ہے کہ نصیر آباد سے دو ہزار سوار جنہوں نے گورنمنٹ برطانیہ سے بغاوت کی ہے ہم میں ملنے کی غرض سے آ رہے ہیں اور آج گڑھی ہر سرو پر قیام کیا ہے اور کل یہاں پہنچ جائیں گے۔ اس جگہ پر کہیں سے رسد وغیرہ کا انتظام نہیں ہو سکتا ہے۔ پس امید ہے کہ اعلیٰ حضرت کچھ افسر اور سواروں کو اس مقصد کے لئے مامور فرمائیں گے۔ دیگر عرض ہے کہ فدوی کو پہلے سے اس کی خبر نہ تھی ورنہ پہلے ہی انتظام کر دیا جاتا۔ آج جو خبر آئی وہ بالکل حیرت انگیز۔ پس ایسے احکام جاری فرمائے جائیں جو بجالا سکوں۔

عریضہ فدوی ضابطے خاں از پولیس اسٹیشن بسنت۔

عرضی پر کوئی حکم نہیں۔ پشت پر نوٹ "احکام جاری کر دیئے گئے" ۱۹ جون ۱۸۵۷ء۔

فرمان نمبر۳۔ (حکم شاہی ہاتھ سے پنسل کا لکھا ہوا) مورخہ ۲۰ جون ۱۸۵۷ء۔ بنام مرزا مغل۔ فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر! معلوم ہو کہ شورہ لانے کے لئے چھ گاڑیاں تیار کی گئی ہیں جو باہر جمع ہیں اور بارود کے لئے جس کی ضرورت ہے۔ پس تم باقاعدہ پیدل کے پچیس آدمیوں کو اس کی حفاظت کے لئے مقرر کرو تاکہ بحفاظت میگزین پہنچ جائے۔ نیز فوجی پہرہ متعینہ لاہوری دروازے کے نام احکام جاری کرو کہ اس کی آمد و رفت میں رخنہ اندازی نہ کریں۔

فرمان نمبر۴۔ (حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا) مورخہ ۱۸ جون ۱۸۵۷ء بنام مرزا مغل فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر! معلوم ہو کہ نصیر آباد سے آئے ہوئے رسالے دو توپخانے اور دو پیادہ رجمنٹوں کے افسروں کی ابھی ہمارے پاس درخواست آئی ہے کہ اگر اجازت مل جائے تو تین طرف مورچے بنائے جائیں اور حریف پر حملہ کر دیا جائے اور رجمنٹ کے مزدوروں کی ضرورت ہے تاکہ مورچے بنائے جا سکیں اور رسالے کے عقب کو محفوظ کیا جا سکے تاکہ عرض کنندے پرسوں حملہ کر دیں۔ یہ درخواست ہمارے پاس پیش ہوئی تھی تاکہ اس کا انتظام کر دیں۔ پس تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ مزدوروں کے نام احکام جاری کرو اور تمام سپاہ کے نام بھی کہ نصیر آباد سے آئی ہوئی فوج کا ساتھ دیں۔ پہلے مورچے تعمیر کیے جائیں پھر پرسوں حملہ کر دیا جائے۔

فرمان نمبر۵۔ (حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا ہے) مورخہ ۲۰ جون ۱۸۵۷ء۔ بنام مرزا مغل فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر! معلوم ہو کہ روزمرہ کے کثرت استعمال سے اب میگزین میں بارود بالکل نہیں ہے اور حکم جاری کر دیئے گئے ہیں کہ جو جو چیزیں اس کی ساخت کے لئے ضروری ہوں خرید لی جائیں اگرچہ بارود سازوں کی بڑی تعداد میگزین میں کام کرتی ہے۔ حیرت ہے کہ پھر بھی بارود خاطر خواہ بہم نہیں پہنچتی۔ پس تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ نیچے لکھے

ہوئے لوگوں کے پاس بارود اکٹھی کرو اور جس جگہ اس کے پیپے رکھے رہتے ہیں' تلاش کر کے جتنی نکل سکے اپنے قبضے میں لے آؤ اور سب کو کل میگزین بھجوادو۔ سب کام چھوڑ کر پہلے اسے کرو اور خیال رکھو کہ میگزین تک لے جانے میں بہت احتیاط سے کام لیا جائے۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

ہمارے فرزند مرزا خیر سلطان بہادر سے ۳۵۰ پیپے۔ پیادہ رجمنٹ نمبر ۶۷ متعینہ لاہوری دروازہ سے ۲۳۲ پیپے۔ پیادہ رجمنٹ نمبر ۳۸ متعینہ دہلی دروازے سے ۸۰ پیپے۔ کشمیری دروازہ والوں سے (تقریباً) ۷۰ پیپے۔ باقی تمام رجمنٹوں سے جتنی دستیاب ہو سکے' بہم پہنچاؤ۔

فرمان نمبر ۶۔ (حکم شاہی جس پر مہر شاہی ثبت ہے) مورخہ ۲۱ جون ۱۸۵۷ء۔ بنام مرزا مغل فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر! معلوم ہو کہ سوار و پیادوں کو گولی بارود کی طرح راشن بھی مورچوں ہی پر روانہ کر دیا جایا کرے اور خیال رہے کہ کوئی شخص راستے میں کچھ گڑبڑ نہ کرنے پائے' کیونکہ افواج کو راشن دینا بہت احتیاط کا کام ہے۔ نیز بذریعہ درخواست مطلع کرو کہ کون کونسی اشیاء راشن کے لئے مطلوب ہیں تاکہ فی الفور روانہ کر دی جائیں۔

سرے پر گوشے میں نوٹ: "انڈکس نمبر ۲۶"

فرمان نمبر ۷۔ (حکم شاہی جس پر مہر شاہی ثبت ہے) مورخہ ۲۷ جون ۱۸۵۷ء بنام نشان عزت خواجہ نذر الدین تھانیدار بدرپور۔ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری عرضی سے معلوم ہو چکا ہے کہ نیچ فوج کے کچھ پیدل و سوار عرب سرائے میں آ کر ٹھہرے ہیں اور بازاریوں سے مٹھائی و رسد بہت تعداد میں طلب کرتے ہیں جو بوجہ قلت آبادی دستیاب نہیں ہو سکتی۔ تم نے لکھا تھا کہ کوتوال شہر کو رسد فراہم کر کے روانہ کرنے کے احکام صادر کئے جائیں۔ چنانچہ ایسا کر دیا گیا ہے' مگر اس قدر مٹھائی وغیرہ بسبب شہر میں بدامنی ہونے اور دکانیں بند ہونے کے فراہم نہیں کی جا سکتی۔ علاوہ ازیں نشان عزت کی درخواست کے بموجب بیس پیدل اور دس سوار روانہ کئے جاتے ہیں۔ ان سے حسب ضرورت کام لو اور بعد میں روانگی فوج واپس کر دو۔ فوج مذکور کے افسر کے نام پر ایک مراسلہ ہے۔ اسے فی الفور اس حد تک پہنچا دو تاکہ وہاں کے باشندوں اور بازاریوں پر سپاہی کسی طرح کا ظلم و زبردستی نہ کرنے پائیں۔

پشت پر تھانے دار کا جواب

بحضور بادشاہ غریب پرور! مورخہ ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء۔

عالیجاہا! بیس پیادے اور دس سوار جو حضور نے روانہ فرمائے تھے' بعد روانگی فوج نیچ واپس کر دیے گئے ہیں۔ وزیر علی جمعدار اور پیادوں نے قابل تعریف مدد دی۔ دیگر عرض یہ ہے کہ کوتوال شہر دہلی نے تین بجے شام کو رسد روانہ کی۔ جب یہاں اس سے قبل ہی انتظام ہو چکا تھا۔ لہٰذا وہ واپس کی جاتی ہے۔ عرضی غلام نذیر الدین خاں تھانیدار بدرپور مقیم عرب سرائے

"مہر تھانیدار بدرپور سال جلوس اکیس" نیز ایک مہر ہے "خواجہ محمد نذیر الدین خاں"

حکم شاہی بغیر دستخط یا مہر کے

حکم دیا جاتا ہے کہ اسے داخل دفتر کیا جائے۔

فرمان نمبر ۸۔ (بادشاہ کے ہاتھ کا پنسل سے لکھا ہوا حکم) مورخہ ۲۹ جون ۱۸۵۷ء بنام مرزا مغل فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر! معلوم ہو کہ آج دریا بہت چڑھ گیا ہے اور خبر ہے کہ کل بریلی کی فوجیں آ جائیں گی۔ داروغہ پل کو سخت تاکید لکھ دی گئی ہے کہ جس قدر کشتیاں فراہم ہو سکیں مہیا کرے اور اس فوج کو دریا کے کنارے ڈیرے ڈالنے کا تاکیدی حکم دیا جائے۔ فوج مذکور مختلف گروہوں میں بذریعہ کشتیوں کے دریا عبور کرے گی۔ پس فرزند ما بدولت تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ فوجی افسروں کے نام فرمان جاری کرو کہ کوئی سپاہی یا افسر داروغہ پل سے بری طرح پیش نہ آئے۔ پل کی مرمت کے بھی تاکیدی احکام جاری کر دیے گئے ہیں۔ ایک یا دو روز کی تکلیف ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہاں آرام سے پڑے رہیں۔

عرضی نمبر ۶۔ مورخہ ۳۰ جون ۱۸۵۷ء از مرزا مغل۔ بحضور جہاں پناہ بادشاہ سلامت! مؤدبانہ عرض ہے کہ غنیم کے مورچوں میں سے ایک ہاتھی پکڑا گیا ہے جسے کچھ سپاہیوں اور مجاہدین کی حفاظت میں حضور کے پاس ارسال کیا جاتا ہے۔ تابعدار کو یقین ہے کہ حضور رسید مرحمت فرمائیں گے (ترقی سلطنت کی دعائیں)

درخواست تابعدار مرزا ظہور الدین

حکم شاہی پنسل کا لکھا ہوا۔

ہاتھی ما بدولت کے پاس پہنچ گیا ہے۔ سیاہی سے نوٹ موصول ہوا ۱۶ جولائی ۱۸۵۷ء۔ "۳۹۹" (غالباً انڈکس نمبر ہے)

عرضی نمبر ۷۔ مورخہ یکم جولائی ۱۸۵۷ء۔ متفقہ درخواست مرزا مغل و مرزا عبداللہ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ عرض ہے کہ پل بالکل درست ہو گیا ہے اور قدیوں کو یقین ہے کہ وہ بہت مستحکم ہو گیا ہے۔ لہٰذا بریلی سے آئی ہوئی فوج کو جو دریا کے کنارے پڑی ہے رات کو عبور کرنے کا حکم دیا جائے کیونکہ ان میں تو انگریزوں کی گولیاں اور گولے برستے رہتے ہیں۔ اگر حکم مل جائے تو اس فوج کی چھاؤنی اجمیری دروازے کے باہر قائم کر دی جائے۔ اس کے علاوہ جو احکام موصول ہوں گے ان پر عمل کیا جائے گا۔

عرضی مرزا ظہور الدین و مرزا عبداللہ

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا۔

اس فوج کو ترکمان دروازے کے باہر چھاؤنی قائم کرنے کی ہدایت کرو۔ حاشیہ پر نوٹ "انڈکس نمبر ۴۴۳"

پشت پر حکم جس پر کسی کے دستخط نہیں ہیں لیکن ایک سرکاری مہر ثبت ہے۔

(فی الحال مہر کا نشان پڑھا جا سکتا ہے کہ کمانڈر انچیف مرزا مغل مرقوم ہے)

"احکام کی تعمیل ہو گئی۔ درخواست کو داخل دفتر کیا جائے۔ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء۔"

فرمان نمبر ۹۔ (حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا) تاریخ نہیں ہے۔ بنام ملازم خاص لارڈ گورنر محمد بخت خاں بہادر! ہماری مہربانیوں کے سزاوار ہو۔ جانو کہ کچھ کی فوج علاپور پہنچ گئی مگر تمام سامان باربرداری سیمیں پڑا رہ گیا۔ پس ہدایت کی جاتی ہے کہ دو سو سوار اور پانچ یا سات پیدل سپاہ کی کمپنیاں مع سامان مذکورہ اور رسد وغیرہ کے غازیوں کے ہمراہ لے کر علاپور

پہنچے۔ علاوہ ازیں تمہیں تاکید کی جاتی ہے کہ کفار عیدگاہ کے نزدیک مقیم ہیں۔ انہیں آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ یہ معلوم رہے کہ اگر فوج بغیر فتح پائے کے اور انہیں شکست فاش دیئے بغیر واپس آ گئی تو نتیجہ بہت خراب ہوگا۔ تمہیں اطلاع دے دی گئی اور اب ان احکام کی بجا آوری میں بہت مستعدی سے کام لو۔

عرضی نمبر ۸۔ مورخہ ۹ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مودبانہ التماس ہے کہ سرفراز خاں دفعدار اور محمد خاں سپاہی توپخانہ غنیم کے مورچوں سے گھوڑوں پر سوار ہو کر ابھی آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ غنیم کے مورچے واقع سبزی منڈی پر قبضہ ہو گیا ہے اور حضور کی کامران فوج کے غازیوں نے دو توپوں پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ خیر خواہان سلطنت کو مبارک باد! یہ دونوں آدمی جو حضور میں خدمت میں حاضر ہوئے ہیں' غنیم کے ملازم ہیں اور ان لوگوں نے حضور کی خاطر (لڑائی پر) کمر باندھی ہے (ترقی اقبال و دولت کی دعائیں) عرضی فدوی ظہور الدین۔

سرکاری مہر "کمانڈر انچیف بہادر"

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا

ہم نے اس درخواست کا مطلب سمجھ لیا۔ نور چشم! تمہارے لئے انجام سعید ہو۔

عرضی نمبر ۹۔ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء از مرزا مغل بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مودبانہ عرض ہے کہ غلام نے حضور کے حکم کے بموجب احکام اعلیٰ حضرت افسران فوج کو سمجھا دیئے اور کل جنرل محمد بخت خاں بھی غلام کے پاس آئے تھے۔ ان سے حضور کے ارادے سن کر افسران فوج کو سمجھا دیئے گئے۔ میں نے تو حسب لیاقت سمجھا دیا ہے' مگر وہ لوگ اسے منظور نہیں کرتے۔ افسران فوج کی ایک درخواست بھی اسی عرضی کے ہمراہ ہے۔ حضور اسے دیکھ کر جو حکم مناسب ہو دیں۔ (ترقی سلطنت کی دعائیں)

عرضی تابعدار مرزا ظہور الدین

سرکاری مہر کا نشان ہے "کمانڈر انچیف بہادر"

(وہی باہمی رقابت اور رشک و حسد۔ مرزا مغل نہیں چاہتے تھے کہ جنرل بخت خاں کو ان پر فوقیت ہو اور یہی اختلاف تباہی اور شکست کا باعث ہوا۔ حسن نظامی)

عرضی نمبر ۱۰۔ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل! بحضور بادشاہ جہاں پناہ! بندوقوں کے گھوڑے اور میگزین کی دیگر اشیاء جو بلاسی لاسکر کے مکان سے دستیاب ہوئی ہیں' خدمت اقدس میں پیش کی جاتی ہیں۔ تفصیل علیحدہ ہے جو اسی کے ہمراہ ہے۔

تفصیل

تفصیل اشیاء میگزین جو بلاسی لاسکر کے مکان سے' موہائی جمعدار لاسکر' کا تیوار پی کمپنی رجمنٹ' کریم بخش سوار نمبر ۴ بے قاعدہ سواروں کی رجمنٹ کی موجودگی میں مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء حسب اطلاع رگھوناتھ راؤ سپاہی رجمنٹ دیسی پیدل نمبر ۸ برآمد ہوا۔

پستول کی ٹی مع پرزہ ۱۔ بندوق کے کندے کا سرا (پیتل کا) ۱۔ پستول کی ٹی (آہنی) ۱۔ بندوق کی سنگینیں ۲۔ بندوقوں اور

پستولوں کے گھوڑے کلاں ۹، خرد ۲۰، کل ۲۹۔ گھوڑے کے چھوٹے ٹکڑے ۳، اور کندے ۱۴۔

بادشاہ کا پنسل سے لکھا ہوا حکم

سب سامان ہماری سرکار میں پہنچ گیا۔

عرضی نمبر ۱۱۔ تاریخ نہیں ہے۔ از افسران دیسی پیدل رجمنٹ نمبر ۱۱ بحضور غریب پرور اعلیٰ حضرت جنرل صاحب بہادر۔ کل بوقت دو پہر کلیان نائک کھانا کھا کر شہر پناہ کی طرف گیا، جہاں اس نے مہابیر سنگھ سپاہی اور کمپنی گیارہویں رجمنٹ دیسی پیدل کو جو توپوں پر پہرہ دیتا تھا، اپنی جگہ پر سوتا پایا۔ یہ غفلت دیکھ کر نائک نے اس کی بندوق اٹھالی اور پھر بیدار کر کے یہ دریافت کیا کہ بندوق کہاں ہے۔ سنتری مذکور نے جواب دیا کہ اسے نہیں معلوم کہ کیا ہوئی اور کون لے گیا۔ نائک نے فوراً سیر سنگھ صوبے دار بہادر کو اطلاع کی جن کے حکم سے فوراً سنتری کو حوالات کر دیا گیا۔ آج تمام افسران رجمنٹ نے کورٹ منعقد کر کے مہابیر سنگھ کو طلب کیا تھا۔ جہاں اس نے اپنے جرم کا اقبال کیا۔ ملزم کی غفلت اور اقبال جرم کی وجہ سے حضور سے التجا ہے جو سزا حضور مقرر کریں گے وہ سب منظور کر لیں گے۔ عرضی جملہ افسران اہی پیدل رجمنٹ نمبر ۱۱ مقیم اجمیری دروازہ۔

حکم شاہی

ہماری درخواست بابت مہابیر سنگھ سپاہی جو بوقت پہرہ دینے کے سو گیا تھا جیسا کہ وہ خود اقبال کرتا ہے اور تمہارا اس کو کمانڈر انچیف بہادر کے روبرو پیش کرنا تا کہ وہ جو مناسب سمجھیں سزا دیں، ہماری سامنے پیش ہوئی۔ ان کورٹ ممبران کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جو سزا اس کے جرم کے موافق اسے دی جائے، تمہاری رائے سے اتفاق کیا جائے گا۔

حکم کے نیچے نوٹ: "ایک حکم لکھ دیا گیا۔"

عرضی نمبر ۱۲۔ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل بحضور جہاں پناہ بادشاہ سلامت! نہایت ادب سے گذارش ہے کہ حضور پر پوری طرح روشن ہے کہ محمد بخت خاں کے آنے کے قبل کام نہایت خوش اسلوبی سے ہو رہا تھا، مگر مذکورہ جنرل کے آتے ہی کئی انتظامات میں فرق آ گیا ہے۔ آج فدوی نے غنیم پر حملہ کرنے کی نیت سے فوج کو مسلح کرا کر شہر سے باہر نکالا۔ دفعتہً کورہ جنرل آ گیا تو اس نے فوج کو بہت دیر تک ایک جگہ روکے رکھا اور اہل فوج سے دریافت کیا کہ کس کے حکم سے تم نکلے ہو۔ پھر آخر کار انہیں واپس کر دیا اور کہا کہ بغیر میری اجازت کے کہیں نہ جانا۔ لہٰذا فدوی عرض پرداز ہے کہ اگر تمام فوجی معاملات کا اعلیٰ حضرت نے اسی کو مختار کر دیا ہے تو مجھے ایک حکم تحریر عنایت فرمایا جائے کہ میں کسی فوجی کام میں دخل نہ دیا کروں اور افسران فوج کو سمجھا دوں کہ آئندہ سے وہ اس کے حکم کی تعمیل کیا کریں اور اسی کی ماتحتی میں کام کریں۔ اگر احکام تابعداری کے برخلاف ہوں گے تو تمام چھوٹے بڑے افسروں کے لئے رنج و محن ہو گا۔ اگر دوسری طرف غلام کے ذمہ تمام فوجی کاروبار ہو گا تو جنرل کو دخل نہ دینا چاہئے۔ اسے صرف اپنی رجمنٹ کا اختیار ہے۔ جو کام اس کی مرضی سے ہوں، وہ اس کی رجمنٹ سے ہی لئے جائیں۔

عرضی تابعدار ظہور الدین۔ (کوئی حکم نہیں ہے)

(میرزا مغل فن حرب سے بالکل ناواقف تھے یا کم از کم جنرل بخت خاں کی سی حربی قابلیت ان میں نہ تھی مگر بادشاہ کا بیٹا

ہونے کے گھمنڈ نے ان کو خود سر بنا دیا تھا۔ بادشاہ خود بھی اس کو سمجھتے تھے اس واسطے اس قسم کی خواہشوں پر کوئی حکم نہ دیتے تھے۔ افسوس اسی نفاق نے ملک کو تباہ کر دیا۔ حسن نظامی)

عرضی نمبر ۱۳۔ مورخہ ۱۹ جولائی ۱۸۵۷ء۔ از مرزا مغل بحضور بادشاہ جہاں پناہ! گذارش فدوی کی یہ ہے کہ حضور کے اقبال سے رات دن جانبازانہ حملے کئے جا رہے ہیں۔ اگر علی پور کی طرف سے کچھ کمک مل گئی تو حضور کے طالع بختیاری سے بحکم خدا آخری فتح نصیب ہوگی۔ پس عرض ہے کہ بریلی کے جنرل کے نام حکم جاری کیا جائے کہ وہ اپنی فوج لے کر علی پور کی طرف بڑھیں اور اس رخ سے کفار پر حملہ آور ہوں۔ جبکہ غلام اپنی فوج کے ہمراہ اس طرف سے حملہ کر دے گا' تا کہ دونوں طرف سے دباؤ ڈال کر کفار ملاعین کو جہنم واصل کر دیا جائے۔ علاوہ ازیں یہ بھی امید ہے کہ اگر فوج علی پور کو جائے گی تو غنیم کا سلسلہ رسد رسانی بھی منقطع ہو جائے گا۔ واجب تھا عرض کیا (ترقی دولت وسلطنت کی دعائیں)

بادشاہ کا تحریری حکم پنسل سے۔

مرزا مغل۔ جو انتظام مناسب سمجھو کرو۔

پشت پر بغیر دستخط کے حکم (غالباً مرزا مغل کا ہوگا جو بادشاہ کے حکم پر دیا گیا ہے) حکم دیا جاتا ہے کہ بریلی جنرل کے نام ایک حکم تحریر کیا جائے (تاریخ نہیں ہے)۔ حکم بالا کے نیچے نوٹ "لکھ دیا گیا" سرے پر نوٹ "نمبر ۱۰۴" اور اس کے نیچے "موصول ہوا۔ مورخہ ۳۰ جولائی ۱۸۵۷ء"

عرضی نمبر ۱۴۔ مورخہ ۳۰ جولائی ۱۸۵۷ء از مرزا مغل بحضور بادشاہ جہاں پناہ! نیاز مندانہ عرض ہے کہ امیر خاں رسالدار نے ایک درخواست پیش کی ہے کہ انہیں گھوڑے کا ساز ملنا چاہئے جس کی فہرست اس کے ہمراہ ہے۔ لہٰذا التجا ہے کہ منظور فرمایا جائے تا کہ انہیں سامان مطلوبہ دیا جا سکے۔

حکم شاہی پنسل سے۔

مرزا مغل۔ جو سامان طلب کیا گیا ہے دے دیا جائے۔

پشت پر بغیر مہر و دستخط کا حکم (غالباً مرزا مغل کا ہوگا) نمبر ۲۰۰ "حکم دیا جاتا ہے کہ جب اوروں کو گھوڑوں کا ساز دیا جائے انہیں بھی دیا جائے" مورخہ ۳۰ جولائی ۱۸۵۷ء۔

عرضی نمبر ۱۵۔ مورخہ یکم اگست ۱۸۵۷ء از خواجہ خیرات علی محرر دفتر گورنر صاحب بحضور بادشاہ جہاں پناہ! حضور کو خوب معلوم ہے کہ بیس ہزار فوج بسبب بارش اور رسد نہ ہونے کے کل سے تکلیف میں مبتلا ہے۔ لہٰذا امیدوار ہوں کہ حضور کوتوال شہر کو حکم صادر فرمائیں کہ فی الحال ایک سو من بھنے ہوئے چنے بڑی کے پل کے دوسری طرف چھاؤنی میں روانہ کر دیں ورنہ فوجوں کی فاقہ کشی کا آج دوسرا روز ہے۔ اطلاعاً عرض ہے۔

عرضی تابعدار خواجہ خیرات علی محرر دفتر گورنر۔

حکم شاہی پنسل سے

"مطلب سمجھ لیا گیا۔ سرے پر نوٹ "۳ اگست ۱۸۵۷ء انڈکس نمبر ۱۱۶۵"

(یہاں غالباً کچھ اور عبارت ہوگی جو شاید ترجمے سے رہ گئی۔ ورنہ مطلب سمجھنے سے کیا حاصل۔ فوج کو خوراک بھیجنی ضروری

تھی۔ حسن نظامی)

عرضی نمبر ۱۶۔ مورخہ یکم اگست ۱۸۵۷ء۔ از خواجہ خیرات علی دفتر گورنر صاحب بحضور بادشاہ خداوند عالم! نیاز مندانہ گذارش ہے کہ دیسی پیدل کی اٹھارہویں رجمنٹ کا ایک دستہ کل سے بدستور عید گاہ کے مورچے پر موجود ہے' جبکہ تمام رجمنٹ مع لارڈ صاحب کے علاپور چلی گئی ہے۔ اب اس دستے کو بھی وہیں جانے کا حکم ہوا ہے۔ لہٰذا غلام عرض پرداز ہے کہ شہر کی رجمنٹ سے کچھ کمک ارسال کی جائے تاکہ مورچے پر ان کی جگہ مقیم رہے۔ آگے حضور کو اختیار ہے۔

عرضی تابعدار خواجہ خیرات علی۔

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا

مرزا مغل۔ ''فوراً اس کا بندوبست کیا جائے۔'' حاشیے پر نوٹ ''موصول ہوا۔ ۱۳ اگست ۱۸۵۷ء''

عرضی نمبر ۱۷۔ ۱۲ اگست ۱۸۵۷ء۔ از غلام محی الدین خاں رسالدار خاص بادشاہ جہاں پناہ' مؤدبانہ عرض ہے کہ خاکسار ٹونک سے اس شہر میں وارد ہوا ہے اور پانسو سپاہیوں کو جن کی ایک کمپنی بن گئی ہے اور پندرہ سو مجاہدین کو ہمراہ لایا ہے' جنہوں نے اپنی جانیں مذہب پر فدا کرنے اور کفار سے لڑنے کے لئے وقف کر دی ہیں۔ فدوی اپنے ہمراہیوں سمیت کل شریک جنگ تھا۔ چنانچہ خاص فدوی کے ہاتھ سے اٹھارہ کفار جہنم واصل ہوئے اور فدوی کے پانچ آدمی کام آئے اور پانچ زخمی ہوئے۔

عالی جاہا! جب ہم لوگ برسرپیکار تھے' فوج نے ہماری بالکل مدد نہیں کی' بلکہ خاموشی سے کھڑی دیکھتی رہی' لیکن خدا کے فضل سے کل ہمیں کو فتح نصیب ہوئی۔ اب مجھے یقین ہے کہ حضور کچھ روپیہ اور ہتھیار عنایت کریں گے تاکہ ہم لوگوں کو کفار سے لڑنے اور اپنے دل کے حوصلے نکالنے کا موقع مل جائے (ترقی دولت واقبال کی دعائیں) عرضی کمترین غلام محی الدین خاں رسالدار اعظم آمدہ از ٹونک۔ تاریخ نہیں ہے۔

پشت پر بغیر مہر و دستخط کے حکم غالباً مرزا مغل کا ہو گا ''حکم دیا گیا۔ فی الحال ہتھیار موجود نہیں ہیں۔ جب کچھ آئیں گے دے دیئے جائیں گے۔ روپیہ بھی فراہم کر کے عطا کیا جائے گا۔''

فرمان نمبر ۱۰۔ (حکم جس پر مرزا محمد خیر سلطان بہادر ابن محمد بہادر شاہ محی الملۃ والدین تحریر ہے) مورخہ ۱۱ اگست ۱۸۵۷ء۔ بنام افسران صوبہ داران وجمیع افواج آمدہ از صوبہ بمبئی۔ جس کسی نے تمہیں بتایا ہے کہ دہلی کی شاہی افواج کو شکست ہوئی ہے سراسر لغو اور بناوٹ ہے۔ یہ افواہ ذلیل کفار نے اڑائی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ چالیس یا پچاس ہزار باقاعدہ اور تقریباً دس یا پندرہ ہزار بے قاعدہ افواج یہاں موجود ہیں جو شب و روز کفار پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ ان کے مورچے بالکل پیچھے ہٹا دیئے گئے ہیں۔ اگر خدا نے چاہا تو تین یا چار روز میں تمام میدان پر قبضہ ہو جائے گا اور مردودوں کو چن چن کر جہنم رسید کیا جائے گا۔ پس تمہیں لکھا جاتا ہے کہ مراسلہ دیکھتے ہی جس طرح ممکن ہو خود کو یہاں پہنچاؤ' تاکہ شاہی افواج میں شامل ہو کر سرخروئی و ناموری حاصل کرو۔ اسے نہایت ضروری سمجھو۔

حکم از طرف مرزا خیر سلطان بنام افواج بمبئی۔ مورخہ ۱۱ اگست ۱۸۵۷ء۔ یقین دلایا جاتا ہے کہ شاہی افواج کی زک کی افواہ کفار کی من گھڑت ہے جو خود تین چار روز میں تہ تیغ کر دیئے جائیں گے۔

فرمان نمبر ۱۱۔ (حکم جس پر بادشاہ کی مہر ثبت ہے) مورخہ ۱۳ اگست ۱۸۵۷ء۔ بنام نشان شجاعت کریم اللہ خان رسالدار پلٹن

رجمنٹ لال سنگھ صوبے دار رسالہ دوم توپخانہ۔ شیخ امام بخش صوبے دار رسالہ سوم توپ خانہ لال پانڈے صوبے دار رسالہ چہارم توپخانہ رام سنگھ صوبے دار رسالہ پنجم توپخانہ۔ امانت علی صوبے دار یکم پیادہ رجمنٹ نند پرشاد صوبے دار دوم پیادہ رجمنٹ ہیرا سنگھ صوبے دار سوم پیادہ رجمنٹ رام دین صوبے دار چہارم پیادہ رجمنٹ بشارت علی صوبے دار پنجم پیادہ رجمنٹ افواج گوالیار وافسران پیادہ مرار۔

جانو کہ تمہاری درخواست کا مضمون سمجھ لیا اور تمہاری جرأت و مردانگی کا یقین کامل ہو گیا۔ تمہیں لازم ہے کہ مع راجہ اور پیدل گوالیار کے قلعہ آگرے پر قابض ہونے کے لئے قدم بڑھاؤ یا راجہ سے خود خزانہ لے لو اور قلعہ پر تصرف ہونے کے لئے چلے جاؤ۔ افسر سے لے کر ادنیٰ سپاہی تک ہر ایک کے درجے اور مرتبے کے موافق انعام واکرام دیا جائے گا اور عزت افزائی کی جائے گی۔ میجر جنرل اور کرنیل کے بھی عہدے دیئے جائیں گے۔

عرضی نمبر ۱۸۔ مورخہ ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء۔ از محمد بخش علی داروغہ جیل خانہ جھانسی بحضور ظل سبحانی رحمت یزدانی پناہ عالمیان وغیرہ۔ مؤدبانہ عرض ہے کہ غلام کی درخواست پر احکام نافذ فرمائے گئے تھے کہ علاوہ موجودہ پانچ سو سواروں کے دہ پیادوں کی بھی ایک رجمنٹ فراہم کرے۔ غلام کی عرض تھی کہ بجائے علی غول کے کسی دوسرے نام سے غلام کی عزت بخشی جاتی کیونکہ جن آدمیوں کو جمع کیا گیا ہے وہ قواعد داں اور باقاعدہ کام کرنے والے ہیں انہیں جس درجے پر حضور کہیں گے وہ قائم رہیں گے۔ پس غلام عرض پرداز ہے کہ حضور کے دستخط اور مہر کے احکام اس بارے میں جاری فرمائے جائیں (ترقی اقبال اور سلطنت کی دعائیں) عرضی کمترین محمد بخش سابق داروغہ جیل خانہ جھانسی افسر علی غول

حکم شاہی پنسل سے

شمشیر الدولہ بہادر۔ حسب دستور حکم جاری کیا جائے اور لکھا جائے کہ اس رجمنٹ کو "فیض" کا لقب عطا کیا گیا۔ پشت پر نوٹ: "حکم لکھ گیا" مورخہ ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء۔

(غالباً علی غول بے قاعدہ فوج کو کہتے ہوں گے جو دوسرے نام کی خواہش کی گئی۔ فیض نام بادشاہ کے صوفی مشرب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ حسن نظامی)

فرمان نمبر ۱۲۔ مورخہ ۲۱ اگست ۱۸۵۷ء۔ بنام جملہ افسران فوج بمبئی نمبر ۲۵ پیادہ رجمنٹ و توپخانہ۔

گردھاری سنگھ صوبے دار پیادہ کمپنی نمبر ۱۶ رجمنٹ نے ہمارے پاس آ کر تمہاری مردانگی اور قابل تعریف کارگزاری کا ذکر کیا جسے سن کر ما بدولت کو بہت خوشی حاصل ہوئی۔ آج سے تم اس جانب کے خانہ زاد غلام وملازم تصور کیے جاؤ گے۔ پس لازم ہے کہ حکم پہنچتے ہی فوراً تیزی سے قدم بڑھاؤ اور ما بدولت کے حضور میں حاضر ہو۔

عرضی نمبر ۱۹۔ مورخہ ۲۳ اگست ۱۸۵۷ء۔ از محمد بخت خاں بحضور مرزا مغل خداوند نعمت مرزا ظہور الدین کمانڈر انچیف بہادر۔ پیادہ رجمنٹ اور رسالے وغیرہ کے ہر ایک دستے کا ایک ایک افسر حضور کے قائم کردہ کورٹ میں روانہ کرنے کا حکم موصول ہوا۔ میں نے افسران مذکور کو بلا کر کل دس بجے حضور کے کورٹ میں حاضر ہونے کی ضرورت واہمیت سمجھا دی ہے۔ انہیں جو حکم دیا گیا ہے وہ دل وجان سے اس کی تعمیل کریں گے مگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کا اسباب لادو یا گیا ہے اور وہ پالم پہنچ کر پھر واپس آ جائیں گے اور حاضر کورٹ ہوں گے۔ اطلاعاً عرض ہے۔

عرضی فدوی محمد بخت خاں لارڈ گورنر جنرل

مہر ثبت ہے "محمد بخت خاں کمانڈر انچیف افواج"

عرضی نمبر ۲۰۔ مورخہ ۲۹ اگست ۱۸۵۷ء۔ از نور محمد خاں، رسالدار بے قاعدہ رسالہ نمبر ۱۰۔

خلاصہ عرضی سرنامے سے اوپر

کمترین بے قاعدہ رسالے کی دسویں رجمنٹ میں تھا جس میں چھ سو سوار تھے۔ ان میں سے پچاس یہاں موجود ہیں جو اپنے مذہب کے لئے لڑنے آئے ہیں لہٰذا عرضی دہندہ ملتجی ہے کہ اسے اختیار دے دیا جائے کہ وہ اپنے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے از سر نو مرتب کرے۔

بحضور بادشاہ جہاں پناہ۔ غریب پرور۔

میری دسویں رجمنٹ بے قاعدہ سواروں کا دستہ نوشہرہ چھاؤنی پشاور میں مقیم تھا۔ کیسری سنگھ قلندر خاں وغیرہ پانچ افسروں نے کفار سے مصالحت کر لی اور ایک دن قواعد کے لئے ہمیں پریڈ کے میدان میں نکالا' جہاں ہمارے ہتھیار ضبط کر لئے گئے اور فوج سے نکال دیا گیا۔ ہم ہر طرح کی تکلیفیں سہتے اور مشقتیں برداشت کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تا کہ اعلیٰ حضرت کے تخت کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کریں اور مذہب کے لئے سر کٹا دیں۔ حضور! انگریزوں نے ہمیں توپوں کے منہ کے سامنے کر دیا تھا۔ مگر ہم لوگوں نے اپنا تمام مال و اسباب چھوڑا اور تین مہینے کی تنخواہ چھوڑی اور سفر کرتے ہوئے در دولت پر آ گئے۔ کئی بے قاعدہ سوار اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں' مگر ان کے وطن یہاں سے بالکل قریب قریب ہیں۔ اگر اجازت دے دی جائے تو فوراً ان سب کو اکٹھا کر کے از سر نو رسالہ مرتب کیا جائے اور پھر یہ لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر شب و روز احکام کی بجا آوری میں مصروف رہیں اور مورچوں پر جا کر شریک جنگ ہوں' اس لئے ایک تحریری حکم عطا فرمایا جائے تا کہ دسویں رجمنٹ کے بے قاعدہ سواروں کو جمع کر لیا جائے' جس میں سے تقریباً پچاس یہاں موجود ہیں اور حضور کا حکم ہوتے ہی وہ باقی ماندہ بھی جمع ہو جائیں گے۔ دیگر آنکہ چند گھوڑے بھی مرحمت ہوں (ترقی اقبال و دولت کی دعائیں) درخواست غلام نور محمد خاں رسالدار رجمنٹ نمبر ۱۰ بے قاعدہ سواران آمدہ از پشاور نوشہرہ چھاؤنی الطاف شاہی کا امیدوار ہے۔

حکم شاہی پنسل سے

یقین رکھو سب سامان تمہارے لئے مہیا کر دیا جائے گا۔

عرضی نمبر ۲۱۔ مورخہ ۳۱ اگست ۱۸۵۷ء از بھوانی سنگھ سپاہی دیسی پیادہ رجمنٹ نمبر ۳۰۔ بحضور جہاں پناہ بادشاہ سلامت!

نیازمندانہ عرض ہے کہ میگزین میں عملے کو کام پر لگانے سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ ہر شخص سے اس کا جائے قیام پوچھ لیا جائے اور اس کے بیان کی تصدیق اس جگہ جا کر کی جائے یا وہ کسی کی ضمانت دے اور اس کا پورا پورا پتہ ہمیشہ دفتر میں موجود رہے۔ پھر اسے کام پر لگانا چاہیے۔ اگر ان تدابیر پر عمل درآمد کیا گیا تو میگزین کی حفاظت کا چنداں خوف نہیں' لیکن بدون پوچھ گچھ کئے ہر فرد بشر کو کام پر لگایا جائے گا تو دشمن کے جاسوس بھی شامل ہو جایا کریں گے اور بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ علاوہ ازیں صرف مزدوروں کے جانچ اور دیکھ بھال کے لئے میگزین میں ایک افسر اور محرر رکھا جائے اور صبح و شام جانچ ہو

کہ دشمن کا جاسوس تو نہیں آ گیا ہے۔ غلام نے از راہ نمک خواری و محبت یہ تجویز پیش کی ہے اور اعلیٰ حضرت سے امید ہے کہ میگزین کی حفاظت کے لحاظ سے اس قسم کے احکام جاری کیے جائیں گے۔ (ترقی دولت و اقبال کی دعائیں) عرضی غلام بھوانی سنگھ سپاہی پیادہ رجمنٹ نمبر ۳۰۔

حکم شاہی پنسل سے

مرزا مغل۔ فوراً مناسب بندوبست کیا جائے۔ اس معاملے میں سب سے بڑھ کر احتیاط ضروری ہے۔

حکم بغیر دستخط یا مہر کے غالباً مرزا مغل کا حکم ہے "حکم دیا جاتا ہے کہ انتظام کیا جائے۔ مورخہ ۲۳ اگست ۱۸۵۷ء۔"

(کس قدر مؤثر وہ منظر ہوگا جہاں ادنیٰ سپاہی بھی حفاظت تخت کے لیے اپنی رائے پیش کرنے کی جرأت کر سکتا تھا اور اس پر توجہ کی جاتی تھی اور شاہی فرمان اس کی تائید میں جاری ہوتا تھا۔ عرضی دہندہ ایک ہندو سپاہی تھا۔ اس سے اُس وقت کی متحدہ یک جہتی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حسن نظامی)

فرمان نمبر ۱۳۔ (حکم جنرل محمد خان مع ان کی سرکاری مہر کے) مورخہ ۲۳ اگست ۱۸۵۷ء بنام افسران سکھ رجمنٹ۔ اعلیٰ حضرت ظل سبحانی نے ابھی ہمارے جناب عالی کو طلب کر کے ارشاد کیا کہ سکھوں کی رجمنٹ پر انہیں بہت اعتماد ہے اور وہ بہت مردانگی کے جوہر دکھائے گی اس لیے تمہیں لکھا جاتا ہے کہ اس حکم کو پڑھتے ہی فی الفور پانچ کمپنیاں لے کر شاہ گیر (شاہ گیر مورچہ جمنا کے دوسرے کنارے پر تھا جس سے مٹکاف ہاؤس پر زد پڑتی تھی۔) مورچے پر چلے جاؤ۔ اس معاملے میں بالکل دیر نہ کرنی چاہیے۔

سرکاری مہر "جنرل صاحب" (دستخط پڑھے نہیں جاتے)

پشت پر افسران سکھ رجمنٹ کا جواب بلا تاریخ مہر و دستخط کے یہ درج ہے

حضور عالی۔ احکام معلوم ہو گئے۔ حسب الحکم ہماری رجمنٹ چار بجے تیلی واڑہ سے مورچے کو چل گئی۔

(اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سکھ فوج بھی شریک غدر تھی اور بادشاہ ان پر اعتماد رکھتے تھے۔ حسن نظامی)

عرضی نمبر ۲۲۔ مورخہ ۹ ستمبر ۱۸۵۷ء از کرنیل احمد خان مقیم غازی الدین نگر بحضور بادشاہ غریب پرور! نیاز مندانہ التجا ہے کہ حضور کی خدمت شاہی سے جدا ہو کر خادم غازی آباد پہنچا۔ جہاں معلوم ہوا کہ کل بتاریخ ۸ ستمبر کچھ انگریزوں نے جاٹوں کی مدد سے پلکھوا کو تاخت و تاراج کر کے جلا ڈالا اور اسی طرح قریب قریب کے تین چار مواضع کا حال ہوا۔ اس تباہی میں حصہ لینے والی فوج میں تیس انگریز اور قوم دھیا کے تین سو جاٹ اور چار توپیں تھیں۔ اب وہ وہیں مقیم ہیں اور کسان اپنی بیکسی و غارت گری کے خوف سے بہت ہراساں ہیں۔ علاوہ ازیں آج مختلف خبریں موصول ہوئی ہیں کہ پچاس انگریز مع جاٹوں اور دو یا تین توپوں کے ہنڈن کا پل توڑنے کے لیے بیگم آباد میں جمع ہوئے ہیں اور پلکھوا وغیرہ سے جو رسد دہلی جاتی تھی اسے منقطع کر دیا ہے۔ پس عرض ہے کہ جہاں پناہ غور فرما کر شاہی فوج مع توپوں کے کفار کی سرکوبی کے لیے اس طرف روانہ کریں تاکہ انہیں اپنے کیے کی پوری سزا مل جائے اور شاہی مالگذاری وصول کرنی شروع کر دی جائے۔ اگر دیر ہو گئی تو ہنڈن پل توڑ دیا جائے گا اور غنیم غازی آباد کو برباد کر دے گا۔ اگر انگریز اس گڑھی میں داخل ہو گئے تو پھر بہت مشکل پیش

آئے گی۔ دشمن کو ایک اچھا مورچہ مل جائے گا۔ اگر میری پیادہ رجمنٹ اور توپخانہ گڑھی میں داخل ہو گئے تو پھر انگریزوں کی سرکوبی کردی جائے گی اور یقیناً وہ پھر سر نہ اٹھا سکیں گے۔ آگے حضور مالک ہیں۔ جو احکام جاری کئے جائیں گے تعمیل کی جائے گی (بادشاہ کی فتح وفیروزی کی دعائیں) عریضہ غلام احمد خاں مقیم غازی آباد۔ ایک مہر بھی ہے۔

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا

مرزا مغل۔ اس درخواست کے مطابق کارروائی کی جائے۔

پشت پر ایک حکم جس پر سیاہی سے شاہی دستخط ہیں۔ "بریگیڈ میجر کو معلوم ہو کہ جیسا مناسب ہو کیا جائے۔"

پشت پر دوسرا حکم بدون دستخط و مہر کے غالباً بریگیڈ میجر کا حکم۔ "حکم دیا جاتا ہے کہ چودھویں رجمنٹ اس کام کے لئے روانہ ہو۔ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۸۵۷ء۔"

عرضی نمبر ۲۳۔ تاریخ نہیں ہے۔ از قاسم الدین سپاہی۔ ساتویں کمپنی دیسی پیادہ رجمنٹ نمبر ۵۹۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! خداوندا! غلام دیسی پیادہ رجمنٹ نمبر ۵۹ کی ساتویں کمپنی میں سپاہی تھا جو امرتسر میں مقیم ہے۔ انگریزوں نے تمام سپاہیوں سے ہتھیار چھین لئے اور مقید کردیا' مگر جنہیں موقع ملا فرار ہوتے رہے۔ چنانچہ غلام سے بھی امرتسر میں ہتھیار لے لئے گئے اور جو ذاتی سرمایہ تھا' وہ گوجروں نے لوٹ لیا۔ اب اس کے پاس روزمرہ کے خرچ تک کے لئے ایک پیسہ نہیں ہے اور نہ ہتھیار ہیں' اس لئے امید ہے کہ حضور غلام کو نمبر ۵۴ رجمنٹ میں بھرتی کرلیں گے۔ جہاں اس کا بھائی کبیر الدین بھی بہت روز سے ملازم ہے۔ غلام کی یہ بھی التجا ہے کہ وہ صرف مذہب کی حمایت میں لڑنے آیا ہے۔ پس اسے ضروری امداد و ہتھیار عنایت فرمائے جائیں۔ گزر اوقات کا ذریعہ حاصل کر کے وہ ہمیشہ ترقی اقبال کا متمنی رہے گا۔ عرضی غلام قاسم الدین سپاہی ساتویں کمپنی دیسی پیادہ رجمنٹ نمبر ۵۹۔ آمدہ از امرتسر۔ تاریخ نہیں ہے۔ حکم نہیں ہے۔

عرضی نمبر ۲۴۔ تاریخ نہیں ہے۔ از غلام علی داروغہ میگزین بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ عرض ہے کہ عدالت کے قریب ایک عمدہ کشادہ مکان واقع ہے اور فی الحال مرزا کوچک سلطان کے قبضے میں ہے اور اسی کے سامنے بندوق کی گولیاں ڈھالی جاتی ہیں اور میگزین کی اشیاء جو احقر کے ذمہ ہیں' دیوان عام میں رکھی ہیں' مگر پوری طرح محفوظ نہیں ہیں' کیونکہ موم وغیرہ باہر پڑا ہے اور فوجی لوگ جو جی میں آتا ہے' اٹھالے جاتے ہیں۔ لہٰذا فدوی عرض پرداز ہے کہ مرزا صاحب موصوف سے وہ مکان لے کر فدوی کے سپرد کردیا جائے تاکہ موم اور دیگر ضروری اشیاء اس میں حفاظت سے رکھ دی جائیں (ترقی سلطنت کی دعائیں) اور درخواست فدوی غلام علی داروغہ میگزین۔ تاریخ نہیں ہے اور کوئی حکم بھی نہیں ہے۔

عرضی نمبر ۲۵۔ تاریخ نہیں ہے۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ التماس ہے کہ پیادہ کی چار رجمنٹیں اور سواروں کی دو اور گھوڑوں کی بارہ توپیں بموجب تفصیل ذیل مع سامان گولہ بارود وغیرہ دیگر ضروریات جنگ اور کچھ خزانہ فدویوں کو بہت جلد عنایت کیا جائے تاکہ بحکم ایزدی و باقبال شاہی پانی پت جاکر پوری فتح حاصل کرلیں اور حضور کی خدمت میں کامران واپس ہوں۔

ہماری روانگی آج ہی مقرر ہوگئی ہے۔ حسب ذیل افواج مطلوب ہیں:

دیسی پیادہ رجمنٹ نمبر ۴ '۷' ا۔ اور نمبر ۳۸ 'ا۔ اور نمبر ۵۴ '۵۱۔ اور نمبر ۲۰ 'ا۔ والنٹیئر ۳۰۰ نفر۔ گوالیار رسالے کا

دستہ اب باقاعدہ رسالہ کا دستہ ا۔ ۳۳ پونڈ والی توپیں ۴ عدد۔ ہاوزر مارٹر توپیں ۳ عدد۔ بے قاعدہ فوج کمپنی ۲ عدد۔ جمجر رسالے سے ۱۰۰ سوار۔

عرضی مع مہر مرزا سلطان ظہور الدین کمانڈرانچیف بہادر مرزا محمد عبدالحسن کرنل دیسی پیادہ رجمنٹ نمبر ۳۰ شاہ بختاور ابن بادشاہ اور مرزا خیر سلطان۔

حکم شاہی پنسل سے

پسران ما بدولت! تمہاری روانگی واقعی درست و انسب ہے، مگر پہلے افسران رجمنٹ سے درخواست لکھوا کر ہمارے سامنے پیش کرو کہ وہ بھی ہمراہ جانے کو رضامند ہیں یا نہیں تاکہ ہمیں بھی بھروسہ ہو جائے (اس سے آگے بہت شکستہ خط ہے پڑھا نہیں جاتا)

(بادشاہ نے اپنے لڑکوں کی درخواست پر جو حکم دیا وہ ظاہر کرتا ہے کہ بادشاہ کو ان کی فوجی قابلیت میں شک تھا اور جانتے تھے کہ افسران فوج شہزادوں کی نا قابلیت کو سمجھتے ہیں۔ حسن نظامی)

فرمان نمبر ۱۴۔ (حکم جس پر بادشاہ کی مہر ثبت ہے) تاریخ نہیں ہے۔ بنام مرزا مغل فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر! معلوم ہو کہ بیشمار آدمیوں کی درخواستیں تمہاری درخواست کے ساتھ موصول ہوئیں جن میں نوکری کی خواہش کی گئی ہے۔ فرزندم کو معلوم ہے کہ خزانہ شاہی میں روپے کی قلت ہے۔ ضلعوں کی قسطوں سے آمدنی وصول نہ ہونے اور فوج کے باہر جا کر بندوبست نہ کرنے اور حکومت میں ڈاکہ زنی و لوٹ مار ہونے کے سبب سے اور پھر ہر حصہ ملک سے کثیر افواج کے ایک جگہ جمع ہونے کے سبب اخراجات روزمرہ بھی پورے نہیں ہوتے۔ پھر ان لوگوں کو کیونکر ملازم رکھا جائے۔ ان کی تنخواہیں اور اخراجات کون سے فنڈ سے پورے کئے جائیں گے؟ ایسی حالت میں ان لوگوں کو جن کے وطن دور دراز فاصلے پر ہیں، موہوم امیدیں دلانی بالکل بے جا بات ہے۔ پس حکم دیا جاتا ہے کہ تم ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دو کہ جو لوگ ایک یا دو مہینے تک بغیر مالی امداد کے رہ سکتے ہوں ٹھہریں۔ جب پورا انتظام ہو جائے گا اور ملک سے مالگذاری وصول ہونے لگے گی انہیں عہدوں اور مرتبوں کے موافق جگہ دی جائے گی، مگر یہ بھی اسی وقت ہوگا جبکہ پہلے باقاعدہ سپاہیوں کے حقوق ان کے حسب منشا پورے کر دیئے جائیں گے۔ خدا کرے کہ موجودہ بدامنی جلدی دور ہو۔ جب ہر طرف سے مالگذاری آنے لگے گی تو ان سب آدمیوں کو نوکر رکھ لیا جائے گا۔ بالفعل گنجائش نہیں ہے۔ دو درخواستیں منظور کی جاتی ہیں۔ باقیماندہ تمام درخواست کنندوں کو جواب دے دو اور ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

عرضی نمبر ۲۹۔ تاریخ نہیں ہے۔ منقدہ درخواست جواہر سنگھ سپاہی سکنہ میرٹھ۔ روشن سنگھ زمیندار برنے بھاری و چاند رام زمیندار، بحضور بادشاہ جہاں پناہ! التماس ہے کہ فدویوں نے دو روز پہلے علی گڑھ اور ہاپوڑ گڑھ کے انتظامات کے متعلق ایک عرضی دی تھی، لیکن اب تک حکومت نے فوج نہیں بھیجی جس سے بندوبست ہو جاتا۔ شہر مذکور کے انتظام میں عجلت نہ کرنے سے حکومت کا نقصان ہوگا اور اس کے سوا خزانہ بھی ضائع ہو جائے گا جو ہاپوڑ گڑھ، علی گڑھ اور چھتاری اور دیگر مقامات میں محفوظ ہے۔ غریب پرور ہاپوڑ گڑھ میں چوبیس فوجی سپاہیوں کے زیر حکومت بیس ہزار روپیہ موجود ہے اور چھتاری میں مردان خاں کے پاس بیس لاکھ روپیہ امانت ہے، جس کی چھ سو جات حفاظت کر رہے ہیں۔ علی گڑھ کا خزانہ تین قواعد داں پیادہ رجمنٹوں کی

حفاظت میں عنقریب ارسال کیا جائے گا۔ مزید براں بابو گڑھ میں مع سامان رسد کے پندرہ گھوڑے موجود ہیں۔ اگر مقامات مذکورہ میں سپاہیوں کو بھیجئے اور امن قائم کرنے میں تعجیل سے کام لیا جائے تو یقین ہے کہ کل سامان بحفاظت تمام حضور عالی کے قبضے میں آجائے گا' لیکن اگر ایک یا دو روز کی بھی دیر کی گئی تو بلاشبہ یہ سارا سامان ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ تمام خطہ دوآبہ میں یعنی سہارنپور سے آگرے تک ایک انگریز سپاہی بھی موجود نہیں ہے جو اعلیٰ حضرت کی فوج سے آمادہ جنگ ہو سکے۔ صرف ایک شخص ترن بل نامی ہے جو جائنٹ مجسٹریٹ ضلع بلند شہر سے مل کر ملک میں شورش پھیلا رہا ہے اور بھرتی کر رہا ہے اور خبریں بھی پہنچاتا رہتا ہے۔ حضور عالی نے اگر ذرا سی بھی دیر کی تو نقصان ہوگا۔ ساٹھ گاؤں کے چھتری باشندے حضور پر سے اپنی جانیں نثار کرنے پر آمادہ ہیں' مگر گنگا پاری غلام کی باتوں پر پوری طرح اعتبار نہیں کرتے۔ بہر حال اگر یہ زمیندار میری ماتحتی میں فوج کو اور حضور کے لکھے ہوئے فرمان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو حضور کے لئے جان دینے پر تیار ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے میں امید کرتا ہوں کہ ایک حکم جس پر مہر شاہی ثبت ہو' مجھے عنایت کیا جائے اور پیدل و سواروں کی بھرتی کی اجازت دی جائے۔ چوراسی گاؤں جو کہ رنگھ زمیندار مقیم پور ضلع میرٹھ کے زیر اثر ہیں اور ایسے ستاسی گاؤں جو دیوی سنگھ کسان بھرا سی کے زیر اثر ہیں' وہاں کے سب لوگوں نے حضور کی خاطر اپنی جانیں نثار کرنے کی ٹھان لی ہے اور حضور کا فرمان شاہی دیکھتے ہی فی الفور اپنی ساری قوت آپ پر نثار کر دیں گے۔ غلام کی صرف یہی آرزو ہے کہ حضور کی سلطنت کو اچھی حالت میں دیکھے۔ اگر دیر کی گئی تو نہایت شدید نقصان ہوگا۔ حضور کی محبت نے جوش مارا تو عرض کیا۔ اب غلام کے لئے ایک یا دو رجمنٹ اور توپخانہ روانہ کیا جائے (ترقی دولت و اقبال کی دعائیں) عریضہ نیاز جواہر سنگھ سپاہی مقیم میرٹھ۔ روشن سنگھ زمیندار برے بھاری' چندرام زمیندار۔

حکم شاہی پنسل سے

مرزا مغل۔ فوراً افسران پیدل کے نام احکام جاری کئے جائیں تاکہ وہ روانہ کر کے جواہر سنگھ کی درخواست کے بموجب عمل کریں (درخواست یا حکم پر کوئی مرزا مغل کا حکم نہیں ہے)

عرضی نمبر ۲۷۔ تاریخ نہیں ہے۔ از مرزا مغل بحضور بادشاہ جہاں پناہ' مؤدبانہ عرض ہے کہ آدمیوں کی ایک بڑی تعداد حال میں ملازمت کی امید میں در دولت پر حاضر ہوئی ہے۔ ان سب لوگوں نے عرضی گزرانی ہے کہ انہیں یومیہ خرچ دے دیا جایا کرے۔ ان کی عرضی انہی کے ہمراہ شامل ہے۔ امیدوار ہوں کہ جو کچھ احکام ہوں ان عرضیوں کی پیشانی پر لکھ دیے جائیں تاکہ اس کے مطابق کارروائی کی جائے۔ (ترقی اقبال و سلطنت کی دعائیں) عرضی فدوی ظہور الدین۔

حکم شاہی پنسل سے

چونکہ فوجی سپاہی جا بجا سے بڑی بڑی تعدادوں میں آرہے ہیں اور خزانے میں روپیہ نہیں ہے' کیونکر انہیں نوکر رکھا جا سکتا ہے (آگے شکستہ ہے پڑھا نہیں جاتا) پس تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ انہیں صاف صاف جواب دے دو۔ سرے پر ایک گوشے میں۔ "نمبر ۶۳ ء"

عرضی نمبر ۲۸۔ تاریخ نہیں ہے۔ از رجب علی بحضور بادشاہ جہاں پناہ' مؤدبانہ عرض ہے کہ تابعدار میگزین سے توپوں کے لئے سامان بھیجتا رہتا تھا اور بلوے کے وقت سے قلعہ کی چند کوٹھریوں میں حفاظت سے رکھواتا تھا۔ لیکن اب تھوڑا سا سامان

مذکور کو میگزین سے قلعہ میں لے جانے کی مخالفت کرتا ہے' اس لئے غلام حضور کی مہربانی کا امیدوار ہے اور امید کرتا ہے کہ ایک حکم بنام شاہ عالم مرزا محمد مغل بہادر کے نام جاری کیا جائے کہ جتنے سامان کے لئے غلام لکھے فوراً میگزین سے دے دیا جایا کرے تاکہ اسے قلعے میں حفاظت سے رکھا جاسکے (ترقی سلطنت کی دعائیں) عرضی غلام خانہ زاد رجب علی۔

حکم شاہی پنسل سے

پسر ماہدولت مرزا مغل۔ فوراً نتھو خاں کو ہدایت کی جائے کہ میگزین کی تمام اشیاء جو رجب علی طلب کرے قلعہ میں فوراً بھیج دی جایا کریں۔ نتھو خاں کا میگزین میں رہنا کچھ اچھا نہیں ہے۔ تم بجائے اس کے کسی اور قابل اعتماد شخص کو مقرر کرو۔

پشت پر نوٹ۔ "احکام جاری کیے گئے۔"

عرضی نمبر ۲۹۔ تاریخ نہیں ہے۔ از رام بخش صوبے دار نمبر ۴ رجمنٹ وقلی یار خاں صوبے دار نویں رجمنٹ دیسی پیادہ۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ عرض ہے کہ جیسا کہ حضور نے ہم خانہ زادوں کو حکم دیا ہے ہمیں باہر خندقوں اور مورچوں میں جا کر لڑنے میں کوئی عذر نہیں ہے' لیکن آج سنیچر کا دن ہے اور مشرق کی طرف جانا آج کے دن نحس سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ہم کسی سعید ساعت میں روانہ ہو جائیں گے اور تین بجے تک کسی وقت میں ہم خندقوں پر جا پہنچیں گے۔ اطلاعاً عرض ہے۔ درخواست رام بخش صوبے دار نمبر ۴ رجمنٹ اور قلی یار خاں صوبے دار بہادر نویں رجمنٹ دیسی پیادہ۔

حکم شاہی پنسل سے

دونوں رجمنٹیں ضروری سامان حرب لے کر آج رات کو یا کل ضرور روانہ ہو جائیں۔

عرضی نمبر ۳۰۔ تاریخ نہیں ہے۔ از مرزا مغل بحضور بادشاہ جہاں پناہ! حضور اپنے دل کو غنیم کے خیال سے آزاد رکھیں۔ غلام بذات خود دو روز تک سواروں کے ہمراہ مورچوں میں رہا۔ کفار کے مورچے جہاں تھے' وہیں ہیں۔ انہوں نے بالکل حرکت نہیں کی ہے۔ اگر ان کے مورچے بڑھا دیئے گئے ہوتے تو وہ اب تک شہر میں داخل ہو چکے ہوتے۔ تمام فوج نے کفار کے قتل کا تہیہ کر لیا ہے اور حملہ ہونا ہی چاہتا ہے۔ حضور کے اقبال سے مورچوں پر حملہ کر کے بہت جلد قبضہ کر لیا جائے گا۔ جن سپاہیوں نے اس کے خلاف حضور سے کہا ہے' سن کر کہا ہے۔ سنی سنائی باتوں پر توجہ نہ فرمائیے۔ جب تک غلاموں کے دم میں دم ہے' حضور پر کچھ بھی آنچ نہ آنے پائے گی' مگر غلام کچھ بے فکر نہیں ہے۔ حضور کو معلوم ہو کہ وہ بذات خود مورچوں میں موجود ہے۔

حکم شاہی پنسل سے

مضمون پڑھ لیا گیا۔ قادر بخش تمہارے ہمراہ ہیں۔ جو مناسب ہو کرو۔

عرضی نمبر ۳۱۔ تاریخ نہیں ہے۔ از مرزا رسالدار اٹھارہویں رجمنٹ بے قاعدہ سواران۔ بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ عرض ہے کہ غلام کے آباؤ اجداد ہمیشہ سے اعلیٰ حضرت کے خدام چلے آتے ہیں اور تمام عہدے درجے اور مراتب جو انہیں حاصل ہوئے' وہ حضور ہی کے در دولت سے عطا کئے گئے ہیں' جن کا اندراج کاغذات شاہی میں ہے۔ جس روز سے حضور کے آفتاب اقبال کو گہن لگا' اس روز سے فدویوں پر بھی تباہی و ادبار چھا گیا اور بہ مجبوری غلام کو کفار کے ہاں ملازمت کرنی

پڑی۔ جہاں پچپن برس تک بعہدۂ رسالداری مامور رہا۔ پشاور میں جہاں میری رجمنٹ تاحال مقیم ہے حضور کی تخت نشینی کی خبر سن کر بعذر خرابی کمانڈنگ افسر سے رخصت لی اور اپنا ہزار روپے کا قیمتی سامان بسبب ناراضگی انگریز افسروں کے وہیں چھوڑ کر حضور کے آستانے پر حاضر ہوا۔ مال و اسباب کے نقصان کے علاوہ غلام کو مندرجہ ذیل نقصانات بھی برداشت کرنے پڑے۔

ایک نوساختہ مکان جو اس نے ۵۵۰۰ روپے کی لاگت سے تعمیر کرایا تھا اور تین پرانے مکانات قیمتی ۲۰۰۰ روپے کے تحت ذیل کی سڑک میں آ گئے اور ۳۵۰۰ روپے کابل سے غلام نے گوڑگانوہ خزانے میں بھیج دیا تھا کہ روپیہ برآمد ہو جائے۔ اس وقت غلام رجمنٹ ہی میں تھا' مگر اس کے آتے ہی خزانے نے روپیہ ضبط کر لیا۔ علاوہ ازیں راہ میں رلبہ پٹیالہ (ایک فقرہ انگریزی میں تحریر ہے' جس کا ترجمہ ہے لعنۃ اللہ علیہ۔ مترجم) نے غلام کو بالکل لوٹ لیا۔ خیمے مویشی وغیرہ غرضیکہ جو کچھ مال و اسباب تھا' وہ اس کی نذر ہو گیا اور غلام کے بیٹھنے کو ایک گھوڑا بھی نہیں بچا۔ غلام دس روز سے دردولت پر پڑا ہے اور آج ایک عرضی پیش کرتا ہے۔ التجا ہے کہ اسے کسی فوج میں جگہ دی جائے یا کسی ضلع میں مقرر کر دیا جائے تاکہ اپنے فرائض منصبی وہ پورے طور سے ادا کرتا ہے۔ غلام کے ہمراہ اونٹ' سفری بیل گاڑی' خدمتگار وغیرہ ہیں اور اس کا یومیہ خرچ ۶ یا آٹھ روپے ہے۔ ضروری جان کر تمام و کمال عرض کر دیا۔ (ترقی سلطنت کی دعائیں) عرضی غلام مرزا حسین رسالدار نمبر ۱۸ رجمنٹ ساکن گوڑگانوہ ضلع قسمت پول موضع سعادت نگر' مہر سید غلام حسین مرزا ۱۲۵۵"

حکم شاہی کونسل سے

مرزا مغل اور خواست کنندہ تمہارے پاس روانہ کیا جاتا ہے' کیونکہ وہ پرانا سپاہی ہے۔

عرضی نمبر ۳۲۔ تاریخ نہیں ہے۔ از موہن پانڈے صوبے دار و ایشوری پرشاد جمعدار۔ بحضور بادشاہ دین پناہ غریب پرور! خدمتگار ملازم کمیاب ہونے کی وجہ سے غلام کی کمپنی میں مقرر نہیں ہوئے تھے۔ اب وہ مل گئے ہیں اور بہ تفصیل ذیل ان کو نوکر رکھا گیا ہے۔ اس لئے امید ہے کہ ان کی تاریخ ابتدائے ملازمت سے آج تک کی تنخواہ کے لئے منظوری دے دی جائے گی۔ درخواست کو ضروری سمجھ کر پیش کیا گیا۔

برہمن پانی دینے کے لئے ۱۔ حجام ۲۔ دھوبی ۲۔ درزی ۱۔ چمار ۱۔ مہتر ۱۔

عرضی غلام موہن پانڈے صوبے دار و ایشوری پرشاد پلٹنگ جمعدار

حکم شاہی کونسل سے

خزانے میں روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے ابھی کچھ نہیں ہو سکتا (تاریخ نہیں ہے) انڈکس نمبر ۷۷۶

عرضی نمبر ۳۳۔ تاریخ نہیں ہے۔ منعقد درخواست کامدار خاں و دیگر سپاہی بحضور بادشاہ جہاں پناہ! پچاس آدمی جو میرٹھ کے جیل پر تعینات کئے گئے تھے اور وہاں سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کہ کمانڈر انچیف بہادر کے حکم سے ہمیں اپنے عہدہ سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ حضور کی فوج میرٹھ جانے والی ہے اور ہم میں سے سولہ آدمی ان کے ساتھ شامل ہو کر لڑنے کے لئے جانا چاہتے ہیں۔ پس عرض ہے کہ حضور مرزا مغل صاحب کو ہماری جانے کا بھی حکم دے دیں' تاکہ حضور کے بخت یاور و طالع بختیار کے زیر سایہ ہم بھی لڑیں اور فتح میں حصے دار ہوں۔ واجب تھا عرض کیا۔ عرضی کامدار خاں و دیگر

سپاہی

حکم شاہی پنسل سے

افسر میرٹھ جیل جو ہمارے زیر جھروکہ تعینات ہے۔ معلوم ہو کہ وہ جائے۔ ہمارا فرزند مرزا مغل اسے روانہ کر دے گا اور جتنے سپاہیوں کے لے جانے کا حکم دیا جائے اپنے ہمراہ لیتا جائے۔ اسے ہمارے مذکورہ فرزند کے ہر ایک حکم کی تعمیل کرنی ہوگی۔

فرمان نمبر ۱۵۔ (حکم جس پر خاص مہر شاہی ثبت ہے) تاریخ نہیں ہے۔ بنام مرزا مغل۔ فرزند شہرۂ آفاق دلاور مرزا محمد ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر! جانو کہ بموجب کل کے احکام کے تمہیں مندرجہ ذیل اشیاء روانہ کر دی گئی ہیں۔ انہیں اپنے ملازموں کی حفاظت میں رکھو اور چونکہ کمسریٹ کا کام بھی تمہارے ہی ذمے ہے اس لئے جیسا مناسب سمجھو کرو۔ فوج کے تقسیم روپے کا کام بھی تمہارے ہی ذمے ہے۔ حسن انتظام سے جس کا جتنا ہوا اتنا ہی دے دیا جائے۔ اسی طرح سواروں اور پیدل میں حسب ذیل اشیا مختلف حصص کر کے تقسیم کر دو اور جو کچھ طلب کیا جائے فوراً دے دیا جائے۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

مٹھائی ۳۰ من۔ چنے ۹۳ من۔ ستو ۱۳ من ۳۰ سیر۔ شکر ۱۳ من ۲۹ سیر۔ گڑ ۶۱ من۔

اور نور نظر! تم خود مختار ہو۔ خواہ کسی کو ٹھیکہ دے دو یا بذات خاص بازار جا کر خرید لاؤ۔ اور انتظام کرو۔ تاریخ نہیں ہے۔

(فوجی معاملات کے خطوط عموماً بلا تاریخ ہیں۔ اس کی وجہ جو کچھ بھی ہو مگر یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ان میں کچھ جعل سازی نہ کی گئی ہو۔ حسن نظامی)

حسن قتل میں ترتیب شدہ کاغذات

عرضی نمبر ا۔ مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء از غلام عباس دفعدار پہلا رسالہ چوتھی رجمنٹ سواران بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مؤدبانہ عرض ہے کہ انگریزوں کو مظفر نگر (اسی طرح مرقوم ہے۔ غالباً قتل کر کے ہوگا۔ مترجم) میں کر کے ۲۳ جون ۱۸۵۷ء کو غلام دولت خانے پر حاضر ہو گیا ہے اور اب حضور کے لئے نہایت وفادارانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ غلام کے آباؤ اجداد ہمیشہ سے قبلۂ عالم ہی کے نمک پروردہ تھے۔ پس التجا ہے کہ پہاڑی پر قابض ہوتے ہی جو انگریزوں کے قبضے میں ہے حضور کی نوازشوں سے غلام کو کوئی عہدہ بخشا جائے تاکہ اپنی ہر مراد کو پہنچ کر حضور کے اقبال جہانگیری کے لئے ہمیشہ دست بدعا رہے۔ (ترقی سلطنت و اقبال کی دعائیں) عرضی کمترین قدیم نمک خوار غلام عباس دفعدار پہلا رسالہ چوتھی رجمنٹ بے قاعدہ سواران آمدہ از مظفر نگر۔ مہر غلام عباس۔

حکم شاہی پنسل سے

مرزا مغل۔ بموجب ضروریات فوج کے عرضی دہندہ کو کسی عہدہ مامور کر دیا جائے۔

فرمان نمبر ا۔ (حکم شاہی بدون دستخط یا مہر کے بغیر دفتر میں رکھنے کی)۔ مورخہ ۷ اگست ۱۸۵۷ء بنام وفادار دواجی راؤ بہادر والی کچھ بھوج۔ نقل ہے۔ نوازش شاہانہ تم پر ہو اور معلوم کرو کہ گردھاری سنگھ سولہویں رجمنٹ بمبئی کی کمپنی کا سپاہی مشیر

سلطنت وقار الملک خاص محمد بخت خاں گورنر جنرل بہادر کے توسل سے مابدولت کے روبرو باریاب ہوا اور یقین دلایا کہ تم وفاداردائی نے تمام کفار کو تہ تیغ کر ڈالا اور اپنی سرزمین کو ان ناپاکوں سے پاک کرلیا ہے۔ تمہاری جانب سے ایسے کام کا سرزد ہونا ہمارے لئے موجب مسرت ہوا۔ لہٰذا تمہیں اس خطاب سے معزز کیا جاتا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ اپنی سرزمین میں عمدہ انتظام کرو گے۔ مخلوق خدا پر کسی طرح کا ظلم نہ ہونے پائے گا۔ مزید برآں براہ سمندر جتنے کفار تمہارے یہاں پہنچیں' تم انہیں قتل کر دو اور ہمیں یقین ہے کہ تم مابدولت کی خواہشات و رضامندی کے موافق کام کرو گے۔ پھر ایسی تمام درخواستیں جو تم کرو گے' منظور کر لی جایا کریں گی۔ ایک حکم وفادار قدیمی راول رنجیت سنگھ والئ جیسلمیر کے نام بھی لکھا جائے۔ مورخہ ۱۱ اگست ۱۸۵۷ء۔

فرمان نمبر۲۔ مورخہ ۱۱ اگست ۱۸۵۷ء۔ (حکم شاہی بدون دستخط مہر وغیرہ کے دفتر میں رکھنے کی نقل ہے) بنام وفادار قدیمی رنجیت سنگھ' شفقت شاہانہ تم پر مبذول ہو اور معلوم ہو کہ رئیس چمن سنگھ برادر رئیس جے پور نے مابدولت کے حضور میں باریاب ہونے کی عزت حاصل کی جو توسل مشیر سلطنت وقار الملک ملازم خاص' محمد بخت خاں لارڈ گورنر جنرل بہادر' ڈائرکٹر سررشتہ معاملات فوجی وملکی وفوج میں آئی اور اس نے بیان کیا کہ تم نشان وفاداری بہت مدت سے مابدولت کے پاس آنے کے مشتاق ہو اور صرف حکم کے منتظر ہو۔ پس تمہیں اس خطاب سے معزز کیا جاتا ہے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ تمہاری حکومت میں ناپاک کفار کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا ہوگا۔ انگریز ہرگز باقی نہ بچنے پائیں۔ اگر اتفاقیہ ممکن ہے کہ کسی نے بھاگ کر جان بچانی چاہی ہو یا روپوش ہو گیا ہو تو پہلے انہیں چن چن کر قتل کر دیا جائے۔ بعد ازاں اپنی ریاست کا انتظام بخوبی کر کے مع اپنے رفقا کے دربار میں حاضر ہو۔ تم پر شفقت ومہربانی فرمائی جائے گی اور تم اتنے معزز و سربلند ہو جاؤ گے کہ جہاں تک تمہارا خیال نہ پہنچ سکتا ہوگا۔ ہماری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

فرمان نمبر۳۔ (حکم شاہی بغیر دستخط ومہر کے) مورخہ ۱۱ اگست ۱۸۵۷ء بنام جملہ ہنود ومسلمانان جو مذہب کی بہبودی کے خواہاں ہوں۔ تمہیں معلوم ہو کہ فلک الدین شاہ ان میں سے ہے جنہوں نے مذہب اسلام کی خاطر کفار سے جنگ وجدل کرنے کے لئے اپنی جانیں وقف کر دی ہیں اور جو مال وفوجوں کے ڈائرکٹر ہیں۔ وہ غازیوں اور فوجوں کے مصارف کے واسطے روپیہ فراہم کرنے کو بھیجے جاتے ہیں۔ یہ فوجیں اللہ تعالیٰ کی ایک امداد ہیں جو چاروں طرف سے جمع ہو رہی ہیں اور عیسائیوں کے تباہ کرنے کے لئے جوق در جوق آتی جا رہی ہیں' جنہوں نے ہزار ہا رعایا کو تباہ اور انگریزوں کو فی النار والسقر کر دیا ہے۔ تمہیں لازم ہے کہ اپنی ذاتی منفعت سوچ کر جتنا روپیہ ہو سکے شہنشاہ کی خدمت میں روانہ کر دو اور ساتھ ہی کارندوں کو روانہ کر دو۔ تم فلک الدین شاہ کو فوجی اعانت بھی دو اور راستے کا انتظام بھی کرا دو۔ نیز عیسائیوں کے قتل کے لئے جو امداد طلب کی جائے' اس سے دریغ نہ کرو۔ جو لوگ راہ مذہب میں ان سے متفق ہوں گے' اجر عظیم کے مستحق ہوں گے اور جو عیسائیوں کے شریک ہوں گے' جان ومال سمیت برباد ہوں گے۔

فہرست سامان مطلوبہ

رئیس چتوڑی کو کہ توچیں اور ۵۰۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ رئیس قصبہ برادر لے کو ۱۰۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ رئیس قصبہ دھرم پور کو ۵۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ رئیس دان پور کو ۵۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ رئیس پھاسو کو ۵۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ رئیس سعد آباد

کو ۵۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ رئیس دتاولی کو ۲۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ رئیس بھیکم پور کو ۱۰۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ رئیس بدایوں کو ۱۰۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ رئیس قصبہ جے رو کو ۵۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ تاجران شہر متھرا کو ۵۰۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ راجہ بلب گڑھ کو ۱۰۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ رئیس غلام حسین والی اتر ولی کو ۲۰۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔ راجہ بھرت پور کو ۵۰۰۰۰ روپیہ دینا چاہئے۔

میزان ۱۴۳۵۰۰۰

عرضی نمبر ۲۔ مورخہ ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء۔ از محمد بخت علی سابق داروغہ جھانسی جیل خانہ حال کمانڈنگ افسر علی غول

بحضور بادشاہ ظل سبحانی' جہاں پناہ وغیرہ۔ مؤدبانہ عرض ہے کہ تابعدار نے جو کارہائے نمایاں جھانسی اور نی۔ کالپی اٹاوہ مین پوری ودیگر اضلاع میں کئے اور مردود قوم نصاریٰ کو غارت کیا' وہ حضور کو معلوم ہو چکا ہے۔ نیز غلام نے اور اس کے ہمراہیوں نے ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء سے آج تک جتنے نصاریٰ کو تہ تیغ کیا اور نہایت مستعدی اور دلیری سے حملے کئے' وہ حضور سے مخفی نہیں ہے۔ لہٰذا جب مکمل فتح حاصل کر لی جائے تو فوج میں جس طرح دوسروں کو انعام واکرام عطا ہو' غلام اور اس کے خاندان اور اس کے جاں نثار ہمراہیوں کو بھی اس میں سے حصہ ملے۔ فی الحال علی غول میں صرف پانچ سو سوار ہیں جو غلام کے ہمراہ کٹنے مرنے کو تیار ہیں اور یہیں در دولت پر حاضر ہیں۔ اگر حضور کی اجازت ہو تو ایک مکمل رجنٹ مرتب کر لی جائے لیکن چونکہ کئی دستے مختلف اطراف وجوانب سے آئے ہیں اور ہر ایک خود کو علی غول کہتا ہے' جس سے تمیز میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ پس حضور کوئی خاص نام تجویز فرمائیں تاکہ اس سے اس رجنٹ کو نامزد کیا جائے۔ حضور کے حکم کے بموجب غلام علی گڑھ جانے والا ہے' اس لئے عرضی پیش کرتا ہے تاکہ احکام جاری فرما دیئے جائیں (ترقی اقبال ودولت کی دعائیں)

عرضی غلام محمد بخت علی۔ سابق داروغہ جیل جھانسی حال کمانڈنگ افسر علی غول دستخط محمد بخت خاں
حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا (لیکن اس درخواست سے کچھ تعلق نہیں رکھتا)
کاغذ جس پر الف کا نشان ہے۔ اس کے اصلی لفافے پر دہلی پوسٹ آفس کی مہر ہے' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۲۵ مارچ ۱۸۵۷ء کو ڈاکخانے میں ڈالا گیا تھا اور دوسری مہر آگرے کی ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۲۷ مارچ ۱۸۵۷ء کو آگرے پہنچا۔

ترجمہ خط محمد درویش

بحضور بزآنر لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی وشمالی' مورخہ ۲۳ مارچ ۱۸۵۷ء غریب پرور سلامت! خداوندا! بادشاہ دہلی وبادشاہ ایران کے مابین پیرزادہ حسن عسکری کے توسط سے خط وکتابت کا احوال پہلے خط میں لکھ چکا ہوں جسے حضور نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں فقیر خانہ بدوش ہوں۔ خبر پا چکا ہوں کہ وہ شخص بادشاہ دہلی کا خط لے کر کے جانے والے کارواں کے ہمراہ قسطنطنیہ گئے ہیں۔ حسن عسکری نے بادشاہ کو یقین دلایا ہے کہ اسے پختہ خبر ملی ہے کہ ولی عہد شاہ ایران نے بوشہر پر قبضہ کامل

کرلیا ہے اور یہ کہ وہ عیسائیوں کو بالکل قتل کر چکا ہے۔ جن کا ایک متنفس بھی اس وقت زندہ نہیں اور بہتوں کو قید بھی کر لیا ہے اور عنقریب ایرانی فوجیں لے کر قندھار و کابل ہوتا ہوا دہلی پہنچے گا۔ اس نے بادشاہ سے یہ بھی کہا کہ حضور شاہ ایران سے خط و کتابت کرنے میں بہت تساہل کرتے ہیں۔ پھر بادشاہ نے حسن عسکری کو بیس طلائی مہریں دیں اور کہا کہ خط کوفی الفور ایران روانہ کر دیا جائے اور اسے حکم دیا کہ یہ مہریں اس شخص کو دی جائیں جو خط لے جائے تاکہ سفر خرچ میں کام آئیں۔ حسن عسکری نے مکان آ کر چار آدمیوں کو فقرا کے رنگین کپڑے دیئے اور خط لے جانے پر آمادہ کیا۔ اب بیان کیا جاتا ہے کہ ایک یا دو روز میں یہ لوگ عازم ایران ہوں گے۔ قلعے میں بلکہ خصوصاً بادشاہ کے کمرۂ خاص میں شب و روز ایرانیوں کی فوری آمد کا ذکر رہتا ہے۔ حسن عسکری نے بادشاہ پر یہ سکہ جما دیا ہے کہ اسے الہام ہوتا ہے کہ دہلی اور تمام ہندوستان پر یقینی شاہ ایران کی حکمرانی ہو گی اور دہلی کی عظمت و صولت پھر جاگ اٹھے گی' کیونکہ شاہ ایران بادشاہ کو تاج بخش دے گا۔ تمام اہل قلعہ خصوصاً بادشاہ اس اعتقاد کی وجہ سے بہت خوش نظر آتے ہیں۔ نذریں مانی جاتی ہیں اور دعائیں کی جاتی ہیں اور حسن عسکری غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے وظیفہ پڑھتا ہے کہ ایرانی آ جائیں اور عیسائیوں کی تباہی ہو جائے۔ ہر جمعرات کو چند خوان کھانا اور تیل' تانبے کے سکے اور کپڑا حسن عسکری کے پاس بادشاہ بھیجتے ہیں۔ سلطنت کے چند اعلیٰ افسران اس شخص کے جنتر منتروں اور حیلہ بازی کے معتقد ہو گئے ہیں اور اس کے مکان پر حاضر ہو کر اس کے تمام حرکات و سکنات کو ارادت مندانہ دیکھتے ہیں۔ ان نمک حراموں کے فرداً فرداً نام لینے سے کیا فائدہ ہو گا۔ خدا گورنمنٹ کے دشمنوں کو ناکام کرے۔ میرے چند احباب جن کا رسوخ بادشاہ تک ہے اور جو حسن عسکری سے بھی ملتے رہتے ہیں۔ مجھے سب باتیں بتا دیتے ہیں۔ بغرض خیر خواہی مندرجہ بالا حالات سے مطلع کیا گیا ہے۔ اب گورنمنٹ کو اختیار ہے کہ مناسب بندوبست کرے۔ عریضہ خیر خواہ محمد درویش۔ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۸۵۷ء۔ مہر۔ "فقیر محمد درویش"

(لباس فقرا اور درویشی نام میں پوشیدہ جاسوس کا یہ خط ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ درویش جاسوسی کرتے تھے' بلکہ جاسوس درویشی کی آڑ میں نوکری کرتے تھے۔ حسن نظامی)

عرضی نمبر ۳۔ مورخہ ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء از مکند لال بحضور غریب پرور! مؤدبانہ عرض ہے کہ جب بادشاہ دربار کرنے کے بعد اپنے کمرۂ خاص میں تشریف لے گئے تو مولوی فضل الحق' نواب احمد علی خاں بہادر' بدھا صاحب اور مرزا خیر سلطان بہادر نے تحریری احکام ہوئے جو مفصلہ ذیل ہیں:

یہ کہ نواب قلی خاں کے پاس جملہ افسران فوج تنخواہ طلب کرنے آئے تھے اور بادشاہ ۱۲ بجے باہر تشریف لائے۔

تمام احکام مذکورۂ بادشاہ کے معائنہ میں آئے۔ ملکہ جہاں (زینت محل) استراحت فرما رہی تھیں اس لئے مہریں ثبت نہ کی جا سکیں۔ بہرحال انہیں تین بجے ثبت کر دیا جائے گا۔ ابھی ۲ بجے ہیں۔ تمام دن دربار نہیں ہوا۔ کل افسران قلی خاں کے انتظار میں اب تک بیٹھے ہیں۔

۱۔ راؤ تلارام کے پتے پر روپیہ بھیجا ہے۔ حسب ہدایت شمشیر الدولہ قلم بند کر لیا۔

۲۔ راؤ تلارام کے پتے پر روپیہ برائے صدہر دلی بھیجا۔ بہ ہدایت شمشیر الدولہ قلم بند کر لیا۔

۳۔ جیاجی اسکندریہ کا پتہ حسب ہدایت جنرل غوث خاں لکھ لیا۔

۴۔ بنام بیجابائی حسب ہدایت جنرل غوث خاں لکھ لیا۔

۵۔ بنام رانا بھگونت سنگھ حسب ہدایت جنرل غوث خاں لکھ لیا۔

۶۔ بنام چندہاری من بھید رحسب ہدایت جنرل غلام غوث خاں لکھ لیا۔

۷۔ بنام مولوی وزیر علی جنرل غلام غوث خاں کی ہدایت کے بموجب تحریر کرلیا۔

۸۔ بنام افسران متوواندور افواج بہ ہدایت جنرل غلام غوث خاں لکھ دیا گیا۔

۹۔ بنام افسران سرار افواج جنرل غلام غوث خاں کی ہدایت کے بموجب لکھا ہے۔

۱۰۔ بنام بخشش علی حسب ہدایت حسن بخش عرض بیگی لکھا گیا بابت بھرتی پانچ سو پیدل برائے علی گڑھ۔

۱۱۔ لکھنؤ جانے کا پروانہ راہداری بموجب درخواست محمد بخش حسب ہدایت کلیات اللہ بیگ وحسن بخش خاں عرضی بیگی تحریر کیا گیا۔

۱۲۔ بنام راؤ تلارام سدھرولی کی آمدنی بھیجنے کے لئے حسب ہدایت شمشیر الدولہ بہادر۔

۱۳۔ بنام راؤ تلارام اس کا معتمد ایجنٹ بھیجا جائے حسب ہدایت شمشیر ادولہ بہادر۔

۱۴۔ بنام راؤ تلارام۔ خزانہ بھیجنے کے لئے حسب ہدایت شمشیر الدولہ بہادر۔

۱۵۔ بنام راؤ تلارام۔ ٹانڈالکھرا کی آمدنی بھیجنے کو حسب ہدایت شمشیر الدولہ بہادر۔

۱۶۔ بنام حسن بخش عرض بیگی ضلع علی گڑھ کی آمدنی وصول کرنے کے لئے مولوی فضل الحق کی موجودگی میں لکھا گیا اور شمشیر الدولہ بہادر ومرزا خیر سلطان بھی موجود تھے۔

۱۷۔ بنام فیض محمد اسے ضلع بلند شہر وعلی گڑھ کی آمدنی وصول کرنے پر مقرر کیا گیا ہے۔ حسب ہدایت مولوی فضل الحق تحریر کیا گیا۔

۱۸۔ بنام ولی داد خاں مذکورہ دونوں آدمیوں کی آمدنی وصول کرنے میں مدد دینے کے لئے تحریر کیا گیا۔ مولوی فضل الحق

۱۹۔ بنام گلاب سنگھ حسن بخش اور فیض احمد کے ہمراہ بارہ ہزار روپیہ آمدنی بھیجی جائے۔

۲۰۔ عبداللطیف خانپوری اس کی آمدنی حسن بخش اور فیض احمد کے ہمراہ بھیجی جائے۔

۲۱۔ بنام محمد ظہور علی خان چتوری، والا اس کی آمدنی حسن بخش اور فیض احمد کے ہمراہ بھیجی جائے۔

۲۲۔ بنام ظہور علی دھرم پوری۔ آمدنی حسن بخش اور فیض احمد کے ہمراہ بھیجی جائے۔

۲۳۔ بنام محمد داد خان حکیم پوری۔ آمدنی حسن بخش اور فیض احمد کے ہمراہ بھیجی جائے۔

۲۴۔ بنام رنجیت دمن سنگھ۔ آمدنی حسن بخش اور فیض احمد کے ہمراہ بھیجی جائے۔

۲۵۔ بنام ۰۰۰۰۰ (نام پڑھا نہیں جاتا) شاہ آبادی۔ اپنی حدود میں امن قائم رکھے۔ محررہ از ہدایت نواب صاحب۔

۲۶۔ بنام مولوی عبدالحق خان ضلع گوڑگانوہ کی مالگذاری آمدنی وصول کرنے کا انتظام کیا جائے۔ حسب ہدایت مولوی فضل الحق لکھا گیا جن کا بھتیجا گوڑگانوہ جائے گا۔

۲۷۔ بنام نارائن داس سوداگر۔ کوئی روپیہ نہیں طلب کیا جائے گا۔ حسب ہدایت خیر سلطان بہادر تحریر کیا گیا۔ عرضی غلام محمد

لال۔

کسی قسم کا حکم یا نوٹ نہیں (یہ مخبری نامہ مکند لال سکریٹری بہادر شاہ کا ہے جو غالباً کسی انگریز افسر کے پاس بھیجا گیا تھا۔ انگریزی گورنمنٹ کو بادشاہ کے ایسے مقرب ملازموں کی خفیہ امداد میسر تھی اور یہی وجہ اس کی کامیابی کی ہوئی۔ حسن نظامی)

فرمان نمبر ۴۔ (حکم مع سرکاری مہر کرنیل مرزا خیر سلطان بہادر) بنام افسران وصوبہ داران فوج۔ تم پر سلامتی ہو۔ جو فوجیں یہاں اپنے مذہب کے لئے لڑ رہی تھیں وہ فتح یاب ہوگئی ہیں۔ لہٰذا تمہیں بھی لکھا جاتا ہے کہ اپنی مذہبی جدوجہد میں ثابت قدم رہو اور فی الفور یہاں پہنچو۔ تمہیں حکومت سے بہت کچھ انعام واکرام ملے گا اور علاوہ اس کے اپنا دین وایمان بچالو گے۔ یہ امید بالیقین کی گئی ہے کہ انگریز جہاں جہاں ہوں گے قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہاں پر تو کوئی انگریز بھی باقی نہیں چھوڑا گیا۔ بادشاہ تخت نشین ہو چکے ہیں اور انہوں نے تمہارے فوجی بھائیوں کو خوش وخرم کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی ہے اور انہیں انعامات عطا کئے گئے ہیں۔

فرمان نمبر ۵۔ (مرزا جواں بخت کا ایک خط) مورخہ ۵ جون ۱۸۵۷ء۔ بنام خیر خواہ دولت مدار میر احمد امیر بخیریت باشند۔ ابھی ہر پرشاد کی معرفت ایک بندوق، خنجر اور تلوار موصول ہوئی۔ تمہارے اطمینان کی خاطر لکھ دیا گیا۔

پشت پر نوٹ یہ رسید بابت تلوار و بندوق ۹ جون ۱۸۵۷ء کو تھانے میں موصول ہوئی (دستخط پڑھے نہیں جاتے)

(اس خط کا تعلق انگریزوں سے کچھ تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ شاید غلطی سے شامل مسل ہوا۔ حسن نظامی)

عرضی نمبر ۴۔ مورخہ ۱۱ جون ۱۸۵۷ء منجانب خزانچی خزانہ شاہی بحضور بادشاہ جہاں پناہ دام اقبالہ مؤدبانہ عرض ہے کہ بموجب حکم جہاں پناہ کے ایک ہزار روپیہ بمعرفت بسنت علی خاں نائب ناظر سرسار جنٹ پیدل کو بطور الاؤنس دے دیا گیا ہے۔ غلام امیدوار ہے کہ حضور کی دستخطی رسید مرحمت ہوگی (ترقی سلطنت کی دعائیں)

انعام ۱۰۰۰۔ الاؤنس ۳۰۰

عرضی غلام خانہ زاد خزانچی جملہ ۱۳۰۰ روپیہ

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہوا

شاہی ملاحظے سے گذر گئی۔

عرضی نمبر ۵۔ تاریخ نہیں ہے۔ پشت کے نوٹ کی تاریخ ۹ جولائی ۱۸۵۷ء از محمد مرتضیٰ خاں رسالدار۔ گذارش ہے کہ فدوی اور سواروں کا دستہ اعلیٰ حضرت کے باغ میں ڈیڑھ مہینے تک مقیم رہا جسے عوام الناس شہر دکی بیگم کا باغ کہتے ہیں اور ایک روپیہ خرچ کر کے حمام وغیرہ سے تمام کوڑا کرکٹ صاف کرا دیا جہاں ہم لوگ رہنے لگے۔ باقاعدہ رسالہ کے آدمی اب نجف گڑھ سے آئے ہیں اور اس جگہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ بارش کے شروع ہو جانے سے میرے دستے کے سواروں کو بہت تکلیف ہو رہی ہے کیونکہ باغ میں سوائے حمام کے اور کوئی سائے کی جگہ نہیں ہے۔ اس لئے عرض کرتا ہوں کہ باقاعدہ سواروں کے نام احکام جاری کر دیئے جائیں کہ وہ ہماری قیام گاہ سے نکل کر کوئی اور جگہ تلاش کر لیں یا کم از کم نصف حصہ خود استعمال کریں تو نصف ہمارے لئے چھوڑ دیں۔ واجب تھا عرض کیا (ترقی دولت وسلطنت کی دعائیں)

عرضی غلام میر محمد مرتضیٰ خاں رسالدار

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہے

مرزا مغل۔ گوالیار کے باقاعدہ سواروں کو سمجھا دو کہ وہ اس جگہ کا نصف حصہ کام میں لائیں اور نصف درخواست کنندوں کے لیے چھوڑ دیں۔

پشت پر بادشاہ کے حکم کی نقل۔ نوٹ بھی پشت پر۔ بموجب احکام ایک تحریری حکم جاری کیا گیا۔ مورخہ ۹ جولائی ۱۸۵۷ء

فرمان نمبر۶۔ (حکم شاہی بدستخط و بخط خود پنسل سے) مورخہ ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء بنام خزانچی شاہی خزانہ۔ چار سو روپیہ فوجی مصارف والاؤنس وغیرہ اور اخراجات متعلقہ میگزین کے لئے جو کچھ تمہارے پاس موجود ہو اس میں سے دے دو۔ نہایت ضروری جانو۔

چار سو روپے جس کا نصف دو سو روپے

فرمان نمبر۷۔ مورخہ ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء بنام افسر خزانہ۔ ایک ہزار مابدولت کے پاس روانہ کرو تاکہ نیمچ سے آئی ہوئی پیدل فوج کو بطور انعام تقسیم کیا جائے۔ دیر نہ کرو۔ اسے ضروری جانو اور ایک ہزار روپیہ جس کا نصف پانچ سو روپیہ بنام کاشتکاران' زمینداران' رؤسا و کسان سونی پت' پانی پت' نجف گڑھ' بہادر گڑھ اور بنام اہل موضع سیوات۔ ۲۱ اگست ۱۸۵۷ء۔

تمہیں تاکید کی جاتی ہے کہ مرزا عبداللہ بہادر پسر مرزا شاہ رخ بہادر' جو ہمارا پوتا ہے' اس کی پوری پوری فرمانبرداری اور توقیر کرو۔ لارڈ گورنر جنرل محمد بخت خاں بہادر کی بھی عزت کرو جو تمہارے علاقہ جات میں روانہ کئے جاتے ہیں اور اے ہمارے تابعدارو! تمہیں یہ بھی ہدایت کی جاتی ہے کہ تمام احکام برائے ضروریات ورسد جو شہزادہ افسر مذکورہ دیں' بجالاؤ۔ نیز تمہیں تاکید کی جاتی ہے کہ تمام مالگذاری آمدنی اور لگان کا روپیہ اپنے کسی معتمد ایجنٹ کے ہمراہ شہزادے کی فوج کے چند آدمیوں کو ساتھ کر کے روانہ کرو۔ اس معاملے میں بہت احتیاط سے کام لو اور فرمان شاہی پر عمل کرو۔

حکم شاہی

بنام بندہ سدھاری سنگھ و ہیرا سنگھ و تمام فوج آمدہ از نیمچ۔ تاریخ نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہو کہ ہدایت کی جاتی ہے کہ تم لوگ علاپور' پانی پت' سونی پت کی طرف روانہ ہو جاؤ اور بریلی کی فوجوں میں جا کر شامل ہو جاؤ۔ ایسا کرنے سے مابدولت خوش ہوئے۔ تمہیں سلطنت کے اس کام میں نہایت عجلت کرنی چاہئے اور روانگی میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔ یہ حکم لارڈ گورنر بہادر کی درخواست پر جاری کیا گیا ہے۔

عرضی خواجہ حسن مقرر کردہ بمقام سہارن پور وغیرہ جو مراد نگر سے لکھی گئی

بحضور بادشاہ جہاں پناہ! مورخہ ۹ ستمبر ۱۸۵۷ء۔ عاجزانہ عرض ہے کہ فدوی نے بذریعہ تحریر اور زبانی خبروں کے حضور کو اطلاع دی تھی کہ انگریز چھ توپیں لے کر غازی آباد مراد نگر پر چڑھ آئے اور ہنڈن کا پل توڑنا چاہتے ہیں۔ پھر عرض کیا تھا کہ ان کفار کا قلع قمع کرنے کو فوج روانہ کی جائے مگر اعلیٰ حضرت نے ابھی تک کوئی مدد عنایت نہیں فرمائی۔ میرٹھ سے

آنے والے مسافروں سے بھی اطلاع ملی ہے کہ علی خان رنگریز سابق نائب تحصیلدار جو کفار کی ملازمت میں ہے انہیں لے کر میرٹھ سے مراد نگر کی طرف پل توڑنے کے قصد سے اور فدوی پر حملہ آور ہونے کی نیت سے چار توپیں ہمراہ لئے ہوئے بڑھ رہا ہے۔ اس سے پیشتر چھ توپیں لے کر کچھ انگریز باڑھ سے بچ گئے تھے اور موضع پلکوہ کو جلا دیا تھا اور ایک سو پچاس باشندوں کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ یہ فوج بھی اس طرف آنے والی ہے۔ یہ خبر سن کر فدوی نے تمام پیدل وسواروں کو مسلح کر کے تیار کر رکھا ہے۔ فدوی حضور پر سے قربان ہو جانے سے نہیں ڈرتا' بلکہ قلت فوج اور توپخانہ نہ ہونے کے سبب سے یہ ڈر ہے کہ پل نہ توڑ دیا جائے۔ اگر خدانخواستہ پل کو کچھ بھی آنچ پہنچی تو فوجوں کی نقل وحرکت اور رسد کی آمد ورفت بالکل موقوف ہو جائے گی۔ فدوی امیدوار ہے کہ توپخانہ پیدل فوج کی کمک اعلیٰ حضرت زود تر ارسال فرمائیں' تاکہ کفار پیش قدمی نہ کرنے پائیں (ترقی سلطنت کی دعائیں)

عرضی فدوی محمد خواجہ حسن خاں۔ مقرر کردہ سہارن پور وغیرہ مراد نگر سے لکھا ہے۔ مورخہ ۹ ستمبر ۱۸۵۷ء

حکم شاہی پنسل سے لکھا ہے

مرزا مغل۔ بموجب درخواست عمل کیا جائے۔

پشت پر حکم جو اغلباً مرزا مغل کا ہے اور بادشاہ کے حکم پر لکھا گیا ہے۔ برگیڈ میجر کو ہدایت کی جاتی ہے کہ مناسب کارروائی عمل میں لائی جائے۔

برگیڈ میجر کا حکم۔ ''نمبر ۳ ادیسی پیدل فوج کو کوچ کا حکم لکھا جائے۔''

مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۸۵۷ء سال جلوس

فرمان نمبر ۸۔ (حکم شاہی بغیر دستخط' تاریخ ومہر' غالباً دفتر میں رکھنے کی نقل ہوگی) بنام راجگان' نوابان ودیگر معزز ساکنان صوبہ الہ آباد! تم اپنے آپ کو عنایات کیا گیا سمجھو۔ چونکہ ہم راغلام خاص علی قاسم الہ آباد ودیگر اضلاع متعلقہ کا حاکم مقرر کیا گیا ہے' لہٰذا تمہیں لازم ہے کہ تمام معاملات میں اسے مدد اور مشورہ دو اور اس کے احکام کی خلاف ورزی یا اس کی رضامندی وخواہش کے برخلاف نہ کرو۔ علاوہ وازیں (تمہیں) یہ بھی لازم ہے کہ اس سے مل کر ملعون انگریزوں کو قتل کر ڈالو۔ اگر یہ ثابت ہوگا کہ تم نے نہایت خلوص سے عمل کیا ہے تو تمہیں خاطر خواہ انعام ملے گا اور اگر نہیں تو تمہارے حق میں مفید نہ ہوگا۔

فرمان نمبر ۹۔ (مسودہ ایک حکم کا بدون دستخط یا مہر) بنام نواب باندا چونکہ ما بدولت کا بندۂ خاص علی قاسم حاکم الہ آباد مقرر کیا گیا ہے' تمہیں لازم ہے کہ اس مراسلہ شاہی کے پہنچتے ہی اپنے پیدل اور سوار وتوپخانہ لے کر اس سے مل جاؤ اور انگریزوں کو قتل کرو۔ تمہیں یہ بھی ہدایت کی جاتی ہے کہ کسی معاملے میں رئیس مذکورہ کی خواہشات واحکام کی خلاف ورزی نہ کرو۔ ان احکام کو نہایت ضروری جانو اور ان پر عمل کرو۔

عرضی نمبر ۶۔ تاریخ نہیں ہے۔ از سید محمد حسن بحضور بادشاہ جہاں پناہ! عرض ہے کہ غلام کل حاضر ہوا ہے' مگر اس کی نشست وبرخاست کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ کوئی مکان عنایت فرمایا جائے جس میں میں اور میرے چپراسی

ہمراہی مجاہد با آرام رہ سکیں۔ واجب تھا عرض کیا۔

عرضی غلام سید محمد حسن جہادی اور خیر خواہ دولت مدار

حکم شاہی پنسل سے

تم جانتے ہو کہ آمدنی کی ابھی کیا حالت ہے۔ تمہاری کارگزاریاں مابدولت کو پسند ہیں۔ خدا کرے ایسے جہادی افراد پیدا ہو جائیں۔

فرمان نمبر ۱۰۔ (حکم جس پر مرزا مغل کی سرکاری مہر "کمانڈر انچیف افواج" ثبت ہے) مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۸۵۷ء بنام نشان عظمت کوتوال شہر دہلی 'بخیریت باشند۔ ابھی خبر موصول ہوئی ہے کہ انگریز آج رات کو حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ پس تمام شہر میں منادی کرا دو کہ تمام باشندگان ہندو ہوں یا مسلمان 'مذہب کے لئے کشمیری دروازے کے پاس اکٹھے ہوں اور اپنے ہمراہ اپنی میخیں اور کلہاڑیاں بھی لے آئیں۔ اسے نہایت ضروری جانو۔

نقل حکم شاہی بغیر دستخط یا مہر کے 'لیکن اصلی حکم پر مہر ثبت کی گئی ہوگی۔

بنام فرزند مابدولت! تاریخ نہیں ہے۔

شہرۂ آفاق دلاور مرزا ظہور الدین عرف مرزا مغل بہادر جانو کہ جب پیدل و سوار میرے پاس آئے تھے تو میں نے خود اپنی زبان سے ان سے کہہ دیا تھا کہ میرے پاس خزانہ یا مال نہیں ہے جس سے میں ان کی مدد کروں۔ انہوں نے میرا یہ بیان سن کر سر تسلیم خم کیا اور میرے لئے اپنی جانوں کو قربان کر دینے پر آمادگی ظاہر کی اور ماتحتی اور فرمانبرداری کو منظور کیا۔ اس پر انہیں اول ہدایت کی گئی تھی کہ میگزین اور خزانے کی اشیاء مہیا کریں تاکہ جس سے انہیں اور مجھے فائدہ پہنچے۔ اس کے بعد انہوں نے دیوان خاص کے کمروں اور دیوان عام 'مہتاب باغ و دیگر جگہ سکونت اختیار کر لی اور جیسا جی چاہا کیا۔ ان کے آرام اور ناسمجھی کی وجہ سے ملازمان سلطنت کو بھی انہیں کہنے سے روکا گیا۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ اس معاملے میں ان سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا (تاہم) روپیہ قرض لیا گیا 'تاکہ ہر پیدل و سوار کو روزانہ الاؤنس دیا جایا کرے۔ مکرر فرمان جاری کئے گئے کہ شہر میں لوٹ مار اور دار و گیر نہ کی جائے 'مگر کچھ فائدہ نہ ہوا 'کیونکہ اگرچہ دس روز گذر چکے ہیں 'لیکن وہی خرابیاں اب تک موجود ہیں۔ پیدل و سواروں کی رجمنٹیں دیوان خاص و دیوان عام سے نکل گئیں 'کیونکہ شہر سے باہر رہنے کے انہیں سخت احکام پہنچے تھے اور فوجی آدمیوں کو (جو) خواہ پیدل ہوں یا سوار 'شہر کے باشندوں پر ظلم کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ تاہم ایک پیدل رجمنٹ نے دہلی دروازے سے 'دوسری نے لاہوری 'تیسری نے اجمیری دروازوں کی فصیل کے اندر استقامت اختیار کی ہے اور کئی بازاروں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ وہ باشندوں کے مکانوں میں اس بہانے سے کہ انہوں نے انگریزوں کو اپنے یہاں چھپا رکھا ہے 'گھس جاتی ہیں اور لوٹ لیتی ہیں۔ وہ قفل اور دکانوں کے دروازے توڑ ڈالتی ہیں اور بیباکانہ دکانوں سے مال لے جاتی ہیں اور جبراً سواروں کے گھوڑے کھول لے جاتی ہیں۔ وہ ایسی زیادتیاں کرتی ہیں کہ (ان) تمام شہروں میں جو بدون فوجی دخل کے تصرف میں لائے گئے ہوں گے 'ایسی غارت گری نہ ہوئی ہوگی۔ چنگیز خاں اور نادر شاہ بادشاہوں نے بھی ایسے شہروں کو پناہ دی ہے جو بے لڑے بھڑے قبضے میں آ گئے ہوں۔ علاوہ ازیں فوجی آدمی شاہی ملازموں کو اور شہر کے باشندوں کو ڈراتے دھمکاتے ہیں (آگے پڑھا نہیں جاتا)

پیدل سپاہیوں کو فراش خانے سے نکل جانے کے مکرر احکام دیئے گئے اور سواروں کو باغ خالی کر دینے کے لئے کہا گیا' لیکن انہوں نے اب تک خالی نہیں کیا۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں نہ نادر شاہ' نہ احمد شاہ اور نہ برطانوی گورنر جنرل ہند بھی گھوڑوں پر چڑھ کر گئے ہیں۔ پہلے فوجوں نے درخواست کی کہ شہزادوں کو مختلف عہدوں پر مامور کیا جائے اور اقرار کیا کہ وہ ان کے احکام بجالائیں گی۔ یہ کر دیا گیا۔ پھر انہوں نے خواہش کی کہ شہزادوں کو خلعات فاخرہ عطا کئے جائیں تاکہ ان کے عہدے مستقل ہو جائیں اور تمام قیدی (انگریز) قتل کر ڈالے جائیں۔ (میں) اس پر بھی راضی ہو گیا اور اسی روز مہر خاص ثبت کیا ہوا ایک اعلان عوام میں مشتہر کیا گیا کہ شہر میں عدالت قائم کی گئی ہے اور سپاہیوں کو ظلم و تشدد سے ہاتھ روکنے کی ہدایت کی گئی' مگر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ ان تمام باتوں کو علیحدہ رکھ کر یہ خیال کرنا چاہئے کہ جب گورنمنٹ برطانیہ کے مشہور و اعلیٰ افسران قلعہ دیکھنے آتے تھے تو دیوان عام کے دروازوں پر گھوڑوں پر سے اتر پڑتے اور وہاں سے پیدل آتے تھے' مگر یہ سپاہ گھوڑوں پر بیٹھی دیوان خاص کے کمرے تک گستاخانہ چلی آتی ہے۔ وردی اور پگڑیوں کے سوا اس کا لباس ایسا ہوتا ہے جو آداب شاہی سے بالکل بعید ہے۔ افسران فوج بھی دربار میں بجائے عماموں کے ٹوپیاں پہن کر اور تلواریں باندھ کر ہنوز بے پرواہی سے چلے آتے ہیں۔ برطانوی حکومت کے دوران میں اس کے کسی ماتحت نے ایسا برتاؤ نہ کیا تھا اور گو انہوں نے خود اشیاء میگزین و روپیہ جو خزانے میں تھا برباد کر دیا' مگر اب روزمرہ الاؤنس طلب کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ روزانہ الاؤنس ان لوگوں کے لئے بھی لیتے ہیں جو حاضر نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ ظلم و زبردستی سے شہری دکانوں سے بغیر دام ادا کئے جبراً مال لے جاتے ہیں اور ہر قسم کی زیادتیاں روا رکھتے ہیں۔ بیرون شہر کی چیزوں کی حالت بہت غور طلب ہے۔ فوجیں شہر کی باہر جا کر امن قائم نہیں کرتیں' جس کی وجہ سے سینکڑوں بندگان خدا قتل کر دیئے گئے اور ہزاروں کا مال لٹ گیا۔ ملک کے سول انتظامات بسبب قلت قوت شاہی کے جو تمام صوبجات میں مالگذاری آمدنی کے وصول کرنے والے ہوں اور تھانیدار مقرر کئے گئے ہوں' قائم نہیں رہ سکتے۔ ان معاملات کی وجہ سے ظاہر ہے کہ دیہات سے رسد نہیں فراہم کی جا سکتی اور مالگذاری وصول نہیں ہو سکی۔ معاملات کے اس حالت میں رہنے سے کوئی فائدہ نہیں' بلکہ ملک و شہر کی ویرانی کا خطرہ ہے۔ جو کچھ ذکر کیا گیا اس کے علاوہ سپاہی شاہی ملازموں کو بھی دباتے ہیں اور جب روزانہ الاؤنس طلب کرتے ہیں یا بارود وغیرہ مانگتے ہیں تو ان پر اقتدار جمانا چاہتے ہیں۔ شاہی ملازم کچھ نہیں کہتے بلکہ عاجزی و انکساری کرتے رہتے ہیں اور ہر طرح انہیں خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسی حالت میں کیونکر یقین کیا جائے کہ یہ لوگ دلی خیر خواہ سلطنت ہیں یا یہ کہ وہ حکام بالادست کے زیر اقتدار رہنے پر رضامند ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ خزانے میں بالکل روپیہ نہیں ہے اور شہر کے سوداگروں کو لوٹ کر بالکل تباہ کر دیا ہے (جس سے) وہ اب اس قابل نہیں رہے کہ قرض دے سکیں۔ پھر کیونکر روزانہ الاؤنس دیئے جا سکتے ہیں؟ جب ان کی ضروریات پوری نہ ہو سکیں گی' دیہات سے رسد وغیرہ بند ہو جائے گی تو پھر کیا حالت ہو گی؟ ان سپاہیوں کی مضحکہ انگیز کارروائی تو یہ ہے کہ وہ خود انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حکومت کی رخنہ اندازی کا الزام شاہی ملازموں کے سر تھوپتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جب سپاہ ایسے سرکشانہ کام کر رہی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح حکومت کے فائدے کو ذرہ خاطر نہیں رکھتی اور یہ ظاہر ہے کہ اس حکومت کی بربادی صاف عیاں ہے۔ مجبوراً تھک کر ہم نے آخر کار اپنی بقیہ عمر یاد الٰہی میں بسر کرنے کی ٹھان لی ہے اور خطاب شہنشاہی کو جو

تفکرات و مشکلات سے لبریز ہے' موجودہ خطرات و بے قراریوں سے تنگ آ کر تہیہ کر لیا ہے کہ ترک کر دیں اور کفنی پہن کر پہلے خواجہ صاحب کی درگاہ جا کر مقیم ہوں اور پھر ضروری انتظام کر کے وہاں سے مکہ مکرمہ روانہ ہو جائیں۔ خیال کرنا چاہیے کہ جب یہ فوجیں آئیں تو اہل شہر نے اور شاہی ملازموں نے ان کی مزاحمت نہیں کی اور نہ ان سے دشمنی کا اظہار کیا اور اس لحاظ سے وہ اہل شہر اس قابل نہیں ہیں کہ ان کا جان و مال تلف ہو۔ آئے دن کے ظلم و تعدی مابدولت کے لئے موجب ندامت ہیں' کیونکہ بحیثیت بادشاہ کے ہم پر ان تکالیف کی جوابدہی عائد ہے۔ اس قتل و غارتگری کا گناہ ہم پر ہوتا ہے۔ ان کی تعریف اس میں ہے کہ رعیت کی پرورش کریں' سلطنت کی بنیاد مستحکم کریں اور ملازمان سلطنت سے صلح و آشتی سے پیش آئیں۔ پس فرزند مابدولت تم تمام افسران فوج پیدل و رسالے کو جمع کرو اور کہو کہ اگر وہ سلطنت کی ملازمت کرنی چاہتے ہیں تو ایک فارم پر جو بھیج دیا جائے گا' اقرار نامہ لکھ دیں۔ ان کی خوشی اور اطمینان کی خاطر ہم بھی ایک تحریری دستاویز دیں گے کہ وہ فوراً ان کارروائیوں کے انسداد کی سعی کریں اور رجمنٹ پیدل و سواروں کے خیمے آج ہی شہر سے باہر نصب کئے جائیں۔ ہر سپاہی کو جس پر لوٹ مار کا جرم عائد ہو گا' واجبی سزا ملے گی تا کہ دوسروں کو ایسی مفسدہ پردازی کا حوصلہ نہ ہو اور جب کبھی فرمان شاہی ملک میں امن و امان قائم کرنے کی غرض سے جاری کیا جائے' سب کو اس کی تعمیل کرنی واجب ہو گی اور اسلحہ جنگ و سامان خوراک کا بدون معقول سبب کے مطالبہ نہ کیا جائے گا اور ضد نہ کی جائے گی۔ تم انہیں یہ بھی سمجھا دو کہ اگر وہ متذکرہ بالا باتوں پر عمل نہ کریں گے تو ہم سکون و اطمینان کی خاطر فقیری اختیار کر کے خواجہ صاحب کی درگاہ پر چلے جائیں گے۔ وہ اطمینان سے قلعہ اور شہر کے اور ملک کے مالک بنے رہیں' کیونکہ شاہان سلف میں سے کوئی ایسا نہیں گذرا جس نے ظلم کو امن سمجھا ہو۔ تم فوج کے سوالات کے جواب دینے کے لئے جمع کرو۔ تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ ایک درخواست جس پر تمام افسروں کی مہریں ثبت ہوں' لے کر مابدولت کے حضور میں پیش کرو۔ تمہیں یہ بھی ہدایت کی جاتی ہے کہ اسے خفیف یا معمولی بات نہ سمجھنا کیونکہ ضعیف العمری اور نقاہت کی وجہ سے ہم ایسے گراں بار تردوات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ کسی قوم پر حکومت اور کسی فوج کا انتظام بچوں کا کھیل نہیں ہے۔

فرمان نمبر ۱۱۔ (نقل ایک حکم شاہی بغیر مہر و دستخط کے غالباً دفتر میں رکھنے کی نقل ہو گی) مورخہ ۱۷ جولائی ۱۸۵۷ء بنام بندۂ خاص' نشان عظمت سدھاری سنگھ افسر افواج متھرا و شیخ غوث محمد ہیرا سنگھ و دیگر افسران کیمشنڈ و نان کیمشنڈ فوج آمدہ از نیمچ۔

تم الطاف شاہانہ سے ممتاز کئے گئے اور جانو کہ تمہاری درخواست مورخہ ۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء اعلیٰ حضرت نے پڑھی جس میں تمہارے متھرا آنے اور وہ محاصرے کی توپیں مع سامان آتش بازی کے لانے کی حالت درج تھی۔ اعلیٰ حضرت کا تحریری حکم بھیجا جاتا ہے اور ہدایت کی جاتی ہے کہ اس پر عمل درآمد کرو اور دربار شاہی میں حاضر ہو۔ میری مہربانیوں کا یقین رکھو۔

فرمان نمبر ۱۲۔ نقول دستاویز بمفصلہ ذیل۔ اول نقل درخواست از طرف محمد بخت خاں والی جموں کے لئے درخواست کے ہمراہ ایک مراسلہ روانہ کیا جائے اور اس پر مہر شاہی ثبت کر دی جائے۔

دوم۔ نقل حکم شاہی متذکرہ بالا درخواست پر

سوم۔ مراسلہ بنا بریں درخواست مذکورہ کے ہمراہ بنام والی جموں روانہ کیا گیا۔

چہارم۔ افسران فوج کے نام پشت پر حکم کی نقل۔
کاغذات پر ہر طرف نوٹ ہیں کہ نقل کر لی گئی۔
عرضی نمبر ۷۔ مورخہ ۲۳ اگست ۱۸۵۷ء بحضور خداوند والی جموں کے نام میں ایک مراسلہ ارسال کرتا ہوں اور عرض ہے کہ اس پر اعلیٰ حضرت کی مہر ثبت کر دی جائے (ترقی اقبال وسلطنت کی دعائیں) عرضی غلام۔ مہر کے نیچے نقل ہے' محمد بخت خان کمانڈر انچیف افواج۔
دوم۔ متذکرہ بالا درخواست پر حکم شاہی اس درخواست پر مہر الٰہی ثبت ہو گئی ہے۔ یہ حکم سید حا لکھا ہے۔ تمہاری درخواست کے بموجب ثبت کر دی گئی ہے جو تمہیں واپس بھیجی جاتی ہے۔
سوم۔ مراسلہ بنام والی جموں جو عرضی کے ہمراہ آیا۔
بنام وفادار پر جوش راجہ گلاب سنگھ والی جموں' خود کو سرفراز کیا گیا سمجھو اور جانو کہ مجھے تمہاری درخواست سے تمہارے علاقے سے ملعون انگریزوں کے قتل کا کمال معلوم ہوا۔ تم صدہا تعریفوں کے قابل ہو۔ تم نے اس معاملے میں وہ کام کیا جو بہادر کرتے ہیں۔ زندہ سلامت باش' چند کفار لوگوں نے جانگنی کی حالت میں اپنے آپ کو پہاڑی کے مورچے پر پہنچا دیا ہے اور خود کو حفاظت و پناہ میں سمجھ رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سے قتل ہو چکے اور جو بچے ہیں' وہ مرے ہوئے خیال کیے جاتے ہیں اور اپنے کیفر کردار کی پوری سزا پانے والے ہیں۔ بمبئی کی فوج تخمیناً ساٹھ ہزار بیکانیر' جودھ پور' کوٹہ دے پور ہوتی ہوئی تمام ملاعین کو ڈھونڈھ کر قتل کرتی ہوئی بعافیت اجمیر پہنچ گئی ہے اور آٹھ یا دس روز میں دارالسلطنت دہلی پہنچ جائے گی۔ خدا انہیں تمام آفات سے محفوظ رکھے! تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ موجودہ موسم بارش کی تکالیف کی چنداں پرواہ نہ کرو۔ یہ مراسلہ موصول ہوتے ہی فی الفور دربار شاہی میں حاضر ہونے کی کوشش کرو اور اپنے ہمراہ خرچ بھی لیتے آؤ اور راہ میں جہاں ملعون انگریزوں کو پاؤ' قتل کرو۔ جو تمہاری آرزوئیں ہوں گی' پوری کی جائیں گی۔ تم اپنے ہمعصروں میں معزز و ممتاز کیے جاؤ گے۔ خود کو ما بدولت کے الطاف کا مورد سمجھو۔
چہارم و نقل حکم بنام افسران فوج
بنام افسران فوج با قاعدہ سوار' پیادے' توپ خانہ
جب پوری فتح حاصل ہو جائے گی اور ممالک کی آمدنی پہلے کی طرح خزانے میں آنے لگے گی تو فوجوں کی تنخواہ حسب ذیل کر دی جائے گی۔
با قاعدہ سوار۔ ۲۰ روپے ماہوار۔ پرائیویٹ با قاعدہ پیدل ۔ ۱۰ روپے ماہوار۔ پرائیویٹ با قاعدہ توپخانہ (خالی ہے)۔ دیگر فوج (خالی ہے)۔ سوار ۱۳ روپے ماہوار۔ پیدل سپاہی' ۱۰ روپے ماہوار۔
دوسروں کو حسب لیاقت ماہوار الاؤنس دیا جائے گا اور چونکہ عوام کی حفاظت کا بڑا خیال ہے۔ جو ان سے بدسلوکی یا ظلم سے پیش آئیں گے' مستوجب سخت سزا کے ہوں گے۔ تمہیں خدا کی رحمت پر نظر کرنی چاہئے اور فتح کا یقین کلی رکھنا چاہئے اور پورے یقین و بھروسے سے لڑتے رہو۔ تمہیں بموجب ان احکام کے عمل کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆

غدر دہلی کے اخبار

["غدر دہلی کے افسانوں کا یہ چھٹا حصہ ہے جس میں شہر دہلی کے مشہور اردو اخبار "صادق الاخبار" کے اقتباسات جمع کیے گئے ہیں۔ "صادق الاخبار" کے یہ مضامین بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے مقدمہ میں پیش کیے گئے تھے جو ۱۸۵۷ء میں بعد خاتمہ غدر دہلی کے بادشاہ پر انگریزوں کی طرف سے قائم کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان مضامین میں صرف کابل و ایران اور روس کی خبریں ہیں اور انہی پر رائے زنی ہے۔

بہادر شاہ بادشاہ کے مقدمہ میں ان مضامین کو سرکاری وکیل نے بطور ثبوت شہادت استغاثہ فراہم کیا تھا کیونکہ دوران مقدمہ بہادر شاہ میں ایک ہندو اخبار نویس نے "صادق الاخبار" کو بہت گرم اور منہ زور اخبار بیان کیا تھا اور کہا تھا کہ بادشاہ اور شہزادے اس اخبار کو بہت شوق سے پڑھتے تھے اور عوام میں بھی اس کی ازحد مقبولیت تھی اور اس کا ایڈیٹر ایک مسلمان تھا اور اسباب غدر میں ایک سبب یہ اخبار اور اس کی پر جوش خبریں اور تحریریں بھی سمجھی گئی تھیں۔

ہندو اخبار نویس نے جرح میں بیان کیا تھا کہ "صادق الاخبار" کی تعداد اشاعت صرف دو سو تھی اور اس بیان پر انگریز وکیل نے تعجب سے کہا تھا کہ تمہارے بیان کے بموجب "صادق الاخبار" دہلی کا سب سے بڑا تیز اور منہ پھٹ اور انگریزوں کا دشمن اخبار تھا اور بادشاہ سے لے کر گدا تک اس کو پسند کرتے تھے مگر تعجب ہے کہ اس کے خریدار صرف دو سو تھے۔

اس کے جواب میں گواہ نے کہا تھا کہ ایک آدمی خریدتا تھا اور بیسیوں پڑھتے تھے اور دہلی میں یہی دستور تھا کہ ایک آدمی اخبار پڑھ چکتا تھا تو وہ دوسروں کو پرچہ دیتا تھا اور وہ سب اس کو پڑھتے تھے۔ اس مجموعہ میں کل تیرہ اقتباسات ہیں اور جنوری ۱۸۵۷ء سے لے کر ستمبر ۱۸۵۷ء کے اقتباسات جمع کیے گئے ہیں۔

گویا غدر کے چار مہینے پہلے کے مضامین بھی اس میں ہیں اور عین غدر کے دن کا اقتباس بھی ہے اور پھر غدر کے بعد چار مہینے تک کے اقتباسات ہیں۔

ان سب کے پڑھنے اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اردو پرچے "صادق الاخبار" کا ایڈیٹر برطانوی گورنمنٹ کا دشمن نہ تھا۔ ایسا کوئی مضمون یا کوئی خبر شہادت میں پیش نہیں ہوئی جس میں ایڈیٹر نے برطانیہ کے خلاف کچھ لکھا ہو یا انگریزوں کے خلاف نفرت و عداوت پیدا کرنے کی کوشش اس سے پائی جاتی ہو۔ "صادق الاخبار" نے صرف ایران و کابل و روس کی خبریں لکھی ہیں اور ان پر رائے زنی کرنے میں ایک سچے اور صاف گو اخبار نویس کی طرح لکھ دیا ہے کہ برطانوی قوت بہت بڑی ہے اور اس کو خطرہ میں سمجھنا غلطی ہے۔ اس اخبار نے اپنے ناظرین کو خوش کرنے کے واسطے بے

عقل کی کوئی بات نہیں لکھی اور جس خبر میں خلاف عقل مبالغہ معلوم ہوا اس کی پُر زور تردید کر دی اور برطانوی حکومت کا زور اور اس کی خوبیاں ناظرین کو صاف صاف بتادیں' تاکہ ان خبروں سے مغالطے پیدا نہ ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ اقتباسات ایک ایسے مقدمہ میں پیش کیے گئے تھے جس میں بہادر شاہ و مسلمانوں اور ہندوستانیوں پر یہ بات ثابت کرنی مقصود تھی کہ وہ برٹش گورنمنٹ کے خلاف سازش اور غدر اور فتنہ پردازی کے مرتکب ہوئے۔ اس واسطے لازمی طور پر "صادق الاخبار" کے وہی مضامین چھانٹے گئے ہوں گے جن میں کچھ بھی گنجائش گرفت کی پائی گئی ہوگی اور ایسی کوئی تحریر باقی نہ چھوڑی گئی ہوگی جو سرکاری وکیل کے ثبوت استغاثہ کو تقویت پہنچا سکے مگر معمولی عقل کا آدمی بھی ان اقتباسات کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ ان میں کوئی اقتباس استغاثہ کی تائید کرنے والا نہیں ہے' بلکہ ان سب سے ایک طرح تردید استغاثہ کا اثر پیدا ہوتا ہے' کیونکہ اخبار نے غلط افواہوں کی علانیہ تکذیب کی ہے اور ان کو خلاف عقل بتایا ہے۔

بہادر شاہ کے مقدمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غدر کے خاتمہ کے بعد ہندو مسلمانوں میں نفاق پیدا ہو گیا تھا۔ اس نفاق کی وجہ کچھ ہی ہو' مگر اس میں شک نہیں کہ نفاق بالکل کھلا ہوا اور صاف تھا۔ دوران مقدمہ بہادر شاہ میں جو ہندوستانی گواہ پیش ہوا' اس سے ہندو مسلمان کے اختلاف کی بو آئی اور ہندو نے مسلمان کے خلاف اور مسلمان نے ہندو کے خلاف الزام لگائے۔ پس ہندو اخبار نویس نے "صادق الاخبار" کے مسلمان ایڈیٹر کے خلاف اگر عدالت کو بدگمان کرنے کی کوشش کی تو اس سے ہندو گواہ کو برا نہیں کہا جا سکتا' کیونکہ اس وقت ہر قوم دوسری قوم پر غدر کا الزام قائم کرنا اور اپنی قوم کو بچانا چاہتی تھی اور قدرتی طور سے برٹش افسروں کے دل میں مسلمانوں کی نسبت غداری کرنے کا زیادہ شک تھا کہ وہ ملک کے حکمراں تھے اور دوسرے بادشاہ کے قبضۂ حکومت سے ان کا اختلاف کرنا ایک نیچرل بات تھی۔

"صادق الاخبار" کے یہ اقتباسات آج سے ساٹھ باسٹھ برس پہلے کے طرز اخبار نویسی کو بھی ظاہر کرتے ہیں اور ناظرین کو اس سے طرح طرح کی دلچسپ باتیں اخذ کرنے کا موقع حاصل ہوگا۔

بہت تعجب خیز نکتہ ان اقتباسات میں یہ ہے کہ "صادق الاخبار" کے وہ مضامین بھی منتخب کیے گئے ہیں جو عین غدر کے دن اور غدر کے چار مہینہ بعد تک شائع ہوئے' مگر ان مضامین میں بھی برٹش گورنمنٹ کے خلاف کوئی لفظ نہیں ہے حالانکہ اخبار نویس کو غدر کے بعد جبکہ انگریزوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا تھا اور تمام ملک میں برٹش سلطنت ایک امید و بیم بلکہ نابود ہونے کے خطرہ میں پڑی ہوئی تھی اور جبکہ ہندو مسلمان دونوں انگریزوں کے خلاف مضامین چھپنے سے خوش ہو سکتے تھے اور جبکہ ایڈیٹر کو بظاہر اسباب انگریزوں کا کچھ خوف باقی نہ رہا تھا۔ پھر بھی "صادق الاخبار" میں برٹش گورنمنٹ کے خلاف کوئی مضمون نہیں چھپا۔ اگر چھپتا تو سرکاری وکیل اس کو استغاثہ کی شہادت میں ضرور شریک کرتا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے اخبار نویس انگریزی اخبار نویسوں سے بہت زیادہ اخلاقی قوت رکھتے ہیں اور معمولی سی بات میں بھچوروں کی طرح آپے سے باہر نہیں ہو جاتے۔ "صادق الاخبار" کی اس خاموشی و احتیاط سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس کے ایڈیٹر کی نظر بہت گہری تھی اور وہ نہایت تجربہ کار اور فوجی و ملکی حالت کا بہت اچھا مبصر تھا اور اس نے سمجھ لیا تھا کہ موجودہ غدر برٹش سلطنت کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا اور ہندوستان کی فوجی و سیاسی تدابیر

انگریزوں کے فوجی اور سیاسی توڑ جوڑ پر فتح نہیں پا سکتیں۔ اس واسطے اس نے کوئی مضمون غدر کرنے والوں اور ان کے حامیوں کی تائید میں نہیں لکھا۔

یہ بات بھی ہندوستانی اخبار نویسوں کے لئے باعث فخر ہو سکتی ہے کہ ان میں اس دل و دماغ کے ایڈیٹر ہو سکتے ہیں جیسا کہ "صادق الاخبار" کا ایڈیٹر تھا۔

یہ اخبارات اردو سے انگریزی میں ترجمہ ہوئے تھے اور ان کو سرکاری وکیل نے عدالت میں پیش کیا تھا اور بہادر شاہ کے مقدمہ کی مثل میں شامل تھے جو ایک ضخیم کتاب کی صورت میں بزبان انگریزی سرکاری طور پر شائع ہوئی ہے اور اب انگریزی سے میں نے اردو میں ترجمہ کرایا (مترجم حسن عزیز بھوپالی)۔ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ کئی کئی دفعہ کی الٹ پھیر میں "صادق الاخبار" کے اصلی طرز تحریر کا رنگ بالکل بدل گیا ہوگا اور وہ کیفیت ترجمہ کے اس تیسرے قالب میں نہیں آ سکتی جو "صادق الاخبار" کی اصل اردو میں ہوگی۔ حسن نظامی"

اقتباسات "صادق الاخبار" (دہلی)

اقتباس از "صادق الاخبار" دہلی (صفحہ ۲۸)

ایران۔ ایرانی اخبارات سے یہ تحقیق ہوا ہے کہ شاہ ایران نے اپنی تمام فوجوں کو مختلف اضلاع سے بلا کر طہران میں تا حکم ثانی ٹھہرنے کا حکم دیا ہے جس کے لئے کہتے ہیں کہ وہ (فوجیں) جو حکم پائیں گی دل و جان سے بجا لائیں گی۔ صحیح خبر دی گئی ہے کہ یہ حکم جو امیر دوست محمد خاں کے خلاف توقع ہے دراصل شاہ ایران کی ایک چال ہے اپنے اصلی مقاصد کو پوشیدہ رکھنے کے لئے۔ ان کا مقصد امیر سے لڑنے کا نہیں ہے بلکہ انگریزوں سے لڑنے اور ان پر فتح پانے کا ہے۔ امیر برطانوی طاقت پر بھروسہ کر کے انگریزوں سے مل گئے ہیں اور انگریزوں اور ایرانیوں کے درمیان تمام بے لطفیوں کا موجب ہیں۔ شاہ ایران نے سردست دوستانہ تعلقات انگریزوں سے بظاہر منقطع نہیں کئے ہیں نہ انہوں نے امیر دوست محمد خاں سے ذاتی دشمنی اختیار کی ہے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ تینوں طاقتوں میں کچھ نہ کچھ خیالات کی تبدیلی ضروری ہوگئی ہے۔

اقتباس از "صادق الاخبار" دہلی (نمبر ۴ جلد ۳۔ مورخہ ۲۶ جنوری ۱۸۵۷ء)

فرانس۔ یہ بیان کرنے میں تمام اخبارات متفق ہیں کہ شاہ فرانس و شہنشاہ ٹرکی نے تا حال انگریزوں یا ایرانیوں سے متحد ہونے کا اعلان نہیں کیا ہے لیکن ہر دو مخالف طاقتوں کے سفیر ہر دو مذکورہ بالا سلطنتوں میں تحفہ تحائف لے کر پوشیدہ پوشیدہ جاتے ہیں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ شاہ فرانس اور شہنشاہ ٹرکی انگریزوں اور ایرانیوں کے درمیانی قصہ میں نہ پڑیں گے لیکن زیادہ تر لوگ کہتے ہیں کہ وہ دونوں ایرانیوں کے جانبدار ہوں گے۔ بعد میں جو کچھ تحقیق ہوگا بے کم و کاست شائع کر دیا جائے گا۔ روسیوں کے متعلق یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تیاریوں کو جن سے وہ مدد کریں گے مخفی نہیں رکھا ہے۔ وہ فوج

کی اور مال کی امداد ایرانیوں کو پہنچاتے رہیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دراصل روس ہی اس جنگ کے محرک ہیں اور ایرانیوں کی آڑ پکڑ کر اپنی فتح ہندوستان کی تمنا پوری کرنی چاہتے ہیں۔ یہ یقینی ہے کہ روسی فوج جرار لے کر میدان میں آ جائیں گے۔ اگر آئندہ کچھ تحقیق ہوا تو شائع کیا جائے گا۔ ناظرین "صادق الاخبار" کو منتظر رہنا چاہئے کہ پردہ مستقبل کیا آشکارا کرتا ہے۔

اقتباس از "صادق الاخبار" دہلی (نمبر ۲ جلد ۳۔ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۸۵۷ء، صفحہ ۸۲، ۸۳)

دربار ایران۔ بمبئی کے سابق پرچوں سے جو پریس ہذا میں موصول ہوئے ہیں معلوم ہوا کہ شاہ ایران نے رؤسائے ہرات کو مع اپنے نمائندے ایک روز دربار میں طلب کیا اور ایک کانفرنس جنگ کی بابت منعقد کی۔ بعد گفت و شنید ان سب نے انگریزوں سے جنگ کرنے کی رائے دی اور یہ یقین کرتے کہ خدا کامیاب کرے گا انہوں نے کہا۔ ہرات کو لے لینے سے تم گویا ہندوستان کے دروازہ پر پہنچ جاؤ گے۔ پھر کہا کہ روسیوں کی بھی خواہش ہے کہ ایرانی انگریزوں سے جنگ کریں اور ہندوستان کو فتح کریں۔ اس پر بادشاہ نے بیان کیا کہ "وہ ان مدبرین سے بہت خوش ہوا جنہوں نے اس نمک حرام وزیر اعظم کے مخالف رائے دی اور اقرار صاف کیا کہ جب وہ ہندوستان پہنچ جائے گا تو ان لوگوں کو مختلف صوبہ جات کا گورنر بنائے گا۔ جن میں کا ایک بمبئی دوسرا کلکتہ تیسرا پونا وغیرہ اور وہ تاج بادشاہ دہلی کو بخش دے گا۔"

اسی اثناء میں خبر ملی کہ وزیر اعظم نے تاج شہنشاہی کو جس میں بیش قیمت جواہرات تھے ایک سوداگر حاجی علی کی معرفت چوری سے ایک لاکھ پچیس ہزار فرانک میں فروخت کر ڈالا اور اسے (سوداگر کو) رقم کا چوتھائی حصہ دیا۔ اس پر بادشاہ نے وزیر اعظم کو طلب کر کے اس معاملہ کو دریافت کیا لیکن اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر بادشاہ نے اس سوداگر کو گرفتار کر کے اس پر جرمانہ کیا اور وزیر اعظم پر بسبب غیر اقوام سے ربط ضبط رکھنے کے بے حد ناراضگی و خفگی ظاہر کی اور بیان کیا جاتا ہے کہ وزیر اعظم کے فرائض منصبی کسی اور مدبر کے سپرد کئے گئے ہیں۔ مذکورہ بالا وزیر اعظم نے بادشاہ کو صلح کل پالیسی قائم رکھنے کی صلاح دی تھی۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ شہنشاہ روس نے چالیس ہزار فوج مع کثیر سامان و اسلحہ جنگ اس کی امداد کے لئے روانہ کی ہے جس کی کئی ٹکڑیاں ایرانیوں سے آ کر مل بھی گئی ہیں اور یہ خبر بھی آئی ہے کہ شہنشاہ روس نے کہا کہ اگر مرسلہ فوج جنگ کے لئے ناکافی ہوگی تو اور فوج جنگ و جدال کے لئے روانہ کی جائے گی۔ ان سپاہیوں کے جواب میں بادشاہ نے شہنشاہ المعظم والی روس کی بہت مدح سرائی کی اور ہدایات جاری کیں کہ روسی افواج کے مصارف کے لئے اس کے خزانہ سے روپیہ دیا جائے اور روسی فوج کے کسی ہرکارہ تک کو بھی کسی قسم کی تنگی یا تکلیف نہ پہنچے۔ اس کے بعد فرانسیسی سفیر نے خوشخبری سنائی کہ اس کا بادشاہ جو چند روز سے علیل تھا خدا کے فضل سے پوری طرح صحت یاب ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے یہ سن کر کہا کہ "میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔" پھر سفیر خارجیہ نے اپنے آقا کی طرف سے بادشاہ سے عرض کیا کہ برخلاف قوانین انگلستان وترکی کے آپ کے ملک میں ہنوز بردہ فروشی جاری ہے۔

ایران میں شاہ ایران کے انگریزوں سے جنگ کرنے کا خاص سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایرانی سلطنت میں پانچ پشتوں سے تخمینہ [illegible] اور اس وقت سے ہر قسم کے اسلحہ جات و سامان جنگ اور خزانہ جمع ہو رہا ہے لیکن

ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنے ارادوں پر عمل درآمد نہیں کیا۔ چنانچہ ناصرالدین موجودہ بادشاہ کو بھی یہی ہوس ہے اور یہ اس کی قدیمی خواہش ہے جو اس کو وراثتاً ملی ہے۔ اب ایک طرف تو ہرات آسانی سے قبضہ میں آ گیا۔ دوسری طرف روسی بھی امداد پہنچ گئی ہے۔ تیسرے عمائد نے یک زبان ہو کر ہندوستان پر فوج کشی کا مشورہ دیا اور کہا کہ خدا فتح عطا فرمائے گا۔ چوتھے یہ کہ تمام رعایائے ایران جہاد کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی' اس لئے شاہ ایران پوری مستعدی سے جنگ کے لئے آمادہ ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امیر دوست محمد خاں والی کابل بھی درپردہ شاہ ایران سے ملے ہوئے ہیں اور ظاہراً انگریزوں سے کہتے ہیں کہ ایران سے انہیں سخت عناد ہے اور عناد کی وجہ یہ پیش کرتے ہیں کہ شاہ ایران نے شہزادہ یوسف کو ہرات میں حاکم قرار دیا تھا اور اب یہ شہزادہ شاہ ایران کو مشورہ دیتا ہے کہ کابل کی حکومت امیر سے چھین کر مجھے دے دی جائے اور اسی لئے ایرانی کابل کی طرف بڑھ رہے ہیں اور انہیں (امیر کو) بہت خطرہ ہے کہ شاہ ایران شاہ شجاع الملک کی بے دخلی کے بدلے افغانوں سے کابل چھین لے گا۔ کابل کو روانہ ہوتے ہوئے امیر نے شاہ ایران کو اس طور پر خط لکھا کہ وہ خود بھی سلطنت ایران کی رعایا ہے اور اسے گورنمنٹ برطانیہ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اقتباس از "صادق الاخبار" دہلی (نمبر ۱۱ جلد ۲۔ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۸۵۷ء)

اعلان شاہ ایران۔ اعلان شاہ ایران کی کئی کاپیاں گلیوں اور سڑکوں کے نکڑوں پر چسپاں ہیں۔ میرے ایک دوست نے اس اعلان کی بعینہٖ ایک نقل کر لی ہے جو جامع مسجد کی پشت پر چسپاں ہے۔ اس اعلان کو متعدد آدمیوں نے دیکھا ہے۔ مختصراً اس کا ماحصل یہ ہے کہ "جو لوگ مذہب حق کا دعویٰ کرتے ہیں ان کا فرض ہے کہ عیسائیوں کو مدد نہ دیں اور حق وراست پر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی ترقی میں اپنی تمام طاقت صرف کر دیں اور وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ جبکہ مابدولت (شاہ ایران) تخت پر متمکن ہوں گے اور رعایا کو اتنا ہی خوشحال بنا دیں گے جتنا کہ انگریزوں نے مفلوک الحال کر کے ذریعہ معاش سے محروم کر دیا ہے۔ پس ہم خود کو ان کی ترقی و بہبودی کی طرف متوجہ کریں گے۔ ہم کسی کے مذہب میں دخل نہیں دیا کرتے ہیں اور نہ وہاں دیں گے۔" یہ ہے اس اعلان کی روئداد۔ ایک شخص محمد صادق نامی جس کے ذریعہ سے یہ اعلان کیا گیا' کہتا ہے کہ ۶ تاریخ تک نو سو ایرانی سپاہی مع چند افسران کے ہندوستان میں داخل ہو چکے ہیں اور خاص دہلی میں پانچ سو سپاہی تبدیل لباس میں مختلف صورتوں میں موجود ہیں۔ وہ اپنی نسبت کہتا ہے کہ ۳ مارچ کو میں دہلی پہنچا' جہاں اعلان چسپاں کر دیئے گئے ہیں۔ اس کا بیان ہے کہ ہر حصہ ملک سے اس کے پاس خبریں آتی رہتی ہیں اور وہ ہر شے کی باقاعدہ اطلاع شاہ ایران کے پاس روانہ کرتا رہتا ہے اور آئندہ وہ ایرانی فوج کی نقل وحرکت بذریعہ اعلان ہر فرد بشر پر ظاہر کر دیا کرے گا۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ اعلان چند بے فکروں کا گھڑا ہوا ہے اور میں بھی ان کا ہم خیال ہو کر پوچھنا چاہتا ہوں کہ محمد صادق خاں کے آخر دہلی آنے کا مدعا کیا ہے۔ اگر اس کا مقصد جنگ ہے تو اس طریقہ سے اس کا آنا بے سود ہے۔ اگر وہ جاسوس کی حیثیت سے آیا ہے تو اپنے آنے کو مشتہر کرنا بالکل بے عقلی اور اپنے مشن کے اخراجات میں بیکار روپیہ ضائع کرنا ہے۔ ایسے معاملہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مقاصد کا پورا نہ ہونا یقینی ہے۔ قطع نظر ان تمام باتوں کے بہر حال یہ دریافت کرنا چاہئے کہ شاہ ایران کے ہند پر فرمانروائی کرنے سے ہندوستانیوں کو کون سی خوشی حاصل ہو سکتی ہے؟

چنانچہ اعلان سے ظاہر ہے کہ وہ خود ہندوستان پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے۔ ہندوستانی تو صرف اسی وقت خوش ہوں گے کہ اگر شاہ ایران عباس شاہ صفی کی طرح ہمارے خاص بادشاہ کو سلطنت دے دے اور تعجب بھی نہیں جو وہ ایسا کریں کیونکہ خود تیمور نے ایرانیوں کو سلطنت بخشی تھی اور نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی احسان کے بدلے عباس شاہ صفی نے ہمارے ہمایوں کو مدد دی تھی۔

اقتباس از "صادق الاخبار" دہلی (نمبر ۱۲ جلد ۳۔ مورخہ ۲۳ مارچ ۱۸۵۷ء)

بادشاہ ایران کے نام سے اعلان۔ سابق میں چند مفسدین نے دہلی میں ہنگامہ برپا کرنے کے لئے یہ سمجھ کر کہ شہرت ہوگی، جامع مسجد کی پشت پر ایک اعلان شاہ ایران کی طرف منسوب کرکے پبلک کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے چسپاں کر دیا تھا۔ اس اعلان کا لب لباب یہ تھا کہ ہندو مسلمان دونوں عیسائیوں کی مدد نہ کریں اور شاہ ایران عنقریب ہندوستان فتح کرے گا اور لوگوں کو انعام و اکرام دے کر خوش کرے گا۔ جس شخص نے یہ اعلان مشتہر کیا ہے، اپنا نام محمد صادق بتایا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس لغو و لایعنی بات سے حکام دہلی بہت خفا ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو شخص اس جعل ساز کاذب کو گرفتار کرادے گا، خاطر خواہ انعام پائے گا، لیکن خدا معلوم وہ اب ہاتھ بھی آئے گا یا نہیں۔ ہمارے اچھے مسٹر محمد صادق خاں جعل ساز جنہوں نے یہ اعلان کیا ہے، ہمیں یقین ہے کہ اگر گورنمنٹ کے ہاتھ لگ گئے تو ایک دو ٹکے کا جوتا سرکے میں تر کیا ہوا ان کی ٹانٹ پر پڑے گا جس سے ان کے بال نہایت خوشنمائی سے جھڑ جائیں گے۔ اس وقت یہ حضرت سمجھ جائیں گے کہ شیشے کے گھر میں رہ کر دوسروں پر پتھر پھینکنا کیا تماشہ دکھاتا ہے اور ان بے وقوفوں کی لیاقت کس طرح ناک کی راہ سے نکل پڑتی ہے۔

اقتباس از "اردو اخبار" دہلی (نمبر ۱۵ جلد ۱۹۔ مورخہ ۱۲ اپریل ۱۸۵۷ء)

کابل۔ "دہلی گزٹ" کا ایک نامہ نگار کابل سے ۲۹ مارچ کو لکھتا ہے کہ مختصر فوج جسے امیر دوست محمد خاں نے پیش بولاک اور سرجو خیل قبیلوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا، محمد شاہ خاں سے مقابلہ کرنے کے بعد جس میں ان کے تقریباً تیس آدمی ہلاک اور اتنے ہی زخمی کئے گئے ہیں، جلال آباد واپس ہوگئی ہے۔ کثیر مال غنیمت امیر کے سپاہیوں کے ہاتھ لگا ہے اور خان مذکور اپنی جان بچا کر پہاڑی علاقوں میں جو لغمان میں ہے جا چھپا ہے۔ میرداد خاں کا بھائی ابھی جلال آباد سے آیا ہے اور نامہ نگار کو اطلاع دی ہے کہ امیر "تات مینح" کی سمت بڑھ رہے تھے، لیکن یہ ابھی نہیں معلوم ہوا کہ وہ جشن نوروز بلا باغ میں منائیں گے یا کابل میں۔ برادر میرداد خاں نے یہ بھی بیان کیا کہ چند انگریزی اخبارات ہندوستان کے شائع شدہ امیر کے سامنے پڑھے گئے جن میں گورنمنٹ کی بدنظمی پر تنقید کی گئی تھی کہ وہ امیر کو خواہ مخواہ روپیہ دیتی ہے، حالانکہ وہ دو طرفہ تعلقات رکھتے ہیں۔ امیر نے یہ سن کر کہا کہ جب گورنمنٹ پر کوئی مشکل آ پڑتی ہے تو وہ لوگ لاکھوں پونڈ صرف کر دیتے ہیں اور اب جبکہ ایرانی روسیوں کی تحریک پر افغانستان پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہے ہیں اور محض گورنمنٹ ہند کو دق کرنے کی نیت سے کر رہے ہیں تو گورنر جنرل نے عقل مندی اور دوراندیشی سے کام لے کر امیر کے عہد و پیمان پر غور کیا ہے کہ وہ قائم رکھے

کے قابل ہے۔ نامہ نگار کہتا ہے کہ کابل میں اس کا بہت چرچا ہے کہ سلطان محمد جان ہی کی تحریک و مفسدہ پردازی ہے جو انعام حاجی پہاڑی علاقوں کے باشندوں کو بھڑکا رہا ہے اور معتبر خبر ملی ہے کہ سلطان جان نے کمانڈر انچیف افواج ایران متعینہ ہرات سے گرشک پر فوج کشی کرنے کی درخواست کی ہے اور کہا ہے کہ اگر اہل گرشک نے اسے اس شرط پر مدد دینی منظور کی ہے کہ تین سال تک کا خراج معاف کر دیا جائے۔

اقتباس از "خلاصۃ الاخبار" دہلی (نمبر ۸ جلد ۱۔ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۸۵۷ء)

ایران۔ چند روز ہوئے کہ جامع مسجد کی دیوار پر ایک اعلان چسپاں کیا گیا تھا۔ اس پر ایک تلوار اور ڈھال کی شکل بنی ہوئی تھی اور یہ اعلان شاہ ایران کے پاس سے آیا ہوا بتاتے تھے۔ اس کا خلاصہ یہ تھا

تمام سچے مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے کہ کمر بستہ ہو کر شاہ ایران کی اعانت کریں اور وفاداری سے اس کی حکومت و اقتدار کو ملحوظ رکھیں اور انگریزوں سے جہاد کریں تاکہ انہیں تباہ و برباد کر کے اس کی عنایت کے مورد ہوں۔ انعامات و خطابات حاصل کریں جو شاہ ایران فراخ دلی سے عطا کرے گا۔ پھر اعلان میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ شاہ ایران یا جمشید ثانی بہت جلد ہندوستان آئے گا اور اس ملک کو خود مختار بنا دے گا اور ایران میں عوام الناس جمع ہو کر حسب ذیل فقرہ پر بار بار تکرار کرتے ہیں۔

"خدایا خاک ایران کو بدبختیوں کی ہوا سے بچائیو جب تک کہ خاک اور ہوا زندہ رہیں۔"

مجسٹریٹ کی عدالت میں بے شمار گمنام درخواستیں موصول ہوئی ہیں اور ان میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آج کی تاریخ سے ایک ماہ بعد کشمیر پر حملہ کیا جائے گا جس کی فرحت افزائی اور خوبصورتی کا ایک شاعر نے یوں خاکہ کھینچا ہے

اگر ایک بلبل بصورت کباب کشمیر میں لایا جائے
تو کشمیر کی آب و ہوا سے اس کے بھی بال و پر پیدا
ہو جائیں گے۔

اور یہ خطہ سر دو زمین بہشت لکھنے والوں کے قبضہ میں آئے گا۔ محرر اخبار ان تمام باتوں کو مزخرفات اور حمق پر مبنی سمجھتا ہے کیونکہ اگر ممالک حکومتوں کے ہاتھ سے یونہی نکل جایا کریں تو فوجوں کا کیا فائدہ۔

اقتباس از "صادق الاخبار" دہلی (نمبر ۱۹ جلد ۳۔ مورخہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء)

شاہ ایران کا اعلان تسخیر ہند۔ انگریزی اخبار "پنجابی" کا ایڈیٹر اپنی نمبر ۱۱ کی اشاعت میں رقم طراز ہے کہ محمرہ پر قبضہ کرتے وقت اس کے نامہ نگار کو شہزادے کے خیمہ سے ایک اعلان دستیاب ہوا جس کا خلاصہ نامہ نگار مذکور نے بذریعہ تار برقی ایڈیٹر کو روانہ کیا ہے اور جسے اب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ اعلان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

معلوم کرنا چاہیے کہ انگریزی گورنمنٹ نے اپنی فتح مندی کا علم سب سے پہلے ہندوستان میں نصب کیا ہے اور پھر آہستہ آہستہ تمام مقبوضات مشرقی کے طاقتور سلاطین کو اپنے قابو میں لا رہی ہے۔ تھوڑا عرصہ گذرا کہ اس نے افغانستان

پر قبضہ کیا تھا لیکن افغانوں کی مسلسل ہنگامہ آرائیوں سے تنگ آ کر اسے چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد اس نے لاہور و پشاور اور دیگر خود مختار ممالک لے لئے اب وہ براہ افغانستان آ کر قلمرو ایران کو بھی زیر و زبر کرنا چاہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو وہ ہمارے ہم مذہب ہمسائے افغانوں سے دوستی کر رہی ہے تاکہ یہ اسے گذر جانے دے اور وہ آ کر ایران کو تہ و بالا کر ڈالے اور مذہب حق کے پیروؤں میں نا اتفاقی ڈال دے۔ مزید براں یہ سنا گیا ہے کہ ایران پر فوج کشی کی غرض سے ایک انگریزی فوج براہ خشکی روانہ ہوگئی ہے اور اس نے ایک بحری قلعہ جو راہ میں پڑتا ہے اور وہ مسلمانوں کا ہے' لے بھی لیا ہے اور وہیں مقیم ہے لیکن گورنمنٹ اسے پیش دستی نہیں کرنے دیتی اور جانتی ہے کہ اگر وہ ایسا کرے گی تو مسلمانوں کے غصہ اور تیز دھار کی تلوار سے کام پڑے گا اور بہت جلد جاں کنی کی حالت میں جیسے مچھلی پانی سے باہر تڑپتی ہے' ہوگی اور دم توڑتی پھرے گی۔ لہٰذا شاہ ناصر الدین بادشاہ ایران نہایت وثوق سے ذیل کا اعلان کرتے ہیں

اعلان: تمام فوجوں کو حدود ایران کے مختلف مقامات پر جمع ہو کر ان دشمنان دین کی مزاحمت کرنی چاہئے جو مخالفین اسلام ہیں۔ اقوام عرب کو لازم ہے کہ پیمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعلیم "جنہوں نے تمہیں صدمہ پہنچایا ہے' تم بھی انہیں صدمہ پہنچاؤ" پر عمل کریں۔ پس واجب ہے کہ بوڑھے' جوان' ادنیٰ' اعلیٰ' عقلمند و کج فہم' کسان و سپاہی سب کے سب بے پس و پیش اپنے ہم مذہبوں کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ ہتھیار باندھ لیں۔ علم اسلامی بلند کریں اور اپنے ہم قوموں کو بھی راہ خدا میں جہاد کرنے کی دعوت پہنچائیں۔ چنانچہ ان کو جو حامی دین ہوں گے' ان کی جانفشانیوں کا اجر خدا عطا کرے گا اور ہا مدولت بھی خوش ہوں گے۔ ہم نے شریف النفوس کو شرفا کے ہمراہ روانہ کیا ہے۔ مرزا جان کوشکی اصبہانی نبرد آزمائے قوم' رئیس میر علی خاں و دیگر افسران و روٴساء کو پچیس ہزار فوج کے ہمراہ ایران کے مختلف مقامات پر روانہ کیا ہے۔ شہزادہ نواب شمشیر الدولہ کمانڈنگ افسر کی سرکردگی میں تیس ہزار فوج مجرہ روانہ کی ہے۔ غلام حسن خاں وفعہ دار و جعفر قلی خاں کو سواروں کی رجمنٹ کے ہمراہ کرمان بھیجا گیا ہے۔ بیس ہزار فوج مسلح مع ساز و سامان غریبیہ وقریبیہ کو روانہ کی گئی ہے اور نواب احسن السلطنت تیس ہزار جوانوں چالیس توپوں و دیگر اسلحہ جات جنگ کے ساتھ کچھ "شمالی صوبجات سندھ" کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ یہ فوجیں اس لئے روانہ کی گئی ہیں کہ افغانستان پر فتح پالیں تو آگے بڑھیں۔ رئیس سلطان احمد خاں' شاہ دولت خاں' سلطان علی خاں اور محمد عالم خاں تسخیر ہند کے لئے افسران بالا کے ماتحت مقرر ہوئے ہیں۔ رحمت خداوندی سے پوری امید ہے کہ وہ فتح یاب ہوں گے۔ اب وہ وقت ہے کہ اس ملک کے (ہندوستان کے) تمام افراد اور تمام افغانی جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام پر چلتے ہیں' نڈر ہو کر اس مذہبی جنگ میں شامل ہوں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے ہاتھ بڑھائیں' کیونکہ ایسا کرنے سے انہیں فلاحیت دارین حاصل ہوگی اور چونکہ موجودہ سرحدی ہنگامہ آرائیاں بھی کوئی معمولی لڑائیاں نہیں ہیں کہ جنہیں تھوڑی سی وفادار فوج رفع دفع کر سکے۔ پس تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ جوش و خلوص سے امداد کریں۔ مزید برآں تمام افغان اقوام کو معلوم ہو کہ شاہ ایران کا یہ مقصد نہیں ہے کہ افغانستان کو اپنے قلمرو میں شامل کرلے' بلکہ بجائے اس کے ان کا مقصود اصلی یہ ہے کہ قندھار رئیس رحمدل خاں و خون دل خاں کے قبضہ میں ہو اور کابل بدستور امیر دوست محمد خاں کے پاس رہے اور اس طور سے افغان پہلے کی طرح پھر آزاد ہو جائیں۔ امیر دوست محمد خاں کو لازم ہے کہ اپنے لواحقین و مددگار مسلمانوں کی ایک کونسل منعقد کریں اور حدیث

پیمبر پر عمل کرنے کے لئے کہیں۔ جو شخص عملاً یا قولاً کسی ایک مذہبی رکن کی حمایت کرے گا اس کو اجر عظیم ملے گا۔ اعلان ہذا کی اشاعت کے قبل تک امیر دوست محمد خاں ہمیشہ کہتے تھے کہ اگر ایرانی فوجیں کسی غیر مذہب طاقت سے لڑنے جائیں تو ہم ہتھیاروں اور روپیہ سے ان کی مدد کریں گے اور خود بھی شامل ہوں گے۔ لہٰذا جس وقت کے آنے کے وہ منتظر تھے وہ اب آ پہنچا ہے یعنی ما بدولت نے انگریزوں سے جہاد کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ اب امیر دوست محمد خاں اپنے وعدہ کے موافق دشمنان دین کے قتل میں اپنی پوری طاقت صرف کر دیں کیونکہ ثواب آخرت حاصل کرنے کا اس سے بڑھ کر کوئی موقع نہ ملے گا۔ اگر وہ اس موقع پر مارے گئے تو ان کا شمار شہداء میں ہوگا۔ ورنہ وہ غازی کہلائیں گے۔ بہ وجوہ جہاد سے بڑھ کر کوئی کام نہیں ہے لیکن اگر خدانخواستہ امیر اس کے برعکس رویہ اختیار کریں گے تو وہ پہلے اپنے مذہب سے دور ہو جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ تمام دنیا کی نظروں میں ذلیل ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ بزدل کہلائیں گے۔ چوتھے ان پر غضب الٰہی نازل ہوگا۔

شاہ ایران نے یہ بھی لکھا ہے کہ "آہ امیر! کیا تم دین سے منکر ہو کر انگریزوں سے مل گئے ہو؟ میں بحیثیت مسلمان تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ میرے ساتھ ہو جاؤ اور ان کی تباہی کی تدابیر کرو۔ یہ بھی سمجھ رکھو کہ تمام مسلمان شاکی ہیں کہ امیر نے انگریزوں سے مل کر اپنے مذہب کی تحقیر کی ہے۔ اگر صرف طمع ہی تمہارے اس رویہ کی موجب ہو تو مجھ سے دوگنا زر لے لو اور کیا تم نے سنا نہیں کہ انگریزی قوم نے سلاطین ورؤسائے ہند سے کیا کیا بدسلوکیاں کی ہیں؟ امیر نے اس خط کا بہت احترام کیا اور رئیس سوات کے ہمراہ حاضر ہونے کا وعدہ کیا ہے اور شاہ ایران ہرات میں داخل ہو گئے ہیں۔ قندھاری فوجوں نے ان تمام انگریزوں کو قتل کر ڈالا جو آگے بڑھ گئے تھے۔

ایڈیٹر "پنجابی" رقم طراز ہے کہ چونکہ اعلان بہت طول طویل ہے لہٰذا اس نے اقتباس کر لیا ہے اور اس کے خیال میں جو بات مفید مطلب ہے وہ یہ ہے کہ محمرہ پر قبضہ کر لیا گیا اور یہ کاغذ ہاتھ آ گیا ورنہ یہاں تک کبھی نہ پہنچ سکتا۔

شکر ہے کہ برطانیہ عظمیٰ کا آفتاب اقبال نصف النہار تک چمک رہا ہے۔ یہ یقین کر لینا چاہئے کہ شاہ ایران کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوں گی۔ اخبار "پنجابی" کا اقتباس یہاں ختم ہو گیا اور اب ہم اخبار "انگلش مین" کی رائے پر نظر ڈالتے ہیں۔ افواہ ہے کہ ایک زبردست فوج بہت جلد درہ بولن پر پہنچنا چاہتی ہے مگر ہم اس خبر کو چنداں وقعت نہیں دیتے کیونکہ موسم گرما شروع ہو گیا ہے۔ ہمیں اطلاع موصول ہوئی ہے کہ سلطان جان دوست محمد خاں کا بھتیجا شاہ ایران سے مل گیا ہے اور اب فوج ہمراہ لے کر خراہ سے قندھار کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کچھ منصب مغل اپنے ہم مذہبوں سے ملنے کی غرض سے ایران روانہ ہو گئے ہیں۔ اس واقعہ نے امیر دوست محمد خاں کو بہت تشویش میں ڈال رکھا ہے کیونکہ یہ مغل اپنے مذہبی اصولوں اور جنگی کرتبوں میں مشہور ہیں۔

۲۳ اپریل ۱۸۵۷ء کو میجر لمسڈن کچھ انگریز افسروں اور فوجدار خاں گورنمنٹ ایجنٹ کے ہمراہ "ناراب" پہنچے ہیں۔

ایڈیٹر کراچی اخبار مسمی "سندھین" "بمبئی ٹائمس" کا حوالہ دیتے ہوئے نمبر ۳۳ کی اشاعت میں رقم طراز ہے۔ خبر ہے کہ "پچاس ہزار ایرانیوں نے تین یا چار روسی افسروں کے زیر کمان بوشہر پر قبضہ کر لیا تھا لیکن انگریزوں نے پھر

چھین لیا اور تین ہزار روسی جو دوران کارزار میں ایرانیوں سے جدا ہو گئے تھے پسپا ہو گئے اور سخت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ شمال میں لشکر کثیر جمع ہو رہا ہے اور سنا گیا ہے کہ بحیرہ کاسپین اور بخارا کی طرف سے روسی طاقتیں بہت زبردست ہیں۔ ایڈیٹر "پنجابی" لکھتا ہے کہ ایرانیوں نے مکمل انتظام کر لیا ہے اور متعدد مقامات مثلاً آدار گنج' کوکن کرش وغیرہ میں چھاؤنیاں قائم کی ہیں جہاں ضروریات کی چیزیں کثیر مقدار میں فراہم کر لی ہیں۔ اکرام خاں رئیس محمد عظیم خاں' حیدر خاں و افضل خاں اور جلال الدین خاں پسر اکبر خاں بادشاہ کے ساتھ ہیں اور غلام حیدر خاں کو شاہ ایران کی طرف سے چھتیس ہزار روپیہ انعام ملا ہے اور وہ (غلام حیدر خاں) دل و جان سے بادشاہ پر قربان ہے اور صرف راستہ کھلنے کی راہ دیکھ رہا ہے۔ تعجب نہیں کہ جو ایرانی قندھار میں داخل ہو جائیں اور آگے بڑھیں۔ پشاور سے آنے والے مسافروں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر دوست محمد خاں کے اقرار و معاہدوں پر اعتبار نہ کرنا چاہئے' لیکن خدائی طاقت کیسی زبردست ہے کہ انہیں جس نے اب تک روک رکھا ہے اور اب یہ کہا جاتا ہے کہ برطانوی فوجیں پشاور میں جمع ہو رہی ہیں' خدانخواستہ اگر اس طرف کوئی جنگ ہوئی تو اس کا نتیجہ سوا خونریزی کے اور کیا ہونا ہے۔ حال میں ایرانی خبریں آنی بند ہو گئی ہیں۔ ہمارے ناظرین یہ نہ سمجھ لیں جیسا کہ ناواقف لوگ بیان کرتے ہیں کہ گورنمنٹ نے خبریں شائع کرنی ممنوع کر دی ہیں بلکہ برخلاف اس کے گورنمنٹ کی تو خواہش ہے کہ دنیا کے دور دراز مقامات کی صحیح خبریں پبلک کے سامنے کھول کر رکھ دی جائیں اور تمام ملک اخبار سے مستفید ہوا کرے اور یہی سبب ہے جو حکام خود اخبارات پڑھتے ہیں اور ان پر بھروسہ رکھتے ہیں اور جیب خاص سے خرچ کر کے پبلشروں اور پرنٹروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں' لیکن خبریں خود ہی نہ آئیں تو اس کا کیا علاج؟ بہرکیف جو دور دراز کی خبریں پڑھتے ہیں' انہیں منتظر رہنا چاہئے کیونکہ اب جو ڈاک آئے گی اس میں ضرور تازہ خبریں موصول ہوں گی' خواہ وہ صلح کی ہوں یا جنگ کی۔ خدا چاہے تو میں بدون طرفداری کئے یا چھپائے من و عن شائع کروں گا' کیونکہ ہماری گورنمنٹ کا بھی یہی رویہ ہے کہ کسی حق بات کو پوشیدہ نہ رکھا جائے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی سلطنت روز بروز قوی ہو رہی ہے اور علوم و فنون پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ ہو رہے ہیں۔ قادر مطلق اس عادل گورنمنٹ کو تا دم حشر سلامت رکھے۔

اقتباس از "صادق الاخبار" دہلی (نمبر ۵ جلد ۲۔ مورخہ ۱۳ اگست ۱۸۵۷ء)

ایرانی فوج کی آمد۔ میرے ایک دوست جو نہایت صائب الرائے ہیں اور فارسی زبان بولتے ہیں' حال ہی میں وارد ہوئے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ایرانی فوجیں جو سلطان جان خاں پسر خون دل خاں کے زیر کمان عرصہ دراز سے فراہ متصل ہرات پڑی ہوئی تھیں' اب باجازت شاہ ایران قندھار کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ یہ سن کر امیر دوست محمد خاں کا لڑکا دو یا تین ہزار قواعد داں سپاہیوں کے ہمراہ مقابلہ آ رہا ہوا۔ لڑائی پورے چھ روز تک جاری رہی اور طرفین کے سیکڑوں آدمی کام آئے۔ آخر کار امیر کا لڑکا میدان جنگ سے شکست کھا کر بھاگ نکلا اور ایک قلعہ میں محصور ہو گیا۔ ایرانی فوج نے کامل طور پر قندھار کا محاصرہ کر لیا اور رسد کی آمد چاروں طرف سے بالکل منقطع کر دی' اس لئے امیر کے لڑکے نے کابل سے امداد طلب کی ہے۔ سنا ہے کہ امیر دوست محمد خاں بہت جلد روانہ کریں گے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ امیر نے شاہ ایران کے پاس

ایک عاجزانہ خط بھیجا ہے کہ وہ بھی بادشاہ کی رعایا یا ملازم ہیں اور انہیں انگریزوں کو مدد دینے کا ذرا بھی خیال نہیں ہے اور بادشاہ کو ہندوستان کی طرف فوجیں روانہ کرنے پر زور دیا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ وہ حتی المقدور رسد یا فوج دینے سے دریغ نہ کریں گے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ امیر شاہ ایران کو تحائف بھیجنے والے ہیں۔ شہزادہ محمد یوسف رئیس ہرات ہندوستان و انگریزوں کی شاہ ایران کو ہر وقت خبریں پہنچاتے رہتے ہیں اور شاہ ایران کو ان شہزادہ پر بہت اعتماد ہے اور اکثر ان کی رائے پر عمل درآمد کرتے ہیں۔

اقتباس از "صادق الاخبار" دہلی (ایڈیٹوریل آرٹیکل۔ نمبر۶ جلد۴۔ مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۵۷ء)

شاہ ایران کی چال۔ شاہ ایران نے انگریزوں سے کئی لڑائیاں لڑنے کے بعد فرخ خاں کی معرفت صلح کی درخواست کی ہے۔ میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ یہ جنگ بغیر حکمت کے نہیں ہے۔ بقول شخصے "سلام روستائی بے غرض نیست" اور مجھ کو یقین بھی تھا کہ اس درخواست میں ضرور کوئی چال مضمر ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ اس دماغ کی رسائی پر مجھے اپنے تئیں شاباشی دینی چاہئے' کیونکہ مجھے معتبر قاتلان کفار سے معلوم ہوا ہے کہ ایرانیوں کا اصلی مقصد ہرات پر قبضہ کرنا اور انگریزوں کو بوشہر سے نکالنا تھا' چنانچہ وہی ہوا جس کی امید کی جاتی تھی۔ شرائط صلح بین الاقوام کی رو سے انگریزوں نے بوشہر خالی کر دیا' لیکن ایسا ہونے کے بعد بھی شاہ ایران ہرات سے دستبردار نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں انگریز اپنی بے دخلی پر بہت شرمندہ و پریشان ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ایرانیوں سے اس کی باز پرس کریں گے' مگر یہ ایک فضول دھمکی ہے۔ ہمیں غور کرنا چاہئے کہ جب انہیں تھوڑی یا بہت طاقت تھی تو وہ کیا کرنے کے قابل تھے' جواب کچھ کریں گے۔ ایک صاحب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایرانیوں نے یہ سمجھ کر کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔ پانچ ہزار کی جماعت کو قندھار کی طرف روانہ کیا ہے۔ امیر دوست محمد خاں کافروں کے دوست ہیں لیکن پوشیدہ طور پر وہ تمام ذرائع ایرانیوں کو ترغیب دینے اور ان سے سازش کرنے میں صرف کر رہے ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ایرانی فوج جس میں کچھ کابلی افسر ہیں' ثابت قدمی سے ہندوستان کی طرف بڑھ رہی ہے۔

مذکورۂ بالا جیسی خبروں کو سن کر عیسائی بہت پریشان ہو رہے ہیں اور انہیں یقین ہے کہ کمپنی کے زوال کا وقت بیشک قریب آ پہنچا ہے۔

اقتباس از "صادق الاخبار" دہلی (نمبر ۳۴ جلد ۱۹۔ مورخہ ۲۳ اگست ۱۸۵۷ء)

ایران کی قومی خبریں۔ پنجاب دپشاور کی طرف سے آنے والے کچھ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایرانی فوج اٹک پہنچ گئی ہے۔ گو مجھے فی نفسہٖ اس پر یقین نہیں ہے مگر میں نے عوام کی زبانی یہ افواہ سنی ہے اس وجہ سے اس کو شائع کیا اور ممکن بھی ہے کہ ایسا ہو' کیونکہ کسی طرح بعید از فہم نہیں ہے جو لغو یا جھوٹ تصور کر لیا جائے' لیکن یہ ضرور خیال آتا ہے کہ جس طرح یہ افواہ مشہور کی جاتی ہے اس پر یقین و بھروسہ نہیں ہو سکتا۔

اقتباس از "صادق الاخبار" دہلی (نمبر ۸ جلد ۴۔ مورخہ ۲۴ اگست ۱۸۵۷ء)

ایرانی فوج کا نزدیک پہنچ جانا۔ ایڈیٹر "زبدۃ الاخبار" رقم طراز ہے کہ اس نے پنجاب و پشاور کی طرف سے آنے والے مسافروں سے سنا ہے کہ ایرانی فوج نے اٹک تک راستہ صاف کرلیا ہے۔ مجھے چند وجوہات کی بنا پر یہ خبر قابل یقین نظر آتی ہے۔ اول کوئی شخص کچھ نہیں کہتا کہ تاوقتیکہ اس کی کوئی دلیل نہ رکھتا ہو۔ دوم ولی صفت شاہ نعمت اللہ صاحب کی پیشین گوئی ہے کہ ہندوستان پر عیسائیوں اور آتش پرستوں کی سو سال تک حکومت رہے گی۔ پھر جب ان کے قلمرو میں بے انصافی و ظلم ہونے لگے گا تو ایک عرب کا شہزادہ اٹھے گا اور بعد عزو شان آ کر انہیں قتل کرے گا۔ سوم جب ملتان کی فوجوں نے بغاوت کی تو کہا تھا کہ ہمارے افسروں اور شاہ ایران میں خط و کتابت ہوتی ہے۔ چہارم شاہ ایران نے یہ سن کر برطانوی سلطنت میں میرا ایک پُر جوش و سرگرم دوست ہے اور ایک جاسوس روانہ کیا تھا اور وہ جاسوس یہاں آیا تھا۔ میرے ایک دوست سے کہا تھا کہ شاہ ایران نے ہندوستان آنے کا مصمم قصد کرلیا ہے۔ پس چاہے وہ جلدی آئے یا دیر سے' مگر اس کے آنے میں کلام نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اقتباس از "صادق الاخبار" دہلی (نمبر ۳۷ جلد ۱۹۔ مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۸۵۷ء)

ایران۔ بعض لوگ پھر کہہ رہے ہیں کہ ایرانی فوج "درہ بولن" اور "بی بی نزی" پر آ گئی ہے اور امیر دوست محمد خاں نے بخوشی خاطر اپنے حدود میں سے اسے گذرنے دیا ہے' لیکن بموجب مشہور ہندی کہاوت کے برہمن کھانے کی دعوت پر اس وقت یقین کرتا ہے جب کھانا سامنے آ جاتا ہے۔ اہل ہند اس پر اسی وقت یقین کریں گے جبکہ کوئی یقینی شہادت مل جائے گی' لیکن کئی وجوہات کی بنا پر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خواہ موجودہ خبریں صحیح ہوں یا غلط' لیکن ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ ایک نہ ایک روز ایرانی فوجیں ضرور آئیں گی خواہ وہ درہ بولن سے ہو کر آئیں یا بمبئی یا سندھ سے۔ باقی خدا ہی علام الغیوب ہے' یعنی غیب کی خبریں سوائے اس کے کسی کو معلوم نہیں۔

غالب کا روزنامچہ غدر ۔ ۱۸۵۷ء

[" غالب کے روزنامچہ میں ایک حرف بھی فرضی نہیں ہے بلکہ چشم دید اصلی حالات کی تصاویر ہیں اور پھر بیان ایسا صاف، ستھرا اور اعلیٰ ہے کہ میری عبارت اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔

غالب کے اس روزنامچہ سے دہلی کی عمارتوں، دہلی کے نامور آدمیوں، دہلی کی قدیمی معاشرت، دہلی کے پرانے احساسات کا اتنا بڑا تاریخی ذخیرہ حاصل ہوتا ہے جو کسی غدر دہلی کی تاریخ میں نہیں ملے گا۔

ایک بات نہایت ہی اہم اس روزنامچہ سے ظاہر ہوگی اور وہ یہ ہے کہ غدر کی تاریخ لکھنے والے عموماً یا تو انگریز تھے اور یا انگریزوں کے زیر اثر مورخ۔ اس واسطے اس میں واقعات کا ایک ہی رخ دکھایا گیا ہے، مگر غالب کے روزنامچہ سے تصویر کا دوسرا اور بہت ہی پوشیدہ رخ بھی ظاہر ہو جائے گا اور مورخوں کو اس سے بہت مدد ملے گی۔

لوگوں کو حیرت ہوگی کہ غالب کا یہ روزنامچہ کہاں سے آ گیا۔ پہلے تو کبھی اس کا ذکر بھی نہیں سنا تھا۔ اس واسطے میں اس حقیقت کو بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ غالب نے غدر کا کوئی خاص روزنامچہ نہیں لکھا تھا۔ نہ غالباً ان کو روزنامچہ لکھنے کی عادت تھی۔ میں نے یہ روزنامچہ خود تصنیف کیا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس تصنیف میں ایک حرف بھی میرا نہیں ہے۔ سب غالب کے قلم سے نکلا ہوا ہے۔

اس معمہ اور چیستاں کا حل یہ ہے کہ غالب کے خطوط میں جہاں جہاں غدر کا ذکر ضمناً آیا تھا، میں نے پوری تلاش و محنت سے اس کو الگ کر لیا اور ایسے طریقے سے چھانٹا کہ روزنامچہ کی عبارت معلوم ہونے لگی۔ بس میرا کمال اسی قدر ہے کہ میں نے بغیر پیشی الفاظ کے خطوط کو روزنامچہ بنا دیا اور کوئی شخص اس کو پڑھ کر خطوط کا شبہ نہیں کر سکتا۔

غالب کے مکتوبات مطبوعہ وغیر مطبوعہ میں غدر کی کیفیت ایسی دبی ہوئی پڑی تھی کہ کوئی شخص اس کی خوبی و اہمیت کو محسوس نہ کر سکتا تھا اور خطوں کے ذیل میں ان عبارتوں کو بھی بے توجہی سے پڑھ لیا جاتا تھا۔

میں نے اس ضرورت کو محسوس کیا کہ اردو زبان میں غدر دہلی کی یہ لاثانی تاریخ جو موتیوں سے بھی زیادہ بیش قیمت ہے، اس طرح دبی ہوئی نہ پڑی رہے، اس لئے اس کو علیحدہ کرنا شروع کیا اور کہیں کہیں اپنے حاشیے بھی لکھے تاکہ آج کل کے لوگوں کو دہلی کی بعض مقامی باتوں سے واقفیت ہو جائے اور جس چیز کا مطلب سمجھ میں نہ آئے حاشیہ کی مدد سے سمجھ لیں۔

کوشش کے باوجود غالب کی تحریروں میں بعض ایسی ہیں جن کا حل میں بھی نہ کر سکا۔

ایک نہایت مشکل کام روزنامچہ کی تیاری میں یہ پیش آیا کہ بعض مکتوبات پر غالب نے تاریخ اور سنہ لکھے ہیں اور

بعض پر صرف تاریخ اور دن ہے' مگر سنہ نہیں لکھا اور بعض پر نہ سنہ ہے نہ تاریخ ہے۔ اس واسطے ترتیب کا فرض ادا کرنا مشکل ہو گیا' کیونکہ کچھ معلوم نہیں ہو سکتا کہ پہلی عبارت کونسی ہے اور دوسری کون سی۔ ناظرین خود اپنی سمجھ سے اس مشکل کو حل کر سکتے ہیں۔

دوسری مشکل اس روزنامچہ میں یہ ہے کہ بعض مضامین اور واقعات مکرر بلکہ کئی کئی بار لکھے گئے ہیں خصوصاً پنشن کے حالات بہت جگہ آئے ہیں۔ ان کو میں نے اس لئے قائم رکھا اور کم نہیں کیا کہ گو واقعہ ایک ہی ہے' مگر طرز ادا میں ہر جگہ نئی قسم کی خوبی ہے اور غالب نے اپنے ہر مخاطب کو ایسے لطف سے کیفیت لکھی ہے کہ نیا مضمون بنا دیا ہے اور پھر کمال یہ ہے کہ واقعات میں کمی بیشی نہیں ہونے دی' جس سے غالب کی صدق بیانی پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

۱۹۲۲ء

دوسرے ایڈیشن میں نظر ثانی اور ترمیم کا وعدہ میں نے کیا تھا' سو خدا کے فضل سے تیسرے ایڈیشن کے وقت میں نے پوری توجہ کے ساتھ کتابت کی غلطیاں درست کرائیں اور چند نوٹ بھی نئے لکھے' حالانکہ آج کل آنکھوں سے معذور ہو گیا ہوں اور لکھنے پڑھنے سے مجبوری بھی ہے۔ پھر بھی میں نے اس کو پڑھوا کر سنا اور اصلاح کرائی۔ امید ہے کہ ناظرین بقیہ حصوں کو بھی منگا کر غدر کے متعلق اپنی تاریخی معلومات کو مکمل کرنے کی کوشش کریں گے۔" — حسن نظامی

۱۹۴۰ء]

غالب کا روزنامچہ غدر
۱۸۵۷ء

غالب کا نسب نامہ

میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں۔ دادا میرا ماوراء النہر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان آیا۔ سلطنت ضعیف ہو گئی تھی۔ صرف پچاس گھوڑے نقارہ و نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا۔ ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اس کے جو طوائف الملوکی کا بازار گرم تھا' وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خان بہادر لکھنؤ جا کر نواب آصف الدولہ کا نوکر رہا۔ بعد چند روز حیدرآباد جا کر نواب نظام علی خاں کا نوکر ہوا۔ تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا۔ کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راؤ راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصیراللہ بیگ خاں میرا چچا حقیقی مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کا صوبہ دار تھا۔ اس نے مجھے پالا۔ ۱۸۰۶ء میں جرنیل لیک صاحب کا عمل ہوا۔ صوبہ داری کمشنری ہو گئی اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا۔ میرے چچا کو جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا۔ چار سو سواروں کا بریگیڈیر ہوا۔ ایک ہزار روپیہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر حین حیات علاوہ رسالہ مرزبانی کے تھے کہ بمرگ ناگاہ مر گیا۔ رسالہ

برطرف ہوگیا۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہوگئی۔ وہ اب تک پاتا ہوں۔ پانچ برس کا تھا جو باپ مرگیا۔ آٹھ برس کا تھا جو چچا مرگیا۔ ۱۸۳۰ء میں کلکتہ گیا۔ نواب گورنر جنرل سے ملنے کی درخواست کی۔ دفتر دیکھا گیا۔ میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات پارچے اور جیغہ۔ سرپیچ۔ مالائے مروارید۔ یہ تین رقم کا خلعت ملا۔ زاں بعد جب دلّی میں دربار ہوا مجھ کو بھی خلعت ملتا رہا۔ بعد غدر بہ جرم مصاحبت بہادر شاہ دربار و خلعت دونوں بند ہوگئے۔ میری بریت کی درخواست گزری۔ تحقیقات ہوتی رہی۔ تین برس بعد پنڈ چھٹا۔ اب خلعت معمولی ملا۔

(نوٹ یہ خلاصہ ہے غالب کے نسب نامہ اور زندگی کے بڑے بڑے واقعات کا اتنے اختصار سے اتنی بڑی لائف کا ماحصل لکھ دینا معمولی بات نہیں ہے۔ یہ قدرت خدا نے غالب کے قلم کو دی تھی)۔

ترک اہل سیف ہوتے ہیں اہل قلم نہیں ہوتے

برٹش گورنمنٹ کے موجودہ متعصب عاقبت کے اندیشے سے بے بہرہ وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج نے خلافت ڈیپوٹیشن ہندوستان کے اراکین سے کہا تھا کہ ترکوں کو تلوار نچانے کے سوا اور آتا ہی کیا ہے۔ ان میں کوئی قلمی بہادر پیدا نہیں ہوا۔ اس کے جواب میں غالب اور امیر خسرو کو پیش کیا جا سکتا ہے جو دونوں دہلی درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ میں دفن ہیں کہ امیر خسرو بھی ترک لاچین تھے اور غالب بھی ترک سلجوقی تھے جیسا کہ اس عبارت میں انہوں نے خود لکھا ہے۔ اب غالب و خسرو کے کمالات علمی و شعری اور فضائل فلسفہ و ادراک حسن انسانی کو دیکھنا چاہئے۔ ان کی لاجواب تصنیفات کو پڑھنا چاہئے۔ انگلش قوم کے علاوہ فلاسفروں میں جو بات انفرادی تھی وہ ان میں مجموعی تھی یعنی انگریزوں میں ایک خاص فن کا کوئی ماہر ہوتا تھا اور اس فن کے سبب اس کی عزت ہوتی اور غالب و خسرو مجموعہ کمالات تھے کہ متعدد فضائل ان کے اندر تھے۔

(تو کیا ہندوستان کے یہ دو مشہور ترک ہندوستانی وفد خلافت کی طرف سے لائڈ جارج کو یہ جواب نہیں دے سکتے کہ ترک صاحب سیف بھی ہوتے ہیں اور صاحب قلم بھی۔ تم کو واقفیت حاصل کئے بغیر زبان سے اتنی بڑی بات کہہ دینی مناسب نہ تھی کہ تم ساری برطانی قوم کے قائم مقام ہو۔ حسن نظامی)

غالب کا حلیہ

جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چمپئی تھا اور دیدہ ور لوگ اس کی ستائش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے۔

جب ڈاڑھی مونچھ میں بال سفید آگئے۔ تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسّی بھی چھوڑ دی اور ڈاڑھی بھی تا کہ اس بھونڈے شہر (دہلی) میں ایک وردی ہے عام۔ ملاّ' حافظ' بساطی' نیچہ بند' دھوبی' سقہ' بھٹیارہ' جولاہا' کنجڑا۔ منہ پر ڈاڑھی سر پر بال۔ فقیر نے جس دن ڈاڑھی رکھی اسی دن سر منڈایا۔

(نوٹ اس سے معلوم ہوا کہ جوانی میں بہت طرح دار جوان تھے۔ ڈاڑھی منڈاتے تھے اور اس وقت کے دستور کے موافق دانتوں پر

ملتی بھی ملتے تھے۔ حسن نظامی)

غالب کی ازلی طبیعت

علم و ہنر سے عاری ہوں' لیکن پچپن برس سے محو سخن گزاری ہوں۔ مبدء فیاض کا مجھ پر احسان عظیم ہے۔ ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی اور سرمدی لایا ہوں۔ مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں۔ مناسبت خداداد۔ تربیت استاد حسن و قبح کی ترکیب پہچاننے' فارسی کے غوامض جاننے لگا۔

غالب کا مجموعۂ کلام

میرا کلام کیا نظم کیا نثر۔ کیا اردو فارسی' کبھی کسی عہد میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کا التزام تھا کہ وہ مسودات مجھ سے لے کر جمع کر لیا کرتے تھے۔ سو ان کے لاکھوں روپے کے گھر لٹ گئے' جس میں ہزاروں روپے کے کتب خانے بھی گئے۔ اسی میں وہ مجموعہ ہائے پریشان بھی غارت ہوئے۔

غدر کی نسبت غالب کی تصنیف

میں نے آغاز یازدہم مئی ۱۸۵۷ء سے یکم جولائی ۱۸۵۸ء تک روداد شہر اور اپنی سرگزشت یعنی پندرہ مہینے کا حال نثر میں لکھا ہے اور اس کا التزام کیا ہے کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے اور کوئی لفظ عربی نہ آئے۔ جو نظم اس نثر میں درج ہے وہ بھی بے آمیزش لفظ عربی ہے۔ ہاں اشخاص کے نام نہیں بدلے۔

(نوٹ: یہ کتاب "دستنبو" کا ذکر ہے۔ آگے بھی جگہ جگہ اس کی کیفیت مذکور ہوئی ہے اور غالباً اسی کتاب کو دیکھنے کے بعد انگریزی حکام اعلیٰ کو غالب کی قدر ہوئی اور شروع کی بیزاری' نفرت اور حقارت کا شبہ جاتا رہا' جس کا ذکر کئی جگہ آیا ہے' کیونکہ "دستنبو" دیکھنے سے پہلے گورنر اور دیگر حکام انگریزی غالب کو معمولی شاعر اور بھاٹ خیال کرتے ہوں گے اور بہادر شاہ کا سکہ کہنے کے سبب اور قلعہ میں جانے آنے کی وجہ سے ان پر پورا شبہ باغیان غدر سے میل جول کا ہوگا' مگر جب کتاب "دستنبو" پڑھی گئی ہوگی اور اس سے غالب کی قابلیت اور غدر سے بے تعلقی ظاہر ہوئی ہوگی' تب گورنر اور حکام انگریزی نے پنشن جاری کی ہوگی۔ حسن نظامی)

غالب چشتی نظامی تھے شیعہ نہ تھے

میاں نصیر الدین اولاد میں سے ہیں۔ شاہ محمد اعظم صاحب کے وہ خلیفہ تھے مولوی فخر الدین صاحب کے اور میں مرید ہوں اس خاندان کا۔

(نوٹ: غالب کی نسبت شہرت ہے کہ وہ اثنا عشری شیعہ تھے اور مکتوبات میں انہوں نے خود بھی ایک جگہ لکھا ہے کہ میں اثنا عشری ہوں مگر یہاں وہ لکھتے ہیں کہ میں مولوی فخر الدین صاحبؒ کے خاندان کا مرید ہوں' جو چشتیہ نظامیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے۔ درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ میں ان کا مزار ہے اور وہ فرزند تھے حضرت مولانا نظام الدین اورنگ آبادی کے اور غالب کے اکثر

احباب اور لہارو کا خاندان بھی حضرت مولانا فخر صاحبؒ مذکور کے سلسلہ میں مرید تھا۔ میاں کالے صاحب ان ہی مولانا فخر صاحب کے پوتے تھے جو بہادر شاہ کے پیر سمجھے جاتے تھے اور اسی وجہ سے ان کی املاک و جائداد کی ضبطی ہوئی جیسا کہ غالب نے اسی روزنامچہ میں لکھا ہے۔

پس اگر غالب چشتی نظامی سلسلہ میں مرید تھے تو شیعہ کیونکر ہو سکتے تھے' کیونکہ شیعہ مرید نہیں ہوا کرتے' مگر انہوں نے خود لکھا ہے کہ میں اثنا عشری ہوں۔ اس مشکل کا حل یہ ہے کہ چشتی نظامی فقرا اور ان کے مریدین محبت اہل بیت میں بہت غلو رکھتے ہیں اور بارہ اماموں سے بھی تعلق خاص رکھتے ہیں۔ اس بنا پر غالب نے اپنے آپ کو اثنا عشری یعنی بارہ ائمہ کا ماننے والا لکھا' ورنہ وہ شیعہ نہ تھے۔ شیعہ ہوتے تو مرنے کے بعد علی گنج شاہ مرداں کے قبرستان میں دفن ہوتے جو صفدر جنگ کے قریب ہے اور جہاں اس وقت کے تمام شیعہ امرا دفن ہوا کرتے تھے اور اب بھی ہوتے ہیں۔ سنیوں خصوصاً چشتیوں نظامیوں کے قبرستان میں دفن ہونا اور درگاہ حضرت سلطان جی صاحب میں جو نظامیہ سلسلہ کے بانی ہیں' ان کی میت کا لایا جانا' ظاہر کرتا ہے کہ وہ سنی تھے شیعہ نہ تھے۔ ان کی قبر بھی سنی طریقہ کی بنائی گئی ہے یعنی اس پر اونچا اونٹ کے کوہان کی صورت کا خشتی تعویذ بنایا گیا ہے۔ شیعوں کی قبریں زمین کے برابر ہوتی ہیں۔ ابھرا ہوا یا اونٹ کی کوہان کی شکل کا تعویذ ان کے ہاں نہیں بنایا جاتا۔

غالب کی قبر پر تاریخ میر مجروحؔ کی کہی ہوئی کندہ ہے' جو غالب کے شاگرد اور شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ وہ تاریخ یہ ہے:

کل میں غم و اندوہ میں باخاطر محزوں
تھا تربت استاد پہ بیٹھا ہوا غم ناک
دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروحؔ
ہاتف نے کہا گنج معانی ہے تہ خاک

۱۲۸۵ء

--- حسن نظامی)

قلعہ کی تباہی کی پیشین گوئی

مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعہ میں شہزادگان تیموریہ جمع ہو کر کچھ غزل خوانی کر لیتے ہیں۔ میں بھی اس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا۔ اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے۔ اس کو دوام کہاں؟ کیا معلوم ہے' اب کے نہ ہو اور اب کے ہو تو آئندہ نہ ہو۔

(نوٹ یہ تحریر غدر سے پہلے کی ہے۔ لال قلعہ اور اس کے باشندوں کی نسبت جس انداز سے لکھتے ہیں' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہزادوں کے اطوار اور ملک کی سیاست کے رخ کو دیکھ کر غالب نے سمجھ لیا تھا کہ اب یہ رونق چند روز کی مہمان ہے۔ گو غدر کی خبر غالب کو نہ تھی کہ غیب کا علم نہ جانتے تھے۔ پھر بھی آثار و قرائن سے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ انگریز اب اس بادشاہی کھلونہ کو سامنے سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ جب ہی تو انہوں نے صاف صاف لکھ دیا کہ "یہ صحبت چند روزہ ہے۔ اس کو دوام کہاں؟" اور یہ لکھ کر تو انہوں نے پیش گوئی کا کمال ظاہر کر دیا کہ "کیا معلوم اب کے نہ ہو اور اب کے ہو تو آئندہ نہ ہو" گویا غالب کو قلعہ کی تباہی کا اتنا یقین تھا کہ

ایک دو سال کی قید بھی انہوں نے لگا دی۔ حسن نظامی)

اب دلی میں کون رہتا ہے؟

کہتے ہیں دلی بڑا شہر ہے۔ ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہوں گے مگر اب یہ وہ دلی نہیں ہے بلکہ ایک کیمپ ہے۔ مسلمان اہل حرفہ یا حکام کے شاگرد پیشہ۔ باقی سراسر ہنود معزول بادشاہ کے ذکور جو بقیۃ السیف ہیں۔ وہ پانچ پانچ روپے مہینہ پاتے ہیں۔ اناث میں سے جو پیرزن ہیں۔ وہ کٹنیاں اور جوانیں کسبیاں۔ امرائے اسلام میں سے اموات گنو۔ حسن علی خاں بہت بڑے باپ کا بیٹا سو روپے کا پنشن دار سو روپے مہینے کا روزینہ دار بن کر نامراد بن گیا۔ میر ناصر الدین باپ کی طرف سے پیرزادہ نانا اور نانی کی طرف سے امیر زادہ مظلوم مارا گیا۔ آغا سلطان بخشی محمد علی خاں کا بیٹا جو خود بھی بخشی ہو چکا ہے بیمار پڑا۔ نہ دوا نہ غذا۔ انجام کار مر گیا۔ ناظر حسین مرزا جس کا بڑا بھائی مقتولوں میں آ گیا ہے۔ اس کے پاس ایک پیسہ نہیں۔ ٹکے کی آمد نہیں۔ مکان اگرچہ رہنے کو مل گیا ہے مگر دیکھئے چھٹا رہے یا ضبط ہو جائے۔ بڑے صاحب ساری املاک بیچ کر نوش جان کر کے بیک بینی و دو گوش بھرت پور چلے گئے۔ ضیاء الدین کی پانسو روپے کی املاک واگزاشت ہو کر پھر قرق ہو گئی۔ تباہ خراب پھر لاہور گیا۔ وہاں پڑا ہوا ہے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ قصہ کوتاہ قلعہ اور جھجر اور بہادر گڑھ اور بلب گڑھ اور فرخ نگر کم و بیش تیس لاکھ روپیہ کی ریاستیں مٹ گئیں۔ شہر کی عمارتیں خاک میں مل گئیں۔ ہنرمند آدمی کیوں پایا جائے۔ جو حکما کا حال ہے وہ بیان واقع ہے۔

(نوٹ جو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اب دلی میں نہ صاحب اخلاق و مروت ہیں نہ علم و ہنر والے ہیں نہ امرا ہیں نہ شعرا ہیں نہ پہلے سے علما و فقرا نظر آتے ہیں۔ ان کو غالب کی یہ تحریر پڑھنی چاہئے کہ غدر نے ان سب کا خاتمہ کر دیا اور ایسا تباہ کیا کہ آج تک اس شہر میں وہ پہلی سی بات پیدا نہ ہو گی۔

اب دلی میں دلی والے کہاں ہیں؟ پردیسی لوگ آباد ہیں۔ دلی والے یا تو پھانسیوں پر لٹک گئے یا جلاوطن ہو گئے۔ پھر اس غریب شہر کو بدنام کرنا اور اس کو قدیمی ناموری اور شہرت کی نظر سے دیکھنا بے عقلی نہیں تو کیا ہے؟

غالب نے یہ تحریر ایسے درد سے لکھی ہے کہ دل پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ غم کا نقشہ مجسم ہو کر آنکھوں کے راستہ دل میں گھسا چلا آتا ہے۔ حسن نظامی)

ہندوستان کے غدر کے بعد

ہندوستان کا قلمرو بے چراغ ہو گیا۔ لاکھوں مر گئے۔ جو زندہ ہیں ان میں سینکڑوں گرفتار بند بلا ہیں۔ جو زندہ ہے اس میں مقدور زندگی نہیں۔

اب دلی میں ساہوکاروں کے سوا کوئی امیر نہیں ہے

مسلمان امیروں میں تین آدمی نواب حسن علی خاں، نواب حامد علی خاں، حکیم احسن اللہ خاں، سو ان کا یہ حال ہے

کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں ہے۔ حبذا یہاں کی اقامت میں تذبذب۔ خدا جانے کہاں جائیں۔ سوائے ساہوکاروں کے یہاں کوئی امیر نہیں ہے۔

(نوٹ غدر کے بعد غالب نے دہلی کے مسلمان امراء کی تباہی کا جو جگہ جگہ نقشہ دکھایا ہے وہ آج تک اصلی خدوخال میں موجود ہے کہ خاندانی مسلمان امیر ایک نہیں۔ ساہوکار امیر ہزار ہیں۔ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ تجارت کا تمول نظر آتا ہے۔ حکومت کی موروثی امیری خواب وخیال ہوگئی۔ حسن نظامی)

نواب فرخ میرزا کا بچپن

پرسوں فرخ میرزا آیا۔ اس کے ساتھ اس کا باپ بھی تھا۔ پوچھا کیوں صاحب میں تمہارا کون اور تم میرے کون ہو۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ حضرت آپ میرے دادا اور میں آپ کا پوتا ہوں۔ پھر میں نے پوچھا کہ تمہاری تنخواہ آئی؟ کہاں جناب عالی۔ آ کا جان کی تنخواہ آ گئی ہے۔ میری نہیں آئی۔ میں نے کہا لوہارو جائے تو تنخواہ پائے۔ کہا حضرت میں تو آ کا جان سے روز کہتا ہوں کہ لوہارو چلو اپنی حکومت چھوڑ کر دلی کی رعیت میں کیوں مل گئے۔

سبحان اللہ بالشت بھر کا لڑکا اور یہ فہم درست اور طبع سلیم۔ میں اس کی خوبی خو اور فرخی سیرت پر نظر کر کے اس کو فرخ سیر کہتا ہوں۔

(نوٹ یہ نواب فرخ میرزا والی لوہارو کا ذکر ہے جن کو برٹش گورنمنٹ سے سر کا خطاب ہے اور توپوں کی سلامی دی جاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے والیان ریاست کے برابر اعزاز کیا جاتا ہے۔ درمیانہ قد ہے۔ گورا رنگ۔ کنوراسی آنکھیں۔ بڑی اور چڑھی ہوئی ڈاڑھی۔ بال سفید ہو گئے ہیں۔ نہایت خلیق وملنسار رئیس ہیں۔ اردو ایسی بولتے ہیں کہ آدمی بیٹھا حیرت سے منہ دیکھا کرے۔ مولانا شبلی حسرت سے کہا کرتے تھے کہ فرصت ہو تو فرخ میرزا کی باتیں سنے کہ اصل اردو ان کی باتوں میں ہے۔

غالب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے فرخ میرزا بچپن سے ہونہار تھے۔ ایک فقرہ تو اس غضب کا غالب سے کہا کہ آج کل لوگ سنیں تو متعجب ہوں۔ کیونکہ جنگ یورپ کے زمانہ میں جب نواب فرخ میرزا ابھرہ گئے تو عوام نے مشہور کیا کہ وہ انگریزوں کی مدد کرنے گئے ہیں اور انہوں نے اسلامی حکومت کے دروکی پروانہ کی۔ غالب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرخ میرزا طفلی سے ذاتی اور اسلامی حکومت کی خوبی کو محسوس کرتے تھے۔ جب ہی تو انہوں نے کہا "اپنی حکومت چھوڑ کر دلی کی رعیت میں کیوں مل گئے۔"

مگر آفرین ہے فرخ میرزا کی بلاغت پر۔ اس وقت بھی پہلو بچا کر بات منہ سے نکالی۔ دلی کی رعیت کہا، انگریزی رعیت نہ کہا۔ حسن نظامی)

اینٹ سے اینٹ بجادی

کل پنجشنبہ ۲۵ مئی کو اول روز پہلے بڑے زور کی آندھی آئی پھر خوب مینہ برسا۔ وہ جاڑا پڑا کہ تمام کرہ شہر زمہریر ہو گیا۔ بڑے دریبہ کا دروازہ ڈھایا گیا۔ قابل عطار کے کوچہ کا بقیہ مٹایا گیا۔ کشمیری کڑہ کی مسجد زمین کا پیوند ہو گئی۔ سڑک کی

وسعت دو چند ہو گئی۔ اللہ اللہ گنبد مسجدوں کے ڈھائے جاتے ہیں اور ہنود کی ڈیوڑھیوں کی جھنڈیوں کے پرچم لہراتے ہیں۔ ایک شیر زور آور اور پیلٹن بندر پیدا ہوا ہے۔ مکانات جا بجا ڈھاتا پھرتا ہے۔ فیض اللہ خاں بنگش کی حویلی پر جو گلہ سے ہیں جس کو عوام گمری کہتے ہیں ان میں سے بڑا ہلا کر ایک کی بنا ڈھا دی۔ اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ واورے بندر یہ زیادتی اور پھر شہر کے اندر۔ ریگستان کے ملک سے ایک سردار زادہ کثیر العیال عسیر الحال عربی فارسی انگریزی تین زبانوں کا عالم دتی میں وارد ہوا ہے۔ بلی ماروں کے محلّے میں ٹھہرا ہے۔ بحسب ضرورت حکام شہر سے مل لیتا ہے۔ باقی گھر کا دروازہ بند کیے بیٹھا رہتا ہے۔ گاہ گاہ ہر شام و پگاہ غالب علی شاہ کے تکیہ پر آ جاتا ہے۔

تم سے گورنمنٹ کو ملاقات بھی منظور نہیں

غدر کے دفع ہونے اور دتی کے فتح ہونے کے بعد میرا پنشن کھلا۔ چڑھا ہوا روپیہ دام دام ملا۔ آئندہ کو بدستور بے کم و کاست جاری ہوا مگر لارڈ صاحب کا دربار اور خلعت جو معمولی و مقرری تھا مسدود ہو گیا۔ یہاں تک کہ صاحب سکرٹر بھی مجھ سے نہ ملے اور کہلا بھیجا کہ اب گورنمنٹ کو تم سے ملاقات بھی منظور نہیں۔ میں فقیر متکبر مایوس دائمی ہو کر اپنے گھر بیٹھ رہا اور حکام شہر سے بھی ملنا موقوف کر دیا۔ بڑے لارڈ صاحب کے ورود کے زمانہ میں نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب بھی دتی آئے۔ دربار کیا۔ خیر کرد مجھ کو کیا ناگاہ دربار کے تیسرے دن بارہ بجے چپراسی آیا اور کہا کہ نواب لفٹنٹ گورنر نے یاد کیا ہے۔ سوار ہو گیا۔ پہلے صاحب سکرٹر بہادر سے ملا۔ پھر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تصور میں کیا بلکہ تمنا میں بھی جو بات نہ تھی وہ حاصل ہوئی یعنی عنایت سے عنایت۔ اخلاق سے اخلاق۔ وقت رخصت خلعت دیا اور فرمایا کہ ہم تجھ کو اپنی طرف سے از راہ محبت دیتے ہیں اور مژدہ دیتے ہیں کہ لارڈ صاحب کے دربار میں بھی تیرا نمبر اور خلعت کھل گیا۔ انبالہ دربار میں شریک ہو۔ خلعت پہن۔

(نوٹ باوجود اس کے کہ حکام گورنمنٹ نے کہہ دیا تھا کہ ملاقات بھی منظور نہیں، پھر غالب کے استقلال اور لگاتار جدوجہد نے اس ''کبھی نہیں کے'' قلعہ کو فتح کر لیا اور ملاقاتیں ہونے لگیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ انگریزی آئین میں قطعی فیصلہ طے شدہ امر اور کبھی نہیں بھی بدل جاتے ہیں۔ اگر سامنے والے مسلسل جدوجہد کرتا رہے۔

مسٹر مارلے نے کہا تھا تقسیم بنگال طے شدہ امر ہے۔ اس کی منسوخی محال ہے مگر بنگالیوں کی کوششوں نے اس کو منسوخ کرا کے چھوڑا۔ حسن نظامی)

غالب کی چند کتب

''پنج آہنگ'' کے دو چھاپ ہیں۔ ایک بادشاہی چھاپہ خانہ کا اور ایک منشی نور الدین کے چھاپے خانہ کا۔ پہلا ناقص ہے دوسرا سراسر غلط ہے۔ ضیاء الدین خاں جاگیر دار لوہارو میرے بھتیجے بھائی اور میرے شاگرد رشید ہیں۔ جو نظم و نثر میں نے کچھ لکھا وہ انہوں نے لیا اور جمع کیا۔ چنانچہ کلیات نظم فارسی چون پچپن جز و اور ''پنج آہنگ'' اور ''مہر نیم روز'' اور

''دیوان ریختہ'' سب مل کر سوا سو جزو مطلے اور مذہّب اور انگریزی ابری کی جلدیں الگ الگ کوئی ڈیڑھ سو دو سو روپے کے صرف میں بنوائیں۔ میری خاطر جمع کہ کلام میرا سب ایک جا ہے۔ پھر ایک شاہزادہ نے اس مجموعہ نظم ونثر کی نقل کی۔ اب دو جگہ میرا کلام اکٹھا ہوا۔ کہاں سے یہ فتنہ برپا ہوا اور شہر لٹے' وہ دونوں جگہ کا کتاب خانہ خوان یغما ہو گیا۔ ہر چند میں نے آدمی دوڑائے۔ کہیں سے ان میں سے کوئی کتاب ہاتھ نہ آئی۔ وہ سب قلمی ہیں۔ جناب ہنری اسٹورٹ ریڈ صاحب کو ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا۔ ان کی فرمائش ہے۔ اردو کی نثر انجام پائے تو اس کے ساتھ ان کو خط لکھوں مگر اردو میں میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کروں گا اور اس عبارت میں معانی نازک کیونکر بھروں گا۔

(نوٹ باوجود اس کسر نفسی کے غالب کی اردو میں وہ زور ہے اور وہ سلاست ہے کہ آج تک کوئی شخص ان کا ہمسر اردو لکھنے میں پیدا نہیں ہوا)

مقتولوں اور مجبوروں کی یاد

غم مرگ میں قلعہ نامبارک سے قطع نظر کر کے اہل شہر کو گنتا ہوں۔ مظفر الدولہ۔ میر ناصر الدین۔ میرزا عاشور بیگ۔ میرا بھتیجا۔ اس کا بیٹا۔ احمد مرزا۔ انیس برس کا بچہ مصطفیٰ خاں ابن اعظم الدولہ۔ اس کے دو بیٹے ارتضے خاں اور مرتضے خاں۔ قاضی فیض اللہ۔ کیا میں ان کو اپنے عزیزوں کی برابر نہیں جانتا تھا۔ اے لو بھول گیا۔ حکیم رضی الدین خاں' میرا حمد حسین۔ میکش اللہ اللہ۔ ان کو کہاں سے لاؤں۔ غم فراق حسین مرزا' میر مہدی' میر سرفراز حسین' میرن صاحب۔ خدا ان کو جیتا رکھے۔ کاش یہ ہوتا کہ جہاں ہوتے وہاں خوش ہوتے۔ گھر ان کے بے چراغ' وہ خود آوارہ۔ سجاد اور اکبر کے حال کا جب تصور کرتا ہوں' کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ کہنے کو ہر کوئی ایسا کر سکتا ہے مگر میں علیؓ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان اموات کے غم میں اور زندوں کے فراق میں عالم میری نظر میں تیرہ و تار ہے۔

فقیر اور ہتھیار نہ آئے

بھائی فضلو عرب سرا میں رہتے ہیں۔ پرسوں سے آئے ہوئے ہیں۔ دوڑتے پھرتے ہیں۔ عرضیاں دیتے پھرتے ہیں۔ کوئی سنتا نہیں۔ آمدورفت کا ٹکٹ موقوف ہو گیا۔ فقیر اور ہتھیار جس کے پاس ہوں' وہ نہ آئے اور باقی ہندو مسلمان عورت مرد۔ سوار پیادہ جو چاہے چلا جائے چلا آئے' مگر رات کو شہر میں رہنے نہ پائے۔ وہ شور وغل تھا کہ سڑکیں نکلیں گی اور گوروں کی چھاؤنی بنے گی۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ مرہٹ کر ایک جان نثار خاں کے چھتے کی سڑک نکلی ہے۔ دلّی والوں نے لکھنؤ کا خاک اڑا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ لاکھوں مکان ڈھا دیئے اور صاف میدان کر دیا۔ میں جانتا ہوں ایسا نہ ہوا ہو گا۔

(نوٹ: امن عام کے بعد بھی فقیر اور ہتھیار والے کا شہر کے داخلہ سے ممنوع ہونا ظاہر کرتا ہے کہ حکام انتظامی ضرورت سے ایسا کرنے پر مجبور تھے کیوں کہ بغاوت کے وقت اکثر باغیوں نے فقیروں کے لباس میں دورہ کر کے غدر کی آگ بھڑکائی تھی۔ حسن نظامی)

امام باڑہ کا انہدام

آغا باقر کا امام باڑہ اس سے علاوہ کہ خداوند کا عزا خانہ ہے۔ ایک بنائے قدیم، رفیع مشہور۔ اس کے انہدام کا غم کس کو نہ ہوگا۔ یہاں دو سڑکیں دوڑتی ہیں۔ ایک ٹھنڈی سڑک اور ایک آہنی سڑک۔ محل ان کا الگ الگ۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ گوروں کا بارگ بھی شہر میں بنے گا اور قلعہ کے آگے جہاں لال ڈگی ہے ایک میدان نکالا جائے گا۔ محبوب کی دکانیں، بھیلیوں کے گھر، فیل خانہ، بلاقی بیگم کے کوچہ تک سوائے لال ڈگی اور دو چار کنوؤں کے آثار عمارت باقی نہ رہے گی۔ آج جان نثار خاں کے چھتے کے مکان ڈھنے شروع ہو گئے ہیں۔ کیوں میں دلی کے ویرانہ سے خوش نہ ہوں۔ جب اہل شہر ہی نہ رہے، شہر کو کیا چولہے میں ڈالوں۔

پشم نہیں اکھیڑ سکتا

زبان زد خلق ہے کہ قدیم نوکروں سے باز پرس نہیں۔ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ اے لو کئی دن ہوئے کہ حمید خاں گرفتار آیا ہے۔ پاؤں میں بیڑیاں۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں۔ حوالات میں ہے۔ دیکھئے کہ حکم اخیر کیا ہو۔ صرف نوزے رائے کی مختار کاری پر قناعت کی گئی۔ جو کچھ ہونا ہے وہ ہو رہے گا۔ ہر شخص کی سرنوشت کے موافق حکم ہو رہے ہیں۔ نہ کوئی قانون ہے نہ قاعدہ۔ نہ نظیر کام آئے نہ تقریر چلنے پائے۔ ارتضیٰ خاں ابن مرتضیٰ خاں کی پوری دو سو روپے کی پنشن کی منظوری کی رپورٹ گئی اور ان کی دو بہنیں سو سو روپے مہینہ پانے والیوں کو حکم ہوا کہ چونکہ تمہارے بھائی مجرم تھے تمہاری پنشن ضبط۔ بطریق ترحم دس دس روپے مہینہ تم کو ملے گا۔ ترحم یہ ہے تو تغافل کیا قہر ہوگا۔ میں خود موجود ہوں اور حکام صدر کا روشناس پشم نہیں اکھیڑ سکتا۔ ترپین برس کا پنشن۔ تقرر اس کا بہ تجویز لارڈ لیک و بمنظوری گورنمنٹ۔ اور پھر نہ ملا ہے نہ ملے گا۔ خیر احتمال ہے ملنے کا۔

(نوٹ پشم کا لفظ آج کل بے تہذیبی میں داخل سمجھا جاتا ہے، مگر اس زمانہ میں سب لکھتے اور بولتے تھے۔ غالب نے لکھ تو دستور عام کے سبب لکھا ورنہ ان کی عادت فحش نویسی کی نہ تھی۔ حسن نظامی)

سب کچھ تم

اب تو فکر یہ پڑی ہوئی ہے کہ رہیے کہاں اور کھائیے کیا؟ مولانا کا حال معلوم ہوا۔ مرافعہ میں حکم دوام حبس بحال رہا۔ بلکہ تاکید ہوئی کہ جلد دریائے شور کی طرف روانہ کرو۔ ان کا بیٹا ولایت میں اپیل چاہتا ہے۔ کیا ہوتا ہے۔ جو ہونا تھا سو ہولیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ "دہلی اردو اخبار" کا پرچا اگر مل جائے تو بہت مفید مطلب ہے۔ ورنہ خیر کچھ محل خوف و خطر نہیں ہے۔ حکام صدر ایسی باتوں پر نظر نہ کریں گے۔ میں نے سکہ کہا نہیں۔ اگر کہا تو اپنی جان اور حرمت بچانے کو کہا۔ یہ گناہ نہیں اور اگر گناہ بھی ہے تو کیا ایسا سنگین ہے کہ ملکہ معظمہ کا اشتہار بھی اس کو نہ مٹا سکے۔ سبحان اللہ! گولہ انداز کا بارود بنانا اور توپیں لگانی اور بنک گھر اور میگزین کا لوٹنا معاف ہو جائے اور شاعر کے دو مصرعے معاف نہ ہوں، ہاں صاحب گولہ کا بہنوئی مددگار ہے اور شاعر کا سالا بھی جانب دار نہیں۔

ایک لطیفہ پرسوں خوب ہوا۔ حافظ ممو بے گناہ ثابت ہو سکے۔ رہائی پا چکے حاکم کے سامنے حاضر ہوا کرتے ہیں۔ املاک اپنی مانگتے ہیں۔ قبض و تصرف تو ان کا ثابت ہو چکا ہے۔ صرف حکم کی دیر۔ پرسوں وہ حاضر ہیں۔ مثل پیش ہوئی۔ حاکم نے پوچھا کہ حافظ محمد بخش کون ہے؟ عرض کیا کہ۔ میں پھر پوچھا کہ حافظ ممو کون؟ عرض کیا کہ میں۔ اصل نام میرا محمد بخش ہے۔ ممو مشہور ہوں۔ فرمایا کچھ بات نہیں۔ حافظ محمد بخش بھی تم اور حافظ ممو بھی تم۔ سارا جہاں بھی تم۔ جو دنیا میں ہے وہ بھی تم۔ ہم مکان کس کو دیں۔ مثل داخل دفتر ہوئی۔ میاں ممو اپنے گھر چلے آئے۔

(نوٹ بات معمولی تھی۔ حاکم کو اس کا سمجھنا دشوار نہ تھا کہ حافظ محمد بخش نام تھا اور لوگ ممو ممو کہتے تھے۔ پھر جو جائداد نہ دی گئی تو غالباً کوئی اور وجہ ہوگی۔ ورنہ اتنی سی بات پر حقدار کو اس کے حق سے محروم کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ حسن نظامی)

احکام قضاو قدر

سنا ہے کہ ایک محکمہ لاہور میں معاوضہ نقصان رعایا کے واسطے تجویز ہوا ہے اور حکم یہ ہے کہ جو رعیت کا مال کالوں نے لوٹا ہے۔ البتہ اس کا معاوضہ بحساب وہ یک سرکار سے ہوگا' یعنی ہزار روپے کے مانگنے والے کو سو روپے ملیں گے اور جو گوروں کے وقت کی غارتگری ہے وہ بدر(اس کے معنی معاف اور نا قابل گرفت کے ہیں) اور مجل ہے۔ اس کا معاوضہ نہ ہوگا۔ شاید یہ وہی کمشنر ہوں۔ مکانات حامد علی خاں تو مدت سے ضبط ہو کر سرکار کا مال ہو گئے۔ باغ کی صورت بدل گئی محل سرا اور کوٹھی میں گورے رہتے تھے۔ اب پھاٹک اور سر تا سر دکانیں گرادی گئیں۔ سنگ و خشت کا نیلام کر کے روپیہ داخل خزانہ ہوا۔ جب بادشاہ اودھ کی املاک کا وہ حال ہو تو رعیت کی املاک کون پوچھتا ہے جو احکام کہ دلّی میں صادر ہوئے ہیں' وہ احکام قضاو قدر ہیں۔ ان کا مرافعہ کہیں نہیں۔ گویا ہم نہ کبھی کہیں کے رئیس تھے نہ جاہ و حشم رکھتے تھے' نہ املاک رکھتے تھے۔

دہلی کی چنگی کے پہلے ملازم

آج کل یہاں پنجاب احاطہ کے بہت حاکم فراہم ہیں۔ پون ٹوٹی کے باب میں کونسل ہوئی۔ پرسوں ۷ نومبر سے جاری ہوگئی۔ سالگ رام خزانچی' چھناں مل' مہیش داس ان تینوں شخصوں کو یہ کام بطریق امانی سپرد ہوا ہے۔ غلہ اور اپلے کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس پر محصول نہ ہو۔ آبادی کا حکم عام ہے۔ خلق کا اژدہام ہے۔ آگے حکم تھا کہ مالکان مکان رہیں کرایہ دار نہ رہیں۔ پرسوں سے حکم ہو گیا کہ کرایہ دار بھی رہیں' مگر کرایہ سرکار کو دیں۔ حکام بے پروا' مختار کار عدیم الفرصت' میں پا شکستہ' محمد قلی خاں کبھی یہاں کبھی وہاں۔ وقت پر موقوف ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں کے مکانات شہر اُن کو مل گئے اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ۔ دروازہ سے باہر نہ نکلو۔ اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔ نواب حامد علی خاں کے مکانات سب ضبط ہو گئے۔ وہ قاضی کے حوض پر کرایہ کے مکانات میں مع متوسل رہتے ہیں۔ باہر جانے کا حکم ان کو بھی نہیں۔ مرزا الٰہی بخش کو حکم کراچی بندر جانے کا ہے۔ انہوں نے زمین پکڑی ہے۔ سلطان جی میں رہتے ہیں۔ عذر کر رہے ہیں۔ دیکھئے یہ جبر اٹھ جائے یا یہ خود اٹھ جائیں۔

(نوٹ: لالہ سالگ رام و چھناں مل صاحب اور مہیش داس صاحب جن کا ذکر پون ٹوٹی کی ابتدائی خدمت میں آیا' بعد میں بہت نامور

ہوئے۔ مہیش داس کے نام سے ایک محلہ آباد ہے۔ لالہ سالگ رام وچھامل کی اولاد نمل کے کٹرہ میں بڑے کروفر سے رہتی ہے اور دہلی کے اعظم رئیسوں میں اس کا شمار ہے۔ اس کے افراد کی گورنمنٹ میں بڑی عزت ہے۔ خطابات ہیں لاکھوں روپے سال کی آمدنی ہے۔ بہت صاف ستھرے گورے چٹے اور قدامت کی شان کے یہ لوگ ہیں۔ حسن نظامی)

تصوف اور نجوم

آرائش مضامین شعر کے واسطے کچھ تصوف کچھ نجوم لگا رکھا ہے ورنہ سوائے موزونی طبع کے یہاں اور کیا رکھا ہے۔ بہر حال علم نجوم کے قاعدہ کے موافق جب زمانہ کے مزاج میں فساد کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں تب سطح فلک پر یہ شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ جس برج میں یہ نظر آئے اس کا درجہ و دقیقہ دیکھتے ہیں۔ ہزار طرح کی چال ڈالتے ہیں۔ تب ایک حکم نکالتے ہیں۔ شاہجہاں آباد میں بعد غروب آفتاب افق غربی شہر پر نظر آتا تھا اور ان دنوں میں آفتاب اول میزان میں تھا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ صورت عقرب میں ہے۔ درجہ و دقیقہ کی حقیقت نامعلوم رہی۔ بہت دن شہر میں اس ستارہ کی دھوم رہی۔ اب وہ دس بارہ دن سے نظر نہیں آتا۔ بس میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ صورتیں قہر الٰہی کی ہیں اور دلیلیں ملک کی تباہی کی۔ قرآن النحسین پھر کسوف پھر خسوف پھر یہ صورت پر کدورت۔

عیاذاً باللہ و پناہ بخدا۔ یہاں پہلی نومبر کو بدھ کے دن حسب الحکم حکام کوچہ و بازار میں روشنی ہوئی اور شب کو کمپنی کا ٹھیکہ ٹوٹ جانا اور قلمرو ہند کا بادشاہی عمل میں آنا سنایا گیا۔

نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر کو ملکہ معظمہ انگلستان نے فرزند ارجمند خطاب دیا اور اپنی طرف سے نائب اور ہندوستان کا حاکم کیا۔ میں قصیدہ پہلے ہی اس تہنیت میں لکھ چکا ہوں۔

میں نے گیارہویں مئی ۱۸۵۷ء سے اکتیسویں جولائی ۱۸۵۸ء تک روداد غدر نثر میں بعبارت فارسی آمیختہ بعربی لکھی ہے اور وہ پندرہ سطر کے مسطر سے چار جزو کی کتاب آگرہ کو مفید الخلائق میں چھپنے کو گئی ہے۔ "دستنبو" اس کا نام رکھا ہے اور اس میں صرف اپنی سرگزشت اور اپنے مشاہدہ کے بیان سے کام رکھا ہے۔

دلی پر پانچ لشکروں کا حملہ

پانچ لشکر کا حملہ پے در پے اس شہر میں ہوا۔ پہلا باغیوں کا لشکر۔ اس میں اہل شہر کا اعتبار لٹا۔ دوسرا لشکر خاکیوں کا۔ اس میں جان و مال و ناموس و مکان و مکیں آسمان و زمین و آثار ہستی سراسر لٹ گئے۔ تیسرا لشکر کال کا۔ اس میں ہزارہا آدمی بھوکے مرے۔ چوتھا لشکر ہیضہ کا۔ اس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے۔ پانچواں لشکر تپ کا۔ اس میں تاب و طاقت نہ پائی۔ اب تک اس لشکر نے شہر سے کوچ نہیں کیا۔ میرے گھر دو آدمی تپ میں مبتلا ہیں۔ ایک بڑا لڑکا ایک داروغہ۔ خدا ان دونوں کو جلد صحت دے۔

مغل خاں غدر سے کچھ دن پہلے مستقی ہو کر مر گئے۔ ہے ہے۔ کیونکر لکھوں حکیم رضی الدین خاں کو قتل عام میں ایک خاکی نے گولی مار دی اور احمد حسین خاں ان کے چھوٹے بھائی اسی دن مارے گئے۔ طالع یار خاں کے دونوں بیٹے

ٹونک سے رخصت لے کر آئے تھے۔ غدر کے سبب جانہ سکے۔ یہیں رہے۔ بعد فتح دہلی دونوں بے گناہوں کو پھانسی ملی۔ حافظ یار خاں ٹونک میں ہیں۔ زندہ ہیں پر یقین ہے مردہ سے بدتر ہوں گے۔ میر جھوٹم نے بھی پھانسی پائی۔ حال صاحبزادہ میاں نظام الدین کا یہ ہے کہ جہاں سب اکابر شہر کے بھاگے تھے وہاں وہ بھی بھاگ گئے تھے۔ بڑودہ میں رہے۔ اورنگ آباد میں رہے۔ حیدرآباد میں رہے۔ سال گذشتہ یعنی جاڑوں میں یہاں آئے۔ سرکار سے ان کی صفائی ہوگئی' لیکن صرف جاں بخشی۔ روشن الدولہ کا مدرسہ جو عقب کوتوالی چبوترہ پر ہے' وہ اور خواجہ قاسم کی حویلی جس میں مغل علی خاں مرحوم رہتے تھے وہ اور خواجہ صاحب کی حویلی یہ املاک خاص حضرت کالے صاحب کی اور کالے صاحب کے بعد میاں نظام الدین کی قرار پاکر ضبط ہوئی اور نیلام ہوکر روپیہ سرکار میں داخل ہوگیا۔ ہاں قاسم جان کی حویلی جس کے کاغذ میاں نظام الدین کی والدہ کے نام کے ہیں' وہ ان کو یعنی میاں نظام الدین کی والدہ کو مل گئی۔ فی الحال میاں نظام الدین پاک پٹن گئے۔ شاید بہاول پور بھی جائیں گے۔

(نوٹ غدر کے بعد جب انگریز پنجاب سے فوج لے کر دہلی پر چڑھے تو ان کی فوج کی وردی خاکی تھی۔ اس واسطے شہر میں خاکی کا لفظ ایک اصطلاح بن گیا تھا۔ خاکی کا ذکر در حقیقت انگریزی فوج (جن میں سکھ بھی تھے اور مسلمان بھی تھے) کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

میاں نظام الدین صاحب میاں کالے صاحب کے فرزند تھے۔ ان کی جائداد اورنگ آباد دکن میں بھی ہے۔ میاں سیف الدین وغیرہ اس پر قابض ہیں۔ چالیس ہزار سالانہ کی آمدنی ہے۔ میاں عبدالصمد صاحب دہلوی نے جو میاں نظام الدین صاحب کے نواسہ ہیں' اس جاگیر کا دعویٰ کیا ہے اور آج کل حیدرآباد میں اس کا مقدمہ چل رہا ہے۔ حسن نظامی)

غدر نہیں خدا کا قہر

غلہ کی گرانی' آفت آسمانی' امراض موذی' بلائے جانی' انواع و اقسام کے اوہام و شہور شائع' چارہ ناسودمند و سعی ضائع۔ میں نہیں جانتا کہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو پھر دن چڑھے۔ وہ فوج باغی میرٹھ سے دلی آئی تھی یا خود قہر الٰہی کا پے در پے نزول ہوا تھا۔ بقدر خصوصیت سابق دلی ممتاز ہے ورنہ سرتاسر قلمرو ہند میں فتنہ و بلا کا دروازہ باز ہے۔ انا للہ۔

لوٹ کی کتابیں کھتریوں میں

کتاب کوئی سی ہو اس کا پتہ کیونکر لگے۔ لوٹ کا مال کھتریوں میں بک گیا اور اگر سڑک پر بکا تو میں کہاں جو دیکھوں:

بر دل نفس اندوہ گیتی بسر آرید　　　گیرید کہ گیتی ہمہ یکسر بسر آمد

یہاں کا قصہ مختصر یہ ہے کہ قصہ تمام ہوا۔

غدر کے بعد ایک چھوٹا سا فساد

دلّی کا حال تو یہ ہے:

گھر میں تھا کیا جو ترا غم اسے غارت کرتا　　وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

یہاں دھرا کیا ہے جو کوئی لوٹے گا۔ چند روز گوروں نے اہل بازار کو ستایا تھا۔ اہل قلم اور اہل فوج نے باتفاق رائے ہمدگر ایسا بندوبست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا۔ اب امن وامان ہے۔

میاں کالے صاحب کی خانہ ویرانیاں

حضرت شیخ کا کلام اور صاحبزادہ شاہ قطب الدین ابن مولانا فخرالدین کا بھلا حال؟ ایں دفتر را گاؤ خورد و گاؤ را قصاب برد و قصاب در راہ مرد۔ بادشاہ کے دم تک یہ باتیں تھیں۔ خود میاں کالے صاحب کا گھر اس طرح تباہ ہوا کہ جیسے جھاڑو دی۔ کاغذ کا پرزہ سونے کا تار۔ پشمینہ کا بال باقی نہ رہا۔ شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ اجڑ گیا۔ کیا ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی۔ ان کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے۔ اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہاں کے رہنے والے اگر گولی سے بچے ہوں گے تو خدا ہی جانتا ہوگا کہ کہاں ہیں۔ ان کے پاس شیخ کا کلام بھی تھا۔ کچھ تبرکات بھی تھے۔ اب جب یہ لوگ ہی نہیں تو کس سے پوچھوں کیا کروں۔ کہیں سے یہ مدعا حاصل نہ ہو سکے گا۔

(نوٹ: حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کا مزار پریڈ کے میدان میں جامع مسجد کے شرق کی طرف دو سو قدم کے فاصلہ پر کھلے چبوترے پر واقع ہے۔ پہلے چونے کا چبوترہ تھا' اب سید عبدالغنی کلیمی سجادہ نشین کی سعی سے سنگ مرمر کی سلیں فرش میں لگائی گئی ہیں۔ یہ علاقہ اب تک فوجی قبضہ میں ہے اور یہاں سایہ کی جگہ بنانے کا حکم نہیں ہے۔ نمازی اور زائر نماز وزیارت کے وقت دھوپ کی تکلیف اٹھاتے ہیں۔ پہلے یہاں بڑی بڑی عمارتیں تھیں۔ حضرت شیخ کلیم اللہ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے بڑے نامور اور صاحب تصنیف بزرگ گزرے ہیں۔ تفسیر کلیمی' مرقع' کشکول کلیمی' عشرۂ کاملہ' مالا بد فی التصوف' مکتوبات کلیمی وغیرہ ان کی یادگار کتابیں ہیں۔ حضرت شیخ یحییٰ مدنی چشتی کے خلیفہ تھے اور حضرت نظام الدین اورنگ آبادی ان ہی کے خلیفہ اورنگ آباد میں مدفون ہیں۔

میاں کالے صاحب کا نام میاں نصیر الدین تھا جو میاں قطب الدین صاحب کے بیٹے اور حضرت مولانا فخرالدین صاحب کے پوتے تھے۔ بہادر شاہ ان کی بہت عزت کرتے تھے' کیونکہ ان کے والد کے مرید اور دادا کے منظور نظر تھے۔ ملکہ بیگم ایک شہزادی سے انہوں نے نکاح بھی کیا تھا۔ قاسم جان کی گلی میں حکیم اجمل خاں صاحب کے محلہ سے غرب کی طرف کالے صاحب کی حویلی مشہور ہے جس میں آج کل پنجابی تاجر دہلی کے رہتے ہیں۔ یہ ان ہی کی تھی اور غدر میں ضبط ہوئی۔ کوتوالی اور سنہری مسجد کے قریب بھی ان کی جائداد کا ذکر غالب نے کیا ہے۔ اب ان کے نواسہ میاں عبدالصمد صاحب چنڈت کے کوچہ میں رہتے ہیں اور دہلی کے فقرا میں مشہور درویش ہیں۔ حسن نظامی)

دہلی کے مفتی اعظم کی بے چارگی

جناب مولوی صدر الدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا۔ روبکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جاں بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف۔ جائداد ضبط۔ ناچار خستہ و تباہ لاہور گئے۔ فنانشل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے از راہ ترحم نصف جائداد واگزاشت کی۔ اب نصف جائداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ کرایہ پر معاش کا مدار ہے۔ اگر چہ یہ امداد ان کے گزارے کو کافی ہے' کس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بی بی۔ تیس چالیس روپیہ کی آمد' لیکن چونکہ امام بخش چپراسی کی اولاد ان کی عترت ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں' لہٰذا فراغ بالی سے نہیں گزرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرۂ ثامنہ کے آخر میں ہیں۔ خدا سلامت رکھے۔ بہت غنیمت ہیں۔

(نوٹ: مفتی صدر الدین صاحب صدر الصدور دہلی کے اکابر علماء و شرفا میں تھے۔ حویلی صدر الصدور کا تختہ اب بھی میونسپل کمیٹی کی طرف سے لگا ہوا ایک دیوار پر نظر آتا ہے اور جاننے والے کو رلاتا ہے۔ نیا محل کے سامنے ان کا مکان تھا' جس میں خان بہادر غلام محمد حسین خاں رجسٹرار مرحوم کی سکونت تھی اور اب ان کی اولاد رہتی ہے۔

اللہ اللہ مسلمانوں کی غربا پروری کس شان کی تھی کہ لٹنے اور مٹائے جانے کے بعد بھی جب کہ نوے برس کے قریب عمر تھی اور صرف چالیس روپے ماہینہ گزر اوقات کے لئے باقی بچا تھا' مگر اپنے چپراسی کے کنبہ کو پالتے تھے۔ حسن نظامی)

گردش ایام کا قیدی لفافہ بناتا تھا

اللہ اللہ! یہ دن بھی یاد رہیں گے۔ مجھ کو اکثر اوقات لفافے بنانے میں گزرتے ہیں۔ اگر خط نہ لکھوں تو لفافے بناؤں گا۔ غنیمت ہے کہ محصول آدھ آنہ ہے ورنہ مزہ معلوم ہوتا۔

بقیۃ السیف کا فکر

بعد قتل ہونے دس آدمی کے کہ دو اس میں عزیز بھی تھے۔ یہ سب وہاں سے نکالے گئے۔ مگر صورت نہیں معلوم کہ کیونکہ نکلے۔ پیادہ یا سوار تھے۔ تنگدست یا مالدار۔ مستورات کو تو (رتھ گاڑی) دے دی تھیں۔ ذکور کا حال کیا ہوا اور پھر وہاں سے نکلنے کے بعد کیا ہوا اور کہاں رہے۔ سرکار انگریزی کی طرف سے مورد تفقد و ترحم ہیں یا نہیں۔ رنگ کیا نظر آتا ہے۔ جبر کسر کی توقع ہے یا نہیں۔ یہ سب اللہ کو معلوم ہے۔

اب کوئی دوست میرے سامنے نہ مرے

یا اللہ اب ان احباب میں سے کوئی میرے سامنے نہ مرے کیا معنی کہ جو میں مروں کوئی میرا یاد کرنے والا اور مجھ پر رونے والا بھی تو دنیا میں ہو۔ مصطفیٰ خاں خدا کرے مرافعہ میں چھوٹ جائے ورنہ حبس ہفت سالہ کی تاب اس ناز پروردہ میں کہاں۔ احمد حسین میکش ملحوق ہوا (پھانسی پائی) گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں۔ پنشن کی درخواست دے رکھی ہے بشرط اجرا بھی میرا کیا گزارہ ہوگا۔ ہاں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ میری صفائی اور بے گناہی کی دلیل ہے' دوسرے یہ کہ

موافق قول عوام چولہے دلدرت ہوگا۔

(نوٹ۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ بے نظیر شاعر اور خاندانی امیر تھے۔ نواب محمد اسحٰق خاں مرحوم سابق سکرٹری علی گڑھ کالج ان کے صاحبزادہ تھے جنھوں نے ان کے کلام کا مجموعہ چھاپا ہے اور جو "حلقہ مشائخ دہلی" میں بکتا ہے۔ اس مجموعہ میں غدر کے حالات بھی ہیں اور رہائی کا تذکرہ بھی ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں اور ان کے لڑکے نواب محمد اسحٰق خاں اپنے خاندان سمیت درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ میں دفن ہیں۔ درگاہ کی بڑی مسجد کے گوشہ شمال اور سماع خانہ کے غرب میں یہ قبرستان واقع ہے۔ کتبے لگے ہوئے ہیں۔ حسن نظامی)

جب شراب پر پہرہ لگا

یہاں کا حال۔ مصرعہ: زمین سخت ہے اور آسماں دور ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ تو نگر غرور سے، مفلس سردی سے اکڑ رہا ہے۔ آبکاری کے بندوبست جدید نے مارا۔ عرق کے نہ کھینچنے کی قید شدید نے مارا۔ ادھر انسداد دروازہ آبکاری ہے۔ اُدھر ولایتی عرق کی قیمت بھاری ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولوی فضل رسول صاحب حیدرآباد گئے ہیں۔ مولوی غلام امام شہید آگے سے وہاں ہیں۔ نجی الدولہ محمد یار خاں سورتی نے ان صورتوں کو وہاں بلایا ہے۔ پر یہ نہ معلوم کہ وہاں ان کو کیا پیش آیا ہے۔

دوستوں سے ملنے میں دشواری تھی

حکیم صاحب پر سے دو سپاہی جوان پر متعین تھا اٹھ گیا اور ان کو حکم ہو گیا کہ اپنی وضع پر رہو مگر شہر میں رہو۔ باہر جانے کا اگر قصد کرو تو پوچھ کر جاؤ اور ہر ہفتہ میں ایک بار کچہری میں حاضر ہوا کرو۔ چنانچہ وہ کچے باغ کے پچھواڑے مرزا جاگن کے مکان میں آ رہے۔ صفدر میرے پاس آیا تھا۔ یہ اس کی زبانی ہے۔ جی ان کے دیکھنے کو چاہتا ہے مگر از راہ احتیاط جا نہیں سکتا۔ مرزا بہادر بیگ نے بھی رہائی پائی۔ اب اس وقت سنا ہے کہ وہ خانصاحب کے پاس آئے ہیں۔ یقین ہے کہ بعد ملاقات باہر چلے جائیں گے۔ یہاں نہ رہیں گے۔

مٹنے والوں کے گھروں میں کون رہتا تھا

قاسم جان کی گلی میر خیراتی کے پھاٹک سے فتح اللہ بیگ خاں کے پھاٹک تک بے چراغ ہے۔ ہاں اگر آباد ہے تو یہ ہے کہ غلام حسن خاں کی حویلی ہسپتال ہے۔ ضیاء الدین خاں کے کمرہ میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اور کالے صاحب کے مکانوں میں ایک اور صاحب عالیشان انگلستان تشریف رکھتے ہیں۔ ضیاء الدین خاں اور ان کے بھائی مع قبائل اور عشائر لوہارو ہیں۔ لال کنوئیں کے محلہ میں خاک اڑتی ہے۔ آدمی کا نام نہیں کبھی کی دکان میں کتے لوٹتے ہیں۔

مجھے عوام کے نقشہ میں نہ لکھو

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے　　　کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے

میرٹھ سے آ کر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے۔ لاہوری دروازہ کا تھانہ دار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھتا ہے۔ جو باہر کے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے اس کو پکڑ کر حوالات میں بھیج دیتا ہے۔ حاکم کے ہاں پانچ پانچ بید لگتے ہیں یا دو دو روپیہ جرمانہ لیا جاتا ہے۔ آٹھ دن قید رہتا ہے۔ اس سے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو کون بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے۔ تھانوں میں نقشے مرتب ہونے لگے۔ یہاں کا جمعدار میرے پاس بھی آیا۔ میں نے کہا بھائی! تو مجھے نقشے میں نہ رکھ۔ میری کیفیت کی عبارت الگ لکھ۔ عبارت یہ کہ اسد اللہ خاں پنشن دار ۱۸۵۰ء سے حکیم پٹیالے والے کے بھائی کی حویلی میں رہتا ہے۔ نہ کالوں کے وقت میں کہیں گیا اور نہ گوروں کے زمانے میں نکلا اور نکالا گیا۔ کرنیل بروں صاحب بہادر کے زبانی حکم پر اس کی اقامت کا مدار ہے۔ اب تک کسی حاکم نے وہ حکم نہیں بدلا۔ اب حاکم وقت کو اختیار ہے۔ پرسوں یہ عبارت جمعدار نے نقشہ کے ساتھ کوتوالی میں بھیج دی ہے۔ کل سے یہ حکم نکلا کہ یہ لوگ شہر سے باہر مکان دکان کیوں بناتے ہیں۔ جو مکان بن چکے ہیں انہیں ڈھا دو اور آئندہ کو ممانعت کا حکم سنا دو اور یہ بھی مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ جو مسلمان شہر میں اقامت چاہے بقدر مقدور نذرانہ دے۔ اس کا انداز مقرر کرنا حاکم کی رائے پر ہے۔ روپیہ دے اور ٹکٹ لے۔ گھر برباد ہو جائے۔ آپ شہر میں آباد ہو جایئے۔ آج تک یہ صورت ہے۔ دیکھئے شہر کے بسنے کی کون صورت ہے۔ جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کئے جاتے ہیں یا جو باہر پڑے ہوئے ہیں وہ شہر میں آتے ہیں۔ الملک للہ والحکم للہ۔

(نوٹ کیسی بیکسی میں وہ لوگ تھے جنہوں نے غدر کے بعد کا یہ دم گھٹنے والا تماشہ دیکھا اور کیسے نادان ہم لوگ ہیں کہ پھر بے امنی کی تمنائیں کرتے ہیں۔ انسان متلون مزاج اور جلدی بھول جانے والا واقع ہوا ہے۔ اس کی برابر دنیا میں کوئی چیز اچھی نہیں ہے۔ حسن نظامی)

سوسائٹی کی بربادی کا ماتم

اس چرخ کج رفتار کا برا ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ ملک و مال جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ و توشہ تھا۔ چند مفلس و بے نوا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ ہنس بول لیتے تھے۔

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک　　　اور تو یہاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔ کل سے مجھ کو میکش بہت یاد آتا ہے۔ وہ صحبتیں اور تقریریں آنسوؤں سے پیاس نہیں بجھتی۔ یہ تحریر تلافی اس تقریر کا نہیں کر سکتی۔

(نوٹ میکش کے پھانسی پانے کے بعد عالم غم میں یہ تحریر لکھی گئی ہے۔ ہائے کتنا درد حروف کے کلیجہ میں بھرا ہے۔ پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ حسن نظامی)

دلی سے انتہائی محبت اس کے اجڑنے کی خاک بھی آنکھوں میں

آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلّی میں ڈھائے گئے اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں، جتنی گرد اڑی اس سب کو از راہ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی۔

(نوٹ دہلی سے محبت کرنے کی یہ انتہائی مثال غالب نے لکھی ہے کہ آنکھیں دکھنے آئیں تو اس کا سبب یہ قرار دیا کہ دہلی کے مکان اجاڑے گئے اور ان کے مٹنے سے خاک اڑی تو اس کو آنکھوں میں بٹھا لیا۔ گویا اس کے اثر سے آنکھیں دکھنے لگیں۔
(اپنے وطن سے محبت اس طرح کیا کرتے ہیں۔ کوئی آج کل کے محبان وطن کو غالب کے یہ چند لفظ سنا دے۔ حسن نظامی)

غالب کو کنوؤں کا غم

اب اہل دہلی ہندو ہیں یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں۔ لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ ریاست تو جاتی رہی۔ باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں۔ خس کی ٹٹی، پُروا ہوا۔ اب کہاں؟ لطف تو وہ اسی مکان میں تھا۔ اب میر خیراتی کی حویلی میں وہ چھت اور سمت بدلی ہوئی ہے۔ بہر حال میگزرد۔ مصیبت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کنواں بند ہو گیا۔ لال ڈگی کے کنوئیں یک قلم کھاری ہو گئے۔ خیر کھاری ہی پانی پیتے۔ گرم پانی نکلتا ہے۔ پرسوں میں سوار ہو کر کنوؤں کا حال دریافت کرنے گیا تھا۔ مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازہ تک بے مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے۔ اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں۔ وہ اگر اٹھ جائیں تو ہُو کا مقام ہو جائے۔ مرزا گوہر کے باغیچہ کے اس جانب کو کئی بانس نشیب میں تھا۔ اب وہ باغیچہ کے صحن کے برابر ہو گیا۔ یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہو گیا۔ فصیل کے کنگورے کھلے رہتے ہیں۔ باقی سب اٹ گیا۔ آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازہ تک میدان ہو گیا۔ پنجابی کٹرہ دھوبی واڑہ۔ رام جی گنج سعادت خاں کا کٹرہ۔ جرنیل کی بی بی کی حویلی، رام جی داس گودام والے کے مکانات، صاحب رام کا باغ اور حویلی ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا۔ قصہ مختصر شہر صحرا ہو گیا تھا اب جو کنوئیں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ دلّی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد اردو بازار نہ رہا اردو کہاں۔ دلّی کہاں۔ واللہ اب شہر نہیں ہے کیمپ ہے۔ چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ۔ نہ شہر۔ نہ بازار۔ نہ نہر۔

(نوٹ اس عبارت میں غالب نے دہلی کی ان شاندار عمارات کی بربادی کا نقشہ کھینچا ہے جن میں سے اکثر کے نام سے بھی اب دہلی والے واقف نہیں۔ اور میں بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ کہاں تھیں۔

معلوم ہوتا ہے غالب کو سب سے زیادہ کنوؤں کے بند کر دینے کا صدمہ ہے۔ وہ یہ سن کر کہ کنوئیں بند کئے جا رہے ہیں، خود گھر سے نکلے تا کہ اپنی آنکھ سے دیکھیں۔ حالانکہ ان کا گھر سے نکلنا آج کل کی طرح کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مشرق والے خصوصاً ہندوستان اور دہلی والے کنوؤں کے پانی کو بہت پسند کرتے ہیں اور ان کو نلوں کے پانی سے کسی قسم کی محبت نہیں ہے۔ حضرت اکبرالہ آبادی (مرحوم) بھی ایک جگہ لکھتے ہیں

حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا	پانی پینا پڑا ہے پائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے	کنگ جارج کی دہائی ہے

انگریزوں نے حفظ صحت کے خیال سے کنوئیں بند کئے تھے کہ ان کا پانی جلد خراب ہو جاتا ہے' مگر اہل مشرق اپنی پرانی عادات کے خلاف کسی مصلحت کو قبول کرنا نہیں چاہتے۔

تحریر کے شروع میں غالب نے دہلی کی آبادی کے بارہ میں سچ لکھا ہے کہ غدر کے بعد ایسی جماعتیں وہاں آ کر آباد ہو گئی تھیں جن کو زبان اور تہذیب وعلم سے کچھ سروکار نہ تھا' اس لئے آج کل دہلی کی بگڑی ہوئی زبان پر اعتراض کرنا بھی فضول ہے کہ یہ زبان اہل دہلی کی نہیں ہے۔ وہ تو پھانسی پا گئے اور جو لوگ یہ زبان بولتے ہیں' وہ دہلی والے نہیں ہیں' پردیسی ہیں۔ حسن نظامی)

دہلی کی بہاروں کا فشار اور غالب کی آہ شرربار

دہلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے۔ قلعہ' چاندنی چوک' ہر روز مجمع بازار' مسجد جامع کا ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی' ہر سال میلہ پھول والوں کا۔ یہ پانچوں باتیں اب نہیں۔ پھر کہو دہلی کہاں۔ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۔ نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ دسمبر کو یہاں داخل ہوں گے۔ دیکھئے کہاں اترتے ہیں اور کیونکر دربار کرتے ہیں۔ آگے کے درباروں میں سات جاگیردار تھے کہ ان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجر' بہادر گڑھ' بلب گڑھ' فرخ نگر' دوجانہ' پاٹودی' لوہارو' چار معدوم محض ہیں' جو باقی رہے اس میں سے دوجانہ و لوہارو تحت حکومت' ہانسی حصار پاٹودی حاضر۔ اگر ہانسی حصار کے صاحب کمشنر بہادر ان دونوں کو یہاں لے آئے تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس دربار عام والے مہاجن لوگ سب موجود۔ اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں۔ میرٹھ میں ہیں۔ مصطفیٰ خاں۔ سلطان جی میں مولوی صدرالدین خاں۔ بلّی ماروں میں سگ دنیا موسوم باسد۔ تینوں مردود و مطرود و محروم و مغموم

توڑ بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا　　　آسمان سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

جان نثار خاں کے چھتے کا ڈھنا۔ خان چند کے کوچہ کا سڑک بننا۔ بلاقی بیگم کے کوچہ کا مسمار ہونا۔ جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز میدان نکلنا اور غالب افسردہ دل۔

(نوٹ دہلی کی پانچ بہاروں کا کس درد سے ذکر کرتے ہیں۔ چاندنی چوک کی وہ رونق جاتی رہی۔ قلعہ میں گورے آباد ہو گئے۔ جمنا کے پل کی سیر کا اب کسی کو خیال بھی نہیں آتا۔ پہلے وہاں آٹھویں دن میلہ لگتا تھا۔ جامع مسجد کے سامنے شام کو اب بھی بازار لگتا ہے' مگر پہلی سی بہار نہیں ہے۔ پھول والوں کی سیر اب بھی سال بسال ہوتی ہے' لیکن اگلی سی آن بان کہاں۔

جھجر والے نواب اور بلب گڑھ کے راجہ نے غدر کے بعد دہلی میں پھانسی پائی۔ جھجر ضلع رہتک میں شامل ہوا اور بہادر گڑھ بھی اور بلب گڑھ ضلع گڑگانوہ کو دے دیا گیا۔

یہ عبارت غالباً ۱۸۵۸ء کے آخر میں لکھی گئی ہے' کیونکہ گورنر نے میرٹھ میں دربار دسمبر ۱۸۵۸ء میں کیا تھا' جس کا ذکر غالب نے کیا ہے۔ آخری عبارت اس قدر دردناک ہے کہ پتھر کا کلیجہ رکھنے والا بھی بے اختیار رو دے گا۔ خبر نہیں غالب کے دل پر کیا کیا اثر یہ انقلابات پیدا کرتے ہوں گے۔ جب ہی تو ان کے قلم سے یہ مجروح کرنے والے الفاظ نکلے ہیں۔ حسن نظامی)

برٹش طرز حکومت پر چوٹ

سنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ کو اختیار ملے گا' مگر وہ اختیار ایسا ہو گا جیسا خدا نے خلق کو دیا ہے۔ سب کچھ اپنے قبضہ قدرت میں رکھا۔ آدمی کو بدنام کیا ہے۔

(نوٹ یہاں مہاراجہ الور کے اختیار کا ذکر کرتے ہیں' مگر برطانی آئین سلطنت پر ایک پُر لطف ضرب بھی لگاتے ہیں کہ وہ والیان ریاست کو ایسا اختیار دیتا ہے جیسا خدا نے بندوں کو اختیار دیا ہے کہ مجبور بھی ہیں اور مختار بھی۔

غالب نے اس وقت یہ عبارت لکھی کہ مشرقی آئین سلطنت لوگوں کے دل و دماغ پر مسلط تھے اور خلقت انہی کو اچھا بھی سمجھتی تھی۔ آج وہ زندہ ہوتے تو مان جاتے کہ پرانا دستور امن کے لئے اتنا مفید نہ تھا جتنا نیا آئین ثابت ہوا۔ والیان ریاست کو مطلق العنان کر دینے کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ بغاوتیں کرتے رہتے تھے اور سلطنت کو بھی دشواریاں پیش آتی تھیں اور رعایا بھی تباہ ہوتی تھی۔ انگریزوں کے آئین جدید نے اس خرابی کا قطعی سدباب کر دیا اور اب غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے کسی ریاست کو سرکشی و بغاوت کا حوصلہ نہ ہو سکا اور ملک میں امن قائم ہو گیا۔ اس واسطے ہر شخص برٹش آئین کے اس عاقلانہ حصہ کو امن کے خیال سے پسند کرتا ہے اور یہ برائی کی چیز نہیں سمجھی جاتی۔ حسن نظامی)

تاج محل کی رہائی

چوک میں بیگم کے باغ کے دروازہ کے سامنے حوض کے پاس جو کنواں تھا اس میں سنگ و خشت و خاک ڈال کر بند کر دیا۔ بلیماروں کے دروازہ کے پاس کئی دکانیں ڈھا کر راستہ چوڑا کر لیا۔ شہر کی آبادی کا حکم خاص و عام کچھ نہیں ہے۔ پنشن داروں سے حاکموں کا کام کچھ نہیں۔ تاج محل' مرزا قیصر' مرزا جواں بخت کے سالے ولایتی علی بیگ وار جے پور کی زوجہ ان سب کی الہ آباد سے رہائی ہو گئی۔ دیکھئے کب میں رہیں یا لندن جائیں۔ خلق نے از روئے قیاس جیسا کہ دلی کے خبر تراشوں کا دستور ہے یہ بات اڑا دی ہے۔ سو سارے شہر میں مشہور ہے کہ جنوری شروع سال ۱۸۵۹ء میں عموماً شہر میں آباد کئے جاویں گے۔

(نوٹ یہ عبارت ۱۲ دسمبر ۱۸۵۸ء کی لکھی ہوئی ہے۔ تاج محل بہادر شاہ کی بیگم تھیں۔ زینت محل کا کمرہ لال کنوئیں اور فراش خانہ کے وسط میں سر بازار واقع ہے۔ اس کے شاندار دروازہ پر بہادر شاہ کی کہی ہوئی اور خاص ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخ کندہ ہے۔ یہ عالیشان عمارت آج کل مہاراجہ پٹیالہ کے قبضہ میں ہے۔ غدر کے ایام میں جو امداد انہوں نے انگریزی فوج کی کی تھی اس کے انعام میں یہ مکان ان کو دیا گیا تھا۔

تاج محل کا خوبصورت مکان کنڑہ خوش حال رائے میں تھا کہ جو ہندوؤں کے مشہور محلہ مالی واڑہ کے قریب واقع ہے۔ یہ مکان اب بھی موجود ہے اور اس میں دلی کے مشہور ساہوکار لالہ رام کشن داس رہتے ہیں جن کے ہاں چاندی سونے کا بیوپار ہوتا ہے۔ لالہ صاحب نے اس کی قدامت کی خوبصورتی کو بھی باقی رکھا ہے اور جدید خوشنما اضافے بھی کئے ہیں' مگر زینت محل کے کمرہ میں ریاست پٹیالہ نے کوئی ترقی نہیں کی بلکہ سابق کے آثار میں بھی بوسیدگی واقع ہو رہی ہے اور یہ تاریخی مکان چند دن کا مہمان ہے۔ (۱۹۳۶ء میں اس کی بہت اچھی مرمت کرا دی گئی ہے)۔ حسن نظامی)

جامع مسجد کی رہائی

مسجد جامع واگزاشت ہوئی۔ چتلی قبر کی طرف سیڑھیوں پر کباببیوں نے دکانیں بنالیں۔ انڈا، مرغی، کبوتر بکنے لگا۔ دس آدمی مہتمم ٹھہرے۔ مرزا الٰہی بخش، مولوی صدرالدین، تفضل حسین خاں، تین یہ سات اور۔ ۲ نومبر ۲۴ جمادی الاول سال حال جمعہ کے دن ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ وقید جسم سے رہا ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(نوٹ جامع مسجد دہلی کے واگزاشت کرانے میں خان بہادر شیخ الٰہی بخش صاحب سی آئی ای مرحوم رئیس میرٹھ نے دو لاکھ روپیہ یا اس کے قریب سرکار کو دیا تھا جب اس کو رہا کیا گیا تھا۔ فتح دہلی کے بعد جامع مسجد میں گورے سپاہی رہتے تھے۔

جامع مسجد ایام غدر میں باغیوں کا مرکز بھی گئی تھی۔ جب انگریزی فوج نے پہلا دھاوا شہر پر کیا تو وہ جامع مسجد تک آ گئی تھی مگر جمعہ کی نماز کے لئے جو مسلمان اس وقت وہاں جمع ہوئے تھے انہوں نے باہر نکل کر فوج سے مقابلہ کیا اور ایسے لڑے کہ فوج کو کشمیری دروازہ تک واپس جانا پڑا اور دوسرے دن دوبارہ حملہ کر کے دہلی فتح کر لی۔ جمعہ کی لڑائی میں میرے والد موجود تھے۔ ان سے میں نے یہ قصہ سنا اور یہی وجہ جامع مسجد کی فوجی قبضہ کی تھی۔ (میرٹھ والوں کے امداد دینے کی بات بعد کی تحقیق سے غلط ثابت ہوئی)۔۔۔حسن نظامی)

میکش پھانسی سے پہلے

میکش چین میں ہے۔ باتیں بناتا پھرتا ہے۔ سلطان جی میں تھا۔ اب شہر میں آ گیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس بھی آیا۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا بی بی کو لڑکے کو بہرام پور میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے۔ خود یہاں لوٹ کی کتابیں خریدتا پھرتا ہے۔

(نوٹ یہ تحریر اس وقت کی ہے جبکہ میکش زندہ تھے اور غدر کی شرکت کا ان پر الزام لگایا گیا تھا۔ درگاہ حضرت سلطان جی میں رہتے تھے مگر بعد میں ان کو بغاوت کے شبہ میں گرفتار کیا گیا اور پھانسی دی گئی۔ اسی روزنامچہ میں غالب نے کہیں اس کا ذکر کیا ہے۔

میکش کے باپ گولی سے قتل ہوئے اور ان کو پھانسی دی گئی۔ حسن نظامی)

کشمیری کٹرہ کی مسماری

کشمیری کٹرہ گر گیا ہے۔ وہ اونچے اونچے در اور وہ بڑی بڑی کوٹھریاں دور و یہ نظر نہیں آتیں کہ کیا ہوئیں۔

(نوٹ پریڈ کے میدان کو دربار ۱۹۱۱ء کے ایام میں جب ہموار کیا جا رہا تھا تو سینکڑوں مکانات کے آثار دبے ہوئے نکلتے تھے۔ یہاں تک کہ چارپائیوں کے پائے آٹا گوندھنے کے کونڈے اور گھروں کے برتنے کی چیزیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب یہاں کے بازار اور محلے مسمار کئے گئے تو رہنے والوں کا سامان بھی اس میں دب گیا۔

خیال یہ تھا کہ گنجان محلوں اور بازاروں کا توڑنا ہوا صاف کرنے کے لئے تھا مگر ۱۹۱۱ء میں یہ نشانیاں دیکھ کر کہا جاتا تھا کہ مسماری جوش انتقام سے بھی تعلق رکھتی تھی۔ جب ہی تو اس بے دردی سے خانہ داری کے اسباب کو بھی ملیا میٹ کر دیا گیا اور یہی

وجہ ہے کہ غالب جب بھی اس تباہی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا قلم آنسو بہاتا جاتا ہے۔حسن نظامی)

جب دہلی پر ٹیکس لگائے گئے

شہر میں "پون ٹوٹی" کوئی چیز ہے۔وہ جاری ہوگئی ہے۔سوائے اناج اور اپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول نہ لگا ہو۔جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فیٹ گول میدان نکلے گا۔دکانیں حویلیاں ڈھائی جاویں گی۔دارالبقا فنا ہو جائے گی۔رہے نام اللہ کا۔خان چند کا کوچہ شاہ بولا کے بڑ تک ڈھے گا۔دونوں طرف پھاوڑہ چل رہا ہے۔

(نوٹ پون ٹوٹی (چنگی) کوئی چیز ہے کہہ کر غالب نے تڑپا دیا۔طنز کا نہایت پُرلطف انداز ہے۔سوائے اناج اور اپلے کے ہر چیز پر ٹیکس (محصول) لگ جانا غالب جیسے شخص نے یقیناً نہایت حقارت سے محسوس کیا ہوگا۔چار پانچ فقروں میں نئی حکومت کے طرز حکمرانی کو بیان کر دینا غالب ہی کا کام تھا۔حسن نظامی)

دہلی کے غارت شدہ بازار

شہر ڈھ رہا ہے۔بڑے بڑے نامی بازار' خاص بازار' اردو بازار اور خانم کا بازار کہ ہر ایک بجائے خود ایک قصبہ تھا' اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں تھے صاحبان امکنہ و دکاکین نہیں بتا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور دکان کہاں تھی۔برسات بھر مینہ نہیں برسا۔آپ تیشہ اور کلند کی طغیانی سے مکانات گر گئے۔غلہ گراں ہے۔موت ارزاں ہے۔موے کے مول اناج بکتا ہے۔ماش کی دال آٹھ سیر' باجرہ بارہ سیر' گیہوں ۱۳ سیر' چنے ۱۶ سیر' گھی ڈیڑھ سیر۔

(نوٹ: یہ تینوں بازار دریا گنج (فیض بازار) کی سڑک کے خاتمہ سے شروع ہوتے تھے۔جہاں اب پردہ باغ' ایڈورڈ پارک' وکٹوریہ ہسپتال اور پریڈ کا میدان واقع ہے۔اب یہاں اردو بازار بن گیا ہے۔

اس وقت کی گرانی جس کا حال لکھ کر غالب حیران ہیں' آج کل کی گرانی کے مقابلہ میں ارزانی ہے۔اب ماش کی دال ۳ سیر' گندم ۴ سیر' باجرہ ۴ سیر اور گھی آدھ سیر ہے (یہ نرخ پہلی اشاعت کے وقت کا ہے)۔حسن نظامی)

بہادر شاہ پر سکہ کہنے کا الزام

سکہ کا داغ تو مجھ پر ایسا چلا کہ جیسے کوئی چھرا یا کوئی گراب۔کس سے کہوں۔کس کو گواہ لاؤں۔یہ دونوں سکے ایک وقت میں کہے گئے ہیں' یعنی جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے تو ذوق نے یہ دونوں سکے کہہ کر گزرانے۔بادشاہ نے پسند کیے۔مولوی محمد باقر جو ذوق کے معتقدین میں تھے' انہوں نے اپنے "دلی اردو اخبار" میں یہ دونوں سکے چھاپے۔اس سے علاوہ اب وہ لوگ بھی موجود ہیں کہ جنہوں نے اس زمانہ میں مرشد آباد اور کلکتہ میں یہ سکے سنے ہیں اور ان کو یاد ہیں۔اب یہ دونوں سکے سرکار کے نزدیک میرے کہے ہوئے اور گزرانے ہوئے ثابت ہوئے۔میں نے ہر چند قلمرو ہند میں "دلی اردو اخبار" کا پرچہ ڈھونڈھا۔کہیں ہاتھ نہ آیا۔یہ دھبہ مجھ پر رہا۔پنشن بھی گئی اور وہ ریاست کا نام و نشان' خلعت و دربار بھی مٹا۔

(نوٹ سکہ کی حقیقت لکھنے میں جو سادہ پُر اثر اور شاعرانہ تلازمہ برتا گیا ہے وہ زبان غالب کا بہترین نمونہ ہے۔ناظرین غور سے

دیکھیں۔

مولوی محمد باقر غالبا شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد کے والد یا کوئی عزیز ہوں گے۔ ان کے اردو اخبار کا ذکر غدر کے اکثر حالات میں آتا ہے۔ حسن نظامی -- [مولوی محمد باقر آزاد کے والد تھے۔ مدیر]

داغ دار دلی

رفع فتنہ وفساد اور بلاد میں مسلّم۔ یہاں کوئی طرح آسائش کی نہیں ہے۔ اہل دہلی عموماً برے ٹھہر گئے۔ یہ داغ ان کی جبینِ حال سے عموماً مٹ نہیں سکتا۔

دلی میں مارشل لاء

رہنا شہر میں بے حصول اجازت حاکم احتمال ضرر رکھتا ہے۔ اگر خبر نہ ہو تو نہ ہو۔ اگر خبر ہو جائے تو البتہ قباحت ہے۔ دلی کی عملداری میرٹھ و آگرہ اور بلاد شرقیہ کے مثل نہیں ہے۔ یہ پنجاب احاطہ میں شامل ہے۔ نہ قانون نہ آئین۔ جس حاکم کی جو رائے میں ہو وہ ویسا ہی کرے۔

(نوٹ غالب نے مارشل لاء کے چہرہ کو جگہ جگہ جس اختصار اور جس احتیاط مگر جس بے باکی سے لکھا ہے وہ آج کل کے سیاست نگاروں کے لئے قابل تقلید ہے۔ حسن نظامی)

امن کے اشتہار کے بعد

حکم عفو تقصیر عام ہو گیا ہے۔ لڑنے والے آتے جاتے ہیں اور آلات حرب دے کر توقیع آزادی پاتے ہیں۔

(نوٹ یہ عبارت ۱۰ نومبر ۱۸۵۸ء کو لکھی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب باغیوں کو امن مل گیا تھا مگر اس کے بعد ۱۸۵۹ء اور ۱۸۶۰ء تک غالب کی بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ دلی کے اندر مسلمانوں کو بغیر ٹکٹ کے آنے کی اجازت نہ تھی۔ غالباً انتظاماً بعض حکام مقامی نے ایسا کیا ہوگا ورنہ ملکہ وکٹوریا امن عام کا اشتہار دے چکی تھیں جو ۱۸۵۸ء میں شائع ہو گیا تھا۔ حسن نظامی)

امدادی خرچ

چند اشخاص کو اس بائیس مہینے میں سال بھر کا روپیہ بطریق مددِ خرچ مل گیا۔ باقی چڑھے ہوئے روپے کے باب میں اور آئندہ ماہ بماہ ملنے کے واسطے ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ سوال امیر خسرو کی انجھی ہے۔ "چیل بسولا لے گئی ہے تو کا ہے چھکوں راب۔" علی بخش خاں پچیس روپے مہینہ پاتے تھے۔ بائیس مہینے کے ساڑھے پانسو روپے ہوتے ہیں۔ ان کو چھ سو روپے مل گئے۔ باقی روپیہ چڑھا رہا۔ آئندہ ملنے میں کچھ کلام نہیں۔ غلام حسن خاں سو روپے مہینے کا پنشن دار۔ بائیس مہینے کے بائیس سو روپے ہوتے ہیں۔ اس کو بارہ سو ملے۔ دیوان کشن لال کا ڈیڑھ سو روپے مہینہ۔ بائیس مہینے کے تین ہزار تین سو

ہوتے ہیں۔ اس کو اٹھارہ سو ملے۔ منا جمعدار دس روپے مہینے کا سکھ لیبر سال بھر کے ایک سو بیس لے آیا۔ اسی طرح پندرہ سولہ آدمیوں کو ملا ہے۔ آئندہ کے واسطے کسی کو کچھ حکم نہیں۔ مجھ کو پھر مدد خرچ نہیں ملا۔ جب کئی خط پر خط لکھے تو آخیر خط پر صاحب کمشنر بہادر نے حکم دیا کہ سائل کو بطریق مدد خرچ سو روپے مل جاویں۔ میں نے وہ سو روپے نہ لئے اور پھر صاحب کمشنر بہادر کو لکھا کہ میں باسٹھ روپے آٹھ آنے مہینہ پانے والا ہوں۔ سال بھر کے ساڑھے سات سو روپے ہوتے ہیں۔ سب پنشن داروں کو سال بھر کا روپیہ، مجھ کو سو روپے کیسے ملتے ہیں۔ مثل اوروں کے مجھے بھی سال بھر کا روپیہ مل جاوے۔ ابھی اس میں کچھ جواب نہیں ملا۔ آبادی کا یہ رنگ ہے کہ ڈھنڈورا پٹوا کر ٹکٹ چھپوا کر اجرٹن صاحب بہادر بطریق ڈاک کلکتہ چلے گئے۔ دلی کے حقاجو باہر پڑے ہوئے ہیں منہ کھول کر رہ گئے۔ اب جب وہ معاودت کریں گے تب شاید آبادی ہوگی یا کوئی اور نئی صورت نکل آئے۔

(نوٹ یہ تحریر فروری ۱۸۵۹ء کی ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۵۸ء میں اشتہار امن کے بعد بھی حکام انتظامی نے دہلی کے آباد ہونے میں احتیاط کی تھی۔ حسن نظامی)

دربار میں غالب تھے اور مہاجن

رگ قلم کی خونابہ فشانی دیکھو۔ گورنر اعظم نے میرٹھ میں دربار کا حکم دیا۔ صاحب کمشنر بہادر دہلی نے سات جاگیرداروں میں سے جو تین بقیۃ السیف تھے ان کو حکم دیا اور دربار عام میں سے سوائے میرے کوئی نہ تھا یا چند مہاجن۔ مجھ کو بھی حکم نہ پہنچا۔ جب میں نے استدعا کی تو جواب ملا کہ اب نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی عادت قدیم کے موافق خیمہ گاہ میں پہنچا۔ مولوی اظہار حسین خان صاحب بہادر سے ملا۔ چیف سکرٹر بہادر کو اطلاع کی۔ جواب آیا کہ فرصت نہیں۔ میں سمجھا کہ اس وقت فرصت نہیں، دوسرے دن پھر گیا۔ میری اطلاع کے بعد حکم ہوا کہ ایام غدر میں تم باغیوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ اب گورنمنٹ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟ اس دن چلا آیا۔ دوسرے دن میں نے انگریزی خط ان کے نام لکھ کر ان کو بھیجا۔ مضمون یہ کہ باغیوں سے میرا اختلاط مظنہ محض ہے۔ امیدوار ہوں کہ اس کی تحقیقات ہو تا کہ میری صفائی اور بے گناہی ثابت ہو۔ یہاں کے مقامات پر جواب نہ ہوا۔ اب ماہ گذشتہ یعنی فروری میں پنجاب کے ملک سے جواب آیا کہ لارڈ صاحب بہادر فرماتے ہیں کہ ہم تحقیقات نہ کریں گے۔ بس یہ مقدمہ طے ہوا۔ دربار و خلعت مسدود۔ پنشن موقوف۔ وجہ نامعلوم۔ لا موجود الا اللہ ولا موثر فی الوجود الا اللہ۔ ۱۸۵۵ء میں نواب یوسف علی خاں بہادر والئ رامپور کہ میرے آشنائے قدیم ہیں، اس سال ۱۸۵۵ء میں میرے شاگرد ہوئے۔ ناظم ان کو تخلص دیا گیا۔ بیس پچیس غزلیں اردو کی بھیجتے۔ میں اصلاح دے کر بھیج دیتا۔ کچھ روپیہ اُدھر سے آتا رہتا۔ قلعہ کی تنخواہ جاری انگریزی پنشن کھلا ہوا۔ ان کے عطایا فتوح گنے جاتے تھے۔ جب یہ دونوں تنخواہیں جاتی رہیں تو زندگی کا مدار ان کے عطیہ پر رہا۔ بعد فتح دہلی وہ ہمیشہ میرے مقدم کے خواہاں رہتے تھے۔ میں غدر کرتا تھا۔ جب جنوری ۶۰ء میں گورنمنٹ سے وہ جواب پایا کہ اوپر لکھ آیا ہوں تو میں آخر جنوری میں رام پور گیا۔ چھ سات ہفتے وہاں رہ کر دتی آیا۔

غالب کے استقلال نے فتح پائی

۱۸۶۰ء میں لارڈ صاحب بہادر نے میرٹھ میں دربار کیا۔ صاحب کمشنر بہادر دہلی کو ساتھ لے گئے۔ میں نے پوچھا کہ میں بھی چلوں۔ فرمایا کہ نہیں۔ جب لشکر میرٹھ سے دلّی میں آیا موافق اپنے دستور کے روز ورود لشکر مخیم میں گیا۔ میر منشی صاحب سے ملا۔ ان کے خیمہ سے اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرٹر بہادر کے پاس بھیجا۔ جواب آیا کہ تم غدر کے زمانہ میں بادشاہی باغی کی خوشامد کیا کرتے تھے۔ اب گورنمنٹ کو تم سے ملنا منظور نہیں۔ میں گدا میرم اس حکم پر ممنوع نہ ہوا۔ جب لارڈ صاحب بہادر کلکتہ پہنچے۔ میں نے قصیدہ حسب معمول قدیم بھیج دیا۔ مع اس حکم کے واپس آیا کہ آپ یہ چیزیں ہمارے پاس نہ بھیجا کرو۔ میں مایوس مطلق ہو کر بیٹھ رہا اور حکام شہر سے ملنا ترک کیا۔ واقع اواخر ماہ گذشتہ یعنی فروری ۱۸۶۲ء نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب دلّی آئے۔ اہالیان شہر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر و صاحب کمشنر کے پاس دوڑے اور اپنے نام لکھوائے۔ میں تو بیگانہ محض اور مطرود حکام تھا۔ جگہ سے نہ ہلا۔ کسی سے نہ ملا۔ دربار ہوا ہر ایک کامگار ہوا۔ شنبہ ۸ فروری کو آزادانہ منشی من پھول سنگھ صاحب کے خیمہ میں چلا گیا۔ اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرٹر بہادر کے پاس بھیجا۔ بلایا گیا۔ مہربان پا کر نواب صاحب کی ملازمت کی استدعا کی۔ وہ بھی حاصل ہوئی۔ وہ حکام جلیل القدر کی وہ عنایتیں دیکھیں جو میرے تصور میں بھی نہ تھیں۔ بقیہ روداد یہ ہے کہ دوشنبہ دوم مارچ کو سواد شہر مخیم خیام گورنری ہوا۔ آخر روز میں اپنے شفیق قدیم جناب مولوی اظہار حسین خاں بہادر کے پاس گیا۔ اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ تمہارا دربار و خلعت بدستور بحال و برقرار ہے۔ متحیرانہ میں نے پوچھا کہ حضرت کیونکر؟ حضرت نے کہا کہ حاکم حال نے ولایت سے آ کر تمہارے علاقہ کے سب کاغذ انگریزی و فارسی دیکھے اور بہ اجلاس کونسل حکم لکھوایا کہ اسد اللہ خاں کا دربار اور نمبر اور خلعت بدستور بحال و برقرار رہے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت یہ امر کس اصل پر متفرع ہوا؟ فرمایا کہ ہم کو کچھ معلوم نہیں۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ یہ حکم دفتر میں لکھوا کر چودہ دن یا پندرہ دن بعد ادھر کو روانہ ہوئے ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ۔

کارساز ما بفکر کار ما فکر ما در کار ما آزار ما

سہ شنبہ ۲۳ مارچ کو ۱۲ بجے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مجھ کو بلایا۔ خلعت عطا کیا اور فرمایا کہ لارڈ صاحب بہادر کے ہاں کا دربار و خلعت بھی بحال ہے۔ انبالے جاؤ گے تو دربار و خلعت پاؤ گے۔ عرض کیا گیا حضور کے قدم دیکھے۔ خلعت پایا۔ لارڈ صاحب بہادر کا حکم سن لیا۔ نہال ہو گیا۔ اب انبالے کہاں جاؤں۔ جیتا رہا تو اور دربار میں کامیاب ہو رہوں گا۔

کار دنیا کسے تمام نہ کرد ہر چہ گیرید مختصر گیرید

سر ولیم میور اور غالب

پنشن قدیم اکیس مہینے سے بند اور میں سادہ دل فتوح جدید کا آرزومند۔ پنشن کا احاطہ پنجاب کے حکام پر مدار ہے۔ سوان کا یہ شیوہ اور یہ شعار ہے کہ روپیہ دیتے ہیں نہ جواب نہ مہربانی نہ عتاب خیر اس سے قطع نظر کی۔ ۱۸۵۶ء سے بموجب تحریر وزیر اودھ عطیہ شاہی کا امیدوار ہوں۔ تقاضا کرتے ہوئے شرماؤں۔ اگر گنہگار ٹھہرتا تو گولی یا پھانسی سے مرتا۔ اس بات پر کہ میں بے گناہ ہوں مقید اور مقتول نہ ہونے سے آپ اپنا گواہ ہوں۔ پیشگاہ گورنمنٹ کلکتہ میں جب کوئی کاغذ

بھجوایا ہے' بقلم چیف سکرٹر بہادر اس کا جواب پایا ہے۔ اب کی بار دو کتابیں بھیجیں۔ ایک پیشکش گورنمنٹ اور ایک نظر شاہی ہے۔ نہ اس کے قبول کی اطلاع' نہ اس کے ارسال سے آگاہی ہے۔ جناب ولیم میور صاحب بہادر نے بھی عنایت نہ فرمائی' ان کی بھی کوئی تحریر مجھ کو نہ آئی۔ یہ سب ایک طرف۔ اب خبریں ہیں مختلف۔ کہتے ہیں کہ چیف سکرٹر بہادر لفٹنٹ گورنر ہو گئے۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ ان کی جگہ کون سے صاحب عالیشان چیف سکرٹر ہوئے۔ مشہور جناب ولیم میور صاحب بہادر صدر بورڈ میں تشریف لے گئے۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ لفٹنٹ گورنری کے سکرٹری کا کام کس کو دیئے گئے۔

انگریزوں کے احسان کی یاد شریف ہندوستانی کے دل میں

جناب آرنلڈ صاحب بہادر آج تشریف لے گئے۔ سنتا ہوں کہ کلکتہ جائیں گے۔ میم اور بچوں کو ولایت بھیج کر پھر آئیں گے۔ مجھ سے وہ سلوک کر گئے ہیں اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں کہ قیامت تک ان کا شکر گزار رہوں گا۔

غدر میں تم کہاں تھے

خدا جب کا بھلا کرے۔ مجھ کو ڈپٹی کمشنر نے بلا بھیجا تھا۔ صرف اتنا ہی پوچھا کہ غدر میں تم کہاں تھے؟ جو ماجرا سب ہوا وہ کہا گیا۔ دو ایک خط آمد و ولایت میں نے پڑھائے۔ تفصیل لکھ نہیں سکتا۔ انداز ادا سے پنشن کا بحال و برقرار رہنا معلوم ہوتا ہے' مگر پندرہ مہینے پچھلے ملتے نظر نہیں آتے۔

غالب کی مفلسی کوتوالی میں

یہ تو آفت دلی ہی پر ٹوٹ پڑی ہے۔ لکھنؤ کے سوا اور شہروں میں عملداری کی وہ صورت ہے' جو غدر سے پہلے تھی۔ اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ میں نے بھی دیکھے۔ فارسی عبارت یہ ہے:

''ٹکٹ آبادی درون شہر دہلی بشرط ادخال جرمانہ'' مقدار روپے کی حاکم کی رائے پر ہے۔ آج پانچ ہزار ٹکٹ چھپ چکا ہے۔ کل اتوار یوم التعطیل ہے۔ پرسوں دوشنبہ سے دیکھئے یہ کاغذ کیونکر تقسیم ہوں۔ یہ تو کیفیت شہر کی ہے۔ میرا حال سنو۔ بائیس مہینے کے بعد پرسوں کوتوال کو حکم آیا ہے کہ اسد اللہ خاں پنشن دار کی کیفیت لکھو کہ وہ بے مقدور اور محتاج ہے کہ نہیں۔ کوتوال نے موافق ضابطہ کے مجھ سے چار گواہ مانگے ہیں۔ سو کل چار گواہ کوتوالی چبوترے جائیں گے اور میری بے مقدوری ظاہر کر آئیں گے۔ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ بعد ثبوت مفلسی چڑھا ہوا روپیہ مل جائے گا اور آئندہ کو پنشن جاری ہو جائے گا۔

(نوٹ کوتوالی میں اظہار مفلسی کے واقعہ کو کس رقت خیز انداز سے لکھا ہے کہ مجبوری سب کچھ کراتی ہے۔ اس پر بھی یہ یقین نہیں کہ نتیجہ مفید نکلے گا۔ حسن نظامی)

شرفا کی تصویر افلاس

پنشن کا حال کچھ معلوم نہیں۔ حاکم خط کا جواب نہیں لکھتا۔ عملہ میں ہر چند تجسس کیجئے کہ ہمارے خط پر کیا حکم ہوا۔

کوئی کچھ نہیں بتاتا۔ بہرحال اتنا سنا ہے اور دلائل اور قرائن سے معلوم ہوا ہے کہ میں بے گناہ قرار پایا ہوں اور ڈپٹی کمشنر بہادر کی رائے میں پنشن پانے کا استحقاق رکھتا ہوں۔ پس اس سے زیادہ نہ مجھے معلوم نہ کسی کو خبر۔ میں کتابیں کہاں سے چھپواتا۔ روٹی کھانے کو نہیں۔ شراب پینے کو نہیں۔ جاڑے آتے ہیں لحاف تو شک کی فکر ہے۔ کتابیں کیا چھپواؤں گا۔

(نوٹ یہ غالب نے اپنا ہی حال نہیں لکھا بلکہ غدر کے بعد جو حالت شرفائے دہلی کی ہوئی تھی اس کی تصویر بھی دکھادی ہے۔

جو لوگ بے امنی کے خواستگار ہیں ان حالات کو ذرا نظر عبرت سے پڑھیں۔ حسن نظامی)

گورنر جنرل نے غالب کی قدر دانی کی

صاحب کمشنر بہادر دہلی یعنی جناب سانڈرس صاحب بہادر نے مجھ کو بلایا۔ پنجشنبہ ۲۴ فروری کو میں گیا۔ صاحب شکار کو سوار ہو گئے تھے۔ میں الٹا پھر آیا۔ جمعہ ۲۵ فروری کو گیا۔ ملاقات ہوئی۔ کرسی دی۔ بعد پرسش مزاج کے ایک خط انگریزی چار ورق کا اٹھا کر پڑھتے رہے۔ جب پڑھ چکے تو مجھ سے کہا کہ یہ خط ہے میکلوڈ صاحب حاکم اکبر صدر بورڈ پنجاب کا۔ تمہارے باب میں لکھتے ہیں کہ ان کا حال دریافت کر کے لکھو۔ سو ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم ملکہ معظمہ سے خلعت کیا مانگتے ہو؟ حقیقت کہی گئی۔ ایک کاغذ آمدہ ولایت لے گیا تھا۔ وہ پڑھوا دیا۔ پھر پوچھا۔ تم نے کتاب کیسی لکھی ہے؟ اس کی حقیقت بیان کی۔ کہا ایک میکلوڈ صاحب دیکھنے کو مانگتے ہیں اور ایک ہم کو دو۔ میں نے عرض کیا۔ کل حاضر کروں گا۔ پھر پنشن کا حال پوچھا۔ وہ گزارش کیا۔ اپنے گھر آیا اور خوش آیا۔ حاکم پنجاب کو مقدمہ ولایت کی کیا خبر۔ کتابوں سے کیا اطلاع۔ پنشن کی پرسش سے کیا مدعا۔ یہ استفسار بحکم نواب گورنر جنرل ہوا ہے اور یہ صورت مقدمہ فتح و فیروزی ہے۔

(نوٹ کتاب "دستنبو" نے گورنر جنرل کے خیالات غالب کی طرف متوجہ کئے جیسا کہ میں نے ایک جگہ لکھا ہے۔ اس عبارت سے اس خیال کی مزید تائید ہوتی ہے۔ حسن نظامی)

۱۸۶۰ء میں املاک واگزاشت

دربار لارڈ صاحب کا میرٹھ میں ہوا۔ دلی کے علاقہ کے جاگیردار بموجب حکم کمشنر دہلی میرٹھ گئے۔ موافق دستور قدیم مل آئے۔ غرضیکہ پنجشنبہ ۲۹ دسمبر کو پہر دن چڑھے لارڈ صاحب یہاں پہنچے۔ کابلی دروازہ کی فصیل کے تلے ڈیرے ہوئے۔ اسی وقت توپوں کی آواز سنتے ہی میں سوار ہو گیا۔ میر منشی سے ملا۔ ان کے خیمہ میں بیٹھ کر صاحب سکرتر کو خبر کروائی۔ جواب آیا کہ فرصت نہیں۔ یہ جواب سن کر نومیدی کی پوٹ باندھ کر لے آیا۔ ہر چند پنشن کے باب میں ہنوز لا و نعم نہیں مگر کچھ فکر کر رہا ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ لارڈ صاحب کل یا پرسوں جانے والے ہیں۔ یہاں کچھ کلام و پیام نہیں ممکن۔ تحریر ڈاک میں بھیجی جائے گی۔ دیکھئے کیا صورت پیش آئے گی۔ مسلمانوں کی املاک کے واگزاشت کا حکم عام ہو گیا ہے۔ جن کو کرایہ پڑلی ہے۔ ان کو کرایہ معاف ہو گیا ہے۔ آج یکشنبہ یکم جنوری ۱۸۶۰ء ہے پہر دن چڑھا ہے۔

(نوٹ ۱۸۵۸ء کے اعلان ملکہ وکٹوریہ سے صرف جاں بخشی ہوئی تھی۔ جائداد کی رہائی خصوصاً مسلمانوں کی املاک کی واگزاشت ۱۸۶۰ء میں ہوئی جیسا کہ غالب نے لکھا ہے۔ حسن نظامی)

گورنر غالبؔ کے بسیار مہربان دوستان

نواب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کو نسخہ "دستنبو" بسبیل ڈاک بھیجا تھا۔ ان کا خط فارسی مشعر تحسین عبارت و قبول مصدق ارادت و مودت بسبیل ڈاک آ گیا۔ پھر قصیدہ و بہاریہ تہنیت و مدحت میں بھیجا گیا۔ اس کی رسید آ گئی۔ وہی خان صاحب بسیار مہربان دوستان القاب اور کاغذ افشانی۔ ازاں بعد ایک قصیدہ جناب رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب کی مدح میں بتوسط صاحب کمشنر بہادر دہلی گیا۔ اس کے جواب میں بھی خوشنودی نامہ بتوسط کمشنر بہادر کل مجھ کو آ گیا۔ پنشن ابھی تک مجھ کو نہیں ملی۔

(نوٹ اس عبارت سے کئی باتیں نئی معلوم ہوئیں۔ ایک تو گورنر کا فارسی میں خط لکھنا۔ دوسرے مشرقی القاب سے مخاطب کرنا۔ تیسرے مشرقی یعنی افشانی کاغذ پر خط لکھا جانا۔ جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ غدر کے بعد سے انگریزوں نے یہاں کے رسم و رواج کو کتنا زیادہ ترک کر دیا ہے اور یہی وجہ ان کے غیر ہر دل عزیز ہو جانے کی ہے۔

غالبؔ نے ہر جگہ پنشن کو مذکر لکھا ہے مگر یہاں مؤنث لکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ پنشن کا استعمال دونوں طرح جائز ہے۔ حسن نظامی)

سر جان لارنس اور غالبؔ

عرضی میری سر جان لارنس چیف کمشنر بہادر کو گزاری۔ اس پر دستخط ہوئے کہ یہ عرضی مع کاغذ ضمیمہ سائل بھیج دی جائے اور یہ لکھا جائے کہ معرفت صاحب کمشنر دہلی کے پیش کرو۔ اب سررشتہ دار کو لازم تھا کہ میرے نام موافق دستور کے خط لکھتا۔ یہ نہ ہوا۔ وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی میرے پاس آ گئی۔ میں نے خط صاحب کمشنر چارلس سانڈرس کو لکھا اور وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی اس میں ملفوف کر کے بھیج دی۔ صاحب کمشنر نے صاحب کلکٹر کے پاس یہ حکم چڑھا کر بھیجی کہ سائل کے پنشن کی کیفیت لکھو۔ اب وہ مقدمہ صاحب کلکٹر کے ہاں آیا ہے۔ ابھی صاحب کلکٹر نے تعمیل اس حکم کی نہیں کی۔ پرسوں تو ان کے ہاں یہ روبکاری آئی ہے۔ دیکھئے کچھ مجھ سے پوچھتے ہیں یا اپنے دفتر سے لکھ بھیجتے ہیں۔ دفتر کہاں رہا جو اس کو دیکھیں گے۔ بہر حال یہ خدا کا شکر ہے کہ بادشاہی دفتر میں سے میرا نام بجرم شمول فساد میں پایا نہیں گیا اور میں حکام کے نزدیک یہاں تک پاک ہوں کہ پنشن کی کیفیت طلب ہوئی ہے اور میری کیفیت کا ذکر نہیں ہے یعنی سب جانتے ہیں کہ اس کو لگاؤ نہ تھا۔

افلاس شاعری پر بھی غالب ہے

ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار میں مجھ کو سات پارچے اور تین رقم جواہر خلعت ملتا تھا۔ لارڈ کیننگ صاحب میرا دربار و خلعت بند کر گئے ہیں۔ نا امید ہو کر بیٹھ رہا اور مدت العمر کو مایوس ہو رہا۔ اب جو یہاں لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے ہیں۔ میں جانتا تھا کہ یہ بھی مجھ سے نہ ملیں گے۔ کل انہوں نے مجھ کو بلا بھیجا۔ بہت ہی عنایت فرمائی اور فرمایا

کہ لارڈ صاحب دلّی میں دربار نہ کریں گے۔ میرٹھ ہوتے ہوئے اور میرٹھ میں ان اضلاع کے علاقہ داروں اور مالگذاروں کا دربار کرتے ہوئے انبالے جائیں گے۔ دلّی کے لوگوں کا دربار وہاں ہوگا۔ تم بھی انبالے جاؤ۔ شریک دربار ہو کر خلعت معمولی لے آؤ۔ کیا کہوں کہ کیا میرے دل پر گزری۔ گویا مردہ جی اٹھا مگر ساتھ اس مسرت کے یہ بھی سناٹا گزرا کہ سامان سفر انبالہ ومصارف بے انتہا کہاں سے لاؤں اور طرہ یہ کہ نذر معمولی میری قصیدہ ہے اور ہر قصیدہ کی فکر اُدھر۔ روپیہ کی تدبیر حواس ٹھکانے نہیں۔ شعر کام دل ودماغ کا ہے۔ وہ روپیہ کی فکر میں پریشان۔ میرا خدا یہ مشکل بھی آسان کرے گا۔

دن کی روٹی رات کی شراب

بہ نسبت حکیم احسن اللہ خاں کے جو بات مشہور ہے وہ محض غلط۔ ہاں مرزا الٰہی بخش جو شاہزادوں میں ہیں۔ ان کو حکم کراچی بندر جانے کا ہے اور وہ انکار کر رہے ہیں۔ دیکھئے کیا حکم ہوتا ہے۔ حکیم جی کو ان کی حویلیاں مل گئی ہیں۔ اب وہ مع قبائل ان مکانوں میں جا رہے ہیں۔ اتنا حکم ان کو ہے کہ شہر سے باہر نہ جائیں۔ رہا میں

ع تو بیکسی دہر ہیچ ترا کی ئہ سد

نہ جزا نہ سزا نہ نفرین نہ آفرین نہ عدل نہ ظلم نہ لطف نہ قہر۔ پندرہ دن پہلے تک دن کو روٹی رات کو شراب ملتی تھی۔ اب صرف روٹی ملے جاتی ہے۔ شراب نہیں۔ کپڑا ایام عمر کا بنا ہوا ابھی ہے۔ اس کی کچھ فکر نہیں۔

(نوٹ: حکیم احسن اللہ خاں صاحب کی نسبت دلّی میں مشہور ہوا تھا کہ وہ بھی جلاوطن کئے جائیں گے۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔ مرزا الٰہی بخش کی جلاوطنی منسوخ ہوئی اور وہ مرتے دم تک درگاہ حضرت سلطان جی میں رہے۔ غالب کی قبر کے پاس ان کا شاندار مکان بنا جواب کھنڈر پڑا ہے۔ جلاوطنی ہی منسوخ نہیں ہوئی بلکہ بارہ سو روپے ماہوار پنشن بھی نسلاً بعد نسلاً دی گئی جو ان کے بیٹوں مرزا سلیمان شکوہ عرف بڑے مرزا اور مرزا ثریا جاہ اور مرزا اقبال شاہ میں تقسیم ہوئی اور اب مرزا ثریا جاہ کے مرنے کے بعد ان کی بیگمات وورثا کو ملتی ہے۔ مرزا الٰہی بخش اور ان کے لڑکے درگاہ حضرت سلطان جی کے شرقی رخ سنگ سرخ کی جالیوں کے اندر دفن ہیں۔ مرزا الٰہی بخش آخر میں خیر خواہ سرکار ثابت ہوئے تھے۔ بہادر شاہ کے سمدھی تھے۔ حسن نظامی)

غدر کے دفتر شاہی میں غالب کا نام نہ تھا

دفتر شاہی میں میرا نام مندرج نہیں نکلا۔ کسی مخبر نے نسبت میرے کوئی خبر بدخواہی کی نہیں دی۔ حکام وقت میرا ہونا شہر میں جانتے ہیں۔ فراری نہیں ہوں۔ روپوش نہیں ہوں۔ بلایا نہیں گیا۔ دارو گیر سے محفوظ ہوں۔ کسی طرح کی باز پرس ہو تو بلایا جاؤں مگر ہاں جیسا کہ بلایا نہیں گیا۔ خود بھی بروئے کار نہیں آیا۔ کسی حاکم سے نہیں ملا۔ خط کسی کو نہیں لکھا۔ کسی سے درخواست ملاقات نہیں کی۔ مئی سے پنشن نہیں پایا۔ یہ دس مہینے کیونکر گزرے ہوں گے۔ انجام کچھ نظر نہیں آتا۔

غالب کی جان پٹیالہ کے سبب بچی

میں حکیم محمد حسن خاں کے مکان میں نو دس برس سے کرایہ کو رہتا ہوں اور یہاں قریب کیا بلکہ دیوار بدیوار ہیں۔

گھر سکھوں کے۔ اور وہ نوکر ہیں راجہ نرندر سنگھ بہادر والی پٹیالہ کے۔ راجہ نے صاحبان عالیشان سے عہد لے لیا تھا کہ بروقت غارت دلی یہ لوگ بچ رہیں۔ چنانچہ بعد فتح راجہ کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کوچہ محفوظ رہا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں۔ امیر غریب سب نکل گئے۔ جو رہ گئے تھے وہ نکالے گئے۔ جاگیردار' پنشن دار' دولتمند' اہل حرفہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مفصل حال لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ ملازمان قلعہ پر شدت ہے اور باز پرس اور دارو گیر میں مبتلا ہیں' مگر وہ نوکر جو اس ہنگام میں نوکر ہوئے ہیں اور ہنگامے میں شریک ہوئے ہیں۔ میں غریب شاعر دس برس سے تاریخ لکھنے اور شعر کی اصلاح دینے پر متعلق ہوا ہوں خواہی اس کو نوکری سمجھو خواہی مزدوری جانو۔ اس فتنہ و آشوب میں کسی مصلحت میں میں نے دخل نہیں دیا۔ صرف اشعار کی خدمت بجا لاتا رہا اور نظر اپنی بے گناہی پر شہر سے نکل نہیں گیا۔ میرا شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے' مگر چونکہ میری طرف بادشاہی دفتر میں سے یا مخبروں کے بیان سے کوئی بات پائی نہیں گئی' لہٰذا طلبی نہیں ہوئی ورنہ جہاں بڑے بڑے جاگیردار بلائے ہوئے یا پکڑے ہوئے آئے ہیں' میری کیا حقیقت تھی۔ غرضیکہ اپنے مکان میں بیٹھا ہوں۔ دروازے سے باہر نکل نہیں سکتا تھا۔ سوار ہونا اور کہیں جانا اور کہیں آنا تو بہت بڑی بات ہے۔ رہا یہ کہ کوئی میرے پاس آوے۔ شہر میں ہے کون جو آوے؟ گھر گھر بے چراغ پڑے ہیں۔ مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں۔ جرنیلی بندوبست۔ یازدہم مئی سے آج تک یعنی شنبہ پنجم دسمبر ۱۸۵۷ء تک بدستور ہے۔ کچھ نیک و بد کا حال مجھ کو نہیں معلوم' بلکہ ہنوز ایسے امور کی طرف حکام کو توجہ بھی نہیں۔ دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے۔ یہاں باہر سے اندر تک کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا۔ ابھی دیکھا چاہئے۔ مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں؟

پنشن کی نسبت

میں اجرائے پنشن سرکار انگریزی سے مایوس تھا۔ بارے وہ نقشہ پنشن داروں کا جو یہاں سے بن کر صدر کو گیا تھا اور یہاں کے حاکم نے نسبت میرے صاف لکھ دیا تھا کہ یہ شخص پانے کا مستحق نہیں ہے' گورنمنٹ نے برخلاف یہاں کے حاکم کی رائے کے میری پنشن کے اجرا کا حکم دیا اور وہ حکم یہاں آیا اور مشہور ہوا۔ میں نے بھی سنا۔ اب کہتے ہیں کہ ماہ آئندہ یعنی مئی کی پہلی تنخواہوں کا بٹنا شروع ہوگا۔ دیکھا چاہئے پچھلے روپے کے باب میں کیا حکم ہوتا ہے۔

دلی کا دردناک مرثیہ

بسکہ فعال ما یرید ہے ہر سلحشور انگلستان کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دلی کا ذرہ ذرہ خاک تشنہ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یہاں تک آدمی واں نہ جا سکے یہاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا وہی رونا تن و دل و جاں کا

گاہ جل کر کیا کیے شکوہ سوزشِ داغہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کیے باہم ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
اس طرح کے وصال سے غالب کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا

(نوٹ یہ مرثیہ محض شاعری نہیں بلکہ واقعات غدر کی تاریخی تصویر ہے۔ چاندنی چوک میں پھانسیاں کھڑی ہوئی تھیں جن پر روزانہ سینکڑوں آدمیوں کو لٹکایا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ خصوصیت سے سختی برتی جاتی تھی۔ انہی امور کو غالب نے غمناک انداز سے لکھا ہے۔ حسن نظامی)

انگریز بھی غالب کے شاگرد تھے

جب سخت گھبراتا ہوں اور تنگ آتا ہوں تو یہ مصرعہ پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں۔

اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں۔ جو دکھ مجھ کو ہے اس کا بیان تو معلوم مگر اس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ انگریزی قوم میں سے جو ان روسیاہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اس میں کوئی میرا امید گاہ تھا اور کوئی میرا شفیق اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد۔ ہندوستانیوں میں کچھ عزیز، کچھ دوست، کچھ شاگرد، کچھ معشوق۔ سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے۔ جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو اس کو زیست کیونکر نہ دشوار ہو۔ ہائے اتنے یار مرے کہ جو اب میں مروں گا تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(نوٹ غالب کی انصاف پسندی دیکھنا۔ غدر کے مصائب کو بلا تعصب بیان کرتے ہیں۔ انگریزوں پر جو مظالم ہوئے ان کو بھی قلم پر لاتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غدر سے پہلے انگریز دیسی شعرائے شاگرد ہوتے تھے اور شرفاء سے دوستیاں کرتے تھے۔ اب یہ باتیں کہانیاں ہوگئیں۔ حسن نظامی)

غالب انگریزوں کے خیر خواہ تھے

حکم ہوا ہے کہ دوشنبہ کے دن پہلی تاریخ نومبر کو رات کے وقت سب خیر خواہان انگریز اپنے اپنے گھروں میں روشنی کریں اور بازاروں میں اور صاحب کمشنر بہادر کی کوٹھی پر بھی روشنی ہوگی۔

فقیر بھی اس تہی دستی میں کہ آٹھ مہینے سے پنشن مقرری نہیں پاتا، اپنے مکان پر روشنی کرے گا۔

(نوٹ اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے جو کہیں کہیں انگریزوں کے خلاف الفاظ استعمال کیے ہیں، یا اس وقت کی عام زبان تھی ورنہ جشن میں شرکت، گھر پر روشنی کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ حکومت سے عناد نہ رکھتے تھے۔ حسن نظامی)

☆ ☆ ☆

کتاب "دستنبو" کے خلاصے کا ترجمہ

(از مرزا یعقوب بیگ تمانی)

واقعہ غدر پر مصنف کی رائے

آج ابتری کا زمانہ ہے۔ ہر ایک نے اپنی چال کو چھوڑا ہے۔ سپاہ نے ہر جگہ سپہ سالار سے منہ موڑا ہے' بلکہ زمانہ خود اپنی چوکڑی بھولا ہے۔ ستارہ شناسوں کی رائے ہے کہ جب یزدجرد شاہ ایران پر غازیان عرب کے ہاتھوں تباہی آئی تو برج سرطان میں زحل اور مریخ کا اتصال تھا اور وہ تباہی اسی اتصال کا نتیجہ تھی۔ آج کل پھر برج سرطان میں مریخ اور زحل کا اجتماع ہوا ہے' اسی لئے ہر طرف فتنہ وفساد' جنگ وجدال برپا ہے' مگر اہل دانش اس بات کو کب مانیں گے۔ وہاں دو مختلف مملکتوں کی فوجوں کے درمیان جنگ تھی۔ یہاں فوج نے خود اپنے بادشاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے' اس لئے ان دونوں حملوں میں کوئی مشابہت اور دونوں حملہ آوروں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ وہاں ایک مذہبی جنگ تھی جس کے بعد اہل اسلام نے نئی شان وشوکت کے ساتھ ویران ایران کو شاد وآباد کیا اور نئے مذہب یعنی اسلام نے ملک کو نور ایمان سے معمور اور ظلمت آتش پرستی کو ملک سے دور کیا' لیکن یہاں کی لڑائی قانونی ہے' حیران ہوں۔ اہل ہند نے کس نئے قانون کی امید میں یہ بیر بسایا ہے۔ اہل فارس نے آتش کو کھو کر خدا کو پایا' لیکن متحیر ہوں کہ اہل ہند نے کس امید پر ارباب عدل و انصاف کا دامن چھوڑا اور درندہ خصال باغیوں سے رشتہ جوڑا ہے۔ انصاف کی پوچھو تو جو شخص امن وامان' چین وآرام سوائے قلمرو انگریزی کے کہیں اور تلاش کرتا ہے۔ نابینا ہے۔ ایران میں تیغ عرب کے زخم خوردوں کو اسلام نے تلافی کا مرہم عطا کیا۔ ہند میں غدر کی مصیبت کے بعد وہ کونسی راحت ہے' جس سے زمانہ نے مصیبت زدگان غدر کے مصائب کی تلافی کی ہے۔ ارباب دانش بتلائیں کہ وہ کونسی بہتری اور بہبودی ہے جو اس ہنگامہ غدر سے ملک وملت کو حاصل ہوگی؟

اہل ملک والیان ملک سے لڑ رہے ہیں۔ لشکری سالار لشکر کا خون کر رہے ہیں اور پھر خوش ہیں۔ خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے۔ کہاں ہیں حکمت الٰہی کے جاننے والے؟ کہاں ہیں نفع ونقصان' نیک وبد کے پہچاننے والے؟ بتلائیں کہ کیا اس ہنگامہ کا گرم ہونا غضب الٰہی کے سوا کسی اور وجہ سے ہو سکتا ہے؟

باغیوں کا دلی میں داخل ہونا' اہل شہر کی بے بسی اور انگریزوں کا کشت وخون

۱۶ ماہ رمضان ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو علی الصباح یکایک دلی کی شہر پناہ اور قلعہ کی در و دیوار میں زلزلہ پیدا ہوا یعنی میرٹھ چھاؤنی سے کچھ باغی سپاہی بھاگ کر دلی آئے۔ سب کے سب بغاوت پر کمربستہ اور انگریزوں کے خون کے پیاسے تھے۔ شہر پناہ کے محافظوں نے جو باغیوں کے ساتھ ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے قدرتاً ہمدردی رکھتے تھے اور

جو ممکن ہے پہلے سے ان کے ساتھ عہد و پیمان بھی کر چکے ہوں۔ دروازے کھول دیے اور حق نمک اور حفاظت شہر کو بالائے طاق رکھ کر ان ناخواندہ یا خواندہ مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ ان سبک عناد سواروں اور تیز رفتار پیادوں نے جب شہر کے دروازوں کو کھلا ہوا اور دربانوں کو مہمان نواز پایا تو دیوانہ وار ہر طرف دوڑ پڑے اور جہاں جہاں انگریز افسروں کو پایا' قتل کر ڈالا اور ان کی کوٹھیوں میں آگ لگا دی۔ اہل شہر جو سرکار انگریزی کے نمک خوار تھے اور حکومت انگریزی کے سائے میں امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے' ہتھیار سے بیگانہ' تیر و تبر میں بھی امتیاز نہ کر سکتے تھے۔ نہ ہاتھ میں تیر رکھتے تھے نہ شمشیر۔ سچ پوچھو تو یہ لوگ صرف اس مطلب کے تھے کہ گلی کوچوں کو آباد کریں۔ اس گوں کے ہرگز نہ تھے کہ جنگ و جدل کے واسطے کمربستہ ہوں۔ اس کے علاوہ تیز رو سیلاب کو گھاس پھوس کب روک سکتا ہے۔ ان غریبوں نے اپنے آپ کو اس آفت ناگہانی کے آگے عاجز اور بے بس پایا' اس لئے گھروں کے اندر غم اور ماتم میں رہے۔ بندہ بھی ان ہی ماتم زدگان میں سے ہے۔ گھر میں بیٹھا تھا کہ شور و غوغا بلند ہوا۔ قبل اس کے کہ سبب دریافت ہو' چشم زدن میں صاحب ایجنٹ بہادر کے قلعہ میں مارے جانے کی خبر آئی۔ ساتھ ہی معلوم ہوا کہ سوار اور پیادے ہر گلی کوچے میں گشت لگا رہے ہیں۔ پھر تو کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو گل اندامون کے خون سے رنگین نہ ہو اور باغ میں کوئی جائے گل گشت ایسی نہ تھی جو ویرانی میں مانند گورستان نہ ہو۔ کیسے کیسے انگریز افسر' منصف مزاج' دانشور' نیک نام آور تلوار کے گھاٹ اترے۔ کیسی کیسی پری چہرہ' نازک اندام' خاتونان فرنگ خاک و خون میں نہائیں۔ افسوس ان کے ننھے ننھے بچے جن کی شگفتہ روئی لالہ و گل پر ہنستی تھی اور جن کی خوش خرامی کبک و چکور کو شرماتی تھی' کس طرح تیغ بے دریغ کے نذر ہوئے۔ اگر موت ان مقتولوں کے سرہانے ماتم میں سیاہ پوش ہو کر گریہ وزاری کرے تو روا ہے۔ اگر آسمان خاک ہو کر برسے اور زمین غبار ہو کر اڑے تو بجا ہے۔

اے نو بہار چوں تن بسمل بخوں بغلط — اے روزگار چوں شب بے ماہ تار شو

اے آفتاب روئے بسیلی کبود کن — اے ماہتاب داغ دل روزگار شو

باغیوں کا طرز عمل اور اس پر مصنف کی رائے

خدا خدا کر کے وہ دن گزرا اور شام ہوئی۔ سیاہ دل باغیوں نے نہ صرف جا بجا شہر میں قیام کیا بلکہ قلعے میں شاہی اصطبل اور شاہی محلسرا کو اپنی خواب گاہ بنایا۔ رفتہ رفتہ دوسرے مقامات سے خبر آئی کہ باغی سپاہیوں نے فوجی افسروں اور انگریز عہدہ داران کو قتل کر دیا اور جوق جوق سپاہی اور کاشتکار متفق اور متحد ہو رہے ہیں اور سب کے سب بغاوت پر کمربستہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کے سب جھاڑو کی طرح ایک ہی بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ کیوں نہ ہو' ہندوستان پر اس طرح جھاڑو پھیرنے کے لئے کہ اگر آرام و آسائش گھاس کے تنکے کے برابر بھی ڈھونڈیں' تو کہیں میسر نہ آئے' ایک ایسی ہی جھاڑو کی ضرورت ہے۔ ہزارہا لشکر جمع ہو رہا ہے' مگر ہر لشکر ایک بے سری فوج ہے۔ تماشا یہ ہے کہ توپ' بندوق' گولہ بارود سب انگریزوں ہی سے حاصل کیا اور پھر انگریزوں ہی سے لڑائی ہے۔ قواعد جنگ' فنون سپہ گری سب انگریزوں ہی سے سیکھے اور انگریزوں ہی کے مقابلہ میں ان کے استعمال کی تیاری ہے۔ آخر دل ہے نہ سنگ و خشت تو نہیں کہ نہ جلے۔ آنکھ ہے روزن دیوار نہیں کہ نہ روئے۔ دل کیوں نہ جلے کہ بیگناہ انگریزوں کے قتل کا داغ لئے ہوئے ہے۔ آنکھ کیوں نہ

روئے کہ ہندوستان کی تباہی دیکھ رہی ہے۔ شہر والیان شہر سے خالی ہو کر بے آقا کے غلاموں سے معمور ہیں۔ چور اور ڈاکوؤں کو نہ گرفتاری کا ڈر ہے نہ قید کا خطر۔ محلے ویران اور بازار لوٹ کا میدان ہیں۔ ڈاک بند ہے جس سے نہ صرف نامہ و پیام بلکہ تمام کام درہم برہم ہیں۔ حامیان دین و آئین فرمائیں کہ کیا یہ رونے کا مقام نہیں کہ ڈاک جیسی نعمت خداداد درہم برہم ہو جائے جس کے یہ معنی ہیں کہ مصیبت نازل ہو اور عزیزوں کو مصیبت کی خبر تک نہ ہو۔ نیرنگی زمانہ دیکھیے کہ جو کشور کشائی اور جہانبانی کا دم بھرتے تھے آج اپنے سایہ سے ڈرتے ہیں اور نقیب و چوبدار شاہ و گدا سب پر حکومت کرتے ہیں۔ پھر ستم یہ کہ مصیبت پر گریہ و ماتم کرو تو نشانہ ملامت و ظرافت بنو۔ اگر اس آفت سے بیزار اور اس ماتم میں سینہ فگار ہو تو ضعف ایمان کے طعنے سنو۔

دہلی میں باغیوں کا اجتماع اور لڑائی کا آغاز

الغرض سرکش باغیوں نے شہر میں داخل ہوتے ہی کچھ زر و مال اپنے ساتھ لائے تھے۔ سب شاہی خزانہ میں داخل کر دیا اور آستان شاہی پر جبین اطاعت کو رکھا۔ چشم زدن میں بے انتہا فوج دہلی میں جمع ہو گئی۔ چونکہ ضعیف بادشاہ اس بے شمار لشکر کو نہ روک سکا اور قابو میں نہ رکھ سکا' بے قابو ہو گیا اور لشکر کے قابو میں آ گیا۔ باغیوں کا قاعدہ تھا کہ جہاں جہاں سے گزرتے' قید خانوں سے قیدیوں کو چھوڑتے جاتے تھے۔ چنانچہ پرانے پرانے قیدی قید سے رہا ہو کر دربار میں حاضر ہوئے اور خدمت گاری اور سرداری کے باصرار خواستگار ہوئے۔ کمال یہ ہے کہ ہر شخص کو دربار شاہی میں باریابی حاصل ہو جاتی تھی۔ غرض شہر کے اندر اور باہر کم و بیش پچاس ہزار پیادے اور سوار جمع ہو گئے۔ انگریزوں کے پاس علاقہ دہلی میں سے سوائے اس پہاڑی کے جو شہر کے پہلو میں واقع ہے' اور کچھ باقی نہ رہا۔ چنانچہ ان اہل دانش نے اسی جائے تنگ میں دمدمے اور مورچے بنائے اور ان پر زبردست توپیں لگائیں۔ دیسیوں نے بھی جو توپیں میگزین سے اڑائی تھیں' ان کو لے جا کر قلعہ پر نصب کیا اور دونوں جانب سے گولہ باری شروع ہوئی۔ مئی اور جون کی گرمی تھی اور آفتاب کی حرارت دن بدن زیادتی پر تھی۔ باغی ہر روز صبح کو انگریزی فوج کے مقابلہ کے واسطے نکلتے اور سورج غروب ہونے سے پہلے واپس آ جاتے تھے۔

حکیم احسن اللہ خاں صاحب پر حملہ

اندرون شہر کی کیفیت بھی سننے کے قابل ہے۔ ایک شخص جو حکیم احسن اللہ خاں صاحب کا پروردہ اور آوردہ تھا اور جو خیانت سے بہت کچھ روپیہ جمع کر چکا تھا' اس خیال سے کہ جب تک حکیم صاحب جن کو اس کی خرد برد کا علم تھا' زندہ ہیں' راز فاش ہونے کا اندیشہ رہے گا۔ ان کے قتل کے درپے ہوا اور یہ افواہ اڑائی کہ حکیم صاحب انگریزوں کے خیر خواہ اور طرفدار ہیں۔ اس طرح باغیوں کو ان کے خلاف برانگیختہ کیا' چنانچہ ایک روز بدبخت باغی حکیم صاحب کو قتل کرنے کے لئے ان کے دولت کدہ پر حملہ آور ہوئے' مگر خوش قسمتی سے حکیم صاحب اس وقت قلعہ میں بادشاہ کی خدمت میں تشریف رکھتے تھے' چنانچہ ان ناہنجاروں میں سے کچھ لوگ قلعہ پہنچے اور حکیم صاحب کو گھیر لیا۔ بادشاہ سلامت نے اپنے آپ کو حکیم صاحب

پر ڈال دیا اوران کی جان بچائی۔ اگرچہ حکیم صاحب کی جان بچ گئی' مگر بد بخت باغیوں کواس وقت تک چین نہ آیا جب تک کہ انہوں نے حکیم صاحب کا مکان لوٹ کراس میں آگ نہ لگادی۔ افسوس کوئی غلام جب تک اس کی اصل میں فرق نہ ہوا' اپنے آقا کے ساتھ ایسا نہ کرے گا۔

بہادر شاہ کے معاون

جب شاہی جھنڈے کے نیچے بکثرت پیادہ وسوار جمع ہو گئے تو تفضل حسین خاں والی فرخ آباد نے جو پہلے کبھی بادشاہ کی طرف رخ بھی نہ کرتا تھا' ایک خط کے ذریعہ اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ اُدھر خان بہادر خاں نے بریلی میں ایک عظیم الشان لشکر جمع کر کے علم بغاوت بلند کیا اور ایک سو ایک اشرفیاں اور آراستہ ہاتھی گھوڑے بادشاہ کی خدمت میں بطور پیشکش روانہ کئے' لیکن نواب یوسف علی خاں بہادر فرماں روائے رامپور نے جن کی دوستی سرکار انگریزی کے ساتھ بے حد استوار تھی' بادشاہ کی خدمت میں ایک خشک پیام ہی بھیجنے پر اکتفا کی اور یہ بھی صرف ہمسایوں کے طعنوں سے بچنے کے واسطے کیا۔ لکھنؤ میں بغاوت شروع ہوتے ہی صاحبان انگریز شہر سے نکل گئے اور دیگر مستحکم مقامات میں اپنے بھائیوں اور فدائیوں سے جا ملے' لیکن بعض افسران انگریز اپنے ہمراہیوں سمیت لکھنؤ ہی میں مقام بیلی گارد میں قلعہ بند ہو گئے۔ شرف الدولہ نے جو شاہان اودھ کا وزیر مشہور تھا' واجد علی شاہ کی اولاد میں سے ایک دس سالہ لڑکے کو تخت پر بٹھایا اور خود وزیر بنا اور ایک پیشکش گراں بہا بادشاہ دہلی کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب یہ نذرانہ بادشاہ کی خدمت میں پہنچا تو بادشاہ کو اپنی کامیابی کی کافی امید ہو گئی اور خیال کیا کہ پھر ستارۂ اقبال چمکا' مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد بادشاہ کا ستارہ اقبال ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

شہر دہلی کے اندر لڑائی اور قتل وغارت گری اور اُس پر مصنف کی رائے

۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزی سپاہ نے اس شدومد کے ساتھ کشمیری دروازہ پر گولہ باری کی کہ کالوں کی سپاہ میں بھاگڑ پڑ گئی۔ اگرچہ گیارہ مئی سے چودھویں ستمبر تک چار ماہ اور چار روز کا وقفہ تھا' لیکن چونکہ شہر دوشنبہ ہی کے روز ہاتھ سے نکلا اور شنبہ ہی کو پھر قبضہ میں آ گیا' اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی دن کے اندر شہر ہاتھ سے نکلا اور ہاتھ میں آ گیا۔

غرض فتح مند فوج اس سڑک سے جو ان کے سامنے تھی' شہر میں داخل ہوئی۔ جو شخص راہ میں ملا قتل کر دیا گیا۔ معززین شہر اپنی آبرو کو بچائے ہوئے گھروں میں پڑے رہے۔ باغی شہر سے بھاگ نکلے۔ کچھ ایسے تھے جنہوں نے مقابلہ کیا اور سینہ سپر ہو کر لڑے۔ اپنے نزدیک دوسروں کو کاٹا' مگر میرے نزدیک اہل دہلی کی جڑیں کاٹ گئے۔ دو تین روز تک شہر میں کشمیری دروازہ سے لے کر چاروں طرف کوچہ بازار میدانِ کارزار بنے رہے۔ رفتہ رفتہ صرف تین دروازے یعنی اجمیری دروازہ' ترکمان دروازہ اور دہلی دروازہ کالوں کے قبضہ میں رہ گئے۔ گوروں نے شہر میں داخل ہوتے ہی بیگناہوں اور بینواؤں کو قتل کرنا شروع کیا اور جابجا مکانات میں آگ لگادی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی مقام سخت خونریزی کے بعد حملہ آور کے قبضہ میں آتا ہے تو اس مقام کے رہنے والوں پر اسی قسم کی سختیاں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔

جب اہل شہر نے فتح مندوں کی یہ کینہ وری اور غیظ و غضب دیکھا تو ان کی امید نا امیدی سے بدل گئی اور بے شمار غربا و شرفا اپنی مستورات کو لے کر ان تینوں دروازوں میں سے شہر چھوڑ کر نکل گئے اور شہر کے باہر چھوٹی چھوٹی بستیوں اور قبرستانوں میں جا کر دم لیا۔ جب وہاں بھی چین نہ ملا تو ان میں سے بہت سے سفر کے مصائب اٹھاتے دور دراز مقامات میں چلے گئے۔

۱۴ ستمبر کے بعد پانچ روز تک شہر کے اندر کالے اور گوروں میں جابجا لڑائی ہوتی رہی' یہاں تک کہ رفتہ رفتہ کالے پیچھے ہٹتے گئے اور گورے شہر پر قابض ہوتے گئے۔ بالآخر ۱۸ ستمبر کو جمعہ کے روز شہر کالوں سے خالی ہو گیا اور دہلی اور قلعہ دہلی پر انگریزوں کا پورا پورا تسلط ہو گیا۔ اس کے بعد پکڑ دھکڑ قتل و غارت گری کا بازار اور زیادہ گرم ہوا۔

گوروں کا تشدد اور اُس پر مصنف کی رائے

یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ اس شہر گردی میں مختلف علاقوں میں طریقہ سخت گیری مختلف رہا اور تشدد و تظلم سب پر یکساں نہ تھا۔ ہر شخص کے رویہ اور حیثیت کے مطابق اس پر ظلم ہوا اور اپنے علم کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ انگریزی سپاہیوں کو حکم یہ تھا کہ جو شخص اطاعت قبول کرے اس کے قتل سے ہاتھ اٹھائیں اور صرف اس کو لوٹ لینے ہی پر اکتفا کریں' مگر جو شخص مقابلہ کرے اس کو قتل کر دیں اور اس کا گھر بار لوٹ لیں۔ اب جو لوگ مارے گئے' ان پر یہی گمان کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے سرتابی کی ہوگی۔ مشہور بھی یہی ہے کہ انگریزی سپاہ نے زیادہ تر لوگوں کا مال و متاع لوٹ لیا' مگر ان کی جانوں کو کوئی گزند نہ پہنچایا' لیکن کہیں کہیں ایک دو محلوں میں ایسا بھی ہوا کہ لوگوں کو قتل بھی کیا گیا اور ان کا مال و اسباب بھی لوٹ لیا گیا' لیکن بوڑھوں' بچوں اور عورتوں کے قتل سے ہمیشہ پرہیز کیا گیا۔ اس کے مقابلہ میں اہل انصاف ہندوستانیوں کا برتاؤ دہ یاد کریں۔ بتلائیں کہ ایسی صورت میں جبکہ دشمنی اور کینہ وری کی کوئی معقول وجہ موجود نہ ہو اور آقا کشی گناہ خیال کی جاتی ہو' اپنے آقا پر تلوار کھینچنا اور بے گناہ عورتوں اور شیر خوار بچوں کو قتل کرنا کہاں تک قرین انصاف ہے۔ برخلاف اس کے انگریزوں کے طرز عمل پر غور کیجئے کہ دشمنوں سے انتقام لینے اور مجرموں کو سزا دینے کی غرض سے کھڑے ہوئے ہیں۔ اہل شہر سے بے حد بددل اور ناراض ہیں۔ اس پر بھی غلبہ پانے کے بعد جبکہ دلی کے کتے بلی کو بھی زندہ نہ چھوڑنا چاہیے تھا' وہ غصہ کو ضبط کرتے ہیں' عورتوں اور بچوں کو ہاتھ نہیں لگاتے' بے قصور اور قصور وار میں پورا پورا فرق کرتے ہیں اور کسی شخص کو سوائے ان لوگوں کے جن کو باز پرس کے واسطے بلاتے ہیں' حیران نہیں کرتے۔ اہل شہر میں سے بہت سے شہر بدر کر دیے گئے جو باقی ہیں' امید و بیم کی حالت میں ہیں۔

۱۷ اکتوبر چہار شنبہ کے روز شہر میں اکیس توپوں کی سلامی ہوئی۔ حیرانی ہوئی کہ لفٹنٹ گورنر بہادر کی آمد پر سترہ توپوں کی سلامی ہوتی ہے اور نواب گورنر جنرل بہادر کی آمد پر انیس توپوں کی سلامی اترتی ہے۔ اکیس توپوں کی سلامی چہ معنی دارد۔ کسی سے کچھ نہ معلوم ہو سکا۔ گمان غالب یہ ہے کہ غالباً سپاہ انگریزی کو کسی مقام پر باغیوں پر کوئی زبردست فتح حاصل ہوئی ہے۔

باغیوں کے زیر اثر مقامات

اگر چہ دہلی میں فتنہ فرو ہو گیا' مگر ابھی بد کردار باغیوں نے ایک طرف بریلی' فرخ آباد اور لکھنؤ میں شورش برپا کی ہے اور دوسری طرف سوہنہ اور میوات کے علاقے میں فتنے کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ تلا رام نامی ایک شخص نے کچھ دنوں ریواڑی میں شورش برپا کی۔ پھر دیا میو کے ساتھ مل کر میوات کے پہاڑ اور جنگلات میں انگریزوں کے مقابلے کے لئے آمادہ ہوا۔

نواح دہلی کے رئیسوں کا قلعہ میں اجتماع

جس ہفتہ میں انگریزی سپاہ نے شہر پر قبضہ کیا' اسی ہفتہ میں امین الدین خاں بہادر وضیاء الدین احمد بہادر اپنے اہل عیال کے ساتھ تین ہاتھی اور چالیس تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنی جاگیر لوہارو کی طرف روانہ ہوئے۔ مہرولی پہنچ کر ایک دو روز قیام کیا۔ دوران قیام میں لشکریان غارتگر اُن پر آن پڑے اور جو کچھ پاس تھا لوٹ کر لے گئے۔ چنانچہ بے سرو سامانی کی حالت میں یہ رؤسائے ذیشان دوجانہ کی طرف روانہ ہوئے۔ احسن علی خاں بہادر والی دوجانہ نے نہایت مہربانی اور فیاضی سے حق مہمان نوازی ادا کیا۔ جب صاحب کمشنر بہادر کو خبر ہوئی تو بلایا۔ چنانچہ وہ رؤسائے آسمان شان پھر جانب دہلی روانہ ہوئے۔ صاحب بہادر کی خدمت میں پہنچے اور آداب بجالائے۔ صاحب بہادر نے طنز آمیز گفتگو شروع کی' لیکن جب نرم اور نادمانہ ومصالحانہ جواب سنا تو خاموش ہو رہے اور قلعہ میں قیام کرنے کی اجازت دی۔ دو تین روز بعد حکم ہوا کہ عبدالرحمن خان والی جھجر کو گرفتار کر لائیں۔ جب وہ رئیس والا شان وارد دہلی ہوا تو اس کو قلعہ میں دیوان عام میں ایک طرف قیام کرنے کا حکم ہوا اور اس کی تمام ریاست انگریزی علاقہ میں شامل کر لی گئی۔ اسی طرح ۳۰ اکتوبر جمعہ کے روز احمد علی خاں والی فرخ نگر کو گرفتار کر کے دہلی لائے اور قلعہ میں ایک علیحدہ جگہ اتارا۔ ۲ نومبر شنبہ کے روز بہادر جنگ خاں والی بہادر گڑھ کو دہلی لایا گیا اور اس کے واسطے بھی قلعہ ہی میں قیام مقرر ہوئی۔ اسی طرح بروز شنبہ راجہ نابر سنگھ والی بلب گڑھ بھی قلعہ میں لائے گئے۔ نواح دہلی میں سات ریاستیں دہلی کی ایجنسی سے متعلق ہیں۔ جھجر' بہادر گڑھ' بلب گڑھ' لوہارو' فرخ نگر' دوجانہ اور پاٹودی۔ ان سات ریاستوں میں سے پانچ ریاستوں کے رئیس اس وقت قلعہ میں جدا جدا مقام پر مقیم تھے۔ پاٹودی اور دوجانہ کے رئیس اپنی اپنی ریاستوں میں خوف زدہ سکتہ کے عالم میں منتظر تھے کہ دیکھئے پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

انہی ایام میں مظفر الدولہ سیف الدین حیدر خاں اور ذوالفقار الدین حیدر خاں بھی اپنے متعلقین کے ساتھ شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور اپنے بھولے بھٹکے گھر لوٹ کے حوالے کر گئے۔ شہزادگان خاندان تیموری میں سے کچھ لڑائی میں مارے گئے۔ کچھ گرفتار ہو کر قید خانوں میں پڑے ہوئے اپنے دن پورے کرتے ہیں۔ معدودے چند ایسے تھے جو جان بچا کر بھاگ گئے۔ ضعیف العمر بادشاہ کی گرفتاری کا حکم صادر ہے کہ باز پرس کی جائے۔ والیان جھجر' بلب گڑھ اور فرخ نگر کو علیحدہ مختلف اوقات میں پھانسی دے دی گئی۔

حکیم محمود خاں صاحب اور ساٹھ اور آدمیوں کو حوالات

۱۸۵۸ء کے آغاز میں جنوری کے مہینہ میں ہندوستانیوں کی خطائیں معاف ہوئیں اور لوگ پھر شہر میں واپس آنے لگے۔ اسی اثنا میں حاکم شہر کو چغل خوروں نے خبر دی کہ راجہ نرندر سنگھ بہادر کے معالج یعنی حکیم محمود خاں صاحب کا مکان مسلمانوں کے لئے جائے پناہ بنا ہوا ہے اور بہت ممکن ہے کہ ایک دو باغی بھی ان لوگوں میں ہوں جو حکیم صاحب کے ہاں پناہ گزین تھے' چنانچہ ۲ فروری سہ شنبہ کے روز حاکم مذکور دوڑ لے کر آ گیا اور مالک خانہ کو مع ساٹھ آدمیوں کے پکڑ کر لے گیا۔ اگر چہ چند روز تک سب کو حوالات رہی' لیکن حکیم صاحب کی عزت و آبرو کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا۔ بالآخر حکیم محمود خاں' حکیم مرتضیٰ خاں اور ان کے چچازاد بھائی حکیم عبدالحکیم خاں کو واپسی کی اجازت ہو گئی۔ ۱۲ فروری کو کچھ لوگ اور چھوڑ دیئے گئے۔ ۱۳ فروری کو تین آدمیوں نے اور رہائی پائی مگر نصف سے زائد آدمی حوالات ہی میں رہے۔

لکھنؤ میں لڑائی اور شہر پر قبضہ

اسی ماہ میں سر جان لارنس صاحب چیف کمشنر بہادر کی آمد آمد کی خبر شہر میں گرم ہوئی اور ۲۰ فروری شنبہ کے روز شام کے وقت اکیس توپوں کی سلامی سے شہر گونج اٹھا۔ دوسرے دن صبح کو معلوم ہوا کہ شہر لکھنؤ فتح ہو گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی سنا کہ لکھنؤ میں ۱۶ فروری کو کمانڈر انچیف بہادر نے نہایت بہادری کے ساتھ باغیوں پر ایک ایسا سخت حملہ کیا کہ ان کے دھوئیں اڑا دیئے۔ دوسرے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہ توپیں لکھنؤ کی فتح کی سلامی نہ تھیں بلکہ سپاہ انگریزی کو باغیوں پر جو نمایاں غلبہ حاصل ہوا ہے اس کی خوشی میں چھوڑی گئی تھیں۔ چوبیس فروری چہار شنبہ کے روز صبح کے وقت صاحب چیف کمشنر بہادر کا دہلی میں ورود ہوا۔ تیرہ توپوں کی سلامی ہوئی اور اہل شہر کے تن مردہ میں پھر جان آئی۔

در کالبد شہر رواں باز آمد	فرمان فرمائے شہ نشاں باز آمد
زین شاہی و خوشدلی کہ رو داد بہ شہر	گوئی کہ مگر شاہجہاں باز آمد

۲۷ فروری شنبہ کے روز اس رحم دل حاکم نے فریادیوں کی دادرسی کی اور امن و امان کا مژدہ سنایا۔

اہل دہلی کے مصائب

آج کل قید خانہ شہر کے باہر اور حوالات شہر کے اندر ہے۔ ان میں قیدیوں کا وہ ہجوم ہے کہ الامان والحفیظ۔ ان کے علاوہ جو لوگ پھانسی چڑھ گئے' ان کی تعداد خدا ہی خوب جانتا ہے۔ آج کل دہلی میں مسلمان ہزار آدمیوں سے زیادہ نہ ہوں گے۔ گرد و بائزدہ کلمہ گو شہر سے نکل کر دو دو تین تین کوس پرے کھنڈرات میں' ویرانوں میں' پہاڑ کے کھڈ وانوں میں زندگی کے دن پورے کرتے ہیں۔ جو لوگ شہر میں باقی رہ گئے ہیں' ان میں یا تو قیدیوں کے عزیز و اقربا ہیں اور یا پنشن خواران سرکار ہیں۔

باغیوں کا ہر جگہ قلع قمع

اٹھارہ مارچ بروز پنجشنبہ شام کے وقت گردوں شگاف توپوں کی آواز نے خبر دی کہ لکھنؤ میں کامل طور پر انگریزی تسلط ہو گیا۔ اپریل کے مہینہ میں حکیم محمود خاں صاحب کے ساتھیوں نے جو اس وقت تک حوالات میں تھے رہائی پائی اور حکیم صاحب اپنے عزیز و اقربا کے ساتھ پٹیالہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مئی کے شروع میں خبر آئی کہ انگریزی سپاہ نے مراد آباد باغیوں سے خالی کرا لیا اور فتح کے بعد مراد آباد نواب یوسف علی خاں صاحب والی رامپور کی قلمرو میں شامل کیا گیا۔ اس کے بعد انگریزوں نے بریلی کو فتنہ پرداز باغیوں سے خالی کرایا۔ چنانچہ اب توی امید ہے کہ عنقریب انگریزی سپاہ ہر جگہ باغیوں کا قلع قمع کر دے گی اور پھر تمام ہندوستان از سر نو سرکار انگریزی کے سایۂ عدل و انصاف میں آ جائے گا۔

۱۳ جون یکشنبہ کے روز شام کے وقت بہادر جنگ خاں والی بہادر گڑھ کو بلا کر حکم جان بخشی سنایا گیا اور ساتھ ہی ایک ہزار روپے ماہوار وظیفہ کا مژدہ دیا گیا۔

۲۲ جون کو اکیس توپوں کی سلامی نے خبر دی کہ انگریزی سپاہ کی جانبازانہ کوششوں سے گوالیار اور قلعہ گوالیار فتح ہو گیا جس کی مختصر روداد یہ ہے کہ باغیان سرکش دیگر مقامات کی طرح گوالیار پر بھی قابض ہو گئے تھے۔ راجہ گوالیار مہاراجہ جیاجی راؤ شہر اور شہر یاری چھوڑ کر آگرہ بھاگ گیا اور انگریزوں سے مدد مانگی۔ انگریزوں نے ایک جرار فوج سے اس کی مدد کی چنانچہ راجہ نے انگریزی فوج کی مدد سے باغیوں کو شکست فاش دی۔

باغیوں کا حشر

باغیوں کا جو کچھ حشر ہوا وہ ان کے کردار کی کافی سزا تھی۔ یہ گمراہ سرکش ہر طرف سے ہزیمت پا کر گوالیار پہنچے لیکن جب وہاں بھی شکست فاش کھائی تو مدت تک رواں دواں پھرتے رہے اور رہزنی اور ڈاکہ زنی کرتے پھرے۔ آخر کار ہر جگہ نہایت ذلت و خواری کے ساتھ ایک ایک کر کے مارے گئے۔

(رسالہ "دستنبو" کا ترجمہ ختم ہوا۔ میرزا ناقی نے جس خوبی سے "دستنبو" کا ترجمہ کیا اس کی تعریف مشکل ہے۔ جو لوگ ترجموں کی دشواریوں سے واقف ہیں وہ "دستنبو" کا اصل متن سامنے رکھیں گے تو ان کو بے اختیار اس ترجمہ کی داد دینی پڑے گی کہ غالب کی سخت اور مشکل فارسی عبارت کا جس کو عربی الفاظ سے دانستہ محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی تھی ایسا عام فہم اور صحیح ترجمہ کیا گیا ہے کہ تعجب ہوتا ہے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ترجمہ کے الفاظ غالب کی اردو طرز تحریر سے مشابہ کر دیئے گئے ہیں اور بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ غالب ہی کی لکھی ہوئی عبارت ہے۔ تیسری خوبی یہ ہے کہ ترجمہ کا انداز بالکل روزنامچہ کا سا بنا دیا گیا ہے تاکہ کتاب روزنامچہ کی عبارت سے بے میل معلوم نہ ہو۔ یہ تمام کمالات معمولی نہیں ہیں اور میرزا ناقی کی غیر معمولی قابلیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

آج کل کے زمانے میں غالب کی یہ تحریر شاید لوگوں کو پسند نہ آئے گی کیونکہ انہوں نے ہندوستانی باغیوں کی خطاؤں کو بہت نمایاں کر کے دکھایا ہے اور انگریزی لشکر کی زیادتیوں پر احتیاط و مصلحت کا پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ غالب

کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ باغیوں نے انگریزوں کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ جس قدر زیادتیاں کیں وہ ان کے مذہب اور ملک کی روایات کے سراسر خلاف حرکات تھیں۔ انگریزی فوج نے ہندوستانی عورتوں اور بچوں پر کوئی ایسا نمایاں ظلم نہیں کیا جو قابل ذکر ہو۔ البتہ غالبؔ نے اس کتاب میں حالات کی نزاکت کے سبب جرأت نہیں کی کہ انگریزی لشکر نے باغیوں کے علاوہ شہری باشندوں سے جیسی سفاکی کے ساتھ انتقام لیا اور جس بے دردی سے بے شمار آدمیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا وہ تاریخ کا نہایت افسوس ناک واقعہ ہے اور خود انگریزی لشکر نے بیگناہوں کا قتل عام کرکے برٹش انصاف اور تحمل کو داغدار بنا دیا۔

بہر حال میرا مقصد تو غالبؔ مرحوم کے ایک ادبی اور لٹریری کارنامے کو اردو زبان کے ذخیرہ میں بڑھانا تھا۔ غدر کے اسباب کی بحث سے مجھے کچھ سروکار نہیں۔ اس کا فیصلہ مورخ کریں گے کہ حق پر کون تھا اور ناحق پر کون۔ حسن نظامی)

☆　☆　☆

دلی کی جاں کنی

(''یا اللہ توبہ۔ کل کی بات ہے دلی شہر کے اندر ایک قیامت آئی تھی جس کا ذکر سننے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ۱۱مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کی باغی فوج، دلی میں داخل ہوئی اور انگریزوں کا قتل عام شروع کیا۔ اس دن سے ۱۴ تک دلی شہر میں انگریزوں کی حالت جانکنی اور سکرات کی تھی اور ان پر کم بخت باغیوں نے اس قدر ظلم ڈھائے تھے جن کا بیان کرنے کو بھی پتھر کا کلیجہ چاہئے۔

پھر ۱۴ ستمبر ۵۷ء کے بعد جب انگریزی فوج نے دوبارہ دلی فتح کر لی اور باغیوں کو بھگا دیا تو دلی کے ہندو مسلمانوں پر خصوصاً مسلمانوں پر وہ آفت آئی جس کا بیان کرنا اور آنسو بہانے کے بغیر سن لینا آسان نہیں اور جس کو ''دلی کی جاں کنی'' کے نام سے تعبیر کرنا بالکل سچی اور واقعی بات ہے۔

انہی واقعات کو جو ۱۴ ستمبر ۵۷ء کے بعد دلی میں پیش آئے' قلمبند کیا جاتا ہے اور اسی مجموعہ کا نام ''دلی کی جاں کنی'' ہے۔

یہ تمام حالات تاریخی ہیں۔ ان میں ایک بات بھی زبانی افواہوں سے تعلق نہیں رکھتی۔ اس واسطے یہ مجموعہ ایک مستند تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

حالات یا تو انگریزی تاریخوں سے اقتباس کیے گئے جن کا حوالہ اپنے اپنے موقع پر دے دیا ہے یا شمس العلماء منشی ذکاء اللہ مرحوم کی ''تاریخ ہندوستان'' سے لیے گئے ہیں۔ منشی صاحب مذکور خود غدر کے ایام میں موجود تھے اور اتنی عقل اور سمجھ رکھتے تھے کہ واقعات کو ان کی اصلی صورت میں ایک اچھے مورخ کی طرح لکھ سکتے تھے' چنانچہ انہوں نے اپنی تاریخ میں جس قدر غدر دلی کے حالات لکھے ہیں' ان کا بڑا حصہ چشم دید کیفیات سے تعلق رکھتا ہے۔

کتابوں سے زیادہ زبانی حالات کا انبار عظیم بھی میرے پاس جمع ہے' کیونکہ دلی کے ہر اس ہندو مسلمان عورت مرد سے جو غدر میں موجود تھا' ملنے اور حالات معلوم کرنے کا مجھ کو بچپن سے شوق ہے

یقیناً وہ مصیبت جو اہل دلی کو اس زمانہ میں پیش آئی' جاں کنی کی مصیبت سے بھی زیادہ سخت تھی اور اس کا اندازہ کتاب کے پڑھنے سے اچھی طرح ہو جائے گا کہ اس کتاب کا نام ''دلی کی جاں کنی'' رکھا گیا ہے تو غلط اور مبالغہ سے نہیں رکھا' بلکہ واقعی طور پر دلی نے اس زمانہ میں جاں کنی سے بھی زیادہ تکلیف برداشت کی' جس کا بیان سن کر پتھر کا کلیجہ بھی موم ہو کر پگھل جاتا ہے۔

اس کتاب کی تالیف کا مقصد صرف یہی ہے کہ قوم و ملک کی آئندہ و موجودہ نسلوں کو اپنے پایہ تخت کے تاریخی

انقلابات سے آگاہی ہو۔ نیز وہ یہ بھی دیکھ لیں کہ لڑائی جھگڑے میں کیسے کیسے مصائب وہولناک تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آج کل کے زمانہ میں بعض ناتجربہ کار جوشیلے نوجوان لڑائی وخونریزی کے خواب دیکھا کرتے ہیں۔ ان کو یہ کتاب اچھی طرح بیدار کردے گی کہ بے امنی کے نتائج ایسے ہوتے ہیں اور وہ جان لیں گے کہ برٹش گورنمنٹ کے خلاف سرکشی کرنا بہت خطرناک بات ہے اور تمام ہندوستان کی مشترکہ قوت بھی اس کے شیرازۂ حکمرانی کو پراگندہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔" ۱۹۲۵ء ـــ حسن نظامی]

دلی انگریزوں سے کیوں ناراض تھی؟

بغاوت ہندوستان کے اسباب انگریزوں نے بھی لکھے ہیں اور ہندوستانیوں نے بھی۔ انگریزوں اور ہندوستانیوں کے اکثر خیالات کا خلاصہ منشی ذکاءاللہ صاحب نے اپنی تاریخ میں لکھ دیا ہے۔ سرسید احمد خاں صاحب نے بھی ایک لاجواب رسالہ "اسباب بغاوت ہند" کے نام سے لکھا ہے جس کی صداقت پارلیمنٹ انگلستان تک تسلیم کی گئی تھی۔

مگر میں یہاں نہ ان تمام اسباب کو لکھنا چاہتا ہوں نہ ان پر بحث کرنے کی کچھ ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ کتاب صرف احوال دہلی سے تعلق رکھتی ہے اور دہلی کے اسباب ناراضی کو شروع میں بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ بعد کے واقعات کی حقیقت سمجھنے میں یہ اسباب مدد دے سکیں۔

دہلی سے مراد اس شہر کے ہندو مسلمان باشندے اور بہادر شاہ بادشاہ اور ان کے خاندان والے ہیں اور انہی لوگوں نے بعد میں غدر کو مدد دی اور پھر انگریزی فوج کے ستم برداشت کیے۔ لہٰذا یہاں صرف دہلی والوں کے اسباب ناراضی بیان کرکے اصل کتاب شروع کی جائے گی۔

ان اسباب میں زیادہ تر بہادر شاہ اور ان کے خاندان کی ناراضی کا بیان ہے مگر یہ وہ ناراضی تھی جس کا اثر تمام باشندگان شہر پر پڑتا تھا اور دہلی کا بچہ بچہ اس سے متاثر ہوتا تھا۔ جس وقت بادشاہ اپنی تکلیف کو کسی شعر کے ذریعہ ظاہر کرتے تھے تو شہر کی گلی گلی میں اس کا چرچا ہوتا تھا' چنانچہ ولی عہدی کے جھگڑے میں جب بہادر شاہ نے یہ شعر کہا۔

اے ظفر اب ہے تجھی تک انتظام سلطنت
بعد تیرے نے ولی عہدی نہ نام سلطنت

تو دہلی کے ہر گھر میں ان کا ذکر تھا۔ عورتیں تک اس شعر کو پڑھ کر روتی تھیں۔ بچے گلیوں میں مرثیہ کے انداز سے گاتے پھرتے تھے۔

اسباب ناراضی کا سلسلہ پوری طرح ذہن نشین نہ ہوگا جب تک شاہ عالم بادشاہ کے وقت سے واقعات کو شروع نہ کیا جائے' لہٰذا پہلے ان کو لکھا جاتا ہے۔

شاہ عالم بادشاہ اور انگریز

۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک اور دہلی کے سپاہیوں نے مرہٹوں کے زور کو شکست دی اور شاہ عالم بادشاہ انگریزوں کی

حمایت میں ایک خاص عہدنامہ کے ذریعہ سے آ گئے۔ بظاہر شاہ عالم نے مسٹر کلائیو کو اپنی دیوانی یعنی وزارت کا عہدہ دیا تھا لیکن در حقیقت ہندوستان کی سلطنت ان کے حوالہ کر دی تھی۔

اس زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں کا کھلم کھلا یہ خیال نہ تھا کہ ہندوستان پر بحیثیت ایک خودمختار بادشاہ حکومت کرے' بلکہ اس کے افسر بادشاہ کی آڑ کو سلطنت کا شکار کھیلنے کے لئے ضروری سمجھتے تھے' چنانچہ گورنر جنرل نے کمپنی کی سرکار کو بتاریخ ۱۳ جولائی ۱۸۰۳ء ایک مراسلہ بھیجا تھا جس کا مضمون یہ ہے

"فرانسیسیوں کو ہندوستان کے شمالی مغربی اضلاع میں قوت و غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ ہم نے شہنشاہ عالم کو فرانس کے اثر سے چھڑا لیا ہے اور فرانسیسی گورنمنٹ اس زبردست آلہ سے محروم ہو گئی ہے جس کی آڑ میں برٹش گورنمنٹ کے خلاف فرانس کو ہندوستان پر قبضہ کرنا مقصود تھا۔ اب ہم بادشاہ اور اس کے خاندان کے لئے امن و راحت کے ذمہ دار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی ریاستیں ہم پر اعتماد کرنے لگی ہیں کیونکہ ہم نے بادشاہ کو مرہٹوں اور فرانسیسیوں کی قید سے رہائی دلوائی ہے اور ہم کو ضرورت ہے کہ ہم سب کی نظروں میں بادشاہ کے حامی نظر آئیں۔"

اس مراسلہ سے ظاہر ہے کہ انگریزوں کو فرانس اور مرہٹہ حریفوں کو زیر کرنے کے لئے مغل بادشاہ کے قائم رکھنے کی بڑی ضرورت تھی' اس واسطے فیصلہ کیا گیا کہ ملکی حکومت سے جو عزت حاصل ہوتی ہے' اس کی ایک خاص مقدار بادشاہ کی ذات کے لئے مقرر رہنی چاہئے' یعنی خاص حدود کے اندر بادشاہ کو عدالت کرنے کے اختیارات دیئے جائیں جن میں ان کی زندگی یا موت کے فیصلہ کرنے کا اختیار ہو۔ بادشاہ اور ان کے کنبے کو بارہ لاکھ روپیہ سالانہ دیا جائے۔ اگرچہ لوگ کہیں گے کہ وہ شہنشاہ جو دنیا میں سب سے بڑا تھا' تاجروں کی ایک کمپنی کا پنشن خوار ہو گیا ہے' تاہم اس سے برٹش گورنمنٹ کو بہت سے فائدے حاصل ہوں گے۔

بادشاہ کو قلعہ دہلی سے نکالنے کی تجویز

یہ سب کچھ تو ہوا' لیکن لارڈ ولزلی کی دوراندیش آنکھ دیکھ رہی تھی کہ اگر یہ آبائی سلطنت اسی طرح دوامی رہے گی اور بادشاہ اپنے دادا شاہ جہاں کے لال قلعہ میں آباد رہے گا اور اس کے وہ مصاحب جنہوں نے پرانے اختیارات و اقتدارات کے تماشے دیکھے ہیں' اس کے ساتھ رہیں گے تو جاں نثار اور جانباز مسلمانوں کا ایک مرکز اور ہیڈ کوارٹر بنا رہے گا اور کسی نہ کسی دن ایک ایسا وقت آ جائے گا کہ اس غارت شدہ سلطنت کو شاہ عالم کے جانشینوں میں سے کوئی شخص دوبارہ بحال کر لے گا اور ہمارا برسوں کا کام چند روز میں خاک کا ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔ اس واسطے انہوں نے یہ تجویز کی کہ بادشاہ اور ان کا خاندان دہلی کے لال قلعہ میں نہ رہے بلکہ صوبہ بہار کے ضلع مونگیر میں مقیم کیا جائے' لیکن جب شاہ عالم بادشاہ کو اس تجویز کی خبر ہوئی تو وہ غضبناک ہو گئے اور انہوں نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ مجھ میں ابھی زندہ رہنے کی قوت موجود ہے اور زندہ آدمی کو کوئی شخص اپنی پسند کردہ قبر میں دفن نہیں کر سکتا۔" لارڈ ولزلی نے موقع کی

نزاکت کو سمجھا اور بادشاہ کی خفگی کو اپنے منصوبوں کے لئے خطرناک خیال کیا' کیونکہ فرانسیسیوں اور افغانوں اور مرہٹوں کی سازشوں کے جال انگریزوں کو ہمیشہ خائف رکھتے تھے۔ اس واسطے لال قلعہ سے نکالنے کی تجویز ملتوی کر دی گئی' تاہم بادشاہ اور ان کے خاندان میں انگریزوں کی نیت سے ایک عام بدگمانی پیدا ہوگئی اور یہ دہلی اور اس کے باشندوں کی اس ناراضی کی پہلی بنیاد تھی جس کا ظہور ۱۸۵۷ء میں ہوا۔

اکبر شاہ کی تخت نشینی

۱۸۰۶ء میں شاہ عالم نے انتقال کیا اور اکبر شاہ ان کی جگہ تخت پر بیٹھے۔ یہ وقت ایسا تھا کہ قدیمی انگریز ہندوستانی درباروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ سیٹن صاحب دہلی کے ریزیڈنٹ بادشاہ کے آگے ادنیٰ امیروں کی طرح تسلیم وکورنش اور مجرا بجالاتے تھے اور شاہی خاندان کے بچہ بچہ کی شاہانہ عزت کرتے تھے' مگر سیٹن صاحب کے نائب چارلس مٹکاف صاحب اپنی نوجوانی اور خصلت ذاتی کے سبب بادشاہ کے اس احترام سے بہت جلتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ بادشاہ کے احترام کو اس طرح زندہ رکھنا اپنے حق میں کانٹے بونا ہے' چنانچہ انہوں نے اس بارہ میں جو مراسلہ گورنمنٹ کو بھیجا تھا' اس کی عبارت یہ ہے:

> ''میں اس پالیسی کے ساتھ موافقت نہیں کرتا جو سیٹن صاحب نے خاندان شاہی کے ساتھ اختیار کر رکھی ہے۔ جو شخص برٹش گورنمنٹ کی طرف سے دہلی میں حکمرانی کے لئے مقرر ہو وہ بادشاہ کی تعظیم اس طرح کرتا ہے جس سے بادشاہی قوت کے بیدار ہونے کا اندیشہ ہے' حالانکہ ہم اس کو ہمیشہ کے لئے سُلا دینا چاہتے ہیں۔ ہمارا یہ مقصود نہیں ہے کہ بادشاہ کو بادشاہی کے دوبارہ اختیار و اقتدار حاصل ہوں' اس لئے ہم کو ایسی حرکتیں نہیں کرنی چاہئیں جس سے اس کے دل میں اپنی بادشاہی حاصل کرنے کی تمنا پیدا ہو۔ اس کا ادب اس کی شان کے موافق کرنا چاہئے۔ اس کو خوش وخرم اور آرام وآسائش سے رکھنا چاہئے۔ اگر ہم نہیں چاہتے کہ اس کی حکومت کو پھر دوبارہ قائم کریں تو ہم کو چاہئے کہ بادشاہی کا خیال اس کے خواب میں بھی نہ آنے دیں۔''

چند سال کے بعد یہی مٹکاف صاحب دہلی کے ریزیڈنٹ مقرر ہو گئے اور جب ان کے ہاتھ میں پوری طرح سے سب اختیارات آ گئے تو انہوں نے نہایت ناعاقبت اندیشی سے بادشاہ کی عزت واحترام کے خلاف ایسی ایسی ناشائستہ و نازیبا حرکتیں کرنی شروع کیں جو عقل و انسانیت سے بالکل بعید معلوم ہوتی تھیں' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ اور ان کے خاندان اور ان کے امراء اور مذہبی پیشوا اور شہر کے سب باشندے دل ہی دل میں برٹش گورنمنٹ کے خلاف پیچ وتاب کھانے لگے اور ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ ہم کو کسی صورت سے یہ بوجھ اپنے سر سے اتار کر پھینک دینا چاہئے۔

اور یہ دوسری بنا ناراضی کی تھی جو ایک انگریز نے اپنے قوم کے خلاف ہندوستانیوں کے دل میں ڈالی اور ۱۸۵۷ء کو اس کا نتیجہ دیکھا۔

بہادر شاہ کی تخت نشینی

۲۸ ستمبر ۱۸۳۷ء کی شام کو اکبر شاہ بادشاہ نے بیاسی برس کی عمر میں اس جہان سے رحلت کی اور ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی تخت پر بیٹھے۔ بہادر شاہ ۱۱۸۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ تخت نشینی کے وقت ان کی عمر ۶۰ برس کی تھی۔ وہ بہت مسکین طبع، صوفی مزاج، خوش بیان شاعر بادشاہ تھے۔ ان کے باپ نے اپنے دوسرے بیٹے مرزا سلیم عرف مرزا جہانگیر کو ولی عہد بنانے کی کوشش کی تھی، مگر چونکہ مرزا جہانگیر انگریزوں سے بہت نفرت رکھتے تھے اور انہوں نے سٹن صاحب ریذیڈنٹ پر گولی چلا کر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور ان کو لولو کہہ کر مذاق اڑایا تھا، اس واسطے انگریزوں نے ان کی ولی عہدی منظور نہ کی اور جلا وطن کر کے الہ آباد بھیج دیا۔ پھر اکبر شاہ نے اپنے دوسرے بیٹے مرزا نیلی کے لئے کوشش کی، مگر اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ آخر بہادر شاہ کو بادشاہ بنایا گیا۔

جس وقت بہادر شاہ تخت نشین ہوئے، لارڈ آکلینڈ ہندوستان کے گورنر جنرل تھے اور سر چارلس منکاف لفٹنٹ گورنر تھے۔ یہ وہی منکاف تھے جن کی ناعاقبت اندیشی نے بادشاہ اور ان کے خاندان کو برٹش گورنمنٹ سے ناراض کرانے میں بڑے بڑے کام کئے تھے۔ بہادر شاہ نے تخت نشین ہو کر سب سے پہلے اپنا وظیفہ بڑھوانے کا مطالبہ کیا کیونکہ برٹش گورنمنٹ ان کے باپ اکبر شاہ سے اس کا وعدہ کر چکی تھی، لیکن منکاف صاحب نے امید کے موافق اس مطالبہ کی سخت مخالفت کی اور ان کی مخالفت کے سبب یا کسی اور وجہ سے گورنر جنرل نے بھی گورنمنٹ کے وعدے کو پورا نہ کرنا مناسب خیال کیا اور یہ جواب دیا کہ "بیشک سرکار نے وظیفہ بڑھانے کا وعدہ کیا ہے، لیکن وہ جب ہی پورا کیا جائے گا کہ بادشاہ اپنے ان تمام دعووں سے جو وہ برٹش گورنمنٹ پر رکھتے ہیں، باضابطہ دستبردار ہو جائیں" لیکن بہادر شاہ نے جواب دیا کہ "اگر میں باپ کا بیٹا ہوں تو وہی کروں گا جو میرے باپ نے کیا اور برٹش گورنمنٹ کی کسی شرط کو قبول نہ کروں گا۔"

اس ناکامی سے ایک تیسری بنیاد ناراضی کی بادشاہ اور دہلی والوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف پیدا ہو گئی۔

اکبر شاہ مرحوم نے راجہ رام موہن رائے نامور برہمو سماجی کو اپنا سفیر بنا کر لندن بھیجا تھا۔ وہاں راجہ صاحب کی ذاتی خاطر داری تو بہت ہوئی مگر ان کے حرف مطلب کو ایک انگریز نے بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا اور وہ بے چارے اپنے مقصد میں بالکل ناکام رہے، جس کے سبب دہلی کے خاندان شاہی اور عام باشندگان کو اپنے زمانہ آئندہ کی طرف سے طرح طرح کے خطرے پیدا ہونے لگے۔

بادشاہ کی نذر بند کر دی گئی

۱۸۳۷ء میں جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے تو حسب دستور کمانڈر انچیف نے بھی ان کے سامنے نذر پیش کی تھی جس طرح کہ عیدین اور نوروز اور بادشاہ کی سالگرہ کے دن گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف کی طرف سے بادشاہ کے روبرو ریذیڈنٹ کی معرفت نذریں پیش کی جاتی تھیں، مگر لارڈ ایمہرسٹ نے ان نذروں کو بھی بند کر دیا۔

جس کا بادشاہ اور دہلی والوں کو سخت صدمہ ہوا۔ اسی طرح بات بات میں روزانہ انگریز افسر بادشاہ کی ذلت و توہین کی باتیں کرتے تھے۔ سر چارلس مٹکاف کو بہادر شاہ اپنے خطوں میں فرزند ارجمند لکھا کرتے تھے۔ سر چارلس مر گئے اور ہاروے صاحب ایجنٹ ہو کر دہلی آئے تو انہوں نے بادشاہ کو لکھ دیا کہ مجھ کو تمہارا فرزند بننا منظور نہیں ہے۔ مجھے فرزند ارجمند نہ لکھنا۔

جارج طامس

مسٹر جارج طامس نامی ایک بڑے لائق لکھنے والے اور بولنے والے یورپین کو بہادر شاہ نے نوکر رکھا تھا تاکہ وہ ان کی طرف سے برٹش گورنمنٹ کے سامنے شاہی مطالبات پیش کرے' مگر مسٹر جارج طامس کی بھی کسی نے نہ سنی اور شاہی خاندان اور باشندگان دہلی نے یہ یقین کرنا شروع کر دیا کہ اب رفتہ رفتہ ہماری روح قبض ہوتی جارہی ہے۔

بادشاہ کی آمدنی

بہادر شاہ کو ایک لاکھ روپیہ ماہوار تنخواہ دی جاتی تھی اور ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ کوٹ قاسم کے علاقہ کا آتا تھا اور شہر کے مکانات کے کرایہ کی بھی کچھ آمدنی تھی۔ اس ایک لاکھ روپیہ ماہوار میں سے ایک ہزار روپیہ مہینہ لکھنؤ بھیجا جاتا تھا جہاں بہادر شاہ کے خاندان کے کچھ لوگ رہتے تھے اور باقی قلعہ کے کثیر شاہی خاندان میں تقسیم ہو جاتا تھا اور وہ بادشاہ جس کے بڑے تمام ہندوستان کے خزانوں کے مالک تھے' بڑی تنگدستی سے بسر اوقات کرتا تھا۔

ولی عہدی کا جھگڑا

۱۸۳۹ء میں بہادر شاہ کے ولی عہد دارا بخت نے انتقال کیا۔ اس وقت نئے ولی عہد کے منتخب کرنے کا جھگڑا پیش آیا۔

بادشاہ کو زینت محل تمام بیگمات سے زیادہ عزیز تھیں۔ ان کے بیٹے کا نام جواں بخت تھا۔ چونکہ زینت محل کو بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل تھا اور وہ چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا جواں بخت تخت نشین ہو اس واسطے بادشاہ بھی جواں بخت کی ولی عہدی کے لئے کوشش کرتے تھے۔

مگر لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل کسی دوسرے ہی خیال میں تھے۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح دہلی کی بادشاہی کی ظاہری دکھاوٹ بھی ختم کر دی جائے' اس لئے انہوں نے یکم اگست ۱۸۴۴ء کو ریذیڈنٹ دہلی کے نام ایک حکم بھیجا تھا کہ "جب دہلی کا بادشاہ مر جائے تو اس کے جانشین بنانے کے بارے میں ہر معاملہ کی خاص منظوری گورنر جنرل سے لینی چاہئے۔ گرچہ تم (ریذیڈنٹ) نے لکھا ہے کہ آئندہ جو شخص تخت نشین ہو اس کو بادشاہ کے لقب سے محروم کر دیا جائے' لیکن ہم اس کی موقوفی کا حکم جب تک نہیں دے سکتے کہ اس بارے میں پورے مفصل حالات تم سے نہ سن لیں اور جن باتوں کی تم تحریک کرو ان کے مقصد اور وجوہ پر ہم فرصت میں غور نہ کر لیں۔"

ولی عہد مرزا دارا بخت کا انتقال لارڈ ڈلہوزی کے لئے ایک بہانہ ہو گیا اور انہوں نے پوری سرگرمی سے جانشینی

کے مسئلہ میں کام کرنا شروع کیا۔ بہادر شاہ کے ایک لڑکے مرزا فتح الملک عرف مرزا فخرو تیس برس کی عمر کے تھے اور انگریزوں کو بہت پسند کرتے تھے۔ گورنر جنرل نے اس شہزادہ کو اپنے منصوبوں کے موافق پایا' چنانچہ گورنر جنرل نے خفیہ طور پر مرزا فخرو سے ایک عہد نامہ لکھوایا جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ تخت نشین ہونے کے بعد لال قلعہ میں نہیں رہے گا' لیکن جس وقت بہادر شاہ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ مرزا فخرو جانشین بنائے جانے کی تجویز ہے تو بادشاہ نے اعتراض کیا' لیکن بادشاہ اور ان کے خاندان کی مرضی کے خلاف مرزا فخرو ولی عہد مقرر ہو گئے۔

آخر ۱۰ جولائی ۱۸۵۶ء میں مرزا فخرو بھی ہیضہ سے انتقال کر گئے تو پھر ولی عہدی کا جھگڑا شروع ہوا۔ مرزا فخرو کی موت کے دوسرے دن سر طامس منکاف ایجنٹ دہلی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے ان کو ایک کاغذ دیا جس میں مرزا جواں بخت کی ولی عہدی کا مطالبہ درج تھا اور اس کے ساتھ ایک محضر بھی تھا جس میں بہادر شاہ کے آٹھ بیٹوں کے دستخط تھے اور مہریں لگی ہوئی تھیں۔ اس محضر میں لکھا تھا کہ ہم سب خوش ہیں کہ زینت محل کا بیٹا جواں بخت جس میں دانائی' لیاقت' علم و خوش اخلاقی کی صفات موجود ہیں' ولی عہد مقرر ہو' لیکن دوسرے دن بادشاہ کے سب سے بڑے بیٹے مرزا قویاش نے ایک خط ریزیڈنٹ کو لکھا کہ بادشاہ نے شہزادوں سے اضافہ تنخواہ کا اور روپیہ دینے کا وعدہ کر کے محضر پر دستخط اور مہریں کرائی ہیں اور میں نے بھی باپ کے حکم کے موافق اس پر دستخط کر دیئے تھے' لیکن میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ولی عہدی میرا حق ہے کیونکہ میں بادشاہ کا بڑا بیٹا ہوں۔ حافظ قرآن اور حاجی ہوں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا قویاش کی یہ درخواست ان کی ذاتی خواہش سے نہ تھی بلکہ خود گورنمنٹ کے کارندوں نے گورنمنٹ کے اشارے سے ان کو اس پر آمادہ کیا تھا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو گورنر جنرل لارڈ کیننگ کو لارڈ ڈلہوزی کے پرانے منصوبے کو پورا کرنے کے لئے یہ ایک بہت اچھا ذریعہ مل گیا۔ اس لئے انہوں نے اس درخواست کے جواب میں ریزیڈنٹ دہلی کو حسب ذیل مراسلہ بھیجا:

> "بادشاہی جاہ و جلال کی نقل کے بہت سے زر و جواہر اتر چکے ہیں جس سے اس کی پہلی سی چمک دمک نہیں رہی ہے اور اس کے وہ حقوق جن پر خاندان تیموریہ کو گھمنڈ تھا' ایک دوسرے کے بعد تلف ہو چکے ہیں' اس لئے کچھ مشکل نہیں ہے کہ قلم کے ایک ڈوبے میں بہادر شاہ کے مرنے کے بعد بادشاہ کا لقب موقوف کر دیا جائے۔ بادشاہ کی نذر جو گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف دیتے تھے' موقوف ہوئی۔ بادشاہ کا سکہ جو بنایا جاتا تھا وہ بھی بند کر دیا گیا۔ گورنر جنرل کی مہر سے بادشاہ کے فدوی خاص کے الفاظ نکال دیئے گئے اور ہندوستانی رئیسوں کو ممانعت کر دی گئی کہ وہ بھی اپنی مہروں میں بادشاہ کی نسبت ایسے الفاظ استعمال نہ کریں۔ ان تمام امور کے بعد اب گورنمنٹ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ظاہرداری کی اب کوئی بات بھی ایسی باقی نہ رکھی جائے جس سے ہماری گورنمنٹ بادشاہ کی ماتحت معلوم ہوتی ہو' لہٰذا بادشاہ دہلی کا لفظ ایسا لقب ہے' جس کا باقی رکھنا نہ رکھنا گورنمنٹ کی مرضی پر منحصر ہے۔"

اس کے بعد گورنر جنرل نے اپنے ایجنٹ کو لکھا کہ سرکار مرزا قویاش کی جانشینی کو منظور کرتی ہے۔ تم بہادر شاہ سے

کہہ دو کہ گورنر جنرل مرزا جواں بخت کی ولی عہدی کے منظور کرنے سے انکار کرتے ہیں اور مرزا قویاش سے کہہ دو کہ تمہاری ولی عہدی میں وہ شرائط نہیں ہوں گی جو مرزا فخرو سے کی گئی تھیں' بلکہ ان کی صورت دوسری قسم کی ہوگی' ان کو بادشاہ نہیں کہا جائے گا بلکہ شہزادے کے لقب سے پکارے جائیں گے۔ ان کو قلعہ خالی کرنا ہوگا اور بجائے ایک لاکھ ماہوار کے ۱۵ ہزار روپے ماہوار دیے جائیں گے۔

اور سب سے پُرلطف بات مراسلہ گورنمنٹ میں یہ تھی کہ ریزیڈنٹ کو حکم دیا گیا تھا کہ مرزا قویاش کے سامنے یہ تمام شرطیں زبانی پیش کی جائیں' تحریر نہ دی جائے۔

جس وقت مرزا قویاش کی ولی عہدی اور ان شرائط کا علم بادشاہ اور ان کے خاندان کو ہوا تو ان کے دلوں میں غصہ کی آگ بھڑک اٹھی اور دہلی کے ہر باشندے کو اس خبر سے ملال ہوا اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ برٹش گورنمنٹ رفتہ رفتہ جس طرح ہمارے بادشاہ کے حقوق کو فنا کر رہی ہے' اسی طرح رعایا کے حقوق بھی اس کے ہاں محفوظ نہیں ہیں۔

یہ انتہائی ناراضی کا زمانہ تھا۔ ایک طرف پایہ تخت میں یہ حالت درپیش تھی اور دوسری طرف تمام ہندوستان میں وہ اسباب بے چینی پیدا کر رہے تھے جن کا ذکر سرسید وغیرہ نے "اسباب بغاوت ہند" میں کیا ہے۔ مرزا قویاش کی ولی عہدی ۵۶ء میں ہوئی تھی اور ۵۷ء میں غدر ہو گیا۔ گویا جو پھوڑا مدت سے پک رہا تھا وہ ۱۱ مئی ۵۷ء کو آخر کار پھوٹ نکلا۔

رائے

میں مورخ نہیں ہوں' مورخوں کے خیالات جمع کر رہا ہوں' مگر ان واقعات کو پڑھنے کے بعد جو ابھی لکھے گئے ہیں' ہر شخص آسانی سے رائے دے سکے گا کہ بہادر شاہ کے ساتھ جو کچھ برتاؤ ہو رہا تھا' وہ گلا گھونٹنے کے ہم شکل تھا اور ایسی مایوسی کی حالت میں اگر وہ انگریزوں کی باغی فوج کے شریک حال ہو گئے تو یہ ایک قدرتی فعل تھا۔ اگرچہ ان کی شرکت فوج کے دباؤ اور مجبور کرنے سے ہوئی تھی تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بادشاہ اور ان کے سب ساتھیوں کا خیال ہو گیا تھا کہ ہم سب کو سسک سسک کر مرنے سے ایک دفعہ ہی مر جانا چاہیے' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مر کر ختم ہو گئے۔

دلی میں غدر کی شروعات

اس کتاب کے دوسرے' تیسرے' چوتھے اور پانچویں حصہ میں واقعات غدر کی تفصیل جو دہلی میں پیش آئے' پورے طور سے بیان ہو چکی ہے' لیکن یہاں بھی سلسلہ بیان قائم رکھنے کے لئے مختصر طور سے ان حالات کو لکھا جاتا ہے جو غدر کی ابتدا میں پیش آئے۔ یہ میں نے اوپر لکھ دیا ہے کہ غدر کے ان گہرے اور اصلی اسباب کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو تمام ہندوستان میں انگریزی فوج میں بغاوت کی آگ بھڑکانے کا باعث ہوئے کیونکہ ان کو سرسید احمد خاں نے ایک مستقل رسالہ "اسباب بغاوت ہند" میں تفصیل کے ساتھ قلم بند کر دیا ہے اور وہ رسالہ علی گڑھ کالج ڈیوٹی شاپ سے آٹھ آنہ کو دستیاب ہو سکتا ہے۔ میں نے تو یہاں صرف دلی والوں کی بنائے ناراضی لکھنی مناسب جانی' کیونکہ سرسید نے ان باتوں کو اچھی طرح کھول کر نہیں لکھا تھا۔ اب میں غدر کے حالات شروع کرتا ہوں۔

غدر کے حالات

غدر سب سے پہلے میرٹھ چھاؤنی میں شروع ہوا۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء اتوار کے دن صبح کے وقت انگریز لوگ گرجا جانے کی تیاریاں کر رہے تھے اور ان کو بظاہر کسی بڑے واقعہ کا اندیشہ نہ تھا۔ کارتوسوں کی چربی کا جھگڑا سب انگریزوں کو معلوم تھا اور وہ جانتے تھے کہ فوج بہت برافروختہ ہو رہی ہے' کیونکہ اس سے دو دن پہلے جب پریڈ کے موقع پر سپاہیوں کو کارتوس دیئے گئے اور کرنیل سمتھ نے ان کو سمجھایا کہ ان میں گائے یا سور کی چربی لگی ہوئی نہیں ہے۔ تم کو یہ غلط خبر دی گئی ہے۔ اگر تم ان کو دانت سے نہیں کاٹ سکتے تو چٹکی سے توڑ سکتے ہو۔ یہ وہی کارتوس ہیں جن کا تمیں چالیس برس سے رواج چلا آتا ہے' مگر سپاہیوں پر اس تقریر کا کچھ اثر نہیں ہوا اور انہوں نے کارتوسوں کے لینے سے انکار کیا۔ اس پر پچاسی آدمیوں کو حوالات بھیجا گیا۔ پھر ۹ مئی ۵۷ء کی صبح کو یورپین اور ہندوستانی فوج پریڈ میں جمع ہوئی اور انگریز افسروں نے پچاسی ملزموں کو حوالات سے بلایا اور ان کو دس دس برس کی قید کا حکم سنایا۔ ان کی وردیاں تمام دیسی فوج کے سامنے سر میدان اتاری گئیں اور اسی جگہ ان کو بیڑیاں پہنائی گئیں۔ اس نظارہ کو تمام دیسی فوج کھڑی ہوئی دیکھتی تھی اور قیدی پکار پکار کر اپنے بھائیوں کو غیرت دلاتے تھے کہ جاؤ تم چوڑیاں پہن کر اپنی بیویوں کے پاس بیٹھ جاؤ۔ ہم پر یہ ظلم ہو رہا ہے اور تم چپ چاپ کھڑے دیکھتے ہو۔ تم ہندوستانی نہیں ہو' کیونکہ ہندوستانی اپنے بھائی پر عزت و جان قربان کر دیتا ہے۔

باوجود اس ملامت کے دیسی فوج خاموش کھڑی رہی اور اس نے کچھ چون و چرا نہ کی کیونکہ گوروں کی مسلح فوج وہاں موجود تھی اور وہ بے سروسامانی میں بغاوت کرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے' تاہم ان کے چہرے غیرت و غصہ سے لال ہو رہے تھے۔ ان کی آنکھیں طیش کے مارے باہر نکل پڑتی تھیں۔ ان کی گردن کی رگیں پھول رہی تھیں۔ ان میں سے بعض اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے چباتے تھے اور بعض مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے' گویا وہ کہتے تھے کہ ہم تم قیدیوں کا انتقام لے کر رہیں گے۔

جب قیدی پابجولاں وہاں سے روانہ کر دیئے گئے تو فوجی سپاہی بھی اپنی اپنی بارکوں میں واپس چلے آئے' مگر ان کے تیور بہت بگڑے ہوئے تھے۔ لارڈ کیننگ نے میرٹھ کے اس واقعہ کی نسبت ایک دفعہ کہا "پریڈ پر سواروں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنی جس کے اندر کئی گھنٹے لگے ہوں گے' ان سپاہیوں کے سامنے جو سرکار سے پہلے ہی ناراض تھے اور ان میں بہت سے ایسے تھے جو کارتوس کی چربی کی کہانی پر یقین کرتے تھے' خواہ مخواہ ایک تیز ڈنک لگاتا تھا اور انگریز افسروں کی ایسی بیوقوفی تھی جو خیال میں بھی نہیں آ سکتی۔"

کمانڈر انچیف نے کورٹ مارشل کے فیصلہ کو تو قائم رکھا مگر پریڈ پر بیڑیاں پہنانے کو انہوں نے بھی خلاف دستور بتایا۔ اسی دن شام کو میرٹھ کے بازاروں میں یہ خبریں اڑ رہی تھیں کہ انگریز نے دو ہزار بیڑیاں بنوائی ہیں جو کل کے دن باقی ماندہ سپاہیوں کو پہنائی جائیں گی۔ اسی رات کو کھانے کے وقت میز کے اوپر انگریز افسروں کو اطلاع دی گئی کہ مسلمانوں نے دیواروں کے اوپر اشتہار لگائے ہیں کہ انگریزوں سے جہاد کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

الغرض باوجود ۹ مئی کے ان واقعات کے ۱۰ مئی کی صبح کو انگریز بالکل مطمئن تھے اور گرجا جانے کی تیاریاں کر

رہے تھے۔ ایک انگریز لکھتا ہے کہ اس روز صبح کے وقت بظاہر تو کچھ ہل چل نہ تھی' مگر آسمان کی صورت سے ڈر لگتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے کوئی بلا نازل ہونے والی ہے۔ بارکوں کے ہندوستانی نوکر شہر کی طرف بھاگے ہوئے جا رہے تھے۔ انگریزوں کے ذاتی نوکر بھی نوکری سے غیر حاضر ہوتے جاتے تھے' مگر انگریز اس پر بھی زیادہ فکرمند نہ تھے' کیونکہ وہ ہندوستانیوں کو بھٹ کے گیدڑوں کی طرح خاطر میں نہ لاتے تھے۔ دیسی فوج کی لائنوں میں اور صدر بازار میں ایک بڑی شورش کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ یہ چرچا بھی ان کے کانوں تک پہنچا کہ عام طور سے مشہور ہو رہا ہے کہ آج گورے سپاہی سروں سے پاؤں تک مسلح ہو کر کالے سپاہیوں کو ہتھکڑیاں پہنائیں گے' بازاروں کو لوٹیں گے اور شہریوں کا قتل عام کریں گے۔ غرض تھوڑی دیر کے بعد دیسی فوج کے سوار اور پیدل جیل خانہ کی طرف گئے' جن میں کچھ وردی پہنے ہوئے تھے اور کچھ دیسی لباس میں تھے۔ کرچیں اور پستول ان کے ہاتھ میں تھے۔ انہوں نے جیل خانہ کو توڑ ڈالا اور اپنے فوجی بھائیوں کو قید سے چھڑا لیا اور لوہاروں سے ان کی بیڑیاں کٹوا کر اپنے ساتھ لائن میں لے آئے۔

اُدھر تو انگریز گرجا کی نماز میں تھے اور یہاں قیدی چھڑائے جا رہے تھے' مگر فوج نے نہ تو جیل خانہ کے افسروں کو ستایا اور نہ کسی اور انگریز پر ہاتھ اٹھایا اور نہ وہ گرجا پر حملہ آور ہوئے۔ اگر وہ اس وقت گرجا پر حملہ کر دیتے تو ایک انگریز بھی زندہ سلامت نہ رہتا کیونکہ وہاں سب انگریز بے ہتھیار تھے۔ گرجا کی نماز کے بعد فوج نے دیکھا کہ گورا فوج پریڈ پر تیار کھڑی ہے اور ان کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ ہم کو قید اور قتل کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اس لئے انہوں نے اپنی چھاؤنی کے چھپروں میں بندوقوں کے فیر کر کے آگ لگا دی۔ جب انگریز افسروں نے یہ فساد دیکھا تو وہ انتظام کے لئے لائنوں میں دوڑے ہوئے آئے اور سپاہیوں کو دھمکیوں اور خوشامدوں سے سمجھانے لگے' مگر سپاہیوں پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اب کمپنی کا راج ختم ہو گیا۔ تم ہمارے سامنے سے چلے جاؤ۔ ہم تم کو قتل کرنا نہیں چاہتے' مگر ہم کو تمہارا بادشاہ بنانا بھی منظور نہیں ہے' لیکن افسروں نے اپنی قوت سے ان کو دھمکانا چاہا' جس سے مشتعل ہو کر بیسویں رجمنٹ کے سپاہیوں نے سب سے پہلے بندوقیں اٹھائیں اور کرنیل فنلس پر گولیاں چلائی گئیں۔ یہ پہلا انگریز تھا جو مقتول ہو کر گھوڑے سے گرا۔ اس کے بعد قتل اور لوٹ مار کا بازار خوب گرم ہو گیا۔ علاوہ کرنیل فنلس کے انہوں نے سات دوسرے افسروں کو اور تین افسروں کے بیوی بچوں کو بھی مار ڈالا۔ ان کو جہاں کہیں انگریز مرد' عورت یا بچہ نظر آتا تھا' وہ اس کو فی الفور قتل کر دیتے تھے۔

وکٹر ہیوگوف لکھتے ہیں کہ "ہندوستانی شہروں کے مکانات جنگلوں کے بھٹوں کی طرح ہوتے ہیں' جن کے اندر رہنے والے اگرچہ انسانی شکل رکھتے ہیں لیکن وہ نہایت موذی اور ہیبت ناک ہوتے ہیں اور میرے خیال میں ہندوستانی بھٹوں کے انسانوں سے جنگلی بھٹوں کے حیوان اچھے ہوتے ہیں۔ میرٹھ میں یہی دیکھنے میں آیا کہ شہروں اور دیہات کے بھٹوں سے بے شمار ہندو مسلمان نکل کر آ گئے تھے اور انگریزوں کے ساتھ درندوں کا سا کام کر رہے تھے۔"

قصہ مختصر تمام دیسی فوج بگڑ گئی اور اس نے شام کے وقت دہلی کی طرف کوچ کر دیا۔ انگریزی فوج ایسی حواس باختہ ہوئی کہ نہ تو اس سے اس بغاوت کا انتظام ہو سکا اور نہ وہ باغیوں کا تعاقب کر سکی' نہ اُس کو یہ معلوم ہو سکا کہ باغی فوج کدھر گئی' حالانکہ میرٹھ میں بہت بڑی جمعیت گورا فوج کی موجود تھی' مگر بقول مسٹر ہیوگوف کے میرٹھ کا بریگیڈیر جنرل ولسن ایسا سراسیمہ ہو گیا تھا کہ وہ بالکل نہیں سمجھ سکا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے تمام رات شہر کے چاروں طرف گورا فوج کا

محاصرہ رکھا مگر ہندوستانی فوج کو دہلی جانے سے نہ روکا۔ اگر اس رات باغی دہلی نہ جاسکتے تو غدر کا یہ قصہ اتنا طول نہ پکڑتا۔

اا مئی ــ دہلی کا غدر

منشی ذکاءاللہ صاحب لکھتے ہیں:

''۹ مئی ہفتہ کا ذکر ہے کہ مسٹر ایف ٹیلر پرنسپل دہلی کالج نے مولوی سید محمد صاحب مدرس اول عربی سے پوچھا کہ شہر کی کیا خبر ہے تو انہوں نے کہا کہ میرٹھ میں غدر مچنے کی خبریں مشہور ہو رہی ہیں اور لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ اب انگریزی عملداری کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ دیوانوں کے خیالات ہیں' ورنہ آپ کی سرکار کا انتظام ایسا اعلیٰ درجہ کا ہے کہ آپ کی سلطنت میں خلل پڑنے کا کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب کی یہ بات سن کر پرنسپل صاحب نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا کہ سلطنت خدا کی مرضی پر موقوف ہے۔ انسان کے انتظام پر نہیں ہے۔''

میرٹھ میں انگریزی فوج پریڈ کے میدان میں پڑی سوتی رہی اور تیسرے رسالہ کے ہندوستانی سوار چاندنی رات میں گھوڑوں پر سوار دہلی کی طرف دوڑتے رہے اور کسی جگہ بھی انہوں نے لگام کو نہ روکا۔ یہاں تک کہ صبح نماز کے وقت وہ دہلی پہنچ گئے اور پہنچتے ہی انگریزی بنگلوں اور کوٹھیوں میں آگ لگانی شروع کر دی اور جو انگریز ملا اس کو مار ڈالا۔ یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ بھی نہایت بے رحمی کا سلوک کیا گیا۔

بیدرد ہندوستانی اور اُن کے مظالم

اس کتاب میں انگریزی فوج کے مظالم کا تذکرہ زیادہ آئے گا' مگر اس موقع پر یہ اقرار کرنا قرین انصاف ہے کہ ہندوستانی فوج والوں اور دیسی باشندوں نے بھی غدر کے شروع میں سفا کی اور بے رحمی کو حد سے بڑھا دیا تھا اور ان کے ستم ایسے ہولناک تھے کہ ہر قسم کی سزا ان کے لئے جائز کہی جاسکتی ہے۔ انہوں نے بے کس عورتوں کو قتل کیا۔ انہوں نے حاملہ عورتوں کو ذبح کرنے سے دریغ نہ کیا۔ انہوں نے دودھ پیتے بچوں کو اچھالا اور سنگین کی نوکوں پر روک کر بے زبان معصوموں کو چھید ڈالا۔ وہ حاملہ عورتوں کے پیٹ میں تلواریں بھونک دیتے تھے۔ غرض کوئی ظلم و ستم ایسا نہ تھا جو ان کے ہاتھ سے انگریزوں اور ان کے بیوی بچوں پر نہ ٹوٹا ہو۔

منشی ذکاءاللہ صاحب نے چشم دید حال لکھا ہے کہ ''میں نے ایک میم کو دیکھا جس کے آس پاس باغی سپاہیوں کا محاصرہ تھا۔ وہ دودھ پیتے بچے کو گود میں لئے جاتی تھی۔ تولیہ سے بچے کو ڈھک رکھا تھا۔ ساتھ میں ایک خوردسال لڑکا پیدل چل رہا تھا۔ بازار والے اس میم کو ننگی تلواریں دکھا دکھا کر قتل کے اشارے کرتے تھے۔ تلواریں دیکھ کر وہ بچہ ماں کو چمٹ جاتا تھا اور وہ بے چاری بھی سہم کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اس کو قلعہ میں لے گئے۔''

لال قلعہ کے اندر جو انگریز عورتیں اور بچے قتل ہوئے' وہ بھی نہایت سخت واقعہ تھا۔ کوئی قوم مذہبی یا ملکی معاملات کے لئے عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کرتی۔ اگرچہ بہادر شاہ عورتوں اور بچوں کے قتل سے بہت ناراض تھے اور انہوں نے آخر تک اس کی اجازت نہ دی کہ ان عورتوں اور بچوں کو قتل کیا جائے جو قلعہ میں تھے' تاہم ان مظلوموں کو ہلاک کرنے والے بھی

ہندوستانی تھے جنہوں نے اپنے رحم دل ملک کے نام کو بٹہ لگا دیا۔ ان کے شرمناک افعال نے تمام ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے رحم وانصاف کی نظروں میں ذلیل کر دیا۔

اگرچہ انگریزی فوج کی زیادتیاں بھی اس لئے غیر منصفانہ تھیں کہ انہوں نے بے قصور لوگوں کو بھی پھانسی پر لٹکایا یعنی جن لوگوں نے ان کی عورتوں پر ظلم کئے ان کے علاوہ بھی بہت سے بے گناہ بغیر کسی تحقیق کے قتل کر دیئے گئے اور دوسری قسم کی بے احتیاطیاں بھی بکثرت ہوئیں جن کا ذکر آگے آئے گا' تاہم میرا سر شرم وندامت سے اونچا نہیں ہوتا جب میں اپنی قوم کی اس دردناک سفاکی کا حال پڑھتا ہوں جو اس نے دہلی شہر کے اندر ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کے زمانہ میں روا رکھی۔

جب میرٹھ سے بغاوت کر کے سوار اور پیدل دہلی کی طرف روانہ ہوئے تو تمام راستہ ان کو فکر رہا کہ پیچھے سے انگریزی لشکر آتا ہوگا' اس لئے وہ مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے تھے' مگر انگریز تو میدان پریڈ میں پڑے سوتے تھے۔ باغی دریا کے کنارے پہنچے تو ہندو سپاہیوں نے ''جمنا مائی کی جے'' کا نعرہ لگایا۔

کمشنر دہلی کی غفلت

مسٹر سائمن فریزر جن کی شہرت آج تک دہلی کے دیہات میں ہے غدر سے پہلے دہلی کے کمشنر تھے۔ ان کی نسبت دہلی میں عام طور پر مشہور تھا اور ہے کہ ان کی نیند نے غدر کی آگ بھڑکائی۔ اگر وہ نیند کے شوقین نہ ہوتے تو دہلی کا انتظام ہو جاتا اور باغی شہر کے اندر نہ آنے پاتے۔

وہ شہرت یہ ہے کہ جس وقت میرٹھ میں غدر شروع ہوا' وہاں کے افسروں نے بہت روپیہ خرچ کر کے چند ہندوستانیوں کے ہاتھ کمشنر فریزر صاحب کو خط بھیجا تھا کہ یہاں غدر ہو گیا ہے' ممکن ہے کہ باغی دہلی آئیں' اس لئے تم وہاں کا بندوبست کرو۔ یہ خط آدھی رات کے وقت قریب دہلی میں کمشنر صاحب کی کوٹھی پر پہنچا۔ صاحب سو گئے تھے (میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ غدر میں مشہور ہوا تھا کہ صاحب نے شراب بہت پی تھی) نوکروں نے جگایا اور خط دیا۔ صاحب نے خط جیب میں ڈال لیا اور پھر سو گئے۔ خط کھول کر نہ پڑھا اور جب خط لانے والوں نے صاحب کے نوکروں سے کہا کہ معاملہ بہت نازک ہے۔ صاحب کو جگاؤ اور کہو کہ خط پڑھ لیں' تو نوکروں نے کہا ''ہم صاحب کو جگاتے ہوئے ڈرتے ہیں' وہ بہت تیز مزاج ہیں'' چنانچہ کمشنر صاحب کو کسی نے جگانے کی جرأت نہ کی اور صبح تک وہ سوتے رہے اور صبح بیدار ہو کر جب انہوں نے خط پڑھا تو اس وقت بندوبست شروع کیا' مگر باغی شہر میں داخل ہو چکے تھے۔

منشی ذکاء اللہ صاحب کا بیان ہے کہ ''خط آنے کی شہرت تو دہلی میں بیشک تھی مگر یہ واقعہ تحقیقات سرکاری سے ثابت نہیں ہوا۔''

ثابت کیونکر ہوتا۔ صاحب تو ۱۱ مئی کو قتل ہو گئے تھے۔ خط بھیجنے والوں نے بھی بات کو دبانے کی کوشش کی ہوگی تا کہ مرنے والے پر غفلت کا الزام نہ لگ سکے' ورنہ صاحب کے گھر کا واقعہ خواہ مخواہ مشہور نہ ہوتا اور ہندوستانیوں کو ایسی غلط بات مشہور کرنے کی کچھ ضرورت بھی نہ تھی۔

بہر حال اگر خط کا واقعہ سچا ہے تو کمشنر صاحب کی غفلت نے بڑا نقصان پہنچایا اور بعد میں جس قدر خوفناک کشت وخون ہوئے ان سب کی ذمہ داری فریزر صاحب کی نیند پر ہے اور میرٹھ میں اس کا بوجھ گورہ فوج پر ہے جس نے باغیوں کا تعاقب نہ کیا اور پریڈ کے میدان میں بیٹھے سوتے رہے۔ یہ دونوں ہوشیار ہوتے تو غدر کی روک تھام شروع ہی میں آسانی سے ہو جاتی۔

منشی ذکاء اللہ صاحب نے لکھا ہے "میں نے خود دیکھا کہ سائمن فریزر صاحب کمشنر دہلی دو گھوڑوں کی بگھی میں سوار ہیں اور ان کے پیچھے اردلی میں جھجھر کے سوار چلے جاتے ہیں۔ کمشنر صاحب نے اپنی بگھی کو میگزین کے پاس تھمایا۔ وہاں تلنگوں کی کمپنی وردی پہنے کھڑی تھی۔ اس کے صوبہ دار کو کمشنر صاحب نے بلا کر کچھ باتیں کیں جو میں نے نہیں سنیں' مگر لوگوں نے جب صوبہ دار سے پوچھا کہ کیا باتیں ہوئیں تو اس نے کہا کہ صاحب کمشنر پوچھتے تھے کہ ہمارا ساتھ دو گے یا نہیں؟ ہم نے کہہ دیا کہ ہم اپنے دھرم کے ساتھی ہیں۔ ان تلنگوں نے کمشنر صاحب کی سلامی بھی دستور کے موافق نہیں اتاری۔ کمشنر صاحب نے اپنی سواری آگے بڑھائی۔ ان کی بگھی کے گرد آدمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ جب میں آگے قلعہ کے نیچے لال ڈگی کی سڑک پر آیا تو میں نے دیکھا کہ سڑک پر مسٹر ہچنسن مجسٹریٹ دہلی گھوڑا دوڑائے چلے آتے ہیں اور ان کے پیچھے دو اردلی کے سوار اور شرف الحق کوتوال بھی ساتھ ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آٹھ سات ترک سوار خونخوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے دکھائی دیئے' جن کو دیکھ کر میں اپنے گھر چلا آیا۔"

فریزر صاحب نے کلکتہ دروازہ کو بند کرا دیا تھا۔ باغیوں نے جب اس کو بند دیکھا تو وہ دریا کے کنارے جھروکوں میں قلعہ کے مثمن برج کے نیچے گئے اور بادشاہ کی دہائی دے کر کہا "ہم کو اپنے مذہب کے لئے لڑنے کے واسطے بادشاہ کی امداد درکار ہے' بادشاہ ہی ہمارے دین و دنیا کے محافظ ہیں۔" مگر بادشاہ نے ان کی دہائی کا کچھ جواب نہیں دیا اور نہ ان کے سامنے آئے۔ البتہ بادشاہ نے حکیم احسن اللہ خاں اور غلام عباس شمشیر الدولہ کو بلایا اور غلام عباس کو حکم دیا کہ کپتان ڈگلس صاحب قلعہ دار کے پاس جا کر سواروں کے آنے کی خبر دے دو۔ غلام عباس تھوڑی دیر کے بعد کپتان ڈگلس کو اپنے ساتھ قلعہ میں لے آئے۔ کپتان صاحب فوراً برآمدہ میں آئے اور زیر جھروکہ جو سوار کھڑے تھے ان سے کہا کہ یہ بادشاہ کی خواب گاہ ہے۔ تم اپنی داد فریاد سے بادشاہ کو تکلیف نہ دو۔ یہ تمہاری فریاد سننے کی جگہ نہیں ہے۔ کوٹلے کی طرف جاؤ۔ وہاں جو عرض کرنا ہے کرو۔ شنوائی ہوگی۔ سوار راج گھاٹ کی طرف چلے گئے۔ بادشاہ کپتان صاحب کے آنے کی خبر سن کر دیوان خاص کے کھلے صحن میں نکل آئے تو کپتان ڈگلس نے ان سے کہا کہ حضور گھبرائیں نہیں۔ یہ شور و شر فوراً رفع کر دیا جائے گا۔

باغی سوار راج گھاٹ کے دروازہ کی طرف آئے۔ یہ دروازہ بھی فریزر صاحب نے بند کرا دیا تھا' مگر جونہی سوار وہاں پہنچے' دروازہ خود بخود کھل گیا۔ دروازہ کھلنے کی نسبت عجیب وغریب شہرتیں دہلی میں ہوئی تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ ایک سبز پوش سوار آسمان سے اترا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ کوئی کہتا تھا پہرے کے سپاہی باغیوں سے مل گئے۔ بہر حال دروازہ کھلا ہوا دیکھ کر باغی شہر کے اندر گھسے اور انگریزوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ جب سوار شہر میں داخل ہوئے تو "دین دین" کے نعرے لگاتے جاتے تھے اور دین دین کی آوازیں سن کر مسلمان باشندوں کی بھیڑ ان کے ساتھ جمع ہوتی جاتی تھی۔ ہندو باشندے بھی سواروں کو اولوں اور بتاشوں کا شربت لٹیوں میں جگہ جگہ پلا رہے تھے۔

کمشنر صاحب' کپتان ڈگلس' سر طامس منکاف' ہچنسن صاحب وغیرہ انگریز کوتوالی میں جمع ہوئے۔ جہاں اور انگریز بھی موجود تھے۔ سواروں اور باغی شہریوں نے کوتوالی کو گھیر رکھا تھا۔ اس وقت فریزر صاحب نے ایک سوار کے گولی ماری جو صاحب کی طرف آگے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ سوار مر کر گر پڑا اور اس کے ساتھی سوار ذرا پیچھے ہٹے' لیکن شہری باشندوں نے بندوقوں کی کچھ پروا نہ کی اور نعرے مار کر انگریزوں پر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر سب انگریز بھاگے۔ قصہ مختصر اپنی قیام گاہ پر پہنچتے پہنچتے مسٹر فریزر' مسٹر ڈگلس اور مسٹر ہچنسن تینوں مارے گئے۔

ایک ہندوستانی کی وفاداری

منشی ذکاء اللہ صاحب کہتے ہیں کہ "مجھ سے رائے شنکرداس وکیل عدالت جی نے بیان کیا کہ بلوے کی خبر سن کر سمتھ صاحب سشن جج نے کچہری برخاست کر دی اور گھوڑے پر سوار ہو کر ہنگامہ کی طرف چلے تو ایک بوڑھے درزی نے جو صاحب کا پرانا ملازم تھا' ان کے گھوڑے کی باگ موڑ کر کہا کہ صاحب مرنے کو کہاں جاتے ہو اور اصرار کر کے ان کو آگے نہ جانے دیا۔"

کپتان ڈگلس کے مکان میں دو نوجوان عورتیں بھی تھیں۔ وہ بھی باغیوں کے ہاتھ سے ماری گئیں۔ دہلی بینک لوٹا گیا۔ اس کا یورپین منیجر مارا گیا۔ دہلی گزٹ پریس کے عیسائی ملازم قتل کر دیے گئے' غرض کہ شہر میں بظاہر حالات انگریزوں اور ان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور چھاؤنی میں بھی بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی اور انگریزوں کو دہلی سے بھاگ جانے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔ باقی حالات غدر دہلی کے افسانے حصہ دوئم "انگریزوں کی بپتا" اور حصہ چہارم "بہادر شاہ کے مقدمہ" اور حصہ پنجم میں مفصل شائع ہو چکے ہیں۔ اب ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ حاصل مقصد یہ ہے کہ جہاں جہاں بغاوت ہوتی تھی' ہندوستانی فوجیں سیدھی دہلی کی طرف آتی تھیں اور یہاں سب باغیوں کا مجمع ہوتا جاتا تھا اور بہادر شاہ کے لڑکوں میرزا مغل و میرزا خضر سلطان وغیرہ نے ان کی افسری قبول کر لی تھی۔

انگریز بھی باوجود پریشان حالی اور چاروں طرف کی بغاوتوں کے پنجاب کے سکھوں' نیپال کے گورکھوں اور پنجابی مسلمانوں کو سمیٹ کر پہاڑی کے مورچہ پر آ گئے تھے اور دہلی فتح کرنے کو سب سے بڑا کام سمجھتے تھے کہ دہلی ہی کے اوپر تمام شورشوں کے بڑھنے اور گھٹنے کا مدار تھا۔

لہٰذا اب دہلی کے باغیوں اور انگریزوں کی لڑائی کے آخری انجام کا ذکر کیا جاتا ہے جو دہلی کی فصیل کے سامنے کئی مہینے ہوتی رہی تھی۔

دہلی پر حملہ کی تیاریاں

ستمبر ۵۷ء کے شروع میں انگریزوں نے باہمی مشورہ سے طے کر لیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو' دہلی کو فتح کر لینا چاہئے' اس لئے انجینئر' زاور قلی اور سب سپاہی بڑے زور شور کی تیاریاں کر رہے تھے۔ پہلے انہوں نے ہی ہاؤس کے بائیں طرف ایک مورچہ بنایا جس پر چھ توپیں لگائیں تاکہ لاہوری دروازہ اور کابلی دروازے سے آنے والے دشمنوں کے حملے

رو کے جائیں اور موری دروازہ کے گرگج سے جو دھواں دھار توپیں چلتی ہیں' وہ بھی بند ہو جائیں۔ اس کے علاوہ اس مورچہ میں ایک یہ چال بھی تھی کہ حریف یہ سمجھنے لگے کہ انگریز اس طرف سے حملہ کریں گے اور جب وہ اس مورچہ کی طرف متوجہ ہو تو دوسری طرف سے حملہ کر دیا جائے۔

۶ ستمبر کو تمام سپاہ جو کمک کے لئے آ سکتی تھی آ گئی تھی' جن میں چھ ہزار پانچ سو پیدل تھے اور ایک ہزار سوار اور چھ سو توپچی۔ اس فوج میں گورے سپاہی صرف تین ہزار تین سو سترہ (۳۳۱۷) تھے۔ دیسی فوج میں سکھ' گورکھے اور پنجابی مسلمان تھے اور قلی بھی کثیر تعداد میں تھے۔ انجینئروں نے خندق بھرنے کے لئے دس ہزار لکڑیوں کے گٹھے اور بالو ریت سے بھرے ہوئے ایک لاکھ تھیلے' بیشمار ٹوکرے اور زینے تیار کر لئے تھے۔

۷ ستمبر کی شام کو جب رات کی تاریکی پھیل گئی تو یہ سامان اونٹوں اور قلیوں کے ذریعہ سے فصیل شہر کی طرف روانہ کیا گیا۔ خیال یہ تھا کہ صبح تک سب سامان فصیل تک پہنچ جائے گا' مگر بدقسمتی سے چاند نکل آیا اور اس کی روشنی میں دشمن نے انگریزوں کے سامان کو آتے ہوئے دیکھ لیا۔ بس دیکھنے کی دیر تھی کہ موری دروازہ کے گرگج نے توپوں کے ایسے گراب مارنے شروع کئے کہ قلی اور اونٹ اور اکثر سامان چیتھڑوں کی طرح اڑ گیا' لیکن نقصان زیادہ تر آگے بڑھنے والوں کا ہوا تھا۔ پچھلا حصہ ایک حد تک محفوظ تھا۔ باغیوں نے سامنے کا میدان صاف کر کے خیال کیا کہ اب حملہ آوروں میں کوئی بھی باقی نہیں رہا ہے' اس واسطے گولہ باری بند کر دی اور انگریزی فوج کو ذرا دم لینے کی فرصت ملی۔

دوسرے دن صبح انگریزی توپخانہ نے گولہ باری شروع کی جو اس زور کی تھی کہ دوپہر تک موری دروازہ کا گرگج مسمار ہو گیا اور شہر کی فصیل میں بھی بہت سے سوراخ پڑ گئے' مگر باغیوں کی گولہ باری سے انگریزوں کا بھی بہت نقصان ہوا اور میجر کے صاحب کے مورچہ میں جو کشمیری دروازہ کے گرگج پر گولہ باری کر رہے تھے' آگ لگ گئی جس کو بمشکل بجھایا جا سکا۔ ۸ ستمبر کو انگریزوں نے لڈلو کیسل فتح کر لیا جو کشمیری دروازہ سے پانچ سو گز کے فاصلہ پر تھا اور جہاں کشمیری دروازہ سے نکل نکل کر باغی دھاوے کیا کرتے تھے۔ جنگی لحاظ سے یہ مقام بہت اہم تھا۔ دسویں ستمبر کو قدسیہ باغ میں ایک مورچہ تیار کیا گیا اور اسی دن کپتان ٹیلر نے دریائی گرگج سے ایک سو ساٹھ گز کے فاصلہ پر کسٹم کی کوٹھی میں مورچہ بنایا جو نہایت ہی کامیاب مورچہ ثابت ہوا اور معلوم نہیں کہ باغیوں نے اس مورچہ کا اب تک کیوں خیال نہیں کیا تھا۔ جب یہ مورچے بنائے جا رہے تھے تو باغیوں نے توپوں اور بندوقوں سے انگریزوں کا بہت نقصان کیا۔ ۱۱ ستمبر کی صبح کو دونوں طرف سے اس زور شور سے گولہ باری ہوئی کہ زمین آسمان لرزنے لگے۔ کشمیری دروازہ کے گرگج کو اگرچہ خاموش ہونا پڑا' لیکن باغی تدبیروں کی جنگ میں کمزور ثابت نہیں ہوئے۔ انہوں نے فصیلوں میں سوراخ کئے اور اس طرح سے توپیں وہاں لے جا کر لگائیں کہ انگریزوں کی ہر توپ کے مقابلہ میں ان کی ایک توپ قائم ہو گئی اور پھر اس غضب کی گولہ باری کی کہ انگریزوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ انگریزی لشکر کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جس کو باغیوں کے گولوں اور گولیوں سے نقصان نہ پہنچا ہو۔ تین سو انتالیس (۳۳۹) آدمی تو بالکل جان سے مر گئے اور زخمیوں کا تو کچھ حساب نہیں۔

۱۳ ستمبر کی رات کو میڈلی صاحب اور لینگ صاحب فوجی انجینئروں کو حکم دیا گیا کہ کشمیری دروازہ کے گرگج اور دریائی گرگج کی خبریں لائیں اور دیکھیں کہ فصیل میں جو شگاف پڑ گئے ہیں' وہ فوج کے اندر گھس جانے کے قابل ہیں یا

نہیں۔ یہ دونوں دشمنوں کی آنکھ بچا کر خندق کے کنارے پر پہنچے اور اس کے اندر اتر گئے اور چاہتے تھے کہ شگاف کے اوپر پہنچیں کہ انہوں نے کسی کے آنے کی آہٹ سنی اس لئے یہ دونوں جلدی سے الٹے پھرے اور خندق میں چپکے سے گھاس کے اوپر لیٹ گئے۔ چاندنی خوب کھلی ہوئی تھی' انگریزوں نے دیکھا چند شکلیں شگاف کے سر پر نمودار ہوئیں۔ وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے اور آواز آتی تھی کہ وہ گزوں سے بندوقوں کو بھر رہے ہیں۔ یہ دونوں انگریز کئی گھنٹے وہاں لیٹے رہے اور لیٹے لیٹے انہوں نے معلوم کر لیا کہ شگاف بہت کافی ہیں' لیکن جونہی انہوں نے خندق سے باہر جانا چاہا' باغیوں نے ان کے گولیاں مارنی شروع کیں مگر انگریزوں کی زندگی باقی تھی' گولیاں سنسناتی ہوئی ان کے کانوں کے پاس سے گزر گئیں۔ مگر کسی کے لگی نہیں۔ اس کے بعد میڈنی صاحب نے رپورٹ بھیجی کہ فصیل میں دراڑیں کافی ہیں۔ اس پر ہوم صاحب اور گریڈ ہیڈ صاحب نے احکام جاری کئے کہ ۱۴ ستمبر کی صبح کو دلی پر حملہ کیا جائے گا۔

حملہ کرنے والی فوج کے پانچ کالم بنائے گئے۔ پہلی کالم کا سردار جنرل نکلسن کو مقرر کیا گیا۔ ان پانچ کالموں میں پانچ ہزار مضبوط سپاہی تھے۔ کیمپ کی حفاظت کے لئے بیماروں اور زخمیوں کو مقرر کیا گیا تھا۔ جاسوسی کے افسر میجر ہڈسن تھے' جن کے اس شہر کی چھوٹی سے چھوٹی بات تک کی خبریں آتی تھیں اور شاہی خاندان کے آدمی بھی خبریں بھیجتے تھے۔ جاسوسی کے میر منشی رجب علی نامی تھے جن کے کاموں پر انگریزوں کو بہت بھروسہ تھا اور قلعہ میں میرزا الٰہی بخش بادشاہ کے سمدھی منشی رجب علی کے ذریعہ خبریں بھیجتے تھے۔

۱۴ ستمبر' دلی کی ہار

انگریزوں کا ارادہ یہ تھا کہ بہت سویرے دلی پر یورش کی جائے' لیکن سپاہی چونکہ رات بھر پلکوں میں جاگے تھے' اس واسطے ان کے آنے میں دیر لگی۔ پہلے ساٹھویں رائفل رجمنٹ غل شور مچاتی ہوئی آگے بڑھی اور اسی وقت قدسیہ باغ سے جنرل نکلسن نے بھی اپنی فوج کو آگے بڑھایا اور شہر پناہ کے شگافوں کی طرف چلنا شروع کیا۔ باغیوں نے یہ دیکھ کر اس زور سے گولے اور گولیوں کا مینہ برسانا شروع کیا کہ انگریزی فوج حواس باختہ ہو گئی اور بہت لوگ مارے گئے' لیکن تھوڑی دیر کے بعد زینے آ گئے اور جو لوگ فصیل کے قریب پہنچ گئے تھے' انہوں نے زینے فصیل پر پہنچا دیئے اور سب سے پہلے جو شخص اس فصیل پر چڑھا وہ جنرل نکلسن تھا۔ اور بھی دو چار انگریز اور دیسی لوگ زینوں پر چڑھ گئے مگر وہ زخمی ہوئے یا مارے گئے یا ان کو واپس ہونا پڑا۔ فصیل کے نیچے اس کثرت سے آدمی مارے گئے کہ شگاف مردوں سے بھر گئے۔

پرسٹ کی کوٹھی کی طرف سے جس فوج نے حملہ کیا تھا اس کا بھی بہت نقصان ہوا' مگر اس کے باوجود شہر کے اندر داخل ہو گئی۔ کشمیری دروازہ کے قریب انگریزی فوج نے ایک کھڑکی کو بارود سے اڑا دیا اور اس کے اندر سے فوج شہر میں داخل ہو گئی تو انہوں نے جا کر یہ دیکھا کہ وہاں صرف ایک توپ لگی ہوئی تھی اور اس کے پاس دو تین باغی تلنگوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ دریائی دروازہ کی فوج اور کشمیری دروازہ کی فوج گرجا کے میدان میں آپس میں جا کر مل گئی اور یہاں پہنچ کر وہ ٹھہر گئی آگے نہ بڑھی۔

چوتھا کالم سبزی منڈی سے کشن گنج اور پہاڑ گنج کی طرف حملہ آور ہوا تھا' مگر حملہ کے شروع ہوتے ہی ریڈ

صاحب جو اس کالم کے افسر تھے' سخت زخمی ہو گئے اور دوسرے بہت سے افسر بھی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ آخر بہت زیادہ نقصان اٹھانے کے بعد یہ کالم بھاگا اور ہندوراؤ کے باڑے کی طرف چلا گیا۔ وہاں اس کو عیدگاہ کی طرف سے بھاگی ہوئی کشمیری گنجٹ کی فوج ملی جس سے باغیوں نے چار توپیں چھین لی تھیں اور مار مار کر بھرکس نکال دیا تھا۔

نکلسن صاحب کے حکم سے فوج کا ایک حصہ اجمیری دروازہ کی طرف گیا اور ایک حصہ کابلی دروازہ کے رخ سے جامع مسجد تک جانے کا حکم ملا۔ کابلی دروازہ پر انگریزی جھنڈا گاڑ دیا گیا' مگر باغیوں نے ایسا سخت مقابلہ کیا کہ اجمیری دروازہ وغیرہ کی فوج بھاگ کر کابلی دروازہ کے پاس آ گئی اور برن گرج باغیوں نے پھر فتح کر لیا۔ یہ دیکھ کر نکلسن صاحب نے برن گرج پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے نہایت سخت حملہ کیا' مگر جونہی آگے بڑھے میجر جیکب کے گولی لگی اور دوسرے بھی بہت سے افسر مارے گئے۔ فوج نے افسران کو مرتے ہوئے دیکھا تو اس کے پاؤں لڑکھڑائے اور بھاگنا چاہا' مگر نکلسن صاحب دوڑ کر آگے گئے اور سپاہیوں سے کہا بھاگو مت۔ میرے پیچھے آؤ۔ یہ کہہ کر فوج کو ساتھ لیا اور آگے بڑھے' مگر فوراً ان کی چھاتی میں بھی گولی لگی اور وہ گر پڑے۔ آخر فوج بھاگ کر کابلی دروازہ کی طرف چل گئی۔

جامع مسجد کی لڑائی

فوج کا ایک حصہ سر طامس منکاف صاحب کے ماتحت تھا۔ وہ شہر کے حال سے خوب واقف تھے کیونکہ دہلی کے کلکٹر و مجسٹریٹ رہ چکے تھے اس لئے وہ اپنی فوج کو ایسے راستوں سے لے گئے جہاں دشمنوں کی آتش باری بہت کم تھی۔ وہ جامع مسجد تک پہنچ گئے اور جہاں آج کل ڈفرن ہسپتال ہے وہاں کھڑے ہو کر کمک کا انتظار کرنے لگے۔ ان کو خیال تھا کہ اجمیری دروازہ' کابلی دروازہ اور سبزی منڈی کی فوجیں حسب وعدہ یہاں پہنچ جائیں گی۔ انہوں نے آدھ گھنٹہ ٹھہر کر انتظار کیا۔ جامع مسجد میں اس وقت ہزارہا مسلمان نماز کے لئے جمع تھے۔ ان کو معلوم ہوا کہ انگریز مسجد کو بارود سے اڑانا چاہتے ہیں۔ ان سب کے پاس تلواریں تھیں' بندوقیں نہ تھیں۔ ان کا ایک آدمی منبر پر چڑھا اور اس نے مسلمانوں سے پکار کر کہا "تمہارے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔ انگریزوں کا مقابلہ اپنی باغی فوج سے تھا مگر اب وہ تمہاری مسجد کو ڈھانے آئے ہیں۔ میں تم کو مرنے کا بلاوا دیتا ہوں۔ تم میں سے کون کون جان دینی چاہتا ہے۔ دشمن سامنے کھڑا ہے۔ جس کو مرنا ہو وہ میرے ساتھ شمالی دروازہ کی طرف آئے اور جس کو جان پیاری ہو وہ جنوبی دروازہ کی طرف چلا جائے کہ ادھر دشمن کی فوج نہیں ہے۔" یہ تقریر سن کر مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور ان میں سے ایک آدمی بھی جنوبی دروازہ کی طرف نہیں گیا۔ ان سب نے تلواریں میانوں سے کھینچ لیں اور سب سے پہلے میانوں کو کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ گویا انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ اب ہماری تلواریں میان میں نہیں جائیں گی۔ انہوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا جس کی گونج سے مسجد کے در و دیوار ہل گئے۔ اس کے بعد وہ شمالی دروازہ کی طرف دوڑے۔ جونہی دروازہ کے باہر آئے منکاف صاحب نے بندوقوں کی ایک باڑ ماری جس سے دو سو آدمی شہید ہو کر گر پڑے اور مسجد کی سیڑھیاں ان کی لاشوں سے بھر گئیں' مگر مسلمان اس پھرتی سے دوڑے کہ دوسرا فائر مارنے کی فرصت منکاف صاحب کو نہ ملی اور تلواروں کی دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ منکاف صاحب ان پرجوش آدمیوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور ان کو یہ مناسب معلوم ہوا کہ سامنے سے ہٹ جائیں' چنانچہ وہ اور ان کی فوج وہاں سے بھاگی

اور کشمیری دروازہ کے گرجا تک مسلمان ان کا تعاقب کرتے رہے' لیکن جب مسلمانوں نے یہ دیکھا کہ گرجا کے قریب انگریزوں کی اور بہت سی فوج موجود ہے تو وہ سب واپس چلے آئے۔

حواس باختہ جنرل

کیسبل صاحب جو اس لڑائی میں زخمی ہو گئے تھے' کہتے ہیں کہ اگر مجھ کو کمک پہنچ جاتی اور بارود کے تھیلے میرے پاس آ جاتے تو میں جامع مسجد دہلی کو اس دن ضرور اڑا دیتا۔

لارڈ رابرٹس اپنی ''تاریخ چہل و یک سالہ'' میں لکھتے ہیں کہ ''اس روز میں جنرل ولسن کے ساتھ تھا۔ جنرل لڈلو کیسل کی چھت پر کھڑے ہوئے لڑائی کا رنگ دیکھ رہے تھے۔ جب انہوں نے اپنی فوج کی فتح یابی کے آثار دیکھے تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کشمیری دروازہ سے گرجا تک آئے اور دن بھر یہیں رہے۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے اور بیمار بھی تھے۔ جب دن ختم ہونے کو ہوا تو ان کے پاس ایسی بری بری خبریں آئیں کہ وہ گھبرا گئے اور ان کا دل مایوسی سے بجھنے لگا۔ انہوں نے سنا کہ ریڈ صاحب کو شکست ہوئی اور وہ خود بھی سخت زخمی ہوئے۔ پھر یہ خبر آئی کہ جنرل نکلسن بھی بہت سخت زخمی ہوئے ہیں۔ پھر خبر آئی کہ ٹومبس اور ہوپ گرینٹ بھی مارے گئے۔ ان سب خبروں کو سن کر جنرل ولسن ایسا سراسیمہ و پراگندہ خاطر ہوا کہ وہ سوچنے لگا کہ مصلحت یہ ہے کہ شہر چھوڑ کر پھر اسی پہاڑی پر چلے جائیں۔ اس نے مجھے حکم دیا کہ یہ جو بری خبریں آئی ہیں ان کی حقیقت حال دریافت کرو اور کالم نمبر ۴ کی خبر لاؤ کہ اس پر کیا گذری؟ میں یہ پیغام لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور کشمیری دروازہ میں آیا تو میں نے سڑک کے ایک طرف ایک ڈولی رکھی ہوئی دیکھی جس کے ساتھ کہار نہ تھے۔ میں گھوڑے سے اترا اور ڈولی کے اندر دیکھا تو دیکھ کر حیران ہو گیا کہ اس کے اندر جنرل نکلسن پڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ کہار ڈولی رکھ کر لوٹنے چلے گئے ہیں۔ میں اس وقت بڑی تکلیف میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی ہسپتال میں پہنچا دے۔ وہ اس طرح لیٹے ہوئے تھے کہ ان کا زخم دکھائی نہیں دیتا تھا' نہ چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے کوئی زخم لگا ہے' اس لئے میں نے کہا آپ گھبرایئے نہیں۔ اچھے ہو جائیں گے۔ آپ کے کاری زخم نہیں لگا ہے تو انہوں نے کہا۔ نہیں صاحب میں تو مر رہا ہوں' میرے جینے کی اب کوئی آس نہیں ہے۔ یہ سن کر میں نے فوراً بمشکل چار آدمی تلاش کئے اور ان کو ایک سارجنٹ کے سپرد کیا اور زخمی افسر کا نام اس کو بتا کر حکم دیا کہ ان کو ہسپتال میں جلد پہنچا دو۔

اس کے بعد گھوڑے پر سوار ہو کر ہوپ گرینٹ اور ٹومبس کی تلاش میں نکلا۔ اور ان دونوں کو زندہ پایا۔ یہ دیکھ کر میں فوراً گرجا میں واپس چلا آیا اور تمام حالات بیان کئے۔ جنرل ولسن یہ خبر سن کر تو خوش ہوا کہ ہوپ گرینٹ اور ٹومبس زندہ ہیں' مگر مسٹر ریڈ اور مسٹر کیسبل کی ناکامیوں کا اور نکلسن صاحب کے زخمی ہونے کا اور بہت سے سپاہیوں کے مرنے اور زخمی ہونے کا حال سن کر جنرل کی ہمت پھر پست ہوئی اور اس نے کہا کہ دانشمندانہ کام یہی ہے کہ فوج کو لے کر اسی پہاڑی پر چلا جاؤں' مگر تمام افسر اس کے خلاف تھے۔ جنرل نکلسن سے پوچھا گیا کہ ولسن شہر سے واپس آنا چاہتے ہیں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس وقت جنرل ولسن پر سکرات کا عالم طاری تھا' مگر انہوں نے غصہ سے بے قابو ہو کر اسی حالت میں کہا کہ ''ابھی تک مجھ میں اتنی قوت موجود ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو میں ولسن کو گولی سے ماردوں۔'' غرض ولسن صاحب تمام

افسروں کی مخالفت سے مجبور ہو گئے اور شہر سے واپس جانے کا خیال ترک کر دیا گیا۔

۱۱ مئی ۵۷ء کو جو دہلی انگریزوں کے قبضہ سے نکلی تھی وہ ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو پھر دوبارہ قبضہ میں آ گئی۔ آج کی لڑائی میں چھیاسٹھ افسر اور ۱۱۰۴ (گیارہ سو چار) آدمی مجروح و مقتول ہوئے۔ شہر فتح ہو گیا تھا' مگر پوری طرح سے قبضہ میں نہ آیا تھا۔ ہتھیار بند دشمن شہر میں موجود تھا اور اس کے پاس توپیں بھی کافی تھیں' لیکن چونکہ انگریزوں کے پاس مضبوط مورچے آ گئے تھے اس واسطے پندرہ' سولہ' سترہ' اٹھارہ ستمبر کی تاریخوں میں جنگ برابر جاری رہی' لیکن ہر روز باغیوں کو شکست ہوتی تھی اور وہ آہستہ آہستہ مورچے چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ آخر ۱۹ ستمبر تک تمام شہر قبضہ میں آ گیا اور جنرل ولسن کو یقین ہوا کہ اب کچھ خطرہ باقی نہیں رہا اور میں واقعی دہلی شہر پر قابض ہو گیا ہوں"۔

بہادر شاہ بادشاہ کا گرفتار ہونا' لارڈ گورنر بخت خاں کی تقریر

جب ۱۹ ستمبر کی رات کو انگریزوں نے شہر کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا تو بہادر شاہ نے قلعہ سے نکل جانے کا ارادہ کیا۔ اس وقت باغیوں کا مشہور سپہ سالار محمد بخت خاں جو بریلی کا رہنے والا تھا اور جس کی دانشمندی اور فوجی کارگزاری بادشاہ اور تمام امراء اور فوجی افسروں میں بالاتفاق مانی جاتی تھی اور جس کو بہادر شاہ کے مزاج میں اتنا دخل ہو گیا تھا کہ اس کی رائے کے بغیر بادشاہ کچھ کام نہ کرتے تھے اور اس کو لارڈ گورنر کا خطاب دیا تھا' رات کے وقت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ "اگرچہ انگریزوں نے دہلی شہر کو لے لیا ہے' لیکن اس سے ہمارا کچھ بہت زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ تمام ہندوستان ہمارے ساتھ ہے اور ہر شخص کی نظر آپ کی ذات اور آپ کے حکم پر لگی ہوئی ہے۔ حضور کچھ تردد نہ فرمائیں۔ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔ میں پہاڑوں میں بیٹھ کر ایسی زبردست مورچہ بندی کروں گا کہ انگریزوں کا فرشتہ بھی وہاں نہ آ سکے گا۔ دہلی پایہ تخت ہے' فوجی قلعہ نہیں ہے۔ لڑائیوں کے لئے ایسے مقامات مناسب نہیں ہوتے۔ چند مہینے جو ہم نے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور شہر کو بچائے رکھا' یہ بھی کچھ معمولی بات نہیں ہے۔ ہمارا شہر نشیب میں تھا اور انگریز پہاڑی پر تھے۔ کوئی ناتجربہ کار فوج بھی پہاڑی جیسے مضبوط مورچہ پر ہوتی تو اس کو بھی دہلی کا فتح کر لینا کوئی دشوار نہ ہوتا۔ سب سے بڑی خرابی اس بات نے ڈالی کہ حضور کے صاحبزادے مرزا مغل بہادر فوج کے کمانڈر انچیف بنا دیے گئے۔ وہ لڑائی کے فن سے واقف نہ تھے۔ نہ ان کو یہ معلوم تھا کہ خودسر اور سرکش فوجوں کو کن طریقوں سے قابو میں لایا جاتا ہے اور ان میں ضبط انتظام اور اطاعت مندی کن صورتوں سے جاری ہوتی ہے۔ میں نے زندگی کا بڑا حصہ فوجی کام میں صرف کیا تھا۔ اگر میرزا مغل میرے منصوبوں میں رخنے نہ ڈالتے اور حارج نہ ہوتے تو یقیناً اسی خودسر فوج سے انگریزوں کو شکست دے دیتا۔ ہم کو سب سے بڑی دشواری یہ درپیش تھی کہ رسد رسانی کا انتظام کرنے والا ہمارے ہاں کوئی نہ تھا۔ ملک میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ ہم سب اگر پوری یکدلی سے انگریزوں جیسے عاقل دشمن کا مقابلہ کرتے تو بے سروسامانی کے باوجود اس کو پہاڑی سے بھگا دینا دشوار نہ تھا' مگر ہم کو آپس کے بگاڑ اور ایک دوسرے پر بھروسہ نہ کرنے کے سبب وہ قوتیں جو دشمنوں کے مقابلہ میں خرچ کرنی چاہئے تھیں خانگی جھگڑوں میں بیکار صرف کرنی پڑیں۔

مگر اب بھی کچھ نہیں گیا ہے اور مکرر عرض کرتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں گیا ہے۔ تمام ہندوستانی ریاستیں اپنی اپنی جگہ

پر غور سے چپ چاپ بیٹھی دیکھ رہی ہیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ جس وقت ہمارا پلہ ذرا بھی بھاری اور مضبوط ہو جائے گا' وہ سب ہماری امداد کے لئے اٹھ کھڑی ہوں گی' کیونکہ ہر ریاست کا دل انگریزوں سے پک گیا ہے اور وہ یقین کرنے لگی ہیں کہ انگریز رفتہ رفتہ ہندوستان کی ہر ریاست کو نگل لینا چاہتے ہیں۔ ان کو ہمیشہ بہانوں کی تلاش رہتی ہے۔ جھانسی' ناگپور اور پونہ کی ریاستوں کا حال سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ انگریزوں نے کیسے عجیب مگر خلاف انصاف حیلوں اور بہانوں سے ان ریاستوں کو ضبط کر لیا۔

ہندوستان کے ہر باشندے کو اپنا مذہب عزیز ہے اور ہر شخص یقین کرتا ہے کہ انگریز ہمارے پیارے مذہب کو بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں اور ان کی جگہ جبراً ہمارے گلوں میں عیسائی مذہب کا طوق غلامی ڈال دینا ان کے مدنظر ہے۔ ایسی حالت میں آپ یقین کیجئے کہ اگر آپ محفوظ مقامات میں بیٹھ کر انگریزوں کا مقابلہ کریں گے تو تمام ملک ہمارا ساتھ دے گا۔ آدمی' رسد کا سامان اور روپیہ اور ہتھیار' لڑائی میں انہی چار کی ضرورت ہے اور یہ چاروں ہم کو اس افراط سے مل سکتے ہیں کہ اگر انگریز اپنے ملک کے بچہ بچہ کو ہم پر چڑھا کر لے آئیں' تب بھی ہم صدیوں تک ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور آج تو ان کے مددگار ہمارے ہی ملکی بھائی ہیں جن کو بہکا سکھا کر اور لوٹ و انعام کے وعدے دے کر وہ سمیٹ لائے ہیں۔ کل جس وقت ہمارے پاؤں مضبوط ہو جائیں گے تو ہم بھی ان سے اسی قسم کے وعدے کریں گے جو انگریزوں نے ان سے کئے ہیں اور ہمارے ساتھ مل جانا ان کا یقینی ہو گا۔

جہاں پناہ کے سامنے یہ عرض کرنا آفتاب کو شمع دکھانا ہے کہ حضور کے اجداد نے اس سے بڑھ بڑھ کر شکستوں اور ناکامیوں کا مقابلہ کیا ہے۔ شہنشاہ بابر بعض اوقات دشمنوں میں ایسے گھرے ہیں کہ تنہا بھاگنے کے سوا چارہ کار نہیں رہا تھا۔ شہنشاہ ہمایوں کیسی بے کسی اور بے بسی میں ایران بھاگ کر گئے تھے' مگر ان کے استقلال نے تمام دشواریوں اور مشکلات کو فتح کر لیا جس کے بعد ان کے خاندان نے اس سرزمین پر سینکڑوں برس حکومت کی۔ آپ بھی اسی بزم عالم افروز کی شمع حقیقی ہیں اور آپ کے ساتھ تو ملک کے بچہ بچہ کو ہمدردی ہے۔ تمام ہندوستان آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر مرنے مارنے کو تیار ہے۔ اگر حضور میرے ساتھ تشریف لے چلیں تو چند روز میں ہر چیز کو درست کر لوں گا اور ظل سبحانی کو ہر فکر اور تکلیف سے محفوظ رکھوں گا۔"

بادشاہ بخت خاں کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا۔ ہم ہمایوں کے مقبرے جاتے ہیں' تم کل صبح وہاں آؤ اور ہم سے ملو' اس وقت تمام امور کا فیصلہ ہو جائے گا۔

میرزا الٰہی بخش کی تقریر

ادھر تو یہ ہو رہا تھا' ادھر میرزا الٰہی بخش انگریزوں کی طرف سے اس بات پر مامور کئے گئے تھے کہ کسی طرح بادشاہ کو باغیوں کے ساتھ نہ جانے دیں۔ منشی رجب علی جو انگریزی کیمپ میں مخبری کے دفتر کے سردفتر تھے اور ہڈسن صاحب کی ناک کا بال بنے ہوئے تھے' وہ برابر میرزا الٰہی بخش کو پیغام بھیج رہے تھے کہ اگر تم نے بادشاہ کو باغیوں کے ساتھ جانے سے روک لیا تو انگریز تم کو نہال کر دیں گے اور ساری عمر تم کو اور تمہاری اولاد کو اپنے انعامات سے شاہانہ زندگی بسر کرائیں گے۔

(انگریزوں نے یہ وعدہ پورا کیا۔ بارہ سو روپے ماہوار پنشن ان کی اولاد کو ملتی ہے)۔

جس وقت بخت خاں بادشاہ سے ملاقات کر کے چلا گیا تو مرزا الٰہی بخش بادشاہ کے سامنے آئے اور عرض کیا کہ "لارڈ گورنر بخت خاں بہادر نے جو کچھ حضور عالی کے سامنے گذارش کیا ہے فدوی کو اس کے حرف حرف سے اتفاق ہے مگر مجھے ایک ضرور معاملہ گوش گزار کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ آیا یہ لڑائی حضور سے ہے یا باغی فوج سے؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کی فوج ان سے باغی ہوگئی اور سرکشی کر کے آپ کے پاس آ گئی' آپ مجبور تھے۔ آپ کے پاس طاقت نہ تھی جو ان کو اپنے پاس نہ آنے دیتے۔ انگریز اندھے نہیں ہیں۔ وہ آپ کی مجبوری کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ آپ کے نام سے باغیوں نے جس قدر کام کئے ہیں اور جیسے جیسے احکام جاری کرائے ہیں' ان میں سے ایک میں بھی آپ کا دخل نہیں ہے۔ پھر آپ کو کس بات کا اندیشہ ہے۔ فکر نہ کرنا چاہئے۔ البتہ اگر آپ باغیوں کے ساتھ چلے گئے۔ تب بیشک انگریز آپ سے باز پرس کریں گے اور آپ کو مجرم قرار دینے کا ایک بہانہ ان کو مل جائے گا۔ مجھ کو ذرا بھی یقین نہیں ہے کہ باغی کسی جگہ جم کر مقابلہ کر سکیں گے۔ بخت خاں بہادر نے جو کچھ کہا اس کو تو میں لفظاً لفظاً مانتا ہوں۔ بیشک ہندوستان کی ریاستیں اور ہندو مسلمان دل سے آپ کے ساتھ ہیں' لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ باغی فوج آپ کے یا بخت خاں کے قابو میں رہے گی۔ جو فوج ایک ایسے آقا کے قبضے میں نہ رہ سکی جس کے پاس روپیہ' علم اور ہنر اور سب سے بڑی دولت عقل بخت خاں سے کہیں زیادہ تھی تو پھر اکیلے بخت خاں بیچارے کیونکر ایسی خودسر اور بے مہار فوج کو مطیع کر سکیں گے۔

گرمی کا موسم ہے' برسات آگئی ہے' حضور کی ضعیفی اور ناتوانی کا زمانہ ہے۔ گھر سے باہر نکل کر مسافرت میں امن بھی ہو تب بھی گھر کا سا آرام میسر آنا محال ہوتا ہے اور لڑائی بھڑائی کی حالت میں تو لازمی طور سے بڑی بڑی تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آپ چھوٹے چھوٹے شہزادوں' شہزادیوں اور پردہ نشین بیگمات کو کہاں لئے لئے پھریں گے۔ لہٰذا میری گذارش تو یہی ہے کہ آپ باغیوں کے ساتھ تشریف نہ لے جائیں۔ میں انگریزوں سے مل کر تمام معاملات کی صفائی کرا دوں گا اور آپ پر' آپ کی اولاد پر ایک حرف نہ آنے دوں گا۔ سلطنت کا انجام جو کچھ ہو آپ کی پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں جائے گی۔"

مرزا الٰہی بخش کی یہ تقریر سن کر بادشاہ چپ ہو گئے۔ کچھ جواب نہ دیا' البتہ جب ایک خواجہ سرا نے عرض کیا کہ "حضور! صاحب عالم بہادر تو انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں۔ آپ بخت خاں بہادر کی گذارش پر توجہ فرمائیے۔ ان لوگوں کے کہنے میں نہ آئیے۔ مرنا اور تکلیف اٹھانا تو ہر زندگی کے ساتھ لگا ہوا ہے۔" تو بادشاہ نے فرمایا میں دونوں باتوں پر غور کر کے کل جواب دوں گا۔

دوسرے دن بادشاہ اور ان کی بیگمات قلعہ سے روانہ ہو کر ہمایوں کے مقبرہ میں آئے۔ بادشاہ نے عورتوں اور بچوں کو تو ہمایوں کے مقبرے میں بھیجا اور خود درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ میں جا کر پہلے سلام کیا اور پھر مقبرہ میں واپس آگئے۔ مرزا الٰہی بخش نے تمام کیفیت منشی رجب علی کے ذریعہ سے ہڈسن صاحب کو بھیج دی تھی اور لکھ دیا تھا کہ بظاہر میں نے بادشاہ کو بخت خاں کے ساتھ جانے سے روک لیا ہے اور کل دوبارہ مقبرہ ہمایوں میں ملنے کا وعدہ ہوا ہے' اس لئے آپ کچھ فوج لے کر مقبرہ کے غربی دروازہ کی طرف سے آجائیے' کیونکہ بخت خاں شرقی دروازہ سے مقبرہ کے اندر آئے

گا۔ اس کی فوج دریا کی ریتی میں پڑی ہوئی ہے۔ جس وقت بخت خاں رخصت ہو کر جائے' آپ فوراً اندر آ کر بادشاہ کو گرفتار کر لیجئے۔

ہڈسن صاحب نے اس خبر کی اطلاع جنرل ولسن کو دی اور اس کے ساتھ ہی منشی رجب علی کو حکم بھیجا کہ تم مرزا الٰہی بخش کو اطلاع دے دو کہ وہ جہاں تک ہو سکے' بادشاہ کو بخت خاں کے ساتھ نہ جانے دیں اور جب بخت خاں چلا جائے تو چوبیس گھنٹے تک بادشاہ کو مقبرے میں روکے رکھیں۔ اس کے بعد سب انتظام ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس وقت بخت خاں مقبرہ ہمایوں میں بادشاہ کے پاس آیا تو بڑی دیر تک حجت بازی رہی۔ بادشاہ جانا چاہتے تھے' بخت خاں لے جانا چاہتا تھا اور مرزا الٰہی بخش روکتے تھے۔ بخت خاں اور میرزا الٰہی بخش کی بھی آپس میں کچھ تیز و ترش گفتگو ہوئی۔ مرزا الٰہی بخش نے کہا "لارڈ گورنر صاحب! کل آپ نے فرمایا تھا کہ میں حضور کو ہر تکلیف و فکر سے محفوظ رکھوں گا' تو کیا اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ جہاں پناہ کے نام کی آڑ میں آپ خود حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ظل سبحانی کو اس سخت موسم اور اس بڑھاپے کی حالت میں آپ کیا محض اس وجہ سے لے جاتے ہیں کہ ہندوستان کی بادشاہی آپ کو مل جائے اور صدیوں کا انتقام مغلوں سے لیا جائے جنہوں نے پٹھانوں کی سلطنت تلوار کے زور سے چھینی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ آپ بھی پٹھان ہیں اور پٹھان سینکڑوں برس تک کینہ کو نہیں بھولتے۔"

مرزا صاحب کی یہ بات سن کر بخت خاں اس قدر بگڑا کہ قریب تھا کہ مرزا صاحب کو ہلاک کر دے' مگر بادشاہ نے اس کو روکا اور فرمایا "بہادر! مجھے تیری ہر بات کا یقین ہے اور میں تیری ہر رائے کو دل سے پسند کرتا ہوں مگر جسم کی قوت نے جواب دے دیا ہے' اس لئے میں اپنا معاملہ تقدیر کے حوالہ کرتا ہوں۔ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو اور بسم اللہ کرو۔ یہاں سے جاؤ اور کچھ کام کر کے دکھاؤ۔ میں نہیں' میرے خاندان سے نہیں' نہ سہی' تم یا اور کوئی ہندوستان کی لاج رکھے' ہمارا فکر نہ کرو' اپنے فرض کو انجام دو۔"

بخت خاں اس جواب سے مایوس ہو گیا اور ہونٹ چباتا ہوا مقبرہ کے شرقی دروازہ سے دریا کی طرف اتر گیا اور فوج کو ساتھ لے کر ایسی جگہ غائب ہوا جہاں آج تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ وہ ایسا عاقل آدمی تھا اور اس کی فوج اس کی ایسی اطاعت گزار تھی کہ جب سے اس نے فوج سمیت بغاوت کی تھی اور دہلی میں آیا تھا' اس وقت سے دہلی کی شکست تک بھی اس کا یا اس کی فوج کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ دہلی نے چند مہینے تک جو مقابلہ کیا' وہ اسی کی حسن تدبیر کا نتیجہ تھا ورنہ باغی فوجیں ایسی ابتری کی حالت میں تھیں کہ دو دن بھی مقابلہ نہ کر سکتیں۔

بہادر شاہ سے رخصت ہونے کے بعد بھی اس کی عقل نے اس کا ساتھ دیا اور وہ ایسا روپوش ہوا کہ انگریزوں کے انتقام سے خود بھی بچا رہا اور اس کی فوج کا ہر ایک آدمی بھی محفوظ رہا' حالانکہ بغاوت کا وہی سب سے بڑا سرغنہ اور پیشوا تھا۔ قسمت نے بخت خاں کو ناکام رکھا ورنہ عجب نہیں تھا کہ وہ ہندوستان کا تاجدار بن جاتا اور انگریزوں کو ملک سے خارج کرنے کے بعد تیموریوں کی کمزور ہستی کو بھی درمیان سے دور کر دیتا اور دوسرا شیر شاہ تاریخوں میں لکھا جاتا۔

میجر ہڈسن کو میرزا الٰہی بخش کے ذریعہ سے خبر پہنچی کہ باغی فوج بادشاہ کو ساتھ لے جانے میں کامیاب نہیں ہوئی اور اب بادشاہ کا مقبرہ میں کوئی محدودش حمایتی باقی نہیں رہا ہے تو انہوں نے جنرل ولسن سے اجازت مانگی کہ میں وہاں جا کر

بادشاہ کو گرفتار کر لاؤں۔ جنرل نے اجازت دی' مگر اس وقت افسروں میں یہ بحث ہونے لگی کہ بادشاہ کو زندہ لایا جائے یا قتل کر دیا جائے؟ جنرل ولسن کہتا تھا اس کو قتل کر دینا چاہئے' مگر دوسرے افسر اس کے خلاف تھے۔ آخر جنرل نے بھی مان لیا کہ بادشاہ کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ ابھی صرف دہلی قبضہ میں آئی تھی' باقی تمام ہندوستان بغاوت کی آگ سے گرم ہو رہا تھا اس لئے مصلحت یہ تھی کہ بادشاہ کو زندہ رکھا جائے۔

میجر ہڈسن پچاس سوار لے کر مقبرۂ ہمایوں کے مغربی دروازہ پر آیا اور وہیں باہر کھڑا رہا اور اندر بادشاہ کو اطلاع بھیجی کہ میں آپ کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔ آپ آیئے تاکہ میں اپنے ہمراہ لے جاؤں۔

ہڈسن صاحب بہت سنگدل اور سخت آدمی تھے۔ ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ "میدان جنگ ان کا ناچ گھر تھا۔ جنگی نفیری کے سوا ان کو کسی موسیقی اور نغمہ کا شوق نہ تھا۔ انسان کی کوئی مصیبت ان کے دل پر اثر نہ کرتی تھی۔ کسی کی خوں ریزی سے ان کو رنج و افسوس نہ ہوتا تھا اور وہ آدمی کے مار ڈالنے کو تنکے کے توڑ ڈالنے سے کچھ زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ بھاگتے اور پناہ مانگتے ہوئے آدمیوں کو بے تحاشا قتل کرنا اور ان کے اسباب کو لوٹنا ان کی دلی مسرت و شادمانی کے کام تھے۔ غدر ۵۷ء کے وقت دہلی شہر میں جو مظالم ان کے ہاتھ سے ہوئے' وہ ان کی ذاتی خصلت کا نمونہ تھے' برٹش خصائل کو ان سے تعلق نہ تھا۔"

اس سنگ دلی کے باوجود انہوں نے بڑی مہربانی کی کہ مقبرہ کے باہر کھڑے رہے اور بادشاہ کے زنانہ میں بے دھڑک نہیں گھسے' مگر اس مہربانی کا باعث ممکن ہے یہ بھی ہو کہ وہ باغی فوج کی موجودگی سے خائف ہوں اور ان کو اندیشہ ہو کہ اندر بخت خاں کے آدمی پوشیدہ بیٹھے ہوں گے۔

بہر حال جس وقت ہڈسن صاحب کا پیغام بادشاہ کو پہنچا' انہوں نے میرزا الٰہی بخش کو گھور کر دیکھا اور کہا "تم نے مجھ کو بخت خاں کے ساتھ جانے سے روکا' اگر انگریز کو مجھ سے کچھ سروکار نہیں تھا جیسا کہ تم نے بیان کیا تھا تو پھر مجھ کو وہ گرفتار کرنے کیوں آئے ہیں؟" مرزا الٰہی بخش سر جھکائے خاموش کھڑے رہے اور بادشاہ نے پھر ارادہ کیا کہ کسی کو بھیج کر بخت خاں کو بلایا جائے' مگر انگریزوں کے ہمدردوں نے زینت محل بیگم کو پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ "اب بخت خاں کے بلانے کا موقع نہیں رہا۔ معلوم نہیں وہ ملے یا نہ ملے اور ملے تو کیا خبر ہے کہ یہاں کس قدر کشت و خون ہو' اس لئے مناسب یہی ہے کہ آپ پہلے میجر ہڈسن سے اپنی اور میری اور جواں بخت کی جان کی امان طلب کیجئے اور جب تک وہ اس کا وعدہ نہ کرے' اس کے پاس نہ جایئے۔"

بادشاہ نے زینت محل کے کہنے کے بموجب ہڈسن کو پیغام بھیجا کہ میں اس شرط پر اپنے تئیں حوالہ کر سکتا ہوں کہ میری جان اور میری بیوی بچوں کی جان محفوظ رکھی جائے۔

ہڈسن صاحب نے اس شرط کو قبول کر لیا اور پورے دو گھنٹے اس حیص بیص میں خرچ کرنے کے بعد بادشاہ مقبرہ سے باہر تشریف لائے۔ زینت محل بیگم و شہزادہ جواں بخت پالکیوں میں سوار پیچھے تھے اور بادشاہ چند خواجہ سراؤں کے ساتھ پیدل آگے تھے۔

عبرت ناک منظر

میجر ہڈسن نے اپنے سواروں کو کھنڈروں اور قبروں کی آڑ میں کھڑا کر دیا تھا اور خود دو تین گوروں کے ساتھ اکیلے سامنے کھڑے تھے۔ جوں ہی بادشاہ کی نظر ہڈسن پر اور ہڈسن کی نگاہ بادشاہ پر پڑی۔ ایک عجیب عبرت خیز نظارہ پیش آیا۔ وہ بادشاہ جو گورنر جنرل سے بھی بڑی تمکنت کے ساتھ بات کرتا تھا اور جس کو کسی معمولی درجہ کے انگریز کا بغیر خاص مراسم آداب کرنے کے سامنے بلانا گوارا نہ تھا' آج وہ خود ایک معمولی خفیہ پولیس کے افسر کے سامنے آیا اور کہا "کیا تم ہی ہڈسن ہو؟" ہڈسن نے کہا "ہاں میرا نام ہڈسن ہے۔" بادشاہ نے کہا "اگر تم ہڈسن ہو تو میں اس وقت تمہاری زبان سے بھی اس فقرہ کو سننا چاہتا ہوں جو تم نے ابھی مقبرہ کے اندر مجھ کو کہلا بھیجا تھا۔ یعنی "تم میری جان اور میری بیوی زینت محل اور لڑکے جواں بخت کی جان کے ذمہ دار ہو۔"

ہڈسن صاحب نے باوجود سخت مزاجی کے نرمی سے جواب دیا "آپ اطمینان رکھئے۔ آپ کی اور زینت محل بیگم اور جواں بخت کی جان کو کچھ خطرہ نہیں ہے۔"

اس کے بعد پالکی لائی گئی اور بادشاہ کو اس میں سوار کیا گیا اور سواروں کے محاصرہ میں بادشاہ اور ان کی بیگم اور لڑکے کو لے کر ہڈسن صاحب روانہ ہو گئے۔

لارڈ کرزن کے دربار دہلی کے موقع پر نمائش گاہ میں اس وقت کی ایک قلمی تصویر رکھی گئی تھی جس کو دیکھ کر میں نے ایک مضمون لکھا تھا جو غدر دہلی کے افسانوں کے پہلے حصہ میں چھپا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کو یہاں نقل کیا جائے کہ اس کے قلمی اثر اور بیان ہذا کے سادہ اثر کو ناظرین ملا کر دیکھیں اور ان کے انقلابات ایام کا تماشا اچھی طرح نظر آ سکے۔ وہ مضمون یہ ہے:

غدر کی تصویر

اللہ اللہ زمانہ کے نشیب و فراز میں کتنے پُرحسرت نظارے ہیں۔ یہی دہلی جو اپنی گود میں ہزاروں ارمان بھرے دلوں کا خون بہتا دیکھ چکی ہے' رہ رہ کے پلٹا کھاتی اور رنگ دکھاتی ہے۔ ایک دن وہ تھا کہ بابر کی تلوار نے ابراہیم لودھی کا خون دہلی کے ریگستان کو پلایا اور اس کے اہل و عیال کو حسرت و یاس کی مجسم تصویر بنا ہوا سامنے دست بستہ کھڑا ہوا دکھایا۔ ایک دن ایسا آیا کہ اسی کی اولاد اپنے اعمال کی بدولت ان بیکسیوں کا نمونہ بنی۔

آہ! دہلی دربار کی نمائش گاہ میں داخل ہوتے ہی ایک تصویر نظر پڑی جس میں بزم تیموری کی گل ہونے والی شمع ابوظفر بہادر شاہ مقبرہ ہمایوں میں میجر ہڈسن کے ہاتھوں گرفتار کئے جا رہے ہیں۔ پشت پر ہمایوں کا مقبرہ نظر آتا ہے جس پر کچھ عجیب دلگیر افسردگی چھائی ہوئی ہے۔ بہادر شاہ عبا پہنے ہوئے کھڑے ہیں' ہاتھ میں عصا ہے' چہرہ غم و الم میں ڈوبا ہوا' بڑھاپے کا رنگ اور تحملانہ یاس کا عالم ہے۔ میجر ہڈسن سرخ وردی پہنے بادشاہ کا دامن پکڑے کھڑے ہیں اور ان کے دو ہمراہی بادشاہ کی پشت پر نظر آتے ہیں۔ میجر ہڈسن کی اس بے باکانہ جرأت پر بادشاہ کا ایک بوڑھا جاں نثار تلوار سونت کر لپکا ہے۔ ہاتھ میں ڈھال ہے اور بشرہ نڈھال۔ قریب پہنچتے پہنچتے برابر والا سولجر پستول سامنے کر کے اس کا بڑھا ہوا حوصلہ

پست اور جوش انتقام سرد کر دیتا ہے۔

افسوس ہے کہ دنیا کے اس مصیبت خیز انجام پر بھی لوگوں کو اس کی ہوس باقی ہے۔نمائش سے چلتے وقت وہیں "دیوان حافظ" کا خود بخود کھلا ہوا ایک ورق نظر پڑا جس کی پہلی سطر تھی

آخر نظرے بسوئے ما کن اے دولت خاص و حسرت عام

یہ پڑھتا ہوا باہر آیا اور اس مرقع کو مخاطب کر کے اس شعر کو دہراتا رہا۔

اس تصویر میں ہڈسن صاحب کا عبا کے دامن کو پکڑنا اور ایک جاں نثار کا حملہ کرنا محض مصوری کی خیالی داستان ہے۔واقعات سے کچھ تعلق نہیں۔البتہ نمائش گاہ میں اسی وقت "دیوان حافظ" کا نظر آ جانا اور اس میں یہی شعر دکھائی دینا ایک خاص اثر کا واقعہ ہے۔بے شک بہادر شاہ اس وقت انگریزوں کے لئے تو دولت خاص تھے اور ہندوستان کے واسطے حسرت عام۔

ہڈسن کی نیت

اس موقع پر یہ لکھنا تاریخی اطلاع دیتا ہے کہ جنرل ولسن کی طرح میجر ہڈسن بھی بہادر شاہ کو قتل کر دینا چاہتے تھے اور انہوں نے دیگر انگریز افسروں کی مجبوری سے بادل نخواستہ بادشاہ سے جان کی امان کا وعدہ کر لیا تھا ورنہ نیت ان کی یہی تھی کہ بادشاہ کو قتل کر دیا جائے۔چنانچہ اس دن کی ذاتی ڈائری میں میجر ہڈسن نے لکھا ہے کہ "میں دہلی کے بادشاہ کو مردہ لانا بہ نسبت زندہ لانے کے زیادہ پسند کرتا تھا۔"

لطف کی بات یہ ہے کہ اسی یادداشت میں ہڈسن نے یہ فقرہ بھی لکھا ہے کہ "بہادر شاہ بغاوت میں عملی حصہ لینے سے بری تھے۔"

قصہ مختصر ہڈسن بادشاہ ان کی بیگم اور جواں بخت کو لے کر آہستہ آہستہ شہر کے لاہوری دروازہ کی طرف لے گئے اور چاندنی چوک کے بازار میں ہو کر لال قلعہ کے اندر لائے اور وہاں زینت محل کے مکان میں ان کو مقید کر دیا۔

لاہوری دروازہ سے لانے اور تمام چاندنی چوک عبور کرانے کی وجہ یہ تھی کہ کل شہر کو بادشاہ کے گرفتار ہو جانے کی اطلاع ہو جائے۔

قلعہ میں پہنچ کر بادشاہ نے خواہش کی کہ جنرل ولسن کو میرے پاس بلایا جائے۔میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ جنرل ولسن نے یہ پیغام سن کر جواب دیا "مجھ کو اب ان سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے اور میں ان سے ملنا نہیں چاہتا۔" اس انکار کے بعد جنرل ولسن نے اپنے ایڈی کانگ لفٹنٹ کرنیل کو بادشاہ کے پاس بھیجا جس نے گورے سپاہیوں کا پہرہ بادشاہ کے مکان پر لگا دیا۔

چشم تصور

اگرچہ بہادر شاہ اور ان کے باپ اکبر شاہ اور ان کے باپ شاہ عالم ایک اعتبار سے برٹش گورنمنٹ کے قیدی

تھے اوران کو قید کی عادت پڑ گئی تھی پھر بھی آج کی رات جبکہ وہ اپنے ہی قلعہ میں قید کیے گئے تھے۔ ان کے دل کی کیا حالت ہوگی اوران کی پیاری بیوی زینت محل اور نوعمر شہزادہ جواں بخت کا کیا عالم ہوگا۔

تصور کی آنکھ کے سوا کوئی اور ذریعہ قیدیوں کے قلبی احساس اور پہلی رات کی غمگینی کا منظر اصلی طور سے نہیں دکھا سکتا۔ ان کو باوجود ہڈسن کے اقرار کے اپنی زندگی کے محفوظ ہونے کا یقین نہ ہوگا۔ وہ اپنی راحت وعیش اور حکومت کے رہے سہے نام ونشان کو آج کی رات ختم شدہ خیال کر کے دل ہی دل میں آخری چراغ کی طرح مایوسی کی ہوا سے جھلملا رہے ہوں گے اور غم کی شدت سے کلیجہ ان کے منہ کو آ رہا ہوگا۔ کوئی چیز ان کے سینہ کی طرف سے اٹھتی ہوگی اور اس کا دھواں دماغ کی طرف چڑھ کر ان کو جاں کنی کا مزا چکھاتا ہوگا۔

ان کو اپنے باقی ماندہ بچوں اور رعایا کا خیال بھی بے چین کر رہا ہوگا جن کی امداد وہمدردی کا اس عالم اسیری میں اب کوئی ساماں ان کے پاس باقی نہ رہا تھا۔ تصور کی آنکھ جب یہ دیکھتی ہے تو اس کا برا حال ہو جاتا ہے۔

بادشاہ کے بیٹوں کا قتل

منشی ذکاء اللہ صاحب کا بیان ہے کہ "بادشاہ کی گرفتاری کے دوسرے دن منشی رجب علی اور میرزا الٰہی بخش نے خبر دی کہ میرزا مغل اور میرزا خضر سلطان اور میرزا ابوبکر بادشاہ کے دو بیٹے اور ایک پوتے بھی مقبرۂ ہمایوں میں موجود ہیں اور یہ وہی ہیں جنہوں نے قلعہ میں انگریز عورتوں اور بچوں کے قتل میں حصہ لیا تھا۔ میجر ہڈسن کا خون اس خبر سے جوش میں آ گیا اور وہ جنرل ولسن سے اجازت لے کر شہزادوں کے قتل کے لئے روانہ ہوا۔ میکڈلالڈ صاحب بھی ہڈسن کے ہمراہ تھے۔ آج ہڈسن نے پچاس سواروں کی جگہ ایک سو سوار ہمراہ لئے تھے اور منشی رجب علی اور میرزا الٰہی بخش دونوں جاسوس بھی ساتھ تھے۔"

تینوں شہزادے میرزا مغل اور میرزا خضر سلطان اور میرزا ابوبکر مقبرے کے اندر تھے۔ ہڈسن باہر کھڑا ہو گیا اور شہزادوں کو اطلاع بھیجی کہ میں آپ کو گرفتار کرنے آیا ہوں' مگر چونکہ شہزادوں کے ساتھ بہت سے جنگجو آدمی بھی تھے اس لئے وہ جمعیت بھی زیادہ لایا تھا اور اندر جانے کی جرأت بھی نہ کر سکتا تھا۔

شہزادوں نے اپنے باپ کی طرح دو گھنٹے تک یہی حجت کی کہ اگر ہماری جانوں کی ذمہ داری کی جائے تو ہم اپنے تئیں حوالہ کر سکتے ہیں' ورنہ نہیں۔ میجر ہڈسن نے جواب دیا کہ میں آپ کی جانوں کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا' کیونکہ میں جنرل ولسن کے ماتحت ہوں اور مجھے ان معاملات کے اختیارات نہیں ہیں۔ بہادر شاہ سے تو میں نے اس وجہ سے اقرار کر لیا تھا کہ جنرل ولسن نے مجھ کو اس اقرار کی اجازت دے دی تھی۔ شہزادوں کو بلا کسی شرط کے میرے پاس آ جانا چاہئے' اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ جنرل ولسن کے ہاتھ سب کچھ اختیار ہے۔

شہزادوں نے یہ جواب سن کر اپنے رفیقوں سے صلاح لی اور ان سب نے کہا کہ "تیموری خاندان کے لوگ اس طرح مجبور ہو کر قید نہیں ہوا کرتے' تلوار اٹھاتے ہیں اور لڑتے ہیں۔ پھر یا قسمت یا نصیب کا معاملہ ہوتا ہے۔ دارا شکوہ کو جب اورنگ زیب نے قتل کرانا چاہا اور قاتل قید خانہ میں آئے تو دارا ترکاری چھیلنے کی چھری لے کر کھڑا ہو گیا اور کچھ دیر

اپنے قاتلوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ ہم کو بھی دلیرانہ کام کرنا چاہیے۔ ہڈسن اور اس کے سواروں کو ہم تھوڑی دیر میں شکست دے سکتے ہیں۔ اول مرنا آخر مرنا۔ مرنا تو ہر حال میں ہے پھر بہادری کی موت کیوں نہ مریں۔"

شہزادوں نے بھی اس تجویز کو پسند کیا مگر مرزا الٰہی بخش نے پھر نصیحت کا دفتر کھول دیا اور ایسے اتار چڑھاؤ شہزادوں کو دیئے کہ وہ بچارے لڑنے کے خیال سے دست بردار ہو گئے اور میرزا الٰہی بخش کے ہمدردانہ مشورہ کے موافق تن بہ تقدیر بلا کسی شرط کے ہڈسن کے پاس چلا جانا قبول کر لیا اور اپنے رفیقوں کو مقبرہ کے اندر رخصت کر کے ہڈسن کے پاس چلے آئے۔

جس وقت شہزادے ہڈسن کے سامنے آئے۔ اس نے ان کو خونخوار نظروں سے دیکھ مگر خاموش کھڑا رہا اور رتھوں میں سوار ہو جانے کا حکم دیا۔ شہزادے سوار ہو گئے تو ہڈسن ان کو محاصرہ میں لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا اور جب دہلی ایک میل رہ گئی تو رتھوں کو ٹھہرایا اور شہزادوں کو حکم دیا کہ رتھوں سے باہر آ جائیں اور اپنے کپڑے اتار ڈالیں۔ شہزادوں نے یہ حکم سن کر آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کو یہ امید ہرگز نہ تھی کہ ان کو اسی جگہ قتل کیا جائے گا' کیونکہ مرزا الٰہی بخش نے ان سے کہا تھا کہ جنرل ولسن کے اختیار میں یہ فیصلہ ہے اور جنرل سے جس وقت سفارش کی جائے گی تو وہ بادشاہ کی طرح تم کو بھی جان کی امان دے دے گا۔ ہڈسن صاحب کو نہ امان دینے کا اختیار ہے نہ قتل کرنے کا' مگر جس وقت ہڈسن نے ان کو رتھوں سے باہر آنے اور کپڑے اتارنے کا حکم دیا تو وہ اس کی وجہ کو بالکل نہیں سمجھے اور ایک دوسرے کو حیرت اور تعجب سے دیکھنے لگے۔

آخر وہ رتھوں سے اترے اور انہوں نے اوپر کے لباس شہزادگی کو جسم سے جدا کر دیا اور ہڈسن کو دیکھنے لگے کہ اب کیا کہنا چاہتا ہے۔ ان کو خیال تھا کہ شاید یہاں سے وہ ہم کو مقید کر کے پیدل لے جانا چاہتا ہے۔ یہ بات تو ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی کہ ہم اسی جگہ قتل کیے جائیں گے۔

ہڈسن نے جب ان کو لباس شہزادگی اتارے ہوئے کھڑے دیکھا تو وہ غصہ سے دیوانہ ہو گیا اور اس نے ایک سوار سے بھری ہوئی قرابین مانگی اور اس کو ہاتھ میں لے کر تڑ تڑ تین فیر کیے۔ گولیاں شہزادوں کے سینے میں لگیں اور وہ ہائے دھوکہ کہہ کر زمین پر گر پڑے اور خاک میں لوٹنے لگے اور کچھ دیر کے بعد مر گئے۔

ہڈسن ان کے تڑپنے اور خاک و خون میں لوٹنے کو خوشی کے چہرے سے کھڑا ہوا دیکھتا رہا اور جب وہ مر گئے تو ان کی لاشوں کو لے کر کوتوالی پر آیا اور لاشوں کو ایک رات دن سر بازار لٹکائے رکھا۔

ہڈسن نے شہزادوں کا خون پیا' جوان بیٹوں کے کٹے ہوئے سر بوڑھے باپ کی نذر کیے گئے

ایک روایت تو شہزادوں کے قتل کی یہ تھی جس کو منشی ذکاءاللہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اور دوسری روایت اور ہے جو دہلی میں عام طور سے مشہور تھی اور میرزا الٰہی بخش کے ایک مصاحب نے جو موقع پر خود موجود تھا' میرے والد سے اس کو بیان کیا تھا اور والد نے اس قصہ کو میرے سامنے کہا اور صرف ایک ہی روایت نہیں' میں نے صدہا آدمیوں کی زبانی ایک ہی شان سے یہ واقعہ سنا ہے اور کسی بیان میں اختلاف نہیں پایا جاتا' اس واسطے میں اس روایت کو بھی درج کرتا ہوں۔

منشی ذکاءاللہ صاحب نے بھی اس روایت کو اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۵۰ پر لکھا ہے' مگر ایک لفظ یہ بڑھا دیا ہے کہ واقعہ غلط ہے' یعنی وہ اس کو تو تسلیم کرتے ہیں کہ شہزادوں کے قتل کا واقعہ دہلی میں اس طرح مشہور تھا' مگر وہ اس کو صحیح نہیں مانتے۔

وہ روایت جو شہزادوں کے قتل کی نسبت دہلی میں مشہور ہے اور جس کو منشی ذکاءاللہ نے غلط ٹھہرایا ہے اور جس کی روایت میرزا الٰہی بخش کے ایک مصاحب نے میرے والد سے بیان کی' یہ ہے کہ میرزا مغل اور میرزا خضر سلطان اور میرزا ابوبکر بھی بہادر شاہ کے ساتھ گرفتار ہوئے تھے اور جب قیدی موجودہ جیل خانہ کے قریب پہنچے تو ہڈسن صاحب نے بادشاہ اور زینت محل اور جواں بخت کی پالکیوں کو ایک طرف ٹھہرا دیا اور میرزا مغل اور میرزا خضر سلطان' میرزا ابوبکر اور میرزا عبداللہ چاروں شہزادوں کو رتھوں سے اتارا اور اپنے ہاتھ سے ان کو قتل کر کے ایک چلو خون کا پیا اور کہا کہ اگر میں ان کا خون نہ پیتا تو میرا دماغ خراب ہو جاتا کیونکہ ان لوگوں نے میری قوم کی بے کس عورتوں اور بچوں کے قتل میں حصہ لیا تھا اور ان کے دیکھنے سے میرا خون جوش کھاتا تھا۔

شہزادوں کے قتل کے بعد ان کے سر کاٹے گئے اور سروں کو بادشاہ کے سامنے لایا گیا اور ہڈسن نے کہا۔ یہ آپ کی نذر ہے جو بند ہو گئی تھی اور جس کو جاری کرانے کے لئے آپ نے غدر میں شرکت کی تھی۔ بہادر شاہ نے جوان بیٹوں اور جوان پوتے کے کٹے ہوئے سر دیکھے تو حیرت انگیز استقلال سے ان کو دیکھ کر منہ پھیر لیا اور کہا الحمدللہ' تیمور کی اولاد ایسی ہی سرخرو ہو کر باپ کے سامنے آیا کرتی تھی۔ اس کے بعد شہزادوں کی لاشیں کوتوالی کے سامنے لٹکائی گئیں اور سر جیل خانہ کے سامنے خونی دروازہ پر لٹکا دیئے گئے جن کو ہزاروں آدمیوں نے دیکھا۔

یہ وہی دروازہ ہے جس پر دارا کا سر بھی لٹکایا گیا تھا اور عبدالرحیم خان خاناں کے لڑکوں کے سر بھی لٹکائے گئے تھے اور اسی وجہ سے اب تک اس کو دہلی والے خونی دروازہ کہتے ہیں۔ اس دروازہ کی دیوار خارا کے پتھروں کی ہے اور خارا میں لوہے کا اثر ہوتا ہے جو برسات میں اپنا سرخ زنگ بہایا کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی دیوار پر اب تک سرخ دھبے پڑے نظر آتے ہیں' جن کو دیکھ کر عوام کہتے ہیں کہ یہ شہزادوں کے خون کا نشان ہے۔ جس کو خدا نے قیامت تک کے لئے محفوظ رکھا ہے۔

لارڈ رابرٹس جو بعد میں ہندوستان کے کمانڈر انچیف ہوئے اور جن کا جنگ یورپ کے زمانہ میں انتقال ہوا اور جو غدر ۵۷ء میں خود موجود تھے' میجر ہڈسن کے اس فعل کی نسبت لکھتے ہیں۔

"ہڈسن نے یہ کام کر کے اپنی نیک نامی میں بٹہ لگا لیا۔ اس نے شہزادوں کو بے ضرورت مار ڈالا۔"

اس روایت کی نسبت کہ ہڈسن نے شہزادوں کا خون پیا' سوائے زبانی حکایتوں کے اور کوئی تاریخی سند میری نظر سے نہیں گزری' لیکن یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ جب بہادر شاہ گرفتار ہوئے تو میرزا مغل وغیرہ بھی اسی وقت گرفتار کئے گئے ہوں گے' کیونکہ وہ سب ایک ہی جگہ تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہڈسن صاحب نے بادشاہ کو تو گرفتار کر لیا اور ان لوگوں کو چھوڑ دیا جو انگریزوں کے قتل کے اصلی مجرم تھے اور جنہوں نے باغی فوج کی سرداری کی تھی اور جن کی نسبت یہ قوی اندیشہ تھا کہ اگر باغی فوج کے ساتھ چلے جائیں تو مدتوں انگریزی فوج کو پریشان کریں گے' اس لئے یقیناً ان کو بھی بہادر شاہ کے

ساتھ گرفتار کیا گیا ہوگا۔

یہ ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کی گرفتاری سے کچھ دیر بعد وہ گرفتار ہوئے ہوں اور انہوں نے جاں بخشی کا وعدہ نہ ہونے کے سبب مقابلہ کا ارادہ کیا ہو۔

بہر حال اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مقتول شہزادوں میں سے بعض ان انگریزوں اور عورتوں اور بچوں کے قتل کرانے یا اس قتل سے رضامند ہونے کے مجرم ضرور تھے جو ایام غدر میں قلعہ کے اندر مارے گئے تھے۔

چار مہینے اور چار دن کی بادشاہی

وہ جو کہتے ہیں چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات یہ مثل بہادر شاہ پر بالکل صادق آئی۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو دلی انگریزوں کے قبضہ سے نکلی اور بہادر شاہ کے قبضہ میں آئی اور چار مہینے اور چار دن کے بعد ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو پھر بہادر شاہ سے چھن کر انگریزوں کے قبضہ میں چلی گئی۔

یہ چار دن چار مہینے کی بادشاہت فقط نام کی بادشاہت تھی ورنہ فوجی سپاہی اس قدر بے ادب اور گستاخ تھے کہ پکار پکار کر کہتے تھے کہ جس کے سر پر ہم جوتی رکھ دیں وہی بادشاہ ہے۔ یوں دیکھنے اور کہنے کو بادشاہ کے نام کا ڈھنڈورہ پیٹا جاتا تھا' مگر بادشاہ کا حکم پوری اطاعت سے کوئی نہ مانتا تھا اور تمام شہر میں ایک عام افراتفری اور بے امنی چھائی ہوئی تھی۔

بخت خاں اور میرزا مغل کا اقتدار بے شک تسلیم کیا جاتا تھا اور میرزا خضر سلطان وغیرہ شہزادوں کے اختیارات بھی قائم نظر آتے تھے' لیکن ضبط نظم اور ضابطہ کی اصلی پابندیاں نام کو بھی نہ تھیں۔ بہر حال جیسا کچھ بھی تھا' پھر بھی بادشاہی کا نام ہو گیا تھا۔ جو چار مہینے چار دن کے بعد بالکل نابود ہو گیا اور اب تو جب کہ ۱۹۲۲ء کا دور دورہ ہے' بادشاہ کی اولاد دلی میں بھیک مانگتی پھرتی ہے۔

بیمار اور زخمی قتل کر دیے جاتے تھے

منشی ذکاء اللہ صاحب اپنی تاریخ کے صفحہ ۶۴۶ پر لکھتے ہیں کہ جب جامع مسجد پر قبضہ ہو گیا تو خبر آئی کہ باغیوں کا کیمپ بالکل خالی پڑا ہے۔ لفٹنٹ ہڈسن سوار ہو کر دوڑے ہوئے گئے اور کیمپ پر قبضہ کر لیا۔ باغی ایسی گھبراہٹ میں گئے تھے کہ ان کی گیلی دھوتیاں الگنیوں پر پھیلی ہوئی تھیں اور ان کو اتارنے کی فرصت بھی نہ ملی تھی۔

کیمپ میں جس قدر زخمی اور بیمار پائے گئے' ان کو قتل کر دیا گیا اور یہاں سے کپڑے اور گولی بارود بکثرت دستیاب ہوا۔"

پھر اسی صفحہ پر لکھتے ہیں" بریڈ صاحب کی درخواست پر جنرل ولسن نے میگزین کی طرف سے قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے ایک کالم بھیجا۔ ہوم صاحب نے بارود سے قلعہ کا دروازہ اڑایا اور فوج نعرے لگاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ قلعہ کے جھتہ میں باغیوں کا ہسپتال تھا اور وہاں وہ زخمی پڑے ہوئے تھے جو اپنی پلٹنوں کے ساتھ جا نہیں سکتے تھے۔ انگریزی سپاہ نے اپنی گولیوں سے ان کے زخموں کا علاج کر دیا۔"

اور بھی کئی واقعات بیماروں اور زخمیوں کے قتل و ہلاکت کے احوال غدر میں مذکور پائے جاتے ہیں جن کو پڑھ کر افسوس ہوتا ہے کہ باغیوں کی حرکات کیسی ہی ناشائستہ اور ظالمانہ ہوں' پھر بھی انگریزوں کی متمدن اور مہذب قوم کو اس قسم کی وحشیانہ سفاکی سے احتیاط کرنی چاہیے تھی۔

بیماروں اور زخمیوں کا قتل کرنا ایسا ہی خوفناک جرم ہے جیسا عورتوں اور بچوں کا ہلاک کرنا۔ کوئی شخص بھی باغیوں کو ملامت کرنے سے خاموش نہیں ہے' کیونکہ انہوں نے بیگناہ عورتوں اور بچوں کو مارا تھا' مگر انگریزی فوج بھی زخمیوں اور بیماروں کو ہلاک کرنے کی ملامت سے محفوظ نہیں رہ سکتی ہے۔ جنرل ولسن کا یہ عذر تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے کہ ''فوج قابو سے باہر تھی اور اس کے انگریز افسروں کو اپنی عورتوں اور بچوں کی مظلومیت یاد آتی تھی۔'' کیونکہ وہ جنرل بہت ناقابل ہوتا ہے جو اپنے ماتحتوں پر اقتدار نہ رکھتا ہو اور جس کو اتنا اختیار بھی نہ ہو کہ وہ خلاف تہذیب و خلاف انسانیت مظالم شدیدہ سے ماتحتوں کو روک سکے۔ یقیناً جنرل ولسن اور سب انگریز جوش انتقام میں بھول گئے تھے کہ بیماروں اور زخمیوں کا قتل کرنا بہت بڑی وحشیانہ و ظالمانہ خطا ہے' ورنہ وہ ایسا نہ کرتے۔

دلی والوں کے نزدیک انگریزوں کے گولے شبرات کی آتش بازی تھی

دلی شہر کے باشندوں کی یہ خصلت تمام ملک میں نرالی ہے کہ وہ غم اور مصیبت کے وقت بھی تفریح اور خوش باشی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ انگریزوں نے جب شہر پر گولہ باری شروع کی تو بجائے اس کے کہ باشندے خائف ہوتے یا گھبرا کر بھاگتے' شب برات کی آتش بازی کی طرح توپوں کے گولے ان کے لئے مذاق و تفریح کا ایک تماشہ ہو گئے۔ مکانوں کی چھتوں پر لوگ چڑھ جاتے اور لوگوں کی سیر دیکھتے اور جب گولے شہر کی طرف آتے تو بے تحاشا غل مچاتے' وہ آیا۔ وہ آیا۔ دیکھو وہ ادھر چلا۔ آہا ہا وہ گرا۔ وہ پھٹا۔ جس جگہ گولہ گرتا' وہاں سینکڑوں آدمیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ گولے کچھ اس قسم کے تھے کہ ان سے کچھ زیادہ نقصان نہ ہوتا تھا۔ شہر کی سڑکیں چوڑی تھیں' مکانوں کے صحن بھی فراخ تھے' باغات کی کثرت تھی۔ اس واسطے گولوں سے زیادہ نقصان نہ پہنچتا تھا۔ ہزاروں گولے آئے' مگر نقصان دس بیس گھروں اور سو پچاس عورتوں' بچوں اور اجل رسیدہ مردوں کے سوا کسی کا نہ ہوا۔ تعجب یہ ہے کہ چار آدمی مرتے تھے تو چار سو تماشہ دیکھنے کو وہیں کھڑے ہو جاتے تھے۔ میں نے اپنے والد سے سنا کہ جب پہاڑی پر سے گولہ باری ہوتی تھی' ہم ہمایوں کے مقبرہ کی چھت پر چڑھ کر تماشا دیکھا کرتے تھے۔ ہم نے دیکھا رات کے وقت گولہ توپ کے منہ سے نکلتا تو ایک گول انگارہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ گول انگارہ شائیں شائیں کرتا ہوا دور نکل جاتا۔ اس کے بعد توپ کی آواز آتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ گولہ پہلے نکل جاتا ہے اور آواز بعد میں ہوتی ہے۔

مقبرہ ہمایوں پہاڑی سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ رات کے اندھیرے میں گولہ چمک کے سبب پہلے دکھائی دیتا ہوگا اور آواز بعد میں آتی ہو گی' کیونکہ روشنی کی رفتار سے تیز ہوتی ہے۔

دلی والوں کی بے فکری اور خوش باشی اسی ایک واقعہ پر ختم نہ تھی' بلکہ جب روزانہ پھانسیاں ہو رہی تھیں اور اندھا دھند قتل عام شہر میں جاری تھا تب بھی دلی والوں کی خوش باشی کی عادت میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ بڑے بڑے امراء کا یہ حال

تھا کہ شام کو گرفتار ہوئے' حوالات میں بند کیے گئے۔ صبح پھانسی پانے کا یقین ہے مگر رات کاٹنے کے لئے شطرنج' گنجفہ' چوسر ہو رہی ہے۔

اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ دہلی کی یہ خصلت کیسی عجیب ہے۔ یا تو وجہ تھی کہ صدمے اٹھاتے اٹھاتے ان کے دل سخت ہو گئے تھے اور یا خدا نے دہلی والوں کو دل ہی ایسا دیا ہے جو کسی وقت بھی تفریح اور خوش باشی سے خالی نہیں رہتا۔

جانکنی کا ماجرا

کلیجہ شق ہو جانے کا بیان ہے۔ ۱۴ ستمبر کی تاریخ نے انگریزی فوج کو شہر کے اندر جگہ دی اور شہر والوں کو باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ انگریز پہلے کشمیری و کابلی دموری دروازہ کے رخ سے داخل ہوئے تھے اس لئے وہاں کی آبادی سٹ کر فراش خانہ' ترکمان دروازہ اور اجمیری دروازہ کی طرف آ گئی' مگر جب یہ علاقے بھی مفتوح ہو گئے تو باشندے دروازوں سے نکل کر جنگلوں اور دیہات میں بھاگنے لگے۔ وہاں گوجروں اور میواتیوں نے ان کو لوٹنا شروع کیا۔

باوجود اس عام بھاگڑ کے پھر بھی شہر میں ہزاروں گھر آباد تھے۔ ہندوؤں کا مشہور محلہ نیل کا کٹرہ تو بالکل آباد تھا۔ اس کا ایک آدمی بھی باہر نہیں گیا' کیونکہ لالہ میسری پرشاد کمسریٹ کے گماشتے اس محلہ میں رہتے تھے اور انہوں نے اپنی خیر خواہی اور خدمات سرکاری کے عوض اپنے محلہ کی حفاظت کا عہد افسروں سے لے لیا تھا۔

بلی ماروں کے محلہ میں حکیم محمود خاں صاحب کا مکان محفوظ تھا' کیونکہ پٹیالہ کے مہاراجہ نے اپنے تعلقات کے سبب ان کی حفاظت کا اقرار انگریزوں سے کرا لیا تھا اور پٹیالہ کے فوجی سپاہی حکیم صاحب کے مکان پر بطور پہرہ دار ہر وقت موجود رہتے تھے۔

پٹیالہ کے وزیر دیوان نہال چند کا مکان بھی پٹیالہ کے تعلقات کے سبب محفوظ تھا۔ بعض اور ہندو مسلمانوں کے مکان بھی سرکاری خیر خواہی کے صلہ میں محفوظ تھے۔ مثلاً شیخ تراب علی کا مکان میر عاشق کے کوچہ میں اور رائے سدا سکھ لال کا مکان ترکمان دروازہ میں۔ ان لوگوں کو شہر میں رہنے کے سارٹیفکٹ مل گئے تھے' مگر یہ سارٹیفکٹ ان کو شہر میں رہنے کی اجازت دیتے تھے' لوٹ مار کا خوف ان سے دور نہ ہوتا تھا کیونکہ جاہل سپاہی جو لوٹ کے شوقین تھے' سرکاری اسناد کی بہت کم پروا کرتے تھے۔

میرزا غالب اور میر بدر الدین مہرکن بھی گرفتار ہو کر کرنل برن حاکم شہر کے سامنے پیش ہوئے تھے' مگر جب انہوں نے سرکاری اسناد دکھائیں اور غدر سے اپنی بے تعلقی ظاہر کی تو ان کو شہر میں آباد رہنے کی اجازت مل گئی۔ اسی طرح رام چندر صاحب پروفیسر دہلی کالج کو بھی امان دے دی گئی۔

دردناک نظارہ

کرنل برن شہر کے فوجی گورنر بنائے گئے تھے۔ انہوں نے چاندنی چوک میں قطب الدین سوداگر کی کوٹھی میں اقامت اختیار کی تھی اور ایک دستہ فوج کا اس کام کے لئے مقرر کیا تھا کہ وہ جہاں آبادی پائے' باشندوں کو گھروں کے

اسباب سمیت گرفتار کر کے لے آئے۔ اس دستہ فوج نے اس حکم سے بہت ناجائز فائدہ اٹھایا۔ سپاہی بہت بے رحمی سے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے تھے' مردوں کے سر پر گھر کا اسباب لادا جاتا تھا' عورتوں کو جبراً ساتھ لیا جاتا تھا' آگے آگے مرد اسباب کے گٹھڑ سر پر رکھے ہوئے' پیچھے پیچھے ان کی عورتیں زاروقطار روتی ہوئیں' چھوٹے چھوٹے سہمے ہوئے بچوں کو گود میں لیے ہوئے۔ کسی عورت کی گود میں بھی بچہ ہوتا تھا اور پیدل بھی کئی کئی بچے انگلی یا چادر کا آنچل پکڑے ساتھ ہوتے تھے۔ وہ شریف زادیاں پیدل چلنے کی عادی نہ تھیں' خصوصاً اس حال میں کہ بچوں کا ساتھ' بے پردگی کی حالت' بچاریاں ٹھوکریں کھا کھا کر گرتی تھیں' بچے گود سے گرے جاتے تھے اور سپاہی ناقابل بیان سختی سے ان کو آگے چلنے کے لیے دھکے دیتے تھے اور ان کو ان مصیبت زدہ لوگوں پر ذرا رحم نہ آتا تھا۔

جب یہ لوگ کرنل برن کے سامنے پیش ہوتے تو حکم دیا جاتا کہ اسباب میں جس قدر قیمتی چیزیں ہیں ان کو تلاش کر کے ضبط کر لو۔ بیکار چیزیں واپس دے دو۔ جب اس حکم کی تعمیل ہو چکتی تو دوسرا حکم یہ دیا جاتا کہ ان کو فوجی حراست میں لاہوری دروازہ تک لے جاؤ اور شہر سے باہر نکال دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا اور وہ لوگ لاہوری دروازہ کے باہر دھکے دے کر نکال دیئے جاتے۔ (یہ تمام حالات منشی ذکاءاللہ کی تاریخ میں ہیں)۔

خیال کرنے کی جگہ ہے کہ وہ غریب بال بچوں کو لے کر ایسی حالت میں کہ ان کے پاس ایک پیسہ بھی کھانے کے لیے نہ ہو' کہاں جاتے ہوں گے اور ان کے بچوں پر کیا گزرتی ہو گی؟ اس تکلیف کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص خود یہ تصور کرے کہ مجھ پر اور میرے اہل و عیال پر یہ حالات گزر رہے ہیں۔

غرض دلی شہر کے باہر ہزاروں مرد اور عورتیں اور بچے بے کسی کے عالم میں ننگے پاؤں' ننگے سر' بھوکے پیاسے پھر رہے تھے اور کوئی ان کا پرسان حال نہ تھا۔ نہ بیٹھنے کو جگہ تھی نہ دھوپ سے بچنے کو سایہ تھا۔ نہ پینے کو پانی کا گھونٹ میسر تھا۔ بعض نیک دل لوگوں نے چنے ابال کر ان لوگوں میں تقسیم کرنے شروع کیے۔ پھر بھی اتنے زیادہ آدمیوں کا پیٹ بھرنا مشکل تھا۔ سینکڑوں بچے بھوک بھوک کہتے ہوئے ماؤں کی گودوں میں مر گئے۔ سینکڑوں مائیں چھوٹے بچوں کو اکیلا چھوڑ کر اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے کنوؤں میں ڈوب مریں۔

ہزاروں عورتیں ڈوب کر مر گئیں

ہزاروں عورتیں ایسی تھیں کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلیں اور پردہ کے سبب انہوں نے گھر میں مر جانا قبول کیا اور جس وقت انہوں نے سنا کہ فوج آتی ہے تو کنوؤں میں گرنے لگیں اور اس کثرت سے گریں کہ ڈوبنے کو پانی نہ رہا' یعنی کنوئیں ان کی لاشوں سے بھر گئے اور جب دوسری عورتیں ان پر گریں تو چونکہ ڈوبنے کو پانی نہ تھا' وہ لاشوں پر پڑی رہیں۔

ایک فوجی افسر کا بیان ہے کہ "ہم نے سینکڑوں عورتوں کو کنوؤں سے زندہ نکالا جو کنوئیں میں لاشوں کے سبب جگہ نہ ہونے سے ڈوبی نہیں اور زندہ پڑی تھیں یا بیٹھی تھیں۔

جس وقت ہم نے ان کو نکالنا چاہا تو وہ چیخنے لگیں کہ برائے خدا ہم کو ہاتھ نہ لگاؤ اور گولی سے مار ڈالو۔ ہم شریف بہو بیٹیاں ہیں' ہماری آبرو خراب نہ کرو اور جب ہم ان کو باہر نکالتے تھے تو وہ ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگتی تھیں اور بعض ان

میں بیہوش ہو کر گر پڑتی تھیں۔"

ایک کنوئیں سے کسی عورت کی لاش نکلی جس نے اپنے دو بچوں کو چھاتی سے باندھ لیا تھا۔ایک بچہ چھ مہینے کا معلوم ہوتا تھا۔دوسرا دو سال کے قریب تھا۔مرنے کے وقت وہ ان دونوں کو اپنے ہاتھوں سے دبا کر کلیجہ سے لگائے رہی ہو گی کیونکہ اس کے دونوں ہاتھ بچوں کے اوپر چمٹے ہوئے تھے۔

فراشخانہ کے کسی کنوئیں میں دو عورتیں زندہ نکالی گئیں۔ایک جوان تھی مگر اندھی تھی دوسری بڑھیا تھی۔بڑھیا کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس کا ایک ہی بیٹا تھا' جس کو گھر میں گھس کر قتل کر دیا گیا اور جب وہ قتل کیا جا رہا تھا' چند سپاہیوں نے اس کی اندھی بہن کی عصمت پر حملہ کرنا چاہا مگر وہ اپنے گھر کے کنوئیں سے واقف تھی۔دوڑ کر اس میں گر پڑی اور اس کے ساتھ ہی میں بھی کنوئیں میں کود پڑی۔ہم دونوں پانی میں غوطے کھا رہے تھے کہ کسی نے اندر آ کر ہم کو باہر نکالا۔

ایک مسلمان گرفتار ہو کر آیا اور اس نے بیان کیا کہ جب میں نے حالت نازک دیکھی تو اپنے ہاتھ سے اپنی بیوی اور بہو اور جوان بیٹی کو قتل کر دیا کیونکہ مجھے ان کے بے آبرو ہونے کا اندیشہ تھا۔اس کے بعد بندوق لے کر لڑنے نکلا اور گرفتار ہوا۔حاکم نے اس کا بیان سن کر حکم دیا کہ اس کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے' چنانچہ اس کو پھانسی دے دی گئی۔

مسلمان چن چن کر مارے جاتے تھے

غدر کی ابتدا خواہ کسی فرقہ کی طرف سے ہوئی ہو' مگر مسلمان بادشاہ کی سرپرستی اور مسلمان قوم کی عملی سرگرمی کے سبب زیادہ قصوروار مسلمان ہی سمجھے جاتے تھے اور دہلی لینے کے بعد سب سے زیادہ مسلمان ہی چن چن کر قتل کئے جا رہے تھے۔وہ دوہری مار کا شکار تھے۔ایک طرف تو انگریز ان سے ناراض تھے اور دوسری طرف سکھ سپاہی اپنا پرانا غصہ ان پر اتارنا چاہتے تھے' کیونکہ ان کے گرو تیغ بہادر صاحب کو کسی مسلمان بادشاہ نے دہلی میں قتل کیا تھا اور سکھوں کو اس تاریخی قتل کا انتقام مسلمانوں سے لینا تھا۔اس واسطے سکھ سپاہی جہاں کہیں کسی جوان اور خوبصورت مسلمان کو دیکھتے' مار ڈالتے تھے۔منشی ذکاء اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ سکھوں کے ہاتھ سے تمام شہر کے خوبصورت اور جوان مسلمانوں کا خاتمہ ہو گیا۔وہ بوڑھے باپ کے سامنے اس کے جوان بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور باپ کو رنج اٹھانے کے لئے زندہ چھوڑ دیتے تھے۔

جب پہلے پہل انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی اس وقت تو جو سامنے آتا تھا' گولی سے مار ڈالا جاتا تھا۔ہندو مسلمان کی تخصیص نہ تھی' مگر بعد میں صرف مسلمان ہی چن چن کر مارے جاتے تھے (تاریخ ہند' صفحہ ۷۰۵)

کوچۂ چیلاں کی مصیبت

دہلی کے تمام محلوں سے زیادہ چیلوں کے کوچہ پر مصیبت آئی تھی۔اس محلہ میں بڑے بڑے شرفا اور نامور علماء رہتے تھے۔مولانا شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا گھرانا اسی محلہ میں آباد تھا۔سرسید احمد خاں کا گھر بھی اسی محلہ کے ایک حصہ میں تھا۔مولانا صہبائی بھی اسی محلہ میں رہتے تھے۔غرض یہ محلہ بڑے بڑے صاحب کمال لوگوں کا مخزن تھا۔منشی ذکاء اللہ صاحب بھی اسی محلہ کے باشندے تھے اور اب بھی ان کے لڑکے اسی محلہ میں آباد ہیں۔مگر غدر کے وقت منشی

صاحب شہر کے باہر چلے گئے تھے اور سرسید بھی اپنے کنبہ سمیت دلی میں نہ تھے۔

منشی ذکاء اللہ صاحب لکھتے ہیں "اس مصیبت خاص کا سبب یہ ہوا کہ نواب شمشیر جنگ خاں کے بیٹے محمد علی خاں اور یا حکیم فتح اللہ خاں نے کسی انگریزی سپاہی کو زخمی کر دیا تھا' کیونکہ وہ ان کے زنانہ مکان میں برے ارادے سے جانا چاہتا تھا۔ اس کی خبر انگریزی کمان افسر کو ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ اس کوچہ کے تمام مردوں کو قتل کر دو یا گرفتار کر کے لے آؤ۔

اس حکم کی تعمیل ایسی بے دردی سے ہوئی کہ محلہ میں کوئی مرد زندہ نہ بچا۔ یا تو سپاہیوں نے گھروں میں گھس کر مار ڈالا یا گرفتار کر کے حاکم کے سامنے لے گئے۔ حاکم نے ان کو دیکھ کر حکم دیا کہ سب کو دریا کے کنارے لے جاؤ اور گولی مار دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ان لوگوں کو رسی سے باندھا گیا۔ دریا کی ریتی میں قطار بنا کر کھڑا کیا گیا اور گولیوں کی باڑھ ان پر چلائی گئی جس سے سب مر کر گر پڑے۔ صرف دو آدمی زندہ بچے' جن کے گولی نہ لگی تھی۔ جب سپاہی گولیاں مار کر چلے گئے تو یہ دونوں اٹھ کر بھاگے۔ ان میں ایک مرزا مصطفیٰ بیگ تھے جو بعد میں رسالہ میں نوکر ہو گئے تھے اور دوسرے مولانا صہبائی کے داماد اور بھانجے وزیر الدین نامی تھے جو بعد میں کانپور بجی کے سرشتہ دار ہو گئے تھے۔"

مقتولوں میں ہندوستان کے آفتاب وماہتاب

ان مقتولوں میں ہندوستان کے دو چاند سورج بھی تھے۔ ایک مولانا صہبائی جن کی فارسی دانی تمام ہندوستان میں مسلم تھی اور ان سے زیادہ فارسی علم کا جاننے والا تمام ملک میں کوئی نہ تھا۔ میرزا غالب کے رقعات میں مولانا صہبائی کا بڑے دردانگیز الفاظ سے ذکر ہے اور غالب ان کے کمالات کے بڑے قدردان تھے۔ مفتی اعظم مفتی صدر الدین آزردہ نے مولانا صہبائی کے قتل کی خبر سنی تو شعر کہا:

کیونکہ آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو　　　قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

مقتولوں میں دوسرے نامور شخص سید محمد امیر عرف میر پنجہ کش تھے' جن کی خوشنویسی کا لوہا تمام ہندوستان مانتا تھا اور ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے حروف سونے چاندی کے عوض خریدے جاتے تھے۔ وہ بھکاری فقیروں کو ایک حرف لکھ کر دے دیتے تھے' جو ایک روپیہ کے نوٹ کی طرح ہر جگہ روپیہ کو بک جاتا تھا۔ افسوس کہ یہ صاحب کمال بھی دریا کی ریتی میں مارا گیا۔

چیلوں کے کوچہ والے جو دریا کی ریتی میں بے خطا ہلاک کیے گئے' ان کی تعداد کا صحیح علم کسی کو نہیں' مگر اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف مولانا صہبائی کے کنبہ کے اکیس آدمی اس قطار میں مارے گئے' تو ظاہر ہے کہ جب ایک شخص کے ہمراہی اکیس تھے تو باقی اور بڑے آدمیوں کے ساتھی کتنے کتنے ہوں گے۔

صرف مسلمانوں کو باغی سمجھا جاتا تھا

ایک ڈاکٹر صاحب کا ذکر تاریخ ہند میں ہے' جن کا نام منشی ذکاء اللہ صاحب نے نہیں لکھا ہے۔ وہ صرف

مسلمانوں کو باغی سمجھتے تھے۔ جب کسی سے ملتے تو پوچھتے کہ تو مسلمان ہے یا ہندو؟ اگر وہ ہندو کہتا تو جانے دیتے اور مسلمان کہتا تو مار ڈالتے۔ ایک دوست نے ان کو اس غلطی سے آگاہ کیا کہ بغاوت میں دونوں قومیں شریک تھیں' تب انہوں نے مسلم کشی سے ہاتھ اٹھالیا۔

گولی سے کتنے آدمی مارے گئے

انگریزی تاریخوں میں صرف گولی سے مارے جانے والوں کی تعداد سولہ سو لکھی ہے' مگر مرنے والوں کا شمار ایسی افراتفری اور عام پریشانی کے وقت کون کیا کرتا ہے۔ مردم شماری میں زندہ آدمیوں کے شمار کے لئے تو ایک خاص محکمہ بنایا جاتا ہے۔ مردہ آدمیوں کا گننا اور پھر ان کو قلم بند کرنا بالکل خلاف قیاس بات ہے۔ معلوم نہیں' کتنے مر گئے اور کس قدر مارے گئے۔ ان کی گنتی معلوم بھی ہو تو کیا فائدہ ہو گا؟

لارڈ رابرٹس فیلڈ مارشل کی کتاب "تاریخ چہل و یک سالہ" میں ایک نظارہ دہلی کے مرنے والوں کا درج ہے۔ اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ کس کثرت سے لوگ مارے گئے تھے۔ لارڈ موصوف نے صرف ایک دن کا نظارہ دکھایا ہے اور خونریزی تو خبر نہیں کتنے دن قائم رہی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

> "ہم صبح کو لاہوری دروازہ سے چاندنی چوک میں گئے' تو ہم کو شہر حقیقت میں مُردوں کا شہر نظر آتا تھا۔ کوئی آواز سوائے ہمارے گھوڑوں کی ٹاپوں کے سنائی نہیں دیتی تھی' کوئی زندہ آدمی نظر نہیں آیا۔ سب طرف مُردوں کا بچھونا بچھا ہوا تھا' جس میں بعض حالت نزع و جاں کنی میں مبتلا تھے۔
>
> ہم چل رہے تھے تو بہت آہستہ آہستہ بات کرتے تھے' خوف تھا کہ ہماری آواز سے مُردے نہ چونک پڑیں۔ اس بات کے دیکھنے سے کہ ایک طرف مُردوں کی لاشوں کو کتے کھا رہے ہیں اور دوسری طرف لاشوں کے آس پاس گدھ جمع ہیں جو ان کے گوشت کو نوچ نوچ کر مزے سے کھا رہے ہیں اور ہماری آمد کی آواز سے اڑ کر تھوڑے فاصلہ پر جا بیٹھتے ہیں' ہم کو بڑی عبرت ہوتی تھی اور ہمارا دل رنجور ہو جاتا تھا۔ بہت سے مردے ایسے پڑے تھے گویا وہ زندہ ہیں۔ بعض مردوں کے ہاتھ اوپر کو اٹھے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔
>
> غرض ان مردوں کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ ہم کو ان کے دیکھنے سے ڈر لگتا تھا' ویسے ہی ہمارے گھوڑے ان کو دیکھ کر ڈر کے مارے بدکتے اور ہنہناتے تھے۔ مُردوں کی لاشیں پڑی سڑتی تھیں۔ ان کے تعفن سے ہوا میں بیمار کرنے والی بدبو اٹھ رہی تھی۔"

اسی طرح ایک اور رحمدل انگریز نے دہلی کی حالت پر نہایت سادہ مگر مؤثر الفاظ میں لکھا ہے:

"دلی کے باشندے اگرچہ سب نہیں مگر آدھے بے قصور شہر کے گرد و نواح' دیہات و جنگلوں

میں پڑے ہوئے ہلاک ہو رہے ہیں۔"

لارڈ رابرٹس جنگی آدمی تھے، مگر انہوں نے شاعروں کی طرح ایسا صحیح اور دردناک منظر دہلی کے بازار کا لکھ کر پیش کیا ہے جس کو پڑھ کر کلیجہ شق ہوا جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں اس شدت سے لوگ مارے گئے تھے کہ بازار لاشوں سے بھرے پڑے تھے پھر جو انگریزی تاریخوں میں صرف سولہ سو آدمیوں کا گولی سے مارا جانا لکھا گیا ہے، اس پر کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال دہلی میں جس قدر لوگ مارے گئے، ان میں کم از کم آدھا حصہ عورتوں کا پورا حصہ محض بے گناہ تھا اور ناعاقبت اندیش باغیوں کی حرکات ناشائستہ کے وبال میں یہ مظلوم خواہ مخواہ موت کے گھاٹ اتارے گئے۔

بیمار کی پھانسی، مرنے کے بعد بھی بیماری کا اثر موجود تھا

انگریزوں کی خطا نہیں، بعض ہندوستانی جھوٹ بول بول کر انگریزوں سے ظلم کراتے تھے۔ بہادر شاہ کے بھائی میرزا بابر کا لڑکا میرزا کالے مخبروں میں نوکر ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے خاندان والوں پر ایسے ایسے ظلم کرائے جن کے سننے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی کارگزاری دکھانے کو ایسے ایسے جھوٹ بولتا تھا جن کا کچھ بھی سر پیر نہ ہوتا تھا۔ معمولی شہزادوں کو گرفتار کراتا اور ان سے کہہ دیتا کہ "صاحب کے سامنے جا کر کہہ دینا کہ ہم بادشاہ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ اگر تم یہ کہو گے تو تم کو بادشاہ کے ساتھ رکھا جائے گا اور تمہاری پنشن مقرر ہو جائے گی۔"

دوسری طرف حکام سے جا کر کہتا کہ "میں نے فلاں شہزادہ کو گرفتار کرایا ہے جو بادشاہ کا ایسا قریبی رشتہ دار ہے اور جس نے غدر میں انگریزوں کے خلاف بڑے بڑے کام کئے ہیں اور ایسے شخص کا گرفتار کرانا معمولی بات نہ تھی۔"

حکام اس کی باتوں سے دھوکے میں آ جاتے تھے اور بیچارے شہزادوں کو بے گناہ پھانسیاں ہو جاتی تھیں۔

انہی بے خطا شہزادوں میں ایک شہزادہ میرزا قیصر نامی تھے جو بہادر شاہ کے دادا شاہ عالم کے بیٹے تھے۔ وہ اس قدر بوڑھے تھے کہ ان کے ہوش و حواس بھی درست نہ تھے اور کوئی شخص یہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انہوں نے غدر میں کوئی حصہ لیا ہو گا، مگر موذی عقرب صفت مخبر نے انگریز حکام کو میرزا قیصر کی طرف سے ایسی ایسی بے سروپا باتیں سنائیں کہ حکام آگ بگولا ہو گئے اور غریب بوڑھے شہزادہ کو پھانسی دے دی گئی۔

اسی طرح ایک اور بیمار شہزادہ میرزا محمود شاہ نامی تھا۔ یہ اکبر شاہ کا پوتا تھا اور عرصۂ دراز سے گٹھیا کے مرض میں مبتلا تھا۔ غدر کے زمانہ میں بیچارا گھر میں بے حس و حرکت پڑا رہتا تھا۔ گٹھیا کے سبب اس کے ہاتھ پاؤں ایسے اکڑ گئے تھے کہ وہ گولا لاٹھی اور گول مٹول ہو گیا تھا۔ اس آفت نصیب کی شکایت بھی نون مرچ لگا کر مخبر نے حکام سے جا کر کی اور اس کے بیان سے متاثر ہو کر میرزا محمود شاہ کو بھی پھانسی دے دی گئی۔ منشی ذکاء اللہ لکھتے ہیں پھانسی پانے کے بعد بھی میرزا محمود شاہ کی لاش گولا لاٹھی بنی لٹکتی رہی اور جو شخص اس لاش کو دیکھتا تھا اور اس کی بیماری کا خیال کرتا تھا تو رنج و افسوس سے بے اختیار رونے لگتا تھا۔

سب انگریز بے رحم نہ تھے

جس شہر میں یہ بے رحمیاں ہو رہی تھیں' اسی شہر میں ایسے رحمدل انگریز بھی تھے جو بے گناہوں کی حمایت کرتے تھے اور لاوارثوں کے وارث بن کر ان کی طرف سے حکام کے پاس سفارشیں لے جاتے تھے۔ بیماروں اور زخمیوں کو ہسپتال بھجواتے' اپنے پاس سے بھوکوں محتاجوں کو کھانا دیتے اور کوشش کرتے تھے کہ حکام دہلی سے بے گناہ لوگوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے' مگر ان کی کوشش دو وجہ سے اکثر ناکام رہتی تھی' ایک تو یہ کہ اختیارات عموماً ان انگریزوں کے ہاتھ میں تھے جن کے بال بچے باغیوں کے ہاتھ سے بے گناہ مارے گئے تھے اور ان کے گھروں کو لوٹا گیا تھا اور ان کو رہ رہ کر اپنے گھروں کی تباہی اور اپنے بچوں اور عورتوں کا بے کسی و ظلم سے مارا جانا یاد آتا تھا اور اس یاد کے سبب غم و غصہ ان کی عقل پر پردے ڈالتا تھا اور وہ حق و ناحق میں اچھی طرح تمیز نہ کر سکتے تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ خود مخبروں نے سفاکی پر کمر باندھ لی تھی۔ یہ جاسوس اور مخبر دہلی کے رہنے والے تھے اور اپنی ناموری اور افسروں کی خوشنودی حاصل کرنے کو طرح طرح کے فرضی قصے تصنیف کرتے تھے۔ ان میں سے بعض تو خود بغاوت میں شریک رہ چکے تھے' مگر اب دوسروں کو باغی ثابت کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا اور اس طرح اپنی جان بھی بچانا چاہتے تھے اور روپیہ کمانا بھی مقصود تھا۔

گامی خاں مخبر کی بہت دھوم تھی۔ وہ غدر میں باغیوں کے ساتھ تھا۔ پھر انگریزوں سے آ ملا اور سیکڑوں بے گناہوں کو پھانسی پر لٹکوا دیا۔ سینکڑوں گھر اجڑوا دیے اور بے شمار جھوٹی اطلاعیں حکام کو دیں۔ گامی کی ہیبت منکاف صاحب سے بھی زیادہ تھی۔ لوگ گامی کا نام سن کر کانپ جاتے تھے۔ آخر کار غدر کی ناؤ کے ڈوبنے کا وقت آیا اور میاں گامی کے کرتوت کھل گئے تو حکام نے اس دغا باز کو پھانسی دے دی۔

میرزا کالے کے علاوہ ایک اور مخبر غلام فخر الدین نامی تھا۔ اس نے بھی اپنے شہر والوں کو ستانے اور پھانسیاں دلوانے میں کمی نہیں کی۔

غرض سب انگریز بے رحم نہیں تھے' سوائے چند مخصوص لوگوں کے جن میں منکاف صاحب اور ہڈسن صاحب بہت نامور ہوئے اور کوئی انگریز بھی حد سے زیادہ ظلم و ستم کا حامی نہ تھا۔

سر جان لارنس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے کہ انہوں نے اس قیامت کے وقت دہلی اور اس کے شریف باشندوں کی اپنی زوردار تحریروں میں ہمیشہ حمایت کی اور کوئی دقیقہ اس میں باقی نہ رکھا۔ گو برسر اقتدار حکام دہلی ان کے لکھنے پر بہت کم عمل کرتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ ایسے وقت نرمی نہ کرنی چاہیے' بلکہ اپنی قوت کو اچھی طرح ظاہر کرنا ضروری ہے۔

شہزادوں کا جیل خانے میں مرنا

جن شہزادوں کو قید کی سزا دی جاتی تھی' ان کی مشقت موت سے زیادہ سخت ہوتی تھی۔ اول تو وہ مشقت کے عادی نہ تھے' دوسرے کام بھی ان کی بساط اور طاقت سے زیادہ لیا جاتا تھا۔ ان کو چکی پیسنے کی عادت نہ تھی' جب زیادہ مقدار میں آٹا پسوایا جاتا اور نہ پستا تو ان پر کوڑوں کی مار پڑتی' یہاں تک کہ وہ بیچارے چند ہی روز میں مر کھپ کر قید ہستی سے رہا

ہو جاتے۔

شہزادوں کا آخری زمانہ ایسی عیش پسندی کا تھا کہ وہ عہدی بندے ہو گئے تھے۔ وہ نوکر اور لونڈی غلام کی مدد کے بغیر پانی بھی نہ پی سکتے تھے۔ یکا یک اتنا بڑا انقلاب ان سے کیوں کر برداشت ہوتا کہ چکی چلا کر آٹا پیسے۔ وہ چار ہی ہاتھ چلانے سے ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ بازو شل ہو کر کام کرنے سے جواب دے دیتے تھے۔ جیل کے برقنداز تو ہر جگہ دوزخ کے فرشتے ہوتے ہیں وہ ان نازک بدنوں پر ذرا رحم نہ کرتے تھے اور اس قدر کوڑے ان کے مارتے تھے کہ یہ غریب مار کھاتے کھاتے بیہوش ہو جاتے تھے اور یہ تھا اُس سرکشی کا نتیجہ جو ان غریبوں کو بغیر کسی عمل کے بھگتنا پڑا۔

وہی مثل ہے 'کرے ڈاڑھی والا پکڑا جائے مونچھوں والا۔ بغاوت فوج نے کی' گرفت شہزادوں اور باشندگان شہر کی ہوئی۔ اگرچہ شہزادوں اور شہریوں میں بھی بعض لوگ قصوروار تھے مگر سب خطاکار نہ تھے اور سزا بلا امتیاز سب کو دی جاتی تھی۔

والیان ریاست کو پھانسیاں

دہلی کی ایجنسی میں سات ریاستیں تھیں۔ جھجر' پاٹودی' دوجانہ' لہارو' بلب گڑھ' فرخ نگر' بہادر گڑھ دادری۔

جھجر کے نواب عبدالرحمان خاں پر یہ جرم عائد کیا گیا کہ انہوں نے سر تھیوفلس مٹکاف صاحب کو پناہ نہ دی جبکہ وہ ان کے پاس باغیوں سے بھاگ کر گئے تھے اور بہادر شاہ کو عرضیاں بھیجیں' اس لئے ۱۲۰ کتوبر کو فوج جھجر گئی اور نواب صاحب کو گرفتار کر لائی۔ قلعہ کے دیوان عام میں چند روز قید رہے' مقدمہ ہوا اور آخرکار پھانسی کی سزا دی گئی اور ریاست ضبط ہوئی۔

بلب گڑھ کے راجہ نہر سنگھ پر یہ جرم عائد ہوا کہ اس نے منٹرو صاحب وکیل رزیڈنٹی کی جان نہ بچائی اور وہ اس کے علاقہ میں باغیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ نیز اس نے بادشاہ کو بہت سی عرضیاں لکھیں۔ اس کو بھی پھانسی کی سزا دی گئی اور ریاست ضبط۔

فرخ نگر کے نواب احمد علی خاں کو پھانسی اور ضبطی ریاست کی سزا ملی۔

لہارو کے رئیس نواب امین الدین خاں اور نواب ضیاء الدین خاں کچھ دن قید رہے۔ مقدمہ میں کئی کئی گھنٹے کھڑا رہنا پڑا۔ آخر سر جان لارنس کی کوشش سے رہائی پائی اور ریاست بھی بحال رہی۔

پاٹودی اور دوجانہ پر کوئی جرم عائد نہیں ہوا۔ بہادر گڑھ دادری کے رئیس بہادر جنگ خاں پھانسی سے تو بچ گئے' مگر ریاست ضبط ہوئی اور لاہور میں رہنے کا حکم ملا اور ہزار یا پانسو روپے ماہوار پنشن مقرر ہوئی۔

پھانسی کا منظر

جب جھجر' بلب گڑھ' فرخ نگر کے رئیسوں کو پھانسیاں دی جاتیں تو شہر کے سب دروازے بند ہو جاتے۔ تیسرے پہر کا وقت ہوتا۔ فوج باجہ بجاتی ہوئی آتی اور پھانسی گھر کے سامنے آ کر ٹھہر جاتی۔ پھر قلعہ سے پھانسی پانے والے

مجرم کو ایک کرانچی میں لایا جاتا' جس کے گرد کٹہرا نہ ہوتا تھا۔ مجرم کے ہاتھ پیٹھ کی طرف بندھے ہوئے ہوتے تھے۔ کوتوالی کے چاروں طرف انگریز تماشائی جمع ہوتے تھے۔ جب پھانسی کا تختہ کھینچا جاتا تو تماشائی چیختے۔ اس کے بعد لاش اوندھے منہ کرانچی میں ڈال دی جاتی اور شہر کے باہر کسی جگہ دفن کرنے کو بھیج دی جاتی تھی۔

پھانسی پانے والوں کی کئی قسمیں تھیں۔ ایک تو وہ لوگ تھے جو بادشاہ سے تعلق خاص رکھتے تھے یا ان کے نوکر تھے اور انہوں نے قلعہ کے مقتول انگریزوں اور عورتوں بچوں کے قتل میں حصہ لیا تھا اور دوسرے وہ تھے جنہوں نے جہاد کے نام سے لڑائی میں حصہ لیا تھا اور اب مسجدوں میں بیمار یا زخمی پڑے تھے۔ تیسرے وہ تھے جنہوں نے میگزین میں انگریزوں کو دق کیا تھا۔ چوتھے باغی سپاہی تھے جو چھپے چھپائے کہیں نہ کہیں سے دستیاب ہو جاتے تھے۔ پانچویں اجمیری دروازہ کے مسلمان موچی تھے' جنہوں نے منکاف صاحب پر بانسوں سے حملہ کیا تھا' جبکہ وہ باغیوں سے بھاگ کر اجمیری دروازے کی طرف سے شہر کے باہر جانا چاہتے تھے۔ چھٹے وہ میواتی اور گوجر تھے جنہوں نے چاروں طرف لوٹ مچار کھی تھی۔

کوتوالی چاندنی چوک کے سامنے ایک حوض تھا جواب بند ہو گیا ہے۔ اس کے تین طرف پھانسیاں گڑی ہوئی تھیں۔

بہت نامناسب کام!

پھانسی دینے کے وقت ایک بات بہت نامناسب پائی جاتی تھی کہ پھانسی پانے والوں کی ایک قطار لا کر کھڑی کی جاتی تھی۔ اس میں سے آدھے پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے تھے اور آدھے کھڑے ہوئے دیکھتے رہتے کہ اس کے بعد ہمارا نمبر آئے گا۔ مہذب قوموں کے ہاں یہ بات بہت نامناسب اور عیب سمجھی جاتی ہے۔

دلی کے بعض شرفا الور کی ریاست میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے۔ جب دلی میں گرفتاریاں اور قتل کاریاں ہوئیں تو صدہا عمائد و شرفا بھاگ کر الور پہنچے۔ ان کا خیال تھا کہ الور میں ہم کو امن اور پناہ مل جائے گی' مگر غلام فخر الدین خاں جاسوس موت کا فرشتہ بن کر الور پہنچا اور ایک ایک کو چن کر گرفتار کرا لایا۔ کچھ تو گڑ گانوہ کے مجسٹریٹ کے حکم سے راستہ میں درختوں پر لٹکا دیئے گئے اور باقی دلی لائے گئے اور یہاں ان کو پھانسیاں دی گئیں۔

بوڑھی مائیں بیٹوں کی موت دیکھنے آئیں

''تاریخ ہند'' میں لکھا ہے کہ جس وقت الور کے قیدی پکڑے ہوئے آئے اور ان کو پھانسی کا حکم دیا گیا اور ان کی پھانسی کا وقت آیا تو قیدیوں میں سے چار جوانوں کی بوڑھی مائیں بھی ان کی موت کا تماشہ دیکھنے آ گئیں۔ یہ جوان زرق برق کپڑے پہنے ہوئے تھے' سر پر ریشمی اور زریں سیلے بندھے ہوئے تھے' پیروں میں ناٹ بافی جوتیاں' چست انگرکھے' چوڑے چوڑے سینے' گورے گورے چہرے۔

جس وقت حلال خور نے ان کو پھانسی کے تختے پر کھڑا کیا' ان کی بڑھیا ماؤں کا غم کے مارے عجیب حال تھا۔ وہ چیخیں مارتی تھیں' پچھاڑیں کھاتی تھیں اور کلیجہ پکڑ کے زمین پر لوٹی جاتی تھیں اور ان کے بیٹے دم بخود چپ چاپ اپنی ضعیف

ماؤں کی بے قراری دیکھ رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے تختہ کھینچ گیا اور وہ موت کے پھندے میں لٹکنے لگے۔

اس دن حلال خور نہال ہو گیا تھا' کیونکہ زرین سیلوں اور ناٹ بافی جوتیوں کا ایک انبار اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

دہلی میں ایک رئیس نواب محمد حسن خاں نامی تھے۔ انہوں نے ایک میم کو اپنے گھر میں پناہ دینے کی نیکی کے ساتھ ایک برائی یہ کی میم صاحبہ کی آبرو خراب کر ڈالی جس سے ان کو حمل ہو گیا۔ اس جرم میں نواب صاحب کو بھی پھانسی دی گئی' مگر میم نے یہ شرافت برتی کہ نواب صاحب کی بیوی کے مال و اسباب کو لوٹ سے بچا دیا اور اپنے پاس سے بھی نقدی دے کر گزارہ کا سامان کر دیا۔

سر جان لارنس کی لائف میں لکھا ہے کہ جس جگہ پھانسیاں دی جاتی تھیں' وہاں ایک دیسی دکاندار کرسیاں بچھاتا تھا اور ان پر انگریز افسر آ کر بیٹھتے تھے اور دکاندار کو کرسیوں کا کرایہ دیتے تھے۔ وہاں یہ لوگ پھانسی کا تماشا دیکھتے' چرٹ پیتے اور مرنے کی آخری سیر کرتے تھے۔ اگر کوئی میم ادھر سے گزرتی تو وہ پھانسی کا منظر نہ دیکھ سکتی اور ٹوپی سے اپنی آنکھوں اور چہرہ کے سامنے آڑ کر لیتی تھی۔

مسلمانوں کے لئے ایک جرم یہ بھی تھا کہ ان کی شان سپاہیانہ ہے یا نہیں؟ اگر کسی مسلمان کی شان سپاہیانہ ہوتی تو پھانسی دینے کا ایک بڑا سبب یہی ہو جاتا تھا۔ "تاریخ ہند" میں ہے کہ ایک روز بارہ مسلمان گرفتار ہو کر آئے۔ ان کا کوئی جرم ثابت نہ ہوا تو اس خطا پر ان کو پھانسی دے دی گئی کہ ان کی صورت سپاہیانہ ہے اور وہ ضرور بغاوت میں شریک ہوئے ہوں گے۔

غدر سے پہلے تمام مسلمان حتیٰ کہ علماء اور درویش بھی سپاہیانہ وضع رکھتے تھے۔ حضرت مولانا فخر الدین فخر صاحب نے تمام عمر سپاہیانہ وضع رکھی' مگر غدر کے بعد یہ مجرم ہونے کی علامت تھی۔

امراء و شرفاء حوالات میں

نواب حامد علی خاں' حکیم احسن اللہ خاں' نواب احمد قلی خاں' سید سردار مرزا' مفتی صدر الدین وغیرہ نامور امراء و شرفاء مدتوں حوالات میں رہے۔ ان میں بعض امیر زادے ایسے بے فکرے تھے کہ شطرنج' گنجفہ چوسر کے کھیل میں مصروف رہتے' حالانکہ ان میں سے روزانہ ایک دو آدمیوں کو پھانسیاں ہوتی تھیں' مگر ان کے لہو و لعب کا شوق اس کے باوجود باقی تھا۔

منکاف صاحب کو ایک دن خبر ملی کہ حکیم محمود خاں صاحب کے مکان میں بہت سے باغی پوشیدہ ہیں۔ وہ فوج لے کر گئے اور سب کو ایک رسہ کے حلقہ میں گرفتار کر کے کوتوالی لے آئے۔ حکیم محمود خاں بھی مروت و شرافت کے سبب گرفتار شدہ لوگوں کے ساتھ کوتوالی چلے گئے۔ شہر میں چرچا ہوا کہ حکیم صاحب بھی گرفتار ہوئے' مگر وہ اپنی خوشی سے گئے تھے۔ رات بھر کوتوالی میں رہے۔ صبح کو چلے آئے اور ان کی کوشش سے وہ سب قیدی بھی چھوٹ گئے جو ان کے مکان سے گرفتار ہوئے تھے۔

شہر کے آس پاس درگاہ قدم شریف اور عرب سرائے' پرانے قلعہ اور درگاہ سلطان جی صاحب میں جو لوگ

بھاگ کر چلے گئے تھے ان کی تلاش کے لئے سرمٹکاف روزانہ فوج لے کر جاتے تھے اور رسہ کے حلقے میں گھیرا لاتے تھے۔ گھیرا پڑنے کی جگہ جگہ ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ ان قیدیوں کو قید و جرمانہ کی سزائیں ملتی تھیں مگر مسلمانوں کے پاس جرمانہ دینے کو کچھ باقی نہ تھا اس لئے وہ عموماً قید کئے جاتے تھے۔

شہزادہ امیر الملک کا بیان

اس کتاب کی تحریر کے وقت میں شہزادہ امیر الملک عرف میرزا ابلاقی سے ملا اور ان کی تاریخی باتوں کی تصدیق چاہی کیونکہ وہ غدر میں موجود تھے اور آج کل چاندنی محل میں محلہ میں رہتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ میرزا قیصر کی پھانسی کا قصہ سچا نہیں معلوم ہوتا کیونکہ وہ غدر کے بعد تک زندہ رہے اور اپنی موت سے مرے مگر یہ واقعہ منشی ذکاء اللہ صاحب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ ممکن ہے میرزا ابلاقی صاحب کو پورا علم نہ ہو۔

میرزا ابلاقی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ گامی خاں مخبر کا بڑا خوف لگا رہتا تھا۔ میں اپنی والدہ کے ساتھ درگاہ حضرت سلطان جی کے قریب ایک مقبرہ میں تھا کہ ایک نوکر آیا اور اماں سے کہا کہ گامی خاں کہتے تھے کہ یہ لڑکا (میرزا ابلاقی) بہادر شاہ سے خوشخطی سیکھ کرتا تھا مجھے اس کا حال معلوم ہے۔ بس یہ سنتے ہی والدہ ڈر گئیں اور جب انہوں نے یہ سنا کہ گامی خاں درگاہ میں آیا ہوا ہے تو انہوں نے مجھ کو تو چارپائی کی ادوان پر لٹا کر رضائی میرے اوپر اس طرح ڈال دی گویا بچھونا رکھا ہے اور نوکر کو سونے کی بالیاں اتار کر دیں کہ یہ گامی کو دے دو اور کہہ دو کہ میرے بچے کی مخبری نہ کرے۔ میرزا صاحب کہتے ہیں کہ میں شام تک اسی طرح پڑا رہا۔

ان کا یہ بیان بھی قابل تحریر ہے کہ ہم لوگ بادشاہ کے آنے سے پہلے درگاہ سلطان جی صاحب میں آ گئے تھے۔ جب خبر ملی کہ بادشاہ مقبرہ ہمایوں میں آ گئے ہیں تو میں نوکر کے ساتھ والدہ کے کہنے کے بموجب ان کو سلام کرنے گیا۔ بہادر شاہ اس وقت ہمایوں کی قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ میں نے جا کر سلام کیا تو گھبرا کر فرمایا "بھئی اماں! تم یہاں کہاں؟ لو یہ تمہارے خوان کے روپے ہیں۔ لو۔ اور ابھی چلے جاؤ۔ جیتے بچے تو پھر ملیں گے۔"

مجھ کو بادشاہ کے ہاں سے کھانے کا خوان ملا کرتا تھا۔ اس کے عوض بادشاہ نے پانچ روپے دیئے اور رخصت کر دیا۔

میرزا قویاش کی تلاش

میرزا ابلاقی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ جب خوف زیادہ بڑھا تو والدہ ہم سب کو لے کر رتھ میں سوار ہوئیں اور قطب صاحب لے چلیں۔ ہم راستہ میں تھے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی اور تھوڑی دیر میں سواروں نے ہمارے رتھ کو گھیر لیا۔ ایک آدمی نے پردہ کے سوراخ میں منہ ڈال کر جھانکا تو اماں بولیں کون ہے؟ زنانہ میں کیوں جھانکتا ہے؟ تو جواب ملا۔ میں ہوں میرزا الٰہی بخش۔ رتھ کے اندر میرزا قویاش تو نہیں ہیں؟ اماں نے کہا ہوش کی خبر لو۔ میرزا قویاش یہاں کہاں؟ میرے بچے اس رتھ میں ہیں۔ اس کے بعد ہڈسن صاحب نے جو رتھ کی دوسری طرف کھڑے تھے اپنے کوڑے

سے رتھ کر پردہ اٹھایا اور میری کوک میں اپنے کوڑے کی نوک لگائی۔ میں خوف سے کانپنے لگا' مگر جب ان کو معلوم ہو گیا کہ میرزا قویاش رتھ کے اندر نہیں ہیں تو وہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے قطب صاحب کی طرف چلے گئے۔

سواروں میں ایک ہڈسن صاحب تھے اور ایک میرزا الٰہی بخش اور دو میرزا صاحب کے اردلی نبو خاں وغیرہ تھے۔

جب وہ آگے بڑھ گئے تو ہمارا رتھ بھی روانہ ہوا۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ سڑک کے مغربی رخ جنگل میں میرزا قویاش کو گھوڑے پر سوار کھڑا دیکھا۔ ان کے سر پر ٹوپی نہ تھی اور چہرہ پر خاک پڑی ہوئی تھی اور بڑے گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور جس گھوڑے پر سوار تھے وہ بہت ہی معمولی درجہ کا معلوم ہوتا تھا۔ مرزا قویاش نے رتھ کو دیکھا اور مجھ کو پہچانا تو قریب آئے۔ والدہ نے ان سے فرمایا' میرزا! خدا کے لئے جلد بھاگ' تیری تلاش میں ہڈسن صاحب اور میرزا الٰہی بخش ابھی قطب صاحب گئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں الٹے آتے ہوں گے۔ اس راستہ سے نہ جانا' کسی اور طرف جانا۔

میرزا قویاش یہ سن کر اور گھبرا گئے اور سلام کر کے گھوڑا بڑھا کر جنگل میں چلے گئے اور پھر آج تک ان کا پتہ نہ لگا کہ وہ کہاں گئے (میرزا ابلاقی صاحب کا بیان ختم ہوا)۔

تین دن کی لوٹ

قبضۂ دہلی کے بعد تین روز تک فوجی سپاہیوں کو دہلی کی لوٹ معاف رہی' جنھوں نے اچھی طرح پیٹ بھر کر جس قدر لوٹا جا سکا' لوٹا۔ ان سپاہیوں میں بعض ایسی اقوام کے لوگ تھے' جن کا لوٹ کھسوٹ خاندانی پیشہ تھا۔ اس واسطے وہ مال رکھنے کی جگہوں کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔ جب وہ گھروں کے اندر جاتے تو تمام دیواروں کو ہاتھوں سے ٹھپک ٹھپک کر دیکھتے تھے' کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ اکثر لوگ دیواروں کے اندر روزن بنا کر اس میں زیور اور روپیہ رکھ دیتے ہیں' اس لئے جہاں کہیں سے دیوار کے اندر کھوکھلے پن کی آواز آتی' وہ اس کو کھودتے اور زیور روپیہ وغیرہ نکال لیتے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ لوگ زمین کے اندر دولت کو دفن کر دیتے ہیں۔ اس واسطے وہ گھروں میں آ کر جگہ جگہ پانی بہاتے اور جہاں دیکھتے کہ پانی جذب ہو گیا' اسی مقام کو کھود کر روپیہ پیسہ نکال لیتے تھے۔ تین روز کے بعد فوج کی درخواست پر حکام نے پرائز ایجنسی کے نام سے ایک محکمہ قائم کیا جس کا یہ کام قرار پایا کہ تین دن کی لوٹ کے بعد شہر میں اور جو کچھ مال و دولت باقی ہو وہ جمع کرا کے اس محکمہ کے ذریعہ نیلام یا فروخت کرایا جائے اور وہ روپیہ فوج کو تقسیم کر دیا جائے۔

پرائز ایجنسی کے قائم ہونے سے عام لوٹ مار تو بند ہو گئی' لیکن پوری طرح اس کا سد باب نہ ہوا۔ شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے تاکہ سپاہی لوٹ کا مال باہر نہ لے جا سکیں' تاہم سپاہی رسیاں باندھ باندھ کر فصیل کے نیچے اتر جاتے تھے۔ آدھے فصیل کے نیچے کھڑے رہتے' آدھے لوٹ کا مال رسیوں میں باندھ باندھ کر باہر ان کو پہنچاتے رہتے۔

گوروں نے بالکل نہیں لوٹا

منشی ذکاء اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس لوٹ مار میں صرف پنجابی اور سرحدی اور سکھ قومیں شریک تھیں۔

گورے اور ہندوستانی سپاہیوں نے لوٹ کے مال کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

پرائز ایجنسی کا کام یہ تھا کہ اس نے اپنے ماتحت کئی قسم کے عہدہ دار قائم کئے تھے۔ کوئی عہدہ دار صرف کتابوں کو جمع کرتا تھا۔ کوئی برتنوں' چارپائیوں اور چکیوں کو' کوئی دفینوں کو کھدواتا تھا۔ دفینوں کی کھدوائی کے لئے انہوں نے یہ حکمت کی تھی کہ راج مزدوروں کو کمیشن کا لالچ دے کر اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ تیغ اور دفینے عموماً راج مزدوروں کے ذریعے تیار ہوئے تھے۔ اس واسطے پرائز ایجنسی کو بہت آسانی کے ساتھ تمام دفینے دستیاب ہو گئے۔

یہ تمام مال واسباب مختلف مقامات پر گوداموں میں بھرا جاتا تھا۔ منصور خاں کی حویلی میں شہر کے اندر تانبے اور پیتل کے برتن رکھے جاتے تھے۔ پروفیسر رام چندر کی کوٹھی میں کتابیں جمع کی جاتی تھیں۔

کھدائی سارے شہر میں ایسی ہوئی کہ پہلے زمانے کے روپے اور اشرفیاں بھی گڑی ہوئی نکل آئیں۔ کہتے ہیں کہ نواب محمد میر خاں کے مکان میں سے ساٹھ ہزار روپے کا ایک دفینہ ایسا نکلا جس کا حال گھر والوں کو بھی معلوم نہ تھا۔ یہ روپے دیگ کے سکہ کے تھے۔

پرائز ایجنسی کو ان طریقوں کے علاوہ ایک اور طریقہ سے بھی بہت سا روپیہ حاصل ہوا اور وہ یہ تھا کہ بڑے بڑے امیروں کو جاں بخشی کی سندیں خاطر خواہ روپیہ لے کر دی جاتی تھیں۔ مشہور ہے کہ نواب حامد علی خاں اور مفتی صدر الدین خاں اور مکند لال مصر نے اس طرح زر کثیر دے کر اپنی جانیں بچائی تھیں۔ ایک صاحب بہادر شاہ کے بیٹے جواں بخت کو ہاتھی کی عماری پر بٹھا کر لال کنوئیں کے قریب جواں بخت کی ماں زینت محل کے محل میں لے گئے اور ان سے زینت محل کے مال کا پتہ پوچھ کر اس کو وہاں سے نکال لیا' مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ صاحب بہادر کون تھے اور یہ روپیہ انہوں نے خود رکھا یا پرائز ایجنسی کو دے دیا۔ بعض آدمی کھانے پینے سے ایسے محتاج ہو گئے تھے کہ انہوں نے خود اپنا مال پرائز ایجنسی کے کارندوں کو بتایا تاکہ اس طرح کمیشن ان کو مل جائے۔ بعض ناخلف بیٹوں نے ماں باپ کا' بعض نے اپنے عزیزوں کا مال بتانے میں حصہ لیا۔ ایک صاحب کا کام یہ تھا کہ شہر کے محلوں اور بازاروں اور بڑی حویلیوں کے دروازوں کو اکھیڑتے اور جمع کر کے ان میں آگ لگا دیتے اور دوسرے دن راکھ کے ڈھیر میں سے جس قدر لوہا پیتل نکلتا اس کو اٹھوا کر لے جاتے۔

ایماندار فوجی مسلمان

بعض ایماندار فوجی مسلمان ایسے تھے کہ وہ مسلمانوں کے گھروں کو لوٹنا گناہ جانتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے گھروں میں سے صرف قرآن شریف کو لے لیتے اور جس جگہ قرآن کو بری طرح پڑا ہوا دیکھتے تو چشم پُر آب ہو کر پہلے اس کو چومتے اور پھر اٹھا کر لے آتے۔

ایک مسلمان افسر نے جو دہلی کی مشہور جامع مسجد میں فوج کے ساتھ رہتا تھا' جامع مسجد کے کل تبرکات اور ہزار بارہ سو روپے کی چاندی کی کشتی جس میں یہ تبرکات رکھے جاتے تھے' درگاہ شریف کے تہ خانہ میں سے لے کر وہاں کے خادموں کو دے دیئے جو آج تک ان کے پاس موجود ہیں۔

ہندوؤں پر جرمانہ

جب پرائز ایجنسی کے ہاتھ اور طریقوں سے روپیہ آنا بند ہو گیا تو انہوں نے ہندوؤں سے جرمانہ وصول کر کے محلوں میں آباد کرنا شروع کیا۔ جرمانہ کی مقدار کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ صرف نیل کے کٹرہ کے باشندوں سے بچاس ہزار روپیہ لیا گیا تھا' حالانکہ اس محلہ نے لڑائی میں شرکت نہ کی تھی۔

لیکن تاوان جنگ لے کر صرف ہندو آباد کئے جاتے تھے۔ مسلمانوں کو مارچ ۱۸۵۸ء تک شہر میں آباد ہونے کی اجازت نہ تھی۔

مسلمانوں کو آباد ہونے کی اجازت

آخر مارچ ۵۸ء میں خدا کا نیک بندہ سر جان لارنس دہلی میں آیا اور اس نے مسلمانوں کو بھی شہر میں آباد ہونے کی اجازت دی۔ سنہری مسجد میں منشی دیوکی نندن چوکیدارہ کے بخشی آن کر بیٹھے۔ ان کے پاس چوکیدارہ کا رجسٹر تھا' جس میں مکانات کے مالکوں کے نام درج تھے۔ اس کے مطابق مسلمانوں کو اپنے اپنے گھروں میں آباد ہونے کے لئے سرٹیفکیٹ تقسیم کئے گئے اور اس کے ساتھ یہ بھی حکم ملا کہ ڈیڑھ روپیہ دے کر دو چار پائیاں اور ایک چکی مول لے لیں۔ اس طرح پرائز ایجنسی کے پاس جو بے شمار چار پائیاں اور چکیاں جمع تھیں' وہ چند روز میں فروخت ہو گئیں۔

جب مسلمان اپنے گھروں میں آباد ہوئے تو مکانوں میں نہ کوئی اسباب تھا اور نہ کواڑ تھے' کیونکہ وہ بھی بڑی بے دردی سے ایندھن کی جگہ جلا دیئے گئے تھے۔ مسلمانوں کی تباہی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ غدر کے ایک برس بعد مئی ۱۸۵۸ء میں مسلمانوں کی آبادی کا تخمینہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ سابقہ آبادی کے مقابلہ میں ایک چوتھائی بھی نہ تھے۔

۱۸۵۹ء تک مسلمانوں کے خاص مکانات سرکاری ضبطی میں رہے اور مسلمان شہر کے اندر بغیر کسی افسر کے پاس کے چل پھر نہیں سکتے تھے۔

دلی کی جامع مسجد

دلی فتح ہوئی تو مسلمان سپاہی ہندوؤں کے مندروں میں گھس گئے اور ان کو خراب کر ڈالا اور ہندو سپاہیوں نے مسجدوں کو خراب کیا۔ دلی کی بڑی جامع مسجد میں سکھ سپاہیوں کی بارک بنائی گئی تھی۔ پاخانے اور پیشاب خانے بھی اسی کے اندر تھے۔ میناروں کے نیچے حلوے پکائے جاتے تھے اور سور بھی ذبح ہو کر پکتے تھے۔ کتے جو انگریزوں کے ساتھ تھے' اندر پڑے پھرتے تھے۔

زینت المساجد کو گوروں کا سکوٹ گھر بنایا گیا تھا۔ شیعوں کی مشہور مسجد جو نواب حامد علی خاں کی مسجد کہلاتی تھی' اس میں گدھے باندھے جاتے تھے۔

قلعہ کے نیچے ایک بڑی عالی شان مسجد اکبر آبادی بالکل مسمار کر دی گئی اور اسی طرح اور بہت سی چھوٹی چھوٹی مسجدوں کا خاتمہ ہوا۔ کوتوالی کے قریب سکھوں کے گردوارہ سے چپاں ایک مسجد تھی۔ اس کے ملنے کی درخواست مہاراجہ

چند نے سرکار سے کی اور وہ اس کو سرکار نے دے دی۔ مہاراجہ نے اس مسجد کو توڑا اور گوردوارہ میں ملا دیا' چنانچہ وہ اب تک گوردوارہ کے اندر شامل ہے۔ یہ تمام حالات "تاریخ ہند" کے صفحہ ۱۵ء سے صفحہ ۱۷ء تک میں موجود ہیں' جو ۱۹۰۴ء میں شمس المطابع دہلی نے چھاپی۔

دہلی کے ہندو کیونکر امیر ہوئے؟

گو مسلمان سود لینے کو حرام سمجھتے تھے' مگر پرامیسری نوٹوں کے سود لینے کو بعض سنّی مسلمان اور کل شیعہ علی العموم جائز سمجھتے تھے۔ ان کے پاس پانچ سات لاکھ روپے کے پرامیسری نوٹ تھے۔ جب غدر ہوا تو مسلمانوں کو یقین تھا کہ اب انگریزی عمل داری پھر نہیں آئے گی' اس لئے انہوں نے ان نوٹوں کو ۲۵ روپے سیکڑہ کے حساب سے بیچ ڈالا اور ہندوؤں کو یقین تھا کہ انگریزی عملداری پھر قائم ہوگی' اس لئے انہوں نے یہ نوٹ خرید لئے اور اس طرح ہندوؤں کو کئی لاکھ روپے مل گئے۔

مسلمانوں کا سارا اسباب جو پرائز ایجنسی نے جمع کیا تھا' وہ زیادہ تر ہندوؤں نے نیلام میں بہت ارزاں خریدا اور اس مال و اسباب کی دکانیں کھول کر خوب روپے کمائے۔

باغی مسلمانوں کے جو مکانات ضبط ہو کر نیلام ہوئے' وہ سب کے سب ہندوؤں نے بہت سستے داموں میں خرید لئے' جن کی قیمت اب پچاس گنی سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے مشہور مکانات جیسے کلاں محل مرزا نجف بخت کی حویلی' جھجر والوں کی کوٹھی' شیش محل' نواب منصور خاں کی حویلیں جو ایک ایک محلّے کے برابر تھیں' وہ سب ہندوؤں نے خرید لیں۔

جن محلوں میں غدر سے پہلے ہندوؤں کی ملکیت ایک مکان بھی نہ تھا' غدر کے بعد ان محلوں میں زیادہ مکانات کے مالک ہندو ہو گئے۔ مسلمانوں نے اپنی ضرورتوں کے سبب بچا کھچا' گڑا دبا زیور بہت سستے داموں ہندوؤں کے ہاتھ بیچا۔ وہ بارہ آنہ تولہ چاندی لے لیتے تھے اور چودہ پندرہ روپے تولہ سونا۔ غرض دہلی کا غدر مسلمانوں کے لئے تباہی کی دیوی لایا تھا اور ہندوؤں کے واسطے لکشمی۔

گورنمنٹ کے خیر خواہوں کو انعام

سرکار نے ان انگریزوں کو جن کا اسباب باغیوں نے لوٹا تھا اور ان ہندوستانی خیر خواہوں کو جن کا اسباب انگریزی خیر خواہی کے سبب لوٹا گیا تھا' بڑی شاہانہ فیاضیوں کے معاوضے عطا کئے۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپے مرزا الٰہی بخش کو عطا ہوئے۔ نواب امین اللہ خاں عرف منشی ممو جان کو جو ریاست الور میں سرکار کے خیر خواہ رہے' پندرہ ہزار روپیہ دیا گیا۔ اسی طرح اور بہت سے لوگوں کو۔

دلی میں مسلمان عورتوں کی مصیبت

جب ہزار ہا مسلمان مارے گئے تو ان کی لاوارث بیویوں' کنواری بیاہی لڑکیاں اور بہنیں اور مائیں بے سہارے رہ گئیں۔ ان میں بہت سی عورتوں نے انگریزی فوج کے مسلمانوں سے شادیاں کر لیں اور بعض نے بدچلنی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ بہادر شاہ کی ایک بیٹی ربیعہ بیگم نے روٹیوں سے محتاج ہونے کے سبب دلی کے مشہور حسینی باورچی سے شادی کر لی۔ بہادر شاہ کی ایک دوسری بیٹی فاطمہ سلطان پادریوں کے زنانہ سکول میں معلمی کا پیشہ کرنے لگیں۔ صدہا عورتوں نے اپنے بال جوؤں کی شدت سے کٹوا ڈالے اور سر منڈوا دیے۔ ہزاروں شریف عورتیں بھیک مانگنے لگیں۔ اگر کوئی شخص ایک ایک خیری روٹی یا ایک ایک مٹھی چنے یا کوڑیاں تقسیم کرتا تو مسلمان عورتوں کے غول جمع ہو جاتے تھے۔ یہ وہ عورتیں تھیں جو سال دو سال پہلے خود ہزاروں روپیہ کی خیرات اپنے گھروں میں بیٹھ کر کرتی تھیں۔ دلی کے مفتی اعظم مفتی صدر الدین خاں آزردہ نے ایک نظم میں اس وقت کی دلی کا حال اس طرح لکھا ہے:

آفت اس شہر میں قلعہ کی بدولت آئی — وہاں کے اعمال سے دلی کی بھی شامت آئی
روز موعود سے پہلے ہی قیامت آئی — کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی

گوش زد تھا جو فسانوں سے وہ آنکھوں دیکھا
جو سنا کرتے تھے کانوں سے وہ آنکھوں دیکھا

جن کو دنیا میں کسی سے بھی سروکار نہ تھا — اہل نا اہل سے مطلب انہیں زنہار نہ تھا
ان کی خلوت سے کوئی واقف اسرار نہ تھا — آدمی کیا ہے فرشتہ کا بھی واں بار نہ تھا

وہ گلی کوچوں میں پھرتے تھے پریشاں در در
خاک بھی ملتی نہیں ان کو کہ ڈالیں سر پر

اسی طرح جناب نواب مرزا صاحب داغ دہلوی نے ایک بڑی نظم لکھی ہے۔ جس کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے:

غضب میں آئی رعیت بلا میں شہر آیا
یہ پورے نہیں آئے خدا کا قہر آیا

زباں سے کہتے ہوئے دین دین آئے لعین — جو ماتا دین تھا کوئی تو کوئی گنگا دین
یہ جانتے ہی نہ تھے چیز کیا ہے دین متین — کئے تھے قتل زن و بچہ کیسے کیسے حسین

روا نہ تھا کسی مذہب میں جو وہ کام کیا
غرض وہ کام کیا کام ہی تمام کیا

جلی ہیں دھوپ میں شکلیں جو ماہتاب کی تھیں — کھنچی ہیں کانٹوں پہ جو پتیاں گلاب کی تھیں

نواب محمد مصطفی خاں شیفتہ نواب محمد اسحاق خاں مرحوم کے والد لکھتے ہیں

دلّی اب ہے تن بیجاں' تن بیجاں کیا خاک
جان سے جا چکے جو لوگ تھے جانِ دہلی

غمناک سماں

سرجان لارنس کی لائف میں قلعہ دہلی کا ایک غمناک سماں کسی انگریز نے لکھا ہے' جس کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"ایک بڑے سلسلۂ خاندان شاہی کے آخری بادشاہ کی عالی شان غلام گردشیں اور شاہانہ خلوت سرا عوام الناس کی نگاہ کے روبرو کھلی ہوئی تھیں اور مسلح آدمی جو دوسروں کے نوکر تھے' اس کے آس پاس جمع تھے۔ بے چارہ بوڑھا بادشاہ جو بمجبوری باغیوں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنا تھا' اپنے محل سے نکالا ہوا ایک علیحدہ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پھانسی دینے کی تجویزیں ہو رہی تھیں۔ وہ افسروں اور سپاہیوں کی گالیاں اور گھڑکیاں سن رہا تھا۔ شہنشاہ بیگم اس کی آڑ میں اپنے جسم کو چھپاتی تھیں تاکہ کسی نامحرم یا غلام کی نظر نہ پڑ جائے۔"

سرجان لارنس کی لائف میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ گوروں نے دل لگی کے طور پر قلعہ کے لاہوری دروازہ کے سامنے بہادر شاہ کی تصویر بنائی اور تصویر کو پھانسی پر چڑھایا۔

سرجان لارنس کی لائف لکھنے والا لکھتا ہے کہ ایک شخص نے دہلی کا چشم دید حال مجھ کو ان الفاظ میں تحریر کیا "کوسوں تک بجز ایک فاقہ زدہ بلی کے اور ایک پوری مصیبت کی ماری عورت کے جو گود میں بچہ لیے پھرتی تھی' کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ کالج کی عمارت میں یورپین توپ خانہ نصب تھا۔ جامع مسجد جو تمام ہندوستان میں بے نظیر ہے' سکھ فوجوں کی بارک تھی اور مارشل لا جاری تھا۔"

سرجان لارنس کی رحم دلی

ایک طرف یہ ہولناک مصائب تھے جن کا بیان کیا گیا۔ دوسری طرف ایک انگریز کی رحم دلی کام کر رہی تھی جس کا تذکرہ اس مقام پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سرجان لارنس کی رحم دلی کا ثبوت ان خطوط سے ہوگا' جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ شہزادوں کی نسبت ایک خط میں لکھتے ہیں

"ان کی اچھی طرح تحقیقات کرو۔ اگر وہ انگریزوں یا ان کی عورتوں اور بچوں کے قاتل ہوں یا ان کے قتل کے معاون ہوں تو ان کو موت کی سزا دو لیکن کسی شہزادہ کے ساتھ اس طرح پیش نہ آؤ جس طرح ہڈسن صاحب اپنے کشتوں کے ساتھ پیش آئے۔"

سرجان لارنس کے اس خط میں آخری فقرہ خاص طور سے قابل غور ہے۔ سوچنا چاہیے کہ ہڈسن صاحب اپنے کشتوں کے ساتھ کس طرح پیش آئے' کیونکہ اس کا ذکر تاریخوں میں کہیں نہیں پایا جاتا' سوائے ان زبانی بیانات کے جن

میں مقتول شہزادوں کا خون پینے اور ان کا سر کاٹ کر بادشاہ کے سامنے پیش کرنے کا حال ہے۔ سر جان لارنس کی اس تحریر سے ان زبانی بیانات کی صداقت پر روشنی پڑتی ہے۔

نواب جھجر اور راجہ بلب گڑھ کی نسبت لکھتے ہیں:

''ان کو اپنی جنگی صولت جو خوں فشانی سے خالی ہو دکھا کر مطیع کرو اور ان کے ساتھ انصاف کرنے کا وعدہ کرو۔''

سر جان لارنس کی اس تحریر پر عمل نہیں کیا گیا۔ انہوں نے خون بہانے سے روکا تھا' مگر ان دونوں کو پھانسیاں دے دی گئیں۔

پھر ۲۶ ستمبر کو جنرل ولسن کے نام لکھتے ہیں:

''میں نہیں خیال کرتا کہ اگر شہر کے باشندے اپنے گھروں میں واپس آ جائیں گے تو آپ کو اس بات کا خوف پیدا ہو گا کہ دہلی پر کسی طرف سے حملہ ہو جائے گا' کیونکہ ہماری پچاس برس کی حکومت کے عرصہ میں کبھی انہوں نے سرتابی نہیں کی اگر ہماری اپنی فوج نے غدر نہ مچایا ہوتا تو وہ اور پچیس برس تک خاموش رہتے۔ میں ان تمام مصائب سے قطع نظر کر کے جو باشندگان دہلی کو پیش آئے' یہ کہتا ہوں کہ اگر کشمیری دروازہ پر چند سر لٹکا دیے جائیں تو پھر کسی طرح کا خوف و خطر نہیں ہے۔''

دہلی کے فتح ہونے کے دس روز بعد ۳۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انہوں نے مسٹر برن فوجی گورنر دہلی کے نام یہ خط لکھا

''شہر کے باشندوں کی نسبت میری یہ رائے ہے کہ جب قلعہ کی محافظت کا بندوبست خاطر خواہ ہو جائے تو ان کو رفتہ رفتہ احتیاط کے ساتھ شہر میں واپس بلا لینا چاہئے۔ شہر کے ڈرانے کے لئے چاندنی چوک کے سامنے جو پھاٹک ہے' اس پر توپخانہ کے لگانے سے سب طرح اطمینان رہے گا۔ باغیوں کے جو سرغنہ ہیں ان کو پھانسی دی جائے' مگر اور لوگوں کے ساتھ نرمی برتنی چاہئے۔ نوے فی صدی باشندوں کو اس غدر سے کچھ علاقہ نہ تھا۔ اگر ان سے ہو سکتا تو وہ ہماری مدد کرتے۔ ہم خود اپنی حماقت اور کمزوری کے سبب ان کی حفاظت نہ کر سکے' ورنہ ان کو مجبور کر کے بغاوت میں شریک نہ کیا جاتا۔''

چارلس سانڈرس صاحب کمشنر دہلی کو ۱۶ اکتوبر کے خط میں لکھا:

''مناسب شرطوں کے ساتھ شہر کے تمام باشندوں کو واپس بلا لینا چاہئے اب سب سے زیادہ تکلیف عاجز و بے قصور باشندوں ہی کو ہے۔''

نیول چیمبرلین کے نام ۱۸ اکتوبر کو لکھتے ہیں

''میں کسی طرح اس بات کی صلاح نہیں دیتا کہ شہزادے یا اس قسم کے مفسد بلا تحقیقات قتل کئے جائیں۔ ان کو تحقیقات کا موقع دینا چاہئے۔ بوڑھا بادشاہ اگر بھاگ گیا ہوتا تو اس کو گولی

سے اڑانا واجب تھا' لیکن جبکہ وہ بھاگا نہیں تو میں یہ رائے نہیں دیتا۔ میری رائے ہے کہ بادشاہ نے مقتضائے وقت کے موافق کام کیا۔''

جامع مسجد کو ڈھادو یا گرجا بنادو

دہلی کے اکثر انگریز یہ چاہتے تھے کہ جامع مسجد کو ڈھا دیا جائے یا اس کو گرجا بنا دیا جائے اور سنگ مرمر کے مصلوں پر ان انگریزوں کے نام کندہ کئے جائیں جو غدر میں مارے گئے تھے۔ اس معاملہ میں ہر انگریز کو اصرار تھا کہ جامع مسجد کو گرجا بنانا یا توڑنا بہت ہی ضروری ہے' کیونکہ یہ مسجد ہندوستان کے مسلمانوں کا مذہبی دل ہے۔ اس کے مسمار کرنے یا گرجا بنانے سے تمام مسلمانان ہندوستان کے دل پر ضرب پڑے گی جس کی اظہار غلبہ واقتدار کے لئے سخت ضرورت ہے۔ اس واسطے سرجان لارنس کے پاس بکثرت تحریریں جاتی تھیں اور ان کو جامع مسجد کے فیصلہ کے لئے مجبور کیا جا رہا تھا' چنانچہ برن صاحب کے جواب میں سرجان لارنس نے لکھا:

> ''اس باب میں میں کسی طرح رضامند نہیں ہوں گا۔ مذہبی عمارتوں کے انہدام سے ہم کو احتراز کرنا چاہئے۔ یہ کام دوستوں کی خوشی کے لئے مناسب ہے' نہ دشمنوں کی آزادی کے لئے زیب دیتا ہے۔''

بہت سے انگریز کہتے تھے کہ دلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دینی چاہئے اور جامع مسجد کو تو گرجا بنانا بہت ہی ضروری ہے۔ اس کے میناروں پر صلیب لگائی جائے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ''جو انگریز مسجد کو دوبارہ مسلمانوں کے حوالہ کر دینا چاہتے ہیں' وہ پاگل ہو گئے ہیں۔'' جامع مسجد کے معاملہ میں ذی اختیار انگریزوں کا اصرار حد سے بڑھ گیا جس میں دہلی اور پنجاب کے تمام انگریز شامل تھے۔ یہاں تک کہ وہ خود سرجان لارنس کے پاس گئے اور ان کو مجبور کیا کہ جامع مسجد کے معاملہ میں آپ کو ہمارے موافق رائے دینی چاہئے' تو سرجان نے بہت نرمی سے دلیلیں بیان کرنی شروع کیں اور جامع مسجد کو توڑنے یا گرجا بنانے کی مخالفت کی' لیکن جب اس نرمی اور دلیل بازی کا انگریزوں پر کچھ اثر نہ ہوا تو وہ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا:

> ''میں یہ رائے ہرگز نہ دوں گا۔ بہت سے ایسے امور ہیں جن کے لئے تم اصرار کر سکتے ہو' لیکن جامع مسجد کے بارے میں مجھ سے کبھی اصرار نہ کرنا۔ مناسب یہی ہے کہ مجھے اس معاملہ میں مجبور کرنے کی تکلیف نہ دی جائے۔''

لارڈ کیننگ کو لکھتے ہیں۔ اس وقت جبکہ دہلی میں پرائز ایجنسی کی لوٹ مار جاری تھی:

> ''اگر جناب اس کو شہر کی حیثیت سے قائم رکھنا چاہتے ہیں تو میرے نزدیک پرائز ایجنسی کی کارروائیوں کو روکنا چاہئے۔ جب تک ہندوستانی باشندوں کے جان و مال کی محافظت نہیں کی جائے گی تب تک امن وامان کا قائم ہونا دشوار ہے۔ جو لوٹ مار اس وقت برابر ہو رہی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام ہندوستانی آشفتہ و برہم ہو جائیں گے اور ہمارے اور ان

کے درمیان اس وقت جو رخنہ پڑا ہوا ہے وہ ہمیشہ کے لئے اور کشادہ ہو جائے گا۔"

اسی زمانہ میں انہوں نے لارڈ الفنسٹن کو لکھا:

"اگر دہلی میں مارشل لا اور پرائز ایجنسی موقوف کر دی جائے تو بخوبی اصلاح ہو سکتی ہے۔"

پھر اسی زمانہ میں جنرل پینی کو بڑے زور کے ساتھ لکھتے ہیں:

"اگر ہم سے اعلیٰ دماغی کارروائیاں نہیں ہو سکتی ہیں تو بھی معمولی پالیسی کے اعتبار سے ہم پر لازم ہے کہ اپنے ہم وطنوں کو ظلم و تعدی سے باز رکھیں۔ اگر ہم سزا دینے میں دوست دشمن کی تمیز نہ کریں گے تو تمام ہندوستان ہمارا مخالف ہو جائے گا اور ملک کے گوشہ گوشہ میں ہم سے لڑائیاں شروع ہو جائیں گی اور جب ہندوستان اس قدر گرم ہو گیا تو ہمارا اس ملک میں رہنا دشوار ہو جائے گا۔"

اس خط کا بہت اچھا اثر ہوا۔ چنانچہ اس کے ایک ہفتہ کے بعد جنرل پینی کو لکھتے ہیں:

"میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے لوٹ مار کے روکنے میں بہت جلد کارروائی کی۔ مجھے اس بات کے سننے سے نہایت افسوس ہوا کہ ہمارے ملک کے لوگ بے سبب ہندوستانیوں کو مار ڈالتے ہیں، حالانکہ ان کو اس کے اختیارات نہیں ہیں کہ مجرم و بے جرم لوگوں میں سزا دیتے وقت کچھ تمیز نہ کریں۔"

جب انہوں نے دیکھا کہ میرے لکھنے کا افسران دہلی پر اثر نہیں ہوتا تو وہ خود ۲۳ فروری ۵۸ء کو دہلی میں آئے اور یہاں آ کر پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ دہلی کے تمام خاص خاص افسروں کو اپنے پاس بلایا، جن میں چارلس سانڈرس، فلپ ایجرٹن، نیول چیمبرلین وغیرہ بھی تھے اور ان کو مخاطب کر کے نہایت نرمی سے حسب ذیل تقریر کی:

"میں تسلیم کرتا ہوں کہ خاص خاص حالتوں میں شر و فساد کو روکنے کے لئے خاص تدبیریں جائز تھیں، لیکن اب ان تدبیروں کا زمانہ گزر گیا۔ اب تو اس بات کی ضرورت ہے کہ ہندوستانیوں میں امن و امان قائم کیا جائے اور ان کے دلوں میں اپنا اعتماد جمایا جائے۔"

اس کے بعد ہی انہوں نے لارڈ کیننگ کو تار دیا جس کے الفاظ یہ تھے:

"جن افسروں کو پھانسی دینے اور رہا کرنے کا اختیار دیا گیا تھا انہوں نے اپنے اختیار کو بری طرح استعمال کیا، لہٰذا مجھ کو ان کے اختیارات سلب کرنے کی اجازت عنایت فرمائیے تاکہ گورنمنٹ کی منظوری کے بغیر کوئی کسی کو موت کی سزا نہ دے سکے۔"

دہلی میں ان کے بڑے عزیز سکریٹری رچرڈ ٹمپل آ گئے تھے۔ انہوں نے حالات کا مشاہدہ کر کے ان کے پاس حسب ذیل رپورٹ بھیجی:

"شہر میں بالکل امن و امان ہے۔ خوف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، لیکن لوٹ مار و خونریزی اب تک جاری ہے۔ ہندوستانیوں کے رنگ فق ہیں۔ وہ اب بھی کثرت سے گرفتار ہوتے

ہیں اور اکثر پھانسی پاتے ہیں یا قید کیے جاتے ہیں۔"

غرض وہ مارچ کے تیسرے ہفتہ میں دہلی سے روانہ ہو گئے اور مسلمانوں کو شہر میں آنے کی اجازت دے گئے اور جنرل کمانیر کو مسلمانوں کی محافظت کی سخت تاکید کر گئے۔ جامع مسجد مسمار نہیں ہوئی۔ شہر کے باشندے جلاوطن نہیں کیے گئے اور یہ خواہش پوری نہیں ہوئی کہ دہلی کی تاریخی یادگاروں پر ہل چلا دیا جاتا۔ ایک انگریز لکھتا ہے:

"جس طرح روم کے قیصروں نے شہر "کارتھیج" اور "کورنتھ" کو مسمار کر کے لعنت کے طوق اپنی گردنوں میں ڈالے تھے اسی طرح انگریزوں کی گردنوں میں بھی دہلی کو مسمار کر کے ہمیشہ کے لئے وہ لعنت کے طوق پڑ جاتے' مگر سر جان لارنس نے اس دوامی بدنامی سے انگلش قوم کو بچا لیا۔ جب ان کے آس پاس بیٹھنے والے ان کو سختی پر مجبور کرتے تو وہ کہتے تھے' کیا میں ہندوستانیوں کو مار ڈالوں؟ کیا میں اس شہر کو جو نینوا کے مقابلہ کا ہے نہ بچاؤں؟"

ایک دوسرا انگریز لکھتا ہے:

"انگلش قوم میں اور کل شہنشاہی اقوام میں ایک فرقہ ایسا ہوتا ہے جس کی صورت تو انسانوں کی سی ہوتی ہے اور سیرت درندوں کی۔ ان کا میلان طبع یہ ہوتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو مغلوب قوم کو خوفزدہ کیا جائے۔ اگر سر جان لارنس نہ ہوتے تو دہلی کی جامع مسجد ایک ٹوٹا ہوا ڈھیر ہوتی جس میں جانوروں کے بلوں اور گھونسلوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا۔"

۲۵ نومبر کو لارڈ الفنسٹن گورنر بمبئی نے سر جان لارنس کو لکھا:

"دہلی فتح ہونے کے بعد دوست دشمن میں کچھ تمیز نہیں کی گئی۔ دہلی میں نادر شاہ کے وقت سے بھی زیادہ لوٹ ہوئی۔"

سر جان لارنس نے جو رپورٹ گورنمنٹ ہند کو بھیجی تھی اس میں ایک یہ فقرہ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے خدا پرست تھے:

"ہمارے اور باغیوں کے سر پر ایک عادل فرمانروا ہے۔ اسی کے فضل و کرم سے یہ آئی ہوئی بلا ٹلی ہے۔ پس جب خدا نے ہم پر رحم کیا' ہم کو بھی اس کے بندوں پر رحم کرنا چاہئے۔"

بہادر شاہ کا انجام

قصہ مختصر سر جان لارنس کی کوشش سے بہادر شاہ کو جان سے نہیں مارا گیا' بلکہ چند روز ایک مقدمہ کی کارروائی کر کے ان کو رنگون بھیج دیا گیا۔ زینت محل بیگم اور تاج محل بیگم اور جواں بخت ان کے ساتھ بھیجے گئے۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء تک بہادر شاہ کی بادشاہی میں اس طرح کی حکومت ہوئی کہ پہلا حکم بادشاہ کی طرف سے یہ صادر ہوا کہ گائے کا ذبح کرنا بند کیا گیا۔ ۹ جولائی ڈھنڈورا پٹوایا گیا کہ جو شخص گائے ذبح کرے گا' وہ توپ کے منہ اڑایا جائے گا۔ اس کے بعد یہ حکم صادر ہوا کہ بقر عید کے موقع پر بھی کوئی شخص گائے کی قربانی نہ کرنے پائے۔

چار مہینے تک گائے قصاب اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔ اگر ان میں سے کوئی شخص باہر نکلتا تو ہندو سپاہی اس کو پکڑ کے ذبح کر ڈالتے تھے اور کہتے تھے "جس طرح تم ہماری گائے کو ذبح کرتے ہو ہم تمہیں ذبح کرتے ہیں۔"

اس کے بعد بادشاہ سے حکم جاری کرایا کہ شہر کا ڈلاؤ اور کوڑا جو بیلوں پر لاد کر کھیتوں میں ڈالنے کے لئے حلال خور لے جاتے ہیں وہ آئندہ گدھوں پر لد کر جایا کرے۔ بیلوں کی گائے سے قرابت داری ہے اور ڈلاؤ لادنے میں بیلوں کی توہین ہوتی ہے چنانچہ اس حکم پر عمل کیا گیا۔ حلال خوروں نے اپنے بیل بیچ ڈالے اور ان کے بدلے گدھے مول لے لئے۔ مسلمانوں کو یہ احکام ناگوار گزرے اور انہوں نے کہا یہ اسلام کی بادشاہی نہیں یہ تو ہندوؤں کا راج ہے۔ چنانچہ محمد سعید نامی ایک شخص نے جامع مسجد دہلی میں جہاد کے لئے محمدی جھنڈا کھڑا کیا۔ اس کی خبر بادشاہ کو ہوئی۔ انہوں نے مولوی صاحب کو بلا کر پوچھا کہ انگریز تو اب شہر میں باقی نہیں رہے۔ یہ جھنڈا کس کے واسطے لگایا ہے؟ مولوی صاحب نے جواب دیا ہندوؤں کے لئے جنہوں نے آپ کو اپنا تابعدار بنا لیا ہے۔ بادشاہ نے ان کو سمجھایا کہ تمام باغی فوج ہندو ہے مسلمان ان سے لڑ نہیں سکتے۔ آخر بہزار دقت یہ جھنڈا اکھڑوا دیا گیا۔

شہر میں انتظام کی یہ حالت تھی کہ اکثر بازار بند رہتا تھا۔ کھاری باؤلی چوک دریبہ چاوڑی میں اکثر دکانیں دن دہاڑے لٹ جاتی تھیں۔ اس کی شکایت بادشاہ سے کی گئی کہ دکانیں اکثر بند رہتی ہیں اور ضرورت کی چیزیں دستیاب نہیں ہوتیں۔ بادشاہ ان کی درخواست کے موافق خود ہاتھی پر سوار ہو کر بازار میں نکلے۔ شاہی چتر ماہی مراتب شتری زنبورکیں انگری اور کالی پلٹنیں جلوس میں ساتھ تھیں۔ سینکڑوں تلنگے دھوتیاں باندھے غول کے غول سواری کے آگے آگے بہادر شاہ بادشاہ کی جے دین دنیا کے گسیاں کی جے پکارتے جاتے تھے۔ شاہی نقیب احکام سناتے جاتے تھے کہ دکانیں کھولو۔ سواری کے پیچھے ترک سواروں کا جمگھٹا تھا جو اللہ اکبر کے نعرے لگاتے تھے۔ اس جلوس کا اثر یہ ہوا کہ بازار کھل گیا۔

غدر سے پہلے ڈھنڈورا اس طرح پیٹا جاتا تھا کہ نقارہ پر چوب لگا کے ڈھنڈورچی اول یہ کہتا تھا "خلقت خدا کی ملک بادشاہ کا حکم سرکار کمپنی بہادر کا۔" غدر کے بعد "حکم سرکار کمپنی" کا لفظ اڑا دیا گیا اور اس کی جگہ "حکم بادشاہ" داخل ہو گیا۔

تلنگوں کے مظالم

باغی سپاہی مختلف اسباب سے باشندگان شہر کو قتل کرتے تھے۔ کسی کو عیسائی سمجھ کر اور کسی کو انگریزوں کا جاسوس خیال کر کے۔ سیٹھ بدری چند ڈپٹی انسپکٹر مدارس دہلی کو جو بڑے پکے سراوگی ہندو تھے عیسائی سمجھ کر مار ڈالا کیونکہ وہ انگریزی کوٹ پتلون پہنتے تھے۔ ایک کشمیری پنڈت موہن لال نامی مسلمان ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنا نام آغا حسن جان رکھا تھا مگر وہ بھی کوٹ پتلون پہنتے تھے تلنگوں نے ان کو کرستان سمجھ کر پکڑا اور قتل کرنا چاہا لیکن اتفاق سے میاں نظام الدین صاحب چشتی نظامی وہاں تشریف لے آئے اور انہوں نے پنڈت جی کے مسلمان ہونے کی شہادت دے کر جان بچائی۔

بعض شریر آدمی اپنی ذاتی عداوتوں کے سبب تلنگوں سے جا کر کہتے کہ فلاں گھر میں انگریز چھپے ہوئے ہیں۔ تلنگے

اس گھر پر چڑھ دوڑتے اور تلاشی لے کر گھر لوٹ لیتے چنانچہ ریاست الور کے ملازم قاضی بنو نامی کے سگے بھانجوں نے ذاتی عداوت کے سبب جھوٹی مخبری کر کے بچارے ماموں کو بیگناہ قتل کروادیا اور اس کا گھر لٹوایا۔ ۱۲ مئی کو نواب حامد علی خاں کی نسبت جو بادشاہ کے خاص مقرب تھے رپورٹ کی گئی کہ ان کے گھر میں فرنگی پوشیدہ ہیں۔ تلنگوں نے نہایت بے حرمتی سے نواب صاحب کو گرفتار کیا اور کشاں کشاں قلعہ میں بادشاہ کے سامنے لائے۔ بادشاہ نے مرزا ابوبکر کو نواب صاحب کے گھر پر بھیجا کہ تلاشی لو۔ اگر کوئی انگریز وہاں پوشیدہ ہے تب تو یہ خطاوار ہیں ورنہ ان کو چھوڑ دیا جائے۔ تلاشی میں کوئی انگریز نہیں نکلا اس لئے نواب صاحب چھوڑ دیے گئے۔ ۱۳ مئی کو نرائن داس نہروالہ کے متعلق اطلاع آئی کہ اس کے گھر میں انگریز چھپا ہے۔ تلنگے گئے' مکان کی تلاشی لی اور دو انگریز دستیاب ہوئے جن کو قتل کر دیا گیا اور لالہ کا مکان لوٹ لیا گیا۔ اسی طرح ایک درزی کے گھر سے تین انگریز نکالے گئے اور قتل کیے گئے اور اس کا گھر لوٹا گیا۔ غرض اس شبہ میں دو چار آدمیوں کی کمبختی روزانہ آتی تھی۔

باغیوں کا محکمۂ جاسوسی

باوجود جاہل ہونے کے باغیوں کا محکمہ خبر رسانی بہت اعلی درجہ کا تھا۔ ان کو شہر کی خبریں بہت صحیح ملتی تھیں اور وہ جانتے تھے کہ دلی میں کون کون لوگ انگریزوں سے سازش رکھتے ہیں اور ان کو خبریں بھیجتے ہیں اور ان کی فوج کے لئے رسد کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس شبہ میں انہوں نے بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا جن میں سے بعض مارے گئے اور بعض شاہی سفارش سے چھوڑ دیے گئے۔ چنانچہ مان سنگھ اور تراب علی جو واقعی انگریزی مخبر تھے' گرفتار کیے گئے مگر شہزادوں نے سفارش کر کے چھڑا لیا۔ بادشاہ کے وزیر محبوب علی خاں اور حکیم احسن اللہ خاں بھی گرفتار کیے گئے مگر بادشاہ کی سفارش سے بمشکل رہائی پائی۔ راجہ اجیت سنگھ مہاراجہ پٹیالہ کے چچا دلی میں رہتے تھے۔ ان کو دو دفعہ گرفتار کیا گیا اس الزام میں کہ وہ پٹیالہ اور انگریزی فوج کے پاس خبریں بھیجتے ہیں' مگر بادشاہ کی سفارش سے راجہ صاحب بھی رہا ہو گئے۔ بلدیو سنگھ نامی ایک شخص کو جو کوڑیا پل پر رہتا تھا' مخبری کے الزام میں گولی سے قتل کیا گیا اور اس کی لاش کوتوالی کے سامنے الٹی لٹکائی گئی۔ پیارے لال مدرس کو مخبری کے الزام میں توپ سے اڑا دیا گیا۔ رائے رام سرن داس ڈپٹی کلکٹر کے رشتہ داروں کے گھر مخبری کے الزام میں لوٹے گئے۔ کنہیا لال حیدر آبادی اور میر حسن علی وکیل پٹیالہ بھی مخبری کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ کشمیری اور موری دروازہ کے نان بائیوں کو اس جرم میں مارڈالا گیا کہ وہ ڈبل روٹیاں پکا کر پہاڑی پر انگریزوں کو بھیجتے ہیں۔ نواب محبوب علی خاں اور حکیم احسن اللہ خاں پر روزانہ طرح طرح کے الزام لگائے جاتے تھے۔ کبھی یہ کہ انہوں نے چوڑی والوں کا میگزین اڑا دیا۔ کبھی یہ کہ وہ انگریزوں کے پاس میگزین بھیجتے ہیں۔ کبھی یہ کہ انہوں نے سلیم گڑھ کی توپوں میں کنکر پتھر بھروا دیے۔ کبھی یہ کہ انہوں نے توپوں میں میخیں ٹھکوا دیں' لیکن ان دونوں کے حلف اٹھانے اور بادشاہ کے بارہا سفارش کرنے سے ان کی جانیں بچ گئیں۔ درحقیقت ان لوگوں کی بڑی بدقسمتی تھی کہ غدر میں تو باغی ان پر شبہ کرتے تھے اور غدر کے بعد انگریزوں نے ان پر شبہ کیا اور حوالات میں مقید رکھا۔

تلنگوں کی لوٹ مار

گامی خاں پنجابی شہر کا ایک مشہور بدمعاش تھا۔ پیچھے اس کا بہت ذکر آیا ہے۔ اس نے انگریزی فوج کے ہاتھوں بہت لوگوں پر ظلم کرائے تھے لیکن غدر میں یہ باغیوں کی ناک کا بال بنا ہوا تھا اور ان کے ہاتھ سے شہر والوں پر ظلم کراتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے ہی بھائی بندوں ولی محمد و حسین بخش و قطب الدین کی دکانوں کو تلنگوں کے ہاتھ سے لٹوا دیا۔ سب سے بڑے پنجابی سوداگر دہلی میں یہی تین تھے۔

غرض بیچارے دہلی شہر کو چار مہینے اور چار دن اس بادشاہی میں بھی کسی طرح کا آرام و چین میسر نہ تھا اور اس کی جانکنی انگریزوں کے دہلی فتح کرنے کے بعد سے نہیں بلکہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے شروع ہو گئی تھی، جس دن کہ باغیوں کا اس شہر پر قبضہ ہوا تھا۔

نتیجہ

ان تمام حالات پر صور خانہ و دور اندیشانہ غور کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ امن بہت بڑی دولت ہے اور بے امنی میں بڑی سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آج جو لوگ انگریزوں کو اس ملک سے بزور قوت نکال دینا چاہتے ہیں، ان کو ذرا تخلیہ میں بیٹھ کر یہ کتاب پڑھ لینی چاہئے۔ اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ جذبات عارضی سے مشتعل ہو جانا اور آنکھیں بند کر کے کوئی کام کر بیٹھنا بیگناہوں پر کیسی کیسی تباہیاں لاتا ہے۔

میں ان لوگوں میں ہوں جو صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا سے ہتھیاروں کی قوت کو اور لڑائی بھڑائی کے جذبات کو دور کر دینے کے آرزومند ہیں۔ اس واسطے یہ کتاب کسی قوم یا فرقہ کے خلاف نہیں سمجھنی چاہئے۔ اس کا مقصد تحریر سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ انسان دردناک اور مؤثر مصیبتوں کا حال پڑھ کر ان حرکات اور خیالات اور ارادوں سے باز آ جائے جو امن شکنی کا باعث ہوتے ہیں۔

(بتاریخ ۱۶ اپریل ۱۹۲۲ء یوم چہار شنبہ کو ظہر کے بعد یہ کتاب شروع کی گئی تھی اور آج ۱۶ اپریل ۱۹۲۵ء یک شنبہ دن کے سوا دس بجے اس کی تحریر پوری ہوئی۔ الحمد للہ۔ حسن نظامی)

☆ ☆ ☆

غدر کی صبح شام

("یہ دو روزنامچے غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق انگریزی زبان میں مٹکاف صاحب نے شائع کیے تھے جن کا ترجمہ مولوی ضیاء الدین احمد صاحب برنی دہلوی بی اے سے میں نے کرایا اور اب ان دونوں کو شائع کرتا ہوں' مگر ان کے پڑھنے سے جو اثر میرے دل پر ہوا اس کو آزادی اور صفائی کے ساتھ اس جگہ لکھ دینا مجھ کو ضروری معلوم ہوتا ہے' مگر قبل اس کے کہ میں اپنے خیالات قلمبند کروں' بطور تمہید کے یہ لکھنا ضروری ہے کہ مجھے غدر ۱۸۵۷ء کے حالات سے بڑی دلچسپی ہے۔ میں نے غدر کی نسبت مسلسل آٹھ کتابیں شائع کی ہیں' جن کے کئی کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور نواں حصہ "دلی کا آخری سانس" اگست ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ "احسن الاخبار" بمبئی کی فارسی اطلاعات کا ترجمہ ہے جن کا تعلق غدر کے دس سال پہلے زمانہ سے ہے اور ان سے بہادر شاہ اور ان کے دربار اور ان کے خاندان اور ان کے ساتھ انگریزوں کے تعلقات کو بہت سی نامعلوم تاریخی باتیں روشنی میں آتی ہیں۔ یہ کتاب دو سو صفحے سے زیادہ ضخامت کی ہے اور اس کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے مقرر کی گئی ہے۔

اب اس نویں حصہ کے بعد یہ دسواں حصہ "غدر کی صبح شام" کے نام سے شائع کیا جاتا ہے جو میرے خیال میں نہایت دلچسپ ہے اور اس میں بعض ایسی تفصیلات ہیں جو میری پہلی کتابوں میں مذکور نہیں ہوئی تھیں۔

مگر میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ ان حصوں کی ترتیب بالکل غلط ہے' یعنی جن حصوں کے مضامین پہلے حصہ کے قابل تھے' وہ آخری حصوں میں ہیں اور آخری حصوں کے مضامین پہلے حصوں میں ہیں۔ مثلاً نواں حصہ "دلی کا آخری سانس" چونکہ غدر سے دس برس پہلے کے حالات کی نسبت ہے' اس واسطے اس کو پہلا حصہ ہونا چاہیے تھا' لیکن یہ خرابی اس وجہ سے ہوئی کہ مجھ کو وقتاً فوقتاً جو کتابیں ملیں' ان کو شائع کرتا رہا۔ اب خدا نے چاہا کسی فرصت کے وقت ان کی ترتیب درست کر دی جائے گی۔

میری رائے

جیسا کہ اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوگا۔ اس میں دو آدمیوں کے روزنامچے ہیں' پہلا مسلمان کا اور دوسرا ہندو کا۔ مٹکاف صاحب نے مسلمان کے روزنامچہ کی نسبت جو تمہید لکھی ہے' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس مسلمان نے کچھ ایسی باتیں لکھی ہوں گی جن کو وہ اپنی زندگی میں شائع کرنا نہیں چاہتے تھے اور ڈرتے تھے کہ ان سے کوئی مواخذہ نہ ہو جائے' مگر جب ان کا روزنامچہ اول سے آخر تک پڑھا تو اس میں ایک بات بھی ایسی نہیں ملی جو چھپانے کے قابل بھی

جاتی۔ خاص کر ان کی زندگی کا وہ حصہ جبکہ وہ غدر کے بعد بھاگ کر عرب چلے گئے تھے' روزنامچوں میں بالکل مذکور نہیں ہے' حالانکہ وہ سب سے زیادہ دلچسپ چیز تھی اور انگریزوں کے قبضہ دہلی کے بعد جو کچھ دہلی والوں پر مظالم ہوئے' ان کی تفصیل بھی ٹھیک ٹھیک نہیں ہے۔ اس سے بہت زیادہ باتیں تو میں نے ''دہلی کی جاں کنی'' میں لکھ دی ہیں۔

میں جب اس بات پر غور کرتا ہوں کہ معین الدین حسن خاں نے پورے حالات کیوں نہیں لکھے اور بچی باتوں کو اور گزرے ہوئے واقعات کو بھی نہایت ڈرتے ڈرتے اشارتاً لکھا' اس کی کیا وجہ ہے؟ اور اس کی کیا وجہ ہے کہ انہوں نے منکاف صاحب سے عہد لے لیا کہ میری زندگی تک یہ روزنامچہ شائع نہ کیا جائے؟ اور اس کی کیا وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ فرار کی کیفیت بالکل نہیں لکھی؟

میرے ذہن میں ان سب سوالات پر غور کرنے سے یہ جوابات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) وہ غدر کے ہولناک مناظر اور اپنے خاندان اور تمام مسلمانوں کی تباہی سے نہایت خوفزدہ ہو گئے تھے اور اس میں وہ حق بجانب تھے۔

(۲) یہ بھی خوف ہی کی وجہ سے ہوا' کیونکہ ان کو ہر وقت ڈر تھا کہ میری تحریر مجھ کو دوبارہ گرفتار نہ کرا دے۔

(۳) یقیناً ان کے زمانہ فرار میں کچھ ایسے واقعات تھے جن کا لکھنا وہ اپنی ذات اور اپنے خاندان کے لیے خطرناک سمجھتے تھے۔

یا یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود منکاف صاحب نے معین الدین حسن خاں کے روزنامچہ سے وہ باتیں نکال دیں جو ان کو برٹش گورنمنٹ اور انگریزی قوم کے خلاف نظر آئیں اور یہ بات خود منکاف صاحب کی عبارت سے ظاہر ہوتی ہے جو انہوں نے شروع میں لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''معین الدین حسن خاں نے ہندوستانی نقطہ نظر سے یہ روزنامچہ لکھا ہے۔''

مگر جب اس روزنامچہ کو پڑھا جاتا ہے تو اس میں ایک بات بھی ہندوستانی نقطہ نظر کی نہیں ملتی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمہید لکھنے کے بعد منکاف صاحب نے معین الدین حسن خاں کے روزنامچہ کو دیکھا تو اپنی قوم کے خلاف جس قدر باتیں ان کو نظر آئیں' وہ انہوں نے کاٹ دیں۔ ناظرین جب معین الدین حسن خاں کے روزنامچہ کے آخری حصہ کو غور سے دیکھیں گے تو انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ عبارت بے سروپا اور کچھ مبہم سی ہو گئی ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے کچھ حصے کاٹ دیئے گئے ہیں۔

اس روزنامچہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ معین الدین حسن خاں سپاہی آدمی تھے' منشی نہیں تھے اور ان کو روزنامچہ لکھنا نہیں آتا تھا۔ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ انہوں نے چشم دید باتیں لکھی ہیں' افواہیں نہیں لکھیں' مگر ان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں زیادہ تر افواہیں درج ہیں۔

آخر میں میں منکاف صاحب کی اس شرافت کا دلی شکر گزاری کے ساتھ اقرار کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی جان بچانے والے معین الدین حسن خاں کی جان بچائی اور جب معین الدین حسن خاں پر ان کی گرفتاری کے بعد مقدمہ قائم ہوا تو اپنے خرچ سے قانونی امداد مہیا کی۔ یہ بات ہندوستانیوں کی صحبت میں زیادہ عرصہ تک رہنے کی وجہ سے ان میں پیدا ہو گئی ہو

گی۔

مسٹکاف صاحب نے تمہید میں غدر اور قلعہ کے متعلق جو کچھ رائے لکھی ہے اس کی نسبت میں کچھ نہیں لکھنا چاہتا۔ ناظرین خود اس کا فیصلہ کر لیں گے۔ البتہ ہندوؤں کی نسبت جو انہوں نے لکھا ہے کہ وہ سازش کرنے کا سب سے زیادہ مادہ رکھتے ہیں' میرے خیال میں ہندوؤں کی توہین ہے۔ اگر بالفرض ان کو ہندوؤں کی سازشوں کا کوئی خاص تجربہ ہوا تھا' تب بھی تمام ہندو قوم پر اتنا سنگین الزام لگانا بہت بڑی بات ہے' اگرچہ انہوں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بہت سی دلیلیں بھی لکھی ہیں' لیکن وہ سب دلیلیں جلدی قبول کر لینے کے قابل نہیں ہیں۔

جیون لال کا روزنامچہ

منشی جیون لال کا روزنامچہ بہت مفصل' بہت واضح اور بہت دلچسپ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ منشی جیون لال کو روزنامچہ لکھنے کی بہت ہی اچھی مہارت تھی اور انہوں نے اس فرض کو ایسی خوبی سے انجام دیا ہے کہ میں نے آج تک کوئی روزنامچہ نہیں دیکھا جس میں جزئیات کی تفصیل اس سلیقہ کے ساتھ بیان کی گئی ہو۔

مگر مجھے اور ہر پڑھنے والے کو یہ شبہ کرنے کا حق ہے کہ منشی جیون لال نے یہ روزنامچہ بحیثیت انگریزی نوکر کے لکھا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ بعد کی نسلیں جس طرح ہو سکے' ہندوستانیوں سے اور ان کی خصلتوں سے مایوس اور بدگمان ہو جائیں' اس واسطے انہوں نے نہایت قابلیت کے ساتھ شاہی خاندان اور تمام ہندوستانیوں کی اخلاقی کمزوریاں اس عقلمندی سے دکھائی ہیں کہ وہ دل و دماغ میں زہر کی طرح سے اتر جاتی ہیں۔

روزنامچہ کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس ڈائری کی نقل ہے جو منشی جیون لال بطور جاسوس کے انگریزوں کو بھیجا کرتے ہوں گے' کیونکہ اس میں زیادہ تر وہی باتیں ہیں جن کا تعلق جنگی معاملات سے ہے اور جن کا معلوم کرنا انگریز افسروں کو لڑائی کے لئے مفید ہو سکتا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہزادے بدچلن تھے' لڑائی سے ناواقف تھے اور ان میں خودسری تھی' لیکن ان میں کچھ خوبیاں بھی تھیں۔ ایسا ہی جو فوجیں انگریزوں کے خلاف دلی میں جمع ہوئی تھیں' ان میں اور ان کے افسروں میں جہاں مذکورہ برائیاں تھیں جن کا ذکر روزنامچہ میں ہے' وہاں بہت سی قابل تعریف باتیں بھی تھیں' مگر منشی صاحب نے ہر جگہ ان سب کی برائیاں ہی برائیاں لکھی ہیں' خوبی ایک بھی نہیں لکھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگریزی نوکری ادا کر رہے تھے اور صرف وہی اطلاعات لکھتے تھے جن سے انگریز افسر خوش ہوں یا جن سے لڑائی میں ان کو مدد ملے۔

منشی جیون لال نے سب سے زیادہ روپے کے جبریہ وصول کو بہت تکرار کے ساتھ لکھا ہے اور اس کو ایسا بدنما بنا دیا ہے کہ پڑھنے والے کا دل شہزادوں اور دیسی فوجوں سے نفرت کرنے لگے گا' مگر شاید ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ لڑائی کے موقع پر اس سے زیادہ واقعات رعایا کو پیش آیا کرتے ہیں۔ یورپ کی بڑی لڑائی جو ابھی حال میں ہوئی تھی اس کے دوران میں بڑی بڑی مہذب حکومتوں نے شہریوں کے مکانات اور ان کی سواریاں اور ان کا روپیہ اور ان کی ہر چیز جبراً چھین لی تھی اور ایسی ایسی سفاکیاں ان سے سرزد ہوئیں تھیں جن کو دلی کی افواج اور شاہی خاندان کے افعال سے مقابلہ کر کے دیکھا

جائے تو معلوم ہوگا کہ دہلی والوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ مہذب بادشاہوں نے تو اس سے دس حصے زیادہ رعایا کو ستایا۔ جرمن قوم کے مظالم کس نے نہیں سنے اور کس نے نہیں پڑھے؟

سب سے بڑی تردید منشی جیون لال کے بیانات کی خود ان کا وجود ہے کہ باوجود یہ ثابت ہو جانے کے کہ وہ باقاعدہ مخبریاں کرتے تھے' شاہی خاندان اور فوج نے ان کو قتل نہیں کیا اور وہ ایک مسلمان کی سفارش اور حمایت سے زندہ بچ گئے۔

بہادر شاہ کی شخصیت

گذشتہ تمام کتابوں کے تیار کرتے وقت جو میں نے غدر کے سلسلہ میں شائع کی ہیں اور اس روزنامچہ کے پڑھنے کے بعد میرے دل میں بہادر شاہ کی شخصیت کی عظمت بہت بڑھ گئی ہے۔ غدر کے تمام ایکٹروں میں وہی ایک ایسے چیف ایکٹر تھے جن کے پارٹ میں ہمدردی' رحم دلی' رعایا پروری اور ہندو مسلمانوں سے یکساں محبت اور جنگی تدابیر کی قابلیت اور مغلیہ حکمت عملیاں ایک ایک بات سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اگر ان کو کارندے بھی لائق مل جاتے تو وہ یقیناً کامیاب ہوتے۔ اسی برس کا بوڑھا آدمی جس کی ساری عمر عیش آرام میں گزری ہو' جس مستعدی کے ساتھ رات دن جنگی کام میں مصروف رہتا تھا اور ہر معاملہ میں صحیح' مختصر اور عاقبت اندیشی کی رائے دیتا تھا' یہ بات معمولی نہیں تھی اور بہادر شاہ کی اعلیٰ شخصیت کا ایک نمونہ تھی۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو یہی چیزیں نہایت تعریف کے ساتھ تاریخوں میں ان کے کمالات بن کر شائع ہوتیں۔

جنرل بخت خاں

منشی جیون لال نے محمد بخت خاں کی خوبیاں بالکل نہیں لکھیں جیسا کہ انہوں نے کسی کی تعریف کو بھی ہاتھ نہیں لگایا' حالانکہ بخت خاں ایک ایسا لائق افسر تھا کہ اگر اس کے کاموں میں مزاحمت نہ کی جاتی تو وہ آخر زمانہ کا سب سے بڑا فاتح ہوتا اور ہندوستان کا بچہ بچہ اس کے نام پر فخر کرتا۔ جنرل بخت خاں نے جس کامیابی سے حملے کئے اور جو تدبیریں انگریزی نقشہ جنگ کے برخلاف استعمال کیں' ان کا اشارتاً میں نے پچھلے صفحوں میں ذکر کر دیا ہے۔ وہ یقیناً اس قابل ہیں کہ جن سے وہ اعلیٰ شخصیت کے افسر مانے جا سکتے ہیں۔ اگر مرزا مغل ان کے سدراہ نہ ہو جاتے تو ان کی کامیابی یقینی تھی۔

منشی جیون لال نے انگریزوں کے خلاف ہندوستانی حملوں کا بہت کم ذکر کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستانیوں کو شکست ہوئی' مگر اس میں بھی شک نہیں کہ ان کے حملے نہایت دلیرانہ اور پوری باقاعدگی اور فوجی اصول کے ساتھ ہوتے تھے جس نے انگریزی افواج کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔

حکیم احسن اللہ خاں

اس روزنامچہ اور گذشتہ حصوں کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ حکیم احسن اللہ خاں نہایت عاقل اور ہندوستان کے

اصلی خیر خواہ تھے۔ ان کی نسبت باغی فوجوں کو جو بدگمانیاں ہوئیں وہ زیادہ تر غلط فہمی پر مبنی تھیں۔ ان کو انگریزوں سے کچھ ساز باز نہ تھی' لیکن وہ عاقبت اندیشی کے ساتھ کام کرنا چاہتے تھے' اور اصل بات تو یہ ہے کہ وہ بے غرض سچے آدمی تھے اور جیسا کہ بے غرض سچائی اس دنیا میں انسان کو بدنام کر دیتی ہے' ایسا ہی حکیم احسن اللہ خاں ہندوستانیوں میں بھی بدنام ہوئے اور انگریز بھی ان سے خوش نہ رہے۔

منشی جیون لال نے ۱۴ ستمبر کے بعد جبکہ انگریز دہلی میں داخل ہوئے' پھر کچھ نہیں لکھا' جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ان کا مخبری کا زمانہ ختم ہو گیا تھا اور انگریزوں کو اطلاعات کی ضرورت نہ رہی تھی' اس واسطے ان کی ڈائری ۱۴ ستمبر کو ختم ہو گئی۔

اور یہ بھی شبہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے خوف کی وجہ سے ۱۴ ستمبر کے بعد واقعات نہیں لکھے' کیونکہ اس دن سے انگریزی افواج کے مظالم کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔

یا ممکن ہے خود منکاف صاحب نے یہ حصہ اڑا دیا اور شائع نہ کیا' کیونکہ اس میں ان کی قوم پر حرف آتا تھا۔

بہر حال میں یہ دونوں روزنامچے شائع کرتا ہوں اور ان کے پڑھنے سے جو اثر میرے دل پر ہوا' اس کو میں لکھ دیتا ہوں۔ اس کے بعد ناظرین کو خود فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے کہ ان پر ان کے پڑھنے سے کیا اثر ہوگا؟ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے منشی جیون لال نے جو کچھ لکھا ہے' اس نازک زمانہ کی نوکری کی حالت میں ان کو ایسا ہی لکھنا چاہئے تھا۔ اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو شاید ایسا ہی لکھتا یا اس سے بھی زیادہ خوشامد کے لئے مجبور ہوتا کہ گھبراہٹ کے زمانہ میں بڑے بڑے جوانمردوں کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔"

حسن نظامی

۱۴/۱۱ گست ۱۹۲۵ء)

دیباچہ

میرے خاوند نے اس کتاب کی تمہید میں بیان کر دیا ہے کہ کس طرح سے محاصرۂ دہلی کے زمانہ کے دو روزنامچے ان کے ہاتھ لگے۔ اصلی مسودات کے ترجمہ اور ان کی ترتیب کا کام ان کی زندگی کے آخری ایام میں ان کے لئے انتہائی دلچسپی کا مشغلہ تھا اور یہ کام ۱۸۹۲ء میں ان کی وفات سے چند ہفتے قبل ہی پایۂ تکمیل تک پہنچا تھا۔ غدر کے متعلق انگریزوں نے انگریزی نقطۂ خیال سے ادبی دنیا میں کثرت سے حالات لکھے ہیں' لیکن جہاں تک انہیں علم تھا ہندوستانی قلم سے صرف یہی روزنامچے لکھے گئے ہیں جن کی اشاعت ان کی دلی دلچسپی کا باعث تھی۔ افسوس ہے کہ وفات کی وجہ سے وہ اپنی اس خواہش کی تکمیل نہ کر سکے اور وہ یہ کام میرے لئے چھوڑ گئے تاکہ میں اسے اپنی قابلیت کے مطابق انجام دوں۔ اگر انگریزی پبلک نے اس کتاب کو پڑھنے میں اتنی ہی دلچسپی کا اظہار کیا' جتنی دلچسپی انہوں نے ترجمہ کرنے اور اس کو ترتیب دینے میں لی ہے تو یقیناً ان کی محنت رائیگاں نہ جائے گی۔

۱ ستمبر۔ جی۔ منکاف

تمہید

یکم فروری ۱۸۸۵ء کو مجھے حیدر آباد سے حسب ذیل تار موصول ہوا:

''معین الدین حسن خاں کل صبح انتقال کر گئے۔''

اس واقعہ کی وجہ سے میں اپنے وعدے سے آزاد ہو جاتا ہوں جو میں نے ۱۸۷۸ء میں کیا تھا یعنی یہ کہ میں معین الدین حسن خاں کی حین حیات ان مسودات کی اشاعت نہ کروں گا جو انہوں نے مجھے ایسے حالات کے ماتحت دیئے تھے جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔ میں اب ان مسودات کا انگریزی ترجمہ پیش کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ۱۸۵۷ء کی تاریخ غدر میں اس سے نمایاں اضافہ ہوگا۔ اس روزنامچہ کا دلچسپ پہلو ان واقعات میں مضمر ہے جو دہلی میں وقوع پذیر ہوئے۔ غدر کے متعلق اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ مجھے پبلک کے روبرو یہ کتاب پیش کرتے ہوئے پس و پیش ہوتا ہے۔ ہندوستان اور انگلستان کا مفاد اسی میں ہے کہ اس خوفناک بغاوت کے تلخ واقعات بالکل بھلا دیئے جائیں۔ دوسری طرف اس عظیم الشان واقعہ کا تاریخی پہلو ہے جس سے ہمیشہ دلچسپی لی جائے گی۔ جس نسل نے غدر کے واقعات کا مشاہدہ کیا تھا' وہ اب رفتہ رفتہ معدوم ہو رہی ہے۔ جن لوگوں نے اس میں حصہ لیا تھا' ان میں سے بہت سوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ موجودہ نسل جس کے ہاتھ میں ہمارے سب سے زبردست مقبوضہ کی عنان حکومت ہے' جوش دلانے والے واقعات کی تفصیلات سے بالکل ناآشنا ہے۔ ہندوستان کا ہر کونہ جہاں جہاں سپاہیوں نے بغاوت کی' بجائے خود اپنی تاریخ ہے' لیکن دہلی اور لکھنؤ غایت درجہ دلچسپی کے مرکز تھے۔ شمالی ہندوستان کے ان مرکزوں میں سے ایک مرکز میں باغی سپاہی بتدریج مجتمع ہوتے گئے۔ جوں جوں پلٹنیں یکے بعد دیگرے بغاوت کرتی رہیں اور دہلی ہی وہ مقام تھا جہاں بالآخر ہماری فوقیت کا مسئلہ طے ہوا' مجھے ان دلخراش نظاروں کو دوبارہ پیش کرنے میں سخت پس و پیش ہے جن کے خیال نے اس دور کے یورپیوں کے جذبات کو اس درجہ برافروختہ کر دیا تھا جس کا آج کل اندازہ کرنا سخت مشکل ہے۔ اس وقت ہندوستانی کیرکٹر کا ایسا پہلو دیکھنے میں آیا تھا جس کی نسبت یورپیوں کا گمان تھا کہ وہ موجود نہیں ہے۔ کمپنی کی فوج کے افسروں سے زیادہ کسی کو سپاہیوں پر بھروسہ نہ تھا اور یہ اعتماد اس وقت تک قائم رہا جب تک کہ مہلک کارروائی عمل میں نہ آ گئی۔ اس دور کی خونریزی اور افراتفری میں ایسے ہندوستانی بھی موجود تھے جو وفادار اور مخلص رہے اور جن کے دلوں پر زمانہ کے جنون نے کچھ اثر نہیں کیا۔ ان روزنامچوں میں سے ایک کا مصنف اس وفاداری اور اخلاص کی بہترین مثال ہے۔ منشی جیون لال تعلیم یافتہ ہندوستانی تھے جن کا تعلق غدر سے پیشتر شاہ دہلی کی درباری زندگی سے برسوں تک اور دوران غدر میں بھی رہا۔ ان کے والد گردھاری لال جو اورنگ زیب کے وزیر اعظم راجہ رگھوناتھ کی براہ راست اولاد میں تھے' ابتدا میں سر ڈیوڈ آکٹرلونی کے منشی تھے اور اس کے بعد سر چارلس منکاف کے منشی ہو گئے' جبکہ وہ مغلیہ دربار میں گورنر جنرل کے ایجنٹ کی حیثیت رکھتے تھے۔ جیون لال نو عمری کے زمانہ میں بھرت پور اور جے پور کے محاصرہ کے وقت موجود تھے' جبکہ جون ۱۸۳۵ء میں مسٹر بلیک اسسٹنٹ ریزیڈنٹ مارے گئے ہیں۔ بعد میں وہ ان بے شمار پنشنوں کے محاسب مقرر ہو گئے جنہیں انگریزی گورنمنٹ بادشاہ کے خاندان کو دیا کرتی تھی اور اس طرح ان کی حیثیت ایلچی کی سی ہو گئی تھی جو گورنر جنرل کے ایجنٹ کے پاس سے مغلیہ بادشاہ کے دربار میں خفیہ

پیغامات پہنچاتے تھے۔ برسوں تک بادشاہ اور ان کے خاندان سے ان کا براہ راست تعلق رہا اور اس طرح سے وہ بادشاہ کے گرد و پیش کے مختلف افراد اور قلعہ کی سازشوں سے واقف تھے۔ دہلی میں غدر اور شہر کے محاصرہ کے دوران میں وہ شہر ہی میں مقیم تھے اور دہلی کی اندرونی بات سے واقف تھے اور خبریں دیتے تھے۔ ان پر لوگوں کو اکثر سرکاری مخبر کا شبہ ہو جاتا تھا لیکن قلعہ کے رسوخ کی وجہ سے وہ ہمیشہ محفوظ رہے۔ وہ ذات کے کائستھ تھے اور بلحاظ پیشہ محرر تھے۔ وہ روزمرہ کے واقعات کو قلمبند کرتے رہتے تھے اور اس طرح سے وہ ایام محاصرہ کا ایک قیمتی تفصیلی روزنامچہ چھوڑ گئے ہیں۔ انگریزی سلطنت کے دوبارہ قائم ہو جانے پر منشی جیون لال آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنر بنا دیئے گئے اور جب ان کا انتقال ہوا ہے تو ہندوستانی باشندوں یا انگریز عہدہ داروں میں کوئی ایسا نہ تھا جسے افسوس و رنج نہ پہنچا ہو کیونکہ وہ سب ان کی نیکی اور قابلیت کے معترف تھے۔ برطانوی حکومت کو ان سے زیادہ وفادار ملازم نہیں ملا اور ۱۸۵۷ء کے ایام گرما کے جن واقعات کو انہوں نے قلم بند کیا ہے اس سے زیادہ قابل اعتماد معلومات میسر نہیں آ سکتی۔ دہلی میں شاہی دربار کے موقع پر انہوں نے مجھے اپنی ڈائری عنایت کی اور ساتھ ہی انہوں نے میرے لئے سرکاری درباری ڈائری بھی حاصل کر لی جسے بادشاہ کے عبادت خانہ کے مولوی لکھا کرتے تھے۔

ہندوستان سے میرے خاندان کا تعلق ۱۷۶۷ء سے ہے اور ۱۸۰۳ء سے منشی جیون لال کے علاوہ میری ملاقات معین الدین حسن خاں سے ہوئی جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ یہ شخص جنہیں اخلاقاً نواب معین الدین حسن خاں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا' شریف گھرانے سے متعلق تھے جو سمرقند سے ہندوستان اپنی قسمت آزمانے کے لئے آیا تھا۔ ابھی وہ لڑکے ہی تھے کہ اس زمانہ کے ریزیڈنٹ سر تامس مٹکاف کی توجہ ان کی جانب مبذول کرائی گئی اور وہ بعد میں اپنے چھوٹے بھائی سمیت پولیس کے انسپکٹر مقرر ہو گئے۔ غدر چھڑنے کے وقت یعنی مئی ۱۸۵۷ء میں وہ اسی عہدہ پر ممتاز تھے۔ بادشاہ' درباریوں اور محل کی سازشوں سے واقف ہونے کی وجہ سے وہ نہایت دور اندیشی کو کام میں لا کر بادشاہ کی جماعت کے ساتھ مل گئے۔ ابتدا میں وہ باغی بادشاہ کی زیر حکومت محکمہ پولیس کے منتظم افسر رہے اور بعد ازاں وہ باغی فوجوں کے کرنیل ہوئے جنہیں خود انہوں نے مرتب کیا تھا۔ جب انگریزوں کا شہر پر قبضہ ہوا تو اس وقت وہ بھاگ گئے۔ ان کی گرفتاری کے لئے انعام مقرر تھا۔ دہلی سے بھاگ کر وہ بمبئی آئے اور پھر وہاں سے وہ عرب چلے گئے۔ وہاں وہ چند برس تک بعض باغی لیڈروں کے ساتھ رہے جو ان کی طرح ہندوستان چھوڑ دینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس اثناء میں ان کے بھائی محمد حسن جو ایام محاصرہ میں سر جان مٹکاف سے متعلق تھے اور بعد میں ان کی معیت میں کولو اور تبت بھی گئے تھے انہیں عرب سے واپس آ جانے پر زور دیا۔ وہ بمبئی تک آئے اور وہاں اتنے عرصہ تک مقیم رہے جب تک کہ گھر کی یاد نے انہیں بے قرار نہ کر دیا۔

ان کے دل میں اپنے خاندان کے باقی ماندہ افراد سے ملنے کی بے حد آرزو تھی۔ مشورہ کے مطابق انہوں نے اپنے تئیں حکام دہلی کے حوالہ کر دیا۔ سر جان مٹکاف نے جو اس زمانہ میں انگلستان میں مقیم تھے تار دیا کہ ان کے لئے بہترین وکیل کا انتخاب کیا جائے۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا اور یورپینوں کے قتل کے تمام جرائم سے انہیں رہائی دی گئی اور دہلی کی جنگ میں جو حصہ انہوں نے لیا تھا' اس کے لئے انہیں معافی دی گئی۔ دہلی دربار کے موقع پر ان کے معاملہ کو گورنمنٹ

ہند کے گوش گزار کیا گیا جس نے ان خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے جو انہوں نے سر جان منکاف (جن کی جان انہوں نے دہلی میں بچائی تھی) کے لئے انجام دی تھیں' قلیل سی رقم بطور عطیہ کے منظور کی۔ اپنی رہائی کے بعد معین الدین وقتاً فوقتاً مجھ سے ان مختلف اضلاع میں ملاقات کرتے رہے جہاں میں رہا اور بعد میں انہوں نے اپنے مسودات سے وہ روزنامچہ تیار کیا جس کا ترجمہ میں نے کیا ہے اور جسے پہلی مرتبہ کتاب کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ جو جو کام انہوں نے کیا' اسے انہوں نے نہایت ایمانداری کے ساتھ قلم بند کر دیا ہے۔ انہوں نے بلاشبہ اسلامی جوش کے ساتھ بغاوت میں حصہ لیا تھا اور وہ سلطنت مغلیہ کا دوبارہ قیام دیکھنے کے خواہشمند تھے' لیکن مجھے کچھ شبہ نہیں کہ ان کا طرز عمل ان مہربانیوں سے متاثر تھا جو یورپیوں نے ان کے ساتھ کی تھیں اور ساتھ ہی انہیں علم تھا کہ ان کا آقا جن کی جان انہوں نے ابھی ابھی بچائی ہے' دہلی میں بادشاہ سے ان کی کارگزاری کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

متذکرہ بالا الفاظ سے معلوم ہوگا کہ جو واقعات ان اوراق میں قلمبند کئے گئے ہیں' ان کی قدر و قیمت اس بات میں مضمر ہے کہ وہ خالصۃً ہندوستانی ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں اور جہاں تک مجھے علم ہے' غدر کی تاریخ میں ہندوستانیوں کی طرف سے اولین قابل قدر اضافہ ہے۔ انگریزی قارئین کو ان واقعات کے مطالعہ کے لئے تیار کرنے کی غرض سے میں مختصراً (۱) اسباب غدر (۲) غدر کے وقت دہلی کے برائے نام بادشاہ کی پوزیشن پر بحث کروں گا اور آخر میں ہندوستان میں انگریزی پوزیشن کی کمزوری دکھاؤں گا جس کی وجہ سے باغیوں کو عارضی کامیابی حاصل ہو سکی اور متابلۃً جلد کامیابی حاصل ہوئی۔

اسباب غدر

اس امر کے بارے میں بہت سی آرا ظاہر کی گئی ہیں کہ وہ کونسے اسباب تھے جن کی وجہ سے بنگال کی فوج نے بغاوت کی۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ ایک جماعت کی بغاوت تھی جسے عرصہ دراز سے بغاوت پر آمادہ کیا جا رہا تھا۔ بعض نے بتایا ہے کہ وہ اس قومی تحریک کا نتیجہ تھا جس کا مقصد غیر ملکی حکومت سے ہندوستان کو آزاد کرنا اور از سر نو اسلامی حکومت قائم کرنا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی کی الحاقی پالیسی بعض کے نزدیک غدر کا ابتدائی سبب قرار دی گئی ہے۔ سر جان کیے نے سر جان آؤٹرم کے ایک بیان کو درج کیا ہے کہ بغاوت کی تحریک کی ابتدا مسلمانوں کی طرف سے بہت عرصہ قبل شروع ہو چکی تھی۔ بعض مصنفین نے یہ خیال پیدا کر دیا ہے کہ قدیم شاہی گھرانوں کے کارندوں نے جنہیں انگریزوں نے وقتاً فوقتاً سلطنت سے محروم کر دیا' ہندوستانی فوج کے دل میں برے برے خیالات پیدا کر دیئے تھے اور یہی وہ کارندے تھے جو ایک شہر سے دوسرے شہر میں بغاوت کا بیج بوتے پھرتے تھے۔ ایک اور مصنف کا بیان ہے کہ بغاوت اس تعصب کا نتیجہ تھا جسے دربار ایران کے ایک اعلان نے پیدا کر دیا تھا جس کی نقول بلاشبہ تمام ہندوستان میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔ بعض کی رائے میں غدر خالصۃً اسلامی بغاوت تھی اور بعض کا خیال ہے کہ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ بغاوت تھی اور یہ کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں انگریزوں کی مخالفت میں ہمدردانہ جذبات پیدا کرنے کی غرض سے کارتوسوں کا بہانہ تلاش کیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ بعد میں لارڈ کیننگ کے کاغذات کی اشاعت اس متنازعہ فیہ مسئلہ پر روشنی ڈال سکیں۔ اس اثناء میں ایک ہندوستانی

کی رائے جو بغاوت میں خود شریک تھا اور بغاوت کے ایک سے زیادہ سرغنہ سے قریبی تعلق رکھتا تھا جبکہ وہ عرب میں پناہ گزین کی حیثیت سے موجود تھا' بجائے خود بہت دلچسپ ہے۔ بغاوت کے وقت سے لے کر اب تک کوئی ایسی قیمتی شہادت شائع نہیں ہوئی جس سے اس مسئلہ پر جدید روشنی پڑے۔ اگرچہ میں نے بطور خود بہت سے قابل اور مشہور ہندوستانیوں سے گفتگو کی ہے۔ اس سے زیادہ نئے واقعات ظاہر نہیں ہوئے کہ بغاوت شروع ہونے سے کئی سال پیشتر سے انگریزی حکومت کے خلاف بددلی پھیل رہی تھی۔ جنوب سے شمال اور مغرب سے مشرق تک ہم نے اپنی طاقت کو رفتہ رفتہ وسعت دے دی تھی اور بڑی سختی کے ساتھ اپنی حکومت کو قائم کیا تھا اور ساتھ ہی آوارہ اور جنگجو قوموں کی پرانی عادات کو قابو میں کر لیا تھا اور زمینداروں اور مالدار راجاؤں کے خلاف قانون اطوار پر پابندی قائم کر دی تھی۔ اس طرح سے ہر جماعت کی خودسریوں میں کمی آ گئی تھی اور وہ زیادہ محدود اختیارات کے ساتھ قانون کی گرفت میں آ گئی تھی۔ پیشہ ور لٹیرے اور چور اور ڈاکو جن سے گاؤں کے گاؤں آباد تھے' بتدریج اپنے پیشہ کو دن بدن زیادہ خطرناک پانے لگے۔ ٹھگ اور زہر دینے والے ناجائز منسکرات اندرون ملک میں لانے والے اور ناجائز طریقہ سے کشید شراب کرنے والے' بردہ فروش' جعل ساز' جعلی سکے بنانے والے اور مویشی چرا لے جانے والے' الغرض ان سب نے جدید نظام حکومت کی طاقت کو محسوس کر لیا تھا۔ مسلمانوں اور مرہٹوں کے زمانہ حکومت میں ان جرائم کو ایک حد تک دبا دیا گیا تھا' لیکن انگریزی پولیس کے راج کے مقابلہ میں جرائم کی مذکورہ بالا کمی بالکل بے حقیقت شے تھی۔ ممکن ہے کہ رشوت اب بھی جرم کرنے والوں کو متعلقہ سزا سے رہائی دلوا دے' لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا' روپیہ رہائی کے ذرائع بہم پہنچانے سے قاصر ہوتا گیا۔ اس جزیرہ نما کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک انگریزی نظام سلطنت کی خاموش طاقت جلوہ گر تھی جس نے ہندوستانیوں ہی کو اپنا آلہ کار بنایا۔ نسل بعد نسل ایک گاؤں دوسرے گاؤں سے نفرت رکھتا تھا' ایک ریاست دوسری ریاست کے خلاف تھی اور یہ کہ جب آدمیوں کے ادنیٰ جذبات نمایاں ہو جاتے تھے تو اس وقت تلوار ہی فیصلہ کیا کرتی تھی۔ یہ بات لوگوں کی فطرت میں داخل ہو گئی تھی کہ ہر تنازعہ کا فیصلہ لڑ کر کیا جائے۔ اس مشق میں رفتہ رفتہ کمی آتی گئی۔

زمینداروں نے جو اپنے بزرگوں کے وقت سے نادہندہ آسامیوں سے لگان وصول کرنے میں طرح طرح کے مظالم روا رکھتے تھے' یہ دیکھا کہ اب ہم بغیر سزا پائے مظالم نہیں کر سکتے۔ سوسائٹی کی ہر جماعت و طبقہ پر اب نگرانی تھی۔ قانونی عدالتیں اور بالخصوص عدالہائے خفیہ بجائے خود ایک مصیبت تھیں' اس لئے کہ جج ہندوستانی ہونے کے باوجود بسا اوقات مالداروں کی جانب سے غریبوں پر ظلم کرنے کے لئے بطور ذریعہ استعمال کئے جاتے تھے۔ ہندو قوم کے مذہبی پیشوا یعنی برہموں نے دیکھا کہ ہمارا رسوخ دن بدن کم ہو رہا ہے۔ ہماری عظمت و احترام میں کمی آ رہی ہے۔ جو حقوق ہمیں ہندوستانی حکمرانوں کے عہد سلطنت میں میسر تھے' ان میں تنزل آ گیا ہے۔ ہماری مقدس زبان کو قابل نفرت غیر ملکی لوگوں نے سیکھنا شروع کر دیا ہے اور ان کے مذہب کے بارے میں عجیب و غریب پادری بحث کرنے لگے ہیں۔ الغرض ہر جگہ بددلی پھیلی ہوئی تھی۔ ہندو غیر مطمئن تھے' مسلمان اپنی جنگجویانہ روایات کا خیال کرتے ہوئے اپنے گذشتہ بادشاہوں کی عظمت و جلال کا خواب دیکھ رہے تھے اور روزانہ اپنی سلطنت کی بحالی کے لیے دعا مانگا کرتے تھے۔ مرہٹے لیک اور ویزلی کی فتوحات پر آٹھ آٹھ آنسو بہا رہے تھے۔ اعلیٰ جماعتوں میں انگریزوں کی طرف سے نفرت تھی' ادنیٰ جماعتوں میں

جہالت اور تعصب زوروں پر تھا اور سازش کا ہر جگہ دور دورہ تھا۔ جزوی بغاوت ادھر اُدھر پھیلی ہوئی تھی۔ کبھی کولیوں میں کبھی سنتھالوں میں اور کبھی گونڈوں میں۔ مٹھی بھر انگریز وسیع براعظم پر قابض تھے اور اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کی فوج تعداد میں زیادہ تھی بلکہ ہندوستانیوں کا یہ خیال تھا کہ وہ ناقابل تسخیر ہیں۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا' ہمارے نظام اور ذرائع حکومت سے وہ واقف ہوتے گئے او اس واقفیت نے ان کی آنکھیں کھول دیں اور انہیں معلوم ہو گیا کہ ہماری تعداد نہایت ہی حقیر ہے۔ ''بحر شمالی کا یہ چھوٹا سا حقیر جزیرہ کس قدر فوج میدان جنگ میں بھیج سکتا ہے؟'' اور ''یہ جان کمپنی کون ہے جو ہندوستان جیسے وسیع براعظم پر حکمران ہے۔ کیا وہ ایک شخص ہے؟'' اس کے بارے میں کہ وہ کیا ہے اور کون ہے' لوگوں کی آرا مختلف تھیں۔ یہ بات صاف ظاہر تھی کہ خواہ وہ شخص واحد ہو یا کمپنی ہو ہندوستان پر اس کا قبضہ ہندوستانی فوجوں کے ذریعہ قائم تھا۔ اگر وہ اس کا ساتھ چھوڑ دیں تو چند فرنگی جو ادھر اُدھر پھیلے ہوئے ہیں اور جو ہر قسم کی امداد سے دور پڑے ہیں' کیا کر لیں گے؟ ہندوستانی دماغ میں اس قسم کا خیال پیدا کرنے کے لئے کسی تعلیم کی ضرورت نہ تھی۔ یہ حقیقت ہر اس شخص پر واضح تھی جس نے ایک لمحہ بھی صورت حالات پر غور کیا ہوگا۔

بہر حال اس بات کا حل کبھی اطمینان کن طریقہ سے نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا کہ آیا اس خیال نے سب سے پہلے ہندوستانی فوج کو ورغلانے کی ترکیب سجھائی یا یہ کہ ہندوستانی فوجوں کو ورغلانے کا کام اس وقت اختیار کیا گیا جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہر جگہ بددلی پھیل رہی ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ مسلمان محرک تھے اور انہوں نے ہی ہندوؤں کو شامل ہونے کی ترغیب دی' لیکن مسلمان اچھے سازشی نہیں ہوتے' ان کے طریقے نہایت بھدے ہوتے ہیں' وہ فوراً بلوہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں سازش کو کامیاب بنانے کے لئے کئی اہم ضروریات کی کمی ہے۔ برخلاف اس کے ہندو طبعاً سازش کے لئے بنائے گئے ہیں۔ انہیں صبر کرنے' نتائج کو قبل از وقت معلوم کر لینے اور مواقع کو اچھی طرح جانچ لینے' وقت اور اسلحہ کا انتخاب کرنے' حالات سے فائدہ اٹھانے' اصلی مقصد سے دور نہ ہٹنے' قسمت کے ہر پانسہ سے فائدہ اٹھانے کا سلیقہ حاصل ہے اور یہی وہ قیمتی صفات ہیں جو سازش کو کامیاب بنانے میں مفید ہوتی ہیں۔ چپاتیوں کی تقسیم کا واقعہ بعینہٖ اس واقعہ کا عکس تھا جو مرہٹوں کے شمالی ہند پر حملہ کرنے سے پیشتر وقوع میں آیا تھا۔ صرف فرق اتنا تھا کہ بکری کے گوشت کی بجائے روٹی کے ساتھ جواری کی ٹہنی تھی۔ سنتھالوں کی بغاوت سے قبل سال کے درخت کی ٹہنی گاؤں بگاؤں بھیجی گئی تھی۔ ہندو چونکہ سبزی خور ہوتے ہیں۔ یہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ کچے گوشت کا خیال اسلامی تھا یا جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے' ممکن ہے اس کا مقصد کلی استیصال ہو۔ میری تو یہی رائے ہے کہ اس کا اصلی مفہوم یہی تھا۔ اسلامی جہاد کا اعلان وعظ کے ذریعہ سے اور علم نبوی بلند کر دینے سے ہو جاتا ہے۔ اغلب گمان یہ ہے کہ وہ مشترکہ اعلان تھا جو ہندو اور مسلمان سازش کنندگان کا مشترکہ نتیجہ تھا۔ تاریخی واقعہ کے طور پر یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ الحاق اودھ نے بددلی میں اضافہ کر دیا تھا اور اس کی وجہ سے بغاوت جلد رونما ہو گئی۔ الحاق کا اثر ہندو مسلمان دونوں پر پڑا' اس لئے کہ اودھ میں ہندوؤں کی آبادی مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے اور مثالیں لیجئے۔ سیگو ولی کے رسالہ کی بغاوت لکھنؤ سے آئے ہوئے اسلامی قاصدوں کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ یہ اور کنور سنگھ شاہ آبادی کی بغاوت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت کے خلاف ہندو اور مسلمان دونوں کام کر رہے تھے۔ کنور سنگھ پر اس شیطان نانا صاحب (بٹھور) کا اثر پڑا جس سے اس کے پہلے سے خط و کتابت ہو رہی تھی۔ کنور سنگھ نے اپنی باری سے

بہار کے راجاؤں پر اثر ڈالنا شروع کیا' لیکن مہاراجہ دمراؤں اور دیوا اور مہارانی ٹکری کی صورت میں اس کی کوششیں کارگر نہ ہوئیں۔ یہ تینوں انگریزوں کے وفادار دوست رہے اور انہوں نے دھمکیوں اور مواعید کی ذرہ برابر پروا نہ کی۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ غدر کے مورخوں نے بٹھور کے نانا صاحب کا بہت کم تذکرہ کیا ہے' حالانکہ یہ کام اسی کا تھا کہ ہندو آبادی میں شورش برپا کرے۔

بغاوت کے وقت دہلی کے برائے نام تاجدار بادشاہ کی حیثیت

۱۷۳۷ء میں براعظم ہندوستان میں مرہٹوں کی طاقت سب سے زیادہ تھی۔ مرہٹوں کی مختلف ریاستیں جو ایک صاحب لیاقت و تدبیر وزیر کے ماتحت تھیں اور جس کے جنرل سندھیا اور ہلکر تھے' تمام ملک کو زیر نگین کیے ہوئے تھیں۔ بندیل کھنڈ' آگرہ اور دہلی بیک وقت مرہٹوں کے زیر حکمرانی تھے۔ اسلامی طاقت جو اتنے عرصہ تک قائم رہی اب بالکل فنا ہو چکی تھی۔ جب لارڈ لیک ۱۵ ستمبر کو دریائے جمنا عبور کر کے دہلی میں داخل ہوا تو اس وقت اس نے دیکھا کہ اندھا اور معذور مغلیہ شاہنشاہ محض قیدی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ وہ بہت کمزور و نحیف تھا۔ اس کے چہرہ پر بڑھاپے کے آثار نمایاں تھے اور اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ انگریزوں نے اسے برائے نام بادشاہ پیہ۔ اس کا نہ دربار تھا اور نہ خزانہ تھا اور اسی حیثیت سے انہوں نے اسے قائم رکھا۔ مفتوحہ ملک کا ایک کثیر حصہ پنشن یافتہ بادشاہ اور اس کے خاندان کے وظیفوں کے لیے علیحدہ کر دیا گیا تھا' البتہ بوڑھے بادشاہ کو اتنا اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی جائداد کے انتظام کے لئے اپنے کارندے خود مقرر کر لیں اور ساتھ ہی شہر کی پولیس کا بھی خود ہی انتظام کریں۔ انگریزوں نے بادشاہ کے ساتھ جو سلوک کیا' اس میں تعلقات کی نزاکت کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا تھا۔ یہاں تک کہ ریزیڈنٹ کو شہر کی عملی نگرانی میں مداخلت سے روک دیا گیا تھا۔ میونسپل معاملات میں اور مقررہ دیے ہوئے علاقوں کی مالگزاری کے انتظام میں ریزیڈنٹ کو اختیار حاصل تھا کہ وہ بادشاہ کو مشورہ دے' لیکن اسے ایگزیکٹو معاملات میں کسی قسم کی نگرانی حاصل نہ تھی۔ بادشاہ محل کے میدانوں اور شہر میں بالکل خود مختار چھوڑ دیا گیا تھا۔ شہنشاہ کی حیثیت سے اس کی شان و شوکت کو بھی برقرار رکھا گیا تھا اور اسے اپنے محدود علاقہ میں ٹیکس وغیرہ لگانے کے بھی اختیار حاصل تھے۔ ''اس کی حیثیت صرف ایک مشرقی شہنشاہ کے بیوی کی سی تھی۔ اسے قائم رکھا گیا تھا' نہ صرف اس لیے کہ اس کی ضرورت تھی بلکہ اس لئے کہ اس کی موجودگی سے ہندوستان کے مسلمان روسا کو اطمینان حاصل ہو جائے اور نیز اس لئے کہ اس کی وجہ سے مفتوح قوم کو انگریزی حکومت قابل پسند شے نظر آئے۔'' یہ حکمت عملی مہلک تھی۔ شہنشاہ عالم بوڑھا اور اندھا ہونے کے باوجود اپنے روپے کو ضائع کرتا تھا اور اپنے منظور نظر اشخاص کو اس جائداد میں سے جو اس کے لئے وقف تھی' بے تحاشا تحائف دے کر اپنے اخراجات کو بڑھا رہا تھا۔ وہ ہر وقت لالچی آدمیوں سے گھرا رہتا تھا اور چونکہ روپے کی داد و دہش فیاضانہ طریقہ سے جاری تھی' اس لیے اس کی وجہ سے محل میں بدکار اور بدمعاش آدمیوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تھی۔ محل جمنا کے کنارے واقع تھا جیسا کہ آج کل ہے۔ شہنشاہ شاہجہاں نے اسے ۱۶۳۱-۲ء میں تعمیر کیا تھا اور موجودہ صدی کی ابتدا میں اس کا پھیلاؤ ایک میل تھا۔ اصلی محل تقریباً تین ہزار فیٹ لمبا اور اٹھارہ سو فیٹ چوڑا تھا۔ اس میں دیوان عام اور دیوان خاص تھے۔ دیوان خاص خالص سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا طرح طرح کے پھول بوٹوں سے مزین تھا اور چھتیں

سنگ مرمر کے ستونوں پر استادہ تھیں۔ دیوان خاص کی چھت پر یہ شعر درج تھا۔

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

عمارت کی چھت سفید سنگ مرمر کی چوڑی چوڑی سلوں سے مرکب ہے۔ دیوان خاص کے شمال کی طرف محل' حمام خانے وغیرہ واقع تھے۔ محل سے متصل ایک مسجد تھی۔ محل کے باغات دریا کے سامنے کے حصہ میں تھے اور اس کی دیواریں ریتیوں کی جانب واقع تھیں۔ محل پل کے ذریعہ قلعہ سلیم گڑھ سے ملحق تھا۔ دریا کی جانب کا حصہ سنگ سرخ کی ٹھوس دیوار سے محفوظ تھا اور اس میں دیکھنے کی غرض سے سوراخ رکھے گئے تھے اور شہر کی جانب کا حصہ اینٹوں کا بنا ہوا تھا۔ ان دیواروں کے پیچھے مکانات کا وسیع سلسلہ تھا جن میں سے بعض اینٹوں اور بعض پھونس اور گارے کے بنے ہوئے تھے۔ بڑے مکانات میں تہ خانے ہوتے تھے اور ان میں خفیہ راستے' خفیہ سوراخ اور کونے' خفیہ دروازے اور باہر جانے کے راستے ہوتے تھے' جن کی وجہ سے ایک مکان سے دوسرے مکان میں آنا جانا ہو سکتا تھا۔ مٹی اور کیچڑ ہر جگہ پایا جاتا تھا۔ مکانوں کے اندر اور مکانوں کے باہر اعلیٰ درجہ کے قالین اور میلی کچیلی چٹائیاں ساتھ ساتھ نظر آتی تھیں۔ ہاتھی دانت اور چاندی کی کرسیاں میلے کچیلے قالینوں سے ڈھکی رہتی تھیں۔ معقول جماعتوں کا انگریزی دماغ جو انگلستان کے گھر کی زندگی کا خوگر ہو اور ایک حد تک میل کچیل سے دور رہنے کا عادی ہو وہ مشرقی محل کے اندر جیسی کہ اس زمانہ میں دہلی میں تھی' زندگی کا تصور نہیں کر سکتا۔ سینکڑوں نوجوان مرد اور عورتیں بیکار زندگی بسر کرتی تھیں۔ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں جو قبر میں پیر لٹکائے پڑی تھیں' وہاں موجود تھیں۔ نوجوان عیاشی میں مبتلا تھے اور بوڑھے سازشوں میں معروف رہتے تھے۔ ذرا ایک ایسی زندگی کا تصور کرو جہاں انسانی جذبات ہر ممکن طریقہ سے اکسائے جاتے ہوں اور ایسی ایسی ترکیبوں سے جوش میں لائے جاتے ہوں جن کی مثال یورپ کے بدترین کلم خانوں میں نہیں مل سکتی۔ ہر قدرتی قانون کی خلاف ورزی ہوتی تھی۔ جہاں آئین کی پابندی نہ ہو وہاں اخلاق اچھی حالت میں نہیں رہ سکتے۔ حرام کاری' قتل' زہر خورانی اور تکلیف دے دے کر مارنے کے واقعات روزانہ وقوع میں آتے تھے۔ بادشاہ کے محل کی حدود میں فن جرم کے اساتذہ کی درس گاہ خوب زوروں پر تھی۔ محل کی چار دیواری میں بہت سے مرد اور عورتیں ایسی تھیں جن کا پیشہ زہر بنانا تھا اور ایسی دوائیں تیار کرنا تھا جن سے بیہوشی پیدا کی جا سکے تاکہ لوٹ مار اور زنا کاری میں آسانی ہو۔ پہلوان' مسخرے' ناچنے والی عورتیں جو بڑھاپے میں شہوانی جذبات کو اکسانے کے لئے ننگی ناچا کرتی تھیں' قوال' جعلساز' بدمعاش' چور' مال مسروقہ خریدنے والے' شرابیں کشید کرنے والے اور مٹھائیاں اور افیون بنانے والے یہ سب لوگ محل کی آبادی کا جزو لاینفک تھے۔ مجرم سزا سے بچنے کے لئے وہاں پناہ گزین ہو جایا کرتے تھے۔ شہوانی سازشوں کی طرح پولیٹکل سازشیں بھی زور و شور سے جاری تھیں۔ بیویاں بیویوں کے خلاف سازش کرتی تھیں' داشتائیں بیاہی بیویوں اور مائیں فرزندوں کے خلاف سازش میں حصہ لیتی تھیں۔ مرد اور عورتیں خوبصورت لڑکیوں کی خاطر دور دور کا ملک چھانتے پھرتے تھے تاکہ محل کے اندر انہیں غلاموں کی طرح فروخت کریں۔ بدمعاشی کے ایسے مرکز میں ہر قسم کی سازش ممکن تھی۔ قتل کے واقعات کی کثرت تھی اور خاموش دریا قریب ہی بہتا تھا تاکہ مقتول کے تمام آثار کو اپنی آغوش میں چھپا لے۔

یہ ہے محل کی زندگی کا خاکہ جبکہ صوبہ دہلی پر انگریزوں نے اپنا قبضہ جمایا تھا' لیکن جہاں محل کے اندر عیاشی اور بدمعاشی غضب ڈھا رہی تھی' جو جائدادیں بادشاہ کو اس کے گزارہ کے لئے دی گئی تھیں' ان کی آمدنیاں انگریزی قبضہ کے امن و امان کی وجہ سے اس درجہ ترقی پا گئی تھیں کہ جہاں ۱۸۰۳ء میں ان کی آمدنی ۳۱۰۵۸ پونڈ تھی' ۱۸۰۴ء میں ۱۳۵۷۵۲ پونڈ ہو گئی۔ شاہی وظائف کے لیے جو انتظامات کیے گئے تھے' ان کے مختصر سے تجربہ نے ظاہر کر دیا کہ اگرچہ پلیٹ کی بیرونی سطح صاف ہوتی جا رہی ہے' تاہم بادشاہ کے ملازمین کی اندرونی سازشوں سے خوفناک خطرات کا اندیشہ ہے۔ اس تمام انتظام کی حماقت کے بارے میں جنرل آکٹرلونی نے یہ رائے تحریر کی تھی کہ "مفید ہونے کے مقابلہ میں مضر زیادہ ہے۔" ۱۸۰۷ء میں ان کے جانشین سر چارلس منکاف نے حسب ذیل رائے تحریر کی تھی "شاہی خاندان کا انتظام کرنے کے متعلق سینن نے جو تجویز پیش کی ہے' میں اس کی تائید نہیں کر سکتا۔ وہ یہ ہے کہ ظاہری برتاؤ اور طرز عمل اور سلوک میں فروتنی اختیار کی جائے جو میری رائے میں اس احترام و توجہ کی حدود سے متجاوز ہو گئی ہے جس کا تقاضا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک گھرانہ کی تباہی پر جو کسی وقت مشہور اور شاندار رہ چکا ہو' انسانیت آمیز سلوک روا رکھا جائے۔ اس کی وجہ سے اس شخص کا تمام وقار جاتا رہتا ہے جو برطانوی گورنمنٹ کا نمائندہ ہوتا ہے اور جسے درحقیقت دہلی پر حکومت کرنی ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ اس طرز عمل سے شہنشاہانہ قوت اور اقتدار کے وہ جذبات پیدا ہوتے ہیں جنہیں درحقیقت ہمیشہ کے لئے خوابیدہ رہنا چاہئے۔ جیسا کہ ظاہر ہے ہم شاہی طاقت دوبارہ بادشاہ کے ہاتھ میں دینا نہیں چاہتے اس لئے ہمیں ایسا طرز عمل اختیار نہ کرنا چاہئے جسے دیکھ کر اس کے دل میں حصول کی خواہش پیدا ہو۔ بلاشبہ ہمیں اس کے ساتھ وہ سلوک کرنا چاہئے جو اس کے رتبہ اور صورت حالات کے مطابق ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم انہیں جتنا زیادہ آرام پہنچا سکیں' پہنچائیں اور آسائش کے جس قدر ذرائع ہم بہم پہنچا سکتے ہیں' پہنچائیں لیکن تاوقتیکہ ہم اس کی طاقت کو دوبارہ قائم کرنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں' اس وقت تک ہمیں اس امر کی ترغیب نہ دینی چاہئے کہ وہ اس کے خواب دیکھا کرے۔ ہمارا فرض ہے کہ جونہی وہ شہنشاہانہ اقتدار کی پہلی جھلک ظاہر کرنے کی کوشش کرے' اسی وقت ہم اسے روک دیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس حد کو اپنی نگاہ میں رکھیں جہاں تک ہم بادشاہ کے سایہ کا ادب و احترام کرنے کے لئے آگے بڑھ سکتے ہیں۔" مسٹر آرچیبالڈ سین نے جو اس وقت دہلی میں ریذیڈنٹ تھے' ان کے خیالات کے ساتھ ہمدردی کا اظہار نہیں کیا۔ ان کی رائے تھی کہ انگریز ایسے خاندان کے جذبات کے ساتھ جو ان مصائب میں گھر گیا ہو' جتنی زیادہ ہمدردی کریں' اتنا کم ہے۔ ان کا خیال تھا کہ گورنر جنرل کا ایجنٹ خواہ کتنی تو قیر و تکریم ملحوظ رکھے' ریذیڈنٹ کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا' بلکہ یہ کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں دب جانے سے وہ اہم مواقع پر زیادہ شان کے ساتھ اپنے اقتدار کا اظہار کر سکتا ہے۔ گورنمنٹ ہند کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے کہ وہ میانہ روی اختیار کرتی ہے۔ مثال کے طور پر ریاست منی پور اور سن بلوغت کا مسودہ قانون کی مثالیں لو۔ ہر طرز عمل جو معاملات کو کسی خاص نتیجہ کی جانب نہیں لے جاتا' قابل تعریف سمجھا جاتا ہے' مگر اس کا نتیجہ خراب نکلتا ہے۔ یہ پالیسی بہتر خیال کی گئی کہ شہر میں ذلت انگیز کٹھ پتلی حکام رہیں اور مغلیہ سلطنت کا سایہ بھی قائم رہے' مبادا ہندوستان میں بادشاہ کی معزولی سے مسلمانوں میں گھبراہٹ پیدا ہو جائے۔ اس کے باوجود بھدی سے بھدی عقل کے شخص پر بھی یہ بات ہویدا تھی کہ اگرچہ جدید طاقت جو دہلی پر قابض تھی' ہندوستانیوں کے خیال میں وقتی طور پر ہندوستان کی حقیقی مالک تھی' تاہم جب تک قدیم خاندان کا سایہ قائم

تھا اس وقت تک وہی عزت کا واحد سرچشمہ خیال کیا جاتا تھا اور وہی اصلی طاقت تھی جس کا ادب واحترام واجب تھا۔ راجہ نواب ابھی تک ان خطابات کا استعمال کرتے تھے جو بادشاہ انہیں عطا فرماتے تھے۔ ہر قسم کے سکہ پر موجودہ شہنشاہ کا نام مضروب ہوتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے والیان ریاست کی جانشینی کی درخواستیں ابھی تک ان کے نام بھیجی جاتی تھیں اور جب کبھی ان درخواستوں کو مسترد کر دیا جاتا تھا تو اس وقت ریذیڈنٹ سے اپیل کی جاتی تھی کہ وہ اپنا رسوخ استعمال کریں اور مغلیہ شہنشاہ کو عرضی کنندگان کی درخواست منظور کرنے پر مائل کریں۔ جب خوفناک بلوے ظہور میں آجاتے جیسا کہ وہ واقع ہوتے رہتے تھے تو اس وقت عوام بادشاہ کی جانب رجوع ہوتے تھے تاکہ انگریزی حکام سے انہیں پناہ مل جائے۔ ایک دفعہ بلوے کے موقع پر اسسٹنٹ ریذیڈنٹ نے لکھا تھا کہ "مجھے یقین ہے کہ یہ بلوہ کبھی وقوع پذیر نہ ہوتا اگر لوگوں کو توقع نہ ہوتی کہ بادشاہ انہیں بچالے گا' جیسا کہ انہوں نے بالآخر بچالیا۔ اس کی ابتدا محل سے ہوئی تھی اور اگر اس کا اصلی سبب معلوم کیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ یہ سب کچھ ریذیڈنٹ کے نہایت ماتحتانہ اور پُر احتیاط طرز عمل کا نتیجہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ شہنشاہانہ حقوق کے استعمال کے خیالات کا ابتدا ہی میں سد باب ہونا چاہئے تھا۔ یہ ممکن ہے کہ جب کچھ عرصہ تک ان حقوق کو بڑھنے دیا جائے تو اس کے بعد ان کا انسداد کرنا مشکل ہوگا۔ کم سے کم اس سے زیادہ دقت پیش آئے گی جتنی ان کا کلیتہً انسداد کرتے وقت پیش آتی۔" برطانوی ریذیڈنٹ کی طرف سے بار بار اصرار کرنے کے بعد کورٹ آف ڈائرکٹرز نے نظام میں تبدیلی کر دینے پر اظہار رضامندی کر دیا اور وہ یہ تھا کہ مالگزاری اور محاصل کا انتظام ریذیڈنٹ کے ہاتھ میں دیا جائے اور برائے نام بادشاہ کا ہر طریقہ سے ادب واحترام برقرار رکھا جائے۔ اس کے ساتھ طاقتور بادشاہ کی طرح سے سلوک کرنے کی ہدایت کی گئی اور ہز میجسٹی کے جذبات واحساسات کی جانب خاص خیال رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اس کا نتیجہ پھر یہ نکلا کہ جہاں انتظام دہلی کی ترمیمات ناکام ثابت ہوئیں وہاں اصلی سیاسی خطرہ کو پھر برداشت کرلیا گیا یعنی ایک ایسے شہر کے وسط میں جو بادشاہ کا وجود اور اس کے ایسا محل جو خوفناک قلعہ میں تبدیل کیا جاسکتا تھا۔ ۱۸۰۶ء میں بوڑھا اور اندھا شہنشاہ عالم رحلت کر گیا جو پچیس سال تک ہندوستان کا برائے نام بادشاہ رہا۔ اس کے بعد نومبر ۱۸۰۶ء میں شاہ اکبر ثانی تخت پر بیٹھے۔ ۱۸۰۹ء میں شاہ نے مزید الاؤنس طلب کیا اور کورٹ آف ڈائرکٹرز نے اسے منظور کیا۔ اس بیشی سے شاہ کو اطمینان نہ ہوا تو اس نے مزید الاؤنس کے لئے درخواست دینے کا ارادہ کیا اور اب کی مرتبہ نواب وزیر والی اودھ کی امداد بھی حاصل کرنے کی تجویز تھی۔ گورنر جنرل جس قدر زیادہ دیتا جاتا تھا' اتنی ہی زیادہ مزید رقوم طلب کی جاتی تھیں۔ سازش کے بعد سازش کی گئی۔ بہانہ کے بعد بہانہ تراشا گیا' یہاں تک کہ ۱۸۱۲ء میں مغلیہ شہنشاہ نے یہ مطالبہ کیا کہ میرا مرتبہ گورنر جنرل سے زیادہ ہونا چاہئے۔

ستمبر ۱۸۳۷ء میں شاہ اکبر ثانی کا انتقال ہو گیا۔ ان کے گیارہ بیٹے اور چھ لڑکیاں تھیں۔ ان کے جانشین شاہ محمد ابوظفر سراج الدین محمد بہادر ہوئے۔ جب ۱۸۵۷ء کا غدر ہوا ہے تو اس وقت وہی مغلیہ خاندان کے پنشن خوار نمائندہ تھے۔ قلعہ کی اندرونی حالت میں شاہ عالم کے زمانہ سے کوئی بہتری نہیں ہوئی تھی۔ ہندوستان کے "دلال" پیشہ ور جماعت ہے اور یہ لوگ سازش کے نتیجہ سے روزی کماتے ہیں۔ ان کا کام مقدمہ بازی کرانا ہے اور وہ اس طرح سے ہر خاندان کے تنازعات کی ٹوہ لگاتے ہیں اور پھر انہیں قانونی چارہ جوئی کی صورت میں تبدیل کر کے اپنا اُلو سیدھا کر لیتے ہیں۔ وہ ہم

قانون عدالت میں پھرتے رہتے ہیں اور ہر دربار اور امیروں کے گھروں میں ان کا آنا جانا ہوتا ہے۔ وہ قانونی عدالتوں میں جوا لگاتے ہیں اور نتائج سے بہرہ اندوز ہونے کی امید میں نت نئے مطالبات پیش کرنے کی تجویز کرتے رہتے ہیں۔ بادشاہ کے گرد و پیش اس قسم کے آدمیوں کی کمی نہ تھی۔ ان کے مشورہ کے مطابق کمزور بوڑھا مغل بادشاہ ایسے مطالبات کرتا رہتا تھا جن کی روکنے کی سخت ضرورت تھی۔ وہ ہر وقت قرض میں جکڑے رہتے تھے اور اس لئے ان کے خاندان کی خواہش از حد سے بڑھ گئی تھی۔ وہ انتظام سلطنت کے لئے بار تھے' مگر اس وقت صحیح طور سے یہ بات نامناسب خیال کی گئی کہ انہیں دہلی سے ہٹا کر تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگائی جائے۔ کسی ترغیب سے وہ محل چھوڑنے پر رضامند نہ ہوتے تھے۔ اس امر کا اندیشہ نہ تھا کہ اسلامی طاقت دوبارہ زندہ ہو جائے گی بلکہ یہ خیال تھا کہ کہیں بادشاہ ہندوستانی ریاستوں کے اتحاد کا مرکز نہ بن جائے۔ وقتاً فوقتاً انگریزی اخبارات بادشاہ کو ہٹا دینے کا مشورہ دیتے تھے۔ ۱۳ جنوری ۱۸۴۹ء کی اشاعت میں "دہلی گزٹ" نے جو صوبجات شمال مغربی کا سب سے مشہور اخبار تھا' حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا تھا۔ "جمعرات کی صبح کو ولی عہد سلطنت شاہزادہ دارا بخت کا انتقال ہو گیا اور ان کے بعد شاہزادہ فخر الدین ولی عہد سلطنت قرار پائیں گے۔ ہمارے پاس اس امر کے یقین کرنے کے وجوہ ہیں کہ شاہی گھرانے کا حق جانشینی ان کے بعد ختم ہو جائے گا' اس لئے کہ انفرادی طور پر ان سے اس کی ذمہ داری کر لی گئی ہے اور ایسی ذمہ داری اور کسی فرد خاندان سے نہیں کی گئی۔ ہم صدق دلی سے اعتماد کرتے ہیں کہ صورت حالات درحقیقت ایسی ہی ہے اور یہ کہ ہماری حکومت بادشاہ کے انتقال پر خاندان کو منتشر کرنے کا معقول انتظام کرے گی اور گزارے کے لئے مناسب پنشن کا بندوبست کرے گی۔"

"وانڈرنگز آف اے پلگرم" (سیاحت مسافر) کے مصنف کے خیالات ملاحظہ ہوں۔ "یہ عجیب و غریب بات ہے کہ تقریباً تمام ہندوستانی اخبارات نے بادشاہ کے لیے "پادشاہ" کے لقب کا استعمال عرصہ سے ترک کر رکھا ہے اور وہ ان کا ذکر کرتے وقت صرف لفظ "شاہ" کا استعمال کرتے ہیں۔" "چھ صدی تک دہلی ہندوستان میں شہنشاہانہ طاقت کا مرکز رہی ہے اور زیادہ تعلیم یافتہ اور باخبر ہندوستانیوں میں عرصہ سے یہ خیال موجود ہے (اور یہ خیال وہ ہے جس کا لارڈ ویلزلی نے اپنے ابتدائی خطوط میں حوالہ بھی دیا ہے) کہ انگریزوں نے مغلیہ خاندان کو معدوم کرنے کا تہیہ کر لیا تھا' یہ کہ ان کا ارادہ تھا کہ وہ سابق بادشاہ شاہ عالم کو مرہٹوں کے چنگل سے رہائی دلوائیں اور پھر انہیں ضمانت کے طور پر اپنے پاس رکھیں اور یہ کہ انہیں اور ان کے جانشینوں کو مرہٹوں سے محفوظ رکھیں۔ اس وقت لارڈ لیک کے دہلی پر قابض ہو جانے سے صوبجات شمال مغربی کے مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

دہلی کے باشندے اس بات کے عادی تھے کہ جب کبھی ان کے عظیم الشان شہر پر قبضہ کیا جائے تو اسے لوٹ لیا جائے اور اس کے باشندوں کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ ۱۳۹۸ء میں اگرچہ تیمور نے دہلی کو لوٹا اور پانچ دن تک قتل عام جاری رکھا تاہم اپنی روانگی کی یادگار قائم کرنے کے لیے اس نے انسانی کھوپڑیوں کا ایک مینار بنوایا اور ناصر الدین کو تخت پر بٹھا کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اسی طرح جب ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے شہر پر قبضہ کیا تو اس نے ہندوستانی مورخین کے قول کے مطابق ایک لاکھ باشندوں کا قتل عام کیا اور باوجود اس کے اس نے محمد شاہ کی جان نہیں لی بلکہ اسے تخت پر بٹھا کر اپنے ملک کو چلا گیا۔ بہ ذلت کے بعد شہنشاہ تخت پر قائم و برقرار رہا اور رفتہ رفتہ اس نے اپنی شان کو دوبارہ حاصل کر لیا' اس لئے

جہاں ہندوستانی باشندے ذلت خوردہ بادشاہ کو اپنا شہنشاہ قبول کر لیتے تھے' وہاں اس امر کا ہمیشہ امکان موجود رہتا تھا کہ وہ اپنی طاقت کو دوبارہ حاصل کر لے گا اور وہ انتظار کرنے پر قانع اور صابر تھے' لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ انگریز جانشینی کو ختم کر دینا چاہتے ہیں اور خاندان کو منتشر کر دینا چاہتے ہیں تو اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگی۔ جب ۱۸۳۷ء میں بہادر شاہ اکبر شاہ کے بعد جانشین ہوئے تو اس وقت گورنر جنرل کی ہدایات کے مطابق اس امر کی کوشش کی گئی تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی پر تمام دعاوی سے دست برداری حاصل کر لی جائے' مگر بادشاہ نے جو اس وقت سن رسیدہ تھے' درخواست منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح دوسری تجویز یعنی بادشاہ کو قطب صاحب بھیج دینے کی تجویز بھی نہایت غصہ کے ساتھ مسترد کر دی گئی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک بورڈ مقرر کیا گیا تا کہ وہ دہلی میں شاہی خاندان کو قائم و برقرار رکھنے کے طریقہ کے متعلق بحث کرے اور رپورٹ پیش کرے۔ اس کمیٹی میں بادشاہ کے ولی عہد شاہزادہ فخر الدین بھی تھے جو نو شاہزادوں میں سب سے زیادہ عمر کے تھے اور جن کے بعد مرزا قویاش تخت نشین ہونے والے تھے۔ سر ہنری ایلیٹ' مسٹر ٹامسن اور سر ٹامس منکاف (ریزیڈنٹ دہلی) بھی اس کے ممبر تھے۔ کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کر دی تھی اور تمام مسئلہ ابھی زیر بحث ہی تھا کہ لارڈ ڈلہوزی کی میعاد حکومت ۱۸۵۶ء میں ختم ہو گئی۔ یہ تکلیف دہ مگر قابل ذکر واقع ہے کہ کمیٹی کے ایک ممبر شاہزادہ فخر الدین ۱۰ جولائی ۱۸۵۶ء کو زہر کے اثر سے مر گئے اور سر ٹامس منکاف (بارٹ) بھی یکم نومبر کو زہر کے اثرات سے جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

سلطنت کے سب سے بڑے شہر دہلی میں زبردست قلعہ کی موجودگی سے جن خطرات کے پیدا ہونے کا امکان تھا ان کے متعلق لارڈ کیننگ لارڈ ڈلہوزی کے ہمنوا تھے۔ پھر بھی انہوں نے شاہزادہ فخر الدین کی وفات پر مرزا محمد قویاش کو وارث تخت و تاج تسلیم کر لیا۔

غدر کے وقت ہندوستان میں برطانوی پوزیشن کی کمزوری

انگریز ایک ایسے آتش فشاں پہاڑ پر زندگی بسر کر رہے تھے جس کے ہر وقت پھٹنے کا امکان تھا' لیکن انہیں اس خطرہ کا کچھ احساس نہ تھا یا وہ اس کا احساس کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس خطرے کے بارے میں بار بار تنبیہیں ملیں' مگر بعض وجوہ سے جن کا سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ ان تنبیہوں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ ہندوستان میں ایک مقام دوسرے سے بہت فاصلہ پر ہے اور ہر ضلع کے حالات اس قدر مختلف ہیں کہ دور دراز دارالسلطنت میں مرکزی حکام تک افواہیں ایسی حالت میں پہنچتی ہیں کہ وہ ایسی متضاد ہوتی ہیں کہ ان پر مشکل سے یقین کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہندوستانیوں میں بدقسمتی سے یہ عادت ہے کہ وہ کسی ذاتی دشمن کو نقصان پہنچانے کی غرض سے حکام کے پاس گمنام معلومات بھیجا کرتے ہیں۔ اس قسم کے تمام مراسلات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ ہر شہری اور فوجی افسر کو جسے ضلع کا کچھ تجربہ ہوتا ہے ہمیشہ یہ دقت محسوس ہوتی رہی ہے کہ وہ کس طرح سے اپنے سے بالا افسروں کو اپنے گرد و پیش کے حالات کے بچشم خود دیکھنے اور اپنے کانوں سے سننے کا موقع بہم پہنچائے۔ وہ دیکھتا ہے کہ میری تجاویز نہیں سمجھی جاتیں اور بسا اوقات مجھ پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ ہندوستان کی سرکاری زندگی کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جتنا

زیادہ کسی شخص کا درجہ ہو گا اتنی ہی کم اسے اپنے گردوپیش کے حالات سے واقفیت ہو گی۔ ممبران کونسل اور لفٹنٹ گورنران صرف اعلیٰ طبقہ کے ہندوستانیوں سے معلومات حاصل کرتے ہیں' جن میں سے صرف چند ایک ہی دوستانہ مراسم کے لحاظ سے ملنے کے لئے جاتے ہیں یا اپنے سکرٹریوں سے اس قسم کی معلومات جو ان اعلیٰ عہدہ داروں کے پاس پہنچتی ہے' وہ ان اطلاعوں اور یادداشتوں سے حاصل ہوتی ہے جو مقفل قفلوں میں ان تک بحفاظت تمام پہنچائی جاتی ہیں۔ سکریٹری بھی بھی اپنے ماتحت افسروں کی رپورٹوں کو نفرت کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ بالخصوص جبکہ ان کی رائے اس کی رائے سے مختلف ہو۔ سکریٹری کو صرف دس سال قبل کی حالت معلوم رہتی ہے اور اگرچہ اس کا کام نہایت اچھا ہوتا ہے' تاہم خوفناک اطلاعوں کے تمام مواقع سکریٹری اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ ایک گونہ روایتی بے اعتنائی کا لہجہ اختیار کر لیتا ہے' خواہ وہ اطلاعیں کسی آنے والے قحط کے متعلق ہوں یا کسی مقامی شورش سے علاقہ رکھتی ہوں یا کسی وبا کے بارے میں ہوں جسے اگر نہ روکا گیا تو وہ ہزارہا جانوں کو تلف کر دیتی ہے۔ اور بعینہ یہی حالت ۵۷-۱۸۵۶ء میں پیش آئی۔ سول اور ملٹری دونوں افسروں کی جانب سے بار بار تنبیہیں دی گئیں کہ کسی نہ کسی منحوس واقعہ کی تیاریاں عمل میں آ رہی ہیں۔ سوائے سر جان لارنس کے باقی کسی نے ذرا سی بھی توجہ نہیں کی' لیکن اگر ذرا ذرا سی افواہ پر بھی اعتماد کر لیا جاتا تو اس صورت میں بھی حکومت ہند بالکل بے بس تھی۔ اس کا سبب سے مضبوط ذرہ بکتر خواہ جارحانہ یا دفاعی مقاصد کے لیے ہو' ہندوستانی فوج تھی اور بنگال کی ہندوستانی فوج کم و بیش بددل ہو چکی تھی۔ اس امر کا کہ بمبئی اور مدراس کی فوجیں کہاں تک وفادار تھیں' صرف قیاس ہی کیا جا سکتا ہے۔ یورپین سپاہیوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں ریلیں نہ تھیں اور نہ رسل و رسائل یا نامہ و پیام کے ذرائع ہی آسان تھے' سوائے اس کے اور کوئی امکانی صورت نہ تھی کہ ان ہندوستانی روساء سے امداد طلب کی جائے جن پر حکومت کو بھروسہ تھا۔ وزارت کو ہندوستان میں یورپین فوج کا عنصر بڑھانے کی تحریک کے بارے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیا کارروائیاں کیں' ان کا اندازہ صرف غیر مطبوعہ کاغذات کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ حکومت ہند کے لئے صرف یہی طریقہ کار مناسب تھا کہ ایسے خطرات کے باوجود جو اس کے لئے مہلک ثابت ہونے والے تھے' ہمت کو ہاتھ سے نہ دے اور خاموشی کے ساتھ واقعات کی ترقی کو دیکھا کرے۔ جب یہ تنبیہیں لفظ بلفظ پوری ہوئیں تو اس وقت معلوم ہوا کہ سازش کنندگان نے اپنی تجاویز کو عمل میں لانے کے لئے مناسب وقت سوچا ہے۔ غدر کا موسم یورپین ساخت جسم کے لیے نہایت تکلیف دہ اور پریشان کن ہے۔ اسی زمانہ میں یورپین فوجوں کا آنا جانا بند ہو جاتا ہے اور ایسے آدمی جن کی مدت ملازمت ختم ہو جاتی ہے' انگلستان چلے جاتے ہیں اور باقی ماندہ فوج جو رہ جاتی ہے' اس میں سے بھی زخمی اور کمزور پہاڑ پر چلے جاتے ہیں۔ شورش کے لیے جو جگہ پسند کی گئی' وہ میرٹھ تھی جو دہلی کے برائے نام بادشاہ کے مقام سکونت سے تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور پہلی حرکت ایک ایسے قلعہ بند شہر کی جانب عمل میں آئی جہاں بارود وغیرہ کے کئی میگزین تھے اور جہاں ہتھیار اور دیگر اسلحہ جنگ صرف دیسی فوج کے قبضہ میں تھا۔ بہر حال ایک چیز ایسی رہ گئی جو سازش کنندگان کے ذہن میں نہیں آئی یعنی یہ کہ انگلستان چین کے خلاف جنگ کر دے گا اور یہ کہ وسیع انگریزی فوج ہندوستانی سمندروں میں سے کلکتہ کے قریب سے گذرے گی۔ اسی خوش نصیبانہ حالت کی وجہ تھی کہ بفضل ایزدی شمال مغربی ہندوستان میں انگریزی سلطنت کا جلد سے جلد دوبارہ قیام ہو گیا۔

حالاتِ دہلی

قارئین کرام کے فائدہ کے لئے شہر دہلی کے کچھ حالات بیان کرنا غالباً بے موقع نہ ہوگا' اس لئے کہ یہی شہر مئی سے لے کر دسمبر ۱۸۵۷ء تک خاص دلچسپی کا مرکز بنا رہا۔ دہلی دریائے جمنا کے مغربی کنارے پر آباد ہے۔ موجودہ شہر تقریباً دس میل کے گھیر میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے تین طرف اونچی فصیل ہے جو اینٹوں اور پتھروں سے بنائی گئی ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں: لاہوری دروازہ' دلّی دروازہ' اجمیری دروازہ' ترکمان دروازہ' موری دروازہ' کابلی دروازہ اور کشمیری دروازہ۔ یہ سب کے سب پتھر کے ہیں اور ان میں خوبصورت محرابیں بنی ہوئی ہیں اور ان میں شہر کی گارد کے لیے رہنے کی بھی جگہیں ہیں۔ غدر سے چند سال قبل کرنیل ایڈورڈ اسمتھ (انجینئرز) نے کشمیری دروازہ کی از سر نو تعمیر کی تھی۔ موجودہ شہر مسلمانوں کا تعمیر کردہ ہے۔ اس کی داغ بیل اور تعمیر شاہجہاں نے ۲-۱۶۳۱ء میں کرائی تھی۔ قدیمی شہر دریا سے دور فصیلوں کے باہر واقع ہے۔ جس زمانہ میں رچرڈ صلاح الدین اور عربوں کے خلاف صلیبی لڑائیاں لڑ رہا تھا' اس وقت دہلی میں ایک ہندو راجہ پرتھوی راج کرتا تھا۔ ہندوؤں کے زمانہ میں شہر کا نام اندر پرست تھا یعنی دیوتا اندر کے رہنے کی جگہ۔ موجودہ شہر دلی اب اسی جگہ آباد ہے جہاں مشہور و معروف کوئیں واقع ہیں اور جو شاہ عالم اور اکبر شاہ کا مدفن ہے۔ مقبرے اور کھنڈرات جو موجودہ شہر کے چاروں طرف بیس میل کے گھیرے میں پھیلے ہوئے ہیں اس امر کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ تاریخ کے مختلف زمانوں میں اس کے مختلف مقامات آباد رہے ہیں' کیونکہ ہندوؤں کے عقیدہ میں اپنے بزرگوں کی تعمیرات کی مرمت کرنا ناجائز ہے بلکہ نئی جگہ پر از سر نو تعمیر کرنی چاہئے۔ گرد و پیش کے علاقہ کی زمین بہت کٹی ہوئی ہے اور اس میں بے شمار گڑھے ہیں۔ شہر کے شمالی اور مغربی حصہ میں وسیع باغات اور شرفا کے مکانات واقع ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر جے سنگھ کا تعمیر کردہ رصد خانہ ہے جو ۱۶۹۳ء میں تعمیر ہوا تھا اور جسے دہلی کے لوگ جنتر منتر کہتے ہیں۔ اس مشہور ہیئت داں نے چند الواح بھی تیار کی تھیں جن کا ہندوستانی آج تک جنتریاں تیار کرتے وقت استعمال کرتے ہیں۔ جنتر منتر کی عمارات بہت بڑی دھوپ گھڑی جس میں پیتل کا پتر لگا ہوا ہے اور درجہ وار سنگ مرمر کی محرابوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بھی دھوپ گھڑی ہے جو درجہ وار نصف دائرہ کی شکل کی ہے۔ یہ ان اجسام فلکی کی بلندیاں مشاہدہ کرنے کے لئے ہے جو سمت الراس کے جنوب یا شمال کی جانب خط نصف النہار میں سے ہو کر گزرتے ہیں۔ دو اور عمارتیں بھی قریب ہی واقع ہیں اور ایک ہی مقصد اور غرض سے بنائی گئی ہیں تاکہ بیک وقت دو آدمی مشاہدات کر سکیں۔ علاوہ ازیں ایک مقعر نصف دائرہ بھی ہے جس میں نظام شمسی کے بعض معمولی اجسام کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ عمارتیں ان پیتل کے آلات کی نقل ہیں جو سمرقند کے رصد خانہ میں استعمال کیے گئے تھے۔ شہر کے شمالی حصہ میں شالا مار باغ ہے جہاں سے دہلی کے مضافات کا خوشگوار منظر نظر آ سکتا ہے اور یہاں بہت سی مساجد مقابر اور باغاتی مکانات کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ خاص شہر میں بہت سے خوبصورت محل ہیں جو سب کے سب عظیم الشان اور پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور جہاں سفید سنگ مرمر کے حمام ہیں اور موسم گرما میں استعمال کرنے کے لئے تہ خانے ہیں۔ ان تہ خانوں میں بہت سے کونے ایسے بنوائے ہیں کہ اگر صاحب مکان چاہے تو پناہ گزین کو پناہ بھی دے سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ ۱۸۵۷ء میں ان تہ خانوں کا استعمال کیا گیا وہ یہ تھا

کہ پناہ گزین یورپینوں کو ایک جا کر کے ان کو قاتلوں کے حوالے کر دیا گیا۔

وسط شہر میں خوبصورت جامع مسجد واقع ہے جو جولا پہاڑ پر تعمیر کی گئی ہے۔ اس میں چڑھنے کے لئے سیڑھیاں ہیں اور سرخ پتھر کے دروازوں میں سے اندر جانے کا راستہ ہے۔ مسجد کا صحن کشادہ ہے اور چودہ سو فٹ ہے۔ یہ صحن بھی سرخ پتھر کا ہے۔ اس کے بیچوں بیچ فوارہ ہے جہاں مسلمان اپنی نماز ادا کرنے سے پیشتر وضو کرتے ہیں۔ اس مسجد کی دیواروں پر کسی بگڑے دل شاعر نے حسب ذیل اشعار چاک سے لکھ دیئے تھے۔ وہو ہٰذا

بوقت جنگ سنتے ہیں صدا اللہ اکبر کی — ستائش فوج کی تیر و کماں کی تیغ و خنجر کی
بوقت فتح عالم کا مگر ہوتا ہے یہ عالم — نہ کچھ خوف خدا دل میں نہ کچھ توقیر عسکر کی[1]

چبوترہ پر سرخ پتھر کے محراب دار دالان چلے گئے ہیں جن کے اوپر بیٹھنے کی غرض سے ہشت پہلو برج بنے ہوئے ہیں۔ مسجد مستطیل شکل کی ہے اور چھ سو اکسٹھ فٹ لمبی ہے۔ اس کے تین خوبصورت سفید سنگ مرمر کے گنبد جس پر سنگ موسیٰ کی دھاریاں پڑی ہوئی ہیں اور جن کے ہر دو جانب ایک سو تیس فٹ کے دو بلند مینار واقع ہیں۔ ان میناروں کی تعمیر میں سنگ سرخ اور سنگ موسیٰ کام میں لایا گیا ہے۔ ہر مینار میں سفید سنگ مرمر کے تین کھنڈ بنے ہوئے ہیں اور ان کی برجیاں اسی پتھر کی ہشت پہلو شکل کی بنی ہوئی ہیں۔ اس عمارت کے سامنے کا تمام حصہ خوبصورت سفید سنگ مرمر کی سلوں سے بنایا گیا ہے اور ستونوں کے بالائی حصہ کے برابر برابر دس کتبے ہیں جن میں سے ہر ایک چار فٹ لمبا ڈھائی فٹ چوڑا ہے اور جن میں بخط نسخ تمام قرآن نہیں تو اس کا بیشتر حصہ بالضرور درج ہے۔[2] مسجد کا بیرونی حصہ سفید سنگ مرمر کی بڑی بڑی سلوں سے بنایا گیا ہے اور کنارے سنگ موسیٰ سے بنائے گئے ہیں اور یہ تمام کام نہایت نازک اور خوبصورت ہے۔ یہ سلیں تین فٹ لمبی اور ڈیڑھ فٹ چوڑی ہیں۔ دیواریں اور چھت بھی سفید سنگ مرمر کی ہیں اور قبلہ کے قریب ایک خوبصورت محراب ہے جس کا رخ مکہ کی جانب ہے اور جو اعلیٰ درجہ کی پچی کاری کے کام سے مرصع ہے۔ اس کے قریب ہی سنگ مرمر کا منبر ہے جس میں چار کٹہرے دار سیڑھیاں ہیں۔ ہمارے لیے یہ معلوم کرنا دلچسپ ہوگا کہ اس منبر سے ۱۸۵۷ء کے پُر از واقعات زمانہ میں نصیحت کی کیا کیا باتیں بیان کی گئی تھیں۔ میناروں پر چڑھنے کے لئے پیچدار زینہ میں سے گزرنا پڑتا ہے جس میں ایک سو تیس سیڑھیاں ہیں۔ ادھر سے شہر اور محل کا خوبصورت نظارہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ گنبد تانبے کے کلس سے مرصع ہیں جن پر سونے کا پترہ چڑھا ہوا ہے اور جو دور سے بہت خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔

اس مسجد کی ابتدا شہنشاہ شاہجہاں نے اپنے سن جلوس کے چوتھے سال میں کی تھی اور اس کی تکمیل سن جلوس کے دسویں سال میں ہوئی۔ کل لاگت دس لاکھ آئی تھی۔ باہر کے استحکامات سے مسجد اس قدر فاصلہ پر واقع ہے کہ انگریزوں نے باڑہ سے جو گولے پھینکے تھے ان سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ صرف ایک گولہ مسجد کے صحن میں آ کر پھٹا تھا۔ شہر میں اس وقت ہندوؤں کے منادر کے علاوہ چالیس اور بڑی بڑی مسجدیں تھیں جن میں کلاں مسجد (کالی مسجد) جو جدید شہر

۱۔ افسوس ہے کہ اصل اردو اشعار نہ مل سکے۔ انگریزی عبارت کے اردو ترجمہ کو میرے دوست محمود اسرائیلی نے از راہ کرم نظم کا جامہ پہنا دیا ہے۔ (مترجم)

۲۔ یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کا ارتکاب ہر اس شخص سے ممکن ہے جس نے کتبات کو پڑھنے کی تکلیف نہیں اٹھائی۔ (مترجم)

دہلی کی تعمیر سے چار سو پچاس قبل بنی تھی' خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ یہاں ہر جمعہ کی نماز ادا نہیں کی جاتی اور صرف ادنیٰ درجہ کے لوگ وہاں جاتے ہیں۔ یہ جگہ غیر مقدس سمجھی جاتی ہے۔ یہاں پر ہمیں اس انگریزی گرجے کا تذکرہ کرنا چاہئے جسے کرنل اسکنر نے تعمیر کیا تھا۔ یہ بھدی سی گنبد دار عمارت ہے اور کشمیری دروازہ کے اندر واقع ہے۔ باغیوں نے اس کی سنہری صلیب کو جو گنبد پر لگی ہوئی تھی' تباہ کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ مقبرۂ ہمایوں غدر کے بعد سے دوہری دلچسپی کی چیز بن گئی ہے' اس لئے کہ یہیں شہنشاہ نے انگریزی حملہ کے دوران میں آ کر پناہ لی تھی۔ یہ مقبرہ سرخ پتھر کی بلند جگہ پر واقع ہے' جس کا گھیر دو ہزار فٹ ہے۔ یہ مدور ہے اور اس پر سفید سنگ مرمر کا بہت عالیشان گنبد بنا ہوا ہے۔ اس کی تعمیر میں یہ خوبی مضمر ہے کہ ایک شخص ڈھلان تک چلتا ہوا آ سکتا ہے' حالانکہ نیچے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کارروائی حیطۂ امکان میں نہیں ہے۔ یہ مقبرہ میلوں پرے سے دکھائی دیتا ہے۔ چبوترے کے چاروں کونوں میں چار مینار ایستادہ ہیں جو سنگ سرخ اور سنگ مرمر سے بنا دیئے گئے ہیں۔ ان پر سرخ پتھر کے ہشت پہلو برج بنے ہوئے ہیں جن میں سنگ موسیٰ سے خوبصورت پچی کاری کی گئی ہے۔ فرینکلن (جس کی کتاب سے میں نے مذکورۂ بالا تفصیلات حاصل کی ہیں) بلندی کا اندازہ ایک سو بیس فٹ کرتا ہے۔ مقبرہ کے نیچے جانے کے لئے زینہ میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ نیچے کا حصہ مختلف محراب دار دالانوں پر مشتمل ہے۔ سب سے بڑے دالان میں ہمایوں کا مقبرہ ہے۔ تمام فرش سفید سنگ مرمر کی سلوں سے مرکب ہے۔ قبر پر بہت ہی نفیس کھدائی کا کام کیا ہوا ہے۔ قریب کے دالانوں میں آل تیمور کی چند شاہزادیوں کی قبر ہے۔ چبوترے پر ان شاہزادوں کی قبریں ہیں جو وقتاً فوقتاً قتل کر دیئے گئے تھے۔ شہنشاہ عالمگیر ثانی بھی یہیں مدفون ہے جسے اس کے وزیر غازی الدین کی تحریک پر قتل کیا گیا تھا۔ زینت المساجد ایک اور خوبصورت مسجد ہے جو دریائے جمن کے کنارے واقع ہے۔ اس میں سنگ مرمر سے خوبصورت پچی کاری کی گئی ہے۔ اس کے سامنے وسیع صحن ہے۔ چاندنی چوک کے ایک سرے پر روشن الدولہ کی مسجد (سنہری مسجد) ہے اور یہیں سے شاہ ایران نے مردوں' عورتوں اور بچوں کا قتل عام دیکھا تھا۔ یہ دونوں مساجد شہر کی مخصوص جگہوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ مضافات میں بہت سے عالیشان محلات کے کھنڈر واقع ہیں جن میں ''مٹکاف ہاؤس'' قابل ذکر ہے جسے میرے باپ سر ٹامس مٹکاف نے جبکہ وہ دہلی میں ریذیڈنٹ تھے' تعمیر کرایا تھا۔ انہوں نے دہلی کو اپنا گھر بنا لیا تھا اور وہ انگلستان میں اپنے خاندانی مکان سے تمام کتابیں اور قیمتی اشیا لے آئے تھے۔ اس وقت انہیں کیا خیال تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے اور یہ کہ وہ چند راولی کے دیہاتیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ یہ مکان ایک ہزار ایکڑ کے وسیع باغ میں واقع تھا اور اس میں نارنگی کے درخت استادہ تھے۔ دوران محاصرہ میں یہ تمام درخت کاٹ ڈالے گئے۔ آگ سے جو نقصان اسے پہنچا' اس کے علاوہ دوران محاصرہ میں گولوں اور گولیوں سے اسے چھید دیا گیا اور بعد میں سوائے دیواروں کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ صرف ایک یادگار چیز جو کھنڈرات میں سے دستیاب ہوئی' وہ کسی خاتون کا دستانہ تھا جسے گرتی ہوئی دیوار نے اپنی آغوش میں لے لیا تھا اور وہ خاتون جو اس کی مالک تھی' خوفناک موت کی تکالیف سے محض خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے بچ گئی۔

ایام گرمیوں کے اور پُرسکون فضا ہے | خلوت کدہ میں دل کے اک نقش مدعا ہے
تارِ ہوا سے نغمہ کوئی نہیں نکلتا | گویائی سے سکوں کو کوئی نہیں بدلتا

عالم بنا ہوا ہے اک عالم خموشاں — صحرا میں ڈھونڈتا ہوں نقش و نگار ایواں
اے کاش نالۂ دل تو بھی پہنچ وہاں تک — ہاں تیزی تو رسائی ہے سقف آسماں تک[1]

☆ ☆ ☆

خدنگِ غدر[2]

(بقلم معین الدین)

امابعد۔ میں اب اپنی داستان شروع کرتا ہوں اور ساتھ ہی ان وجوہ کو بھی ظاہر کیے دیتا ہوں جن کے باعث مجھے ان واقعات کو قلمبند کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

میں خان بہادر نواب اشرف الدولہ قدرت اللہ بیگ خاں صاحب کے صاحبزادے معین الدین حسن خاں کی اولاد میں ہوں۔ نواب صاحب موصوف نواب شرف الدولہ قاسم خاں بہادر صاحب کے فرزند تھے اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں جنرل اور کچھ عرصہ تک صوبہ دہلی کے کوتوال رہ چکے تھے۔ میرے آباؤ اجداد سمرقند اور بخارا کے رہنے والے تھے۔ میرے بزرگ نواب مشرف الدولہ صاحب کا اور ان کے دو بھائیوں (کوچک مرزا صاحب اور عارف خاں صاحب) کا انتقال ہو جانے پر اروانی بیگ خاں شاہ محمد عالم بادشاہ کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور پنجاب میں آ کر آباد ہو گئے۔ میرے آباؤ اجداد کی وفات کے بعد جب انگریزی سلطنت اچھی طرح سے جم گئی اور مرہٹوں کی قوت میں ضعف آ گیا تو میں نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔

۱۸۴۸ء میں میں نے صوبہ دہلی میں پہاڑی پرگنہ پر مکان لے لیا اور پولیس افسر کی جگہ پر میرا تقرر کیا گیا۔ میں اپنے فرائض منصبی بہت وفاداری سے بجالاتا تھا اور جو احکام مجھے ملتے تھے انہیں نہایت تن دہی سے انجام دیتا تھا۔ میرے افسر بالخصوص سر طامس منکاف جو دہلی کے دربار میں کمشنر اور ایجنٹ تھے مجھ سے ہمیشہ مہربانی کا برتاؤ کرتے اور میری ہمت افزائی کرتے رہتے تھے۔ وہ میرے بزرگوں کی شرافت نسبی اور خاندانی وجاہت سے اچھی طرح واقف تھے اور اس لئے میرا بہت خیال رکھتے تھے۔ اسی طرح ان کے صاحبزادے سر تھیوفلس منکاف بھی جو ان دنوں دہلی کے جوائنٹ مجسٹریٹ تھے نہایت مہربانی سے پیش آتے تھے اور ان واقعات کے بعد جن کا ذکر اس کتاب میں مندرج ہے ان کے چھوٹے بھائی مسٹر چارلس تھیوفلس منکاف نے مجھ سے اچھا سلوک کیا اور میری حفاظت کی بالخصوص ایسے زمانہ میں جبکہ میں یکہ و تنہا اور بے یار و مددگار رہ گیا تھا۔ یہاں میں اتنا اضافہ کر دینا چاہتا ہوں کہ یورپین حضرات مجھ سے ہمیشہ بہت مہربانی آمیز طریقہ سے پیش آتے تھے۔

۱۸۵۷ء کے غدر کا میں نے نہایت قریب سے مشاہدہ کیا ہے اور حسن اتفاق سے غدر کے زمانہ میں جو کچھ وقوع میں آیا اس سے میں اچھی طرح سے واقف ہوں۔ میں پہاڑ گنج کے حلقہ پولیس کا افسر اعلیٰ تھا اور سر تھیوفلس منکاف کی ذات

۱۔ انگریزی اشعار کے اردو ترجمہ کے لئے میں اپنے محترم دوست محمود اسرائیلی کا مرہون منت ہوں۔ (مترجم)

۲۔ اس روزنامچہ کا مکمل متن اسی سلسلۂ کتب کی گیارہویں جلد (متعلقہ روزنامچے، یادداشتیں اور معاصر تحریریں) میں ملاحظہ فرمائیے۔ (مدیر)

سے جو عقیدت مندی اور اخلاص مجھے حاصل ہے اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ مجھے غدر کے حالات سے کماحقہٗ آگاہی ہوئی۔

کہا گیا ہے کہ میں نے ارادۃً غدر میں حصہ لیا۔ یہ سچ ہے کہ تسخیر دہلی کے بعد چتیری نامی چپراسی کی سازشوں اور افترا پردازیوں اور اپنی بدقسمتی سے میں سر تھیوفلس مٹکاف کے روبرو حاضر ہونے کی جسارت نہ کر سکا۔ انگریزی حملہ کے بعد میرا مکان اور تمام مال و متاع لوٹ لیا گیا تھا۔ میں نہایت مایوسی کی حالت میں تھا اور مجھ پر ہر وقت خوف و ہراس طاری رہتا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری طاقت اور عقل سلب کر لی گئی ہے۔ اس وقت مجھے یقین تھا کہ میرا چھوٹا بھائی اپنے گھر کے تمام آدمیوں کو لے کر بمبئی چلا گیا ہے اور اس لئے میں بھی بھیس بدل کر عازم بمبئی ہو گیا۔ وہاں جا کر میں نے تجارت شروع کر دی اور کچھ عرصہ بعد میرا چھوٹا بھائی بھی میرے ساتھ شامل ہو گیا۔ بمبئی سے میں نے سر تھیوفلس کو خط لکھا اور اپنے چال چلن اور اپنی عقیدت مندی و اخلاص کے متعلق اسناد طلب کیں۔

سر تھیوفلس انگلستان چلے گئے تھے لیکن وہیں سے انہوں نے مجھے اسناد اور روپیہ بھیج دیا' لیکن میری دماغی حالت اس زمانہ میں اس درجہ ابتر ہو گئی تھی کہ میں مستقبل کے متعلق کوئی لائحہ عمل تیار نہ کر سکا۔

چونکہ مجھے ہر وقت سخت سزا کا خوف لگا رہتا تھا' اس لئے میں بھاگ کر عرب چلا گیا' جہاں میں تین سال سے زیادہ عرصہ تک قیام پذیر رہا۔ اس اثناء میں میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو دہلی بھیج دیا تا کہ وہ صورت حالات کا مطالعہ کرے کیونکہ وہ غدر میں ہر قسم کی شرکت کے الزام سے بری تھا۔

اس زمانہ میں میں اپنے سارے اعزا و اقربا سے جدا رہا۔ ۱۸۶۳ء میں میرے بھائی نے مجھے خط لکھا کہ میں سر تھیوفلس کے ہمراہ کوہستان کے علاقہ میں گھوم رہا ہوں۔ ۱۸۶۴ء میں میں واپس بمبئی آ گیا' لیکن چھپا رہا۔ اس زمانہ میں سر ایڈورڈ بیلی حکومت ہند کے سکریٹری مقرر ہو گئے تھے اور چونکہ مجھے ان کی فیاضی اور شرافت نفس کا یقین تھا اس لئے میں نے ارادہ کر لیا کہ میں اپنے تئیں حکومت کے حوالہ کر دوں' چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی ہدایت کے مطابق اپنے تئیں حلقہ دہلی کے کمشنر کرنل میک نیل کے حوالہ کر دیا۔ مجھے افسوس کے ساتھ معلوم ہوا کہ کمشنر صاحب جن سے ذاتی طور پر میری کوئی ملاقات نہ تھی' مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ وہ مجھے برطانوی حکومت کا دشمن سمجھتے تھے۔ مجھ پر مقدمہ قائم ہوا اور انگریزی انصاف کی بدولت اور سر تھیوفلس مٹکاف کی اسناد کی بنا پر مجھے رہائی مل گئی۔

میں دہلی میں تین دن تک رہا اور پھر بمبئی چلا گیا اور وہاں سے حیدرآباد روانہ ہو گیا جہاں سخت بیمار رہنے کے بعد میں بے چین سیاح کی حیثیت سے پھر دہلی واپس آ گیا۔ ارادہ تھا کہ چند دن دہلی میں ٹھہرنے کے بعد میں بمبئی واپس چلا جاؤں' لیکن چونکہ میں بالکل قلاش اور تباہ و برباد ہو گیا تھا' اس لئے میں نے نواب صاحب والی رامپور سے امداد کی درخواست کی جنہوں نے نہایت فیاضی سے مجھے رہنے کو مکان دیا اور کچھ رقم ماہوار مقرر کر دی۔ یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو دربار دہلی کے موقع پر ہز ایکسیلنسی گورنر جنرل نواب لارڈ لٹن صاحب بہادر کے حسب ایما سر ایڈورڈ بیلی کی بے لوث فیاضی کی وساطت سے میرے حالات ہز ایکسیلنسی کے گوش گزار کئے گئے اور انہوں نے کمال فیاضی سے میرے اور میرے متوسلین کے گزارہ کے لئے مناسب رقم عطا فرمائی۔ جس زمانہ میں اس رقم کے متعلق رسمی دستاویزات لکھی جا رہی تھیں اس عرصہ میں میری کلکتہ کے پولیس کمشنر مسٹر چارلس مٹکاف سے مسلسل خط و کتابت ہوتی رہی۔ مسٹر مٹکاف نے مجھ سے ایک دن پوچھا

کہ آیا میرے پاس ۱۸۵۷ء کے واقعات سے متعلق کچھ کاغذات ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ پولیس کا افسر ہونے کی حیثیت سے میں روزمرہ کے واقعات کے متعلق روزنامچہ رکھنے کا عادی تھا اور پرآشوب زمانہ میں بھی میں نے اس عادت کو ترک نہیں کیا۔ لیکن چونکہ قسمت میرے خلاف ہے' اس لئے یہی بہتر ہے کہ میں اپنی زندگی کے اس صفحہ کو خالی ہی چھوڑ دوں۔

مجھے یقین دلایا گیا کہ میرے خلاف کسی قسم کی مزید کارروائی عمل میں نہیں آئے گی اور انہوں نے مجھے ترغیب دی کہ جن واقعات کا میں نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہے یا جو براہ راست میرے علم میں آئے انہیں میں معرض تحریر میں لے آؤں۔

میں نے جواب دیا کہ اگرچہ میں مسٹر منکاف کا ارشاد بجالانے کو تیار ہوں' تاہم مجھے واقعات قلمبند کرتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ مبادا میں غلطی کر بیٹھوں۔ میں نے عرض کیا کہ مصنفین میں ایک نقص یہ ہوتا ہے کہ سچے اور اصلی واقعات تحریر کرنے کی بجائے وہ اپنی کتابوں کو بے سروپا قصوں سے بھر دیتے ہیں اور ان پر حقیقی واقعات کا ساملمع کر دیتے ہیں۔ میں بھی ان واقعات کو قلمبند کرتے وقت کس طرح سے اپنے تئیں اس الزام سے بچا سکتا ہوں' کیونکہ میں نہ صرف شاہد تھا بلکہ ایک حد تک ایکٹر بھی رہ چکا ہوں؟

میرے مربی نے مجھے دلاسا دیا اور کہا کہ اب اتنا وقت گزر گیا ہے کہ سچی تاریخ لکھنے میں اب کوئی ہرج واقع نہیں ہوسکتا اور اس لئے مجھے ذاتی واقعات کی بنا پر ہراساں نہیں ہونا چاہئے۔ آداب بجالا کر میں نے سچے سچے واقعات کو معرض تحریر میں لانے کا وعدہ کرلیا جن کا میں نے مشاہدہ کیا تھا یا جن سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ سرایڈورڈ بیلی نے بھی اس کام میں میری ہمت افزائی کی۔

اب میرا یہ فرض رہ گیا ہے کہ میں تفصیل وار واقعات لکھوں۔ اگرچہ بہت سے اشخاص نے ۱۸۵۷ء کے غدر کے متعلق کتابیں لکھی ہیں' لیکن میرا خیال ہے کہ ان سب کی بنیاد افواہوں پر قائم ہے۔ میں افواہوں اور تصدیق طلب واقعات کو قلمبند نہ کروں گا بلکہ صرف ایسے واقعات کو معرض تحریر میں لانے کی کوشش کروں گا جو یا تو میرے روبرو واقع ہوئے یا جنہیں قابل اعتماد اشخاص نے مجھ سے بیان کیا۔

میں اپنی روداد غدر کی ابتدا اس بیان سے کرنی چاہتا ہوں کہ خواہ انگریز اپنے متعلق کچھ ہی کیوں نہ خیال کریں ہندوستانی انہیں غاصب سمجھتے تھے اور اس احساس میں صوبہ اودھ کے الحاق نے اور زیادہ شدت پیدا کر دی تھی۔ اسی کارروائی سے سب سے پہلے سپاہیوں میں جن میں اکثر اسی صوبہ کے رہنے والے تھے بددلی پھیلی۔ اس کے بعد واقعات غدر پیش آئے۔ کس قدر پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے' کئی ایک دیسی ریاستیں تباہ و برباد ہوگئیں' بعض مشہور خاندان اور بڑے بڑے شہر خاک میں مل گئے' باغیوں اور بدمعاشوں کو ان کی بدکرداریوں کی سزائیں ملیں اور انجام کار بہت سے بیگناہ آدمی بھی پھانسی پر چڑھا دیئے گئے اور ملک پر عام تباہی چھا گئی۔ بجائے اس کے کہ باغیوں کے طریق عمل کا کوئی اچھا نتیجہ نکلتا'

خودان کے گھرانے تباہ ہو گئے۔ ایک عظیم الشان انقلاب اور مہلک شورش کے بعد اب خدا خدا کر کے دوبارہ امن و امان قائم ہوا ہے اور ہر فرد کو اب پہلا سا اطمینان نصیب ہو گیا ہے۔ میں اس کتاب کا نام "خدنگ غدر" رکھتا ہوں۔ خدا ان لوگوں کو خوش و خرم رکھے اور ان کی عمروں کو بڑھائے جنہوں نے اس کتاب کے مؤلف کو اپنی محنت و جانفشانی کی بدولت مصنفین کے زمرہ میں داخل کرا دیا ہے۔ ناظرین سے میری یہ عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" کا خیال کرتے ہوئے میری غلطیوں پر چشم پوشی فرمائیں گے اور میری کوتاہیوں کو نظرانداز کر دیں گے۔

انگریز اسباب بغاوت ہند کے متعلق انگریز مصنفین کے خیالات سے واقف رہتے ہیں' لیکن یہ خیالات بعض امور میں ہندوستانیوں کی آراء سے مختلف ہیں' کیونکہ وہ اس شورش کی مختلف وجہ قرار دیتے ہیں۔

جب ۱۸۴۷ء میں شاہ لکھنؤ امجد علی شاہ بادشاہ کا انتقال ہوا تو شاہ واجد علی ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ انہوں نے فوج کو از سر نو مرتب کرنا شروع کیا۔ احکام نافذ کیے گئے کہ لکھنؤ کی تمام پلٹنیں روزانہ صبح کے پانچ بجے پریڈ کیا کریں گی۔ بادشاہ خود پریڈ کے موقع پر کمان کرتے تھے اور جنرل کی وردی زیب تن فرماتے تھے۔ وہ روزانہ چار پانچ گھنٹے تک فوج سے ڈرل (فوجی ورزش) کرایا کرتے تھے۔ مزید برآں انہوں نے یہ حکم نافذ کر رکھا تھا کہ امور سلطنت کی ضروریات کے سوائے اگر کبھی وہ خود غیر حاضر ہو جایا کریں گے تو وہ دو ہزار روپے جرمانہ ادا کریں گے جسے لکھنؤ کی فوج میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اتنا ہی جرمانہ اس پلٹن سے وصول کیا جاتا تھا جو پریڈ میں دیر سے آتی تھی۔ مزید سزا انہیں یہ ملتی تھی کہ پیدل فوج کی دو پلٹنیں اور رسالہ کی ایک پلٹن دن بھر مسلح رکھی جاتی تھی۔

بادشاہ کی جدوجہد نے کمپنی کے دل میں ایک گونہ شبہ پیدا کر دیا۔ برطانوی ریزیڈنٹ نے بادشاہ سے دریافت کیا کہ حضور فوج کی تیاری میں اس قدر زحمت کیوں برداشت فرماتے ہیں اور یہ تجویز پیش کی کہ اگر حضور کو اپنے صوبہ کی حفاظت کی خاطر افواج کی ضرورت ہو تو برطانوی افواج استعمال کی جا سکتی ہیں' جن کے اخراجات محاصل اودھ سے ادا کر دیئے جائیں گے۔ امرائے دربار نے بھی عرض کی کہ ذاتی جدوجہد سے کسی قسم کا شبہ پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بادشاہ نے ان تمام فہمائشوں سے متاثر ہو کر یہ جواب دیا کہ چونکہ میری فوجی جدوجہد کو پسند نہیں کیا جاتا لہٰذا میں دوسرے مشاغل میں اپنے تئیں مصروف رکھوں گا۔ اس کے بعد سے انہوں نے امور سلطنت سے غفلت برتنی شروع کر دی اور عیش و عشرت میں بسر اوقات کرنے لگے۔ سابق وزیر فنداد حسین خاں (؟) اپنے عہدہ سے برطرف کر دیئے گئے اور ان کی بجائے علی نقی خاں جو ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے' وزیر مقرر ہوئے۔ بادشاہ نے پہلے تو اپنے وزیر کی بھتیجی سے اور اس کے بعد اس کی لڑکی سے شادی کر لی اور سلطنت کا سارا کاروبار علی نقی خاں کے ہاتھ میں سونپ دیا۔

سلطنت کی خرابی کی بدولت ایسے ایسے نتائج رونما ہوئے کہ عقل انسانی قبل از وقوع ان کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔

اس زمانہ میں درشن سنگھ نامی ایک راجہ تھا جو ایک برہمن سپاہی مہندر سنگھ کا لڑکا تھا۔ اس درشن سنگھ کے تین بیٹے تھے بختاور سنگھ' درشن سنگھ اور چولو کا سنگھ۔ سب سے بڑے بھائی اور درشن سنگھ پر بادشاہ کی عنایات مبذول رہیں اور وہ دونوں درجۂ امارت پر فائز ہوئے۔ اس کے علاوہ انہیں "چکلے دار" بھی مقرر کر دیا گیا۔

درشن سنگھ نے اب یہ کرنا شروع کیا کہ جن زمینداروں پر لگان کی رقمیں چڑھی ہوئی تھیں' ان سے ان کی

جائدادیں زبردستی خرید لیتا تھا۔ اس طریقے سے اس نے بہت وسیع جائداد پیدا کرلی۔ اس کا تعلقہ فیض آباد کے قرب وجوار ہنومان گڑھی میں واقع تھا جہاں مسلمانوں کی ایک مسجد بھی واقع تھی جسے درشن سنگھ نے اپنے تعلقہ میں ملحق کرلیا تھا۔

درشن سنگھ کے دو بیٹے تھے ہنومان دل اور مان سنگھ۔ یہ دونوں مسلمانوں کو مسجد میں اذان دینے نہیں دیتے تھے۔ اس واقعہ کے چند دن بعد کوئی سیاح مولوی (فقیر حسین شاہ) ادھر جانکلے اور چونکہ انہیں امتناعی حکم کی خبر نہ تھی لہٰذا انہوں نے اذان دے دی۔ اذان کا سننا تھا کہ اڑوس پڑوس کے برہمن باہر نکل آئے اور مولوی صاحب پر حملہ آور ہوئے اور جو قرآن کریم ان کے ہاتھ میں تھا' اسے لے کر آگ میں جھونک دیا اور مولوی صاحب کو مسجد سے مار پیٹ کر نکال دیا۔

مولوی صاحب چلتے چلتے لکھنؤ پہنچے جہاں انہوں نے لوگوں سے اپنی بپتی بیان کرنی شروع کی۔ اتفاق سے حیدر آباد محلہ میں ایک شخص مسمی حیدر خاں رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ مولوی صاحب کا واقعہ اس کے کانوں تک پہنچا۔ اس شخص کے چار بھائی تھے اور یہ چاروں بادشاہ کی فوج میں ملازم تھے۔ مولوی صاحب کی بدسلوکی اور قرآن کی بے حرمتی کا واقعہ سن کر چھوٹے دو بھائیوں نے انتقام لینے کی غرض سے مولوی صاحب کی مدد کا وعدہ کرلیا۔ اب یہ تینوں منصوبہ کے مطابق ہنومان گڑھی پہنچے اور دوسرے دن نماز کے وقت انہوں نے اذان دے دی۔ اذان سنتے ہی برہمن دوڑ کر مسجد میں آئے۔ ابتدا میں تکرار ہوئی۔ اس کے بعد لڑائی ہوگئی جس میں دونوں سپاہی کام آئے۔ حسین بیگ کر لکھنؤ لوٹے اور فوجداری عدالت میں انہوں نے مقدمہ دائر کردیا۔ ہندوستانی مجسٹریٹ نے یہ دیکھ کر کہ مقدمہ تکلیف دہ ثابت ہوگا' اسے کچھ مدت کے لئے الگ رکھ دیا۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے سید امیر علی صاحب سے رجوع کیا جو مدت دراز سے ترک دنیا کر کے مسجد میں رہا کرتے تھے اور تمام شہر میں وہ اپنے اتقاء و زہد کی وجہ سے مشہور تھے۔ مولوی صاحب کا بیان سن کر انہوں نے امداد کا وعدہ کیا۔ سب سے پہلے تو انہوں نے مسجد میں عام جلسہ کیا اور بے حرمتی قرآن اور دو پُر جوش مسلمانوں کے قتل کے متعلق فتویٰ جاری کیا جنہوں نے مذہب کی حمایت میں اپنی جانیں دے دی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے لکھنؤ اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ میں جہاد کا اعلان کردیا۔ اپنے وعظ میں انہوں نے بیان کیا کہ مذہب اسلام خطرہ میں ہے اور اس کی وجہ سے عوام کے دلوں میں ہیجان پیدا ہوگیا۔ بالآخر وہ اپنے بے شمار مریدوں کے ساتھ ہنومان گڑھی روانہ ہوگئے تاکہ مذہب کے ساتھ جو بے حرمتی کی گئی ہے' اس کا بدلہ لیا جائے۔ رفتہ رفتہ برطانوی ریزیڈنٹ کو یہ حال معلوم ہوگیا اور وہ فوراً بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اس جوش وخروش کو ٹھنڈا کردینے کی پُر زور درخواست کی۔ بادشاہ نے خادم حسین کو بلوا کر معاملہ کو بخیر وخوبی رفع کردینے کا حکم دیا۔

حسین بخش اور محمد طیار خاں مولوی صاحب کو واپس لانے کے لئے مقرر کئے گئے' مگر انہوں نے آنے سے صاف انکار کردیا۔ نواب علی خاں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ مولوی صاحب کو واپس لانے کے لئے بشیر الدولہ کو بھیجنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ میں اس شرط پر جاتا ہوں کہ انصاف کیا جائے اور دھمکی دی کہ اگر انصاف نہ کیا گیا تو پھر میں مولوی صاحب کا ساتھ دوں گا۔ برطانوی ریزیڈنٹ نے دوبارہ بادشاہ سے خونریزی نہ ہونے دینے کے متعلق یاد دہانی کی اور ان پر ظاہر کردیا کہ اگر خونریزی ہوئی تو اس کی ساری ذمہ داری بادشاہ پر ہوگی۔

اس وقت تو بادشاہ اور وزیر اس غصہ کو بھول گئے جو ان کے دلوں میں بادشاہ کی فوجی سرگرمی میں ریزیڈنٹ کی

مداخلت کرنے سے پیدا ہو چکا تھا اور وہ آنے والی مصیبت کا سدباب کرنے کی غرض سے ضروری تدابیر پر غور و خوض کرنے لگے۔ انہوں نے فرنگی محل لکھنؤ کے مولوی خادم حسین کو بلوا بھیجا اور ان سے متضاد فتویٰ شائع کر دینے کی درخواست کی تاکہ جو لوگ جنگ کے بہانہ کے متلاشی تھے ان کے لئے کوئی شرعی حیلہ باقی نہ رہے۔ بادشاہ نے شاہ حسین بخش اور محمد فاخر خاں کو بھی بلایا اور مولوی صاحب کو خاموش کرنے کے مقصد سے ہر ضروری تدبیر اختیار کرنے پر زور دیا' مگر مولوی صاحب ٹس سے مس نہ ہوتے تھے اور صرف یہ شرط پیش کرتے تھے کہ برہمنوں کو ہنومان گڑھی کی مسجد سے بے دخل کر دیا جائے۔ مسلمانوں کو روزہ نماز اور دیگر مذہبی شعائر کو آزادانہ ادا کرنے کی اجازت حاصل ہو اور مجرموں کو شرع کے مطابق سزا دی جائے۔ ان تمام باتوں کے متعلق وعدے وعید کئے گئے' لیکن کوئی عملی کارروائی نہیں کی گئی۔ مولوی صاحب لکھنؤ میں دس بارہ دن تک بشیر الدولہ کے یہاں مہمان رہے جو وزیر سے بار بار وعدہ ایفائی کی یاد دہانی کرتے تھے۔ مولوی صاحب نے اس کے بعد بادشاہ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ میں قانون کو اب اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں اور وعدہ خلافی کی بنا پر بشیر الدولہ سے جھگڑا کر کے وہ ہنومان گڑھی واپس لوٹ گئے۔ اس پر بادشاہ نے کرنل بارلو کو جو شاہی افواج کے کمان افسر تھے' یہ حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ ہندوؤں کی پلٹن لے کر مولوی صاحب کو بزور روک دیں اور اگر ضرورت سمجھیں تو توپ کے منہ سے انہیں اڑا دیں۔ شاہی فوجیں مولوی صاحب کے کیمپ سے چار میل کے فاصلہ پر خیمہ زن تھیں۔ جب مولوی صاحب نے رڈلی میدان سے کوچ کرنے کی کوشش کی' کرنل بارٹن نے انہیں ایسا کرنے سے روکا اور ان کے کیمپ کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ مولوی صاحب کے ہمراہیوں کی جانب سے حملہ کی ابتدا ہوتے ہی شاہی افواج نے گولہ باری شروع کر دی جس سے ایک سو گیارہ حملہ آور مقتول ہوئے۔ بادشاہ کے بھی بہت سے سپاہی کام آ گئے۔ اس معرکہ کی خبر تمام ہندوستان میں پھیل گئی اور یہ اس سے زیادہ بڑے واقعات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ رفتہ رفتہ برے خیالات پھیلتے گئے۔ برطانوی ریزیڈنٹ نے جس کے پاس بے شمار عرضیاں اس مضمون کی آتی تھیں کہ رعایا کے ساتھ سخت ظلم کا برتاؤ کیا جا رہا ہے اور جسے خود اس امر کا یقین تھا کہ بادشاہ حکومت کرنے کے قابل نہیں ہیں' الحاق کی رائے دے دی۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان حاکم کے عہد حکومت میں مسجد کے معاملہ میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم روا رکھا جائے اور یہ کہ بالآخر رعایا انہی انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دے جن سے اس نے پہلے پہل انصاف اور حفاظت کی درخواست کی تھی۔

۷ فروری ۱۸۵۶ء کو انگریزوں نے اودھ کا الحاق کر لیا۔ انہیں نتیجہ کی بالکل خبر نہ تھی۔ اس کی وجہ سے ہزار ہا آدمی جو بادشاہ کی ملازمت میں تھے' برطرف ہو گئے اور وہ اپنی آمدنی کے ذرائع سے محروم کر دیئے گئے۔ جتنا زیادہ نظام حکومت خراب ہوتا گیا' اتنا ہی زیادہ سپاہیوں' درباریوں' پولیس کے ملازموں اور زمینداروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا جو خرابی حکومت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر موٹے ہوتے جا رہے تھے۔

جن لوگوں نے انگریزوں سے دادرسی چاہی تھی' وہ بالعموم غریب اور مظلوم تھے' لیکن ظالموں نے برطانوی حکومت میں خود اپنی تباہی دیکھی۔ اودھ پوربیوں کا مولد و مسکن ہے اور بددلی کے ان جذبات نے ان تمام پوربیوں کو جو انگریزی ملازم تھے' متاثر کر دیا۔ ہندوستانی باشندوں کے نزدیک الحاق کی کارروائی صریح ظلم کے مترادف تھی اور اسی وجہ سے عام مقابلہ کے جذبات مشتعل ہو گئے تھے۔

اس کے بعد سے بادشاہ اور ان کے تمام متعلقین (اگرچہ فیصلہ قسمت کے سامنے انہوں نے چاروناچار سر تسلیم خم کر دیا تھا) انگریزوں کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ اس وقت لکھنؤ میں دو پلٹنیں (انیسویں اور چونتیسویں) مقیم تھیں جنہیں انگریزی حکومت تنخواہ دیتی تھی۔ انہوں نے الحاق کی غیر منصفانہ کارروائی کے بارے میں آپس میں مشورے کئے اور طے کیا کہ انگریزی راج کو الٹ دینے کے مقصد سے بغاوت برپا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ۱۸۵۷ء میں جب پلٹنوں کے بدلنے کا وقت آیا تو ان میں سے ایک پلٹن تو بیرام پور اور دوسری بارک پور بھیجی گئی۔ ان دونوں پلٹنوں کے دلوں میں انگریزی حکومت کی جانب سے سخت نفرت کا جذبہ موجود تھا اور انہوں نے دوسری پوربی پلٹنوں کے نام چٹھیاں روانہ کیں۔ چونتیسویں پلٹن نے اس کارروائی میں پہل اختیار کی۔ ان چٹھیوں میں ہر پلٹن کو ہندوستان کے قدیم شاہی خاندانوں کی یاد دلائی گئی تھی اور یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ الحاق اودھ کے بعد اودھ کی فوج کو بھی برطرف کر دیا گیا ہے اور اس کی بجائے نئی پنجابی فوج بنائی گئی ہے جو سکھوں اور پنجابیوں پر مشتمل ہو گی۔ سپاہیوں کو یہ بات جتلائی گئی کہ جو لوگ صرف تلوار کے دھنی تھے اور جنہیں سوائے تلوار کے کام کے اور کوئی کام نہ آتا تھا' ان کے منہ سے روٹی چھین لی گئی ہے۔ چٹھیوں میں اس امر کا اندیشہ بھی ظاہر کر دیا گیا تھا کہ عنقریب اور صوبے بھی ملحق کر لئے جائیں گے اور ہندوستانیوں کو آئندہ سے فوج میں ملازم نہیں رکھا جائے گا۔ اگر رکھا جائے گا تو نہایت قلیل تعداد میں۔ اس طریقہ سے سپاہیوں پر زور ڈالا گیا کہ وہ سابقہ بادشاہوں کو از سرنو تخت پر بٹھانے کے لئے بغاوت کر دیں اور غاصبوں کو ملک سے نکال دیں۔ سپاہیوں کی بہبودی اسی امر کی متقضی ہے اور ان کے رئیسوں کی عزت خطرے میں پڑ گئی ہے۔

ان دونوں پلٹنوں کے قریب قریب ہونے سے باغیوں کو باہمی خط و کتابت کرنے کا بہت موقع مل گیا (یہ خطوط نویسی نہایت خفیہ طریقہ سے کی جاتی تھی) اور آپس میں کثرت سے مشورے ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ ہندوستانیوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ کون کون سی پلٹن سازش میں ملوث ہے اور بتدریج یہ بات مذہب میں داخل ہو گئی کہ ہر پوربیئے کو غیر ملکی سے ترک موالات کر لینی چاہئے' اس کی حکم عدولی کرنی چاہئے اور اس کی عملداری کو الٹ دینا چاہئے۔ اگرچہ یہ جذبات قوی ہو گئے تھے لیکن جب اصل بغاوت برپا ہوئی ہے تو لوگوں کو طریقہ کار کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ بغاوت کے رونما ہوتے ہی گذشتہ واقعات کی پوری حقیقت و اہمیت واضح ہو گئی اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ ان واقعات کا اصل منشاء کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

جنوری ۱۸۵۷ء کے مہینے میں رانی گنج میں ایک یورپین کا مکان اور تار گھر جلا دیا گیا۔ یہ متفقہ کارروائی کا گویا ایک اعلان تھا۔ خیال یہ تھا کہ تار گھر کے جلا دیئے جانے کی خبر فی الفور کلکتہ سے پنجاب پہنچا دی جائے گی اور یہ کہ جو لوگ خفیہ کام میں مصروف ہیں' وہ فوراً سمجھ جائیں گے اور مکانوں میں آگ لگانا شروع کر دیں گے۔ ان آتش انگیزیوں کو تمام اطراف میں مشہور کیا گیا اور کہا جاتا ہے کہ ایک پلٹن کی جانب سے دوسری پلٹن کے نام اس امر کی چٹھیاں بھیجی گئیں کہ وہ بھی ایسی ہی کارروائیاں کرے۔

فروری کے مہینہ میں وسیع پیمانہ پر چپاتیاں تقسیم کی گئیں اور یہ دوسرا اعلان تھا اور بجائے خود بہت بڑی فال بد تھی۔ اس زمانہ میں میں علاقہ پہاڑ گنج کا تھانہ دار تھا جو شہر دہلی سے باہر واقع تھا۔ ایک دن صبح کے وقت اندر پت کا چوکیدار

میرے پاس آیا اور اطلاع دی کہ سرائے فرخ خاں کا چوکیدار مجھے ایک چپاتی دے گیا ہے (جسے اس نے مجھے دکھایا) اور یہ کہہ گیا ہے کہ اسی قسم کی پانچ چپاتیاں پکا کے قریب کے پانچ دیہات میں تقسیم کر دینا۔ اس ہدایت کے ساتھ کہ ہر گاؤں کا چوکیدار بغرض تقسیم اسی قسم کی پانچ روٹیاں پکائے۔ چپاتی جوار اور گیہوں کے آٹے کی ہوتی تھی اور مرد کی ہتھیلی کے برابر تھی اس کا وزن دو تولہ تھا۔ مجھے تعجب تو ہوا لیکن میں نے محسوس کیا کہ چوکیدار سچ کہتا ہے اور یہ کہ اس روٹی میں کوئی نہ کوئی اہمیت ضرور ہوگی اس لئے کہ اس کی وجہ سے تمام ہندوستانی باشندوں میں ایک گونہ خوف و ہراس چھا گیا تھا۔ ۲۶ فروری تک کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔ اس دن یہ افواہ اڑی کہ بیرام پوری کی ۱۹ ویں پلٹن نے ان کارتوسوں کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا ہے" (برطانوی فوج کے دو سپاہی تھے جو میرٹھ میں اپنی اپنی پلٹن سے علیحدہ کر دیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک مسلمان ہو گیا تھا اور عبداللہ بیگ نام اختیار کر لیا تھا۔ میرٹھ سے یہ شخص انبالہ لدھیانہ اور فیروز پور گیا اور دوبارہ میرٹھ آ کر چھاؤنی کے قریب رہنے لگا۔ ہندوستانی پلٹنوں کے سپاہی اس سے روزانہ ملنے کے لئے آیا کرتے تھے جن میں اس کا اثر روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ چربی والے کارتوسوں کے اہم مسئلہ پر روزانہ مشورے ہوتے تھے۔ ایک دفعہ تو اس نے سپاہیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ "مجھے معلوم ہے کہ ان کارتوسوں میں سؤر اور گائے کی چربی لگی ہوئی ہے اور سرکار تمہاری ذات بگاڑنے کی خواہشمند ہے۔ اگر تم ان پر گھی یا تیل بھی لگا لو تو بھی استعمال کرنے پر دوسرے سپاہیوں کے سامنے تمہاری مثال پیش کی جائے گی اور پھر دوسری پلٹنوں کو بھی انہیں استعمال کرنا پڑے گا۔) جو انہیں استعمال کرنے کی غرض سے دیے گئے تھے' یہ کہ ۳۴ ویں پلٹن نے بھی اسی قسم کی کارروائی کی ہے اور یہ کہ اسی پلٹن کی سات کمپنیوں کو برخاست بھی کر دیا گیا ہے۔ جب میں نے یہ خبر سنی تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ انبالہ سے ان دنوں ایک ہندوستانی اخبار شائع ہوتا تھا' اس نے مختلف پلٹنوں کی کارروائیوں کو اور بھی شہرت دے دی۔ یہ سمجھ کر کہ ان تمام باتوں کی تہہ میں کچھ کالا ضروری ہے' میں نے فی الفور چند آدمیوں کو مقرر کر دیا تاکہ وہ میرے تمام حلقہ کا معائنہ کریں اور یہ معلوم کرنے کے بعد کہ آیا اور دیہات میں بھی چپاتیاں تقسیم کی گئی ہیں' ان کی مزید تقسیم کو روک دیں۔

میرا چھوٹا بھائی مرزا محمد حسین خان بدر پور کا تھانہ دار تھا جو دہلی سے نو میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ جس دن میں نے پہاڑ گنج میں چپاتیوں کے تقسیم کئے جانے کی خبر سنی' اسی دن میرے بھائی کے پاس سے بذریعہ سوار یہ اطلاع موصول ہوئی کہ اس کے علاقہ میں گاؤں درگاؤں چپاتیاں اور بکری کے گوشت کی بوٹیاں تقسیم کی جا رہی ہیں اور اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ایسی حالت میں کیا کارروائی کرنی چاہئے۔ میں نے اسے اسی وقت یہ لکھ دیا کہ ہر ممکن طاقت سے روٹیوں کو تقسیم ہونے سے روکو اور ساتھ ہی افسران بالا کو بھی صورت حالات کی اطلاع دے دی۔

چند دن تک مجھے کسی قسم کے احکام موصول نہیں ہوئے لیکن بعد میں حکم ملا جس میں روٹیوں کی تقسیم کی علت غائی دریافت کی گئی تھی۔ اسی اثنا میں علی پور اور شیپور کے تھانہ داروں کے پاس سے بھی خطوط موصول ہوئے جن میں مجھ سے مشورہ طلب کیا گیا تھا۔

اس کے بعد مجھے حکم مل گیا کہ تقسیم کو روک دو۔ اس اثناء میں میرے بھائی کو علی گڑھ اور متھرا بھیجا گیا تاکہ وہ دریافت کرے کہ آیا وہاں بھی چپاتیاں تقسیم کی گئی ہیں۔ اسی کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ وہ قسمت دہلی کے ایک وسیع حصہ میں

گھوم کر آیا ہے اور یہ کہ جہاں کہیں وہ گیا اسے معلوم ہوا کہ چپاتیاں ہر جگہ تقسیم کر دی گئی ہیں۔ ہر مقام پر اس سے سوالات پوچھے جاتے تھے' لیکن کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ آئی کہاں سے ہیں اور ان کا منشا کیا ہے۔

میرے بھائی کی تجویز یہ تھی کہ دیگر اضلاع کے سول حکام کے نام چٹھیاں روانہ کرنی چاہئیں کہ وہ اس امر کی تحقیقات کریں۔ نہیں تو مجھے بغرض تحقیقات روانہ کیا جائے' لیکن اجازت نہیں دی گئی۔ بعد ازاں دہلی کے جوائنٹ مجسٹریٹ سر تھیو فلس مٹکاف کے پاس سے ایک خط آیا جس میں مجھ سے ریخ کے طور پر واقعہ کی اصلیت دریافت کی گئی تھی۔ میں نے یہ لکھ بھیجا کہ میں اپنے والد سے سنا کرتا تھا کہ مرہٹوں کے زوال کے وقت بھی مکئی کی ٹہنی اور روٹی کا ٹکڑا گاؤں گاؤں تقسیم کیا گیا تھا اور یہ ممکن ہے کہ چپاتیوں کی تقسیم کا واقعہ کسی شورش کا پیش خیمہ ہو۔ اس کے بعد مجھ سے کوئی سرکاری خط و کتابت اس مسئلہ پر نہیں ہوئی اور نہ مجھے کسی قسم کے احکام ہی موصول ہوئے۔

کچھ دنوں بعد یہ چرچا ہوا کہ انگریز ہندوستانی سپاہیوں کو گائے اور سؤر کی چربی لگے ہوئے کارتوسوں کا استعمال کرا کے ان کی ذات بگاڑنا چاہتے ہیں۔ سرکاری افسروں نے اس چرچہ پر کچھ دھیان نہ کیا اور جو بد دلی تمام ملک میں پھیل رہی تھی اس کے بدیہی آثار سے سرتاسر غافل رہے۔

۱۱ مئی کی صبح کو میں مجسٹریٹ اور کلکٹر مسٹر ہچنسن کی فوجداری عدالت میں کسی مقدمہ کے سلسلہ میں پیروکاری میں مصروف تھا۔ اس کے کچھ دیر بعد جمنا کے پل کے داروغہ بلدیو سنگھ نے آ کر کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ میرٹھ میں انگریزوں اور دیسی فوجوں میں سخت لڑائی ہوئی ہے اور یہ کہ وہ فوجیں اب سیدھی دہلی آ رہی ہیں اور راستہ میں جتنے یورپین اور عیسائی ملتے ہیں' ان کو قتل کر کے ان کے بنگلوں کو آگ لگا دیتی ہیں۔ باغیوں کے متعلق یہ اطلاع بھی ملی کہ وہ دہلی کے قریب آ گئے ہیں۔ کلکٹر نے فی الفور بلدیو سنگھ کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ پر چلا جائے اور شہر کا جو دروازہ پل کو جاتا ہے' اس کو بند کروا دینے کا جلد سے جلد انتظام کرے۔ اس کے بعد کلکٹر اپنی بگھی میں بیٹھ کر کمشنر کے مکان پر گیا۔ مسٹر فریزر سو رہے تھے۔ انہیں جگا کر تمام حالات سنائے۔

ہندوستانیوں میں عام طور سے یہ بات مشہور ہے کہ پچھلی شب کو رات گئے میرٹھ سے ایک سوار مسٹر سمسن فریزر کے نام چٹھی لے کر آیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئے تھے اور جب جمعدار نے جگایا اور بتایا کہ میرٹھ سے ایک سوار چٹھی لے کر آیا ہے تو صاحب نے اسے بہت دھمکایا اور چٹھی کو جیب میں ڈال لیا اور پھر سو گئے۔ نوکر کمشنر کو دوبارہ جگانے سے ڈرے اور سوار سے جو کچھ معلوم کر سکے' وہ اسی قدر تھا کہ میرٹھ میں بہت کچھ ''گول مال'' ہو گیا ہے اور یہ کہ جس افسر نے اسے چٹھی دی تھی' اس نے سخت تاکید کر دی تھی کہ وہ بعجلت تمام اسے دہلی پہنچا دے۔ میں نے یہ تمام باتیں عدالت میں بیٹھے بیٹھے چپڑاسیوں کی زبانی سنیں۔ میں ابھی میرٹھ کے واقعات کے متعلق غور کر رہا تھا کہ اتنے میں مسٹر ہچنسن آ پہنچے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے شہر جانے اور کوتوال کو خبردار رہنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ ہدایت کی کہ اس کے بعد تم اپنے تھانہ میں واپس چلے جانا اور امن و امان کے قیام کے لئے مقدور بھر کوشش کرنا۔ ان سے رخصت ہونے کے بعد میں شہر میں سے ہوتا ہوا کوتوال سے ملا اور اسے مجسٹریٹ کے احکام سنا دیئے۔ وہ بھی گھوڑے پر سوار ہو کر کچھ دور میرے ساتھ گئے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ شہر میں کامل امن و سکون ہے۔ ابھی ہم جا ہی رہے تھے کہ راج گھاٹ دروازہ کا چوکیدار

بھاگتا ہوا آیا اور اس نے خبر دی کہ کچھ دیسی سوار شہر کی فصیل تک پہنچ گئے ہیں اور یہ کہ باقی ماندہ لشکر مجھے دور سے آتا ہوا دکھائی دیا ہے۔

اس نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ دروازے بند کر دیئے گئے ہیں' لیکن جس وقت میں وہاں سے چلا ہوں اس وقت باہر کے لوگ دروازہ کھولنے کے لئے شور مچا رہے تھے۔ کوتوالی سے میں گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا سیدھا مسٹر ہچنسن کو یہ اطلاع دینے کے لئے گیا کہ باغی راج گھاٹ کے دروازے تک پہنچ گئے ہیں۔ انہوں نے آہستگی سے مجھے اپنے تھانہ میں جانے کے لئے کہا اور چپڑاسیوں میں سے ایک سے پوچھا کہ کسی نے مسٹر لی بس (Le Bas)[1] کو دیکھا ہے اور پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیئے گویا کہ وہ مسٹر موصوف کی تلاش میں جا رہے ہیں۔ میں اجمیری دروازہ سے ہوتا ہوا پہاڑ گنج پہنچا۔ وہاں پہنچتے ہی میں نے تمام برق اندازوں کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور اپنے اپنے ہتھیاروں کا جائزہ لیں۔

میں ابھی اپنے برق اندازوں سے بات چیت کرنے میں مصروف تھا کہ یکایک میں نے ایک یورپین سوار کو گھوڑا سرپٹ دوڑاتے ہوئے آتے دیکھا۔ سوار پر نظر پڑتے ہی میں نے پہچان لیا کہ وہ سر تھیوفلس مٹکاف ہیں۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور ان سے ملنے کے لئے آگے بڑھا اور گارد سے سلامی دلوائی۔ سوائے قمیض و پتلون کے وہ اور کچھ پہنے ہوئے نہ تھے۔ میں نے ان سے تمام کیفیت پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ "باغی شہر میں گھس آئے ہیں اور تمام یورپین باشندوں کو قتل کر رہے ہیں۔ میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر بچ نکلا ہوں اور تمام راستے وہ میرا تعاقب کرتے آئے ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ "کیا آپ میری مدد کرنے کے لئے تیار ہیں؟" میں نے جواب میں کہا کہ "جو کچھ میرے پاس ہے وہ آپ ہی کا ہے۔ میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔" اس کے بعد وہ اترے اور مجھ سے چند کپڑے مانگے۔ میں انہیں تھانہ میں لے گیا اور کپڑوں کا بکس سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے دیسی پوشاک کا ایک جوڑا نکالا اور ایک خاص قسم کی تلوار بھی پسند کی جو عام طور پر "جری گھاٹ" کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے پھر اپنا گھوڑا منگوایا اس ارادہ سے کہ اپنے گھر لوٹ جائیں مگر میں نے بمنت انہیں جانے سے روکا۔ انہوں نے کہا کہ "میں اپنے سونے کے کمرے میں ایک بکس چھوڑ آیا ہوں جس میں نوٹوں اور سکوں کی شکل میں تیرہ ہزار روپیہ ہے" اور مجھ سے خواہش کی کہ دو قابل اعتماد آدمیوں کو بھیج کر بکس کو منگوا لو۔ میں نے فی الفور کلیان سنگھ مکر اور امراؤ مرزا کو بکس لانے کے لئے بھیج دیا۔

پھر میں نے سر تھیوفلس سے پوچھا کہ آپ کس طرح سے بچ کر نکل آئے' کیونکہ مجھے تو یہ سارا کھیل ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ کورٹ ہاؤس ذرا دیر سے پہنچے۔ تمام کچہریاں خالی پڑی تھیں اور صرف اسسٹنٹ مجسٹریٹ بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے۔ ناظر دانی چند رداس نے پھر انہیں اطلاع دی کہ خزانہ کے گارد کے آدمی آپس میں بات چیت

۱۔ مجھے بعد کو تحقیقات سے معلوم ہوا کہ مسٹر ہچنسن صرف یہ دیکھنے کے لئے دورہ لگا رہے تھے کہ آیا ان کے احکام کی تعمیل ہوگئی ہے یا نہیں اور وہ کوتوالی تک مسٹر لی بس (جج) کے ساتھ گئے تھے۔ مسٹر فریزر کے چپڑاسی سے مجھے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جب وہ اس چٹھی کا جو انہیں گذشتہ رات موصول ہوئی تھی بغور مطالعہ کر چکے تو انہوں نے اپنے دفتر کی حفاظت کے بارے میں احکام نافذ کئے اور حکم دیا کہ میری بگھی اور بندوق شہر میں میرے پاس بھجوا دی جائے۔ بعد ازاں وہ نواب مجھر کے رسالدار کریم بخش خاں کی معیت میں شہر میں گئے۔ اپنے باڈی گارڈ کو استعمال کرنے کے بارے میں غالباً انہوں نے کوئی احکام نافذ نہیں کئے۔

کر رہے تھے کہ سرکار ہمارے مذہب کو بگاڑنا چاہتی ہے اور دیکھا چاہیے کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ اس اطلاع کے بعد جمنا کے پل کے داروغہ کی رپورٹ ملی کہ باغی شہر کی طرف نہایت سرعت کے ساتھ بڑھ رہے ہیں' بلکہ یہاں تک خبر ملی کہ کچھ فصیلوں تک پہنچ بھی گئے ہیں۔ اس کے بعد وہ اسسٹنٹ مجسٹریٹ کی معیت میں توپخانہ پہنچے اور وہاں کے چوبیس بچیوں کے گارد کو شہر کے دروازوں کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ ان سپاہیوں نے کہا کہ ہمارے پاس کارتوس نہیں ہیں۔ بہر حال انہیں روانہ کر دیا گیا اور سر تھیوفلس خود کلکتہ دروازہ گئے۔ کوتوال[1] کو جوان کے ہمراہ تھا' کوتوالی کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر وہ آگے بڑھ گئے۔ دریا گنج میں انہیں تین سوار ملے جنہوں نے ان پر پستول کے فیر چلائے۔ ان میں سے جب بھی کوئی بگھی کے قریب آ کر اپنا پستول اٹھاتا تو سر تھیوفلس اپنا چابک اس کے منہ پر مارتے۔ شدت تکلیف سے ہر سوار کا نشانہ خطا ہو گیا اور وہ سرپٹ دوڑاتے ہوئے آگے نکل گئے' یہاں تک کہ ایک مجمع نے انہیں حملہ آوریں سے جدا کر دیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ہی انہیں دوسرا مجمع ملا جس نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ اپنی بگھی میں سے کود پڑے اور اپنا کوٹ وغیرہ اتار پھینکا اور شہر کی گلیوں میں سے ہوتے ہوئے مدوب داس کے مکان کی طرف نکل گئے۔ راستہ میں ان کی نواب ججر کے رسالدار محمد خاں نامی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ انہوں نے اس شخص سے گھوڑا مانگا' مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر سر تھیوفلس نے اسے ٹانگ پکڑ کر زمین پر نیچے کھینچ لیا اور باگ کھینچ کر چوڑی والوں کی طرف سرپٹ دوڑاتے ہوئے نکل گئے۔ یہاں پر سوار ان کے تعاقب میں آ پہنچے' مگر وہ مڑ گئے اور اجمیری دروازہ کی راہ پہاڑ گنج پہنچ گئے۔

جب یہ واقعات بیان کر رہے تھے تو دو سپاہی آئے اور اطلاع دی کہ سر تھیوفلس کے مکان کا راستہ باغیوں نے روک رکھا ہے اور یہ کہ وہ قابو سے باہر ہو گئے ہیں اور قتل و غارت گری پر آمادہ ہیں۔ ان کے چہرے سے اندرونی خوف و ہراس نمایاں تھا' لیکن سر تھیوفلس اس بیان سے بالکل متاثر نہیں ہوئے بلکہ یہ کہا کہ میں واپس چھاؤنی میں جانا چاہتا ہوں جہاں فوجیں مقیم تھیں۔ میں نے انہیں اس خطرناک کارروائی سے روکا کہ اگر دہلی کی فوجوں نے بھی بغاوت کر دی تو پھر آپ کیسے بچیں گے؟ میں نے ان سے بہت درخواست کی کہ آپ شہر میں میرے مکان میں جا کر رہیں جہاں میرے سب سے بڑے بھائی امیر الدین اور ان کا جرگ آپ کی جان کے محافظ ہوں گے۔ میں نے مکان تک ساتھ لے چلنے کو کہا اور بتایا کہ ممکن ہے کہ آپ کی موجودگی سے برطانوی حکومت کو کسی قسم کا فائدہ پہنچے' لیکن انہوں نے جواب دیا کہ "میرا کام یہ ہے کہ میں افواج کے ساتھ رہوں۔ ممکن ہے کہ اس وقت شہری افسروں میں سے صرف میں ہی زندہ ہوں! میرے لئے شایان شان نہیں ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ امن و امان قائم کرنے کی غرض سے فوج موجود ہو' میں صرف اپنی ہی حفاظت کا خیال کروں۔" یہ کہہ کر وہ سوار ہو گئے اور ہم فراش خانہ کے پل کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ہمیں باغیوں کی ایک بہت بڑی جماعت لاہوری دروازہ سے نکلتی ہوئی اور ہماری جانب آتی ہوئی دکھائی دی۔ کلیان سنگھ محرر اور امراؤ مرزا سے بھی راستہ میں ملاقات ہو گئی جنہیں سر تھیوفلس مٹکاف کے مکان سے روپیہ کا صندوق لانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ جو کچھ انہوں

۱۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ کوتوال مسمی بلدیو سنگھ کو کوتوالی پہنچ کر اطلاع ملی کہ مسٹر ہچنسن قتل کر دیے گئے ہیں۔ وہاں سے وہ سر تھیوفلس کو خبردار کرنے کی غرض سے گھوڑا سرپٹ دوڑاتے ہوئے گئے مگر راستہ میں انہیں صرف خالی گاڑی ملی جس میں سائیس بھی نہ تھا اور گھوڑا سرپٹ دوڑا چلا جا رہا تھا۔

نے دیکھا تھا اس سے وہ خوفزدہ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ بدمعاشوں نے تمام سڑک پر قبضہ کرلیا ہے۔ وہ اس قدر متوحش تھے کہ اپنا کام کئے بغیر واپس لوٹ آئے۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا اور رائے یہ قرار پائی کہ شارع عام سے چلنا حماقت اور پگلا پن ہوگا۔ اب ہم نے واپس جانے اور یہ معلوم کرنے کی ٹھانی کہ چھاؤنی کی پلٹنیں کیا کر رہی ہیں۔ میں نے دوبارہ یہ تجویز پیش کی کہ سر تھیوفلس میرے مکان پر چلے چلیں' مگر انہوں نے اس بنا پر انکار کردیا کہ اگر میری موجودگی کا علم ہوگیا تو آپ کی تمام جائداد اور گھر بار تباہ ہوجائے گا۔ ہم نے اپنے ہمراہیوں کو تاکید کردی کہ سر تھیوفلس کی موجودگی کا کسی کو علم نہ ہونے پائے اور وہاں سے ہم قدم شریف کی درگاہ سے ہوتے ہوئے باغ کتابی پہنچے جو دہلی سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بھورے خاں میواتی کے مکان کے سامنے ہم اپنے گھوڑوں سے نیچے اترے۔ اگرچہ میری اس سے ملاقات نہ تھی' تاہم وہ نڈر اور سچا شخص سمجھا جاتا تھا۔ وہ باعتبار عہدہ نمبردار تھا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ گھر میں نہیں ہے' لیکن اس کا بیٹا باہر نکلا اور پوچھا کہ فرمایئے کام کیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ اپنے باپ کو تلاش کرکے بلا لاؤ۔ اور ہم مکان کے قریب ہی خاموش انتظار کر رہے تھے کہ تھوڑی دیر میں بھورے خاں آگیا اور سلام و مزاج پرسی کے بعد میں نے ان سے پوچھا کہ "تم جانتے ہو یہ کون صاحب ہیں۔" اس نے نہایت غور سے ان کی طرف دیکھا اور پہچان کر کہا کہ یہ تو مٹکاف صاحب ہیں۔ میں نے پھر صبح کے واقعات کا اعادہ کیا۔ انہوں نے میرے دوست کے خطرات کو تسلیم کیا اور خود ہی اپنی خدمات بھی پیش کردیں۔ سر تھیوفلس دوسرے یورپین افسروں کی طرف سے بہت متفکر اور مشوش تھے اور اس لئے انہوں نے مجھے حکم دیا کہ شہر جاؤ اور جتنے یورپینوں کی جانوں کو بچا سکتے ہو بچانے کی کوشش کرو' لیکن اب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکتی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ اگر شروع شروع میں شہر کے عمائدین کے جذبات سے اپیل کی جاتی تو بہت سی جانیں بچ سکتی تھیں۔ ایسے وقت میں جبکہ صرف چند ہی باغی شہر میں داخل ہوئے تھے' اگر کوئی کارروائی عمل میں آتی تو رؤسا کے ملازمین ہی حملہ آوروں سے نپٹ سکتے تھے۔ بلب گڑھ کے راجہ صاحب بھی اپنے چند ہمراہیوں سمیت اس وقت دہلی میں تھے۔ وہ نواب امین الدین خاں اور ضیاء الدین خاں کے ساتھ جو سرکار انگریزی کے وفادار اور جان نثار تھے' مل کر با آسانی اتنی فوج جمع کرسکتے تھے کہ میرٹھ کے سواروں پر حملہ آور ہوسکتی۔ یہ سوار گھوڑوں پر تھے اور شہر کی تنگ گلیوں میں جہاں باشندوں کی ایک بڑی وسیع تعداد رہتی تھی وہ یقیناً بے پناہ ہوتے۔ افسوس یہ ہے کہ چند حملہ آوروں کے یکایک شہر میں داخل ہوجانے سے گھبراہٹ پھیل گئی۔ باغیوں کی صحیح طاقت سے لاعلمی اور ان کی تعداد کے بارے میں مبالغہ آمیز بیانات نے شہر کے سمجھدار طبقہ کے اوسانوں کو شل کردیا۔

شہر کے لوگ تو سارا الزام کمشنر پر رکھتے تھے جس نے افسوس ناک غفلت برتی اور اس اہم اطلاع سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جو اسے ایک دن قبل مل گئی تھی۔ اس خوفناک صبح کے نو بجے تک گورنمنٹ کے تمام بڑے بڑے عملدار قتل ہوچکے تھے۔ اس کے بعد عام کھلبلی مچ گئی۔ ہر شخص اپنی اور اپنے گھر والوں کی جان بچانے کی فکر میں کر رہا تھا۔

یہاں سے سلسلۂ بیان کی از سر نو تجدید کرتا ہوں۔ سب سے پہلے میں پہاڑ گنج کے تھانہ پہنچا۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ مجسٹریٹ کہاں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ وہ مجھ سے آگے نکل گئے تھے اور مجھے خبر نہیں کہ وہ کہاں گئے۔ پھر میں نے کپڑے بدلے اور خالصۃً ہندوستانی لباس میں ملبوس ہوکر شہر کا رخ کیا۔ دروازۂ شہر کھلا ہوا تھا اور محافظ سپاہی بھی وہاں

موجود نہ تھے۔ وہاں سے میں اپنے گھر پہنچا جہاں گھر کے آدمی سہمی ہوئی حالت میں کواڑ بند کر کے بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر میں قلعہ کی جانب گیا اور دیکھا کہ سڑک کی جتنی دکانیں تھیں وہ سب بند پڑی ہیں۔ ہر چہار طرف شہر کے بدمعاش یورپیوں کے گھروں کے ساز و سامان کو لوٹ کر لے جا رہے تھے۔ جب میں کوتوالی پہنچا تو دیکھا اسے بھی لوٹ لیا گیا ہے' حتیٰ کہ اس کے دروازے تک غائب تھے۔ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ وہاں کوئی شخص نہیں ہے' لیکن جب میں نے زور سے آواز دی تو دو سپاہی نظر آئے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ جو قیدی سڑکوں پر کام کر رہے تھے' انہیں فساد ہوتے ہی اسٹیشن ہاؤس میں پہنچا دیا گیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد دو مسلمان سوار گھوڑا دوڑاتے ہوئے آئے اور بلند آواز سے پوچھا کہ ''کیا تم مذہب کے طرفدار ہو یا اس کے خلاف ہو؟'' جس کا کوتوال نے یہ جواب دیا کہ ''ہم سب اپنے مذہب کے حامی ہیں۔'' اس کے بعد قیدی لوہار کی دکان میں گئے اور وہاں ایک دوسرے کی زنجیریں کاٹ دیں۔ بعد ازاں دو آدمی اونٹوں پر سوار سبز لباس پہنے ہوئے آئے اور پکار کر کہا کہ ''اے لوگو! مذہب کا ڈنکا بج گیا ہے۔'' میرے مخبر کو یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ سوار آئے کہاں سے تھے اور گئے کہاں' لیکن شہر کی خوف زدہ آبادی نے انہیں فرشتہ ہی قرار دیا۔ قیدی جب آزاد ہو گئے تو سب سے پہلے انہوں نے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ کوتوالی پر دھاوا بول دیا۔ اس کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے' لیکن انہوں نے انہیں سپاہیوں کی مدد سے کھول لیا۔ کوتوال نے عقب کی دیوار سے کود کر اپنی جان بچائی اور روشن الدولہ کی مسجد کی جانب چل دیا۔ نائب کوتوال نے بھی اسی طرح اپنی جان بچائی۔ جب جیل کے قیدیوں کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے عمارت کو لوٹ لیا اور جو چیز انہیں مل سکی' اسے تباہ و برباد کر ڈالا۔ میرے مخبر جو جنوبی ہندوستان کے رہنے والے تھے' حیران اور پریشان تھے اور ابھی تک وہیں پناہ لے رہے تھے۔

مجھے معلوم ہوا کہ باغی لوٹ مار کی غرض سے کشمیری دروازے گئے ہیں۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہاں کی یورپین آبادی کو تہ تیغ کر دیں۔ مزید خونریزی کی روک تھام کرنے کے خیال سے میں نے ان دونوں سپاہیوں کو حکم دیا کہ جس قدر سپاہیوں کو جمع کر سکتے ہو' کرو۔ میں نے ان سے یہاں تک کہہ دیا کہ مجھے شہر کا کوتوال مقرر کر دیا گیا ہے۔ مزید یقین دلانے کی غرض سے میں نے انہیں شکر خریدنے کے لئے پانچ پانچ روپے دیئے اور انہیں ہدایت کر دی کہ اگر باغی ادھر آ نکلیں تو انہیں میرے تقرر کی اطلاع دے دی جائے اور اگر سپاہی آ جائیں تو شربت سے ان کی تواضع کی جائے۔ اس کے بعد میں قلعہ معلی گیا تاکہ بادشاہ سلامت سے ملاقات کروں اور ان کی خدمت میں عرض کروں کہ یورپیوں کو قتل سے بچانے اور اپنے گھر بار کی حفاظت کا تیقن کرنے کے مقصد سے وہ مجھے اختیارات عطا فرما دیں۔

شہر کے لاہوری دروازہ کے قریب ہندوستانی فوج کی والنٹیئر کمپنی تیار کھڑی تھی' لیکن اس نے میرا چنداں خیال نہ کیا۔ ''لال پردہ'' کے قریب میں نے اپنے گھوڑے کو روکا اور وہاں سے پاؤں پیدل محل کی جانب روانہ ہوا' مگر وہاں سے سب لوگ جا چکے تھے۔ تصویر خانہ میں مجھے چار ملازم اور دو خواجہ سرا ملے جو اس وقت پہرہ دے رہے تھے۔ ایک خدمتگار نے جو مجھے جانتا پہچانتا تھا' میرے آنے کا سبب پوچھا۔ میں نے کہا کہ مجھے ظل سبحانی سے بہت ضروری ملنا ہے۔ چنانچہ اطلاع کرائی گئی اور مجھے باریابی حاصل ہوئی۔ کورنش بجا لانے کے بعد میں نے ظل سبحانی کے سوالات کے جواب میں عرض کیا کہ باریابی حاصل کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ میں اس قتل و غارتگری کی اطلاع دوں جو اس وقت برپا ہو رہی ہے اور یہ

کہ شہر کے تمام بدمعاش یورپیوں اور کرسٹانوں کی تلاش میں ہیں تا کہ انہیں اور ان کے بال بچوں کو تباہ کردیں۔ میں نے ظل سبحانی سے عرض کی کہ غدارا خونریزی کو روکیے اور شہر میں امن وامان قائم کردیجیے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ "میں بالکل عاجز ہوں۔ میرے تمام ملازمین کا دماغ الٹ گیا ہے یا وہ بھاگ گئے ہیں۔ میں تن تنہا رہ گیا ہوں۔ میرے پاس فوج نہیں ہے جو میرا حکم مانے۔ ایسی حالت میں میں کیا کرسکتا ہوں؟" میں نے جواباً عرض کیا کہ "اگر حضور مجھ پر اپنی خواہشات کا اظہار فرمائیں گے تو ممکن ہے کہ میں حضور کے احکام بجالانے کے بارے میں کوئی کارروائی کرسکوں۔" پھر میں نے اپنے طریقہ کار کو پیش کیا۔ ظل سبحانی نے فرمایا کہ "میرے بیٹے! میں تم سے یہی توقع رکھتا تھا' تم میرے پاس بڑی مصیبت اور خطرہ کے وقت میں آئے ہو۔ جو کام اچھا سمجھو اسے کرڈالو۔ میں تمہیں اس کا اختیار دیتا ہوں۔" اس کے بعد میں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ "اگر کبھی کوئی شخص حضور کے روبرو میری برائی کرے اور شورش دبانے کا مجھ پر الزام رکھے تو حضور یہ فرمادیں کہ وہ میرے احکام کے مطابق عمل کررہا ہے۔ اگر حضور اپنے چوبداروں میں سے ایک یا دو کی خدمات عطا فرمادیں اور انہیں میرے ساتھ قتل وخونریزی کے مقام پر جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں اور انہیں میری ہدایات پر چلنے کا حکم صادر فرمائیں تو بہت ممکن ہے کہ بے کس لوگوں کا قتل رک جائے۔ وہ حضور کے روبرو پیش کردیئے جائیں گے۔ اگر ان کی جان بخشی ہوگئی تو یہ کارروائی حضور کے شایان شان ہوگی۔ بشرطیکہ احقر کی تجویز پر عمل درآمد ہوا۔" میں نے یہ بھی عرض کیا کہ کسی شاہزادہ کو حکم دیا جائے تا کہ وہ شہر کے بازاروں میں گشت لگائیں اور دکانداروں کو اپنی اپنی دکانیں کھولنے پر آمادہ کریں۔ بادشاہ سلامت نے میری تجاویز کو پسند فرمایا اور احسن اللہ خاں کو طلب فرمایا۔ جب وہ آگئے تو انہیں میری تجاویز سننے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ "چوبداروں کو تمہاری معیت میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ "باغی لوگ" عیسائیوں کے قتل عام سے بھی باز نہ آئیں گے۔ اگر ان کی مزاحمت کی گئی تو زیادہ خراب نتائج رونما ہوں گے۔ جب عیسائیوں کے خون سے ان کا دل بھر جائے گا تو وہ پھر ہماری جانب متوجہ ہوں گے اور ہمارے مال واسباب کو لوٹ لیں گے۔ ہمیں صرف اپنی خبر گیری کرنی چاہیے۔" میں نے جواب دیا "حکیم جی! آپ کی رائے صائب نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی نظر میں بے گناہ بچوں اور عورتوں کا قتل بہت خراب چیز ہے۔ جب یہ بغاوت دب جائے گی اور انگریزی طاقت ازسرنو قائم ہوجائے گی تو جانیں بچانے میں جو کوششیں آپ نے کی ہوں گی' وہ نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی۔ اگر آپ کی رائے یہ بھی ہو کہ انگریزی راج کا خاتمہ ہوگیا ہے' تب بھی جن جانوں کو آپ بچائیں گے اس کی وجہ سے آپ کی عزت واحترام اور شان و شوکت میں بے حد اضافہ ہوگا۔" میں نے ان پر اپنی رائے ظاہر کردی کہ یہ شورش زیادہ دن نہ رہے گی اور ان سے عاجزانہ درخواست کی کہ وہ میرے مشورے پر کاربند ہوں۔ حکیم احسن اللہ خاں نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ چپ سادھ لی' گویا کہ وہ گہرے خیالات میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

بادشاہ سلامت میری رائے کی تائید میں تھے اور اس لئے انہوں نے چوبداروں کو میرے ہمراہ چلنے کا حکم دیا۔ میں انہیں لے کر دریا گنج پہنچا جہاں زیادہ تر یورپین آباد تھے۔ یہاں آکر بھیانک نظارہ دیکھا کہ ظالم جلاد بنگلوں میں آگ لگا رہے ہیں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کررہے ہیں۔ اللہ رحم کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان تمام خوفناک واقعات کا الزام مجھ پر عائد ہوجائے' میں نے اور چوبداروں نے بادشاہ سلامت کے احکام کو چلا چلا کر سنانا شروع کردیا۔ ہماری مداخلت کا

اتنا تو اثر ہوا کہ تقریباً چند درجن آدمیوں کی جانیں بچ گئیں۔ انہیں محل میں بھیج دیا گیا اور انہیں باقاعدہ کھانا کھلانے کے احکام نافذ کر دیئے گئے۔ تیسرے پہر تک میں اسی کوشش میں رہا اور ایک بنگلہ سے دوسرے بنگلہ تک اس امید میں پھرتا رہا کہ شاید وہاں کوئی شخص مل جائے جس کی میں دستگیری کر سکوں۔ صرف چند کرسٹان ملے جنہیں زندہ محل میں پہنچا دیا گیا۔

اس کے بعد مجھے کرسٹان مردوں، عورتوں اور بچوں کی ایک بڑی جماعت ملی جن کی سخت نگرانی کی جا رہی تھی۔ میں نے اپنے اختیارات کو کام میں لا کر حکم دیا کہ سماعت مقدمہ کے لئے انہیں محل میں یا کوتوالی میں لے جاؤ تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ وہ عیسائی ہیں یا نہیں۔ میں نے کہا ''اگر اس کے بعد بھی وہ کرسٹان رہیں تو انہیں قتل کر دینا چاہئے' لیکن اگر ان پر غلط الزام عائد کیا گیا ہے تو اس صورت میں بادشاہ سلامت کا حکم ہے کہ انہیں رہا کر دیا جائے۔ یہ لوگ یورپین نہیں ہیں بلکہ ہمارے ہی ملک کے رہنے والے ہیں۔'' میں نے یہ تمام باتیں ان کی جان بچانے کے لئے کہی تھیں۔ ان میں سے انیس اشخاص میرے حوالے کئے گئے' جنہیں کوتوالی بھیج دیا گیا۔ چار بجے کے قریب مجھے اس زور کے دھماکہ کی آواز سنائی دی کہ میں ڈر گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سو توپیں ایک ساتھ چھوڑ دی گئی ہیں۔ سراسیمگی کی حالت میں میں کشمیری دروازہ کی طرف چلا اور جو لوگ بھاگ کر آ رہے تھے ان سے معلوم ہوا کہ میگزین اڑا دیا گیا ہے۔ پھر میں میگزین گیا۔ دریا کے قریب کی فصیل کا حصہ اڑا دیا گیا تھا اور کچھ لوگ اسی راستہ سے بچ کر نکل گئے تھے۔ جب سب دھواں غائب ہو گیا تو میں میگزین میں داخل ہوا۔ وہاں مجھے چند زخمی یورپین ملے۔ میں نے انہیں محل بھجوا دیا اور اس طرح فوری قتل ہونے سے انہیں بچا دیا۔

اب شام ہو چکی تھی۔ خزانہ ابھی تک محفوظ تھا اور گارد بھی حسب معمول وہاں موجود تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس دن باغی شہر میں داخل ہوئے تھے اس کی صبح کو میگزین کے افسروں نے دروازوں کو بند کر دیا تھا۔ انہوں نے توپ کا رخ دروازوں کی جانب کر دیا تھا اور دروازوں کے گرد لوہے کے گوکھرو ڈال دیئے تھے۔ دریا گنج کے چند یورپیوں نے بھی وہاں پناہ لے لی تھی۔ نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ انہوں نے کارتوسوں اور بارود کو اس طرح سے اکٹھا کر دیا تھا کہ ایک دیا سلائی کے دکھانے سے تمام عمارت اڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ تمام ہندوستانی وہاں سے نکال دیئے گئے تھے۔ جب باغیوں نے حملہ کیا تو توپوں کی مدد سے انہیں پیچھے ہٹا دیا گیا۔ وہ دوبارہ جمع ہوئے اور اس مرتبہ وہ اپنے ہمراہ سیڑھیاں بھی لے آئے تھے۔ ایسی حالت میں میگزین اڑا دیا گیا جس سے صرف پچیس سپاہی مرے' لیکن مجمع کے تقریباً چار سو آدمیوں کا صفایا ہو گیا۔ بہت سی لاشیں اڑ کر دور شہر میں جا پڑیں۔ چھ زخمی یورپیوں کو قلعہ میں بھیجنے کے بعد کوتوالی گیا۔ راستہ میں مجھے یورپیوں کی بہت سی لاشیں ملیں۔ کچھ گرجا کے پاس پڑی ہوئی تھیں اور بہت سی نائب مجسٹریٹ کی کچہری کے سامنے پڑی تھیں' راستہ میں خزانہ کے ڈپٹی کلکٹر اور ان کے بیٹے کی لاشیں بھی ملیں۔ جو نظارہ میں نے دیکھا' اس سے میرے جسم کی طاقت زائل ہو گئی۔ مجھے دیکھنے کی ہمت نہ پڑی۔ جب میں خزانہ کے پاس سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ گارڈ اپنے مقام مقررہ پر بدستور پہرہ دے رہا ہے۔

کوتوالی پہنچ کر میں نے بظاہر درشتی اختیار کر لی اور حکم دیا کہ کرسٹانوں کو جنہیں وہاں بھیجا گیا تھا' بحفاظت تمام رکھا جائے۔ میں نے دیکھا کہ دو سپاہیوں نے میرے احکام پر عمل درآمد کیا اور دن کے باقی ماندہ حصہ میں پولیس کی کثیر جماعت جمع ہو گئی اور کوتوالی پر باقاعدہ حاضری دینے لگی۔ جونہی رات ہوئی' ہندوستانی عیسائیوں کو شہر کے باہر جانے کی

اجازت دے دی گئی اور اس طرح وہ اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ میں آدھی رات کے قریب اپنے گھر پہنچا۔ راستہ میں مجھے اطلاع ملی کہ میرٹھ سے ایک اور پلٹن آ گئی ہے اور باغیوں سے مل گئی ہے اور یہ کہ باغیوں نے اسے سلامی بھی دی ہے۔

۱۲ مئی کی صبح کو میں سوار ہو کر چھاؤنی پہنچا اور دیکھا کہ وہاں افراتفری مچی ہوئی ہے۔ جلے ہوئے بنگلوں کے آثار موجود تھے اور مال و اسباب ادھر اُدھر بکھرا پڑا تھا۔ جو تین پلٹنیں یعنی ۳۸ ویں '۵۴ ویں اور ۷۴ ویں وہاں مقیم تھیں وہ توپخانہ لے کر شہر میں آ گئی تھیں۔ گذشتہ صبح کو ۹ بجے کے قریب مجھے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ چھاؤنی کو اس امر کی خبر کر دی گئی تھی کہ میرٹھ سے باغی فوج دہلی میں آ گئی ہے۔ بریگیڈیئر نے فی الفور پیدل فوج کے ایک دستہ کو دو توپوں کے ساتھ شہر کی محافظت کے لئے بھیج دیا' لیکن یہ دستہ باغیوں سے مل گیا۔ جونہی اس واقعہ کی خبر چھاؤنی میں پہنچی اور ساتھ یہ اطلاع ملی کہ افسروں کو تہ تیغ کر دیا گیا ہے' ۳۸ ویں پلٹن ساری کی ساری باغی ہو گئی اور اپنے افسروں اور ان یورپینوں کو مارنا شروع کر دیا جو ان کے ہتھے چڑھ سکے۔ ۵۴ ویں پلٹن کے سپاہیوں کا طرز عمل بہتر رہا۔ صرف چند سپاہی باغیوں سے ملنے پائے اور باقی بالکل الگ تھلگ رہے۔ ۷۴ ویں پلٹن کے سپاہیوں نے اپنے افسروں کو بھاگ جانے دیا اور کسی قسم کا قتل نہیں کیا۔ ۳۸ ویں پلٹن کے سپاہیوں نے بنگلوں کو جلایا اور جتنی شرارت مچا سکتے تھے' مچائی۔

چھاؤنیوں کی اکثر عورتیں باؤنڈ چلی گئی تھیں جہاں کرستان اور ادنیٰ ذاتوں کے اور بہت سے لوگ (جن میں مرد اور عورت دونوں شامل تھے) پہنچ گئے تھے۔ ۵۴ ویں اور ۷۴ ویں پلٹنوں کے آدمیوں نے ۳۸ ویں پلٹن کے باغیوں پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا اور باؤنڈ کی حفاظت کی غرض سے توپیں لے جانے میں بھی افسروں کی کوئی امداد نہیں دی۔ جتنے لوگ قتل ہوئے' وہ سب ۳۸ ویں پلٹن کے سپاہیوں کا کام تھا اور وہی پلٹن ان تمام تکالیف کی ذمہ دار ہے جو عورتوں اور بچوں کو پہنچیں۔

جو افسر بچ کر بھاگے' وہ سب کے سب اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ باؤنڈ میں جمع ہو گئے۔ سہ پہر کے وقت تقریباً پانچ بجے جب وہ ہر قسم کی امداد و اعانت سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے بھاگ نکلنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس کام میں ان کے ملازمین اور پلٹنوں کے سپاہیوں نے ان کا ہاتھ بٹایا۔ کچھ گاڑیوں میں بیٹھ کر اور کچھ بگھیوں میں سوار ہو کر عازم کرنال ہو گئے۔ اب شہر اور چھاؤنی میں کہیں بھی کوئی افسر موجود نہ تھا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہر میں ہلڑ مچ گئی جس کا انتظام قابو سے باہر تھا۔ چھاؤنی کا توپخانہ اس وقت تک نہیں پہنچا جب تک کہ یورپین نکل نہ گئے اور جس وقت وہ شہر میں داخل ہوا ہے تو اس وقت رات ہو چکی تھی۔ سپاہیوں نے دیوان عام میں اپنے ڈیرے جمائے۔ پیدل فوج اگلی صبح تک شہر میں داخل نہیں ہوئی۔

گوجر بھی بہت جلد نمودار ہو گئے۔ وزیر آباد اور چندراول سے گروہ کے گروہ ہر چہار طرف لوٹ مار کر رہے تھے۔ مٹکاف ہاؤس کو چندراول کے زمینداروں نے لوٹا اور بعدہٗ اسے جلا ڈالا۔ ہر یورپین اور کرستان کے مکان کو پہلے تو لوٹا گیا اور اس کے بعد نذر آتش کر دیا گیا۔ مٹکاف ہاؤس اور چھاؤنی کی حالت کا معائنہ کرنے کے بعد میں واپس شہر میں آ گیا۔ میں نے محمد خاں برقنداز اور گوپال چوکیدار کو مقرر کیا تاکہ وہ مسٹر تھیوفلس کے پاس جائیں اور سارے حالات من وعن

بیان کردیں۔ میں نے انہیں اس مہم پر روانہ کردیا اور اگرچہ میں خود جانا چاہتا تھا' تاہم میرے فرائض ایسے تھے کہ میرا ہر منٹ مصروف تھا۔ ہر لحظہ قتل و غارت کے واقعات رونما ہورہے تھے۔ تیس یورپین جن میں مرد اور عورت دونوں شامل تھے اور جنہوں نے راجہ صاحب کشن گڑھ کے مکان میں پناہ لی تھی' نہایت سفاکی سے قتل کر ڈالے گئے۔ تیسرے دن مجھے یہ کہہ کر ڈرایا گیا کہ تمہارے متعلق شبہ کیا جارہا ہے کہ تم نے انگریزوں کو چھپا رکھا ہے۔ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ باغی مجھے شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

چوتھے دن میں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ خواہ کچھ ہی خطرات پیش آئیں' میں سرتھیوفلس سے جا کے ملوں گا۔ چنانچہ میں اپنے ہمراہ ایک بہادر اور قابل اعتماد شخص مسمی امام خاں کو ساتھ لے کر روانہ ہوگیا۔ ابھی ہم اجمیری دروازہ سے نکلے ہی تھے کہ اس نے میری توجہ دو سواروں کی طرف مبذول کی جو بظاہر ہمارا تعاقب کررہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لوٹے تھے جن سے وہ یہ دکھانا چاہتے تھے کہ وہ رفع حاجت کے لئے میدان میں جارہے ہیں۔ یہ یقین کرکے کہ ان کا شبہ مجھ پر ہی ہے' میں پہاڑ گنج کے ڈاک بنگلہ میں اترا جہاں مسافر اترا کرتے ہیں۔ میں نے کچھ دیر تو آرام کیا گویا کہ میں تھکا ہوا ہوں اور پھر ایک دکان پر چونا لینے کے لئے گیا۔ پھر میں نے اس سے اس امر کے متعلق بات چیت کی کہ آیا وہ کوتوالی کی مرمت کے لئے چونا مہیا کرسکے گا۔ ان کے شبہ کو زائل کرنے کی غرض سے میں باطمینان تمام دہلی دروازہ کی جانب چلا۔ دونوں جاسوس بھی میرے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ میں ان کی نقل و حرکت کو شروع سے آخر تک دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھیوں میں مل جل گئے۔ اس واقعہ کی وجہ سے میں نے طے کرلیا کہ آئندہ سے میرا طریقہ کارروائی کیا ہونا چاہئے۔ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ مجھ کو شبہ کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے اور یہ کہ میری زندگی اور میرے اہل وعیال خطرہ میں ہیں۔ ایسے وقت میں ضروری تھا کہ میں فیصلہ کن طرز عمل اختیار کروں۔ مشکل اور خطرہ کے وقت میں فوری کارروائی ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے سے بہتر ثابت ہوا کرتی ہے۔ اس وقت میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر مجھے شہر میں اپنا اثر اور اپنی پوزیشن کو قائم رکھنا ہے تو مجھے بھی باغی ہو جانا چاہئے اور ان لوگوں کے ارادوں کو ملیامیٹ کردینا چاہئے جو میری تباہی کے خواہاں تھے۔ جب دو آدمی لڑتے ہیں تو جو سست ہوتا ہے وہی پچھڑتا ہے' لہٰذا میں نے فی الفور قلعہ جانے اور بادشاہ سلامت کو اپنی خدمات پیش کرنے کا ارادہ کرلیا۔ دروازہ پر مجھے دیسی رف کارانہ پیدل فوج کا ایک دستہ ملا۔ میں نے صوبہ دار کو بلایا اور حکیمانہ انداز میں پوچھا کہ تمہیں تنخواہ مل گئی ہے یا نہیں۔ اس پر چند نان کمیشنڈ افسروں نے مجھے گھیر لیا اور نہایت سرگرمی سے اپنی مشکلات پیش کرنی شروع کردیں۔ ان پر کوئی افسر مقرر نہیں کیا گیا تھا اور نہ انہیں تنخواہ ہی دی گئی تھی۔ میں نے ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ تم سب بادشاہ سلامت کی خدمت میں جاؤ اور عرض کرو کہ انہیں (یعنی راقم الحروف کو) کمانڈر مقرر کردیا جائے۔ شاہزادہ مرزا مغل سے دوران ملاقات میں میں نے یہ بات کہی کہ آپ اس پلٹن کو اپنے محافظی دستہ کے طور پر مقرر کرلیں اور ان کے کرنیل بن جائیں جس طرح سے آپ کے بھائی باقی پلٹنوں کے افسر بن گئے ہیں۔ انہوں نے میری تجویز کو منظور کرلیا اور بادشاہ سلامت سے ملاقات کے دوران میں ضروری احکام بھی حاصل کرلئے۔ ان کارروائیوں سے میں بغاوت میں شریک ہوگیا' لیکن میرے دل میں انگریزوں کی طرف سے کسی قسم کی عداوت موجود نہ تھی اور میں جانتا تھا کہ ان سے مقابلہ کرنا عبث ہے۔

اگر میں اس بغاوت کا محض تماشائی کی حیثیت سے مشاہدہ کرتا تو یقیناً میری زندگی کا خاتمہ ہو جاتا اور اگر میں شہر چھوڑ کر چل دیتا اور انگریزوں سے مل جاتا تو یقیناً میرے اہل وعیال کی آبروریزی ہوتی اور باغی میرا بدلہ ان سے لیتے کیونکہ میں کوئی گمنام آدمی نہ تھا۔ میں انگریزوں کی حالت سے واقف تھا اور یہ کہ کس طرح سے وہ ازسرنو اپنے اقتدار کو قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اپنے ضمیر میں جانتا تھا کہ اس اثنا میں میرا طرز عمل بالکل صحیح ہے۔ پلٹن کے سپاہیوں پر رسوخ جمانے کے لئے میں نے اپنی گرہ سے پانچ ہزار روپے فوج میں تقسیم کر دیے۔ رات بھر میں اپنی پلٹن کے ساتھ رہا۔ دوسرے دن ۱۵ مئی صبح کو مجھے معلوم ہوا کہ جو سپاہی اجمیری دروازہ کی محافظت پر تھے' وہ میری تلاش میں آئے ہیں۔ اپنی تلوار باندھ کر میں اپنی پلٹن میں گیا جو ڈرل کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ میں نے ان دونوں آدمیوں کو پہچان لیا جو ایک دن قبل میرا تعاقب کر رہے تھے۔ چونکہ ان دونوں نے مجھے سلام نہیں کیا' اس لئے میں نے باقی سپاہیوں سے اس کا ذکر کیا۔ جھگڑے کی سی صورت پیدا ہو گئی۔ اجمیری دروازہ کے سپاہیوں نے کھلم کھلا مجھ پر یورپینوں کو چھپائے رکھنے کا الزام عائد کیا۔ اس دن میں نے سر تھیوفلس کو کہلا بھیجا کہ صورت معاملات پہلی جیسی ہے اور یہ کہ فی الحال فوری امداد کی کوئی توقع نظر نہیں آتی' لیکن ''جو کچھ ہونا ہوگا' ہوگا۔'' قاصد بھیجنے کے بعد مجھے سب سے زیادہ سر تھیوفلس کی فکر ہوئی' اس لئے کہ بادشاہ نے ان کی گرفتاری کے لئے دس ہزار روپے کا انعام مقرر کیا تھا۔ ابھی میں اپنے دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں' سر تھیوفلس کے پاس سے مجھے یہ زبانی پیغام ملا کہ جھجر جانے کے لئے میری اعانت کرو۔ اسی دن شام کو میں نے ایک اعلیٰ درجہ کا گھوڑا اور کچھ روپے بھیج دیے اور سفر کے متعلق ہدایات بھی دے دیں۔ مجھے تشویش یوں ہوئی کہ اگر میں خود جاتا ہوں یا اگر میرے مقصد کی شہرت ہو جاتی ہے تو میری تمام محنت اکارت جائے گی۔ تجویز یہ تھی کہ سر تھیوفلس دیسی آدمی کا لباس پہنیں اور شیر خاں نام اختیار کر لیں اور یہ کہ آئندہ سے خط وکتابت میں اسی نام کا استعمال کیا جائے۔ دوسرے دن مجھے جھجر سے روپے کی باضابطہ رسید وصول ہو گئی۔ یہ معلوم کر کے مجھے اطمینان ہو گیا کہ سر تھیوفلس بھورے خاں اور ان کے دو بھائیوں کی معیت میں بخیر وعافیت جھجر پہنچ گئے ہیں۔

اس دن سے میں نے اپنا نام بیماروں کی فہرست میں لکھوا لیا اور تمام دن گھر میں رہنے لگا۔ فوجی فرائض میں سے صرف یہ خدمت میرے ذمہ تھی کہ میں بادشاہ سلامت کی خدمت میں حاضر رہا کروں۔ اس روش سے سپاہیوں کو اطمینان ہو گیا کیونکہ صوبہ داران بلا دخل غیرے فوج کے کمانڈر تھے اور چونکہ میرا عہدہ کرنیل کا تھا' اس لئے میرے دشمن مجھے کسی قسم کا گزند نہ پہنچا سکتے تھے۔

ایک شخص مسمی میر نواب نے میری منظوری سے کوتوالی کا چارج لے لیا تھا۔ بعد میں فرخ اللہ کوتوال مقرر ہوا اور عبدالحکیم اس کا نائب مقرر ہوا۔ میری پوزیشن کوتوال سے بہتر تھی' اس لئے کہ شہر سپاہیوں کے قبضہ میں تھا اور یہ ملٹری کے علاوہ اور کسی اختیار کو نہ مانتے تھے۔ حسب ذیل شہزادے رجمنٹوں کے کرنیل مقرر ہوئے' مرزا جواں بخت' مرزا مغل' مرزا قدر سلطان' مرزا سہراب ہندی' مرزا سید وبیگ' مرزا بختیار شاہ' مرزا عبداللہ خلف مرزا صالح رخ اور مرزا ابوبکر۔

سب سے پہلے جس ہندوستانی شخص کا مکان لوٹا گیا' وہ موہن لال تھا جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ عیسائی ہے۔ مجھے اطلاع ملی کہ انہیں گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا ہے اور یہ کہ ان کے خلاف فتویٰ قتل صادر ہونے والا ہے۔ منشی

موہن لال نے جنگ افغانستان میں انگریزوں کی بہت خدمات کی تھیں۔ وہ افغانوں کے ہاتھوں قید ہو گئے تھے اور اپنی جان بچانے کی غرض سے وہ اپنے تئیں مسلمان ظاہر کرتے تھے اور عزیز خاں نام بھی اختیار کر لیا تھا۔ وہ شریف گھرانے سے متعلق تھے اور انگریزوں کے وفادار تھے۔ یہ معلوم کر کے کہ وہ قتل کئے جانے والے ہیں' میں وہاں گیا جس جگہ وہ قید میں تھے اور اپنے اختیار کو کام میں لا کر میں نے ان کو رہائی کا حکم دے دیا۔ میں بدقت تمام انہیں اپنے گھر لے گیا اور نواب ولی داد خاں تعلقہ دار کی حفاظت میں انہیں بلب گڑھ بھیج دیا۔ نواب صاحب بادشاہ سلامت کے رشتہ داروں میں سے تھے اور چند دنوں سے دہلی آئے ہوئے تھے۔ ظل سبحانی نے انہیں صوبہ پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا تھا اور جلو کے طور پر پچاس سپاہی ساتھ کر دیئے تھے۔ موہن لال ولی داد خاں کی معیت میں بخیر و عافیت بلب گڑھ پہنچ گئے اور پھر وہاں سے میرٹھ چلے گئے۔

حسب ذیل اشخاص کے مکانات کو بھی اس بنا پر لوٹ لیا گیا کہ ان کے متعلق یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ انگریزوں سے دوستی رکھتے ہیں۔ منشی رور مل' غلام مرزا' جولی بیگم۔ یہ سب مکانات محلہ بوری بران (؟) میں واقع تھے۔ حامد علی کے مکان کو بھی بعد میں لوٹ لیا گیا۔ اس الزام پر کہ انہوں نے یورپیوں کو چھپا رکھا ہے۔ لوگوں کی جائداد کو تباہی سے بچانے کے لئے شرفائے شہر کا ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں تجویز طے پائی کہ ماہواری چندوں سے ایک پلٹن رکھی جائے جو ان کی جانوں اور جائداد کی حفاظت کرے۔ یہ تجویز کارگر ثابت ہوئی اور کچھ عرصہ تک وہ اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد شہزادگان نے جو مختلف پلٹنوں کی کمان کر رہے تھے اس تجویز کی مخالفت کرنی شروع کر دی اور جن اشخاص نے مذکورہ بالا پلٹن ترتیب دی تھی ان پر جرمانہ کیا گیا اور وہ قید میں ڈال دیئے گئے۔ جرمانے کی رقوم کو انہوں نے خود اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔

بغاوت کے بڑے بڑے لیڈر بھی خطرے سے بچے ہوئے نہ تھے' کیونکہ ان کے کسی بدخواہ نے محبوب علی خاں اور حکیم احسن اللہ خاں کو پھانسنے کے خیال سے ان کی جانب سے آگرہ کے لفٹنٹ گورنر کے نام چٹھی لکھی جو بالآخر دروازوں کے محافظ باغی سپاہیوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ چٹھی بادشاہ کی خدمت میں پیش کی گئی اور لکھنے والوں کے فوری قتل کا مطالبہ کیا گیا۔ محبوب علی خاں اس زمانہ میں صاحب فراش تھے اور اس لئے انہیں پالکی میں ڈال کر دیوان خاص میں لایا گیا۔ راستہ میں وہ باغیوں کے ہتھے چڑھ گئے' مگر حکیم احسن اللہ خاں نے بھاگ کر محل میں پناہ لے لی۔ بادشاہ کو جب اصل حقیقت معلوم ہوئی تو انہوں نے محبوب علی خاں کو رہا کر دیا۔ تاہم باغیوں نے عالم ناراضگی میں ان کے مکان کو لوٹ لیا۔ واقعات کے رنگ سے خوفزدہ ہو کر حکیم احسن اللہ خاں نے نہایت دغابازی سے ان یورپین عورتوں اور بچوں کو حوالہ کر دیا جنہیں انہوں نے اپنی حفاظت میں لے رکھا تھا۔ ان بدقسمتوں کو دیوان عام میں لے گئے اور پھر ملحقہ حوض میں انہیں بٹھا دیا گیا۔ ایک سوار نے پہلے تو کاربین چھوڑی اور اس کے بعد انہیں نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا جس سے تمام شہر میں دہشت بیٹھ گئی۔ شہر کے اور حصوں میں جہاں جہاں بھگوڑے یورپین ملے' انہیں متفرق دستوں کے دیسی افسروں کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

بادشاہ سے روزانہ برطانوی ہندوستانی فوج کی مختلف پلٹنوں کے نام پروانے زبردستی لکھوائے جاتے تھے اور ان سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ پیدل فوج کی صورت میں تیس روپے ماہوار اور سواروں کی فوج کی صورت میں پچاس روپے فی

کس تنخواہ دی جائے گی بشرطیکہ وہ بادشاہ کی فوج سے آملیں۔ ہر جگہ بادشاہ کے پروانے کا یہ اثر ہوتا تھا کہ فوج بغاوت کر دیتی تھی اور براہ راست دہلی کا رخ کرتی تھی۔ بادشاہ کا پروانہ دیکھتے ہی وہ سپاہی جو پہلے انگریزوں کی خاطر جنگ کر چکے تھے دیسی بادشاہ کے ماتحت آ جانے کے خیال سے اپنے ماضی کو فراموش کر چکے تھے۔ اس طرح سے شہر رفتہ رفتہ بغاوت کا مرکز بن گیا۔ انگریز حسب ذیل مقولہ کی اہمیت سے بالکل بے خبر تھے۔

دشمن نتواں حقیر و بے چارہ شمرد

انگریز عرصہ دراز تک اس غلط خیال کے ماتحت زندگی بسر کیا کیے کہ ہماری حالت بہت محفوظ ہے۔ فطرت کی مثال سیاسیات پر بھی صادق آتی ہے یعنی یہ کہ بعض اوقات انسان کی ہتھیلی کے برابر کا دل کا ٹکڑا طوفان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ بغاوت کی ابتدا جدید کارتوسوں کے متعلق شورش کرنے سے ہوئی' لیکن بغاوت کا حقیقی سبب یہ تھا کہ پرانا دشمن اگرچہ ہار مان چکا تھا' تاہم ابھی تک موجود تھا' لیکن دشمن سارے ہندوستانی نہ تھے۔ ایک نہایت سرگرم باغی یورپین بھی تھا جسے ۷۰ ویں پیدل فوج سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ یہ شخص میرٹھ میں رہتا تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا تھا اور عبداللہ بیگ نام رکھ لیا تھا۔ باغیوں کی آمد پر اس نے دہلی میں قیام کرنا شروع کر دیا اور فوراً ہی ان کا مشیر اور لیڈر بن گیا۔ اسی کے مشورہ سے بادشاہ فوجوں کے نام پروانے روانہ کرتے تھے۔ ۱۲ مئی سے باغیوں نے بادشاہ کے پرائیویٹ دفتر پر قبضہ جما لیا تھا اور دیوان خاص میں اپنا پہرہ بٹھا دیا تھا۔ انہوں نے بادشاہ پر زور دیا کہ حضور روزانہ دربار منعقد کیا کریں تاکہ ہم حاضر ہو کر دادرسی چاہا کریں۔ بادشاہ کے محافظ دستہ کی بجائے انہوں نے اپنے آدمی نصب کر دیے تھے جو نہایت اکھڑ اور سخت مزاج رکھتے تھے اور بادشاہ کا ضروری احترام بھی نہیں کرتے تھے۔

۱۲ مئی کو شہر میں باغیوں کی تعداد حسب ذیل تھی۔

پانچ پلٹنیں پیدل دیسی فوج کی	۳۰۰۰
ایک پلٹن سواروں کی	۳۵۰
ایک باٹری توپخانہ کی	۱۸۰
میزان	۳۵۳۰

ان میں سے دو پیدل پلٹنیں اور ایک سواروں کی پلٹن میرٹھ سے آئی تھی اور پیدل فوج کی تین پلٹنیں اور توپخانہ کی ایک باٹری دہلی کی تھی۔ وہ حسب ذیل مقامات پر متعین تھیں

پیدل فوج کی ایک ایک پلٹن حسب ذیل چوکیوں پر متعین تھی۔

سلیم گڑھ لاہوری دروازہ (قلعہ)' لاہوری دروازہ (شہر) اور اجمیری دروازہ (شہر) اور دہلی دروازہ۔ توپخانہ کی باٹری دیوان عام ہی میں رہی۔ سواروں کی فوج نے مہتاب باغ میں پڑاؤ ڈالا تھا۔

۱۱ مئی سے لے کر ۲۵ مئی تک کا زمانہ شہر کا انتظام کرنے میں صرف ہوا۔ انگریزوں کی طرف سے حملہ کا اندیشہ تھا اور بارود کی سخت قلت تھی۔ بارود کا میگزین شہر دہلی کے باہر وزیر آباد میں واقع تھا جسے زمینداروں نے لوٹ لیا تھا اور بارود لے کر چمپت ہو گئے تھے۔ میگزین میں ایک لاکھ روپے سے زیادہ کی بندوقیں ملیں۔ یہ سب شاہی قبضہ میں چلی گئیں' مگر

بارود بالکل نہ تھی اس لئے اس کی تیاری کے متعلق ضروری احکام نافذ کیے گئے اور مئی کے آخر تک اس کی کچھ مقدار تیار بھی ہوگئی۔ بادشاہ بار بار میرٹھ پر حملہ کرنے کا مشورہ دیتے تھے' لیکن باغی کسی نہ کسی بہانہ سے اسے ٹالتے ہی رہے۔ آخرکار بادشاہ کے اصرار پیہم پر مرزا ابوبکر کمانڈر انچیف کی حیثیت سے انگریزوں پر حملہ کرنے کی نیت سے روانہ ہوئے۔ فوج سواروں اور بڑی اور چھوٹی توپوں پر مشتمل تھی۔ جنگ کی ابتدا گولہ باری سے ہوئی۔ کمانڈر انچیف دریائے ہنڈن کے پل کے قریب کے ایک مکان کی چھت پر سے جنگ کا معائنہ کر رہے تھے۔ وہ توپخانہ کے نام وقتاً فوقتاً اس قسم کا پیغام بھیجتے جاتے تھے کہ تمہارے لوگوں نے انگریزی فوج میں تباہی مچادی ہے۔ پل کے قریب انہوں نے ایک توپخانہ نصب کیا جس کے ذریعہ وہ انگریزوں پر گولہ باری کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپس میں سوال و جواب ہو رہے ہیں۔ معاً ایک گولہ توپخانہ کے قریب آ کر پھٹا جس کی وجہ سے توپچی گرد آلود ہو گیا۔ کمانڈر انچیف کو اپنی زندگی میں گولہ کے اثرات سے متاثر ہونے کا پہلا ہی موقع تھا' اس لئے وہ بعجلت تمام چھت پر سے اترے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے محافظ سواروں کی معیت میں عقب میں چلے گئے اور فوج کے چلانے وغیرہ کی بالکل پروانہ کی۔ اس کے بعد عام بھگدڑ مچ گئی۔ جب دہلی میں فوجوں کی شکست کی خبر موصول ہوئی تو شہر کے دروازے بند کردینے کے احکام نافذ ہوئے تاکہ ہزیمت خوردہ سپاہی اندر داخل نہ ہوسکیں۔ لوٹتے وقت انہیں معلوم ہوا کہ جمنا کا پل شکستہ حالت میں ہے۔ چونکہ اسے عبور کرنے کی جلدی تھی' لہٰذا بوجھ سے پل بالکل بیٹھ گیا اور تقریباً دو سو سپاہی ڈوب گئے۔ انگریزوں نے بھاگنے والی فوج کا تعاقب نہیں کیا۔ وہ کہیں دکھائی نہیں دیئے اور رفتہ رفتہ سپاہی اپنے ڈر اور دہشت کو بالکل بھول گئے۔

دوسرے دن صبح کو (۲۶) مئی انگریزی فوج نے دریائے ہنڈن کو عبور کرلیا اور ان توپوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا جنہیں باغی پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ وہاں سے پھر وہ میرٹھ لوٹ گئے۔ سپاہی انگریزوں سے کھلے میدان میں نبرد آزما ہوئے تھے۔ انہیں اپنی کامیابی کا یقین تھا' لیکن انہیں شکست ہوئی اور وہ مستقبل کی طرف سے سخت ہراساں ہوگئے۔

شہر کو چندے آرام کرنے کا موقع مل گیا۔ پنجاب میں افواج کے جمع ہونے کی خبر ملی اور یہ کہ وہ دہلی پر چڑھائی کرنے والی ہے۔ انگریزوں کی آمد سے چار دن قبل احمد خاں جو چار نمبر کی سواروں کی فوج میں رسالہ دار تھے' شہر میں آ پہنچے۔ انہوں نے ظل سبحانی سے ملاقات کی' اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور کہا کہ میری پلٹن بھی باغیوں کے ساتھ شامل ہو جانے کے لئے تیار ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ جس دن فوجوں کا مقابلہ ہوگا' میں اپنی فوج کو دائیں جانب لے آؤں گا اور باغیوں سے مل جاؤں گا۔ احمد خاں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا گیا۔ تیسرے دن وہ رخصت ہو کر چلے گئے اور انگریزی فوج سے مل گئے۔ اس شخص نے بالکل بغاوت نہ کی بلکہ انگریزوں کا پکا وفادار رہا۔ اسی دن مرزا حضرت سلطان کی زیر کمان تمام باغی فوج کی پریڈ ہوئی اور بعد وہ علی پور چلی گئی' جہاں اس نے خندقیں کھودیں اور آرام کیا۔

۹ جون کو پیر کے دن انگریز علی پور آ گئے۔ ایک پلٹن جو چوتھی بنگال کیولری کی وردی پہنے ہوئے تھی' میمنہ کی جانب سے آگے بڑھی۔ باغیوں نے ہراول فوج کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر یہ خیال کیا کہ وہ احمد خاں کی فوج ہے جو ہم سے ملنے کے لئے آ رہی ہے۔ چنانچہ "دین۔ دین" کی آواز بلند کی گئی۔ جب سواروں کی فوج دیسی فوج کے قریب آ گئی تو سواروں کے دستے یکایک مڑ گئے اور جونہی کہ وہ سامنے سے ہٹے' توپوں کی بیٹری نے قلب سے گولہ باری شروع کردی۔

ان لوگوں نے باغیوں کی فوج میں سخت تباہی پھیلا دی اور سپاہی فوراً بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھگوڑوں میں سب سے پہلے کمانڈر انچیف بھاگے۔ محل دار خاں کے باغ کے قریب نواب محبوب علی خاں سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی۔ یہ کہہ کر میں مزید توپخانہ اور سامان حرب لینے کی غرض سے شہر واپس جا رہا ہوں۔ مرزا خضر سلطان گھوڑا سرپٹ دوڑاتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ نواب صاحب نے فوج کو واپس ہونے سے ممکن طریقہ سے روکا، لیکن جس حالت میں وہ بعجلت تمام بھاگے ہوئے آ رہے تھے اس وقت انہیں کوئی قوت نہیں روک سکتی تھی۔ وہ شہر میں کشمیری دروازے، لاہوری دروازے اور کابلی دروازے سے داخل ہوئے اور افراتفری میں دروازوں کو بند بھی نہ کر سکے۔

انگریزی فوجیں سبزی منڈی میں خیمہ زن ہوئیں اور پھر وہاں سے راج پور کی چھاؤنی کو چلی گئیں۔ اگر وہ فوراً ہی دھاوا بول دیتیں تو شہر آسانی تمام ان کے قبضہ میں آ جاتا۔ چھاؤنی میں پہنچنے کے بعد سپاہیوں کو مختلف مقامات پر متعین کر دیا گیا۔ بہت سی توپیں جو انگریزوں کی پیشقدمی روکنے کی غرض سے بھری گئی تھیں، میدان میں چھوڑ دی گئیں اور انگریزوں نے ان پر اپنا قبضہ جمالیا۔ انگریزوں نے جو پیشقدمی کرنے میں تامل کیا اس سے باغی سپاہیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے بہت جلد چھاؤنی کی سمت گولہ باری شروع کر دی۔ انگریزی فوجیں بڑھ کر مسٹر فریزر کے بنگلہ میں پہنچ گئیں، جہاں انہوں نے اپنا توپخانہ نصب کیا۔ دوسرا توپخانہ فتح گڑھ میں نصب تھا اور ان دونوں مقامات سے باغیوں کی گولہ باری کا جواب دیا جاتا تھا۔ دن رات گولہ باری ہوتی رہتی تھی۔ باغیوں کے چار توپخانے مسلسل گولہ باری کر رہے تھے۔ ایک توپخانہ سلیم گڑھ میں تھا، دو کشمیری دروازے میں تھے اور چوتھا کابلی دروازے کے قریب نصب تھا۔ انگریز صرف دو توپخانوں سے گولہ باری کر رہے تھے۔ انگریزوں کی گولہ باری سے بہت کم نقصان پہنچا اس لئے کہ ان کے گولے خالی زمین پر پڑتے تھے اور ان سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا تھا۔

باغیوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ بارود پہلے دیوان عام میں تیار کی جاتی تھی، لیکن اس خیال سے کہ کہیں عمارت بھک سے نہ اڑ جائے، بارود کی تیاری کا کام بیگم شمرو کی حویلی میں منتقل کر دیا گیا۔ روزانہ دو سو ڈھائی سو آدمی اس کام میں مصروف رہتے تھے۔ اطلاع ملی کہ ناصر الدولہ نظام حیدرآباد کا انتقال ہو گیا ہے اور یہ کہ ان کی جگہ افضل الدولہ تخت نشین ہوئے ہیں۔ ظل سبحانی نے حکم دیا کہ خلعت اور اعزازی خطابات نظام کو مرحمت کئے جائیں۔ ہر صبح دربار منعقد ہوتا تھا اور بادشاہ تخت پر جلوہ افگن ہوتے تھے۔

باغی فوجیں ہر روز صبح کے وقت پریڈ کے لئے جمع ہوا کرتی تھیں اور پھر چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر ہوا میں بندوقیں چھوڑا کرتی تھیں اور سہ پہر کو چار بجے اپنی اپنی لائنوں میں آ جاتی تھیں۔ جو نئے باغی سپاہی آ کر شامل ہوا کرتے تھے وہ لڑنے کے لئے نہایت بیتاب ہوتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ ان کی بہادری اور جوش سب غائب ہو جاتا تھا اور وہ آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ سپاہیوں کی جیبیں روپیہ سے بھری رہتی تھیں اور یہی وجہ ہے کہ لڑنے کی بجائے وہ لوٹ مار کا زیادہ خیال کرتے تھے۔

علی گڑھ کے تعلقہ دار امراؤ بہادر اور عمر شباب بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ اول الذکر اپنے ہمراہ پچیس بہادر سپاہی لائے تھے۔ ان دونوں کے نام سرداروں کی حیثیت سے شاہی فہرست میں داخل کر لئے گئے۔

باغی تنخواہ کے لئے شور مچا رہے تھے۔ اگرچہ ان کی جیبیں روپے سے بھری ہوئی تھیں' لیکن وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ اینٹھنے کی فکر میں رہتے تھے۔ انہوں نے دھمکی دی کہ اگر ہمیں تنخواہ نہ دی گئی تو ہم ملازمت چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اس لئے انہوں نے تجویز کی کہ ہمارے اخراجات مالدار آدمیوں کے چندوں سے پورے کئے جائیں۔ ایک کمیٹی بنائی گئی جس میں نواب حامد علی خاں' راجہ دیبی سنگھ' سالگ رام' نواب موسیٰ خاں' نواب احمد مرزا خاں اور حکیم عبدالحق شامل تھے۔ کچھ روپیہ اس طریقہ سے حاصل کیا گیا' لیکن وہ اس قدر قلیل تھا کہ باغی اس سے مطمئن نہ ہوئے۔ اس کے بعد ایک اور چال کھیلی گئی۔ نواب امین الدین احمد خاں اور نواب ضیاء الدین خاں کے متعلق یہ خیال کیا گیا کہ وہ مالدار آدمی ہیں اور بادشاہ پر زور ڈالا گیا کہ ان دونوں سے روپیہ حاصل کرنے کا ڈول ڈالا جائے۔ رحیم خاں (؟) کے محلہ میں مسلح آدمیوں کی جماعتیں مقرر کی گئیں تاکہ سپاہی لوٹ مار نہ کرنے پائیں۔ بعد ازاں ان دونوں کے نام شاہی مہر کے ساتھ احکام بھیجے گئے کہ قلعہ میں حاضر ہوں۔ اپنے رشتہ داروں اور مصاحبوں کو جمع کر کے انہوں نے مشورہ کیا کہ اس ٹیکس سے بچنے کے لئے کونسا طریقہ بہتر ہے۔ اپنے مکانوں کو محفوظ حالت میں کرنے کے بعد وہ صرف چند مسلح سپاہیوں کے ساتھ قلعہ گئے۔ لال پردہ والے دروازہ کے قریب پہنچنے پر سنتریوں نے انہیں ٹوکا' اس لئے کہ اندرون قلعہ مسلح آدمیوں کو جانے کی مطلق اجازت نہ تھی۔ نواب امین الدین نے سنتریوں کو دھکا دے کر نیچے گرا دیا اور دروازہ کو زبردستی کھول کر قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اس موقع پر میں بھی موجود تھا۔ بادشاہ کی خدمت میں باریابی کی استدعا کی گئی جنہیں اس وقت باغی صوبہ داروں نے گھیر رکھا تھا۔ مجمع میں سے بدقت تمام گذرنے کے بعد امین الدین خاں اپنے رشتہ داروں سمیت بادشاہ سلامت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ ان سے مل کر خوش ہوئے' لیکن باغی گھبرا گئے اور ان سے جھگڑے کی صورت پیدا کرنی چاہی۔ باغیوں کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ مرزا مغل امین الدین سے مل کر اظہار خوشنودی کریں اور بعد ازاں انہیں اپنے گھر میں مدعو کریں۔ باقی لوگ خود بخود وہاں پہنچ جائیں گے اور ان سے روپیہ طلب کریں گے۔ چنانچہ مرزا مغل نے ظل سبحانی سے عرض کی کہ امین الدین خاں کو میرے مکان پر جانے کی اجازت دیجئے کیونکہ مجھے ایک نہایت اہم مسئلہ پر ان سے رائے لینی ہے۔ بادشاہ نے اس درخواست کو امین الدین خاں تک پہنچا دیا اور مرزا مغل نے بھی آ کر دوبارہ مدعو کر دیا۔ بادشاہ کے اصرار سے امین الدین خاں نے اپنے رشتہ داروں سمیت مرزا مغل کے یہاں جانا قبول کر لیا۔ وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ باغی کثیر تعداد میں جمع ہیں اور بڑی دقت سے انہیں بیٹھنے کی جگہ ملی۔ باغیوں کو بھی بیٹھنے کا حکم دیا گیا' لیکن انہوں نے اس حکم کی تعمیل سے معذرت خواہی کی۔ اثنائے گفتگو میں ایک باغی نے امین الدین خاں کو طعنہ دیا کہ آپ تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہم ہیں کہ پیٹ بھر کے کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس کے بعد "تو تو میں میں" ہونے لگی۔ یہ رنگ دیکھتے ہی امین الدین خاں کے ہمراہیوں نے بندوقیں سنبھال لیں اور باغیوں کے نمائندہ کو دھمکی دی کہ اگر دوبارہ تو نے یہ الفاظ منہ سے نکالے تو جان کی خیر نہیں' جس سے باغی مرعوب ہو گئے۔ ان واقعات کی خبر بادشاہ کی خدمت میں پہنچائی گئی اور وہ فوراً بنفس نفیس مرزا مغل کے یہاں تشریف لائے تاکہ خونریزی نہ ہونے دیں۔

بخت خاں جو کمانڈر انچیف مقرر کر دیے گئے تھے' پچاس سواروں کی معیت میں مرزا مغل کے مکان پر پہنچے اور باغیوں کی سخت گوشمالی کی۔ بخت خاں اور اس کے محافظ سپاہیوں کی زیر حفاظت امین الدین خاں شاہزادہ کے مکان سے

روانہ ہوئے اور اپنے گھر بحفاظت تمام پہنچ گئے۔ انہوں نے شہر چھوڑ دینے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ بلاشبہ ان کی نسبت فوراً یہ گمان کرلیا گیا کہ وہ انگریزوں سے جا ملیں گے۔ کشمیری دروازہ پر باغی محافظ دستہ نے انہیں ٹوکا اور نشانہ بندوق بنا دیئے جانے کی دھمکی دی۔ باہر نہ جاسکنے کی صورت میں وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔

آج کے دن نصیر آباد سے بھی ایک باغی پلٹن آگئی اور بادشاہ سے روپیہ طلب کیا۔ مبارک باغ میں فروکش ہونے کے بعد وہ فی الفور انگریزوں سے جنگ کرنے کے ارادہ سے باہر آئے۔ جنگ تین بجے شروع ہوئی اور استاد اور شاگرد ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوگئے۔ لڑتے لڑتے وہ قریب آگئے اور سنگینوں سے جنگ ہونے لگی۔ لڑائی تین گھنٹے جاری رہی۔ تمام سامان جنگ ختم ہوگیا تھا۔ شام کے وقت نصیر آباد کی پلٹن لوٹ آئی۔ صبح کے وقت میدان انگریزوں کے قبضہ میں آگیا۔

جمنا کے پل کے داروغہ بدیو سنگھ نے آج خفیہ طریقہ سے سر تھیوفلس کو سامان رسد بھیجی۔ مخبر نے دروازہ کے باغیوں کو بتادیا کہ یہ فلاں شخص ہے۔ اسے روکا گیا اور تلاشی لی گئی۔ بھاگنے کی کوشش میں اسے گرفتار کرکے کوتوالی لے گئے جہاں اسے قتل کردیا گیا اور اس کی لاش کو اوندھا نیم کے درخت میں لٹکا دیا گیا۔

مہاراجہ الور کی فوج کا کچھ حصہ آج کے دن آ پہنچا۔ نیچ سے بھی ایک پلٹن آگئی جس کے کمانڈر ہیرا سنگھ تھے۔ آتے ہی ان سپاہیوں نے انگریزوں سے لڑنے کی ٹھانی۔ نہر کا پل انگریزوں نے تباہ کردیا تھا لہٰذا یہ تجویز ہوئی کہ نجف گڑھ ہوتے ہوئے چلیں اور انگریزی فوج سے نبرد آزما ہوں اور جوابی حملہ شہر کی جانب سے کیا جائے۔ چنانچہ فوج نجف گڑھ چلی گئی۔ انگریز افواج کی نقل و حرکت سے واقف تھے اور انہوں نے راستہ ہی میں حملہ کردینے کا انتظام کرلیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باغی گولہ باری کی تاب نہ لاسکے اور اپنی توپیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ فوج نے اس کے بعد سے کوئی جارحانہ کارروائی نہیں کی۔

جن قصابوں پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ انگریزی فوج کو گوشت دیتے ہیں ان کے سر قلم کردیئے گئے۔ باغیوں میں جدید افواج کا روزانہ اضافہ ہوتا تھا اور انگریزی مورچوں پر روزانہ حملے ہوتے تھے لیکن ہر روز باغی پسپا کردیئے جاتے تھے یہاں تک کہ پسپائی مسلمہ ہوگئی۔ بارود بنانے کا کارخانہ اڑ گیا اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ واقعہ اتفاقی تھا یا اس میں کسی کا سازشی ہاتھ تھا۔ اس کے ساتھ دو سو بارود ساز بھی اڑ گئے۔[1]

قاضی صاحب کے مکان کو بھی لوٹنے کی کوشش کی گئی۔ گھر کے رہنے والوں نے مدافعانہ کارروائی کی اور تیروں سے چند حملہ آوروں کو مار ڈالا۔ مرزا مغل نے دہلی دروازہ کے باہر فوج کی پریڈ کا حکم دیا۔ فوجیں کشمیری دروازہ تک پھیلی ہوئی تھیں پیدل فوج کی سترہ پلٹنیں سواروں کی بائیس پلٹنیں جن کے سپاہیوں کی مجموعی تعداد نو ہزار تھی اس پریڈ میں شریک

۱۔ ہڈسن جو گائڈز کا کمانڈر تھا اپنے مخبروں کو روزانہ شہر میں بھیجا کرتا تھا انہوں نے اسے اطلاع دی کہ بارود سازی کا کام زوروں سے جاری ہے اور بلا خر ان کے یہ کہنے پر کہ کارخانہ کو اڑایا جا سکتا ہے اس نے وعدہ کیا کہ اگر تم اڑانے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو تمہیں ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ کارخانہ کو اسی طریقہ سے اڑا دیا گیا جیسا کہ روزنامچہ میں مذکور ہے لیکن انعام کسی نے طلب نہیں کیا اور نہ وہ آدمی ہی لوٹ کر آئے بلاشبہ وہ بھی کارخانہ کے ساتھ تباہ ہو گئے تھے۔

ہوئیں۔ سواروں کی چھٹی پلٹن کشمیری دروازہ سے نکل کر انگریزوں کے توپخانہ پر حملہ آور ہوئی اور توپوں پر قبضہ کر لیا اور کیمپ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ جب پیدل فوج وہاں پہنچی تو اس نے دیکھا کہ لوٹ مار ہو رہی ہے۔ وہ بھی لوٹ مار میں شریک ہو گئی۔ محفوظ فوج کے آ جانے پر انگریزوں نے دھاوا بول دیا۔ دو سو باغی مارے گئے اور باقی بھاگ کر شہر میں واپس چلے گئے۔

باغیوں نے بادشاہ سے عرض کی کہ چونکہ سپاہی انگریزوں پر حملہ کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں اس لئے میدان جنگ میں حضور کی موجودگی کی سخت ضرورت ہے۔ بادشاہ فوج کی سرکردگی میں دہلی دروازہ کے باہر آئے اور جمع شدہ فوج کو اپنے درشن کرائے۔ لال ڈگی سے ہوتے ہوئے وہ لاہوری دروازہ کی جانب گئے۔

فوج کی اس نمائش کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ فوجیں پھر اپنے اپنے مقامات پر آ گئیں اور مجوزہ حملہ باد ہوائی ثابت ہوا۔

تین مہینے گذر چکے تھے اور شہر توپوں کے گولوں کی آواز کا جو شبانہ روز ہوتی رہتی تھی عادی ہو گیا تھا۔ خان بہادر خاں بریلوی کے یہاں سے نذر موصول ہوئی۔ مرزا برجیس لکھنوی کے پاس سے بھی نذر آئی جو اشرفیوں پر مشتمل تھی اور جس پر حسب ذیل عبارت منقوش تھی۔

بہ زرزد سکۂ نصرت طرازی

سراج الدین بہادر شاہ غازی

نذر لانے والے کو مظفر الدولہ کی حویلی میں ٹھہرایا گیا اور نذر حضور میں پیش کر دی گئی۔

رجب علی خاں محسن نے حکیم احسن اللہ خاں کو ایک خط لکھا جس میں یہ استفسار کیا گیا تھا کہ ایسی حالت میں جب کہ شہر میں انگریز باقی نہیں رہے علم نبوی کیوں بلند کیا گیا ہے۔ انہوں نے مفتی محمد صدر الدین خاں قاضی شہر کو ہدایت کی کہ وہ لوگوں کو سمجھا دیں کہ اس جھنڈے کا بلند کرنا حماقت ہے۔ اس واقعہ سے کچھ دیر بعد یہ اعلان کیا گیا کہ انگریز شہر پر عنقریب حملہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے کشمیری دروازہ کے دمدمے پر گولہ باری شروع کر دی۔ کشمیری دروازہ کے قرب و جوار کے رہنے والے اپنے اپنے گھر چھوڑ کر محفوظ مقامات میں پناہ گزیں ہو گئے۔ ۱۴ ستمبر سے پہلے پہلے وہ دمدمے جن پر انگریز گولہ باری کر رہے تھے ریزہ ریزہ ہو چکے تھے۔

۱۴ ستمبر کو انگریزوں نے کشمیری دروازے پر حملہ کیا اور یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعہ وہ شہر میں داخل ہوئے اور بالآخر اس پر قابض ہو گئے۔ انگریزی فوجیں حملہ کرتے وقت کوتوالی اور جامع مسجد تک پہنچ گئی تھیں۔ کوتوالی کے قریب ایک توپ نصب تھی جسے چند سوار اور بدمعاش چلا رہے تھے۔ یہ گولے انگریزی ہراول دستہ پر پڑے جن سے تقریباً پچاس آدمی مجروح و قتل ہوئے۔ باغیوں نے جامع مسجد میں رہ کر مدافعت کی اور انگریزوں کی پیشقدمی کو روک دیا۔ انگریز پھر کشمیری دروازہ کی طرف پسپا ہو گئے۔ باغیوں نے مزید مقابلہ کلکتہ دروازہ پر کیا۔ شہر میں پانچ دن تک جنگ و جدل جاری رہا۔ شاہزادے علی الصباح چار بجے بھاگ کر ہمایوں کے مقبرے میں پناہ گزیں ہو گئے اور ان کی یہ فراری بجائے خود بری فال تھی۔ اس کے بعد باغیوں اور شہر کے باشندوں میں بھاگڑ مچ گئی۔ بھاگنے والوں پر گوجروں نے حملہ کر دیا اور ان کے اسلحہ اور روپے پیسے کو لوٹ لیا۔ نواب یعقوب خاں جو محاصرہ کے ایام میں اپنے شہر کے مکان میں چھپے بیٹھے تھے اپنے بال بچوں سمیت خفیہ طریقہ سے فرار ہو گئے۔ ان پر گوجروں نے حملہ کیا اور ان کا مال و اموال لوٹنے کے بعد انہیں قتل کر ڈالا۔

جنرل محمد بخت خاں تھوڑی سی فوج لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بمنت درخواست کی کہ حضور میرے ساتھ لکھنؤ بھاگ چلیں۔ انہوں نے منتشر افواج کو جمع کرنے اور شہر کے باہر انگریزی افواج کا مقابلہ کرنے کی غرض سے اپنی خدمات پیش کیں' مگر بوڑھے بادشاہ نے ان کی امداد قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد بخت خاں باقی ماندہ فوجیں لے کر لکھنؤ روانہ ہو گئے۔

مرزا عباس خاں یعنی شاہ اودھ کے وکیل جو انگریزی حملہ کے شروع ہونے سے چار دن قبل نذرلے کر آئے تھے' اپنے محافظ دستہ کی معیت میں راجپوتانہ کی سمت چلے گئے۔ بادشاہ بھاگ کر مقبرۂ ہمایوں میں چلے گئے۔ تمام شہر بھر انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔ جب انگریزوں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ بھاگ کر چلے گئے ہیں تو انہوں نے مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسن اللہ خاں کو حکم دیا کہ بادشاہ شہر کے باہر نہ جانے پائیں اور انہیں ہدایت کی کہ بادشاہ کو لے کر انگریزی کیمپ میں آ جائیں۔ ان کے ساتھ سو سواروں کا دستہ بھیجا گیا جس کے ساتھ افسروں کی مناسب تعداد بھی موجود تھی اور اس شان کے ساتھ وہ پرانے قلعہ کی جانب روانہ ہوئے۔

مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسن اللہ خاں بادشاہ کی خدمت میں گئے جو بہت خوفزدہ ہو رہے تھے' لیکن انہوں نے جہاں پناہ کو یقین دلایا کہ حضور کے لئے پلاؤ کی رکابی ہر وقت موجود ہے۔ بادشاہ کے ساتھ چار شہزادے تھے: مرزا مغل' مرزا ابوبکر' مرزا خضر سلطان' مرزا مندو۔ قلعہ سے رخصت ہونے کے بعد انگریزی محافظ دستہ نے ان کو گھیر لیا۔ بادشاہ کو پالکی میں بٹھایا گیا اور شہزادے بیل گاڑی میں بیٹھے اور وہاں سے انہیں قلعہ لے گئے۔ جب شہزادگان دیوان عام کے سامنے پہنچے جہاں انگریزی عورتوں اور بچوں کو قتل کیا گیا تھا تو انہیں نشانہ بندوق بنا دیا گیا۔ شہر میں لاہوری دروازہ سے لے کر کشمیری دروازہ تک لوٹ مار جاری رہی۔ مرزا بختیار شاہ بھی جنہیں بعد میں گرفتار کیا گیا' قتل کر دیئے گئے۔ بادشاہ پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ شاہ سمند خاں جو شاہی باڈی گارڈ کے کمانڈر تھے' کشمیری دروازہ سے نکلتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ ان کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ راجہ ججھر کی افواج کے جنرل ہیں اور اسی وقت انہیں گولی مار دی گئی۔ شہر میں کسی شخص کی جان محفوظ نہ تھی۔ تمام صحیح الجثہ اشخاص جو دکھائی دیئے' باغی قرار دیئے گئے اور انہیں گولی مار دی گئی۔

نواب جنگ خاں کے صاحبزادے محمود علی نے جو دادری کے راجہ کے بھتیجے تھے' اپنے تحفظ کے لئے مکان کے دروازے بند کر لئے تھے۔ چند گورکھوں اور یورپینوں نے جو شہر میں لوٹ مار میں مصروف تھے' دروازوں کو کھولنے کی کوشش کی۔ کوشش میں ناکام رہنے کے باعث وہ دیواروں پر چڑھ گئے۔ ایک انا جو یہ نظارہ دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئی' اپنے گود کے بچہ سمیت کنوئیں میں گر پڑی۔ گھر کی دیگر خواتین نے اس کی تقلید کی اور اسی کنوئیں میں گر کر ہلاک ہو گئیں۔

محمد علی نے وسط مکان سے بندوق چلائی اور تین یورپینوں کو مار گرایا۔ اس پر ایک بڑی فوج مکان پر حملہ آور ہوئی اور تمام اہل خانہ کو قتل کر ڈالا۔ محمد علی بھی مقتولوں میں تھے مگر آخر وقت تک لڑتے رہے تھے۔ تقریباً ساٹھ ہتھیار بند آدمی جن میں شیخ امام بخش صہبائی اور ان کے صاحب زادے بھی شامل تھے جو اسلامی کالج سے متعلق تھے' باغی سمجھ کر قتل کر دیئے گئے۔ ان ہی میں فلاح اللہ خاں بھی تھے جو اپنے زمانہ کے مشہور طبیب تھے اور لوگ بھی جنہوں نے بغاوت میں کسی قسم کا حصہ نہیں لیا تھا۔ بھوجلا پہاڑی میں میاں امین صاحب نے جو ایک مشہور معروف منشی تھے' بیوقوفی سے سپاہیوں کو اپنے مکان میں داخل ہونے سے روکا۔ انہوں نے داخل ہونے والے پہلے انگریزی سپاہی کو گولی ماری۔ اس کے بعد خود انہیں سنگینوں سے ہلاک کر دیا گیا' لیکن انہوں نے مرتے مرتے اپنے قاتل کو بھی مار ڈالا۔

مولوی فرید الدین صبح کی نماز پڑھ کر واپس آ رہے تھے کہ انگریزی دستہ انہیں راستہ میں ملا۔ جس شدومد کے ساتھ انگریزوں کا رکا ہوا دریا ابل رہا تھا۔ اس کا تقاضا تھا کہ وہ اسی کی لہروں میں غائب ہو جائیں۔ حکیم احمد حسین خاں اور حکیم رضی الدین خاں بھی اسی طوفان کی نذر ہوئے۔ مرزا اسد اللہ خاں کے بھائی مرزا یوسف خاں جو مدت دراز سے حالت جنون میں تھے' گولیوں کے شور کی آواز سن کر یکا یک باہر نکلے اور مارے گئے۔ شہر کے اور بھی بہت سے نامی آدمی مارے گئے' کیونکہ ان کی نسبت غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ باغی ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس طرح سے قہر نازل کیا کہ خشک و تر سب ہی کچھ جل گیا۔ بے گناہوں اور مجرموں کو یکساں سزا ملی۔ جس طرح سے ۱۱ مئی کو بے گناہ عیسائی قتل ہوئے' اسی طرح ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بے گناہ مسلمان قتل ہوئے۔ جو لوگ تلوار سے بچ رہے' انہیں پھانسی پر لٹکایا گیا۔ ان میں نواب مظفر الدولہ' محمد حسین خاں' مرزا احمد خاں' میر محمد حسین خاں' اکبر خاں' میر خاں' نوشہر خاں' حکیم عبدالحق' خلیفہ اسمٰعیل' محمد خاں' رسالدار صفدر بیگ خاں' مسیتا یار خاں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ شاہزادے بھی دار پر کھینچے گئے۔ بہت سے آدمی جیل خانہ ہی میں مر گئے۔ باقی اور طریقوں سے ہلاک ہو گئے' یہاں تک کہ سر جان لارنس نے از سر نو امن و امان قائم کر دیا اور مجرموں کی سماعت مقدمہ کے لئے عدالتیں کھول دیں۔ ہر شخص جسے کسی کے ساتھ دشمنی تھی' وہ اس کا نام بتا دیتا تھا۔ ہر طرف جھوٹے گواہ کھڑے ہو گئے۔ ایک طرف باغیوں کا ڈر تھا۔ دوسری طرف رشتہ داروں اور ہمعصروں کے جھوٹے الزامات کا خوف دامنگیر تھا۔ بے گناہ اشخاص لاچار اور بیکس عورتوں اور بچوں کے قتل عام کا اس طریقہ سے بدلہ لیا گیا کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آیا تھا۔

دہلی کے قرب و جوار میں چند قدیم اور شریف خاندان آباد تھے۔ جھجر کی سالانہ آمدنی چودہ لاکھ تھی۔ دادری' پاٹودی' بلب گڑھ' دوجانہ' فرخ نگر اور لوہارو یہ سب دو دو لاکھ کی تھیں۔ جھجر اور اس کی شرکت غدر کی متعلق ذکر کر دیا گیا ہے۔ دادری بھی انگریزوں کے خلاف تھا۔ پاٹودی نے بغاوت کی مخالفت کی۔ اس پر باغیوں نے حملہ کیا اور شکست دی اور بعد ازاں اس کے محل کو لوٹ لیا' مگر راجہ انگریزوں سے مل گئے تھے۔ دوجانہ بھی شروع سے آخر تک انگریزوں کا وفادار رہا۔ محاصرہ کے ایام میں راجہ بلب گڑھ شہر کا گورنر تھا۔ اسے جھجر اور فرخ نگر کے ساتھ بغاوت کی پاداش میں پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ لوہارو کا نواب محاصرہ کے زمانہ میں دہلی میں مقید تھا۔ اس کے محل اور مال و اسباب کو گردو پیش کے زمینداروں نے لوٹ لیا۔ خواجہ باقی باللہ کی درگاہ میں تینوں راجاؤں اور شہزادوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا اور ان کی ریاستوں کو ضبط کر لیا گیا۔ نارنول کا پرگنہ جس کی سالانہ آمدنی دو لاکھ تھی' پٹیالہ کو دے دیا گیا۔ پرگنہ کروندا کو بذریعہ نیلام فروخت کر دیا گیا اور مہاراجہ پٹیالہ کو ان کی وفاداری کے صلہ میں اسے خرید لینے کی اجازت دے دی گئی۔ پرگنہ کول راجہ نابھ کے حوالہ کیا گیا۔ دادرا کے رئیس کی بیوفائی کی وجہ سے ریاست ضبط ہوئی اور جیند میں ملحق کر دی گئی۔ دادری کے راجہ کو لاہور میں جلاوطن کر دیا گیا۔ راجہ جھجر کے افسروں کو لدھیانہ میں بھیج دیا گیا۔ دوجانہ' پاٹودی اور لوہارو کی ریاستوں کے خلاف برطانوی گورنمنٹ نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ بادشاہ اور ان کی بیگموں کو جواں بخت اور ان کی بیگم کی معیت میں رنگون جلاوطن کیا گیا اور یورپین گارڈ کی حفاظت میں انہیں منزل مقصود پر بھیج دیا گیا۔ ان کے گذارہ کے لئے ایک مناسب رقم انگریزی گورنمنٹ نے منظور کی اور بادشاہ کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے قدیمی جلوداروں میں سے چار آدمیوں کو ملازمین کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھیں۔

☆ ☆ ☆

روزنامچہ منشی جیون لال

۱۱ مئی کی صبح کو آٹھ اور نو بجے کے درمیان مجھے یہ عجیب و غریب خبر ملی جو بعد میں تمام شہر میں پھیل گئی کہ کچھ سوار اور پیدل سپاہی میرٹھ سے آئے ہیں اور بازاروں کو لوٹ رہے ہیں اور لوگوں کو قتل کر رہے ہیں۔ چونکہ بفضل ایزدی انگریزی حکومت ملک میں قائم ہو چکی تھی' اس لئے اس خبر پر بہت کم یقین کیا گیا اور یہ بات بیان کی گئی کہ چند جاہل سپاہی بھاگ کر میرٹھ سے آ گئے ہیں اور لوٹ مار میں مشغول ہیں۔ اس کی تصدیق ہو گئی کہ انگریزی افواج ان کے تعاقب میں میرٹھ سے روانہ ہو گئی ہیں اور بہت جلد پہنچ جائیں گی اور لوٹ مار کرنے والے اور جھوٹی افواہیں پھیلانے والے اشخاص کو قرار واقعی سزا دیں گی۔ میں اس صبح کو کپتان ڈگلس سے جو اسسٹنٹ ریزیڈنٹ تھے' ملاقات کرنے کے لئے گیا ہوا تھا اور آٹھ بجے کے قریب گھر واپس آیا۔ کپتان صاحب قلعہ کے گارڈ کے افسر تھے۔ اسسٹنٹ ریزیڈنٹ کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی اور ریزیڈنٹ کی اطلاع کے لئے قلعہ کے تمام معاملات کے متعلق میری ڈائری کی نقل لے لیا کرتے تھے۔ گھر واپس لوٹنے کے بعد میں ۱۰ بجے کچہری جانے کی تیاری میں مصروف تھا اور اپنی پالکی کو تیار رکھنے کا بھی حکم دے چکا تھا کہ قلعہ کے چند مخبر میرے مکان پر آئے اور مجھ سے بمنت کہا کہ آپ گھر ہی میں رہیں' اس لئے کہ بازاروں میں سے امن و امان کے ساتھ گزرنا ناممکن ہے۔ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ شہر میں قتل و غارت زوروں پر ہے اور یہ کہ افواہ ہے کہ بعض افسروں کو قتل بھی کر دیا گیا ہے' لیکن کمشنر اور مجسٹریٹ صاحبان جان بچا کر بھاگ گئے ہیں۔ میرے ایک مخبر نے مجھ سے کہا کہ راستہ میں میری ملاقات افسروں سے ہوئی جو مورچوں کی جانب بعجلت تمام جا رہے تھے۔ اس کی بھی اطلاع ملی کہ شہر کے دروازوں کو بند کر دیا گیا ہے اور یہ کہ باہر جانے کا اب کوئی راستہ نہیں رہا۔ یہ اطلاع بھی موصول ہوئی کہ اسپتال کے تمام افسروں کو تہ تیغ کر دیا گیا ہے اور یہ کہ شہر کے بدمعاش لوٹ مار میں مصروف ہیں۔ میں نے اپنے ایک ملازم شکور کو قلعہ میں کپتان ڈگلس کی خدمت میں بھیجا اور یہ معلوم کرایا کہ میرے لئے کیا احکام ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا اور اطلاع دی کہ قلعہ جانے کا راستہ بند ہے' بہت سے سپاہی بادشاہ کے قلعہ کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ قلعہ کا دروازہ بند ہے اور بدمعاش آدمی سپاہیوں کو یورپینوں اور مالدار ہندوستانیوں کا اشارہ سے گھر بتا رہے ہیں۔ ہر طرف یورپینوں کو قتل کیا جا رہا ہے اور ان کے مال و اسباب کو لوٹا جا رہا ہے۔ بنک کو توڑ کر روپیہ نکال لیا گیا ہے اور اس کے منیجر مسٹر بیرسفورڈ اور مسٹر اوہارا کو قتل کر دیا گیا ہے۔ باقی یورپین چھپ گئے ہیں۔ کمشنر کے دفتر کے ہیڈ کلارک مسٹر نکسن بھی مارے گئے ہیں اور ان کی لاش سڑک پر پڑی ہوئی ہے۔ اسسٹنٹ ہیڈ کلارک مسٹر نیل اور مسٹر ہیپ اپنے بچوں سمیت چھپ گئے تھے' لیکن سپاہیوں نے ان کی جگہ معلوم کر لی اور ان سب کو قتل کر ڈالا ہے۔ شکور نے یہ بھی بیان کیا کہ کمشنر کی کچہری میں گیا تھا اور مسٹر نکسن کی لاش کو سڑک پر پڑے ہوئے دیکھا۔ ان کو نشانہ بندوق بنایا گیا تھا۔ میں نے چیخ و پکار اور رونے کی ایسی خوفناک آوازیں سنیں کہ

میرے تمام ہوش و حواس جاتے رہے۔ میرا ملازم یہ واقعات بیان کرتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ میں بھی دہشت میں رہ گیا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ میرے دل کی حرکت بند ہو گئی ہے۔ میں بھی اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہا تھا۔ اس کے بعد یہ خبر ملی کہ مسٹر سائمن فریزر (کمشنر) اور مسٹر ہنڈرسن بچ کر بھاگ نکلے ہیں اور یہ کہ جوائنٹ مجسٹریٹ سر جان مٹکاف اور مسٹر لے باس (جج) بھی بھاگ گئے ہیں' لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کہاں ہیں۔ سر جان کے متعلق عام خیال یہ تھا کہ وہ قطب صاحب چلے گئے ہیں۔ چونکہ وہ شہر اور اس کے مضافات سے اچھی طرح سے واقف تھے اس لئے ہم نے قیاس کیا ممکن ہے کہ وہ مقبرۂ علاؤالدین کی محراب دلکشا میں پناہ گزیں ہوں' جسے ان کے والد نے سکونتی مکان کی شکل میں تبدیل کرلیا تھا۔ اتنے میں ایک آدمی آیا جس نے اطلاع دی کہ بدمعاش آپ کے متعلق یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ گورنر جنرل کے ایجنٹ کے میر منشی ہیں اور اس لئے کشتنی اور گردن زدنی ہیں اور پھر مجھے مشورہ دیا کہ مکان کو دفاعی حالت کے قابل بنالینا چاہئے۔ میرا مکان سلطان فیروز شاہ کے زمانہ کا تھا اور خالص پتھر کا بنا ہوا تھا اور اس قدر مضبوط تھا کہ قلعہ معلوم ہوتا تھا۔ کھڑکیوں اور دروازوں کو بند کر دیا گیا۔ مکان میں تہ خانے بھی تھے جن میں میرے گھر کے آدمی داخل ہو گئے اور وہیں چھپے رہے۔ میں نے آگے پیچھے بغرض نگرانی (حفاظت) اپنے تمام ملازمین کو مقرر کر دیا اور یہ تاکید کر دی کہ کسی کو داخل نہ ہونے دیا جائے اور اگر کوئی آئے تو اس کی اطلاع مجھے کر دی جائے۔ میرے دل میں یہ خیالات آرہے تھے کہ تو نے برسوں تک انگریزی حکومت کا نمک کھایا اور اس کی فلاح و بہبود کی ہمیشہ دعا مانگی ہے اور یہ کہ اب تیرے لئے اپنے آقاؤں کی خدمت کرنے کا موقع آگیا ہے۔ اس پر میں نے شکور کو سر جان مٹکاف اور اپنے دیگر مربیوں اور دوستوں کے پاس یہ معلوم کرنے کی غرض سے بھیجا کہ مجھے بتایا جائے کہ میں کس طرح آپ کی خدمت کر سکتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے چند انگریزوں کے حالات بھی دریافت کرائے جو میرے رفقائے کار تھے اور شہر میں دریا گنج اور کشمیری دروازے کے قریب رہا کرتے تھے۔ ان میں مسٹر ڈیوس' ان کے بھائی نامی اور مسٹر میلے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ میں نے یہ بھی کہلوا بھیجا تھا کہ اگر آپ کے پاس چھپنے کی کوئی جگہ نہ ہو تو میرے مکان میں آجایئے۔ بفضل خدا میں اپنی آنکھ یا جان کی طرح ان کی حفاظت کروں گا اور میں خود ان کی خدمت کے لئے موجود ہوں گا۔ شکور سے میں نے کہہ دیا تھا انہیں گلیوں میں سے لانا اور خدا نے چاہا تو انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی۔

باغیوں کی کارروائیوں کی خبریں حاصل کرنے کے ارادہ سے میں نے دو برہمنوں گردھاری مصر اور ہیرا سنگھ مصر اور دو جاٹوں کی خدمات حاصل کیں۔ ان کا کام یہ تھا کہ وہ شہر کی اور قلعہ کی تمام خبریں مجھے لا کر دیا کریں تاکہ میں سلطنت کے اعلیٰ افسروں کی اطلاع دہی کے لئے سچے واقعات قلم بند کر لیا کروں۔ بارہ بجے کے قریب کچہری کا محرر اور کپتان ڈگلس کے پاس سے آپائے اور خبر دی کہ شہر میں افراتفری مچی ہوئی ہے۔ تمام دکانیں اور مکانات بند ہیں اور لوگ اپنے اپنے گھروں میں خوف کی حالت میں بند بیٹھے ہوئے یا اللہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد دہلی کے ایجنٹ اور کمشنر مسٹر سائمن فریزر کے بارے میں خبر آئی۔ اٹھنے کے بعد علی الصباح انہیں یہ اطلاع پہنچائی گئی کہ میرٹھ سے مختلف پلٹنوں کے سوار اور پیدل فوج کے کچھ سپاہی دہلی پہنچ گئے ہیں اور باقی اور عنقریب آنے والے ہیں۔ انہوں نے چنگی کے کلکٹر کا بنگلہ جلا دیا ہے اور متعینہ افسر کو گولی ماردی ہے اور اس کی لاش کو ریت پر چھوڑ دیا ہے۔ سپاہیوں کے ارادہ کے متعلق یہ بیان کیا گیا کہ وہ شہر کے

قابض ہونا چاہتے ہیں۔ اس وقت مجسٹریٹ شہر مسٹر ہنڈرسن سوار ہو کر آئے اور کمشنر سے رپورٹ کی اور معاً چھاؤنیوں کی طرف راجپور چلے گئے۔ غالباً ان کا مقصد فوج اور توپخانہ کو طلب کرنا تھا۔ مسٹر فریزر نے بھی اسی وقت اپنی گاڑی تیار کرنے کا حکم دیا اور پھر وہ نواب جھجر کے رسالے کے باڈی گارڈ کو جسے ہمیشہ رسالدار کی کمان میں کمشنر کے ساتھ رہنے کا حکم تھا' اپنی معیت میں لے کر روانہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے نوکر کو حکم دیا کہ میرا پستول اور تلوار لے کر آ جاؤ۔ وہ کلکتہ دروازہ میں سے ہوتے ہوئے دریائے دمدمہ میں پہنچے۔ وہاں مسٹر لے باس سشن جج' کپتان ڈگلس؛ (کہا جاتا ہے کہ کپتان ڈگلس نے مسٹر فریزر کو ایک چٹھی دی تھی اور یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اس میں میرٹھ کے سپاہیوں کی بغاوت اور افسروں کے قتل اور دہلی پر چڑھائی کرنے کی اطلاع درج تھی۔ اس وقت بعض آدمی یہ کہتے تھے کہ چٹھی کی بھیجنے والی مل کے افسر چنگی کی بیوی ہے جو صرف اتنا چاہتی تھی کہ اس کے خاوند کی لاش کو دفن کرنے میں امداد دی جائے۔ لیکن اس کے پاس یہ اطلاع بھیج دی گئی کہ موجودہ حالات میں کوئی امداد نہیں دی جا سکتی۔) مسٹر نکسن اور اور لوگ پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے دوربین کی مدد سے دریا کے پاٹ کا اور پل کا نہایت غور سے معائنہ کیا۔ جلتے ہوئے بنگلہ سے شعلے نکل رہے تھے۔ ابھی مشورہ ہو رہا تھا کہ اتنے میں مسٹر ہنڈرسن (مجسٹریٹ) بھی آ پہنچے۔ تھوڑی دیر تک آپس میں بات چیت رہی۔ ہر لحہ ان کی نگاہیں دریا کی طرف اٹھ رہی تھیں گویا کہ وہ ایک طرف یورپین فوج اور دوسری طرف راجپور کی چھاؤنیوں سے یورپین فوج کی آمد کے منتظر ہیں۔ لیکن کہیں سے بھی کوئی امداد نہیں آئی۔ اتنے میں دمدمہ کے چند آدمی دوڑے ہوئے آئے اور اطلاع دی کہ باغی فوجیں راج گھاٹ دروازہ سے شہر میں داخل ہو گئی ہیں اور سول سرجن ڈاکٹر چمن لال کو جو حسب معمول دریا گنج والے اسپتال میں اپنے مریضوں کے معائنہ میں مصروف تھے' قتل کر دیا ہے۔ یہ بیان کیا گیا کہ اسپتال کا سارا عملہ بھاگ گیا ہے اور عمارت کو لوٹ لیا گیا ہے۔ یکا یک پانچ سپاہی نمودار ہوئے اور ان افسروں پر بندوقیں چلائیں۔ ایک گولی کپتان ڈگلس کے پاؤں میں لگی۔ مسٹر ہینڈرسن' مسٹر لے باس اور باقی آدمی کچہری کی جانب بھاگ گئے۔ مسٹر فریزر نے دمدمہ میں پناہ لی جہاں ایک سنتری متعین تھا۔ گڑبڑ میں وہ سپاہی دکھائی نہ دیا اور اس کی بندوق جھپٹ کر جسے اس نے اپنی گمٹی میں کھڑا کر دیا تھا' انہوں نے ایک سوار کو نشانہ بنایا جو اپنے گھوڑے سمیت وہیں ڈھیر ہو گیا۔ باقی سوار یہ خوفناک واقعہ اور اپنے ہمراہی کی موت کا نظارہ دیکھ کر سہم گئے اور فرار ہو گئے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ وہاں اور بھی یورپین چھپے بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد مسٹر فریزر نے اپنے ایک اردلی کو حکم دیا کہ نواب صاحب والی جھجر (عبدالرحمٰن) کے ایجنٹ درگا پرشاد کے مکان پر جاؤ اور اس سے کہو کہ نواب صاحب کو اس شورش کی فی الفور خبر کر دو اور ان سے دو پیدل پلٹنیں اور سوار بلا تاخیر دہلی بھیجنے کے لئے کہو۔ مسٹر فریزر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر قلعہ کی جانب گئے۔ راستہ میں کئی سواروں نے ان پر حملہ کر دیا اور پستول سے فیر کئے۔ انہوں نے جھجر کے اردلیوں کو حملہ آوروں کے قتل کر دینے کا حکم دیا' لیکن انہوں نے اس حکم کی تعمیل نہ کی۔ اس پر کمشنر نے انہیں انگریزی میں گالیاں دیں اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے قلعہ کے لاہوری دروازہ پہنچے اور بادشاہ کے ایجنٹ اور مختار کار کو بلوا بھیجا۔ بادشاہ کے وکیل کے آ جانے پر انہوں نے اس سے کہا کہ بادشاہ کی خدمت میں جاؤ اور کہو کہ اپنی تمام مسلح فوج اور دو توپیں بھیج دیں۔ مسٹر فریزر نے دو پالکیاں بھی طلب کیں' تاکہ کپتان ڈگلس کے یہاں جو خواتین مقیم ہیں یعنی مس جیننگز (پادری کی صاحبزادی) اور مس کیلیفورڈ کو ان میں بٹھا کر حفاظت کی غرض سے بیگم صاحب کے یہاں

پہنچا دیا جائے۔ پیغام بادشاہ تک پہنچا دیا گیا اور انہوں نے ضروری احکام بھی نافذ کر دیئے' لیکن ابتری کا یہ عالم تھا کہ نہ تو گاڑی ملے نہ پالکیوں کے لئے بھیجے اور کہار ہی دستیاب ہو سکے۔ بادشاہ کے احکام کی کوئی پروا نہ کی گئی۔ بات یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا حکم نہ مانتا تھا۔ بادشاہ کے گھرانے کے آدمی بھی بادشاہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیتے تھے۔ کمشنر نے تھوڑی دیر تو پالکیوں کا انتظار کیا' لیکن یہ دیکھ کر کہ ان کی کوئی نہیں سنتا' انہوں نے کپتان ڈگلس کے مکان کا رخ کیا۔ پھاٹک پر پسی فوج کا ایک دستہ کھڑا تھا۔ جب مجمع ان کی جانب بڑھا تو انہوں نے اسے دور کھڑے رہنے کا حکم دیا' لیکن اس نے حکم نہ مانا۔ اس کے بعد مسٹر فریزر نے اس پر لوگوں کو ان کے طرز عمل پر ڈانٹا وہ خاموش رہے۔ اس کے بعد مسٹر فریزر کپتان ڈگلس کے کمرے میں داخل ہونے کے لئے سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔ ابھی انہوں نے پہلی سیڑھی پر اپنا قدم رکھا ہی تھا کہ دو بدمعاشوں نے ننگی تلواروں سے ان پر حملہ کر دیا اور انہیں وہیں کے وہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ دمدمہ پر کپتان ڈگلس کس طرح سے زخمی ہوئے۔ زخمی ہونے کے بعد ان کے اردلیوں نے انہیں بگھی میں ڈالا اور ان کے گھر لے گئے۔ وہاں جب وہ پہنچے ہیں تو وہ حالت بیہوشی میں تھے۔ پانی پینے کے بعد انہیں کچھ ہوش آیا اور انہوں نے حکم دیا کہ سب دروازوں اور کھڑکیوں کو بند کر دیا جائے۔ اس کے تھوڑی دیر پیچھے مسٹر جیننگز (پادری) اپنے ایک دوست' دو شادی شدہ عورتوں اور دو لڑکیوں مس جیننگز اور مس کلیفورڈ سمیت وہاں آ گئے۔ عورتوں نے کپتان ڈگلس کے زخم کی مرہم پٹی کی جس کے درد سے وہ بیہوش ہو جاتے تھے۔ یہ یاد کر کے کہ ان کی تلوار وہیں رہ گئی ہے انہوں نے اپنے اردلی سے دمدمہ تک جانے اور تلوار لے آنے کو کہا۔ اب مکان کے باہر سے زور زور کی چیخیں اور "اللہ اکبر" "اللہ اکبر" کے نعرے بلند ہونے شروع ہوئے۔ اس کے بعد باقی دروازوں کو توڑ کر مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ مسٹر جیننگز نے دروازہ کے باہر جانے کی کوشش کی' لیکن خونی بدمعاشوں نے انہیں فوراً ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اپنے جوش میں انہوں نے کسی یورپین کو نہیں چھوڑا حتیٰ کہ بیکس عورتیں بھی زندہ نہ بچیں۔[1]

نو بجے کے قریب خوفناک دھماکہ کی آواز سنائی دی جس کے بعد دیر تک ایسی آوازیں آتی رہیں گویا کہ بھونچال کے ساتھ گرج کی آواز بھی پیدا ہو رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین ہل رہی ہے۔ تمام شہر دہشت زدہ تھا۔ یہ بہت جلد معلوم ہو گیا کہ میگزین پر باغیوں نے حملہ کر دیا ہے اور یہ کہ اس کام میں شہر کے بدمعاش بھی ان کے ساتھ ہیں۔ اس پر افسر اعلیٰ نے بارود کو آگ لگا دی اور اسے اڑا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے باغی' بدمعاش آدمی تماشائی اور شہر کے باشندے قید حیات سے مخلصی پا گئے۔ اس واقعہ پر شہر میں خوشی بھی کی جا رہی تھی اور غم کا اظہار بھی کیا جا رہا تھا۔ خوشی اس لئے کہ بہت سے خونی اور باغی تباہ و برباد ہو گئے اور رنج اس پر کہ انگریزی افواج جن کا دن بھر نہایت اضطراب کے ساتھ انتظار کیا جا رہا تھا نہیں پہنچیں اور یہ کہ گورنمنٹ اپنا وقار قائم کرنے سے قاصر رہی۔ جوں جوں رات نزدیک آتی گئی' ہر محلہ کے آدمیوں نے پہرہ دینے اور حفاظت کا کام اپنے ذمہ لیا۔ رات گزر گئی اور ہر شخص ہشیار تھا۔ یکایک میدانی توپوں کی آواز سنائی دی اور محافظوں نے شمار کیا تو معلوم ہوا کہ اکیس گولے چھوڑے گئے ہیں۔ سب سے پہلا خیال یہ آیا کہ انگریزی فوج آ پہنچی

۱۔ اس مقام پر روزنامچہ میں کپتان ڈگلس' مسٹر ہنڈرسن اور مسٹر ڈیوس کی نقل و حرکت اور سر جان مٹکاف کی رہائی کے بارے میں مزید واقعات درج ہیں' جنہیں علیحدہ ضمیمہ کے طور پر آخر کتاب میں دے دیا گیا ہے۔

ہے اور باغیوں کو شکست ہوگئی ہے اور اپنی آمد سے اہل شہر کو مطلع کرنے کی غرض سے سلامی کی توپیں داغی ہیں۔ شہر کے اکثر باشندے بہت خوش تھے۔ صبح کو دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ راج پور کی چاروں پلٹنیں بھی باغیوں سے مل گئی ہیں اور یہ کہ اسی خوشی میں باغیوں نے توپیں چھوڑی تھیں۔ بعد میں چھان بین کرنے سے مجھے یہ اطلاع ملی کہ جوں ہی بریگیڈیئر کمانڈنگ افسر نے چھاؤنی کی فوجوں کو مسلح ہونے کا حکم دیا تو اس وقت سپاہیوں نے اپنے طرز عمل سے بتادیا کہ اگرچہ چند سپاہی ابھی تک وفادار ہیں' لیکن اکثر ایسے ہیں جو غیر وفادار ہیں اور احکام کی خلاف ورزی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ کسی قدر تاخیر اور منت سماجت کے بعد فوج کا کچھ حصہ شہر کی جانب روانہ ہوا' لیکن مارچ کرتے وقت یہ امر بالکل عیاں تھا کہ ان پر کسی قسم کا اعتماد نہیں کیا جاسکتا' اس لئے کہ وہ بہت آہستہ آہستہ اپنے قدموں کو اٹھا رہے تھے اور ان کے قدم بھی ایک ساتھ نہیں پڑتے تھے۔ کشمیری دروازہ پر باغیوں سے دو چار ہوئے۔ انہیں فیر کرنے کا حکم دیا گیا' لیکن ایک فیر بھی نہیں کیا گیا' بلکہ سپاہیوں اور باغیوں نے آپس میں علیک سلیک کی۔ یورپین افسر ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور سپاہیوں نے ان پر حملہ کردیا۔ افسر مختلف سمتوں میں بھاگ گئے۔ ایک دو کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا' لیکن باقی ایک ساتھ روانہ ہوئے اور کسی قدر پس و پیش کے بعد وہ بالآخر چھاؤنیوں میں پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک دو زخمی بھی ہوگئے تھے۔ اس اثنا میں سپاہیوں اور باغیوں کے مراسم دوستانہ ہوگئے۔

اسی دن کچھ دیر بعد دو صوبہ دار جنہیں کپتان ڈگلس کی موجودگی میں بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہونے کی اجازت مل گئی تھی' دوبارہ ان بیشمار سپاہیوں کے نمائندگان کی حیثیت سے باریاب ہوئے جو محل کے قرب و جوار میں جمع تھے۔ انہوں نے باضابطہ طور پر بادشاہ کے حضور میں افواج کی خدمات پیش کیں۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے متعلق حکیم احسن اللہ خاں سے احکام حاصل کریں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو تلاش کرواکے فوج کا پیغام سنادیا۔ کہا جاتا ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں بہت پریشانی میں تھے کہ کیا جواب دیں۔ ان کا خیال تھا کہ شورش چلتی پھرتی چھاؤں ہے جو چند دن سے زیادہ قائم نہ رہے گی۔ انہوں نے جواب دیا کہ "تم انگریزی حکومت میں عرصہ دراز سے رہتے رہتے باقاعدہ تنخواہ کے عادی ہوگئے ہو۔ بادشاہ کے پاس کوئی خزانہ نہیں ہے۔ وہ تمہاری تنخواہ کہاں سے دیں گے؟" افسروں نے جواب دیا "ہم تمام سلطنت کی مالگذاری آپ کے خزانہ میں لاکر داخل کریں گے۔" حکیم احسن اللہ خاں نے پھر ان فوجوں کی فہرست طلب کی جنہوں نے بغاوت کردی تھی۔ شاہی محل کے افسر منتظم کو بھی طلب کیا گیا۔ اس کے بعد چند مقتول افسروں کی خبر محل میں پہنچی اور معاً سواروں کی ایک نئی پلٹن بھی آگئی اور دیوان خاص کے صحن میں خیمہ زن ہوئی۔ بہت سے آدمی زبردستی بادشاہ کے حضور میں پہنچ گئے جو اس وقت دیوان خاص میں جلوہ فرما تھے۔ حکیم احسن اللہ نے بادشاہ کی خدمت میں باریابی حاصل کی اور ان کے مشورے سے آگرہ کے لفٹنٹ گورنر کے نام ایک چٹھی سانڈنی سوار کے ہاتھ بھیجی گئی۔ محل کا صحن ابتری' گھبراہٹ اور باہمی تنازعات کا بدترین نظارہ پیش کر رہا تھا۔ فوج میں ڈسپلن (انتظام) پیدا کردینے کی غرض سے حکیم احسن اللہ خاں نے شاہزادگان کو مختلف رجمنٹوں کی کمان لینے کا حکم دیا۔

علی الصباح (۱۲ مئی) مجھے جیل کے واقعات کا علم ہوا۔ دوپہر کے وقت (۱۲ مئی) قیدیوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ شہر میں شورش برپا ہے اور یہ کہ انگریزوں کو مغلوب کرلیا گیا ہے۔ قیدیوں نے اس تعجب انگیز خبر کو سنتے ہی چیخنا چلانا شروع کر

دیا اور ان میں بے انتہا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ مگر لالہ ٹھاکر داس جیلر نے جو بہت بہادر اور وفادار آدمی تھے سہ پہر کے پانچ بجے تک انتظام قائم رکھا۔ اس وقت یہ بات معلوم ہوئی کہ جیل کے محافظین نے ایسی حرکات سرزد ہوئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی بغاوت کی ہوا سے متاثر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے سختی سے شکایت کی کہ اپنی اپنی جگہ پر رہنے سے ہم اس لوٹ میں شریک نہیں ہو سکتے جو ہر طرف برپا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی خباثت ظاہر کرنی شروع کر دی۔ اس پر بھی جیلر نے نہایت صبر و تحمل سے کام لیا اور احکام اور امداد کے منتظر رہے لیکن افسوس وہاں کون تھا جو احکام بھیجتا یا امداد روانہ کرتا! بہر حال بیچارگی کی حالت میں انہوں نے شام تک انتظار کیا اور پھر وہ خاموشی سے اپنے گھر چلے گئے۔ اہل دہلی ان کی روش اور طرز عمل کے بے حد مداح ہیں۔ وہ ان کے مشکور ہیں کہ انہوں نے ان غیر محتاط آدمیوں کو من مانی کارروائی کرنے کی اجازت نہ دینے سے اس خوفناک دن کے وحشت آمیز افعال میں اضافہ ہونے سے روکا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب اول اول قیدیوں نے جیل خانہ سے بھاگ نکلنے کی کوشش کی تو عین اس وقت ایک سوار جیل خانہ میں آیا اور گارڈ کو قید خانہ کے دروازے کھول دینے کی تحریص و ترغیب دلائی تو اس وقت ٹھاکر داس نے سنتری سے بندوق لے کر اسے وہیں ڈھیر کر دیا۔ تمام دن ان کی موجودگی کا یہ اثر رہا کہ قیدی کسی قسم کی شرارت نہ کر سکے۔

آج صبح کو (۱۲ مئی) پلٹنوں کے تمام دیسی افسر جو کل پہنچ گئے تھے مجتمع ہوئے اور بادشاہ کی خدمت میں باریابی چاہی جو منظور ہوئی۔ انہوں نے نذریں پیش کیں اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ حکیم احسن اللہ خاں نے بچ کے طور پر بادشاہ کو متنبہ کر دیا کہ ان پر کسی قسم کا اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ جونہی وہ کافی تعداد میں جمع ہو جائیں گے تو شہر کی عام لوٹ مار شروع ہو جائے گی۔ بعد میں حکیم احسن اللہ نے شہر کے عمائدین سے مشورہ کیا۔ انہوں نے امین الدین خاں، مرزا ظہیر الدین خاں اور حسن علی خاں (جو والی جھجر کے بھتیجے تھے) کو بھی مشورہ کی غرض سے طلب کیا۔ انہیں یاد دلایا گیا کہ سابقہ اسلامی طاقت کے ساتھ آپ کے کیا کیا تعلقات رہ چکے ہیں۔ اس کے دوران سے خواہش ظاہر کی کہ شہر میں امن و امان قائم رکھنے اور سپاہیوں کے لئے خوراک کا انتظام کرنے کی غرض سے ایک ایگزیکٹو کونسل مرتب کریں۔ حسن علی نے صاف انکار کر دیا اور وجہ یہ بیان کی کہ میں ایگزیکٹو فرائض کے لئے موزوں نہیں ہوں۔ کونسل کوئی خاص فیصلہ کئے بغیر برخاست ہو گئی اور صرف اتنا طے کیا کہ فوج کے لئے کھانے کا انتظام کیا جائے تاکہ وہ لوٹ مار نہ کر سکے۔ یہ کام محبوب علی خاں کے سپرد ہوا۔ عدالت دیوان کے پلیڈر تفضل حسین کے صاحبزادے محمد میر نواب شہر کے گورنر مقرر کئے گئے۔ شہر کا تمام کاروبار بالکل بند تھا اس لئے کہ جو دکان کھلی تھی اس کا سامان لوٹ لیا جاتا تھا۔ آج نواب حامد علی خاں پر یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے یورپینوں کو چھپا رکھا ہے اور اس لئے ان سے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا۔ نواب کشاں کشاں محل میں لائے گئے اور صرف بادشاہ کے وزیر کا حکم ملنے پر انہیں رہائی نصیب ہوئی۔ سپاہی ان کی رہائی پر صرف بدیں شرط راضی ہوئے کہ ان کے مکان کی پوری طرح تلاشی لی جائے اور یہ کہ اگر ایک بھی یورپین ان کے یہاں سے برآمد ہوا تو پھر ہمارے کہنے کے مطابق ان کا فیصلہ کیا جائے۔ پٹیالہ، جھجر، بلب گڑھ، بہادر گڑھ اور الور کے رئیسوں کے نام چٹھیاں بھیجی گئیں اور ان سے کہا گیا کہ بادشاہ کی افواج میں شامل ہو جائیں اور شہر کے خلاف انگریزوں کے حملوں کی مدافعت کریں۔ تیسرے پہر محل میں سپاہی بھر گئے اور وہ چلا چلا کر یہ شکایت کر رہے تھے کہ اناج کی تمام دکانیں بند پڑی ہیں اور وفادار سپاہی بھوکوں مر رہے

ہیں۔ سپاہیوں نے بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ آپ فوج لے کر شہر کے بازاروں میں گشت لگائیں اور اہل شہر کے خدشات کو زائل کر کے ان سے دکانیں کھولنے کے لئے کہیں۔ بادشاہ نے اسے تسلیم کر لیا اور ہاتھی پر سوار ہو کر جلوس کے ساتھ بازاروں میں گشت لگایا۔ انہوں نے بہ نفس نفیس حکم دے کر چند دکانیں کھلوائیں' لیکن عام طور پر دکانداروں نے ان کی ایک نہ سنی۔ جب بادشاہ محل میں واپس آئے ہیں تو دیکھا کہ دیوان خاص کا صحن سواروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ انہوں نے بادشاہ کو دیکھتے ہی چلانا شروع کیا اور شکایت کی کہ دہلی کے باغی دہلی کی کلکٹری کے خزانہ میں جسے انہوں نے لوٹا تھا' میرٹھ کے باغیوں کو حصہ دار بنانا نہیں چاہتے بلکہ اسے اپنے ہی پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے مختلف قسم کے مشوروں سے پریشان ہو کر شاہزادوں کو جو مختلف پلٹنوں کے کمانڈر مقرر کر دیئے گئے تھے' حکم دیا کہ وہ ہر باغی کو شہر کے باہر نکال دیں' مختلف پلٹنوں کو الگ الگ مقام پر متعین کر دیں اور صرف ایک پلٹن شہر کی حفاظت کے لئے چھوڑ دی اور دوسری محل کے بالمقابل قلعہ اور دریا کے بیچ میں متعین کر دیں۔ بادشاہ نے ان صوبہ داروں سے جو موجود تھے' کہا کہ دیوان خاص اب تک خاص شاہی گھرانے کے لئے مخصوص رہا ہے اور مسلح آدمی کبھی بھی یہاں بزور داخل نہیں ہوئے۔ ایک پلٹن شہر کے اجمیری دروازہ پر اور چوتھی دہلی دروازہ پر اور پانچویں کشمیری دروازہ پر متعین کی گئی۔ یہ احکام جزوی طور پر عمل میں لائے گئے۔ ہر مکان سے بادشاہ کے نام پریشان کن عریضے آتے تھے' کبھی تو مقتول یورپینوں کے ملازمین کی طرف سے آتے تھے اور کبھی بنیوں کی جانب سے جن کی دکانیں لوٹ لی گئی تھیں اور کبھی معزز اشخاص کے پاس سے جن کے مکانوں کے اندر سپاہی زبردستی داخل ہو گئے تھے۔ یہ سب بادشاہ سے فوری دادرسی کے طالب تھے۔ لوٹ مار اور غارت گری کو جو شہر میں عام ہوتی جاتی تھی روکنے کے لئے بھی بادشاہ سے مرافعات کئے گئے۔

بادشاہ نے فارسی روبکاری کے ذریعہ جس کی زبان نہایت فصیح و بلیغ تھی' صوبہ داروں کو بتایا کہ موجودہ صورت حالات نہایت ناخوشگوار ہے' بالخصوص ایک مسلمان بادشاہ کے عہد حکومت کے کسی طرح شایان شان نہیں ہو سکتا۔ وہ بادشاہ جس کا زمانہ دنیا کی تاریخ میں نہایت زریں ہے اور جس کے آگے تمام بادشاہ سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی ان پر زور دیا کہ کسی نہ کسی طرح موجودہ صورت حالات کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔ شام کے قریب چند ہندوستانی افسر حاضر ہوئے اور انہوں نے راشن نہ ملنے کی شکایت کی۔ صبح کے حکم کی شاندار زبان اور اس کی فصاحت و بلاغت کی جس سے بادشاہ کی شان کا پورے طور پر اظہار ہو سکتا تھا' کچھ پروا نہ کی گئی بلکہ انہوں نے گستاخانہ اور بے ادبانہ الفاظ سے بادشاہ کو خطاب کیا۔ کسی نے کہا ''او بادشاہ' میری سن!'' دوسرے نے کہا ''ارے بڈھے' ارے بادشاہ۔'' تیسرے نے ہاتھ پکڑ کر کہا کہ ''میری سن۔'' بادشاہ نے ان کے طرز عمل سے کبیدہ خاطر ہو کر اور ساتھ ہی یہ سمجھ کر کہ مجھ میں ان کی گستاخی کو روکنے کی کوئی قوت موجود نہیں ہے' انہوں نے اپنے ملازمین کے روبرو اپنی قسمت کا شکوہ کرنا شروع کر دیا۔ محل کے دروازوں پر پھر لوگوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور ان کے مطالبہ پر وہ دوبارہ جلوس کے ساتھ شہر میں سے گزرے اور دکانداروں کو اپنی اپنی دکانیں کھولنے اور اپنا کاروبار جاری رکھنے کا حکم دیا۔ آج سارے دن بادشاہ پریشان خاطر رہے اور یہ دیکھ کر کہ وہ مجمع کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں بہت ہی رنجیدہ تھے حالانکہ یہی مجمع پہلے ان کے احکام بجالانے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا مگر شہر کی لوٹ مار کے بعد سے وہ اس قدر سرکش ہو گیا تھا کہ بادشاہ کا مذاق اڑانے اور اس کی بے حرمتی کرنے سے بھی اسے

شرم شنا آتی تھی۔

مئی ۱۳۔ قلعہ میں خبر پہنچی کہ راجہ کشن گڑھ کی حویلی کو سپاہیوں نے گھیر لیا ہے کیونکہ انہوں نے چند یورپینوں کو وہاں دیکھ پایا ہے۔ یہ سنتے ہی میں نے اپنے ملازمین کو بھیجا کہ اگر کچھ امداد پہنچانی ممکن ہو تو فوراً پہنچا دی جائے' لیکن وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ ایسی ناکہ بندی کی گئی ہے کہ وہاں کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تیس اشخاص کی جماعت جس میں یورپین اور کرسٹان دونوں تھے' راجہ کی حویلی کے تہ خانوں میں جا چھپے تھے۔ کامل دو دن تک پناہ گزین وہیں چھپے رہے اور بھوک اور پیاس سے سخت تکلیف برداشت کرتے رہے۔ تیسرے دن جب ان میں سے کسی نے بہشتی کو دیکھا تو اس سے پانی مانگا۔ اس نے پانی تو پلا دیا' لیکن جب اسے سپاہی ملے تو ان سے کہہ دیا کہ فلاں جگہ یورپین چھپے ہوئے ہیں۔ مکان بہت مضبوط تھا اور پناہ گزین اشخاص نے جو مسلح تھے' ان سپاہیوں پر فیر کرنے شروع کر دیے جنہوں نے مکان کے قریب پہنچنے کی ہر طرح کوشش کی تھی۔ یہ دیکھ کر کہ یورپینوں پر بزور قابو پانا غیر ممکن ہے' سپاہیوں نے نامہ و پیام کرنا شروع کر دیا اور وعدہ کیا کہ اگر آپ مکان چھوڑ دیں گے تو ہم سب کو بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیں گے۔ اسی اثناء میں سید غلام عباس عرف سیف الدولہ نے بادشاہ کو مطلع کیا کہ مسز ڈیوس' مسٹر بیلی اور ایجنٹ کے دفتر کے چند اور کلارک بہت خطرے میں ہیں۔ غلام عباس نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ نے ان کی جانیں بچا لیں تو انگریزوں کے سامنے سرخرو ہونے کا موقع رہے گا۔ بادشاہ نے سنتے ہی ان سے دلچسپی شروع کر دی اور پوچھا کہ وہ کہاں ہیں۔ اس کے بعد احکام نافذ کر دیے گئے کہ ان کی جانوں پر کسی طرح کی آنچ نہ آنے پائے اور ایک قاصد اس غرض سے بھیجا گیا کہ وہ سب پناہ گزینوں کو حضور میں پیش کر دے۔ بادشاہ کے سب سے بڑے بیٹے کو قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پناہ گزینوں کو باغیوں کے ہاتھ سے بچا لینے کی مقدور بھر کوشش کی۔ بادشاہ مسز ڈیوس کا بہت خیال رکھتے تھے' اس لئے کہ کئی برس سے بادشاہ کی پنشن کی ذمہ داری انہی کے ہاتھ میں تھی جو انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ماہوار ادا کی جاتی تھی۔ مسز ڈیوس کی تنخواہ بادشاہ کے الاؤنس میں سے دی جاتی تھی اور بادشاہ اور برطانوی ایجنٹ کے درمیانی معاملات کے متعلق جس قدر نامہ و پیام ہوتا تھا' اس کے کرنے دھرنے والے یہی مسز ڈیوس تھے' مگر افسوس کہ قاصد کے پہنچنے سے پہلے ہی پناہ گزینوں نے بھوک پیاس کی شدت سے تنگ آ کر باغیوں کی باتوں کا یقین کر لیا اور باہر نکل آئے۔ پناہ سے نکلتے ہی انہیں صحن میں بٹھا دیا گیا۔ کسی سپاہی نے ایک بے کس عورت کو پہلے تو گالیاں دیں' پھر اس سے پوچھا کہ اگر تمہاری جان بچ جائے گی تو کیا دلواؤ گی۔ اس پر مسز ڈیوس کی بہن نے جواب دیا کہ ''کیا تجھ جیسے شخص کو بھی موت اور زندگی پر اختیار ہو سکتا ہے؟ صرف خدا کی ذات ہی ایسی ہے جو زندہ کرتی ہے اور مارتی ہے۔'' یہ جواب سن کر سپاہی طیش میں آ گیا اور اپنی تلوار اٹھا لی۔ خاتون نے اپنے ننھے بچے کو جو اس کی گود میں تھا' بچانے کی غرض سے آڑ میں لے لیا۔ پھر جو کچھ ظہور میں آیا' اس کے بیان کی ضرورت نہیں ہے[1] اسے سن کر آنسو بے اختیار نکل پڑتے ہیں۔ صرف چند آدمیوں کی جانیں بچ سکیں اور انہیں محل میں پہنچا دیا گیا۔[2]

۱۔ اس قتل عام کے متعلق دوسرا بیان ضمیمہ میں درج ہے۔

۲۔ معین الدین خاں کے روزنامچہ میں مذکور ہے کہ تمام آدمیوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ کے قاصد قتل عام ہونے سے پہلے پہنچ گئے تھے اور قیدیوں کو محل میں بھیج دینے کا مطالبہ بھی کیا گیا تھا مگر ان کے احکام کو نفرت و حقارت سے ٹھکرا دیا گیا۔

مرزا معین الدین حسن خاں آج کے دن کوتوال شہر مقرر کیے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ سپاہیوں کے راشن کے لئے فوری انتظامات عمل میں لائے جائیں۔ مرزا معین الدین' مرزا خضر سلطان اور مرزا عبداللہ پیدل پلٹنوں کے کرنیل مقرر ہوئے۔ اطلاع ملی کہ مسٹر جوزف اسکینر کا لڑکا ہندوستانی لباس میں دیکھا گیا ہے۔ بدمعاشوں نے اسے پکڑ لیا اور کوتوالی لے گئے جہاں وہ بالآخر قتل کر دیا گیا۔ معین الدین خاں کو اس امر کے اعلان کرنے کا حکم دیا گیا کہ جو شخص بادشاہ کی خدمت کرنا چاہے' وہ اپنے تئیں پیش کر سکتا ہے۔ نواب ولی داد خاں اور نواب حامد علی خاں کو آج باریابی عطا ہوئی اور انہوں نے نذریں گزرانیں۔ انہیں حکم ملا کہ احکام بجالانے کی غرض سے روزانہ حاضری دیا کریں۔ مجھے اطلاع ملی کہ یورپین عورتوں اور مردوں میں سے جو کشن گڑھ کی حویلی کے نیچے کے تہ خانہ میں چھپے رہ گئے تھے' انہیں باغیوں نے نہایت سفاکی سے قتل کر دیا۔ شہر کے ایک افسر نرائن داس کے مکان پر تقریباً دو سو باغیوں اور بدمعاشوں نے حملہ کیا اور تمام سامان وغیرہ لوٹ کر لے گئے۔ ایک انگریز بھی جو اس مکان میں چھپا ہوا تھا' قتل کر دیا گیا۔ آج بادشاہ کی جانب سے احکام نافذ کیے گئے کہ مہاراجہ جے پور کو فوجی امداد بھیجنے کے لئے لکھا جائے۔

۱۴ مئی۔ بادشاہ پریشان اور رنجیدہ تھے اور اس لئے کسی کو باریاب ہونے کو موقع نہیں دیا۔ امین الدین خاں اور ضیاء الدین خاں نے ضروری کام کے سلسلہ میں باریابی کی اجازت چاہی' لیکن انکار کر دیا گیا۔ دن کے آخری حصہ میں بادشاہ نے مولوی صدر الدین خاں بہادر کو بلایا اور انہیں شہر کا مجسٹریٹ مقرر کر دیا تاکہ وہ تمام مقدمات کا غیر جانب داری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں' مگر مولوی صاحب نے عدم صحت کی بنا پر معذوری چاہی۔ اس کے بعد کلکٹری کے خزانچی کی طلبی ہوئی اور اس سے پوچھا گیا کہ ۱۱ مئی کو خزانہ میں نقد روپیہ کس قدر تھا' مگر اس نے یا تو بتانا نہ چاہا یا بتا نہ سکا۔ اور بھی مسلمان معززین طلب کیے گئے۔ جے پور' جودھ پور اور بیکانیر کے راجگان کے نام احکام نافذ کیے گئے کہ یا تو خود آ دیا بادشاہ کی امداد کے لئے اپنی فوجیں بھیجو۔ مرزا امین الدین خاں کو حکم دیا گیا کہ فیروز پور جائیں اور وہاں جا کر اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالیں اور میواتیوں کی فوج بھی جمع کریں۔ مرزا نے کہا کہ مجھے شہر میں ہر جگہ آنے جانے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ اس بارے میں احکام نافذ کر دیئے گئے۔ خبر ملی کہ چندراولی کے گوجر دامر رام کی سرکردگی میں جمع ہو کر مضافات کو لوٹ رہے ہیں۔ مرزا ابوبخش کی سرداری میں ایک دستہ اس شورش کو دبانے کے لئے بھیجا گیا۔ گوجروں کے ایک موضع کو آگ لگا دی گئی۔ دو اشخاص جن میں ایک مرد اور ایک عورت تھی اور جو یورپین نژاد تھے' باہر نکال لئے گئے اور ان کے متعلق احکام نافذ کر دیئے گئے کہ انہیں بحفاظت تمام قلعہ میں رکھا جائے۔ شہر میں اس خبر سے بہت جوش پھیل گیا کہ یورپیوں کی فوج میرٹھ سے کوچ کر کے دہلی آ رہی ہے۔ جو قاصد یہ خبر لائے' ان کے متعلق گمان کیا گیا کہ وہ انگریزوں کے جاسوس ہیں اور اس لئے وہ قید میں ڈال دیئے گئے۔ شہر کے منتظم افسر نے خبر دی کہ بہت سے یورپیوں کی لاشیں ادھر ادھر پڑی ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ مسٹر سائمن فریزر (کمشنر) اور کپتان ڈگلس کی لاشوں کی تلاش کی جائے تاکہ اگر وہ مل جائیں تو انہیں عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کرا دیا جائے' مگر باقی لاشوں کو دریا برد کر دیا جائے۔ دیسی افسروں نے پھر فوجوں کے راشن کے لئے مطالبہ کیا اور کہا کہ فوجوں کو لوٹ مار سے نہیں روکا جا سکتا۔ حکیم احسن اللہ خاں اور نواب محبوب علی خاں کو اناج کا فوری بندوبست کرنے کا حکم ملا تاکہ شہر لوٹ مار سے محفوظ رہے۔ دو آدمیوں کو بدمعاش سمجھ کر جیل خانہ میں ڈال دیا گیا۔

۱۵ مئی۔ شہر کی "حفاظت" کی غرض سے ایک سو سپاہیوں کا دستہ قائم کرنے کے متعلق احکام نافذ ہوئے۔ عبدالقادر کو باریابی عطا ہوئی تا کہ جدید انتظام کے لئے انگریز کو افسروں کی فہرست پیش کریں۔ محبوب علی خاں نے عبدالقادر کو سواروں کی دو پلٹنوں کی کمان سپرد کی۔ نواب جھجر کے ایجنٹ غلام خاں اپنے اردلی اکبر علی کی معیت میں آئے اور بیان کیا کہ جھجر کی فوجوں نے بغاوت کر دی ہے اور یہ کہ جھجر کے افسر اُن کے انتظام میں مشغول ہیں' لیکن پھر بھی پچاس سوار شاہی فوج میں داخل ہونے کے لئے بھیج دیئے گئے ہیں۔ مولوی احمد علی نے رتبہ بلب گڑھ کی طرف سے یہ بیان کیا کہ مجھے شورش دبانے کے کام پر لگایا گیا ہے اور جونہی کہ یہ کام ختم ہو جائے گا' میں اپنے گھوڑے لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ ان کی فوری طلبی کے متعلق احکام جاری ہوئے۔ خبر ملی کہ مجسٹریٹ اور کلکٹر پیدل فوج اور سواروں کی ایک ایک پلٹن کے ساتھ خزانہ کی محافظت کے لئے آ گئے ہیں۔ عبدالکریم خاں کو حکم دیا گیا کہ پیدل فوج کے چار سو سپاہی اور ایک ہزار سوار علیحدہ علیحدہ پانچ روپے اور تیس روپے کی شرح کے حساب سے بھرتی کریں۔ ابو بخش کو اس کی پلٹن کی کمان سے علیحدہ کر دیا گیا اور یہ حکم نافذ ہوا کہ جب تک بادشاہ حکم نافذ نہ کریں' کسی حکم پر عمل نہ کیا جائے۔ قاضی محمد فرض اللہ نے پانچ روپے نذر کے طور پر پیش کئے اور اس کے بعد انہیں شہر کا کوتوال مقرر کر دیا گیا۔ خبر ملی کہ باغی شہر کے باشندوں سے بہ جبر روپیہ وصول کر رہے ہیں اور یہ بھی کہ دو سو باغی کچھ روپیہ لوٹنے کے بعد اپنے گھروں کو لوٹ کر جا رہے تھے کہ راستے میں گوجروں نے ان پر حملہ کر دیا اور سارا روپیہ چھین لیا۔ سپاہیوں نے حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں کے احکام ماننے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ وہ انگریزوں سے نامہ و پیام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس سے انکار کیا اور آئندہ کے لئے قسم کھائی کہ ہم انگریزوں سے نامہ و پیام نہ کریں گے۔ یہ بھی خبر ملی کہ سر جان مٹکاف اور مسٹر فورڈ جھجر میں دیکھے گئے ہیں جہاں نواب نے انہیں پناہ دینے اور مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ نواب کے نام تہدید آمیز چٹھی لکھی گئی اور یہ جتلا دیا گیا کہ اگر آپ فوراً بادشاہ سے آ کر نہ مل جائیں گے تو آپ پر حملہ کر دیا جائے گا۔ سپاہی اس خبر سے بہت ہراساں ہوئے کہ گورکھوں اور انگریزوں کی متحدہ فوج شملہ سے کوچ کرتی ہوئی آ رہی ہے۔ سکھی چند کے بیٹے گردھاری لال کے مکان کے گرد گھیرا ڈال دیا گیا۔ شہر کے مہاجنوں سے کہا گیا کہ سپاہیوں کے لئے رسد مہیا کرو۔ چند قابل عزت آدمیوں کو گرفتار کر کے ان سے بوجھ اٹھوایا گیا تا کہ وہ روپیہ ادا کریں۔ شہر کے سنجیدہ طبقہ کی تکالیف اتنی زیادہ ہو گئی تھیں کہ انہوں نے انگریزوں کی آمد اور باغیوں کی شکست کی دعائیں مانگیں۔ تمام قیمتی اشیاء زمین کے نیچے دبا دی گئی تھیں اور شہر کے شرفا نے رضا کاروں کی ایک فوج اپنی حفاظت کے لئے مرتب کی تا کہ ان کا جان و مال غارت گری سے بچا رہے۔

۱۶ مئی۔ سپاہی محل کے سامنے علی الصبح جمع ہو گئے اور بادشاہ اور ان کے افسروں کو دھمکی دی اور یہ الزام عائد کیا آپ نے یورپین مردوں اور عورتوں کو قلعہ میں پناہ دے رکھی ہے اور ان کی وساطت سے میرٹھ کے انگریزوں سے سلسلہ نامہ و پیام قائم ہے۔ حسب ذیل افسر شہر کے انتظام میں ہاتھ بٹانے کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ مفتی یوسف علی خاں' میر عادل بہادر' کپتان علی دلدار خاں' محمد حیدر حسین خاں' سید شرف علی خاں فوجدار

مجھے آج معلوم ہوا کہ تقریباً چالیس یورپین شاہی محل میں چھپے ہوئے ہیں۔ سپاہی غصہ میں بھرے ہوئے محل میں گئے اور کہا کہ ہمارے ہاتھ ایک قاصد لگ گیا ہے جس کے پاس سے چٹھی برآمد ہوئی ہے جس میں باغیوں کو برا بھلا کہا

گیا ہے۔ سپاہیوں نے حکیم احسن اللہ خاں اور نواب محبوب علی خاں کو قتل کر دینے کی دھمکی دی اور کہا کہ زینت محل بیگم کو بادشاہ کی وفاداری کی ضمانت کے طور پر لئے جاتے ہیں۔ محل میں بے انتہا غل مچ رہا تھا۔ ایک طرف سپاہی اور دوسری طرف بادشاہ کے گھر کے آدمیوں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا اور آپس میں ایک دوسرے کو سخت سست کہہ رہے تھے۔ سپاہیوں کے غصہ کو فرو کرنے کی غرض سے نواب محبوب علی خاں نے حلف لے کر کہا کہ وہ چٹھی میرے ہاتھ کی نہیں ہے اور نہ مجھے اس کا علم ہے۔ (آج محل کے پناہ گزیں یورپین نہایت بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔ تمام بھلے آدمی اس دن کا خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "خدائے تعالیٰ جو ہم سب کا محافظ اور زندہ رکھنے والا ہے دین و دنیا میں ہمیں بچائے۔") بادشاہ اور ان کے مشیر سب کے سب دم بخود کھڑے رہے۔ بادشاہ نے سپاہیوں کی دو ٹولیاں کر دیں' ہندو اور مسلمان۔ ہر ایک سے کہا کہ اپنے مذہبی آدمیوں سے پوچھو کہ بے کس مردوں' عورتوں اور بچوں کا قتل کس طرح جائز ہو سکتا ہے' لیکن "خونی جنونی کس کی سنتے ہیں؟" بہتر یہی ہے کہ اس دن کے خوفناک واقعات پر خاموشی کا پردہ ڈال دیا جائے۔ سہ پہر کو ایک سوار گرفتار کیا گیا جو عین لوٹ مار کی حالت میں پکڑا گیا۔ اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا جنہوں نے حکم دیا کہ چرایا ہوا مال اس سے واپس لے لیا جائے اور اسے تنبیہ دے کر چھوڑ دیا جائے۔ باغیوں کی روزمرہ کی کارروائیوں سے بادشاہ کا جی بہت کڑھتا تھا کیونکہ باغی نہ تو شہر چھوڑ کر جاتے تھے اور نہ اس کی حفاظت ہی کرتے تھے۔ وہ وہاں صرف لوٹ مار کی غرض سے ٹھہرے ہوئے تھے۔ آج کے دن بادشاہ نے مولوی محمد باقر اور مولوی عبدالقادر کو باریاب ہونے کی عزت بخشی کیونکہ انہوں نے اپنے فرائض منصبی کو نہایت ذہانت اور بہادری سے سرانجام دیا تھا۔ موخر الذکر نے اطلاع دی کہ میں ایسے انتظامات مکمل کر رہا ہوں جن کی وجہ سے باغی خود بخود شہر چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ بادشاہ نے مولوی محمد باقر کو خلعت عنایت کیا اور مولوی عبدالقادر کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ شاہی ہودہ میں بٹھا کر ان کے گھر روانہ کیا۔ باغیوں کی ایک جماعت نے منشی موہن کے مکان پر حملہ کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ اسے مار ڈالیں مگر حضرت میاں نظام الدین نے جو شہر کے ایک درویش صفت بزرگ کے صاحبزادے تھے' یہ کہہ کر ان کی جان بچائی کہ منشی مسلمان ہے۔ بہت سے پڑوسیوں نے بھی یہی گواہی دی کہ وہ مسلمان ہے اور عیسائی نہیں ہے۔ لاہوری دروازے کے دکانداروں نے بادشاہ کے حضور میں یہ شکایت گذرانی کہ کاشی نامی تھانہ دار ایک ہزار روپیہ رشوت لینے کی غرض سے ہمیں سخت تکلیف دے رہا ہے۔ بادشاہ نے تھانہ دار کو فی الفور جیل خانہ بھجوا دیا۔ آج کے دن بادشاہ نے سرجان منکاف کے بارے میں خاص تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ ان کی ہدایت کے موافق مقتول یورپین کی لاشوں کو بغور دیکھا گیا کہ ممکن ہے وہ بھی کہیں انہی میں ہوں۔ ان کے دوست بھی جو ان کی سلامتی کے لئے بے چین تھے ان کے متعلق کچھ معلوم نہ کر سکے۔ سول افسروں کا حال معلوم کرنے کی غرض سے میں نے دو قابل اعتماد برہموں گردھاری مصر اور ہیرا سنگھ کو متعین کیا کہ باہر جا کر ان کا حال معلوم کریں۔ میں نے انہیں خاص طور پر سرجان منکاف کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا' لیکن وہ کچھ حال معلوم نہ کر سکے۔ بعد میں بادشاہ کو اطلاع دے دی گئی کہ سرجان منکاف کا مقتول اشخاص میں کچھ پتہ نہیں چل سکا۔

۔۔۔ ۷ امئی۔ چند سوار آج کچھ ذخیرۂ اجناس لائے جسے انہوں نے شاہ درہ میں لوٹا تھا۔ بادشاہ کو خبر ملی کہ سرجان منکاف ابھی تک جھجری میں مقیم ہیں اور نواب کی زیر حفاظت ہیں۔ مسز متھار لیٹ نے جو نواب کی زیر حفاظت تھے ابھی

جان کی سلامتی کے لئے کلیرا جانے کی اجازت چاہی۔ نواب نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ آج باغیوں نے ابو بکر کو بوڑھے بادشاہ کی جگہ اپنا بادشاہ مقرر کر لیا' کیونکہ ان کا خیال تھا کہ بہادر بادشاہ بہت معمر اور کمزور ہو گئے ہیں۔ حکیم احسن اللہ خاں کو باریابی حاصل ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ باغی پُرفریب اور خونی لوگ ہیں اور ان پر کسی قسم کا اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ بادشاہ نے بہت سے سپاہیوں کو بلا کر خوب دھمکایا۔ ایک سپاہی نے آ کر بیان کیا کہ کئی لاکھ کا خزانہ پیدل فوج کی ایک پلٹن اور چند سواروں کی زیر حفاظت گڑگاؤں سے دہلی آ رہا ہے اور یہ کہ میواتیوں کی ایک جماعت نے ان پر حملہ کر دیا ہے اور میں امداد کے لئے بھاگ کر آ گیا ہوں۔ مولوی باقر نے پیدل فوج کی دو پلٹنوں اور سواروں کے ایک دستہ کو حکم دیا کہ جا کر خزانہ کی حفاظت کریں۔

۱۸ مئی۔ حسب ذیل شہزادگان باغی افواج کی کمان کے لئے مقرر ہوئے تھے (۱) مرزا مغل (۲) خضر سلطان (۳) مرزا ابوبکر (۴) مرزا عبداللہ۔ اجین کی رانی کے پاس سے پیغام ملا اور جواباً اسے لکھ دیا گیا کہ آپ کا دربار میں حاضر ہونا آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ سفرمینا کی دو پلٹنیں آج دریائے جمنا کے کنارے پہنچیں اور وہیں مقیم ہو گئیں۔ احکام نافذ کئے گئے کہ 'خوش آمدید' کہنے کی غرض سے ان کے لئے مٹھائی وغیرہ بھیجی جائے۔ علی خاں کے پاس بہت سے رنگروٹوں کی درخواستیں آئیں' لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معافی چاہی کہ مجھے اپنے فرائض کا علم نہیں ہے۔ دو سوار جنہیں چٹھیاں دے کر روانہ کیا گیا تھا' واپس لوٹ آئے کیونکہ راستہ میں گوجروں نے ان پر حملہ کر دیا تھا اور ان کے گھوڑے چھین لئے تھے اور چٹھیوں کو پھاڑ ڈالا تھا۔ ایک سانڈنی سوار کے ساتھ بھی یہی کیفیت گزری۔ اسے نہ صرف لوٹا گیا تھا بلکہ زخمی بھی کر دیا گیا تھا۔

سفرمینا کے صوبہ دار نے بادشاہ کی خدمت میں یہ شکایت پیش کی کہ میرے انگریز افسر نے میرے سپاہیوں کو میرٹھ ہی میں رہنے کا حکم دیا اور ان کے انکار کر دینے پر ان پر گولیاں چلائی گئیں جس کی وجہ سے تقریباً دو سو سپاہی مر چکے ہیں۔ انہوں نے خبر دی کہ باقی ماندہ سپاہی میرے ساتھ دہلی آ گئے ہیں۔ انہیں قلعہ سلیم گڑھ میں خیمہ زن ہونے کا حکم ملا۔ چند مہاجن محبوب علی خاں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم افواج کے اخراجات برداشت کرنے کی مقدرت نہیں رکھتے' اس لئے کہ ہم بہت غریب ہو گئے ہیں' مگر انہیں آگاہ کر دیا گیا کہ اگر آپ لوگ سپاہیوں کے اخراجات کی کفالت نہ کریں گے تو بلاشبہ وہ آپ کو لوٹ لیں گے اور بہ جبر آپ کا روپیہ چھین کر لے جائیں گے۔

۱۹ مئی۔ بادشاہ نے دربار منعقد کیا۔ مولوی علی تھانہ دار بھی حاضر تھے اور انہوں نے نذر کے طور پر چند اشرفیاں پیش کیں۔ سکوں پر یہ الفاظ کندہ تھے۔ "سکہ زد بر سیم و زر در ہند۔ شاہ و دین پناہ ظل سبحانی سراج الدین بہادر بادشاہ" دوسری جانب حسب ذیل عبارت درج تھی" سکہ صاحب قرانی زد بہ تائید الہ۔ سایہ یزداں سراج الدین بہادر شاہ۔" بادشاہ نے مرزا جواں بخت کو خلعت عنایت فرمایا اور انہیں اپنا وزیر مقرر کیا۔ بادشاہ نے باغی افواج کے ہندوستانی افسروں کو بھی باریابی دی جنہوں نے میرٹھ میں انگریزوں اور ہندوستانی سپاہیوں کی باہمی لڑائی کے واقعات بیان کئے اور کہا کہ الہ آباد کی فوج بھی انگریزوں سے بگڑ گئی ہے جس کی وجہ سے لفٹنٹ گورنر نے شہر کے دروازے بند کرا دیئے ہیں' جن میں سے کوئی شخص بھی بغیر اجازت گذر نہیں سکتا۔ گڑگاؤں کے خزانے کے متعلق خبر ملی کہ اس کا بہت سا حصہ میواتیوں سے چھین لیا گیا ہے اور

دہلی آ رہا ہے۔ بادشاہ اس خبر سے بہت محظوظ ہوئے اور حکم دیا کہ روپیہ شاہی خزانہ میں داخل کر دیا جائے۔ خبر ملی کہ مہاراجہ پٹیالہ اپنی فوج سمیت انگریزوں کے ساتھ مل گئے ہیں اور یہ کہ انبالہ سے جو باغی فوجیں آ رہی تھیں ان پر پٹیالہ کی فوجوں نے حملہ کر دیا اور ان کے ہتھیاروں کو ان سے چھین لیا۔ باغیوں نے اس کا انتقام یوں لیا کہ مہاراجہ پٹیالہ کے بھائی کنور اجیت سنگھ کے مکان پر حملہ آور ہوئے اور انہیں گرفتار کر لیا۔ چونکہ وہ چلنے سے معذور تھے اس لئے ان کے ملازمین انہیں شاہی محل تک لے گئے۔ بادشاہ ان کی آمد کی خبر سن کر ان سے ملنے کے لئے باہر آئے اور اشرفیوں کی نذر قبول کی جسے اجیت سنگھ نے پیش کیا تھا۔ بادشاہ نے نہایت تپاک آمیز اخلاق کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور سپاہیوں کو ڈانٹا اور بتایا کہ کنور صاحب کے تعلقات اپنے بھائی کے ساتھ اچھے نہیں ہیں۔ بادشاہ نے کنور صاحب کے لیے علیٰحدہ مکان کا بندوبست کر دیا۔ نواب اکبر علی خاں والی پاٹودی کے پاس سے ایک عریضہ موصول ہوا جس میں انہوں نے حاضری سے معذوری ظاہر کی تھی۔ انہیں حکم ملا کہ جس قدر جلد ممکن ہو دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ آج کے دن ایک درزی کے مکان میں دو یورپین مرد ایک بچہ اور تین خاتونیں پائی گئیں۔ انہیں باغیوں نے گرفتار کر لیا اور مکان کو تباہ کر دیا۔ آج کے دن جامع مسجد میں مسلمانوں نے جہاد کا علَم بلند کیا۔ یہ کارروائی دھرمپور کے باشندوں اور شہر کے بدمعاش آدمیوں کی تھی۔ بادشاہ بہت ناراض تھے اور انہوں نے بہت کچھ زجر و توبیخ بھی کی اس لئے کہ اس قسم کی کارروائی ہندوؤں کی علیٰحدگی کا باعث ہو جائے گی۔

۲۰ مئی۔ اطلاع ملی کہ انگریزی فوج آ رہی ہے۔ اس خبر کو سنتے ہی سواروں اور پیدل فوج کے حواس باختہ ہو گئے۔ وہ اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے اور صلاح و مشورہ کر رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ خبر سراسر صداقت سے معرا ہے۔ جو جاسوس خبریں لینے کے لئے بھیجے گئے تھے وہ عریاں لوٹ کر آ گئے کیونکہ گوجروں نے ان کو لوٹ لیا تھا اور ان کے کپڑے بھی اتروا لئے تھے۔ مولوی محمد سعید نے باریابی چاہی اور بادشاہ سے عرض کیا کہ علم جہاد اس لئے بلند کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات کو ہندوؤں کے خلاف مشتعل کیا جائے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ایسا جہاد بالکل ناممکن ہے اور نہایت بڑی حماقت ہے اس لئے کہ زیادہ تر باغی فوج کے آدمی ہندو ہی ہیں۔ مزید برآں اس کا نتیجہ باہمی خونریزی کی شکل میں نکلے گا اور بہت خراب نتائج پیدا کرے گا۔ یہ ظاہر کیا گیا کہ ہندو انگریزوں سے اتحاد کرنے کی جانب مائل ہو رہے ہیں اور انہیں مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور ابھی سے وہ علیٰحدگی اختیار کرتے جاتے ہیں۔ ہندو افسروں کا وفد آج بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے شکایت کی کہ مسلمان ہندوؤں کے خلاف اعلان جنگ کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ "جہاد تو صرف انگریزوں کے خلاف ہے۔ میں نے منع کر دیا ہے کہ ہندوؤں کے خلاف جہاد نہ کیا جائے۔" بادشاہ نے مرزا امین الدین احمد خاں اور حسین علی خاں کو چند چیزیں ہدیۃً دیں۔ آج کے دن چند آدمیوں نے پیتل کی توپ چرانے کی کوشش کی۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا اور حکم ملا کہ انہیں توپ سے اڑا دیا جائے۔ تین بجے حکیم احسن اللہ خاں نے عرض کیا کہ سپاہی شہر میں لوٹ مار کر رہے ہیں اور درخواست کی کہ انہیں شہر بدر کر دیا جائے۔ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے مرزا مغل کو حکم دیا گیا کہ وہ طاقتور دستہ کے ساتھ میرٹھ کی جانب جائیں اور انگریزی فوج پر حملہ آور ہوں۔ آج دو یورپین برآمد ہوئے جنہیں باغیوں نے قتل کر ڈالا۔ محبوب علی خاں نے اطلاع دی کہ ایک یورپین خاتون برآمد ہوئی ہے اور باغیوں کے قبضہ میں ہے جو اسے قتل کرنا چاہتے ہیں مگر اسلامی شرع کی بنیاد پر انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

بادشاہ نے اس کارروائی کو پسند کیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ فوجوں کو انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے میرٹھ بھیجنے کی کارروائی حکیم احسن اللہ خاں کی اختراع تھی جو شہر کو باغیوں اور سپاہیوں سے پاک رکھنا چاہتے تھے کیونکہ وہ بہت بے قابو ہوئے جاتے تھے۔

۲۱ مئی۔ بادشاہ کے بے حد اصرار سے جدید مقرر شدہ افسروں اور شہر کے مہاجنوں نے افواج کی ادائیگی کے لئے ایک لاکھ روپے کا چندہ اکٹھا کیا۔ پنجابیوں اور دوسرے مسلمان سوداگروں سے جنھیں سود لینے کی اجازت نہیں ہے' روپیہ جمع کرنے کے لئے نہیں کہا گیا۔ تین سوار شہر میں گئے۔ ایک سپاہی نے ان میں سے ایک سے تلوار مانگی جس کی وجہ سے آپس میں ٹوٹو میں میں ہونے لگی۔ سوار نے بڑھ کر سپاہی کو قتل کر ڈالا۔ سپاہی کے رفقا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جنھوں نے اس کی فوری گرفتاری کے احکام نافذ کر دیے۔ چنانچہ اسے توپ کے منہ سے باندھ دیا گیا تاکہ بالآخر اسے اڑا دیا جائے' مگر بعد میں اسے معافی دے دی گئی۔ خبر ملی کہ مہاراجہ پٹیالہ نے پوربیوں کی دو پلٹنوں کو اپنی طرف ملا لیا ہے جنھوں نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ اپنے تمام رشتہ داروں کے دلوں سے جنھوں نے میرٹھ میں بغاوت کی تھی' بغاوت کی آگ کو فرو کر دیں گے۔ اس کی بھی خبر ملی کہ جے پور اور پٹیالہ ہر دو باغیوں کو اپنے اپنے علاقہ میں رہنے سے روکنے کی تدابیر عمل میں لا رہے ہیں۔ بعض سواروں اور تلنگوں کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ گوجروں میں مارے گئے ہیں۔ بادشاہ نے نواب جھجر کے ایجنٹ غلام نبی خاں کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور اپنے آقا کو دہلی لے آؤ۔ آج قلعہ سپاہیوں سے بھر گیا جو اپنی تنخواہ کے لئے چلا رہے تھے۔ بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ چونکہ کل (۲۲ مئی) ماہ رمضان کا آخری دن ہے لہٰذا ہندوؤں کے خلاف جہاد کا اعلان ہو جانا چاہئے۔ بادشاہ اور شاہی کونسل نے نہایت سختی سے مخالفت کی اور کہا کہ اکثر باغی ہندو ہیں اور پورے طور سے مسلح ہیں اور یہ کہ وہ بآسانی تمام مجاہدین کو تباہ کر دیں گے۔ اطلاع ملی کہ راجہ نا ہر سنگھ والی بلب گڑھ نے پلول تک قبضہ کر لیا ہے۔ تمام یورپین وہاں سے بھاگ گئے ہیں اور سوہا کوائی (؟) بلب گڑھ آ گیا ہے۔ بادشاہ نے تمام شہر میں منادی کرا دی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑنا نہیں چاہئے۔ ہندوؤں نے جان کے خوف سے اپنے تمام مکانات بند کر لئے ہیں۔ جالندھر سے باغی فوجوں کے دستے شہر میں داخل ہوئے۔ وہ اپنی بہادری کے قصے بیان کرتے تھے اور بتاتے تھے کہ ہم نے اپنے افسروں کو کس طرح سے قتل کر ڈالا۔ بادشاہ آج شاہی جلوس کے ساتھ نماز ادا کرنے کی غرض سے جامع مسجد گئے۔ مرزا مغل بہادر اور مرزا ابوبکر بھی ان کی معیت میں تھے۔ آج کے دن سو بھا چند کا یستھ کے مکان کو لوٹ لیا گیا۔ ان کے خلاف الزام یہ تھا کہ وہ انگریزوں سے ساز باز رکھتے ہیں اور انہیں شہر کی خبریں بھیجتے رہتے ہیں۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ باغیوں نے بہت سا روپیہ جمع کر لیا ہے اور یہ کہ وہ بتیس روپے فی مہر کے حساب سے اشرفیاں خرید رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی اطلاع دی گئی کہ بہت سے باغی جو روپیہ لے کر بھاگ گئے تھے' انہیں گوجروں نے راستہ میں لوٹ لیا اور وہ صرف اپنی جانیں بچا کر شہر میں واپس آ گئے ہیں۔ شام کی پریڈ میں دو سو سپاہیوں کی کمی تھی۔ سپاہیوں میں سونے کی مانگ بہت بڑھ گئی ہے۔ شہر کے بدمعاشوں نے بہت سے سپاہیوں کو اس طرح سے دھوکہ دیا کہ وہ انہیں ایک محلہ میں لے گئے اور انہیں یہ کہہ کر مکان میں بٹھایا کہ ہم جا کر اشرفیاں لاتے ہیں۔ پھر ان سے روپیہ لے لیا اور دوسرے دروازے سے چمپت ہو گئے۔ سپاہیوں نے اس دھوکہ کا بدلہ محلہ کے بے گناہ آدمیوں سے لیا۔ آج تین

بجے کے قریب نواب صاحب جھجر کے خسر عبدالصمد خاں ایک سو سواروں کے ساتھ آ پہنچے۔ سپاہیوں کا ایک دستہ خزانہ لانے کی غرض سے رہتک بھیجا گیا۔

۲۳ مئی۔ ان مظالم کو دیکھ کر جو باغی شہر والوں پر ڈھا رہے تھے، حکیم احسن اللہ خاں نے بادشاہ سے کہہ کر ایک حکمنامہ شائع کرا دیا جس میں فوجوں کو اس بنا پر شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ سوائے لوٹ مار اور خونریزی کے اور کچھ نہیں کرتیں۔ جالندھر سے جو فوجیں آئی تھیں انہوں نے اس خزانہ کا کچھ حصہ تو آپس میں تقسیم کر لیا جسے وہ اپنے ساتھ لائے تھے اور باقی ماندہ حصہ یعنی اسی ہزار روپے شاہی خزانہ میں داخل کر دیئے۔ مرزا ابو بخش کوتوال گئے اور جو یہودی اور عیسائی قید میں تھے، ان کو مار ڈالنے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ شاہی احکام نافذ ہوئے کہ رنجیت جوہری کے مشورہ سے یہ طے پایا ہے کہ پرانے سکوں کو چلنے سے روک دیا جائے اور ان کی بجائے نئے سکے جاری کیے جائیں۔ سپاہیوں نے کنہیا لال حیدر آبادی کے مکان کو لوٹ لیا، مگر لوٹنے سے پیشتر کنہیا لال کے ملازمین اور باغیوں میں خوب جنگ ہوتی رہی۔ آخر کار مرزا خضر سلطان کو بذریعہ رشوت اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ وہاں جائیں اور اس کی جان بچائیں۔ چنانچہ وہ گئے اور اس کی جان بچائی۔ گامی خاں بدمعاش کے متعلق آج حکم نافذ ہوا کہ اسے توپ سے اڑا دیا جائے، مگر اس نے بھی رشوت دے کر اپنی جان بچائی۔ نواب میر احمد علی خاں نے بادشاہ کی ہدایات کے ماتحت حکم دیا کہ شہر کے تمام مہاجنوں اور مالدار اشخاص کو گرفتار کر لیا جائے۔ بالخصوص ان کو جو انگریزوں کے ہوا خواہ ہیں اور ان سے باغیوں کی تنخواہ کے لئے روپیہ اینٹھا جائے۔ مرزا محمد علی بیگ مہرولی کے تحصیلدار مقرر ہوئے۔ جیون لال کے مکان اور باغ کو آج باغیوں نے لوٹ لیا اور تقریباً دو ہزار کا مال لے گئے۔ ان پر شبہ یہ تھا کہ وہ انگریزوں سے ساز باز رکھتے ہیں۔

۲۴ مئی۔ بعض خوشامدی آج دربار میں حاضر تھے۔ انہوں نے اطلاع دی کہ تمام انگریز ملک سے چلے گئے ہیں اور یہ کہ سوائے چند بیمار آدمیوں کے میرٹھ میں کوئی انگریز باقی نہیں رہا۔ جنرل عبدالصمد خاں کے پھر نام احکام جاری کیے گئے کہ نواب جھجر کو حاضر کریں۔ اکثر شاہزادگان دربار میں موجود تھے اور انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں نذریں پیش کیں۔ شام کو عید رمضان کا چاند دکھائی دینے پر سلامی سر کی گئی۔ اس خبر سے کہ سر جان منکاف زندہ بچ گئے ہیں اور جھجر سے ہانسی حصار چلے گئے ہیں، بہت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔

۲۵ مئی۔ بادشاہ نے آج جامع مسجد میں عید کی نماز ادا کی۔ شاہزادگان بھی ہمراہ تھے۔ نماز کے وقت راجہ بلب گڑھ کی طرف سے ایک سانڈنی سوار آیا اور اطلاع دی کہ مہاراجہ نے انگریزی فوج دیکھی ہے جو سیدھی دہلی کی جانب پیش قدمی کر رہی ہے۔ اس خبر نے بے حد ہیجان پیدا کر دیا۔ سپاہی اور بادشاہ کے مشیر ادھر اُدھر پھر رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ کیا کارروائی اختیار کی جائے اور یہ کہ شہر کو چھوڑ دینا چاہئے یا نہیں۔ دیسی سواروں نے اپنے گھوڑوں کے زین کسنے شروع کر دیئے۔ شہر کے بدمعاش ان کا مذاق اڑاتے رہے کیونکہ جلد جلد تیاری کرنے میں ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ انگریزوں کی عدم موجودگی میں باغی شیر کی طرح تھے لیکن ان کی آمد کی خبر سنتے ہی انہوں نے اس طرح اپنے لئے جائے پناہ تلاش کرنی شروع کی جس طرح سے بلی کی موجودگی میں چوہا دوڑا کرتا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انگریزی پیش قدمی کی خبر غلط ہے اور یہ کہ سانڈنی سوار کو عید کے جلوس کو دیکھ کر انگریزی ہراول فوج کا دھوکہ ہوا تھا۔ جب ذرا جوش دھیما پڑ گیا تو

شہر کے عمائدین بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جیسا کہ عید کے موقع پر ان کا دستور تھا۔ محل میں خبر پہنچی کہ ججر اور باغیوں کے درمیان بمقام رہتک جنگ برپا ہوئی جس میں باغی فتح یاب ہوئے اور یہ کہ وہ اب خزانہ کا کچھ حصہ ساتھ لے کر جسے انہوں نے لوٹا تھا واپس آرہے ہیں۔

۲۶ مئی۔ آج یہ بات معلوم ہوئی کہ کسی نے اسلام گڑھ کی توپوں کو کنکروں اور پتھروں سے بھر دیا ہے۔ شبہ حکیم احسن اللہ خاں پر کیا گیا اور اس الزام میں کہ وہ انگریزوں سے ملی بھگت رکھتے ہیں انہیں بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ باغیوں نے حکیم صاحب اور محبوب علی خاں دونوں کو قتل کر دینے کی دھمکی دی اور تلواریں بھی میان سے نکال لیں۔ ہر دو ملزموں نے حلف اٹھائے کہ ہم بیگناہ ہیں اور کہا کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ توپوں پر سنتری ہر وقت نگراں رہتے ہیں۔ بادشاہ نے ملزموں کی حمایت کی اور سپاہیوں کے غصہ کو فرو کر دیا۔ سہ پہر کو تین بجے کے قریب ایک صوبہ دار کو شبہ کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا اور اس پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ چند گوجر اس الزام میں قید کر دیئے گئے کہ وہ بارود چرا رہے تھے۔ رہتک کے شاہی خزانہ سے تقریباً ایک لاکھ روپیہ لایا گیا۔

۲۷ مئی۔ پنجابیوں کی دو پلٹنیں بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئیں۔ انہوں نے شکایت کی کہ فیروز پور کے صاحبوں نے ہماری پلٹنوں کے چند سپاہیوں کو گولی مار دی ہے اور بادشاہ سے درخواست کی کہ حضور ہمیں اپنی حفاظت میں لے لیں تاکہ ہمارا حشر ہمارے ہمراہیوں کا سا نہ ہو۔ انہوں نے بادشاہ سے حفاظت کی ضمانت طلب کی اور کہا کہ اگر حضور ہماری حفاظت نہیں کر سکتے تو ہمیں غیر مسلح ہو جانے کی اجازت دیجئے۔ بادشاہ نے انہیں اپنی حفاظت کا یقین دلایا۔ رہتک سے آنے والی فوجوں نے یہ اطلاع دی کہ مجسٹریٹ اور کلکٹر کسی نہ کسی ترکیب سے بھاگ کر نکل گئے ہیں۔ اس خبر سے بہت دلچسپی پیدا ہو گئی۔ آج یہ بات معلوم ہوئی کہ دمدموں کی بعض توپوں میں میخیں ٹھونک دی گئی ہیں اور ہاتھوں میں پتھر، بجری اور کنکر بھر دیئے گئے ہیں۔ اس سے بہت جوش پھیل گیا کیونکہ اس سے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ شہر میں انگریزوں کے چند زبردست دوست موجود ہیں۔ دو سو کے قریب مسلح سپاہی مسجد میں گئے اور وہاں جا کر شاہی ملازمین پر یہ الزام رکھا کہ وہی توپوں کو خراب کرتے ہیں۔ بادشاہ کے دوستوں نے یہ جواب دیا کہ تمہارا الزام بالکل غلط ہے اور پھر کہا کہ تم کیسے سپاہی ہو کہ تم اپنی توپوں کی پوری طرح حفاظت نہیں کر سکتے۔ یہ شور و غوغا دو گھنٹے تک پڑا رہا۔ اس کے بعد کہیں جا کر سکون ہوا۔ میر محمد لال نے ابوبکر پر بے وفائی کا الزام عائد کیا اور کہا کہ یہی توپوں کو بگاڑتا ہے۔ سہ پہر کو تین بجے کے قریب یہ اطلاع ملی کہ ایک حوالدار پر توپوں میں کنکر اور بجری بھر دینے کا شبہ کیا جا رہا ہے۔ اسے گرفتار کر کے ایک توپ سے باندھ کر چھوڑ دیا گیا۔ گوجروں کی ایک جماعت ایک میگزین سے بارود اور سامان اسلحہ چراتی ہوئی گرفتار ہوئی۔

۲۸ مئی۔ آج دربار کے موقع پر بادشاہ سے یہ بات بیان کی گئی کہ گوجر پانی پت میں آگئے ہیں۔ فوجی پولیس کی طرف سے جسے شہر کی حفاظت کے لئے قائم کیا گیا تھا بادشاہ کی خدمت میں ایک بیان پیش کیا گیا کہ رہتک کے خزانہ سے جو پونے دو لاکھ روپیہ آیا تھا اس کی جانچ کی گئی۔ تو بہت سی تھیلیوں میں سے صرف پیسے ہی برآمد ہوئے۔ باغیوں نے حکیم احسن اللہ خاں پر پھر انگریزوں سے سازش کرنے کا الزام لگایا اور ان پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ ان سے کہہ دیا گیا کہ آپ بادشاہ سے گارڈ کی موجودگی کے بغیر بات چیت نہیں کر سکیں گے۔ نواب محبوب علی خاں کے مکان پر بھی پہرہ بٹھا دیا گیا۔ تمام رات

شور ہوتا رہا اور پریشانی کی سی حالت طاری رہی۔ حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں رات بھر بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہے۔ باغیوں کو تنخواہ کی ادائیگی کے بارے میں احکام جاری ہوئے۔ یہ کارروائی محبوب علی خاں کے اشارے سے عمل میں آئی تھی۔ جو پیشگی رقوم سپاہیوں کو دی جا چکی تھیں، وہ وضع کر لی گئیں۔ سوار کے لئے نو روپے اور پیدل سپاہی کے لئے سات روپے مقرر ہوئے۔ اس پر بے حد شور و غوغا بلند ہوا۔ سوار تیس روپے کے حساب سے تنخواہ طلب کرتے تھے اور پیشگی رقوم وضع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ دہلی کی پلٹن کے صوبہ داروں نے اپنی فوج کے لئے سات روپیہ ماہوار منظور کر لئے۔ اس پر دہلی کی باغی فوج اور میرٹھ کے سواروں میں تکرار ہوئی اور آپس میں خوب گالی گلوچ ہوئی۔ میرٹھ کے سواروں نے دہلی کی فوج پر یہ الزام عائد کیا کہ تم نے لوٹ مار کر کے کافی روپیہ پیدا کر لیا ہے، حالانکہ ہم نے اپنے شریفانہ طرز عمل سے لوٹ مار سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ انہوں نے نو روپے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پیدل فوج کے سپاہیوں نے جواب دیا کہ تم باغی ہو اور بہت خراب آدمی ہو۔ تم نے نہ صرف سب سے پہلے بغاوت کی اور ان افسروں کو جن کا نمک تم نے کھایا تھا، مار ڈالا بلکہ دوسروں کو بھی بغاوت پر آمادہ کیا اور اب تم ہم سے جھگڑا کرنا چاہتے ہو۔ دہلی کے سپاہیوں نے کہا کہ ہم اپنے کئے پر پشیمان ہیں اور ہم سے یہ غلطی سرزد ہوئی کہ جب تم دہلی آئے تو ہم نے تمہیں توپ سے نہیں اڑا دیا۔ جذبات اس قدر مشتعل ہو گئے تھے کہ ایک دفعہ تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس اب دونوں میں ٹھن جائے گی، مگر بادشاہ کے ملازمین نے بیچ بچاؤ کرا دیا اور بہت دقت سے فریقین کے غصہ کو رفع کیا۔ محبوب علی خاں نے سواروں سے وعدہ کیا کہ تمہیں بیس روپیہ ماہوار دیئے جائیں گے۔

لاہور اور فیروز پور سے دو سو کے قریب باغی دہلی پہنچے۔ ان میں سے کچھ زخمی تھے، مگر سب کے سب غیر مسلح۔ انہوں نے شکایت کی کہ جب ہم زمین پر غیر مسلح اور وردی پہنے بغیر بیٹھے ہوئے تھے تو مہاراجہ پٹیالہ کے سپاہیوں نے ہم پر حملہ کر دیا اور بھاگ گئے۔ انہوں نے بیان کیا کہ اور لوگ ہم سے زیادہ خراب حالت میں ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ دہلی آ رہے ہیں۔ گوالیار سے دو سو سپاہیوں کی ایک پلٹن آئی اور کہا کہ ہمیں بھی فوج میں شامل کر لیجئے۔ یہ سپاہی شیخی بگھار رہے تھے کہ ہم نے اپنے افسروں کو قتل کر ڈالا ہے۔ چونکہ یہ وردی پہنے ہوئے تھے اور ہر طرح سے مسلح تھے، اس لئے شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ وہ انگریزی فوج کی ہراول ہے جسے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ باغیوں سے مل جائیں اور انگریزوں کے آنے پر وہ شہر کے اندر باغیوں پر حملہ کر دیں۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ مغل پورہ میں بہت سے یورپین چھپے ہوئے ہیں۔ سپاہیوں کے ایک دستہ کو متعین کیا گیا کہ وہ انہیں ڈھونڈھ کر نکالیں اور قتل کر دیں۔ بادشاہ نے اپنے چند آدمیوں کو بھیجا کہ اگر یورپین مل جائیں تو انہیں محل میں لے آنا۔ چنانچہ ضروری احکام نافذ ہو گئے۔ سپاہیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر خوب لوٹ مار کی۔ تین بجے کے قریب بادشاہ کی خدمت میں باغیوں کی فوجی حالت کے متعلق ایک بیان پیش کیا گیا۔ یہ بیان روزانہ پیش ہوتا تھا اور وہ یہ تھا:

میرٹھ کے سوار۔
میرٹھ کی پیدل فوج۔
۲۰۰ پیدل والنٹیر۔
۲۰۰ فیروز پور کے پیدل سپاہی۔

۱۲۰۰ انبالہ کی پوربیہ پلٹن کے سپاہی۔
۲۳۰ جنگی کے پیادے۔
۲۰۰ گوالیار کی پیدل پلٹن کے سپاہی۔
۱۰۰ میرٹھ کی پلٹنوں کے باغی سپاہی۔
۲۰۰ دہلی کی پلٹنوں کے باغی سپاہی۔

بادشاہ کی خدمت میں شکایات پیش کی گئیں کہ کوئی نہ کوئی شخص شہر میں ایسا ہے جو انگریزوں سے خط و کتابت رکھتا ہے۔ بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ اس شخص کا کھوج لگانا چاہیے۔ یہ بھی بیان کیا گیا کہ میرٹھ کے یورپین چاروں طرف سے گھر گئے ہیں اور نقل و حرکت کرنے سے بالکل عاجز ہیں اور جو باغی ان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں ان کو پھانسی دے دیتے ہیں۔ کنور وزیر علی خاں کے متعلق اطلاع دی گئی کہ وہ مورچوں کو روزانہ دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ یہ خبر ملی کہ گوالیار اور اکبر آباد سے فوجی دستے شہر میں آنے والے ہیں اور یہ خبر بھی ملی کہ کچھ یورپین سپاہی کرنال پہنچ گئے ہیں۔ باغی سپاہیوں کے کمان افسر نے بیان کیا کہ میں نے کل انگریزی فوجوں پر حملہ کرنے کے انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔

۲۹ مئی۔ حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں پھر باغی فوجوں کے افسروں نے آج حملہ کر دیا کیونکہ محل کے اناج خانہ میں گولے بارود کی کچھ مقدار پائی گئی تھی جس کی نسبت یہ گمان کیا گیا تھا کہ وہ انگریزوں کو بھیجی جانے والی ہے۔ باغی بہت دیر تک غل مچاتے رہے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ بادشاہ کی بیگم زینت محل اور محمد حیدر علی خاں دونوں نے مل کر یہ کارروائی کی ہے۔ بعد میں ان کے غصہ کو فرو کر دیا گیا۔ آج ایک یورپین کو قلعہ میں لایا گیا جو قدسیہ باغ سے برآمد ہوا تھا۔ سب سے پہلے اس کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا کہ وہ سر جان لارنس ہے کیونکہ اس کی پیٹھ پر زخم کا نشان ہے لیکن جب اس کے کپڑے اتارے گئے تو زخم کا کوئی نشان موجود نہ تھا۔ خونیوں نے اس بدبخت کی زندگی کے کپڑے بھی اتار لئے۔ یہ شخص ہندو نجم کے بھیس میں تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک جنتری تھی اور گمان یہ تھا کہ وہ جاسوس ہے۔ تحقیقات کی گئی کہ کل کس آدمی کے حکم سے اناج کی گاڑیاں جن میں گولہ بارود رکھا ہوا تھا، بھیجی گئی تھیں۔ شبہ مرزا ابوبکر پر تھا۔ بہادر گڑھ کے رئیس بہادر جنگ خاں نے چار اشرفیاں نذر میں پیش کیں۔ پیدل فوج کی دو پلٹنوں نے اور دو سو سواروں نے میرٹھ جاتے ہوئے سلیم پور میں قیام کیا۔

۳۰ مئی۔ جو فوجیں سلیم پور تک گئی تھیں وہاں انہوں نے فساد مچا دیا اور یہ بہانہ کر کے لوٹ آئیں کہ ہماری رسد کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ یہ خبر ملی کہ یورپیوں کا چھوٹا سا دستہ نہر ہنڈن کے کنارے خیمہ زن ہے اور پل کی حفاظت کا قصد رکھتا ہے۔ ایک سوار جاسوس جسے یورپیوں نے زخمی کر دیا تھا یہ خبر لایا لیکن وہ زخموں سے جانبر نہیں ہو سکا۔ انگریزوں سے لڑنے کے لئے فوجیں باہر بھیجی گئیں۔ تین بجے کے قریب دربار کے موقع پر مہاراجہ پٹیالہ کے وکیل میر حسن علی پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ انگریزوں سے خط و کتابت کرتے ہیں۔ مہاراجہ پٹیالہ نے جو تکالیف باغیوں کو دی تھیں ان کا بدلہ ان کے وکیل سے لیا گیا۔ شام کے وقت یہ خبر ملی کہ نہر ہنڈن پر انگریزوں سے جھڑپ ہوئی ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ باغیوں سے توپخانہ چھین لیا گیا ہے اور توپچی بھاگ گئے ہیں۔ انگریزوں کا نشانہ ایسا اچھا تھا کہ بہت سے باغی واصل جہنم ہو

گئے اور بہت سے پرندوں کی طرح اڑ کر شہر میں آ گئے۔ رات کے وقت بہت سے زخمی سپاہیوں کو ڈولیوں میں بٹھا کر لایا گیا۔ دہلی کے ہندوؤں نے جنہیں باغیوں سے بے حد تکالیف پہنچی تھیں' اس خبر پر اظہار خوشی کیا کیونکہ اب یہ شریر سپاہی ادھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے اور ان کی بہادری اور مردانگی سب رخصت ہو چکی تھی۔ انگریز اب ان کی بجائے آ رہے تھے۔ بادشاہ نے باغیوں کی مدد کے لئے محفوظ فوج بھیجی۔ مرزا ابوبکر نے جو اس کے کمان افسر تھے' آ کر خوب شیخی بگھاری کہ میں نے میدان جنگ میں یہ بہادری دکھائی۔ سننے والوں کو یقین تھا کہ یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں۔ بادشاہ بہت مضطرب تھے۔ تمام رات بیٹھے بیٹھے کاٹ دی اور ان کے مشیر اور درباری خوشامدی بھی حالات کی تبدیلی پر بحث کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے مشورے کر رہے تھے۔

۳۱ مئی۔ نہر ہنڈن سے سواروں کے چند دستے آئے اور بڑا چھوٹا جو آدمی انہیں ملا اسے سلسلہ رسل و رسائل کے لئے پکڑ لیا۔ شہر میں اس کی وجہ سے ایک طوفان بے تمیزی برپا تھا۔ لوگوں نے اس ظلم کا بزور اسلحہ مقابلہ کیا۔ دو تین یورپین عیسائی یا یہودی آج برآمد ہوئے۔ انہیں کوتوالی لے گئے اور حسب معمول قتل کر ڈالا۔ پیدل فوج کے صوبہ دار بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل کے معرکہ میں بہت سے مسلمان مقتول ہوئے ہیں اور یہ کہ وہ سب کے سب شہید ہیں کیونکہ وہ جہاد میں کام آئے ہیں۔ سپاہیوں کے طرز عمل کے متعلق تحقیقات کی گئی۔ یہ تسلیم کیا گیا کہ جونہی باغیوں پر انگریزوں کی طرف سے باڑ ماری گئی' ان کی ہمت جاتی رہی اور وہ بھاگ کر شہر کی طرف لوٹنے لگے۔ حاضرین میں سے کسی نے بیان کیا کہ تین سو انگریز اور ایک دیسی پلٹن انبالہ سے زیلا پہنچ گئی ہے۔ اطلاع ملی کہ دو ہزار کے قریب سپاہی موال (؟) میں ہیں اور باغیوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ کسی نے یہ بات بھی بیان کی کہ اس فوج کے پاس تیرہ یورپین توپچی بھی قیدی کی حیثیت سے ساتھ تھے' کیونکہ سپاہیوں نے ان کی توپوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ چند زخمی سپاہی نہر ہنڈن سے واپس آئے ہیں اور اپنے مال غنیمت کی شیخی بگھار رہے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انگریز نہر ہنڈن کی ایک جانب خیمہ زن تھے اور چونکہ سپاہی ان کا مقابلہ کرنے سے معذور ہے' لہٰذا وہ واپس چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار سپاہی اپنی وردیاں پھینک کر فقیروں کے بھیس میں اپنے اپنے گھر چل دیئے ہیں۔ دمدموں میں بہت کم توپچی موجود تھے۔ سپاہی کوکا گذی (؟) گاؤں میں سے گذرے اور بعد ازاں اسے آگ لگا دی۔ یورپین فوج آج پورے اطمینان کے ساتھ خیمہ زن ہو گئی۔ سپاہیوں کے پاس پانی ختم ہو گیا ہے۔ بادشاہ کسرت سے پانی طلب کر رہے ہیں۔ سپاہی بھوکے پیاسے اور پریشان حالت میں شہر کو لوٹنے۔ خبر ملی ہے کہ ہانسی اور کرنال کی فوجیں انگریزی کیمپ کی جانب پیش قدمی کر رہی ہیں۔

یکم جون۔ احکام نافذ کئے گئے کہ جھونک پور کے مکانات کو گوجروں اور میواتیوں سے خالی کر لیا جائے اور وہاں مہاراجہ جے پور کے وکیل لچھمن سنگھ کو ٹھہرایا جائے۔ افواج کے استعمال کے لئے شکر کی کچھ مقدار بھی بھیجی گئی۔ وہاں ایک جھگڑا برپا ہو گیا' اس لئے کہ چند مسلمانوں نے رکابیوں کو ہاتھ لگا دیا تھا۔ ہندوؤں نے اس کا بدلہ یوں لیا کہ انہوں نے مٹھائی والوں کی دکانوں کو لوٹ لیا۔ آج کے دن مہاراجہ پٹیالہ کے وکیل میر چوکلی کی بری گت بنائی گئی اور انہیں بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان پر یہ الزام تھا کہ وہ انگریزوں کے نامہ نگار ہیں۔ بادشاہ نے سپاہیوں سے کہہ دیا کہ ان کے ساتھ جو

سلوک چاہیں کریں۔ راجہ بلب گڑھ کی ایک چٹھی موصول ہوئی جس میں لکھا تھا کہ میں نے گیارہ سپاہیوں کو گرفتار کر رکھا ہے جو فوج سے بھاگ کر اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے اور یہ کہ ان کے پاس سے دو ہزار کی مالیت کی اشرفیاں برآمد ہوئی ہیں۔ قید کے احکام کی تصدیق کر دی گئی۔ چند سپاہیوں کے پاس سے یہ درخواست موصول ہوئی کہ ہم میں سے پانچ آدمیوں کو کشن داس کے تالاب کے قریب گوجروں نے لوٹ لیا اور ایک آدمی کو مار ڈالا۔ انہوں نے لکھا کہ ہم انصاف چاہتے ہیں۔ بریلی سے محل میں یہ خبر پہنچی کہ میرٹھ میں انگریز قتل کر دیئے گئے ہیں۔ شکایات کی گئیں کہ دکانوں کے بند ہونے کی وجہ سے اجناس وغیرہ کے ملنے میں بے حد دقت ہو رہی ہے۔ بادشاہ کے احکام کے ماتحت سپاہی بازاروں میں متعین کر دیئے گئے تا کہ دکانوں کو کھلا رکھیں۔ پٹیالہ سے خبر ملی کہ دو دیسی پلٹنیں جو انگریزوں کی مدد کے لئے روانہ کی گئی تھیں باغیوں سے مل گئی ہیں اور انگریزوں سے نبرد آزما بھی ہو چکی ہیں۔ یہ اطلاع ملی کہ پٹیالہ کی تمام افواج انگریزوں کی مخالف ہیں اور یہ کہ سپاہیوں نے مہاراجہ سے انگریزوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کی وجہ سے کھلم کھلا اظہار ناراضگی کیا' کیونکہ دیسی فوجیں اپنے مذہب کی حمایت کے لئے برسر پیکار ہو رہی ہیں۔ انہوں نے ان سے کہا کہ پنجاب کی لڑائی میں جو طرز عمل آپ نے اختیار کیا تھا اس سے آپ کو کچھ فائدہ نہیں ہوا بلکہ انگریزوں کو بھی آپ کی روش پر اعتراض تھا۔

بادشاہ نے آج ایک اعلان کے ذریعہ یہ بات مشتہر کرائی کہ آئندہ سے براہ راست بادشاہ کی خدمت میں عرائض پیش نہیں کی جائیں گی بلکہ انہیں پہلے محبوب علی خاں اور نواب حکیم احسن اللہ خاں کے پاس بھیجا جائے گا۔ گردوار سنگھ اور گردھاری لال مہاجن کے نام احکام نافذ ہوئے کہ شاہی خزانہ میں تین لاکھ روپے داخل کرو ورنہ تمہیں سزا دی جائے گی اور تمہارے مال پر قبضہ کر لیا جائے گا۔ دونوں مہاجنوں نے مال کی جبلی روکنے کے لئے دو لاکھ اور چند ہزار روپے دے دیئے۔ آج اطلاع ملی کہ نمک اور شکر سے بھری ہوئی پچاس کشتیاں جو آگرہ سے آ رہی تھیں دریا میں ڈوب گئیں۔ انبالہ اور کسولی کی چار باتریاں کرنال میں انگریزوں سے جا کر مل گئیں۔ یہ خبر ملی کہ انگریزوں نے پٹیالہ سے کہا کہ اپنی فوجیں بھیجو اور یہ کہ مہاراجہ اس شرط پر راضی ہو گئے ہیں کہ میرے سالانہ خراج میں سے فی روپیہ چار آنے کی کمی کر دی جائے۔ یہ خبر آئی کہ پٹیالہ کی فوجیں دو انگریزی پلٹنوں کے ساتھ رہتک پہنچ گئی ہیں۔ دکانداروں کو حکم دیا گیا کہ ہر شخص آٹا اور دال کی مقررہ مقدار (بیس بیس) سیر اور نمک اپنی دکان میں بطور رسد تیار رکھے۔ دوسرا حکم یہ نافذ ہوا کہ یہ سب چیزیں کوتوالی میں بھیج دی جائیں۔ بادشاہ نے مرزا مغل بیگ' مرزا ابوبکر اور مرزا عبداللہ کو بلوا بھیجا اور سپاہیوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے پر انہیں ڈانٹا اور آگاہ کیا کہ جب انگریز شہر میں داخل ہو جائیں گے تو ایک نہ ایک دن تم کو پھانسی پر چڑھا دیں گے۔ رہی میری قسمت تو وہ اس شعر کے مطابق ہے:

کفن پہن کر زندگی کے ایام
کسی باغ میں گزار دوں گا[1]

باغیوں کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ راجہ نابھ اور دوسرے رئیسوں کی فوجیں میرٹھ میں انگریزوں کی امداد پر آ گئی ہیں۔ یہ شعدی کا خیال تھا اس لئے بھاری توپیں میگزین سے نکال کر فصیلوں پر لگا دی گئیں اور ان کی آزمائش

۱۔　یہ شعر جوں کا توں درج کر دیا گیا ہے اور اسے موزوں لکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ (مترجم)

کی گئی۔ گولہ باری کی آواز سنتے ہی تمام دکانیں بند ہو گئیں۔ متھرا کے مشہور و معروف مہاجن سیٹھ لکشمی چند کے گماشتہ نے محل میں یہ خبر دی کہ شہر کے سابق کوتوال شرف الحق آگرہ پہنچ گئے ہیں جہاں انہوں نے لفٹنٹ گورنر سے ملاقات کی اور یورپیوں اور دیگر اشخاص کے قتل کے متعلق انہیں ایک بیان بھی دیا۔ لفٹنٹ گورنر نے انہیں یقین دلایا کہ انگریز عنقریب ان بدکرداروں کو قرار واقعی سزا دیں گے۔ گماشتہ نے مزید اطلاع یہ دی کہ گورنمنٹ نے جنگ کے اخراجات کے لئے سیٹھ لکشمی چند سے پچیس لاکھ روپیہ قرض مانگے ہیں۔

۳ جون۔ آج بادشاہ کے دربار میں شہر کے تمام عمائدین شریک تھے۔ خبر ملی کہ انگریزی پیدل فوج کی نو پلٹنیں اور سواروں کی تین پلٹنیں میدانی باتریوں اور محاصرہ کے ساز و سامان سمیت علی پور آ گئی ہیں۔ باغیوں کے افسروں نے کہا کہ ہم شہر کی مدافعت کر سکیں گے۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ کون کون سے موقع پر ان کا مقابلہ کیا جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ پہاڑی دھیرج، کنگھرو، پرتو سائیں دار خاں اور سلیم پور پر۔ انہوں نے کہا کہ ہر موقع پر جس قدر فوج کی ضرورت ہوگی، اس کی تصریح کر دی جائے گی اور امید ظاہر کی کہ شہر پر عنقریب حملہ کیا جائے گا۔ لاہور کی دو پلٹنوں کی روش پر بحث و مباحثہ کیا گیا۔ انہوں نے خفیہ طریقہ سے باغیوں سے مل جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، مگر سر جان لارنس نے ان سے ہتھیار رکھوا لئے۔ خبر ملی کہ پنجاب کے چیف کمشنر مہاراجہ پٹیالہ سے ملنے کے لئے پٹیالہ گئے تھے اور واپس لاہور آ گئے ہیں۔ بادشاہ نے احکام جاری کئے کہ مرزا امین الدین خاں کی اجازت کے بغیر کوئی شخص میگزین سے اسلحہ وغیرہ نہیں لے سکے گا۔ چند مغل حاضر ہوئے اور کہا کہ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کا جوش پیدا کرنے کے لئے علم جہاد بلند کرنے کی اجازت دی جائے۔ آج شام کو تمام بنگلوں کو آگ لگا کر تباہ و برباد کر دیا گیا۔ پونہ اور سالگاؤں کے زمیندار غازی الدین نے اعلان جاری کیا کہ انگریزوں کے لئے کوئی شے مہیا نہیں کرنی چاہئے۔ انگریزی فوج کا جو شخص آئے گا، اسے گرفتار کرنے کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔ دوسرے زمینداروں نے بھی یہی کارروائی کی اور انگریزوں سے اظہار نفرت کیا اور بادشاہ سے ہمدردی۔ فیروز پور سے خبر آئی کہ انگریزوں نے شہر سے تین دیسی پلٹنوں کو نکال دیا ہے۔

۴ جون۔ بادشاہ کے احکام کے مطابق مہاجنوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں ایک لاکھ روپیہ کا چندہ جمع ہوا اور دوسرے ایک لاکھ کے وعدے ہوئے جس کی نسبت یہ کہا گیا کہ چار دن کے اندر یہ رقم بھی جمع کر دی جائے گی۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ نہر کے پل کو توڑ دیا گیا ہے اور وہاں ایک باتری نصب کر دی گئی ہے۔ امین الدین خاں چہل قدمی کر کے لوٹ آئے۔ حصار سے ایک کہار آیا اور اطلاع دی کہ وہاں کی پانچ پلٹنوں نے بغاوت کر دی ہے اور تین سو میواتی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کلکٹر کو بھی قتل کر دیا ہے اور خزانہ لے کر دہلی روانہ ہو گئے ہیں۔ بعد میں اس خبر کی تصدیق دو سواروں نے بھی کی اور یہ بھی کہا کہ باغی خزانہ لئے ہوئے باؤلی کی سرائے تک آ پہنچے ہیں۔ بادشاہ نے سواروں کا ایک دستہ خزانہ کی حفاظت کے لئے روانہ کیا جو شام کو آ گیا۔ باغیوں کو جیل خانہ کے قریب ٹھہرایا گیا۔ متھرا سے ایک چوبدار آیا اور اطلاع دی کہ وہاں بھی ایک پلٹن باغی ہو گئی ہے اور بہت ابتر حالت میں ہے اور باغیوں سے ملنے کے لئے دہلی آ رہی ہے۔ باغیوں کی تنخواہ کے طور پر آج چھ ہزار روپے خزانہ سے ادا کئے گئے۔ راولجی کے ایجنٹ نے بادشاہ کی خدمت میں بے پور کے میووں کا ٹوکرا پیش کیا جسے شرف قبولیت بخشا گیا۔ ایک سوار نے یہ خبر دی کہ جو پلٹن گوڑگاؤں سے خزانہ لا رہی

تھی اس پر میواتیوں نے حملہ کر دیا۔ مولوی محمد باقر کے نام فوراً احکام جاری کیے گئے کہ پیدل فوج کی دو پلٹنوں اور سواروں کے ایک دستہ کو ساتھ لے جا کر خزانہ کی حفاظت کرو۔

۵ جون۔ حصار کے باغیوں کے استعمال کے لئے کھانے پینے کا کچھ سامان جیل خانہ بھیجا گیا۔ لچھمن لال کے مکان پر گارد بٹھائی گئی۔ نواب جھجر کے نام چٹھی لکھی گئی جس کا مضمون یہ تھا کہ جس قدر فوج جمع کر سکتے ہو اُسے لے کر آ جاؤ اور بادشاہ کو جو فقیر کے بھیس میں ہوں گے قطب صاحب اپنے ساتھ لے جاؤ۔ دیپا پور کے ایک برہمن نے خبر دی کہ جب سپاہی اپنی توپیں چھوڑ کر چلے گئے تو گوجر توپخانہ کی گاڑیوں کو لے کر چلے گئے اور یہ کہ بعد میں انگریزوں نے ان گاڑیوں پر قبضہ کر لیا اور ان پر توپیں چڑھانے کے لئے انہیں میرٹھ لے گئے ہیں۔ انگریزی فوج کا ایک حوالدار فرار ہو کر علی پور میں فروکش ہوا۔ اس کے گلے میں سونے کی مالا تھی۔ اس نے باغیوں کے سامنے لیکچر دیا اور انہیں انگریزوں کا حکم ماننے کی نصیحت کی۔ اس کے ساتھ سخت بدسلوکی کی گئی اُس کے زیور اتار لئے گئے اور لاہوری دروازہ کے قریب لے جا کر اسے قتل کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ علی پور کا تھانیدار انگریزوں کو رسد بھیجتا ہے۔ کوڑیا محلہ میں اس کے دو بھائیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ انہوں نے اپنی بے گناہی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم تو مدت سے اپنے بھائی سے الگ ہو گئے ہیں اور اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ پڑوسیوں کی گواہی پر ان دونوں کو رہا کر دیا گیا۔

۶ جون۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ نوکروں کی تنخواہیں ادا کر دی گئی ہیں۔ بادشاہ اس خبر سے بہت مسرور ہوئے۔ ایک گاڑی بان نے بیان کیا کہ مہاراجہ پٹیالہ اور مہاراجہ جیند کی فوجیں اور انگریز لوگ انبالہ اور دہلی کے درمیان دیکھے گئے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ان کے ساتھ بھاری توپیں بھی ہیں جنہیں ہاتھی کھینچ کر لا رہے ہیں۔ باغیوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ شہر میں یہ خبر گشت لگا رہی ہے کہ انگریز آج رات کو شہر میں داخل ہو جائیں گے اور اس لئے ضروری ہے کہ سپاہیوں کو فصیلوں پر متعین کر دیا جائے۔ بادشاہ نے ضروری احکام نافذ کر دیئے۔ حکیم احسن اللہ خاں کو راشن تقسیم کرنے کا حکم ملا۔ ایک بنیے سے سو من آٹا اور دال حاصل کی گئی۔ گھسیا رام اور تارا چند کے نام لاہور سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ یہاں ہر طرح سے امن وامان ہے۔ دلی دروازہ کے تمام دکانداروں کو اپنی دکانوں کے باہر نکال دیا گیا اور باغیوں نے انہیں اپنی بارکوں کے طور پر استعمال کیا۔ خبر ملی کہ ہانسی سے خزانہ آ رہا ہے اور یہ کہ تین پلٹنیں جن کے ساتھ چند ہزار بے قاعدہ فوج بھی شامل ہے اور کچھ میواتی بھی ہیں انگریزوں کی پیشقدمی کو روکنے کے لئے جا رہی ہیں۔ افواہ گشت کر رہی ہے کہ انگریزوں نے پانی پت اور کرنال کے مہاجنوں سے تین لاکھ روپے حاصل کیے ہیں۔ پٹیالہ انبالہ اور کیتھل میں یہ بات مشہور ہو رہی ہے کہ باغی فوجیں عنقریب ان تینوں مقامات پر حملہ آور ہونے والی ہیں۔ باغیوں نے شہر اور پل تک پہنچنے کے تمام ذرائع کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔

۷ جون۔ تقریباً چار سو مغل بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم نے عَلَم جہاد بلند کر دیا ہے اور اب ہم انگریزوں سے لڑنے کے لئے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ توپخانہ کی طرف چلے گئے۔ پیدل فوج کی دو پلٹنوں اور سواروں کی ایک رجمنٹ کے افسر جو لکھنؤ میں متعین تھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہار وفاداری کیا۔ معلوم یہ ہوا کہ جب انہوں نے بادشاہ کی فتوحات کی خبر سنی تو اسی وقت انہوں نے بارود میگزین اور خزانہ کو تباہ و برباد کر کے سیدھا

دہلی کا رخ کیا۔ علی پور سے ستر سوار آئے اور اطلاع دی کہ ہم نے انگریزوں کو شکست فاش دی ہے اور ان کا چھ میل تک تعاقب کیا ہے۔ پولیس کے ذریعہ احکام نافذ کیے گئے کہ ہر مٹھائی والا بارہ روپے کی مٹھائی تیار کرے تاکہ اسے فاتح فوج کے پاس بہادری کے انعام کے طور پر بھیج دیا جائے۔ خبر موصول ہوئی کہ انگریزوں نے آگرہ کی دیسی پلٹن کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی تھی جس کے باعث سپاہیوں نے بغاوت کر دی اور تمام یورپیوں کو قتل کر ڈالا اور یہ کہ اب وہ فوج دہلی آ رہی ہے۔ اس کی بھی خبر ملی کہ انگریزوں نے چند دیہات کو جلا ڈالا ہے اور ایک انگریزی خاتون کے ساتھ ذلیل برتاؤ کرنے کی پاداش میں چار معزز زمینداروں کو پھانسی پر چڑھا دیا ہے۔ خبر ملی کہ رسد کی سولہ گاڑیاں جو انگریزی افواج کے لئے تھیں، راستہ میں گوجروں کے ہاتھوں لٹ گئیں۔ یہ گاڑیاں بادشاہ کی خدمت میں پیش کی گئیں۔

۸ جون۔ قاضی فیض اللہ خاں کو حکم ملا کہ فوجوں کو سامان رسد بھیجنے کی غرض سے تمام بیل گاڑیوں کو جمع کر لیں۔ ایک سوار نے آکر اطلاع دی کہ انگریزوں سے ایک معرکہ ہوا تھا جس میں پچاس سپاہی کھیت رہے۔ انگریزی علاقہ سے چالیس اونٹ چرائے گئے اور انہیں شہر میں لایا گیا۔ جھجر سے اطلاع ملی کہ وہاں کی ایک رجمنٹ بگڑ گئی ہے اور اس نے ساول سنگھ کو مار ڈالا ہے اور نواب کو بھی مار ڈالنے کا ارادہ کیا تھا، مگر وہ کہیں چھپ گئے ہیں۔ بلب گڑھ سے مسز مٹن کے قتل کی خبر موصول ہوئی۔ کوتوال شہر کے پاس سے یہ خبر ملی کہ فوجیں شہر سے روانہ ہو گئی ہیں۔ لاہور سے ایک خط موصول ہوا جس میں درج تھا کہ باغیوں اور انگریزوں میں جنگ ہوئی اور یہ کہ مہاراجہ گلاب سنگھ والی کشمیر اپنے دو بیٹوں سمیت لاہور سے آ گئے ہیں اور انگریزوں سے مل گئے ہیں۔ پشاور کے ایک اخبار سے معلوم ہوا کہ سردار دوست محمد خاں کابل پہنچ گئے ہیں اور قلعوں کو مستحکم حالت میں کر دیا ہے تاکہ اگر ایرانی حملہ آور ہوں تو ان کا مقابلہ کیا جا سکے۔ خبر موصول ہوئی کہ انبالہ اور کرنال کے درمیانی علاقہ کا انتظام مہاراجہ پٹیالہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ پچاس سپاہی پیال مل سواری کے مکان پر گئے اور ان پر انگریزوں کو رسد پہنچانے کا الزام عائد کیا اور دھمکی دی کہ ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔ انہوں نے پیال مل کے لڑکے کو گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔

۹ جون۔ باؤلی کی سرائے سے ایک سوار آیا اور اس نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ ہماری فوج آج دوپہر کو انگریزی فوج پر حملہ آور ہو گی۔ ساتھ ہی بادشاہ کو اطلاع دی کہ انگریزوں کے جاسوس چوتھی کیولری کے بھیس میں جو بادشاہ کی محافظ تھی، باغیوں کے کیمپ پر بالآخر قبضہ کر لیا۔ باغی آج کے دن جانب شہر پسپا ہو گئے اور بیرونی علاقہ انگریزوں کے قبضہ میں چھوڑ دیا۔ چار سو کے قریب باغی آج کے معرکہ میں کام آئے۔ انگریز سواری منڈی کے قریب مبارک باغ تک بڑھ آئے ہیں۔ ۴ بجے سہ پہر تک شدید گولہ باری ہوتی رہی۔ دن بھر میں سترہ توپیں انگریزوں کے قبضہ میں آ گئیں۔ پیال مل آج بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پیال مل کے لڑکے کی رہائی کے بارے میں معروضہ پیش کیا اور کہا کہ اس کے والد نے باغی فوج کے لئے روزانہ راشن مہیا کیا ہے اور کوئی بات ایسی نہیں کی جس کی وجہ سے ان پر انگریزوں کی دوستی کا الزام قائم کیا جا سکے۔ دمدمے پورے طور پر مسلح تھے اور فوجیں اپنے اپنے مقامات پر جنگ کے لئے تیار تھیں۔ شہر کے لوگ اپنے مکانوں کی چھتوں پر سے دور کی گولہ باری کا مشاہدہ کر رہے تھے اور بہت خوفزدہ تھے۔ اس لڑائی میں صرف مسلمان ہی مارے گئے اور ایک ہندو بھی نہیں مرا۔ سامان حرب اور رسد میدان جنگ کی جانب مسلسل بھیجی جا رہی ہے۔ شہر کے لوگ باغیوں کو جو واپس

آتے ہوئے دکھائی دیئے' معلقات سنا رہے تھے اور ان پر بزدلی کا الزام رکھتے تھے۔ برخلاف اس کے سپاہی سواروں کو برا بھلا کہہ رہے تھے جو پہلے ہی سے شہر میں آ کر پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ مرزا مغل نے افواج کو حکم دیا کہ بروقت ہوشیار رہیں لیکن آج کی لڑائی کا جو نتیجہ نکلا اس سے فوج میں بد دلی پھیل گئی۔ اگرچہ مرزا مغل نے فوجی احکام میں یہ بیان کر دیا تھا کہ شطرنج کے رخ کی طرح میں اپنے مقام پر مضبوطی سے قائم ہوں اور مجھے شکست کا کوئی اندیشہ نہیں ہے' لیکن اس کے باوجود باغی حواس باختہ تھے۔ افسوس ہے کہ انگریزوں نے آج پیش قدمی نہیں کی۔ اگر وہ ایسا کرتے تو وہ شہر پر فوراً قابض ہو سکتے تھے کیونکہ دروازے سب کے سب کھلے ہوئے تھے۔ شہر کے لوگ متعجب تھے کہ کیوں انہوں نے پیش قدمی نہیں کی۔

۱۰ جون۔ بادشاہ نے حکم نافذ کیا کہ شہر کی تمام دکانوں کو زبردستی کھلوا دیا جائے۔ ولی محمد لاہوری کا ملازم آیا اور بیان کیا کہ انگریزوں اور باغیوں کے درمیان جنگ ہوئی اور ولی محمد' حسین بخش اور قطب الدین خاں کی دکانوں کو لوٹ لیا گیا۔ راولپنڈی اور امرتسر سے بھی بغاوت کی خبریں موصول ہوئیں۔ شہر میں داخل ہونے کے تمام ذرائع خطرناک قرار دے دیئے گئے۔ بمبئی سے خبر موصول ہوئی کہ سر جان لارنس نے بمبئی سے فوجی امداد طلب کی تھی اور یہ کہ بمبئی کی فوجیں ماہ جون کے آخر تک دہلی پہنچ جائیں گی۔ اطلاع ملی ہے کہ بمبئی کی گورنمنٹ نے مشورہ دیا ہے کہ جب تک بمبئی کی افواج نہ پہنچ جائیں اس وقت تک کوئی حملہ نہ کیا جائے اور اگر انگریزی فوج پر حملہ ہو تو وہ صرف مدافعت پر اکتفا کیا جائے۔ جنرل صمد خاں بادشاہ کی طلبی پر حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر شاہی افواج میری کمان میں دے دی جائیں تو میں انگریزوں پر حملہ کرنے کو تیار ہوں۔ بادشاہ نے انہیں کمانڈر انچیف مقرر کر دیا اور حسب معمول خلعت بھی عطا کیا۔ اپنی وفاداری کا یقین دلانے اور ایک اشرفی اور پانچ روپوں کی نذر دینے کے بعد وہ واپس چلے گئے۔ فوج کے نام حکم صادر ہوا کہ جمع ہو جاؤ اور جنرل صمد خاں کی زیر کمان حملہ آور ہو۔ فتح مندی کی صورت میں انعام کا بھی وعدہ کیا گیا۔ دس بجے کے قریب لاہوری دروازہ اور کشمیری دروازہ سے اٹھارہ ہزار سپاہی اور بارہ بھاری توپیں روانہ ہوئیں۔ انگریزی مورچے کے قریب پہنچ کر صمد خاں نے انگریزوں کو کہلا بھیجا کہ مجھے راجہ جھجر نے آپ کی امداد کے لئے بھیجا ہے' لیکن یہ حیلہ کارگر ثابت نہ ہوا اور اس لئے انگریزوں پر دھاوا بول دیا گیا۔ تقریباً ایک سو انگریز مارے گئے اور اس کے بعد انگریزی توپخانہ آگے بڑھا۔ جنرل خود گولہ باری کی زد میں آ گیا اور اس لئے اس نے فوری پسپائی کا حکم دے دیا۔ اس کی چند توپیں بھی میدان جنگ میں رہ گئیں۔ تمام فوج کشمیری دروازہ کے ذریعہ شہر میں داخل ہوئی۔ اس کے بعد کشمیری دروازہ کے مورچے سے گولہ باری ہوتی رہی۔ شام ہونے تک تمام سپاہ شہر میں آ چکی تھی۔ جو یورپین لڑائی میں کام آئے تھے ان کے سر قلم کر دیئے گئے اور شہر میں ان کا گشت کرایا گیا۔ انگریزی توپخانہ کا ایک گولہ سعادت خاں کے مکان پر بھی پڑا جس سے گھر کے تمام آدمی تباہ ہو گئے۔ تقریباً پچاس سپاہی راجہ اجیت سنگھ کے مکان پر گئے اور اسے گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیا۔ احسن اللہ نے سفارش کی کہ راجہ اپنے بھائی کے طرز عمل کا ذمہ دار نہیں ہے اور یہ کہ دونوں بھائیوں کے درمیان عرصہ سے ناچاقی ہے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ راجہ اجیت سنگھ نے پٹیالہ کی بجائے دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ راجہ نے خود کو بادشاہ کے قدموں میں ڈال دیا اور رحم کی درخواست کی جس پر بادشاہ نے فوری رہائی کا حکم دے دیا۔

۱۱ جون۔ کالے خاں نے جو پہلے انگریزی فوج میں اٹھائیس روپے مشاہرہ پر توپچی کا کام کرتا تھا' نہایت

مستعدی سے فرض منصبی کو ادا کیا اور اپنے مورچوں سے انگریزوں پر مسلسل گولہ باری کی۔ تمام شہر اس کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ بادشاہ اس شخص کی جرأت و ہمت سے بے حد مسرور ہوئے اور سو من بارود کی تیاری کا حکم دیا۔ شورہ اور کوئلہ خریدا گیا۔ اطلاع ملی کہ آگرہ کے لفٹنٹ گورنر کو یہ خبر پہنچی ہے کہ دہلی ابھی تک فتح نہیں ہوئی اور اس لئے انہوں نے آگرہ چھوڑنے کی ٹھان لی ہے۔ کمانڈر انچیف کے متعلق بھی معلوم ہوا کہ وہ شملہ سے فوج میں شامل ہونے کے لئے روانہ ہو گئے ہیں اور ۱۲ تاریخ کو دہلی پہنچ جائیں گے۔ بادشاہ کو خفیہ اطلاع ملی کہ ملکہ معظمہ نے بغاوت ہند کی خبر پاتے ہی چوبیس ہزار افواج روانہ کر دی ہیں۔ آج ۲ بجے کے قریب انگریزوں نے کا بند (؟) کے مورچہ سے کشمیری دروازہ پر گولے برسانے شروع کر دیئے۔ شاہی توپخانہ کی گولہ باری انگریزوں کو اپنا منصوبہ پورا کرنے سے مانع آتی رہی۔ دو ہزار سپاہی کشمیری دروازہ کی جانب بھیجے گئے۔ شہر میں دو سوار آئے اور کہا کہ شاہی فوج پر بے انتہا دباؤ پڑ رہا ہے اور اس لئے فوج محفوظ کو جلد سے جلد وہاں بھیج دینا چاہئے۔ فوج محفوظ تیار کی گئی مگر جس حملہ کا ارادہ انگریزوں نے کیا تھا اسے انہوں نے ترک کر دیا اور اپنے مقام کو لوٹ گئے۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ انگریزوں کا ارادہ قدسیہ باغ پر حملہ آور ہونے کا تھا اور یہ کہ اکیس ہزار فوج تمام رات اس کے لئے تیار رکھی گئی تھی۔ آج انگریزی گولہ باری سے شہر کو بہت نقصان پہنچا۔ ایک خانساماں کے گھر سے چار انگریز برآمد ہوئے جنہیں باغیوں نے مار ڈالا۔

۱۲ جون۔ پیارے لال کو زبردستی بادشاہ کے حضور میں لے گئے اور ان پر انگریزوں کو رسد بھیجنے کا الزام عائد کیا گیا۔ چند سوار باؤلی کی سرائے سے آئے اور کہا کہ تین سو سواروں اور چھ ہزار روپیوں کی آمد کی عنقریب توقع کی جا رہی ہے۔ خزانہ تھوڑی دیر کے بعد آ گیا اور اس کی فوج محافظ کو شمرو کے بیگم کے باغ میں ٹھہرایا گیا۔ بادشاہ باغیوں کی بے اعتنائی سے سخت ناخوش تھے کیونکہ ان کی جانب سے انگریزوں کو نکال دینے کی کوئی سنجیدہ کوشش عمل میں نہیں آئی۔ بادشاہ نے کمانڈر انچیف کو سرزنش کی اور کہا کہ ابھی تک تم نے ایک فتح بھی حاصل نہیں کی۔

۱۳ جون۔ تمام فوج جمع ہوئی جس میں سمرینا کے آدمی اور بادشاہ کے باڈی گارڈ بھی تھے اور انگریزوں سے لڑنے کے لئے کشمیری دروازہ سے باہر نکلے۔ بعض چوروں نے چاوڑی محلہ میں ایک تھانہ دار کے مکان کو لوٹ لیا اور چند آدمیوں کو زخمی بھی کر دیا۔ تھانہ دار نے ایک چور کو گرفتار کر لیا۔ میدان جنگ سے ایک سوار آیا۔ اس نے اطلاع دی کہ سپاہی گنبد تک پہنچ گئے ہیں اور انگریزی گولہ باری کی زد میں آ پہنچے ہیں۔ چونکہ باغیوں کے بیس سوار اور ساٹھ سپاہی کھیت رہے اس لئے تمام فوج پسپا ہو رہی ہے۔ جن پلٹنوں نے پسپائی کی مثال قائم کی وہ وہ تھیں جو انبالہ سے آئی تھیں۔

۱۴ جون۔ لچھمن سنگھ کے بھائی بلدیو سنگھ جو علی پور کے تھانے دار تھے' پکڑے ہوئے کوتوالی میں لائے گئے۔ ان پر انگریزوں سے ساز باز رکھنے کا الزام تھا۔ انہیں نشانہ بندوق بنا دیا گیا اور ان کی لاش کو درخت سے لٹکا دیا گیا۔ کابلی دروازہ کے تیرہ نانبائیوں کو انگریزوں سے سازش رکھنے کے الزام میں گھروں سے باہر نکالا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ جمنا داس کے مکان کو لوٹ لیا گیا کیونکہ اس نے آٹا نہایت مہنگا فروخت کیا تھا۔ باغیوں نے آج بہت سے مظالم کئے۔ سہ پہر کو تین بجے کے قریب چھ ہزار سپاہی بارہ توپیں لے کر شہر کے باہر گئے۔ جنگ ہوئی جس میں طرفین کا نقصان ہوا۔ محفوظ فوج بھیجی گئی۔ رات بھر سخت گولہ باری جاری رہی۔ سعادت خاں کے مکان کے قریبی مکانات کو انگریزی گولہ باری سے سخت نقصان

پہنچا۔ شہر کے لوگ بہت مشتعل اور سخت تکالیف میں تھے۔ گوجروں کے مظالم کی خبریں پہنچیں۔ یہ لوگ مسافروں کے بھیس میں پھرتے ہیں۔ شہر کی آبادی موجودہ صورت حالات کی وجہ سے سخت پریشان تھی۔ ایک طرف خود اپنی کے ہم ملکی ان کے دشمن بنے ہوئے تھے جو شہر کے اندر اور باہر موجود تھے اور دوسری طرف غضبناک انگریزوں کے حملوں کی خبریں آ رہی تھیں۔ ایک مہاوت ہاتھی سمیت انگریزی کیمپ سے بھاگ کر قلعہ میں داخل ہوا۔ ہاتھی کو بادشاہ نے اپنے لئے پسند کر لیا۔ آج صبح نواب محبوب علی خاں عالم فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کر گئے۔ جنازہ کے ساتھ ہاتھی اور فوجیں بھی تھیں۔ مرحوم کو کریم اللہ شاہ کی مسجد میں جو خانم بازار کے قریب واقع ہے' تزک واحتشام کے ساتھ دفن کیا گیا۔ جنازہ کے ساتھ شہر کے تمام عمائدین شریک تھے۔

۱۵ جون۔ آج صبح محل میں پندرہ گولے گرے۔ بادشاہ نے دھمکی دی کہ اگر فوجیں شہر نہ چھوڑیں گی تو میں قطب صاحب چلا جاؤں گا۔ اصرار کے بعد دس ہزار باغی آدمی رات کے وقت انگریزوں پر حملہ کرنے کی نیت سے شہر سے نکلے۔ جنگ میں طرفین سے بہت سے آدمی کھیت رہے۔ انگریزوں پر گولہ باری سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر سپاہی نہایت ابتری کی حالت میں شہر میں واپس آ گئے۔ شہر کے لوگوں کو اندیشہ تھا کہ میگزین انگریزی گولہ باری سے اڑا دیا جائے گا۔ رسد نہ ملنے سے بہت تکلیف ہوئی۔ دکانداروں کو پکڑ کر گرفتار کیا گیا اور سخت پریشان کیا گیا۔ پچاس قلیوں کو بھیجا گیا تاکہ مہاراجہ اندور کے مکان کو ڈھا دیں۔ محبوب علی خاں کے انتقال کے تین دن بعد درباریوں کو دربار میں شرکت کرنے کے دعوت نامے بھیجے گئے۔ نجف سے ایک سوار آیا جس نے پانچ سو باغیوں کی آمد کی خبر دی۔

۱۶ جون۔ حکیم احسن اللہ خاں' میر فتح علی (محافظ تخت شاہی) اور بدھن صاحب اور چند اور عمائدین محبوب علی خاں مرحوم کی فاتحہ کی غرض سے مسجد میں گئے۔ ایک سوار نے اطلاع دی کہ سپاہیوں اور انگریزوں کے درمیان ایک چھوٹا سا معرکہ ہوا ہے جس میں تقریباً دو سو آدمی مارے گئے ہیں۔ سواروں کا دستہ خزانہ لے کر نجف سے آ گیا۔ جن سات اشخاص پر انگریزوں سے دوستی رکھنے کا الزام تھا' انہیں آج رہا کر دیا گیا۔ تین آدمیوں کو جنہیں مخبر سمجھا گیا تھا' قتل کر دیئے گئے۔ ایک عورت اور سالی واڑہ کا ایک شخص انگریزی گولہ سے زخمی ہو کر مر گیا۔

۱۷ جون۔ اعلان ہوا کہ بینک ہاؤس[1] اور افیون کی کچھ مقدار فروخت کی جائے گی۔ چند کھتریوں نے بادشاہ کی خدمت میں عریضہ پیش کیا' جس میں سپاہیوں کے مظالم کا ذکر درج تھا اور بیان کیا گیا تھا کہ سپاہیوں نے شہر میں خام اجناس کے داخلہ کی ممانعت کر دی ہے۔ اس پر بادشاہ نے باغیوں کے سردار کو بلایا اور دھمکی دی کہ اگر فوجوں کے طرز عمل میں بہتری نہ ہوئی اور مظالم کا سدباب نہ ہوا تو میں زہر کھا لوں گا۔ سردار نے احکام کی فوری متابعت کا وعدہ کیا اور کہا کہ یہ شکایات دوبارہ سننے میں نہ آئیں گی۔ قاضی فیض اللہ بیگ کو حکم دیا گیا کہ جو فوجیں عنقریب انگریزوں پر حملہ آور ہونے والی ہیں ان کے لئے رسد کا انتظام کیا جائے۔ چالیس گولے جو انگریزی لشکر سے پھینکے گئے تھے' پڑے ہوئے اٹھائے گئے تھے۔ ان کے پھٹنے سے بہت سے آدمی مر گئے۔ انگریزی گولہ باری کا جواب دینے کی غرض سے میگزین سے بہت بڑی توپ نکالی گئی اور اسے نصب کیا گیا۔ سردار نے دربار میں حاضری دی اور اطلاع دی کہ تین مقامات پر باتریاں قائم کر دی گئی ہیں

---

[1] یہ مکان مسز ڈائس سومبا کی ملکیت تھا جو بعد میں لیڈی فورسٹر بنیں۔

اور یہ کہ ہم عنقریب انگریزوں پر حملہ کرنے والے ہیں۔ بعد میں انگریزوں نے عیدگاہ والی باتری پر حملہ کیا۔ باغیوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور دو توپوں پر قبضہ جمالیا۔ چونے سے لدی ہوئی سات گاڑیاں بغرض مرمت سلیم گڑھ بھیجی گئیں۔ چند آدمی جو شہر سے باہر چٹھیاں بھیجنا چاہتے تھے' بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چٹھیاں بھیجنے کی اجازت چاہی' مگر انہیں اجازت نہیں دی گئی۔ محل کے دروازہ پر ایک توپ شاہجہاں کے زمانہ سے پڑی ہوئی تھی۔ باغی اسے لے گئے اور اس کو لاہوری دروازہ پر نصب کر دیا۔ چونکہ اس کی مار بہت دور کی تھی' اس لئے ارادہ یہ تھا کہ آگرہ سے آنے والی فوجوں پر گولے برسا کر انگریزوں کو دق کیا جائے گا۔

۱۸ جون۔ افواہ ہے کہ نصیر آباد والی پلٹن نے بغاوت کر دی ہے اور اپنے افسروں کو مار ڈالا ہے اور خزانہ اور سامان اسلحہ لے کر دہلی آ گئی ہے۔ مہاراجہ جے پور کے چند آدمیوں نے بیان کیا کہ بادشاہ کو راجہ کی جانب سے کسی قسم کی امداد نہیں دی جائے گی۔ اطلاع ملی کہ لالہ پرشاد انگریزوں کے لئے رنگروٹ بھرتی کر رہے ہیں۔ قلعہ میں خبر پہنچی کہ کانپور کے دیسی سپاہیوں نے بھی اپنے افسروں کو قتل کر ڈالا ہے اور عازم دہلی ہو گئے ہیں اور یہ بھی کہ پندرہ سو گورے جے پور اور نصیر آباد ہوتے ہوئے آگرہ پہنچ گئے ہیں۔

۱۹ جون۔ نصیر آباد کی فوجوں کے افسروں نے باریابی عطا کی۔ افسروں نے وعدہ کیا ہے کہ کل انگریزوں پر حملہ کر دیا جائے گا۔

۲۰ جون۔ نصیر آباد کی فوجوں نے انگریزوں پر حملہ کیا اور شدید جنگ برپا رہی جس میں جانبین کا سخت نقصان ہوا۔ ایک گولہ سے مکان میں آگ بھی لگ گئی۔ سنگوہ کی فوج کے لئے رسد بھیجنے کے بارے میں حکم نافذ ہوا۔ فوجوں نے دوبارہ انگریزوں پر حملہ کیا اور یہ لڑائی شام تک جاری رہی۔ ایک گولہ گنیشی لال کے مکان میں پڑا جس سے اس کا ایک ملازم مارا گیا۔ پہاڑی دھیرج کی ایک جاٹنی نے محلہ تلی ماراں میں مکان لیا۔ سات سپاہی اسے لوٹنے کے لئے گئے' مگر پڑوسی مسلح ہو کر نکل آئے اور سپاہیوں کا مقابلہ کیا جس میں چند سپاہی کام آئے۔ سپاہیوں نے کمک مل جانے پر دوبارہ حملہ کیا اور امید سنگھ اور رام سہائے مل کے مکانوں کو بھی لوٹ لیا۔ شہر میں کئی گولے آ کر پڑے جس سے بہت سے آدمی مر گئے۔

۲۱ جون۔ آج صبح چند ہزار باغیوں نے انگریزی کیمپ پر حملہ کیا۔ لڑائی بہت دیر تک جاری رہی' لیکن کسی کی فتح نہیں ہوئی۔ رات بھر گولے شہر میں گرتے رہے۔ ایک سوار آیا اور جالندھر کی تین پیدل پلٹنوں اور سواروں کی آمد کی خبر دی۔ انہیں شہر کے باہر ٹھہرنے کا حکم ملا۔ سامان رسد کی نو گاڑیاں جو انگریزوں کے لئے تھیں' راستہ میں پکڑی گئیں اور شہر میں لائی گئیں۔ افواہ سنی گئی کہ بریلی اور کانپور کے باغی دہلی آ رہے ہیں۔ سہ پہر کو کچھ فوج انگریزوں پر حملہ کرنے کے لئے نکلی۔

۲۲ جون۔ جالندھر کی تین پلٹنیں پہنچ گئیں اور قدسیہ باغ میں قیام پذیر ہوئیں۔ ان کے افسر دربار میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ جب ہم آ رہے تھے تو پٹیالہ کی فوجوں نے ہم پر حملہ کیا' مگر ہم نے انہیں شکست دی اور ایک توپ چھین لی۔ انہوں نے کہا کہ انگریزوں کے خوف سے ہم دور دراز کا راستہ طے کر کے آئے ہیں کیونکہ ان کی فوجوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ ان افسروں نے بڑے فخر سے بیان کیا کہ ہم نے کلکٹر نصیر آباد کو قتل کر ڈالا ہے اور اس کے ہاتھی بھی اپنے ساتھ پکڑ کر لے آئے ہیں۔ بادشاہ نے ان کی تعریف کی اور کہا کہ آپ جیسے بہادر کہیں نہیں ملیں گے۔ تقریباً پچاس

سپاہی جنگل کشور کے مکان میں لوٹ کے ارادہ سے داخل ہوئے' مگر مرزا مغل نے انہیں روک دیا۔ اس پر انہوں نے محمد میر عاشق کو لوٹ لیا۔

۲۳ جون۔ شاہجہاں کے زمانہ کی ایک توپ کو نصب کیا گیا۔ نصب ہو جانے کے بعد اس کے منہ سے بکرا باندھا گیا اور پچیس سیر مٹھائی اس کی نال میں رکھی گئی اور پھولوں کا ہار اس کے گھوڑے پر لٹکایا گیا۔ چند برہمنوں اور نجومیوں کو طلب کیا گیا اور ان سے دریافت کیا گیا کہ آیا باغی فتح مند ہوں گے یا نہیں۔ نجومیوں نے جواب دیا کہ شورش کا دور دورہ ہے' ایک سال تک رہے گا' چند ہزار آدمی مارے جائیں گے' لیکن امن و امان کا زمانہ ۱۹۱۶ سمبت سے شروع ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ نجومیوں نے کچھ نہیں بتایا۔ خبر ملی کہ کلکتہ کی دو دیسی پلٹنیں اپنی ذات کے جاتے رہنے کے خوف سے بھاگ کر نیپال چلی گئی ہیں۔ اطلاع ملی کہ علی گڑھ میں ایک برہمن کو کلکٹر نے اس بنا پر پھانسی دے دی ہے کہ وہ یہ افواہ پھیلا رہا تھا کہ انگریزوں اور باغیوں کے درمیان سخت جنگ رہی جس میں بہت سے آدمی مارے گئے۔ خبر موصول ہوئی کہ بمبئی کی فوجیں انگریزوں کی امداد پر آ رہی ہیں اور یہ کہ انگلستان سے بیس پلٹنیں ہندوستان کے لئے روانہ ہو چکی ہیں۔ کوتوال کے نام حکم نافذ ہوا کہ جو فوجیں انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے گئی ہوئی ہیں' ان کے لئے مٹھائی اور رسد بھیجی جائے۔ تمام دن جنگ برپا رہی۔ چار بجے کے قریب فوجیں شہر کو واپس آ گئیں۔ منادی کرائی گئی کہ آج کی رات ایسے گولے پھینکے جائیں گے جن کی وجہ سے کمزور مکانات کے گر پڑنے کا اندیشہ ہے' اس لئے لوگوں کو تاکید کر دی گئی کہ ایسے مکانات میں نہ سوئیں۔

۲۴ جون۔ سپاہیوں کے سردار بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور اطلاع دی کہ ہم نے آج سارے دن انگریزی فوج کو مصروف پیکار رکھا اور لڑنا صرف اس وقت بند کیا جبکہ بگل کی آوازیں دونوں طرف سے بلند ہوئیں۔ انہوں نے شکایت کی کہ جب ہم شہر کو لوٹ رہے تھے تو کالے خاں کا ایک گولہ ہمارے سپاہیوں پر آ گرا جس کی وجہ سے تین سپاہی سخت زخمی ہوئے۔ کالے خاں کو گرفتار کر لیا گیا اور بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اس پر انگریزوں سے سازش کرنے کا الزام عائد کیا گیا۔ افواہ مشہور ہوئی کہ لچھمن سیٹھ آگرہ کی حفاظت کے لئے سپاہی بھرتی کر رہا ہے اور اس غرض سے اس نے وہاں کچھ دستے بھی بھیج دیئے ہیں۔ حکیم احسن اللہ خاں نے خبر دی کہ باغی شہر میں لوٹ مار کر رہے ہیں اور دیپ چاؤ پہاڑی محلہ اور تیلی واڑہ کو بالکل غیر آباد بنا دیا ہے۔ یہ افواہ سننے میں آئی کہ کانپور کی فوجیں انگریزوں پر حملہ کرنے کی نیت سے میرٹھ گئی ہوئی ہیں جہاں ایک معرکہ بھی ہو چکا ہے' مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ نصیر آباد سے آگرہ میں پندرہ سو انگریزوں کے آنے کی خبر موصول ہوئی۔

۲۵ جون۔ حکیم احسن اللہ خاں' نذیر حسن مرزا' مظفر الدولہ اور شہر کے بڑے بڑے افسر کورنش بجالانے کی غرض سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فوجی افسر بھی موجود تھے۔ سپاہیوں کے غیر سپاہیانہ طرز عمل کی شکایات کی گئیں۔ علی خان اور قادر بخش نے حکیم احسن اللہ خاں پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے ایسے بدمعاشوں کو جو لوٹ مار کرتے ہوئے گرفتار ہوئے تھے رشوت لے لے کر رہا کر دیا ہے۔ انہوں نے شہر کی حفاظت اور امن عامہ کی غرض سے بہتر انتظامات عمل میں لائے جانے پر زور دیا اور عرض کیا کہ تجارت کا بازار بالکل سرد پڑا ہوا ہے۔ باغپت کا ایک زمیندار حاضر ہوا اور نذر میں ایک روپیہ پیش کیا۔ اس نے اطلاع دی کہ مہاراجہ سردیپ سنگھ کے ایک ہزار سپاہی میرے محلہ کے قرب و جوار میں لوٹ مار میں

معروف ہیں اور یہ کہ وہ دریائے جمنا پر پل بھی تعمیر کر رہے ہیں۔ اس نے فوجی دستہ طلب کیا تا کہ انہیں وہاں سے نکال دیا جائے۔ بادشاہ نے اسے مرزا خضر سلطان کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ علی خاں اور قادر بخش کو شہر بدر کر دیا جائے کیونکہ ان دونوں نے حکیم احسن اللہ خاں کو ناحق متہم کیا ہے۔ گوڑ گاؤں اور دوسرے قرب و جوار کے علاقوں سے چار سو مجاہدین دہلی میں آئے اور بادشاہ کی خدمت میں اپنے تئیں پیش کیا۔ آج کے دن بادشاہ نے عبدالصالح (؟) خاں کے نام حکم بھیجا کہ نواب مصطفیٰ خاں کو بحفاظت تمام دہلی بھیج دیا جائے۔ دن بھر گولے شہر میں گرتے رہے جن سے ایک سائیس اور چند آدمی مارے گئے۔ محلہ چوڑی گراں کے تاجروں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے مکان کے قریب شمرو بیگم کے یہاں بارود بنائی جا رہی ہے اور ہر لحہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہم بھک سے نہ اڑ جائیں۔ بادشاہ نے انہیں تشفی دی اور وعدہ کیا کہ وہاں بارود سازی بند کر دی جائے گی۔ جنگی کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں مکھن لال، حکیم احسن اللہ خاں اور نواب احمد قلی خاں شریک تھے۔ بادشاہ نے فوجی افسروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اس سلطنت کا خاتمہ کر رہے ہو جو پانچ سو سال سے قائم ہے اور طعنہ دیا کہ جب تم انگریزوں سے لڑ کر واپس آتے ہو تو نہایت پریشان اور خستہ حال نظر آتے ہو۔ انہوں نے دعا مانگی اور آخر میں کہا کہ "افسوس ہے اور خدا کی مرضی یہی ہے کہ میں اور میری سلطنت تباہ و برباد ہو جائیں۔ میں تم سب سے درخواست کرتا ہوں کہ شہر کو چھوڑ کر کہیں چلے جاؤ۔" خبر موصول ہوئی کہ بجنور کے کلکٹر نے نجیب آباد کے شہر کا انتظام نواب محمود خاں کے ہاتھ میں دے دیا ہے اور خود رڑکی چلا گیا ہے۔ خبر ملی کہ بریلی کی فوج شاہجہانپور میں مقیم ہے۔

۲۶ جون۔ بھوپال سے ایک سو سپاہی اور دوسرے مقامات سے تقریباً دو سو سپاہی آج شہر میں داخل ہوئے۔ بادشاہ نے انہیں باریابی عطا فرمائی۔ بنارس سے بھی ایک شخص آیا جسے شہر کے باہر قیام کرنے کا حکم ملا۔ پیدل فوج کی دو پلٹنیں، دو سو سوار اور دو توپیں اس غرض سے بھیجی گئیں کہ مہاراجہ جیند ھ کی فوجوں کو مصروف پیکار رکھیں۔ مرزا مغل آج دہلی دروازہ سے آتے ہوئے بگھی میں سے گر پڑے۔ انہیں خفیف سا زخم پہنچا۔ خبر پہنچی کہ گوالیار کی کچھ فوج اپنے افسروں کو قتل کرنے کے بعد دہلی آ رہی ہے۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ جو فوجیں انگریزوں سے لڑنے کے لئے گئی تھیں، وہ واپس لوٹ آئی ہیں، اس لئے کہ ہوا کا رخ ان کے موافق نہ تھا۔ بادشاہ نے حکم جاری کیا کہ چونکہ فوجیں انگریزوں کو نکالنے میں ناکام رہی ہیں اس لئے انہیں شہر چھوڑ کر کہیں چلا جانا چاہئے۔

۲۷ جون۔ آج صبح ہی سے قدسیہ باغ اور عیدگاہ میں جنگ شروع ہو گئی اور تمام دن جاری رہی۔ اس میں بہت سے سپاہی کام آئے۔ باغپت سے ایک چٹھی آئی جس میں درج تھا کہ جیند ھ کی فوجوں کو شکست ہو گئی ہے۔ جو پل وہ تیار کر رہی تھیں، اسے توڑ ڈالا گیا ہے اور یہ کہ دہلی کی فوجیں کل واپس جائیں گی۔ حکیم احسن اللہ کو حکم دیا گیا کہ بارود سازی کا کارخانہ بیگم شمرو کے مکان سے کہیں اور منتقل کر دیا جائے۔ چار سو سپاہی کشمیری دروازہ کے باہر جمع ہوئے۔ انگریزی توپ خانہ شدت سے گولہ باری کر رہا تھا۔ سننے میں آیا کہ انگریزی افواج کا کمانڈر انچیف آج صبح جنگ میں مارا گیا ہے اور یہ کہ اس کی لاش کشمیری دروازہ کے سامنے دفن کر دی گئی ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ انگریزوں اور گورکھوں کے درمیان جنگ برپا ہو گئی۔ گوالیار کی فوج کے تین سپاہی شہر میں آئے اور اطلاع دی کہ ہم گوالیاری فوج کے ہراول ہیں۔ انہیں شہر کے باہر خیمہ

زن ہونے کا حکم ملا۔ بادشاہ نے مرزا مغل کو اطلاع دی کہ شاہی خزانہ خالی پڑا ہے اور فوج کو مزید تنخواہ نہیں دی جائے گی۔ باغپت کی فوج واپس آ گئی اور کہا کہ ہم تھانہ دار اور متصدی کو بھی اپنے ساتھ لے آئے ہیں کیونکہ یہ دونوں انگریزوں کو سامان خوراک مہیا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ جو فوجیں باغپت کی حفاظت کے لئے بھیجی گئی تھیں انہوں نے شہر کو لوٹ لیا۔ آج انگریزی شہر کے دمدمے کو اڑا دینے سے قاصر رہے۔ انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے کسٹم ہاؤس میں سرنگیں بچھا دی تھیں۔[1]

۲۸ جون۔ شہر کے تمام عمائدین آداب بجالانے کی غرض سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مرزا مغل کے پاس سے چٹھی موصول ہوئی جس میں لکھا تھا کہ سپاہیوں میں پچیس ہزار روپے تقسیم کر دیئے گئے ہیں اور ابھی ان کے پچیس ہزار روپے اور باقی ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ واجب الادا رقم بھیج دی جائے۔ آج ایک شخص پکڑا گیا جو محل میں انگریزوں کے اشارہ سے سرنگ لگا رہا تھا۔ اسے سلیم گڑھ میں توپ کے منہ سے اڑا دیا گیا' تا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ چند گولے جو شہر میں آ کر گرے ان سے کئی ایک آدمی مر گئے۔ فوج کے افسروں نے شکایت کی کہ ایام بارش میں شہر کے باہر قیام کرنے سے ہمیں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بادشاہ نے دوران برسات میں انہیں شہر میں رہنے کی اجازت دے دی۔ جو فوجیں دہلی دروازے' لاہوری دروازے اور ترکمان دروازے کے باہر قیام پذیر تھیں' وہ سب کی سب شہر چلی آئیں اور کچہری' محمڈن کالج اور شہر کے مکانات میں رہنے لگیں۔ کوتوالی' قطب صاحب اور دوسرے مقامات میں جو گارڈ مقرر تھی' اس کے سپاہیوں کو آج بادشاہ کے نام کے تمغے دیئے گئے۔

۲۹ جون۔ بادشاہ نے دربار منعقد کیا جس میں بے شمار آدمی موجود تھے۔ کئی گھنٹے تک جنگ کی صورت حالات کے متعلق بات چیت ہوتی رہی۔ نیمچ کی پلٹنوں کے افسروں نے اطلاع دی کہ دیسی فوج کی دو پلٹنیں چھ سو سوار اور توپخانہ کی ایک باتری ایک لاکھ سے اوپر روپے کے ساتھ ہفتہ عشرہ میں دہلی پہنچ جائے گی۔ بریلی کے چند افسر آج بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ فوج تین دن کے اندر اندر پہنچ جائے گی۔ بالا گڑھ کے رئیس ولی داد خاں کے پاس سے چٹھی موصول ہوئی جس میں بریلی کی فوج سے ایک پلٹن اور چند توپوں کی امداد طلب کی گئی تھی' مگر اسے لکھ دیا گیا کہ امن و امان قائم رکھنے کی غرض سے خود اسی کو فوج قائم کرنی چاہئے۔ بیگم شمرو کے باغ کے متصدی منحن لال کو اطلاع ملی کہ اس کی مالکہ کی تمام جائداد ضبط کر لی گئی ہے اور یہ کہ آئندہ سے کرایہ وغیرہ شاہی خزانہ میں داخل کیا جائے گا۔ پلٹنوں کے افسروں کے نام چٹھی لکھی گئی کہ لکھمی چند سیٹھ کے مکان پر گارد بٹھا دیا جائے' اس لئے کہ اسے سپاہی ایک مرتبہ لوٹ چکے ہیں۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ دریائے جمنا کے کنارے جس قدر لکڑی پڑی ہوئی تھی اسے سپاہی بطور ایندھن استعمال کر رہے ہیں۔ اس کو روکنے کی غرض سے احکام نافذ ہو گئے۔ شاہدرہ کی کوتوالی کے تھانہ دار نے اطلاع دی کہ بریلی کی فوجیں کل پہنچ جائیں گی۔ رسد کا انتظام کرنے کے متعلق احکام نافذ ہو گئے۔ بنارس کی پلٹنوں کے افسر بھی باریابی کے وقت موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری فوجیں صفدر جنگ کے مقبرہ میں مقیم ہیں اور احکام کی منتظر ہیں۔ ان سے کہہ دیا گیا کہ قاصد اور احکام وہیں رہیں اور یہ کہ ان کے لئے رسد کا سامان وہیں بھیج دیا جائے گا۔ چاندنی چوک کی چند دکانوں سے چار سو روپے

---

[1] یہ بیان محض خیالی اور فرضی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ انگریز شہر سے اتنے دور تھے کہ اس قسم کی کوئی کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔

بطور کرایہ وصول ہوئے جنہیں شاہی خزانہ میں داخل کر دیا گیا۔ ایک شخص اس علت میں گرفتار ہوا کہ اس کے پاس سے کچھ میگزین کا سامان برآمد ہوا تھا۔ راجہ ناہر سنگھ والی بلب گڑھ کی عرضی موصول ہوئی جس میں اپنے چچازاد بھائی نول سنگھ کے مال و متاع منگوانے کی درخواست درج تھی' چنانچہ اجازت دے دی گئی۔ کانپور سے بیس سوار آئے اور اطلاع دی کہ گذشتہ کئی دن سے انگریزوں اور دیسی فوجوں کے درمیان نہایت زور کے معرکے ہو رہے ہیں۔ بالآخر تمام انگریزوں کو قتل کر دیا گیا اور شہر اب دیسی فوجوں کے قبضہ میں ہے۔ مرزا مغل نے اپنے مکان میں جنگی کونسل منعقد کی۔ افواہ تھی کہ چار سپاہیوں کی جامہ تلاشی لی گئی جو انگریزی کیمپ کا معائنہ کر رہے تھے۔ انہوں نے انگریزوں سے کہا کہ جو آدمی فصیلوں کی سرنگ اڑانے کے لئے بھیجا گیا تھا' وہ سرنگ کے پھٹ جانے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا ہے۔ اس پر چاروں جاسوسوں کو نشانہ بندوق بنا دیا گیا۔ نواب جھجر کی افواج نے جہاد میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ پولیس کے تمام اسٹیشنوں پر فوجی گارد بٹھا دیئے گئے۔

۳۰ جون۔ سبزی منڈی پر انگریزوں سے مقابلہ ہوا۔ جو افسر لڑائی میں شریک تھے' وہ بادشاہ کے دربار میں بھی موجود تھے۔ انہوں نے اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور کہا کہ ہم حتی الامکان انگریزوں کا مقابلہ کئے جائیں گے۔ انہوں نے سپاہیوں کی بہادری کی بہت تعریف کی۔ پانچ سو مجاہد انگریزوں کے پاس سے ایک ہاتھی چھین کر آئے اور اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ ایک شخص کشمیری دروازہ کے قریب بیٹھا سرنگ کھود رہا تھا۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اور کوتوالی کے سامنے درخت پر سولی دے دی گئی۔ بذریعہ اعلان منادی کر دی گئی کہ انگریزوں کے تمام ہوا خواہوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جائے گا۔ ایک شخص فقیر کے بھیس میں اجمیری دروازہ کے قریب گرفتار ہوا اور اسے جاسوس سمجھ کر فوراً قتل کر دیا گیا۔ افواہ تھی کہ دو سو انگریزوں کے دستہ نے محلہ تیلی واڑہ' دھیرج کی پہاڑی اور سید پورہ میں آگ لگا دی ہے اور تمام مقامات کو خاکستر کر دیا ہے۔ ایک انگریز لاہوری دروازہ کے قریب آیا اور سنتری پر پستول چلا کر واپس چلا گیا۔ آج زبردست آندھی چلی جس کی وجہ سے جمنا کا پل گر گیا۔ مال و اسباب کی کئی ایک گاڑیوں کو جو بلب گڑھ جا رہی تھیں اس شبہ پر پکڑ لیا گیا کہ کہیں ان میں سامان حرب نہ ہو۔ انہیں واپس شہر میں لے گئے اور تلاشی لی گئی' مگر جب کچھ نہ نکلا تو انہیں رہائی دے دی۔ بریلی کی فوج کے متعلق خبر ملی کہ وہ غازی آباد آ گئی ہے۔

یکم جولائی۔ حکیم احسن اللہ خاں' نواب حسن علی خاں وغیرہ اور چند سردار بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ججاباٸی کے پاس سے دو قاصد آئے اور بادشاہ کو ایک لاکھ روپے کی نذر پیش کی۔ قاصدوں نے شکایت کی کہ گوجروں نے فرید آباد کے قریب ہم سے چٹھی چھین لی جسے ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے لا رہے تھے اور یہ کہ انہوں نے اسے پھاڑ ڈالا۔ پل ٹوٹ جانے کی وجہ سے دہلی کی فوج شہر میں نہ آ سکی۔ چار سو قلی اور سفرمینا کی دو کمپنیوں کو پل مرمت کرنے کی غرض سے روانہ کیا گیا۔ مرمت کا کام میر فتح علی کے سپرد ہوا۔

خان حسن علی نے اطلاع دی کہ چھ گولے شہر سے انگریزی کیمپ میں پھینکے گئے ہیں جن میں سے تین تو بڑی سڑک پر اور ایک کیمپ میں پھٹا۔ حکم ہوا کہ دیسی باتریوں کو ایک سو گولے بھیج دیئے جائیں۔ شہر پر شدت کی گولہ باری ہوتی رہی۔ آبادی کا نقصان جان بہت ہوا۔ انگریزی گولہ باری زیادہ تر اس باتری کے خلاف کی جا رہی تھی جس کا انتظام کالے

خاں کے ہاتھ میں تھا۔ دو توپچی اور چند اشخاص قتل ہوئے۔ ایک بندوق بالکل ناکارہ کردی گئی۔ انگریزی حملہ کی توقع کی جا رہی ہے۔ بادشاہ نے تمام لیڈروں کو بلایا اور دروازہ کے باہر انگریزوں سے مقابلہ کرنے کی غرض سے فوج بھیجنے کے لئے حکم دیا۔ چنانچہ چند ہزار سپاہی شہر سے باہر نکلے اور عیدگاہ پر جم گئے۔ نصیر آباد کی فوج باتریوں میں بھاری توپیں چڑھانے کے کام میں مصروف رہی۔ منشی کشن لال چوکیداروں کے بخشی مقرر ہوئے۔ پل کے متعلق اطلاع ملی کہ کل بریلی کی فوج اس پر سے گزر سکے گی۔ محمد قلی خاں کو فوج کا استقبال کرنے کا حکم ملا۔ نواب بہادر جنگ نے نواب جھجر سے فوج کی تنخواہ ادا کرنے کی غرض سے چھ ہزار روپے قرض لئے۔ سبزی منڈی کے مکانات گرانے کا حکم دو آدمیوں کو دیا گیا۔

۲ جولائی۔ نواب احمد قلی خاں بریلی والی فوج کا استقبال کرنے کے لئے گئے۔ حکیم احسن اللہ خاں، جنرل صمد خاں، ابراہیم علی خاں، غلام علی خاں اور چند اور افسر بھی موجود تھے۔ محمد قلی خاں اور بریلی کی فوج کے کمانڈر محمد بخت خان نے فوج کو مصروف رکھنے کے متعلق احکام حاصل کئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر کے باشندوں کو نہ لوٹا جائے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ میرے احکام دینے کی ضرورت ہی کیا ہے، اس لئے کہ ان کی بھی تعمیل نہیں کی جاتی اور نہ کوئی آدمی میرے پاس ایسا ہے جو ان پر عمل درآمد کرائے، لیکن میرا حکم یہ ہے کہ کوئی انگریز زندہ نہ رہنے پائے۔ محمد بخت خاں نے کمانڈر انچیف کے طور پر اپنی خدمات پیش کیں تا کہ فوج میں ڈسپلن قائم کیا جا سکے۔ بادشاہ نے ان سے اظہار مودت و دوستی کے لئے مصافحہ کیا۔ فوجوں کے پاس واپس جا کر بخت خاں نے صوبہ داروں کو اطلاع دی کہ بادشاہ نے میری خدمات کو منظور کر لیا ہے اور ان سے پوچھا کہ تم کس کے احکام ماننا چاہتے ہو۔ سب صوبہ داروں نے محمد بخت خاں کے ہاتھ پر اطاعت کے حلف اٹھائے۔ دربار کے بعد بادشاہ نے جنرل کو کنج میں باریابی دی۔ جنرل نے کہا کہ میں بھی آپ ہی کے خانوادہ سے ہوں اور بادشاہ سے کہا کہ اپنا اطمینان کرنے کی غرض سے آپ تحقیقات فرما سکتے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ اس وقت جنرل سے اور کوئی بڑا آدمی موجود نہیں ہے۔ جنرل نے جواب میں عرض کیا کہ "میں بہادر کے خطاب کا حق دار ہو جاؤں گا، اگر میں دہلی اور میرٹھ سے انگریزوں کو نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔" نواب عبدالرحمٰن خاں والی جھجر کے داروغہ کو حکم ملا کہ کلاں محل فوجوں کے لئے خالی کردو۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ جنرل بخت خاں نے شاہزادہ مرزا مغل کے یہاں جا کر ملاقات کی اور بہت دیر تک مشورہ کرنے کے بعد واپس آ گئے۔ محمد بخت کو جنرل کا خطاب دیا گیا اور ساتھ ہی ایک ڈھال اور تلوار بھی عطا ہوئی اور انہیں تمام افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کر دیا گیا۔ منادی کرادی گئی کہ پلٹنوں کے تمام افسروں کو ہدایت لینے کی غرض سے محمد بخت خاں کے پاس جانا چاہئے۔ مرزا مغل ایڈجوٹنٹ جنرل مقرر ہوئے۔ محمد بخت خاں نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ اگر کسی شاہزادہ نے شہر کو لوٹنے کی کوشش کی تو میں اس کی ناک اور کان کٹوا دوں گا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ "تمہیں پورے اختیارات حاصل ہیں۔ جو بہتر سمجھو کرو۔" اس حکم کی مطابقت میں شہر کے کوتوال کو اطلاع دے دی گئی کہ اگر شہر میں مزید لوٹ مار ہوئی تو تمہیں پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا اور جو سپاہی لوٹتے ہوئے پکڑے جائیں، ان کو گرفتار کر لیا جائے۔ بخت خاں نے اطلاع دی کہ شہر کے باہر حسب ذیل فوج کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہوں:

چار پیدل فوجیں

سات سو سوار

چھ بھاری توپیں جنہیں کھینچنے کے لئے گھوڑے استعمال کیے جاتے ہیں۔

تین میدانی توپیں

چودہ ہاتھی

تین سے زائد گھوڑے جنہیں ہاپڑ کے سرکاری اصطبل سے حاصل کیا گیا ہے۔

ایک سو مجاہدین

فوج کو چھ مہینے کی پیشگی تنخواہ دے دی گئی۔ محمد بخت خاں نے کہا کہ میرے پاس چار لاکھ روپے موجود ہیں اور کہا کہ میں اب بادشاہ کو مزید امداد حاصل کرنے کی غرض سے تکلیف نہ دوں گا اور اگر میری فوجیں کامیاب ہوئیں تو میں زائد روپیہ خزانہ میں داخل کر دوں گا۔ بادشاہ نے بریلی کی فوج کی ضیافت کے لئے چار ہزار روپے دیے۔ فوجی دستوں کے تمام کمانڈروں کو حکم دے دیا گیا کہ جنرل بخت خاں سے احکام حاصل کریں۔ آگرہ کی فوج کے نام بھی اسی قسم کے احکام نافذ کیے گئے۔ جنرل نے منادی کرا دی کہ تمام دکانداروں کو اپنے ہتھیار اپنے پاس رکھنے چاہئیں۔ جن اشخاص کے پاس ہتھیار نہ ہوں، وہ ہیڈ کوارٹرز سے طلب کر سکتے ہیں اور کسی حالت میں مکانوں کو غیر مسلح حالت میں نہ چھوڑا جائے۔ جو سپاہی لوٹ مار کرتا ہوا پکڑا جائے گا اس کے ہتھیار اس سے چھین لئے جائیں گے۔ جن اشخاص کے پاس گولہ بارود کا سامان ہو انہیں چاہئے کہ وہ میگزین کے حوالہ کر دیں ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔ پولیس کو حکم دیا گیا کہ جنرل کے دربار میں شہر دہلی کے تمام عمائدین کو شریک ہونے کے لئے کہا جائے۔ جنرل نے میگزین کا معائنہ کیا اور حکم دیا کہ گولہ بارود ذخائر اور سامان اسلحہ کو باقاعدگی سے ترتیب دیا جائے۔ شکایات کی گئیں کہ رائے رام سرن داس (ڈپٹی کلکٹر) کے مکان کو لوٹ لیا گیا ہے۔ خبر ملی کہ راجہ بیکانیر کے چھ ہزار سپاہی ہانسی حصار آ گئے ہیں اور انہوں نے حملہ کر کے بہت سے سپاہیوں کو مار ڈالا ہے اور ان مقامات میں امن و امان قائم کر دیا ہے۔ وہ سپاہی عنقریب رہتک جانے والے ہیں۔ حصار اور سرسہ کی درمیانی ڈاک کا انتظام از سر نو جاری ہو گیا ہے۔ لکھنؤ سے خبر پہنچی کہ یہاں کی فوجیں بگڑ گئی تھیں اور یہ کہ انہوں نے مچھلی بھون میں تمام انگریزوں کو گھیر لیا ہے۔ گوالیار سے اطلاع ملی کہ فوجی دستے بغاوت کرنا چاہتے تھے مگر جیاجی راؤ سنگھ کے اثر سے باز رہے جنہوں نے فوج کو نصیحت کی کہ دہلی کی باغی فوج کے ساتھ نہ ملو اور میرے ساتھ رہو۔ رات کے آٹھ بجے جنرل بخت خاں نے بادشاہ سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ اور زینت محل، حکیم احسن اللہ خاں اور احمد قلی خاں کے ساتھ بہت دیر تک مشورہ کرتے رہے۔

۳ جولائی۔ راجہ احمد سنگھ کے بیٹے حسن علی خاں اور دوسرے سردار بادشاہ کے دربار میں شریک ہوئے۔ شہر والوں کی طرف سے بادشاہ کی خدمت میں عرضی پیش کی گئی جس میں یہ شکایت درج تھی کہ جنرل بخت خاں نے ہمیں اپنے گھر پر بلایا اور طلبی کے سمن پولیس کی وساطت سے بھیجے جس سے ہمیں تکلیف پہنچی اور ہماری سخت توہین ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا کہ حکم کو واپس لے لیا جائے اور وعدہ کیا کہ اگر ہماری ضرورت ہو اور ہمیں چٹھی کے ذریعہ بلایا جائے تو ہم بالضرور حاضر ہوں گے۔ جنرل سے جواب طلب کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے شہر کے مہاجنوں کو طلب نہیں کیا تھا بلکہ پولیس کو ان کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ اپنے تئیں مسلح رکھیں۔ آج کے دن بادشاہ نے بخت خاں کے نام احکام جاری کیے کہ

میرے ملازمین کو تنخواہ دینے کا انتظام کیا جائے۔ جنرل کو اختیار دیا گیا کہ لوٹنے والے اشخاص پر جرمانہ کردو اور مظلوم اشخاص کو تاوان دلاؤ۔ سول انتظام پولیس اور مالگزاری کے انتظامات بھی انہی کے ہاتھ میں دے دیئے گئے۔ ایک حکم کے ذریعہ شاہزادگان کو تمام فوجی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا گیا۔ چوتھے رسالہ کے ایک سوار نے آ کر اطلاع دی کہ انگریزی کیمپ کے دو انگریزوں نے میرا تعاقب کیا تھا جن میں سے ایک کو تو میں نے مار گرایا' مگر دروازے کے گارد نے میرے ہتھیار اور گھوڑا چھین لیا ہے۔ اس نے یہ بھی اطلاع دی کہ مہاراجہ پٹیالہ نے انگریزوں کے لئے دو سو گاڑیاں اجناس خوراک کی بھیجی ہیں جو ابھی راہ ہی میں ہیں۔ ان کو راستہ ہی میں لوٹ لینے کی غرض سے دو پیدل فوجیں' توپخانہ کی ایک باتری اور چند سوار بھیجے گئے۔ جنرل نے بادشاہ سے خیموں کی مرمت کے لئے منظوری مانگی۔ جامع مسجد اور لال ڈگی کے قریب بیس ہزار فوجیں پریڈ کے لئے جمع ہوئیں۔ نائب کوتوال خدا بخش خاں بھی پریڈ میں آیا اور فوجوں کے لئے ایک حکم لایا کہ حالت تیاری میں کھڑی رہیں۔ اس کے بعد وہ کشمیری دروازہ' سلیم گڑھ اور لاہوری دروازہ میں سے ہوتی ہوئی نکلیں اور ٹھہر گئیں۔ جنرل اپنے سٹاف سمیت محل میں چلے گئے۔ ان کے ساتھ دو یورپین سارجنٹ بھی تھے۔ جنرل نے کہا کہ یہ دونوں یورپین بریلی سے ساتھ ہو گئے ہیں اور بہت مفید ثابت ہوئے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا گیا کہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ہندوستانیوں کو بریلی میں توپ کے منہ سے نہیں اڑوایا گیا۔ انہیں حکم دیا گیا کہ سلیم گڑھ' کشمیری دروازہ اور لاہوری دروازہ جائیں اور باتریوں کا معائنہ کرنے کے بعد رپورٹ پیش کریں۔ خبر ملی کہ گوڑگاؤں کا کلکٹر جے پور سے متفرق فوج لے کر آ رہا ہے اور راستہ میں بنور کے تین دیہات کو خوب سزا بھی دی ہے' کیونکہ یہ دیہاتی باغیوں سے مل گئے تھے۔ ایک جاسوس کی زبانی یہ خبر معلوم ہوئی کہ انگریزی فوج کی تعداد نو ہزار کے قریب ہے۔ خبر ملی کہ صوبجات شمال مغربی کے لفٹنٹ گورنر نے سیٹھ لکھمی چند (متھرا) کو بیس لاکھ روپے کے لئے لکھا ہے۔ اس نے جواب میں یہ تحریر کیا ہے کہ میرے پاس سونا تو موجود ہے لیکن چاندی نہیں ہے۔ اس کی بھی خبر ملی کہ کالپی اور اودے پور کی فوجوں نے بغاوت کر دی ہے۔ اپنے افسروں کو مار ڈالا ہے اور اب وہ دہلی کی جانب کوچ کر رہی ہے۔

۴ جولائی۔ مرزا خضر سلطان بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ شاہزادے شہر کی آبادی کو سخت تکلیف دے رہے ہیں۔ جنرل بخت خاں کو فرزند کا خطاب (سب سے پہلے شاہ عالم نے یہ خطاب عطا کیا تھا۔) عطا ہوا۔ احمد نگر کے صاحبزادگان حسن علی خاں اور حامد علی خاں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور راجہ بلب گڑھ کے وکیل مولوی احمد علی کو خط لکھا گیا اور پوچھا کہ فخر الدین کی گاڑی کو راجہ کی عملداری میں کیوں لوٹ لیا گیا۔ جنرل بخت خاں نے منادی کرا دی کہ تمام باشندے چاندنی چوک میں جمع ہو جائیں جہاں انہیں ایک حکم پڑھ کر سنایا جائے گا۔ جو دو پلٹنیں ذخیرہ اجناس حاصل کرنے کی غرض سے بھیجی گئی تھیں وہ دو گاڑیاں لے کر واپس آ گئیں جنہیں انہوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ پٹیالہ کے نو سوار مارے گئے۔ علی پور میں بھی باتری لگا دی گئی۔ رات کو انگریزوں نے حملہ کیا' جس میں آٹھ سو باغی مارے گئے۔ حکم سننے کی غرض سے بیس ہزار آدمیوں کا اجتماع ہوا' لیکن جنرل کے واپس آنے سے پہلے ہی لوگ منتشر ہو گئے۔ دھام پور اور نگینہ کے چار سو سپاہی شاہی فوج میں شامل ہونے کی غرض سے آئے جنہیں مسجد فتح پوری میں ٹھہرایا گیا۔

۵ جولائی۔ بادشاہ نے حکیم احسن اللہ خاں کو باریابی دی۔ بہادر شاہ (مرحوم شاہ دہلی) کے بیٹے مرزا ابلاقی کی

بیوی ایمان بیگم بھی موجود تھیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ گذشتہ رات کو ابوبکر نشہ کی حالت میں چند سوار لے کر میرے مکان پر آئے اور مجھے پکڑنا چاہا۔ انہوں نے بندوقوں اور پستولوں سے چند فیر بھی کئے اور محلّہ کے کئی ایک آدمیوں کو خوب زدوکوب کیا۔ پولیس پہنچ گئی، مگر ابوبکر نے کوتوال پر تلوار سے حملہ کیا اور اسے گرفتار کر کے تحویل میں رکھا۔ پھر اس کی بے عزتی کی اور بالآخر میرے مکان کو لوٹ لیا۔ بادشاہ اس واقعہ سے بہت ناخوش ہوئے اور شاہزادہ کو تمام فوجی اعزاز سے محروم کر دیا۔ بادشاہ نے یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شاہزادہ دربار میں شریک نہ ہونے پائے۔ انہوں نے تمام سرداروں کے نام احکام بھیج دیے کہ تمام شاہزادگان عتاب میں ہیں اور اگر وہ لوٹتے ہوئے دیکھے جائیں تو ان سے معمولی آدمیوں کا سا سلوک کیا جائے۔ اس کی منادی کر دی گئی کہ خاص کانسٹیبل اگر احکام کے مطابق کارروائی نہ کریں گے تو ان کے متعلق یہ سمجھا جائے گا کہ وہ سلطنت کے خلاف مجرم ہیں۔ جوناپور (؟) سے باغیوں کی پانچ کمپنیاں آئیں اور اطلاع دی کہ مان سنگھ نے پانچ ہزار سپاہی جمع کئے ہیں جو ہر طرح سے مسلح ہیں اور انہیں جنرل بخت خاں کے زیر قیادت دے دیا ہے۔ خبر ملی کہ انگریزوں نے چندراولی کے مقام میں اپنی باتری نصب کی ہے۔ جنرل بخت خاں نے ذخائر پر قبضہ کرنے کی غرض سے فوج بھیجی جس نے بیس گاڑیاں گرفتار کیں۔ وہ ضیاء الدین کے باغ تک پہنچی ہوں گی کہ انگریزوں نے سپاہی بھیج کر پھر انہیں پکڑ لیا۔ نصیر آباد سے اطلاع آئی ہے کہ کرنیل لارنس آبو پہنچ گئے ہیں اور ان کی آمد سے باشندوں کے دل قوی ہو گئے ہیں۔ دھولپور کی حفاظت کے لئے ایک ہزار سپاہی بھیجے گئے۔ یہ سپاہی جے پور کی فوج کے تھے۔ اندور اور نواب جاؤرہ کی فوجیں حکم کے بغیر بھاگ گئیں۔ اطلاع ملی کہ مہاراجہ بندورا کے وکیل کے بیٹے کشوری لال بعارضہ ہیضہ بیکانیر میں انتقال کر گئے۔ ملتان سے خبر پہنچی کہ انگریزوں نے فوج سے ہتھیار لینے کی کوشش کی تھی، مگر انہوں نے ہتھیار دینے سے صاف انکار کر دیا اور انگریزوں کو دھمکی دی جس پر سب انگریز فرار ہو کر قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئے اور سپاہی لاہور چلے گئے۔

۶ جولائی۔ بہادر گڑھ کے نواب بہادر علی خاں نے گیارہ روپے کی نذر پیش کی اور شکایت کی کہ میرے بزرگوں کی جائداد پر بہادر جنگ خاں نے قبضہ کر رکھا ہے اور کہا کہ میں اب انصاف چاہتا ہوں۔ یعقوب علی خاں نے بھی نذر پیش کی۔ باغی فوج کے افسر بھی دربار میں موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہر ہنڈن کے پل کی حفاظت کے لئے ایک دستہ بھیجا گیا تھا لیکن رسد نہ ملنے اور سخت بارش ہونے کے باعث وہ لوٹ آیا۔ اس بات کی بھی شکایات کی گئیں کہ جنرل نے اپنی فوج کے لئے تو رسد کا انتظام کر لیا ہے، مگر باقی فوج کے لئے کچھ نہیں کیا۔ بادشاہ نے شکایت کرنے والے اشخاص کو جنرل کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ نے مرزا عبداللہ اور دوسرے شاہزادوں کو ان کی خراب روش پر سب کے سامنے سخت سرزنش کی اور انہیں حکم دیا کہ جتنا روپیہ تم نے مہاجنوں سے زبردستی وصول کیا ہے، وہ واپس کر دو ورنہ تمہارے وظیفے بند کر دیے جائیں گے۔ پہاڑ گنج کے سابق تھانیدار اور حیدر حسن خاں کی طلبی ہوئی اور انہیں حکم ہوا کہ جو مال تم نے لوٹا ہے اسے دے دو ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔ جنرل کے پاس سے دو عریضے موصول ہوئے جن میں ان تکالیف کا ذکر درج تھا جو افواج کو ناموافق موسم کی وجہ سے اٹھانی پڑ رہی ہیں۔ سیٹھ ماہ سنگھ کو چیزیں بہم پہنچانے کا حکم ہوا۔ دہلی کی مقیم فوجوں کے متعلق حکم ہوا کہ تنخواہ کا حساب تیار کرنے کی غرض سے ان کی روزانہ فرد آنی چاہئے۔ سلیم گڑھ کے ایک سپاہی کا سر توپ کے گولہ سے اڑ گیا۔ حکم ہوا کہ تمام مسلح آدمیوں کو دیوان خاص سے نکال دیا جائے۔ جو اشخاص پگڑی پہنے ہوئے نہ تھے انہیں بھی نکال دیا

گیا' اس لئے کہ ان کی موجودگی اچھی معلوم نہ ہوتی تھی۔ دوسرے بادشاہ کے احترام میں فرق آتا تھا۔ چوتھے رسالہ کا رسالدار احمد خاں چند سواروں کی ہمراہی میں انگریزی فوج سے بھاگ کر چلا آیا۔ اس کے پاس ہزار ہا روپے تھے۔ وہ شام کو دہلی میں داخل ہو گیا۔ بادشاہ نے جنرل بخت خاں کو بلوایا' مگر کام کی غیر معمولی مصروفیت کے باعث وہ حاضر ہونے سے معذور ہے۔ بادشاہ نے احمد قلی خاں کے پاس ایک تعویذ بھیجا اور کہلوایا کہ اس پر لوہے کا خول منڈھوا لو اور اپنی بانہہ پر باندھ لو۔ انشاء اللہ خدا فتح دے گا۔ اطلاع ملی کہ یورپین فوجوں کی تین کمپنیاں آگرہ سے روانہ ہو گئی ہیں اور آج شام کو صفدر جنگ کے مقبرہ میں پڑاؤ ڈالیں گی اور صبح کے وقت علی پور چلی جائیں گی۔ بادشاہ نے آسوڑ (؟) کی باتری کا معائنہ کیا اور انتظامات کا مشاہدہ کیا۔ دو سپاہی اس غرض سے جے پور بھیجے گئے کہ معلوم کریں کہ آیا بمبئی سے کوئی فوج آ رہی ہے؟ تمام فوج کو حکم ملا کہ پریڈ کے لئے حاضر ہو جائے۔ انگریزی فوج کے تین جاسوس جنرل بخت خاں کے روبرو پیش کئے گئے جنہیں وہیں کے وہیں قتل کر دیا گیا۔ دو آدمی جو میلے کچیلے تھیلے میں برانڈی کی بوتلیں لے جا رہے تھے' گرفتار کئے گئے۔ انگریزی کیمپ کا ایک ہاتھی بھی گرفتار ہوا اور شہر میں لایا گیا۔ پولیس کے تمام افسروں کے نام احکام نافذ ہوئے کہ محمد قلی خاں کو پورے اختیارات دے کر شہر کا مجسٹریٹ مقرر کر دیا گیا ہے۔

۷ جولائی۔ امین الدین خاں' مرزا ضیاء الدین خاں اور میر حامد علی خاں بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ بلب گڑھ کے رئیس ولی داد خاں کے پاس سے ایک چٹھی موصول ہوئی جس میں یہ درج تھا کہ بلند شہر کے کلکٹر اور چند سو یورپین سپاہیوں نے مجھ پر حملہ کیا' لیکن میں نے بلب گڑھ سے بارہ میل کے فاصلہ پر مین پور کے مقام میں ان سب کو شکست دی اور ان کی تین توپوں پر قبضہ کر لیا اور انہیں واپس قلعہ میں دھکیل دیا۔ چٹھی میں یہ بات بھی درج تھی کہ اگر بادشاہ کی طرف سے مجھے کچھ امداد مل گئی تو میں کلکٹر صاحب کا بالکل خاتمہ کر دوں گا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک پلٹن اور ایک توپ بغرض امداد بلب گڑھ روانہ کی جائے۔ کوتوال کو حکم ملا کہ جنرل سے بات چیت کر کے کسر یٹ کا انتظام کرے۔ راجہ ناہر سنگھ والی بلب گڑھ نے ایک ضروری مراسلہ بھیجا جس میں یہ لکھا تھا کہ نیچ کی فوج نے مجھے لکھا ہے کہ میں سات سو من آٹا اور چنے اور دیگر اجناس تیار رکھوں۔ کیا میں اس حکم کی تعمیل کر دوں؟ لکھنؤ کے رسالہ کے ستر آدمی آج شہر میں داخل ہوئے اور جنرل بخت خاں کی فوج کے ساتھ ملحق کر دیئے گئے۔ اعلیٰ ذات کے چند سپاہیوں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ جنرل ہماری ضروریات پوری نہیں کرتے۔ انہوں نے درخواست دی کہ ہمیں مرزا مغل کی فوج میں داخل کر دیا جائے اور جو روپیہ ہم اپنے ساتھ لائے تھے' وہ ہمیں واپس کر دیا جائے۔ بادشاہ نے وعدہ کیا کہ آئندہ سے تمہارا پورا پورا خیال رکھا جائے گا' چنانچہ اس بارے میں احکام جاری ہو گئے اور یہ بات معرض تحریر میں آ گئی کہ فوجوں کو ہر لحاظ سے قانع رکھنا چاہئے۔ نواب بہادر جنگ خاں کے وکیل کچھی زائن کے نام حکم نافذ ہوا کہ فی الفور دو من افیون شہر میں بھیج دو۔ ادائیگی قیمت کا وعدہ کر لیا گیا۔ دہلی دروازہ سے اجمیری دروازہ تک فوجوں کی پریڈ کی گئی۔ جنرل نے سپاہیوں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ بات چیت کی اور انہیں ہر طرح سے اطمینان دلایا۔ بادشاہ کی طرف سے ہر پلٹن کے نام خاص پیغام بھیجا گیا اور وہ یہ تھا کہ جو شخص میدان جنگ میں جائے گا اور کارہائے نمایاں کرے گا' اسے پانچ بیگہ زمین دی جائے گی اور اعزازی عہدہ بھی عطا ہو گا۔ پریڈ کے بعد جنرل میگزین گئے اور توپخانہ کا معائنہ کیا اور معائنہ سے اطمینان کا اظہار کیا۔ جنرل کے پاس سے بادشاہ

کی خدمت میں دو عرضیاں موصول ہوئیں۔ پہلی کا مطلب یہ تھا کہ میں نے بلب گڑھ فوج بھیجنے کے متعلق افسروں سے گفتگو کی ہے اور نتیجہ زبانی عرض کروں گا۔ دوسری میں لکھا تھا کہ میں خود فوج کو تنخواہ دینے کا انتظام کروں گا۔ نیچ کی فوج کے پاس سے خط آیا جس میں لکھا تھا کہ ہم نے جھجور والی فوج پر فتح پائی ہے اور یہ کہ وہ فوج بھاگ گئی ہے۔ خط میں تحریر تھا کہ آگرہ کے قلعہ پر حملہ کرنے کی غرض سے سفر مینا کی ایک پلٹن اور چھ توپوں کی ضرورت ہے۔ یہ عرضی جنرل بخت خاں کے پاس روانہ کردی گئی۔ حکم ہوا کہ احمد قلی خاں کے پاس روزانہ پولیس کی رپورٹ آنی چاہئے۔ حکیم احسن اللہ خاں نے شکایت کی کہ احمد قلی خاں کا درجہ مجھ سے بڑھا دیا گیا ہے۔ بادشاہ نے انہیں اطمینان دلایا اور حکم میں اتنی ترمیم کردی کہ آئندہ سے پولیس کی رپورٹ حکیم احسن اللہ خاں کے پاس آنی چاہئے۔ اطلاع ملی کہ ماڑواڑ کے تین مہاجنوں اور ایک مسلمان انگریزوں نے گرفتار کرلیا ہے اور مارواڑیوں کو تو رہائی دے دی گئی ہے مگر مسلمان کو گولی ماردی گئی ہے۔ اس کی بھی اطلاع ملی ہے کہ مہاراجہ پٹیالہ (مہاراجہ نرندر اسنگھ) نے جو پانچ لاکھ روپے انگریزی فوج کے لئے بھیجے تھے، وہ انگریزی لشکر میں بہ حفاظت تمام پہنچ گئے۔

۸ جولائی۔ بادشاہ دیوان عام میں تشریف لائے اور دربار منعقد کیا۔ افواج کی چار دن کی تنخواہ کے طور پر نو ہزار روپے مرزا مغل کے پاس بھیجے گئے۔ حافظ نعمت اللہ خاں رئیس بریلی کے صاحبزادے خان بہادر خاں کا مراسلہ موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ میں بریلی اور شاہجہان پور پر تمام و کمال قابض ہوگیا ہوں۔ بادشاہ نے انہیں مبارک باد کے خطوط بھیجے۔ پشاور کی فوجوں کی جانب سے بھی مراسلہ موصول ہوا جس میں یہ اطلاع درج تھی کہ عنقریب دو ہزار سپاہی شاہی فوج میں آن ملیں گے۔ مہتاب باغ اور لال ڈگی میں جو سوار مقیم تھے انہیں خان علی خان کے مکان میں جانے کا حکم ہوگیا۔ نام چند داس گوڑ والا اور دوسرے دکانداروں نے سعادت خاں کو گرفتار کرکے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ اس نے چھ ہزار دو سو روپے کی نذر دے کر رہائی حاصل کی۔ شاہزادہ جہان اکبر کے بیٹے محمد عظیم خاں نے سہارنپور سے اپنے بال بچوں کو لانے کی غرض سے اس بنا پر مسلح امداد طلب کی کہ انگریز اس مقام کی طرف پیشقدمی کر رہے ہیں۔ جنرل بخت خاں کو ہدایت کی گئی کہ مسلح امداد کا بندوبست کردیں۔ پانچ قصاب ایک چارپائی پر انگریزی کیمپ کے لئے گوشت لے جاتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ انہیں وہیں کے وہیں قتل کردیا گیا۔ اس وحشیانہ کارروائی کی وجہ سے شہر میں بے اطمینانی پیدا ہوگئی۔ اطلاع ملی کہ چالیس خلاصی چند توپوں کی معیت میں جنہیں کپتان لوئی نے فرید پور کے توپخانہ سے بھیجا تھا انگریزی کیمپ میں پہنچ گئے ہیں لیکن ان میں سے دس آدمیوں نے فوج کو چھوڑ دیا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ نینی تال میں چار سو انگریز ہیں۔ یہ کہ نواب رامپور نے مراد آباد اور امروہہ پر اور رئیس نجیب آباد نواب محمد خاں نے بجنور، دھام پور، نگینہ اور آدم پور پر قبضہ کرلیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کرنل لارنس آبو سے نصیر آباد گئے ہیں جہاں راجپوتانہ کے راجگان کے وکلاء سے ملنے کے لئے آئے۔ انہوں نے کہا کہ کرنل نے راجہ پرتاب گڑھ سے ایک ہزار سپاہی طلب کئے ہیں اور نواب جاورہ سے کہا ہے کہ نیچ میں پڑاؤ ڈال کر ان کی حفاظت کریں۔ جودھ پور سے بھی پانچ سو سوار اور پیدل سپاہی طلب ہوئے ہیں۔ خبر ملی ہے کہ راؤ تلارام نے ڈکیتی کے جرم میں بیس گوجروں کے سر قلم کردیئے ہیں۔ یہ بھی خبر ملی کہ انگریز ابھی تک لکھنؤ میں ہیں اور اپنے گرداگرد سرنگیں بچھا دی ہیں اور یہ کہ دریا کے قریب کی سرنگیں پھٹ گئی ہیں۔ انگریزی

فوج بیلی گارد میں جمع ہوگئی ہے اور اس نے فیروز پور دروازہ کو مسلح کر دیا ہے۔ اطلاع موصول ہوئی کہ بنارس اور الہ آباد میں بھی بغاوت رونما ہوگئی ہے اور یہ کہ الہ آباد میں اگرچہ انگریزوں کی حالت اچھی تھی' مگر وہ قلعہ بند ہوگئے ہیں۔

۹ جولائی۔ دستور کے مطابق بادشاہ دربار میں تشریف لائے۔ نواب محبوب علی خاں کے چند رشتہ داروں نے چار چار روپے کی نذر پیش کی۔ شہر کے قصابوں نے شکایت کی کہ ہماری قوم کے پانچ آدمیوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور یہ کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ اپنی دکانیں مت کھولو۔ مرزا مغل کو معاملے کی تحقیقات کا کام سپرد کیا گیا۔ منادی کر دی گئی کہ جو شخص گائے ذبح کرے گا اسے توپ کے منہ سے اڑا دیا جائے گا اور یہ کہ اگر کسی نے بکری ذبح کرنے پر اعتراض کیا تو اسے بھی سزا دی جائے گی۔ خبر مشہور تھی کہ جنرل بخت خاں نے دس ہزار فوج کے ساتھ جس میں سوار اور پیدل دونوں شامل تھے' انگریزوں پر حملہ کیا ہے' یہ کہ چھاؤنی میں ابھی تک جنگ برپا ہے اور یہ کہ انہوں نے تیس ہزاری کے مقام کو انگریزوں سے چھین لیا ہے۔ جنرل بخت خاں نے سواروں اور پیدل فوج کے سپاہیوں کے ساتھ انگریزی کیمپ میں گھس کر حملہ کیا اور بہت سے افسروں اور سپاہیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ کہتے ہیں کہ توپچیوں نے جنرل بخت خاں کو پہچان لیا۔ اس معرکہ میں جہودی بھی شریک تھے۔ انگریزی کیمپ کے ایک حصہ کو لوٹ لیا گیا اور جب توپچیوں نے یہ حالت دیکھی تو انہوں نے توپوں کا منہ سپاہیوں کی طرف پھیر دیا اور ان پر گولے برسائے جس کی وجہ سے بہت سے زخمی اور مقتول ہوئے۔ اس دن کی فتح میں بیس گھوڑے' شتر' اونٹ اور بہت سا قیمتی سامان ہاتھ آیا۔ تیرہ سوار اور بارہ پیدل فوج کے سپاہی بھی گرفتار ہوئے۔ چند یورپین جو محبوب علی خاں کی سرائے میں چھپے ہوئے تھے' قتل کیے گئے اور ان کے سروں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور ان کی تشہیر کرائی گئی تاکہ لوگوں کو فتح کا ثبوت مل جائے۔ بادشاہ نے سروں کو دیکھ کر اظہار اطمینان کیا اور جن لوگوں نے ان یورپینوں کو قتل کیا تھا انہیں ایک سو روپے بطور انعام عطا کیے۔ کالی خاں کے توپخانہ کے دو آدمی آج مارے گئے' اس لیے کہ انہوں نے بزدلی کی وجہ سے توپچیوں پر گولہ چلانے سے انکار کر دیا تھا۔

۱۰ جولائی۔ بادشاہ نے سلیم گڈھ کی باتری کا معائنہ کیا۔ نواب احمد ولی داد خاں نے درخواست پیش کی جس میں محاصل جمع کرنے کی غرض سے امداد طلب کی گئی تھی۔ محمد بخت خاں کو حکم دیا گیا کہ فی الفور فوجوں کو روانہ کر دیا جائے تاکہ جن آسامیوں نے لگان ادا نہیں کیا' انہیں سزا دی جائے۔ خزانچی نے اطلاع دی کہ خزانہ میں صرف سترہ لاکھ پچاس ہزار روپے رہ گئے ہیں۔ لکھنؤ کے رئیسوں فرزند علی خاں اور نذیر حسن علی خاں کے پاس سے چٹھیاں موصول ہوئیں' جن میں یہ خبر درج تھی کہ ہم نے اپنے مقام کے تمام انگریزوں کو قتل کر دیا ہے اور چند اضلاع پر جو کچھ دن پیشتر انگریزی عملداری میں شامل تھے' قبضہ جمالیا ہے۔ چٹھی پڑھنے کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ مبارکباد کا خط روانہ کیا جائے۔ یہ خبر اڑی کہ انگریز مورچوں پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ معلوم ہوتے ہی بہت سی پیدل فوج اور سوار بھیج دیے گئے تاکہ مقابلہ کرنے کے لیے وہ ہر وقت موجود رہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انگریزوں نے کل کی لڑائی کے مقتولوں کو دفن کرنے کی غرض سے چند آدمی بھیجے تھے۔ جنرل بخت خاں نے زخمیوں کو لانے کے لیے چند گھوڑے طلب کیے۔ اس حکم کی تعمیل حکیم احسن اللہ خاں کو سپرد کی گئی۔ جنرل بخت خاں کو حکم ملا کہ فی الفور چندراول میں کچھ فوج بھیج دیں تاکہ وہاں انگریزوں کو پل بنانے سے روکا جا سکے۔

۱۱ جولائی۔ بادشاہ نے دربار منعقد کیا اور شہر کے عمائدین سے ملاقات کی۔ اس کے بعد وہ مرزا مغل کے پاس گئے اور ایک گھنٹہ تک نیمچ کی گفتگو کرتے رہے۔ واپسی پر وہ محل میں تشریف لائے جہاں انہوں نے جنرل بخت خاں اور پچاس دیگر افسروں سے ملاقات کی۔ جنرل نے اظہار افسوس کیا کہ حضور کی جانب سے مجھے عتاب کا خط موصول ہوا ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ میں نے اس قسم کا کوئی خط نہیں بھیجا۔ جنرل نے درخواست کی کہ آئندہ حضور کی طرف سے جس قدر چٹھیاں بھیجی جائیں ان پر شاہی مہر ثبت ہونی چاہئے۔ بادشاہ نے تجویز کو منظور کر لیا۔ ساتھ ہی اس درخواست کو درجہ منظوری عطا فرمایا کہ زخمی سپاہیوں کو پنشن دی جائے اور کچھ زمین بھی عطا ہو۔ بخت خاں نے اثنائے گفتگو میں ظاہر کیا کہ میں ضلع لکھنؤ کے موضع سلطان پور کا رہنے والا ہوں اور شاہ اودھ کے خاندان سے ہوں اور عرض کیا کہ اگر آپ کو میرے بیان میں کچھ شبہ ہو تو آپ تصدیق فرما سکتے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تصدیق کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ مجھے آپ کی شرافت و نجابت پر پورا یقین ہے۔ جنرل نے جواب دیا کہ میں تصدیق پر اس غرض سے زور دے رہا ہوں کہ جب انگریز دہلی، میرٹھ، آگرہ سے نکال دیئے جائیں گے تو میں حسن خدمات کے معاوضہ کا طالب ہوں گا۔ جنرل نے نواب عبدالرحمٰن سے کلاں محل خالی کر دینے کے لئے کہا جسے فی الفور خالی کر دیا گیا۔ اس کے بعد وہ مرزا مغل سے ملنے کے لئے گئے، جہاں وہ ان سے بہت دیر تک گفتگو میں مصروف رہے۔ ریواڑی کے راجہ کو حکم دیا گیا کہ وہ محاصل جمع کر کے خزانہ میں داخل کریں۔ حکیم عبدالحق کو حکم ملا کہ شاہدرہ کے تھانہ دار کو مطلع کرنے کی غرض سے دس سوار بھیجیں کہ جو کوئی شخص انگریزی سکہ قبول کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ کانپور سے پانچ سوار آئے اور مرزا مغل سے عرض کیا کہ کانپور سے پانچ ہزار سپاہی دہلی روانہ ہو گئے ہیں۔ کوتوال کو حکم دیا گیا کہ ان کے استعمال کے لئے جتنے خیمے مل سکیں مہیا کریں اور اس کی اطلاع کمانڈر انچیف کو دے دیں۔ نہر شنکر کے راجہ کے وکیل مرزا احمد نے اطلاع دی کہ بلب گڑھ میں نیمچ کی فوج کے بیس ہزار سپاہیوں کے لئے جو دہلی آتے ہوئے وہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں اجناس وغیرہ بالکل تیار موجود ہے۔ کمانڈر انچیف کی جانب سے تمام فوج کے نام احکام نافذ کئے گئے کہ جنگ کے لئے تیار رہو۔ شہر میں افواہ پھیلی کہ چند سو آدمیوں نے تین انگریزوں کو جو بادشاہ کی خدمت میں بغرض ملازمت آ رہے تھے، قتل کر دیا۔ مہدی پور (ضلع بلب گڑھ) میں چند گورے پہنچے اور باشندوں کو یہ کہہ کر شہر چھوڑ کر چلے جانے کی تاکید کی کہ یہاں عنقریب لڑائی ہونے والی ہے۔ یہ افواہ بھی مشہور ہوئی کہ بارہ ہزار گورے بمبئی سے دہلی، میرٹھ اور آگرہ پر قبضہ کرنے کی غرض سے روانہ ہو گئے ہیں۔ اس امر کی اطلاع ملی کہ شکوری کے تین ہزار گوجر سپاہیوں کے ساتھ مل گئے ہیں اور چند دیہات کو لوٹ لینے کے بعد میرٹھ روانہ ہو گئے ہیں۔ اور یہ کہ انگریزوں نے گوروں کی ایک پلٹن دو توپوں کے ساتھ وہاں بھیجی ہے جس نے چند سو آدمی قتل کرنے کے بعد انہیں منتشر کر دیا ہے۔ اس معرکہ میں انگریزوں کے دو سارجنٹ اور سولہ سپاہی کھیت رہے اور تمام موضع کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔

۱۲ جولائی۔ بادشاہ مہتاب باغ تشریف لے گئے۔ واپسی پر انہوں نے حامد علی خاں، حسن علی خاں اور ان کے فرزند سعادت علی خاں، حسین مرزا نذیر اور مظفر الدولہ کو باریابی دی۔ نذر دینے کے بعد مظفر الدولہ نے لکھنوی آغا کے صاحبزادگان مہدی علی خاں اور بشیر علی خاں کی درخواست پیش کی جس میں انہوں نے کانپور میں تمام انگریزوں کو قتل کر دینے کی کارروائی کے متعلق یہ دریافت کیا تھا کہ آیا حضور اسے بہ نظر پسندیدگی ملاحظہ فرماتے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے اپنے

اس ارادہ کا بھی اظہار کیا تھا کہ لکھنؤ اور بنارس ہوتے ہوئے ہم دہلی آئیں گے اور بادشاہ کی فوج میں شامل ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ چٹھی حکیم احسن اللہ خاں کو دے دی جائے۔ مرزا محمد عظیم خاں نے شاہ شجاع الملک مرحوم والی کابل کے چند رشتہ داروں کو باریابی کے موقع پر پیش کیا۔ احمد علی خاں' فیض علی خاں اور بلب گڑھ کے مولوی احمد علی بھی بادشاہ کے حضور میں پیش کیے گئے۔ انہوں نے بادشاہ کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور کہا کہ ہم سلطنت مغلیہ کے وفادار ہیں۔ تحریری حکم کے ذریعہ انہیں اپنے خدام اور سپاہیوں سمیت رہنے کا حکم دیا گیا۔ یوسف علی رئیس رامپور نے آ کر اطلاع دی کہ میں نے چند اضلاع پر قبضہ کر لیا ہے۔ انہیں بھی اپنے ہمراہیوں سمیت دہلی ہی میں رہنے کا حکم دیا گیا۔ کوتوال شہر نے آ کر بیان کیا کہ مجھے صرف تین خیمے دستیاب ہو سکے ہیں جنہیں میں نے جنرل بخت خاں کے پاس بھیج دیا ہے۔ کشمیری دروازہ کے افسر پولیس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ میرے پاس چند آدمیوں کا جو فوت ہو چکے ہیں' مال واسباب جمع ہے۔ ان کے متعلق احکام صادر کیے جائیں۔ جنرل بخت خاں نے بادشاہ کی خدمت میں عریضہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ فوج کی تنخواہ ادا کرنے کی غرض سے نواب جھجر سے چار لاکھ روپے حاصل کیے جائیں۔ درخواست پر نمبر لگایا گیا اور نواب کے نام احکام جاری کر دیئے گئے۔ انگریزی کیمپ کے چند فراری مرزا مغل کے پاس آئے اور اطلاع دی کہ انگریزوں کے پاس صرف دو ہزار دیسی سپاہی ہیں اور یہ بھی بھوکوں مر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سامان جنگ ختم ہو گیا ہے اور یہ کہ مہاراجہ پٹیالہ نے چند دن سے اجناس خوراک بھیجنے بند کر دیئے ہیں۔ تین سو سوار قرب وجوار کے اضلاع سے آئے اور اپنے تئیں جنرل بخت خاں کی خدمت میں پیش کیا۔ کانپور سے ایک سوار آیا جس نے اطلاع دی کہ پیدل فوج کی تین پلٹنیں اور سواروں کی چار پلٹنیں بہ سرعت تمام دہلی آ رہی ہیں۔ احمد خاں رسالدار انگریزی فوج سے فرار ہو کر دہلی میں اپنے مکان میں آ گئے۔ یہ سنتے ہی جنرل محمد بخت خاں نے گرفتاری کا حکم دے دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ جاسوس ہیں۔ انہوں نے رسالدار اور بریلی کے دو سارجنٹوں کو کوتوالی بھیج دیا۔ پہاڑ گنج میں جو دو یورپین چھپے ہوئے پائے گئے' چند سواروں نے انہیں قتل کر دیا۔ چند اونٹ جن پر اناج لدا ہوا تھا' انگریزی کیمپ سے پکڑ کر شہر میں لائے گئے۔ آج شہر میں یہ افواہ مشہور تھی کہ راجہ الور کی فوج نے نیچ سے آنے والی فوج پر حملہ کیا' لیکن ان کی فوج کو شکست ہوئی اور دو توپیں گرفتار ہوئیں۔ نصیر آباد کی فوجوں نے خواہش ظاہر کی کہ مرزا جمال کو ہمارا کمانڈر مقرر کر دیا جائے۔ چند جاٹوں سے جو ولی داد خاں کی تین توپیں چھین کر لے گئے تھے' یہ معلوم کر کے ولی داد خاں بادشاہ کے رشتہ دار ہیں' تینوں توپیں واپس کر دینے کے لئے کہا۔ آج فوج نے خواہش ظاہر کی کہ انگریزوں پر حملہ کرنا چاہیے۔ شکر پر فی من آٹھ آنہ کا ٹیکس لگا دیا گیا۔ راجہ بلب گڑھ کی فوج کے دس سوار جو انگریزوں کی فوج میں شامل ہونے کی غرض سے جا رہے تھے' صفدر جنگ کے مقبرہ کے پاس گرفتار ہو گئے۔ وہ ایک بگھی کی جس میں چند چٹھیاں تھیں' حفاظت کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ آج صبح دربار کے موقع پر ایک شخص نے یہ بات بیان کی کہ جھانسی' متھرا اور نیچ کی فوجوں نے آگرہ پر دھاوا بول دیا ہے۔ قلعہ سے تین میل کے فاصلہ پر جہاں انگریزوں نے باتری نصب کر رکھی تھی' سخت معرکہ ہوا جس میں انگریزوں کو شکست ہوئی اور ان کا قلعہ تک تعاقب کیا گیا جسے خالی کر کے وہ فرار ہو گئے۔ اس خبر کو سن کر محمد بخت خاں بہت محظوظ ہوئے اور اس فتح کی خبر منادی کے ذریعہ تمام شہر والوں کو پہنچا دی اور ساتھ ہی یہ بھی مشہور کرا دیا کہ آگرہ میں اب کوئی انگریز باقی نہیں رہا۔

۱۳ جولائی۔ کسپورہ (؟) دروازہ سے بادشاہ دیوان خاص میں داخل ہوئے۔ شہر کے تمام شرفا اور افسران فوج بھی موجود تھے۔ بہت دیر تک فتح آگرہ کے متعلق بات چیت ہوتی رہی۔ فوجی بینڈ نے فتح کے مژدہ جانفزا کی خوشی میں بادشاہ کے سامنے باجا بجایا۔ بادشاہ نے بینڈ کو دو اشرفیاں عنایت کیں۔

بادشاہ نے عبدالحق پر یہ الزام عائد کیا کہ انہوں نے انگریزوں کے پاس ایک بگھی، ایک چٹھی اور دس سوار بھیجے ہیں۔ حکیم احسن اللہ جو دربار میں حکیم عبدالحق کی طرف سے الزام کا جواب دینے کے لئے موجود تھے، کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ حکیم عبدالحق نے تین سال ہوئے، راجہ بلب گڑھ کی اطاعت کا جوا اتار کر پھینک دیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ راجہ صاحب انہیں سزا دینے کی غرض سے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ احسن اللہ خاں نے یہ بھی کہا کہ مجھے یقین نہیں آتا کہ عبدالحق کا اس سازش سے کچھ تعلق ہو۔ مرزا نوشہ اور کرم علی خاں نے انگریزوں پر فتح پانے کی خوشی میں قصائد پڑھ کر سنائے۔ شام کو بادشاہ نے امیر کابل کے اعزہ کے پاس تین قسم کے کھانے بھیجے۔ کوتوال نے چند بکس جو خلاصیوں کے مکانوں سے دستیاب ہوئے تھے اور جو بظاہر میگزین کے معلوم ہوتے تھے، بھیج دیئے۔ نواب عبدالرحمٰن خاں والی جھجر کے نام خط لکھا گیا جس میں تین لاکھ روپے کا مطالبہ درج تھا۔ خط میں یہ لکھا تھا کہ اگر پانچ لاکھ نہ بھیج سکو تو تین لاکھ تو بالضرور بھیج دو اور عدول حکمی کی صورت میں ایک پلٹن کو بھیج دیا جائے گا جس کے اخراجات کا بار نواب مذکور پر پڑے گا۔ آگرہ کی فتح کی خوشی میں سلیم گڈھ سے اکتیس توپوں کی سلامی سر کی گئی۔ محمد بخت خاں کے کیمپ سے بھی اکتیس توپوں کی سلامی سر کی گئی۔ سپاہیوں نے دریا کے کنارے والی میر مہدی کی دکان سے بانس شہتیر اور ڈنڈے لوٹ لئے۔ جنرل بخت خاں نے احکام نافذ کئے کہ جو شخص لوٹ مار کرتا ہوا گرفتار ہوگا اسے سخت سزا دی جائے گی۔ اطلاع ملی کہ فتح پور کے قریب انگریزوں اور ہندوستانی فوجوں کے درمیان سخت معرکہ ہوا جس میں اول الذکر کو شکست فاش ہوئی۔ محمد بخت خاں نے فتح آگرہ کی خوشی میں توپخانے کے آدمیوں میں پانچ سو روپے تقسیم کئے۔ جنرل بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انگریزی کیمپ کا ایک مفرور شخص آیا اور اس نے اطلاع دی کہ عرب سرائے میں انگریزی فوج کے لئے اجناس و ذخائر جمع ہیں۔ چنانچہ اسے ضبط کرنے کے لئے احکام جاری ہو گئے۔ پانچ سو سیڑھیاں جنرل کے حکم سے اس غرض سے تیار کی گئیں کہ اگر انگریزوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور سپاہیوں کو گھیرنا چاہا تو وہ فصیلوں پر سے اتر کر فرار ہو جائیں۔

(روزنامچہ لکھنے والے نے یہ قیاس خوب لکھا۔ وفاداری کے یہی معنی ہیں۔ زینے مورچوں پر چڑھنے کے لئے تھے، بھاگنے کے لئے نہ تھے۔ حسن نظامی)

۱۴ جولائی۔ بادشاہ کسپورہ دروازہ سے دیوان خاص میں داخل ہوئے۔ مرزا احسن علی خاں، امین الدین خاں، ضیا الدین خاں اور دیگر شرفا بھی دربار میں شامل تھے۔ مولوی صدر الدین خاں کے بھتیجے مرزا حسن بیگ نے پانچ روپیہ نذر میں پیش کئے اور حضرت کرم علی خاں نے دو روپے کی نذر پیش کی۔

۱۵ جولائی۔ حسب معمول بادشاہ نے لوگوں کو باریابی بخشی۔ مرزا احمد علی خاں آداب بجا لائے اور شہر کی حالت بیان کی۔ لکھنؤ کے رسالدار برکت علی نے اطلاع دی کہ سات ہزار سپاہیوں نے بیلی گارد کے تمام انگریزوں کو قتل کر دیا ہے اور اپنے بادشاہ کے مفاد کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اجودھیا پرشاد اور شاکر داس سوداگران نے اس مضمون کی عرضی پیش کی کہ

ہمارے پاس شراب اور اسپرٹ کا بہت بڑا ذخیرہ تھا جس پر پولیس نے قبضہ کر رکھا ہے۔ بعض بدمعاش مکانداروں نے شکایت کی کہ دو سو سواروں نے ایک گاڑی اور چھ اونٹوں کے سامان کو لوٹ لیا ہے۔ بادشاہ نے ان کی شکایت سننے کے بعد یہ کہہ کر اسے رد کر دیا کہ سراسر دروغ بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ نیچ کیمپ سے ایک عرضی موصول ہوئی جس میں توپخانہ طلب کیا گیا تھا۔ حکم صادر ہوا کہ جب تک انگریز دہلی سے نہ نکال دیئے جائیں اس وقت تک توپ خانہ نہ بھیجا جائے۔ جنرل محمد بخت خاں نے عرض کیا کہ شکر اور نمک کے محصول چنگی کو ہٹا لیا جائے ورنہ شہر میں یہ دونوں چیزیں آنی بند ہو جائیں گی اور اس سے فوج کو سخت تکلیف ہوگی۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میرا خود یہ خیال ہے کہ محصول چنگی لگانے میں دانشمندی سے کام نہیں لیا گیا اور اس لئے اسے ہٹا لینا چاہئے۔ بادشاہ نے جنرل محمد بخت خاں کو مطلع کیا کہ فوج کے افسروں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ ڈویژن کے تین جنرل مقرر کئے جائیں۔ جنرل نے جواب دیا کہ ایسا کرنا ضروری ہے۔ کرپنے ڈیر رجمنٹ (انبالہ) کی دو کمپنیاں آئیں اور اطلاع دی کہ مہاراجہ پٹیالہ نے ان کے ایک ہزار سپاہیوں کو گولی ماردی ہے جو براہ پٹیالہ دہلی آ رہے تھے۔ انگریزی کیمپ سے دو توپچی اور سفر مینا کے دو آدمی بھاگ کر آئے اور سید حسین داروغہ کی سفارش سے انہیں بھرتی کر لیا گیا۔ ایک شخص دوربین کے ذریعہ انگریزی کیمپ کا معائنہ کرتا ہوا گرفتار ہوا۔ مرزا مغل نے آج بادشاہ کی خدمت میں نہایت اعلیٰ درجہ کی دوربین نذر کی۔ بادشاہ کی سب سے اعلیٰ بیوی (زینت محل بیگم) آج کسی مقصد سے اپنے گھر گئیں۔ مرزا مغل اور بعض افسران بادشاہ کی خدمت میں طلب کئے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ڈویژن کے لئے جنرل منتخب کریں۔ اس طرح سے کہ ہر جنرل پیدل فوج کی آٹھ پلٹنوں اور سواروں کی دو پلٹنوں کا افسر ہو جائے۔ ان انتظامات کی رو سے جنرل بخت خاں کے پاس صرف بریلی کا بریگیڈ رہ گیا۔ انگریزی کیمپ پر باقاعدگی سے حملے کرنے کی غرض سے انتظامات کئے گئے۔ محاصل زمین کے کلکٹر ولی داد خاں نے عرضی پیش کی کہ دشمنوں نے مجھے گھیر لیا ہے اور امداد کی سخت ضرورت ہے۔ عرضی پڑھنے کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے حکیم احسن اللہ خاں کے حوالے کر دیا جائے۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ جنرل بخت خاں نے مہاجن سانگرام کو بلوایا تھا اور اس سے روپیہ طلب کیا تھا۔ مہاجن نے جواب دیا کہ میرے تمام کاغذات اور روپے کو لوٹ لیا گیا ہے اور میں اب بالکل تباہ و برباد ہو گیا ہوں۔ اسے جانے کی اجازت دے دی گئی، مگر چند سپاہیوں کو اس کے مکان پر تعینات کر دیا گیا۔ آج اطلاع ملی کہ انگریز مسجد کے قریب توپخانہ نصب کر رہے ہیں۔ یہ بھی خبر ملی کہ سرسہ کے سپرنٹنڈنٹ کپتان رو بنس نواب بہاولپور کی فوج کی کمان کرتے ہوئے آ رہے ہیں اور یہ کہ ان کے ساتھ مہاراجہ بیکانیر نے چند ہاتھی بھی کر دیئے ہیں۔ اطلاع ملی کہ علی پور اور کرنال کے درمیانی راستہ کو محفوظ کرنے کی غرض سے انگریزی فوج کا دستہ روانہ ہو گیا ہے۔ جھجر سے خبر موصول ہوئی کہ نواب بہادر جنگ نے نواب جھجر کے پاس ایک موقع پر سولہ ہزار روپے کے اور دوسرے موقع پر تیرہ ہزار روپے کے جواہرات رکھوا دیئے تھے جنہیں نواب نے دھوکہ سے ضبط کر لیا ہے۔ بہادر جنگ کو اس بات کا یقین آ گیا ہے کیونکہ ان کے پاس نواب کی نیت بد کی کافی شہادت موجود ہے۔ بہادر جنگ نے نواب پر جواہرات غصب کر لینے اور اسی سے فوج کی تنخواہ ادا کر دینے کا الزام عائد کیا۔ حسب ذیل باغی فوج جھجر میں آج کے دن موجود تھی ۸ ویں اور ۱۱ ویں پیدل پلٹن اور توپخانہ کی نو پلٹنیں یہ سب کی سب ۲۴ تاریخ کو کرنال پہنچ جائیں گی۔ راجہ بلب گڑھ نے دو سو سواروں کو جو اس سے پیشتر انگریزوں کی ملازمت میں تھے اپنے پاس ملازم رکھ لیا ہے۔ خبر ملی

کہ گجرات کے قرب وجوار کی قوموں نے شہر کو لوٹ لیا ہے اور پانچ سو اشخاص کو قتل کر ڈالا ہے۔ نواب محمد خاں ولی نے آج بجنور کے خزانہ پر قبضہ کر لیا۔

۱۸ جولائی۔ بادشاہ دیوان عام میں تشریف لائے اور جو شرفا وہاں موجود تھے' ان کے احترامات اور آداب کو قبول کیا۔ مدن سنگھ کو جو دریائے جمنا کے قریب رہتا تھا اور بہت بڑا زمیندار تھا' ایک خط لکھا گیا جس میں اسے لوٹ مار کرنے اور قتل وغارت کا بازار گرم رکھنے سے منع کیا گیا تھا۔ توپخانہ کے داروغہ حیدر حسن خاں دو جاسوسوں کو لائے جنہوں نے بیان کیا کہ انگریزی فوج کی تعداد دو چھ سو ہے۔ حسن علی خاں کو حکم دیا گیا کہ نواب جھجر کے نام مراسلہ بھیجا جائے جس میں یہ تحریر کیا جائے کہ بغیر تاخیر کے تین لاکھ روپے بھیج دو۔ نصیر آباد اور دہلی کی باغی فوجیں آج انگریزوں سے نبرد آزما ہیں۔ لڑائی کچھ عرصہ تک جاری رہی جس کے بعد انگریز مغلوب ہو کر پسپا ہو گئے اور اپنی توپیں میدان میں چھوڑ گئے۔ جھانسی کی باغی فوج نے فتح کے خمار میں بڑی بہادری سے انگریزوں پر حملہ کیا اور تین اونٹوں کو مار ڈالا۔ ان باغیوں کا یہ ارادہ تھا کہ وہ توپیں لے جائیں' مگر وہ ایسی مضبوطی سے زمین میں نصب کی گئی تھیں کہ انہیں ہلانا ناممکن تھا' بالخصوص اس وجہ سے کہ بھاری زنجیروں سے ان سب کو ایک ساتھ باندھ رکھا تھا۔ انگریزی کیمپ کے ایک ہزار ہندوستانی سپاہیوں نے باغیوں پر جوابی حملہ کیا اور جتنی زمین مع ان کے ہاتھ سے نکل گئی تھی' اسے دوبارہ لے لیا اور باغیوں کو پسپا کر دیا۔ تقریباً ستر گورے محبوب علی خاں کی سرائے میں چھپے ہوئے تھے۔ اس کی خبر پاتے ہی چند سو پیدل سپاہیوں اور سواروں نے انہیں گھیر لیا۔ جب انگریزوں نے یہ دیکھا کہ وہ اب بچ نہیں سکتے تو وہ باہر نکل آئے اور لگے بھاگنے' مگر وہ سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔ اس کشمکش میں باغیوں کے بھی دو سو آدمی مارے گئے۔

(بھاگتے ہوئے گوروں نے دو سو آدمیوں کو مار ڈالا۔ یہ بہت ہی عجیب اور ناقابل قبول بیان ہے۔ حسن نظامی)

۱۹ جولائی۔ بادشاہ سلیم گڈھ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے لوگوں کو باریابی دی۔ باڈی گارڈ نے حسب معمول شاہی سلام سے ان کا استقبال کیا۔ ان کے ایک رشتہ دار نے دو روپے کی نذر پیش کی۔ فیض علی خاں فوجدار نے بھی دو روپے نذر میں پیش کئے۔ پچیس توپچی بھی جو پہلے راجہ بے پور کی ملازمت میں تھے' پیش کئے گئے۔ انہوں نے بتایا کہ راجہ نے یورپیوں کو پناہ دے رکھی ہے اور یہ کہ پنڈت راجہ کو انگریزوں کا ساتھ دینے کی تلقین کر کے دھوکہ دے رہا ہے' لیکن تمام فوج مع راول شیو سنگھ باغیوں سے مل جانے کی کوشش میں ہے اور جونہی کہ اسے موقع ملا' راجہ کو پکڑ کے حضور کی خدمت میں پیش کر دے گی۔ انہیں حکم دیا گیا کہ جنرل بخت خاں کے پاس جاؤ۔ گوالیار سے بھی بیس باغی آج آ پہنچے۔ انہیں مرزا مغل کی خدمت میں جانے کا حکم دیا گیا۔ جنرل بخت خاں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ انگریزی سارجنٹ اور دو انگریزی سپاہی جنہیں پلٹن لائی تھی' دریائے جمنا کی ریتوں میں قتل کر دیئے گئے ہیں۔ بادشاہ نے الہامی لہجہ میں فرمایا کہ ''اگر مجھے کامل فتح حاصل ہوئی تو میں فتح کے بعد آگرہ جاؤں گا اور اجمیر کے دربار میں حاضری دوں گا اور شاہ سلیم چشتی کے مزار کی زیارت کروں گا' بشرطیکہ خدا کو منظور ہوا اور اس نے میری تمام خواہشات کو پورا کرا دیا۔'' احمد قلی خاں کو حکم دیا گیا کہ وہ ہر روز دربار میں شرکت کیا کریں۔ بادشاہ بہت دیر تک دہلی اور میرٹھ کی باغی فوجوں کے نامعقول طرز عمل پر گفتگو کرتے رہے۔ علی احمد خاں وکیل اور فیض محمد خاں بھی دربار میں شریک ہوئے۔ انہوں نے دو اشرفیاں نذر میں پیش کیں اور عرض کیا کہ ہمارے

بزرگ حضور کے آباؤ اجداد کی خدمات کر چکے ہیں اور یہ کہ ہم چار سو سپاہیوں کے ساتھ شاہی فوج میں شامل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ان کے آدمیوں کو بذریعہ خط فی الفور چلے آنے کی تاکید کی گئی۔ آج یہ افواہ اڑ رہی تھی کہ سرنی منکاف معہ توپخانہ اور دو سو سواروں کے رائی سرائے میں اور دو سو سکھ علی پور میں مقیم ہیں۔ یہ بھی بیان کیا گیا کہ پانی پت کے زمیندار اور اناج کے بیوپاری انگریزوں کو اجناس وغیرہ مہیا کر رہے ہیں اور یہ کہ انگریز سبزی منڈی پر گولے برسا رہے ہیں۔ مزید برآں یہ خبر بھی گشت کر رہی تھی کہ دو سو انگریز سامان جمع کرنے کے خیال سے میرٹھ چلے گئے ہیں۔ نیواڑی سے خبر ملی کہ راؤ تلارام نے محاصل جمع کرنے کی غرض سے بڑی فوج اکٹھی کی ہے' لیکن تقریباً پانچ ہزار آدمیوں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ نواب احمد علی والی فرخ نگر لگان وصول کر چکے ہیں۔ انہوں نے امداد طلب کی۔ راؤ نے جواب دیا کہ مجھے آپ کو امداد دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے' لیکن اگر آپ نواب صاحب کی مخالفت کرنا چاہتے ہیں تو آپ کا سردار بن سکتا ہوں۔ بالآخر راؤ تلارام فرار ہو گیا۔ جنرل بخت خاں کو حکم ملا کہ متھرا سے جو پانچ لاکھ روپے آ رہے ہیں انہیں وصول کر لیں۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ روپیہ وصول کرنے کے بعد جلد سے جلد لوٹ آئیں اور فوج کو تنخواہ ادا کر دیں۔ گوڑگانوہ کے کلکٹر عبدالحق کو پولیس سپرنٹنڈنٹ مقرر کر دیا گیا۔ عظیم علی خاں رسالدار بادشاہ کے حکم سے جھجر سے روپیہ لانے کے لئے بھیجے گئے۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ فوج لڑنے کے لئے نکلی تھی' مگر انگریزوں نے لڑنے کی پرواہ نہ کی۔ صرف توپوں کی جنگ ہوتی رہی۔ شاہی فوج کا ایک توپچی مارا گیا اور دو زخمی ہوئے اور باتری کا ایک بیل بھی مر گیا۔

۲۰ جولائی۔ حسن علی خاں اور چند عمائدین شہر بادشاہ کے دربار میں شریک ہوئے۔ باغپت کے چند بدطینت زمیندار بھی شامل تھے۔ انہوں نے اطلاع دی کہ دو سو یورپین دو توپوں اور پانچ سو دیسی سپاہیوں کے ساتھ باغپت آئے ہوئے ہیں۔ اس ارادہ سے کہ وہاں پل تعمیر کریں اور لگان بھی جمع کریں۔ جنرل محمد بخت خاں کو حکم دیا گیا کہ انگریزوں کے خلاف جو کارروائی کرنا چاہیں' کریں۔ سفرمینا کے چند آدمی انگریزی کیمپ سے فرار ہو کر آئے۔ ان کے افسران بھی دربار میں شریک ہوئے اور انہوں نے اطلاع دی کہ انگریزوں کی مجموعی فوجی طاقت چھ ہزار ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر دہلی کی ساری فوج نے ایک دم دھاوا بول دیا تو اغلب ہے کہ شاہی افواج کو فتح حاصل ہو' لیکن اگر دیر ہوئی تو انگریزوں کے پاس انگلستان سے کمک آ جائے گی اور اس وقت شاہی افواج ان پر غلبہ نہ پا سکے گی۔ چند سواروں نے ملازمت کی خواہش ظاہر کی مگر بادشاہ نے کہا کہ میرے پاس تمہیں تنخواہ دینے کے لئے روپیہ موجود نہیں ہے۔ چند غیر مسلح سپاہیوں نے بندوقیں مانگیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میرے پاس اسلحہ محفوظ نہیں ہیں۔ بجنور کے خزانچی متھرا داس نے بادشاہ کے پاس چند سپاہی بھیجے جنہیں اس نے گرفتار کیا تھا اور پانچ روپیہ بطور نذر پیش کئے۔ نجیب آباد کے نواب کے بیٹے محمد خاں نے نواب کی طرف سے عریضہ پیش کیا جس میں بادشاہ سے درخواست کی گئی تھی کہ حضور نجیب آباد' رام پور' بجنور' دھیر پا اور نگینہ انگریزوں سے چھین لینے پر اظہار مسرت کریں۔ بادشاہ نے بغرض جواب چٹھی جنرل محمد بخت خاں کے پاس بھیج دی اور کہا کہ میں جواب کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔ غلام نبی خاں نے نواب جھجر کی چٹھی پیش کی جس میں لکھا تھا کہ بغاوت برپا ہو جانے کی وجہ سے محاصل جمع کرنا دشوار ہو گیا ہے' لیکن میں تین لاکھ روپے بھیجنے کی حتی الامکان کوشش کروں گا۔ نگمبودھ کے تھانیدار نے چند یورپیوں کا مال و اسباب بھیجا جو ایک شخص مسمی رام گوپال کے یہاں سے دستیاب ہوا تھا۔ بادشاہ نے

سامان کا معائنہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ اسے بیگم صاحبہ کے حوالے کر دیا جائے۔ شاہدرہ کے تھانہ دار نے پانچ زمینداروں کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ اشخاص قتل کے مرتکب ہوئے تھے۔ ان کے متعلق حکم ملا کہ انہیں قید میں رکھا جائے۔ جنرل بخت خاں نے چار مفرور سپاہیوں کو بادشاہ کی خدمت میں گرفتار کر کے بھیجا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں قید کر دیا جائے۔ پچاس سپاہی بھرتی کئے گئے اور انہیں نواب ولی داد خاں ملکٹر کے پاس بھیج دیا گیا۔ جب وہ کلکتہ دروازہ کے پاس سے گذر رہے تھے تو گارد نے انہیں روکا' جس کا گمان یہ تھا کہ نمک مال میں ملازمت کرنے کے بہانہ سے یہ لوگ دراصل بھاگ کر جا رہے ہیں' اس لئے انہوں نے ان کی بندوقیں چھین لیں۔ ایک رسالدار چند سواروں کے ساتھ گوالیار جانا چاہتا تھا' لیکن ان کے اسلحہ بھی کلکتہ دروازہ کے گارد نے چھین لئے اور ان کے مال و اسباب کو لوٹ لیا۔

آج یہ افواہ مشہور تھی کہ حال کی جنگ میں جو انگریزوں کے ساتھ ہوئی تھی' ایک عورت نے جو مردانہ لباس زیب تن کئے ہوئے تھی' بہت بہادری دکھائی اور ایسی حالت میں کہ باغی سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے' وہ اکیلی انگریزوں کے مقابلہ پر ڈٹی رہی اور ایک انگریز سپاہی کو مار ڈالا۔ پیدل فوج کی دو پلٹنیں اور پانچ سو رسالہ کے سپاہی چھ توپوں اور سامان اسلحہ کے ساتھ جنرل محمد بخت خاں کے حکم سے باغپت روانہ ہوئے تاکہ انگریزوں کو وہاں پل تعمیر کرنے سے روکیں۔ پیدل فوج کی چار پلٹنیں اور ایک ہزار سوار چھ توپوں اور سامان جنگ کے ساتھ کسریٹ کا سلسلہ توڑنے کی غرض سے علی پور بھیجے گئے۔ چند سپاہی بھی انگریزوں پر حملہ آور ہونے کی نیت سے شہر کے باہر گئے اور دو پہر تک وہ متفرق اوقات میں گولہ باری کرتے رہے۔ بارہ بجے کے بعد یہ فوجی دستہ واپس لوٹ آیا۔ سہ پہر کو یہ افواہ مشہور ہوئی کہ باغیوں کو بہت بڑی فتح نصیب ہوئی ہے اور یہ کہ انگریز علی پور بھاگ کر چلے گئے ہیں۔ اس کی وجہ سے شہر میں بہت جوش و خروش پھیل گیا اور آناً فاناً تمام شہر مقابلہ پر کھڑا ہو گیا اور تقریباً تین ہزار سوار فتح میں حصہ دار بننے کی غرض سے مقابلہ کے لئے باہر نکلے۔ ان کے ساتھ اچھے اور برے تقریباً چار سو مسلمان بھی مل گئے اور اس میں دو سو اور مسلمانوں کا اضافہ ہو گیا جو ڈنڈوں' تلواروں' بھالوں اور بندوقوں سے مسلح تھے۔ وہ بہت جوش سے شہر سے نکلے اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ انگریزی کیمپ کو لوٹ لیں گے۔ جب وہ انگریزی کیمپ کے قریب پہنچے اور یہ دیکھا کہ انگریز وہاں جوں کے توں موجود ہیں تو انہیں بے حد رنج ہوا اور وہ نہایت شرمندگی کی حالت میں شہر کو لوٹ آئے' مگر باغی شام تک گولے برساتے رہے۔ میرٹھ سے خبر آئی کہ انگریز اس پر نہایت سختی سے قابض ہیں اور یہ کہ مرزا حیدر شیخ ولد سلیمان شیخ کو گرفتار کر کے دار پر چڑھا چکے ہیں۔ جنرل محمد بخت خاں کو اطلاع موصول ہوئی کہ چند دیسی فوجیں شاہی فوجوں سے ملنے آ رہی ہیں۔ ایک سانڈنی سوار قاصد لوہارو سے خبریں معلوم کرنے کی غرض سے آیا۔ خبر ملی کہ انگریزی سوار اور پیدل فوجیں گوالیار پہنچ گئی ہیں۔ غلام محمد خاں ایک سو سواروں کے ساتھ دہلی پہنچ گیا۔ خبر موصول ہوئی کہ ریواڑی کے زمینداروں نے تلا رام کو یہ کہہ کر لگان دینے سے انکار کر دیا کہ ہم غلام محمد خاں کے طرفدار ہیں۔ راؤ تلا رام دہلی اس غرض سے آیا تھا کہ لگان وصول کرنے کے متعلق اسے اختیار مل جائے۔

۲۱ جولائی۔ بادشاہ نے سلیم گڈھ کے قلعہ کا معائنہ کیا اور جدید قائم شدہ پیدل فوج نمبری ۳۶ کا بھی معائنہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے لوگوں کو باریابی عطا فرمائی۔ میر سعید علی خاں' مرزا ضیاء الدین خاں' مرزا اللہ خاں اور دوسرے عمائدین بھی موجود تھے۔ راجہ ناہر سنگھ کی رعایا کے چند زمینداروں نے اپنے آقا کے خلاف شکایات کیں۔ ان کا معروضہ

سننے کے بعد بادشاہ نے درخواست احسن اللہ خاں کے حوالے کردی اور یہ کہا کہ رجبہ نے بے وفائی اور ناشکر گذاری کا برتاؤ کیا ہے۔ غازی آباد سے ایک سانڈنی سوار آیا اور بیان کیا کہ دو سو سوار اور سفر مینا کی تین پلٹنیں بنارس سے آرہی ہیں اور کل شہر میں داخل ہو جائیں گی۔ اٹھارہ سوار آج انگریزی کیمپ سے بھاگ کر باغیوں کے ساتھ مل گئے۔ جھانسی کی فوج کا ایک رسالدار بھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ مجھے اپنی خدمات کے معاوضہ میں نہ تو تنخواہ ملی اور نہ انعام۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ جھانسی کی فوج نے تین لاکھ روپیہ غصب کرلیا ہے اور اس میں سے ایک پائی بھی شاہی خزانہ کو موصول نہیں ہوئی۔ بادشاہ نے پھر کہا کہ میں تنخواہ اور انعام کہاں سے دے سکتا ہوں۔ رسالدار کو حکم ہوا کہ اپنے تئیں مرزا مغل کے سامنے پیش کرے۔ میر سعید علی خاں نے بادشاہ کی خدمت میں کرنٹا کلغہ پیش کیا۔ بادشاہ نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور نصف حصہ جنرل محمد بخت خاں کے پاس بھیج دیا۔ ٹونک سے چھ سو مجاہد آئے اور آج بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اطلاع دی کہ ابھی دو ہزار مجاہد اور آنے والے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا "میرے پاس تم لوگوں کو دینے کے لئے روپیہ نہیں ہے۔" سہارن پور سے بھی پیدل فوج کی ایک پلٹن آئی جسے جنرل بخت خاں کے پاس بھیج دیا گیا۔ بادشاہ نے جنرل محمد بخت خاں کے پاس شاہی مطبخ سے سترہ خوان بھیجے۔ محمد بخت خاں والی نجیب آباد کے نام چٹھی بھیجی گئی جس میں بادشاہ کے لئے روپیہ اور گھوڑے طلب کئے گئے تھے۔ مجھ سے یہ کے طور پر کہا گیا کہ مرزا مغل تین چار دن کے بعد تمام فوج کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ جنرل محمد بخت خاں کے نام احکام نافذ کئے گئے کہ انگریزوں کو پریشان کرنے کی غرض سے سبزی منڈی مبارک باغ علی پور اور دیگر تمام مقامات پر نہایت جوش وخروش سے ایک ساتھ حملے کئے جائیں۔ انہیں حکم ملا کہ فوجوں کو بریگیڈ بنا کر مختلف محاذوں پر بھیج دیں اور کسی قسم کی تاخیر روا نہ رکھیں۔ نواب جھجر کے نام خطوط بھیجے گئے جن میں یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر روپیہ فوراً روانہ نہ کیا گیا تو شاہی حکم کی تعمیل کرانے کے لئے دوسرے ذرائع اختیار کئے جائیں گے۔ جس شخص کو بادشاہ نے محاصل جمع کرنے کے کام پر مقرر کیا تھا اس نے اڑتالیس سو روپے لا کر پیش کئے۔ ایک سو سوار انگریزی کیمپ سے بھاگ کر دلی آئے۔ انہیں قلعہ کے باہر ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔ چند زمینداروں کے کہنے سے جو فوج باغپت بھیجی گئی تھی وہ لوٹ آئی اور اطلاع دی کہ باوجود تلاش کے ہمیں کوئی انگریز دکھائی نہیں دیا۔ چنانچہ ان زمینداروں کو گرفتار کرلیا گیا اور ان سے باز پرس کی گئی کہ کیوں تم نے جھوٹا بیان دیا۔ دلی میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ یورپینوں نے کانپور کو دوبارہ واپس لے لیا ہے اور پیشوا کے بیٹے کو بھی مار ڈالا ہے۔

۲۳ جولائی۔ بادشاہ کسیرہ دروازہ سے دیوان عام میں داخل ہوئے۔ جنرل محمد بخت خاں بھی موجود تھے۔ انہوں نے شکایت کی کہ چند بدخواہ اشخاص یہ خبر پھیلا رہے ہیں کہ میں انگریزوں سے ساز باز رکھتا ہوں اور یہ کہ جب شاہی افواج انگریزوں پر حملہ کررہی تھیں تو اس وقت میں گھر آ گیا تھا اور فوجوں کو احکام دیئے بغیر لڑنے کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ مجھے تمہاری وفاداری پر کامل بھروسہ ہے اور افسوس ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ تکلیف پہنچی۔ مجھے انگریزوں سے کوئی پرخاش نہیں ہے بلکہ میرا یہ خیال تھا کہ جو فوج میری حفاظت کے لئے دوڑ کر آئی ہے اس کی وجہ سے میرا درجہ بلند ہو جائے گا۔ مرزا ابوبکر مرزا ارواس اور مرزا عبداللہ بھی دربار میں حاضر تھے۔ جنرل محمد بخت خاں اپنی جگہ سے اٹھے اور بادشاہ کے پیچھے جا کر تھوڑی دیر سرگوشی کرتے رہے۔ شاہزادگان نے اس کارروائی پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہماری موجودگی میں

بادشاہ کے کان میں کانا پھوسی کرنا تہذیب وادب کے خلاف ہے۔ جنرل نے معافی مانگی اور شاہزادگان کی تعریف کی اور اس کے بعد معاملہ ختم ہو گیا۔ جنرل نے تجویز پیش کی کہ بادشاہ کو فوج کے نام احکام جاری کر دینے چاہئیں کہ روزانہ انگریزوں پر حملے کر کے انہیں دق کرتی رہے۔ جنرل نے وعدہ کیا کہ میں کسی قدر فوج کے ساتھ کشتیوں کے پل کی حفاظت کروں گا اور باقی فوج کے ساتھ صبح کے وقت انگریزوں پر حملہ آور ہوں گا۔ اس کے بعد جنرل نے بادشاہ سے تنہائی میں گفتگو کرنے کی درخواست کی۔ اس کے بعد وہ دو مولویوں کی معیت میں اندر گئے اور بادشاہ کے روبرو ایک درخواست رکھ دی جس پر انہوں نے دستخط ثبت کر دیئے۔ اس کے بعد جنرل سلیم گڈھ چلے گئے اور باتریوں اور دمدموں کا معائنہ کیا۔ بعد ازاں انہوں نے مرزا مغل سے ملاقات کی اور تجویز پیش کی کہ فوج کی عام پریڈ چند دن کے بعد منعقد ہونی چاہئے اور اس وقت ہر آدمی سے حلف لے لینا چاہئے کہ وہ آخر وقت تک انگریزوں سے لڑتا رہے گا اور کمزور دل والوں کو اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جانے کی اجازت دے دینی چاہئے۔ اگر قسم کھانے والے آدمیوں میں سے کسی نے بھی میدان جنگ میں پس و پیش کیا تو اسے سخت سزا دینی چاہئے۔ چنانچہ اس مضمون کا عام حکم شائع کر دیا گیا۔ بادشاہ کو خبر کی گئی کہ بنارس سے سو سواروں کی پلٹن آ پہنچی ہے۔ انگریزی گولہ باری شہر پر شدت سے ہوتی رہی جس سے بہت سے آدمی مارے گئے۔ میں نے سنا کہ انگریزوں نے میر سعید علی خاں کے باغ کے تمام درختوں کو کاٹ ڈالا ہے۔ یہ خبر بھی سننے میں آئی کہ ایک ہزار گورے جن کے ساتھ اونٹوں کی بہت بڑی تعداد ہے اور چند ہزار سکھ کرنال میں خیمہ زن ہو گئے ہیں اور یہ کہ انگریزی فوج کو سامان جنگ اور ذخائر کی وسیع مقدار ہاتھ لگ گئی ہے۔ یہ بھی اطلاع ملی کہ انگریزوں نے تین متعصب مسلمانوں کو آگرہ میں توپ کے گولے سے اڑا دیا ہے اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ تمام شہر کو اڑا دیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ لالہ جوتی پرشاد نے لفٹنٹ گورنر کی درخواست دی ہے جس میں لکھا ہے کہ بغاوت میں جو لوگ شریک تھے وہ یقیناً سزا کے مستحق ہیں لیکن بہت سے ہندو باغی نہ تھے اور یہ کہ بے گناہوں کو مجرموں کے ساتھ سزا دینا ناانصافی ہے اور آخر میں عرض کیا کہ توپوں سے اڑا دینے کی رسم کو بند کر دیا جائے۔ خبر ملی کہ روزانہ لوگوں کو پھانسی دی جاتی ہے۔ یہ بھی خبر ملی کہ لالہ جوتی پرشاد نے لفٹنٹ گورنر سے وعدہ کر لیا ہے کہ جس قدر روپے کی ضرورت ہوگی میں دوں گا۔ خبر ملی کہ کوئی مہاجن روزانہ ذخائر لے کر انگریزی کیمپ میں پہنچا کرتا ہے۔ شہر میں آج یہ بات معلوم ہوئی کہ انگریزوں نے کوٹھی قاسم کے ملکہ اکبر علی پانودی اور نواب جھجر کو تاکید کر دی ہے کہ اپنی اپنی ریاستوں میں جس قدر لگان وصول کریں گے اس کی ذمہ داری ان پر عائد ہوگی اور انہیں متنبہ کر دیا کہ آئندہ سے بادشاہ کو مالی امداد نہ دی جائے۔ حکیم احسن اللہ خاں بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے اور معاملات سلطنت کو ان کے روبرو پیش کیا۔ ایک معاملہ ولی داد خاں کی عرضی کا تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ عبداللطیف خاں میرے خلاف ساز باز کر رہے ہیں اور مجھے میری پوزیشن سے گرانا چاہتے ہیں۔ آخر میں یہ درخواست درج تھی کہ آئندہ سے بادشاہ ان کے ساتھ براہ راست نامہ و پیام نہ کریں گے۔ عظیم علی خاں رسالدار نے اطلاع دی کہ نواب جھجر آئندہ ہفتہ کو تین لاکھ روپیہ بھیج دیں گے۔ راؤ تلا رام رئیس ریواڑی کی چٹھی سر دربار پڑھی گئی جس کا مفہوم یہ تھا کہ میں اپنے بھائی کو خفیہ پیغام کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں اور آخر میں یہ التماس تھا کہ اس پیغام پر پوری توجہ مبذول کی جائے اور جواب باصواب دیا جائے۔ محمد اکبر والی پانودی کو احکام بھیجے گئے کہ سستیپور اور دوسرے دیہات کے محاصل زمین کوئی الفور روانہ کر دیا جائے۔ گوالیار کے سو

سوار آ جائے۔ سہ پہر کو مرزا مغل اور دوسرے شہزادگان نے فصیلوں کے باہر فوج کا معائنہ کیا اور جنرل محمد بخت خاں کا حکم پڑھ کر سنایا گیا۔ فوج کا متفقہ جواب یہ تھا کہ خواہ کچھ ہی ہو ہم آخر دم تک انگریزوں سے لڑے جائیں گے۔ راجہ سسپور کے انتقال کی خبر موصول ہوئی اور یہ کہ وکیل راجہ نے جس کے تعلقات رانی سے خراب تھے اب اس کے ساتھ موافقت کر لی ہے۔

۲۳ جولائی۔ بادشاہ سلیم گڈھ کے قلعہ میں گئے اور حکم دیا کہ بنارس سے جو چھ سو سوار آ رہے ہیں ان کا شاندار استقبال کیا جائے اور ان کی پریڈ کرائی جائے۔ جب پریڈ ختم ہو گئی تو اسے اجمیری دروازہ کے باہر خیمہ زن ہونے کے لئے حکم دیا گیا۔ میر سعید علی خاں اور حسن علی خاں بھی بادشاہ کے ہمرکاب تھے۔ کلانور کے زمیندار انگریزی کیمپ کا ایک ہاتھی لائے' جوان کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ بادشاہ نے ہاتھی کا معائنہ کرنے کے بعد اسے اصطبل میں بھجوا دیا۔ راؤ تلا رام کے ایجنٹ نے اپنے آقا کی طرف سے ایک اشرفی اور اپنی طرف سے پانچ روپے بطور نذر پیش کئے اور ریاست بھورا کے بعض معاملات کو سرانجام دیا۔ نواب سعید علی خاں والی فرخ نگر کے معاملات بھی بادشاہ کے گوش گزار کئے گئے۔ گوپال سنگھ اور دوکل سنگھ نے پانچ پانچ روپے نذر میں پیش کئے۔ ان دونوں کو جنرل بخت خاں کے پاس بھیج دیا گیا۔ کوٹ قاسم کے کلکٹر کے نام احکام نافذ کئے گئے کہ تمام حسابات بادشاہ کے معائنہ کے لئے پیش کرو۔ نیچ کی فوج کی طرف سے ایک مراسلہ وصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ ہم جالون پہنچ گئے ہیں اور عنقریب ہم ڈگی سے انگریزوں کو نکال دیں گے۔

۲۴ جولائی۔ میر سعید علی خاں اور سرداروں نے سپاہیوں کے خودسرانہ طرز عمل پر بحث کرنے کی غرض سے باہم مشورہ کیا۔ شہر کے چیف پولیس افسر نے رپورٹ پیش کی کہ میں پینتیس من مٹھائی سپاہیوں میں تقسیم کرنے کی غرض سے لایا ہوں۔ بادشاہ نے بھی اس کا معائنہ کیا۔ مرزا ابو بکر نے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر مجھے اختیارات دے دیئے جائیں اور دو ہزار سپاہی میرے ساتھ کر دیئے جائیں تو میں گوڑگاؤں کے قرب و جوار کے تمام دیہات سے لگان وصول کر کے لے آؤں گا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں غور کرنے کے بعد جواب دوں گا۔ افسروں کے ایک وفد نے عرض کیا کہ تنخواہ نہ ملنے سے ہم سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ مرزا اکبر سلطان نے شہر کے تمام مالدار مہاجنوں کو طلب کیا اور ان سے آٹھ ہزار روپے وصول کئے۔ اس معاملے میں بیگم زینت محل' احسن اللہ خاں اور محمود لال کا بہت زیادہ ہاتھ تھا۔ مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ سے ملاقات کی اور نجی طور پر انہیں مشورہ دیا کہ انگریزوں سے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں بالکل بے بس ہوں اور یہ کام کرنے سے سراسر قاصر ہوں۔ انہیں آگاہ کر دیا گیا کہ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نتائج آپ کے خلاف نکلیں گے۔ معاملہ یہیں پر ختم ہو گیا۔ نجیب آباد سے تقریباً دو سو جہادی آئے اور تمام شہر کے باہر قیام پذیر ہوئے۔ مرزا مغل بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سو سواروں کے ساتھ شہر کے معائنہ کے لئے گئے اور ایک سو روپیہ فقرا میں تقسیم کیا۔ بادشاہ بہت دیر تک رات کو دارالمشورہ میں بیٹھے رہے اور حکیم احسن اللہ خاں سے بات چیت کرتے رہے۔ بادشاہ نے اپنے استاد مولوی حسن عسکری کے پاس چند خوان اور ململ کا تھان بھیجا۔

۲۵ جولائی۔ بادشاہ دیوان خاص میں تشریف فرما تھے اور عمائدین سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔ کوٹ قاسم کے کلکٹر غلام محمد خاں سے کہا گیا کہ باقی ماندہ رقم (تین ہزار روپے) بھی ادا کر دو۔ کلکٹر نے بیان کیا کہ میرے پاس روپیہ نہیں

ہے۔ گنگا رام ہرکارہ' حافظ عبدالحکیم اور جیون لال کو حکم دیا گیا کہ چند سو سواروں کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور زمینداروں سے لگان وصول کر کے لاؤ۔ سمند خاں رسالدار بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بطور نذر ایک روپیہ پیش کیا اور اپنے علاقہ کی حالت بیان کی۔ نیچ کیمپ کا وفد بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ ہمارے لئے اب عرب سرائے میں کوئی جگہ باقی نہیں ہے اور درخواست کی کہ ہمارے لئے مکانات تجویز کئے جائیں۔ ان کی درخواست جنرل محمد خاں کے پاس بھیج دی گئی۔ عظیم علی رسالدار نے بادشاہ کی خدمت میں عرضی پیش کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ میرے آقا نواب جھجر سے روپیہ کا جو مطالبہ کیا جا رہا ہے' اسے واپس لے لیا جائے اور کہا کہ ان کے پاس چند ہزار روپیہ موجود ہے' اسے وہ روانہ کر دیں گے۔ کچھ تو چند ہی دن میں آ جائے گا اور باقی بعد کو آئے گا۔ بادشاہ نے عرضی سننے کے بعد حکیم احسن اللہ خاں سے جواب دینے کے لئے کہا۔ گوالیار کی فوج کے ایک سو پچاس سوار جو نیچ کے باغیوں سے مل گئے تھے' محل میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں رہنے کے لئے مکانات دیئے جائیں' لیکن اسی اثنا میں بادشاہ حرم میں داخل ہو گئے۔ خبر ملی کہ گذشتہ چند دنوں سے ایک شخص سابق نواب جھجر کے ایجنٹ الب پرشاد کے یہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ اس کے پاس انگریزوں کی طرف سے لگان وصول کرنے کا مختارنامہ بھی موجود ہے اور وہ بیل گاڑی میں سوار ہو کر متھرا جا رہا ہے۔ جب وہ دہلی دروازہ پہنچا تو گارد نے اس کی تلاشی لی اور مذکورہ بالا کاغذ مل گیا۔ اس پر انہوں نے اس کی گاڑی چھین لی اور اسے خوب زدوکوب کیا۔ اس کے بعد تقریباً چار سو سپاہی الب پرشاد کے مکان پر گئے اور ان پر الزام لگایا کہ تم نے یورپینوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ اس بہانہ سے سپاہیوں نے ان کے مکان کی تلاشی لی اور اسے لوٹ لیا اور تقریباً پچاس ہزار روپے کی مالیت کا مال اپنے ساتھ لے گئے۔ جونہی جنرل محمد خاں نے اس واقعہ کی خبر سنی تو انہوں نے چند سو سپاہیوں کو لوٹ مار بند کر دینے کی غرض سے بھیجا' لیکن ان سپاہیوں نے لوٹ مار کرنے والوں کے کام میں مداخلت نہیں کی۔ گوردھن داس رئیس لو گاڑی میں بیٹھ کر شہر سے باہر جا رہے تھے اور ان کے پاس اپنی حفاظت کے لئے کچھ کارتوس' بارود اور چھرے تھے۔ دہلی دروازے کے گارد نے ان کی تلاشی لی اور اس بہانہ سے کہ وہ سامان جنگ اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں' انہیں گرفتار کر لیا۔ اس پر چند سپاہی ان کے مکان پر گئے اور دھمکی دے کر تقریباً دو ہزار روپے ان سے وصول کئے۔ اس کشمکش میں ایک سپاہی بھی زخمی ہو گیا۔ اطلاع ملی کہ پیدل فوج کی چار پلٹنیں اور سترہ سو سوار چند لاکھ روپے اور چند توپوں اور چالیس ہاتھیوں سمیت نیچ کیمپ میں موجود ہیں اور ان کے افسروں کے نام ہیرا سنگھ' غوث محمد خاں اور سدھاری لال ہیں۔ رات کو انگریزی گولہ باری سے شہر کے کچھ باشندے مارے گئے۔ غلام محمد خاں نے جنرل محمد بخت خاں سے ملاقات کی۔

۲۶ جولائی۔ مرزا ضیاءالدین اور مرزا امین الدین خاں آج صبح دربار میں حاضر تھے۔ شاہ لکھنؤ کے محصلوں نے بادشاہ کے حضور میں اس مضمون کی عرضی پیش کی کہ ہم محاصل جمع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور جب یہ روپیہ جمع ہو جائے گا تو ہم اسے حضور کی خدمت میں بھیج دیں گے۔ امانت علی جو پہلے انگریزی ملازمت میں پولیس کا افسر تھا' دربار میں حاضر ہوا اور نواب حسن علی خاں کی طرف سے نذر پیش کرنے کے بعد عرض کیا کہ میں شاہی فوج کے لئے دس ہزار سپاہی بھرتی کر رہا ہوں۔ لاہور کے ایک رئیس کی چٹھی موصول ہوئی جس میں لکھا تھا کہ سر جان لارنس نے پنجاب میں اس قسم کا اعلان شائع کیا ہے کہ شاہ دہلی نے ایسے شخص کے لئے انعام مقرر کیا ہے جو سکھوں کو قتل کرے اور ان کے سروں کو دہلی میں لا کر پیش کرے۔

سمند خاں نے ٹونک کے چند جہادیوں کو حضور میں پیش کیا جن میں سے ہر ایک نے دو روپے بطور نذر پیش کئے۔ راؤ تلا رام اور رئیس ریواڑی کے چچا رام سنگھ دربار میں پیش کئے گئے جہاں انہوں نے چند معاملات حضور کے گوش گذار کئے۔ بعض سواروں نے بیان کیا کہ ہم انگریزی کیمپ سے کئی گھوڑوں کو بھگا لائے ہیں۔ مرزا مغل نے نیمچ کے کیمپ میں سواروں کی پلٹن کا جس میں آٹھ سو سوار تھے معائنہ کیا۔ افسروں نے نذر میں اشرفیاں اور ایک گھوڑا اور ایک ہاتھی معہ جھالر کے پیش کیا۔ جنرل محمد بخت خاں کی درخواست پر انہیں گورنر کے درجہ پر فائز کیا گیا۔ بادشاہ نے جنرل کے طرز عمل پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ جنرل نے بھی اپنی عزت افزائی پر شکریہ ادا کیا اور دس اشرفیاں بطور نذر پیش کیں اور وعدہ کیا کہ میں جواں بخت کی ولی عہدی کی تائید کروں گا۔ ڈھول سنگھ کے صاحبزادے ٹھاکر گوپال سنگھ نے چند معاملات گوش گذار کرنے کی غرض سے حضور سے ملاقات کی۔ مرزا ابوبکر مرزا عبداللہ اور مرزا خواص دربار میں حاضر ہوئے اور بادشاہ کو اطلاع دی کہ انگریزی کیمپ میں ہر رات کو ایک سو چھبیس سیر تیل جلایا جاتا ہے اور یہ ساری مقدار شہر ہی سے بھیجی جاتی ہے۔ آج ایک سوار نے جامع مسجد کے قریب گولی مار کے خودکشی کر لی۔ بادشاہ کو اطلاع ملی کہ جب نیمچ کی فوجیں بلب گڑھ آ رہی تھیں تو اس وقت دیوان سنبک راؤ ان کے استقبال کے لئے دس میل تک گئے اور نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ فتح آباد تک ساتھ دیا۔ اس کے بعد انہیں لوٹ جانے کی اجازت مل گئی۔ بادشاہ کو خفیہ اطلاع ملی کہ میرٹھ میں افواہ گرم ہے کہ انگریز یکم اگست کو باغیوں کو سزا دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

۲۷ جولائی۔ آؤلا پرشاد اور منشی رتنال نے دربار میں شرکت کی اور بادشاہ سے شکایت کی کہ سپاہیوں نے اس بہانہ سے کہ ہم نے انگریزوں کو پناہ دے رکھی ہے ہمارے گھروں کو لوٹا اور ڈیڑھ لاکھ روپے کی مالیت کا سامان لے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ مرزا مغل اس شکایت کی تحقیق کریں اور سپاہیوں سے سامان واپس لینے کا انتظام کریں۔ بخت گڑھی کے پولیس افسر کے پاس سے ضروری پیغام وصول ہوا جس کا مفہوم یہ تھا کہ دو ہزار آدمی شہر کو لوٹنے کی غرض سے جمع ہو رہے ہیں۔ جنرل محمد بخت خاں کو حکم دیا گیا کہ ان باغیوں کو منتشر کر دیں۔ مولوی صدر الدین خاں کو حکم دیا گیا کہ اس وقت تک فوجداری مقدمات کی سماعت کریں جب تک کہ انگریزوں پر فتح حاصل ہو۔ روسائے لاہور کی طرف سے دو سکھ آئے جنہوں نے یہ اطلاع دی کہ نیمچ کی فوجوں کو دو لاکھ کارتوس دے دیئے گئے ہیں۔ احکام نافذ ہوئے کہ ان کارتوسوں کو ضائع نہ کیا جائے اس لئے کہ میگزین میں سامان حرب کم ہوتا جا رہا ہے۔ آج انگریزی کیمپ سے ایک سپاہی بھاگ کر آیا۔ جنرل محمد بخت خاں نے فوج کی پریڈ کی اور سپاہیوں کو متنبہ کر دیا کہ وہ شہر کے باشندوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ دیں اور نہ لوٹیں اور جو لوگ اس حکم کے خلاف کریں گے انہیں آئندہ فتح میں حصہ دار نہیں بنایا جائے گا۔ دو ہندوستانی توپچی انگریزی کیمپ سے بھاگ کر آئے۔ انہوں نے بیان کیا کہ کیمپ میں بہت کم سپاہی رہ گئے ہیں لیکن انگریزوں کا توپخانہ بہت مضبوط ہے۔ نیمچ کی فوج کے نام حکم بھیجا گیا کہ فی الفور آ کر اپنے تئیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دو۔ آج یہ اہم خبر موصول ہوئی کہ بیس ہزار یورپین فوج جہازوں سے اتر گئی ہے۔ یہ کہ کانپور، بنارس، فتح گڑھ، الہ آباد وغیرہ مقامات پر انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا ہے۔ یہ کہ راجہ پٹیالہ کی فوج میں کسی قدر بغاوت ہو گئی ہے اور یہ کہ سامان حرب سے لدے ہوئے چند ہزار ٹٹو بہ حفاظت تمام انگریزی لشکر میں پہنچ گئے ہیں۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ انگریزوں نے ہر سول میں اٹھارہ توپوں کی مسلح باتری تعمیر کی ہے

اور اسی قسم کی باتری برم پاری اور علی پو اور نواب سعید خاں کے باغ میں بھی قائم کی گئی ہے اور یہ کہ وہ اپنے لشکر کے گرداگرد ایک میل لمبی گہری خندق کھود رہے ہیں تاکہ ان پر پیشقدمی نہ کی جاسکے۔ انگریزوں نے آٹھ سو سوار مع چند توپوں کے اس غرض سے بھیجے تھے کہ سپاہی نہر پر پل تعمیر نہ کرسکیں۔ خبر ملی کہ انگریز مختلف مقامات کا معائنہ کر رہے ہیں تاکہ جنگ کے لئے کوئی ایسا مقام منتخب کیا جاسکے جس سے باغیوں کو تباہ و برباد کیا جائے۔

۲۸ جولائی۔ بادشاہ نے قلعہ سلیم گڑھ کا معائنہ کیا اور وہاں سے دربار عام میں تشریف لے گئے۔ سعید علی خاں اور حکیم عبدالحق (صاحبزادگان راجہ امر سنگھ مرحوم) اور حسن علی خاں اور دیگر امراء بھی موجود تھے۔ بہت سے افسروں نے دربار میں شرکت کی تھی۔ جنرل محمد بخت گردھاری لال، غوث محمد اور ہیرا سنگھ بھی موجود تھے۔ موخرالذکر نے اس لڑائی کا حال بیان کیا جو آگرہ میں انگریزوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ انگریزی کمک کی خبر کے متعلق بحث ہوتی رہی۔ مکندلال نے عرضی پیش کی کہ مجھے اپنی ماں کی لاش کو کلکتہ دروازہ میں سے لے جانے کی اجازت دی جائے۔ اس پر منظوری صادر کردی گئی۔ راؤ تلارام رئیس ریواڑی کی چٹھی موصول ہوئی جس میں لکھا تھا کہ بھوراگاؤں مجھے عطا کر دیا جائے۔ عرضی حکیم احسن اللہ خاں کو بغرض رپورٹ دے دی گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ جنرل اور فوج کے افسران کے نام اس مضمون کی چٹھیاں بھیج دی جائیں کہ عید کے موقع پر شہر میں کوئی گائے ذبح نہ کی جائے اور تنبیہ کردی گئی کہ اگر کسی مسلمان نے ایسا کیا تو اسے توپ کے منہ سے اڑا دیا جائے گا اور اگر کسی مسلمان نے گائے ذبح کرنے کی ترغیب دی تو اسے بھی قتل کردیا جائے گا۔ حکیم احسن اللہ خاں نے اس حکم پر اظہار ناراضگی کیا اور کہا کہ میں مولویوں سے رجوع کروں گا۔ بادشاہ اس مخالفت سے سخت ناراض ہوئے۔ دربار برخواست کردیا اور حرم میں چلے گئے۔ چند سوار آج چھ ٹٹوؤں کو پکڑ کر لائے جنہیں انہوں نے گرفتار کیا تھا۔ پچاس سوار کانپور سے آئے اور اطلاع دی کہ انگریزوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کرلیا ہے۔ وہ اپنے ساتھ ایک ہاتھی بھی لائے تھے جسے انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کردیا۔ انہوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ نانا صاحب پیشوا فرار ہوگئے ہیں۔ نیمچ کی فوج نے بادشاہ کی خدمت میں چھبیس ہاتھی پیش کئے۔ ان کے متعلق حکم ملا کہ انہیں جنرل محمد بخت خاں کے پاس بھیج دیا جائے۔ خبر ملی کہ انگریزوں نے چند گھسیاروں کو گرفتار کرلیا ہے جن کا تعلق بریلی کے لشکر سے تھا۔ ان سے استفسار کیا گیا کہ سپاہیوں کی تعداد کتنی ہے اور یہ طعنہ دیا گیا کہ جنرل محمد بخت خاں لڑنے کے لئے باہر کیوں نہیں نکلتا۔ اس کے بعد ان کے ناک کان کاٹ کر انہیں چھوڑ دیا گیا۔ بادشاہ کے احکام کے متعلق جنرل بخت خاں نے شہر میں منادی کردی کہ شہر میں گائے ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مرزا مغل نے اپنے گھر میں جنگی کونسل منعقد کی۔ انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ کی حفاظت کے لئے دو سو سوار متعین کئے۔ اس کے بعد وہ اجمیری دروازے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ نواب جھجر کے وکیل غلام نبی خاں کو دربار سے نکال دیا جائے اس لئے کہ ان کے آقا نے مطلوبہ رقم اب تک نہیں بھیجی۔ غلام محمد خاں رئیس فرخ نگر نے بادشاہ کے دستخط کے لئے ایک سرٹیفکیٹ پیش کیا جس میں انہیں بھوراکا تحصیلدار مقرر کیا گیا تھا۔ اطلاع ملی کہ جنرل محمد بخت خاں نے تلارام رئیس ریواڑی کے چچا رائے رام سنگھ کی گرفتاری کا حکم نافذ کردیا ہے اس لئے کہ باشندگان ریواڑی کی جانب سے ان کے خلاف بہت سی شکایات موصول ہوئی تھیں لیکن قبل از وقت خبر مل جانے سے وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اطلاع ملی کہ بمبئی کی فوجیں ریواڑی پہنچ گئی ہیں۔

۲۹ جولائی۔ مرزا امین الدین خاں اور مرزا ضیاء الدین خاں اور دیگر عمائدین شہر نے ایک دربار منعقد کیا جس میں جنرل بخت خاں بادشاہ کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ سونی پت کے صوبہ دار قادر بخش نے جلسہ میں تقریر کی اور جنرل محمد بخت خاں پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ انگریزوں پر حملہ کرنے سے عمداً پہلوتہی کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ "بہت دن ہو چکے ہیں اور جنرل نے ابھی تک انگریزوں پر فوج کشی نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انگریزوں نے شہر پر کامیابی کے ساتھ حملہ کرنے کی غرض سے تمام ضروریات جمع کر لی ہیں۔" جنرل اس تقریر پر بہت کچھ جھلائے' مگر بادشاہ نے یہ کہہ کر ان کے غصہ کو دھیما کر دیا کہ صوبہ دار نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ صداقت پر مبنی ہے۔ بہر حال جلسے میں کچھ طے نہیں ہو سکا۔ نیمچ کی فوج کے افسروں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس تنبوؤں کی کمی ہے۔ ان سے کہہ دیا گیا کہ جنرل سے اپنی شکایت رجوع کریں۔ ایک زمیندار بھی حاضر ہوا اور اس نے ایک روپیہ بطور نذر پیش کیا۔ شاہی افسروں کی تنخواہیں آج تقسیم کی گئیں جن کی مجموعی مقدار ایک لاکھ بیس ہزار روپے تھی۔ بادشاہ نے اپنے مطبخ سے جنرل بخت خاں کو گوشت کے مختلف کھانوں کے چار خوان بھیجے۔ خبر ملی کہ لاہور کے چند ہزار سپاہی پٹیالہ کا گھیرا ڈال رہے ہیں۔ چند سکھ جو راجہ نرندر سنگھ کے ہمراہیوں میں سے تھے انگریزی لشکر سے فرار ہو کر آئے اور دربار میں شریک ہوئے۔ انہوں نے بیان کیا کہ انگریزوں کے پاس توپخانہ کے گھوڑوں کی سخت کمی ہے' لیکن توپیں بہت سی ہیں۔ پانچ سو سپاہی جن میں پیدل سپاہی اور سوار دونوں شریک تھے فتح پور سے آئے اور انہیں جنرل محمد بخت خاں کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ جنرل نے آج حسن علی خاں کو حکم دیا کہ وہ جھجر جائیں اور نواب جھجر سے تین لاکھ روپیہ لائیں ورنہ روپے کی وصولی کے لئے فوج بھیجی جائے گی۔ خبر موصول ہوئی کہ بمبئی کی توپیں مادھو گنج پہنچ گئی ہیں اور بڑی سرعت کے ساتھ دہلی کی جانب آ رہی ہیں۔ رام جی مل مہاجن اور جیت مل مہاجن کو حکم دیا گیا کہ شاہی خزانہ میں پانچ لاکھ روپیہ داخل کریں اور عدم تعمیل کی صورت میں انہیں دھمکی دی گئی۔ نصیر آباد کی ایک پلٹن نیمچ کی فوج سے مل گئی۔

۳۰ جولائی۔ آج بادشاہ مہتاب باغ میں ایک فقیر سے ملنے کے لئے گئے اور کچھ دیر تک اس سے لڑائی کے متعلق بات چیت کرتے رہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے سعید علی خاں اور حکیم عبدالحق خاں سے مشورہ کیا۔ بعد ازاں وہ حرم میں چلے گئے۔ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا یعنی یہ کہ نواب محمد میر خاں مرحوم کے صاحبزادے دربار میں بیٹھے رہے اور تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوئے۔ بادشاہ کے چلے جانے کے بعد سعید علی خاں نے ان سے کہا کہ "یہ نہایت نامناسب بات ہے کہ بادشاہ کے حضور میں تمام امرا تو کھڑے رہیں اور تم بیٹھے رہ جاؤ۔ تم کو آئندہ کھڑا رہنا چاہئے اور بیٹھنا نہ چاہئے ورنہ تمہارے لئے اچھا نہ ہوگا۔" چند جہادیوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے اور ہم بھوکے مر رہے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ خزانہ خالی ہے۔ ولی داد خاں نے بلب گڑھ سے عرضی بھیجی ہے جس میں لکھا تھا کہ میں نے چند میدانی توپیں اور دو سو گھوڑے جو میرے ہاتھ لگ سکے جمع کر لئے ہیں لیکن پیدل فوج موجود نہیں ہے جو انہیں باحفاظت تمام لے جائے۔ بادشاہ نے جنرل محمد بخت خاں کو حکم دیا کہ پیدل فوج کی ایک پلٹن چار سو سوار اور دو توپیں نواب کی امداد کے لئے بھیجی جائیں' مگر جنرل نے نواب کو لکھا کہ پہلے ایک ہزار روپیہ بھیج دو۔ اس کے بعد فوج بغرض اعانت بھیج دی جائے گی۔ گوبند (ناظر) نے بادشاہ سے شکایت کی کہ جنرل بخت خاں نے مجھ سے میرا گھوڑا لے لیا ہے اور سپاہیوں کے

حوالے کر دیا ہے۔ بادشاہ نے جنرل کے نام حکم نافذ کر دیا کہ عرضی کنندہ کو نہ ستایا جائے۔ جے پور کا ایک ایلچی آیا اور ایک روپیہ بطور نذر پیش کرنے کے بعد بادشاہ سے عرض کیا کہ جے پور کے سپاہی اپنے راجہ سے دق آ گئے ہیں کیونکہ انہوں نے گیارہ یورپینوں کو زنانخانہ میں چھپا رکھا ہے اور یہ کہ ان کا ارادہ ہے کہ آئندہ جب راجہ صاحب درشن دینے کے لئے باہر نکلیں تو انہیں گرفتار کر کے دہلی لے آئیں۔ اس نے یہ بھی اطلاع دی کہ راجہ نے اپنی حفاظت کے لئے دو ہزار راجپوت مقرر کر لئے ہیں اور اپنے محل میں توپیں بھی چڑھا لی ہیں۔ عرضی میں سپاہیوں نے بادشاہ سے یہ درخواست کی تھی کہ ہمارے طرز عمل پر اظہار خوشنودی فرماویں۔ جواب میں بادشاہ نے یہ تحریر لکھوا دی کہ جو کوئی شخص بادشاہ کا وفادار رہے گا اسے انعام واکرام سے مالا مال کیا جائے گا۔ بلب گڑھ کی راجہ ناہر سنگھ کی چٹھی جنرل بخت خاں کی وساطت سے موصول ہوئی جس میں لکھا تھا کہ میرا قصور معاف کر دیا جائے۔ انگریزی لشکر سے دو سوار بھاگ کر آئے اور بیان کیا کہ ہمیں میرٹھ سے بھیجا گیا ہے تاکہ ہم سہارنپور سے کمسریٹ کا سامان جمع کریں۔ انہوں نے کہا کہ رات میں گوجروں نے ہم پر حملہ کیا اور ہمارے ذخائر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ہماری خواہش ہوئی کہ ہم شاہی افواج میں داخل ہو جائیں۔ دیوان مکندلال کے پاس تین شالیں اور اکیس روپے ان کے آقا کے مرجانے پر ازراہ ہمدردی بھیجے گئے۔ سہ پہر کو چار بجے رام جی مل مہاجن اور پنیال مل سوداگر دربار میں حاضر ہوئے اور آداب بجالانے کے بعد رام جی مل نے اپنی پگڑی بادشاہ کے پاؤں پر رکھ دی اور عرض کیا کہ میں بالکل مفلس اور قلاش ہو گیا ہوں۔ میری دکان لکھنؤ میں تھی۔ اسے اور میرے مکان کو لوٹ لیا گیا ہے اور اب میرے پاس ایک کوڑی بھی نہیں کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ بادشاہ نے جواب میں فرمایا کہ "میں تم سے روپیہ قرض مانگتا ہوں۔ میں ٹیکس کے طور پر نہیں لینا چاہتا۔ دیکھو میرے دوست جوتی پرشاد نے انگریزوں کو تیس ہزار روپے قرض دیئے ہیں۔ اب تم کس بنا پر روپیہ قرض دینے میں پس و پیش کرتے ہو؟" بادشاہ نے پنیال مل سے کہا کہ تمہیں بالضرور پچاس ہزار روپے قرض دینے چاہئیں۔ احکام نافذ ہوئے کہ نیمچ کی فوج کل صبح علی پور کی جانب کوچ کرے گی۔ انگریزی گولہ باری سے چند شہری مارے گئے۔ بریلی کی فوج اور نیمچ کی فوج کے افسروں کے درمیان کچھ تنازعہ برپا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے جنرل محمد بخت خاں کو جا کر مصالحت کرنی پڑی۔

۳۱ جولائی۔ نواب احمد علی خاں رئیس فرخ نگر نے بادشاہ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا جس میں شاہی خاندان سے اپنے تعلقات کا ذکر درج تھا اور یہ مذکور تھا کہ شاہان مغلیہ نے مجھے دو کروڑ روپے سالانہ کی جاگیر عطا کر رکھی ہے اور شکایت کی کہ مجھ پر راؤ تلا رام رئیس ریواڑی عنقریب فوج کشی کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ چٹھی بھی پڑھی گئی جو راؤ تلا رام نے غلام محمد خاں کو بھیجی تھی اور جس میں لکھا تھا کہ "کیا تم نشہ میں ہو۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ انگریز ہندوستان سے چلے جائیں گے؟ وہ یقیناً واپس لوٹیں گے اور تمہیں تباہ و برباد کر دیں گے۔" چٹھی میں یہ بھی درج تھا کہ راؤ تلا رام نے کچھ روپیہ ریواڑی بھیجا تھا جسے زمینداروں نے چھین لیا۔ یہ کہ اس نے بیگم صاحب کی بے عزتی کی ہے اور ابھی تک بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔ بادشاہ نے خواہش ظاہر فرمائی کہ نواب فرخ نگر اور راؤ تلا رام کو روپیہ بھیجنے کی غرض سے چٹھیاں لکھی جائیں۔ راجہ مہر سنگھ کے بچوں نے درخواست دی کہ جو سات گاؤں بادشاہ نے دے رکھے تھے انہیں انگریزوں نے لے لیا ہے اور عرض کیا تھا کہ بادشاہ انہیں حکم دیں کہ گاؤں واپس کر دیں۔ جہادیوں کا ایک قائد اعظم ٹونک

سے آیا اور بادشاہ کی خدمت میں پانچ روپیہ کی نذر پیش کی۔ شاہی جواہرات کے محافظ جوہر لال نے عید کے موقع پر پہننے کے لئے کپڑوں کے سات جوڑے نکالے۔ میر فیاض علی نے معروضہ پیش کیا کہ جہادی بھوکے مر رہے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ انہیں کھلانے کے لئے میرے پاس روپیہ نہیں رہا۔ فیاض نے کہا کہ شہر والوں کو حکم دیجئے کہ وہ ان کے کھانے کا بندوبست کریں۔ بادشاہ نے اس تجویز کو پسند کیا۔ نیچ کی فوج کے بہت سے افسر دربار میں شامل ہوئے اور اطلاع دی کہ ہم رات کے دو بجے علی پور پہنچے اور بساری پل پر گیارہ بجے پہنچے اور یہ وہ وقت تھا جبکہ گولہ باری ہو رہی تھی اور ہم اس کی زد میں آ گئے تھے۔ ہم نے فی الفور انگریزی خندقوں کو تہ و بالا کر ڈالا اور پل کی مرمت کر کے واپس چلے آئے اور لٹیروں (انگریزوں) کے ساتھ جنگ کی جس میں جانبین سے دو سو آدمی کھیت رہے۔ بادشاہ نے بلند آواز سے شاباش دی اور افسروں کی بے حد تعریف و توصیف کی۔ یہ بھی کہا گیا کہ جب نیچ کی فوج پل پر سے گزر رہی تھی تو اس وقت انگریزوں نے کمک بھیجی مگر جنرل محمد بخت خاں نے ان کی توجہ دوسری جانب مبذول کر دی اور بالآخر وہ علی پور کی جانب پسپا ہو گئے۔ غازی آباد کے تحصیلدار نے عریضہ بھیجا جس میں یہ بات درج تھی کہ انگریزوں کی طرف سے ایک تحصیلدار ایک سو سپاہیوں کی جماعت کے ساتھ آیا' لیکن میں بھی محاصل زمین جمع کروانے کے خیال سے ان کے ساتھ ہو لیا اور مناسب موقع پر پچاس سواروں کی مدد سے میں نے اٹھارہ برق اندازوں (محاصل جمع کنندگان) کو گرفتار کر لیا اور پانچ گھوڑوں کو بھی پکڑ لیا۔ حسب ذیل خبریں مشتہر کی گئیں۔ انگریزوں نے انتیس تاریخ کو میرٹھ میں چونسٹھ آدمیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ نانا صاحب نے پندرہ سو انگریزوں کو جو کانپور پہنچ گئے تھے' قتل کر ڈالا اور کانپور پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ چند باشندوں کو اس بہانہ سے گرفتار کر لیا گیا کہ انہوں نے انگریزوں کو پناہ دے رکھی ہے' حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔ یہ بھی بیان کیا گیا کہ نیچ کی فوج دو توپوں اور چار سو سپاہیوں کے ساتھ باڈ ہ اور علی پور کی جانب روانہ ہوئی' لیکن جب دیکھا کہ توپیں ادھر نہیں جا سکتیں تو فوج واپس لوٹ آئی۔ ایک مولوی بادشاہ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر آپ مجھے بکرے کی اوجھڑی پر قرآن شریف کی چند آیات پڑھنے کی اجازت دیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ انگریزی توپیں بیکار ہو جائیں گی۔ پوری بساری کے چند زمینداروں نے بادشاہ کے پاس عرضی بھیجی کہ انگریز لگان مانگتے ہیں' لیکن اگر حضور ہمیں حکم دیں تو ہم ایک پائی بھی ادا نہیں کریں گے بلکہ انگریزوں کو قتل کر دیں گے۔

یکم اگست۔ بادشاہ نے دربار منعقد کیا۔ حکیم احسن اللہ خاں اور دوسرے امرا بھی شریک تھے۔ بادشاہ اعیان سلطنت کی معیت میں عید کی نماز ادا کرنے کی غرض سے مسجد میں تشریف لے گئے اور جامع مسجد' چھوٹی مسجد اور عیدگاہ کے مولویوں میں کپڑوں کے چھ جوڑے اور موتیوں کی تین مالائیں تقسیم کیں۔ مرزا احمد سلطان اور مرزا جہانداد خاں کو چار چار خلعت اور تین تین مالائیں عطا فرمائیں۔ بادشاہ نے عیدگاہ میں بھیڑ کی قربانی بھی ادا کی۔ مرزا جواں بخت اور حکیم احسن اللہ خاں' راجہ اجیت سنگھ رئیس پٹیالہ' ناظر حسن' مرزا مظفر الدولہ' کپتان دلاور خاں اور دیگر افسران نے اپنے اپنے رتبے اور مرتبے کے لحاظ سے نذریں پیش کیں جن کی مجموعی مقدار آٹھ اشرفیاں اور ایک سو بیس روپے تھی۔ آج خبر موصول ہوئی کہ نیچ کی فوج کا بمقام باسی انگریزوں سے معرکہ رہا جس میں بہت سے مقتول و مجروح ہوئے۔ بارش کی وجہ سے سخت تکالیف کا سامنا رہا۔ اس کے بعد بادشاہ حرم میں تشریف لے گئے۔ بیگمات نے بھی نذریں پیش کیں۔ مجھے خفیہ طریقہ سے معلوم

ہوا کہ انگریزوں نے علی الصباح چھ توپوں کی باڑی کے ساتھ سپاہیوں پر حملہ کیا تھا اور موخر الذکر کو پسپا کر دیا تھا۔ بادشاہ کے فرستادہ افسر منشی سلطان سنگھ کے پاس گئے اور ان سے پچاس ہزار روپے طلب کئے۔ اس کے بعد میرے پاس آئے اور پچیس ہزار روپے مانگے۔ باقیوں سے معمولی معمولی رقمیں حاصل کی گئیں۔ وہ بہت بے صبرے تھے اور ان کا طرز عمل بھی گستاخانہ تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپس میں تکرار ہوگئی۔ بالآخر لالہ سنت لال نے انہیں چلے جانے کے لئے کہا۔ انہوں نے ہی ہماری بھی سفارش حیدر حسن خاں (کمانڈر توپخانہ) سے کی۔ ہم نے حکیم احسن اللہ خاں، لالہ بھولا ناتھ اور دوسرے اشخاص سے بہت منت سماجت کی۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ معاملہ جنرل محمد بخت خاں کے ہاتھ میں ہے اور میں مداخلت کرنے سے معذور ہوں، لیکن رہائی حاصل کرنے کی غرض سے ضروری ہے کہ کچھ روپیہ ادا کیا جائے۔ لالہ شام لال (وکیل ولی عہد) نے ہماری طرف سے بہت کوشش کی۔ مرزا الٰہی بخش نے یقین دلایا کہ ان کے پاس روپیہ بالکل نہیں رہا اور اس لئے ان سے روپیہ حاصل کرنے کی کوشش بیکار ہے۔

۱۴ اگست۔ آج بادشاہ دربار عام میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ جلوہ فرما تھے۔ مرزا امین الدین خاں، سعادت علی خاں وکیل، فضل حسن خاں، ابراہیم علی خاں وکیل، اکبر علی خاں بھی دربار میں حاضر تھے۔ جنرل سمند خاں رسالدار، غلام نبی خاں وکیل، حسن علی خاں اور مولوی صدر الدین خاں بھی شریک ہوئے۔ کل ایک سو چھبیس روپے اور نو اشرفیاں بطور نذر پیش ہوئیں۔ بالعموم جنگی حالت پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد بادشاہ نے چند اشعار سنائے، جنہیں انہوں نے موزوں کیا تھا۔ یہ اشعار جنرل بخت خاں کے پاس بھیج دیئے گئے تھے۔ ان کا مفہوم یہ تھا:

"خدا کرے کہ دین کے دشمن تباہ و برباد ہو جائیں!
خدا کرے کہ فرنگی نیست و نابود ہو جائیں!
قربانیاں کر کے عید کے قرباں کے تہوار کو مناؤ!
اور دشمنوں کو تہ تیغ کر دو اور کوئی نہ بچنے پائے!"

راؤ تلا رام کے پاس سے عریضہ موصول ہوا جس کے ساتھ پانچ اشرفیاں بھی تھیں۔ جنرل بخت خاں بھی شریک دربار ہوئے اور اطلاع دی کہ موسلا دھار بارش کی وجہ سے تمام علاقہ جل تھل ہو گیا ہے اور اس لئے میں واپس آ گیا ہوں۔ بادشاہ یہ سن کر بہت برافروختہ ہوئے اور کہا کہ "تم باؤنہ کو کبھی بھی فتح نہیں کر سکو گے۔" آج شام کو بادشاہ نے تمام افسروں کو دربار عام میں مدعو کیا اور ان کے روبرو حسب ذیل تقریر کی۔ "جو خزانہ تم میرے پاس لائے تھے وہ سب ختم ہو گیا۔ شاہی خزانہ اب خالی پڑا ہوا ہے اور اس میں ایک پیسہ بھی باقی نہیں رہا۔ میں سنتا ہوں کہ دن بدن سپاہی اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔ مجھے اب فتح کی کوئی امید دکھائی نہیں دیتی۔ میری خواہش یہ ہے کہ تم لوگ سب کے سب شہر چھوڑ کے کسی مرکزی مقام میں چلے جاؤ۔ اگر تم نہ جاؤ گے تو جو کارروائیاں مناسب ہوں گی انہیں میں عمل میں لاؤں گا۔" اس تقریر کے بعد افسروں نے بادشاہ کو ڈھارس دی اور کہا کہ "ہم اب بھی باؤنہ کو فتح کر سکتے ہیں۔ انشاء اللہ۔" عین اسی وقت سلیم گڑھ میں ایک گولہ پھٹا جس سے ایک سپاہی مر گیا۔ میرے نام ایک طویل حکم بھیجا گیا جس میں تاکید کی گئی تھی کہ پچاس ہزار روپیہ لے کر حاضر ہو جاؤ۔ اس پر بے ساختہ میری زبان سے یہ شعر نکل گیا

خدایا بچا اس مصیبت سے مجھ کو
کہ تو میری حالت سے آگاہ ہے

احمد مرزا نے شہزادوں کو بھی مجھ سے بدظن کر دیا اور میرے مکان پر دن رات پہرہ رہنے لگا۔ حیدر حسن خاں نے پیدل سپاہی اور سوار مجھے دق کرنے کے لئے بھیجے۔ بالآخر سنت لال ان سب کو محل میں لے گئے۔

۱۳ اگست۔ غوث محمد خاں جو نیچ کی فوج کے سرداروں میں سے تھے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر بادشاہ نے یہ کہہ کر ملاقات کرنے سے انکار کر دیا کہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ محکمہ تحقیق جرائم کے افسروں نے نواب قلی خاں وکیل کی خدمت میں نذریں پیش کیں۔ محمد اکبر علی خاں والی پاٹودی نے اپنی بیگم کی طرف سے ایک اشرفی پیش کی۔ مرزا مغل بیگ کے احکام کے مطابق فوج کے تمام افسر دربار میں شریک ہوئے۔ کچھ دیر تک آخری معرکہ زیر بحث رہا۔ دس سوار فتح گڑھ سے آئے اور باغیوں میں مل گئے۔ گوالیار کی فوجوں کے پاس سے عریضہ موصول ہوا جس میں تحریر تھا کہ دو ہزار سپاہی دہلی آنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں اور صرف شاہی احکام کے منتظر ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ "شاہی خزانہ بالکل خالی ہے۔" نصیر آباد سے چند جہادیوں کا معروضہ موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ اگرچہ چھ ہزار سپاہی ایک دل ایک جان ہو رہے ہیں' لیکن انگریزوں نے شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ بادشاہ نے حسب ذیل جواب لکھوایا "دہلی میں ساٹھ ہزار سپاہی موجود ہیں اور وہ ابھی تک انگریزوں کو باڈنہ سے نہیں ہٹا سکے۔ تمہارے چھ ہزار سپاہی کیا کر لیں گے؟" جنرل بخت خاں دربار میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ سپاہی میرے کہنے میں نہیں رہے۔ ایک سوار نے بادشاہ کی خدمت میں خنجر پیش کیا اور کہا کہ "یہ خنجر حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیب تن فرماتے تھے۔" ایک منادی تمام شہر میں یہ منادی کرتا پھرا کہ سوات کے اخوند صاحب چودہ سو جہادیوں کے لشکر کے ساتھ دہلی آ رہے ہیں۔ کسی شخص نے اسے نہیں روکا۔ مرزا مغل دو سواروں کے ساتھ سواری کے لئے نکلے اور جھنجھو رتک جا کر واپس آ گئے۔ آج شام کو مغرب سے گھنٹہ بھر قبل زلزلہ محسوس ہوا۔ مجھے اطلاع دی گئی کہ اکبر خاں والی پاٹودی بھیس بدل کر شہر میں آئے ہوئے ہیں۔ مرزا مغل لالہ سنت لال کی اجازت لے کر میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے انہیں اپنے حالات بتا دیئے اور کہا کہ میرے پاس روپیہ کہاں۔ میری تنخواہ معمولی ضروریات زندگی کے پورا کرنے میں صرف ہو جاتی ہے۔ میں نے تمام زندگی محنت و ایمانداری کے ساتھ کام کیا ہے اور دولت جمع نہیں کی۔ جب تک مجھے تنخواہ نہ ملے گی میرے پاس روپیہ نہیں آئے گا۔ بادشاہ کو تمام اختیارات حاصل ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ مرزا نے مجھ پر الزام لگایا کہ تم انگریزوں کے پاس خبریں بھیجتے ہو اور برہمنوں سے انگریزی راج کے از سر نو قیام کی دعائیں منگواتے ہو اور بادشاہ کی شکست کے امیدوار رہتے ہو اور سپاہیوں کو "باغی" کے نام سے یاد کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ "میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ مطلوبہ رقم میں کسی قدر کمی کر دوں۔"

۱۴ اگست۔ بادشاہ ابھی حرم ہی میں تھے کہ افسروں کا وفد حاضر ہوا۔ انہوں نے شکایت کی کہ حکیم احسن اللہ خاں انگریزوں سے ساز باز رکھتے ہیں اور یہ کہ انہوں نے ہی یہ منادی کروائی تھی کہ سوات سے چودہ سو جہادی قریب کے پڑاؤ میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور آج شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ افسروں نے بیان کیا کہ تحقیقات سے ہم پر ثابت ہو گیا ہے کہ یہ جہادی پٹھان تھے جنہیں انگریزوں نے اس غرض سے بھرتی کیا تھا کہ شہر میں داخل ہو کر وہ پوربیوں کے ساتھ جنگ

کریں اور انہیں مار ڈالیں اور اس طرح سے آسانی شہر پر قابض ہو جائیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ مجھے کسی ایسے اعلان کی اطلاع نہیں ملی اور مجھے یقین ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں اس قسم کی کسی سازش میں شریک نہیں ہیں۔ برخلاف اس کے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اخوند صاحب نے اپنا نہایت قابل اعتماد شخص نائب کی حیثیت سے کام کرنے کی غرض سے میرے پاس بھیج رکھا ہے اور خاص اپنی تلوار میرے ہاتھ میں دے کر یہ حکم دیا ہے کہ خدا اور اس کے رسول کا نام لے کر انگریزوں کو نیست و نابود کر دو۔ یہ افسر حکیم کی غداری پر اس درجہ یقین رکھتے تھے کہ وہاں سے سیدھے ان کے گھر گئے تاکہ ان کو قتل کر دیں' لیکن چونکہ حکیم صاحب کو قبل از وقت معلوم ہو گیا تھا اس لئے وہ گھر سے غائب ہو گئے تھے۔ بادشاہ نے افسروں اور مرزا مغل کو بلا بھیجا اور مؤخر الذکر کی تعریف کر کے یہ بات کہی کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ جس شخص نے منادی کی تھی' وہ انگریزوں کا آدمی تھا۔ انہوں نے یہ کہا کہ میں نے مرزا مغل اور جنرل محمد بخت خاں کو حکم دے دیا ہے کہ تمہیں اپنی کمان میں لے لیں۔ اب تم پسند کر لو کہ کس کی کمان میں رہنا پسند کرتے ہو۔ یہ امر باعث تکلیف ہے کہ شہر والوں کو ستایا جائے اور سپاہیوں کی جانب سے انہیں دھمکی دی جائے' حالانکہ وہ شہر میں صرف اسی مقصد سے آتے ہیں کہ انگریزوں کا تہس نہس کر دیں' نہ کہ اپنے ہم ملکیوں کا۔ یہ سپاہی ہمیشہ شیخی بگھارا کرتے تھے کہ ہم انگریزوں کو تباہ کرنے کی غرض سے اپنے استحکامات میں سے باہر نکلیں گے' لیکن وہ ہر بار لوٹ آتے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ "مجھے صاف دکھائی دے رہا ہے کہ انگریز دوبارہ اس شہر پر قابض ہو جائیں گے اور مجھے قتل کر ڈالیں گے۔" بظاہر افسر بادشاہ کی تقریر سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے تسلی دی اور درخواست کی کہ آپ اپنا ہاتھ ہمارے سروں پر رکھیں اور ہم بلاشبہ فاتح ہوں گے۔ تقریباً ایک سو پچاس افسر موجود تھے اور گذرتے وقت بادشاہ نے ہر ایک کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اس کے بعد بادشاہ نے دعا مانگی اور فرمایا "جلدی جاؤ اور باؤنہ پر قبضہ کر لو۔" بادشاہ کھڑے ہوئے اور جب سب چلے گئے تو اس کے بعد وہ سلیم گڈھ گئے اور حکم دیا کہ باتریوں سے گولہ باری کی جائے۔ بعد ازاں وہ حرم میں آ گئے۔ وہاں سے انہوں نے مرزا مغل کے نام ایک خط بھیجا جس میں یہ تاکید کی گئی تھی کہ وہ حکیم احسن اللہ خاں کی نگرانی رکھیں اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دیں۔ بادشاہ نے فوج میں تنخواہ تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے مزید برآں یہ حکم دیا کہ فوج کا ہر افسر ان کی خدمت میں حاضر ہو۔ جنرل محمد بخت خاں بھی اس حکم کے مطابق دربار میں حاضر ہوئے اور کہا کہ افسر چار سو سواروں اور مقامی زمینداروں کی معیت میں ان مقامات سے واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے چلے گئے ہیں' جہاں وہ متعین ہوں گے اور اس کے بعد کہا کہ "اگر خدا نے چاہا تو مجھے بالضرور فتح نصیب ہو گی۔ میرا منشاء انگریزوں پر بمقام علی پور حملہ کرنا ہے۔" گوالیار سے بادشاہ کی خدمت میں یہ پیغام وصول ہوا کہ ہم سب آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ بادشاہ نے نہایت بے صبری کے ساتھ جواب دیا کہ "انہیں لکھ دو کہ ان کی امداد کے لئے میرے پاس روپیہ موجود نہیں ہے۔ میرے پاس یہاں ساٹھ ہزار سپاہی ہیں اور ابھی تک انہوں نے مٹی کا ڈھیلا بھی انگریزوں سے واپس نہیں لیا۔" حسن علی رسالدار نے اس مضمون کی عرضی پیش کی کہ اگر بادشاہ سلامت حکم نافذ فرمائیں تو میں دہلی سے ہر دوار تک ہر زمیندار سے لگان وصول کر لوں اور اس طرح سے پانچ لاکھ روپے جمع کر سکتا ہوں۔ انگریزی گولہ باری سے شہر کے کئی ایک آدمی زخمی ہوئے۔ دہلی اور اجمیری دروازوں کے سامنے فوج کی پریڈ ہوئی۔ فوج کو تین بریگیڈوں میں مرزا مغل' جنرل محمد بخت خاں اور غوث محمد خاں کی سرداری میں منقسم کر دیا گیا۔ سپاہیوں کو اجنبیوں سے

چوکنا رہنے کی ہدایت کر دی گئی جو جہادیوں کے بھیس میں آئیں گے۔ محافظین شہر کو بھی آگاہ کر دیا گیا کہ انہیں شہر میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ ان کے متعلق یہ بیان کیا گیا کہ وہ ہندوستانی سپاہی ہیں نہ کہ سچے جہادی جنہیں انگریزوں نے بھرتی کر لیا ہے۔ جرنلوں نے سپاہیوں کو اتفاق رکھنے کی نصیحت کی اور کہا کہ اگر اتفاق واتحاد قائم رہے گا تو انگریزوں پر فتح پانا مشکل نہیں رہے گا اور انگریزوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ لالہ گوپی ناتھ کی وساطت سے میں نے نواب حسین علی خاں بہادر سے درخواست کی کہ وہ احمد مرزا سے کہہ دیں کہ مجھ پر سختی بند کر دی جائے۔ حیدر حسین خاں افسر توپخانہ نے پھر روپیہ کی ادائگی کا تقاضا کیا۔ اب کی دفعہ اردلی سوار بھی آیا تھا۔ جواب سنت لال نے دیا۔ بدری مصر میرے پاس آیا اور کہا کہ سرجان مٹکاف چند سواروں کے ساتھ ملوارہ میں باغیوں کی سرکوبی کر رہے ہیں اور انہیں آپ کی تکلیف دہ حالت اور دیگر وفادار شہریوں کی تکلیف کا بے حد رنج ہے۔ انہوں نے یہ کہلا بھیجا ہے کہ گھبراؤ نہیں اس لئے کہ انگریز عنقریب دہلی پر قبضہ کر لیں گے۔ اس خبر سے جو خوشی مجھے حاصل ہوئی وہ اس تازگی کے مترادف تھی جو باغ میں بارش کے چھینٹے کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ سپاہی جو روپیہ لینے کی غرض سے آیا کرتے تھے سخت دق کرتے تھے اس لئے لالہ جیون چند اور دوسرے رشتہ داروں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا اور مصلحت اسی میں سمجھی کہ مجھ سے کنارہ کش ہو جائیں۔ حکیم غلام نقش بند خاں مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ مجھے تسلی دی اور کہا کہ تمہاری طرف سے حکیم احسن اللہ خاں کو سمجھا دوں گا۔

۵ اگست۔ بادشاہ دربار عام میں جلوہ فرما ہوئے۔ حکیم احسن اللہ خاں اور دیگر امرا بھی موجود تھے۔ لکھنؤ سے مبارک باد کی ایک چٹھی موصول ہوئی جس پر قدرت علی خاں، راجہ جیرت سنگھ، راجہ خان سنگھ اور بعض دیگر اشخاص کے دستخط ثبت تھے۔ چٹھی میں مذکور تھا کہ "ہم نے یہاں کے تمام انگریزوں کو قتل کر دیا ہے اور سولہ سو انگریز کانپور میں قتل ہوئے ہیں۔ ہم نے اب بیگم پیاری بیگم کے صاحبزادے کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔" بادشاہ نے حکم دیا کہ چٹھی جنرل بخت خاں کے حوالے کر دی جائے۔ سید علی نے بھی فتح گڑھ سے مراسلہ بھیجا جس میں تحریر تھا کہ "ہم نے یہاں جس قدر انگریز تھے سب کو قتل کر ڈالا ہے۔ یہاں آٹھ ہزار سپاہی ہیں جو میرے حکم پر مرنے مارنے کو تیار ہیں۔ صرف بادشاہ کے احکام کا انتظار ہے۔" بعض سکھوں نے شکایت کی کہ ہم انگریزوں پر حملہ کرتے ہیں لیکن پوربیوں کی طرف سے مدد نہ ملنے پر ہم لوٹ آتے ہیں۔ انہوں نے درخواست کی دہلی کی فوجوں میں سے سکھوں کی علیحدہ پلٹن بنا دی جائے اور ہمارے سپرد دو توپیں بھی کر دی جائیں تاکہ ہم کامیابی کے ساتھ انگریزوں پر حملہ آور ہو سکیں۔ ان سکھوں کو اطمینان دلایا گیا اور کہا گیا کہ مایوس مت ہو۔ سفر مینا کی پلٹن نے بھی شکایت کی کہ ہم کھلے میدان میں باتریاں نصب کرتے ہیں اور اس طرح سے ہمارا بہت سا جانی نقصان ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب شاہی فوجیں لڑتی ہیں تو ہم ان کی حفاظت پر ہوتے ہیں لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ وہ ہمیں چھوڑ کر چلی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انگریز رات کو آکر ہماری باتریوں کو تباہ و برباد کر جاتے ہیں۔ بادشاہ نے جنرل محمد بخت خاں کی توجہ اس شکایت کی جانب مبذول کی۔ جہادیوں نے شکایت کی کہ صرف ہم ہی ایسے آدمی ہیں جو انگریزوں سے نہایت جوش کے ساتھ لڑتے ہیں اور باقی جو ہیں وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور کچھ کوشش نہیں کرتے۔ ان سے کہا گیا کہ اپنی یہ شکایت مرزا مغل کے سامنے بیان کرو۔ فضل بیگ نے راجہ دیوی سنگھ، راجہ سانگ رام اور رائے گنجا رام کے نام حکم بھیجا کہ مشترکہ پچاس ہزار روپیہ داخل خزانہ کر دو۔ جنرل بخت خاں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ

فوجیں کل انگریزوں پر حملہ کریں گے۔ رجبہ بھولم ناتھ بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور مشرقی آداب و رسوم کے مطابق انہوں نے چند زیورات پیش کش کئے اور عرض کیا کہ انہیں ساون میں چودھویں رات کو جبکہ چاند بدر کی شکل میں ہو پہنا جائے۔ دو سو سوار جھجر اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہاں سے تین لاکھ روپیہ لائیں۔ پچاس آدمی قطب صاحب اور پچاس آدمی کوٹ قاسم کو اس غرض سے روانہ کئے گئے کہ وہ تحصیلداروں کو بلائیں۔ یہ بات بیان کی گئی کہ چونکہ انگریزوں کے پاس گولہ بارود کی کمی ہوگئی ہے اس لئے وہ بارود اور گولے تیار کر رہے ہیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے چند کشمیری ملازمین کو سواروں نے گرفتار کر کے جنرل محمد بخت خاں کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ کپتان روچن (؟) نے گوہاریہ سے ایک ہزار سوار اور پیدل سپاہی بھرتی کر لئے ہیں اور وہ اب لگان جمع کرتے پھرتے ہیں۔ ایک فرانسیسی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھٹنے والی گولیاں بنانے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ بادشاہ نے دمدموں کی باتریاں ملاحظہ کیں اور حکم دیا کہ وہاں سے انگریزوں پر مسلسل گولہ باری رکھی جائے اور نیز ان باتریوں پر بھی پے بہ پے گولے برسائے جائیں جو شہر پر گولے پھینکتی ہیں۔

۶ اگست۔ مہاراجہ پٹیالہ کے نام آج چٹھی بھیجی گئی جس میں چھ لاکھ روپے بھیجنے کا حکم درج تھا۔ یہ کام سمند خاں کی سپردگی میں دیا گیا کہ وہ ایک سو سواروں کی حفاظت میں چٹھی کو بھیجنے کا انتظام کریں۔ شاہزادہ اکبر کے صاحبزادے محمد عظیم کو حصار محاصل جمع کرنے کی غرض سے بھیجا۔ بہادر علی خاں کے پاس سے عرضی موصول ہوئی جس میں تحریر تھا کہ میں ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ دریائے جمنا کی دوسری جانب خیمہ زن ہوں اور احکام کا منتظر ہوں۔ انہیں حکم دیا گیا کہ کل صبح دریا کو عبور کر کے اجمیری دروازہ کے باہر پڑاؤ ڈالیں۔ سعادت علی خاں کی نہر کے قرب و جوار کے رہنے والے پنجابیوں نے اکتالیس ہزار روپے بادشاہ کو دینے کا وعدہ کیا۔ اطلاع ملی کہ سردھاری لال (نیچ کی فوج کے سردار) اور محمد بخت خاں (فوج بریلی کے سردار) دونوں آپس میں مل گئے ہیں اور بمقام علی پور انہوں نے انگریزوں پر حملہ بھی کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ انگریزوں نے اس لشکر کو جو کشمیری دروازہ کے باہر تھا' شکست دے کر بھگا دیا ہے اور یہ کہ وہ اب واپس آ رہا ہے۔ اس لڑائی میں سپاہیوں کے ساتھ سوار اور ایک سو سپاہی اور دو رسالدار کام آئے۔ جنگ دن بھر ہوتی رہی۔ زخمی سپاہی شہر میں لوٹ آئے۔ جب بہادر خاں اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ دریا کو عبور کر رہے تھے تو اس وقت مرزا مغل سے ملاقات ہوئی اور بہادر خاں نے ایک اشرفی بطور نذر پیش کی۔ لکھنؤ سے خبر موصول ہوئی کہ ۲۲ جولائی کو چند ہزار انگریز شہر میں پہنچ گئے اور شدید جنگ کے بعد شہر پر قابض ہو گئے۔ اس کے بعد خبر ملی کہ بنارس پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔

۷ اگست۔ بادشاہ نے سلیم گڈھ کے قلعہ کا معائنہ کیا اور اس کے بعد دربار عام میں داخل ہوئے۔ مرزا امین الدین خاں' مرزا ضیاء الدین خاں' حسن علی خاں' رحمت علی خاں اور میر سعید علی خاں بھی شریک دربار تھے۔ نواب علی رئیس گجرات نے نذر پیش کی۔ بہادر علی خاں رئیس کناؤں بھی دربار میں آئے اور چند اشرفیاں پیش کیں۔ ان کے بعض سرداروں نے تیرہ روپے دیئے۔ احمد مرزا نے مرزا مغل سے خطاب کرتے ہوئے پوچھا کہ ضیاء الدین کل شریک دربار کیوں نہیں ہوئے۔ اس پر بحث چھڑ گئی۔ مرزا امین الدین خاں نے مرزا ضیاء الدین کی حمایت کی اور احمد مرزا کو بہت برا بھلا کہا۔ مرزا احمد شاہ نے بادشاہ سے مرافعہ کیا اور درخواست کی کہ مجھے اس ذلت آمیز سلوک سے محفوظ رکھا جائے۔ بادشاہ

نے فرمایا کہ ان الفاظ ناشائستہ سے بہت رنج پہنچا اور کہا کہ احمد مرزا بہت بڑے سردار ہیں۔ میرٹھ کے چند زمینداروں کی عرضی موصول ہوئی کہ ہم لگان جمع کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ بادشاہ ہماری امداد کریں۔ عرضی مرزا مغل کے حوالے کر دی گئی۔ غوث محمد (نیچ کی فوج کے ایک سردار) نے حاضر دربار ہو کر گذشتہ دن کی جنگ کا حال بیان کیا۔ حسب ذیل اشخاص نے قلعہ کے گارڈ روم میں آپس میں ملاقات کی۔ مرزا مغل، مرزا خضر سلطان، راجہ دیوی سنگھ، سالگ رام مہاجن، راجی داس اور رائے گنجا رام۔ سفر مینا کے ایک صوبیدار نے ان کو متنبہ کیا کہ اگر فوج کو فی الفور تنخواہ نہ دی گئی تو وہ شہر میں لوٹ مار شروع کر دے گی۔ محولہ بالا اشخاص نے باہمی مشورہ کے بعد فوج کی تنخواہ کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپے جمع کرنے کا وعدہ کیا۔ آج سہ پہر کو بارود سازی کا کارخانہ جو چوڑی والوں میں شمرو کی بیگم کے مکان میں تھا بھک سے اڑ گیا اور چار سو چورانوے آدمی ضائع ہوئے۔ صرف تیرہ اشخاص اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے۔ اس وقت بادشاہ سلیم گڈھ کے قلعہ میں تھے اور ان کو اطلاع دی گئی کہ سپاہی قلعہ کو لوٹنے کی غرض سے بڑھے چلے آرہے ہیں۔ حسن علی خاں دوڑے ہوئے بادشاہ کے پاس آئے جو قلعہ کے دروازے کی محراب میں کھڑے تھے اور کہا کہ سپاہیوں کا یہ خیال ہے کہ یہ میگزین میری سازش سے تباہ ہوا ہے اور اسی وجہ سے وہ میرے مکان کو لوٹنے اور مجھے قتل کرنے کی غرض سے جارہے ہیں۔ ابھی باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اور اشخاص بھی دوڑے ہوئے آئے اور اطلاع دی کہ تقریباً ایک سو سوار حکیم احسن اللہ خاں کی تلاش میں مصروف ہیں۔ بادشاہ نے انہیں تخت کے نیچے چھپ جانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ دروازے بند کر دیے جائیں اور حکیم احسن اللہ خاں کو عبادت خانہ میں چھپا دیا جائے۔ سمند خاں رسالدار نے سپاہیوں کو سمجھا دیا کہ حکیم احسن اللہ خاں قلعہ میں نہیں ہیں۔ بادشاہ نے پھر مرزا مغل کو حکم دیا کہ حکیم احسن اللہ کی حفاظت کی جائے اور ان کے مکانوں کو لوٹ مار سے بچایا جائے۔ مرزا نے احکام کی تعمیل کی کوشش کی مگر زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ مستورات خوش قسمتی سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئیں اور سپاہیوں کے ہاتھوں انہیں کوئی گزند نہیں پہنچا۔ مرزا مغل چند سواروں کے ساتھ موقع واردات پر پہنچ گئے اور لٹیروں کو مار بھگایا۔ زیادہ حفاظت کی غرض سے وہ چودہ اونٹوں، دو گاڑیوں اور تین تھیلوں میں حکیم احسن اللہ خاں کا ذاتی سامان اٹھوا لائے اور اسے قلعہ میں رکھوا دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے محفوظ مقام میں بہ حفاظت تمام رکھ دیا جائے۔ تمام دن انگریزوں اور سپاہیوں کے درمیان جنگ ہوتی رہی۔ رات کو باغیوں نے قلعہ کو گھیر لیا اور مطالبہ کیا کہ حکیم احسن اللہ کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ گھنٹوں بادشاہ نے ان کے مطالبہ کی مخالفت کی۔ آخر کار وہ اس شرط پر راضی ہو گئے کہ انہیں حوالے کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ان کی جان بخشی کی جائے۔ جب یہ شرط طے ہو گئی تو بادشاہ نے حکیم کو سپاہیوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے انہیں جواہرات والے کمرے میں قید کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے تمام شہزادگان کو بلایا اور ان سے کہا کہ ہر وقت میرے پاس رہو اور میری حفاظت کرتے رہو۔ مرزا خضر، مرزا مہدی اور مرزا عبداللہ رات بھر ان کے ساتھ رہے۔ شہر میں بے حد خوف طاری تھا اور تمام دکانیں بند تھیں۔ مسلمانوں کو ہر لحظہ یہ اندیشہ تھا کہ سپاہی بادشاہ کو قتل کر ڈالیں گے اور شہر میں قتل عام کر دیں گے۔

نذر علی جو پہلے مسٹر سائمن فریزر کی ملازمت میں تھے اور اب تھانہ کے منتظم تھے مبارک شاہ کوتوال کی چٹھی لے کر مجھے گرفتار کرنے کے لئے آئے۔ ان کے ساتھ سو سپاہی ننگی تلواریں لئے ہوئے تھے۔ چونکہ دروازہ ستوں کے لئے

کھول دیا گیا تھا اس لئے دروازہ کو کھلا پاتے ہی وہ نہایت تیزی کے ساتھ داخل ہو گئے۔ گھر کی مستورات بیٹھی ہوئی مہاراج لال کی تیمارداری میں مصروف تھیں جن کے بذریعہ آپریشن پتھری نکالی گئی تھی اور جو بے حد کرب و تکلیف کی حالت میں پڑے تھے۔ سپاہیوں کو دیکھتے ہی وہ جان بچانے کے خیال سے ادھر اُدھر بھاگیں اور زیورات اور پاندان اپنے ساتھ لیتی گئیں۔ مجھے گرفتار کر لیا گیا اور پالکی میں بٹھا دیا گیا اور ننگی تلواروں کے گارد کی حفاظت میں مجھے کوتوالی پہنچا دیا گیا۔ مبارک شاہ سے وہیں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بہت احترام سے مجھے بٹھایا۔ پہلے وہ چنگی کے افسر تھے اور پھر وہ بادشاہ کی ملازمت میں منسلک ہو گئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے وسوسے اور اندیشے بے بنیاد ہیں اور کہا ڈرو نہیں اس لئے کہ میں خود بھی انگریزوں کا ملازم ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے میری گرفتاری کے متعلق مرزا خضر کا دستخطی حکم دکھایا۔ میرے علاوہ منشی سلطان سنگھ، چمن لال اور سنت لال کی گرفتاری بھی عمل میں آئی۔ ہمیں دھوکے میں رکھنے کی خاطر حکم میں یہ الفاظ درج تھے کہ ہمیں مشورے کی غرض سے طلب کیا جا رہا ہے۔ پھر مجھے اور منشی سلطان کو مرزا مغل کے روبرو پیش کیا گیا۔ پہنچتے ہی ایک صوبیدار مجھے خنجر سے یہ کہہ کر ہلاک کرنا چاہتا تھا کہ ''یہی وہ شخص ہے جو انگریزوں کو خبریں بھیجتا ہے۔'' مجھے مجمع نے (اور در حقیقت خدا نے) بچا لیا اور کہا کہ انہیں روپیہ لینے کی غرض سے بلایا گیا ہے۔ اس سے مجھے ایک گونہ اطمینان ہوا۔ بعد ازاں مجھے اُدھر مرزا مغل کی پیشی میں لے گئے۔ وہاں میں نے عجیب و غریب قطع کے آدمیوں کی کثیر جماعت دیکھی۔ ایک جانب مرزا مغل تکیوں سے سہارا لگائے بیٹھے تھے۔ راجہ سالگ رام، حامد علی خاں، حکیم عبدالحق اور بادشاہی دربار کے چند دیگر افسر بھی موجود تھے۔ ان کے بالمقابل باغی فوج کا بریگیڈ افسر گرے سنگھ بیٹھا ہوا تھا۔ شاہی افسر بلا حکم ادھر اُدھر پھر رہے تھے۔ لالہ سالگ رام (خزانچی)، رام جی داس گوڑوالہ، لالہ گردھر لال، زور آور چند اور تقریباً پچیس دیگر مہاجن بھی گرفتار شدہ حالت میں وہاں بیٹھے تھے۔ مجھے بھی ان کے ساتھ قطار میں بیٹھنے کا حکم ملا۔ میرے دوست لالہ گھمان لال، لالہ ناشی لال، لالہ سنت لال میری رہائی کی کوشش کرنے کی غرض سے وہاں آئے۔ تھوڑی دیر بعد مرزا احمد جان مرزا مغل کے پاس گئے اور ان کے کان میں کچھ کہا جس پر مرزا مغل نے لالہ سنت لال کو بلایا اور نہایت شفقت و نرمی سے فرمایا کہ اس سے پانچ ہزار روپے لے جائیں جسے فی الفور ادا کرنا چاہئے ورنہ اسے قید کر دیا جائے گا۔ دوسروں سے بھی اسی طرح روپوں کا مطالبہ کیا گیا اور بالآخر ہم غریب منشیوں کو دھمکایا گیا اور توپوں کو ہمارے کندھوں پر رکھ کر چھوڑا گیا، مگر ہم خدا کے کرم سے نہایت ثابت قدم رہے۔ ہم نے ارادہ کر لیا تھا کہ ہم مرنا پسند کریں گے اور ان باغیوں کی دھمکیوں کی کچھ پروا نہ کریں گے۔ ہمیں انجام کی کچھ خبر نہ تھی۔ باغیوں نے صبح سے لے کر چار بجے سہ پہر تک مشورہ کیا۔ اسی حالت میں مرزا الٰہی بخش بھی خلاف توقع حضرت خضر کی طرح آ پہنچے۔ جس طرح سے کہ سوکھے ہوئے پتوں میں جان ڈالنے کے لئے ابر رحمت یکایک برس جاتا ہے۔ انہوں نے مجھے دلاسا دیا اور مرزا مغل سے درخواست کی کہ نجی ملاقات کے لئے وقت دیا جائے۔ میرا گمان ہے کہ انہوں نے دوران ملاقات میں ہمارے متعلق یہی دلائل استعمال کئے ہوں گے۔ یہ غریب محرر ہے اور صرف اپنی آمدنی پر گذران کرتے ہیں اور یہ کہ انگریزی راج ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ ممکن ہے انگریز شہر پر دوبارہ قبضہ کر لیں اور جب آپ انگریزوں کے ہاتھ میں اسیر ہو جائیں گے تو ممکن ہے کہ یہ غریب کلرک اس وقت آپ کے لئے مفید ثابت ہوں۔ مرزا مغل نے جواب دیا کہ انگریزوں کو خبریں بھیجتا ہے اور ان کی کامیابی کے لئے دست بدعا

رہتا ہے۔ مرزا الٰہی بخش نے کہا کہ یہ ان کے وفادار ہیں جن کا نمک انہوں نے کھایا ہے۔ احمد مرزا نے کہا کہ ان سے کثیر رقم وصول کرنی چاہئے یا ان کے مکانات پر قبضہ کر لینا چاہئے۔ غالباً مشورہ دینے والے کو یہ امید ہوگی کہ قتل کر دیئے جانے پر میرا مکان اسے مل جائے گا۔ یہ گفتگو شام تک ہوتی رہی۔ جو زیورات سپاہیوں نے میرے مکان سے ضبط کئے تھے' انہیں مرزا مغل کی خدمت میں پیش کیا گیا اور تولنے کے بعد ان کی مالیت کا اندازہ دو ہزار روپے کیا گیا۔ حکم ہوا کہ یہ رقم اس مطالبہ میں سے منہا کر دی جائے جو مجھ سے کیا جا رہا تھا۔ اس کے بعد پستول منگائے گئے اور ہمیں ڈرانے کے لئے بندوقیں بھی منگوائی گئیں' لیکن یہ دیکھ کر کہ میرا ارادہ مستقل ہے اور مرزا الٰہی بخش میری مدد پر ہیں' مجھے بالآخر ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اچھے مرزا صاحب مجھے کمال تلطف اور مہربانی کے ساتھ سیدھے میرے مکان پر لے گئے اور مجھے مشورہ دیا کہ تبدیل مکان کر لو اور کہیں چھپ جاؤ ورنہ باغی پھر تمہارا پتہ ڈھونڈ نکالیں گے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں تمہارا ضامن ہوں اور انشاء اللہ باغی تمہارا بال بیکا نہ کر سکیں گے۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ نے اپنا فضل کر کے میری جان بچا لی۔ مرزا الٰہی بخش نے اس آڑے وقت میں جو ہمدردی مجھ سے کی' اس کا معاوضہ مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا اور نہ مناسب الفاظ میں ان کا شکریہ ہی ادا کر سکتا ہوں۔ صرف زبان سے ان کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ میرے گرفتار ہو جانے پر لالہ شام لال نے مرزا الٰہی بخش خاں کو لکھا کہ اب امداد کا وقت ہے' اس لئے کہ وہ انگریزی ملازم ہیں اور آپ بھی انگریزوں کے بہی خواہ ہیں۔ مرزا کے صاحبزادے کا آج صبح انتقال ہو گیا تھا اور وہ جلدی سے تجہیز و تکفین کر کے میری مدد کرنے کے لئے آ گئے۔ ان سے بڑھ کر سچا دوست کبھی میسر نہیں آ سکتا۔

۸ اگست۔ آج صبح تمام امرا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' لیکن انہوں نے فرمایا کہ میں آج دربار منعقد نہ کروں گا کیونکہ جو سلوک مجھ سے روا رکھا جا رہا ہے' وہ میرے لئے سخت تکلیف کا باعث ہے۔ بعض درباریوں سے بادشاہ نے فرمایا "ہر بادشاہ پر انقلابات گذرے ہیں اور اب میری باری آ رہی ہے۔" اپنے لڑکوں کو انہوں نے حکم دیا کہ احسن اللہ کی جان بچانے اور رہائی دلانے کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں۔ بیگم نے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ مجھ پر بھی انگریزوں کے ساتھ سازباز رکھنے کا شبہ کیا جا رہا ہے اور مجھے بھی متنبہ کر دیا گیا ہے کہ سپاہی محل کو لوٹنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے بیگم اور احسن اللہ کے مکان کی حفاظت کے لئے دو سو سوار بھیجے۔ اطلاع ملی کہ سپاہیوں نے احسن اللہ کے مکان سے جو سامان لوٹا تھا' اسے مجمع عام میں جلا ڈالا۔ بادشاہ نے انہیں اس فعل سے باز رکھنے کی انتہائی کوشش کی' لیکن کسی نے ان کے احکام کی پرواہ نہ کی۔ بادشاہ نے شاہی محل کا بھی کھاتہ رکھنے والے محرروں کو بلا بھیجا' لیکن موت کے ڈر سے کوئی بھی اپنے گھر سے باہر نہ نکلا۔ بادشاہ نے مرزا عبداللہ کو حکیم احسن اللہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ کہہ سن کر انہیں کھانا کھانے پر مجبور کریں۔ تمام شہر کے مکانات کے دروازے اور کھڑکیاں دن بھر بند رہیں۔ مجھ پر اور منشی سلطان سنگھ پر بقایا دو ہزار روپے کی ادائیگی کے لئے پھر بے حد زور ڈالا گیا لیکن ہم نے ایک پیسہ بھی نہ دیا۔

۹ اگست۔ بادشاہ عبادت خانہ میں داخل ہوئے۔ بادشاہ کے پیرزادہ میاں کالے صاحب کے صاحبزادے نظام الدین دربار میں آئے اور محمد علی اکبر خاں سے کہا کہ پانودی میں پانچ ہزار سوار اس غرض سے پہنچے ہیں کہ تین لاکھ روپیہ وصول کر کے بادشاہ کو دیں اور یہ کہ ان سواروں نے روپیہ وصول کرنے کی غرض سے نواب کے لڑکے کو گرفتار کر کے قید

میں ڈال دیا ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ "میں نے انہیں روپیہ وصول کرنے کی غرض سے نہیں بھیجا۔ انہیں سخت سزا ملنی چاہئے۔" بلب گڑھ کے راجہ ناہر سنگھ نے عرضی کے ساتھ پانچ اشرفیاں نذر میں بھیجیں۔ بادشاہ نے نذر قبول کر لی اور حسب ذیل الفاظ چٹھی کی پشت پر لکھوا کر بھیج دیئے۔ "میں نے تمہاری بدنامی کے ڈر سے روپیہ قبول کر لیا ہے۔" مرزا مغل کو حکم دیا گیا کہ احسن اللہ خاں کے مکان سے گارڈ ہٹالی جائے۔ بہت سے افسر صحن قلعہ میں جمع ہوئے اور یہ کہا کہ "ہمیں اطمینان ہو گیا ہے کہ بارود خانہ کو اڑا دینے کا تعلق حکیم صاحب سے کچھ نہ تھا۔" بادشاہ نے مکند لال کو اس کی ماں کی وفات کی وجہ سے چھ جوڑے کپڑوں کے دیئے۔ جنرل محمد بخت خاں نے اطلاع دی کہ انگریزی لشکر سے ایک گورکھے کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ مولوی صدر الدین خاں کے مکان پر آج پچاس سپاہیوں نے حملہ کیا' لیکن یہ دیکھ کر کہ وہاں ستر جہادی مقابلے کے لئے تیار ہیں' وہ واپس آ گئے' لیکن احسن اللہ خاں کے مکان سے دو چھکڑوں کو پکڑ کر لے آئے۔ رپورٹ موصول ہوئی کہ بارود خانہ کے بھک سے اڑ جانے کے باعث کئی سو آدمی مر گئے ہیں۔ زخمیوں کو برہمن خاں کی سرائے میں پہنچا دیا گیا اور انہیں امام باڑہ میں رکھا گیا۔ چھ گورکھوں کو گرفتار کرنے کے بعد قتل کر دیا گیا۔ شہر میں افواہ گرم تھی کہ انگریزوں نے لاہور میں سفر مینا کی دو پلٹنوں کو بھرتی کیا ہے جو دہلی پہنچ گئی ہیں اور یہ کہ انہوں نے چھاؤنی میں مسز ہیلسن کے مکان میں گولہ بارود بنانا شروع کر دیا ہے۔

۱۰ اگست۔ بادشاہ عبادت خانہ میں گئے۔ حافظ داؤد صاحب اور ناظر حسن مرزا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوران ملاقات میں بادشاہ نے سپاہیوں کی زیادتیوں اور مظالم پر اظہار ناراضگی کیا۔ بادشاہ نے مرزا مغل سے آج پھر احسن اللہ خاں کی رہائی کے لئے کہا۔ پیدل فوج کی پلٹن اور سواروں کا دستہ منشی چمن لال اور منشی سلطان سنگھ کو اس بنا پر گرفتار کرنے کے لئے بھیجا گیا کہ وہ دونوں انگریزوں کو خبریں بھیجتے ہیں' لیکن کسی صورت سے وہ سپاہیوں کے ہاتھ نہیں آئے۔ حکیم احسن اللہ آج رہا ہو گئے۔ مرزا عبداللہ دربار میں حاضر ہوئے اور بادشاہ سے عرض کی کہ مرزا امین الدین خاں اور ضیاء الدین خاں نے بہت سی دولت جمع کر لی ہے' لیکن انہوں نے فوج کی تنخواہ کی ادائیگی میں کسی طریقہ کی مدد نہیں کی۔ بادشاہ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ بعد ازاں مرزا عبداللہ دو سو سپاہیوں کو ساتھ لے کر امین الدین خاں کے یہاں پہنچے اور روپیہ طلب کیا۔ امین الدین نے جواب دیا کہ "میرے پاس روپیہ نہیں ہے' لیکن اگر تم فوج لے کر اس غرض سے آئے ہو کہ میرے مال و اسباب پر قبضہ کر لو تو میں بھی مقابلہ کے لئے تیار ہوں۔" اس کے بعد انہوں نے اپنے آدمیوں کو بلا کر اپنی فوج کی قوت کا معائنہ کرا دیا اور عبداللہ یہ دیکھ کر کہ میں مغلوب ہو جاؤں گا' واپس چلے گئے۔ راؤ تلا رام (ریواڑی) کے پاس سے چٹھی موصول ہوئی جس میں انہوں نے غلام محمد خاں اور فرخ نگر کے نواب احمد علی خاں کے متعلق چند باتیں لکھی تھیں۔ حکیم احسن اللہ خاں شریک دربار ہوئے اور ایک اشرفی پیش کی اور بادشاہ کا شکریہ ادا کیا کیونکہ ان کی امداد کے بغیر جاں بخشی ممکن نہ تھی۔ انہوں نے عرض کی کہ میرا جو مال و اسباب سپاہیوں نے لوٹ لیا ہے' اسے واپس دلا دیا جائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ پانچ ہزار روپیہ لے کر جاؤ اور منتشر مال کو یکجا کر دو۔ مرزا خضر سلطان نے دربار میں یہ تجویز پیش کی کہ جو اشخاص انگریزوں کے ملازم رہ چکے ہیں انہیں نظربند کر دیا جائے اس لئے کہ وہ انگریزی لشکر کو خبریں بھیجتے ہیں۔

۱۱ اگست۔ بادشاہ نے حکیم احسن اللہ کی عزت افزائی کرنے کے خیال سے شاہزادگان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ

حکیم احسن اللہ خاں کو اپنی حفاظت میں ان کے گھر پہنچادیں۔ اس حکم کے مطابق مرزا مغل مرزا خضر سلطان اور مرزا عبداللہ حکیم احسن اللہ کے ساتھ گئے۔ گھر پہنچنے کے بعد انہوں نے بتایا کہ کس طرح سے میرے مال و اسباب کو لوٹا گیا اور بلا آخر جلا دیا گیا۔ مرزا مغل نے شہر کے باہر فوجی پریڈ کا معائنہ کیا۔ جنرل غوث محمد خاں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جنرل بخت خاں اور شاہزادگان بھی حاضر تھے۔ بادشاہ اس امر پر راضی ہو گئے کہ جو آدمی بارود خانہ کے اڑ جانے سے ضائع ہو گئے ہیں ان کے اہل و عیال کو کچھ معاوضہ دے دیا جائے۔ تمام دن گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی' لیکن انگریز جیت میں رہے۔

۱۲ اگست۔ بادشاہ دربار عام میں جلوہ گر ہوئے۔ بادشاہ نے مولوی صدر الدین خاں سے کہا کہ جب تک حکیم احسن اللہ خاں کا مال جسے سپاہیوں نے لوٹ لیا تھا' واپس نہ کر دیا جائے گا اس وقت تک تمہیں دربار میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ بعد ازاں نیچ اور بریلی کی فوجوں کے افسروں کا وفد بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نج میں باریابی حاصل کی اور بادشاہ کو کچھ خفیہ خبریں دیں۔ جس کی وجہ سے بادشاہ نے قلعہ سلیم گڈھ کا معائنہ کیا۔ انہوں نے مرزا امین الدین خاں اور مرزا ضیاء الدین خاں سے بھی مشورہ کیا جن سے راہ میں اتفاقیہ ملاقات ہو گئی تھی۔ آج رات کو انگریزی دستہ بارہ ہندوراؤں کے قریب کے توپخانہ کے پاس پہنچا' لیکن یہ دیکھ کر کہ سپاہی ہوشیار ہیں' وہ واپس چلا گیا۔ شہر میں خبر موصول ہوئی کہ راجہ اندور کی افواج نے بغاوت کر دی ہے' یہ کہ راجہ نے انگریزوں کے یہاں پناہ لے لی ہے اور تیرہ ہزار سپاہی دہلی کی جانب روانہ ہو گئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ راجہ بنی سنگھ آنجہانی کے صاحبزادے گدی پر بیٹھ گئے ہیں اور انگریزوں نے انہیں تسلیم کر لیا ہے۔

۱۳ اگست۔ بادشاہ عبادت خانہ میں گئے۔ نواب فرخ نگر' نواب بریلی اور نواب امین پور کے پاس سے خطوط موصول ہوئے' جن میں لکھا تھا کہ ہم نے اپنا مال و اسباب حاصل کر لیا ہے اور اپنی اپنی جائداد پر قبضہ کر لیا ہے اور ساتھ ہی درخواست درج تھی کہ بادشاہ ہماری کارروائی پر مہر منظوری ثبت فرمادیں۔ درخواست منظور ہو گئی۔ شاہزادگان بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ لوگ میرے سامنے پستول لگا کے نہ آیا کریں اور آئندہ کے لئے اس رسم کو بند کر دیا' مگر تلواریں لگانے کی اجازت تھی۔ حسن علی خاں نے شکایت کی کہ اجمیری دروازے کے سپاہی ایک اونٹ دو خنجروں اور کپڑوں کے دو جوڑوں کو چھین کر لے گئے ہیں اور واپسی کا مطالبہ کیا۔ مرزا مغل کو حکم دیا گیا کہ یہ چیزیں واپس دلوا دی جائیں۔ لکھنؤ سے ایک سو سوار سامان حرب کی چار گاڑیاں لے کر آئے جو جنرل بخت خاں کے لئے ان کی درخواست پر بھیجی گئیں۔ مرزا مغل اور دوسرے اشخاص قلعہ کے کار روم میں جمع ہوئے اور کچھ دیر تک باہم مشورہ کرتے رہے۔ محمد علی اکبر خاں کے پاس سے عریضہ موصول ہوا جس میں یہ شکایت درج تھی کہ سپاہی مجھے بہت دق کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ "تم نے اپنے سپاہیوں کو قتل کرنے میں غلطی کی۔ تمہیں اپنے علاقے پر حکومت کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ تم حکومت کئے جاؤ۔" انگریزوں نے تیلی واڑہ کے دمدمہ پر سیڑھی کے ذریعہ چڑھنے کی آج کوشش کی' لیکن سپاہیوں کو چوکنا دیکھ کر لوٹ گئے۔ سپاہیوں نے آج حسن علی خاں کا لوٹا ہوا مال واپس کر دیا۔ بیگا بھائی نے صوبجات مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر کو اطلاع دی کہ مجھ میں اب اپنی فوجوں کو قابو میں رکھنے کا دم نہیں ہے اور یہ کہ وہ اب اندور کی فوجوں کے ساتھ مل گئی ہیں اور آگرہ کی جانب بڑھ رہی ہیں۔ یہ سنتے ہی لفٹنٹ گورنر نے ایک سو گورے اور چار ہاتھی باتری تیار کرنے کی غرض

سے بھیجے۔ باغیوں کی پیشقدمی سے آگرہ میں خوف وہراس پھیل گیا جس کی وجہ سے کئی ہزار باشندے شہر چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ انگریزوں نے مہاجنوں سے روپیہ قرض لیا اور ہر قسم کی پیش بندیاں عمل میں لانے میں مصروف رہے۔

۱۴ اگست۔ بادشاہ دربار عام میں تشریف فرما ہوئے۔ حکیم احسن اللہ اور دیگر امرا بھی شریک تھے۔ جنرل محمد غوث نے بادشاہ سے نجی میں کچھ کہا جس کا جواب بادشاہ نے یہ دیا کہ "جب تک انگریز باؤنہ سے نہ نکال دیئے جائیں گے تم کبھی فتح مند نہیں ہو سکتے۔ اندور کی فوجیں آرہی ہیں۔ تمہارے پاس بہت کی فوجیں ہیں۔ تمہیں بالضرور علی پور کے مقام پر انگریزوں کے خلاف حملہ آور ہونا چاہیے۔" آج شاہی دسترخوان سے جنرل بخت خاں کے پاس کھانا بھیجا گیا۔ ایک شخص نجیب الدین نے آگرہ سے بادشاہ کو چٹھی بھیجی جس میں تحریر تھا کہ انگریز جامع مسجد کو اڑا دینے کا قصد کر رہے ہیں اور التجا کی کہ بادشاہ اس کو روکنے کے متعلق کچھ کارروائی عمل میں لائیں۔

۱۵ اگست۔ دربار عام منعقد کیا گیا۔ حکیم احسن اللہ خاں اور ناظر حسن بھی شریک تھے۔ چند رسالداروں نے عرضی بھیجی جس میں تحریر تھا کہ راؤ تلارام ہمیں شاہی فوج میں شامل ہونے سے روکتا ہے اور یہ کہ وہ مہاجنوں اور دوسرے اشخاص سے فوج کی تنخواہ کے لئے ہزار ہا روپے جمع کر کے اپنے مصرف میں لے آیا ہے اور آخر میں اجازت طلب کی گئی تھی کہ ہمیں اس سے بزور روپیہ لے لینے کا حکم دیجئے۔ بادشاہ نے روپیہ وصول کر لینے کے متعلق ایک حکم ان کے نام بھیجا اور دوسرا حکم راؤ تلارام کے نام بھیجا جس میں تحریر تھا کہ روپیہ فوراً حوالہ کر دو۔ اس عرضی کے ساتھ ساتھ چند زمینداروں کی طرف سے بھی عرضیاں موصول ہوئیں جن میں راؤ تلارام کے مظالم کی شکایت درج تھی۔ خبر ملی کہ عظیم خاں نے گوڑ گانوہ سے آٹھ ہزار روپے جمع کئے ہیں اور وہاں سے پانودی چلا گیا ہے۔ مؤخر الذکر مقام سے وہ جھجر گیا اور نواب سے چند ہزار روپے لے کر عازم رہتک ہو گیا اور پھر وہاں سے حصار کا رخ کیا۔ بادشاہ عظیم خاں کی اس نقل و حرکت پر سخت غضب ناک ہوئے اور روپیہ بھیجنے کے متعلق اس کے نام تاکیدی خطوط بھیجے اور حکم دیا کہ آئندہ کسی کو مت ستاؤ۔ بادشاہ نے مہاراجہ گوالیار کے نام بھی خط بھیجا اور لکھا کہ اپنی فوج اور خزانہ سمیت میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ بائی صاحبہ کے نام بھی اس مضمون کا خط بھیجا گیا۔ آج تین سو سپاہی تنخواہ کے ملنے سے مایوس ہو کر اور بغاوت کے نتائج سے دل برداشتہ ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ہتھیار اور بندوقیں پیش کر دیں اور کلکتہ دروازہ سے گذر کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ منالال ڈپٹی کلکٹر بہ حفاظت تمام انگریزی لشکر میں پہنچ گئے۔ دہلی دروازہ پر ایک سوار اور ایک سپاہی کی آپس میں تکرار ہو گئی جس میں اول الذکر نے مؤخر الذکر کو قتل کر ڈالا۔ مرزا مغل کی صدارت میں قاتل کے مقدمہ کی سماعت کرنے کی غرض سے کورٹ مارشل ہوا۔ خبر ملی کہ نواب جھجر دو توپوں اور سواروں کے دستہ کے ساتھ ریاست پانودی کے نظم و نسق کو سنبھالنے کے لئے پانودی گئے ہوئے ہیں۔

۱۶ اگست۔ مولوی فضل حق شریک دربار ہوئے۔ انہوں نے اشرفی نذر میں پیش کی اور صورت حالات کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔ راجہ بلب گڑھ کی جانب سے چٹھیاں موصول ہوئیں۔ ایک بیگم کے نام تھی اور دوسری بادشاہ کے نام۔ چٹھیوں میں اپنے قصوروں کی معافی چاہی گئی تھی۔ بادشاہ نے اپنے دستخطوں سے معافی نامہ بھیج دیا۔ نواب احمد علی خاں والی فرخ نگر نے بادشاہ کی خدمت میں عرضی بھیجی جس میں درج تھا کہ میں نے حسب الحکم محاصل جمع کرنے کی کوشش

کی تھی' لیکن راؤ تلارام نے دیہاتیوں سے کہہ دیا کہ بادشاہ نے گاؤں مجھے عطا کر دیا ہے اس لئے کسی دوسرے کو لگان مت دو۔عرضی جنرل بخت خاں کے حوالے کر دی گئی۔نواب جھجر نے آج بات ہزار روپے بھیجے اور ساتھ ہی یہ لکھ بھیجا کہ میں نے اپنے علاقے سے مطلوبہ رقم (تین لاکھ) جمع کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔میں نے ایک لاکھ روپے جمع کر لئے ہیں جن میں سے ساٹھ ہزار تو اب ارسال خدمت ہیں اور بقایا چالیس ہزار پندرہ دن کے اندر اندر حاضر خدمت کئے جائیں گے۔آخر میں بادشاہ سے درخواست کی گئی تھی کہ اپنی دستخطی چٹھی بھیج دیجئے تا کہ میں لوگوں کو بتا سکوں کہ کن مقاصد کے لئے روپیہ مانگا جا رہا ہے۔بادشاہ سے یہ درخواست بھی کی گئی تھی کہ شہر میں جو میری حویلی ہے اسے خالی کرا دیا جائے اور محمد عظیم کو جو میرے علاقہ میں لوٹ مار کر رہا ہے' واپس بلا لیا جائے اور میری مرضی کے بغیر کسی شخص کو میرے علاقے میں نہ بھیجا جائے۔آخر میں یہ لکھا تھا کہ میرے قبضے میں جو علاقے ہیں' ان کی حکومت کے بارے میں شاہی فرمان بھیجا جائے۔عرضی جنرل بخت خاں کے حوالے کر دی گئی۔مرزا مغل کو اطلاع ملی کہ انگریزوں کی بڑی باتری میں بہت کم آدمی رہ گئے ہیں' اس لئے انگریزی لشکر کے آدمی دوسری اطراف میں باغیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے چلے گئے ہیں۔ چونکہ انگریزی جھنڈا باتری پر لہرا رہا تھا' اس لئے مرزا مغل نے یہ تجویز سوچی کہ توپوں میں سلاخیں ٹھوک دی جائیں اور جھنڈی کو اڑا لیا جائے۔اس غرض سے انہوں نے اپنی ساری فوج کو مجتمع ہونے کا حکم دے دیا۔ہزار سپاہیوں کی پلٹن باتری کی جانب بھیجی گئی' لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا مغل کو اطلاع غلط دی گئی تھی' اس لئے کہ سپاہیوں پر ایسی شدید گولہ باری ہوئی کہ ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔انگریزوں نے محمد عظیم خاں کے مقابلے کے لئے دو ہزار سپاہی حصار روانہ کئے۔

۱۷ اگست۔دربار عام منعقد ہوا۔چند سپاہیوں نے ایک بساطی کو پل عبور کرتے ہوئے پکڑ لیا۔اس کے پاس تین سو روپے تھے اور اسے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔بادشاہ نے سترہ روپے سپاہیوں میں تقسیم کر دیئے اور باقی ماندہ روپے خزانہ میں داخل کر دیا گیا۔چار سوار روپیہ طلب کرنے کی غرض سے جھجر روانہ کئے گئے۔قاسم علی الہ آبادی نے نذر پیش کی۔ حکیم احسن اللہ خاں نے بادشاہ کو شکریہ کی ایک چٹھی پڑھ کر سنائی اور اپنے گھر واپس آ گئے۔مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان نے مرزا ضیاء الدین خاں' مرزا امین اللہ خاں' مولوی صدر الدین علی خاں' حکیم عبدالحق' رضا خاں' حیدر مرزا' قاضی فضل علی بدر الدین اور خواجہ علی الدین خاں سے فوج کی تنخواہ کے لئے تین لاکھ روپے کی رقم طلب کی۔جنرل بخت خاں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ شاہزادگان نے فوج کی تنخواہ کے لئے مہاجنوں اور دوسرے اشخاص سے بہت سا روپیہ جمع کر لیا ہے' لیکن ابھی تک فوج کو ایک پیسہ بھی نہیں ملا۔یہ سن کر بادشاہ نے مرزا خضر کو حکم دیا کہ جتنا روپیہ تم نے وصول کیا ہے' جنرل کے حوالے کر دو اور آئندہ جب روپیہ طلب کیا جائے تو اسے شہر والوں کی موجودگی میں جنرل کی سپردگی میں دے دیا جائے۔ نریلہ کے بعض زمینداروں نے آ کر شکایت کی کہ چونکہ ہمارے گاؤں کے کچھ آدمیوں نے تین انگریزوں کو مار ڈالا ہے اس لئے ہمارا گاؤں تباہ کیا جانے والا ہے اور بادشاہ سے درخواست کی کہ ہمیں آنے والی تباہی سے بچایا جائے۔بادشاہ نے امداد دینے سے انکار کر دیا۔ورتہ کے زمیندار گولوں سے لدی ہوئی گاڑی لائے جو انہیں انگریزی لشکر کے راستے میں ٹوٹی ہوئی ملی تھی۔اطلاع موصول ہوئی کہ جن چھ گھسیاروں کو انگریزوں نے گرفتار کر لیا تھا' ان میں دو تو فرار ہو کر آ گئے ہیں اور

باقی چار کو پھانسی دے دی گئی ہے۔ نو میں چار بجے سہ پہر کو لڑنے کے لئے نکلیں اور سورج غروب ہونے تک معرکہ آرا رہیں۔

۱۸ اگست۔ بادشاہ نے قلعہ سلیم گڑھ کا معائنہ کیا اور جنگی کونسل منعقد کی۔ غوث محمد نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ بریلی کی فوج کی پیشقدمی کے ساتھ ساتھ کل انگریزی لشکر پر حملہ کردوں۔ مرزا بخش اور نواب احمد قلی خاں نے قلعہ میں آنے جانے کے لئے پروانہ طلب کیا جو عطا کر دیا گیا۔ مولوی فضل حق نے اطلاع دی کہ انگریزی اخبارات لکھ رہے ہیں کہ شہر پر قبضہ ہو جانے کے بعد باشندوں کا قتل عام کیا جائے گا۔ شہر کو مسمار کر دیا جائے گا اور بادشاہ کے گھرانے میں ایک بھی آدمی ایسا نہ چھوڑا جائے گا جو بادشاہ کا نام لے یا اسے پانی کا ایک قطرہ بھی دے سکے۔ اس کے بعد مولوی نے کہا کہ "حضور کو مناسب ہے کہ سپاہیوں کو ترغیب دے کر انگریزوں کے مقابلے سے روک دیا جائے' کیونکہ وہ کسی نوع انگریزوں پر فتح نہیں پا سکتے۔" بادشاہ نے جواب دیا کہ "اپنی افواج کو لڑنے کے لئے لے جاؤ اور انگریزوں کے خلاف لڑاؤ۔" مولوی نے جواباً کہا کہ "افسوس تو اسی بات کا ہے کہ سپاہی ان کا کہا نہیں مانتے جو ان کی تنخواہ دینے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔" بادشاہ نے جواب دیا کہ "اچھا تو اپنی فوج کو محاصل جمع کرنے کے کام پر لگا دو۔" مرزا امین الدین خاں اور دوسرے اشخاص جن سے روپیہ طلب کیا گیا تھا' مرزا مغل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے' جو دیں۔ انہوں نے دوبارہ اپنی معذوری کا اظہار کیا جس پر مرزا مغل نے امین الدین کی جانب اشارہ کر کے اپنے چوبدار سے کہا کہ "اسے گرفتار کر لو اور جب تک وہ روپیہ نہ دے' اسے گارد میں رکھو۔" امین الدین نے اس بیجا سلوک سے برافروختہ ہو کر تلوار میان سے نکالی اور کہا کہ کوئی ہے جو مجھے ہاتھ بھی لگا سکے۔ پھر شاہزادہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ "اگر آپ فوجوں کو میرے مکان پر بھیجیں گے تو میں آخری وقت تک مقابلہ کروں گا۔" مرزا مغل کے مکان سے امین الدین محل میں گئے اور بادشاہ سے سارا ماجرا کہہ سنایا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ روپیہ دینے کے مقابلے میں مرنے کو ترجیح دیتا ہوں۔ بادشاہ نے انہیں بیٹھنے کے لئے کہا اور انہیں یقین دلایا کہ آئندہ سے میں اس قسم کا کوئی مطالبہ نہ ہونے دوں گا۔ جنرل بخت خاں بھی اس ملاقات کے موقع پر موجود تھے اور انہوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ مطالبہ غیر منصفانہ ہے' اس لئے فوج کی تنخواہ فوج ہی سے لینی چاہئے۔ بادشاہ نے جنرل سے کہا کہ "شہر میں جو سپاہی ہیں' ان کے علاوہ اور کسی سے روپیہ مت مانگو۔" مرزا خضر کو احکام بھیجے گئے کہ آئندہ سے روپیہ پیسہ کے معاملات سے تمہارا کوئی تعلق نہ ہو گا۔ مہاجنوں کو حکم دیا گیا کہ جنرل بخت خاں سے براہ راست گفتگو کرو۔ خبر ملی کہ سبزی منڈی والوں نے سرجان منکاف کے نام عریضہ بھیجا تھا جس میں اپنی حالت زار بیان کی گئی تھی۔ جواب میں سرجان نے لکھا کہ اطمینان رکھو اور استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دو کیونکہ ہم عنقریب تمہیں امداد دینے کے قابل ہو سکیں گے۔ بھوانی شنکر کے لڑکوں کو تنبیہ کی گئی کہ تم دربار میں حاضر نہیں ہوتے اور یہ کہ تم سب پر انگریزوں سے سازش رکھنے کا شبہ کیا جاتا ہے اور آخر میں ان کو حاضر ہونے کی تاکید کی گئی۔ مرزا خضر سلطان نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ لوہارو کے جاگیردار انگریزوں سے ہمدردی رکھتے ہیں اور ان سے خط و کتابت رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ روپیہ دینے سے انکاری ہیں۔

۱۹ اگست۔ اطلاع ملی کہ چھ سوار بددل ہو کر اور انگریزوں سے ڈر کر دلی سے روانہ ہو گئے ہیں۔ عبدالحق خاں

(خلف مولوی فضل حق) اور مولوی فیض احمد لگان وصول کرنے کی غرض سے گوڑ گانوہ گئے۔ احسان بخش تھوڑی سی فوج لے کر اسی غرض سے علی پور روانہ ہو گئے۔ بریلی کی فوج اپنے جنرل (بخت خاں) سے ناراض ہو گئی۔ یہ ناراضگی اس وجہ سے تھی کہ جنرل نے دو گھوڑیاں جنہیں فوج نے گرفتار کیا تھا' اپنے خسر کے حوالہ کر دی تھیں۔ سپاہیوں نے طنزاً کہا کہ ایسی چیزیں صرف بادشاہ کا حق ہوتی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب ہم اپنی لوٹ مار میں جنرل کو شریک کر لیتے ہیں تو پھر جنرل ان لاکھوں روپے میں ہمیں کیوں شریک نہیں کرتے جنہیں انہوں نے زبردستی حاصل کیا ہے۔ رفتہ رفتہ خیالات و جذبات نہایت مخالفانہ ہو گئے۔ انگریزوں نے شہر کے باہر تین سپاہیوں کے گولی مار دی۔ شاہزادگان بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سپاہیوں میں جو بددلی پھیلی ہوئی تھی' اس کے بارے میں دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ مرزا خضر سلطان سوار ہو کر بریلی کے کیمپ میں پہنچے۔ جنرل نے انہیں نذر میں ایک ہاتھی' ایک گھوڑا' اشرفی اور پانچ روپیہ پیش کیے۔ مرزا مغل نے مہاجنوں سے جو ایک ہزار روپیہ جمع کیا تھا' اسے بھیجا اور یہ کہلا بھیجا کہ بادشاہ اور ان کے وزراء فوج کی تنخواہ کے مسئلہ پر غور و خوض کر رہے ہیں۔ جنرل بخت خاں نے دیوی سنگھ اور سالگرام مہاجنوں کو بلایا اور روپیہ ادا کرنے سے انکار کرنے پر انہیں قید میں ڈال دیا۔ مرزا سلطان نے دوسرے مہاجنوں سے پچیس ہزار روپے حاصل کیے اور انہیں جنرل کی خدمت میں بھیج دیا۔ بہت سے سپاہیوں نے الہ تمہ کے مکان کو گھیر لیا اور ایک ہزار روپے طلب کیے اور دھمکی دی کہ اگر نہ دو گے تو ہم قتل کر ڈالیں گے۔ مرزا مغل جلدی سے ان کے مکان پر گئے اور ان کا سپاہیوں سے پیچھا چھڑایا۔

۲۰ اگست۔ دس گھنٹے تک حالت قید میں رہنے کے بعد دیوی سنگھ اور سالگرام نے ساٹھ ہزار روپے حاضر کر دیے اور مخلصی حاصل کر لی۔ جنرل گوری شنکر اور جنرل طالع یار خاں ایک سکھ قیدی کو گرفتار کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس سے کہا گیا کہ جو اطلاع دی ہے' اسے پھر دہراؤ۔ اس نے کہا کہ جنرل بخت خاں انگریزوں سے خفیہ ساز باز رکھتے ہیں اور تجویز یہ کی گئی ہے کہ جب جنرل بخت خاں علی پور پر لڑانے کے لئے فوج لے جائیں۔ اس وقت انگریز دہلی پر حملہ کر دیں تاکہ ان کا مقابلہ نہ کیا جا سکے۔ بادشاہ نے سن کر کہا کہ یہ شخص جاسوس معلوم ہوتا ہے اور اس لئے بھیجا گیا ہے تاکہ فوج میں بددلی پیدا کر دے۔ اس سے پھر پوچھا گیا کہ وہاں کتنی پلٹنیں ہیں' کتنے عرصہ سے وہ وہاں مقیم ہیں اور ان کے جنرل کا نام کیا ہے۔ اس شخص نے ان تمام سوالات کا جواب دیتے وقت کچھ جنون کی سی حالت اختیار کر لی اور کہا کہ میں تو مرزا مغل اور سعید علی خاں سے ملاقات کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔ اس نے پھر اشرفی بطور نذر پیش کی اور کہا کہ میں نے لڑائی کے تمام اسرار ظاہر کر دیے ہیں۔ بادشاہ نے اس کی حرکات دیکھ کر فرمایا کہ یہ آدمی بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔ اطلاع ملی کہ انگریز مٹکاف ہاؤس میں باتری نصب کر رہے ہیں تاکہ شہر میں سپاہیوں کے لئے پل پر سے خوراک کا آنا بند ہو جائے۔ وہاں سے انہوں نے شدید گولہ باری بھی جاری رکھی' لیکن اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس باتری کو خاموش کر دیا جائے۔ بہرحال جو توپیں پل پر گولے برسا رہی تھیں' وہ خاموش ہو گئیں۔[1] (یہ بیان کچھ مبہم سا معلوم ہوتا ہے' کیونکہ اس سے پتہ نہیں چلتا کہ آیا انگریزوں نے خود بخود گولہ باری بند کر دی تھی یا یہ کہ ان کی باتری خاموش کر دی گئی تھی۔) لیکن کشمیری دروازہ سے برابر گولہ باری ہوتی رہی۔ رات کو گولہ باری بند ہو جاتی تھی۔ افسروں کا وفد حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ سپاہی بھوکے مر رہے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اس کا جلد سے جلد تدارک کیا جائے گا۔ ایک

شخص مسمی میر کاظم الہ آبادی کو صوبہ داری عطا کی گئی۔ مرزا الٰہی بخش نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ جب تک کوئی شخص میدان جنگ میں اپنی بہادری ثابت نہ کر دے اس وقت تک اسے یہ عہدہ نہیں دینا چاہئے۔ جنرل نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ میں کل صبح انگریزوں پر حملہ آور ہوں گا۔ محمد میر خاں کے صاحبزادے بذمن نے آج جہادیوں میں دو ہزار روپے کی رقم تقسیم کی اور سرزنش کرتے ہوئے ان کو ہدایت کی کہ دشمن کو پیٹھ نہ دکھانا بلکہ آخر وقت تک لڑنا۔ خبر آئی کہ بہادر جنگ خاں دادری پہنچ گئے ہیں اور شہر پر قابض ہو گئے ہیں۔ خبر موصول ہوئی کہ جب راجہ الور کے دو سو آدمی تین سو پچاس من شکر اور دوسرے سامان سے لدے ہوئے دو اونٹ لا رہے تھے تو اس وقت راؤ تلا رام نے قافلہ پر حملہ کر دیا اور قافلہ کو گذرنے کی اجازت دینے پر چودہ سو روپے سپاہیوں سے وصول کئے۔ مرزا ضیاء الدین خاں اور مرزا امین الدین خاں نے جلسہ منعقد کیا اور اس میں اثنائے تقریر میں بیان کیا کہ "اگر یہاں ایسے اشخاص موجود ہیں جو موت کو سپاہیوں کے ہاتھوں لٹنے پر ترجیح دیتے ہیں تو انہیں قسم کھا لینی چاہئے کہ آئندہ سے ہم ایک پیسہ بھی نہیں دیں گے۔ لال کوٹھی اور چاندنی چوک کے مہاجنوں سے بھی اس مضمون کی تحریر لکھوائی گئی۔ جب سپاہیوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے بانیان جلسہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا' لیکن یہ دیکھ کر کہ تمام شہر ان کے خلاف ہے' خاموشی اختیار کر لی۔ بریلی کے لشکر کے چند اونٹ گم ہو گئے۔ ان کے حصول کے لئے انعامات مقرر کئے گئے۔ اکبر علی خاں نواب پاٹودی جھجر کے سواروں اور سپاہیوں کی امداد سے پاٹودی واپس آئے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ شہر میں آج یہ افواہ اڑ رہی تھی کہ انگریزوں نے لکھنؤ نواب کو واپس دے دیا ہے اور یہ کہ نواب نے وہاں اپنا قبضہ بھی جما لیا ہے اور اب شہر میں کامل امن و سکون ہے۔ خبر ملی کہ اطراف و جوانب کے گوجر دو ٹکڑیوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور لوٹ مار میں مصروف ہیں۔

۲۱ اگست۔ بادشاہ نے دربار منعقد کیا۔ جنرل بخت خاں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ حضور کے ملاحظہ کے لئے سات ہاتھی اور دو سو گھوڑے لایا ہوں۔ اس پر بادشاہ محل کے دروازہ کی محراب میں گئے اور معائنہ کے بعد سترہ گھوڑوں کو منتخب کیا اور باقیوں کے متعلق حکم دیا کہ انہیں لے جائیں۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق دو باتریاں تیار کی گئیں' ایک تو اسٹیا پور اور دوسری اگر دوا میں۔ ہر جگہ تین تین توپیں نصب ہوئیں۔ سپاہیوں کی پانچ پلٹنیں اور جھانسی کے لشکر کے ایک سو سوار مع تین توپوں کے بلب گڑھ کے رئیس ولی داد خاں کے پاس بھیجے گئے۔ جاورہ سے تین سو سوار اور پیدل فوج کے سپاہی آئے اور یہ اطلاع دی کہ جے پور کی فوج نے بغاوت کر دی ہے اور عازم دہلی ہو گئی ہے۔ احمد علی رسالدار جھجر سے لوٹ آئے اور آ کر شکایت کی کہ میں حسب الارشاد نواب کے پاس روپے کے لئے گیا تھا' لیکن میں ابھی وہیں تھا کہ ایک خط موصول ہوا جو بظاہر بادشاہ کی طرف سے لکھا گیا تھا اور جس میں تحریر تھا کہ روپیہ احمد علی کو نہ دیا جائے۔ بادشاہ نے انکار کیا کہ میں نے اس قسم کی کوئی چٹھی نہیں بھیجی' لیکن اتنا تسلیم کیا کہ پاٹودی کے رئیس کے نام اس قسم کی چٹھی بھیجی گئی ہے۔ افواہ گرم تھی کہ نرندر سنگھ (راجہ پٹیالہ) دہلی کے قریب انگریزوں سے آ کر ملنے والے ہیں۔ باغی میرے باغ سے تمام عمارتی شہتیر نکال کر لے گئے۔

۲۲ اگست۔ صبح چند اشخاص کو باریاب کرنے کے بعد بادشاہ سلیم گڑھ تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ باتری سے چند گولے پھینکے جائیں۔ انہوں نے توپچیوں سے فرمایا کہ "بہت افسوس کی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ تم انگریزی توپوں

کو خاموش کر دیے" میں دیکھتا ہوں کہ وہ ہر روز قریب ہوتے جاتے ہیں۔" تو نجیبوں نے جواب دیا کہ "جہاں پناہ! ڈرنے کی کچھ بات نہیں' اس لئے کہ ہمارا پاسہ زبر پڑ رہا ہے۔" بادشاہ وہاں سے چلے آئے اور دربار عام میں داخل ہوئے۔ احمد علی خاں رسالدار نے بادشاہ سے پوچھا کہ نواب جھجر نے جو وعدہ کیا ہے' اس کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے۔ جواباً اسے حکم دیا گیا کہ جا کر روپیہ وصول کر لاؤ اور اگر روپے کی ادائیگی عمل میں نہ آئی تو اس صورت میں نواب کے قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے افواج روانہ کی جائے گی۔ نواب محمد میر خاں کے صاحبزادے نے چند مہاجنوں کی طرف سے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ سپاہی ان سے روپیہ وصول کر چکے ہیں اور اب پھر روپیہ طلب کرنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ "اگر سپاہی شہر سے باہر جا کر بخش محاصل زمین وصول کرنے میں لگ جائیں تو میں ان کو تنخواہ دینے کے قابل ہو سکوں گا اور ساتھ ہی شہریوں کے جان و مال کی حفاظت بھی کر سکوں گا۔" مہاجنوں کی جانب سے کہا گیا کہ "فوجوں کی تنخواہ لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ ہمارے لئے ناممکن ہے کہ اس کی ادائیگی کے لئے روپیہ مہیا کر سکیں۔" بادشاہ نے ان کے نمائندوں سے فرمایا کہ مرزا مغل کے پاس جاؤ۔ شہر کی پولیس کے سپرنٹنڈنٹ گنگا پرشاد نے سمند خاں کو گارد کی محافظت میں بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ شہر میں افواہ تھی کہ بریلی کی فوج صبح کو بمقام علی پور حملہ آور ہو گی۔ بادشاہ سلیم گڈھ کا معائنہ کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے اور کچھ دیر بعد قلعہ میں لوٹ آئے۔ میں نے راد حک شنوالا میں نقل مکان کر لیا ہے۔

۱۳ اگست۔ بادشاہ نے سلیم گڈھ کے قلعہ کا ملاحظہ فرمایا اور باتریوں کو بلند کرنے کا حکم دیا تاکہ گولے انگریزی لشکر تک پہنچ سکیں اور کچھ دیر تک گولہ باری کا معائنہ کرنے کے بعد محل میں واپس تشریف لے آئے۔ ایک سو سوار اور پیدل سپاہیوں کا دستہ جھجر روپیہ لانے کی غرض سے بھیجا گیا۔ جادرہ سے پچاس سپاہی آئے اور اپنے ساتھ پانچ انگریزوں کا سر لائے جنہیں انہوں نے اندور میں قتل کیا تھا اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اطلاع دی کہ پانچ ہزار سپاہیوں نے اندور کے تمام انگریزوں کو قتل کر دیا ہے اور قلعہ کی بھاری توپوں کو اتار لیا ہے اور اب انہیں دریائے چمبل کی راہ دہلی لایا جا رہا ہے۔ وفد نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ہمیں چٹھیاں عطا کی جائیں۔ ایک میں تو یہ لکھا جائے کہ بادشاہ اندور کے شہریوں کے طرز عمل کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ دوسری میں راجہ دھولپور کو کسرہٹ کا سامان مہیا کرنے کا حکم نافذ کیا جائے۔ بادشاہ اس بات سے ناخوش ہوئے کہ جنرل محمد بخت خاں علی پور پر کیوں حملہ آور نہیں ہوئے۔ نیچ کی فوج کے افسروں نے بخت خاں پر الزام عائد کیا کہ وہ انگریزوں سے ساز باز کر رہے ہیں اور سپاہیوں کو اس وقت تک روک رہے ہیں جب تک کہ انگریزوں کے پاس کافی کمک نہ پہنچ جائے۔ بادشاہ کو سمجھایا گیا کہ اس قسم کا حکم نافذ کر دیں کہ جنرل بخت خاں کو محل میں آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ نیچ کی فوج کے افسروں نے یہ تجویز پیش کی کہ بریلی کی فوج سے ہتھیار وغیرہ لے لئے جائیں اور کہا کہ ہم یہ کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بادشاہ نے اس تجویز کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ سہ پہر کو تمام افسروں کے نام اس مضمون کا حکم نافذ کر دیا کہ آئندہ سے شاہزادہ مغل یا کسی اور جنرل کا حکم تسلیم نہ کیا جائے' اس لئے کہ بادشاہ نے بارہ اشخاص کی ایک کمیٹی محاصرہ کے دوران میں کارروائی کرنے کی غرض سے مرتب کر دی ہے۔ ان اشخاص میں سے چھ کو بادشاہ سلامت مقرر کریں گے اور باقی چھ فوج کی جانب سے مقرر کئے جائیں گے۔ فوج کو حکم تھا کہ کمیٹی جو حکم نافذ کرے' اس کی پابندی کی جائے۔ آج چٹھی پکڑی گئی جس کی نسبت گمان غالب تھا کہ اسے دفتر کمشنر کے ریکارڈ کیپر (محافظ

کاغذات) نے تحریر کیا ہے اور جس میں انگریزوں کو اطلاعات بھیجی گئی تھیں۔ اس واقعہ کی وجہ سے مان سنگھ محافظ کو گرفتار کر لیا گیا اور دیوان عام کے قریب گارد میں رکھ دیا گیا۔ مرزا امین الدین خاں اور مرزا ضیاء الدین خاں نے اپنے مکانات کی حفاظت کی غرض سے ایک سو سواروں کی خدمات حاصل کیں۔

کشن گنج والی باتری تمام دن مصروف رہی۔ جنرل محمد بخت خاں نے فوج کے تمام بڑے بڑے افسروں اور مرزا مغل کی موجودگی میں قرآن پر قسم کھائی کہ میں انگریزوں کے ساتھ کسی قسم کا نامہ و پیام نہیں کر رہا ہوں۔ اطلاع ملی کہ شاہزادہ محمد عظیم جو فوج لے کر حصار گئے تھے انگریزوں سے شکست یاب ہوئے اور یہ کہ وہ قید کر لئے گئے ہیں اور انہیں پھانسی بھی دے دی گئی ہے۔ افواہ گرم تھی کہ بادشاہ کے خسر کو جو سونی پت گئے ہوئے تھے انگریزوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ چند سپاہی دربار میں شریک ہوئے اور شکایت کی کہ افیون بازار میں نہیں ملتی اور اس کی وجہ سے بہت سے سپاہی مر رہے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سپاہیوں کے استعمال کے لئے فی الفور افیون بھیجی جائے۔

۲۴ اگست۔ آج صبح بادشاہ سلیم گڈھ میں وہ مقام دیکھنے کے لئے گئے جس کی نسبت اطلاع ملی تھی کہ چند نامعلوم اشخاص اسے خزانہ کی طمع میں کھود رہے ہیں۔ زیادہ کھودنے پر معلوم ہوا کہ چند توپیں وہاں دبادی گئی تھیں لیکن روپیہ نہ ملا۔ یہ حکم دینے کے بعد کہ توپوں کو کھود کر نکال لیا جائے اور باتری کی گولہ باری کا معائنہ کرنے کے بعد بادشاہ چند مہاجنوں کی شکایات سننے کے لئے چلے گئے۔ ان کی شکایات یہ تھیں کہ شاہزادگان نے ہم سے تیسری مرتبہ روپیہ وصول کیا ہے۔ جنرل بخت خاں نے اطلاع دی کہ میں اب انگریزوں پر حملہ آور ہونے والا ہوں اور بادشاہ سے اجازت چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے جواب دیا ''جاؤ خدا تمہاری مدد کرے! انگریزوں پر حملہ کر کے اپنی وفاداری کا ثبوت دو ان کو تباہ کر دو اور فاتح بن کر لوٹو۔'' راؤ تلارام رئیس ریواڑی کے نام حکم بھیجا گیا کہ سپاہیوں کے استعمال کے لئے کچھ افیون بھیجو۔ سونی پت سے خبر آئی کہ انگریزوں نے باشندوں کو چلے جانے کا حکم دیا تھا' لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر انگریزوں نے فوج بھیجی اور چھوٹی سی لڑائی ہوئی جس میں طرفین کا نقصان ہوا۔ انگریزوں نے تحصیلدار فضل حسین خاں کو قید کر کے پھانسی پر لٹکا دیا۔ افواہ مشہور تھی کہ گلاب سنگھ (کمسریٹ کلکٹر) اور سردار کندر سنگھ لگان جمع کرنے کی غرض سے پٹیالہ کی فوج کی حفاظت میں رہتک بھیجے گئے ہیں۔ اطلاع ملی کہ چار سو انگریز انبالہ میں بیمار و زخمی پڑے ہوئے ہیں۔

۲۵ اگست۔ بادشاہ سفر مینا کے چند سپاہیوں کی معیت میں کشتی میں بیٹھ کر دریا کی سیر کو نکلے اور قلعہ سے انگریزی لشکر پر جو گولہ باری کی جاری تھی اس کا معائنہ کیا۔ احمد مرزا بعجلت تمام قلعہ میں آئے اور خبر دی کہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ براہ باغپت انگریزی لشکر میں آ رہا ہے۔ چھ سو سوار اور دو توپیں خزانہ چھیننے کی غرض سے بھیجی گئیں۔ مرزا مغل کسی وجہ سے ناراض ہو گئے اور اپنے مکان سے باہر نہیں نکلے۔ افسروں کے وفود نے تنخواہ کے لئے مطالبات پیش کئے۔ بادشاہ حرم میں داخل ہوئے اور کچھ زیورات اور جواہرات لائے اور یہ کہہ کر انہیں افسروں کے حوالے کیا کہ ''اسے لے لو اور اپنی بھوک کو بھول جاؤ۔'' لیکن افسروں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ''ہم شاہی جواہرات کو ہاتھ نہیں لگائیں گے' لیکن ہمیں یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ آپ ہمیں قائم و برقرار رکھنے کے لئے اپنی جان و مال دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔'' نیمچ کی فوج علی پور گئی۔ بعض افسروں نے اطلاع دی کہ ہمیں انگریزوں کو مار کر ہٹا دینے کی پوری امید ہے۔ بیگم زینت محل لال کوٹھی چلی گئیں۔ مرزا

خواص اور فیروز شاہ نے خبر دی کہ ہم نے روپے کی بہم رسانی کے لئے چند مہاجنوں سے انتظام کر لیا ہے اور وہ فوج کو تنخواہ ادا کر دیں گے۔ بادشاہ اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ ایک شخص کو جو یہ دریافت کرتا پھر رہا تھا کہ اجمیری دروازہ رات کو کس وقت بند کیا جاتا ہے اور صبح کو کس وقت کھولا جاتا ہے' گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی نسبت شبہ تھا کہ اسے انگریزوں سے تنخواہ ملتی ہے۔ اسے پچاس روپے بطور رشوت دیئے گئے کہ وہ اپنی زبان بند رکھے اور اسے رہائی دے دی گئی۔ چھوٹے دریبے کے رہنے والے ایک مخبر کو انگریزوں نے گرفتار کر لیا اور شہر کے حالات معلوم کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا۔

۲۶ اگست۔ بادشاہ دربار عام میں تشریف فرما ہوئے۔ اشرف خاں سوار دربار میں حاضر ہوا اور سلام کرنے کے بعد بادشاہ کے روبرو بیان کیا کہ بریلی کی فوج ایلی پلم (؟) میں خیمہ زن تھی کہ اتنے میں غیر متوقع طور پر نیچ کا بریگیڈ آ پہنچا۔ جنرل بخت خاں نے نیچ کی فوج کے افسر سے مشورہ کیا اور اسے وہاں ٹھہرے رہنے کی صلاح دی کیونکہ انگریز صرف تھوڑے سے فاصلہ پر تھے اور کہا کہ دوسرے دن میرے ساتھ حملے میں شریک ہو جانا۔ نیچ کی فوج کے بریگیڈیئر نے اس تجویز کو پسند نہیں کیا بلکہ بخت گڑھ تک بڑھتا چلا گیا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہاں جا کر اپنے سپاہیوں کو آرام کرنے کا موقع دے گا۔ ابھی خیمے لگائے جا رہے تھے اور سپاہیوں نے اپنے ہتھیار وغیرہ ایک جگہ جمع کر دیئے تھے اور بہت سے تو اپنی پیٹیاں وغیرہ اتار چکے تھے کہ اتنے میں انگریزوں نے دو طرف سے یکایک حملہ کر دیا اور ساتھ ہی شدت کی گولہ باری بھی کی۔ سپاہی بے اوسان ہو کر بھاگ نکلے اور اپنی بندوقیں اور سامان حرب وہیں چھوڑ گئے۔ اشرف خاں نے کہا کہ نقصان کا اندازہ ایک ہزار مجروح و مقتول کیا جاتا ہے۔ بادشاہ اس خبر سے نہایت دلگیر ہوئے' لیکن بعض مشیروں نے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ بیان غلط ہو اور اس میں شک نہیں کہ اس میں بہت کچھ رنگ آمیزی کی گئی تھی اور پریشانی کی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی۔ دوسرے مخبر نے بیان کیا کہ مجھے اتنا معلوم ہے کہ انگریز علی پور گئے ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے اس خبر کو بہت اہم قرار دیا اور دارالشوریٰ میں حسب ذیل اشخاص کو طلب کیا: مرزا مغل' مرزا خواص' مرزا خضر سلطان' مرزا ابوبکر' مرزا عبداللہ اور مرزا ابونصر۔ مشورے کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ کپتان ولی داد خاں کی سرکردگی میں فوجیں بھیجی جائیں تاکہ وہ انگریزی افواج کی عدم موجودگی میں انگریزی لشکر کو لوٹ لیں۔ اس غرض کے لئے تمام فوجیں جو چل سکتی تھیں' یکجا کی گئیں اور انہیں ہتھیار وغیرہ دیئے گئے۔ غوث محمد (نیچ کی فوج کے جنرل کمان افسر) بھی پہنچ گئے اور جو خبر موصول ہوئی تھی' وہ انہیں سنائی گئی۔ انہوں نے کہا کہ مجھے کسی ایسے معرکہ کا مطلق علم نہیں ہے اور کہا کہ جو کچھ میں نے اب سنا ہے' اُس کی صداقت پر مجھے شبہ ہے۔ جب اسے یہ یقین دلایا گیا کہ آپ کی فوجوں کو شکست ہو گئی ہے تو انہوں نے مزید کمک طلب کی۔ سکھوں کی ایک پلٹن اور سواروں کی چار پلٹنیں ان کے کمان میں دے دی گئیں۔ یہ فوج ابھی بہت دور نہ گئی تھی کہ شکست خوردہ فوج سے دوچار ہو گئی اور اس طرح سے وہ بچتی ہوئی اپنے کیمپ میں پہنچ گئی۔ کشن گنج والی باتری میں دھماکہ ہوا جس سے پچاس پٹھان مر گئے۔ اس اثنا میں مرزا مغل فوج لے کر انگریزی لشکر پر حملہ آور ہونے کی نیت سے روانہ ہو چکے تھے' لیکن حملہ کئے بغیر واپس آ گئے۔ راستہ میں صرف سترہ آدمی مارے گئے۔ مرزا مغل نے مختلف باتریوں میں جو توپیں نصب کی تھیں' وہ تمام دن گولہ باری کرتی رہیں۔ متاہی پل کی باتری مرزا خواص کی اور کشن گنج کی باتری مرزا عبداللہ کے زیر کمان تھی۔ بادشاہ کے باڈی گارڈ میں سے گیارہ مقتول اور بیس مجروح ہوئے اور سپاہیوں میں سے ایک سو مقتول۔ شہر میں بے حد سراسیمگی اور

پریشانی تھی۔

۲۷ اگست۔ بلدیو سنگھ مہاجن جس نے تنخواہ کے لئے روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نذر پیش کی۔ مرزا خواص بھی موجود تھے اور بادشاہ نے ان کے جوش وفاداری کو دیکھ کر رسالہ کا کمانڈر مقرر کر دیا۔ چند شہریوں نے انگریزی لشکر کے قریب سے دو اونٹ' بکس گھدوں کے آٹھ ٹٹو' ایک بکس گھدا اور چالیس بکریاں گرفتار کیں اور ان سب کو بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ شہر کے سارے جوہری بادشاہ سے شکایت کرنے کے لئے آئے اور کہا کہ مرزا خضر سلطان ہم سے موقع بے موقع روپیہ اینٹھتے ہیں۔ بادشاہ نے وعدہ کیا کہ آئندہ تمہاری حفاظت کی جائے گی۔ نیچ کے لشکر کے ایک سپاہی نے آ کر بیان کیا کہ انگریزوں نے دو توپیں گرفتار کر لی تھیں' لیکن میں نے چند زمینداروں کی امداد سے انہیں دوبارہ حاصل کر لیا۔ اس نے بریلی فوج کو نیچ کی فوج سے جھگڑا کرنے پر ملزم قرار دیا۔ اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ میری زیر کمان پانچ سو سوار اور چار کمپنیاں دے دیجئے اور پھر میں ان کی مدد سے انگریزوں پر حملہ کروں گا۔ بادشاہ نے جنرل بخت خاں کے پاس پیغام بھیجا کہ تم میدان جنگ سے منہ موڑ کر چلے آئے ہو اور اس لئے تم نے حق نمک ادا نہیں کیا۔ ایک محرر نے بادشاہ کی خدمت میں تجویز پیش کی کہ اگر تمام محاصل میری سپردگی میں دے دیئے جائیں تو میں فوج کی تنخواہ کی ادائیگی کا انتظام کر دوں گا۔ چھوٹی بیگم کے صاحبزادے احمد خاں نے جنرل بخت خاں کے حکم سے ایک سو آدمی بھرتی کئے۔ خبر ملی کہ مہاراجہ پٹیالہ انگریزوں کے لشکر میں آ گئے ہیں۔

۲۸ اگست۔ حکیم ناصر علی خاں کے صاحبزادے حکیم محمد علی خاں شریک دربار ہوئے اور چار روپے بطور نذرانہ پیش کئے۔ انہوں نے بادشاہ سے بیان کیا کہ جس رسالدار کو روپیہ لینے کے لئے جھجر بھیجا گیا تھا' وہ اپنے ساتھ ایک بدمعاش قلندر بخش کو بھی لے گیا تھا' جس نے نواب صاحب سے ایسی سخت کلامی کی کہ وہ ناراض ہو گئے اور روپیہ دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے رائے دی کہ کسی قابل عزت امیر دربار کو بھیجا جائے تا کہ اسے روپیہ دے دیا جائے۔ بادشاہ نے مرزا خدا بخش کو بھیجا اور ساتھ ہی اپنی دستخطی چٹھی بھی بھیجی۔ ایک شخص نے بادشاہ سے بیان کیا کہ میں گولی کے زخموں کو اچھا کر سکتا ہوں اور یہ بھی کہا کئی اشخاص اچھے ہو چکے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دوا کی آزمائش مہتاب باغ میں بکریوں پر کی جائے۔ امیر رحمن خاں نے چین سے آیا ہوا صندوق پیش کیا اور مرزا سلطان نے گھوڑا نذر میں دیا۔ عبداللطیف خاں (وکیل کانپور) نے اپنی جانب سے دو روپے اور اپنے بعض موکلوں کی جانب سے جو بادشاہ کی فوج میں بھرتی ہونے کے لئے پانچ سو سپاہی اپنے ساتھ کانپور سے لائے تھے' چار اشرفیاں نذر میں پیش کیں۔ راجہ بلب گڑھ کی جانب سے عرضی موصول ہوئی۔ عرضی کے ساتھ ایک گھوڑا بھی بطور نذر آیا تھا۔ مرزا خواص دو پیدل پلٹنوں کے کمانڈر مقرر کئے گئے۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ فوج کو تنخواہ معاہدہ کے مطابق خود ادا کریں جو ان سے طے ہو گیا ہے۔ نصیر آباد والی فوج جو نیچ بریگیڈ کی امداد کے لئے بھیجی گئی تھی' واپس آ گئی اور اطلاع دی کہ ہمیں نیچ کی فوج کا کہیں پتہ نہیں لگا۔ انگریزی لشکر سے آج چار سو سوار بھاگ کر آئے' لیکن چونکہ ان کے متعلق جاسوس ہونے کا شبہ کیا گیا تھا اس لئے انہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملی۔ رات کو انگریزوں نے کشن گنج والے مورچہ پر حملہ کیا۔ انگریزوں کی طرف سے عام حملہ کی توقع میں تمام فوج کو مسلح کر دیا گیا۔ چار زمینداروں نے بادشاہ سے بیان کیا کہ نیچ کی فوج نے انگریزوں کو شکست دے دی ہے اور اب بھی وہ حملہ کرنے کو تیار ہے' لیکن اسے

نمک کی ضرورت ہے۔ بادشاہ نے اس بیان پر یقین نہیں کیا اور اس لئے انہوں نے حکم دیا کہ ان میں سے تین کو گارد روم میں رکھا جائے اور چوتھے کے ساتھ کچھ سوار حقیقت حال معلوم کرنے کی غرض سے بھیجے جائیں۔ بادشاہ نے ان سے وعدہ کیا کہ اگر تمہارا بیان صحیح نکلا تو تمہیں انعام دیا جائے گا اور اگر جھوٹ نکلا تو قتل کر دیا جائے گا۔ عدالت کے احکام کے مطابق منشی آغا خاں، منشی سعادت علی، رام کشن لال اور جہانگیر چند (مہاجن) قید خانہ میں ڈال دیئے گئے اور ان سے روپیہ طلب کیا گیا۔ مرزا خواص کے حکم سے ہرکال مہاجن کو بھی اس وقت تک قید کر دیا گیا جب تک کہ اس سے روپیہ وصول نہ ہو جائے۔

۲۹ اگست۔ بادشاہ دربار عام میں تشریف فرما ہوئے۔ حکیم احسن اللہ، سعید علی خاں، نظیر حسن مرزا، مظفر اللہ اور چند اور امرا بھی شریک دربار تھے۔ گوالیار کی فوج کا خط پڑھا گیا جس میں لکھا تھا کہ ہم عنقریب دہلی پہنچنے والے ہیں۔ افواہ تھی کہ کشن گنج کے حملے میں ایک ہزار سے زیادہ سپاہی کام آئے اور ایک انگریز افسر بھی مارا گیا۔ سپاہیوں نے تجویز پیش کی کہ انگریزوں کے سر کو کاٹ کر اپنی فتح کی خوشی میں شہر میں پھرایا جائے۔ ابھی وہ یہ بات کہہ ہی رہے تھے کہ اتنی گولیوں کی بوچھاڑ آئی کہ سب بھاگ گئے۔ بندوقوں اور توپوں سے آج دن بھر گولیاں اور گولے آتے رہے، لیکن انگریز مقتولوں کی لاشیں حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ راؤ تلا رام رئیس ریواڑی کے پاس سے تین اونٹ آئے۔ بادشاہ نے رسید میں لکھ بھیجا کہ روپیہ جلد سے جلد بھیجو۔ بادشاہ نے مرزا مغل کے نام حکم بھیجا کہ راجی داس سے مزید روپیہ نہ طلب کیا جائے اس لئے کہ وہ اپنا حصہ ادا کر چکے ہیں۔ کوئی شخص انگریزی لشکر کے عقب سے بہادر جنگ کے چودہ اونٹ چرا کر لے گیا۔ بہادر جنگ کو ان کا پتہ لگانے کے بارے میں چٹھی بھیجی گئی۔ یہ اونٹ نیچ کی فوج سے متعلق تھے۔ نواب فرخ نگر کے نام دو ہزار بندوقیں بنانے کا حکم بھیجا گیا۔ مرزا عبداللہ نے اطلاع دی کہ سفر مینا کی ایک پلٹن اور پیدل فوج کی چار پلٹنیں انگریزی لشکر سے بھاگ کر نیچ والی فوج میں شامل ہو گئیں۔ جنرل محمد بخت خاں کے پاس سے چٹھی موصول ہوئی جس میں لکھا تھا کہ لوگ بادشاہ کو لڑائی کے بارے میں جو مشورہ دے رہے ہیں وہ بالکل بیکار ہیں اور اسی وجہ سے بادشاہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ خط کے آخر میں درج تھا کہ آئندہ سے میں صرف بریلی کے دستہ کی کمان سے سروکار رکھوں گا۔ بادشاہ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ "تمہارے طرز عمل پر کسی نے اظہار ناراضگی نہیں کیا اور میں تو تمام فوج کی کمان تمہارے ہی ہاتھ میں رکھنے سے خوش ہوں۔" بارود خانہ کی ایک ملازمہ کو گرفتار کر کے قید خانہ بھیج دیا گیا کیونکہ اس کی ایک ساتھی عورت نے اسے یہ کہتے سنا تھا کہ مجھے بارود خانہ کو اڑا دینے کے لئے چھ سو روپے کا انعام پیش کیا گیا ہے۔ انگریزی لشکر کا ایک ہرکارہ سپاہیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس سے دربار میں لشکر کے حالات کے بارے میں بہت سے سوالات کئے گئے۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ سپاہی کبھی بھی انگریزوں پر فتح نہیں پا سکیں گے کیونکہ فتح کا وقت گذر چکا ہے اور بالفرض اگر فتح پا بھی گئے تو اس صورت میں بھی انگریزوں کو آگرہ میں کامل اختیار حاصل ہے۔ اس کی صاف گوئی کا انتقام لینے کے لئے درباریوں نے اسے موت کی سزا دی۔ مرزا خورشید عالم کو شاہی محلات میں آنے سے روک دیا گیا، لیکن دربار میں آنے کی اجازت رہی۔ بادشاہ نے کمسریٹ کے افسر اعلیٰ دولالی مل کو حکم بھیجا کہ ہر سپاہی کو ایک سیر آٹا، پاؤ سیر گھی، ایک تولہ نمک اور ایک پیسہ نقد دے دیا جائے مگر افسر مذکور نے روپے کی کمی کا عذر کر دیا۔ نواب رامپور کے ایجنٹ شریک دربار ہوئے۔ یہ بیان کیا گیا کہ فرخ نگر کے گوجروں اور زمینداروں میں لڑائی ہوئی جس میں ایک سو آدمی کام آئے۔

۳۰ اگست۔ نواب رامپور کے ایجنٹ نے بادشاہ سے نج میں ملاقات کی خواہش کی جس کے لئے بعد از دوپہر وقت مقرر کیا گیا۔ رحمن خاں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ میں نے پانچ سو سوار بھرتی کئے ہیں۔ انہوں نے بیس روپے اور ایک اشرفی نذر میں پیش کی۔ لکھنؤ کے ایک صوبیدار نے پانچ روپے نذر میں دیئے اور ساتھ ہی معروضہ پیش کیا جس میں تحریر تھا کہ تمام انگریز قتل کر دیئے گئے ہیں اور یہ کہ میری کمان میں اس وقت دس ہزار سپاہی ہیں اور "خدا نے چاہا تو میں فوج و خزانہ لے کر بہت جلد بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔" قدرت علی خاں کے ساتھیوں نے فی کس دو روپے بطور نذر پیش کئے اور قدرت علی خاں نے خود ایسے دو روپے پیش کئے جس پر بادشاہ کا نام مضروب تھا۔ نذر پیش کرتے وقت یہ بیان کیا گیا کہ لکھنؤ میں تو بادشاہ کے نام کا سکہ جاری ہو چکا ہے۔ دربار ختم ہو جانے کے بعد بادشاہ کچھ دیر تک قدرت علی خاں سے نج میں بات چیت کرتے رہے۔ مرزا خضر سلطان کو لگان جمع کرنے کی غرض سے چار سو سوار دے کر قطب صاحب بھیجا گیا۔ خدا بخش کو سات ہزار روپے لانے کے لئے ججھر بھیجا گیا۔ کمسریٹ کے افسر اعلیٰ دولائی مل نے عرضی پیش کی کہ میں اب فوج کو راشن دینے سے قاصر ہوں۔ منشی سعادت علی اور منشی آغا خاں نے بیس ہزار روپے دے کر رہائی حاصل کر لی۔ بعد از دوپہر بادشاہ دربار عام میں تشریف لے گئے۔ رئیس بریلی کے ایجنٹ خان بہادر خاں نے اپنے آقا کی جانب سے اور اپنی طرف سے چند اشرفیاں پیش کیں اور چاندی کا ہودہ، ایک ہاتھی اور زربفت کی جھول اور ایک گھوڑا اور قرآن مجید کا ایک نسخہ پیش کیا۔ رامپور کے ایلچی نے بھی عرضی کے ساتھ نذر میں سو اشرفیاں گذرانیں۔

۳۱ اگست۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ اور نعلین بڑے تزک و احتشام کے ساتھ پیدل فوج کی کمپنی اور چار ہاتھیوں کے جلوس کے ساتھ نکالے گئے۔ بادشاہ نے ان آثار مقدس کا بہت ادب کے ساتھ استقبال کیا اور ایک اشرفی اور پانچ روپے کی نذر دی اور حکم دیا کہ انہیں واپس لے جایا جائے۔ ساتھ ہی قطب الدین کو خلعت فاخرہ عنایت کیا اور جامع مسجد کے دربان کے لئے تین جوڑے، ایک ہیرا اور زربفت کا ایک تھان، دو شالیں اور پگڑی پر ڈالنے کے لئے ایک کڑھا ہوا رومال بھی۔ دونوں حضرات نے شکریہ ادا کیا اور بادشاہ کی خدمت میں دو دو روپے کی نذر پیش کی۔ ایک جاسوس نے خبر دی کہ انگریز باؤنڈ پر نئے مورچے قائم کر رہے ہیں جن کی مدد سے وہ تمام شہر کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ یہ سنتے ہی بادشاہ نے جنگی کونسل کا جلسہ منعقد کیا اور غور کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ سپاہیوں کی جانب سے شکایات موصول ہوئیں کہ چونکہ دکانداروں نے اجناس خوراک دینی بند کر دی ہیں اس لئے ہم فاقوں مر رہے ہیں۔ ملا ہی لال عمر پدی تاجر نے اطلاع دی کہ اب مزید گندھک دستیاب نہیں ہو سکتی اور اس لئے بارود سازی کا کام بند کرنا پڑے گا۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ فرخ نگر، ججھر اور باؤلی کے رئیسوں کے نام گندھک مہیا کرنے کی غرض سے ضروری خطوط لکھنے چاہئیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ "نہیں یہ معاملہ جنگی کمیٹی کے حوالے کر دینا چاہئے۔ وہی ذمہ دار ہے۔" مرزا خضر نے تمام تاجروں سے گندھک طلب کی اور ان سے کہا کہ "یا تو گندھک دو یا گندھک خریدنے کے لئے روپیہ دو۔" تاجروں نے جواب دیا کہ "ہمارے پاس نہ گندھک ہے نہ روپیہ۔" آج منادی کر دی گئی کہ جو لوگ نا ڈسرے باغ سے لکڑی کاٹنی چاہیں، کاٹ سکتے ہیں اس لئے کہ سلیم گڑھ سے جو گولہ باری کی جاتی ہے اسے یہ درخت چھپا لیتے ہیں۔ فوجی عدالت کے ممبروں نے مہاجنوں کو بلایا اور ان سے روپیہ مانگا (حکما طلب نہیں کیا) مہاجنوں نے جواب دیا کہ "شاہزادگان ہم سے تین لاکھ ستر ہزار روپے لے

چکے ہیں اور اب ہم میں مزید روپیہ دینے کی طاقت نہیں رہی۔" جنگی کمیٹی اس جواب سے بہت ناخوش ہوئی اور اعلان کر دیا کہ آئندہ سے شاہزادوں کو بالکل روپیہ نہ دیا جائے۔ مرزا مغل ایک سو سواروں کے دستہ کے ساتھ فوج کا معائنہ کرنے کے لئے گئے۔ ان کی آمد پر فوج نے سلامی کے طور پر تین باڑھیں سر کیں۔ اس پر شہر میں کھلبلی مچ گئی۔ دکانداروں نے اپنی اپنی دکانیں بند کر دیں اور شہر کے باشندے مکانوں میں گھس کے بیٹھ گئے' یہ خیال کر کے کہ انگریز شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔

یکم ستمبر۔ انجام کا آغاز

بادشاہ نے دربار عام منعقد کیا۔ احسن اللہ خاں' مرزا امین الدین خاں' مرزا ضیاء الدین خاں اور پانچ سو اور افسر اور امرا شریک دربار ہوئے۔ اول الذکر حضرات نے شکایات پیش کیں کہ مرزا مغل اور مرزا خضر نے شہر کے باشندوں سے کئی لاکھ روپیہ حاصل کر لیا ہے اور اس میں سے فوج کو کچھ بھی نہیں دیا اور بادشاہ سے عرض کیا کہ ان دونوں سے کچھ روپیہ واپس دلایا جائے ورنہ ہم انہیں پکڑ کر قید کر دیں گے۔ بادشاہ نے شاہزادوں کو بلا کر صورت حالات سے مطلع کر دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے صرف چالیس ہزار روپیہ وصول کیا ہے اور یہ بالکل غلط ہے کہ ہم نے تین لاکھ روپیہ حاصل کئے ہیں۔ اس پر آپس میں تکرار بڑھی۔ افسروں نے بار بار بادشاہ سے تنخواہ کی ادائیگی کا انتظام کرنے کے لئے زور دیا اور دھمکی دی کہ اگر کچھ انتظام نہ ہوا تو ہم شہر کو لوٹ لیں گے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ "لوٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے گھوڑوں' ہاتھیوں' چاندی اور سونے کے شاہی زیورات کو فروخت کر دوں گا اور فوج کو تنخواہ ادا کروں گا۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو تم سب کے سب شہر چھوڑ کر چلے جاؤ' اس لئے کہ میں نے تم کو بلایا نہیں تھا' تم اپنی خوشی سے آئے تھے۔" بادشاہ اٹھ کر اپنے دربار خاص میں تشریف لے گئے۔ افسر چھ بجے شام تک بیٹھے رہے اور نہایت جوش کی حالت میں حکیم عبدالحق' مرزا الٰہی بخش اور سعید علی خاں سے بحث و مباحثہ کرتے رہے۔ بالآخر ان کو یہ پیغام دیا گیا کہ ان کی تنخواہ کی پہلی قسط کل ادا کر دی جائے گی اور باقی ماندہ حصہ بیگم زینت محل اپنی آمدنی میں سے پندرہ دن کے اندر اندر ادا کر دیں گی۔ اس کے بعد تین پلٹنیں جو جو شہر کے لوٹنے کے کام پر مقرر کی گئی تھیں' اپنے کوارٹروں میں چلی گئیں اور افسر بھی تین پلٹنیں قلعہ کے دروازوں پر متعین کر کے چلے گئے۔ ان پلٹنوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ شہزادوں کو قلعہ میں داخل نہ ہونے دیں۔ تنخواہ کے مطالبے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ فوج کا ماہواری خرچ پانچ لاکھ بہتر ہزار ہے۔ بادشاہ کی نسبت اطلاع ملی کہ وہ بہت مایوس ہیں۔ جھجر سے مرزا بہادر شاہ کے پاس سے رپورٹ موصول ہوئی کہ نادر شاہ رسالدار ہیضہ سے انتقال کر گئے۔ راقم الحروف کو فی الفور دہلی آنے کا حکم ملا۔ آج محرروں وغیرہ کی ایک جماعت مارے ڈر کے شہر چھوڑ کر چلی گئی۔ منشی سلطان سنگھ کے مکان پر سپاہیوں کا گارد مقرر کر دیا گیا اور ان سے روپیہ طلب کیا گیا۔ بادشاہ شاہزادگان سے بہت ناراض ہوئے۔ بیگم کو اندیشہ تھا کہ کہیں سپاہی محل کو نہ لوٹ لیں۔ انہوں نے بادشاہ کے پاس تین ہزار روپے کے جواہرات بھیجے اور ان سے کہا کہ انہیں سپاہیوں کو دے دیا جائے' مگر بادشاہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں' مجھ ہی پر سارے مصائب پڑنے چاہئیں۔ سمند خاں رسالدار کو بیلیر (؟) جانے اور وہاں سے چولاکھ روپیہ لانے کے احکام دیئے گئے۔ شاہدرہ کے پولیس افسر نے اطلاع دی کہ دو من شکر پڑی ہوئی ہے اور اس کا مالک ابھی تک پیدا نہیں ہوا۔ مرزا مہدی کو حکم ملا کہ وہ محافظ

دستہ کو ساتھ لے کر اسے اٹھوا لائیں۔ دو پیدل فوجیں اور بیس توپیں رات کو مورچے مسلح کرنے کی غرض سے روانہ کی گئیں۔

۲ ستمبر۔ بادشاہ دربار عام میں تشریف فرما ہوئے۔ مرزا الٰہی بخش' مولوی فضل حق' میر سعید علی خاں اور حکیم عبدالحق آداب بجا لائے۔ آج بھی سپاہیوں نے تنخواہ کا مطالبہ کیا۔ میر سعید علی کی تجویز کے مطابق فوج کو تنخواہ ادا کر دی گئی۔ ہر رسالدار کو بارہ روپیہ' صوبہ دار کو چار روپے' سوار کو دو روپے' پیدل سپاہی کو ایک روپیہ اور زمیندار کو تین روپے کی شرح سے تنخواہ دی گئی۔ قدرت علی بیگ کو بادشاہ نے باریابی دی اور بہت دیر تک آپس میں گفتگو ہوتی رہی۔ خبر ملی کہ کوٹ کوسر کے زمینداروں نے بغاوت کر دی۔ دو سو انگریزی سپاہی دو توپیں لے کر ان کی بغاوت کو فرو کرنے کی غرض سے گئے۔ زمیندار بھاگ کھڑے ہوئے' مگر انہیں واپس لایا گیا اور تاکید کر دی گئی کہ آئندہ نیک رہیں۔ خبر ملی کہ چند ہزار جہادی مولوی جلال الدین کی سرکردگی میں کھلے میدان میں لڑنے کے لئے نکلے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی اور ان کے کئی سو ساتھی مارے گئے۔ اطلاع ملی کہ انگریزوں نے علی گڑھ پر قبضہ کر لیا اور یہ کہ سکھوں کی ایک رجمنٹ میرٹھ پہنچ گئی اور شہر کے دروازے کے قریب خیمہ زن ہوئی اور یہ کہ وہاں انگریزی راج پہلے کی طرح پھر قائم ہو گیا۔

۳ ستمبر۔ بادشاہ دربار عام میں تشریف فرما ہوئے۔ چند زمیندار بھی شریک دربار ہوئے اور لگان کے ساڑھے تین ہزار روپے داخل کئے۔ انہوں نے شکایت کی کہ سپاہیوں نے روپیہ کو راستہ میں لوٹ لینے کی کوشش کی تھی۔ بادشاہ ان کے طرز عمل سے خوش ہوئے اور اظہار خوشنودی کے طور پر انہیں پانچ پگڑیاں عنایت کیں۔ دادری کے چودھری بشم سنگھ نے بادشاہ کی خدمت میں دس روپے نذر میں پیش کئے اور اس معاملہ پر گفتگو کی جس سے انہیں دلچسپی تھی۔ انگریزی لشکر کے بھاگے ہوئے پالکی بردار نے مرزا مغل کو ایک پستول پیش کیا جس کی قیمت ایک سو روپے ہو گی۔ مرزا مغل' مرزا الٰہی بخش' حکیم عبدالحق خاں اور میر سعید علی خاں نے کانفرنس منعقد کی جس میں بہت دیر تک فوج کو تنخواہ دینے کے مسئلہ پر بحث ہوتی رہی۔ انہوں نے پولیس سے ٹیکس دینے والوں کی فہرست منگائی اور اسے بنیاد قرار دے کر فہرست مرتب کی جس کی رو سے شہر کے باشندوں سے چار لاکھ روپے وصول ہو سکتے تھے۔ مرزا خدا بخش نے کہا کہ میں نے ججھر جانا ملتوی کر دیا اس لئے کہ میں نے سنا ہے کہ انگریزوں نے گوڑگاؤں پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے وہ چٹھی واپس منگالی جو انہوں نے نواب کو لکھی تھی۔ راجہ بلب گڑھ کے پاس سے عرضی موصول ہوئی جس میں شکایت درج تھی کہ "حکیم عبدالحق جنگ کے اخراجات کے سلسلے میں مجھ سے چار لاکھ روپیہ طلب کر رہے ہیں۔" بادشاہ نے جواب دیا کہ "جس افسر کی تم شکایت کر رہے ہو' وہ میرے احکام کے بموجب عمل کر رہے ہیں۔ میں نے بیشک انہیں روپیہ طلب کرنے کے لئے بھیجا ہے اور اب دوبارہ لکھتا ہوں کہ روپیہ بلا تاخیر بھیج دو اور ساتھ ہی پانچ سو سپاہی اور دو توپیں اور پانچ من بارود بھی بھیج دو ورنہ میں تم پر ایک لاکھ روپیہ جرمانہ کر دوں گا۔" اطلاع ملی کہ سپاہی تاج محل بیگم کو زینت محل بیگم کی جگہ مقرر کرنا چاہتے ہیں اور مؤخر الذکر کو وہ اس وقت تک قید میں رکھنا چاہتے ہیں جب تک ان کی تنخواہ نہ مل جائے۔ سپاہیوں نے سلطان سنگھ سے روپیہ حاصل کرنے کے مقصد سے ان کے مکان کو گھیر لیا۔ خبر ملی کہ دسریہ کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں سخت جنگ ہوئی ہے جس میں بہت سے آدمی کام آئے ہیں۔ متھرا داس خزانچی کو دہلی کے راستہ میں لوٹ لیا گیا۔ راؤ تلا رام کے نام روپے کی ادائیگی کے لئے فوری احکام بھیجے گئے جسے اس نے شہر کے مہاجنوں سے جمع کیا ہے۔ انگریز رات بھر میں پل کو اڑا دینے کا ارادہ کر رہے تھے

مگر دو ہزار سپاہیوں نے انہیں پسپا کر دیا۔ سپاہیوں نے ایک شخص کو یورپین ہونے کے شبہ پر پکڑ لیا' لیکن جب سرداروں نے اس کا بیان سنا تو اس کی رہائی دے دی۔ پیدل فوج کی پانچ کمپنیں دو سو سوار اور دو توپیں گوڑ گاؤں میں انگریزوں کا مقابلہ کرنے کی غرض سے بھیجی گئیں جو رسالدار قلندر بخش کی ہمراہی میں ججر بھیجے گئے تھے اور خالی ہاتھ واپس آ گئے تھے کہ نواب نے ایک کوڑی نہیں دی۔ انگریزوں نے کابل دروازہ کے بالمقابل مورچہ قائم کیا' لیکن کشمیری اور کابلی دروازوں سے اس پر اس شدت سے گولہ باری کی گئی کہ اس کے ٹکڑے اڑ گئے۔

۴ ستمبر۔ محمد بخت خاں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک ان سے نجی میں بات چیت کرتے رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نصیر آباد کی فوج نے رات کو بادشاہ کو تنخواہ کے متعلق سخت رنج پہنچایا جس پر بادشاہ نے اپنے تمام چاندی کے ظروف ان کے حوالے کر دیے اور کہا کہ "انہیں بیچ کر جو کچھ قیمت آئے' اسے آپس میں تقسیم کر لو۔" اس پر بھی افسر غیر مطمئن تھے۔ جے پور' جودھ پور' بیکانیر اور الور کے راجگان کے نام بادشاہ کی دستخطی چٹھیاں بھیجی گئیں جس میں لکھا تھا کہ مجھے فوج کی ضرورت ہے اور یہ کہ میں انگریزوں کو تباہ و برباد کر دینا چاہتا ہوں' لیکن چونکہ اس وقت میرے پاس سلطنت کا انتظام کرنے کے لئے قابل اعتماد آدمی موجود نہیں ہیں' اس لئے میں ریاستوں کی ایک مجلس بنا دینی چاہتا ہوں اور اگر وہ ریاستیں جن کے نام خط بھیجے جا رہے ہیں' اس غرض کے لئے مجلس بنا لیں گے تو میں نہایت خوشی سے اپنے شاہی اختیارات ان کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ جو لشکر شاہدرہ سے منگائی گئی تھی وہ آج پہنچ گئی۔ جو فوج گوڑ گاؤں بھیجی گئی تھی' اس نے قطب صاحب پہنچ کر چند دکانوں کو لوٹ لیا اور چھوٹے مہاجنوں کو گرفتار کر لیا۔ مہاجنوں نے بھاگ کر مندر میں پناہ لی۔ سپاہیوں نے اس تمام مال و اسباب کو بھی لوٹ لیا جو سر جان مٹکاف کے رشتہ داروں کا مؤخر الذکر کے مکان میں بند تھا اور جس کی حفاظت کے لئے بادشاہ کی طرف سے ایک جمعدار اور چند ملازمین مقرر تھے۔ سپاہیوں نے جمعدار کو تو قید کر لیا اور مال پر قبضہ جما لیا اور سب کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بادشاہ اس واقعہ سے بہت ناراض ہوئے اور سپاہیوں کی رہائی کا حکم دیا۔ (بادشاہ نے جو انتظامات کئے تھے ان کی وجہ سے مٹکاف ہاؤس کا سارا مال و متاع جو قطب صاحب میں تھا' ۴ ستمبر تک بالکل محفوظ رہا۔ اس کے بعد اسے لوٹ لیا گیا۔ صرف کتابوں کی چند الماریاں لوٹنے والوں کی نظر سے بچ رہی تھیں (اور بالآخر انگلستان بھیج دی گئیں) کیونکہ وہ گنبد کے اندرونی تاریک حصہ میں چھپا دی گئی تھیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا بادشاہ نے اپنے ذاتی استعمال کی غرض سے ان چیزوں کو محفوظ حالت میں رہنے دیا تھا یا مالکان کی جانب دوستانہ خیالات رکھنے کی وجہ سے ان کی حفاظت کا حکم صادر کر دیا تھا۔ (یہ نوٹ مٹکاف صاحب کا ہے۔ ان کو شاید بادشاہ کی نیکی پر اب بھی بھروسہ نہیں ہے جب ہی تو شبہ کرتے ہیں۔ حسن نظامی) ایک شخص مسمی حیدر لباس فاخرہ پہن کر اور چند بدمعاشوں کو سپاہیوں کے بھیس میں اپنے ساتھ لے کر ایک شہری کے مکان پر گیا اور اپنے تئیں شہزادہ ظاہر کر کے اس شخص کو خوب مارا اور چار سو روپے چھین لئے۔ جب سپاہیوں نے اس حرکت کا حال سنا تو وہ بدمعاش کی تلاش میں نکلے اور اسے گرفتار کر لیا۔ اس کے جسم پر سے دو سو ایک اشرفیاں' پانچ سو چالیس روپے' ایک جوڑی کڑے' سونے کی زنجیر اور چند گلے کے زیورات برآمد ہوئے۔ ولی داد خاں نے بادشاہ کی خدمت میں عرضی بھیجی جس میں لکھا تھا کہ انگریز علی گڑھ پر قابض ہو گئے ہیں اور مجھ پر حملہ کرنے کی نیت رکھتے ہیں' مگر خدا نے خیر کی کہ لکھنؤ سے دو پیدل پلٹنیں اور چند سوار میری فوج میں آ کر مل گئے۔ چونکہ

یہ فوجیں عازم دہلی ہو رہی تھیں اس لئے بادشاہ سے اس امر کا حکم حاصل کرنے کی درخواست کی گئی کہ انہیں یہیں رہنے کی اجازت دی جائے اس شرط پر کہ فوج کی تنخواہ میں اپنے پاس سے دوں گا۔ بادشاہ نے تجویز منظور کر لی اور جواب بھیج دیا۔ والنٹیر رجمنٹ (۲۸ ویں پلٹن) نے اپنے کمان افسر کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ انگریزوں سے ساز باز رکھتا ہے۔ جنرل محمد بخت خاں کے نام تحریری حکم بھیجا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ فوج میں چھبیس ہزار روپیہ تقسیم کر دیا جائے۔ جنرل نے جواب دیا کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے اور مجھے فوج کی خوراک کے لئے روپے کی خود اس قدر ضرورت ہے کہ میں نے اپنے ہاتھی اور گھوڑے فروخت کر دیئے ہیں۔ اطلاع ملی کہ رانا بھگونت سنگھ والی دھولپور نے پندرہ سو پیدل سپاہی' کچھ سوار اور چھ توپیں آگرہ میں انگریزوں کی امداد کے لئے روانہ کی ہیں اور یہ کہ وہ سولہ میل کے فاصلہ پر توپخانہ کے میدان میں مقیم ہیں۔ یہ بھی بیان کیا گیا کہ سردار سنگھ رئیس بیکانیر نے تین ہزار راجپوت بھرتی کر کے کپتان رابرٹس کی امداد کے لئے بھیجے ہیں اور یہ کہلا بھیجا ہے کہ میں بھی اب لڑائی شروع کرنے والا ہوں۔ خبر ملی کہ انگریزوں کو راجہ نال گڈھ کی طرف سے بھی ایک ہزار گورکھوں کی امداد حاصل ہو گئی ہے۔ انگریزوں کو اب مستقبل کی جانب سے ڈھارس ہے۔ مہاراجہ بیر سنگھ والی جموں بھی انگریزوں کی امداد کے لئے پانچ ہزار سپاہی بھیجنے والے ہیں۔ اطلاع ملی کہ چھور پور کا میگزین بجلی گرنے سے بھک سے اڑ گیا۔ اس کی وجہ سے کئی ہزار آدمی مر گئے اور شہر کا کثیر حصہ تباہ و برباد ہو گیا۔ راجہ ناہر سنگھ نے بھی چھ سو بندوقیں انگریزوں کو بھیجیں۔

انگریزوں نے نواب جھجر کو دو ہزار اسی لوہار بھیجنے کے لئے لکھا تھا جس کی تعمیل کر دی گئی۔ افواہ ہے کہ انگریزوں نے علی گڈھ کے تمام مسلمانوں کو قتل کر ڈالا اور کانپور سے دو ہزار یورپیوں کو لکھنؤ بیلی گارد کی امداد کے لئے روانہ کیا اور یہ کہ سپاہیوں اور انگریزوں کی جنگ ہوئی جس میں سپاہیوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گئے۔

۵ ستمبر۔ بادشاہ نے آج جنگی کونسل منعقد کی جس میں صورت حالات پر غور کیا گیا۔ جنرل بخت خاں نے اطلاع دی کہ انگریزی محاصرہ کرنے والی توپیں پہنچ گئی ہیں اور یہ کہ وہ کشمیری دروازہ کے بالمقابل مورچے بنا رہے ہیں۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ "انگریزی گولہ باری کا مقابلہ کرنے کی غرض سے تم کونسی تدابیر اختیار کر رہے ہو؟ اگر تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بہتر ہے کہ تم فی الفور شہر کے دروازے کھول دو۔" جنرل نے جواب دیا کہ "میں میگزین کو ہٹا کر شہر کے باہر لے جا رہا ہوں اور میں انگریزی گولہ باری کا جواب چالیس توپوں سے دینا چاہتا ہوں جن کے لئے مورچے زیر تعمیر ہیں۔" جنرل نے یہ بھی لکھا کہ میں دو ہزار سوار اس غرض سے مقرر کر رہا ہوں کہ انگریزی لشکر تک کسریٹ کا سامان نہ پہنچنے دیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ بارود کتنی ہے اور نواب فرخ نگر کے نام فوری چٹھی روانہ کی گئی جس میں دو ہزار من گندھک طلب کی گئی تھی۔ میر سعید علی خاں' حکیم عبدالحق خاں' مرزا الٰہی بخش اور سالگرام خزانچی نے آپس میں مشورہ کیا کہ فوج کو تنخواہ ادا کرنے کا کیا انتظام کیا جائے۔ پولیس کے نام احکام بھیجے گئے کہ ضروریات زندگی کی قیمتوں کا روزانہ تعین کرنے کی غرض سے "پنچ" مقرر کر دیں۔ نصیر آباد کی فوج کا کچھ حصہ غازی آباد لگان وصول کرنے کی غرض سے بھیجا گیا' لیکن مرزا مغل نے جانے سے روک دیا۔

۶ ستمبر۔ بادشاہ دربار میں تشریف فرما ہوئے اور یہ سن کر کہ جو فوجی دستہ غازی آباد جانے والا تھا' اسے مرزا مغل

نے جانے نہیں دیا۔ بادشاہ بہت رنجیدہ ہوئے۔ ایک کاریگر نے گولہ پیش کیا جسے اس نے بنایا تھا۔ جنرل محمد بخت خاں نے شکایت پیش کی کہ حالانکہ بادشاہ کے ملازمین اور دوسری فوجوں کی تنخواہیں وغیرہ ادا کر دی گئی ہیں' مگر بریلی کی فوج کو جواب تک لڑائی میں پیش پیش رہی ہے' کچھ بھی نہیں ملا اور اس کی وجہ سے میرے سپاہی دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ "میں ایک لاکھ روپیہ تقسیم کرا چکا ہوں۔ خزانہ خالی پڑا ہے۔ خود تمہارے ہاتھوں سے کتنے لاکھ روپے تقسیم ہو چکے ہیں؟ تم نے اپنے آدمیوں میں کچھ روپے کیوں تقسیم نہ کر دیئے؟" شاہدرہ سے شکر سے لدی ہوئی کئی گاڑیاں آج شہر میں آئیں۔ آج دربار میں بہت سے افسروں کا اجتماع تھا۔ انہوں نے شکایت کی کہ ہمارا کوئی بڑا افسر نہیں جو کمان کرے یا حکم نافذ کرے۔ اب کیا کرنا چاہئے؟ اس کی وجہ سے سخت ابتری پھیل گئی ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ "تمہیں اختیار دیا جاتا ہے۔ جو کام تم کر سکتے ہو کرو۔" لکھنؤ سے مزید سوار آ گئے۔ لکھنؤ سے دو پیدل فوجوں کے پاس سے اطلاع موصول ہوئی کہ وہ دہلی آ رہی ہیں۔ بادشاہ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ "آ جاؤ اگر آنا چاہتے ہو' لیکن اگر آنا نہیں چاہتے تو کہیں اور چلے جاؤ۔" مولوی فضل حق نے اطلاع دی کہ متھرا کی فوج آگرہ چلی گئی ہے اور انگریزوں کو شکست دینے کے بعد شہر پر حملہ کر رہی ہے۔ خبر ملی کہ باڈنہ پر یورپین اور سکھ پلٹنیں انگریزی لشکر سے مل گئی ہیں۔

۷ ستمبر۔ بادشاہ دربار خاص میں رہے۔ احسن اللہ خاں اور جنرل بخت خاں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ موخر الذکر کچھ دیر تک نجی ملاقات کرتے رہے۔ خان بہادر خاں رئیس بریلی کو خان بہادر کے خطاب کے ساتھ دو شالیں بھی عطا ہوئیں۔ یہ سب چیزیں ان کے ایجنٹ کو دے دی گئیں جو ان کو لے کر روانہ ہو گئے۔ رئیس بلب گڑھ ناہر سنگھ کے پاس سے چٹھی موصول ہوئی جس کا مطلب یہ تھا کہ ساٹھ سوار حشمت خاں کی رہائی کے بارے میں بادشاہ کا حکم لائے تھے جس کے جواب میں رئیس نے لکھا کہ "اگرچہ مجھے حکم کی اصلیت کا یقین نہیں تھا تاہم شخص مذکور کو چھوڑ دیا گیا' لیکن مجھے ان سواروں کی وجہ سے سخت نقصان پہنچا ہے جنہوں نے اپنے اخراجات کے لئے مجھ سے ہزاروں روپے وصول کر لئے ہیں۔" بادشاہ نے جواب میں لکھوا بھیجا کہ "میں نے اس قسم کا کوئی حکم نہیں بھیجا اور یہ کہ ان سپاہیوں کو گرفتار کر کے سزا دینی چاہئے۔" توپچی نواب فرخ نگر کی عرضی لائے۔ نواب امین الرحمن خاں کی طرف سے ایک ہزار روپے کی رقم وصول ہوئی جس کے لئے رسید کاٹ دی گئی۔ خبر ملی کہ انگریز قدسیہ باغ میں سے بہت سی بھینسوں کو لے گئے ہیں۔ جنرل بخت خاں اپنے دس افسروں کے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے تاکہ بادشاہ کو اس امر کی اطلاع کر دی جائے کہ جس دن سے میری فوج دہلی میں داخل ہوئی ہے' اسے تنخواہ کا ایک پیسہ بھی نہیں ملا۔ یہ کہ آدمی اب بہت دل برداشتہ ہو گئے ہیں اور اپنے اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اگر وہ جانا چاہتے ہیں تو جا سکتے ہیں۔ حکیم عبدالحق' میر سعید علی خاں' مولوی فضل حق' بدر الدین خاں اور دیگر تمام امراء اور ساہوکار شریک دربار ہوئے۔ پولیس نے کہہ سن کر ہر ایک جوہری کو بھی شریک ہونے کے لئے بھیج دیا تھا۔ ان کو اطلاع ملی کہ شہر کے آدمیوں کو فوجوں کی تنخواہ کے لئے آٹھ لاکھ روپے کی رقم فی الفور جمع کر دینی چاہئے۔ سوداگروں نے جواب دیا کہ لوٹ مار اور زبردستی جو رقوم حاصل کر لی گئی ہیں' ان کی وجہ سے اور تجارت بند ہونے کے باعث مطلوبہ رقم کا جمع کرنا ناممکن ہے۔ احکام نافذ کرنے کے بعد بادشاہ نے مرزا مغل کو ہدایت کی کہ روپیہ جمع کرنے میں نہایت دانشمندی کام میں لائیں اور یہ کہ منادی کے ذریعہ شہر والوں کو شاہی احکام کی اطلاع دے

دیں۔ بادشاہ کی اس کارروائی کی وجہ سے فوجی کونسل نے دوسرے دن انگریزوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ جو کوئی شخص خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان حملہ میں امداد کرے گا' وہ لوٹ مار میں بھی حصہ دار ہوگا اور جو کوئی شخص گورکھوں' سکھوں اور انگریزوں کو گرفتار کرے گا' اسے انعام سے سرفراز کیا جائے گا۔ یہ احکام پریڈ کے وقت فوج کو سنائے گئے۔ میر سعید علی خاں' دیوان مکند لال' بدرالدین خاں' حکیم عبدالحق (مع صاحبزادگان) اور نواب قلی خاں آج فوجی عدالت کے حکم سے گرفتار کر لئے گئے اور انہیں محل کے گارد کے کمرے میں اس وقت تک قید رکھا گیا جب تک کہ فوج کی تنخواہ کے لئے روپیہ حاصل نہ ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہم روپیہ کا انتظام کر رہے ہیں۔ اطلاع ملی کہ چار سو انگریز چار توپوں سمیت لشکر میں پہنچ گئے ہیں اور یہ کہ انگریز مورچے بنانے میں مصروف ہیں۔ اطلاع ملی کہ انگریزوں نے پانی پت کی آبادی پر ایک من آٹا اور ایک روپیہ فی کس ٹیکس مقرر کیا ہے۔

۸ ستمبر۔ بادشاہ دربار خاص میں رہے۔ گذشتہ شب انگریز قدسیہ باغ کے مورچہ کی تعمیر ختم کر دینے میں مصروف تھے اور وہاں سے انہوں نے گولہ باری شروع کی۔ ان کے گولے کشمیری دروازہ اور موری دروازہ پر پڑ رہے تھے۔ مختلف دمدموں کے سپاہی شدید جنگ میں مصروف رہے۔ گولے یکے بعد دیگرے شہر میں آ رہے تھے۔ ہر جانب لوگ صبر کے ساتھ واقعات کا انتظار کر رہے تھے۔ بادشاہ نے فوجی عدالت طلب کی اور اسے حکم دیا کہ جن اشخاص کو اس نے قید کیا ہے' انہیں رہا کر دیا جائے۔ جب انہوں نے اس امر کا اقرار کر لیا کہ شہر کے باشندوں سے خود عائد کردہ ٹیکس جمع کر دیں گے تو انہیں رہائی دے دی گئی۔ خبر ملی کہ شہر کی توپوں نے ایک انگریزی توپ کو خاموش کر دیا۔ شہر میں گولے تو بہت سے گرے' لیکن نقصان بہت کم ہوا۔ منشی سلطان سنگھ کی چھت پر ایک شخص معائنہ کرتا ہوا دیکھا گیا۔ اس کے بعد وہ ایک ہندو کے مکان میں چلا گیا۔ بہر حال اسے اس شبہ پر کہ وہ انگریزوں کو اشارات سے بتا رہا ہے' اسے قتل کر دیا گیا۔ اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ سے چھاپہ خانہ واقع دہلی دروازہ کے دفتر میں فوجی عدالت تمام شکایات کو سنا کرے گی۔ نواب بریلی کے ایجنٹ نے بریلی فوج کے محافظی دستے کے ساتھ شہر چھوڑ کر چلے جانے کی کوشش کی' لیکن کلکتہ دروازہ کے گارد نے انہیں روک دیا۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق پولیس نے ہر دکاندار اور کرایہ دار سے تین مہینے کا کرایہ وصول کرنا شروع کر دیا تا کہ اس ترکیب سے فوج کی تنخواہ کے لئے روپیہ جمع کر لیا جائے۔ امداد علی خاں نے بڑی بہادری کے ساتھ انگریزوں کی فوج پر حملہ کیا۔ انہیں گھیر لیا گیا مگر وہ بڑی مشکل سے بچ کر نکل آئے۔ تمام رات سپاہی مسلح رہے۔

۹ ستمبر۔ بادشاہ دربار عام میں تشریف فرما ہوئے اور فرید کوٹ سے آئے ہوئے گھوڑے کا معائنہ کیا۔ امداد علی خاں بھی شریک دربار ہوئے۔ بادشاہ نے ان کی شجاعت کی تعریف کی اور اپنے اصطبل سے ایک گھوڑا اس گھوڑے کے معاوضہ میں پیش کیا جو کل کی جنگ میں مارا گیا تھا۔ بادشاہ نے ان شہزادوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا جنہوں نے سپاہیوں کی تنخواہ کے نام سے روپیہ جمع کر کے خورد برد کر لیا۔ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ بمبئی سے فوج آ گئی ہے اور کشن داس کے تالاب کے قریب مقیم ہے۔ ایک سانڈنی سوار یہ معلوم کرنے کی غرض سے بھیجا گیا کہ آیا یہ خبر صحیح ہے یا نہیں۔ واپس آ کر اس نے بیان کیا کہ وہاں ایسی کوئی فوج مقیم نہیں ہے۔ کسریٹ کے محرر منشی جوالا پرشاد کو حکم دیا گیا کہ وہ جدید سکہ کے لئے مہر تیار کریں جس پر حسب ذیل الفاظ کندہ ہوں: ''سکہ بہادر شاہ' شاہ ہندوستان۔ بفضل ایزدی زیور جہاں۔'' منشی جواہر لال کو

جو ہدایات دی گئیں ان کے مطابق قلندر بخش (سفر مینا کے صوبیدار) بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ گورنر جنرل چند ہزار فوج لے کر (جس میں دیسی اور یورپین دونوں شامل ہیں) کلکتہ سے دہلی آ رہے ہیں' یہ کہ جواہر سنگھ مہاراجہ جموں کے بھتیجے چھ ہزار فوج کے ساتھ بسرعت تمام عازم دہلی ہو گئے ہیں' یہ کہ سر جان لارنس لاہور سے جدید فوج بھرتی کر کے دہلی روانہ ہو گئے ہیں' یہ کہ انگریزی لشکر اب اس قدر وسیع ہو گیا ہے کہ باؤنڈ سے لے کر شہر کی حد سے مل گیا ہے' یہ کہ میں نے ایک قسم کا مورچہ تیار کیا ہے اور جب تک جان میں جان ہے میں انگریزوں سے لڑتا رہوں گا۔ ولی داد خاں والی بلب گڑھ نے فوری چٹھی بھیجی جس میں کمک طلب کی گئی تھی۔ بادشاہ نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ "لڑائی یہاں نہایت شدو مد کے ساتھ شروع ہو گئی ہے اور یہ وقت نہیں کہ کہیں اور فوج بھیجی جائے۔" نواب بریلی کے ایجنٹ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیان کیا کہ میں لگان وغیرہ امور کی دیکھ بھال کرنے کی غرض سے بریلی جانا چاہتا تھا تا کہ روپیہ جمع کر کے شاہی خزانہ میں بھیجوں' لیکن کلکتہ دروازہ کے گارد نے جانے نہیں دیا۔ بادشاہ نے غور کرنے کے بعد طے کیا کہ ایجنٹ کو شہر سے جانے کی اجازت دی جائے' لیکن گارد نے شاہی احکام کی تعمیل کرنے سے انکار کر دیا۔ گولہ باری سے بہت سے مرد' عورتیں اور بچے مارے گئے۔ سپاہیوں نے تجویز کی کہ میگزین کے قریب خندق بنا دی جائے۔ کشمیری دروازہ کو مورچوں کی گولہ باری سے سخت نقصان پہنچا۔ بادشاہ نے فوج کے پاس ساٹھ من مٹھائی اور چوبیس روپے بھیجے۔ آج دن میں افسروں نے پھر تنخواہ کا تقاضا کیا۔ سفر مینا کے صوبیدار قادر بخش نے رپورٹ پیش کی۔ انگریز کل صبح شہر پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بہر حال افواہ یہی ہے۔ خبر موصول ہوئی کہ انگریزوں نے موضع پکھوا کو تمام و کمال برباد کر دیا' اس لئے کہ گاؤں والوں نے لگان دینے سے انکار کر دیا تھا۔ مشک بنانے والے کے مکان سے پانچ ہزار روپے دستیاب ہوئے۔ فوجیں خندق کے پیچھے تمام دن مسلح رہیں۔

۱۲ ستمبر۔ بادشاہ آج عبادت خانہ میں نماز کے لئے گئے۔ حسن علی خاں بھی ساتھ ساتھ گئے اور آداب بجا لائے۔ نذیر حسن خاں بھی ان کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے اطلاع دی کہ لکھنؤ کا ایک ایلچی کل صبح پہنچ جائے گا' لیکن اس کی اتنی گزارش ہے کہ مجھے نجی میں ملاقات کا موقع دیا جائے۔ بادشاہ نے اظہار رضامندی کر دیا۔ بارود بنانے والے کارخانے میں آج پانچ ہزار روپے بھیجے گئے تا کہ وہ بارود بنائیں۔ سمند خاں رسالدار جھجر روانہ ہو گئے۔ نواب جھجر نے آج حسن علی خاں کی تنخواہ بھیج دی۔ مرزا امین الدین بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطلاع دی کہ میں نے لوہارو سے لگان وصول کرنے کی غرض سے دو سو سپاہی بھرتی کئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شہر کے دروازوں کے گارد کے نام احکام نافذ کر دیے جائیں تا کہ ہمیں جانے کی اجازت مل جائے۔ بادشاہ نے احکام نافذ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ سپاہی میرا کہنا نہیں مانتے۔ مرزا مغل نے کشمیری دروازہ کے گاردوں کا معائنہ کیا اور میر سعید علی خاں کے مکان والے مورچے کے متعلق خاص انتظامات کئے۔ چند دکانداروں نے ایک عرضی بھیجی جس میں تحریر تھا کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہمیں زبردستی مورچوں پر توپیں چلانے کے کام پر نہ لگا دیا جائے' اس لئے کہ پولیس والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہمیں اس کام کے لئے پکڑ کر بھیج دیں۔ اس ڈر سے کہ کہیں وہ ہمیں پکڑ کر نہ لے جائیں ہم نے اپنی دکانیں بند کر لی ہیں۔ فوجی عدالت نے احکام نافذ کر دیئے کہ رعایا میں سے کسی کو مورچوں پر کام کرنے کے لئے زبردستی مقرر نہ کیا جائے۔ صرف چماروں اور مزدوروں کو اس

کام کے لئے حاصل کرلیا جائے۔ ایک سپاہی نے فوجوں کو تنخواہ نہ دینے کی وجہ سے میر سعید علی خاں پر حملہ کرنے کی نیت سے تلوار نکالی۔ رات بھر گورے شہر میں گرتے رہے۔ ایک عورت اور ایک ہندو مسمی جواہر لال توپوں کے پھٹنے سے مر گئے اور دو سپاہی زخمی ہوئے۔ اعلان کیا گیا کہ جو شخص تین مہینے کا کرایہ ادا کرنے سے انکار کرے گا اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ بادشاہ رات بھر نہایت پریشان رہے۔ ان کے ذاتی ملازم بھی تمام رات ان کے ساتھ رہے۔ منادی کرادی گئی کہ بادشاہ بہ نفس نفیس آج رات کو انگریزوں پر حملے کی کمان کریں گے اور انہیں تباہ کردیں گے اور تمام شہر کو دعوت دی گئی کہ وہ بھی انگریزی لشکر پر حملے میں شریک ہوں اور انگریزوں سے لڑیں۔ اعلان میں ہندوؤں اور مسلمان دونوں سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس کام کے لئے حلف اٹھالیں۔ اس اعلان کی وجہ سے دس ہزار سے زیادہ مسلمان کشمیری دروازہ کے قریب جمع ہو گئے اور بادشاہ کی آمد کا آدھی رات تک انتظار کرتے رہے۔ اس کے بعد مجمع بتدریج ٹوٹتا گیا اور بالآخر منتشر ہو گیا۔

(معلوم نہیں ہندو رعایا لڑنے کے لئے کیوں جمع نہ ہوئی)

۱۳ ستمبر۔ بادشاہ نماز جمعہ کے لئے تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد نذر حسن مرزا نے مرزا عباس بیگ (ایجنٹ دربار لکھنؤ) کا تعارف کرایا۔ انہوں نے دو اشرفیاں نذر میں پیش کیں۔ بادشاہ نے انہیں سفیر الدولہ کا خطاب عطا دیا۔ ایجنٹ نے اس پر بارہ اشرفیاں، دو اعلیٰ درجہ کے جھولدار گھوڑے، دو ہاتھی، ہودہ جڑاؤ، کڑے اور جڑاؤ تاج پیش کیا اور ایک عرضی بھی پیش کی جس میں درخواست کی گئی تھی کہ میرے خطاب کے متعلق سند شاہی عنایت کی جائے اور میری جائداد اور مقبوضات کو تسلیم کرلیا جائے۔ سپاہیوں نے آج مجسٹریٹ کی کچہری میں مورچہ کی تکمیل کرلی اور میر سعید علی خاں کے مکان کے مورچہ کو بھی پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ جنرل محمد بخت خاں کے کیمپ میں ایک گولہ گرا جس سے کئی سپاہی زخمی ہوئے اور دو یا تین مر گئے۔ کارتوسوں کی پیٹی بھی بھک سے اڑ گئی۔ رات دن گولہ باری ہوتی رہی اور توپوں کا جواب توپیں دیتی رہیں۔ قاضی محلہ اور سعادت علی خاں کی نہر کے گرد و پیش کے باشندے اپنے اپنے مکان کو چھوڑ کر شہر کے دور دراز محلوں میں چلے گئے۔ اگر شہر کے دروازوں کے گارد اجازت دے دیتے تو تمام باشندے کبھی کے چلے گئے ہوتے۔ پولیس کے کہنے سننے سے چند دکانداروں کی دکانیں کھلی رہیں۔ انگریزوں نے لال دروازہ کے سامنے ایک مورچہ قائم کر رکھا تھا۔ انہوں نے کشمیری دروازہ میں سوراخ کردیئے تھے اور وہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ راتوں رات شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ میرا ایک دوست اس شبہ پر گرفتار ہوا کہ وہ انگریزوں کو خبریں بھیجتا ہے۔ انگریزی لشکر سے سپاہی بھاگ کر شہر میں داخل ہو گئے۔ متھرا داس اور سالگرام خزانچی قید کردیئے گئے۔ شہر میں منادی کرادی گئی کہ کل ہر باشندہ انگریزوں پر حملہ آور ہوگا۔ میرٹھ سے خبر موصول ہوئی کہ انگریزوں نے بہت سے جاٹوں اور گوجروں کو بھرتی کرلیا ہے اور تقریباً ایک سو دیہات سے لگان بھی وصول کرلیا ہے اور علی گڑھ کی طرح وہاں بھی ہر طرح کا امن و امان قائم ہو گیا ہے۔ بڑی بھاری میدانی توپ تمام رات شہر پر گولہ باری کرتی رہی۔ سب باشندے رات بھر پریشان رہے۔

۱۴ ستمبر۔ بادشاہ دربار خاص ہی میں رہے۔ افواہ تھی کہ انگریز شہر پر حملہ کرنے والے ہیں۔ مرزا مغل نے کل کی تمام فوجوں کو حکم دے دیا کہ مدافعت میں شریک ہوں۔ آج یہ معلوم ہو گیا کہ عنقریب دلی میں گھمسان کی لڑائی ہونے والی ہے۔ سپاہی بیشتر حصہ خندقوں ہی میں چھپے رہتے تھے۔ بالآخر انگریزوں نے کشمیری دروازے اور علی برج کے دمدمے پر

قبضہ کر لیا۔ چند گورے اور سکھ اور کرایہ کے سپاہی ہمت کر کے جامع مسجد تک آئے اور سپاہیوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ جامع مسجد میں کئی ہزار مسلمان جمع تھے۔ انہوں نے انگریزوں پر حملہ کیا اور ان میں سے کئی سپاہیوں کو قتل کر ڈالا یہاں تک کہ گورے بھاگ گئے۔ بیگمی باغ میں بھی سخت معرکہ رہا جہاں تقریباً چار سو گورے وغیرہ مارے گئے۔

دوپہر کے قریب مسلمانوں نے انگریزوں کا مقابلہ کرنا بند کر دیا۔ بالآخر انہوں نے باغی سپاہیوں کی طرح ہندوؤں کے مکانوں میں پناہ لینی شروع کی جنہیں وہ اس سے قبل ساتھ نہ دینے کی وجہ سے جھڑکتے رہتے تھے۔ عام دن وہ ہندوؤں کو برا بھلا کہتے رہے اور انہیں دھمکی دیتے رہے کہ جب ہم انگریزوں کو شکست دے دیں گے تو اس وقت تمہیں اور تمہارے بال بچوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ بادشاہ نے بیچ بچاؤ کی کوشش کی اور اطمینان دلانے کی غرض سے کہا کہ کل میں شہر کے تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر متحدہ طاقت سے انگریزوں پر حملہ کروں گا۔

☆ ☆ ☆

(منشی جی نے کیا نتیجہ کے موقع پر روزنامچہ ختم کیا ہے کہ آگے کا ذکر ادھورا رہ گیا۔ اس کی تفصیل میری کتاب "دلی کی جانکنی" میں ہے اور پوری کیفیت بیان کی گئی ہے۔ ناظرین اس کو دیکھیں اور سلسلہ ملا کر پڑھ لیں۔

اب آگے جن انگریزوں کا حال لکھا ہے وہ میرے پہلے حصوں میں مفصل آ چکا ہے مگر یہاں بھی لکھا جاتا ہے تاکہ لکھنے والے کے انداز تحریر سے ناظرین آگاہ ہو جائیں۔

درخواست: یہ کتاب ختم کرنے کے بعد اگر ناظرین نے میرا ابتدائی دیباچہ نہ پڑھا ہو جو اس کتاب کے شروع میں ہے تو اس کو ضرور پڑھ لیں تاکہ جو غلط اثر ان کے دلوں پر اس روزنامچے کے پڑھنے سے ہوا ہو وہ دور ہو جائے اور اگر پہلے پڑھ لیا ہو تب بھی دوبارہ دیباچہ پڑھ لینا مفید ہوگا کیونکہ پہلے انہوں نے سرسری طور سے پڑھا ہوگا اور اب پڑھیں گے تو ان کو روزنامچہ لکھنے والے کی حالت اچھی طرح معلوم ہو جائے گی اور وہ اپنے ملک اور اپنی قوم سے بدگمان نہ ہوگا۔ حسن نظامی)

ضمیمہ جات

مسٹر ڈیوس کے حالات

مسٹر ڈیوس کا ذکر ان اوراق میں آ چکا ہے۔ مزید تفصیلی حالات حسب ذیل ہیں: وہ کمشنر اور ایجنٹ کے دفتر کے انگریزی محکمہ کے افسر اعلیٰ تھے۔ جب سپاہی راج گھاٹ دروازہ سے شہر میں داخل ہوئے ہیں تو اس وقت وہ مسٹر ڈیوس کے مکان کے بہت قریب تھے۔ مسٹر ڈیوس کے ساتھ ان کے بھائی تامی اور ان کی بہنیں رہتی تھیں۔ سپاہیوں نے ان کے مکان پر حملہ کیا۔ دونوں بھائیوں نے اپنے تئیں بندوقوں سے مسلح کر کے مکان کے دروازہ کو بند کر دیا اور چھت پر چڑھ گئے۔ میرے ملازم نے جسے میں نے خبریں معلوم کرنے کی غرض سے بھیجا تھا دیکھا کہ ان کے مکان کو سواروں اور پیدل سپاہیوں نے گھیر رکھا ہے۔ اس نے دیکھا کہ انہوں نے گیارہ آدمیوں کو نشانہ بندوق بنا دیا اور یہ کہ کئی ایک زخمی ہو گئے۔ اس نے یہ

بھی دیکھا کہ ان دونوں میں سے ایک زخمی ہو گیا۔ اس کے بعد سپاہی لوٹ گئے۔ بعد ازاں مسز ڈیوس بعض پڑوسیوں کے ساتھ اپنے کسی ہندوستانی دوست کے یہاں پناہ گزیں ہو گئے اور وہاں سے مہاراجہ کشن گڑھ کے تہ خانوں میں بچ کر چلے گئے۔ میرے لازم سوئی نے ان سے بات چیت کی اور کہا کہ اپنے کپڑے بدل ڈالو اور راتوں رات میں آپ کو اپنے مالک کے مکان میں پہنچا دوں گا' لیکن مسز ڈیوس نے انکار کیا اور کہا کہ چونکہ سپاہی بازاروں میں اور سڑکوں پر پھر رہے ہیں اور یورپیوں کی تلاش میں ہیں' اس لئے یہ اغلب نہیں کہ وہ ہمیں مکان تک صحیح و سالم پہنچنے دیں۔ اس کی بجائے انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ بادشاہ کے وکیل کو بلائیں اور ان کی وساطت سے بادشاہ سے گفتگو کریں اور ان پر یہ ظاہر کریں کہ چونکہ وہ بادشاہ کی کوٹ قاسم کی جائداد کا حساب کتاب رکھتے تھے' اس لئے بادشاہ مسز ڈیوس کو اپنا ملازم قرار دیں اور اس ترکیب سے کم سے کم ان کی اور ان کی بہنوں کی جان بچا لیں۔ میں نے فی الفور بادشاہ کے وکیل کو بلوایا اور ان سے یہ تمام کارروائی کرنے کی درخواست کی۔ وکیل نے تمام معاملہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا' جنہوں نے حکم دیا کہ مسز ڈیوس کو ہمارے حضور میں پیش کرو' لیکن اس سے پیشتر کہ اس تجویز پر عمل درآمد ہو' مسز ڈیوس مع اپنے گھر کی خواتین اور دوسری خواتین کے (جن میں دہلی کے ہر دلعزیز پادری مسٹر ٹامسن کی بیوی بھی تھیں) سپاہیوں کی طرف سے جھوٹے وعدوں کے ذریعہ اس بات پر آمادہ کر لئے گئے کہ وہ اپنی چھپنے کی جگہ سے باہر نکل آئیں۔ جب وہ نکل آئے تو بعض اشخاص تو اسی وقت قتل کر دیئے گئے اور باقیوں کو محل میں لے جایا گیا۔ دو دن اور دو راتوں تک یہ لوگ مہاراجہ کے مکان کے تہ خانہ میں بے آب و دانہ رہے تھے۔ تیسرے دن پیاس سے تنگ آ کر اور ایک بہشتی کو دیکھ کر ان میں سے ایک نے نہایت عاجزی سے للہ پانی مانگا۔ یہ شخص راجہ بلب گڑھ کے یہاں پانی لے جا رہا تھا۔ وہ آیا اور آدمیوں نے دروازہ کھول دیا اور اسے داخل کر لیا۔ بہشتی نے پانی تو دے دیا' لیکن جب باہر نکلا تو اس نے چند باغیوں کو جو باغ میں خیمہ زن تھے' وہ جگہ بتا دی جہاں انگریز چھپے ہوئے تھے۔ اس پر فوراً ہی باغیوں اور بدمعاشوں نے مکان کو گھیر لیا اور جب انہوں نے یہ معلوم کر لیا کہ اندر پہنچنا یا کسی ترکیب سے ان بدقسمتوں پر گولیاں چلانا ممکن نہیں تو ان کے جوش و غصہ کی کچھ انتہا نہ رہی۔ دوسری طرف چھپے ہوئے اشخاص نے دیکھا کہ ہمارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔ ایسی حالت میں باغیوں نے مکر و فریب سے کام لیا اور پناہ گزینوں سے طرح طرح کے وعدے وغیرہ کر لئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ لوگ نکل آئیں گے تو آپ میں سے کسی کا بال بیکا نہ ہو گا' بلکہ ہم آپ کو سیدھے بادشاہ کے پاس لے چلیں گے جہاں آپ سے اچھا سلوک روا رکھا جائے گا۔ وہ اپنی ترکیب میں کامیاب ہو گئے اور پناہ گزینوں کو باہر نکلنے پر راغب کر لیا۔

اس کے بعد کے واقعات کے بارے میں دو مختلف بیانات ہیں۔ ایک تو یہ کہ قیدیوں سے بیٹھنے کے لئے کہا گیا اور اس کے بعد ان سب کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو چھوڑ دیا گیا اور انہیں محل میں لے گئے جہاں ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا گیا کہ ایسی تکلیف دہ بیرحمیوں کو روکنے والا کوئی خدا موجود نہ تھا؟ ان خوفناک واقعات قتل پر قدرت غیر متحرک رہی۔

(بعض اوقات انسان انتہائی صدمے میں ایسا الفاظ کہہ دیتا ہے۔ لکھنے والے کو معاف کر دینا چاہئے۔ حسن نظامی)

مسز ڈیوس' مسز ٹامی ڈیوس' مسز نکسن' مسز سینڈلی اور مسز نک بال کی قسمت یکساں رہی۔ قلم خشک ہوا جاتا ہے۔

اور واقعات تحریر کرنے سے انکار کرتا ہے۔ قسمت کے خلاف لڑنا کس قدر ناممکن ہے! یہ بسا اغلب ہے کہ اگر مسٹر ڈیوس کی درخواست بادشاہ کے کانوں تک جلد پہنچ جاتی تو وہ ان کو بچا لیتے' لیکن خدا تعالیٰ کا دست قدرت پہلے سے ان کی قسمت طے کر چکا تھا اور اس لئے ایسی درخواست امید موہوم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ ہر شخص کی زندگی بجائے خود ایک تاریخ ہے اور جب ہر ایک کی قسمت ظہور میں آ جائے تو اس وقت سیاہی خشک ہو جاتی ہے' لیکن خدا کے ارادوں کو کوئی نہیں پہنچتا۔

کپتان ڈگلس کے حالات

۱۱ مئی کی صبح کو کپتان ڈگلس کی توجہ دریا پار کے ایک جلتے ہوئے بنگلے کی جانب منعطف کرائی گئی۔ میرٹھ سے سپاہیوں کے آنے کی اطلاع کپتان ڈگلس کو مل چکی تھی اور ساتھ ہی شہر کے ہنگاموں کی خبر بھی انہیں ہو گئی تھی۔ بورن چوبدار اور بختیار سنگھ' کشن سنگھ ہرکاروں نے اطلاع دی کہ چنگی کے کلکٹر کے مکان میں آگ لگا دی گئی ہے اور محکمہ کے مقامی افسر کو قتل کر دیا گیا ہے اور یہ کہ باغی شہر کی جانب آ رہے ہیں اور راستہ میں قتل و غارت کرتے جاتے ہیں۔ عین اسی وقت ایک سوار سیڑھیوں تک آیا اور کہا کہ میں کمان افسر (کپتان ڈگلس) سے کچھ باتیں کرنی چاہتا ہوں۔

خبر کی گئی کہ کوئی شخص آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ کپتان ڈگلس سیڑھیوں تک آئے اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ "ہم میرٹھ سے آئے ہیں جہاں ہم نے اپنے افسروں کو قتل کر دیا ہے کیونکہ وہ سؤر اور گائے کے چربی والے کارتوسوں کے استعمال پر اصرار کرتے تھے اور اس طرح سے ہماری ذات لینے کی کوشش کرتے تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے متحدہ طریقہ سے بلوہ کر دیا ہے۔ ایک معرکہ بھی ہو چکا ہے۔ جس میں یورپین اور ہندستانی دونوں کام آئے ہیں۔ اب ہم یہاں اپنی اپنی شکایات لے کر آئے ہیں اور بادشاہ سے انصاف کے طالب ہیں۔ ہمیں مشورہ دیجئے کہ ہم کیا کریں ورنہ ہم وہی کام کریں گے جس کا ہم کو حکم ملا ہے۔"

کپتان ڈگلس کے اردلی کا بیان ہے کہ وہ شخص سخت جوش کی حالت میں بات چیت کر رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے خون ٹپکا پڑتا تھا۔ کپتان ڈگلس نے جواب دیا کہ "تم نے اپنے افسروں کو قتل کر کے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے اور اگر تم شہر میں مزید خونریزی سے باز نہ آؤ گے تو تمہیں سخت سزا دی جائے گی اس لئے کہ میرے پاس گورکھوں کی چار پلٹنیں ہیں۔"

کمان افسر کے منہ سے جونہی یہ الفاظ نکلے' سوار مذکور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا اور اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد بادشاہ کے پاس سے ایک چوبدار دوڑتا ہوا آیا جس نے کہا کہ بادشاہ سلامت یاد فرماتے ہیں۔ کپتان ڈگلس سیدھے دیوان خاص میں پہنچے جہاں بادشاہ ان کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ راستہ میں حکیم احسن اللہ خاں اور بادشاہ کے وکیل سے ملاقات ہوئی۔ ان سے معلوم ہوا کہ باغیوں کی وسیع فوج شہر کی فصیل کے سامنے ریتی میں مجتمع ہوئی ہے اور سخت ہائے وہو مچا رہی ہے۔ انہوں نے کمان افسر سے کہا کہ امن و امان قائم کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں' اس لئے کہ خود بادشاہ سے ان کا رویہ تہدید آمیز اور خطرناک ہے۔ کپتان ڈگلس جس وقت پہنچے ہیں' اس وقت بادشاہ دیوان خاص میں تھے۔ اور بادشاہ کے سوالات کے جواب میں انہوں نے وہ تمام باتیں بیان کر دیں جو انہوں نے صبح سنی تھیں یعنی

یہ کہ میرٹھ کی کچھ فوجیں بغاوت کر کے دہلی بھاگ آئی ہیں۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ خدارا گھبرایئے نہیں اس لئے کہ میرٹھ کی یورپین فوجیں بالضرور باغیوں کا تعاقب کریں گی اور عنقریب پہنچ جائیں گی اور مزید برآں راجپوتوں کی بھی پلٹنیں ہیں۔ بادشاہ کو یقین رکھنا چاہئے کہ حکام نے ان آدمیوں کا تدارک کرنے کی تدابیر اختیار کر لی ہیں۔ دوران گفتگو میں بھی باغیوں کی آوازیں دیوان خاص میں پہنچ رہی تھیں۔ کپتان ڈگلس نے کہا کہ دریا جانے کا راستہ کھول دینے کی اجازت دی جائے تا کہ چند آدمیوں کو بادشاہ کے حضور میں طلب کیا جائے۔ وکیل اور حکیم احسن اللہ خاں نے رائے دی کہ ایسا کام نہیں کرنا چاہئے اور یہ کہ کپتان ڈگلس کو ایسے مجمع کے سامنے نہ آنا چاہئے جو خونریزی کا مرتکب ہو چکا ہے۔ مزید برآں انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی گئی تو ممکن ہے کہ وہ محل کو لوٹ لیں۔

بہرحال اتنا طے ہو گیا کہ کپتان ڈگلس دریا کی طرف کی دیوار سے سپاہیوں سے بات چیت کریں۔ انہوں نے ایسا کیا کہ باغیوں میں سے دو افسروں کو اپنی جانب بلایا۔ انہوں نے دیکھتے ہی کمان افسر کو سلام کیا اور کہا کہ ''انگریز ہمیں عیسائی بنانا چاہتے تھے اور اسی غرض سے انہوں نے ہمیں چربی والے کارتوس دیئے۔ اب ہم بادشاہ کے پاس حفاظت کی غرض سے آئے ہیں اس لئے کہ ہم پر انگریزوں نے حملہ کیا ہے اور بعض کو مار ڈالا ہے۔'' کپتان ڈگلس نے جواب دیا کہ ''یہ جگہ بادشاہ کے زنانخانے میں داخل ہے۔ یہ جگہ بلوہ کرنے کی نہیں ہے۔ دریا کے کنارے کسی جگہ پڑاؤ ڈال لو اور بادشاہ سلامت بعد کو تمہاری شکایات سنیں گے اور انصاف فرمائیں گے۔'' اس پر سپاہی شہر کے راج گھاٹ دروازے کی جانب چلے گئے۔ جب کپتان ڈگلس بادشاہ کو اطمینان دلانے کے بعد رخصت ہونے کو تھے تو اس وقت بادشاہ نے اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کے متعلق بے حد تشویش ظاہر کی اور برطانوی حکومت کی حفاظت طلب کی۔ کپتان ڈگلس نے انہیں پھر یقین دلایا کہ تشویش کی کوئی وجہ نہیں اور پھر بعجلت تمام اپنے گھر گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ کمشنر مسٹر سائمن فریزر شہر کے کلکتہ دروازہ کے دمدمے پر ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ کپتان دلدار خاں کی بگھی کو روک کر جو اس وقت سامنے سے گذر رہی تھی وہ اس میں بیٹھ گئے اور سیدھے دمدمے پہنچے جہاں مسٹر سائمن فریزر، مسٹر ہچنسن اور مسٹر چارلس لی باس (جج) اور چند حضرات موجود تھے۔ ان سے مل کر انہوں نے وہ چٹھی نکالی جو ان کی جیب میں تھی۔ انہوں نے مسٹر فریزر کو پڑھنے کے لئے دی جنہوں نے پڑھ کر اسے واپس کر دیا۔ کپتان ڈگلس نے اس چٹھی کو دوبارہ پڑھا۔ اس کے بعد ان سب نے انگریزی میں گفتگو کی۔ ابھی وہ بات چیت میں مصروف تھے کہ ایک چپراسی نے چنگی کے مقتول کلکٹر کی بیوی کی چٹھی دی جس میں اس امر کی درخواست کی گئی تھی کہ میرے خاوند کی تجہیز و تکفین کا کچھ انتظام کر دیا جائے۔ کپتان ڈگلس نے جواب دیا کہ 'بغاوت کی موجودہ حالت میں میں کچھ انتظام نہیں کر سکتا۔'' عین اس موقع پر پانچ سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے اور اپنی بندوقوں سے باڑھ چھوڑی۔ ایک گولی کپتان ڈگلس کے پیر میں لگی جس سے وہ بالکل معذور ہو گئے۔ وہاں سے وہ مرتے کرتے قلعہ کی خندق میں پہنچ گئے جہاں چند بدمعاشوں نے ان پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن کشن سنگھ کری جاٹ اور دوسرے آدمیوں کی موجودگی سے وہ اپنے ارادہ سے باز رہے۔ یہ سب لوگ قلعہ کے کمان افسر کے دفتر سے متعلق تھے اور اس لئے وہ انہیں لکڑیوں کی ڈولی میں بٹھا کر قلعہ کے دروازہ تک بہ حفاظت تمام لے گئے۔ وہاں سے مکھن سنگھ، کشن سنگھ اور دوسرے آدمی جو موجود تھے اوپر لے گئے۔ انہوں نے کچھ پانی مانگا اور اسے پیا۔ اس کے بعد دروازہ پر گارد کے جو سپاہی جمع تھے ان

سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''اگر تم دروازوں کو بند کر دو اور باغیوں کو نکال دو اور یورپین لوگوں کی امداد کرو تو میں تم میں سے ہر ایک کو صوبیدار بنادوں گا۔'' اس کے بعد چپراسی انہیں اوپر لے گئے جہاں مسز جینگو (پادری) اور دو خواتین (مسز جینگو اور مس کلیفورڈ) پہلے سے موجود تھیں۔ ان دونوں نے ان کی مرہم پٹی کی۔ کپتان ڈگلس کو کئی مرتبہ غش آیا۔ ہوش آنے پر انہوں نے کہا کہ ''میں کھلے میدان میں اپنی تلوار چھوڑ آیا ہوں۔'' اس کے بعد مکھن سنگھ نے کپتان ڈگلس کے حکم کے بموجب دروازے بند کر دیئے۔ چند بدمعاش جن میں زیادہ تر مٹھائی بیچنے والے اور قلعہ کے مغل زادے تھے باغی اور خونی آدمیوں کی معیت میں ''دین دین'' کا نعرہ لگاتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف آئے اور مکھن سنگھ سے کہا کہ دروازے کھول دو ورنہ ہم تم کو بھی مار ڈالیں گے۔ مسز جینگو نے دروازہ کھول دینے کا حکم دیا جس پر قاتل کمرہ میں گھس آئے اور ایک ایک کو قتل کر ڈالا۔ خواتین نے کپڑوں کی الماری میں پناہ لے لی تھی' لیکن انہیں بھی باہر گھسیٹ لیا گیا۔ مسز جینگو نے حملہ آورین پر حملہ کیا اور سیڑھیوں پر گر گئے۔ صرف جو شخص بچا' وہ منشی رام لال تھے جو زخمی ہو گئے تھے۔ وہ شاہی خاندان کے ایک نوکر تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کسی دکاندار نے دشمنی سے بندوق کے کندے سے انہیں زخمی کر دیا اور پھر بھاگ گیا۔

سر تھیوفلس مٹکاف کی رہائی کے حالات

۱۱ مئی کی صبح کو سر تھیوفلس مٹکاف گاڑی میں بیٹھ کر عدالت گئے۔ اس وقت ان سے کہا گیا کہ باغی سپاہی شہر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کو روکنے کی غرض سے وہ فوراً بگھی میں بیٹھے اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر کوتوالی پہنچے اور وہاں سے انہوں نے گارد بھیجی تاکہ راج گھاٹ دروازہ کو کھولنے سے روکا جائے اور ساتھ ہی دوسرے دروازوں کو بند کرا دیا جائے۔ بعد ازاں وہ کلکتہ دروازہ پہنچے جہاں انہوں نے دیکھا کہ تمام جگہ شور و غوغا بلند ہے۔ باغی فوجوں کی چھاؤنی کی فوج سے کافی امداد مل گئی تھی اور شہر کے بدمعاش بھی ہر لحظہ اس شورش انگیز مجمع کی تعداد میں اضافہ کر رہے تھے۔

کئی آویزشوں کے بعد جن میں سر تھیوفلس بال بال بچے اور جن میں ان کی بگھی بھی جاتی رہی اور وہ بالآخر کچھ دور پیدل چل کر یا بعد میں گھوڑے پر بیٹھ کر جسے انہوں نے ایک سوار سے چھین لیا تھا' پہاڑ گنج کے تھانہ میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہاں معین الدین حسن خاں نے ان کا تپاک آمیز استقبال کیا اور بلا کسی پس و پیش کے وفاداری سے ان کی امداد کرنے کا وعدہ کیا اور ابتدائی کارروائی کے طور پر انہوں نے اپنا لباس ان کے حوالے کر دیا جس کے بعد سے انہوں نے بھی دیسی بھیس اختیار کر لیا۔ یہ خیال کر کے کہ شہر کے اس قدر قرب میں رہنے سے خود ان کی جان اور تھانیدار کی جان خطرے میں پڑ جائے گی (کیونکہ باغیوں نے شہر میں تمام یورپین باشندوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا) سر تھیوفلس تھانیدار کی پُر زور درخواست پر چھاؤنی میں واپس جانے سے روک دیئے گئے' اس لئے کہ اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوتا کہ ان کی جان جاتی رہتی۔ بجائے اس کے انہوں نے معین الدین کی یہ تجویز منظور کر لی کہ قرولی باغ تک انہیں بہ حفاظت تمام پہنچا دیا جائے جہاں انہیں بھورے خاں نمبردار کے یہاں (جس نے باوجود بھیس بدل لینے کے فی الفور سر تھیوفلس کو پہچان لیا) پناہ مل گئی۔ سر تھیوفلس کو سب سے پہلے جس بات کی پریشانی تھی' وہ یہ تھی کہ شہر کے دوسرے یورپینوں کی حالت دریافت کریں اور اس لئے انہوں نے تھانیدار کو ہدایت کی کہ وہ معلوم کر کے جلد سے جلد انہیں بتائیں اور ساتھ ہی اس امر

کی درخواست کی کہ جتنی جانیں وہ بچا سکیں' بچانے کی کوشش کریں' لیکن جانیں بچانے کا زمانہ گذر چکا تھا۔

چونکہ تھانیدار پر سر تھیو فلس کو بچانے اور مدد دینے کا شبہ کیا جا رہا تھا' اس لئے خود ان کی جان بھی خطرہ میں تھی' لیکن وہ بہت سی احتیاطوں اور مختلف تدابیر کے ذریعہ پناہ گزیں کے حالات کو خفیہ رکھنے میں کامیاب ہو گئے اور شہر کے خونیوں کو کسی طرح ان کا پتہ لگنے نہیں دیا۔ اس اثنا میں بھورے خاں نے ان کی حفاظت کرنے یا ان کی ضروریات پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

مزید حفاظت کی غرض سے قرب و جوار کے جنگل میں ان کے لئے جائے پناہ تلاش کر لی گئی' جہاں وہ رات کو نکل کر اپنی جان بچا سکتے تھے' بشرطیکہ باغی فوری طور پر نمودار ہو جائیں۔ مزید براں بھورے خاں نے خطرہ کی حالت میں اپنے چند قابل اعتماد دوستوں کی امداد کا بھی بندوبست کر لیا تھا۔ ان میں دو راجپوت تھے جن کے نام پورن سنگھ اور امت سنگھ تھے۔ جب سر تھیو فلس نے یہ دیکھا کہ وہ دہلی میں اپنے زمانہ قیام کو طول دے کر خواہ مخواہ اپنی جان اور اپنے رفقا کی زندگی کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں تو اس وقت انہوں نے بھورے خاں پر زور دیا کہ میرا جھجر جانے کا انتظام کر دو۔ اس ریاست کا نواب سر تھیو فلس کا ذاتی دوست تھا اور ان کے ساتھ سر تھیو فلس اور ان کے والد نے بہت سے احسانات بھی کئے تھے' اس لئے ان کو توقع تھی کہ اگر میرا تپاک آمیز استقبال نہ ہوا تو کم سے کم میری حفاظت تو ہو جائے گی اور جائے پناہ مل جائے گی۔ بھورے خاں شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کے انتظامات کی خوبی اور ان کے راجپوت رفقا کی جاں نثاری کی بدولت وہ بہ حفاظت تمام جھجر پہنچ گئے۔[1] جس وقت سر تھیو فلس جھجر پہنچے ہیں تو اس وقت بغاوت کا ابتدائی شرارہ جس سے تمام ملک متاثر ہو چکا تھا' جھجر پہنچا تھا۔ تمام شہر میں جوش پھیلا ہوا تھا۔ بہت سے ہندو جو نواب کی فوج میں تھے' فی الفور ملازمت چھوڑ کر چلے گئے اور مسلمان بھی موقع کے منتظر تھے۔ وقتاً فوقتاً "دین' دین" کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جن کی وجہ سے جوش بڑھتا جاتا تھا۔ سولہ مئی کا دن تھا کہ نواب کو اطلاع دی گئی کہ ایک یورپین دیسی لباس میں آیا ہوا ہے اور ان کی مہمان نوازی سے مستفید ہونا چاہتا ہے۔

نواب نے اپنے خسر عبدالصمد خاں اور امداد علی (جج) کو بغرض ملاقات بھیجا۔ سر تھیو فلس نے فی الفور ان پر اپنی شخصیت کا اظہار کر دیا۔ اس کے بعد وہ نواب کی خدمت میں گئے جس نے ایک سو روپے بھیجے اور کہلا بھیجا کہ آپ فی الفور شہر چھوڑ کر چلے جائیں۔ آبادی کو سر تھیو فلس کی موجودگی کا فوراً علم ہو گیا اور کثیر مجمع محض دیکھنے کی غرض سے جمع ہو گیا۔ بعد میں نواب نے یہ پیغام کہلا بھیجا کہ سر تھیو فلس بجوک داس کے باغ میں چلے جائیں۔ ابھی وہ وہاں پہنچے ہی تھے کہ ایک سوار یہ کہنے کے لئے آیا کہ صاحب یہاں سے بھی چلے جائیں۔ بہر حال وہاں سے انہوں نے نہایت جبر کے ساتھ حصار کا رخ کیا اور انہیں کبھی توقع نہ تھی کہ میں حصار یا ہانسی زندہ پہنچ سکوں گا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اس خیال سے کہ کوئی تعاقب نہ کر رہا ہو وہ جنگل میں چھپ گئے۔ ان کا یہ خیال صحیح تھا اس لئے کہ نواب کے رسالہ کا دستہ ان کے تعاقب میں بسرعت تمام آ رہا تھا اور جب تک شام نہ ہو گئی واپس نہ گیا۔ تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اور خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھ کے وہ چلتے رہے

۱۔ اس مقام پر مصنف نے بیان کیا ہے کہ جن آدمیوں نے مصیبت کے زمانہ میں سر تھیو فلس مٹکاف کی مدد کی تھی بعد میں جبکہ حالات بہتر ہو گئے اور انگریزی سلطنت کا از سر نو قیام ہو گیا تو اس وقت انہیں فراموش نہیں کیا گیا بلکہ انہیں معقول انعامات وغیرہ عطا ہوئے۔

یہاں تک کہ مسٹر اسکنر کے مکان میں پہنچ گئے۔

جب یہ واقعات دہلی پہنچے اس وقت اور اس کے بعد ہندوستانی سوسائٹی میں نواب کے طرز عمل پر سختی سے نکتہ چینی ہوتی رہی اس لئے کہ دشمن سے مخالفت کرنا اور بات ہے اور دوست سے دغا کرنا دوسری بات ہے۔

نواب کی صفائی میں اس وقت یہ بات بیان کی گئی تھی کہ رسالہ کے کمانڈر سونگھ نے سر تھیوفلس کے پاس سوار کو بھیجا تھا تاکہ انہیں شہر چھوڑنے کا حکم دے۔ ارادہ یہ تھا کہ انہیں جھجر کی بجائے راستہ میں قتل کیا جائے اور یہ کہ نواب کو ان کے چلے جانے کی مطلق خبر نہ تھی اور یہ کہ نواب کا ارادہ تھا کہ وہ انہیں بہادل گڑھی پرگنہ میں بغرض حفاظت بھیج دیں اور اس غرض سے اپنے دو ملازمین وزیر علی اور سید الدین کو مامور بھی کر دیا تھا کہ اپنی محافظت میں انہیں پہنچا دیں۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ نواب نے ان سے ملاقات کرنے کی کوئی سبیل پیدا نہ کی اور نہ ان کو بچانے ہی کی کوشش کی بلکہ ان کو گرفتار کرنے کی غرض سے فوجوں کو مقرر کر دیا۔ جب قسمت کا پانسہ پلٹا اور نواب پر مقدمہ چلایا گیا تو اس وقت نبی خاں نے جنہوں نے ان کی صفائی تحریر کی تھی مذکورہ بالا وجہ پیش کی تھی۔ مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نواب ایک یورپین کو جو ان کا دوست تھا بچا کر خواہ مخواہ اپنے تئیں مجرم بنانا نہیں چاہتے تھے۔ جھجر چھوڑنے کے بعد سر تھیوفلس کا جو تعاقب کیا گیا تھا وہ غالباً سونگھ کا فعل تھا جس کے متعلق منشی جیون لال نے حسب ذیل عبارت لکھ دی ہے۔

''اس وقت جھجر کی فوج کی کمان ایک شخص مسمی سونگھ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ دیکھ کر کہ وہ نواب کی فوج میں ہر دلعزیز نہیں ہے اور یہ سمجھ کر کہیں شورش میں وہ ان کی منافرت کی نذر نہ ہو جائے، سر تھیوفلس کی زندگی پر حملہ کرنے کے بعد فوراً ہی خاموشی سے جھجر چھوڑ کر اپنے گاؤں کو چل دیا۔ جونہی فوج کو خبر ہوئی کہ رسالدار بھاگ گیا ہے، وہ بھی مجموعی حیثیت سے ملازمت سے علیحدہ ہو گئی اور بہت سے اشخاص جن کی سونگھ سے دشمنی تھی اس کے گاؤں میں پہنچے تاکہ اس کے مکان کو لوٹ لیں اور اسے قتل کر ڈالیں۔ خطرات کا احساس کر کے سونگھ نے اپنے گھرانے کے تمام افراد کو جمع کیا اور اپنے بھائی سورج سنگھ کی مدد سے خاندان کی تمام مستورات کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اس کے بعد اپنے مکان میں قتل ڈال کر وہ اور اس کے بھائی بھیس بدل کر کہیں روانہ ہو گئے۔ جب جھجر کے سوار اس کے مکان میں پہنچے ہیں تو وہاں انہیں مردوں کے ڈھیر کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا۔'' عورتوں کو دیدہ و دانستہ قتل کر دینے کی رسم راجپوتوں میں اس وقت عام تھی۔ ان کی نظر میں بے عزتی موت سے زیادہ تکلیف دہ ہے، مگر اس فعل سے سونگھ کا جہاں تک تعلق ہے، یہ بات بیان کی جا سکتی ہے کہ وہ بالکل حق بجانب نہ تھا اس لئے کہ اس کے لئے ممکن تھا کہ وہ اپنی عورتوں کو با آسانی اپنے رشتہ داروں میں چھپا دیتا، لیکن جوش کی حالت میں اس شخص کی وحشیانہ طبیعت اپنے رنگ پر آ گئی۔ دشمنوں کے نرغہ میں بہادری کے ساتھ مرنے اور اپنے گھر والوں کو مقام حفاظت میں رکھنے کی بجائے وہ وحشیانہ اور غیر ضروری بہیمیت کا مرتکب ہوا اور پھر بزدل شخص کی طرح لڑائی سے بھاگ کر اس نے اپنے جرائم کی فہرست میں اضافہ کر لیا۔ شاعر نے ایسے ہی اشخاص کے متعلق کہا ہے

نہ ہمت تھی اتنی کہ جنگ آزما ہو[1]　　فنا ہو تو مردوں کی صورت فنا ہو
اخوت کے رشتہ سے آزاد ہو کر　　گئی زندگی اس کی برباد ہو کر

(ناظرین کو معلوم ہے کیونکہ پہلے حصوں میں مذکور ہو چکا ہے کہ ان مٹکاف صاحب کو پناہ دینے کے جرم میں نواب جھجر کو پھانسی دی گئی۔ حسن نظامی)

☆　☆　☆

۱۔　ترجمہ محمود اسرائیلی (مترجم)

دہلی کی سزا

(جس کا نام پہلے "غدر کا نتیجہ" تھا)

("تمہید

بعد حمد و صلوٰۃ کے حسن نظامی عرض کرتا ہے کہ یہ کتاب ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی تھی اور اب اپریل ۱۹۳۶ء میں دوسری بار نام بدل کر شائع کی جاتی ہے۔ پہلے اس کا نام "غدر کا نتیجہ" تھا اور اب "دہلی کی سزا" نام رکھا ہے۔

☆ ☆ ☆

طبع دوم کا دیباچہ

یہ کتاب دسمبر ۱۹۳۰ء میں پہلی بار چھپی تھی اور اس کا نام "غدر کا نتیجہ" رکھا گیا تھا' مگر ہندوستان کے باشندے لفظ غدر کو پسند نہیں کرتے' اس لئے میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ اب جو حصہ اس تاریخی کتاب کا دوبارہ چھپوایا جاتا ہے' اس سے 'غدر' کا لفظ خارج کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کا نام بھی بدلا گیا اور "غدر کا نتیجہ" نام بدل کر "دہلی کی سزا" نام رکھ دیا گیا ہے۔" (حسن نظامی ۔ ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء)

مجھے ایک قلمی کتاب شمس العلماء مولانا ضیاء الدین احمد صاحب مرحوم دہلی کے صاحبزادہ سے ملی جو فارسی زبان میں تھی اور جس میں نواب غلام حسین خاں صاحب نے ۱۸۵۷ء کے حالات غدر تحریر کئے ہیں۔ یہ کتاب دو سو صفحے سے زیادہ تھی کیونکہ قدیمی زمانہ کی طویل انشاپردازی میں کتاب میں استعمال کی گئی تھی۔ میں نے ترجمہ کرانے کے وقت صرف غدر کے حالات کے لئے عبارت آرائی ترک کر دی

جب اس فارسی کتاب کا اردو ترجمہ تیار ہوا تو میں نے نام رکھنے کے متعلق عرصہ تک غور کیا تو پہلے "غدر کی پھانسیاں" نام تجویز ہوا کیونکہ اس میں پھانسیوں کا ذکر زیادہ ہے۔

مگر کتاب چھپنے کو گئی تو اس نام پر اعتراض ہوا' اس لئے "غدر کا نتیجہ" نام رکھ دیا گیا۔

اس کی قدر

یہ کتاب اگرچہ ایک ایسے صاحب نے لکھی ہے جو برٹش گورنمنٹ کے پنشن خوار تھے اور اس وجہ سے انہوں نے

بعض جگہ برٹش گورنمنٹ کی حمایت میں ذرا مبالغہ بھی کیا ہے۔ تاہم انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے سے دلوں میں امن پسندی پیدا ہوتی ہے اور پڑھنے والے کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جب کسی ملک میں غدر اور فساد اور بے امنی پیدا ہوتی ہے تو گنہ گار اور بے گناہ دونوں مصیبت میں پھنس جاتے ہیں اور شریر لوگ ذاتی عناد و حسد کی وجہ سے موقع ملنے پر بے گناہوں کو جان اور مال کا نقصان پہونچانے میں دریغ نہیں کرتے۔

چنانچہ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ بعض خودغرض مخبروں نے برٹش حکام کو ان لوگوں کے متعلق باغی ہونے کی اطلاعیں دیں جن کو مصنف کتاب بھی باوجود خیرخواہ گورنمنٹ ہونے کے باغی نہیں سمجھتے

نئی معلومات

میں نے اس کتاب کے ساتھ حاشیہ پر کہیں کہیں نئی معلومات کے نوٹ بھی لکھے ہیں اور یہ بھی کوشش کی ہے کہ پھانسی پانے والے اشخاص کی اولاد میں اگر آج کل کوئی باقی ہو تو ان کا ذکر بھی اس کتاب میں آ جائے۔ اس کی تحقیقات میں مجھے بہت محنت کرنی پڑی کیونکہ اب غدر کے زمانہ کے بہت تھوڑے آدمی رہ گئے ہیں اور جو باقی ہیں وہ زیادہ واقف نہیں ہیں۔ مجھ کو بمشکل دو چار آدمی ایسے ملے جنہوں نے پھانسی یافتہ اشخاص کے متعلق کچھ باتیں بتائیں۔ پھر بھی کئی نام ایسے رہ گئے جن کی نسبت مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھے اور ان کے پس ماندوں میں کوئی اب بھی باقی ہے یا نہیں۔

مصنف پر غلطہ ذاتیات

میں اس کتاب کے مصنف کی تعریف کرتا ہوں کہ ان کی اس کتاب سے ہم لوگوں کو اور آئندہ نسلوں کو ان حالات کا علم ہو گیا جو پہلے نہ کسی تاریخ میں تھے نہ سب کو معلوم تھے' لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کا افسوس ہے کہ مصنف نے بعض مخبروں کا تذکرہ کرتے وقت غالباً ذاتی اسباب کی بنا پر اپنے خاندان کے چند افراد کا نام بھی لکھ دیا' جن کی نسبت ذاتی طور سے مجھے معلوم ہے کہ وہ بے گناہ تھے' یعنی انہوں نے ہندوستانیوں کی مخبری نہیں کی اور ان کو پھانسیاں نہیں دلوائیں۔ ان میں سے ایک شخص ایسے بھی تھے جو آخر زمانہ میں دہلی کی سکونت ترک کر کے میرے ہاں درگاہ شریف میں آ گئے تھے اور یہاں انہوں نے ایک مکان بنالیا تھا اور اس میں رات دن رہتے تھے اور میں بچپن میں ان کے پاس کھیلا کرتا تھا۔ ان کی عبادت اور ان کی پرہیزگاری اور ان کے چہرے کا نور اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے' مگر مصنف نے بہت زیادہ زور انہی کے خلاف دیا ہے کہ انہوں نے مخبریاں کیں اور بے گناہوں کو پھانسیاں دلوائیں۔ چونکہ مجھے اس بیان کا یقین نہیں تھا اور ذاتی طور سے پورا اطمینان تھا کہ یہ واقعہ غلط ہے' اس واسطے میں نے اس حصہ کو کتاب سے خارج کر دیا' لیکن خارج کرنے سے پہلے ان کے پوتے سے جو ایک ریاست میں ایک بڑے عہدہ دار ہیں' کتاب کے مذکورہ اندراج کے متعلق خط لکھ کر حالات دریافت کئے اور ان صاحب نے بھی میری رائے کی تصدیق کی۔ جس سے مجھے پورا اطمینان ہو گیا کہ مصنف کتاب نے یہ باتیں ذاتی اسباب کی بنا پر لکھ دی ہوں گی۔

اس تذکرہ کے خارج کر دینے سے کتاب کے تسلسل بیان اور واقعات کی تفصیل میں کوئی فرق نہیں آیا' کیونکہ

میں نے ان اصلی مخبروں کے نام باقی رکھے ہیں جو در حقیقت مخبری کا کام کرتے تھے۔

مصنف نے جن صاحب کی مخبری پر بہت زیادہ زور دیا ہے ان کے بارہ میں تحقیق سے ظاہر ہوا کہ وہ تو خود مشتبہ ہو کر برٹش افسروں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تھے اور بعد میں ان کو رہائی دی گئی تھی۔ اگر یہ مخبری والی بات سچی ہوتی تو ان کو کوئی انعام دیا جاتا نہ کہ ان کو گرفتار کیا جاتا۔

بس اس مختصر تمہید کے بعد اب ناظرین کو اصل کتاب پڑھنی چاہئے اور یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ کتاب کے مصنف برٹش گورنمنٹ کے خیر خواہ تھے اس لئے انہوں نے بعض الفاظ اہل غدر کی نسبت ایسے استعمال کئے ہیں جو موجودہ زمانہ کے ہندوستانیوں کو غالباً ناگوار ہوں گے' مگر میں نے ان کی تبدیلی اپنے فرائض سے باہر سمجھی۔ اس واسطے ان کو اصلی حالت پر قائم رہنے دیا۔

واقعات سچے ہیں

ایک شخص کی نسبت خلاف بیانی ظاہر ہونے سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ باقی حالات بھی ایسے ہی بے اعتبار ہوں گے' کیونکہ مصنف نے اکثر حالات وہ لکھے ہیں جن کی تصدیق انگریزی تاریخوں اور خود میری لکھی ہوئی کتابوں سے ہوتی ہے اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مصنف غلط نویس نہیں تھے۔ البتہ خاندانی اختلافات کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے ایک نامور اور معتبر بڑے آدمی کو بھی انہوں نے مخبر بنا دیا' جو مصنف کے قریبی رشتہ دار بھی تھے۔"

حسن نظامی دہلوی

۲۲ مئی ۱۹۳۰ء]

مؤلف کے ذاتی حالات اور کتاب لکھنے کی وجہ

میں غلام حسین خاں خلف نواب غلام حسن خاں[۱] مؤلف کتاب ہذا لکھتا ہوں کہ لارڈ لیک صاحب بہادر نے میرے دادا نواب فیض اللہ بیگ خان کو ۱۸۰۳ء میں علاقہ میوات کے تمام محلات بندوبست کے واسطے سپرد کئے تھے۔ تین سال بعد ۱۸۰۵ء میں خدمت گزاری کے صلہ میں میرے دادا صاحب مرحوم کو پرگنہ جھین تا حین حیات بطور استمراری عطا کیا

۱۔　نواب میرزا خضر صاحب پنشنر تحصیل دار سے معلوم ہوا کہ اس کتاب کے مصنف نواب غلام حسین خاں' نواب غلام حسن خاں صاحب کے بیٹے تھے۔ ان کی والدہ کا نام مگی تھا جو طوائف تھیں اور نواب غلام حسین خاں صاحب' نواب فیض اللہ بیگ خاں صاحب کے بیٹے تھے۔ نواب فیض اللہ بیگ خاں صاحب کے دوسرے پوتے نواب خضر صاحب ہیں' جو آج کل میرے ہاں درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ میں یاد الٰہی کرتے ہیں۔ نواب خضر صاحب عرصہ تک میوات میں تحصیل دار رہے۔ ان کے ایک بیٹے میرزا شاکر حسین صاحب متھرا میں بیرسٹری کرتے ہیں اور ایک بیٹے فوج میں ایک بڑے عہدہ پر ہیں۔ ان کے دادا نواب میرزا فیض اللہ بیگ خان کا مزار میرے مکان ایمان خانہ کے مشرق میں ہے جس کے سرہانے ابھی سر محمد رفیق صاحب دفن ہوئے ہیں۔ (حسن نظامی)

گیا۔ دادا صاحب کے انتقال کے بعد بموجب معاہدہ پرگنہ ہم سے نکال لیا گیا اور پس ماندگان کے واسطے ایک ہزار روپیہ پنشن مقرر کر دی گئی۔ میرے والد کو تین سو روپیہ علیحدہ ملتے تھے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد آگرہ کے لفٹنٹ گورنر بہادر نے ہماری خیر خواہی اور کثیر الاولادی اور خانہ بربادی پر رحم فرما کر جون ۱۸۵۵ء میں سو روپیہ پنشن میری مقرر کر دی۔ ہم لوگ اپنی آبرو سنبھالے ہوئے اس پنشن میں گزر کرتے تھے۔ ۹ مئی ۱۸۵۷ء کو ہفتہ کے دن ایجنٹی میں ولایت سے حکم آیا کہ آٹھ سو روپے جو والد مرحوم کے انتقال کے بعد آٹھ ماہ تک مجھ کو نہیں ملے تھے، دے دیے جائیں۔ ہفتہ کے دن ایجنٹی میں یہ حکم آیا۔ دوسرے روز چونکہ اتوار تھا اور دفاتر وغیرہ بند تھے اس وجہ سے یہ حکم میرے پاس نہیں پہنچا۔ امید تھی کہ کل دو شنبہ کے دن حکم ہمارے پاس پہنچ جائے گا اور وہ آٹھ سو روپے بھی ہم کو مل جائیں گے کہ ایک دم تلنگوں کی فوج نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو دوشنبہ کے دن دہلی پہنچ کر بلوہ کر دیا اور بلائے آسمانی کی طرح سب کو مصیبت میں مبتلا کر دیا اور چار مہینہ چار دن لڑائی جھگڑے میں گزار دیے۔ آخر شرمندہ ہو کر یہ لوگ دہلی سے پورب کی طرف جہاں کے یہ نمک حرام رہنے والے تھے، چلے گئے۔ ان لوگوں نے راستہ میں سینکڑوں دیہات اور قصبات کو تباہ و برباد کر دیا۔ میرے خیال میں آیا کہ میں ایسے ہنگامہ کا حال لکھ کر اس کتاب کو جس کا نام "نصرت نامہ گورنمنٹ" ہے بطور یادگار چھوڑوں۔ اس واسطے میں نے یہ کتاب تیار کر دی۔

غدر کی ابتدا

۷ فروری ۱۸۵۷ء کو انیسویں رجمنٹ میں جو چھاؤنی برہم پور علاقہ مرشد آباد میں مقیم تھی اچانک کارتوس کاٹنے پر جھگڑا ہوا۔ سرکار انگریزی نے اس بنا پر رجمنٹ برنجہ کے جمعدار اور ایک سپاہی کو پھانسی دے دی اور باقی رجمنٹ سے نافرمانی کے جرم میں ہتھیار رکھوا لیے اور اس کی تنخواہ دے کر اس کو برطرف کر دیا۔ یہ لوگ رجمنٹ سے برطرف ہو کر اطراف و جوانب میں پھیل گئے اور جہاں جہاں تلنگوں کی فوج تھی، وہاں پہنچ کر سپاہیوں کو طعن و تشنیع سے فساد پر آمادہ کیا اور ان سب نے متفق ہو کر دہلی کا رخ کیا۔[1]

سیاست دانوں کا خیال ہے کہ تمام ہنگامہ اودھ کی بربادی کے باعث جو ان لوگوں کا وطن تھا، ہوا۔ اس کے علاوہ جب گوروں کی فوج لکھنؤ کی تسخیر کے واسطے بھیجی گئی تو ان تلنگوں کو خبر نہیں کی گئی۔ یہ بھی ایک بڑی وجہ ان کی بددلی اور شورش کی ہو سکتی ہے۔ نیز یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اس میں لکھنؤ کے معزول بادشاہ واجد علی شاہ کا بھی ہاتھ تھا کیونکہ یہ سب لوگ اودھ کے رہنے والے انہیں کی رعایا تھے، لیکن بظاہر کارتوس کاٹنے کا قصہ مشہور کیا گیا ورنہ یہ کارتوس کا جھگڑا کوئی ایسا اہم قصہ نہ تھا کہ حکام اس کی وجہ سے ایسی سختی برتتے اور ایسی عمدہ فوج کو جو کروڑوں روپیہ صرف کر کے تیار کی گئی تھی اس طرح ایک معمولی سی بات پر ضائع کر دیتے۔ چونکہ تلنگوں کی فوج میں زیادہ تر چھوٹی قوموں کے لوگ تھے اس وجہ سے ان سے

1۔ غدر دہلی کے زمانہ میں باغیوں کو تلنگا اور تلنگے کہا جاتا تھا۔ اور اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ ان کے اکثر ملک تلنگانہ دکن کے باشندے ہوں گے ورنہ باقی لوگ عموماً یوپی (ممالک اودھ و روہیل کھنڈ) کے رہنے والے تھے۔ اور ان کو پوربیہ بھی کہتے تھے۔ انگریزی فوج والوں کو خاکی کہا جاتا تھا کیونکہ ان کی وردیاں خاکی رنگ کی تھیں۔ (حسن نظامی)

ایسی حرکتیں سرزد ہوئیں۔ اگر اسی وقت گوروں کے ساتھ ان کو بھی شریک کر لیا جاتا تو غالباً یہ صورت پیش نہ آتی۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب اکثر لوگ بغاوت پر آمادہ ہو گئے تو پھر باقی جو اس خیال کے نہیں تھے وہ بھی اوروں کی دیکھا دیکھی چار و ناچار بغاوت میں شریک ہو گئے۔[1] الغرض جب تمام فوج جہاں جہاں چھاؤنی میں متعین تھی' فساد پر آمادہ ہو گئی تو سب سے پہلے میرٹھ کی چھاؤنی کی فوج نے ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو فساد شروع کیا۔ فساد کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ فساد سے ایک دن پہلے کرنیل نے اسّی سواروں کو کارتوس کاٹنے کا حکم دیا۔ سواروں نے انکار کیا۔ حکم عدولی کے جرم میں چودہ چودہ برس کی قید کی سزا ان سواروں کو دی گئی۔ دوسرے لوگوں کو خیال ہوا کہ آج ان کو جیل بھیجا گیا ہے' کل کو یہی دن ہمارے لئے رکھا ہے۔ اس وجہ سے تلنگوں کی ماپٹ پلٹن کو ملا لیا اور غدر کر دیا۔ جب بلوہ شروع ہو گیا تو پھر شہر کے لوگ بھی اس میں شریک ہو گئے مگر پھر شہر والے باغیوں سے علیحدہ ہو گئے اور باغیوں نے جیل خانہ توڑ کر قیدیوں کو رہا کر دیا اور کوٹھیوں اور بنگلوں میں آگ لگانی شروع کر دی۔ میرٹھ کی اس کارروائی کے بعد یہ لوگ اسی رات کو دلی کی طرف روانہ ہو گئے اور ۱۱ مئی کی صبح کو ایک آفت ناگہانی کی طرح قلعہ دلی کے جھروکہ کے نیچے پہنچ کر راج گھاٹ دروازہ سے شہر میں داخل ہو گئے۔ حکام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو سب اس ہنگامہ کو روکنے کا کام کرنے لگے۔

کہا جاتا ہے کہ میرٹھ کے انگریزوں نے اس فساد کے واقعات کی اطلاع بذریعہ خط دلی کے کمشنر سیمن صاحب بہادر کو کر دی تھی اور خط بلوائیوں کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے کمشنر صاحب بہادر کے پاس آدمی رات کو پہنچ گیا تھا' لیکن کمشنر صاحب نے وہ خط بغیر پڑھے ہوئے اپنی جیب میں ڈال لیا اور کسی کو خبر نہیں کی ورنہ وہی وقت انتظام کا اچھا تھا۔ اگر ان لوگوں کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی انتظام کر لیا جاتا تو یہ تباہی و بربادی پیدا نہ ہوتی' مگر مجھ کو اس بات کا یقین نہیں ہے' کیونکہ اول تو اتنے بڑے ہنگامہ کی خبر میرٹھ سے بذریعہ تار کمشنر صاحب کو دی جاتی اور اگر چٹھی خلاف وقت بھی پہنچی تھی' پھر بھی ایک ذمہ دار افسر سے یہ بعید ہے کہ وہ اتنے بڑے ہنگامہ کی خبر پا کر چپ چاپ بیٹھا رہے اور کوئی انتظام نہ کرے۔ اس کے علاوہ جنرل ہیوٹ صاحب جو میرٹھ کے کیمپ میں تھے' ان کی بھی تحریر میں کہیں اس امر کا پتہ نہیں چلتا کہ کوئی خط وہاں سے بھیجا گیا تھا۔[2]

بلوائی میرٹھ سے آٹھ بجے دن کے قرار ہو کر دریائے جمنا کے پل سے اس پار چونگی پر حملہ آور ہوئے۔ داروغہ پل نے اس واقعہ کی اطلاع اسی وقت ہنسن صاحب بہادر مجسٹریٹ کو دی۔ صاحب موصوف اسی وقت ان لوگوں کو سمجھانے کے لئے پل پر تشریف لے گئے۔ جناب سیمن فریزر صاحب اس وقت گرجا میں نماز پڑھنے گئے ہوئے تھے۔ جب ان کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی موقع پر پہنچ گئے اور بلوائیوں کو سمجھانا چاہا' لیکن ان کی فہمائش کا کوئی اثر ان پر نہ ہوا۔ بروقت صاحب موصوف کو یہ تدبیر سوجھ گئی کہ انہوں نے کشتیوں کا پل توڑ دیا اور کشتیاں ہٹا لیں۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی اور بلوائیوں کا

۱۔ مصنف نے غدر کے جو اسباب لکھے ہیں' وہ یک طرفہ اور ناقص ہیں۔ سرسید احمد خاں صاحب نے "اسباب بغاوت ہند" کے نام سے جو کتاب لکھی تھی اس میں انگریزوں کی بعض غلطیوں کو غدر کا باعث قرار دیا تھا۔ (حسن نظامی)

۲۔ میرٹھ کی چٹھی کی مفصل بحث میں نے تاریخ غدر دہلی کے آٹھویں حصہ "دلی کی جانکنی" میں لکھ دی ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں خط پڑھا' بعض کہتے ہیں شراب کے نشہ کے سبب نہیں پڑھا۔ (حسن نظامی)

داخلہ رک گیا۔ صاحب موصوف اسی انتظام میں مشغول تھے کہ کچھ لوگ جس طرف سے دریا پایاب تھا شہر میں داخل ہو گئے اور بلا اس امتیاز کے کہ سوداگروں کی کوٹھیاں ہیں یا انگریزوں کی ہیں آگ لگانی شروع کر دی اور لوگوں کے جان و مال کو نقصان پہنچانے لگے۔ ان کا سب سے پہلا مقابلہ سیمن صاحب بہادر کمشنر ڈگلس صاحب بہادر سکرٹری اور ایچ انسین صاحب بہادر مجسٹریٹ سے ہوا جبکہ یہ تینوں متفقہ طور پر شہر کے انتظام میں مصروف تھے' جن میں سے دو اول الذکر پادری صاحب کے ساتھ میگزین میں جا رہے تھے کہ مرزا جوان بخت کے اردلی مسمی مغل اور اللہ داد خاں ولایتی خاصہ بردار نے زینہ میں ان کو قتل کر دیا اور اوپر جا کر پادری صاحب کی دونوں لڑکیوں کو بھی مار ڈالا۔ یہ بھی روایت ہے کہ کمشنر صاحب بہادر نے ایک فیر طمنچہ کا ایک ترک سوار پر کیا تھا جس سے وہ ہلاک ہو گیا تھا۔ بس پھر کیا تھا' یہ لوگ پل پڑے اور تینوں انگریزوں کا تلوار سے کام تمام کر دیا اور بلا امتیاز ولایتی اور کرانی عورتوں اور بچوں کو بھی تلوار کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔[1]

جب اس واقعہ کی اطلاع چارلس لے باس صاحب بہادر جج دہلی اور مرلی صاحب بہادر کلکٹر پرسٹ کو پہنچی تو یہ لوگ کشمیری دروازہ کے مین گارد کے موقعہ پر پہنچ کر ٹھہرے کہ اس اثنا میں تلنگوں کی پلٹن مانپٹ مع افسروں کے مسلح ہو کر مین گارد پر پہنچی۔ اس وقت کرنل صاحب پلٹن نے پلٹن کے سپاہیوں سے نرمی اور چاپلوسی سے کہا کہ یہ وقت سرکار کی خیر خواہی کا ہے اور یہی وقت ہے کہ حق نمک ادا کرتے ہوئے دل و جان سے سرکار کی مدد کی جائے تاکہ اس کے صلہ میں انعام و اکرام کے مستحق ہو جاؤ۔ پلٹن کے سپاہیوں نے وفاداری کا پختہ عہد کیا اور قسم کھائی کہ ہم سب سرکار کے خیر خواہ رہیں گے۔ ہر چند کہ کرنیل صاحب کو ان کی اس قسم کا اعتبار نہیں تھا' لیکن کرتے بھی تو کیا کرتے۔ مجبوراً بذات خود سوار ہو کر مارچ کا حکم پلٹن کو دیا۔ جب صاحب موصوف گرجا کے قریب پہنچے تو چند سواروں نے بندوق کے فائر کیے جس سے ایک ہلکا سا زخم پلٹن کے اجیٹن کے آیا۔ صاحب موصوف نے فیر کا فوراً حکم دیا' لیکن پلٹن والوں نے فیر کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر پلٹن کے انگریز باؤٹ پر چلے آئے اور لے باس صاحب اور مرلی صاحب نیز دیگر انگریز بھی باؤٹ پر پہنچ گئے۔ اسی درمیان میں الگونڈر پلٹن تیار ہو کر باؤٹ پہنچ گئی۔ فوج کے افسروں نے باوجود اس قدر شورش دیکھنے کے پھر بھی تین گھنٹہ مستقل طور پر فہمائش کی' لیکن جب ان کو یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کے دلوں پر سمجھانے کا کوئی اثر نہ ہو گا تو مجبور ہو کر کرنال' پانی پت' شملہ وغیرہ کی طرف روانہ ہو گئے اور منزل مقصود پر پہنچ کر انتقام اور سزادہی کی تدابیر کرنے لگے۔ انہیں لوگوں میں سے جان منکاف صاحب جنٹ مجسٹریٹ دہلی بلوہ کے دن تنہا گھوڑے پر سوار ہاتھ میں ننگی تلوار لیے شہر سے باہر نکلے اور ان ظالموں سے بچتے بچاتے پہاڑ گنج کے تھانہ میں پہنچے۔ مرزا معین الدین حسن خاں تھانے دار صاحب موصوف کو کپڑے بدلوا کر اور تبدیل ہیئت کر کے بہنورا نمبردار گلابی باغ کے پاس پہنچا دیا۔ نمبردار مذکور نے صاحب موصوف کو پہلے تو درگاہ سید حسن رسول نما میں پہنچایا اور پھر پوشیدہ طور پر ایک محفوظ جگہ میں رکھا اور صاحب کے کھانے پینے کا انتظام کر دیا۔ پھر چند دن کے بعد صاحب موصوف کو جھجر پہنچا دیا' لیکن والی جھجر نے تلنگوں کے خوف سے صاحب موصوف کو اپنے ہاں پناہ نہیں دی' بلکہ ملاقات بھی نہیں کی۔ ایک بیان یہ بھی ہے کہ ملاقات تو کی' لیکن جیسا کہ چاہیے تھا اخلاق و مروت سے کام نہیں لیا بلکہ جھجر

۱۔ اس قتل و ہنگامہ کی پوری تفصیل میری کتاب "تاریخ غدر دہلی" کے چوتھے حصہ "بہادر شاہ کا مقدمہ" اور پانچویں حصہ میں درج ہے۔ (حسن نظامی)

میں ٹھہرنے بھی نہیں دیا۔ مٹکاف صاحب نے جب یہ سرد مہری اور بے اعتنائی دیکھی تو وہاں سے رنجیدہ ہو کر چلے گئے۔ عجب زمانہ ہے کہ رئیس جھجر کو یہ ریاست سر ساٹفس مٹکاف صاحب بہادر کی کوشش سے ملی تھی' لیکن انہوں نے اپنے محسن کے بیٹے کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ آخر اس کا نتیجہ بھگتا۔

اب تلنگوں کا حال سنئے۔ تلنگوں کے ساتھ سینکڑوں چمار اور ڈھینے جلاہے مفلس قلاش ہو گئے اور ان سب نے مل کر تمام کوٹھیوں' بنک خزانہ اور تمام دفاتر اور کچہری' کمشنری فوجداری اور کچہری صدر الصدور و منصفی وغیرہ کو آگ لگا دی اور تمام نقد و جنس جو کچھ ہاتھ لگا' لے گئے اور کاغذات مالی اور ملکی سب پھاڑ ڈالے۔ دوسرا کام یہ کیا کہ شیشے کی لالٹینیں جو سڑکوں پر لگی ہوئی تھیں' توڑ پھوڑ کر پھینک دیں اور ان کی لکڑیاں زمین سے اکھاڑ کر تمام شہر کو روشنی سے محروم کر دیا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ ان لوگوں نے تمام شہر اور قلعہ کو گھیر لیا اور میگزینوں پر اور قلعہ کے دروازوں پر قبضہ کر کے ہر جگہ اپنا چوکی پہرہ لگا دیا۔ جب میگزین پر تلنگوں نے قبضہ کیا تو اس وقت ایک عجیب حادثہ پیش آیا۔ چند انگریز میگزین کے ایک برج میں تھے جس میں بارود کے پیپے بھرے ہوئے تھے۔ وہ میگزین اڑ گیا اور ایک ایسی ہیبت ناک آواز ہوئی کہ تمام مکانات شہر کے ہل گئے اور لوگوں کے دل کانپ گئے۔ میگزین کے اڑنے سے پتھر وغیرہ ایسے اڑے کہ اس کے صدمہ سے تقریباً چھ سو آدمی ہلاک ہو گئے۔ جب رات ہوئی تو تلنگوں کی اور دو پلٹنیں جو وزیر آباد کی چھاؤنی میں متعین تھیں' دہلی میں داخل ہوئیں۔ ان کی سلامی میں گیارہ توپیں چلائی گئیں اور یہ سب مل کر ایک ہو گئے اور پھر سب نے مل کر دروازوں اور قلعہ کی نگرانی اور اطراف و جوانب کی نگہبانی وغیرہ کا بندوبست شروع کیا۔ اسی رات شہر کے بدمعاشوں نے چند نقلی تلنگوں کو ساتھ لے کر شہر کو لوٹنا شروع کر دیا اور ساہوکاروں وغیرہ کا مال و اسباب ظلم سے لوٹ لیا اور پھر لوٹ کے بعد مخبری کا پیشہ اختیار کر لیا۔

الغرض جب صبح ہوئی تو تلنگوں کے کہنے سے بادشاہ کی سواری مع شاہزادوں کے چاندنی چوک میں بیگم کے باغ کے دروازہ پر پہنچی۔ بادشاہ نے فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں جان و مال سے تمہارے ساتھ ہوں' لیکن نہ میرے پاس خزانہ ہے نہ فوج نہ ملک' البتہ جب میرا ملک مجھ کو مل جائے گا تو میں تم کو بھی عنایات خسروانہ سے سرفراز کروں گا۔ ان لوگوں نے عرض کی کہ نہ ہم مال کے خواہاں ہیں نہ فوج چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصد تو صرف اتنا ہے کہ بندگان عالی ہماری سرپرستی فرمائیں۔ ہم لوگ اپنا سر حضور کے قدموں پر نثار کرنے کے واسطے تیار ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمام ہندوستان میں حضور کی سلطنت قائم کر کے ابدی نیک نامی حاصل کریں۔ بادشاہ نے جواب میں فرمایا کہ تم جو کچھ کہتے ہو میری بھی دلی آرزو یہی ہے۔ جو کچھ میرے پاس ہے وہ تمہارے واسطے موجود ہے۔ اس کو کھاؤ پیو اور ہمت کر کے مخالفوں کو نکال دو اور میرا سکہ جاری کر دو۔ قریب شام بادشاہ کی واپسی قلعہ میں ہوئی۔ قلعہ میں پہنچ کر بادشاہ نے ارکان دولت سے مشورہ کیا۔ ہر شخص نے اپنے حوصلہ اور عقل کے مناسب بمقتضائے وقت رائے دی۔ آخر اسی صلاح و مشورے میں صبح ہو گئی۔

صبح کو بادشاہ نے دیوان خاص میں دربار کیا اور باغی فوج کے تمام افسران دربار میں حاضر ہوئے اور انتظام ملکی اور سامان جنگ و رسد وغیرہ کے واسطے عرض کیا۔ بادشاہ نے فرمایا میرے جتنے نوکر چاکر ہیں' سب تمہارے ہیں۔ تم سب مل کر جس طرح مناسب وقت سمجھو عمل کرو۔ بظاہر تو لوگ بہت کچھ شیخیاں بگھارتے تھے' لیکن حقیقتاً انجام کے خوف سے ہر

شخص پریشان تھا اور سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

شام کے قریب باغی لوگ ساٹھ انگریز عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لائے اور قیدیوں کی طرح بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ہمارے مذہب میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا سخت گناہ ہے۔ ان کو قلعہ کے جیل خانہ میں نہایت آرام سے رکھا جائے اور ان کے کھانے پینے کی پورے طور پر خبر گیری کی جائے۔ یہ لوگ ایک شبانہ روز قید میں رہے۔ تیسرے روز تلنگوں نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کے واسطے طلب کیا۔ بادشاہ نے ہر چند ان کے قتل سے روکا' لیکن ان سنگ دلوں نے ایک نہ سنی اور ان سب کو جیل خانہ سے نکال کر قلعہ کے نقار خانہ کے نیچے کھڑا کر کے گولیوں اور تلواروں سے قتل کر دیا اور ذرا بھی خوف خدا نہیں کیا۔ لوگ ان کی اس شقاوت قلبی اور بے رحمی سے سخت متنفر ہو گئے اور گالیاں دیتے تھے۔ اس روز سے ان کم بختوں نے یہ ظلم اختیار کیا کہ جس کے گھر چاہتے تھے' گھس پڑتے تھے اور بہانہ یہ کرتے تھے کہ تمہارے گھر میں انگریز چھپے ہوئے ہیں۔ اس بہانہ سے لوگوں کے گھروں میں گھس کر تمام مال واسباب لوٹ لاتے تھے۔

چنانچہ اسی طرح مئی کی ۱۳ تاریخ کو یہ باغی منشی موہن لال صاحب عرف آغا حسن صاحب کے قتل کرنے کو جو سرکار انگریزی کے قدیم خیر خواہ ہیں ان کے گھر میں گھس گئے اور ان کو پکڑ لائے اور چاہتے تھے کہ ان کو قتل کر دیں کہ تمام محلے والے جمع ہو گئے اور ان کو اس حرکت سے روکا اور آخر تمام گھر کا مال واسباب جان کا صدقہ مال سمجھ کر لے گئے اور منشی صاحب کی جان بچ گئی۔

اسی طرح یہ لوگ ڈپٹی رام سرن داس مرحوم کے مکان میں گھسے اور ان کا جتنا مال واسباب تھا' سب لوٹ لیا اور ڈپٹی صاحب کے بھائی ناظر گوبند سرن صاحب کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ بیچارے ناظر صاحب جان کے خوف سے چھپ گئے۔ آخر میاں نظام الدین صاحب خلف میاں کالے صاحب نے جو بادشاہ کے پیر تھے اور ناظر صاحب سے قدیمی اتحاد رکھتے تھے اور ہم عمر و ہم وطن بھی تھے' کوشش کر کے ناظر صاحب کی جان بچائی اور جو کچھ اسباب وزیور باقی تھا' اس کو زمین میں گاڑ دیا' لیکن ڈپٹی صاحب کے نمک حرام کہار ملازموں نے اس کو ہر جگہ سے نکال لیا اور ناظر صاحب بیچارے کے اور ان کے متعلقین کے پاس سوائے ان کپڑوں کے جو جسم پر تھے' کچھ باقی نہ رہا۔ ناظر صاحب نے بڑی تختی اور تنگی سے یہ مصیبت کے دن بسر کئے۔ جب انگریزوں کی عملداری ہوئی تو یہ بیچارے پہاڑ گنج کے تھانہ دار کر دیے گئے۔ انہوں نے اس علاقہ کا بہت اچھا انتظام کیا اور سینکڑوں مجرموں کو گرفتار کیا۔ ان کے حسن انتظام سے سب حکام خوش اور راضی رہے۔

عقل مند اور دور اندیش لوگ مصلحت وقت دیکھ کر جو کام بھی کرتے ہیں' وہ حکمت اور تدبیر سے خالی نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں میں سے حکیم احسن اللہ خاں اور بادشاہ کی خاص بیگم نواب زینت محل بیگم صاحبہ بھی ہیں۔ انہوں نے شاہی شتر کے ذریعہ اس ہنگامہ کی خبر لفٹنٹ گورنر آگرہ کو پہنچائی اور خفیہ طور پر خط وکتابت لفٹنٹ گورنر سے جاری رکھی۔ اس شاہی خط کے جواب میں لفٹنٹ گورنر نے اس مضمون کا خط لکھا کہ ہم کو ان حالات کے سننے سے سخت رنج اور افسوس ہوا۔ آپ اطمینان رکھیں' ہم امید کرتے ہیں کہ عنقریب فساد کا انسداد ہو جائے گا' لیکن چند روز کے بعد لفٹنٹ گورنر کو یہ معلوم ہوا کہ باغیوں کے ساتھ بادشاہ بھی ساز باز رکھتے ہیں تو لفٹنٹ گورنر بہت برہم ہوئے اور بادشاہ کو ایک خط بہت سی شکایتوں کا تہدید آمیز لکھا۔ بادشاہ نے بھی اس خط کا مناسب طریقہ سے جواب دیا۔ چونکہ یہ سب معاملات خفیہ تھے اور یہ خط وکتابت

بالکل پوشیدہ طور پر ہوئی تھی' اس وجہ سے اس کے متعلق کوئی کافی معلومات حاصل نہیں ہو سکی۔ ہاں خیال یہی ہے کہ ضرور لفٹنٹ گورنر بادشاہ کی ان حرکات سے جو انہوں نے کوتاہ اندیشی سے کیں اور باغیوں کے ساتھ ساز باز رکھنے پر برہم ہوئے اور بادشاہ کے دوسرے خط کا جواب بھی خاطر خواہ نہ ملا ہوگا۔[1] افسوس اس کا ہے کہ اگر عمائدین شہر اور بڑے بڑے لوگ متفق ہو کر اس بلوہ کا انتظام کرتے تو یہ صورت پیش نہ آتی اور اس طرح لوگوں کی خانہ بربادی نہ ہوتی اور بادشاہ پر بھی کوئی الزام نہ آتا۔ اب بادشاہ اور رعایا دونوں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ جس وقت بلوائیوں کی فوجیں آئی ہیں' ان سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لیتے اور درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین صاحبؒ میں یا کسی اور اور جگہ چلے جاتے اور باغی فوج کو صاف جواب دے دیتے اور ان سے کوئی سروکار نہ رکھتے تو یہ بات کچھ دشوار نہ تھی' لیکن افسوس اور صد افسوس بادشاہ کی اور ان گمراہوں کی عقل پر کہ ایسے انصاف پرور حاکموں کے ساتھ جو بادشاہ کو ایک لاکھ روپیہ ماہانہ دیتے تھے اور ہر قسم کے آداب شاہانہ بجالاتے تھے۔ نیز لاکھوں روپے عمائدین اور ساکنان شہر کو بلا کسی خدمت کے دیتے تھے' بغاوت کی اور یہ نہیں سمجھا کہ اس عمل داری کے سوا جس کو خدا قیامت تک قائم رکھے' دوسری عمل داری میں سوائے تباہی اور رسوائی کے کیا ہوگا۔[2]

بادشاہ بوڑھے ہو چکے تھے اور عمر طبعی کو پہنچ گئے تھے۔ ان کے لئے زیبا نہ تھا کہ وہ اپنی جان کا اس قدر خوف کرتے اور دور اندیشی سے کام نہ لیتے۔

سرکار کمپنی بہادر کہ قدیمی محسن تھی اس کا خیال بالکل دل سے بھلا دینا اور منافقوں کے ساتھ ہمہ تن شریک ہو جانا بالکل عقل و دانش کے خلاف تھا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ باغیوں کی سپاہ بادشاہ کو قید کر لیتی یا قتل کر دیتی' لیکن اس صورت میں تیموری سلطنت کا نام ہمیشہ قائم رہتا اور سرکار انگریزی بادشاہ اور رعایا کے ساتھ ایسی پرورش کرتی کہ باید و شاید' لیکن مقدرات نہیں بدلتے۔ تقدیر الٰہی یوں ہی تھی کہ ہر شخص خام خیالی اور ناسمجھی کے باعث اس پر متفق تھا کہ انگریزی عمل داری یک قلم صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئی کیونکہ سرکار انگریزی کی ڈاک سب طرف بند ہو گئی۔ لوگوں کی یہ بھی بہت مضبوط دلیل تھی کہ چونکہ سلطنت جنگی فوج اور خزانے اور سامان جنگ پر منحصر ہے اور یہ سب چیزیں باغیوں کے ہاتھ میں ہیں تو سلطنت کس طرح رہ سکتی ہے۔ مجھ کو تو یہ حیرت ہے کہ ان لوگوں کی عقل کو کیا ہو گیا تھا کہ تھوڑی سی باغی فوج کے آ جانے سے ایسا ظاہری اور باطنی اطمینان حاصل ہو گیا کہ بہت سے سرکاری ملازمین اور وظیفہ خواروں نے سینکڑوں التجاؤں سے عہدہ داری کے لئے استدعا کی اور بادشاہی اہلکاروں کی خوشامد کر کے فوج روسیاہ میں عہدوں پر مامور ہو گئے اور اپنے آقاؤں کے ساتھ لڑائی کی ٹھان لی۔

ملک کا انتظام تو فوج کی اطاعت اور بادشاہ کی سیاست دانی پر ہے اور جس جگہ نہ فوج مطیع ہو نہ حاکم سیاست داں' وہاں کا انتظام کیا ہو سکتا ہے۔ اس کا انجام بدگلی ہی ہوگا۔

۱۔ مصنف کتاب نے ملکہ زینت محل اور حکیم احسن اللہ خاں کی نسبت جو کچھ لکھا ہے' وہ دلی کی افواہوں کی بنا پر لکھا ہے' ورنہ میری تحقیقات یہ ہے کہ ملکہ صاحبہ اور حکیم صاحب دونوں بے قصور تھے۔ نہ انہوں نے کسی سے مخبری کی نہ بغاوت کی حمایت کی۔ (حسن نظامی)

۲۔ مصنف کتاب ہذا کی اس رائے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسباب بغاوت ہند سے یا تو اچھی طرح واقف نہ تھے اور یا انہوں نے ان کو لکھنا مصلحت کے خلاف سمجھا اور یا وہ اس کتاب میں اس قسم کے خیالات ظاہر کر کے کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ (حسن نظامی)

لوگوں کے بدخواہ اور دشمن جاسوسوں اور مخبروں نے حکیم صاحب اور بیگم صاحب کی انگریزوں کے ساتھ خفیہ خط وکتابت کا حال باغی فوج سے بیان کر دیا۔ جب ان جاہلوں کو یہ راز معلوم ہو گیا تو یہ لوگ حکیم صاحب کے قتل کے درپے ہو گئے۔ حکیم صاحب ایک بڑے صاحب عقل وفراست آدمی ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ باغی لوگ میرے درپے آزار ہو گئے ہیں اس لئے پہلے تو انہوں نے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ میرا انگریزوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے بعد کارخانجات اور فراہمی رسد وغیرہ کا انتظام جو ان کے متعلق تھا مرشد زادوں کے سپرد کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ (شہزادوں کو مرشد زادہ کہتے تھے)۔

دلی سے انگریزوں کے جانے کے بعد

چوتھے دن فوج اور ارکان دولت کی استدعا پر شاہی پروانے رئیس جھجر بہادر گڑھ راجہ بلب گڑھ اور نواب دوجانہ وفرخ نگر راجہ بے پور والور دگوالیار وبیجابائی اور روسا کے نام شتر سواروں کے ہاتھ روانہ کیے گئے کہ وہ حاضر ہو کر بادشاہی فوج کی مدد کریں اور بذریعہ چوبداروں کے جملہ عمائدین وساکنان شہر کو تاکیدی حکم دیا گیا کہ وہ روزانہ صبح وشام شاہی دربار میں حاضر ہوا کریں۔ شہر کے لوگ تلنگوں کے خوف اور اپنی جان ومال کے ڈر سے شاہی حکم کی تعمیل کرتے تھے اور صبح شام دربار میں حاضر ہوتے تھے' لیکن نواب امین الدین خاں اور ضیاء الدین خاں' فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں مرحوم جاگیردار پرگنہ لوہارو کے بیٹے جو بڑے عقل مند اور سمجھدار اور وظیفہ خوار سرکار کمپنی بہادر کے ہیں' کبھی خوشی سے لال قلعہ میں نہیں گئے۔ اگر بادشاہ چار مرتبہ بلاتے تھے تو یہ ایک مرتبہ جبراً وقہراً حاضر ہوتے تھے' بلکہ چند بار بادشاہ نے ان کی لیاقت اور کاروائی کی بنا پر فوج کے بندوبست اور انتظام ملک کے واسطے اپنی زبان سے فرمایا' لیکن ان لوگوں نے عاجزی اور انکساری سے عذر کر کے انکار کر دیا اور کئی مرتبہ اپنے پرگنہ کو جانے کی اجازت چاہی اور روانگی کے ارادہ سے اپنے بال بچوں کو لے کر شہر کے دروازہ تک گئے' لیکن باوجود انتہائی منت وسماجت کے باغیوں کی فوج نے جو دروازہ پر تعینات تھی' جانے نہ دیا بلکہ گالیاں دیں۔ آخر کار مجبور ہو کر اپنے گھر کو لوٹ آئے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ مرزا مغل اور افسران فوج نے نواب صاحب سے بزور حکومت روپیہ طلب کیا' لیکن نواب صاحب نے کبھی ایک کوڑی نہیں دی اور امروز فردا ہی کرتے رہے' حتیٰ کہ ایک دن نوبت فساد اور کشت وخون تک پہنچ گئی یعنی نواب امین الدین احمد خاں مع اپنے چھوٹے بھائی اور چند ملازموں کے حسب الطلب مرزا مغل کے دربار میں گئے۔ ان کے پہنچتے ہی مرزا مغل نے نواب صاحب سے کہا کہ آپ روپیہ کیوں نہیں دیتے ہیں۔ نواب صاحب نے جواب میں کہا کہ چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں۔ میں تو سپاہی ہوں' میرے پاس سوائے چند طمنچوں اور تلواروں اور ہاتھی گھوڑوں' اونٹوں اور املاک اور فرش اور کپڑوں کے کیا رکھا ہے۔ آمدنی سے زیادہ میرا خرچ ہے۔ قرضدار ہوں۔ میرا پرگنہ سرکش ہے اور یک فصلہ ہے۔ میرے بال بچوں کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیجئے اور میرا سب سامان ہاتھی گھوڑے اونٹ وغیرہ لے کر اپنے خرچ میں لائیے اور مجھ کو رخصت دیجئے کہ میں اپنے پرگنہ پر جا کر اپنی اوقات بسری کی فکر کروں۔ دربار میں چند افسر تلنگوں کے بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک افسر نے جو نہایت جاہل تھا' کھڑے ہو کر مرزا مغل سے عرض کیا کہ اگر ہم کو حکم ہو تو ایک گھنٹہ میں نواب صاحب سے روپیہ لے لیں۔

نواب صاحب ہمیشہ کے مغلوب الغضب آدمی ہیں۔ ان کو اس بات کی برداشت کہاں تھی۔ اس کی یہ بات سنتے ہی بولے کہ تجھ پر طلاق ہے اور تجھ کو کھانا پینا حرام ہے جو مجھ سے روپیہ نہ لے لے اور میرے گھر نہ آئے اور روپیہ نہ لے۔ تیری کیا حقیقت ہے کہ مجھ سے روپیہ لے گا۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو مرزا مغل نے مناسب سمجھ کر دربار برخاست کر دیا اور محل میں چلے گئے۔ نواب صاحب وہاں سے اٹھ کر بادشاہ کے پاس گئے اور اس گفتگو کو دہرایا۔ بادشاہ نے مرزا مغل کو حکم بھیجا کہ فوج نواب صاحب سے روپیہ طلب نہ کرے۔ نواب صاحب وہاں سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلے آئے اور نواب صاحب اور جان منکاف صاحب سے پہاڑی پر خط و کتابت جاری رہی اور ان کا انجام اچھا رہا۔ جب انگریزی لشکر فاتحانہ طور پر دہلی میں داخل ہوا تو اس وقت نواب صاحب موصوف مع اپنے بھائی اور دیگر متعلقین کے اپنا تمام سامان ہاتھی گھوڑے وغیرہ لے کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں مقیم تھے۔ جب انگریزی فوج وہاں پہنچی تو اس نے نواب صاحب کے ہاتھی گھوڑے وغیرہ لے لئے۔ اس کے بعد تمام اسباب نقد و جنس اور کپڑے وغیرہ بھی لے گئے۔ نواب صاحب بیچارے انگریزی فوج والوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو کر مع اپنے متعلقین کے فرخ نگر چلے گئے۔ دو دن وہاں قیام کر کے ریاست دجانہ پہنچے اور وہاں سامان ضروری درست کر کے کمشنر صاحب کی طلبی پر دہلی کے قلعہ میں آئے۔ کمشنر صاحب کی ملاقات کے بعد ان کے حکم سے ایک مکان قلعہ میں پسند کر کے اس میں سکونت پذیر ہوئے۔ چار مہینے تک نواب صاحب قلعہ میں رہے۔ جب روبکاری کے بعد سرکار انگریزی سے ان کی صفائی ہو گئی تو کمشنر صاحب کے فرمانے کے بموجب قلعہ کے باہر پن چکی کے قریب ایک مکان کرایہ پر لے کر اس میں رہنے لگے اور ان کے مقدمہ کی رپورٹ جاگیر و املاک کی واگزاشت کے واسطے صدر میں بھیجی گئی۔ پھر اگست ۱۸۵۸ء میں بموجب حکم گورنمنٹ برطانیہ پرگنہ لوہارو ان کو واپس کر دیا گیا اور وہ یعنی نواب احمد الدین خاں مع اپنے بھائی کے اپنے علاقہ کے بندوبست کے واسطے چلے گئے۔

بادشاہی شقوں کے جواب میں سرداروں اور جاگیرداروں کی عرضیاں اطراف و جوانب سے بدیں مضمون موصول ہوئیں کہ ہم بوجہ بدامنی اور بدانتظامی کے اپنے علاقہ سے غیر حاضر نہیں ہو سکتے البتہ جب یہ ہنگامہ فتنہ و فساد فرو ہو جائے گا اس وقت حاضر ہوں گے۔ یہ سب عرضیاں بادشاہ کے حضور میں پیش ہوئیں اور اکثر وہ لوگ جو شاہی شقے لے کر گئے تھے راستہ ہی میں قزاقوں اور ٹھگوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے۔

بہادر شاہ کا دربار

صبح کو بادشاہ دیوان خاص میں چاندی کی کرسی پر جلوہ فرما ہوئے۔ درباری اہلکار و مرشد زادے اور امرائے نامدار اور عمائدین شہر اپنے اپنے قرینے سے کھڑے ہوئے۔ مرزا ظہیر الدین (میرزا مغل بہادر شاہ کے بیٹے تھے۔ غدر کے زمانہ میں سپہ سالار بنائے گئے اور غدر کے بعد انگریزی افسر ہڈسن کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حسن نظامی) عرف مرزا مغل خلعت فاخرہ اور خطاب سپہ سالاری سے سرفراز کیے گئے اور مرزا ابوبکر مرزا فخرو مرحوم کے بیٹے کو باغیوں کے کل سواروں کی افسری دی گئی۔ مرزا خضر سلطان کو پلٹن ماہٹ کی کرنیلی دی گئی اور محمد بختاور شاہ الگزنڈرا پلٹن کے کرنیل مقرر ہوئے۔ مرزا عبداللہ کو پلٹن بیلی کی افسری ملی اور مرزا قویاش پلٹن کے کرنیل مقرر ہوئے اور مرزا عبداللہ پسر مرزا شاہرخ مرحوم کو پلٹن

جالیسر کی کرنیلی مرحمت ہوئی اور زینت محل صاحبہ نے بلم ٹیر پلٹن کو اپنی ماتحتی میں لیا اور مرزا مینڈھو پلٹن کیپن کی افسری پر متعین ہوئے اور نواب محمد حسن خاں مرزا خضر سلطان کے نائب ہوئے اور مرزا معین الدین حسن صاحب مرزا مغل کی نیابت میں مقرر ہوئے اور میر نواب مرزا قویاش کے نائب ہوئے اور میر نواب پسر میر تفضل حسین وکیل سررشتہ ہوئے اور میر فتح علی وزیر سرائی۔ یہ دونوں آدمی گوڑ گانواں اور گڑھی ہرسرو کی طرف خزانہ لانے کے واسطے روانہ ہوئے اور یہ دونوں آدمی قریب چالیس ہزار روپیہ کے دونوں جگہ سے لائے اور اس خیر خواہی کی بنا پر سپہ سالار کی بارگاہ کے قصر میں داخل ہو گئے۔

اور شاہزادہ محمد عظیم بن شہزادہ جہاں اختر کہ پہلے عہدہ اسسٹنٹی پرمٹ پر بمقام سرسہ سرکار انگریزی کی طرف سے مقرر تھے اب بحکم بادشاہ دہلی ضلع سرسہ کے بندوبست اور وہاں سے خزانہ لانے کے واسطے ایک پلٹن اور دو ضرب توپ اور میگزین وغیرہ لے کر سرسہ گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے ناکام واپس آئے۔ اثنائے راہ میں انگریزی فوج سے مقابلہ بھی ہوا لیکن سوائے پسپائی کے ان سے اور کچھ نہ ہوا۔

دوسرے دن مرزا جواں بخت[1] وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیے گئے اور نواب ولی داد خاں رئیس مالا گڈھ تعلقہ دار ضلع بلند شہر جو بادشاہ دہلی کے قریبی رشتہ دار تھے' خلعت اور نظامت صوبہ دوآبہ سے مشرف ہونے اور راؤ صاحب پرگنہ دادری اور دھوم کو بادشاہ کی جانب سے خلعت اور خطاب اور نقارہ و نشان مرحمت ہوا اور خدمت رسد رسانی اور انتظام راہ شاہدرہ سے مالا گڈھ تک کی سپرد کی گئی اور مسمی سائیل انگریزوں کی رسد چھیننے کے لئے باغپت کے علاقہ پر تعینات ہوئے۔ چند روز انہوں نے ہنگامہ جاری رکھا' لیکن کرم علی خاں ڈپٹی کلکٹر کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ان کے بعد ان کا نواسہ ان کی جگہ پر مقرر ہوا اور یہ بہت دن تک لوٹ مار کرتا رہا۔ فوج شاہی کے فرار ہونے تک اس کی ڈاکہ زنی جاری رہی۔

ہر چند کہ مرشد زادے اور بعض عمائدین اپنی بے عقلی اور طمع نفسانی کی وجہ سے خلعت اور خطاب کے ملنے سے خوش تھے' لیکن تمام عقل مند لوگ اس خلعت کو کفن ہی سمجھتے تھے۔

نواب ولی داد خاں سند صوبے داری دوآبہ لے کر ۲۶ مئی ۵۷ء کو بادشاہ سے اجازت لے کر چند سپاہیوں اور تلنگوں اور رنگروٹوں کے ساتھ مالا گڈھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں[2] خود اور منشی موہن لال عرف آغا حسن جان بھی چونکہ تلنگوں کے رات دن کے مظالم سے تنگ آ گئے تھے' اس لئے نواب صاحب مذکور کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ ہر چند کہ آغا حسن جان قدیمی نمک خوار اور خیر خواہ سرکار انگریزی کے تھے اور میں بھی سرکاری وظیفہ خوار ہوں' ہم لوگوں کے واسطے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا کہ ایسے بدخواہ اور دشمن سرکار انگریزی کے ساتھ جائیں' لیکن چونکہ روانگی کے وقت نواب ولی داد خان نے قسم کھائی تھی اور عہد و پیمان کیا تھا کہ میں سرکار انگریزی سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا۔ ظاہرا بادشاہ کا خیر خواہ رہوں گا' لیکن دل سے انگریزوں کی خیر خواہی کروں گا۔ اس وجہ سے ہم لوگ ان کے عہد و پیمان پر بھروسہ کر کے ان کے ساتھ ہو لئے تھے۔ آخر کار پشیمانی اٹھانی پڑی۔[3]

۱۔ مرزا جواں بخت بہادر شاہ کے لاڈلے بیٹے تھے۔ ملکہ زینت محل ان کی والدہ تھیں۔ (حسن نظامی)

۲۔ یعنی مصنف کتاب۔

۳۔ معلوم ہوتا ہے مصنف کتاب سے باز پرس ہوئی ہو گی اس لئے ان کو یہ عذر کرنا پڑا۔ (حسن نظامی)

نواب صاحب مذکور اول غازی نگر پہنچے اور وہاں کا انتظام کیا۔ وہاں کے تحصیلدار اور تھانہ دار نے حاضر ہو کر نواب صاحب کو نذر گذرانی اور حکومت دوآبے کی مبارک باد دی۔ نواب صاحب نے وہاں کا انتظام کر کے سو سپاہی سڑک کی نگہبانی اور قصبہ کے انتظام کے واسطے تحصیلدار اور تھانے دار کے متعلق کئے اور مسمی مہربان علی خان اور مظفر علی خان کو مع ان کے دونوں بھائیوں کے جو امروہہ کے رہنے والے تھے سواروں میں رکھ کر ایک رات دن وہاں قیام کیا اور مذکورہ سواروں کو لے کر روانہ ہوئے۔ ایک رات موضع داوری میں ٹھہرے۔ تیسرے دن شام کے قریب مالا گڈھ میں داخل ہوئے اور دو روز کے بعد ہر پرشاد مختار کے ہاتھ ظاہری چاپلوسی سے آموں اور خربوزوں رنگتروں کی چند ڈالیاں سپٹ صاحب کلکٹر ضلع بلند شہر کی خدمت میں بھیجیں۔ ہر پرشاد مختار نے بعد رسم سلام وغیرہ کے ڈالیاں کلکٹر صاحب کو پیش کیں۔ صاحب ممدوح نے نہایت خندہ پیشانی سے نواب صاحب کا حال پوچھا اور ڈالی قبول کر لی۔ دو دن کے بعد نواب صاحب منشی موہن لال صاحب عرف آغا حسن جان اور محمد اسمٰعیل خان کو ہمراہ لے کر مع چند سواروں کے کلکٹر صاحب سے ملاقات کرنے کو گئے۔ ایک باغ میں جو بلند شہر سے متصل تھا دونوں کی ملاقات ہوئی۔ نواب صاحب نے دیر میں پہنچنے کا عذر کیا اور خیر خواہی کا آئندہ کے واسطے اقرار کیا اور بہت سی باتیں ظاہر داری کی بنائیں جس سے صاحب بہت خوش ہوئے۔ نواب صاحب رخصت ہو کر چلے آئے اور تین دن کے بعد پھر حاجی محمد منیر خاں و آغا حسن جان صاحب اور محمد اسمٰعیل خان صاحب کو ہمراہ لے کر مع ہر پرشاد مختار کے کلکٹر صاحب سے ملاقات کرنے گئے اور بیان کیا کہ میں سرکار انگریزی کا قدیمی وظیفہ خوار ہوں۔ صرف ظاہری طور پر صوبہ دوآبہ کی سند لے کر اپنی جان بچائی ہے کہ بغیر اس صورت کے کوئی صورت ممکن نہ تھی' لیکن سرکار کی خیر خواہی میں کوئی امر خلاف مرضی سرکار کے نہ ہوگا۔ کپتان تھرٹ صاحب اور سپٹ صاحب نے کہا کہ آپ کے بزرگوں نے خیر خواہی کی بنا پر اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا اور صاحب جاگیر ہوئے۔ اگر آپ بھی اسی طرح خیر خواہ سرکار انگریزی رہیں گے تو آپ کی بھی آپ کے بڑوں کی طرح پرورش کی جائے گی۔ بصورت دیگر بجز پشیمانی اور کچھ حاصل نہ ہوگا' اس لئے کہ ہمارے چند انگریزوں کے مر جانے سے ہماری کل قوم مفقود نہیں ہو سکتی۔ آپ دیکھیں گے کہ چند روز کے بعد ہزاروں گورے اور سینکڑوں صاحب لوگ تمام ہندوستان میں نظر آئیں گے۔ نواب صاحب نے یہ سب باتیں تسلیم کیں اور رخصت ہو کر مالا گڈھ میں پہنچے۔

دوسرے دن نمبردار موضع سائل پور جس کے بیٹے چاند خان کو کلکٹر صاحب نے بغیر ثبوت جرم پھانسی دے دی تھی' سو سوار اور پچاس پیادوں کو ساتھ لے کر نواب صاحب کی خدمت میں آیا اور کلکٹر صاحب کی شکایت کی۔ نواب صاحب نے کہا کہ تم خاطر جمع رکھو اچھی طرح سمجھا جائے گا۔

موہن لال صاحب نے از راہ خیر خواہی ان تمام حالات سے بذریعہ چٹھی انگریزی کلکٹر صاحب کو اطلاع دے دی۔ یہ اطلاع ملنے پر کلکٹر صاحب نے ایک خط نواب ولی داد خاں کو اس مضمون کا لکھا کہ سننے میں آیا ہے کہ موضع سائل پور کے زمیندار آپ کے اغواسے دنگا فساد کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو تم کو پھانسی دے دی جائے گی اور علاقہ ضبط ہو جائے گا۔ نواب ولی داد خاں نے اس کے جواب میں ایک خط عذر و لجاجت آمیز لکھا اور اس میں یہ بھی لکھا کہ میں فرمانبردار ہوں۔ اگر حکم ہو تو حاضر ہوں اور آپ کی خدمت کروں اور علاقہ تعلقہ جس کو آپ حکم دیں' اس کے سپرد کر دوں اور خود دوسری

جگہ چلا جاؤں۔ اس کے جواب میں کلکٹر صاحب نے دوسرا خط صلح و آشتی کا لکھا۔ چونکہ دونوں طرف سے ظاہری دکھاوے کی باتیں تھیں' اس لئے کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور نواب ولی داد خاں کا نتیجہ برا ہوا۔

مالا گڈھ پہنچنے کے بعد وہاں کی نزاکت سے مغرور ہو کر چند روز تو جبراً قہراً اپنے قول و قرار پر قائم رہے اور جب مفسدوں کی فوج وغیرہ فراہم ہو گئی تو سرکشی پر کمر باندھی اور رہزنی اختیار کر کے سرکاری ڈاک روک لی اور سامان جنگ کی فراہمی میں مشغول ہو گئے اور ہم دونوں کو خیر خواہ سرکار انگریزی سمجھ کر اور مخبر و جاسوس جان کر ایک کوٹھڑی میں قید کر دیا۔ ذرا خیال مروت نہ کیا۔ صاحب کلکٹر تعلقہ داروں کی انحرافی سے ناراض ہو کر اور مصلحت وقت دیکھ کر میرٹھ چلے گئے اور اس حال کی رپورٹ لفٹنٹ گورنر کو دے دی۔ ایک ہفتہ کے بعد جب صاحب کلکٹر کو معلوم ہوا کہ مفسدوں کی فوج پورب سے آئی ہے اور انہوں نے بلند شہر میں پڑاؤ کیا ہے تو سب اسباب وغیرہ چھوڑ کر ہاپڑ کی طرف چلے گئے۔ جب ولی داد خاں کو صاحب کلکٹر کے چلے جانے کی خبر معلوم ہوئی اور معلوم ہوا کہ بلند شہر حکام سے خالی ہو گیا ہے تو اسی وقت محمد اسمٰعیل خان کو پچاس سوار اور چالیس تلنگے اور ایک توپ دے کر بلند شہر کے انتظام کے واسطے روانہ کیا۔ اسمٰعیل خان نے اسی وقت بلند شہر پہنچ کر وہاں کا انتظام اور شہر کا بندوبست کیا اور کلکٹر صاحب کا اسباب کوتوالی میں منتقل کر دیا۔ علی الصباح کلکٹر صاحب یہ سن کر کہ باغیوں کی فوج مقام چولا سے جو بلند شہر سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے' گزرے گی' بلند شہر میں داخل ہوئے اور اسمٰعیل خان کو طلب کیا۔ اس وقت اسمٰعیل خان نواب صاحب کے کام میں لگے ہوئے تھے اور کلکٹر صاحب نے جو توپیں مالا گڈھ سے منگوا کر کوٹھی میں ڈلوادی تھیں' وہ نکلوا رہے تھے اور تقریباً چالیس تلنگے اور ایک توپ گراب سے بھری ہوئی کوتوالی کے دروازہ پر لگی ہوئی تھی۔ محمد اسمٰعیل خان اس طرف روانہ ہوئے اور کلکٹر صاحب دوسری طرف سے دونوں سے بازار میں ملاقات ہوئی۔ کلکٹر صاحب نے کوتوالی کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور اپنے ہمراہی سواروں سے کہا کہ اس جگہ ہم کو دغا معلوم ہوتی ہے۔ کلکٹر صاحب کے خیال میں یہ بات آئی کہ توپ اور تلنگے ہم سے لڑنے کے واسطے کھڑے ہیں۔ ہر چند اسمٰعیل خان نے اس بارہ میں بے حد انکار کیا' لیکن کلکٹر صاحب نے کچھ نہ سنا اور ایک طمنچہ کا فیر کیا۔ ایک شخص کے پاؤں میں لگا۔ اس وقت تلنگوں نے بھی توپ میں بتی لگائی اور کلکٹر صاحب تین گراب کھا کر مع دو سو سواروں کے ہاپڑ کی طرف چلے گئے اور محمد اسمٰعیل خان مہربان علی خان کو بلند شہر کا کوتوال بنا کر اور وہاں کا انتظام کر کے نواب صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے اور اس معرکہ کا سارا حال ان سے بیان کیا۔ اسی دن سے تباہی اور فساد کی جڑ قائم ہوئی اور دونوں جانب سے خط و کتابت اور ظاہری اتفاق موقوف ہو گیا اور دن بدن عداوت و رنجش بڑھتی گئی یہاں تک کہ لڑائی کی نوبت پہنچ گئی۔

چونکہ گورنر جنرل کا حکم کمانڈر انچیف اور تمام صاحب لوگوں کے پاس پہنچ گیا تھا کہ فتح دہلی تک کسی سے جنگ نہ کی جائے' اس لئے کلکٹر صاحب نے نواب صاحب کی سزا دہی کا خیال نہیں کیا اور گورنر جنرل کے حکم کی تعمیل میں میرٹھ کی طرف چلے گئے اور نواب صاحب سامان جنگ کی فراہمی اور سواروں کی دیکھ بھال میں مشغول ہو گئے اور حکام انگریزی دہلی کی جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ اسی زمانے میں تقریباً تین سو سپاہی تلنگے روتے پیٹتے نواب ولی داد خاں کے پاس پہنچے اور بیان کیا کہ ہم بہت کچھ سامان نقد و جنس لے کر مالا گڈھ کی طرف آ رہے تھے کہ موضع کلی بوند کے زمینداروں نے ڈاکہ ڈال کر ہم سب کو گرفتار کر لیا اور سب سامان وغیرہ چھین کر موضع سے باہر نکال دیا۔

نواب صاحب نے محمد اسمٰعیل خان کو جو بہادر اور دلیر آدمی تھے پچاس سوار اور دو توپیں دے کر موضع کلی بتونہ سے وہ تمام سامان جو وہاں کے زمینداروں نے تلنگوں سے چھین لیا تھا' واپس لانے کے واسطے بھیجا۔ محمد اسمٰعیل خان موضع مذکور میں اپنے کیل کانٹے سے درست ہو کر پہنچے اور وہاں کے زمینداروں سے وہ سامان طلب کیا۔ وہاں کے زمیندار اور نمبر دار وغیرہ بہت عقل مند تھے۔ انہوں نے چار دن تک اسمٰعیل خان کی خوب خاطر مدارات کی اور اندر ہی اندر خفیہ طریقہ سے زنیل صاحب کلکٹر سابق بلند شہر کو خبر بھیج دی۔ کلکٹر صاحب کو جونہی خبر ملی' وہ فوراً اسی وقت دو سو سوار اور دو توپیں لے کر موضع مذکور کی طرف روانہ ہو گئے اور صبح کو جب قریب پہنچ گئے تو کسی شخص نے اسمٰعیل خان کو ان کے آنے کی خبر پہنچا دی۔ اسمٰعیل خان اسی وقت سوار ہو کر راستہ سے بچ کر مالا گڈھ پہنچ گئے اور کلکٹر صاحب موضع کلا وٹی جو موضع کلی بتونہ کے قریب ہے اور نواب صاحب کے علاقہ میں ہے' پہنچے اور پوچھا کہ اسمٰعیل خان کہاں ہے جو نائب صوبہ ہے۔ صوبہ بھاگتا نہیں ہے۔ یہ کس طرح کا نائب ہے کہ لڑائی کے خوف سے بھاگ گیا۔ اس قسم کی باتیں کر کے میرٹھ واپس چلے گئے۔

چند روز اس طرح گزرنے کے بعد نواب صاحب نے محمد اسمٰعیل خان کو ڈیڑھ سو سوار اور دو سو پیادے اور تین توپیں اور میگزین وغیرہ دے کر روانہ کیا اور ایمن گوجر کی ایک ہزار گوجروں کی جمعیت بھی ساتھ لی اور موضع کلی بتونہ کی طرف روانہ کیا۔ یہ لوگ موضع مذکور کے لوٹنے کے واسطے روانہ ہوئے۔ موضع مذکور کے زمینداروں نے معرکہ سے دو تین روز قبل نواب صاحب کے توپچیوں کو روپیہ کا لالچ دے کر بلکہ کچھ تھوڑا بہت پیشگی بھی دے کر اپنا طرفدار بنا لیا تھا۔

موضع مذکور کے زمینداروں نے بہت کچھ منت سماجت اور عاجزی وانکساری کی اور دو ہزار روپیہ نقد اور نذر بھینٹ قاعدہ کے موافق محمد اسمٰعیل خان کو پیش کی' لیکن اسمٰعیل خان نے کچھ نہیں لیا اور کہا کہ جب تک دس ہزار روپیہ نقد اور کل مال وجنس تلنگوں اور مسافروں کا جو لوٹا ہے' نواب صاحب کی خدمت میں نہ پہنچا دو گے' لڑائی سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ اسی تکرار میں ایک رات دن گزر گیا۔ دوسرے روز دوپہر کے قریب دونوں طرف سے لڑائی ٹھن گئی۔ توپچیوں نے توپیں مارنی شروع کر دیں کہ ایک دم تقریباً تین ہزار جاٹ تلواریں اور تفنگ ہاتھوں میں لئے ہوئے مقابلہ کے لئے نکلے۔ پہلے مسمی ایمن گوجر جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے' مع اپنی جماعت کے اسمٰعیل خان کو چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلا۔ اس کے بعد محمد اسمٰعیل خان کے کل توپچی تینوں توپوں کو چھوڑ کر گاؤں میں بھاگ کر داخل ہو گئے۔ یہ رنگ جب سواروں نے دیکھا کہ توپچی اور گوجر بھاگ گئے تو وہ بھی جاٹوں کی کثرت دیکھ کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب صرف اسمٰعیل خان اپنی بہادری اور جرأت سے تیرہ سواروں کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے۔ آخر ایک گولی محمد اسمٰعیل خان کے لگی اور وہ بھی زخمی ہو گئے۔ جب محمد اسمٰعیل خان زخمی ہو گئے تو ان کے ہمراہی سوار ان کو سمجھا بجھا کر لڑائی کے میدان سے ہٹا لائے اور مالا گڈھ کی طرف ان کو لے گئے۔ جب اس طرح لڑائی کا خاتمہ ہو گیا تو موضع کے زمیندار تینوں توپیں میدان جنگ سے اٹھا کر لے گئے۔

محمد اسمٰعیل خان زخمی ہو کر جب مالا گڈھ میں پہنچے تو نواب ولی داد خاں نے مصلحت وقت سمجھ کر محمد اسمٰعیل خان کی بہت دلجوئی کی اور ان کی مرہم پٹی کی' لیکن محمد اسمٰعیل خان چونکہ ایک بہادر آدمی تھے' وہ اپنی اس شکست سے نہایت غمگین اور ملول تھے اور کہتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو گا یا تو موضع کلی بتونہ کو تباہ و برباد کر کے چھوڑوں گا یا اپنی جان دے دوں گا۔ اس

ہزیمت اور پسپائی سے جو کچھ عزت اور دھاک نواب صاحب محمد اسمٰعیل خان کی تھی' بالکل جاتی رہی۔ اس کے بعد سے نواب صاحب کے علاقہ میں بدعملی اور بے ترتیبی چاروں طرف پھیل گئی اور ان کی ہوا اکھڑ گئی۔ روپیہ بھی وصول ہونا بند ہو گیا اور آنے جانے والوں کا راستہ رک گیا۔ اس شکست کا نواب صاحب پر بھی یہ اثر ہوا کہ انہوں نے دو وقت تک کھانا نہیں کھایا بلکہ ایک روز تو شرم کے مارے گھر میں سے نہیں نکلے' نہ کسی سے بات چیت کی۔ جب یہ خبر حکام انگریزی کو پہنچی تو وہ بہت خوش ہوئے اور خوب ہنسے۔

اگرچہ نواب ولی داد خاں کے پاس تقریباً سات ہزار سوار اور تین ہزار پیادے رنگروٹ تھے' اس کے علاوہ ضرورت کے لائق ہر قسم کا سامان بھی موجود تھا اور روپیہ پیسہ بھی انہوں نے بہت پیدا کر لیا تھا' لیکن جس دن سے موضع کلی بھونہ کے زمینداروں نے شکست دی تھی' اس روز سے وہ باوجود اپنی اس جماعت کثیر کے مطمئن نہ تھے' نہ ان کے چہرہ پر بشاشی تھی۔

چند روز میں محمد اسمٰعیل خان کے زخم اچھے ہو گئے اور ان کا ارادہ تھا کہ کلی بھونہ کے لوگوں کو اس کی سزا دوں کہ اتنے میں اچانک ایک دن صبح کو دو ہلکارے مالا گڈھ پہنچے اور انہوں نے خبر دی کہ ڑنیل صاحب نے دو سو گورے اور تین سو سوار دیسی اور چار توپیں لے کر ہاپڑ کے میدان میں پڑاؤ کیا ہے اور ان کا ارادہ مالا گڈھ پر حملہ کرنے کا ہے۔ یہ خبر سن کر محمد اسمٰعیل خان نے نواب صاحب سے کہا کہ مالا گڈھ اور ہاپڑ کے درمیان صرف بارہ کوس کا فاصلہ ہے۔ تعجب نہیں ہے کہ یہ خبر سچ ہو۔ چونکہ ڑنیل صاحب بہت بہادر آدمی ہیں' ایسا نہ ہو کہ وہ رات کو چھاپہ ماریں' اس لئے مناسب ہے کہ میں اسی وقت فوج لے کر راستہ روک دوں۔ نواب صاحب نے بھی اس کو مناسب جانا' چنانچہ اسی دن قریب شام کے محمد اسمٰعیل خان اور حاجی محمد منیر خان ساڑھے تین سو سوار اور دو سو پیادے ساتھ لے کر موضع گلاؤٹی کی طرف جو ہاپڑ اور مالا گڈھ کے درمیان ہے' روانہ ہو گئے۔ گلاؤٹی کے لوگ انگریزی لشکر کے خوف سے گاؤں چھوڑ کر ایک نالے کے پل پر جو گلاؤٹی اور ہاپڑ کی سڑک پر ہے' پڑے ہوئے تھے اور وہیں رات بسر کی تھی۔ ہندوستانی فوج کے سپاہی جیسی آمادگی اور ہوشیاری دکھلاتے تھے' ویسی ہوشیاری و آمادگی ان میں نہ تھی' اس لئے اسمٰعیل خان کے ہمراہی جو رنگروٹ تھے اور کبھی ان کو لڑائی بھڑائی کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔ کچھ تو زین بچھا کر سو گئے' کچھ پیادے بیٹھے ہوئے تھے' کچھ شراب پی رہے تھے کہ یکایک صبح کاذب کے وقت ڑنیل صاحب اپنی فوج لئے ہوئے نواب صاحب کی فوج پر بجلی کی طرح آن پڑے۔ اندھیرے کی وجہ سے کچھ پتہ نہ چلا۔ دوست دشمن کی تمیز نہ تھی۔ اس معرکہ میں تقریباً چالیس پیادے نواب صاحب کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل گئے اور کچھ سوار مارے گئے اور چند زخمی ہوئے اور اسمٰعیل خان بھی زخمی ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسمٰعیل خان کی تمام فوج پراگندہ اور منتشر ہو کر اس طرح بھاگی کہ کچھ تو خان پور کی طرف منہ اٹھا کر چل دیئے' کچھ خورجہ اور بلند شہر کی طرف نکل گئے۔ کچھ قصبہ بگراسی چلے گئے۔ الغرض جس کا جدھر منہ اٹھا چل دیا۔ تین سو پچاس سواروں میں سے ستر سوار مالا گڈھ میں پہنچے۔ باقی اِدھر اُدھر چھپ گئے۔

ڑنیل صاحب نے توپیں مارتے ہوئے بھاگنے والوں کا گلاؤٹی تک پیچھا کیا اور گلاؤٹی پہنچ کر وہاں کے تحصیل دار اور نمبردار کو گرفتار کر لیا اور جتنا روپیہ باقی کا چاہیے تھا' سب وصول کر لیا۔ دو گھنٹہ وہاں قیام کر کے پھر ہاپڑ کی طرف واپس

ہو گئے۔

نواب ولی داد خاں کے پاس جب بھگوڑے سپاہی پہنچے تو وہ بہت لال پیلے ہوئے اور سپاہیوں پر بڑی لعنت ملامت کی۔ تین دن میں تمام بھاگے ہوئے لوگ پھر مالا گڈھ میں جمع ہو گئے۔ نواب صاحب بہت غمگین اور رنجیدہ تھے کہ اسی دن امیر علی خان و امراؤ بہادر پسران نواب مظفر علی خان رئیس کھلیا چھ سو سوار اور چار سو پیادے لئے ہوئے نواب صاحب کی مدد کے لئے مالا گڈھ آئے۔ ان لوگوں کے آنے سے نواب صاحب کو بہت تقویت ہو گئی۔

دو مہینہ کے بعد آخر جولائی ۵۷ء میں منشی موہن لال' آغا حسن جان اور میں بہت کوشش اور جان جوکھوں سے سپاہیوں اور پہرے والوں کو غافل پا کر نکل بھاگے اور گرتے پڑتے خان پور میں نواب محمد مصطفیٰ خان اور نواب غلام علی خان کے پاس پہنچے اور خدا کا شکر ادا کیا۔ زیادہ تر شکر کا باعث یہ ہے کہ ہم لوگوں کے بھاگنے کے تیسرے روز ایک شخص زین العابدین میاں زکی شاعر کا چھوٹا بھائی مع پچاس سواروں کے نواب ولی داد خان کے ساتھ حق دوستی ادا کرنے اور اپنی دینداری جتلانے کے لئے صرف میرے اور موہن لال کے قتل کرنے کے واسطے مراد آباد سے مالا گڈھ آیا اور اس قدر قتل پر آمادہ و تیار تھا کہ کہتا تھا جب تک ان دونوں کو قتل نہیں کر لوں گا' کمر نہیں کھولوں گا' لیکن جب باوجود بے حد تلاش و جستجو کے ہم لوگ اس کے ہاتھ نہ آئے تو تھک کر بیٹھ رہا۔

ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

رئیس مالا گڈھ کی نمک حرامی اور انگریزوں کے ساتھ بغاوت اور مقابلہ و شکست کی خبریں بذریعہ اخبار و انگریزی گزٹ تمام لوگوں کو معلوم ہو گئی ہیں اور محتاج بیان نہیں ہیں' اس لئے میں نے بوجہ طوالت بیان اور کسر شان سرکار انگریزی ان کا اعادہ نہیں کیا کیونکہ ایک زمیندار کے ساتھ لڑائی جھگڑے کا ذکر نازیبا ہے۔ ہاں بمقابلہ جنگ فرنگ کے ذکر سلطان روم اور شاہ روس و فرانس کا کیا جاوے تو مناسب ہے۔

قصہ مختصر اب میں کچھ ذکر دلی کی پہلی چہل پہل اور موجودہ بے رونقی کا کرتا ہوں۔

خدا تلنگوں کو برباد کرے۔ ان کے قدموں کی نحوست سے دلی ایسی برباد ہوئی کہ ہر طرف ہُو کا عالم نظر آتا تھا۔ بازار خاک کوڑے سے اٹے پڑے تھے۔ مکانوں کی حالت پاخانوں سے بدتر ہو رہی تھی۔ سڑکوں پر پیشاب پاخانوں کی نہریں جاری تھیں۔ برخلاف اس کے انگریزی عملداری میں جو رونق دلی کی تھی اس کو دیکھنے والے ہی بتا سکتے ہیں۔

اب وہ وقت آ گیا ہے کہ آسمان کینہ پرور میموں اور معصوم بچوں کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہو گیا اور انگریز آمادہ جنگ ہو گئے۔

پہلا معرکہ

اچانک یکم جون ۵۷ء کو صبح کے وقت تلنگوں کے لشکر میں خبر پہنچی کہ گوروں کی فوج غازی آباد کے میدان میں جمع ہوئی ہے۔ یہ سن کر ادھر سے مرزا خضر سلطان' مرزا عبداللہ' میر نواب اور نواب محمد حسن خان تین پلٹن چھ سو سوار اور چھ توپیں اور بہت سا میگزین وغیرہ لے کر مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان لوگوں نے ہنڈن ندی کے پل کے قریب مقام کیا۔ یہ

لوگ ابھی اپنے مورچے بھی قائم نہ کرنے پائے تھے کہ انگریزی فوج نے تابڑ توڑ گولے اور گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ تلنگوں کی فوج ابھی سنبھلنے بھی نہ پائی تھی' لیکن مستعد ہو کر مقابلہ میں ڈٹ گئی۔ پھر تو دونوں طرف سے گولوں اور گولیوں کا وہ مینہ برسا کہ الٰہی توبہ۔ تمام میدان دھواں دھار ہو گیا۔ اتفاق وقت کہ انگریزی سپاہیوں نے کچھ ایسی تیزی سے گولے برسائے کہ تلنگوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلنگے تین توپیں اور کئی سو بندوقیں اور بہت سا سامان جنگ میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے اور قلعہ کے دروازہ سے شہر میں داخل ہو گئے۔ گوروں نے ان لوگوں کا پیچھا نہیں کیا بلکہ غازی نگر ہی میں قیام کر کے جن لوگوں پر بدخواہی سرکار انگریزی کا گمان تھا' ان کو سزائیں دیں اور مقتولین کو دفن کیا اور زخمیوں کو ساتھ لے کر بموجب حکم کمانڈر انچیف دوسرے لشکر کے ساتھ شامل ہونے کے واسطے علی پور کی طرف دوسرے دن روانہ ہو گئے۔

باغیوں کی فوج نے ابھی کمریں بھی نہ کھولی تھیں کہ انگریزی لشکر نے علی پور پہنچ کر کامیابی کا جھنڈا گاڑ دیا۔ جب یہ خبر باغیوں کو پہنچی تو یہ لوگ بھی لڑائی کے لیے تیار ہو گئے اور میر نواب پسر میر تفضل حسین وکیل و میر فتح علی مرزا مغل سپہ سالار کے حکم سے بہت سی فوج اور توپیں اور سامان جنگ لے کر علی پور روانہ ہو گئے۔ چار گھڑی دن باقی تھا کہ یہ لوگ علی پور کے قریب پہنچ گئے اور سرائے باؤلی پر ڈیرے ڈال دیے۔ دن نکلنے سے پہلے ہی انگریزوں نے ایک عجیب چال چلی یعنی پانچ سو گوروں نے لباس بدل کر عمامہ وغیرہ باندھ کر بالکل مسلمانوں کی شکل بنالی اور اپنے دو سواروں کے ہاتھ باغیوں کی فوج میں کہلا بھیجا کہ ہم مسلمان ہیں اور چوتھے رسالہ کے ہیں۔ بادشاہی فوج میں شامل ہونے کے واسطے آئے ہیں۔ ان لوگوں کو یقین آ گیا اور اجازت دے دی کہ آئیے اور دینی لڑائی میں شرکت کیجیے۔ گورے مخالفین کے لشکر کے قریب ہی جواب کے منتظر کھڑے تھے۔ اجازت ملتے ہی باغیوں کی فوج میں چلے آئے اور زور سے کہا السلام علیکم اور سامنے آتے ہی ان غافل لوگوں پر بندوقوں کی ایک باڑھ چلائی۔ ظاہر ہے کہ بے خبری کے عالم میں ان پر حملہ کا کیا اثر ہوا ہو گا۔ پانچ سو بندوقوں کی ایک دم باڑھ نے تلنگوں کے حواس کھو دیئے۔ آخر اس اچانک حملہ سے گھبرا کر گیارہ توپیں اور میگزین وغیرہ چھوڑ کر بھاگے۔ گوروں نے تعاقب کیا اور باڑھ مارتے ہوئے اجمیری دروازہ کی فصیل تک پہنچ گئے۔

جب بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ پہلی بسم اللہ ہی غلط ہوئی۔ اب دیکھیے آئندہ کیا ہوتا ہے۔

گوروں کی فوج اجمیری دروازہ سے واپس ہو گئی اور پہاڑی کے مورچہ اور باؤنڈ کے مورچے جن پر تلنگوں کا قبضہ تھا' حسن تدبیر سے لڑ بھڑ کر چھین لیے۔ اگر انگریزوں کو منظور ہوتا تو اسی دن دہلی فتح ہو جاتی' لیکن انگریزوں نے احتیاطاً شہر میں قدم نہیں رکھا اور پہاڑی اور باؤنڈ کی ان توپوں کا منہ جو تلنگوں سے حاصل کی تھیں' قلعہ کی طرف کر دیا اور ایسے قرینہ سے توپیں لگائیں کہ باغیوں کو ایک قدم آگے بڑھنے اور ایک منٹ وہاں ٹھہرنے کی تاب نہ رہی۔

ایک دن چھاؤنی نصیر آباد کی فوج ہمت کر کے پہاڑی مورچے پر پہنچ گئی اور اس مورچہ کی توپیں چھین لیں اور کچھ گوروں کو قتل کر دیا۔ کچھ گورے توپیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ انگریزی افسروں نے یہ چالاکی کی کہ اس جگہ بہت سے روپے اور چاندی وغیرہ کے برتن بکھیر دیے۔ یہ لالچی ان چیزوں پر ایسے ٹوٹ کر گرے جس طرح بھوکا کبوتر دانے پر گرتا ہے۔ گھات میں لگے ہوئے تھے جب انہوں نے ان کو غافل پایا' فوراً بندوق کی باڑھ ماری۔ سینکڑوں تو وہیں ڈھیر ہو گئے

اور جو بچے وہ زخمی ہو کر بھاگ گئے۔ روزانہ یہی ہوتا تھا کہ کئی کئی ٹولیاں تلنگوں کی ہمت کرکے آتی تھیں اور سپاہی جان پر کھیل کر پہاڑی کی بلندی تک پہنچ کر توپیں چھین لیتے تھے' لیکن آس پاس سے جو توپوں کی مار پڑتی تھی تو گھبرا کر پہاڑی سے اتر آتے تھے۔

ایک دن انگریزی فوج نے بڑی بہادری کی۔ تینوں پلٹنیں چھاؤنی میرٹھ اور وزیر آباد کی کوٹھیوں کا سامان وغیرہ لوٹ کر خوب مالدار ہو گئی تھیں اور پلٹن والے ہر موقعہ پر لڑائی سے بچتے رہتے تھے۔ ایک رات ان میں سے پانچ سو جوان اور سپاہیوں کے طعن تشنیع سے شرما کر قدسیہ باغ کے مورچے پر گئے۔ وہاں جا کر کوئی تو ان میں سے بھنگ پینے میں مشغول ہو گیا' کوئی توشہ دان کا تکیہ بنا کر سو گیا۔ الغرض سب کے سب غافل پڑے ہوئے تھے کہ انگریزی لشکر اچانک ان غافلوں کے سروں پر پہنچ گیا اور سینکڑوں کو ذبح کر ڈالا۔ بہت سے سپاہیوں کے ناک کان کاٹ ڈالے۔ جو اتفاق سے بچ گئے' وہ بھاگ کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔

انگریزی لشکر کے سپاہی چھاپہ مار کر تلنگوں کی تین توپیں لے کر اپنے مورچے کو واپس ہو گئے۔ الغرض ایک مہینہ تک اسی طرح کی لڑائیاں ہوتی رہیں کہ اتنے میں مسمی بخت خاں و محمد شفیع تلنگوں کی چار پلٹنیں اور ایک ہزار پانچ سو جہاد کرنے والے قریب قریب بارہ ہزار کی جمعیت لے کر مع توپ خانہ اور میگزین وغیرہ جولائی کے مہینہ میں دہلی پہنچے۔ دہلی دروازہ کے باہر قیام کیا اور بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ کی طرف سے ان کو خلعت عطا ہوا اور عہدہ جرنیل پر سرفراز کئے گئے۔ اس عرصہ میں بے شمار فوجیں چھاؤنی نیچ نصیر آباد حصار لکھنؤ متو اور کسولی سے آ کر دہلی میں جمع ہوئیں۔ بادشاہ کو ان کے آنے سے مسرت ہوئی اور رعایا بھی مطمئن ہو گئی۔

جب مدت ختم ہو گئی تو دونوں طرف سے گولہ باری شروع ہوئی۔ سپاہی بے چارے ہر مقام پر بہادری کا ثبوت دیتے تھے' لیکن اپنی جانیں کھو کر آخر پسپا ہوتے تھے اور سامان جنگ بھی چھوڑ آتے تھے۔ فتح و شکست تو اسی بات سے ظاہر ہوتی تھی کہ انگریزوں کا جھنڈا تو پہاڑی پر اڑ رہا تھا اور باغیوں کا جھنڈا دار صاحبؒ کے نیزے کی طرح گلی کوچوں میں مارا مارا پھرتا تھا اور پہاڑی کے نیچے خون کی ایک نہر جاری تھی جس میں سینکڑوں نعشیں مچھلیوں کی طرح تیرتی تھیں۔ الغرض روزانہ لڑائی کا یہی ڈھنگ جاری تھا کہ نواب مظہر علی خان رئیس کھلیا کے چھوٹے بیٹے امداد بہادر عرف کا سونا ایک ہزار سوار اور پیادے لے کر اگست کے مہینہ میں بادشاہ اور باغیوں کی مدد کے لئے دہلی پہنچے اور چند روز قیام کرکے اور سامان جنگ درست کرکے جوانی کی ترنگ میں پہاڑی کا مورچہ چھیننے کے لئے انگریزی فوج کے مقابلہ میں گئے' مگر ان کے بندوق کی ایک گولی لگی اور چند روز میں اس صدمہ سے انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال سے بادشاہ کو ان کی جوانی اور جوانمردی کی بنا پر بہت رنج ہوا۔ مرشد زادوں کا حال کیا بیان کیا جائے۔ احمد مرزا' مرزا فاضل بیگ' میر نواب حکیم عبدالحق' قاضی فیض اللہ کوتوال شہر اور عبدالحکیم ان کی نیابت میں تھے اور شہر کے چھٹے ہوئے بدمعاش اور بدوضع لوگ ہر وقت مصاحبت میں رہتے تھے' جو ہر وقت ساہوکاروں' شہر کے امیروں سے روپیہ اینٹھنے کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ تمام شاہزادے اس لالچ میں مبتلا تھے' خاص کر مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان۔ چونکہ یہ دونوں بہت تجربہ کار اور سب میں سربرآوردہ تھے اور فوجی تقویت بھی حاصل تھی' انہوں نے بہت ظلم پر کمر باندھی اور ان کے مصاحبوں نے خوب رشوتیں لینی شروع کیں۔ ساہوکاروں اور شہر

کے رئیسوں کو بلا بلا کر ان سے روپیہ لیتے تھے اور اپنے حظ نفس کے لئے خوب خرچ کرتے تھے۔

قلعہ اور شہر کے اکثر مکان انگریزی توپوں کے گولوں سے ٹوٹ پھوٹ گئے تھے خاص کر کشمیری دروازہ کا تو یہ حال ہو گیا تھا کہ وہاں کے تمام مکانات چھلنی ہو گئے تھے۔ وہاں کے سوداگر اور رہنے والے دکانیں اور کوٹھیاں چھوڑ چھوڑ کر دہلی دروازہ آ گئے تھے کہ اسی درمیان میں خان پور، لکھنؤ، فرخ آباد، بریلی، رام پور وغیرہ سے بادشاہ کی خدمت میں تحفے اور نذریں مع عرضیوں کے سفیروں نے پیش کیں۔ بادشاہ نے سب کو قبول کر لیا اور ان کی عرضیوں کے جواب اور سفیروں کو رخصتی خلعت عطا کیے اور وکیل اپنے اپنے ٹھکانوں کو واپس ہوئے۔ یہاں دہلی میں دونوں طرف سے رات دن لڑائی جاری تھی کہ ایک دن نصیر آباد کے باغیوں کی فوج نجف گڈھ میں مع توپوں اور میگزین کے مورچہ بنا کر گھات میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اتفاقاً بارش ہو گئی اور ان لوگوں کی محنت سب برباد گئی۔ اس پر مصیبت یہ نازل ہوئی کہ گوروں کی فوج آفت ناگہانی کی طرح ان پر ٹوٹ پڑی اور گولے مارنے شروع کر دیے۔ تھوڑی دیر تو دونوں طرف سے خوب لڑائی ہوئی۔ آخر کار نصیر آباد کی فوج پسپا ہوئی اور گیارہ توپیں چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس روزانہ کی شکست اور پسپائی سے افسروں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ روزانہ یہی ہوتا تھا کہ باغیوں کی فوجیں ہمت کر کے میدان میں جاتی تھیں اور جب گورے پہاڑی سے نیچے اتر کر حملہ کرتے تھے اور ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی توپیں لے کر گراب برساتے تھے تو سب بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور گورے مارتے ہوئے سب کو شہر میں داخل کر کے اپنے مورچوں پر واپس چلے جاتے تھے۔

ایک دن ایک مخبر نے خبر دی کہ گورے اور خاکی سپاہی محبوب علی خاں کے باغ میں مورچہ بنا رہے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی تلنگوں کے افسروں نے اسی وقت تین پلٹنیں اور ایک ہزار سواروں کو چند توپیں دے کر مقابلہ کے لئے بھیجا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے اور دونوں طرف سے گولہ باری شروع ہوئی تو انگریزوں میں سے ایک انگریز نے ایک عجیب بہادری کا کام کیا کہ جس کو سن کر حیرت ہوتی ہے یعنی ایک انگریز گھوڑے پر سوار ہو کر بڑی تیزی سے تلنگوں کی فوج میں گھس آیا اور بڑی پھرتی سے گھوڑے پر سے اتر کر ایک توپ کے اوپر سوار ہو کر توپ کے پیالہ میں لوہے کی میخ ٹھونک دی اور ایک شخص کی تلوار سے وہیں ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد تلنگے انگریزی فوج سے لڑنے کے لئے باغ میں پہنچے اور حملہ کر دیا۔ اچانک دو سو گورے دستی توپیں لئے ہوئے پہاڑی سے اتر پڑے اور گراب برسانے شروع کر دیے۔ آخر تلنگے باوجود اس قدر جمعیت اور اتنے سامان کے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑ گنج میں پہنچ کر وہاں کے مکانات توڑ پھوڑ ڈالے اور ان کے تختے اور کڑیاں نکال کر شہر میں آ گئے۔

۷ اگست کو ایک عجیب سانحہ پیش آیا۔ چوڑی والوں کے محلہ میں بڑی بیگم کے ایک مکان پر شمرو صاحب باغیوں کے واسطے روزانہ پچیس من بارود تیار کرتے تھے۔ اتفاقاً کسی شخص نے اس کارخانہ میں ایک چنگاری آگ کی ڈال دی۔ بارود بھک سے اڑی اور تقریباً چھ سو کاریگر مرد عورت اس صدمہ سے جل کر خاک ہو گئے۔ تلنگوں کو یہ بدگمانی ہوئی کہ یہ کام حکیم احسن اللہ خاں کے اشارے سے ہوا ہے۔ یہ خیال کر کے تلنگوں نے حکیم صاحب کو قید کر لیا اور ان کا تمام مال و اسباب شیشہ آلات اور تصویریں اور قطعے جو دیواروں پر لٹکے تھے اور ہزارہا کی مالیت کے تھے توڑ پھوڑ ڈالے اور مکان کی چھت میں آگ لگا دی اور ان کا اسباب وغیرہ چھکڑوں پر لاد کر لے گئے اور حکیم صاحب کے قتل پر آمادہ ہو گئے لیکن بادشاہ نے

بڑی منت سماجت سے حکیم صاحب کی جان بخشی کرائی اور مرزا مغل کو ساتھ کر کے ان کے گھر پر پہنچوا دیا۔

چند دن بعد تلنگے ایک شخص کو گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے کھینچتے ہوئے لائے۔ یہ آدمی لانبے قد کا خوبصورت تھا اور جوگیا لباس پہنے ہوئے تھا۔ تلنگے اس کو لارنس صاحب بہادر سمجھ کر گرفتار کر لائے تھے۔ بادشاہ سے کہا کہ یہ لارنس ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کابل کی لڑائی میں یہ زخمی ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے شانہ پر گولی کا نشان موجود ہے۔ اس کو ننگا کر کے گولی کا نشان دکھلایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو میرے سامنے سے لے جاؤ اور جو مناسب سمجھو وہ کرو۔ ان کم بختوں نے اسی وقت میدان میں لے جا کر اس بے گناہ فقیر کو گولی سے مار ڈالا۔ اسی دن ان تلنگوں نے ایک اور سوانگ بنایا۔ کسی انگریز کا سر نیزہ پر رکھ کر تمام گلی کوچوں میں پھرایا اور کہا کہ یہ سر جان منٹکاف صاحب کا ہے بلکہ بادشاہ کے پاس بھی لے گئے اور بادشاہ کے سامنے بڑی شیخیاں بگھاریں کہ بڑی جانفروشی کا کام کیا ہے۔ بادشاہ نے اس کے صلہ میں پچاس روپے انعام دیئے۔ پھر کیا تھا' پھر تو یہ لوگ روزانہ ایک نہ ایک شعبدہ ایسا ہی کیا کرتے تھے اور اس طرح بادشاہ سے انعام وصول کرتے تھے۔

الغرض چار مہینے تک مسلسل اسی طرح لڑائی جاری رہی۔ دونوں طرف امید وبیم کی حالت تھی۔ باغیوں کی فوج شہر دہلی میں محصور تھی اور گوروں کی فوج پہاڑی کے مورچہ پر۔ انگریزوں نے قصداً دہلی کا فتح کرنا نہیں چاہا کیونکہ دوسری فوجوں اور قلعہ شکن توپوں کے آنے کے منتظر تھے۔ بالآخر ستمبر کے مہینہ میں بڑی توپیں پھلور کے قلعہ سے پہاڑی پر آ گئیں۔ اس کے بعد انگریزوں نے قدسیہ باغ میں مورچے قائم کرنے شروع کر دیئے۔ جب انگریز مورچے وغیرہ قائم کر کے خوب کیل کانٹے سے درست ہو گئے تو انہوں نے اس کثرت سے قلعہ کے شاہی مکانوں اور شہر پناہ کی دیوار پر گولے برسائے کہ قلعہ اور شہر کے رہنے والے تنگ آ گئے۔ تمام لوگ شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ صدہا مکانات مسمار ہو گئے۔ شہر پناہ کی فصیل بھی ٹوٹ گئی اور بادشاہی خواب گاہ کو بھی صدمہ پہنچا۔ چھ رات دن برابر توپوں سے آگ برستی رہی۔ تمام عالم تہ و بالا ہو گیا۔

آخر وہ دن آ ہی گیا کہ دلی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو جائے اور چنگیزی نسل کا آخری اور برائے نام بادشاہ عالم ضعیفی میں مصیبتیں جھیلے۔

ستمبر کی چودہ تاریخ کو صبح ہونے سے پہلے گوروں کی تین پلٹنیں اور گورکھا پلٹن اور چند سواروں کے رسالے سیڑھیاں لگا کر جس طرف سے فصیل ٹوٹ گئی تھی' فصیل پر چڑھ گئے۔ اگرچہ ان میں سے بہت سے مارے گئے' لیکن انگریزوں کا ستارہ اقبال اوج پر تھا۔ باغی بھری ہوئی توپیں اور میگزین جہاں تھا' چھوڑ چھوڑ کر بھاگے اور انگریزی فوج شاہ برج اور کشمیری دروازے سے فاتحانہ طور پر داخل ہوئی۔ مورچوں میں جو کچھ سامان جنگ ملا' اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر جب کشمیری دروازہ' کابلی دروازہ اور اجمیری دروازہ اور میگزین وغیرہ سب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو انہوں نے پن چکی پر اور نواب حامد علی خاں کی کوٹھی کے پاس توپیں لگا دیں جس کی وجہ سے باغیوں کے سب راستے نکلنے کے بند ہو گئے۔ چند گورے جو بے وقوفی سے شہر میں چلے گئے تھے' وہ مارے گئے۔ جب بادشاہ کو انگریزوں کے شہر میں داخل ہونے کی خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ نتیجہ یہی ہونا ہے۔ آخر ان نمک حراموں نے سلطنت کو تباہ کیا اور تیمور کا نام دنیا

سے میٹ دیا اور میرا بڑھاپا خراب کیا۔ خیر اب آج میں خود مقابلہ کروں گا۔

سب کو خبر کر دو کہ ہماری سواری کے وقت حاضر ہوں اور مدد کریں۔ چنانچہ بادشاہ خود سوار ہو کر لال ڈگی پر تشریف لائے اور تمام فوج اور رعایا جمع ہوئی' لیکن انگریزوں کی گولیاں لال ڈگی تک پہنچتی تھیں' اس لئے افسران نے عرض کیا کہ حضور کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ حضور کو کچھ صدمہ پہنچے۔ بادشاہ ان لوگوں کے کہنے سے قلعہ میں چلے آئے اور شہزادوں نے جو فوج کے افسر تھے فوج سے ہر چند کہا کہ ہمت کرو اور مرد بنو' لیکن نمک حرام تلنگوں نے بھوک اور رسد نہ ملنے کا بہانہ کر کے جو کچھ دکانیں وغیرہ باقی رہ گئی تھیں' لوٹ کھسوٹ کر بھاگنا شروع کیا۔ سب سے پہلے تلنگوں کی تین پلٹنیں جو سلیم گڈھ اور جھروکہ قلعہ میں متعین تھیں' بھاگیں۔ پھر کیا تھا پھر تو ان کی دیکھا دیکھی بھاگڑ پڑ گئی اور جتنی باقی فوج تھی' سب بھاگ گئی۔ القصہ چھ روز میں تمام فوجیں فرار ہو گئیں۔ ۱۹ ستمبر ہفتہ کے روز بادشاہ نے مایوس ہو کر تمام بیگمات اور مرشد زادوں کو رات کے وقت قلعہ سے باہر بھیج دیا اور خود بھی سوار ہو کر درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ میں پہنچے اور پھر ہمایوں کے مقبرے میں مقیم ہوئے اور قلعہ اور شہر کے تمام لوگ ننگے سر ننگے پاؤں شہر سے باہر نکلے اور جس کا جدھر منہ اٹھا' چل دیا۔ کوئی قدم شریف کی طرف بھاگا۔ کوئی پہاڑ گنج چل دیا۔ کوئی جی سنگھ پورہ۔ اکثر درگاہ سلطان جی صاحب اور روشن چراغ دہلی و درگاہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ' حویلی پالم' بلب گڈھ' فرید آباد' جھجر' فرخ نگر اور الور وغیرہ کی طرف چل دیئے۔ جب انگریزوں کو معلوم ہوا کہ شہر اور قلعہ بادشاہ اور رعایا سے خالی ہو گیا تو افسر مع گوروں کی پلٹنوں اور گورکھوں اور ہندوستانی سپاہیوں کے قلعہ میں داخل ہوئے اور شہر کو گھیر لیا۔

سب سے پہلے انگریزوں نے شہر کے تمام دروازوں کا بندوبست کیا۔ پھر بغاوت کے جرم میں رعایا اور شرفاء و روساء کو شہر بدر کر دیا اور جس شخص نے مقابلہ کیا وہ مارا گیا اور تمام مال و اسباب و مکان وغیرہ ضبط کر لیا گیا اور بلا امتیاز ہندو مسلمان مجرموں کے تمام مکانات کھود ڈالنے کا حکم ہوا۔ امیروں اور غریبوں کی عورتیں روتی پیٹتی' پریشان حال قصبوں اور گاؤں کی طرف اور درگاہوں کی طرف جو شہر سے متصل تھیں' نکل گئیں اور جہاں جس کو ذرا سا ٹھکانہ پاؤں ٹکانے کا بھی ملا' وہیں ٹھہر گیا' لیکن ان خستہ حالوں کو گوجروں اور خاکیوں نے کسی جگہ بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ جس کا موقعہ لگتا تھا لوٹ کر چلتا ہوتا تھا' یہاں تک کہ لوگ نان شبینہ کو محتاج ہو گئے اور سینکڑوں فاقوں سے ہلاک ہو گئے۔ سینکڑوں بیماریوں کے نذر بھینٹ چڑھ گئے۔ عام لوگوں کے علاوہ تمام شہزادے اور شہزادیاں بھی اسی مصیبت میں مبتلا تھے اور ان کی حالت سب سے زیادہ دردناک تھی۔

جب قلعہ اور شہر کا بندوبست ہو گیا تو ایک روز دو انگریز جن میں سے ایک کا نام ہڈسن تھا' چند سواروں کو لے کر مقبرہ ہمایوں میں گئے اور بادشاہ کو ایک پالکی میں اور مرزا مغل' مرزا خضر سلطان و مرزا ابوبکر کو رتھ میں سوار کر کے قلعہ میں لے آئے۔ بادشاہ کو ناظر حسین مرزا کے مکان میں قید کر دیا اور تینوں شہزادوں کو کوتوالی کے سامنے کھڑا کر کے گولی سے اڑا دیا اور نواب زینت محل اور مرزا جواں بخت کو بادشاہ کے قریب ایک علیحدہ مکان میں قید کر دیا اور حکیم احسن اللہ خاں کو حالات اہل قلعہ دریافت کرنے کے لئے نیز مجرموں اور مفسدوں کی شناخت کرنے کے لئے ایک دوسرے مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔

سینکڑوں مزدور قلعہ اور شہر کے مکانات کھودنے کے لئے مقرر کئے گئے۔ مزدور رات دن مکانات کھود کھود کر روپیہ پیسہ نکال کر سرکار میں داخل کرتے تھے۔ جاگیرداروں اور راجوں کے نام پروانے لکھے گئے کہ مفسدوں اور مجرموں کو گرفتار کریں اور پروانوں کے ساتھ چند مخبر بھی شناخت کے واسطے بھیجے گئے۔

سانڈرس صاحب کمشنر مقرر ہوئے اور لے ہاس صاحب سشن جج اور ایجرٹن صاحب دہلی کے کلکٹر مقرر ہوئے اور جان مٹکاف صاحب مفسدوں کی گرفتاری کے کمشنر مقرر ہوئے۔ ان چاروں صاحبوں نے بہت خوبی سے انتظام کیا اور ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۸ء کو ایک سال کے بعد جمعرات کے دن انگریزوں نے بادشاہ کو بال بچوں سمیت کلکتہ بھیج دیا۔

دہلی فتح ہونے کے چند دن بعد مالا گڈھ کے رئیس اور دیگر تعلقہ داروں کی سرکوبی کے لئے فوج روانہ ہوئی۔ جب فوج وہاں پہنچی تو مالا گڈھ کے رئیس نے تھوڑی دیر انگریزی فوج سے مقابلہ کیا۔ آخر مع رئیس کھلیا کے بھاگ کر ۲۵ ستمبر کو بریلی پہنچے۔

انگریزی فوج نے مالا گڈھ کے علاقہ کو ضبط کر کے مالا گڈھ کے قلعہ کو کھود کر زمین کے برابر کر دیا اور بلند شہر کے کلکٹر صاحب نے باغیوں کو بلند شہر، خان پور اور خورجہ سے گرفتار کر کے کسی کو پھانسی دی، کسی کو حبس دوام کی سزا دی۔ باقی لوگوں کو میرٹھ بھیج دیا اور کچہری وغیرہ کا کام پھر بدستور جاری ہو گیا۔ اسی طرح دہلی کے حکام نے مجرموں کو گرفتار اور جاگیرداروں وغیرہ کو طلب کر کے قید کر دیا اور سینکڑوں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ انہیں جاگرداروں میں عبدالرحمٰن خان رئیس جھجر اور راجہ بلب گڈھ بھی تھے۔ ان پر یہ الزام تھا کہ اگر کسی انگریز نے بلوائیوں سے جان بچا کر ان سے پناہ چاہی تو انہوں نے پناہ نہ دی۔ اسی جرم میں ان دونوں کو پھانسی دے دی گئی اور ان کی جاگیر وغیرہ سب ضبط کر لی گئی۔ قصہ مختصر روزانہ لوگ گرفتار ہو کر آتے تھے اور سزائیں پاتے تھے۔ بعض چھوڑ بھی دیئے جاتے تھے۔ مخبر ہر چہار طرف چھوٹے ہوئے تھے اور انعام کے لالچ میں لوگوں کو گرفتار کراتے تھے۔

۲۲ فروری ۵۸ء کو بدھ کے روز لارنس صاحب چیف کمشنر پنجاب دہلی میں داخل ہوئے۔ جو لوگ شبہ میں گرفتار تھے ان کو چھوڑ دیا گیا۔ حقیقتاً دہلی کی فتح میں انہوں نے بہت کافی حصہ لیا اور رسد وخزانہ و فوج وغیرہ سے بہت امداد کی۔ اگر یہ امداد نہ کرتے تو گوروں کی قلیل فوج سے دہلی کا فتح کرنا نہایت دشوار تھا۔ ان کی ان خدمات کے صلہ میں کمپنی نے ہندوستان کو حکومت پنجاب کے ماتحت کر کے صاحب موصوف کو لفٹنٹ گورنر کر دیا۔ صاحب موصوف کے تشریف لانے کے تین دن بعد دہلی میں دربار عام منعقد کیا گیا اور تمام مظلوموں اور دردمندوں، حاجت مندوں نے اپنی عرضیاں پیش کیں۔ صاحب موصوف نے نہایت مہربانی سے لوگوں کی عرضیاں لے کر اہلکاروں اور منشیوں کے سپرد کر دیں۔ اس کے بعد مقدمہ کی سماعت کے لئے ایک عدالت مقرر ہوئی جس میں چار انگریز تھے۔ چونکہ اس سے پیشتر ایسا ہو چکا تھا کہ مخبروں کی مخبری پر سینکڑوں بیگناہوں کو پھانسی دے دی گئی تھی۔ اس وجہ سے اب یہ طے ہوا کہ جب تک چاروں حاکم فیصلہ پر متفق نہ ہوں، سزا نہ دی جائے۔ اس دن سے سوائے مجرموں کے کسی کو سزا نہ دی گئی اور سینکڑوں بے گناہ قیدی چھوڑ دیئے گئے۔

صاحب موصوف ابھی دہلی کا انتظام نہ کرنے پائے تھے کہ پنجاب کے بلوہ کی خبر پہنچی اور صاحب ممدوح مارچ ۵۸ء کے آخر میں وہاں کے انتظام کے لئے سانڈرس صاحب اور حکیم احسن اللہ خاں کو لے کر چلے گئے۔ سانڈرس کرنال

سے واپس چلے آئے اور حکیم احسن اللہ خاں مجرموں کی شناخت کر کے پانی پت سے دہلی میں واپس آ گئے اور جو کام ان کے سپرد تھا' اس میں مصروف ہو گئے۔ جان منکاف صاحب کمشنر بیمار ہو کر چھ ماہ کی رخصت پر ولایت چلے گئے۔ ان کی جگہ پر مرنی صاحب مقرر ہوئے۔ یہ چاروں صاحب شہر کا بہت اچھا انتظام کر رہے ہیں۔ اب تک لوگ شہر سے باہر پڑے ہوئے ہیں اور ہزاروں نے دیہات وقصبات میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ الغرض ان فلک کے ستائے ہوئے مصیبت زدوں نے جو نہ دیکھا تھا' وہ دیکھا اور جو کبھی نہ سنا تھا' وہ اب سنا۔ کیا کیا مصیبتیں تھیں جو دہلی کے رہنے والوں کو نہ اٹھانی پڑیں۔ گھر ویران ہو گئے۔ سینکڑوں بیوہ ہو گئیں۔ ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ جیسی بربادی دہلی کی ہوئی اور جیسی رعایا یہاں کی بے گھری بے دری ہوئی ہے' کہیں کی نہ ہوئی ہو گی۔ اور جو مظالم دہلی کی فتح کے بعد دہلی میں ہوئے' ایسے کہیں نہ ہوئے ہوں گے۔

کچھ شک نہیں کہ باغیوں کے مظالم بہت سخت تھے اور انہوں نے انگریز عورتوں اور بچوں کو بڑی بڑی سفاکیوں سے قتل کیا تھا' مگر دہلی کی فتح کے بعد انگریز جیسی سختی کر رہے ہیں' وہ بھی افسوس ناک ہے اور انگریزوں کی انصاف پروری کے خلاف ہے۔

کیا دہلی کے انگریز افسروں کو یہ بات معلوم نہ ہوئی ہو گی کہ بے گناہ اور شریف عورتیں جن میں جوان بھی ہیں' بوڑھی بھی ہیں اور ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھی ہیں۔ دہلی کے باہر جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ نہ ان کے پاس کھانا ہے نہ کپڑا۔ نہ رات کو سونے اور دن کو دھوپ سے بچنے کا ٹھکانہ ہے۔

دہلی کے افسروں نے ان کو ان کے گھروں سے اس لئے نکال دیا ہے کہ مال اسباب جمع کیا جائے۔

دہلی کے ایک لاکھ مکان مسمار ہو کر کھنڈر بن گئے ہیں اور یہ آباد شہر ایسا ویران ہوا ہے کہ دیکھنے سے رونا آتا ہے۔

مگر میرا خیال ہے کہ چونکہ ابھی اودھ اور بریلی اور میرٹھ اور رڑکی اور الوپ شہر وغیرہ مقامات پر لڑائیاں ہو رہی ہیں اور بغاوت قائم ہے' اس لئے دہلی کے افسر لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے ایسی سختیاں کر رہے ہیں اور ان کو باغیوں کے مرکز شہر کو اچھی طرح دبا کر انتظام کرنا مقصود ہے۔ جو کچھ بھی ہو موجودہ حالت تو بہت ہی دردناک اور افسوسناک اور رونے کے قابل ہے۔

دہلی کی پھانسیاں اور گرفتاریاں

اب کچھ حال عمائدین شہر دہلی کا بھی سنئے:

(۱) ۱۷ اکتوبر کو سنیچر کے دن عبدالرحمٰن خان رئیس جھجر گرفتار کئے گئے۔ کچھ دن دیوان عام میں قید رہے' پھر ان کو پھانسی دے دی گئی اور سب علاقہ وغیرہ ضبط کر لیا گیا۔

(۲) ۷ نومبر کو بلب گڑھ کے راجہ ناہر سنگھ بھی پکڑے گئے۔ ان کو بھی پھانسی ہوئی۔

(۳) میاں غلام نظام الدین صاحب' حضرت غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب کے بڑے صاحبزادے جو حضرت

مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے ہیں' جن کی تاریخ وفات "چراغ دین" ہے۔[1] گرفتاری[2] کے خوف سے چند روز قدم شریف کی درگاہ میں بحالت پریشانی بسر کی۔ بعد چند روز کے بلم گڈھ کی طرف چلے گئے اور کچھ دن وہاں قیام کر کے گوالیار چلے گئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ گوالیار سے حیدر آباد چلے گئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اپنے قدیمی وطن اورنگ آباد کو چلے گئے اور ان کے تمام عزیز و اقارب قید سے رہائی پا کر حکیم محمود خان اور حکیم مرتضٰی خان کے ہمراہ پٹیالہ جا کر آباد ہو گئے۔

(۴) اور نواب غلام محی الدین خان عرف بڑے صاحب رئیس' جن کی ایک ہزار روپیہ پنشن کلکٹری سے تھی اور تین سو روپے مہینہ ریاست بھرت پور سے تھے اور پانچ سو روپیہ کرایہ مکان و دوکانوں اور دیہات و باغات وغیرہ کا تھا اور خوب امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ اس ہنگامہ کے زمانہ میں مرزا مغل کے پاس کبھی کبھی جایا کرتے تھے' اس لئے جس دن انگریزی فوج دہلی میں داخل ہوئی اور انگریزی فوج کے آدمی شہر کے بندوبست اور مجرموں کی تلاش میں چاروں طرف پھرنے لگے تو نواب صاحب موصوف جان کے خوف سے ننگے سر ننگے پاؤں شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ چند روز درگاہ قدم شریف میں رہے۔ پھر بلم گڈھ میں قیام کیا اور وہاں سے گوالیار چلے گئے اور وہیں انتقال کر گئے' لیکن اکثر لوگ کہتے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں اور میاں نظام الدین صاحب کے ساتھ حیدر آباد چلے گئے ہیں۔ خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ۔

(۵) حکیم صادق علی خان کے بیٹے حکیم محمود خان[3] اور حکیم مرتضٰی خان جو بہت خاندانی آدمی ہیں اور حکیم مرتضٰی خان مدت سے ریاست پٹیالہ میں اپنے بڑے بھائی غلام محمد خان مرحوم کی جگہ پر مقرر ہیں اور محمود خان اپنے والد کی جگہ مطب کرتے ہیں۔ جب انگریزی فوج دہلی میں داخل ہوئی تو ان دونوں صاحبوں نے لوگوں کے ساتھ بہت ہمدردی کی جن کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ تمام اہل محلہ' اقربا و احباب بلا امتیاز امیر و غریب تقریباً پانچ سو آدمیوں کو اپنے گھر میں رکھا اور جب تک یہ ہنگامہ فرو نہیں ہوا' اس وقت تک ان کی ہر طرح خبر گیری اور خاطر مدارات کرتے رہے۔ ایک دن کسی مخبر کے مخبری کرنے پر سب آدمی جو حکیم صاحب کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے' گرفتار ہو کر کوتوالی چلے گئے۔ حکیم صاحب موصوف بھی ان کے ہمراہ تین دن تک کوتوالی میں مقید رہے اور بڑی جانفشانی سے ان سب کو چھڑایا اور چند روز کے بعد سب کو ساتھ لے کر ریاست پٹیالہ میں چلے گئے۔

(۶) لالہ چھوڑا مل کے بیٹے لالہ گنیش داس اور لالہ پالا مل[4] کے بیٹے لالہ چھنا مل بھی شہر کے سر بر آوردہ ساہوکاروں میں ہیں اور بڑے خوش معاملہ اور مخیر لوگوں میں سے ہیں۔ غدر کے زمانہ میں ان بے چاروں کا لاکھوں روپیہ کا سامان باغیوں نے کلکتہ کے راستہ میں لوٹ لیا اور باغی کئی بار ان کی کوٹھی لوٹنے کی غرض سے چڑھ آئے' لیکن ان لوگوں نے حکمت عملی سے

۱۔ اس جگہ سے ایک ورق اصل کتاب میں نہیں ہے۔ شاید گم ہو گیا ہو۔ (حسن نظامی)

۲۔ سلسلۂ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ گم شدہ ورق کے دونوں صفحوں میں میاں نظام الدین صاحب ہی کا حال ہوگا' کیونکہ اس ورق میں بھی وہی سلسلہ ہے۔ (حسن نظامی)

۳۔ حکیم محمود خان صاحب مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان مرحوم کے والد تھے۔ (حسن نظامی)

۴۔ چاندنی چوک دہلی میں نیل کا کڑہ ایک محلہ ہے۔ وہاں اس خاندان کے ہندو اب تک خوش حالی سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ (حسن نظامی)

اپنے آپ کو لوٹنے سے بچا بچا لیا۔ کئی بار مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان نے باغیوں کے درود دینے سے ان لوگوں سے بزور روپیہ لینا چاہا' لیکن انہوں نے ایک پیسہ نہیں دیا اور آج کل آج کل کر کے ٹالتے رہے۔ دوسری عقل مندی انہوں نے یہ کی کہ روز روز کی خبریں دہلی کی اور بادشاہی دربار کی پہاڑی پر انگریزوں کے پاس پہنچاتے رہے اور جب تک دہلی فتح ہوئی' انگریزوں کی خیر خواہی میں انہوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ جب دہلی فتح ہوئی تو ان کی سرکار انگریزی میں بڑی عزت ہوئی۔ یہ لوگ یوں بھی بہت شریف ہیں اور مخلوق کی خدمت خواہ ہندو ہو یا مسلمان' بہت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غریبوں کی دعا کے اثر سے کٹرہ نیل جہاں یہ رہتے ہیں' لٹنے سے محفوظ رہا۔ فی الحال کمسریٹ کا عہدہ ان کو ملا ہے۔

(۷) ننھے جی اور منا جی پشند اور راجہ امید سنگھ مرحوم کے بیٹے بہت عزت دار (ان کے وارثوں کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ حسن نظامی) اور متوسلان شاہی سے ہیں۔ منا جی کو پتنگ بازی کا بہت شوق تھا اور اکثر مریض رہتے تھے۔ غدر میں تلنگوں نے ان کا مکان لوٹ لیا۔ چند دن کے بعد طرح طرح کے افکار اور پریشانیوں میں جتا رہ کر انتقال کر گئے۔ دوسرے بھائی ننھے جی بہت ہوشیار اور سمجھ دار آدمی ہیں۔ غدر میں یہ بھی برباد ہو گئے' لیکن انگریزی عمل داری میں اپنی ہوشیاری اور دانائی سے خیر خواہان سرکاری میں داخل ہو گئے۔ دسمبر ۵۸ء میں پندرہ ہزار تین سو روپے نقصان کے سرکار انگریزی سے وصول کر لئے۔

(۸) نواب مظفر الدولہ و حسین مرزا۔ یہ دونوں حقیقی بھائی نواب حسام الدین حیدر ابن آغا شفیع خان کے بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک نواب مظفر الدولہ تو گھر میں بیٹھے رہتے تھے۔ دوسرے بھائی حسین مرزا بعہدہ نظارت قلعہ شاہی میں متعین تھے۔ یہ دونوں بھائی بہت خاندانی اور لائق و ہوش مند تھے۔ یہ بیچارے بھی جان کے ڈر سے مکان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے' لیکن مظفر الدولہ تو الور سے گرفتار ہو کر آ گئے اور گوڑگانوں میں دوسرے لوگوں کے ساتھ فوٹ صاحب کلکٹر گوڑگانوں کے حکم سے ان کے گولی ماری گئی۔ دوسرے بھائی حسین مرزا ناظم مقام برست[1] (برست ضلع کرنال میں شیعوں کا گاؤں ہے۔ حسن نظامی) کو چلے گئے۔ کچھ دن بعد نابینا ہو گئے۔ ان کے دو بیٹے تھے' ایک طالع یار خان دوسرے اصغر یار خان۔ یہ دونوں ایسے حسین نوجوان تھے کہ دہلی میں ان کا مثل نہیں تھا۔ جس وقت یہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تھے تو لوگ سکتے کے عالم میں رہ جاتے تھے۔ یہ دونوں بھائی بھی گمنشام چپڑاسی ایجنٹی جے پور اور کسی سپہدار مخبروں کی مخبری کرنے سے الور سے بے گناہ گرفتار کر کے لائے گئے۔ ان دونوں بھائیوں نے ہر چند مخبروں کی خوشامد کی' لیکن ان ظالموں نے ایک نہ سنی اور ایک سو آٹھ قیدیوں کے ساتھ ان کو بھی دہلی بھیج دیا اور دو مہینہ جیل خانہ کی مصیبت جھیلنے کے بعد بغیر تحقیقات کے بالکل بے گناہ اور بے قصور دونوں کو پھانسی دے دی گئی۔ ان کے پھانسی پانے سے اہل شہر کو سخت رنج و افسوس ہوا۔ ان کے پھانسی پانے کے بعد جو حال ان کے باپ حسین مرزا کا ہوا' وہ ناقابل بیان ہے۔ بقیہ عمر روتے ہی رہے۔

(۹) نواب میر خان پنشن دار[2] خلف نواب مرتضیٰ خان جاگیردار پلول مع اپنے نوجوان بیٹے عثمان خان عرف دھولا الور سے گرفتار ہو کر آئے اور اس جرم میں کہ مرزا عبداللہ کے دربار میں حاضر ہوتے تھے' پھانسی دی گئی۔ ان کے اہل و عیال حیران

۱۔ نواب اسحاق خان صاحب مرحوم رئیس جہانگیر آباد و سکرٹری علی گڑھ کالج کے قرابت دار تھے۔ (حسن نظامی)

پریشان ہو کر جاورہ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

(۱۰) نواب یعقوب علی خان ابن شجاعت خان جو نواب نجیب خان والی کٹیر کے خاندان سے ہیں اور بہت مسکین طبیعت آدمی ہیں۔ جس دن سے غدر پڑا انہوں نے بھول کر بھی گھر میں سے قدم نہیں نکالا۔ ان لوگوں نے ان کو بہت ترغیب دی کہ دربار شاہی میں شریک ہوں لیکن انہوں نے بوجہ نمک خواری سرکار انگریزی دربار شاہی میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ یہ بیچارے بارہ برس سے قرض خواہوں کے اجرائے ڈگری کے ڈر سے گھر میں بیٹھے رہتے تھے۔ چار سو روپے پنشن تھی لیکن بہت کثیر الاولاد تھے۔ ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔ جس دن انگریزی فوج داخل ہوئی تو اپنے اہل و عیال اور اسباب سمیت دلی سے بھاگے۔ قطب صاحب کے راستہ میں ان کو گوجروں نے مع ان کے بڑے بیٹے قطب علی خان کے قتل کر دیا اور سب مال اسباب لوٹ لے گئے۔ ان کے متعلقین جو باقی رہ گئے ان کا حال بیان کرنے سے کلیجہ کانپتا ہے۔

(۱۱) نواب اکبر خان ابن فیض اللہ خان بنگش جن کی دو سو پچاس روپے پنشن سرکار سے مقرر تھی اور ایک سو روپے ان کی بیوی کی پنشن تھی بڑے فضول خرچ اور جوئے کے عادی تھے۔ ہمیشہ قرض دار رہتے تھے اور قرض خواہوں کے خوف سے گھر میں بیٹھے رہتے تھے۔ کرایہ وغیرہ کی آمدنی معقول تھی۔ یہ بیچارے بھی جو لوگ الور سے گرفتار ہو کر آئے تھے انہی کے ساتھ گرفتار ہو کر آئے اور گوڑگانوں میں ان کو بھی پھانسی دے دی گئی۔ ان کے بیٹے فیض محمد خان عرف بدھن بچ گئے اور ان کے متعلقین کو لے کر اجمیر شریف چلے گئے۔ معلوم نہیں وہاں کہاں رہتے ہیں۔

(۱۲) مسمی احمد مرزا خلف محمد حاجی ان کے باپ تو مر چکے تھے لیکن یہ اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے شہر کے بڑے لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ مرزا مغل کے مشیر خاص تھے اور شہزادوں کے پاس بھی ان کی نشست و برخاست تھی۔ چیلوں کے کوچہ میں رہتے تھے۔ یہ بھی الور سے گرفتار ہو کر آئے اور گوڑگانوں میں مارے گئے۔

(۱۳) مسمی میر محمد حسین میر خیراتی سررشتہ دار محکمہ ایجنٹی کے بیٹے بڑے بھاری بھرکم آدمی تھے اور بہت متمول تھے۔ پہلے ریاست الور میں مرزا اسفند یار بیگ کے علاقہ پر ملازم تھے۔ اکثر بخت خان جرنیل فوج شاہ کی صحبت میں آتے جاتے تھے اور عہدہ پانے کی امید میں قلعہ میں بھی آتے جاتے تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ روپیہ پیسہ بہت تھا مگر بڑے خسیس تھے۔ الور سے یہ بھی گرفتار ہو کر آئے۔ قریب دو مہینے کے کوتوالی میں رہے۔ بعد میں ان کو بھی پھانسی دے دی گئی۔

(۱۴) مرزا فاضل بیگ محمد بیگ کے بیٹے چیلوں کے کوچہ میں رہتے تھے۔ ان کے خاندان کے لوگ صاحب علم تھے اور یہ خود بھی صاحب علم اور بہت صحبت یافتہ آدمی تھے۔ قلعہ میں بہت زیادہ جاتے آتے تھے۔ پہلے مرزا شاہ رخ مرحوم کے ملازم ہوئے پھر رسوخ پیدا کر کے شرافت محل والدہ مرزا مغل کے مختار اور کارپرداز ہو گئے اور بہت کچھ روپیہ پیدا کر لیا۔ یہ بھی جان کے خوف سے دلی سے بھاگ گئے۔ ان کا اشتہار گرفتاری جاری ہوا لیکن ان کا کچھ پتہ نہیں لگا اور یہ گرفتاری سے بچ گئے۔ ان کے چھوٹے بھائی مرزا جان بیگ غدر سے ایک سال پہلے حج کو چلے گئے تھے۔ یہ ہنگامہ فرو ہوا تو بمبئی میں واپس آئے اور وہاں سے کچھ دن قیام کر کے اندور گئے۔ اندور سے ہملٹن صاحب کی سفارشی چٹھی لکھوا کر دلی کے حکام کے پاس بھیجی۔ حکام دلی نے ہملٹن صاحب کی سفارش پر ان کی جائداد وغیرہ واگزاشت کر دی۔ کچھ دنوں بعد یہ خود دلی آ گئے اور عرب سرائے کے قریب رہنا اختیار کیا اور اپنے مقدمات کی پیروی شروع کی۔

(۱۵) حکیم عبدالحق ابن حکیم حسن بخش۔ یہ چند سال تک بلم گڈھ کی دیوانی پر مقرر رہے۔ جب خوب روپیہ پیدا کر لیا اور بہت مالدار ہو گئے تو ملازمت سے استعفیٰ دے کر اپنے گھر آ گئے اور فارغ البالی سے اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کا اکثر سید حامد علی خاں کے یہاں احمد مرزا اور راجہ بے سکھ راؤ کے لڑکوں کی وجہ سے آنا جانا رہتا تھا اس لئے ان کو پھانسی دی گئی۔

(۱۶) ایک شخص قاضی فیض اللہ کشمیری جو اٹھارہ سال تک صدر الصدور کی کچہری میں سررشتہ دار رہے۔ جان پاٹن کنسس صاحب سشن جج دہلی کے زمانہ میں رشوت ستانی کے الزام میں معزول کئے گئے۔ ملازمت سے برطرف ہونے کے بعد سوداگری کا سلسلہ کر لیا تھا اور خوب آرام سے رہتے تھے۔ باغیوں کے دور میں دہلی کے کوتوال ہو گئے۔ جب انگریزی عمل داری ہوئی تو ان کو پھانسی دے دی گئی۔

(۱۷) عبدالحلیم خان نائب کوتوال نے جو یہ حالت دیکھی تو وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر الور بھاگ گئے۔ پھر الور سے کہیں اور چلے گئے۔ ان کی گرفتاری کے لئے اشتہار ہو گیا' لیکن یہ بہت دنوں تک روپوش رہے۔ جب یکم نومبر ۵۸ء کو ملکہ وکٹوریہ کا مجرموں اور مفسدوں کی معافی کے لئے اشتہار جاری ہوا تو پھر یہ خود ۲۸ دسمبر ۵۸ء کو ڈپٹی کمشنر دہلی کے پاس حاضر ہو گئے۔ اس وقت تو حوالات کر دیئے گئے' لیکن آخر جنوری ۵۹ء میں چھوڑ دیئے گئے' لیکن جائداد ضبط ہو گئی۔

(۱۸) منشی آغا جان۔ مدتوں محکمہ ایجنٹی میں محرر رہے۔ انہوں نے بھی خوب روپیہ پیدا کیا۔ پھر استعفیٰ دے دیا۔ یہ بڑے مخیر آدمی تھے۔ صبح شام ان کے ہاں خیرات جاری تھی۔ جب انگریزی دتی میں گھس آئے' تو یہ بیچارے بھی شہر چھوڑ کر بھاگے۔ چند مہینہ پریشان حال پھرتے رہے۔ کبھی اس گاؤں میں کبھی اُس گاؤں میں۔ جب بالکل تباہ و برباد ہو گئے تو حضرت سلطان جی میں آ کر قیام کیا۔ کسی نے مخبری کر دی کہ یہ تو جہادیوں کو کھانا وغیرہ کھلاتے تھے۔ آخر بیچارے گرفتار ہو گئے۔ کچھ دنوں کوتوالی میں قید رہے' لیکن پھر چھوڑ دیئے گئے۔

(۱۹) صفدر سلطان ابن نواب مرزا بخشی محمود خان مرحوم کے نواسے تھے اور خود بھی بخشی تھے۔ جب تک بادشاہ دہلی میں رہے یہ اپنے عہدہ پر قائم رہے' لیکن پھر یہ بھی بھاگے۔ بہت دنوں تک ان کا پتہ نہیں چلا۔ اب نواب رامپور کے پاس اپنی سفارش کے لئے گئے ہیں۔

(۲۰) ایک شخص میاں امیر صاحب خوشنویس[۱] بہت طاقتور اور لمبے تڑنگے آدمی تھے۔ چورانوے برس کی عمر تھی' مگر پنجہ میں بڑی طاقت تھی۔ بے مثل خوشنویس تھے اور اپنے زمانہ کے کامل الفن سمجھے جاتے تھے۔ انگریزی فوج کے ایک سپاہی کی گولی سے شہید ہو گئے۔

(۲۱) مولانا مولوی صدرالدین خان چھتیس سال سے انگریزوں کے ملازم تھے۔ بڑے بڑے عہدوں پر رہے۔ اب پچیس سال سے دہلی کے صدر الصدور تھے۔ بڑے ایماندار حاکم تھے۔ اہل مقدمہ ہمیشہ ان کے انصاف سے خوش رہتے تھے۔ سرکار انگریزی کے بہت خیر خواہ تھے۔ جب غدر میں کچہریاں اور دفتر جلا کر خاک سیاہ کر دیئے گئے' تو یہ بھی گھر میں بیٹھ رہے۔ پھر بادشاہ کے بلانے سے مجبور ہو کر جبراً قہراً قلعہ میں عدالت کا کام کرنے لگے۔ انگریزوں کے قتل کے فتویٰ پر انہوں نے بھی باغیوں کے جبر سے مہر لگا دی۔ جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو یہ بھی اسی جرم میں گرفتار ہو گئے' لیکن چونکہ پہلے

۱۔ میر پنجہ کش کے نام سے دہلی میں مشہور ہیں۔ ان کی اولاد موجود ہے۔ جامع مسجد کے قریب آباد ہے۔ (حسن نظامی)

بڑی نیک نامی اور دیانت سے ملازمت کر چکے تھے لہٰذا سابقہ کارگزاریوں کے باعث چند مہینہ نظر بند رہ کر رہا ہو گئے۔ پھر درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ میں ایک مختصر مکان لے کر وہیں رہنے لگے۔

(۲۲) حافظ داؤد قلعہ میں معلم تھے۔ پھر لکھنؤ چلے گئے۔ ان کی سیڈ ہو صاحب رسالدار سے بہت قریبی رشتہ داری تھی۔ اس وجہ سے وہاں بہت کچھ روپیہ پیسہ پیدا کر کے دہلی چلے آئے اور یہاں امیرانہ طریقہ سے رہتے تھے۔ یہ بھی گرفتار ہو کر کوتوالی میں بند کیے گئے لیکن ایک ہزار کی ضمانت پر رہا ہو گئے۔

(۲۳) نواب سید حامد علی خان رئیس برست۔ یہ میر فضل علی خان نائب شاہ اودھ کے داماد تھے۔ جب ان کے خسر کا انتقال ہو گیا تو ان کی بیوی کو اپنے باپ کے ترکہ سے نولاکھ روپیہ نقد اور بہت سا سامان ملا۔ سید حامد علی خان نے وہ روپیہ سرکاری خزانہ میں جمع کر دیا جس میں سود ساڑھے چار ہزار روپے ماہوار ملتا تھا لیکن چند سال سے فضول خرچیوں میں سب روپیہ برباد کر دیا۔ پھر حسین بخش سوداگر کے مشورہ سے دہلی کے قلعہ میں داخل ہو کر نائب مقرر ہوئے اور بادشاہ کو خوب لوٹا۔ پھر لکھنؤ چلے گئے۔ وہاں قید کر لئے گئے۔ جو کچھ روپیہ باقی تھا وہ پرگنہ براج اور گونڈہ کی بقایا میں دے دیا۔ وہاں سے رہائی پا کر پھر دہلی چلے آئے۔ یہاں راجہ دیبی سنگھ سانگ رام احمد مرزا جان اور مرزا فاضل بیگ حکیم عبدالحق اور میر تفضل حسین وکیل کی صحبت میں رہنے لگے۔ غدر کے زمانہ میں مرزا مغل اور مرزا ابوبکر کے پاس بہت آتے جاتے تھے اس لئے یہ بھی برست سے گرفتار ہو کر آئے۔ ان کے ساتھ ان کے ہم زلف میر حیدر حسن خان کے تین لڑکے سردار مرزا عباس مرزا اور وزیر مرزا بھی کوتوالی دہلی میں مقید رہے۔ ان میں سے سردار مرزا اخیر ماہ اپریل ۵۸ء میں چھوٹ گئے اور نواب حامد علی خان فروری ۵۹ء میں چودہ مہینہ حوالات میں رہ کر دو سو روپے کی ضمانت پر رہا ہوئے۔ قید سے رہا ہونے کے بعد انہوں نے شہر سے باہر ایک مکان لے کر سکونت اختیار کی۔

(۲۴) نواب احمد قلی خان نواب عباس قلی خان مرحوم کے بیٹے تھے۔ ان کی بیٹی نواب زینت محل بیگم بادشاہ کی بیگم تھیں۔ بادشاہ کے خسر تھے اور بہت نامور لوگوں میں سے تھے۔ جس دن انگریز دہلی میں داخل ہوئے ہیں تو یہ بھی بھاگے لیکن جھجر سے پکڑے ہوئے آئے۔ ان سے بڑھاپے کی وجہ سے قید کی سختیاں برداشت نہ ہو سکیں۔ آخر جیل خانہ ہی میں انتقال ہو گیا۔

(۲۵) نواب محمد حسین خان خلف نواب ارتضیٰ خان مرحوم۔ ان کی کلکٹری سے دو سو روپے پنشن تھی۔ عیش و آرام سے بسر کرتے تھے۔ صحبت خراب تھی۔ اکثر شرابیوں جواریوں میں اٹھتے بیٹھتے تھے۔ اسی وجہ سے بہت قرضدار رہتے تھے۔ غدر میں مرزا خضر سلطان کے نائب ہو گئے تھے۔ اسی جرم میں جھجر سے گرفتار ہو کر کچھ عرصہ قید رہے اور پھر پھانسی دے دی گئی۔ یہ بیچارے کثیر الاولاد تھے۔ ان کے بعد ان کے متعلقین بہت تباہ و پریشان پھرتے ہیں۔

(۲۶) حکیم شرف الدین خان مرحوم کے نوجوان بیٹے نظام الدین خان اور استاد ذوقؔ کے بیٹے خلیفہ اسمٰعیل چند دوستوں کے ساتھ قدم شریف سے گرفتار کر لئے گئے۔ ایک رات کوتوالی میں رہے۔ دوسرے دن بالکل بے قصور اور بے گناہ پھانسی دے دی گئی حالانکہ ان پر کوئی ثبوت نہ تھا۔ ہر شخص ان کی بیگناہی کا رنج کرتا تھا۔

(۲۷) مرزا معین الدین حسن خان[1] پہاڑ گنج کے تھانہ دار تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی محمد حسین خان بدر پور کے تھانہ دار

۱۔ نواب قدرت اللہ بیگ خان کے بڑے بیٹے تھے۔ ان کو نواب سالار جنگ نے حیدرآباد دکن میں نوکری دے دی تھی۔ (حسن نظامی)

تھے۔ یہ دونوں بھائی تین دن بلوہ کے زمانہ میں شہر کی کوتوالی پر مامور رہے۔ پھر مرزا مغل کے نائب ہو گئے۔ اکثر معرکوں میں باغیوں کی طرف سے شریک بھی ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھربار چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے مالوہ کی طرف چلے گئے۔

(۲۸) لالہ راجیداس گڑوالے[1] بہت خلیق اور وضعدار آدمی تھے۔ ساہوکاروں میں ان کی بڑی عزت تھی۔ کاروبار بھی ان کا خوب چلتا تھا۔ بڑے نازک نحیف الجثہ۔ اکثر مریض رہتے تھے۔ سرکار انگریزی میں بھی ان کی بہت عزت تھی۔ بلوہ کے زمانے میں یہ بھی مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان کے ہاتھوں بہت پریشان رہے۔ جب انگریزی عملداری ہوئی تو یہ بھی اور ساہوکاروں کے ساتھ شہر چھوڑ کر چلے گئے' لیکن سفر اور پریشانی کے متحمل نہ ہوئے اور مر گئے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے نرائن داس ان کی گدی پر بیٹھے۔ یہ بھی اپنے باپ کے قدم بقدم چلتے ہیں۔ ان کی ایمانداری کی ایک مثال تو یہ ہے کہ نواب محبوب علی خان کا بیالیس ہزار روپیہ ان کی کوٹھی میں جمع تھا اور انگریزوں کو بیس ہزار روپے کا سراغ ملا۔ جب لارنس صاحب چیف کمشنر دہلی میں آئے اور ان سے روپے کے بارہ میں سوال کیا گیا تو انہوں نے بیالیس ہزار کا اقرار کیا۔ ان کی سچائی سے انگریز بہت خوش ہوئے اور ان کو کرسی دی گئی۔

(۲۹) ضیاء الدولہ خلف حکیم رکن الدولہ[2] بہت امیر کبیر تھے۔ ان کی آمدنی دوکانوں اور باغات وغیرہ کی قریب چار سو روپے تھی۔ امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ جب گورے دہلی میں گھسے تو یہ بھی دہلی چھوڑ کر بھاگے' مگر راستہ میں ان کا سب مال اسباب گوجروں نے اور انگریزی سپاہیوں نے لوٹ لیا۔ یہ بیچارے صرف جان بچا کر مع چند عورتوں بچوں کے پانی پت چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے گرفتار ہو کر آئے' لیکن بے قصور سمجھ کر سو روپے کی ضمانت پر چھوڑ دیے گئے اور اپنے مَوروثی مکان میں رہنے لگے۔

(۳۰) موسیٰ خان ابن حافظ عبدالرحمٰن خان مرزا نیلی مرحوم کے ہاں مختار تھے۔ یہ بھی مالدار[3] تھے اور تقریباً ڈیڑھ سو روپیہ کرایہ وغیرہ کی آمدنی تھی۔ الور سے گرفتار کر کے لائے گئے۔ قریب تین مہینہ کے کوتوالی میں حوالات رہے۔ پھر پانچ سو روپے کی ضمانت پر رہا ہوئے۔ ان کی جائداد وغیرہ ضبط ہو گئی۔ اسی پر ان کی گزر بسر تھی۔ اب بھوجلا پہاڑی پر ایک شخص کے مکان میں رہتے ہیں۔

(۳۱) نواب نبی بخش خان بھی نامور لوگوں میں سے ہیں۔[4] انہوں نے نمک حرام تلنگوں کے عہد میں بادشاہ کو ایک عرضی اس مضمون کی لکھی تھی کہ ہمارے مذہب میں عورتوں اور بچوں کا قتل ممنوع ہے اور بھی کسی مذہب میں جائز نہیں ہے۔ اگر حضور میموں اور ناکردہ گناہ بچوں کے قتل سے باغیوں کو روکیں تو یہ بات حضور کے حق میں دنیا اور عقبیٰ میں بہتر ہوگی۔ جب دہلی فتح ہوئی تو اتفاق سے یہ عرضی دفتر سے برآمد ہوئی۔ اس صلہ میں نواب صاحب کو پانچ سو روپیہ انعام ملے اور سرکاری

۱۔ ان کی اولاد اب بھی دہلی میں معزز سمجھی جاتی ہے۔ (حسن نظامی)

۲۔ ان کے ورثا حیدرآباد میں نوکر رہے اور اب بھی ہیں اور ان کی قبریں درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ میں میرے مکان کے برابر واقع ہیں۔ (حسن نظامی)

۳۔ ان کے بیٹے کا نام احمد حسین خاں تھا۔ نواب کلب علی خان نے تیس ہزار روپے ماہوار مقرر کر دیے تھے۔

۴۔ در یہ بھی انہی کی مسجد ہے۔ ان کی اولاد اب بھی دہلی میں ہے۔ (حسن نظامی)

خیر خواہوں میں ان کا شمار ہو گیا۔

(۳۲) نواب ارتضیٰ خان خلف نواب مرتضیٰ خان مرحوم جاگیردار پرگنہ پلول۔ پہلے بہت بدچلن آدمی تھے۔ کوئی پندرہ برس سے حکیم نورالدین صاحب کی صحبت نے ان پر ایسا اثر کیا کہ ان کی عادتیں بالکل بدل گئیں۔ بڑے نمازی اور پرہیزگار ہو گئے۔ غدر کے زمانہ میں یہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ جو انگریزی فوج میں ملازم تھے دلی سے چلے۔ کچھ دن انہیں سواروں کے ساتھ پھرتے رہے۔ پھر میرٹھ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

(۳۳) محمد علی خان خلف نواب شیر جنگ خان۔ چیلوں کے کوچہ میں رہتے تھے۔ بہت خوبصورت جوان تھے۔ چار سو روپے کی آمدنی نواب بہادر جنگ خان کے پرگنہ سے تھی۔ خوب عیش و عشرت سے بسر کرتے تھے۔ جب انگریز شہر میں گھسے تو یہ گھر میں ہی رہے۔ آخر بندوق کی گولی سے شہید ہو گئے۔

(۳۴) عبدالصمد خان ابن علی محمد خان۔ بادشاہ کی فوج میں رسالدار تھے۔ یہاں سے ملازمت چھوڑ کر واجد علی شاہ کے عہد میں لکھنؤ چلے گئے۔ وہاں کسی پلٹن کے افسر ہو گئے۔ جب اودھ کی سلطنت متزلزل ہوئی تو یہ پھر دلی چلے آئے۔ کچھ دن بعد ممن چابک سوار کے ساتھ الور چلے گئے اور وہاں ملازمت کر لی۔ دلی فتح ہونے سے چند دن پہلے بیچارے دلی آئے تھے۔ خود کیا آئے تھے قضا لائی تھی۔ عبدالرحمن خان والی جھجر کے خسر کے شبہ میں گرفتار کر لئے گئے کیونکہ ان کا نام بھی صمد خان تھا اور اسی شبہ میں گولی مار دی گئی۔ ان کے بعد ان کے باپ اور ان کے چچا بھی انہیں کے غم میں جلد ہی انتقال کر گئے۔

(۳۵) نواب جھجر کے خسر عبدالصمد خان ڈھائی سو سوار لے کر بادشاہ کی مدد کے واسطے آئے تھے اور برابر بادشاہی فوج کے ساتھ مل کر انگریزوں سے لڑتے رہے۔ جب تلنگے بھاگے تو یہ بھی ان کے ساتھ بھاگے۔ ان کے ساتھ ایک بہت بڑا گروہ ہے اور اب ڈکیتی کرتے پھرتے ہیں۔

(۳۶) حکیم امام الدین خان ولد حکیم غلام رضا خان حکمت میں اپنے وقت کے شیخ مانے جاتے ہیں۔ اکبر شاہ کے عہد میں شاہی طبیب تھے۔ پانچ سو روپے ملتے تھے۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں سو روپے پاتے تھے۔ نواب زینت محل کے معالج تھے۔ غدر کے زمانے میں گھر میں بیٹھے رہے۔ جب سب لوگ شہر چھوڑ کر بھاگنے لگے تو یہ بھی دلی چھوڑ کر چلے گئے۔ چند روز بعد برن صاحب بہادر کے حکم سے اپنے مکان میں رہنے لگے لیکن پھر جان مٹکاف صاحب کے حکم سے شہر بدر کر دیے گئے اور قطب صاحب میں رہنے لگے۔ پھر جوتی پرشاد کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ کچھ دن بعد بنارس سے چلے آئے۔ پھر والی ٹونک کی طلبی پر ستمبر ۵۸ء میں ٹونک چلے گئے۔

(۳۷) نواب حسن علی خان کے والد نواب نجابت علی خان۔ والی جھجر کا جب انتقال ہو گیا تو ان کے بڑے بھائی نواب فیض محمد صاحب گدی نشین ہوئے۔ ان کے زمانے میں یہ جرنیل تھے۔ جب ان کے بھائی نواب فیض محمد خان کا بھی انتقال ہو گیا تو نواب فیض علی خان گدی پر بیٹھے۔ ان سے ان کی کچھ ان بن ہو گئی یہاں تک کہ مقدمہ بازی کی نوبت پہنچی۔ آخر گورنمنٹ انگریزی کے حکم سے ریاست سے ان کے تین ہزار روپے مقرر ہو گئے جو کہ ایجنٹی سے مل جایا کرتے تھے۔ اس کے بعد یہ دلی چلے آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ غدر کے زمانے میں بادشاہ کی خدمت میں ظاہری چاپلوسی کی وجہ سے اکثر آتے جاتے تھے۔ جب انگریزی عملداری ہوئی تو یہ بیچارے سب مال و اسباب چھوڑ کر تنہا بھاگے اور خدا جانے کس طرف چل

دیئے۔ ان کے متعلقین ان کے بعد تباہی و بربادی کے عالم میں گاؤں گاؤں پریشان پھرتے ہیں۔ ان کے بڑے بیٹے سعادت علی خان بلند شہر سے گرفتار ہو کر آئے۔ چند روز قید رہے۔ دو ماہ کے بعد رہائی پا کر جادرہ چلے گئے اور وہیں بعارضہ قولنج انتقال کر گئے۔ نواب حسن علی خان بھی یکم جنوری ۵۹ء کو دہلی آ گئے اور کمشنر صاحب کے حکم سے کلاں محل میں رہنے لگے۔

(۳۸) دلدار علی خان کپتان ساکن دہلی اور میر نواب نائب کپتان رئیس اودھ نے جب دیکھا کہ تلنگے بھاگ نکلے تو یہ دونوں بھی بھاگ گئے۔ میر نواب گرفتار ہو کر آ گئے' لیکن ان کے خسر کمپنی کے فیل خانہ کے داروغہ تھے۔ ان کی سفارش سے یہ چھوٹ گئے اور پھر اپنے وطن چلے گئے۔ دلدار علی خان کی گرفتاری کے لئے اشتہار ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد پانی پت سے گرفتار کر کے لائے گئے۔ ۱۷ جون ۵۸ء کو پھانسی ہو گئی۔

(۳۹) میاں حسن عسکری۔ ایک صوفی شاہ سلیمان صاحب کے خاص مریدوں میں تھے۔ جب اپنے پیر کے پاس سے کشف و کرامت حاصل کر کے دہلی آئے تو یہاں بہت مشہور ہو گئے۔ پہلے مرزا سلیم بہادر کے بڑے بیٹے مرزا زمان شاہ کی بیوی کو مرید کیا اور کچھ دن بعد ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس دن سے ان کے مرید ان سے پھر گئے' لیکن پیر صاحب نے رفتہ رفتہ بادشاہ کو اپنا معتقد بنالیا۔ بادشاہ اس درجہ اپنے بھولے پن سے ان کے معتقد ہو گئے کہ روزانہ صبح کو یہ اپنا لعاب دہن بادشاہ کے منہ میں لگاتے تھے۔ غدر کے ہنگامہ میں نجف خان جرنیل ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دو کمبل اور ایک تلوار بطور تبرک نجف خان کو دی اور ایک خط بھی کسی امیر کے نام فوج کی فراہمی کے لئے لکھا تھا۔ اس جرم میں پندرہ شوال ۱۲۷۴ھ کو ہفتہ کے دن ان کو پھانسی دے دی گئی۔

(۴۰) غلام محمد خان نواب احمد علی خان رئیس فرخ نگر کے چچا اپنے بڑے بھائی نواب مظفر خان کی گدی نشینی کے زمانہ میں نائب تھے۔ جب نواب مظفر علی خان کا انتقال ہو گیا تو ان کے بیٹے یعقوب علی خان اپنے باپ کی جگہ گدی پر بیٹھے۔ غلام محمد صاحب سے اور یعقوب علی خان سے تکرار ہو گئی۔ بات یہاں تک بڑھی کہ گورنری اور ایجنٹی سے یعقوب علی خان کے ایما سے ان کو دہلی قیام کرنے کا حکم ملا اور تیرہ سو روپے سال ریاست سے ان کا وظیفہ مقرر ہو گیا۔ چند سال کے بعد یعقوب علی خان کا دنبل کے مرض میں انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد احمد علی خان کے چھوٹے بھائی ان کی جگہ گدی پر بیٹھے۔ ان سے ان کی رنجش رہی' لیکن غدر کے زمانہ میں غلام محمد صاحب اہل و عیال سمیت احمد علی خان کی رضامندی سے فرخ نگر چلے گئے۔ ایک مرتبہ احمد علی خان کی طرف سے کچھ روپیہ لے کر بادشاہ کی خدمت میں دہلی آئے تھے۔ اس کے بعد پھر فرخ نگر لوٹ گئے۔ جب دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو ۳۱ اکتوبر کو احمد علی خان رئیس فرخ نگر کو اس جرم میں گرفتار کیا گیا کہ وہ پہاڑی پر نہیں آئے تھے اور بادشاہ کے ساتھ ساز باز رکھتے تھے۔ ان کا سب علاقہ ضبط کر لیا گیا۔ تھوڑے دن بعد ان کو بھی پھانسی دے دی۔ غلام محمد خان اس دن سے بھاگے رہے' لیکن ستمبر ۵۸ء میں ٹونک سے گرفتار کر کے لائے گئے اور کوتوالی میں قید کر دیئے گئے۔

(۴۱) نواب عبدالرحمٰن خان رئیس جھجر کے چچا نواب علی محمد خان' ان کے والد کا نام نواب فیض محمد خان تھا۔ نواب عبدالرحمٰن خان بہت قابل لوگوں میں تھے۔ انگریزی' عربی' فارسی میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ جھجر میں ہمیشہ پرانی چھاؤنی میں

رہتے تھے۔ ان کو خفقان کا عارضہ تھا۔ علاج کے لئے کبھی کبھی دلی آیا کرتے تھے۔ انہوں نے ایام غدر میں بادشاہ یا فوج سے کچھ واسطہ نہ رکھا' لیکن نواب عبدالرحمٰن خاں کی گرفتاری کے دن یہ بیچارے بھی روپوش ہو گئے۔ پھر ان کا پتہ نہیں چلا کہ کہاں چلے گئے۔

(۴۲) راجہ اجیت سنگھ۔ راجہ نرندر سنگھ والی پٹیالہ کے چچا تھے۔ یہ پچیس سال سے دلی ہی میں رہتے تھے۔ باغیوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ راجہ پٹیالہ کے چچا ہیں' ضرور انگریزوں سے ساز باز رکھتے ہوں گے ان کا سب مال اسباب لوٹ لیا اور ان کو گرفتار کر کے قتل کرنے کے واسطے بادشاہ کے سامنے لے گئے۔ بادشاہ نے ان کی بے جرمی اور عالی خاندانی کا خیال کر کے باغیوں کے ہاتھ سے بچا لیا اور دیوان خاص میں رہنے کو جگہ دے دی۔ جب باغی بھاگے اور انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو یہ غازی آباد چلے گئے۔ کچھ روز بعد انگریزوں کی اجازت سے دلی چلے آئے اور پھر یہاں سے اپنے وطن پٹیالہ کو چلے گئے۔

(۴۳) مولوی محمد نذیر حسین صاحب اور مولوی عبدالرب صاحب اور مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب نے غدر میں ایک دو میموں اور بچوں کو اپنے گھر میں چھپایا تھا۔ اس صلہ میں ان کو انگریزوں نے انعام دیا اور ان کی خیر خواہی کی قدر کی۔

(۴۴) مرزا اسد اللہ خان غالب عرف مرزا نوشہ صاحب کے گھر میں چند گورے گھس کر ان کو گرفتار کر کے لے گئے اور کرنیل برن صاحب کے سامنے لے جا کر ان کو پیش کیا۔ مرزا صاحب کی کچھ زندگی ابھی باقی تھی۔ ان کے ایک دوست اتفاق سے اس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کی سفارش کر کے رہائی دلوا دی۔ ان کا کمپنی بہادر سے ساٹھ روپے بطور مہینہ بطور پنشن مقرر ہے' لیکن اس میں ان کی گزر بدقت ہوتی ہے۔ ہمیشہ تنگ دست رہتے ہیں۔

(۴۵) نواب علی بخش خان کے بڑے لڑکے فخر الدین خان انگریزی عملداری میں کوٹ قاسم کے تحصیلدار تھے۔ اشرف خان اور حیدر شاہ مخبروں کے ساتھ جے پور اور الور سے ۱۷ مئی ۱۸۵۸ء کو کمشنر دلی کے حکم سے دوشنبہ کے دن الور کی فوج کی حراست میں دلی لائے گئے اور کوتوالی میں اور قیدیوں کے ساتھ ان کو بند کر دیا گیا۔ حیدر شاہ خاں اور اشرف خاں نے صرف خیر خواہی کے لئے ایک سو سات نوجوانوں کو الور سے گرفتار کرا کر دلی بھیجا تھا جن میں سے آدھے لوگ تو گوڑ گانوں میں قتل کر دیئے گئے اور باقیوں کو دلی میں پھانسی ہوئی۔ انہوں نے سینکڑوں بے گناہوں کا خون اپنی گردن پر لیا ہے۔ غلام محمد فخر الدین خاں صاحب تو ۱۱ اگست ۱۸۵۸ء کو رہا ہو گئے اور جھوٹے مخبر دونوں مجرم قرار پائے۔ آخر مخبر ضمانت دے کر چھوٹے۔

بعض اشخاص کے سچے حالات

اس کتاب میں جن اشخاص کا ذکر آیا ہے' ان میں سے بعض اشخاص کی پوری حقیقت معلوم کرنے کے لئے میں نے چھ سات مہینے اس کتاب کی اشاعت کو روک رکھا' حالانکہ کتاب کی کاپیاں چھاپہ خانہ میں جا کر چھپ بھی گئی تھیں۔

بہت تلاش و جستجو کے بعد جب مجھے کامیابی نہ ہوئی تو ایک دن نواب مصلح الدین صاحب سے ملاقات ہو گئی جو نواب مسعود جنگ بہادر یعنی سید راس مسعود صاحب نبیرۂ آنریبل سر سید احمد خان بہادر مرحوم کے حقیقی ماموں ہیں اور میں نے ان سے اشخاص مذکور کا ذکر کیا' کیونکہ نواب مصلح الدین صاحب دلی میں ایک زندہ تاریخ ہیں۔ ان کو دلی اور اہل دلی

کے حالات ایسی تفصیل سے معلوم ہیں کہ غالباً ان کے سوا اور کسی کو معلوم نہ ہوں گے اور میں نے ہمیشہ معلومات کی مشکل کے وقت ان ہی سے مدد لی ہے۔

انہوں نے اس کتاب کے اشخاص کی پوری اور مشرح حقیقت بیان کر دی' مگر اس حقیقت میں بعض باتیں ایسی بھی تھیں جن کو نہ نواب صاحب شائع کرنے کے قابل تصور کرتے تھے نہ میں ان کی اشاعت مناسب سمجھتا تھا اس لئے میں نے ان تمام حالات کا خلاصہ کر دیا تاکہ ناظرین کے لئے ضروری معلومات مہیا ہو جائے اور کسی کو اپنے بزرگوں کے ناقابل اظہار حالات کی اشاعت سے رنج بھی نہ ہونے پائے۔

یہ حالات اگرچہ مختصر ہیں' لیکن موجودہ اور آئندہ نسل کے لوگوں کو ان سے چند چیزیں بالکل نئی معلوم ہو جائیں گی۔ (حسن نظامی)

☆ ☆ ☆

منشی موہن لال آغا حسن جان صاحب۔ منشی موہن لال صاحب عرف آغا حسن جان کے حالات معلوم کرنے کا مجھے بہت خیال تھا۔ میں نے کئی دوستوں کو لکھا' مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ آخر نواب مصلح الدین صاحب سے ان کی حقیقت معلوم ہوئی۔

منشی موہن لال عرف آغا حسن جان کا اس کتاب میں کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ وہ ذات کے برہمن تھے اور غالباً کشمیری برہمن ہوں گے کیونکہ ان کی موجودہ اولاد بہت خوبصورت ہے۔ ان کے صاحبزادہ صاحب بھی زندہ ہیں جواب درویش ہو گئے ہیں اور ان کے پوتے سے میری بہت دوستی ہے اور وہ اردو زبان کے خاص ادیبوں میں ہیں۔

نواب مصلح الدین صاحب نے فرمایا۔ منشی موہن لال مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کا نام آغا حسن جان رکھا گیا اور وہ انگریزی گورنمنٹ کی ملازمت میں شریک ہو کر کابل گئے اور نہایت عمدگی کے ساتھ سرکاری خدمات انجام دیں۔ امیر دوست محمد خاں شاہ کابل کی گرفتاری بھی انہی کے دور ملازمت میں ہوئی تھی۔

آغا حسن جان صاحب کی صاحبزادی کا عقد خان بہادر ڈپٹی اکرام اللہ خان مرحوم سے ہوا تھا جو دہلی کے مشہور رئیس تھے اور سرکی والوں کے محلہ میں رہتے تھے۔

محبوب علی خاں صاحب۔ بہادر شاہ بادشاہ کے وزیر بھی ہو گئے تھے۔ بہت دولتمند تھے۔ روپیہ کا لین دین بھی کرتے تھے۔ ایک دفعہ بہادر شاہ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ میں آئے تو محبوب علی خاں بھی ساتھ تھے۔ میرے پرنانا میر غلام حسین صاحب سے بہادر شاہ کی بہت بے تکلفانہ باتیں ہوا کرتی تھیں۔ انہوں نے بہادر شاہ سے کہا۔ میاں سراج الدین (بہادر شاہ کا نام تھا) تم کو معلوم ہے کہ مغلیہ سلطنت میں زوال کیوں آیا؟ بہادر شاہ بولتے کم تھے۔ انہوں نے اشارہ سے ہوں کر کے پوچھا۔ بتاؤ کیا سبب ہے؟ پرنانا نے کہا۔ جب تمہارے وزیر سود خوار بنیے ہونے لگے تو سلطنت کا اللہ بیلی ہے۔

بہادر شاہ یہ فقرہ سن کر مسکرانے لگے اور انہوں نے مڑ کر محبوب علی خاں کو دیکھا۔ محبوب علی خاں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ حضور! میری خطا یہ ہے کہ اس درگاہ کے نام پانچ روپے روز مقرر تھے۔ وہ بعض حالات کے سبب بند کر دیئے گئے

ہیں اور پیرزادہ صاحب اس کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہیں۔ بادشاہ نے کہا۔ بھی اماں (یہ بادشاہ کا تکیہ کلام تھا) یومیہ جاری کردو۔ یہ بری بات ہے کہ درگاہوں کا خرچ بند کیا جائے۔

محبوب علی خاں صاحب کی اولاد میں اب بھی ایک صاحب تاراچند کے کوچہ میں رہتے ہیں اور نقشہ نویسی کا کام کرتے ہیں۔

مدرسۂ دارالبقاء۔ یہ مدرسہ جامع مسجد کے جنوبی گوشہ میں تھا' جہاں آج کل سنگھاڑا بنا ہوا ہے اور اس میں ایک کنواں بھی ہے اور جس کے قریب سڑک کے پاس کباڑیوں کی دکانیں اور حکیم نابینا صاحب کا مطب ہے۔

یہ مدرسہ بہت مشہور اور بہت آباد تھا۔ دور دور سے طلباء یہاں پڑھنے آتے تھے اور رات دن اہل علم کا یہاں ہجوم رہتا تھا۔

ملا نظام الدین صاحب۔ ان کا عرف شاہ جی تھا۔ دلی میں شاہ جی کا تالاب اور شاہ جی کا حجرہ انہی کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ یہ مرہٹوں کے صوبہ دار اور بہت لائق اور منتظم عہدہ دار تھے۔

چاوڑی بازار۔ چاوڑی مرہٹی میں کوتوالی کو کہتے ہیں۔ مرہٹہ گردی میں یہاں مرہٹوں کی کوتوالی تھی اور اب اس بازار میں طوائفیں آباد ہیں۔ دلی کے ایک شاعر مولانا راسخ نے لکھا ہے:

چاوڑی قاف ہے یا خلد بریں ہے راسخ
جمگھٹے حوروں کے پریوں کے پرے رہتے ہیں

نواب غلام محی الدین خاں عرف بڈھن صاحب۔ ان کے والد نواب امیر خاں تھے اور دادا ملا نظام الدین صاحب عرف شاہ جی تھے۔ جن کا تذکرہ اوپر آیا ہے۔

میاں نظام الدین صاحب۔ یہ حضرت ملا نظام الدین اورنگ آبادی کی اولاد میں تھے۔ حضرت ملا نظام الدین کاکوری ضلع لکھنؤ کے شیوخ میں تھے۔ بڑے عالم اور بڑے درویش تھے۔ اورنگ آباد دکن میں ان کا مزار ہے اور حضور نظام کی طرف سے چالیس ہزار روپے سالانہ کی جاگیر بھی اس درگاہ کے لئے وقف ہے۔ ان کو حضرت خواجہ نظام الدینؒ اورنگ آبادی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان کے فرزند حضرت مولانا فخر الدینؒ دہلوی تھے' جنہوں نے آخر زمانہ میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو بہت فروغ دیا۔ حضرت مولانا نیاز بریلویؒ اور حضرت مولانا نور محمد مہاروی انہی کے خلفاء میں تھے۔ حضرت مولانا فخر صاحب کے صاحبزادہ میاں قطب الدین صاحبؒ ہوئے۔ ان کے فرزند میاں نصیر الدین کالے صاحبؒ ہوئے اور ان کے فرزند میاں نظام الدین صاحب ہوئے۔ اورنگ آباد اور حیدرآباد میں بھی اس خاندان کے لوگ موجود ہیں اور دلی میں بھی کوچہ پنڈت میں پیر جی میاں عبدالصمد صاحب اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

لالہ چھنا مل صاحب۔ ان کی اولاد میں لالہ رادھے موہن صاحب گدی پر ہیں۔ یہ کھتری ہیں اور بڑے صاحب جائداد ہیں۔ ان کی کوٹھی کا نام چھنامل سالگ رام ہے۔ یہ خاندان چاندنی چوک کٹرہ نیل میں آباد ہے۔

نواب اکبر خاں۔ یہ نواب امیر خاں کے فوجی سرداروں میں تھے۔ نواب امیر خاں نے ٹونک کی ریاست حاصل

کی تھی جو اپنے زمانہ میں بہت مشہور تھے اور یہ ان کے خاص آدمیوں میں تھے۔

میر محمد حسین صاحب میر خیراتی۔ ان کی نرینہ اولاد نہیں رہی۔ لڑکی کی اولاد پنڈت کے کوچہ میں موجود ہے۔ مودودی خاندان کے اکثر افراد اسی نسب سے تعلق رکھتے ہیں۔

مرزا فاضل بیگ صاحب۔ انبیاء کی گلی کوچہ چیلان میں رہتے تھے۔ ان کے خاندان میں مرزا بیگ صاحب بیدل سررشتہ تعلیم لاہور میں ملازم تھے۔ ان کے اجداد کے مزارات ہمارے ہاں درگاہ میں ہیں۔

حکیم عبدالحق صاحب۔ ان کی حویلی دہلی دروازہ کے قریب تھی' جس پر آج کل کڑہ پائی والا لکھا ہوا ہے اور جو خان بہادر حاجی محمد یوسف پائی والوں کے قبضہ میں ہے۔

قاضی فیض اللہ صاحب کشمیری۔ حمید منزل دریا گنج میں ایک مشہور حویلی ہے۔ وہ انہی کی ملکیت میں تھی۔ غدر میں باغیوں نے عیسائیوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ ان عیسائیوں میں ان کے بھی کچھ دوست تھے۔ ان کو رہا کرانے کی مصلحت سے شاہی کوتوالی میں نوکر ہو گئے تھے۔ انگریزوں کا تسلط ہوا تو شبہ میں ان کو بھی پھانسی دے دی گئی۔

منشی آغا جان صاحب۔ مفتی صدرالدین صاحب کو ان کی بہن بیاہی ہوئی تھیں۔ نواب کرم اللہ خاں صاحب عرف ننھے خاں صاحب مرحوم انہی کے صاحبزادہ تھے' جن کے مکانات نیا محل میں ہیں۔

مفتی صدرالدین خاں صاحب۔ آغا عنایت الرحمٰن خاں صاحب اور آغا احسان الرحمٰن خاں صاحب مفتی صاحب کے بھانجے تھے۔ کوئی اولاد مفتی صاحب کے نہ تھی۔ ان کے بھانجوں کی اولاد اب بھی دہلی میں موجود ہے۔ نواب ابوالحسن خاں صاحب بی اے فرسٹ کلاس مجسٹریٹ دہلی مفتی صاحب کے بھانجے کی اولاد ہیں۔

مفتی صاحب کے والد نواب عبدالرحمٰن خاں صاحب لارڈ لیک کو مرہٹوں کے مقابلہ کے لئے لائے تھے اور تاریخ دہلی میں ان کا ایک خاص حصہ ہے۔

حافظ داؤد صاحب۔ دہلی کے چاوڑی بازار میں ان کے نام کا کمرہ اب تک موجود ہے۔ جو نواب صاحب دوجانہ کے قبضہ میں ہے۔ درگاہ قطب صاحبؒ میں ان کی باؤلی بھی مشہور ہے۔ (یہ باؤلی بازار کے قریب تھی' جو ابھی حال میں بند کرادی گئی ہے)۔

نواب سید حامد علی خان صاحب۔ ان کا خاندان کشمیری دروازہ دہلی میں آباد ہے۔ دہلی کا مشہور عربک کالج انہی کے رشتہ دار میر فضل علی کی امداد سے چل رہا ہے' جنہوں نے ایک لاکھ ستر ہزار روپے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے وقف کئے تھے اور جو آغا میر وزیر شاہ اودھ کی معزولی کے بعد شاہ اودھ کے وزیر ہو گئے تھے۔

مرزا معین الدین حسن خاں۔ نواب قدرت اللہ بیگ خاں کے بڑے بیٹے تھے۔ غدر کے بعد حیدرآباد چلے گئے تھے اور نواب سرسالار جنگ مرحوم نے ان کو نوکر رکھ لیا تھا۔ یہ نواب احمد سعید خاں صاحب رئیس خاندان لوہاروان کے ماموں تھے اور کہا جاتا ہے کہ سرکاری مخبری کا الزام بھی ان پر تھا۔

لالہ رام جی داس صاحب۔ ان کے خاندان میں رائے بہادر لالہ سری کرشن داس صاحب اب بھی دہلی میں موجود ہیں۔

موسیٰ خاں صاحب۔ ان کے بیٹے کا نام احمد حسین خان تھا۔ نواب کلب علی خاں صاحب رئیس رام پور نے تیس روپے ماہوار ان کی گزراوقات کے لئے مقرر کر دیے تھے۔

نواب نبی بخش خاں صاحب۔ دہلی دریبہ کلاں میں ان کی مسجد اب بھی موجود ہے اور ان کی اولاد کے پاس معقول جائداد بھی ہے۔

محمد علی خاں صاحب۔ ان کی حویلی اب بھی کوچہ چیلان میں موجود ہے اور آج کل اس حویلی میں چمار آباد ہیں۔

حکیم امام الدین خاں صاحب۔ آج کل ان کا خاندان حکیم بقا والا کہلاتا ہے اور چاوڑی کے قریب حکیم بقا والوں کی گلی مشہور ہے۔ یہ لوگ آنکھوں کا علاج کرتے ہیں۔

میاں حسن عسکری صاحبؒ۔ چشتیہ نظامیہ سلسلہ کے بزرگ تھے۔ ان کے سگے بھانجے شاہ امیر حسین صاحب صابریؒ تھے۔ جن کی خانقاہ دریا گنج میں اب بھی موجود ہے۔ جس کے موجودہ سجادہ نشین شاہ کرار حسین صاحب رہتے تھے۔ بیرم خاں کے ترا ہے میں شاہ صاحب کی ایک بہت بڑی حویلی تھی جو آج کل رائے بہادر لالہ سلطان سنگ صاحب آنجہانی کے بیٹے کے قبضے میں ہے۔

نواب غلام فخر الدین خاں صاحب۔ ان کے صاحبزادہ نواب احمد سعید خان اور ان کے فرزند نواب نصر اللہ خاں صاحب نواب غلام فخر الدین خاں صاحب بچپن میں میں ان کے پاس ہمیشہ کھیلا کرتا تھا کیونکہ آخر عمر میں یہ ترک وطن کر کے اس مکان میں آ گئے تھے جہاں ان کا مزار ہے اور رات دن عبادت حق میں مصروف رہتے تھے۔ بڑی نورانی صورت تھی۔

نواب خواجہ مصلح الدین خاں صاحب' جن سے یہ تمام واقعات معلوم ہوئے۔ ان کا تذکرہ بھی اس کتاب میں لکھنا چاہتا ہوں۔ ان کا نام نواب خواجہ مصلح الدین خاں ہے۔ ان کے والد کا نام نواب خواجہ شرف الدین خاں صاحب تھا اور ان کے والد نواب خواجہ زین العابدین خاں صاحب تھے۔ یہ خاندان انتیس واسطہ سے حضرت خواجہ یوسف ہمدانی سے مل جاتا ہے۔ ان کے والد کے دادا نواب خواجہ فرید الدین احمد خاں صاحب اکبر شاہ ثانی کے وزیر تھے اور سر سید احمد خاں صاحب اس خاندان کے نواسہ تھے۔

دلی کا آخری سانس

عرف

بہادر شاہ کا روزنامچہ

("یہ روزنامچہ بمبئی کے "احسن الاخبار" اور دہلی کے "سراج الاخبار" (فارسی) کا اردو ترجمہ ہے جو کئی سال سے کتابی صورت میں شائع ہو رہا ہے اور اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور دسمبر ۱۹۳۳ء سے اخبار 'منادی' (دہلی) میں بھی مسلسل شائع ہوا تھا۔ اب اس کو نئے نام یعنی "بہادر شاہ کا روزنامچہ" کے نام سے شائع کیا جاتا ہے۔

یہ روزنامچہ نومبر ۱۸۴۴ء سے ۱۰ مارچ ۱۸۴۹ء تک کا ہے' مگر اس کے بعد سے ۱۸۵۷ء تک کے حالات معلوم نہ ہو سکے تھے اور کسی جگہ ان سالوں کے روزنامچے نہ ملتے تھے' مگر دہلی کے شاہی خاندان سے ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۰ء کا فارسی زبان میں ایک قلمی روزنامچہ دستیاب ہو گیا ہے جس کا ترجمہ کرایا جا رہا ہے۔" ۱۹۳۵ء۔۔۔حسن نظامی)

☆ ☆ ☆

۹۔ ماہ نومبر ۱۸۴۴ء۔ طلوع آفتاب کے وقت حضرت ظل سبحانی (خلد اللہ ملکہ) ڈیوڑھی خاص سے باہر تشریف لائے۔ امرائے دولت و ارکین سلطنت کو سلام کا افتخار حاصل ہوا اور حضرت کی رکاب میمنت انتساب کے ساتھ ساتھ نور کدہ (دیوان خاص) میں حاضر ہوئے۔ احترام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں بہادر نے حضور کی نبض مبارک دیکھی۔ پھر عرضیاں پیش ہوئیں۔ حضور نے ان کو خاص دستخط سے مزین فرمایا۔

تاج محمد خاں کے لئے فرمان صادر ہوا کہ چونکہ راجہ دیبی سنگھ ہماری سلطنت کے قدیم متوسلین میں سے ہیں اور مفتی امداد حسین خاں کے والد کے نذر دینے کے حالات اور ان کے تقرری کے واقعات سے بخوبی واقف ہیں اس لئے ان کو اطلاع دی جائے کہ وہ بہت جلد دربار خلافت میں تمام و کمال حالات پیش کریں۔ فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

جہاں پناہ نے مرزا محمد سلطان فتح الملک شاہ بہادر کو اپنے ساتھ لے کر حضور سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف میں حاضر ہونے کا قصد کیا۔ اس وقت دیوان عام سے اور قلعہ معلی کے دروازہ کے انگریزی آتش خانہ سے اسلام کی توپیں سر ہوئیں۔ چار گھڑی دن چڑھے حضرت ظل سبحانی درگاہ شریف روانہ ہوئے۔ مزار پر انوار پر حاضر ہو کر متوسلین درگاہ کو روپے تقسیم کئے۔ پھر کلام اللہ شریف کے ختم میں شرکت فرمائی اور نیاز میں بھی شریک ہوئے۔

دلی کا آخری سانس

عرف

بہادر شاہ کا روزنامچہ

("یہ روزنامچہ بمبئی کے "احسن الاخبار" اور دلی کے "سراج الاخبار" (فارسی) کا اردو ترجمہ ہے جو کئی سال سے کتابی صورت میں شائع ہو رہا ہے اور اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور دسمبر ۱۹۳۳ء سے اخبار "منادی" (دلی) میں بھی مسلسل شائع ہوا تھا۔ اب اس کو نئے نام یعنی "بہادر شاہ کا روزنامچہ" کے نام سے شائع کیا جاتا ہے۔
یہ روزنامچہ نومبر ۱۸۴۴ء سے ۱۰ مارچ ۱۸۴۸ء تک کا ہے مگر اس کے بعد سے ۱۸۵۷ء تک کے حالات معلوم نہ ہو سکے تھے اور کسی جگہ ان سالوں کے روزنامچے نہ ملتے تھے مگر دلی کے شاہی خاندان سے ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۰ء کا فارسی زبان میں ایک قلمی روزنامچہ دستیاب ہو گیا ہے جس کا ترجمہ کرایا جا رہا ہے۔" ۱۹۳۵ء — حسن نظامی)

☆ ☆ ☆

۹۔ ماہ نومبر ۱۸۴۴ء۔ طلوع آفتاب کے وقت حضرت ظل سبحانی (خلد اللہ ملکہ) ڈیوڑھی خاص سے باہر تشریف لائے۔ امرائے دولت و ارکین سلطنت کو سلام کا افتخار حاصل ہوا اور حضرت کی رکاب میمنت انتساب کے ساتھ ساتھ نورکدہ (دیوان خاص) میں حاضر ہوئے۔ احترام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں بہادر نے حضور کی نبض مبارک دیکھی۔ پھر عرضیاں پیش ہوئیں۔ حضور نے ان کو خاص دستخط سے مزین فرمایا۔

تاج محمد خاں کے لئے فرمان صادر ہوا کہ چونکہ راجہ دیبی سنگھ ہماری سلطنت کے قدیم متوسلین میں سے ہیں اور مفتی امداد حسین خاں کے والد کے نذر دینے کے حالات اور ان کے تقرری کے واقعات سے بخوبی واقف ہیں اس لئے ان کو اطلاع دی جائے کہ وہ بہت جلد دربار خلافت میں تمام و کمال حالات پیش کریں۔ فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

جہاں پناہ نے مرزا محمد سلطان فتح الملک شاہ بہادر کو اپنے ساتھ لے کر حضور سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف میں حاضر ہونے کا قصد کیا۔ اس وقت دیوان عام سے اور قلعہ معلی کے دروازہ کے انگریزی آتش خانہ سے اسلام کی توپیں سر ہوئیں۔ چار گھڑی دن چڑھے حضرت ظل سبحانی درگاہ شریف روانہ ہوئے۔ مزار پر انوار پر حاضر ہو کر متوسلین درگاہ کو روپے تقسیم کیے۔ پھر کلام اللہ شریف کے ختم میں شرکت فرمائی اور نیاز میں بھی شریک ہوئے۔

اسد بیگ خاں جو اسباب فراشخانہ (خیمہ وغیرہ) کے گم ہونے کی وجہ سے بارگاہ سلطانی میں معتوب اور قلعہ معلی کی آمد و رفت سے محروم تھے۔ خدمت عالی میں حاضر ہوئے۔ احترام الدولہ بہادر نے سفارش فرمائی۔ بادشاہ سلامت کی مہربانیوں کا دریا جوش میں آیا اور ان کا قصور معاف کیا گیا۔

حضور پُر نور ہوادار تخت پر سوار ہو کر سیر و شکار کرتے ہوئے دہلی میں تشریف لائے۔ افتخار الدولہ احمد علی خاں نے قلعہ کے دروازہ پر نذر پیش کی اور دونوں توپخانوں سے دستور کے موافق سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔ حضور پُر نور قلعہ معلی میں تشریف لے گئے۔

۱۴- ماہ دسمبر ۱۸۴۴ء۔ میجر جان کوب اکبر آباد (آگرہ) سے دہلی میں وارد ہوئے۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب نے رفاقت قدیم کے سبب سے مہمانداری اور استقبال کی رسومات کو شان و شوکت کے ساتھ انجام دیا اور نواب ضیاء الدین خاں کے مکان میں جہاں پہلے ہی سے مہمانداری کا انتظام کیا گیا تھا ٹھہرایا۔ دو دن کے بعد میجر صاحب نے ناسں مٹکاف بہادر اور دیگر اشخاص سے ملاقات فرمائی۔ دہلی میں آپ کی خاطر و مدارات بہت دھوم دھام سے ہوئی۔

یکم- ماہ فروری ۱۸۴۵ء۔ ادھر خورشید نے جلوہ گر ہو کر دنیا کو روشن کیا ادھر فروغ خاندان عالیشان گورگانی حضرت ظل سبحانی (خلد اللہ ملکہ) نماز اور وظیفہ سے فارغ ہو کر تسبیح خانہ میں تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اراکین سلطنت رسومات کورنش و آداب بجالانے کے بعد عقیدت و نیاز مندی کے ساتھ اپنی اپنی جگہ حاضر ہو گئے۔ سید قاسم علی خاں خلف میر قلندر علی خاں کو خلعت پنج پارچہ اور دو رقم جواہر عطا کیا گیا۔ سید قاسم علی خاں نے نذر پیش کر کے بادشاہ سلامت کی اس عظیم المرتبہ مہربانی اور بخشش کا شکریہ ادا کیا۔ اہل دربار رخصت ہوئے تو زبدۃ الواصلین قدوۃ السالکین حضرت شاہ غلام نصیر الدین (عرف میاں کالے صاحب) ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ معرفت و حقائق کے دفتر کھلے۔ اس مبارک صحبت کے آخر میں علاقہ بخشی گری کے متعلق ہدایت علی خاں کے مقدمہ کے کاغذات پیش کئے گئے۔ بادشاہ سلامت نے احترام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں بہادر کو طلب کر کے یہ تمام کام سپرد کر دیا۔

قرۃ باصرۂ دولت۔ مدار المہام امور سلطنت مرزا محمد شاہ رخ بہادر کا عریضہ نظر انور سے گذرا۔ خیر و عافیت کے حالات سے آگاہی ہوئی۔

دہلی میں آج کل ایک مطبع رفاہ عام کے نام سے نہایت شان و شوکت کے ساتھ جاری ہوا ہے۔ "کریم الاخبار" جس کے مہتمم فضائل مآب مولوی کریم الدین صاحب ہیں اسی مطبع میں چھپتا ہے۔ امید ہے کہ عنقریب یہ مطبع بہت زیادہ رونق اور ترقی حاصل کرے گا۔

۷- ماہ فروری ۱۸۴۵ء۔ آج سخت بارش ہوئی۔ تجارہ کے راجہ بلونت سنگھ نے دنیا سے رحلت کی۔ ان کی عمر تقریباً پینتیس برس کی تھی۔ ان کے ورثاء میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کا جانشین قرار پا سکے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی ریاست اور تمام متروک مال و اسباب مہاراجہ الور کے سپرد کیا جائے گا کیونکہ مہاراجہ عرصہ سے اس بات کے خواہشمند تھے۔ ایجنٹ نے بھی مہاراجہ کے موافق ہی فیصلہ کیا ہے۔ تمام ریاست پر عمل و دخل کرنے کے لئے راجہ صاحب نے انعام اللہ خاں اور اسفندیار خاں کو پیادوں کی ایک پلٹن اور سواروں کے ایک رسالہ کے ساتھ تجارہ روانہ کر دیا۔ ان اصحاب نے تجارہ پہنچ کر

صرافوں اور تنخواہ داروں سے ان کی مطلوبہ رقوم کی ادائیگی کا وعدہ کر کے بیس لاکھ روپے نقد پر قبضہ کر لیا۔ اس میں چھ ہزار اشرفیاں بھی شامل ہیں۔ راجہ تجارہ کی ہمشیرہ کو جو قید خانہ میں تھیں اس جمعیت نے رہا کر دیا۔

آج راجہ گوپال سنگھ بھی جو سکندر آباد میں مقیم تھے اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ سرکار سے انہیں پانچ سو روپیہ ماہوار پنشن ملتی تھی۔

۲۸ سفروری ۱۸۴۵ء۔ اس زمانہ میں بہت تیز ہوا چلی اور سخت بارش ہوئی۔ تقریباً تین گھنٹہ تک یہی کیفیت رہی۔ ایک میل کے فاصلے پر اولے بھی برسے' لیکن ابھی تک کسی نقصان کی خبر موصول نہیں ہوئی۔

۷۔ مارچ ۱۸۴۵ء۔ حضرت سراج الدین محمد ابوظفر بہادر شاہ (خلد اللہ ملکہ) حضور پُر نور قطب الاقطاب کے درگاہ کی حوالی میں رونق افروز ہوئے۔ غالباً وہاں کے جھرنا اور تالاب پر اور اس کے قرب وجوار کے سبزہ زار میں سیر و شکار کی غرض سے تشریف لے گئے ہیں۔

ماہ جنوری کا زر مقررہ خزانہ عامرہ میں داخل ہو گیا۔ تنخواہ داروں کو تنخواہ تقسیم کر دی گئی اور پانچ ہزار روپیہ شہزادہ محمد بہادر شاہ کے پاس شکار کی مد میں روانہ کیا گیا جو علاقہ نجیب آباد میں اقامت گزیں ہیں۔

ماہ اپریل ۱۸۴۵ء۔ بلونت سنگھ جمعدار راجہ اجیت سنگھ (راجہ پٹیالہ کے بھائی) نے جوالا سنگھ جمعدار کی معرفت ٹامس مٹکاف بہادر ریذیڈنٹ دہلی کی خدمت میں ایک خط بھیجا' جس میں لکھا تھا کہ راجہ صاحب کے مختار نانک چند نے رات کے وقت توشہ خانہ سے بہت سامال و اسباب چرا لیا۔ ایک رقعہ لارنس صاحب مجسٹریٹ کے نام عنایت کیا جائے جس کے ذریعہ سے ہم نانک چند کے گھر کی تلاشی لے سکیں۔ ریذیڈنٹ نے فرمایا دربار میں آنا۔ تحقیقات کے بعد حکم صادر کیا جائے گا۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی۔ بلونت سنگھ جمعدار لارنس صاحب بہادر مجسٹریٹ کی خدمت میں گئے اور ریذیڈنٹ بہادر کا خط پیش کیا۔ مجسٹریٹ نے خط پڑھ کر ایک حکمنامہ شیخ عبدالحق کوتوال شاہ جہاں آباد کے نام لکھا کہ راجہ صاحب کے آدمیوں میں سے دو معتمد آدمیوں کو ساتھ لے کر نانک چند کے گھر کی تلاشی لی جائے۔ حسب الحکم شیخ عبدالحق نے جو نہایت عقلمند اور معاملہ فہم آدمی ہے' گھر کا کونہ کونہ چھان مارا' مگر مال مسروقہ میں سے کوئی چیز دستیاب نہیں ہوئی۔

حسین بخش بزاز نے پانچ ہزار کا دعویٰ منشی شیر علی خاں پر حضور کینس صاحب بہادر جج شاہ جہاں آباد کی عدالت میں دائر کر رکھا تھا۔ اس کا فیصلہ مدعی کے حق میں سنایا گیا۔

جج صاحب بہادر تین مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لئے ڈاک پالکی پر سوار ہو کر ہانسی کی طرف روانہ ہونے والے ہیں۔ نرائن داس ساہوکار خلف رائجی مل ساہوکار نے لتری کی کوٹھی کو دس ہزار روپیہ میں خرید لیا۔

۱۱۔ ماہ اپریل ۱۸۴۵ء۔ نواب گورنر جنرل بہادر کی ایجنٹ کی عرضی حضرت ظل سبحانی خلیفہ رحمانی (خلد اللہ ملکہ) کی نظر سے گذری۔ عرضی کا مضمون یہ تھا کہ حضرت عرش آرامگاہ انار اللہ برہانہ کے زمانہ میں شاہی ضرورتوں میں خرچ کرنے کے لئے جو اضافہ مشاہرہ میں کیا گیا تھا' حضور کے ہاں وہ اب مصارف مقررہ کے خلاف خرچ ہونے لگا ہے۔ یہ روپیہ صرف جیب خاص کے واسطے ہے' کیونکہ اس میں سے حضور ان شہزادوں کے واسطے بھی تو روپیہ مرحمت فرماتے ہیں جن کی کوئی معاش نہیں ہے یا معاش ہے تو گذران کے لائق نہیں ہے۔

ادائے قرض کے معاملہ کی نسبت یہ ہے کہ جب ضرورت ہوگی نواب گورنر جنرل بہادر کی طرف سے ادا کر دیا جائے گا اور اسی طرح قلعہ کی مرمت وغیرہ کا انتظام بھی حسب ضرورت ہو جایا کرے گا۔

صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرس کا نصب العین یہ امر ہے کہ تمام خاندان تیموریہ کے ساتھ اور بالخصوص حضور والا کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ بدرجۂ غایت مراعات و آرام رسانی کا برتاؤ اختیار کیا جائے۔

۱۸- ماہ اپریل ۱۸۳۵ء۔ حضرت سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی خلد اللہ ملکہٗ حضور قطب الاقطابؒ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوئے۔ درگاہ شریف کی زیارت کے بعد نذر و نیاز تقسیم فرمائی۔ معظم الدولہ صاحب کلاں ایجنٹ بہادر کی عرضی پچیس ہزار روپیہ ماہوار کے اضافہ کے متعلق نظر فیض انور سے گزری۔ حضور کی طبیعت مبارک مسرور ہوئی پھر حضور سواری میں تشریف لے گئے۔

معلوم ہوا ہے کہ انگلستان سے اس مضمون کا ایک فرمان سر ہنری باروٹ صاحب گورنر جنرل بہادر کلکتہ کے نام آیا ہے۔ چونکہ حضرت بادشاہ دہلی کو اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے اس لئے اخراجات شاہی کے لئے موازی پچیس ہزار روپیہ ماہوار کا اضافہ مقرر کیا جاتا ہے۔ دوسرے سلاطین کے لئے اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ان کا گذارہ مقررہ تنخواہ سے نہیں ہوتا تو اوقات بسری کے لئے ان کو کہیں ملازمت اختیار کر لینی چاہئے (سلاطین سے مراد شاہی خاندان کے افراد یعنی شہزادے ہیں۔ حسن نظامی)

حضرت بادشاہ سلامت کے لیے مصلحت یہ ہے کہ گورنر جنرل بہادر جب دہلی تشریف لائیں تو ان سے ملاقات فرمائیں۔ قرض ادا کرنے کے لئے جب ضرورت لاحق ہو تو گورنمنٹ کلکتہ سے استدعا کی جائے۔

نواب گورنر جنرل بہادر نے ایجنٹ دہلی کے نام اور ایجنٹ دہلی نے حضور والا کے نام اس امر کی اطلاع دہی کے لئے ایک مراسلہ بھیجا ہے۔

افواہاً سنا گیا ہے کہ اضافہ کے بارے میں ابھی چند امور فیصلہ طلب باقی ہیں۔ حضور اقدس کی طرف سے طلبی کا ایک شقہ کنور دیبی سنگھ کے نام جاری ہوا ہے۔

مہاراجہ ہندو راؤ کا خریطۂ دہلی شاہجہاں آباد کے ریذیڈنٹ بہادر کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اس میں تحریر تھا کہ راجہ کولاپور کے علاقہ میں میری تین لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر ہے اور راجہ کولاپور اس پر ناجائز طور پر قابض ہیں۔ پہلے گورنروں نے بھی ان کو اس بات سے منع کیا تھا مگر وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ امید ہے کہ آپ کی طرف سے راجہ کولاپور کے نام ایک چٹھی لکھی دی جائے گی کہ وہ میری جاگیر میں دست اندازی سے باز آ جائیں۔

دہلی کے صرافوں نے درخواست گزاری ہے کہ یہاں ابھی تک لکھنؤ کے سکہ کے روپوں کا لین دین جاری ہے اور کمپنی کے سکہ چہرہ شاہی پر فیصدی ایک روپیہ صرافہ (بٹہ) لیا جاتا ہے حالانکہ کمپنی بہادر کا منشا یہ ہے کہ کمپنی کا روپیہ رواج پذیر ہو۔ شہر کے لوگوں کو عام طور پر اس بات کی شکایت ہے۔ ضروری ہے کہ مناسب انتظام کیا جائے (لکھنؤ کا سکہ اب دہلی میں کہیں نہیں ملتا۔ معلوم نہیں کیسا تھا۔ حسن نظامی)

۲۵- ماہ اپریل ۱۸۳۵ء۔ ۱۵ ربیع الاول شریف۔ بوقت شب۔ صاحب ریذیڈنٹ بہادر کی عرضداشت حضور کی

نظر عالی سے گذری' جس سے اس بات کا انکشاف ہوا کہ صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرس بہادر نے تین لاکھ روپیہ سالانہ پر پچیس ہزار روپیہ کا اضافہ فرمایا ہے۔ چند اور خطوط بھی پیش کئے گئے جو کورٹ آف ڈائرکٹرس کے چند اراکین کی طرف سے نواب گورنر جنرل بہادر کے نام حضرت بادشاہ سلامت کی عزت و احترام کے متعلق آئے تھے۔ ان کے ملاحظہ سے حضور کی خاطر اقدس کو مسرت ہوئی اور مراسلہ نگار اراکین کی نسبت کلمات تحسین و آفرین زبان فیض ترجمان پر جاری ہوئے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت محمد اکبر بادشاہ فردوس آرامگاہ کے زمانہ سے اضافہ کا تعین ہو گیا تھا' مگر چونکہ گورنمنٹ نے دوسرے شہزادوں میں بطور خود ان کی تقسیم کا ارادہ ظاہر کیا تھا' اس لئے اس وقت حضرت بادشاہ طاب ثراہ نے اسے قبول نہ فرمایا تھا۔ اس وقت اضافہ سے یہی غرض ہے کہ جس طرح تین لاکھ روپیہ بادشاہ سلامت اپنے اختیار سے صرف کرتے ہیں' اسی طرح یہ پچیس ہزار روپیہ بھی حضرت اقدس کی رائے کے موافق تقسیم ہوگا۔ پس جو اضافہ پہلے مقرر کیا گیا تھا' وہ گویا نہ ہونے کے برابر تھا۔ البتہ اب جو اضافہ ہوا ہے' یہ قابل اعتماد ہے اور اسے کورٹ آف ڈائرکٹرس کے اراکین کی دانشمندی اور معاملہ فہمی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اگر بادشاہ سلامت کے کارپردازوں کی طرف سے عقل مندی اور ہوشیاری کا برتاؤ عمل میں آیا تو یقین واثق ہے کہ اضافہ کے حکم کے وقت سے حساب لگا کر آج کی تاریخ تک تمام روپیہ خزانہ شاہی میں داخل کرایا جائے گا' کیونکہ ایسا کرنے میں صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرس کے لئے کوئی حجت و معذرت باقی نہیں ہے۔

(معلوم ہوتا ہے بہادر شاہ کو تین لاکھ روپیہ سالانہ ملتا تھا۔ لاکھ روپیہ مہینہ نہ تھا۔ حسن نظامی)

۹-ماہ مئی ۱۸۴۵ء۔ جن شہزادہ بہادر (غالباً محمد شاہ رخ بہادر) کا ذکر پہلے روزنامچہ میں کئی دفعہ آچکا ہے۔ آج کل ایجنٹ نواب گورنر جنرل کے مہمان ہیں۔ اگرچہ میزبان کی مرضی نہیں ہے کہ مہمانداری کے مراسم کی ادائگی میں کوئی اور بھی شرکت کرے' مگر یہاں کے رہنے والے انگریزوں کا خیال ہے کہ بہت بڑے پیمانہ پر ضیافت کا انتظام کیا جائے۔ ۲۲ اپریل کو دلی میں سخت زلزلہ آیا۔

۲۳-مئی ۱۸۴۵ء۔ جب آفتاب نے افق مشرق سے اپنا نورانی چہرہ نکالا' بادشاہ سلامت ڈیوڑھی خاص سے باہر جلوہ افروز ہوئے۔ اراکین سلطنت نے آداب و سلام کے مراسم ادب و اخلاص کے ساتھ ادا کیے۔ حضور ظل اللہ مرغان صحرائی کے شکار کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے۔ چھ گھڑی دن چڑھے بہت سے پرندوں کو شکار کر کے دولت سرا میں قدم رنجہ فرمایا۔

ضمیر الدولہ نظارت خاں بہادر کا عریضہ پیش ہونے کے بعد ضرورت مندوں کی عرضیاں کنیزکوں کی معرفت پیش کی گئیں جن پر جہاں پناہ نے اپنے دستخط کر کے فیصلے صادر فرمائے۔

شام کے وقت مرزا محمد شاہ رخ بہادر اور حاذق الزمان حکیم احسن اللہ خاں بہادر اور راجہ دیبی سنگھ بہادر نے حضور میں شرف باریابی حاصل کیا اور سلطنت کے انتظامی امور کی نسبت عرض معروض کی۔

۳۰ مئی ۱۸۴۵ء۔ ایک علاقہ بند کا لڑکا دریائے جمنا میں نہانے کے واسطے گیا تھا۔ دریا کی موجوں نے اسے علائق دنیا سے چھڑا کر عدم آباد میں بھیج دیا۔ ایک دودھ بیچنے والے کی بیوی گھر کے لڑائی جھگڑوں سے تنگ آکر کنوئیں میں ڈوب گئی۔ اس محلہ کے تھانہ دار نے نعش کو کنوئیں سے نکالا تو دیکھا کہ یہ عورت تین سو روپیہ کا زیور پہنے ہوئے ہے۔

۶- ماہ مئی ۱۸۴۵ء۔ سورج نکلے حضور ظل اللہ (خلد اللہ ملکہٗ) وظیفہ نماز سے فارغ ہو کر محل معلی میں رونق افروز ہوئے۔ اراکین سلطنت آداب و کورنش بجالانے کے بعد رخصت ہو گئے۔ احترام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں بہادر نے مزاج وہاج کی خیر و عافیت دریافت کی۔

ضمیر الدولہ نظارت خاں بہادر نے عرضی پیش کی کہ ہر چند توپچی آیا تھا۔ قلعہ معلی کے مکانات دیکھ کر واپس چلا گیا۔

۱۳- ماہ جون ۱۸۴۵ء۔ حضرت بادشاہ سلامت حضور قطب صاحبؒ کے مزار پر رونق افروز ہوئے۔ درگاہ کے قریب جو محل بنوایا ہے اس کے خس خانہ کو ملاحظہ فرما کر چھپر بند کے افسر کو ایک جوڑا دو سالہ مرحمت فرمایا۔

ایک درویش مکہ معظمہ جانے والا تھا۔ حضور نے اس کو بھی مبلغ چھبیس روپیہ مرحمت فرمائے۔ قطب بخش گویے نے عرض کیا کہ میں الور جانا چاہتا ہوں۔ حکم دیا کہ اس کی تنخواہ ادا کر دی جائے اور ایک ہاتھی اور دو سوار اور ہرکارے اس کے ساتھ جانے کے لئے مقرر کیے گئے۔

راجہ بشن ناتھ کی عرضی حضور اقدس کے شقہ کے جواب میں موصول ہوئی۔ لکھا تھا کہ غلام علی باقیدار ٹھیکہ دار بتول والا کہیں بھاگ گیا ہے۔ جب ان دیہاتوں سے روپیہ وصول ہوگا۔ بارگاہ سلطانی میں ارسال کر دیا جاوے گا۔

کنور دیبی سنگھ سے ارشاد ہوا کہ جو دیہات متعلقہ سلطانی تمہارے پاس ہیں ان میں سے نصف حصہ کو چھوڑ دو اور اپنے قرضہ کے اسی ہزار روپیہ کا تمسک اسٹامی کاغذ پر تحریر کرا کے بقیہ نصف حصہ کو اپنے قبضہ میں لے لو۔ کنور دیبی سنگھ نے دست بستہ عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو مجھے بسر و چشم منظور ہے۔

حضرت مرشد زادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر کی صاحبزادی نواب نور جہاں بیگم سترہ برس کی عمر میں دنیائے فانی کی لذتوں سے کنارہ کش ہو کر جنت کو سدھاریں۔

حضور انور نے مبلغ ایک سو روپیہ جنازہ کی تیاری کے لئے اور اکتیس روپیہ قبرستان میں گیہوں وغیرہ تقسیم کرنے کے لئے مرشد زادہ کے گھر بھجوا دیے۔

جناب مستطاب معظم الدولہ صاحب کلاں بہادر فرزند ارجمند سلطانی یعنی ریزیڈنٹ دہلی دام اقبالہ شہر دہلی میں آئے اور حضرت جہاں پناہ کی باریابی سے بہرہ افروز ہوئے۔ حضرت جہاں پناہ نے مزاج کی خیریت دریافت کرنے کے بعد اضافہ تنخواہ سلاطین (سلاطین ان شہزادوں کو کہتے تھے جو بادشاہ کے بھائیوں اور چچاؤں کی اولاد ہوتے تھے۔ حسن نظامی) کے متعلق دو شقے لکھ کر عنایت فرمائے۔ ایک کا مضمون یہ تھا کہ آں فرزند ارجمند نے اپنی حسن تدبیر سے میرے دل کے رنج کو دور کر دیا۔ جو تھوڑی بہت شکایت باقی ہے وہ بھی بہت جلد جاتی رہے گی۔ دوسرے شقہ میں تحریر فرمایا تھا کہ نولاکھ روپیہ کی قرضداری ہے۔ اس کی ادائیگی کے لئے صدر دفتر میں رپورٹ کی جائے۔ صاحب کلاں بہادر نے عرض کیا ان دونوں شقوں کا ترجمہ انگریزی زبان میں ہونا چاہئے۔

مرزا ولی عہد بہادر کا رقعہ پیش ہوا کہ محلدار خاں کا باغ تخت شاہی کے متعلق ہے اور حضور والا کا ارادہ اسے منتقل فرمانے کا ہے۔ اس میں تو سراسر میری حق تلفی کی صورت ہے۔ استفسار حقیقت کے لئے یہ عریضہ ارسال ہے۔

پرگنہ کوٹ قاسم کے دیہات کی زمینداری کا نقشہ ملاحظہ کی غرض سے پیش کیا گیا۔ جہاں پناہ بہت مسرور ہوئے اور انعام واکرام بخشا۔

وکیل میر حامد علی خاں نے مؤکل کا خط تحصیل مواضع اسود وغیرہ قبول والا کے کاغذات کے ساتھ حضور کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ اس نیاز مند کا دو لاکھ تین ہزار روپیہ حضور کے کام میں خرچ ہوا ہے۔ حساب کی نقل بغرض ملاحظہ عالی حاضر ہے۔

یعقوب علی خاں فرخ نگر والے نے حضور لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ کی خدمت میں ایک خط لکھا تھا کہ مجھے خطاب پدری سے سرفراز فرمایا جائے۔ اس کے جواب میں اطلاع آئی کہ صدر دفتر سے تمہارے لئے نوابی کا لقب اور بہادری کا خطاب منظور ہو کر آ گیا ہے۔ تم کو صدر دفتر میں اس بات کا شکریہ لکھ کر روانہ کر دینا چاہئے۔

پچھلی رات سے دو گھڑی دن تک خوب بارش ہوئی۔ بجلی بھی چمکی۔ یہاں کا موسم آج کل بہت گرم ہے۔ حالانکہ آج ۲۷ مئی ہے جو بارش کا مہینہ نہیں ہے۔

۲۰-جون ۱۸۴۵ء۔ بابری خاندان کے شہزادوں کی اس مضمون تک عرضی حضور کے ملاحظہ میں (بادشاہ سلامت کے بھائی میرزا بابر کی اولاد۔ حسن نظامی) پیش ہوئی کہ ہمیں قلعہ چھوڑنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بہت مصیبت افزا ہے۔ ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ کس خطا کے بدلہ یہ سزا دی جاتی ہے۔ ہم اضافہ تنخواہ کا بھی مطالبہ نہیں کرتے۔ حضور والا! ازراہ مرحمت خسروانہ اس حکم کو منسوخ فرمائیں۔ جواباً دوبارہ حکم ہوا کہ قلعہ خالی کر دو اور شہر میں کسی جگہ عمارت بنا کر سکونت اختیار کرو۔ (میرزا بابر کی اولاد طرح طرح کی شرارتیں کرتی رہتی تھی۔ حسن نظامی)

کوتوال شہر نے سولہ آدمیوں کو قمار بازی کے جرم میں گرفتار کر کے حاکم کے سامنے پیش کیا۔ نو آدمیوں کو چھ مہینہ کی قید اور پچاس روپیہ جرمانہ اور پانچ آدمیوں کو تین مہینہ کی قید اور پچیس روپیہ جرمانہ اور دو آدمیوں کو ایک مہینہ کی قید اور چار روپیہ جرمانہ کی سزا کا حکم سنایا گیا اور جرمانہ ادا نہ کرسکنے کی صورت میں حکم ہوا کہ ایسے لوگوں کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر سڑکوں کی تعمیر و درستی کا کام لیا جائے۔

۱۴ جمادی الاول جمعرات۔ بوقت عصر۔ اس شدت کا مینہ برسا اور ایسی سخت آندھی آئی کہ تمام شہر تیرہ و تار ہو گیا اور چونکہ یہاں مکانات عموماً کھپریل اور پھونس کے بنے ہوئے ہیں اس لئے ان کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ چھتیں اڑ گئیں۔ دیواریں گر پڑیں۔ غریبوں کے لئے رہنے کا ٹھکانا نہ رہا۔ بہت سے درخت جڑوں سے اکھڑ گئے۔ جو جانور جنگلوں میں چر رہے تھے ہوا کی تیزی سے اڑ کر قلعہ کی خندق میں گر پڑے اور مر گئے۔ سنا گیا ہے کہ شدت ہوا کے باعث ایک عورت اڑ کر کنوئیں میں جا پڑی۔ جمعہ کے دن بھی اسی طرح خاک و باد کا شدید طوفان آیا تھا' مگر مینہ برسنے کی وجہ سے گرد و غبار دب گیا۔ آندھی کا زور شور جاتا رہا۔ پھر بھی کڑک اور چمک دل کے ہلا دینے کے لئے کافی تھی۔ (بادشاہ سلامت کے عہد میں دہلی شہر میں صرف امرا کے مکانات پختہ تھے۔ عوام کے گھر عموماً سب خس پوش اور کھپریل کے تھے۔ یہ سب ترقی جو آج کل ہے انگریزی عہد کی ہے۔ حسن نظامی)

خبر آئی ہے کہ علی گڈھ کے جنگل میں آبادی کے نصف کوس کے فاصلہ پر ایک جگہ بجلی گری۔ گرمی بہت تیز پڑ

رہی تھی۔ مینہ برسا تو کچھ ٹھنڈک ہوگئی اور ان امراض میں کمی واقع ہونے لگی جو گرمی کی شدت کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔

شاہجہاں بادشاہ کے زمانہ میں دہلی کے اندر جو نہر جاری ہوئی تھی اب ضعف سلطنت کی وجہ سے اکثر جگہ اس کے پانی کی آمدورفت مسدود ہوگئی تھی لہٰذا اس کے شکستہ مقامات کی مرمت ہو رہی ہے۔ چاندنی چوک اور کابلی دروازہ کی نہر میں پانی جاری ہو گیا ہے۔ اجمیری دروازہ اور حوض قاضی کی طرف نہر بند تھی۔ آج کل اس کو صاف کرایا جا رہا ہے۔ نہر جاری ہو جانے سے خلقت کو پانی کا بہت آرام ہو جائے گا۔

شیخ عبدالحق کوتوال شہر نے مالی واڑہ میں ایک گرہ کٹ کے گھر سے بہت سے قمار بازوں کو گرفتار کر کے عدالت سے سزا دلائی اور جو فرار ہو گئے تھے ان کے نام گرفتاری کے وارنٹ جاری کرائے۔

اس سال پچھلے برسوں کی طرح آگ لگنے کے واقعات بھی نہایت کمی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے۔ شدت گرما کی وجہ سے صرف تین محلوں میں آگ لگنے کے ناگوار واقعات پیش آئے' لیکن آگ بہت جلد بجھا دی گئی۔ اب حکم ہو گیا ہے کہ پھونس کے مکانات نہ بنائے جائیں اور لوگ پھونس کے چھپر ترک کرتے جاتے ہیں۔ اس واسطے آگ کی وارداتیں کم ہوتی چلی ہیں۔

۴-ماہ جولائی ۱۸۴۵ء۔ دہلی میں آج کل سخت گرمی پڑ رہی ہے۔ آدمی اس طرح بھُن رہے ہیں جیسے بھاڑ میں چنے۔ شروع جمادی الاول میں کچھ کچھ بارش ہوگئی تھی' جس کی وجہ سے گرمی کا اثر کسی قدر کم ہو گیا تھا اور لوگوں کی جان میں جان آئی تھی۔ اب پھر وہی کیفیت ہے۔ لوگ گرمی کی وجہ سے اضطراب و اضطرار کی حالت میں ہیں۔

جمنا میں سخت طوفان آیا۔ پل بھی ٹوٹ گیا۔ خلائق کو آنے جانے کی تکلیف ہوگئی۔ چار کشتیاں بہہ گئیں۔ فالیز کی کھیتی تمام برباد ہو گئی۔ پانی نے کھیتی کا نشان تک باقی نہیں چھوڑا۔ ابھی تک پل کی مرمت نہیں کی گئی۔ مسافر اور کاروباری آدمیوں کو بڑی تکلیف ہے۔ شاہدرہ میں آدمیوں کی ایک جماعت بیکار اور معطل پڑی ہوئی ہے۔

آج کل دہلی میں بنارس کی طرف کا ایک برہمن آیا ہوا ہے' جس کا دعویٰ ہے کہ میں استخراج مجہولات (چھپے ہوئے امور معلوم کرنے کا ایک قاعدہ) کے ذریعہ سے چھپے ہوئے خزانے اور دفینے کا حال بتا سکتا ہوں۔ مرزا عاشور بیگ صاحب کو جب برہمن کے اس کمال کی خبر ہوئی تو انہوں نے بلا کر کہا۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ ہمارے اس مکان میں دفینہ ہے' لیکن یہ نہیں معلوم کس جگہ ہے۔ اگر تم خزانہ کا ٹھیک پتہ بتا سکو اور وہاں سے کچھ نکل بھی آئے تو میں تم کو اس میں سے کچھ حصہ دوں گا۔ برہمن نے کہا میں نشان بتاؤں گا۔ اگر روپیہ نکل آئے تو آدھا تمہارا آدھا ہمارا۔ حاصل کلام اسی شرط پر معاملہ طے ہو گیا۔ برہمن نے حساب لگایا اور ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ کھدائی شروع ہوگئی۔ برہمن اپنی طرف سے ایک آدمی کو نگرانی کے لئے چھوڑ کر خود چلا گیا۔ چند گز زمین کھودی گئی ہو گی کہ بارہ ہزار روپیہ اور ایک ہزار اشرفی نکلی۔ مرزا عاشور بیگ نے جب یہ رقم دیکھی تو اپنے اقرار سے پھر گئے۔ دل میں کہا اپنے بزرگوں کی جمع کی ہوئی دولت کو جو انہوں نے اپنی اولاد کے آڑے تھڑے وقت کے لئے رکھی تھی اس طرح آسانی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کر دینا بیوقوفی کی نشانی ہے۔ کوئی ایسی تدبیر سوچنی چاہئے کہ ہماری دولت کا آدھا حصہ بیکار نہ جائے اور حلال روپیہ حرام صورت میں برہمن کے

صرف میں ضا ئے۔ بہت غور وفکر کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ برہمن کے مقرر کئے ہوئے آدمی کو کسی طرح اپنی طرف کر لینا چاہئے تا کہ اصل حقیقت کا کسی کو علم نہ ہو اور تھوڑے سے خرچ میں کام بن جائے۔ چنانچہ برہمن کے گماشتہ سے آٹھ سو روپیہ رشوت پر یہ معاملہ طے ہو گیا کہ برہمن سے یہ ظاہر کیا جائے کہ صرف دو ہزار روپیہ نکلا ہے۔ اس پر مرزا صاحب اور گماشتہ میں قسما قسمی بھی ہو گئی۔ چنانچہ اس قرارداد کے موافق ایک ہزار روپیہ گماشتہ کے ذریعہ سے برہمن کے پاس بھیج دیا گیا۔ کچھ عرصہ تک اس واقعہ کی کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوئی' مگر بعد میں راز کھل گیا اور برہمن کو اصل واقعات کا علم ہو گیا اور اس نے اپنے گماشتہ کی رشوت ستانی اور مرزا عاشور بیگ کی وعدہ خلافی کا حال اخبار ''کریم الاخبار'' کے مہتمم صاحب سے بیان کیا اور استدعا کی کہ اسے شائع کر دیا جائے۔ مہتمم صاحب نے یہ حالات اپنے اخبار میں درج کر دیئے۔

ہمارے نزدیک یہ حکایت صداقت سے خالی ہے اور محض ایک نادر حکایت ہی ہے کیونکہ استخراج مجہولات قاعدہ کے ذریعہ سے نامعلوم اشیاء کے اعداد اور حساب کی پوری کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ یہ تو معلوم کر لیا کہ خزانہ مدفون ہے اور یہ نہ معلوم کیا اس کی تعداد کیا ہے۔ یہ بات اس فن کے جاننے والوں میں سے ہر ایک پر ظاہر ہے۔ غالباً اس برہمن نے رمل یا نجوم کے ذریعہ سے خزانہ کا پتہ چلا لیا ہو گا اور تعداد کا حال معلوم کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ (میرزا عاشور بیگ نواب سرور جنگ مرحوم کے چچا تھے جو غدر میں شہید ہو گئے۔ حسن نظامی)

۱۱- ماہ جولائی ۱۸۴۵ء۔ علی پور کے زمینداروں نے چار سو روپے اور کچھ زیور کے لالچ کی وجہ سے ایک شخص کو جان سے مار ڈالا اور اس کے مال کو چھین لیا۔ سنا ہے مار ڈالنے کے بعد لاش ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی۔ مقتول کی لاش مجسٹریٹ کے ملاحظہ کے لئے دہلی لائی گئی ہے۔ دیکھئے کیا حکم صادر ہوتا ہے۔

۱۸- ماہ جولائی ۱۸۴۵ء۔ دن نکلے حضور جہاں پناہ نماز اور اس سے فارغ ہو کر آرام کے خیال سے محل معلی میں رونق افروز ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد پھر برآمد ہوئے۔ زور آور چند بہادر اور رائے گیندا مل اور دوسرے اہل کاروں نے شرف نیاز حاصل کر کے عرض کیا کہ ابھی تک تنخواہ تقسیم نہیں ہوئی کیونکہ خزانہ میں تین ہزار ایک سو روپیہ کی کمی ہے۔ رائے صاحب گیندا مل کے نام فرمان واجب الاذعان صادر ہوا کہ جس طرح ممکن ہو سکے تنخواہ داروں کی تنخواہ تقسیم کر دی جائے اور مبلغ چھ سو روپیہ جو تمہاری طرف نکلتے ہیں انہیں بھی تقسیم کرنے کے لئے اس رقم میں شامل کیا جائے۔

بادشاہ سلامت شام کے وقت باہر تشریف لائے۔ احترام الدولہ بہادر سعادت ملازمت سے فائض ہوئے۔ حضور والا نے قرۃ باصرۂ خلافت مدارالمہام سلطنت مرزا محمد شاہرخ بہادر کے مکان پر نزول اجلال فرمایا۔ صاحب عالم بہادر نے احترام واعزاز کے ساتھ استقبال کیا اور خسروانہ عنایتوں کے مستحق ہوئے۔ تھوڑی دیر عرض معروض میں گذری۔ مراجعت (واپسی) کے وقت جوالا سنگھ حاضر ہوئے اور تین عرضیاں معظم الدولہ بہادر کی حضور میں گذاریں۔ ایک ٹھیکہ دار کے متعلق تھی جس میں شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سے تعارف کرایا گیا تھا۔ دوسری چٹھی پانچ ہزار چھہتر روپیہ کی ہنڈوی مرسلہ اسد علی خاں مستاجر باغ صاحبہ آباد وغیرہ کی بابت تھی۔ تیسری اس بارے میں تھی کہ اس قدیمی عقیدت شعار نے ایک خط راجہ سوہن لال کے نام لکھا ہے' اس میں استفسار کیا گیا ہے کہ پانچ دن پہلے ایجنٹ بہادر سے ملاقات کرنے اور ان کے ساتھ صلح صفائی کی گفتگو پیش آنے کا جو حال صاحب عالم بہادر پر ظاہر کیا گیا ہے' صحیح نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ واقع کے

خلاف اس قسم کی جھوٹی باتوں کو کیوں مشہور کر دیا گیا۔ دربار شاہی کے اہل کاروں کی یہ تمام افترا پردازیاں محض اس وجہ سے ہیں کہ اس خاکسار کو شرف حضوری حاصل کرنے کا بہت کم موقع ملتا ہے اور جن لوگوں نے یہ مشہور کیا ہے اُن کے دلوں میں دشمنی کی آگ بھڑک رہی ہے۔

یہ تینوں عرضیاں حضور اقدس کے ملاحظہ کے لئے پیش ہوئیں تو حضور والا نے حکیم احسن اللہ خاں بہادر سے فرمایا کہ ان عرضیوں کو حرفاً حرفاً ہمیں پڑھ کر سناؤ۔ ارشاد کی تعمیل کی گئی۔ پہلی عرضی کے جواب میں فرمایا۔ بہت اچھا کیا۔ ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ دوسری کے جواب میں زبان گوہر ترجمان سے ارشاد ہوا کہ اسد علی خاں کی طرف سے کوئی معتبر آدمی ضمانت دے تو مضائقہ نہیں ہے۔ ایسا ضامن میسر نہ آئے تو اسد علی خاں کی بدمعاملگی کی وجہ سے ہم اپنے مواضع کو نہیں چھوڑ سکتے۔ تیسری عرضی کے متعلق فرمایا کہ راجہ سوہن لال فرزند ارجمند معظم الدولہ بہادر کے دربار کا ایک نادار امیر ہے۔ وہ جب مقربین کے زمرہ میں شامل ہو جائے گا تو سلطنت کے جمیع امور درست اور اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔ غالباً اس نے عہدۂ مختاری کی ہوس میں یہ فضول باتیں اور فریب سازی کی کارروائیاں کی ہیں۔

دربار خاص ختم ہوا اور بادشاہ سلامت محل معلی میں تشریف لے گئے۔ آخر ماہ جون تک دہلی میں بارش کا نشان بھی نہ تھا۔ گرم و تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ آندھیوں کے ایسے جھکڑ چلتے تھے کہ زمین سے آسمان تک خاک ہی خاک نظر آتی تھی۔ لوگوں کو سخت بے چینی تھی کہ اللہ نے کرم فرمایا۔ تھوڑا بہت مینہ برسا۔ گرمی کم ہوئی۔ گرد و غبار دب گیا۔ حضور ظل اللہ حوالی درگاہ حضور قطب الاقطاب میں حاضر ہوئے۔ جون کا مہینہ ختم ہوا۔ قطب صاحب میں دو دن تک خوب بارش ہوئی۔ شہر اور پاس کے مقامات میں بھی مطلع ابر آلود رہا۔ کبھی کبھی ترشح بھی ہو جاتا تھا۔ حضور والا کی طبیعت آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے بہت مسرور و محظوظ ہوئی۔

درگاہ شاہ بوعلی قلندرؒ واقع پانی پت کے خدام نے تبرک پیش کیا۔ حضور والا نے دس روپے نذر دیئے۔ جن فقیروں نے حضرت خواجہ شہنشاہ اولیائے ہند معین الدین چشتیؒ کے عرس شریف کی یادگار کے طور پر ڈیوڑھی خاص پر خواجہ کا جھنڈا لگایا تھا' بادشاہ سلامت نے ان کو ایک سو روپیہ نقد اور نقرئی چراغ درگاہ میں نذر کے لئے مرحمت فرمایا اور کھانے کے خوان لگا کر بھیجے اور زر نقد دستور کے موافق حضرت قطب صاحب کی چھڑیوں کے لئے بھی تقسیم فرمایا۔

میراں شاہ درویش کو جو مکہ معظمہ کی زیارت کے لئے گئے ہوئے تھے' بادشاہ سلامت نے پچیس روپیہ عطا فرمائے۔

آغا حیدر ناظر کی عرضی قلعہ مبارک سے آئی کہ بادشاہی کشتی جو طغیانی کی وجہ سے پانی میں بہہ گئی تھی' آگرہ (اکبر آباد) میں مل گئی ہے۔ مرزا مکھو بہادر سلاطین سہ منزلہ مکان بنوا رہے ہیں۔ مکان کی بلندی کی وجہ سے مرشدزادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر کے گھر کی بے پردگی ہوتی ہے۔ ایک شقہ حضور والا کی طرف سے مرزا مکھو بہادر کے نام روانہ کیا گیا کہ اس قدر بلند مکان نہ بنوایا جائے جس سے آس پاس کے رہنے والوں کے گھروں کی بے پردگی ہو۔ ایک شقہ معظم الدولہ بہادر کے نام جاری کیا گیا کہ اضافہ وظیفہ شاہی کے تقرر کی رپورٹ کی تاریخ کی روانگی سے اطلاع دی جائے۔

۲۵- ماہ جولائی ۱۸۲۵ء۔ حضرت سراج الدین محمد ابوظفر بہادر شاہ دہلی خلد اللہ سلطنۃ حضرت قطب الاقطاب

کے مزار کرامت آثار پر رونق افروز ہوئے۔ حضور غریب نواز خواجہ اجمیری کی مہندی روانگی کے لئے تیار تھی۔ بادشاہ سلامت نے مبلغ ایک سو روپیہ مرزا بہادر بخش کو مہندی کے لئے مرحمت کئے اور ساتھ جانے کا حکم دیا اور ایک دو چوبہ دو عدد اونٹ فراشوں اور سائبانوں کے ساتھ مہندی کے ہمراہ روانہ کر دیئے اور خود اولیا مسجد تک مہندی کی مشایعت کے لئے تشریف لائے۔ پھر اس کو رخصت کر کے مراجعت فرمائی (مہندی اس قافلہ کو کہتے تھے جو پیدل اجمیر شریف کے عرس میں جاتا تھا۔ حسن نظامی) چند خواجہ سراؤں نے سفر حج کا ارادہ ظاہر کیا۔ بادشاہ سلامت نے ہر ایک کو خرچ راہ کے لئے سو سو روپے عطا فرمائے۔

آج یہاں ظہر کے وقت سے لے کر غروب آفتاب تک سخت بارش ہوئی اور رات بھر بادل گھرا رہا۔ کبھی کبھی کچھ ترشح بھی ہو جاتا تھا۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ برسات شروع ہو گئی۔

مطبع رفاہ عام سے مشاعرہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ چنانچہ ۲۹ ماہ جمادی الثانی کو محفل ارباب کمال ومجلس صاحب اصحاب ذوق وحال نہایت اہتمام کے ساتھ منعقد ہوئی۔ شعراء نے اپنی اپنی نکتہ سنجیوں سے حاضرین کو مستفید فرمایا۔

جیل خانہ میں آگ لگ گئی۔ ایک خیمہ جل گیا' تقریباً چالیس روپیہ کا نقصان ہوا۔ صدر دفتر سے حکم آیا ہے کہ کوتوالی کی عمارت کو بہت اچھے طریقہ سے بنایا جائے۔ اس کام کے لئے سات ہزار روپیہ منظور ہوا ہے۔

یکم۔ ماہ اگست ۱۸۲۵ء۔ حضرت بہادر شاہ بادشاہ حوالی مزار کثیر الانوار حضرت خواجہ بختیار کاکی میں رونق افروز ہیں۔ نواب احمد قلی خاں بہادر جو اپنی زوجہ کے مہر کے مقدمہ کی پیروی کے لئے آگرہ گئے ہوئے تھے' حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں کے تختوں کی ایک کشتی نذر کے طور پر پیش کی۔ بادشاہ سلامت بہت خوش ہوئے اور کشتی لانے والے کو پانچ روپے انعام کے دیئے۔

محمدی بیگم کے پڑوس کا رہنے والا ایک شخص جس کا نام وفادار تھا املی کے درخت پر ستارے توڑنے کے لئے چڑھا تھا کہ زمین پر گر پڑا اور گرتے ہی مر گیا۔

مرشد زادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر کے مختار پیشکار حافظ محمد حنیف کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ جب یہ خبر ولی عہد بہادر دام اقبالہ کو پہنچی تو انہیں نے جنازہ کی تیاری کے لئے ایک سو روپیہ مرحمت فرمائے اور جب حافظ محمد حنیف حاضر خدمت ہوئے تو ایک جوڑا دوشالہ ان کو مرحمت فرمایا۔

ماہ جون کا زر مقررہ اور کلید خانہ کے دو سو اسی روپیہ خزانہ انگریزی سے وصول ہو کر شاہی خزانہ میں داخل ہو گئے۔

مرزا محمد بخش سلاطین کو بلا کر بادشاہ سلامت نے فرمایا کہ خاندان تیموریہ اور دیگر اصحاب کی تنخواہ اتم بطور خود تقسیم کرو۔ مرزا صاحب نے خاندان تیموریہ کے تمام لوگوں کو تقسیم کر دی اور عملہ کے دیگر اصحاب کی تنخواہ کی بیشی کی فرد ملاحظہ کے لئے پیش کی۔

کنور جگت سنگھ کی عرضی حضور عالی کی نظر سے گذری۔ مضمون یہ تھا کہ میرا مبلغ چھ ہزار روپیہ پیشکار مرزا تیمور شاہ بہادر کے ذمہ نکلتا ہے۔ ان سے جلدی ادا کرنے کی تاکید فرما دی جائے۔ حضور نے اسی عرضی پر اپنے دستخط فرمائے اور تحریر کیا کہ تمسک کا کاغذ ہمارے پاس بھیج دو اور ایک شقہ مرزا صاحب کے نام علیحدہ لکھا کہ تمہارے قرض خواہ ہم کو بہت تکلیف

پہنچاتے ہیں۔ تم کو چاہئے کہ اپنا قرضہ خود ادا کر دو۔ ورنہ تمہاری تنخواہ بند کر کے قرض خواہوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔

مرزا ماہ رخ بہادر کی عرضی بنارس سے آئی کہ ایک انگریزی داں شخص حضور کی مختاری کی درخواست کرتا ہے۔ اس کی لیاقت ایسی ہے کہ شاہی مقدمات کو بھی سنبھال سکتا ہے جو گورنمنٹ بہادر سے لندن میں جاری ہیں۔ اس کے جواب میں لکھا گیا کہ وہ کس تنخواہ پر کام آ سکے گا۔

مبلغ دو سو روپیہ حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کے عرس کے لئے پیرزادہ میاں کالے صاحب کو عنایت کئے گئے۔ زور آور چند کو حکم ہوا کہ پانچ سو روپیہ حضرت عرش آرام گاہ کے عرس میں خود جا کر صرف کرو۔ حکم کی تعمیل میں زور آور چند نے خوانچے طعام محل میں بھجوا دیئے جسے سرداروں اور دیگر اشخاص میں تقسیم کر دیا گیا۔ حضور والا نے فاتحہ پڑھی اور فی کس پانچ روپے اور درویشوں کو ایک فرد کمبل مرحمت فرمائی اور پھر آتش بازی کا نظارہ دیکھا اور قوالی سنی۔ دوا خانہ کے داروغہ نے آ کر عرض کیا کہ شاہی ملازم جب قند اور شکر لینے کے لئے شہر میں جاتے ہیں تو چنگی کے ملازم باز پرس کر کے پریشان کرتے ہیں۔ قلعہ دار کو حکم دیا گیا کہ چنگی کے افسر کو ایک چٹھی لکھ دو کہ معافی کے پروانے موجود ہیں۔ پھر یہ مزاحمت خواہ مخواہ کیوں کی جاتی ہے۔ اس کا انتظام ہونا چاہئے۔ (شاہی خاندان اور اہل قلعہ انگریزی چنگی سے مستثنیٰ تھے۔ حسن نظامی)

فرزند ارجمند سلطانی جناب معظم الدولہ صاحب کلاں بہادر رات دن خلقت کی فائدہ رسانی کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ ایک چٹھی صاحب قلعہ دار بہادر کے نام لکھی گئی کہ صدر دفتر کی ہدایت کے بموجب راجہ ناہر سنگھ بہادر رئیس بلب گڈھ کے قرضخواہوں کا فیصلہ اس طریقہ سے بطور خود کر دیا گیا کہ مبلغ چھ ہزار روپیہ پرگنہ کوٹ قاسم کی ایک سو تیس روپیہ کی آمدنی میں سے اور باقی باغ چاندنی چوک کی آمدنی میں سے ادا کیا جائے۔

دو عرضیاں پیش ہوئیں کہ پرگنہ کوٹ قاسم کی آمدنی کا روپیہ کس کی معرفت حضور کی خدمت میں بھیجا جائے۔ دوسری عرضی کا مضمون یہ تھا کہ منشی شیر علی خاں نے باغ چاندنی چوک کے ٹھیکہ کا تمام و کمال روپیہ ادا کر دیا اور اس کے ٹھیکہ کی مدت بھی ختم ہو گئی۔ اب وہ دوبارہ پھر ٹھیکہ لینا چاہتا ہے۔ یہ بات حضور کو منظور ہے یا نہیں۔ رائے عالی سے مطلع فرمایئے۔ اس عرضی کے جواب میں حضور نے شقہ روانہ فرمایا کہ شیر علی خاں کو ہرگز باغ کا ٹھیکہ نہ دیا جائے' کیونکہ اس نے رعیت پر بہت ظلم و ستم کیا ہے۔ ہمارے پاس اس کی بہت سی شکایتیں موصول ہوئی ہیں۔ لالہ ٹھاکر داس سابق ناظر عدالت فوجداری دار الخلافہ شاہجہاں آباد کے نام شقہ حکم جاری کیا گیا کہ تمہیں دو روپیہ روزانہ پر نواب یعقوب علی خاں اور زبردست خاں بہادر کے تنازع کے فیصلہ کے واسطے بعہدہ امینی مقرر کیا جاتا ہے۔ دونوں رئیسوں کے نام خطوط لکھے گئے کہ اپنے اپنے قابل اعتماد آدمیوں کو ہمارے مقرر کئے ہوئے امین کے پاس روانہ کر دو۔

معلوم ہوا ہے کہ نواب فیض علی خاں رئیس جھجر کے بھیجے ہوئے پانچ معمار میگزین کے مکان کی پیمائش کرنے دلی میں آئے تھے۔ پیمائش کرنے کے بعد واپس جھجر چلے گئے۔

دلی میں آج کل باران رحمت کا زور شور ہے اور دریائے جمنا چڑھاؤ پر ہے۔

۸- ماہ اگست ۱۸۲۵ء۔ آفتاب عالمتاب نے اپنی نورانی شعاعوں کو جب فضائے آسمانی میں پھیلایا تو فروغ

خاندان عالیشان گورگانی، چراغ دودمان، نشان صاحبقرانی حضرت قدر، قدرت، قضا آیت، خورشید رایت، آسمان رفعت، بہرام صولت، کسریٰ حشمت، فریدوں سطوت، جمشید جاہ، کاؤس دستگاہ، سکندر شان۔ دارا دربان، سلیمان نگین، سلطنت کین، مہر پرچم، کواکب حشم، بحر حوصلہ، زمین لنگر، کوہ وقار، سراج الدین محمد ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ، ڈیوڑھی خاص سے باہر تشریف لا کر جھروکا پر جلوہ افروز ہوئے۔ جھرنا ایک حوض ہے نہایت صاف شفاف جس کے نظارہ سے روح میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ حضور معلی سیر و تفریح کے بعد محل معلی میں تشریف لے گئے۔ دربار فرمایا۔ اراکین سلطنت نے شرف حضوری حاصل کیا اور ادب کے ساتھ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ مرتبہ اور حیثیت کے موافق سب کو عزت دی گئی۔

احترام الدولہ حاذق الزماں حکیم محمد احسن اللہ خاں نے حسین علی خاں و اصغر علی خاں ٹھیکیداران کا نئہ مواد رسند پور کے ابرار نامہ کا کاغذ پیش کیا۔ اس کے ساتھ ضمیر الدولہ بہادر کی عرضی بھی تھی۔ حضور نے ملاحظہ فرما کر دستخط خاص سے مزین کیا اور یہ ابرار نامہ منظور ہو کر مواضع مذکور کے ساتھ امرائے نامدار فرزند ارجمند سلطانی، معظم الدولہ بہادر کے سپرد ہوا۔ خزانہ کے اہل کاروں کے نام حکم جاری ہوا کہ ضمیر الدولہ بہادر کی کل تنخواہ ہمارے پاس بھیج دو تا کہ ہم اپنے ہاتھ سے انہیں عطا کریں۔

معظم الدولہ بہادر کی عرضی نظر انور سے گزری۔ شہر سے کچھ غلہ منگایا تھا۔ عرضی کے ساتھ محصول کی معافی کا پروانہ راہداری بھی تھا۔ حضور نے یہ عریضہ زور آور چند کے حوالہ کر دیا کہ اس کی تعمیل کی جائے اور ایک شقہ کرامت مرقعہ ریزیڈنٹ معظم الدولہ بہادر کے نام لکھا کہ شیر علی خاں کی ٹھیکیداری میں جو مواضعات ہیں، وہ اب مدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ ان کو نہیں دیئے جائیں گے، کیونکہ یہ رعایا کو اذیت و تکلیف پہنچاتے ہیں۔ مہر سے آراستہ کر کے یہ شقہ تاج محمد خاں کے حوالہ کر دیا گیا۔

تاج الدولہ حاجی مرزا بہادر کے نام حکم جاری ہوا کہ تنخواہ داروں کی تنخواہ تقسیم کر دی جائے۔ شام کے وقت دربار میں تشریف آوری کا اتفاق نہیں ہوا۔ حصول اجازت کے بعد اہل دربار اپنے اپنے گھروں میں جانے کے لئے دربار سے رخصت ہو گئے۔

۱۵- ماہ اگست ۱۸۴۵ء۔ ہیرا نند اخبار نویس حیدر آباد کے نواسہ آسانند نے بدیو سہائے پسر خوش وقت رائے کھتری کو لکڑی سے اتنا مارا کہ بیچارہ جاں بحق ہو گیا۔ کوتوال شہر موقعہ پر پہنچ گیا۔ قاتل و مقتول دونوں کو کچہری فوجداری میں لے آیا۔ لارنس صاحب مجسٹریٹ نے اظہار قلمبند کئے۔ مقتول کی لاش کو جلانے کے لئے ورثاء کے حوالہ کر دیا اور حکم دیا کہ جب تک مقدمہ کا فیصلہ نہ سنایا جائے، قاتل حوالات میں رہے گا۔

۲۳- ماہ اگست ۱۸۴۵ء۔ حضور ظل سبحانی نماز صبح ادا کرنے کے بعد محل معلی میں کلام اللہ شریف کی تحریر میں مصروف ہوئے (بادشاہ عربی فارسی بہت اچھا لکھتے تھے۔ ان کا خط بہت پاکیزہ تھا۔ حسن نظامی)

زور آور چند باریاب ہوئے اور چند ضروری اور دریافت طلب امور کی نسبت گفتگو کر کے رخصت ہو گئے۔ لالہ شیو لال محرر دفتر خانے حکیم احسن اللہ بہادر کی عرضی پیش کی۔ جہاں پناہ نے دستخط خاص سے مزین کر کے تحریر فرمایا کہ چند ضروری کام تم سے ہیں۔ شادی سے جلدی فراغت حاصل کر کے آجاؤ اور ان کاموں کو انجام دو۔

راجہ دیبی سنگھ بہادر تخت خلافت کی پابوسی سے مشرف ہوئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی عرضیاں پیش کرو جو شیخ پور یا دلی کے متعلق ہیں۔ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں سے روپیہ قسط وار وصول ہوتا ہے یا نہیں اور ان دیہاتوں کے متعلق جو دوسری عرضیاں ہیں انہیں بھی پیش کرو۔ عرض کیا متعلقہ اشخاص شہر میں گئے ہوئے ہیں۔ یہ پاریوں سے دریافت کر کے حضور کے گوش گذار کیا جائے گا۔ پھر مرزا جلال الدین بہادر اور مرزا ابہادر حاضر ہوئے اور ان مواضع کے مقدمہ کے بارے میں جو کچھ مناسب تھا عرض کیا۔ ارشاد اقدس ہوا کہ شیخ پور باؤلی شرف الدولہ میر ولایت کی تحویل میں تھا۔ اگر انہیں منظور ہے کہ بادشاہ سلامت کی ظل عاطفت میں گذران کریں تو ابرار نامہ پیش کریں۔ ورنہ پھر وہ اس قابل نہیں ہیں کہ کبھی دربار میں اپنا منہ دکھائیں۔ اس صورت میں ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ان مواضع کو معظم الدولہ بہادر کے سپرد کیا جائے (یعنی ریزیڈنٹ دلی کے۔ حسن نظامی)

شام کے وقت مرزا شاہرخ بہادر نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس غلام نے شرف الدولہ بہادر سے ابرار نامہ داخل کرنے کے لئے بہت زیادہ تاکید کر دی ہے۔

اس کے بعد حضور معلی سوار ہو کر کنورنی (مقام) کی طرف تشریف لے گئے اور سیر و شکار میں مصروف ہوئے۔ جب اس سے فراغت ہوئی تو محل معلی میں واپس آ گئے۔

بہادر شاہ بادشاہ اور شہزادوں کے حالات اور روزمرہ کی زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو نوکریاں اور عہدے لیاقت کی بنا پر نہیں دیئے جاتے تھے' بلکہ جو شخص زیادہ نذرانہ دیتا تھا اس کو عہدہ مل جاتا تھا اور یہ طریقہ بربادی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب تھا۔ آج کل بھی بعض ریاستوں میں جو پرانے زمانے کے مطلق دستور پر قائم ہیں اس قسم کا رواج اور دستور پایا جاتا ہے۔

بہادر شاہ بادشاہ کے بعض مخالف مورخوں نے لکھا ہے کہ بادشاہ کو روپے پیسے کی بہت طمع تھی۔ میرا خیال ہے کہ مورخوں کا یہ لکھنا مبالغہ آمیز تو ہے' لیکن غلط نہیں ہے۔ بہادر شاہ کی طبیعت میں اور ان کے شہزادوں کے مزاج میں روپیہ کی خواہش بہت تھی۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ بادشاہ کا خاندانی خرچ بہت زیادہ تھا اور انگریزوں کا مقررہ وظیفہ بادشاہ اور ان کے خاندان کے لئے کافی نہ تھا' کیونکہ ان سب کو شاہانہ خرچ کرنے کی عادت پڑ گئی تھی' تاہم یہ امر قطع نظر کرنے کے قابل نہیں ہے کہ بادشاہ اور ان کے خاندان والے ہر وقت حصول زر کی فکر میں لگے رہتے تھے۔

بادشاہ اور ان کے شہزادوں کو خرچ کرنے کی انتظامی لیاقت نہیں تھی۔ ان کے نوکر اور داروغہ خوب ہاتھ رنگتے تھے اور ایک پیسہ کے خرچ کی جگہ ایک روپیہ کا خرچ دکھاتے تھے اور یہ بات تو اب بھی موجود ہے کہ انگریزوں جیسی منتظم قوم کے بعض بے دیانت اہل کار بھی ہر کام میں خصوصاً لڑائی کے وقت اندھا دھند لوٹ مچایا کرتے ہیں۔ بادشاہ اور ان کے بچوں میں انتظامی لیاقت ہوتی تو ان کا وظیفہ ان کے اخراجات کے لئے اتنا کافی تھا کہ وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکتے تھے' کیونکہ اس زمانہ میں روپیہ بہت قیمتی تھا۔ (آج کل کے زمانہ میں جو کام ایک سو روپیہ میں ہوتا ہے' اس زمانہ میں ایک روپیہ میں ہوتا تھا' کیونکہ ہر چیز ارزاں تھی۔ حسن نظامی)

۵- ماہ ستمبر ۱۸۴۵ء۔ حضور جہاں پناہ حضور اقدس خواجہ قطب الاقطاب کے مزار گوہر بار پر حاضر ہوئے۔ یہ مزار

شریف قصبہ مہرولی میں واقع ہے۔ مرزا صلاح الدین بہادر مرزا محمد بخش بہادر سلاطین کے بھائی اجمیر شریف کی زیارت سے واپس آئے اور پندرہ آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضور کی خدمت اقدس میں نذرانہ پیش کیا۔ کشتیاں جن میں لکڑی کے کھلونے' چاندی اور تانبے کے آبخورے' سونے کے ملمع کئے ہوئے آبخورے' کمان کے چلے اور ترکش' دستار و تسبیح اور بھی تحفے وغیرہ تھے' حضور والا کی نذر گذارے۔ مرزا عبداللہ شاہزادہ کی حسب درخواست بارش سے محفوظ رہنے کے لئے ایک سقرلاتی برساتی بادشاہ سلامت نے مرحمت فرمائی اور انہوں نے اس کے شکرانہ میں مبلغ چار روپے نذر پیش کی۔

میرزا بابر بخت کی زوجہ نواب سکندر زمانی بیگم نے میاں خاں کو اپنا مختار کار بنایا اور ایک جوڑا دوشالہ مرحمت کیا۔ ایک شقہ معظم الدولہ بہادر کے نام تحریر فرمایا گیا کہ بھولا ناتھ حصدی تمامی دیہات بقول شاہی چند ضروری حالات آپ سے عرض کرے گا۔ دفتر سلطانی کے موجودہ استادوں کی سندیں بعد میں بھیجی جائیں گی۔

حکم ہوا کہ ایک شقہ ٹامس بہادر سفیر انگلستان کی خدمت میں بخط انگریزی روانہ کیا جائے اور مسٹر جارج صاحب اس حکم کی تعمیل کے طور پر ڈاک کے ذریعہ سے کلکتہ روانہ کر دیں۔ حضور والا نے زردوزی کے کام کا ایک پشمینہ کا چغہ مبلغ ایک ہزار پانچ سو روپیہ میں خرید فرمایا۔

حسین علی اور رحیم بخش سر وہنہ کے رہنے والوں کی پرورش کی درخواستیں نظر فیض اثر سے گذریں۔ ان دونوں کو بادشاہی پلٹن میں ملازم رکھ لیا گیا۔ پھول بیچنے والوں کے چودھری کی عرضی پھول والوں کی سیر کی تاریخ مقرر کرنے کے متعلق پیش ہوئی۔ حکم ہوا کہ شعبان کی نویں تاریخ مقرر کی جائے۔ پھر ارشاد ہوا کہ ہماری سواری ساتویں شعبان کو قلعہ مبارک کی طرف روانہ ہوگی۔

۱۲- ستمبر ۱۸۴۵ء۔ حضور جہاں پناہ نے ماہ گذشتہ کی گیارہ تاریخ کو قلعہ معلی میں نزول اجلال فرمایا۔ ان کے استقبال کی تمام رسومات بدرجہ کمال ادا کی گئیں۔ چنانچہ شاہزادہ شاہرخ بہادر خیر مقدم کے طور پر اجمیری دروازہ تک آئے۔ چونکہ بادشاہ سلامت نے بہترویں برس میں قدم رکھا ہے' اس لئے حضور کی سالگرہ کی تقریب منائی گئی اور حسب حیثیت ہر چھوٹے بڑے نے اشرفیاں اور روپے بطور نذر پیش کئے۔ حضور انور کو یہ خبر سنائی گئی کہ مرزا محمد شاہرخ بہادر نے قطب بخش گویے کو ایک جوڑا دوشالہ بطریق انعام مرحمت فرمایا اور کابل کے سوداگروں سے سات سو روپیہ کا مال و اسباب اور چند جانور کتے بلے وغیرہ خرید کئے اور تلنگوں کی کمپنی کے جمعدار سدی سنگھ کو صوبہ دار بنایا اور کلو سنگھ سپاہی کو چھ سو روپیہ نذر لے کر صوبہ دار مقرر کیا۔ توڑہ اور طرہ بخشا اور توپخانہ احشام کے جمعدار حیدر علی کو ایک سو پچاس روپیہ نذر لے کر کمپنی تلنگان کی میجری کا عہدہ مرحمت فرمایا۔ (میرزا صاحب وزیر کا عہدہ رکھتے تھے۔ حسن نظامی)

بارش کبھی کم ہے اور کبھی زیادہ۔ صفراوی امراض کا زور ہے۔ امید ہے کہ مینہ برسے گا تو یہ بلائیں دور ہو جائیں گی۔

۱۹- ماہ ستمبر ۱۸۴۵ء۔ شاہزادہ ولی عہد بہادر دربار میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ سلامت کے دل میں چند نمک حراموں کے بہکانے کا جو غبار تھا' اصل کے حالات معلوم ہونے کی وجہ سے جاتا رہا اور بادشاہ سلامت نے شاہزادہ کی نسبت کلمات طیبات استعمال فرمائے۔ شہزادہ نے شکریہ کا ہدیہ پیش کیا۔

بادشاہ سلامت نے ناظر قلعہ کو حکم دیا کہ قیدیوں کے لئے پچاس لوہے کی بیڑیاں تیار کر کے اپنی حفاظت میں رکھو۔ یہ خبر بادشاہ سلامت کے گوش گزار کی گئی کہ کپتان ملازم شاہی نے حضور سے اجازت لے کر کالے خاں اور وزیر خاں سپاہیوں کو جو انہی کے تحت میں متعین تھے ایک بستہ کاغذ کی چوری کے جرم میں موقوف کر کے قلعہ سے باہر کر دیا۔

کشن گنج کے پاس دو آدمی بجلی کے گرنے سے جل کر جاں بحق ہو گئے۔

۱۰-اکتوبر ۱۸۲۵ء۔ سوہن لال حصدی بخش گری بادشاہ عتاب کی وجہ سے قلعہ میں آنے جانے سے محروم تھے۔ اب بادشاہ سلامت کی مہربانیوں کے پانی نے غصہ وعتاب کی آگ کو بجھا دیا اور قلعہ میں آمد و رفت کی اجازت دے دی گئی۔ سالہ جی نے شاہزادہ شاہرخ بہادر سے اپنی تنخواہ کا تذکرہ کیا۔ جواب دیا گیا اگر چار سو روپیہ نذرانہ پیش کیا جائے تو تنخواہ جاری ہو سکتی ہے۔

مرزا جواں بخت بہادر شہزادۂ خورد سال نے دستار زیب سر فرما کر اور طرۂ منقش دو شالہ شالی رومال قبائے کمخواب سپر اور شمشیر سہ رقم جواہر خلعت حاصل کر کے اور چار پہرہ اور بیس سوار۔ دو ہاتھی سواری کے واسطے ساتھ لے کر مزار پر انوار حضرت شاہ بوعلی قلندر نور اللہ مرقدہ پر حاضر ہونے کی اجازت حاصل کی۔ اجازت دی گئی اور شہزادہ پانی پت کی طرف روانہ ہو گئے۔ قلعہ کے پہلے کوتوال غلام فردوس کو ان کے عہدہ سے معزول کر دیا گیا اور ان کی جگہ نواب یار خاں کا تقرر عمل میں آیا اور بادشاہ سلامت کی طرف سے انہیں خلعت سہ پارچہ اور دو رقم جواہر مرحمت کئے گئے۔ نواب یار خاں ایک کشیدہ قامت اور طاقتور نوجوان ہیں۔ بہادری' نیک خیالی اور دیانتداری کا جوہر ان کی طبیعت میں موجود ہے۔ امید ہے کہ اپنے فرائض منصبی کو نہایت خیر وخوبی کے ساتھ انجام دیں گے۔ تمام شاہی خاص برداروں کو حکم ہوا کہ عمامہ اور سرخ دوپٹہ انگرکھا زیر جامۂ سفید زیب بدن کیا کریں۔ مقرب علی دفعدار نے ایک سو پچاس روپیہ عاشور بیگ دفعدار نے تین سو روپیہ اور چھ سپاہیوں نے پچیس پچیس روپیہ بطور نذرانہ مرزا شاہرخ بہادر کی خدمت میں پیش کئے۔ دفعداروں کو جمعداری اور سپاہیوں کو دفعداری کے منصب پر ترقی دی گئی۔

معظم الدولہ بہادر کی اس مضمون کی عرضی پیش ہوئی کہ راجپورہ کی چھاؤنی کے افسروں سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جب بادشاہ سلامت کی سواری درگاہ قطب صاحب کی طرف جاری تھی تو کپتان سالاک صاحب بھی کہیں اس راستہ سے گذر رہے تھے۔ شاہی چوبداروں اور سپاہیوں نے زبردستی ان کو گھوڑے سے اتار دیا اور پیادہ کر کے کہا کہ شاہی آداب ملحوظ رکھو اور سلام ومجرا بجالاؤ۔ انہوں نے ہر چند کہا کہ جب سے راس صاحب بہادر کا مقدمہ ہوا ہے' صدر دفتر سے فیصلہ ہو گیا ہے کہ انگریزوں کو اثنائے راہ میں توہین آمیز طریقہ کے ساتھ بادشاہ سلامت کی تعظیم وتکریم کے لئے مجبور کرنا نہایت نازیبا ہے کیونکہ اس سے بادشاہ سلامت کی کسر شان ہوتی ہے' مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ ایسے لوگوں کو سزا دینی چاہئے کہ پھر کبھی اس قسم کی نامناسب حرکت کے مرتکب نہ ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ سلامت نے اسد علی خان کپتان اور آغا حیدر ناظر کو طلب فرما کر حکم دیا کہ تحقیقات کر کے رپورٹ گزرانا کہ زیادتی وظلم کرنے والوں کو سزا دی جائے۔ (انگریز کو تعظیم کے لئے کہنا بادشاہ کی کسر شان کیونکر ہوئی؟ --حسن نظامی)

عرض کیا گیا کہ مرزا محمد شاہرخ کے مکانوں میں سے ایک مکان کی دیوار گر پڑی ہے۔ باہر سے اندر کا سارا حصہ

نظر آتا ہے۔ پرانے کلابتون سے بھرے ہوئے دو صندوق سنہری کام کے سیلے اشرفیوں کا ایک دیگچہ روپوں کا ایک دیگچہ باہر نکل کر گر پڑا ہے۔ حکم ہوا کہ خزانہ عامرہ میں داخل کیا جائے۔

اطلاع دی گئی کہ حضور کی چھوٹی صاحبزادی حرمت النساء بیگم فوت ہو گئیں۔ ایک سو روپیہ نقد مرحومہ کے اخراجات میت کے واسطے عطا کیا گیا۔

۱۷-اکتوبر ۱۸۴۵ء۔ آج کل دلی میں وبائی امراض کا زور شور ہے۔ حالانکہ موسم نہایت خوشگوار ہے۔ کثرت سے لوگ بیماری میں مبتلا ہیں۔ ایزد اقدس اپنا کرم فرمائے اور بیماری کو دور کرے۔

۲۳-اکتوبر ۱۸۴۵ء۔ حضرت بادشاہ غازی ہفتہ کے دن شوال کی پہلی تاریخ کو قلعہ مبارک سے باہر تشریف لائے اور عید کی نماز پڑھنے کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے۔ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور حسب معمول نیاز کے لئے درگاہ آثار شریف میں حاضر ہوئے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد درگاہ شریف کے متولی شاہزادہ جہاں دار شاہ کو خلعت شش پارچہ اور امام جماعت کو خلعت دیا اور شمشیر عنایت فرمائی اور واپس قلعہ معلی میں تشریف لائے۔ آتے جاتے حسب ضابطہ شاہی اور انگریزی توپخانوں سے سلامی کی توپیں سر ہوئیں۔

شام کے وقت تخت ہوادار پر سوار ہو کر ناظر کے باغ میں رونق افروز ہوئے۔ ناظر نے اشرفی پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد محفل رقص و سرود منعقد ہوئی۔ محفل کے ختم ہونے کے بعد محل خاص میں تشریف لے جا کر آرام فرمایا۔ ہر طرف سے مبارک باد کی آوازیں آئیں اور توپخانہ سے سلامی کی توپیں چھٹیں۔

نبی بخش خاں خلف نواب حمید الدولہ مرزا مغل بیگ خاں بہادر مرحوم مختار سابق پیشکار سلطانی کی اس مضمون کی عرضی بادشاہ غازی کی خدمت میں پیش ہوئی کہ حضور کے دربار سے صاحب کلاں بہادر کی معرفت حویلی عزیز آبادی بیگم کے خالی کرنے کا حکم مجھے ملا۔ میرے والد مرحوم کا ایک لاکھ چار ہزار روپیہ حضور کے ذمہ واجب الادا ہے۔ دوسرے طلب گاروں کو جس طرح روپیہ ادا کیا جاتا ہے میں امیدوار ہوں کہ میرے روپیہ کی ادائگی کے لئے بھی اسی طرح کا ایک شقہ دستخط خاص سے مزین ہو کر صاحب کلاں بہادر کے نام جاری کر دیا جائے گا۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اپنے باپ کی مختاری کے زمانہ میں بادشاہی جواہرات کی رقموں کو تبدیل کر دیا ہے اس کا حساب دینا چاہئے اور ایک لاکھ چار ہزار کا مطالبہ محض جھوٹ ہے اور اگر یہ مطالبہ سچا ہے تو اسے دفتر سلطانی کے کاغذات سے ثابت کرنا چاہئے اور یہ بتانا چاہئے کہ یہ رقم خطیر کس کام میں خرچ کی گئی۔

(نبی بخش خاں اسی رنجش کے سبب ایام غدر میں بادشاہ کے مخالف ہو کر انگریزوں سے مل گئے تھے جس کا ذکر میری کتاب "گرفتار شدہ خطوط" میں ہے۔ حسن نظامی)

وبائی مرض ہیضہ کی آج کل دلی میں گرم بازاری ہے۔ عید کے دوسرے دن بادشاہ سلامت کے چچاؤں میں مرزا منعم بخت بہادر، مرزا جمشید بخت بہادر جو شاہ عالم جنت مکان کی اولاد امجاد سے تھے اس موذی مرض کے پنجہ میں شکار ہو کر ملک بقا کو سدھارے۔ بادشاہ جم جاہ ان مصیبت افزا خبروں کو سن کر بہت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ ہر ایک کے جنازہ کی تیاری کے لئے ایک ایک سو روپیہ مرحمت فرمائے اور جنازہ کے لے جاتے وقت سپاہیوں اور ہاتھیوں کا ضرورت کے موافق

انتظام کیا گیا۔ فوت ہونے والوں میں سے ہر ایک کے بچوں کو ایک ایک جوڑا اور دو شالہ تعزیت کے طور پر عنایت فرمایا۔

بروز دوشنبہ ۱۸ تاریخ کو نواب گورنر جنرل بہادر کی عرضی پہنچی کہ پچیس ہزار روپیہ ماہوار اضافہ منظور کیا گیا (یعنی جو ماہوار وظیفہ انگریزی سرکار بہادر شاہ کو دیتی تھی اس میں پچیس ہزار کا اضافہ کر دیا گیا۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت کا اردو دیوان مرتب ہو کر مطبع ''سید الاخبار'' و ''سراج الاخبار'' میں چھپ گیا ہے۔ خط نستعلیق ہے' کاغذ ولایتی ہے۔ کل چھیاسٹھ جز ہیں اور ہر صفحہ میں سولہ سطریں ہیں۔ چمڑے کی جلد بھی بنائی گئی ہے۔ آٹھ روپیہ میں فروخت ہوتا ہے۔ صاحبان ذوق کلام الملوک ملوک الکلام کا لطف اٹھانا چاہیں تو دونوں مطبعوں میں سے جس مطبع سے چاہیں' طلب فرمائیں۔

۷۔ نومبر ۱۸۴۵ء۔ بادشاہ جہاں پناہ کے حضور میں محمد علی جنشی کی عرضی اس مضمون کی پیش ہوئی کہ یہ خادم قدیم خانہ زاد ہے اور امید ہے کہ قصور معاف فرما کر تنخواہ مقررہ مرحمت کی جائے گی۔ حکم ہوا کہ محمد شاہرخ بہادر سے عرض کیا جائے۔ اطلاع دی گئی کہ صاحب کلاں بہادر نے مجسٹریٹ بہادر کو لکھا تھا کہ حویلی عزیز آبادی بیگم نبی بخش خاں خلف حمید الدولہ مرزا مغل بیگ خاں سابق مختار امور سلطنت سے خالی کرا کے کارکنان سلطنت کو قبضہ دلایا جائے۔ مجسٹریٹ بہادر' کوتوال تھانہ دار وغیرہ کو لے کر حویلی عزیز آبادی میں پہنچے اور حمید الدولہ کے بیٹے سے مکان خالی کرا کے بادشاہی قبضہ میں دے دیا۔ بادشاہ سلامت اس خبر کے سننے سے بہت مسرور ہوئے۔ خبر مشتہر ہوئی کہ کریم بخش میاں ناصر احمد کے برادر زادے پلٹن کے صوبیدار مقرر ہو گئے ہیں۔ بادشاہ جہاں پناہ نے دو شقے صاحب کلاں بہادر کے نام تحریر فرمائے۔ ایک میں لکھا کہ حیدر علی خادم درگاہ شاہ ترکمان کو کوٹ قاسم کی آمدنی میں سے دو آنہ روزانہ ملتے ہیں' یہ موقوف نہ کئے جائیں۔ دوسرے میں لکھا تھا کہ چاندنی چوک کے باغ کی تیاری میں جس قدر روپیہ خرچ ہو' دو حصہ وہاں کی رعایا سے وصول کیا جائے اور ایک حصہ باغ کی آمدنی میں سے لیا جائے۔

اور گیارہ ہزار روپیہ سوداگرمل ساہوکار سے میں نے قرض لیا ہے۔ تم اپنی ضمانت دے دینا۔ اضافہ کے جاری ہونے کے بارے میں تمام شرطیں طے ہو گئی ہیں۔ روپیہ انگریزی افسروں کی مرضی کے موافق سلاطین میں تقسیم کیا جائے گا۔ قلعہ کی مرمت بھی کی جائے گی۔ پرگنہ سلطانی کے تمام دیہات سرکار انگریزی کے سپرد کئے جائیں گے تاکہ حضور کا قرضہ ادا کیا جائے۔

چار گھڑی دن باقی تھا کہ جہاں پناہ سوار ہو کر سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ میں حاضر ہوئے۔ شاہی اور انگریزی توپخانہ سے سلامی توپیں چھوڑی گئیں۔ درگاہ میں پہنچ کر نذر و نیاز کی۔ پھر وہاں سے درگاہ قطب صاحب میں تشریف لے گئے۔ مزارات کی زیارت کی اور فقراء و مساکین میں روپیہ خیرات فرمایا۔

(حضرت امیر خسرو کی سترہویں میں آئے تھے۔ حسن نظامی)

۱۴۔ نومبر ۱۸۴۵ء۔ حضرت جہاں پناہ حضور قطب صاحبؒ اور حضرت مولانا فخر صاحبؒ اور حضرت عرش آرامگاہ (یعنی بہادر شاہ کے والد اکبر شاہ) کے مزارات پر تشریف لے گئے اور گیارہ گیارہ روپیہ اور گلاب کا شیشہ ہر ایک مزار پر نذر پیش کی۔ اس طرح دوسرے اولیاء کرام کے مزارات پر بھی حاضری دی اور ہر مزار پر پانچ روپیہ نیاز کے لئے

دیے۔ تبرک حاصل کیا اور پھر دلی واپس تشریف لائے۔ مرزا شاہرخ بہادر شہزادہ نے ساز ارغنوں میں ایک عدد قیمتی دو سو روپیہ اور ایک رومی بندوق قیمتی چار سو روپیہ حضور جہاں پناہ کے ملاحظہ میں نذر گذرانی اور درخواست کی کہ ایک عماری دار ہاتھی مرحمت ہو۔ درخواست منظور کی گئی۔ حضور بادشاہ سلامت نے درگاہ قطب صاحب کے علاقہ کو نو سو گز زمین شہزادہ عبداللہ کو مرحمت فرمائی۔

اس کے بعد صاحب کلاں بہادر سلامی کے لئے حاضر ہوئے اور علاقہ ضلع جنوبی کے دورہ کی اجازت طلب کی۔ اجازت مرحمت کی گئی۔

(کیا نا ٹک کے تماشے ہوتے تھے۔ ریزیڈنٹ صاحب بہادر گویا ایسے تابعدار تھے کہ دورہ بھی بادشاہ کی اجازت لے کر کیا کرتے تھے۔ یہ سب بادشاہ کے دل خوش کرنے اور اندر ہی اندر اپنا اقتدار بڑھاتے رہنے کی حکمتیں تھیں۔ حسن نظامی)

آغا حیدر ناظر قلعہ نے اطلاع دی کہ ولی عہد بہادر نے مسماۃ پیاری سے نکاح کر کے فرخ محل کا خطاب دیا اور دوشالہ اور بناری دوپٹہ بھی اس کو دیا۔

(یوں تو ولی عہد بہادر کی خبر نہیں کتنی پیاریاں ہوں گی مگر یہ مسماۃ پیاری ایسی ہی کوئی خاص ہوں گی جن کی اطلاع بادشاہ کو دی گئی۔ اب نہ پیاری باقی ہیں نہ ان کے پیار کرنے والے۔ حسن نظامی)

حکیم احسن اللہ خاں نے "دیوان حافظ" کی مطبوعہ سات جلدیں پیش کیں۔ بادشاہ سلامت ایک گھڑی دن باقی تھا کہ تزک و احتشام کے ساتھ سوار ہو کر باغ چاندنی چوک کی سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ لالہ زور آور چند نے اپنے مکان کے سامنے پانچ روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ باغبانوں نے میوہ کی ڈالیاں نذر کیں۔ آتے جاتے وقت انگریزی اور شاہی توپ خانہ سے سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔ (اس کمپنی باغ کا ذکر ہے۔ جس کو ملکہ کا باغ بھی کہتے ہیں۔ زور آور چند شاید چھتال والوں کے بڑے ہوں گے۔ حسن نظامی)

لالہ شوقی رام وکیل کو خلعت شش پارچہ سہ رقم جواہر اور دو سو روپیہ خرچ راہ کے لئے عنایت کئے گئے اور ان کے محرر کو بھی خلعت سہ پارچہ مرحمت ہوا اور وکیل صاحب کو چار ہاتھی، چار اونٹ، چار سوار، چار پہرہ دار سپاہی اور آٹھ کہار اور ایک ایک چوبدار۔ فراش، مشعل، خاکروب، ہرکارہ وغیرہ متعین کر کے صاحب کلاں بہادر کے لشکر میں جانے کے لئے رخصت کر دیا گیا۔

وکیل صاحب نے چھ روپیہ ان کے محرر نے دو روپیہ نذرانہ کے طور پر پیش کئے اور روانہ ہو گئے۔ (وکیل صاحب نے اتنے انعام پر نذرانہ کیا ہی معقول پیش کیا۔ نذر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ حسن نظامی)

۱۲۔ ماہ دسمبر ۱۸۴۵ء۔ معظم الدولہ ریزیڈنٹ بہادر نے حکیم احسن اللہ خاں سے فرمایا کہ نقشہ تقسیم تنخواہ تیار کر کے ہمارے پاس بھیج دیجئے۔ مرزا محمد علی خاں بخشی سواران ملازم سلطانی سے کئی مہینے سے بادشاہ سلامت ناخوش تھے۔ اب انہوں نے دو ہزار روپیہ نذرانہ پیش کیا تو بادشاہ نے ان کے قصوروں کو معاف کر کے ایک جوڑا بیش قیمت دوشالہ کا مرحمت فرمایا اور پھر بخشی گری کی خدمت پر متعین کر دیا۔ (روپیہ تو فولاد کو موم کر دیتا ہے، وہ تو محض بادشاہ کا مزاج تھا)۔ نواب گورنر جنرل بہادر کے نام ایک خط تحریر فرما کر صاحب کلاں بہادر کے پاس بھیجا۔ اس خط کے ساتھ ایک سو ایک خوان میووں سے

بھرے ہوئے بھی روانہ کیے گئے۔ نواب گورنر جنرل بہادر نے ایک دوشالہ لالہ شوقی رام وکیل کو اور ایک شالی رومال داروغہ خاں کو مرحمت فرمایا اور ایک سو پچاس روپیہ ان کہاروں کو دیے جو خوان لے کر گئے تھے۔ بادشاہ سلامت کی خدمت میں صاحب کلاں بہادر آئے اور سلام کر کے رخصت ہو گئے۔ ایک خوبصورت بٹوہ جس میں بن اور چھالیہ وغیرہ تھی ان کو عنایت کیا گیا اور مرزا ولی عہد بہادر کو چار قطعات نستعلیق و خط نسخ اور چار چوبہ طلائی مرحمت کیے گئے۔ خلعت شش پارچہ اور سہ قسم جواہر لالہ شوقی رام کو اور سہ پارچہ ان کے نائب کو دیے گئے اور ان کے آرام و آسائش کے لئے سپاہیوں کے دو پہرے اور اسباب کے لئے چار اونٹ اور ڈیرہ خیمہ گھوڑے۔ ہرکارہ چوبدار وغیرہ متعین کیے گئے اور نہایت اہتمام کے ساتھ صاحب کلاں بہادر کے لشکر میں بھیجا گیا۔

(گورنر جنرل نے خاصا انعام نوکروں کو دیا' مگر آج کل جو تحفے والیان ریاست گورنر کو دیتے ہیں' ان کے لانے والوں کو یہ انعام معلوم نہیں ملتا ہے یا نہیں۔ غالباً محض شکریہ کافی سمجھا جاتا ہوگا۔ حسن نظامی)

ایک دفعہ صاحب کلاں بہادر کے نام اس مضمون کا لکھا گیا کہ محمد محمود خاں ابن نواب ببو خاں نجیب آبادی ہم سے ملنے کے لئے آنا چاہتے ہیں۔ شاہزادہ شاہرخ بہادر سے کہہ دینا کہ یہ راسخ الخیال اور ہمدرد آدمی ہیں' ان کو آنے جانے کی اجازت دے دو۔

شاہرخ بہادر نے سوہن لال حصدی بخشی گری سے تین سو روپیہ نذرانہ لے کر ان کے قصوروں کو معاف کر دیا اور دوشالہ مرحمت کر کے ان کو ان کے عہدہ پر بحال فرما دیا۔

داروغہ باغ نے پاکل کے سو دانے نذر گذرانے۔ پچاس دانے مرزا شاہرخ کو دے دیے گئے اور پچاس دانہ مربہ بنانے کے لئے دواخانہ میں بھیج دیے گئے۔

حکیم احسن اللہ خاں جو محل معلی کی تیاری کے لئے قطب صاحب گئے ہوئے تھے' واپس آئے اور اس کے تفصیلی حالات عرض کیے۔ دس چھکڑے سنگ سرخ اور سنگ بانسی کے قطب صاحب کے نام پر روانہ کیے گئے۔ شاہی ملازم جگ جیوی داس متوفی کی زوجہ کے پاس ایک دوشالہ بطور ماتم پرسی روانہ کیا گیا۔

(ماتم پرسی بھی کچھ دے کر ہوتی تھی۔ محض ہمدردی کے الفاظ نہ ہوتے تھے۔ حسن نظامی)

مرزا شاہرخ کی چار سالہ صاحبزادی فوت ہو گئیں۔ بادشاہ سلامت نے خرچ ضروری کے لئے ایک جوڑی دوشالہ کے ساتھ پچاس روپیہ نقد روانہ کیے اور سپاہیوں کی ایک جماعت دو زنجیر فیل جنازہ کے ساتھ جانے کے لئے مقرر فرمائے۔

آج کل دہلی میں مرض وبا کا زور ہے۔ چاروں طرف بیماری پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی محلہ بلکہ کوئی گھر بیماری سے خالی نہیں ہے۔ شہر میں ہر آدمی پریشان و بدحواس نظر آتا ہے۔ کسی کو زندگی کا بھروسہ نہیں۔ جس گھر میں آج شادی کی دھوم دھام ہے' کل وہ ماتم کدہ بنا ہوا ہے۔ سب ایک دوسرے کو حسرت و یاس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ موت کی وہ گرم بازاری ہے کہ کسی کو ایک دوسرے کا ہوش نہیں۔ ہر شخص یہی خیال کرتا ہے کہ کل شاید میری زندگی کا جام لبریز ہو جائے۔ بڑے بڑے صاحب کمال اٹھ گئے۔ نہ عالم کی رہائی ہے نہ شاعر کی۔ کسی کو موت کے پنجہ سے رستگاری نہیں ہے۔ کس کس کا ماتم کیا

جائے۔ ماتم کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ ان نامور لوگوں میں سے جن کی وفات سے دہلی میں ماتم برپا ہے' زبدۂ اولاد مصطفوی' سلالہ دودمان مرتضوی' منشی سحر قلم' عطارد رقم' منتخب زماں' یکتائے دوراں' مصلح الدولہ سید ابوالقاسم خاں مرحوم وقائع نگار سلطانی کی وفات حسرت آیات بھی ہے۔ میر صاحب بہت نیک خصلت' نیک اخلاق' عالی خاندان اور خدا شناس آدمی تھے۔ افسوس ایک ہی دن میں چٹ پٹ ہو گئے۔ خدا مرحوم کو فردوس بریں میں جگہ دے اور اس بلائے عظیم سے دہلی والوں کو بہت جلد نجات مرحمت فرمائے۔ جس نے بہت سے بچوں کو یتیم اور بہت سے ماں باپوں کو بے اولاد اور بہت سی عورتوں کو رانڈ اور بہت سے گھروں کو برباد کر دیا۔

۱۹- ماہ دسمبر ۱۸۴۵ء۔ ماہ گذشتہ کی پندرہ اور سترہ تاریخ کو نواب گورنر جنرل بہادر نے ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا۔ عمائدین' رؤسا' شرفاء اور خاص خاص اصحاب شریک تھے۔ تمام اہل دربار کو ان کے مرتبہ کے موافق انعام واکرام دیا گیا۔

۱۵ تاریخ کے انعامات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) نواب عبدالرحمٰن خاں والی جھجر کو خلعت ہفت پارچہ' سہ رقم جواہر' تلوار' سپر' ہاتھی مع ہودج نقرہ' اسپ مع سامان' پالکی جھالردار۔

(۲) رحمت علی خاں' یعقوب علی خاں' شائستہ خاں' امیر علی خاں' حیدر علی خاں (نواب جھجر کے صاحبزادگان) کو خلعت پنج پارچہ' دو رقم جواہر' ایک سپر اور ایک تلوار۔

(۳) کدار ناتھ وکیل کو (یہ نواب لفٹنٹ گورنر کے لشکر کے ہمراہ تھے) ایک دوشالہ' ایک گوشوارہ' ایک نیمہ آستین۔

(۴) راجہ ناہر سنگھ بلب گڈھ والے کو خلعت ہفت پارچہ' سہ رقم جواہر' ایک گھوڑا مع سامان۔

(۵) رنجیت سنگھ کو خلعت پنج پارچہ' یک رقم جواہر۔

۱۷ تاریخ کے دربار کی رپورٹ اور تقسیم انعام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

دربار عام ہوا۔ دور دور سے انگریزوں کو بلایا گیا تھا۔ بڑے بڑے صاحبان عالی شان تشریف فرما تھے۔ مجمع بہت بارونق تھا۔ دو گھنٹہ تک ملکی معاملات پر تقریریں ہوئیں۔ اس کے بعد دو نئے آدمیوں نے نواب گورنر جنرل بہادر سے تعارف حاصل کیا۔ محفل میں ہر شخص شاداں و فرحاں نظر آتا تھا۔ حاضرین میں سے ہر ایک کے بالخصوص حاکموں اور افسروں کے چہروں پر افتخار و کامیابی کی سرخی جھلک رہی تھی۔ اس کے بعد انعامات تقسیم کیے گئے۔

(۱) اکبر علی خاں پاٹودی والے کو خلعت ہفت پارچہ' سہ رقم جواہر' ایک سپر' ایک تلوار' ایک ہاتھی' ایک گھوڑا مع سامان۔ (۲) ان کے صاحبزادہ کو ایک انگوٹھی۔ (۳) نواب امین الدین احمد علی خاں بہادر رئیس و جاگیردار لوہارو کو خلعت ہفت پارچہ' سہ رقم جواہر' ایک سپر' ایک تلوار' ایک ہاتھی' ایک گھوڑا۔ (۴) نواب صاحب کے صاحبزادہ حسین علی خاں کو ایک

سونے کی زنجیر۔ (۵) نواب صاحب کے بھائی محمد زبر خاں کو خلعت شش پارچہ سہ رقم جواہر۔ (۶) محمد علی خاں نبیرہ نواب نجیب الدولہ کو ایک انگوٹھی ایک تلوار۔ (۷) بہادر جنگ خاں بہادر گڈھ والے کو خلعت ہفت پارچہ سہ رقم جواہر ایک سپر ایک تلوار۔ (۸) بہادر جنگ خاں کے چھوٹے بھائی شیر جنگ خاں کو خلعت ہفت پارچہ سہ رقم جواہر۔ (۹) یعقوب علی خاں فرخ نگر والے کو سہ رقم جواہر ایک گھوڑا مع سامان۔ (۱۰) ذوالفقار الدولہ کو ایک سونے کی زنجیر۔ (۱۱) نواب محمد فتح بیگ خاں کو خلعت ہفت پارچہ سہ رقم جواہر۔ (۱۲) غلام محی الدین خاں ابن نواب محمد میر خاں کو خلعت ہفت پارچہ سہ رقم جواہر۔ (۱۳) مرزا اسد اللہ خاں غالب کو خلعت ہفت پارچہ سہ رقم جواہر۔ (۱۴) جے سنگھ رائے پسر بخشی بھوانی شنکر کو خلعت ہفت پارچہ سہ رقم جواہر ایک دوربین۔ (۱۵) مظفر الدولہ سیف الدین کو خلعت شش پارچہ سہ رقم جواہر۔ (۱۶) نواب احمد علی خاں کو خلعت ہفت پارچہ سہ رقم جواہر۔ (۱۷) جناب مولوی صدر الدین خاں بہادر صدر الصدور دہلی کو خلعت سہ پارچہ اور ایک گھنٹہ۔ (۱۸) مولوی مملوک علی مدرس اول مدرسہ کو خلعت سہ پارچہ۔ (۱۹) منشی سلطان سنگھ میر منشی بخشی سالگرام وخزانچی کلکٹری کو خلعت سہ پارچہ۔ (۲۰) مرزا محمد علی منصب دار شہر کو ایک دوشالہ عنایت فرمایا۔

اور اس کے علاوہ مندرجہ ذیل اصحاب کو اپنے دست مبارک سے ایک ایک شالی رومال مرحمت فرمایا:

منشی جیون لال صاحب، منشی شادی لال صاحب سررشتہ دار کشنری، منشی احمد علی صاحب، منشی سوہن لال صاحب سررشتہ دار محکمہ سشن جج، منشی شوتی رام صاحب سررشتہ دار فوجداری، سید فیض الحسن صاحب کوتوال شہر، منشی ستارام صاحب تحصیل دار جنوب، مرزا علی صاحب تحصیلدار شمال۔

اس موقعہ پر نذریں بھی پیش کی گئیں، جو شکریہ کے ساتھ قبول ہوئیں۔ منشیوں پر نذرانہ معاف کر دیا گیا۔ نذرانہ کی فہرست کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

مولوی صدر الدین صاحب بہادر کے نذرانہ پیش کرتے وقت نواب گورنر جنرل بہادر کے سکرٹری نے کہا۔ آپ لوگوں کی دیانتداری، انصاف پسندی، نیک نامی اور علم و فراست سے صاحب بہت مسرور اور رضامند ہیں۔ ان مراسم کے ادا ہونے کے بعد جلسہ خیر وخوبی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ شام کے وقت نواب گورنر جنرل بہادر نواب عبدالرحمٰن خاں کی کوٹھی پر رونق افروز ہوئے۔ والی جھجر برج طلائی سے استقبال کے لئے باہر تشریف لائے اور کوٹھی میں نزول اجلال فرمایا۔ ایک سو ایک سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔

اکتالیس کشتی پارچہ اور جواہرات، دو ہاتھی، دو گھوڑے جن کے ساتھ طلائی و نقرئی سامان بھی تھا نذر پیش کی۔ نذروں کا معاملہ جب ختم ہو گیا تو محفل رقص و سرود کے انعقاد کی باری آئی۔ پھر سیر و تفریح میں مشغول ہوئے اور اس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد لشکرگاہ میں تشریف لے گئے۔

۱۸ تاریخ کو بدر الدین مہر کن نے زمرد کا ایک نگینہ جس پر نواب گورنر جنرل کا نام کھدا ہوا تھا نذر کے طور پر پیش کیا۔ ان کو خلعت پنج پارچہ عطا کیا گیا۔

جس صورت سے موجودہ گورنر جنرل کے عہد میں ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاق و عنایات کا برتاؤ کیا گیا اس سے پہلے ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ رعایا میں ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ان کے عدل کے تذکرے جاری ہیں۔ ان

کے عہد کی یہ خصوصیت ہے کہ انشا پردازوں، تحصیلداروں تک کو خلعت تقسیم کیا گیا۔ اس سے قبل ایسا نہیں ہوا تھا کہ نواب گورنر جنرل کسی کے مکان میں بہ نفس نفیس تشریف لے جائیں، بلکہ ہمیشہ سکرٹری جایا کرتے تھے، مگر یہ گورنر جنرل والی جھجر کے مکان پر خود تشریف لے گئے۔ چہارشنبہ تک دہلی میں قیام رہا۔ اس کے بعد انبالہ تشریف لے گئے۔

(خیال کرنا کیا زمانہ تھا انگریز بھی مغل بادشاہوں کی طرح خلعت دیتے تھے۔ اب وہ وقت نہیں ہے۔ دستور بدل گیا۔ خلعت کی جگہ خطابات ملتے ہیں۔ حسن نظامی)

۲۶۔ دسمبر ۱۸۴۵ء۔ حضور بادشاہ سلامت ایک دن میر محمدی صاحب (حضرت مولانا محمد فخر الدین چشتی نظامی کے خلیفہ تھے۔ اس زمانہ میں ان کی بڑی دھوم تھی) کے گھر میں تشریف لے گئے۔ توپخانہ انگریزی و بادشاہی سے حسب معمول سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔ اس جگہ باتوں باتوں میں ذکر آیا کہ ۲۶ نومبر کو کمانڈر انچیف سپہ سالار اور نواب گورنر جنرل بہادر کی ملاقات ہوئی تو کمانڈر انچیف نے بیان کیا کہ لاہور کے چند سرداروں کو سپاہیوں نے مار ڈالا۔ بہت سی سپاہ خودسر ہوگئی اور دھاوا کرتی ہوئی لاہور سے ستلج کے کنارہ تک پہنچ گئی۔ انگریزوں کے ساتھ فساد کا ارادہ ہے۔ احتیاط اور دور اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ اس فساد کی روک تھام اور ان سپاہیوں کے انتظام کے لئے کوئی تدبیر کی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی خطرناک صورت ظہور پذیر ہو جائے۔ آدھی رات گئے کمانڈر انچیف ڈاک گاڑی پر سوار ہو کر فیروزپور تشریف لے گئے۔ کرنال کے رئیس اپنی مجبوریوں کی وجہ سے رفع فساد میں کوئی حصہ نہ لے سکے۔

علاقہ بہاولپور کے تین سو دیہات صاحب کلاں بہادر دہلی کے انتظام دے دیئے گئے۔ صاحب کلاں بہادر بندوبست کے لئے حصار تشریف لے گئے اور کمانڈر انچیف نے سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے انبالہ کوچ کیا۔ سنا گیا ہے کہ رئیس جھجر کے وکیل نے مبلغ سات ہزار ایک سو نوے روپیہ کا ایک بیش قیمت نذرانہ ایجنسی کی کچہری میں داخل کیا ہے۔ بہادر جنگ خاں نے ایک چٹھی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کو لکھی تھی کہ میں نے پرگنہ دادری کو نواب صاحب جھجر کے پاس رہن رکھوایا تھا، مگر حضور سے اب میری استدعا ہے کہ اس پرگنہ پر مجھے دخل و قبضہ کی اجازت مل جائے۔ حکم دیا گیا کہ جب تک روپیہ ادا کر کے رہن سے چھڑا لو اس وقت تک تمہیں قبضہ نہیں دلایا جا سکتا۔ یہ بات تو نہایت نامناسب ہے کہ زر رہن ادا نہ کیا جائے اور شے مرہونہ تمہارے حوالہ کر دی جائے۔

نواب صاحب جھجر نے اپنی ریاست کے اہل کاروں اور افسروں کو انعام کے طور پر ایک ایک دوشالہ اور اپنے دیوان اور منشی کو دوشالہ کے علاوہ زر نقد بھی مرحمت فرمایا۔

حضور انور نے سلاطین کی درخواست کے موافق ان کے قصوروں کو معاف کر دیا اور سپاہیوں کا پہرہ درباری اور خواجہ سراجوان کے دیہاتوں میں مقرر تھے حسب معمول دوبارہ مقرر فرما دیئے۔

حکیم احسن اللہ خاں کے شاگرد میر رستم علی خاں کو چھاپہ خانہ کے اہتمام کے صلہ میں خلعت چہار پارچہ و سہ رقم جواہر عطا فرمائے گئے۔ انہوں نے بھی پانچ روپیہ نذرانہ پیش کیا اور اپنے کام میں پہلے سے زیادہ انہماک و توجہ کے ساتھ مشغول ہو گئے۔

نومبر کی تیسری تاریخ سے ۲۷ تاریخ تک پانچ سو چھ موتیں واقع ہوئیں۔ ہیضہ نے اپنا رنگ جمایا تھا اور تقریباً دو

تین سو موتیں اس عارضہ سے بھی واقع ہوئی تھیں، مگر آج کل اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ بیماری کا زور بہت ٹوٹ گیا ہے اور عنقریب بیماری کا مہلک سلسلہ بالکل ختم ہو جائے گا۔

۲-جنوری ۱۸۴۶ء۔ جناب مستطاب مستغنی عن الالقاب اڈورڈ میس راپیس صاحب بہادر جو ملک بھلیانہ کے سب سے بڑے حاکم ہیں۔ ملک مصر میں تشریف لے گئے تھے۔ اب مع الخیر دہلی واپس تشریف لے آئے ہیں۔ حضور انور کی خدمت میں شرف یاب ہوئے۔ چند گھنٹہ صحبت رہی۔ بادشاہ سلامت بہت عنایت والطاف کے ساتھ پیش آئے۔ صاحب بہادر نے مکہ معظمہ کے تبرکات پیش کئے۔ علاوہ ازیں تمام ساز وسامان کے ساتھ ایک حقہ جس میں ملک شام کا تمباکو بھی شامل تھا نذر کے طور پر پیش کیا۔ (معلوم نہیں یہ کون صاحب تھے۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت بقر عید کے دن زرق برق کپڑے پہن کر اور جواہرات نفیسہ زیب جسم فرما کر شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ عید گاہ تشریف لے گئے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد عید گاہ کے امام صاحب اور جامع مسجد کے امام صاحب اور کسی دوسرے امام صاحب کو خلعت ہائے فاخرہ مرحمت فرمائے۔ پھر اس کے بعد قربانی کی رسم ادا کی گئی اور اس روز کے مقررہ کام پورے کئے۔ آتے جاتے وقت سلامی کی توپیں شاہی وانگریزی توپخانہ سے چھوڑی گئیں۔

دربار میں مرشد زادوں اور سرداروں نے اور محل میں بیگمات نے نذریں پیش کیں۔ بادشاہ سلامت کی طرف سے ان کو طرہ کلاہ مرحمت ہوئے۔ دس اشرفیاں اور بہتر روپے نذر میں موصول ہوئے۔

شاعروں نے عید کی مبارک باد کے قصیدے پیش کئے۔ معلوم ہوا ہے کہ شہزادہ محمد شاہرخ بہادر نے بخشی گری کے عملہ سے عید کا نذرانہ وصول کیا۔ دو اشرفی اور سو روپے وصول ہوئے۔

نواب معظم الدولہ صاحب کلاں بہادر دام اقبالہ کی عرضی مع نو ہزار تین سو روپیہ کے بادشاہ سلامت کی خدمت میں پیش ہوئی۔ عرضی میں مذکور تھا کہ یہ آمدنی پرگنہ کوٹ قاسم کی ہے۔ اس میں سے دس روپیہ نذرانہ کے حساب سے تین سو روپیہ شوتی رام وکیل کی تنخواہ کے وضع کر لئے گئے ہیں۔

خزانچیوں کو حکم ہوا۔ تنخواہ کی تقسیم میں چار سو روپیہ کم وصول ہوئے ہیں۔ جس طرح سے بھی ممکن ہو انتظام کر کے تنخواہ تقسیم کرو۔ انشاء اللہ جلدی ادا کر دیئے جائیں گی۔

ناظر قلعہ کو حکم ہوا کہ رتن لال ساہوکار، بھگن داس ساہوکار، چندا لال ساہوکار، رام دیال ساہوکار، امید سنگھ ساہوکار، گردھاری لال ساہوکار جب قلعہ میں آنا چاہیں تو آنے نہ دینا۔ انہوں نے ہمارے حکم کی تعمیل نہیں کی۔

محبوب علی خاں خواجہ سرا کو دو فرد دوشالہ کے مرحمت کئے اور فرمایا کہ رات کو ہم سیر و شکار کے واسطے جائیں گے۔ شکار کے لئے سرائے پختہ کو پسند اور منتخب کیا ہے جو دریائے ہنڈن کے پاس واقع ہے۔ تم تمام خیمے بحفاظت بھیج دینا اور سپاہیوں کو پہرہ دینے کی تاکید کرنا۔

صاحب سکرٹری بہادر کو اطلاع دی گئی کہ پل گھاٹ کے پہرہ دینے والوں کو خبر دے دی جائے کہ وہ مزاحمت نہ کریں۔ سیر و شکار کے بعد حضور قلعہ معلی میں تشریف لے گئے۔

صاحب کلاں بہادر کے نام ایک شقہ جاری کیا گیا کہ قصبہ بتول ضلع سہارنپور کو ضلع کے کلکٹر صاحب کے سپرد کر

دو تا کہ وہاں کی آمدنی خزانہ میں داخل ہوتی رہے۔ اب تو یہ حال ہے کہ زمیندار سرکش ہو گئے ہیں اور ایک پیسہ آمدنی نہیں ہوتی۔

سید محمد خاں بہادر مالک "سید الاخبار" تپ کے عارضہ میں مبتلا ہو کر بتاریخ ۱۲ ذی الحجہ ملک بقا کو رخصت ہوئے۔ بہت اچھے آدمی تھے۔ منکسار اور خوش اطوار تھے۔ اللہ تعالیٰ جنت نصیب کرے۔ خدا جانے ان کے بعد ان کے کارخانہ کو کون چلائے گا۔ حکم ہوا کہ سر شام قلعہ کے دروازے بند کر دیے جائیں اور دن نکلتے ہی کھول دیے جائیں۔

میگزین میں بہت سے ہتھیار اور توپیں زنگ آلود ہو گئی ہیں۔ متعدد قلعی گروں، کاریگروں اور مزدوروں کو ان کی صفائی کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ چند بڑی بڑی توپوں کو ہاتھیوں کے ذریعہ سے سرہند اور انبالہ کی طرف روانہ کرنے کا حکم ہو گیا ہے۔

۹-جنوری ۱۸۴۶ء۔ لالہ زور آور سنگھ نے دربار شاہی میں عرض کیا کہ اس غلام کا چالیس ہزار روپیہ بذمہ سلطانی واجب الادا ہے۔ مبلغ نو ہزار روپیہ پرگنہ کوٹ قاسم سے آمدنی ہوئی ہے۔ اس چالیس ہزار میں سے یہ نو ہزار مرحمت کر دیے جائیں تو عین غریب پروری ہو گی۔ حکم ہوا کہ آئندہ آمدنی کے موقعہ پر دریافت کیا جائے گا۔ لالہ زور آور سنگھ اس امر سے رنجیدہ خاطر ہو کر اپنے گھر بیٹھ رہے اور مودی خانہ اور روزمرہ کے خرچ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ پھر حسب الحکم شاہی کنور دیبی سنگھ نے مودی خانہ کا چارج لے لیا اور اس خدمت پر متعین ہو گئے۔

بادشاہ سلامت قدسیہ باغ میں تشریف لے گئے اور سیر و تفریح میں وقت گزارا۔ قدسیہ باغ کے داروغہ حافظ داؤد صاحب نے دو روپیہ اور دو ڈالیاں نذرانہ کے طور پر پیش کیں۔ حکم شاہی ہوا کہ تم روزمرہ کا خرچ اور مودی خانہ کا خرچ اپنے ذمہ لے لو۔ حافظ داؤد نے عرض کیا۔ حکم عالی سر آنکھوں پر۔ میں انشاء اللہ حضور اقدس کے فرمان پر عمل کروں گا۔ ایک دوشالہ گردھاری لال کے بجائے شنکر ناتھ کو عنایت کیا گیا۔ شنکر ناتھ نے تین سو روپیہ حضور والا کی خدمت میں اور سو روپیہ مرزا شاہرخ بہادر کی خدمت میں نذرانہ کے طور پر پیش کئے اور دوشالہ لانے والے کو بھی چھ روپے بطور انعام کے دیے۔ (واہ لالہ جی اتم تو بڑے دل والے نکلے۔ حسن نظامی)

گینڈا مل متصدی کو حکم ہوا کہ جو امرائے شاہی روزمرہ مجرے کے لئے حاضر ہوتے ہیں ان کی حاضری وغیر حاضری روزانہ ایک رجسٹر میں درج کی جایا کرے، تا کہ غیر حاضر ہونے والے لوگوں کی تنخواہ بقدر غیر حاضری وضع کی جائے۔

خبر ہے کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے ضلع کے کلکٹروں کے نام یہ حکم نافذ کیا ہے کہ خزانہ میں جتنا روپیہ بھی جمع ہو، روزانہ فیروز پور پہنچا دینا چاہئے۔

خوب لعل وکیل نے ایک جعلی حکم نامہ عدالت بنایا اور اس پر صدر الصدور کی طرف سے مہر و دستخط بھی کر دیے۔ پھر ایک سپاہی کو ساتھ لیا۔ شاہزادہ مرزا فتح الملک شاہ بہادر کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ کشن چند نے عدالت میں حضور پر دعویٰ کر دیا ہے۔ یہ دیکھئے میرے پاس عدالت کا حکمنامہ موجود ہے۔ آپ کو چاہیے کہ یا تو تمسک کا روپیہ ادا کر دیجئے یا کوئی اور معقول تجویز سوچیے، جس سے عدالت کی بے توقیری سے نجات ملے۔ شاہزادہ بہادر اس بات کو سن کر دنگ رہ گئے کہ یا

اللہ یہ کیا ماجرا ہے۔ تحقیقات حالات کے لئے فوراً ایک آدمی کو صدر الصدور بہادر کی خدمت میں روانہ کیا۔ جواب آیا کہ ہمارے محکمہ میں کوئی مقدمہ اس قسم کا نہیں ہے۔ جس شخص نے یہ جال پھیلایا ہے اسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دیجئے۔ قصہ مختصر خوب لعل وکیل اور سپاہی دونوں کو گرفتار کر کے صدر الصدور بہادر کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔ کوتوال شہر نے دونوں کو قید خانہ میں بھیج دیا۔ اس کے بعد خانہ تلاشی ہوئی تو چند جعلی مہریں اور مہروں کے بنانے کے آلات برآمد ہوئے۔ مقدمہ سیشن سپرد کر دیا گیا۔ دیکھئے ایسے فریبی آدمی کے لئے عدالت سے کیا سزا تجویز ہوتی ہے۔

۱۶-جنوری ۱۸۴۶ء۔ شوتی رام وکیل کی عرضی نواب صاحب کلاں بہادر دام اقبالہ کے لشکرگاہ سے بادشاہ سلامت کی خدمت میں آئی جس میں لکھا تھا کہ حسب الحکم صدر والا قدر نواب صاحب کلاں بہادر نے پہلے دورہ کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ عنقریب دہلی میں آنے والے ہیں۔

بادشاہ سلامت سے عرض کیا گیا کہ حضرت بادشاہ سلامت کے مشکوی دولت میں فرزند ارجمند تولد ہوا ہے۔ حضور والا نے ایک جوڑا پوشاک اور سہرہ مقیش چھٹی کی رسم کے لئے مرحمت فرمایا۔ مرزا محمد شاہرخ بہادر نے ذوالفقار علی کو اپنے مختاری کے صلہ میں ایک جوڑا دوشالہ عطا کیا۔

نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر کے فرزند ارجمند کی تقریب شاہی میں خلعت سہ پارچہ اور سہرہ مقیشی اور تفضل خاں وکیل عدالت دیوانی کے فرزند کی شادی کی تقریب میں خلعت سہ پارچہ بادشاہ سلامت نے مرحمت فرمایا۔

نواب صاحب کے صاحبزادے نے تین اشرفیاں اور وکیل صاحب کے صاحبزادے نے چار روپیہ نذرانہ کے طور پر بادشاہ سلامت کی خدمت میں پیش کیے۔

جگن ناتھ نومسلم کا نام عبدالرحمن خاں تجویز فرمایا اور چار روپیہ ماہوار مقرر کر دیے۔ گینڈا مل کو حکم دیا گیا کہ خضر آباد کے مکانات کا نقشہ تیار کر کے پیش کرو۔ غلام علی مصور کو زیر جھروکہ کے نقشہ کی تیاری کا حکم دیا گیا۔

طامسن صاحب بہادر سفیر لندن کی چٹھی لندن سے آئی کہ ولایت کے حکام نے نذر و اضافہ کے احکام جاری کر دیئے ہیں۔ یقین ہے کہ عنقریب ان کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا۔

۲۳-جنوری ۱۸۴۶ء۔ کرشن بہادر کا ایک عریضہ اور ایک جلد کتاب محمد شاہی کلکتہ سے بذریعہ صاحب کلاں بہادر حضور انور کے ملاحظہ میں پیش کی گئی۔

خبر پہنچی کہ کئی سو چھکڑے میگزین کے دہلی سے روانہ ہو گئے (غالباً یہ میگزین سکھوں کی لڑائی کے لئے پنجاب بھیجا گیا ہوگا۔ حسن نظامی)

جھجر سے خبر آئی ہے کہ نواب عبدالرحمن خاں صاحب نے جو فوج سرسہ روانہ کی تھی اس کے بدلے میں سوار اور پیادہ کی ایک کثیر جماعت کو ملازم رکھ لیا ہے۔ سواروں کی تنخواہ چودہ روپیہ اور پیادوں کی تنخواہ پانچ روپیہ ماہوار مقرر ہوئی ہے۔

یکم فروری ۱۸۴۶ء۔ بادشاہ سلامت نے ایک شقہ معظم الدولہ امین الملک اختصاص یار خاں فرزند ارجمند سلطانی دام اقبالہ کے نام اس مضمون کا روانہ فرمایا (انگریز کا یہ اسلامی خطاب اس زمانہ کے رنگ کو ظاہر کرتا ہے۔ انگریز ان

خطابات پر فخر کرتے تھے) کہ مرزا انور بخش بہادر سلاطین اپنی زوجہ کی تنخواہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک تو انہوں نے اسے طلاق دے دی تھی۔ دوسرے وہ اب فوت بھی ہوگئی۔ تمہاری کیا رائے ہے' لکھو۔ انہوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ حضور والا مختار ہیں۔ جو حکم کیا جائے وہ سب کے لئے واجب العمل ہے۔

تحویل تحویلدار علاقہ حویلی سرسہ کے لڑکوں کو خلعت مرحمت فرمایا' کیونکہ یہ لڑکے اپنے باپ کے مرنے کی وجہ سے عزاداری میں تھے اور اب عزاداری کا زمانہ ختم ہوگیا۔

بادشاہ سلامت کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ محمد اکبر علی خاں بہادر جاگیردار پاٹودی کے بھیجے ہوئے ستر چھکڑے میگزین میں داخل ہوگئے ہیں اور نواب اسدالدولہ بہادر ریمس مجر نے دو کمپنی حبشیوں کی اور سات سوار ضلع ہانسی کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔

کرنل اسکنر صاحب بہادر آنجہانی کی کوٹھی میں چار سو سوار ملازم رکھے گئے' جو ہر روز پہرہ دینے کا کام چستی و ہوشیاری کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

۲۷ فروری ۱۸۴۶ء۔ راجہ موہن لال بہادر کی عرضی اس مضمون کی نظر انور سے گذری کہ چھاگل کے دو لاکھ روپیہ کی بابت جو اس خانہ زاد سے حساب طلب کیا گیا ہے' اس کا حساب سمجھنے کے لئے کسی اہل کار کو حکم دے دیا جائے۔ جو رقم واجب الادا ہوگی' پیش کش کی جائے گی' لیکن اس بات کا بھی فیصلہ ہونا چاہئے کہ اس خانہ زاد کا مطلوبہ روپیہ بھی ادا کر دیا جائے گا۔ اس کے جواب میں دستخط خاص سے مزین ہو کر خط لکھا گیا کہ حضرت عرش آرام گاہ کے زمانہ کا تیرہ برس کے لین دین کا حساب سمجھا دو۔ اس کے بعد جو کچھ مناسب ہو گا اس پر عمل کیا جائے گا۔

نواب معظم الدولہ صاحب کلاں بہادر کی عرضی حضور کے ملاحظہ کی غرض سے پیش کی گئی۔ مضمون عرضی یہ تھا کہ مرزا شہاب الدین ولد مرزا منعم بخت (عم شاہی) کے خط کی نقل بھیجتا ہوں۔ اس میں وہ تنخواہ کے بند ہونے کی شکایت لکھتے ہیں اور استدعا کرتے ہیں کہ از راہ کرم وظیفہ مقررہ جاری کر دیا جائے تاکہ مجھے اپنی موجودہ تکلیف سے چھٹکارا ملے۔

اطلاع آئی کہ صاحب کلاں بہادر نے علاقہ شاہجہاں آباد کے تمام جاگیرداروں کے نام اس مضمون کی اطلاع بھیجی ہے کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے پہرہ دینے کے لئے ایک ہزار ملازموں کی ضرورت کا اظہار کیا ہے۔ لہذا جو ملازم ہونا چاہیں انہیں میرے پاس حاضر ہونا چاہئے۔

نواب اسدالدولہ بہادر نے صاحب کلاں بہادر کی خدمت میں خط لکھا کہ حضور انور نے ایک سو بیلوں کی فرمائش کی ہے۔ میں نے بیلوں کے پچاس جوڑوں کے لئے کپتان اڈورڈ راپس صاحب کو لکھ دیا ہے کہ تعمیل کی جائے۔

میگزین کے تین سو ساٹھ چھکڑے آئے۔ ان کو تلنگوں کی پلٹن کے ساتھ فیروز پور روانہ کر دیا گیا۔

۱۲ مارچ ۱۸۴۶ء۔ نواب منیع الالقاب امین الملک اختصاص یار خاں طامس تیاقلس منکاف صاحب بہادر فیروز جنگ فرزند ارجمند سلطان کی عرضی حضور انور کی نظر سے گزری کہ جو کاغذ حضور نے عنایت فرمایا تھا' وہ صدر دفتر میں روانہ کر دیا گیا۔

دہلی ۲۵ مارچ ۱۸۴۶ء۔ روز چہار شنبہ۔ بادشاہ سلامت چاندنی چوک کے باغ کے ملاحظہ کے لئے تشریف

لے گئے۔ طرح طرح کے پھولوں کے معائنہ اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے اثر سے حضور انور بہت بشاش ہوئے اور صاحب کلاں بہادر سے فرمایا۔ آفریں صد آفریں۔ اس قدر قلیل مدت میں تم نے باغ کو اس طرح سرسبز و شاداب بنا دیا۔ ورنہ نمک حرام ٹھیکیداروں نے تو اس کا ستیاناس ہی کر دیا تھا۔ سوائے سوکھے ہوئے درختوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ تمہاری حسن تدبیر قابل تعریف ہے کہ وہ درخت جن کی لکڑیاں جلانے کے قابل ہوگئی تھیں انہیں دوبارہ زندگی مل گئی۔

خبر ہے کہ راجہ نیپال کے معتمد خاص نے نواب گورنر جنرل کی خدمت میں پانچ ہاتھی اور پانچ گھوڑے اور مشک کے چند نافے اور پہاڑ کے متفرق تحفے نذر بھیجے ہیں۔ نواب گورنر جنرل نے بھی معتمد راجہ نیپال کو خلعت ہفت پارچہ اور سہ رقم جواہر مرحمت فرمایا۔ نذرانہ کے تحفوں کے ساتھ ایک خط بھی تھا۔ اس کا جواب بھی تحریر کیا۔ جس میں ان تحفوں کے موصول ہونے کا شکریہ بھی ادا کیا گیا تھا۔

معتمد والی بہاولپور نے دو کشتی پارچہ دو ہاتھی مع نقرئی ہودج' مع زرباتی جھول' چار گھوڑے' کئی بندوقیں' ایک کمان کا حلقہ پیش کیا اور ایک خط بھی لکھا۔ گورنر جنرل بہادر نے ان چیزوں کے موصول ہونے کے بعد خلعت ہفت پارچہ سہ رقم جواہر مرحمت فرمایا اور دو رقم جواہر اور خلعت سہ پارچہ جاتے وقت لالہ نہال چند وکیل راجہ پٹیالہ کو عطا کیا۔

اطلاع ہوئی کہ چار سو چھکڑے میگزین کے اسباب کے اور آٹھ توپیں' دس چھکڑے دواؤں کے' کلکتہ کی آمدنی کے دہلی سے فیروز پور روانہ کئے گئے۔

۱۷۔ اپریل ۱۸۴۶ء۔ حضرت بادشاہ سلامت نوروز کی تقریب میں دولت سرائے واقعہ حضور قطب صاحب میں فاختائی رنگ کے کپڑے پہن کر چاندی کی کرسی پر جلوہ افروز ہوئے۔ محل سرا کی بیگمات نے مرشد زادوں اور ارا کین سلطنت نے نذریں پیش کرنے کا اعزاز و افتخار حاصل کیا۔

حضرت شاہ بو علی قلندرؒ کے خادموں کو جو تبرک لے کر حاضر ہوئے تھے' پچیس روپیہ مرحمت فرمائے۔

لالہ زورآور چند سے ارشاد ہوا کہ اطمینان خاطر کے ساتھ اپنے مقررہ کام کو انجام دیئے جاؤ۔ انشاء اللہ تمہاری کوڑی کوڑی ادا کر دی جائے گی۔

دو درویشوں نے حج بیت اللہ کے سفر کی اجازت طلب کی۔ ہر ایک کو پندرہ پندرہ روپے دیئے گئے۔

علی جان سوار نے پانچ سو روپیہ نذر پیش کر کے درخواست کی کہ مجھے دفعداری کا عہدہ مرحمت کیا جائے۔ اس کی درخواست منظور کی گئی اور پچیس روپیہ ماہوار پر دفعدار بنا دیا گیا۔

میرزا جلال الدین بہادر اور چھ دوسرے سلاطین گھوڑوں کی خریداری کے لئے ہردوار کے میلہ کو روانہ ہوئے ہیں۔

صاحب کلاں بہادر دام اقبالہ کی عرضی نظر فیض انور سے گذری کہ سلطانی کشتی جو جھروکہ کے نیچے سے چوری ہو گئی تھی' بنارس میں پکڑی گئی' مگر چرانے والوں کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔

کنور دیبی سنگھ وکیل نے صاحب کلاں بہادر کی خدمت میں پینتیس ہزار روپیہ کا تمسک پیش کیا۔ اس پر سلطنت کی مہر بھی تھی۔ موضع سدرا کی آمدنی کے سات سو روپیہ جو اسی وقت موصول ہوئے تھے ان کے حوالہ کئے گئے۔

حضور جہاں پناہ کی چٹھی کے جواب میں صاحب کلاں بہادر نے تحریر فرمایا کہ شہر میں مردوں کے دفن کرنے سے آب وہوا خراب ہو جاتی ہے اس لئے شہر میں مردوں کا دفن کرنا مناسب نہیں ہے (یہ چٹھی علاقہ ترکمان دروازہ شہر دہلی میں مردوں کے دفن کرنے کے متعلق تھی۔ حسن نظامی)

معلوم ہوا کہ بہادر جنگ خاں بہادر جاگیردار بہادر گڈھ کے وکیل نے اپنے موکل کے حاضر ہونے کے متعلق محکمہ ایجنسی میں ایک درخواست پیش کی ہے۔ چونکہ بہادر جنگ خاں ایک متمرد اور نافرمان آدمی ہے۔ شراب غفلت سے مدہوش ہے۔ ارتکاب مناہی میں مبتلا ہے۔ رعایا و برایا مسافر اور مہمان سب کے ساتھ بداخلاقی اور ظلم سے پیش آتا ہے۔ اس قدر بے پروا ہے کہ صاحب کلاں بہادر کی نصیحت کا کوئی اثر قبول نہیں کرتا اس لئے اس کی درخواست پر کوئی حکم نہیں لکھا گیا۔

لارڈ الفنسٹن بہادر جو پہلے مدراس میں گورنر تھے۔ آج کل وہ دہلی میں آئے ہوئے ہیں۔ کشمیر کے ارادہ سے عنقریب پنجاب کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔

۲۳۔ اپریل ۱۸۴۶ء۔ حضور جہاں پناہ حضور پُرنور سلطان نظام الدین اولیاءؒ کے مزار کثیر الانوار پر رونق افروز ہوئے۔ گیارہ روپے نقد شیرینی شیشہ گلاب نیاز کے لئے دیئے اور پھر اپنی حویلی میں جو حوالی قطب صاحب میں واقع ہے تشریف لے گئے اور بعض ضروری کاموں سے فراغت حاصل کر کے استراحت فرمائی۔

سوہن لال بہادر مختار سابق امور سلطنت نے درخواست دی کہ میرا سولہ ہزار روپیہ جو حضور کے ذمہ واجب الادا ہے اگر مرحمت کر دیا جائے تو عین غریب پروری ہے۔ حکم ہوا کہ دس ہزار روپیہ نقد نذر خزانہ میں داخل کر دو۔ اس کے بعد پانچ ہزار روپیہ ماہوار کی قسط مقرر کر دی جائے گی اور ہر قسط باقاعدہ ہر ماہ ادا ہوتی رہے گی۔

نواب حامد علی خاں کی عرضی نظر فیض اثر سے گذری کہ میں لکھنؤ سے اپنے مکان پر آؤں گا اور وہاں سے شرف ملازمت کی غرض سے حاضر خدمت ہونے کا ارادہ ہے۔ امید ہے کہ میری درخواست قبول کی جائے گی۔

صاحب کلاں بہادر کے عرض کرنے سے ایک شقہ حافظ داؤد داروغہ قدسیہ باغ کے نام جاری ہوا کہ مسٹر جورف صاحب کے آدمی جب ہمارے باغ کی نہر سے پانی لینے آئیں تو ان سے کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔

اطلاع دی گئی کہ حضرت ظل سبحانی کی صاحبزادی نواب مبارک سلطان بیگم صاحبہ نے افیون کھائی تھی۔ فوراً دواؤں کا استعمال کیا گیا۔ کئی دفعہ قے ہوئی۔ طبیعت صاف ہو گئی۔ اب ان کی حالت رو بصحت ہے مگر کسی قدر کمزوری باقی ہے۔

دو شقے صاحب کلاں بہادر کے نام روانہ کئے گئے۔ ایک کا مضمون یہ تھا کہ دارالبقا کا مکان جس میں مرزا شہاب الدین بہادر اور مرزا حشم بخت بہادر رہتے ہیں فوراً خالی کرا لیا جائے اور ان کا کوئی عذر نہ سنا جائے۔

(بہادر شاہ کو اپنے خاندانی شہزادوں سے بے حد نفرت تھی اور کچھ وہ شہزادے بھی بیرونی اشاروں سے آمادۂ پرخاش رہتے تھے۔ حسن نظامی)

دوسرے شقہ کا مضمون یہ تھا کہ منشی شیر علی خاں نواب ممتاز محل بیگم کی جائداد کو اپنے قرضہ کے عوض نیلام کرانا چاہتا

ہے۔ وکیل عدالت کو حکم دیا جائے کہ عدالت سے اس نیلام کے لئے امتناعی حکم حاصل کر کے جائداد کو نیلام ہونے سے بچا لے' کیونکہ یہ امر صورت حالات کے اعتبار سے بالکل غیر مناسب ہے۔

اطلاع دی گئی کہ زبردست خاں فرخ نگری صاحب کلاں بہادر کی خدمت اقدس میں ملاقات کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تھے۔ صاحب کلاں بہادر نے ان سے کہا کہ تم شہر میں بدامنی پھیلاتے ہو اور علاقہ فرخ نگر کے زمینداروں کو تنگ کرتے ہو لہٰذا تم کو چاہئے کہ فوراً شہر خالی کر دو۔ اس نے عرض کیا کہ نواب فرخ نگر نے حضور سے خلاف واقعہ عرض کیا ہے۔

صاحب کلاں بہادر نے بادشاہ سلامت کے اس شقہ کے جواب میں جس میں تحریر تھا کہ اکبر علی خاں پانودی والے اور دوسرے زمینداروں کے قبضہ میں جو دیہات ہیں انہیں واگذاشت کرا لینا چاہئے۔ تحریر فرمایا کہ بارہ سال گذر گئے۔ اب مقدمہ مسموع نہیں ہو سکتا' کیونکہ میعاد گذر گئی۔

بادشاہ سلامت سے عرض کیا گیا کہ صاحب کلاں بہادر کے پاس بختاور بخت بہادر اور نواب مکرم النساء کا ایک مراسلہ پہنچا تھا جس میں تحریر تھا کہ ہم اپنی جاگیر میں دس دیہات سرکار انگریزی کے سپرد کرتے ہیں۔ جواب میں صاحب کلاں بہادر نے فرمایا کہ تمام حصہ داروں کے نام لکھو۔ دیہاتوں کی تفصیل اور آمدنی کی تصریح کرو۔ اس کے بعد تمہاری درخواست پر عمل درآمد ہو سکتا ہے۔ اس کے بغیر تمہیں کسی قسم کی توقع نہ رکھنی چاہئے۔

(انتظام کی لیاقت نہ تھی۔ خود انگریزوں کو اپنی ملکیت انتظام کے لئے دیتے تھے۔ حسن نظامی)

دلی میں چیچک کا مرض بہت پھیل گیا تھا۔ شاید ہی کوئی بچہ ایسا ہو جسے یہ مرض نہ ہوا ہو۔ اب تو اللہ کا فضل ہے کسی قدر بیماری کم ہے۔ رفتہ رفتہ بالکل جاتی رہے گی۔

یکم مئی ۱۸۴۶ء۔ حضرت جہاں پناہ حضور قطب صاحب کے مزار پر انوار کے پاس والی حویلی میں رونق افروز ہیں۔ حکم سلطانی کے بموجب مرزا محمد شاہرخ بہادر کے استقبال کے لئے مرزا محمد فخر الدین بہادر' مرزا جواں بخت بہادر (شہزادگان) کنور دیبی سنگھ' غازی الدین نگر (آج کل اس کو غازی آباد کہتے ہیں) تک گئے۔ مرزا محمد شاہرخ بہادر نے خلعت سہ پارچہ و سہ رقم جواہر اور سپر اور تلوار مرزا جواں بخت بہادر کو اور ایک ایک دوشالہ بابت رخصت یحییٰ خاں' کلو خاں' امیر خاں کو مرحمت فرمایا۔ یہ لوگ شیر کے شکار میں شہزادہ صاحب کے ساتھ تھے۔ ان سے فراغت حاصل کرنے کے بعد شہزادہ بہادر قلعہ معلی میں تشریف لے گئے۔ بادشاہی توپخانہ سے سلامی کی سترہ توپیں چھوڑی گئیں۔ نواب حامد علی خاں بہادر نے ایک اشرفی اور غلام علی خاں نے پانچ روپے نذرانہ پیش کیا۔ مرزا محمد شاہرخ بہادر ولی عہد نے بادشاہ سلامت سے سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل کی۔ بادشاہ سلامت نے ایک دستار سربستہ طرہ منقیش کے گوشوارہ کے ساتھ ایک دو شالہ' ایک کمخواب کی قبا' سہ رقم جواہر' ایک سپر' ایک شمشیر شہزادہ کو اور اٹھائیس خلعت مرزا عبداللہ بہادر' مرزا مظفر بہادر' کنور سالگرام وغیرہ شہزادوں کے ساتھیوں کو مرحمت فرمائے۔ نو اشرفیاں اور ستر روپیہ نذرانہ کے وصول ہوئے۔

شش پارچہ اور سہ رقم جواہر حضرت شاہ مرداں (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کی نیاز کے دسترخوان اور مہندی کی تیاری کے لئے راجہ بھولا ناتھ کو مرحمت فرمائے (یہ دسترخوان کی مذہبی رسم مسلمانوں خصوصاً شیعوں میں ہوتی ہے۔ ہندو بھی

کرتے ہیں)۔

مرزا الٰہی بخش سلاطین نے بہاری لال کے عہدہ مختاری کے حصول کی درخواست کے ساتھ چار اشرفی کا نذرانہ پیش کیا۔ درخواست کے ملاحظہ کے بعد ارشاد عالی ہوا کہ درخواست کنندہ کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ (یہ وہی مرزا الٰہی بخش ہیں جو غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خیر خواہ ہوئے اور آج کل ان کی اولاد کو معقول پنشن ملتی ہے۔ حسن نظامی)

محکمہ ایجنسی کے دربار میں نواب معظم الدولہ ٹامس تیو فلس مٹکاف بہادر فیروز جنگ دام اقبالہ سرکاری کاموں میں اور رعایا و برایا کی دادرسی میں امراء و رؤسا کے اعزاز و اکرام میں رات دن مصروف رہتے ہیں۔

نواب فرخ آباد نے گورنر جنرل کی ہدایت کے بموجب اپنے خاص طبیب حکیم امام الدین خاں کو زینت محل بیگم صاحب کے علاج کے لئے دہلی بھیجا ہے۔ آج نواب فرخ آباد کا خط رالہ دعلی ملاحظہ شاہی میں پیش ہوا۔

شقہ سلطانی جاری ہوا کہ روشن آرا بیگم کے باغ اور سرہندی کے باغ اور چاندنی محل کو نواب حسینی بیگم صاحب بیگم مرزا محمد سلیم شاہ بہادر مرحوم کے قبضہ سے الگ کرلیا جائے۔ پہلے ان سے خالی کرنے کی نسبت کہا جائے۔ اگر وہ نہ مانیں اور خالی نہ کریں تو ہیرا لعل وکیل سے کہا جائے کہ عدالت عالیہ میں نالش کرنے کے لئے کارروائی شروع کردیں۔ چنانچہ انہوں نے خالی نہیں کیا اور ہیرا لال وکیل نے مقدمہ کی کارروائی شروع کردی۔

متعدد ارکان سلطنت نے ایک عرضی حضور کی خدمت میں بھیجی کہ راجہ سوہن لال بہادر نے سرکار شاہی میں مبلغ پینتیس ہزار اپنے قرضہ کی رقم تحریر کی ہے اور حضور نے پچاس ہزار روپے ان کو ادا کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ حساب میں اختلاف کی کیا وجہ ہے؟

ایک خط مرزا کبیر الملک بہادر کے نام لکھا گیا کہ منشی شیر علی خاں کے زرقرضہ کی نالش کے بموجب ان کا مختار عدالت میں حاضر نہیں ہوا۔ ان کو عدالت میں بہت جلد حاضر ہونا چاہئے۔

نک کرداس امین کے نام پروانہ جاری ہوا کہ شاہ پور وانچا پور کے زمینداروں کے درمیان اپنی اپنی حدوں کے مقرر کرنے میں کچھ جھگڑا ہوگیا ہے لہٰذا فریقین کی زمینوں کی حدیں مقرر کرنی چاہئیں۔

محمد اکبر علی خاں کا خط آیا کہ کوٹ قاسم کے زمیندار موضع جنولی کا تمام غلہ تحصیلدار کے بہکانے سے اٹھا کر اپنے گھر لے گئے حالانکہ موضع جنولی میری جاگیر ہے مگر انہوں نے اس کا مطلق خیال نہیں کیا۔ حکم دیا جائے کہ میرا غلہ واپس ہو اور آیندہ ایسی زیادتی سے اجتناب کیا جائے۔

چنانچہ پروانہ کوٹ قاسم کے تحصیلدار کے نام روانہ کردیا گیا۔ اس کے ساتھ اکبر علی خاں کے خط کی نقل بھی بھیجی (کوٹ قاسم بادشاہ کی ذاتی جاگیر تھی)۔ کوٹ قاسم کے تحصیلدار کی عرضی پہنچی کہ اکبر علی خاں نے موضع جنولی کی اپنی زمین میں موضع شاہپور جٹ جاگیر شاہی کی دوسو پچاس بیگھہ زمین کو ناجائز طور پر شامل کرلیا ہے۔ اس عرضی کی نقل بھی ایک خط کے ساتھ اکبر علی خاں زمیندار کے نام روانہ کردی گئی تاکہ وہ اس کے جواب میں اصل حقیقت سے مطلع کریں۔ زبردست خاں فرخ نگری کا خط بادشاہ سلامت کی خدمت میں پیش ہوا۔ اس میں لکھا تھا کہ فرخ نگر جانے کے لئے مجھ سے ضمانت طلب کی گئی ہے مگر کوئی ضامن میسر نہیں آتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ میری طرف سے کسی قسم کی بدچلنی عمل میں نہ

آئے گی اور میں فرخ نگر میں پہنچ کر نہایت با امن اور مرنجاں مرنج زندگی بسر کروں گا۔

سنا گیا ہے کہ چالیس لاکھ روپیہ دس لاکھ کا سونا اور بہت سی توپیں جو لاہور کے سکھوں سے حاصل ہوئی تھیں دہلی کے انگریزی خزانہ میں داخل ہوئیں۔

۸- مئی ۱۸۴۶ء۔ حضور بادشاہ سلامت عرس کی تقریب میں حضور سلطان الاولیاء محبوب الٰہی قدس سرہ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوئے۔ پھولوں کی ایک چادر اور گلاب کا شیشہ ایک ایک اشرفی اور پانچ پانچ روپے حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت امیر خسروؒ کے مزارات کے لئے بطور نیاز نذر پیش کش کئے۔ ایک اشرفی خدام کو مرحمت فرمائی اور اپنے دولت خانہ واقعہ درگاہ حضور قطب صاحب میں واپس تشریف لے گئے۔

حکیم محمد اسمٰعیل خاں کی عرضی پہنچی کہ قدوی نے تنخواہ کی تقسیم میں تین ہزار روپیہ کی بچت کی ہے، لیکن شہزادہ مرزا غلام فخر الدین صاحب بہادر اپنی تین سو روپیہ کی کمی سے ناراض ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ ملازموں کی تنخواہ دواؤں کے اخراجات وضع کرنے کے بعد تقسیم کی جائے گی۔

صاحب کلاں بہادر کے نام شقہ روانہ کیا گیا کہ حکیم امام الدین خاں بہادر نواب زینت محل بیگم کے علاج معالجہ میں مصروف ہیں۔ ان کو نواب صاحب فرخ آباد کے معالجہ کے واسطے روانہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ان کو رخصت کر دیا جائے گا تو بیگم صاحبہ کے علاج میں مشکل واقع ہو جائے گی۔

آغا حیدر ناظر کے نام ایک شقہ جاری کیا گیا کہ سلاطین کو سمجھا دیا جائے کہ قرض لینے سے ہاتھ روکیں کیونکہ جب قرض خواہ عدالت انگریزی میں دعویٰ کرتے ہیں اور تمہیں کچہری میں گھسنا پڑتا ہے تو خاندان تیموریہ کی بڑی بدنامی ہوتی ہے۔

نواب حامد علی خاں بہادر بادشاہ سلامت کے حسب الطلب لکھنؤ سے مجرے کے لئے حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ ایک اشرفی ایک ٹوپی ایک کارچوبی رومال حضور انور کی خدمت میں اور ایک ٹوپی ایک پیش قبض اور جامہ وار کا ایک تھان ایک اطلس کی جوتی لکھنؤ کے تحائف میں سے مرزا شاہرخ بہادر کی خدمت میں پیش کئے۔ پانچ روپیہ نواب زینت محل بیگم صاحبہ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا۔ بادشاہ سلامت کی پیش گاہ سے اور شاہزادہ محمد شاہرخ بہادر کی طرف سے بھی ایک ایک دوشالہ مرحمت کیا گیا۔

دار البقا مکان حضور انور نے خالی کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے متعلق مرزا شہاب الدین خلف میرزا اعظم بخت کی عرضی سر چارلس مٹکاف کی چٹھی کے ساتھ صاحب کلاں بہادر کے نام آئی اور حضرت عرش آرام گاہ کا دستخطی فرمان متعلقہ مکان مذکورہ بھی اسی عرضی کے ہمراہ منسلک تھا۔

نواب طامس تیافلس مٹکاف بہادر نے کچہری ایجنٹی کے علاقہ میں خاص اپنی کوٹھی پر دہلی کے مدرسہ کے طلباء کو طلب فرمایا۔ سب کا امتحان لیا۔ جو اچھے نمبروں میں کامیاب ہوئے انہیں اپنی دستخطی سند عطا فرمائی اور ایک سو پچاس طالب علموں کے وظائف میں طلباء کی حسب لیاقت دو دو اور چار چار روپیہ کا اضافہ فرمایا۔

جیمس اسکنر صاحب کی چٹھی کے بموجب دو ہزار سواروں کی وردی کی تیاری کے لئے پانچ ہزار روپیہ خزانہ

سرکاری سے دیے گئے۔ مبلغ دو لاکھ روپے نقد اور ننانوے ہزار روپیہ کا سونا جو لاہور سے آیا تھا اور دلی کے خزانہ میں داخل تھا دارالضرب آگرہ میں بھیج دیا گیا۔ صاحب کلاں بہادر نے تجویز فرمایا کہ اس روپیہ کو پگھلا کر چہرہ شاہی سکہ کا روپیہ بنانا چاہئے۔ اس کام کے لئے جامع مسجد کے پاس ایک مکان تجویز کیا گیا۔

بتاریخ ۱۸ ماہ حال ایک سو نوے توپیں جو سکھوں سے جنگ میں فتحمندی کے بعد حاصل ہوئی تھیں اور چھتیس توپیں جو گورنمنٹ بہادر کے تسلط کے بعد لاہور کے لوگوں نے خود بخود سپرد کی تھیں شہر دلی کی فصیل کے مابین میگزین کے مکان میں رکھی گئیں۔ یہ توپیں بہت بڑی بہت خوبصورت بہت عمدہ ہیں۔ ان کے حاصل کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزوں کی فوج بہت جرار دلاور اور شجاع ہے جس نے ہمت مردانہ کی وجہ سے اس قدر نمایاں کامیابی کے ساتھ مال غنیمت حاصل کیا۔ توپیں اس قدر عجیب و نادر ہیں کہ بڑے بڑے انگریز لوگ اور عامۃ الناس جوق جوق ان کے دیکھنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ تین توپیں تو ان میں سے اس قدر بھاری تھیں کہ ایک ایک توپ کو تین تین ہاتھیوں نے بہ مشکل تمام کھینچ کر منزل مقصود تک پہنچایا۔

دلی میں ماہ فروری کی پانچ تاریخ تک چھوٹے بڑے مرد عورت کی تین سو تریسٹھ اموات واقع ہوئیں۔ ہر ایک کا نام اور عمر کا لکھنا فضول ہے۔ اس سے قطع نظر کیا جاتا ہے۔

۱۵ - مئی ۱۸۴۶ء۔ حضرت شاہ جہاں دہلی اپنے دولت خانہ واقع درگاہ قطب صاحب میں تشریف لے گئے۔ غلام علی خاں نے جو نواب حامد علی خاں کے ہمراہ لکھنؤ سے آئے تھے پانچ روپیہ نذرانہ پیش کیا اور نواب حامد علی خاں نے ایک سونا بنے کے کھلونے اور کپڑے شہزادہ جواں بخت بہادر کے سامنے پیش کئے۔

ایک خط بادشاہی وظیفہ کے اضافہ اور فتح لاہور کی مبارک بادی کے متعلق صاحب کلاں بہادر کے خط کے ساتھ نواب گورنر جنرل کی خدمت میں بھیجا گیا۔

جو خزانہ لاہور سے دلی کی طرف روانہ کیا گیا تھا ماہ گذشتہ کی ۱۳ تاریخ کو دلی پہنچ گیا۔ دری چاندی اور سونے چاندی کے برتنوں وغیرہ کے اشتہارات لوگوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ مسٹر کرین کو اس کام کے لئے متعین کیا گیا ہے کہ وہ ہر چیز کی قیمت تجویز کریں۔

(مال غنیمت اور اسباب خانگی فروخت کرنے کی عادت انگریزوں میں قدیمی ہے۔ ہندوستانی حکمراں اس کو عیب سمجھتے تھے۔ حسن نظامی)

دلی کے ریزیڈنٹ بہادر کو یہ خبر سنائی گئی کہ بتیس لاکھ روپیہ نقد اور انیس لاکھ روپیہ کا سونا انگریزوں کی دو کمپنیوں اور تلنگوں کی دو کمپنیوں کی زیر حفاظت لاہور سے دلی آ گیا اور خزانہ میں داخل کر دیا گیا۔

ایک مشہور و معروف انگریز افسر اکبر آباد سے دلی میں آیا اور درخواست کی کہ میں پرانے سکہ کے روپے چہرہ شاہی سکہ کی صورت میں ڈھالنا چاہتا ہوں۔ اس مضمون کی ایک چٹھی ریزیڈنٹ بہادر کو بھی لکھی تھی جس میں ۱۲ بیگھہ زمین جامع مسجد کے پاس سکہ ڈھالنے کے لئے طلب کی تھی۔ حقیقت حال دریافت کر کے رائٹ سن بہادر کے نام رقعہ لکھ دیا گیا کہ صاحب موصوف کو درخواست کے بموجب زمین مرحمت کر دی جائے۔

۲۲-مئی ۱۸۴۶ء۔ حضرت شاہ جہاں پناہ دہلی موضع مہرولی والے مکان میں جو حضور قطب الاقطاب علیہ الرحمۃ کے مزار پر انوار کے متصل واقع ہے' رونق افروز ہیں۔ بادشاہ سلامت کا مزاج کسی قدر برہم ہے' کیونکہ بعض نمک حرام اہل کاروں نے سلطنت کو نقصان پہنچانے کے لئے شاہی ملکیت کی اشیاء میں خیانت کی تھی اور تنخواہ داروں کے حقوق کو بھی نقصان پہنچانے کے لئے سازش کی گئی تھی اور فتنہ پردازی کا ایک ایسا جال بچھایا تھا جس سے سلطنت کے کاروبار میں فرق آنے کا اندیشہ تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ فسادیوں نے محض تخت خلافت کے رونق و جبروت کو کم کرنے کے لئے اس قسم کی ریشہ دوانیاں کی ہیں۔ جب سلطنت کے کاروبار کی یہ حالت اور بدلگام سیہ بخت ارکان و اعیان کی یہ کیفیت ہو تو بادشاہ سلامت کیوں کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ خدا کرے ان تمام امور کا تصفیہ نواب صاحب کلاں بہادر کی رائے مبارک کے موافق بہت جلد ہو جائے۔ جس طرح علاقہ کوٹ قاسم کا انتظام نواب صاحب کلاں بہادر نہایت خیر و خوبی کے ساتھ فرما رہے ہیں' اسی طرح اگر یہ تمام انتظام جس میں اخلاقی ڈاکوؤں کی لوٹ مار کا موقع مل گیا ہے نواب صاحب کلاں بہادر کے ذمہ ہو جائے تو یک لخت تمام برائیاں بہت آسانی کے ساتھ دور ہو سکتی ہیں اور سچے خیر خواہوں کے حقوق کی حفاظت کا کماحقہ انتظام بھی ہو سکتا ہے اور ہر کس و ناکس کی یہ شکایتیں بھی رفع دفع ہو سکتی ہیں۔

(کچھ تو شاہی اہل کار نالائق تھے اور کچھ جدید حکومت کے جوڑ توڑ ایسے حالات مہیا کرتے تھے جن سے رفتہ رفتہ اندرونی انتظامات بھی انگریزی قبضہ میں آتے چلے جائیں۔ حسن نظامی)

حضرت شاہ بو علی قلندرؒ کی درگاہ کے خادموں نے تبرک پیش کیا اور اپنے حسب مراد پچیس روپیہ انعام حاصل کئے۔ حکیم امام الدین خاں صاحب نے نواب زینت محل بیگم صاحبہ کے علاج سے فرصت پائی۔ الحمد للہ بیگم صاحبہ کا مزاج اقدس اب رو بصحت ہے۔ حکیم صاحب نواب فرخ نگر کے معالجہ کے واسطے رخصت لے کر جانے والے ہیں۔

حافظ محمد داؤد خاں کی وفات پر بطور رسم تعزیت ان کی صاحبزادی اور صاحبزادوں کو ایک دوشالہ عنایت کیا گیا۔

بادشاہ سلامت کو اطلاع دی گئی کہ پنڈت ہیرا لال وکیل نے صاحب کلاں بہادر کے حکم کی تعمیل کی غرض سے عدالت میں ایک درخواست پیش کی ہے کہ نواب حسینی بیگم صاحبہ اہلیہ مرزا محمد سلیم بہادر نے ابھی تک چاندنی محل کا مکان اور باغ روشن آرا اور باغ سرہندی کو خالی نہیں کیا۔ اس درخواست پر بیگم صاحبہ کو نوٹس دیا گیا کہ آٹھ روز کے اندر اندر دونوں باغ اور یہ محل خالی کردو۔ ورنہ پولیس کے ذریعہ خالی کرایا جائے گا۔

بادشاہ سلامت کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ سرکار انگریزی کے اعلان کے بموجب ۵ مئی کو سرکاری میگزین کے متصل صاحبان عالی شان اور رؤسائے شاہجہاں آباد کا ایک بہت بڑا اجتماع تھا۔ اس جلسہ میں ان توپوں کا مظاہرہ کیا گیا جو جنگ لاہور میں حاصل ہوئی تھیں۔

توپوں کے مظاہرہ کے بعد کپتان صاحب بہادر نے نواب گورنر جنرل بہادر کا پیغام پڑھ کر سنایا جس میں سکھوں کی عہد شکنی اور پھر ان کا گرفتار ہو کر سزایاب ہونا اور لاہوری توپوں کا چھیننا اور ریاست لاہور کو مہاراجہ صاحب لاہور کے سپرد کر کے ان کی تاج بخشی کرنا اور ان سے مصالحت کا عہد و پیمان ہونا وغیرہ سب کچھ مذکور تھا۔

ماہ حال کی ۱۰ تاریخ کو یہ توپیں کلکتہ روانہ ہو جائیں گی اور جو بہادر لوگ مستحق انعام ہوں گے انہیں انعام و

اکرام تقسیم کیا جائے گا۔

۲۲ اپریل کو رابرٹ سن صاحب نے تین پروانے کوتوال شہر کے نام جاری کیے۔ اول یہ کہ سونے چاندی کا بھاؤ روزمرہ لکھ کرو۔ دوسرے یہ کہ جو توپیں لاہور سے آئی ہیں ان کی مرمت کے لئے سامان بھیجو اور سامان کے ساتھ لوہار اور قلعی گروں کو بھی آنا چاہئے۔ تیسرے یہ کہ تمام ہندوستانی امراء کو اطلاع دے دی جائے کہ جب ہاتھی پر سوار ہو کر بازار میں نکلیں اور سامنے سے کسی انگریز کی سواری آتی ہوئی ملے تو اپنے ہاتھیوں کو بالکل کنارے کر لیا کریں تاکہ آنے جانے میں مزاحمت نہ ہو۔ کوتوال شہر نے امراء کو اس حکم کی اطلاع بھیج دی اور دیگر امور کی انجام دہی کے لئے انتظامات شروع کر دیئے۔

(جب دہلی شہر بادشاہ کی ملکیت کہا جاتا تھا تو بادشاہی امراء کو یہ حکم کس استحقاق سے دیا گیا۔ دراصل انگریز اپنی حکومت کا رفتہ رفتہ اظہار کرنا چاہتے تھے تاکہ عوام اس مغالطہ میں نہ رہیں کہ ان کا حکمران بہادر شاہ ہے۔ حسن نظامی)

۲۹ مئی ۱۸۳۶ء۔ حضور بادشاہ سلامت حضور قطب صاحب قدس سرہ کے مزار پُر انوار پر حاضر تھے کہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی کی درگاہ شریف کے خدام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں درگاہ شریف میں رات کو بشارت ہوئی ہے کہ عنقریب حضور انور کو کوئی بہت بڑی مسرت حاصل ہونے والی ہے۔ حضور نے ان کو سو روپے بطور نذر مرحمت فرمائے۔

(بشارتیں سن کر خوش ہونے کے سوا بیچارے بادشاہ کے پاس اور کیا تھا۔ میرے بزرگوں نے ایک سو روپیہ حاصل کرنے کا یہ ایسا ہی طریقہ ایجاد کیا ہو گا جیسا کہ اس زمانہ میں رواج تھا۔ بادشاہ کو مسرت خاص یہ ملی کہ گیارہ سال بعد قیدی بن کر رنگون بھیجے گئے۔ حسن نظامی)

دستار سربستہ، گوشوارہ، دو شالہ، سہ رقم جواہر، سیلہ ہر دوار کی رخصت کی بابت شاہزادہ محمد شاہرخ بہادر کو عطا فرمائے۔ شہزادہ نے دو اشرفیوں کا نذرانہ حضور انور کی خدمت میں پیش کیا، لیکن خرچ راہ کے لئے کہیں سے روپیہ قرض نہ مل سکا اس لئے سفر کا ارادہ ملتوی کیا گیا۔

خلعت پنج پارچہ گردھاری لال خزانچی کے بھتیجے گنگا داس کو تعزیت کی تقریب میں مرحمت کیا گیا۔

نواب موتی بیگم صاحبہ بیوہ مرزا محمد جمشید بخت بہادر نے ایک بہت خوبصورت گھنٹہ بادشاہ سلامت کی خدمت میں نذرانہ کے طور پر پیش کیا۔

دو آدمیوں نے بادشاہ سلامت سے مرید ہونے کا افتخار حاصل کیا۔ (بہت سے بے فکرے بادشاہ کے مرید ہوا کرتے تھے اور ان کی پانچ روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہو جاتی تھی۔ حسن نظامی) بہت سے گھوڑے معائنہ کے لئے پیش کیے گئے۔ سب کے معائنہ کے بعد حکم دیا کہ ان میں جو گھوڑے ناتوان اور کمزور ہوں انہیں درگاہ شریف میں نذر کے طور پر دے دو (موتی بچھیا باسن کے حوالے) مرزا محمد شاہرخ کو حکم دیا کہ رسالہ کے گھوڑوں کو جوان اور مضبوط ہونا چاہئے ورنہ سواروں کی تنخواہ کم کر دی جائے گی۔

صاحب کلاں بہادر کے نام ایک شقہ روانہ کیا گیا، جس میں بادشاہ سلامت کی طرف سے لکھا تھا کہ موضع برچنا

بتول شاہی کو جو منشی شیر علی خاں کے پاس ٹھیکہ میں تھا اپنے قبضہ میں لے کر اس کا انتظام اور بندوبست کر دو۔ چنانچہ صاحب کلاں بہادر نے صاحب کلکٹر ضلع کے نام حکم بھیجا کہ موضع بر چنا بتول شاہی پر تم اپنا قبضہ کر کے انتظام درست کر دو۔ صاحب کلاں بہادر نے دو سو روپے بادشاہ سلامت کے عطا کردہ اور پچاس روپے باغ چاندنی چوک کی آمدنی کے کل ڈھائی سو روپے دو مہینہ کی تنخواہ کے مسٹر لارنس کو دے دیئے۔

(گویا مسٹر لارنس سوا سو روپے ماہوار کے شاہی نوکر تھے)(یہ وہی لارنس ہیں جن کا بت لاہور میں ہے اور جس پر لکھا ہے کہ حکومت تلوار کی چاہتے ہو یا قلم کی۔ حسن نظامی)

صاحب کلاں بہادر نے ایک چٹھی حضور انور کی خدمت میں بھیجی۔ اس میں وہ محضر نامہ بھی تھا جو قلعہ مبارک کے سلاطین نے اپنے مہر و دستخط کر کے باقاعدہ تنخواہ موصول نہ ہونے کی بابت حضور انور کی شکایت میں بھیجا تھا۔

جب نواب بنو بیگم صاحبہ زوجہ میرزا محمد سکندر شکوہ بہادر عم سلطانی نے انتقال فرمایا تو مبلغ ایک ہزار دو سو روپیہ سالانہ میر پور بکاولی کی آمدنی کا حصہ مرزا قادر شکوہ (اولاد شوہری بیگم صاحبہ) پر تقسیم کیا گیا۔

عرض کیا گیا کہ راجہ اودھ کے مطلوبہ آٹھ جانور چیتے وغیرہ اپنے محافظ نوکروں کی نگرانی میں حسب الحکم صاحب کلاں بہادر صاحب ضلع دہلی کے پاس بھیج دیئے گئے۔ ان جانوروں کو نیلام کر کے ان کے محافظ نوکروں کی تنخواہ دی جاتی ہے۔ (یہ واقعہ مجھ میں نہیں آیا۔ حسن نظامی)

۵- جون ۱۸۴۶ء۔ حضرت بادشاہ سلامت حضور قطب صاحب کے قریب والے مکان میں رونق افروز ہیں۔ ایک درویش نے حاضر ہو کر ایک تسبیح اجمیر شریف کی نذر کے طور پر پیش کی اور ایک اشرفی انعام میں لی۔ ایک شقہ طامس تیا فلس مٹکاف بہادر کے پاس روانہ کیا گیا کہ مواضع شاہ پور جٹ وغیرہ جو ابھی تک آغا حیدر ناظر کے قبضہ میں ہیں اپنے قبضہ اور تصرف میں کر لو۔ ایک شقہ نواب انور محل بیگم صاحبہ کے نام نافذ کیا گیا کہ بہاری لال ساکن بنارس کو دہلی میں طلب کیا جائے۔ انہوں نے شاہی امور کی مختاری کی درخواست کی تھی۔ آنے کے بعد وہ اس کام کا چارج لے لیں۔

بادشاہ سلامت نے خلیفہ محمد اسمٰعیل کو خلعت شش پارچہ سہ رقم جواہر عنایت کی اور اندرمن و شنکر ناتھ کو جو خلیفہ اسمٰعیل کے ساتھ تھے اور علاقہ سلطانی میں تقسیم تنخواہ کے کام کو بہت عمدگی کے ساتھ بجا لائے تھے خلعت سہ پارچہ مرحمت ہوا۔ ان لوگوں نے دو بارہ روپے نذر کے پیش کیے۔

مرزا محمد کبیر الملک بہادر نے ایک کلابتون کا جھل زیر انداز حضور کی خدمت میں بطور نذر پیش کیا۔ حضور نے اس نذر کو قبول فرمالیا۔

عرض کیا گیا۔ راجہ لاڈوہ کے پانچ درندے جو قرق ہو کر دہلی آئے تھے نیلام کر دیئے گئے۔ ان کو اہلکاران نواب جھجر نے مبلغ ایک ہزار دس روپیہ میں خرید لیا۔

بادشاہ سلامت نے ایک خط صاحب کلاں بہادر کے نام لکھا کہ مکان دار البقا کو مرزا محمد شہاب الدین صاحب بہادر ابن مرزا مستقیم بخت بہادر نے خالی کرنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ آج کل میں وہ خالی کر دیں گے۔ صاحب کلاں بہادر نے بادشاہ سلامت کے اس خط کی پشت پر اپنی طرف سے عبارت لکھ کر مرزا صاحب کے پاس بھیج دی۔

ایک پروانہ ہیرالال وکیل کے نام جاری ہوا کہ عدالت میں درخواست دی جائے کہ حسینی بیگم زوجہ مرزا محمد سلیم مرحوم باغ روشن آرا اور باغ سرہندی کو بہت جلد خالی کردیں۔

صاحب کلاں بہادر کی عرضی پہنچی کہ حضور انور کی دو کشتیاں جو جھروکے کے نیچے سے چوری ہوئی تھیں، الہ آباد میں گرفتار ہوئی ہیں۔ ثبوت کے لئے عدالت فوجداری میں گواہوں کو پیش کرنا چاہئے۔

حضور انور کے گوش گذار کیا گیا کہ نواب گورنر جنرل کا ایک خریطہ رئیس جھجر کے نام آیا کہ تمہارے مختار عبدالصمد خاں اور ان کی فوج نے علاقہ سرسی وغیرہ میں نہایت جانفشانی اور تن دہی سے فرائض منصبی کو انجام دیا ہے اور ان کوششوں سے نتیجہ بھی اچھا برآمد ہوا ہے۔ ان کی کارگذاریاں صاحب ایجنٹ بہادر پر بھی اچھی طرح روشن ہوگئی ہیں اس لئے صدر دفتر کے احکام کے بموجب آپ کو لکھا جاتا ہے کہ آپ عبدالصمد خاں اور ان کے ہمراہی افسروں کو خلعت و انعام مرحمت فرمائیں۔

(یہاں ۲۹ جون کی کیفیت مقدم ہوگئی۔ یہ اصل ماخذ کی غلطی ہے جہاں سے یہ روزنامچہ لیا گیا ہے۔ حسن نظامی)

۲۹-جون ۱۸۴۶ء۔ بادشاہ سلامت آج کل اپنے مہرولی والے مکان میں رونق افروز ہیں۔ حکم شاہی ہوا کہ ایک سو ایک روپیہ نواب حامد علی خاں کی صاحبزادی کی حاضری کے انتظام کے واسطے روانہ کیا جائے۔

حکم دیا گیا کہ باغ حیات بخش اور مہتاب باغ کے دو ہزار درختوں کی کاٹ چھانٹ کر کے ان کو ہموار کردیا جائے۔

خبر مشہور ہے کہ قلعہ کے برج کا تانبے کا ایک کلس جس پر سونے کا ملمع تھا قلعہ سے چوری ہوگیا۔ مرزا محمود شاہ بہادر کے ذمہ جو روپیہ ایک مہاجن کا قرض تھا اس نے دعویٰ کردیا۔ فیصلہ مدعی کے حق میں ہوا اور اس نے ڈگری حاصل کر کے ان کے مکان کا ایک کمرہ اور اصطبل نیلام کرادیا۔

صاحب مجسٹریٹ بہادر نے شہر کے کوتوال اور تھانہ داروں کو حکم دیا ہے کہ نو سو چھکڑوں کا انتظام کیا جائے کیونکہ لاہور میں ان کی ضرورت ہے۔

ایجنسی کی طرف سے نواب حسینی بیگم صاحبہ بیوہ مرزا محمد سلیم بہادر کی خدمت میں ایک خط لکھا گیا کہ باغ روشن آرا اور باغ سرہندی کو آٹھ دن کے اندر اندر خالی کردیا جائے ورنہ ملازمان فوجداری مدت معینہ گزرنے کے بعد زبردستی خالی کرا کے ملازمان سلطانی کے حوالہ کردیں گے۔

بادشاہ سلامت سے عرض کیا گیا کہ گیارہ ہزار چار سو روپے پرگنہ کوٹ قاسم کی آمدنی کے تحصیلدار صاحب نے بھیجے تھے۔ نواب صاحب کلاں بہادر نے وہ سب روپیہ قرضداروں کی ادائگی میں خرچ کردیا۔

نواب طامس تیافلس مٹکاف بہادر نے صدر دفتر کے حکم کے بموجب ایک دوشالہ ایک کمخواب کا تھان ایک بناری دوپٹہ ایک سرج کا تھان اور اس کے علاوہ دوسرے قیمتی کپڑے اور ایک ولایتی بندوق خلعت کے طور پر نواب جھجر کی فوج کے کرنل عبدالصمد خاں کو مرحمت فرمایا اس لئے کہ انہوں نے سرسہ کے باغیوں کی سرکوبی میں بہادری اور جرأت کے

ساتھ کام کیا تھا۔ کرنیل عبدالصمد خاں کے ساتھ ایک اور کرنیل تھے۔ انہیں بھی خلعت چار پارچہ اور پستول کا ایک جوڑا دیا گیا۔

صدر دفتر کے حکم کے بموجب سر منکاف بہادر آج کل جاگیرداروں کی جاگیروں کی دیکھ بھال کے کام میں مصروف ہیں۔

ہردیال قانونگو نے دہلی کے پرگنوں کا ایک نقشہ بنا کر نواب گورنر جنرل بہادر کی خدمت میں ملاحظہ کی غرض سے بھیجا تھا' پسند کیا گیا اور اس خدمت کے صلہ میں پانچ سو روپے انعام ملے۔

اطلاع آئی کہ نواب دلاور خاں مندراجی جو علوم انگریزی کی تحصیل کی غرض سے گئے ہوئے تھے' فارغ التحصیل ہو کر آ گئے اور آج کل راجپوری کی چھاؤنی میں مقیم ہیں۔ ان کی خواہش کے مطابق چھ سوار اور تلنگوں کا پہرہ ان کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔

اب سے پہلے جہاں پناہ بادشاہ دہلی ریزیڈنٹ دہلی کو اس خطاب سے یاد کیا کرتے تھے ''فرزند ارجمند سلطانی معظم الدولہ امین الملک اختصاص یار خاں طامس تھیا فلس منکاف بہادر فیروز جنگ۔'' آج ارشاد عالی ہوا چونکہ انہوں نے قلعہ کی مرمت و درستی کا کافی انتظام کر دیا ہے' شاہی دیہات کے انتظام و انصرام اور بعض دوسرے کاموں کے سرانجام دینے میں امید سے زیادہ کوشش کی ہے' اس لئے میں ان سے بہت زیادہ خوشنود ہوا۔ اس کے بعد حکیم احسن اللہ خاں کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ مجھے صاحب کلاں معظم الدولہ بہادر کی خیر خواہی اور ہمدردی سے بہت خوشی حاصل ہوئی' اس لئے دفتر خانہ میں حکم دے دیا جائے کہ ان کے پورے القاب کے ساتھ ''فرزند ارجمند بجاں پیوند سلطانی'' بھی ضرور لکھا جائے۔ اب سارے القاب کی یہ صورت ہوئی ''فرزند ارجمند بجاں پیوند سلطانی معظم الدولہ امین الملک اختصاص یار خاں طامس تھیا فلس منکاف بہادر فیروز جنگ۔''

لیکن خاکسار ایڈیٹر ''احسن الاخبار'' اپنے ناظرین کی خدمت میں عرض گذار ہے کہ اتنا لمبا چوڑا القاب لکھنے سے طوالت ہوتی ہے اور بعض لوگ پڑھتے ہوئے گھبراتے ہیں اور شکایت لکھ کر بھیجتے ہیں' اس لئے لوگوں کے سمجھانے کے لئے ان کا نام نامی صرف نواب معظم الدولہ بہادر دام اقبالہٗ تحریر کیا جائے گا۔ ناظرین نوٹ کر لیں۔ اس اختصار میں کام نکل جائے گا اور ناظرین کا فضول وقت ضائع نہ ہو گا۔

۲۶۔ جون ۱۸۴۶ء۔ (یہ تاریخ مقدم ہونی چاہئے تھی۔ حسن نظامی) حضور جہاں پناہ حویلی واقعہ مرزا حضور قطب صاحب میں رونق افروز ہیں۔ ایک شقہ بنارس میں نواب جہاں زیب بانو بیگم صاحب کے نام روانہ فرمایا کہ دو ہزار روپے کا ایک بنارسی دوپٹہ خرید کر بھیج دو۔ ایک گھوڑا ایک سوداگر سے پانچ سو چالیس روپے میں خرید فرمایا۔ ایک گمنام عرضی حضور کے سامنے پیش ہوئی جس میں لکھا تھا کہ اگر حکیم احسن اللہ خاں کی جگہ مجھے مقرر کیا جائے تو میں مبلغ چار ہزار روپے نذرانہ پیش کروں گا۔ چونکہ عرضی پر بھیجنے والے کا نام نہیں تھا' اس لئے حضور نے ان ملازموں پر غصہ ظاہر فرمایا جن کے توسط سے یہ عرضی حضور تک پہنچی تھی۔

سالگرام پسر لالہ رام جمل متوفی کی عرضی نظر فیض انور سے گذری۔ اس میں مذکور تھا کہ اگر مجھے آغا حیدر ناظر

کی جگہ عہدۂ نظارت پر مقرر کر دیا جائے تو میں دس ہزار روپیہ نذرانہ پیش کروں گا۔ حکم ہوا کہ جب ہم آغا حیدر ناظر کا تمام روپیہ جو ہمارے ذمہ ہے ادا کر دیں گے تو اس کے بعد دیکھا جائے گا۔

ایک پیرزادے نے بواسیر کے لئے ایک مجرب تعویذ جہاں پناہ کی خدمت میں پیش کیا۔ جہاں پناہ نے اسے پچاس روپے انعام کے مرحمت فرمائے۔

راؤ ہندو راؤ مرہٹہ نے ایک شکاری کتا پٹہ سمیت مرزا فخر الدین شاہزادہ کو ہدیہ کے طور پر بھیج دیا۔ (دلی میں ہندو راؤ کا باڑہ اور اسپتال اب بھی موجود ہے۔ حسن نظامی)

اطلاع دی گئی کہ نواب حسینی بیگم صاحبہ زوجہ مرزا محمد سلیم بہادر مرحوم نے صاحب جج بہادر کی عدالت میں اپیل کیا ہے کہ باغ روشن آرا اور باغ سرہندی کی ملکیت کی سند میرے پاس موجود ہے۔ پھر مجھ سے یہ کیوں خالی کرائے جاتے ہیں۔

صاحب جج بہادر نے مجسٹریٹ بہادر سے رپورٹ طلب کی۔ نواب معظم الدولہ بہادر نے ایک پروانہ پنڈت ہیرا لال وکیل کے نام جاری فرمایا کہ تم صاحب جج بہادر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرو کہ نواب گورنر جنرل کے حسب الحکم بادشاہ دہلی کو اس قسم کے مکانوں کے لینے دینے کے تمام حقوق حاصل ہیں جن کی نسبت شاہی ملکیت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ صاحب جج بہادر نے وکیل صاحب سے کہا کہ بیگم صاحبہ کا دعویٰ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا اور نہ ان کے پاس کوئی اور کافی ثبوت موجود ہے اس لئے بہت جلد ان باغوں پر ملازمان سلطانی کا قبضہ ہو جائے۔

نواب میر حامد علی خاں نے صاحب کلاں بہادر سے عرض کیا کہ میرے ایک لاکھ اور کئی ہزار روپے حضور والا کے ذمہ نکلتے ہیں۔ اگر ان میں سے کچھ روپیہ مجھے اس وقت مرحمت کر دیا جائے تو بڑا کرم ہوگا۔ صاحب کلاں بہادر نے کہا میں نے سرکار والا سے عرض کیا تھا مگر اس وقت انتظام ممکن نہیں ہے۔

چونکہ نواب جھجر نے جنگ لاہور کے زمانہ میں سامان رسد چھاؤنی فیروز پور میں بھیجا تھا اس لئے افسر چھاؤنی کو اطلاع دی گئی کہ دو ہزار دو سو اسی روپے نواب جھجر کے پاس بھیج دیئے جائیں۔

جن لوگوں نے علاقہ سرسہ کی جنگ میں بہادری اور جان بازی کے جوہر دکھائے تھے جیسے سمندر خاں وغیرہ ان کو محکمہ ایجنسی سے خلعت و انعام مرحمت کیا گیا اور حکام وقت ایسے بہادروں کی وفاداری اور جاں نثاری سے بہت مسرور ہوئے۔

ایجنٹ بہادر کے نام شقہ لکھا گیا کہ کوٹ قاسم کی نصف آمدنی قرضداروں کو دی جائے اور نصف ہمارے پاس بھیج دی جائے۔ اس کے جواب میں عریضہ موصول ہوا۔ قرض روپیہ کی ادائگی کے متعلق یا تو حضور کے حکم کی تعمیل کی جائے گی یا ایجنسی سے روپیہ دے دیا جائے گا۔

اطلاع دی گئی کہ مسٹر جیمس اسکنر کے رسالہ کے چھ سو سوار شہر پناہ کے باہر تیس ہزاری کے باغ میں ٹھہرے ہوئے ہیں ان میں صبح کی قواعد کے وقت ایک سپاہی گھوڑے سے گر کر مر گیا۔

کئی دن سے دہلی میں مینہ برس رہا ہے بادل گرج رہے ہیں بجلی چمک رہی ہے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی

ہیں گرمی کی ہوا کم ہو گئی ہے بلکہ کسی قدر سردی کا اثر غالب معلوم ہوتا ہے۔

فرخ آباد میں دسویں رجمنٹ کے ایک نوجوان سپاہی شیو چرن نامی نے آدھی رات کے گذرنے کے بعد اپنے افسر کو جان سے مار ڈالا۔ سپاہی کو گرفتار کر لیا گیا۔ قاتل سے اس طرح قتل کرنے کا سبب پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ افسر نے دن کے وقت مجھے گالیاں دی تھیں۔ اس سبب سے میں نے اسے جان سے مار ڈالا۔ قاتل محافظوں کے پہرہ میں ہے۔ ہندوستانی لوگ گالیاں برداشت نہیں کر سکتے۔

۱۰۔ جولائی ۱۸۴۶ء۔ حضور انور اپنے مہر دلی کے دولت سرائے میں رونق افروز ہیں۔ جب سلاطین کی پلٹن محل مبارک کی پاسبانی کے لئے مرتب ہوئی تو بخشی گیری کا خلعت مرزا مغل بہادر کو دیا گیا اور ایک جوڑا دوشالہ کا مرزا مسعود شاہ بہادر وغیرہ کو جمع داری اور رسالداری کے عہدہ کی بابت دیا گیا۔ ان لوگوں نے اٹھارہ روپیہ بطور نذرانہ کے پیش کئے۔

حاجی خاں کو یہ کی عرضی ایوان مکند پور سے اس مضمون کی پہنچی کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان فساد ہو گیا اور میرے بھائی اس فساد میں مارے گئے۔ اس کے جواب میں راجہ ایوان مکند پور کے نام ایک شقہ روانہ کیا گیا کہ اس جھگڑے کی پوری حقیقت ہمارے پاس لکھ کر بھیجو۔

محمد علی درویش حاضر ہوئے اور مکہ معظمہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ بادشاہ سلامت نے پچیس روپے عنایت فرمائے۔

شہنشاہ اولیاء خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ شریف کی نیاز کے لئے ایک چاندی کا چراغ' ایک نقارہ کا جوڑا' ایک اشرفی اور پانچ روپے مہندی لے جانے والے فقراء کو دیئے گئے۔ یہ فقراء ہر سال مہندی لے کر دہلی سے اجمیر شریف تک پا پیادہ جاتے ہیں۔

ایک ہزار تین سو روپیہ کی ہنڈی ان شہزادہ بہادر کے خرچ کے لئے بمبئی روانہ کی گئی جو حج کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔

معظم الدولہ بہادر کی عرضی اس مضمون کی پہنچی کہ لال ڈگی تالاب کے پاس ایک ٹوٹا ہوا کنواں ہے اور اُدھر سے لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کوئی بے خبر آدمی اس میں گر پڑے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی مرمت کرا دی جائے۔

لالہ زور آور چند کو حکم دیا گیا کہ سواری خاص کے ہاتھی کے لئے سترلائی بالا پوش تیار کرا دیا جائے۔

نواب تاج محل کو چوڑیوں کے لئے پانچ سو روپے مرحمت فرمائے گئے اور سو روپے حضرت خواجہ غریب نواز کی درگاہ کے لئے اور خلعت سہ پارچہ وکیل متعینہ درگاہ کے لئے چھڑیوں کے میلہ کی تقریب میں عطا کئے۔ خدا بخش اور اس کے علاوہ میں اور خواجہ سراؤں کو جو مکہ جانے والے ہیں خلعت اور ایک سال کی تنخواہ پیشگی دی گئی۔

عرض کیا گیا کہ والی جھجر نے مہم لاہور کے لئے جن سواروں اور پیادوں کو بھیجا تھا صدر دفتر سے ان کی فہرست طلب ہوئی ہے تاکہ ایک مہینہ کی تنخواہ انہیں بطور انعام کے دی جائے۔

صاحب کلاں بہادر نے حضرت پیر و مرشد کے حکم کے مطابق جواہر لال و بھولا ناتھ ٹھیکہ داروں کو چٹھی لکھی کہ

تال کٹورہ کے باغ کو ولی عہد بہادر کے سپرد کردو۔ حساب سے تمہارا جو کچھ نکلے گا سب ادا کر دیا جائے گا۔

عظمت علی ناگپور کے رہنے والے کی عرضی اس مضمون کی نظر فیض انور سے گذری کہ قدوی مختاری کے عہدہ کے لئے دس ہزار روپیہ نذرانہ کے طور پر پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ حضور نے اس عرضی پر دستخط فرما کر لکھ دیا کہ غور کرنے کے بعد جواب دیا جائے گا۔

اطلاع دی گئی کہ مرزا عباس شکوہ خورد سال کے سونے کے کڑے کسی نے سوتے میں نکال لئے ہیں۔ خواجہ سراؤں اور لونڈیوں کو حکم دیا گیا کہ تلاش کر کے کڑے حاضر کرو۔ ورنہ کڑوں کی قیمت تمہاری تنخواہ میں سے وضع کر لی جائے گی۔

صاحب کلاں بہادر کے پاس خط بھیجا گیا کہ رمضانی کے بہکانے اور اس کو شہر سے قلعہ میں لانے کا جرم ایک زنگی پر ثابت ہو گیا ہے۔ اس جرم کی سزا تجویز کر کے لکھو تا کہ مجرم اپنے کئے کی سزا کو پہنچے۔

عرض کیا گیا کہ پیر محمد ترک سوار رسالہ ہشتم دہلی میں آیا اور جالندھر کے کمان افسر کی سفارشی چٹھی ساتھ لایا۔ پیر محمد کا مطلب یہ تھا کہ پرگنہ ججھر میں جو اس کی معافی کی اراضی ہے اسے واگذاشت کرائے اور اس مطلب کے لئے اس نے اپنی درخواست صاحب کلاں بہادر کی خدمت گرامی میں پیش کی۔

ایجنٹی سے والی ججھر کے نام ایک مکتوب پہنچا کہ راجہ اجیت سنگھ لاڈوہ والا ابھی تک نظر بندی میں ہے اور اس جگہ اس کی کافی نگرانی کی جاتی ہے۔ کسی طرح کا خدشہ نہیں ہے۔ صاحب کلاں بہادر نے راجہ کی درخواست کے مطابق ان کے رہنے کے مکان میں باورچی خانہ بنانے کی اجازت دے دی ہے اور ہر طرح اس کے آرام و آسائش کا خیال مدنظر ہے' البتہ صرف نظر بندی کی ایک تکلیف ہے۔

بادشاہ سلامت سے عرض کیا گیا کہ پانچویں تاریخ کو ایک لاکھ روپیہ نواب گورنر جنرل کے حسب الطلب دہلی کے خزانہ سے روانہ کیا گیا اور اشرفی کے کٹرہ میں رام سہائے نے جو پورن چند گنگی لال کا گماشتہ ہے' دو لاکھ روپے کا دیوالہ نکالا تھا۔ پورن چند گنگی لال نے جو بھگن گڈھ علاقہ جے پور کے نامی گرامی ساہوکار ہیں' جب یہ خبر سنی تو فوراً دو لاکھ روپیہ بھگن گڈھ سے اپنے گماشتہ کے نام روانہ کر دیا۔

راجہ لاڈوہ کے اجون کو ایک حتیمنہ پہرہ کے ساتھ دہلی آ گئے ہیں اور ان کو ایک بالکل محفوظ جگہ ٹھہرایا گیا ہے اور وہ پہرہ جو ان کی حفاظت کے لئے دہلی میں مقیم تھا' اپنی ڈیوٹی پر روزمرہ حاضری دیتا ہے۔ غالباً یہاں صرف تین چار دن قیام ہوگا' پھر ان کو قلعہ الہ آباد میں مقید کرنے کے لئے یہاں سے روانہ کر دیا جائے گا۔

حضور جہاں پناہ کے دربار میں جبکہ حضور اپنے دولت سرائے واقعہ حضور قطب صاحب میں رونق افروز تھے' ایک دن شاہزادہ میرزا محمد شاہرخ بہادر نے عرض کیا کہ یہاں ایک مقام میں ایک ایسا موذی سانپ سنا گیا ہے جس سے لوگوں کو سخت تکلیف اور نقصان جان کا اندیشہ ہے۔ حضور نے یہ بات سنتے ہی فرمایا۔ چلو مجھے بتاؤ وہ سانپ کہاں ہے۔ شہزادہ نے سانپ کے بل کے پاس لے جا کر اشارہ کیا کہ یہاں ہے۔ حضور نے سانپ کو دیکھ کر ایک تیر ایسا مارا کہ اس کو دم لینے کی مہلت نہ ملی اور فوراً مر گیا۔

راجہ اجیت سنگھ کے وکیل نے راجہ صاحب کی طرف سے درخواست پیش کی کہ میں معظم الدولہ بہادر سے ملاقات کرنی چاہتا ہوں۔ نواب صاحب بہادر نے درخواست منظور کی اور ان کی فرودگاہ میں تشریف لے گئے۔ راجہ نے عرض کیا کہ میرے گذارہ کے لئے جو پچیس روپیہ مقرر ہوئے ہیں یہ بہت کم ہیں۔ اس سے نہایت تنگی و پریشانی کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔ اگر ساٹھ روپے بھی مقرر کر دیے جائیں تو میرا گذارہ ہو جائے اور ایسی سخت تکلیف نہ ہو۔ جواب میں فرمایا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا کہ تمہاری تکلیف دور ہو جائے۔ اس کے بعد کوئی چیز تحفہ کے طور پر راجہ صاحب کو مرحمت فرمائی اور رخصت ہو گئے۔

کپتان کمن صاحب بہادر نے جو تلنگوں کی ایک کمپنی اور ایک سو سوار ساتھ لے کر راجہ لاڈوہ کے ہمراہ انبالہ سے دہلی آئے تھے صاحب کلاں بہادر سے عرض کیا کہ میں واپس جاتا ہوں۔ راجہ صاحب کی محافظت کا انتظام اب آپ کے ذمہ ہے۔ صاحب کلاں بہادر نے چھاؤنی کے کمان افسر کو ایک چٹھی لکھی۔ وہاں سے ساٹھ تلنگے آئے جنہیں راجہ صاحب کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا گیا۔

مرزا خدا بخش سلاطین کی عرضی بادشاہ سلامت کی خدمت میں آئی کہ باغ سلاطین کے لئے جو ساڈھورہ میں واقع ہے نہر کے پانی کا محصول معاف کر دیا جائے۔ ملاحظہ کے بعد حکم فرمایا کہ دستور کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

محکمہ ایجنٹی سے داروغہ باغ چاندنی چوک کے نام حکم صادر ہوا کہ باغ روشن آرا اور باغ سرہندی پر ملازمان سلطانی کو قبضہ کر لینا چاہیے۔

موضع اندھاولی (جو شاہی تولیت میں ہے) کے زمینداروں نے محکمہ ایجنٹی میں عرضی بھیجی کہ صاحب اسسٹنٹ بہادر پرمٹ دہلی نے اس موضع کو اپنی کوٹھی کے احاطہ میں شامل کر لیا ہے اور بے سبب اپنا قبضہ جما لیا ہے۔ اس عرضی کی انگریزی نقل جواب طلب کرنے کے لئے صاحب موصوف کے پاس بھیجی گئی۔

فرخ نگر کے رہنے والوں نے ایک عرضی بادشاہ سلامت کی خدمت میں بھیجی کہ نواب صاحب فرخ نگر نے رعیت پر بہت ظلم ڈھا رکھا ہے۔ کام لیتے ہیں اور محنت کی اجرت نہیں دیتے۔ محکمہ ایجنٹی سے نواب صاحب فرخ نگر کے نام ایک خط لکھا گیا کہ یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ رعایا کے دل کو دکھانا بہت برا ہے۔ تم کو چاہیے کہ اس قسم کا رویہ رکھو کہ کسی کو شکایت کا موقعہ نہ ملے۔

اسسٹنٹ ریذیڈنٹ بہادر لاہور کا خط منشی شیر علی خاں کے نام اس مضمون کا پہنچا کہ موضع اٹاوا کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے تم کو عطا کیا تھا۔ اس کی تحقیقات کی گئی۔ مہاراجہ کی سند کے مطابق سرکار دولت مدار انگریزی نے بھی اسے واگذاشت کر دیا ہے۔ تم کو چاہیے کہ اس پر اپنا قبضہ کر لو۔

مسٹر جیمس اسکنر بہادر نے جن کے ماتحت دہلی میں رسالہ کے چھ سو سوار تھے ایک سو پچیس سواروں کے علاوہ سب کو موقوف کر دیا لیکن دو دو مہینے کی تنخواہ موقوف ہونے والوں کے حوالہ کر دی گئی۔

عرض کیا گیا کہ مرزا جہاں شاہ بہادر اور مرزا الصیف بخت بہادر کے ہاں فرزند تولد ہوئے ہیں۔ حضور اقدس نے دونوں کو چھٹی کی رسموں کے انجام دینے کے لئے کامدار جوڑے مرحمت فرمائے۔

زوجہ مرزا شہاب الدین بہادر سلاطین کی وفات کی خبر سن کر حضور بادشاہ سلامت کو بہت رنج ہوا اور جنازہ کی تیاری اور انتظام کے لئے خرچ مرحمت فرمایا۔

حضرت عرش آرام گاہ (بادشاہ کے والد اکبر شاہ) طاب ثراہ کے عرس کی تقریب کے موقع پر ایک ہزار تورے محلات شاہی میں اور پانچ سو تورے امراء میں تقسیم کئے گئے۔ (تورہ ترکی لفظ ہے۔ کئی قسم کے اعلیٰ کھانوں کے خوان کو جو کہاری کی بہنگی میں آ جائے 'تورہ' کہتے ہیں۔ اس خوان میں ہر قسم کے سالن، ہر قسم کے چاول اور ہر قسم کی مٹھائیاں ہوتی تھیں۔ ایک بہنگی یعنی دو خوان کا ایک تورہ ہوتا تھا۔ حسن نظامی)

۲۴- جولائی ۱۸۳۶ء- حضرت بادشاہ سلامت حضرت شاہنشاہ اولیاء خواجہ معین الدین چشتی کے عرس کے موقعہ پر حضور قطب الاقطاب قدس سرہ کے مزار انوار پر حاضر ہوئے۔ نیاز دلوائی اور آستانہ کے خادموں کو ایک ایک اشرفی نذر دی۔

منشی شمس الدین صاحب کو مرزا محمد تیمور شاہ بہادر کی مختاری حاصل ہونے کی وجہ سے خلعت شش پارچہ اور سہ رقم جواہر عطا فرمائے اور اپنی خوشنودی خاطر کا اظہار کیا۔

عرض کیا گیا کہ آغا حیدر ناظر کا انتقال ہو گیا اور ان کے بجائے ان کے داماد نواب حسین مرزا نے نظارت کا کام سنبھال لیا۔ حکم ہوا کہ اکیس روپیہ حاضری کے خرچ کے لئے ان کے گھر بھجوا دیئے جائیں۔

عالیہ بیگم صاحبہ خوشدامن آغا حیدر مرحوم کی عرضی بادشاہ سلامت کی نظر فیض انور سے گذری کہ نواب حسین مرزا کو مستقل طور پر نظارت کا عہدہ دے دیا جائے۔ ارشاد ہوا کہ فاتحہ خوانی کی رسموں کے بعد حکم صادر کیا جائے گا۔

آغا حیدر ناظر کی بیوی اور لڑکیوں کے لئے حضور بادشاہ سلامت نے دو شالے مرحمت فرمائے۔ آغا حیدر مرحوم ایک جوان خوبصورت نیک خصلت آدمی تھے۔ جب ان کی طبیعت کسی قدر ناساز ہوئی تو انہوں نے یونانی علاج کی طرف توجہ کی۔ اتفاق سے قسمت نے ان کو ایک ناتجربہ کار خود پسند طبیب کے حوالہ کر دیا۔ اس نے الٹا سیدھا علاج کرنا شروع کیا۔ یہ نہ سمجھا کہ مرض کیا ہے۔ نہ یہ خیال کیا کہ جو دوائیں دے رہا ہوں ان کے مزاج کے موافق ہے یا ناموافق۔ آخر وہی ہوا جو ایسے موقعوں پر ہونا چاہئے تھا۔ ہوش حواس جاتے رہے۔ نبض چھوٹ گئی۔ زندگی کی امید منقطع ہو گئی۔ اس نازک وقت میں بعض خیر خواہوں نے رائے دی کہ ڈاکٹری علاج کی طرف رجوع کرنی چاہئے۔ ڈاکٹر کے بلانے کے لئے آدمی کو بھیجا۔ اُدھر آدمی ڈاکٹر لے کر آیا اور ادھر ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ (بہت دولت مند آدمی تھے۔ بادشاہ بھی ان کے مقروض رہا کرتے تھے۔ دولت مند وہی ہوتا ہے جو کنجوس بھی ہو۔ اسی کنجوسی کی وجہ سے کسی ارزاں طبیب کو بلا لیا ہوگا۔ حسن نظامی)

۳۱- جولائی ۱۸۳۶ء- حضور بادشاہ سلامت قطب صاحب میں رونق افروز ہیں۔ آغا حیدر کے داماد حسین مرزا کی عرضی کے جواب میں فرمایا کہ تمہیں عہدۂ نظارت سے اس وقت سرفراز کیا جا سکتا ہے جبکہ سات ہزار روپیہ نذرانہ پیش کرو اور مرحوم آغا حیدر کے نذرانے کے دعوی سے دست برداری لکھ دو۔

دو لونڈیوں نے نواب زمانی بیگم بنت مرزا نامحمد فخر الدین بہادر شہزادہ کے زیورات چرائے تھے۔ اس جرم کی سزا

کے طور پر انہیں قلعہ سے نکال دیا گیا۔

نواب تاج محل بیگم صاحبہ کو آثار حمل ظاہر ہوئے ہیں اس لئے میاں کالے صاحب پیرزادہ حفاظت حمل کا تعویذ دینے کی غرض سے قلعہ معلی میں تشریف لے گئے۔

(نواب تاج محل بیگم زینت محل بیگم سے دوسرے درجہ پر منظور نظر تھیں اور رنگون بادشاہ کے ہمراہ بھیجی گئی تھیں۔ ان کی خوبصورت حویلی مالیواڑہ میں ایک ہندو کے قبضہ میں ہے' جن کا نام سری کرشن داس ہے۔ چاندی والے مشہور ہیں۔ حسن نظامی)

مرزا غلام نجف بہادر سلاطین نے عرض کیا کہ میں نے تین سو من والی ایک برنجی توپ خاص حضور والا کے لئے تیار کی ہے۔ اگر حکم ہو تو میں توپ کے گیارہ فیر ملاحظہ میں پیش کروں۔ اس پر قلعہ دار کو حکم دیا گیا کہ غلام نجف کو توپیں چلانے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ تم ان کے کام میں مزاحمت نہ کرنا۔

عرض کیا گیا کہ رئیس فرخ نگر کی شکایتیں بہت کثرت سے موصول ہو رہی ہیں۔ رعیت ان کے ظلم وجور سے تنگ آ گئی ہے۔ حد ہے کہ مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے' لیکن ان کو مزدوری نہیں دی جاتی۔

محکمہ ایجنٹی کی طرف سے فرخ نگر کے وکیل کو حکم دیا گیا کہ اپنے موکل کو ہدایت کر دو کہ وہ مزدوروں کو مزدوری دے کر ان کے ساتھ راضی نامہ کر لیں۔ ورنہ اس نوابی سے اپنے آپ کو علیحدہ تصور کریں۔

مرزا شہاب الدین کی عرضی نواب معظم الدولہ بہادر کے خط کے ساتھ نظر فیض انور سے گذری کہ حضرت عرش آرام گاہ نے میرے والد سے نو ہزار روپیہ نذرانہ لیا تھا اور دارالبقا کا مکان ان کے حوالے کر دیا تھا۔ بندگان سلطانی نو ہزار روپیہ تو ادا کرتے نہیں' لیکن مکان خالی کرانے کے لئے تقاضہ پر تقاضہ کر رہے ہیں۔

عرض کیا گیا کہ جنرل ڈیوڈ کی بیوی مبارک النساء کے لئے محکمہ ایجنٹی میں ایک ہزار آٹھ سو روپیہ پہنچا ہے۔ ان روپوں کا کیا کیا جائے؟ اس پر صاحب کلاں بہادر کو اطلاع دی گئی کہ اگر بیگم صاحبہ لادعویٰ ہوں اور اپنے آٹھ ہزار روپوں کا نوشتہ دے دیں تو یہ روپیہ ان کو دے دینا چاہئے کیونکہ وہ اس روپیہ کی مستحق ہیں اور اگر وہ لادعویٰ نہ ہوں اور اپنے آٹھ ہزار روپیہ کا نوشتہ نہ دیں تو اس صورت میں وہ اس روپیہ کی مستحق نہیں ہیں اور ان کو روپیہ نہ دینا چاہئے۔

عرض کیا گیا کہ نواب صاحب بھوپال آج کل دلی میں آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے نواب معظم الدولہ بہادر سے شرف ملازمت حاصل کر کے خزانہ دلی سے جو چار سو روپیہ ماہوار ان کو مشاہرہ ملتا تھا' اس کی بابت ایک انگریزی چٹھی پیش کی۔ صاحب کلاں بہادر نے فرمایا کہ اس علاقہ کے ریذیڈنٹ کی چٹھی کے بغیر کوئی حکم نہیں دیا جا سکتا۔ سمجھنے کی بات ہے حقیقت حالات کے علم کے بغیر کوئی کارروائی کیونکر کی جا سکتی ہے۔ (نواب صاحب بھوپال کو چار سو ماہوار۔ یہ عجیب معمہ ہے۔ حسن نظامی)

مسٹر جان پاسٹن لیفس صاحب بہادر جج سشن شملہ جانے والے ہیں' کیونکہ دلی میں آج کل گرمی زیادہ پڑ رہی ہے۔ ان کے جانے کے بعد مسٹر کالین لیجی صاحب ان کا چارج لیں گے۔ اس مہینہ میں سارے ہندوستان میں بارش بہت کثرت سے ہوئی۔ کوئی مقام ایسا نہیں جہاں مینہ نہ برسا ہو۔ دلی میں تو یہ کیفیت ہے کہ اس ڈھائی ڈھوئی کے مینہ نے

خلقت کو تباہ کر دیا۔ مکان بہت کثرت سے گر رہے ہیں۔ قاضی کے حوض کے محلہ میں بے چاری چار عورتیں دب گئیں۔ سانس بھی تو نہیں لیا۔ آب رحمت کا اگر یہی جوش رہا تو آب زحمت ہو جائے گا اور مخلوق تباہ ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں ہر بلا سے بچائے۔

۷-جولائی ۱۸۳۶ء۔ حضرت بادشاہ سلامت نے پھول والوں کے چودھری کی درخواست پر ۵ شعبان کو پھول والوں کی سیر کے میلہ میں شرکت کا وعدہ فرمالیا ہے۔ اس میلہ میں طرح طرح کے عمدہ عمدہ چھوٹے بڑے پنکھے اور رنگارنگ کے پھول حضور قطب صاحب کے مزار انور پر چڑھائے جاتے ہیں اور نیاز دلائی جاتی ہے۔ ایک سو روپیہ اس میلے کے خرچ کے لئے بادشاہ سلامت کی طرف سے مرحمت کئے گئے۔ (اب بھی یہ میلہ ہوتا ہے اور دلی کی میونسپل کمیٹی دو سو روپے خرچ کے لئے دیا کرتی ہے۔ یہ میلہ ہندو مسلمانوں کا مشترک ہوتا ہے۔ حسن نظامی)

عرض کیا گیا کہ نواب امین الدین خاں جاگیردار لوہارو کے علاقہ سے بہت سے زمیندار منحرف اور سرکش ہو گئے ہیں اس لئے شریروں اور فسادیوں کے انتظام و تادیب کی غرض سے نواب صاحب نے چھ سو پیادوں کو ملازم رکھ لیا ہے۔

رئیس جھجر نے لالہ شوقی رام وکیل کو جو قدیمی شاہی کارندہ اور نہایت معتبر و تجربہ کار آدمی ہیں بلا کر اپنی ریاست کا مختار کل بنا دیا اور ایک جوڑا دوشالہ مرحمت کیا۔

بادشاہ سلامت نے حکم مرمت شیم جاری کیا کہ جن مدتوں میں ٹوٹے ہوئے کنویں ہوں ان سب کی مرمت کر دی جائے اور متعلقہ علاقہ کا کوئی کنواں ایسا باقی نہ رہے جو مرمت طلب ہو۔ (اس حکم کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی کہ ملک انگریز کا حکم بادشاہ کا۔ حسن نظامی)

دفتر میں شاہی حکم نافذ ہوا کہ ہر کام نواب معظم الدولہ بہادر کے مشورہ اور رائے سے کیا جائے اور کسی صورت میں کسی دفتر کے آدمی سے ایسا فعل سرزد نہ ہو جو نواب معظم الدولہ کی ناخوشی کا باعث ہو اور تمام معاملات کو اس خوبی و عمدگی سے انجام دیا جائے کہ رعایا میں سے بھی کسی کو شکایت کا موقعہ نہ ملے اور آئین سلطنت اور سلطنت کا مفاد بھی مدنظر رہے۔ (بادشاہ کو احساس تھا کہ انگریزوں کے خوش رکھنے کی کتنی ضرورت ہے۔ حسن نظامی)

جو درویش حضرت میاں کالے صاحب کے ذریعہ سے بادشاہ سلامت تک پہنچا اور عرصہ تک توحید و عرفان کی باتیں کرتا رہا تھا حضرت بادشاہ سلامت نے اسے دو اشرفیں عنایت کیں اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

مدراس سے جو شخص آیا تھا اس نے مرزا الٰہی بخش بہادر سلاطین کی معرفت ایک عرضی اور دو اشرفی کا نذرانہ پیش کیا۔ ارشاد ہوا کہ سائل کو صاحب کلاں بہادر کی معرفت درخواست پیش کرنی چاہئے تھی۔ یا ہر کے رہنے والوں میں سے کسی کی درخواست بغیر صاحب کلاں بہادر کی وساطت کے مقبول و مسموع نہیں ہو سکتی۔ ہمارا یہ مقررہ قاعدہ ہے اور اس کی خلاف ورزی بغیر کسی اشد ضرورت کے دشوار ہے۔ (میرزا الٰہی بخش کی نسبت بادشاہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ وہ انگریزوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ حسن نظامی)

حاجی مرزا الٰہی بخش کو ارشاد ہوا کہ صاحب کلاں بہادر کی تحریر کے مطابق ان لوگوں کی تحقیقات کی جائے جن لوگوں کے نام رشوت لے کر کاغذ پر چڑھائے گئے ہیں۔

آغا حیدر ناظر مرحوم کی خوشدامن سے ارشاد ہوا کہ حساب زر قرضہ کے تصفیہ کے بعد اور تمام اراکین کی رائے سے کہ تمہارے رشتہ داروں میں سے عہدۂ نظارت پر کسی کا تقرر کیا جائے گا۔

انگریزی میں شقہ تحریر کرنے کے لئے وکیل تمدن کے نام حکم جاری کیا گیا۔

عرض کیا گیا کہ حکم عالی کے بموجب ان سلاطین قلعہ کے تدارک کے لئے جنہوں نے آستانہ کے پیادوں کی چوکی پر پتھر پھینکے تھے صاحب کلاں بہادر نے حکم دیا ہے کہ جب ہم صاحب قلعہ دار کو احکام تحریر کریں اس وقت ہمیں یہ بات یاد دلانا۔ اس کے لئے مناسب بندوبست کر دیا جائے گا۔

۱۴-اگست ۱۹۳۹ء۔ دہلی۔ ۲۳ ماہ رجب المرجب حضور انور خاص پورہ کے دروازہ کے باہر رونق افروز ہوئے۔ اراکین دولت نے سلام کے لئے صف بندی کی۔ حکیم احسن اللہ خاں اور مرزا شاہرخ بہادر نے حاضر دربار ہو کر چند عرضیاں ملاحظہ میں پیش کیں۔ اس کے بعد محل معلی میں تشریف لے گئے۔

دہلی ۲۴ رجب۔ توپ تیار کرنے کے عوض میں حضور معلی نے غلام نجف خاں کو خلعت سہ پارچہ عنایت فرمایا۔ خاں صاحب نے بھی آٹھ روپے بطور نذرانہ پیش کیے۔

آج حضور انور نے لشتی رام وکیل کو نواب عبدالرحمن صاحب والی جھجر کے دیوان مقرر ہونے کی تقریب میں خلعت دوشالہ مرحمت فرمایا۔

دہلی ۲۷ رجب۔ آج دو عریضہ جو منشی دیوالی سنگھ نے ریذیڈنٹ بہادر کے نام روانہ کرنے کے لئے لکھا تھا حضور انور نے ملاحظہ فرمایا۔ ملاحظہ کے بعد اپنی مہر خاص سے مزین کر کے تاج محمد دربان کو دے دیا کہ ریذیڈنٹ بہادر کو دے آو۔

دہلی ۲۸ رجب المرجب۔ ایک دوشالہ کا جوڑا بابت عہدۂ وکالت میر زا سنگھ کو عنایت کیا گیا۔ انہوں نے بھی ایک اشرفی نذر کی۔ (ذرا میرزا سنگھ نام کو دیکھو۔ حسن نظامی)

دہلی ۲۹ رجب۔ حضرت بادشاہ سلامت تخت جلالت پر رونق افروز ہوئے اور امراء نے شرف باریابی حاصل کیا۔ مرزا غلام فخر الدین بہادر کو عہدۂ نظارت کے حصول کی تقریب میں خلعت شش پارچہ وسہ رقم جواہر مرحمت فرمایا اور بیگم صاحب کے داماد حسین مرزا کو خلعت پنج پارچہ اور دو رقم جواہر مرحمت فرمایا۔ دونوں نے ایک ایک اشرفی اور گیارہ گیارہ روپے نذر کئے۔

راجہ دیوان مکند پور کے نام رقعہ لکھا گیا کہ عبداللہ خاں کے قاتل کو گرفتار کر کے دربار شاہی میں بہت جلد روانہ کرو تاکہ اس سے قصاص لیا جائے اور رقعہ شاہی علاقہ کے تحصیلدار کو لکھا گیا کہ علاقہ کی آمدنی کا روپیہ پہنچ گیا۔ ہمیشہ اسی طرح پابندی وقت کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

مرزا بلند بخت بہادر نے اس دنیائے فانی سے کوچ کیا اور جنت النعیم میں تشریف لے گئے۔ بادشاہ سلامت نے مبلغ چالیس روپے ان کے جنازہ کی تیاری کے لئے مرحمت فرمائے اور ارشاد کیا کہ حاضری کا خرچ بھی بھیجا جائے گا۔

(بادشاہ کی کنبہ پروری کے سبب ان کے مصارف بہت ہی زیادہ تھے۔ حسن نظامی)

عرض کیا گیا کہ نواب حسینی بیگم صاحب زوجہ مرزا احمد سلیم بہادر نے عدالت دیوانی میں استغاثہ دائر کیا ہے کہ باغ روشن آرا و باغ سرہندی کو میرے شوہر نے مہر کے بدلہ میں مجھے دیا تھا۔ اب محکمۂ ایجنٹی کے ذریعہ سے یہ دونوں باغ میرے تصرف سے نکل کر کارپردازان سلطنت کے قبضہ میں چلے گئے ہیں۔ جناب کالین لجی صاحب بہادر جج نے اس بات کی صدر دفتر میں رپورٹ کی ہے کہ قابض قدیم کا قبضہ اٹھانا بغیر عدالت دیوانی کی ڈگری کے ناجائز ہے اور ملازمان سلطانی کے قبضہ میں ان دونوں باغوں کا دینا قانونی طور پر نادرست ہے۔ تو یہ دونوں باغ دوبارہ قابض قدیم یعنی نواب حسینی بیگم کے حوالے کیے جائیں۔ جب صاحب کلاں بہادر کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے استحقاق سلطانی کے ثبوت کے لئے کئی معقول دلیلیں ایک خط میں درج کر کے صدر دفتر میں روانہ فرما دیں۔ (یہ سب جنگ غدر کی تھی ورنہ آپس کی لڑائی برٹش افسروں کو مفید تھی۔ حسن نظامی)

رئیس فرخ نگر نے ظلم و ستم پر کمر باندھ لی ہے۔ فرخ نگر کے رہنے والے ہر کس و ناکس کو سخت شکایت ہے۔ ساہوکار سوبھا رام نے ایک چٹھی صاحب ریذیڈنٹ بہادر کے نام لکھ کر بھیجی اور صاحب کلاں بہادر کی خدمت میں حاضر ہو کر زبانی عرض کیا کہ نواب صاحب نے میری والدہ پر جو فرخ نگر میں رہتی ہیں طرح طرح کے ظلم ڈھا رکھے ہیں۔ صاحب کلاں بہادر نے سوبھا رام کی چٹھی کی نقل اپنے خط کے ساتھ نواب فرخ نگر کے پاس بھیج دی کہ اصل حالات سے مطلع کیجئے۔

نواب گورنر جنرل کی چٹھی کے بموجب صاحب کلاں بہادر نے بدر الدین علی خاں مہر کن کو طلب فرما کر حکم دیا کہ نواب گورنر جنرل کے نام کی ایک مہر بنا دو۔ ملکہ انگلستان نے جو نیا خطاب فتح لاہور کے وقت مرحمت فرمایا ہے وہ بھی مہر میں درج ہونا ضروری ہے۔

چوہترویں سالگرہ کی تقریب میں حضور انور نے دربار فرمایا۔ سات اشرفیاں اور پچیس روپے نذرانہ میں وصول ہوئے۔ (۱۸۴۶ء میں بادشاہ کی عمر چوہتر برس کی تھی۔ اس حساب سے غدر ۱۸۵۷ء میں بادشاہ کی عمر پچاسی برس کی تھی۔ خیال کرنا یہ بڑھاپا' یہ انقلاب' یہ صدمے' پھر بھی ہوش و حواس اتنے مضبوط تھے کہ اپنے مقدمہ میں بے مثل جواب دہی کرتے تھے۔ حسن نظامی)

۲۸۔اگست ۱۸۴۶ء۔ رحیم الدین اور عبداللہ دو شخص دربار شاہی میں حاضر ہوئے۔ حضور انور سے قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ ہر ایک نے ایک ایک روپیہ نذر اور دو ٹوکریاں مٹھائی کی پیش کیں اور مرید ہونے کی التجا ظاہر کی۔ حضور نے مرید کر لیا۔ اس کے بعد سلوک و عرفان اور عشق و محبت کی باتیں بیان فرمائیں۔ پھر ہر ایک کو ایک ایک رومال اور تسبیح دے کر رخصت کیا۔

نواب حیدر حسن خاں مرحوم (داماد آغا حیدر ناظر) کے بڑے لڑکے مرزا احمد عباس حسن خاں اور مرشد زادۂ آفاق مرزا محمد شاہرخ بہادر کی زوجہ محترمہ کے قرابت دار نواب محمد عبداللہ خاں صدر الصدور میرٹھ کے صاحبزادے محمد اصغر علی خاں' مرزا محمد شاہرخ کے توسط سے حضور انور کی خدمت گرامی میں شرف اندوز مجرا ہوئے اور درخواست کی کہ ہمیں بٹیر بازی کا فن سکھا دیا جائے۔ شاگردی کی شیرینی تقسیم کی اور حضور انور نے انہیں اس فن کی بعض خاص خاص باتوں سے آگاہ

فرمادیا۔ پھر دونوں کو خلعت دوشالہ سے معزز و ممتاز فرمایا اور بٹیروں کا ایک ایک پنجرا بھی عطا کیا۔ (جو حضرت مرید کرتے تھے وہ بٹیر بازی بھی سکھاتے تھے۔ بٹیر بازی، مرغ بازی، پتنگ بازی کو اس زمانہ میں علم و ہنر سمجھا جاتا تھا اور یہ سب چیزیں عیب نہ سمجھی جاتی تھیں۔ لکھنؤ میں اب بھی یہ عیب ہنر سمجھے جاتے ہیں۔ حسن نظامی)

نواب حامد علی خاں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے قرض کی نسبت جو سلطنت کے ذمہ واجب الاداہے عدالت دیوانی میں دعویٰ دائر کریں۔ جب اس بات کی شہرت ہوئی اور حضور انور کو اطلاع ہوئی تو حضور انور نے ان کو بلا کر فرمایا کیا یہ بات صحیح ہے؟ نواب حامد علی خاں نے عرض کیا کہ حضور میرا ارادہ تو ہے لیکن اگر صاحب کلاں بہادر مجھے اطمینان کلی دلا دیں تو میں اپنے ارادہ سے باز آجاؤں گا۔ میرے لئے یہ امر بہت گراں ہے کہ میں اپنے آپ کو بارگاہ سلطانی کے مقابلہ میں دیکھوں۔ میں سورۂ براءۃ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہرگز ہرگز دعویٰ نہ کروں گا اگر صاحب کلاں بہادر میرا اطمینان فرما دیں۔ اس سے زیادہ اس بارے میں اور کیا عرض کر سکتا ہوں۔ حقیقت حال حضور پر روشن ہے۔ پھر نواب حامد علی خاں نے جو بات زبانی کہی تھی اس کو ایک کاغذ پر لکھ کر دے دیا۔ حضور انور نے صاحب کلاں بہادر کے نام ایک شقہ جاری فرمایا کہ موضع آسودہ ساپلہ کی آمدنی کا بیس ہزار روپیہ سالانہ نواب حامد علی خاں کو سال بسال تا ادائے قرض دے دیا کرو۔ سردست اگر یہ ممکن نہ ہو تو جو دیہات ان کے قرضہ کے بدلہ میں پہلے ان کے پاس تھے پھر ان کے قبضہ میں دے دیئے جائیں۔

اہل کاران دفتر کو حکم دیا گیا کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا جائے کہ صاحب جج بہادر دہلی کے نام حکم بھیج دیجئے کہ وہ ان علاقوں میں دست اندازی نہ کریں جو شاہی تولیت میں ہیں۔ ان علاقوں پر ان کی دست اندازی بالکل ناجائز ہے۔ (اس زمانہ میں دہلی آگرہ کے ماتحت تھی۔ حسن نظامی)

نواب معین الدولہ نائب ناظر کے نام جو آغا حیدر ناظر مرحوم کے داماد ہیں، حضور انور نے فرمان صادر کیا کہ مسورو کرالی کی آمدنی میں سے صاحب کلاں بہادر کی معرفت آغا حیدر ناظر مرحوم کے قرضہ کی ادائیگی کے لئے چار ہزار روپیہ سالانہ قسط مقرر کی جاتی ہے۔ جب تک کل قرضہ ادا نہ ہوگا، یہ رقم سال دو سال تمہارے پاس پہنچتی رہے گی۔

نواب معظم الدولہ کے استفسار کے جواب میں حضور والا نے شقہ جاری فرمایا کہ جن توپوں کو گھوڑے کھینچتے ہیں، وہ ٹوٹ گئی تھیں اور بہت سا عمدہ لوہا موجود تھا اس لئے مرزا نجف بہادر سلاطین نے دوئی توپیں تیار کی ہیں۔ ایک چھوٹی توپ بھی جو بچوں کے کھیلنے کے لائق ہے، تیار ہو رہی ہے۔ (غالباً نئی توپوں کی تیاری سے صاحب بہادر کو شبہ ہوا ہوگا۔ بادشاہ نے شبہ مٹانے کے لئے یہ شقہ جاری کیا۔ حسن نظامی)

حضور انور کو اطلاع دی گئی کہ بعض سلاطین کا ارادہ ہے کہ جس وقت روپیہ خزانہ انگریزی سے خزانہ شاہی میں آئے تو جبراً روپیہ پر قبضہ کرلیں۔ حضور انور نے یہ خبر سنی تو صاحب کلاں بہادر کے نام ایک شقہ جاری فرمایا کہ روپیہ قلعہ میں نہ بھیجا جائے بلکہ باتھی سواروں کا ایک دستہ خزانہ کے ساتھ معین کر کے حضرت قطب الاقطاب قدس سرہ کے مزار کے متصل جو حویلی ہے، وہاں روانہ کر دیا جائے۔ تمام تنخواہ داروں کو روپیہ وہیں سے تقسیم کیا جائے گا۔

مرشد زادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر کو حکم دیا گیا کہ شاہی اعمام وعمات (چچاؤں اور پھپھیوں) کی تنخواہیں چونکہ

سرکار انگریزی کی کفالت میں ہیں اس لئے شہری میں سرکاری خزانہ سے رسید دے کر وصول کر لینا۔

عرض کیا گیا کہ مرشد زادۂ آفاق حضرت مرزا ولی عہد بہادر کو صاحب قلعہ دار نے اطلاع دی ہے کہ مسٹر بیگ صاحب عہدۂ قلعہ داری کی قائم مقامی کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ آج کل میں اندور سے دلی آنے والے ہیں۔ آنے کے بعد اپنے عہدہ کا چارج لیں گے۔ (قلعہ دار غدر کے زمانے میں انگریز تھا مگر مسٹر بیگ دیسی معلوم ہوتے ہیں۔ حسن نظامی)

۴۔ ستمبر ۱۸۴۶ء۔ حضور بادشاہ سلامت مقام قطب صاحب سے قلعہ معلی میں تشریف لے آئے۔ چونکہ اراکین سلطنت نے باغ روشن آرا باغ سرہندی اور ایک کمرے پر جو اجمیری دروازہ کے قریب واقع ہے قبضہ کر لیا ہے اور نواب حسینی بیگم صاحبہ بیگم مرزا سلیم شاہ شہزادہ مرحوما بھی تک ان مقامات کی حیثیت سے لا دعوی نہیں ہوئی ہیں اس لئے مسٹر کالپن لنجی صاحب جج نے حکم دیا ہے کہ یہ مقامات قلعہ مبارک سے باہر ہیں اور بادشاہ سلامت کو ان کے متعلق کسی قسم کی کارروائی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر ملازمان سلطنت اسے اپنے قبضہ و تصرف میں لینا چاہتے ہیں تو انہیں عدالت دیوانی میں دعوی کرنا چاہیے۔ مسٹر لنجی کے اس دخل در معقولات کی وجہ سے ملازمان شاہی نے نواب لفٹنٹ گورنر آگرہ کے پاس اپنی ملکیت کے ثبوت میں چند قابل سماعت دلائل کے ساتھ ایک درخواست دی ہے۔ اس میں اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ مسٹر لنجی کو ان معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ انہیں اس قسم کی کارروائیوں سے منع کر دیا جائے۔ صاحب کلاں بہادر بھی پوری کوشش شاہی حمایت میں صرف کر رہے ہیں۔

مسٹر طامسن صاحب سفیر شاہی نے لندن سے ایک عریضہ بادشاہ سلامت کی خدمت میں اس مضمون کا بھیجا کہ معاملات متعلقہ ستمبر ۱۸۴۶ء کی ابتدائی تاریخوں میں ولایت میں پیش کئے جائیں گے مگر ان کے لئے کثیر اخراجات کی ضرورت ہے۔ روپیہ بہت جلد روانہ فرما دیجئے۔ بادشاہ سلامت نے خواجہ سرا محبوب کو بلا کر حکم دیا کہ ہمارے دو موضعوں کو اپنے پاس رہن رکھ کر دس ہزار روپے حاضر کرو تا کہ سفیر لندن کو روانہ کر دیئے جائیں۔ محبوب خواجہ سرا نے خیال کیا کہ کہیں اب نہ ہو میری دولت مندی کا حال بادشاہ پر کھل جائے اس لئے اس نے عذر کیا کہ میرے پاس روپیہ موجود نہیں ہے۔

بادشاہ سلامت نے ایک شقہ مرزا غلام فخر الدین کے نام اس مضمون کا روانہ کیا کہ تم راؤ ہندو راؤ اور حسین علی خاں کے ساتھ راجپورہ کی چھاؤنی میں انگریزوں کی کوٹھیوں پر آتے جاتے ہو یہ حد درجہ نامناسب ہے۔ تم کو چاہیے کہ یہ طریقہ چھوڑ دو۔ تمہیں انگریزوں سے ملنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر آئندہ سننے میں آیا کہ تم انگریزوں سے ملاقات کے لئے آتے جاتے ہو تو تمہاری تنخواہ موقوف کر دی جائے گی۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ (غلام فخر الدین نے ممکن ہے اس حکم کے بعد احتیاط کر لی ہو مگر غدر کے ایام میں یہ شخص انگریزوں کا حامی بن گیا تھا۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت نے ایک گرامی نامہ ابو سعید خاں بہادر کے نام روانہ فرمایا کہ کلو خاں کی تنخواہ اس کی والدہ کی تنخواہ کے ساتھ بارگاہ سلطانی سے ادا کی جاتی ہے مگر معلوم ہوا ہے کہ نو مہینے سے کلو خاں کو ایک کوڑی بھی وصول نہیں ہوئی ہے۔ لہذا حساب سے جو کچھ اس کا نکلتا ہے تم اپنی تنخواہ سے اور اس کی والدہ کی تنخواہ سے ادا کرو اور کل رقم لے کر ہمارے پاس حاضر ہو جاؤ تا کہ کلو خاں کے حوالہ کر دی جائے۔

حضرت شاہ نصیر الدین عرف کالے میاں صاحب کے صحیفہ کے جواب میں بادشاہ سلامت خلد اللہ ملکہ نے تحریر فرمایا کہ عدم گنجائش کی وجہ سے نواب مستغنی بیگم کا کوئی جدید وظیفہ جاری نہ ہو سکا۔

ایک شقہ مرزا محمد شاہرخ بہادر کے نام روانہ فرمایا گیا کہ محض تمہاری خاطر سے جو زر مقررہ حضرت میر محمدی صاحب کے عرس کے لیے دیا جاتا تھا' اسے مرزا علی بخت بہادر کی تولیت میں بحال رکھا اور جو کچھ واجب الادا تھا' مرحمت فرما دیا تاکہ وہ عرس کے مصارف اور دیگر ضروریات کا کافی طور پر جس طرح مناسب سمجھیں' انتظام کر سکیں۔

نواب معظم الدولہ کی تشریف آوری کے وقت بادشاہ سلامت نے فرمایا کہ ہمارا خیال ہے کہ قصبہ مہرولی میں جو مکان سرکوہ واقع ہے' شاہی طریقہ کے موافق اس کی مرمت کی جائے' کیونکہ یہ مقام نہایت تفریح کی جگہ واقع ہے اور اس کا نظارہ بہت اچھا ہے۔ نواب معظم الدولہ بہادر نے عرض کیا' بہت خوب' یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اسی وقت نظارت خاں کو بلا کر حکم دیا گیا کہ موضع رودہٹ وغیرہ' جو شاہی تولیت میں ہیں' ان کا ابراء نامہ داخل کر کے صاحب کلاں بہادر کے قبضہ میں دے دیے جائیں۔

(انگریزوں کی خواہش تھی کہ بادشاہ لال قلعہ کی سکونت ترک کر کے قطب صاحب میں رہا کریں۔ اس وجہ سے صاحب کلاں اس بات سے بہت خوش ہوئے کہ بادشاہ کو قطب صاحب کا مکان پسند ہے اور اس کی تعمیر چاہتے ہیں۔ حسن نظامی)

سید محمد خاں نامی ایک شخص دہلی میں آیا ہے۔ شان و شوکت کے ساتھ رہتا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو عوام الناس میں نواب کرناٹک کا بھائی مشہور کر کے ہندوستانیوں اور انگریزوں کو خوب ٹھگا۔ روپیہ پیسہ مال اسباب جو چیز جہاں سے ہاتھ لگی' خوب ہاتھ رنگے۔ بعض لوگوں سے قرض بھی بہت لیا۔ دکانداروں سے ہزاروں روپیہ کا لین دین جاری کیا اور اپنی ضرورت کو قرض کے ذریعہ سے پورا کیا۔ آخر تابہ کے۔ اس کا فریب کھل گیا اور عوام الناس کو اور صاحبان عالیشان کو علم ہو گیا کہ یہ مکار فریبی ہے' اس لیے سب کا ارادہ ہے کہ اس پر دعویٰ کریں۔

۱۸- ستمبر ۱۸۳۶ء۔ حضور بادشاہ سلامت استراحت فرما رہے تھے کہ چوبدار نے آ کر عرض کیا کہ ایک مسافر اماکن مقدسہ کا مرید ہونے کی غرض سے حاضر ہوا ہے۔ حکم ہوا کہ اندر بلا لو (پردیسی سیاح خلوت میں بلائے جاتے تو انگریزوں کو شبہ ہوتا تھا کہ بادشاہ ہمارے خلاف کسی سازش میں مصروف ہیں اور غدر میں یہی واقعات بادشاہ کے جرائم کی فہرست میں شامل کیے گئے تھے۔ حسن نظامی)

''سید الاخبار'' دہلی مورخہ ۳ رمضان المبارک ۱۲۴۲ھ رقم طراز ہے کہ دہلی میں آٹھ دن سے پانی کا ایک قطرہ نہیں برسا۔ ہوا بے انتہا گرم و خشک چل رہی ہے۔ مخلوق جھلسی جاتی ہے۔ بخار کا بھی زور و شور ہے' مگر الحمد للہ جان کا نقصان نہیں ہے۔

شعبان کی ۲۲ تاریخ کو زور و شور کی آندھی آئی تھی۔ یہ گرد و غبار مشرق کی طرف سے اٹھا اور مغرب کی طرف چلا گیا۔ کھیتی باڑی کو کوئی ایسا نقصان نہیں ہوا' مگر بعض جگہ سے کھیتوں کے نقصان کی خبریں بھی موصول ہوئی ہیں' مگر وہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے باران رحمت کو برسنے کا حکم فرمائے تاکہ مخلوق کی امیدوں کی کھیتیاں

سرسبز وشاداب ہو جائیں اور یہ اذیت ومصیبت کا طوفان دور ہو۔

۲۵- ستمبر ۱۸۴۶ء۔ حضرت بادشاہ دہلی خلد اللہ ملکہ نے نواب معظم الدولہ بہادر کے نام شقہ جاری فرمایا جس میں تحریر تھا کہ نواب حامد علی خاں کے قرضہ کا روپیہ یا قسط وار ادا کیا جائے اور یا ان کے روپیہ کے بدلے موضع آسودہ وغیرہ ان کے قبضہ میں دے دیئے جائیں۔

محبوب علی خواجہ سرا نے عرض کیا کہ حضور میرے قرض کے روپیہ میں سے نہ تو اصل ملتی ہے نہ سود ہی وصول ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں نواب معظم الدولہ بہادر کے نام خط لکھا گیا کہ موضع کارولی تو پہلے محبوب علی خواجہ سرا کو دیا جا چکا ہے' موضع پیرالا اور باریکپور بھی قرضہ کے عوض محبوب علی کو دے دیئے جائیں"۔

مرزا یوسف بہادر (حضور انور کے رشتہ کے چچا) نے درخواست کی کہ والد مرحوم کی تنخواہ کا حقدار میں ہوں کیونکہ ان کا ورثہ مجھے پہنچتا ہے۔ میری تنخواہ کے کاغذ پر مہر و دستخط فرما دیئے جائیں کہ تنخواہ میرے نام منتقل ہو جائے۔ حضور نے ان کے پیش کردہ کاغذات کو اپنے مہر و دستخط سے مزین فرما دیا۔

صاحب کلاں بہادر نے عرضی بھیجی کہ باغ سرہندی' باغ روشن آرا وغیرہ پر نواب حسینی بیگم زوجہ مرزا محمد سلیم بہادر مرحوم کو قبضہ دے دیا جائے۔ اس کام میں بہت جلدی ہونی چاہئے۔ حضور انور اہلکاران شاہی کو اس حکم کی تعمیل کے لئے تاکید فرمائیں۔ (کیونکہ آگرہ کی عدالت سے بادشاہ کے خلاف فیصلہ ہو گیا تھا۔ حسن نظامی)

حافظ محمد داؤد خاں سے ارشاد فرمایا کہ سلیم گڈھ کے باغیچہ کی تیاری منظور خاطر ہے۔ ایک دروازہ سے لے کر دوسرے دروازہ تک ایک دیوار کھینچی دی جائے تاکہ باغیچہ علیحدہ ہو جائے۔

وکیل شاہی نے عرض کیا کہ صاحب کلاں بہادر کے نام جو اطلاع نامہ حضور کے مہر و دستخط کے بغیر چلا گیا تھا وہ محکمہ ایجنٹی میں موجود ہے۔ حضور اس کو منسوخ فرمادیں۔ حضور کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس پر دستخط وغیرہ نہیں لئے گئے تو اہلکاران نظارت اور محرروں پر عتاب فرمایا اور ان کی ایک ایک مہینے کی تنخواہ بطور جرمانہ ضبط کرنے کا حکم صادر کیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر آئندہ بے احتیاطی عمل میں آئے گی تو کافی سزا دی جائے گی۔

عرض کیا گیا کہ نواب زینت محل بیگم صاحبہ کی دادی نواب نوازش علی خاں کی زوجہ محترمہ فوت ہو گئیں۔ حکم ہوا کہ ایک سو پچاس روپیہ تجہیز وتکفین کے لئے اور خلعت ماتمی کے طور پر تین دوشالے ان کے وارثوں کے پاس بھیج دیئے جائیں۔

حضور بادشاہ سلامت نے صاحب کلاں بہادر کے نام اس مضمون کا ایک شقہ تحریر فرمایا کہ مجاہد پور کے ناکے پر ایک مضبوط پل' بہت جلد تیار کیا جائے تاکہ حضور قطب الاقطاب قدس سرہ کے مزار مبارک پر آنے جانے والوں کو برسات میں تکلیف نہ ہوا کرے۔ جو کچھ خرچ ہوگا' شاہی آمدنی میں سے فیصدی ایک روپیہ کے حساب سے وضع کر لیجئے گا۔ ایک اور شقہ صاحب کلاں بہادر کے نام لکھا گیا کہ موضع پلنجی اور علی پور کی آمدنی نواب شرافت محل بیگم صاحبہ کو دے دی جائے۔

"دہلی گزٹ" میں باغ روشن آرا و باغ سرہندی کے مقدمہ کی مسل چھپی ہے اور اس میں کچھ الفاظ ایسے بھی درج ہو گئے ہیں جو شان خسروی کے خلاف ہیں۔ حکم ہوا کہ ان قابل اعتراض الفاظ کو پوری طرح نقل کر لیا جائے تاکہ

انگریزی زبان میں ان کا ترجمہ کرا کے ولایت کے اخباروں کو بھیجا جائے (اور ولایت کی پبلک معلوم کرے کہ حکام انگریزی بادشاہ کے ساتھ کیا برا سلوک کر رہے ہیں۔ حسن نظامی)

پھر "دہلی گزٹ" کے ایڈیٹر صاحب کو طلب کر کے ارشاد ہوا کہ ارکین سلطنت پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں' تم ان کے جواب بھی اپنے اخبار میں شائع کرو گے یا نہیں؟ انہوں نے کہا ضرور شائع کروں گا۔ اخبار نویس کا فرض ہے کہ پبلک کی واقفیت کے لئے تصویر کے دونوں رخ پیش کرے۔ حضور والا نے یہ سن کر حکم دیا کہ اعتراضات کے جوابات لکھ کر ایڈیٹر صاحب کے پاس بھیج دیئے جائیں۔

(اخباروں کا نیا نیا زمانہ تھا' مگر وہ فرائض اخبار نویسی کی اس وقت بھی پابندی کرتے تھے۔ حسن نظامی)

لالہ زور آور چند کو مودی خان کی خدمات سے علیحدہ کر دیا گیا کیونکہ یہ عرصہ سے اپنے کام میں غفلت و سستی کرتے تھے اور ان کی بجائے کنور دہبی سنگھ کو دو سو روپیہ ماہوار پر مقرر کر لیا گیا اور موقوفی کی اطلاع لالہ زور آور چند کے نام روانہ کر دی گئی۔

صاحب کلاں بہادر نے دو عرضیاں حضور انور کی خدمت اقدس میں روانہ کیں۔ ان کے ساتھ نواب حسینی بیگم صاحبہ کا خط بھی تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ حضور انور نے سو روپے ماہوار پرورش کے طور پر میرے مقرر فرمائے تھے' مگر کچھ عرصہ سے یہ روپے عطا نہیں ہوئے ہیں۔ امیدوار ہوں کہ مرحمت ہوا کریں۔ ارشاد ہوا کہ بیگم صاحبہ نے مرزا محمد سلیم بہادر مرحوم کی متروکہ املاک میں بہت خرد برد کیا اور پھر ہمارے مقابلہ میں خواہ مخواہ کا مقدمہ لے کر بھی کھڑی ہو گئیں اس لئے ہم ان کو بخوشی خاطر کچھ نہیں دے سکتے اور نہ باغ سر ہندی وغیرہ کی آمدنی میں سے کچھ دیا جا سکتا ہے۔ البتہ شاہی وظیفہ جس طرح ان کی اور بہنوں کو دیا جاتا ہے' ان کو بھی ملا کرے گا۔

شہزادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر کے حسب خواہش اہلکاران دفتر کو حکم ہوا کہ جن ملازمین شاہی سے نذریں لی گئی ہیں اور اب وہ فوت ہو گئے ہیں' ان کے ناموں کے بجائے ان کے وارثوں کے نام زمرۂ ملازمین میں شامل کر لیے جائیں اور نذروں کا روپیہ ان کے نام مندرج کر لیا جائے۔

املاک حضرت شاہ اودھ کے ٹھیکہ دار وکیل کے نام صاحب کلاں بہادر نے چٹھی ارسال کی کہ جو لوگ (خواہ ہندوستانی ہوں یا غیر ہندوستانی) نواب منصور علی خاں بہادر مرحوم کے مقبرہ میں سیر کے لئے آتے ہیں' ان کو یہ حکم سنا دیا جائے کہ وہ اپنی سواری مقبرہ کے باہر چھوڑ کر اندر جایا کریں اور مقبرے کے اندر کھانا وغیرہ بھی نہ پکایا کریں۔ اس قسم کی بے احتیاطی کی وجہ سے بہت سے شیشہ آلات ٹوٹ گئے ہیں۔ اگر آئندہ ایسا ہوگا تو نقصان کرنے والے سے جرمانہ وصول کیا جائے گا۔ وکیل کو یہ بھی لکھا گیا کہ جو لوگ اس عرصہ میں مقبرہ میں آنا چاہیں' انہیں ہماری چٹھی کے مضمون سے آگاہ کر دینا' تاکہ کوئی عذر باقی نہ رہے۔

(بے تمیز تماشائی عمارات کو خراب کرتے تھے۔ درگاہ حضرت محبوب الٰہی میں قلعہ کی شہزادیاں زیارت کو آتی تھیں تو سنگ مرمر کے فرش کو پیکوں سے لال کر جاتی تھیں۔ ایک دفعہ مرزا بابر بہادر شاہ کے بھائی مزار کے سرہانے حقہ پی رہے تھے۔ میرے نانا نے لات مار کر مرزا بابر اور ان کے حقہ کو پھینک دیا۔ انہوں نے بادشاہ کے ہاں دعویٰ کیا۔ بادشاہ نے بھائی

کے خلاف فیصلہ کیا کہ تم کو درگاہ میں حقہ پینا مناسب نہ تھا۔ انہوں نے مارا اچھا کیا۔ مرزا بابر اس فیصلہ سے بہت ناراض ہوئے مگر بادشاہ نے ادب کو نہ چھوڑا۔ خود بادشاہ تو بڑے ادب والے تمیزدار تھے مگر ان کے متعلقین بری صحبتوں کے سبب بے تمیز ہو گئے تھے۔ حسن نظامی)

۳۰۔ ستمبر ۱۸۳۹ء۔ حضرت جہاں پناہ مرزا زمان شاہ و میرزا فیروز شاہ کے مکان واقع درگاہ حضرت قطب صاحب کو ملاحظہ فرمانے اور اس کی قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے تشریف لے گئے۔ مکان ملاحظہ فرمانے کے بعد اس کی خریداری کے لئے ابتدائی معاملات طے کرنے کے لئے مرزا قیصر شکوہ بہادر کو اجازت دے کر واپس تشریف لے آئے۔

موضع شیخ پور باؤلی کی آمدنی میں سے مبلغ پانچ سو روپیہ حضرت شاہ غلام نصیر الدین صاحب عرف کالے صاحب کو مرحمت فرمائے اور ارشاد کیا کہ اس آمدنی میں سے ہمیشہ پانچ سو روپیہ انشاء اللہ قبل از طلب حاضر خدمت ہو جایا کریں گے۔

عرض کیا گیا کہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں ایک ہزار پانچ سو روپیہ منجملہ چار ہزار روپیہ سالانہ کے بھیجے گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے یہ روپیہ واپس کر کے فرمایا کہ تمام روپیہ یکمشت آنا چاہئے۔ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہ آنا چاہئے۔

(حضرت میاں کالے صاحب حضرت مولانا محمد فخر الدین چشتی نظامی کے پوتے تھے۔ قاسم جان کی گلی میں کالے صاحب کی حویلی اب تک موجود ہے جس میں اب غیر لوگ رہتے ہیں اور میاں صاحب کے جانشین میاں عبدالصمد صاحب کوچہ چیلان میں مقیم ہیں اور دہلی کے مشائخ میں مانے جاتے ہیں۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت بٹیر بازی کے تماشہ میں تشریف لے گئے۔ خوب سیر و تفریح فرمائی۔ جو ارکین سلطنت آپ کے ساتھ تھے وہ بھی بہت محظوظ ہوئے۔ (کیونکر مسرور نہ ہوتے بٹیر بازی سے زیادہ اور کونسا کام خوشی کا اس وقت بادشاہ اور ان کے خاندان کے لئے باقی رہ گیا تھا۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت کو یہ خبر پہنچی کہ باورچی خانہ سے چینی کے برتن چوری ہو گئے ہیں۔ داروغہ خاصہ کو بلا کر حکم دیا کہ پہرہ داروں سے اس چوری کا سبب دریافت کیا جائے اور ان سے تاکید کر دی جائے کہ آئندہ اس قسم کا واقعہ سرزد نہ ہو اور اگر ہوا تو تم سب نوکری سے برطرف کر دیئے جاؤ گے۔

محکمہ انتظامی

رام رتن وغیرہ زمینداران موضع نے عریضہ لکھا کہ نواب عبدالرحمن خاں بہادر رئیس جھجر کے کارپردازوں نے ہم پر ظلم و تعدی کا بازار گرم کر رکھا ہے اور ہمارے گاؤں کے جو لوگ گذشتہ جنگ سرسہ میں قتل ہو گئے تھے ان کے متعلقین کو دق کرتے ہیں اور زبردستی فوج میں بھرتی کرنے کا ڈراوا دیتے ہیں اور اس طرح سے روپیہ ٹھگ رہے ہیں اس کا کوئی معقول انتظام کیا جائے۔ اس پر نواب صاحب کے نام خط لکھا گیا کہ غریب و مجبور رعایا پر اس قسم کے ظلم و ستم نہ کرنے چاہئیں۔ کارپردازوں کو منع کر دیا جائے کہ وہ آئندہ احتیاط سے کام لینے کی کوشش کریں۔

رام سہائے زمیندار نے عریضہ لکھا کہ راج بلب گڈھ کے زمینداروں نے ہم پر بڑا ستم توڑ رکھا ہے۔ ہماری پندرہ بیگھہ زمین کو دبالیا ہے۔ ایک بیل' ایک گائے اور ایک بھینس کو ہم سے زبردستی چھین لیا ہے۔ ہمارے مال و متاع پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہمارے بال بچوں کو قید کر دیا ہے۔ ہمیں اس بلائے عظیم سے بچایئے اور راجہ صاحب سے کہئے کہ خدارا ہم پر رحم کریں۔ اس کے جواب میں راجہ صاحب کو لکھ گیا کہ حالات کی رپورٹ بھیجو اور انتظام درست رکھو۔

(نواب عبدالرحمٰن خاں رئیس جھجر اور راجہ بلب گڈھ کو غدر ۱۸۵۷ء میں پھانسی کی سزائیں بغاوت کے جرم میں انگریزوں نے دی تھیں۔ حسن نظامی)

۲-اکتوبر ۱۸۴۶ء۔ بادشاہ سلامت کی خدمت بابرکت میں درگاہ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے خدام نے تبرک پیش کیا۔ پندرہ روپیہ بطور نذرانہ ان کو دیئے گئے۔

مرزا الف بیگ خاں کو ان کی والدہ مرحومہ کی تعزیت کے طور پر خلعت شش پارچہ مرحمت ہوا۔ عرض کیا گیا کہ مرشدزادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر نے اپنے ملازم سرفراز علی کو اس کی شادی کی تقریب میں خلعت سہ پارچہ اور سہرۂ مقیشی مرحمت فرمایا۔

مرزا شاہرخ بہادر نے بہادر بیگ کی دختر نیک اختر سے نکاح فرمایا۔ ایک پیش قبض اور پنکھا بہادر بیگ کو عطا کیا اور بہت قیمتی اور بے بہا زیورات دلہن کو مرحمت فرمائے۔

لالہ متھرا داس نے جو دہلی کے قدیم اخبار نویس ہیں' اپنے اخبار میں لکھا ہے کہ گورنمنٹ بہادر آگرہ کی ایک چٹھی آگرہ سے موصول ہوئی ہے کہ باغ روشن آرا اور باغ سرہندی پر جو شاہی عملہ دخلہ ہے' اسے اٹھالیا جائے کیونکہ اس پر شاہی حقوق ثابت نہیں ہوتے' بلکہ یہ باغ نواب حسینی بیگم کو ان کے شوہر نے ان کے مہر کے بدلہ میں دیئے تھے۔

بادشاہ سلامت نے ایک چٹھی نواب معظم الدولہ بہادر کو تحریر فرمائی کہ شیخ پور باؤلی کی آمدنی میں مبلغ تین ہزار روپے لالہ زور آور چند کو اور دو ہزار روپے حافظ محمد داؤد خاں کو دے دیئے جائیں' کیونکہ یہ روپے ان سے بطور قرض کے لئے گئے تھے۔

لالہ شوتی رام مختار ریاست جھجر کی عرضی پر تحریر فرمایا کہ بقایا ایک سو پچیس روپیہ ان کی تنخواہ کے دفتر شاہی سے ادا کر دیئے جائیں (لالہ شوتی رام اس سے پہلے شاہی دربار میں وکیل تھے)۔

حضرت مرشدزادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر نے عرض کیا کہ شہزادہ مرزا اعظام فخرالدین بہادر نے گنج میر خاں کو اپنے خسر حسین بخش کے حوالہ کر دیا ہے۔ وہ وہاں کے سامان کو نکال نکال کر بیچ رہے ہیں۔ اس سے آنحضرت کے مال و اسباب کا سخت نقصان ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ ان کو منع کر دیں گے۔

صاحب جج بہادر نے فرمان جاری کیا تھا کہ جتنے مکان شاہی تولیت میں ہیں' ان کی فہرست مرتب ہونی چاہئے۔ صاحب کلاں بہادر نے ایک عرضی کے ذریعہ بادشاہ سلامت کو اس امر کی اطلاع دی۔ اہلکاروں سے ارشاد ہوا کہ تمام مکانات کی فہرست بہت جلد تیار کر کے روانہ کر دو۔ اس حکم کی تعمیل میں تاخیر نہ ہونی چاہئے۔

قلعہ کے رہنے والے مہاجنوں میں سے ایک ہندو نے قلعہ معلی میں سے اپنے باپ کی لاش نہایت دھوم دھام

اور گانے بجانے کے ساتھ نکالی۔ مرگھٹ میں جلانے کے لئے لے گیا۔ جب یہ خبر حضور کو پہنچی تو حکم دیا کہ کوتوال شہر کو چاہئے کہ فوراً اس کو قید کر دیں کیونکہ اس نے یہ امر بادشاہ سلامت کے مقرر و قاعدہ کے خلاف کیا۔ ہندو نے بہت ہاتھ پیر جوڑے اور عفو تقصیر کا طالب ہوا۔ حکم ہوا کہ جب تک زر جرمانہ ادا نہ کرے اس کو گرفتار رکھو۔

(بادشاہ سلامت اور تمام شاہی خاندان موت سے بہت ڈرتے تھے۔ لہٰذا مردہ کا اس طرح دھوم دھام سے اٹھایا جانا موت کی تشہیر تھی اور ممکن ہے کہ قلعہ کے اندر رہنے والوں کے لئے یہ پابندی ہو کہ وہ ایسے جلوس نہ نکالیں۔ حسن نظامی)

پھر بادشاہ سلامت نے ان سپاہیوں کی پلٹن کو ملاحظہ فرمایا جو اس وقت حاضر تھے۔ جامع مسجد کے دربان فیض اللہ خاں نے مرزا محمد شاہرخ بہادر کے خواص کے ساتھ کا مگلوچی کی اور مار پیٹ پر آمادہ ہو گیا۔ یہ خبر سن کر بادشاہ سلامت نے حکم دیا کہ ایسے نالائق کو قلعہ کے گارد کے کپتان کی حفاظت میں قید کر دو۔

شرافت محل بیگم کے نام ایک شقہ جاری کیا گیا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ موضع علی پور تمہیں عطا کیا جاتا ہے۔ تمہیں اس کی آمدنی کے خرچ کرنے کا اختیار ہے جس طرح چاہو اپنے صرف میں لاؤ۔

اس کے علاوہ کئی شقے نواب صاحب کلاں بہادر کے نام بھی تحریر فرمائے۔ ان میں تحریر تھا کہ انگریزی اور فارسی کے وثیقے گورنمنٹ بہادر کے نام روانہ کر دو اور ان کے ساتھ جو شاہی اضافہ مقرر ہوا ہے ان کا نقشہ بھی بھیجنا اور اس کے علاوہ اپنے مشاہروں کی نسبت قلعہ معلّٰی کے سلاطین نے جو محضر نامہ بھیجا ہے اس کی تردید بھی لکھ دینا۔

ایک شقہ میں یہ بھی تھا کہ محبوب علی خاں خواجہ سرا کو اس کے زر قرض اور سود کے بدلے نہرولہ اور بارنکپور کے دیہات دے دیئے جائیں اور کنور سانگرام کی نسبت بھی یہ ارشاد ہوا کہ کانجھو کے علاقے کی آمدنی ان کے زر قرض کے عوض ان کے حوالہ کر دی جائے۔

بیگم مرزا اقتدار بخت کی لونڈی کو قلندر بخش اور اس کے بدمعاش قیدی بھگا کر لے گئے ہیں اور اس کے پاس تین ہزار کا زیور بھی ہے۔ اس کی نسبت صاحب کلاں بہادر کو لکھا کہ عدالت فوجداری میں اس کی تحقیقات عمل میں لائی جائے اور چونکہ یہ واقعہ اسی سرزمین پر واقع ہے جہاں بادشاہی عمل دخل ہے اس لئے سزا دینے کے لئے مجرم کو اراکین سلطنت کے حوالہ کر دیا جائے۔ امید ہے کہ ان تمام امور کا انتظام نہایت معقول اور بہترین صورت میں کیا جائے گا۔

ان تمام کارروائیوں کے بعد بادشاہ سلامت محل معلّٰی میں تشریف لے گئے اور دربار برخاست ہوا۔

۹-اکتوبر ۱۸۴۶ء۔ بادشاہ سلامت کی طبیعت کسی قدر ناساز ہے۔ اس وجہ سے جمعۃ الوداع کی نماز کے لئے جامع مسجد میں رونق افروز نہیں ہوئے۔ جامع مسجد سے آثار شریف کو قلعہ کی مسجد میں طلب فرما کر زیارت و برکت حاصل کی۔ ایک اشرفی ایک شیشہ گلاب اور بہت سے پھول نذر و نیاز میں پیش کئے۔ حسب ارشاد مہتمم درگاہ شریف کو خلعت مرحمت فرمایا (یہ آثار شریف یعنی تبرکات تیموریہ جو اب تک دہلی کی جامع مسجد میں موجود ہیں۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت کی طرف سے نواب لفٹنٹ بہادر کو چٹھی لکھی گئی کہ باغ روشن آرا اور باغ مہندی نواب [illegible] بیگم کے قبضہ میں دے دیئے گئے اور شاہی محل خالی کیا گیا تو اس سے یادگار سلطانی کی بہت ہتک ہوئی اس سے ان

دونوں باغوں پر شاہی قبضہ برقرار رہنا چاہئے۔ البتہ ہماری طرف سے ایک سو روپے ماہوار خرچ اخراجات کے لئے بیگم صاحب کے پاس ہمیشہ پہنچ جایا کریں گے۔

نواب معظم الدولہ بہادر کو خط لکھا گیا کہ جو کھنڈرات میر احمد علی خاں کی ٹھیکیداری میں تھے وہ اپنے قبضہ میں کر لیجئے اور ٹھیکہ توڑ دیجئے کیونکہ میر احمد علی خاں نے ان تمام شرطوں کو پورا نہیں کیا جن کے پورا کرنے کے لئے ان سے وعدہ لیا گیا تھا۔

رام سنگھ (زمیندار نارنگ پور) اور چند دوسرے متعلقہ آدمیوں کے نام حکم جاری کیا گیا کہ موضع نہرالہ وغیرہ محبوب علی خاں خواجہ سرا کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ مطلوبہ روپیہ اس کی آمدنی میں سے قسط وار ادا کر دیا جائے۔

فضل حسین خاں انگریزی خواں نے عرض کیا کہ اخبار "دلی گزٹ" کے دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ سفیر الدولہ مسٹر طامسن بہادر نے تنخواہ وصول نہ ہونے کے سبب سے مقدمات میں کچھ پیروی نہیں کی۔ بادشاہ سلامت نے محبوب علی خاں خواجہ سرا سے کہا کہ واقعی تنخواہ کو دیر ہوگئی۔ روپیہ کا انتظام کر کے سفیر صاحب کو تنخواہ روانہ کر دینی چاہئے۔

بادشاہ سلامت کی خدمت میں نظارت خاں مرحوم کے قرض خواہ جن نے عرضی پیش کی کہ چونکہ نظارت خاں مرحوم نے مجھ سے تین ہزار روپیہ قرض لئے تھے اور ادا کئے بغیر ان کا انتقال ہو گیا۔ اب ان کی جگہ ان کے داماد معین الدولہ سرفراز ہوئے ہیں لہٰذا یہ روپیہ ان سے دلا دیا جائے۔ بادشاہ سلامت نے یہ عرضی معین الدولہ کے پاس بھیج دی کہ اس کے متعلق جو کچھ تمہیں معلوم ہو ہمارے حضور میں اس کی رپورٹ پیش کرو۔

داروغہ محمد ارتضیٰ خاں کی عرضی نظر فیض انور سے گذری۔ مرزا فتح الملک بہادر کے لئے مہر کی ضرورت ہے جس میں نام اور خطاب دونوں کندہ ہوں۔ حضور نے عرضی پر تحریر فرمایا کہ اس کی فوراً تعمیل کی جائے۔

پیشی کے قرآن خواں حافظ مرزا محمود شاہ نے کلام اللہ شریف ختم کیا تھا۔ بادشاہ سلامت نے خلعت سہ پارچہ عطا فرمایا۔

نواب حامد علی خاں سے ارشاد فرمایا کہ اگر دس ہزار روپیہ نذرانہ پیش کرو تو تمہیں مختاری کے عہدہ پر سرفراز کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر اس عہدہ پر کسی دوسرے کو مقرر کیا جائے یا نذرانہ معاف کر دیا جائے تو اچھا ہے ورنہ حکم عالی کی تعمیل میں نذرانہ پیش کرنے اور اس منصب پر سرفراز ہونے کا افتخار حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔

بادشاہ سلامت کو خبر دی گئی کہ گولہ بارود کے سو چھکڑے دہلی کے میگزین سے فیروز پور روانہ کئے گئے ہیں۔

بادشاہ سلامت عید الفطر کی نماز کے لئے مرشد زادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر کے ساتھ عید گاہ تشریف لے گئے اور نماز پڑھنے کے بعد شاہانہ جاہ و حشم اور ملوکانہ شان و شوکت کے ساتھ ملازمین اور سرداروں کے جھرمٹ میں عید گاہ سے واپس تشریف لائے۔ جو شان و شوکت بادشاہوں کے شایان شان ہوتی ہے اس کا اہتمام و انتظام کیا گیا تھا۔ لوگ راستہ میں ہر جگہ بادشاہ سلامت کی خدمت میں تحفہ دعا اور ہدیہ مبارک باد پیش کرتے تھے۔ آمد و رفت کے سلامی کی توپیں اس قدر بلند آواز کے ساتھ چھوڑی گئیں کہ ان کی آواز افلاک الافلاک تک پہنچی۔ ہر غریب امیر کو انعامات خلعت ہائے فاخرہ اور زر نقد تقسیم کیا گیا۔ بادشاہ کے اس انعام و اکرام سے ارکین سلطنت بھی بہرہ اندوز ہوئے اور غریب غربا بھی شاہی داد و

دہش اور بذل و سخا سے مالا مال ہو گئے۔ (یا اللہ وہ وقت کیسا پُر اثر ہو گا۔ اب تو وہ خواب میں بھی کبھی دکھائی نہیں دیتا۔ حسن نظامی)

۱۶-اکتوبر ۱۸۳۶ء۔ بادشاہ سلامت نے وکیل شاہی کے نام شقہ جاری فرمایا کہ علاقہ ربو پورہ کے متعلق تمام حالات اور اس کی سند استمراری کی کیفیات رعبہ سوہن لال سے معلوم کر کے ہماری آگاہی کے لئے تحریر کرو۔ جواب آیا کہ یہ علاقہ کرنل جیمس کے پاس تھا اور ان کی وفات کے بعد آج کل اس پر ان کے وارثین قابض ہیں۔ حالات یہ ہیں کہ کرنل جیمس زر استمراری کے علاوہ تین ہزار سالانہ بھی سال بسال اور فصل بفصل ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت عرش آرام گاہ کے زمانہ سے اب تک یہ روپیہ ان کے ذمہ باقی چلا آتا ہے جس کی مجموعی رقم تیس ہزار روپے ہوتے ہیں۔ کرنل کے ان وارثوں کو جو ربو پورہ پر قابض ہیں یہ روپیہ فوراً ادا کرنا چاہئے۔

تفضل حسین خاں نے میرزا شاہ رخ بیگ صاحب بہادر پر عدالت دیوانی میں جو دعویٰ دائر کیا تھا' اس کا نوٹس صاحب کلاں بہادر نے حضرت بادشاہ سلامت کی خدمت میں پیش کیا۔ حکم ہوا کہ پشت پر وصولیابی کے دستخط کر کے نوٹس کو واپس کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ سر دست اور کچھ ہو سکتا ہے۔

عید سعید کے دن سوا دو سو بارہ اشرفیاں اور تین سو روپے جو بطور نذر وصول ہوئے تھے' خزانہ شاہی میں داخل کر دیئے گئے۔

حافظ نعمت اللہ پیش امام دیوان خاص کو کلام اللہ کی ختم کی تقریب میں بادشاہ سلامت نے ایک دوشالہ مرحمت فرمایا (حفاظ اور اصفیاء کی اس قدر تعظیم و تکریم کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ سلامت فطرتاً نیک خیال اور نیکی پسند تھے۔ حسن نظامی)

حضور انور نے کنور دیبی پرشاد سے ارشاد فرمایا کہ کپڑوں کا ایک جوڑا ایک سہرا ایک توڑا مرزا کیقباد بہادر کے گھر بھجوا دیا جائے۔ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔

''سید الاخبار'' میں لکھا ہے کہ دلی میں رمضان شریف کے پورے تیس روزے رکھے گئے۔ رمضان کی تیس تاریخ کو جو چاند نظر آیا' وہ اس قدر باریک اور پست تھا کہ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ چاند انتیس کو ہوا' حالانکہ اسطرلاب وغیرہ سے جو حساب کیا گیا اس سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ چاند انتیس کو ہو گا۔ ''سلطان الاخبار'' کے ایڈیٹر نے یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ تقویم ہنود کی پیروی کرنا شان اسلام کے خلاف ہے۔ یہ علوم ظنیہ ہیں اور ظنیات کا اعتبار کیا۔ کلکتہ کے علماء نے اس بارے میں سخت غلطی کی ہے۔ ان کے لئے یہ بالکل نامناسب ہے کہ وہ ایسے علوم کی پیروی کریں جو مذہبی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ علاوہ ازیں ہر مقام پر طلوع و غروب شمس کا ایک ہی وقت نہیں ہے۔ کہیں طلوع و غروب کسی وقت پر ہوتا ہے اور کہیں کسی وقت پر' اس لئے اس بارے میں ہمیں تو صرف احکام شرع پر عمل کرنا چاہئے اور اس کے ماسوا جتنی باتیں ہیں سب فضول اور لغو ہیں۔ اہل علم اور پابند شرع آدمی کو بھول کر بھی ان کی طرف توجہ نہ کرنی چاہئے۔

۳۰-اکتوبر ۱۸۳۶ء۔ بادشاہ سلامت نے دو شقے نواب معظم الدولہ صاحب کلاں بہادر کے نام جاری فرمائے۔ ایک کا مضمون یہ تھا کہ علاقہ کانھ متو وغیرہ کے دیہات جو شاہی تولیت میں ہیں' نو ہزار روپے سالانہ پر کسی کو ٹھیکہ

میں دے دیئے جائیں۔ دوسرے میں تحریر فرمایا تھا کہ شیخ پور باڈلی وغیرہ کے دیہات بھی گیارہ ہزار روپے سالانہ پر ٹھیکہ میں دے دیئے جائیں' لیکن ٹھیکہ ایسے شخص کو دیا جائے جو قابل اعتبار اور دیانت دار ہو۔ اس کے علاوہ چند اور بھی خطوط لکھے گئے۔ منجملہ ان کے مرشدزادہ آفاق کو ایک شخص کی سفارش اور عذر تقصیرات کے بارہ میں تحریر فرمایا' جس کے جواب میں مرشدزادہ نے تحریر فرمایا کہ حکم عالی سرآنکھوں پر۔ تعمیل ارشاد میں کوتاہی نہ کی جائے گی۔

بادشاہ سلامت سیر وتفریح اور شکار کی غرض سے دریائے جمنا کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ آتے جاتے وقت ملازمان شاہی کے ساتھ پل کے پہریداروں نے روک ٹوک کی' اس لئے بادشاہ سلامت نے قلعہ کے پہرہ دار کے نام یہ حکم جاری کیا کہ ملازمان شاہی کے ساتھ یہ طرز عمل بالکل نامناسب ہے۔ متعلقہ افسر کو لکھ دیا جائے کہ وہ عملہ کے ماتحت لوگوں کو ہدایت کر دے کہ آئندہ بادشاہ سلامت کے آدمیوں کے ساتھ پل پر آتے جاتے وقت مزاحمت نہ کی جائے۔

خلیفہ جلال الدین کی ملازمت کی درخواست خلیفہ محمد اسمٰعیل کی وساطت سے حضور اقدس کی نظر فیض انور سے گذری۔ ازراہ مرحمت خسروانہ درخواست پر منظوری کا حکم لکھ کر درخواست دہندہ کو صف بندگان میں شامل کر لیا۔

قاضی عظمت علی نے اس زمین کی نسبت جو پہلے ان کے ٹھیکہ میں تھی' میعاد ختم ہونے کے بعد دوبارہ ٹھیکہ داری کی درخواست دی جو منظور ہوگئی اور ان کے نام پٹہ لکھ دیا گیا۔

حضور انور نے مرزا قیصر شکوہ بہادر کو ایک طاقہ شملہ اور مرزا ضیا بخش بہادر کو ایک مقیشی سہرا عطا فرمایا۔

نواب غلام محی الدین خاں خلف شاہ حاجی مرحوم کا انتقال ہوگیا۔ حکم دیا گیا کہ جنازہ کی تیاری کے لئے حسب حاجت روپیہ اور دیگر ضروری سامان ان کے گھر بھیج دیا جائے۔ مرزا محمد قادر بخش سلاطین نے تفنگ بازی میں بادشاہ سلامت کی شاگردی اختیار کی۔

تین قطعی شقے صاحب کلاں بہادر کے نام جاری کئے گئے۔ ایک میں لکھا تھا کہ فرخندہ زمانی بیگم صاحب کو ایک سو پچاس بیگھے زمین دے دی جائے۔ دوسرے میں تھا کہ باغ صاحب آباد کی آمدنی میں سے مولوی عبدالخالق کے نو آنے ماہوار مقرر کر دیئے جائیں۔

نواب حامد علی خاں بہادر نے پندرہ ہزار روپے نذرانہ امور سلطنت کی مختاری کے لئے اور پانچ اشرفی بطور شکرانہ کے بادشاہ سلامت کی خدمت میں اور ایک اشرفی نواب ملکہ دوراں کی خدمت میں پیش کرتے بادشاہ کی نظر میں اعتبار واختصاص کا درجہ حاصل کیا۔ بادشاہی اہلکاروں نے بھی نواب صاحب کے اس اعزاز واکرام پر مبارکباد کی نذریں پیش کیں۔

کنور بینی سنگھ کو ارشاد ہوا کہ مرشدزادوں کی شادی کے لئے دس ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ تمہیں چاہئے کہ بہت جلد مہیا کر کے حضور میں پیش کرو۔

عرض کیا گیا کہ نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر مرض فالج میں مبتلا رہ کر راہی ملک جناں ہوئے۔ ایسے نیک خصال' دریا دل' بامروت اور وضعدار امیر اب کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کی رحلت کے سبب اہل دہلی کی مجلس سے ایک قابل قدر اور مشہور رئیس اٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت اعلیٰ مرحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (ان کی

حویلی نئی ماراں کے محلہ میں واقع ہے اور پھاٹک پران کا نام لکھا ہے' مگر اب اس میں سینکڑوں گھر جداگانہ آباد ہیں اور سب دہلی کے پنجابی صاحبان ہیں۔ نواب صاحب کی اولاد خستہ حال ہے۔ حسن نظامی)

۶ نومبر ۱۸۴۶ء۔ حضرت بادشاہ سلامت نے نواب معظم الدولہ بہادر کے عریضہ کو ملاحظہ کر کے اسی وقت جواب تحریر فرمایا کہ کاٹھ متوا اور تندپور ان تینوں دیہاتوں کی درخواست علیحدہ علیحدہ آنی چاہئے اور اپنے مختار کو ضمانت کے ساتھ ضلع میرٹھ میں روانہ کرنا چاہئے۔

کنور دیبی سنگھ نے عرض کیا کہ باغ صاحبہ کی آمدنی میں سے جو خزانہ عامرہ میں داخل ہوئی تھی ایک حبہ روزمرہ کے اخراجات کے لئے اس غلام کو مرحمت نہیں کیا گیا۔ حالانکہ روزمرہ کے خرچ کے لئے نصف آمدنی کی منظوری اس سے پہلے ہو چکی ہے۔ زبان گوہرافشاں سے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ضروریات کی زیادتی کی وجہ سے ایسا ہوا ہوگا۔ آئندہ مہینے سے اس کا انتظام کر دیا جائے گا۔ مطمئن رہو اور اپنے روزمرہ کے کام میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہونے دو۔

مہرولی میں جو مکان تھے' سو روپے سالانہ پران کا پٹہ محبوب علی خواجہ سرا کے نام لکھ دیا گیا۔

نیمہ آستین' خلعت ہفت پارچہ اور سہ رقم جواہر اعتمادالدولہ خان بہادر حامد علی خاں کو بارگاہ خسروی کی مختارکاری کے صلہ میں حضور انور کی طرف سے مرحمت کئے گئے۔

میر ظہور حسین خاں کو راقم الدولہ کے خطاب سے معزز و ممتاز فرمایا گیا۔

احمد علی چوبدار کو شادی کی تقریب میں خلعت اور سہرہ مقیشی مرحمت کیا گیا اور احمد علی نے بھی نذرانہ پیش کرنے کا افتخار حاصل کیا۔

نواب غلام محی الدین خاں بہادر کی تقریب ماتم میں ان کے صاحبزادے فخرالاسلام نواب محمد قطب الدین خاں بہادر کو خلعت شش پارچہ اور ان کے چھوٹے بھائی کو خلعت سہ پارچہ بادشاہ سلامت کی طرف سے عطا کیا گیا۔ علمائے دین کے ساتھ عزت و افتخار سے پیش آنا آپ کا خاص دستورالعمل ہے۔

(نواب قطب الدین خاں زبردست عالم تھے۔ "مظاہرالحق" کے نام سے "مشکوۃ شریف" کا اردو ترجمہ انہی کا ہے۔ چتلی قبر کے قریب بھوجلا پہاڑی پران کا مکان تھا۔ اب ان کی اولاد میں عربی علم کا چرچا نہیں ہے۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت حضور قطب الاقطاب کے مزار پُر انوار پر حاضر ہونے کی غرض سے قلعہ معلی سے باہر تشریف لائے۔ ایک ہزار روپیہ دیگر بعض ضروری اخراجات اور مزارات کی مرمت کے لئے حافظ محمد داؤد خاں کو مرحمت فرمایا۔ اثنائے راہ میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کی درگاہ میں حاضر ہو کر کلام اللہ شریف کے ختم میں شریک ہوئے اور معمول کے موافق نیاز و فاتحہ میں شرکت فرمائی۔ ہمرکابی میں سردار اور خدام حاضر تھے' سب کو تبرک تقسیم فرمایا اور پھر ہاتھی پر سوار ہوئے اور اپنے برابر نواب حامد علی خاں کو بٹھایا۔ انہوں نے اس افتخار و اعزاز کے شکریہ میں نذر پیش کی۔ اس کے بعد مہرولی حضور خواجہ قطب صاحب کے مزار پر تشریف لے گئے۔ فاتحہ خوانی کی اور درگاہ سے تبرک' دستار اور حلقہ کمان دیا گیا۔ پھر اپنے دولت خانہ واقع مہرولی میں تشریف لے گئے۔

مرزا شاہ رخ بہادر نے ایک تفنگ ولایتی اور مرزا قیصر شکوہ نے ایک کنٹر شیشہ گلاب نذر کے طور پر پیش کیا۔

بادشاہ سلامت نے قبول فرمایا۔

مطبع سلطانی کے مہتمموں نے عرض کیا کہ کوتوال شہر نے جالندھر کے محکمہ کمشنری کی طرف سے اشتہار طبع کرنے کے لئے بھیجے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ طبع کر دیئے جائیں۔ اشتہار کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے دسمبر کی پہلی تاریخ سے ساتویں تاریخ تک ہوشیار پور میں ایک بڑا میلہ ہوگا۔ جو سوداگر اپنا مال و اسباب فروخت کرنے کے لئے اس جگہ لے جائیں گے' ان سے محصول وغیرہ کچھ نہیں لیا جائے گا۔ امید ہے کہ سوداگران عالیشان اور امرائے ذی وقار اس میں شرکت کر کے میلہ کی رونق اور ترقی کا باعث ہوں گے۔

۱۳۔نومبر ۱۸۴۶ء۔ کنور دیبی سنگھ نے عرض کیا کہ حضور والا کے دو تمسک میرے نام ہیں۔ ایک بیس ہزار روپے قرض کا ہے اور دوسرا تین ہزار روپے کا' لیکن ان میں سے ابھی تک ایک کوڑی بھی وصول نہیں ہوئی۔ مع سود کے کل روپے کا میں نے حساب لگایا تو کچھ اوپر بیس ہزار چھ سو روپے حضور کے ذمہ نکلتے ہیں۔ اگر ان دونوں تمسکوں کو ایک نئے تمسک میں تبدیل کر دیا جائے اور حضور اس پر دستخط بھی فرما دیں تو غلام کے ساتھ عین بخشش و عنایت ہو۔ حکم ہوا کہ تمہارے حسب مرضی ایک ہی کاغذ پر قرضے کے کل روپے کی تفصیل لکھ دی جائے گی اور انشاء اللہ یہ تمام روپیہ قسط وار کاٹھ' متو اور نند پور کی آمدنی سے ادا کر دیا جائے گا۔ پھر حضور انور نے قسط وار روپوں کی ادائیگی کے متعلق نواب معظم الدولہ بہادر کو ایک والا نامہ تحریر فرمایا اور جدید تمسک کے لئے حکم دے کر پرانے دونوں کاغذوں میں سے اپنے نام کی مہر کا حصہ نکال کر اسے پارہ پارہ کر دیا۔ اس طرز عمل سے کنور دیبی سنگھ بہت ممنون ہوئے اور بادشاہ سلامت کی عنایت خاص کا شکریہ ادا کیا۔

مرزا عبداللہ بہادر کو ایک کمخواب کا چغہ مرحمت فرمایا۔

سواری دولت سرائے واقع مہرولی میں حاضر ہوئی۔ بادشاہ سلامت اس پر سوار ہو کر قلعہ معلی کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے اس نئے باغ کے خیموں میں نزول اجلال فرمایا جو نواب ملکہ دوران زینت محل بیگم صاحبہ نے حال میں خریدا ہے۔ بیگم صاحبہ کے صاحبزادے شہزادہ جواں بخت بہادر نے کپڑوں کی سترہ کشتیاں' دوشالہ' شالی رومال' کمخواب کا تھان' زرین کمر بند یہ تمام چیزیں تحفہ و نذر کے طور پر پیش کیں۔ تھوڑی دیر یہاں قیام فرمایا۔ پھر بلند و بالا ہاتھی پر سوار ہو کر اور مرزا فتح الملک بہادر کو اپنے ساتھ بٹھا کر شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ قلعہ معلی میں رونق افروز ہوئے۔ انگریزی اور شاہی توپخانہ سے بلند آواز توپیں چھوڑی گئیں اور قلعہ میں چاروں طرف شادمانی کا غلغلہ ہوا۔

غلام علی ٹھیکہ دار کو ان کی درخواست کے مطابق حضور انور کے حکم سے دیوان مکند پورہ کے دیہات حدود اربعہ کی تعیین کے بعد چھ سو بہتر روپے سالانہ پر ٹھیکہ میں دے دیئے گئے اور بادشاہ سلامت نے اپنے دستخط خاص سے مزین فرما کر ان کے نام پٹہ جاری کر دیا۔ ملکہ دوران کے باغ کے انتظام و اہتمام میں محبوب علی خواجہ سرانے کوشش بلیغ کی۔ بادشاہ سلامت نے مسرور ہو کر ایک دوشالہ عنایت فرمایا اور چند کلمات تحسین و آفرین حضور کی زبان اقدس سے جاری ہوئے۔

نواب حسام الدین حیدر خاں مرحوم کے بڑے صاحبزادے معین الدولہ نظارت خاں وغیرہ حاضر دربار ہوئے۔ بادشاہ سلامت نے مرحوم کی خدمات جلیلہ کا ذکر فرما کر ان کی وفات حسرت آیات پر بہت رنج و غم کا اظہار کیا اور صبر کی تلقین فرمائی اور پھر خلعت شش پارچہ اور نیمہ آستین طلائی معین الدولہ بہادر کے بڑے صاحبزادہ کو اور خلعت شش

پارچہ اور بمہ آستین نقرئی خلف ثانی مظفر الدولہ بہادر کو خلعت پنج پارچہ آغا مرزا کو اور ایک ایک دوشالہ ان کی صاحبزادی اور زوجہ کو مرحمت فرما کر رخصت کیا۔ مرحوم کے پسماندگان نے منجموں کی رائے کے موافق زر و جواہر اور دوسری چیزیں مرحوم کے نام فقیروں اور غریبوں میں بطور خیرات تقسیم کیں۔

(اللہ اللہ۔ اب نہ خیرات تقسیم کرنے والے رہے۔ نہ وہ بادشاہ رہے جو باپ کے مرنے پر اولاد کی تعزیت کرتے تھے۔ نواب حسام الدین حیدر کیا' خبر نہیں کتنے نواب اور امراء غدر ۵۷ء کے بعد بے نام و نشان ہو گئے۔ دلی میں اب ایک امیر بھی باقی نہیں ہے البتہ ان کے نام لکھے ہوئے مکان موجود ہیں جن میں اغیار رہتے ہیں اور امراء کی اولاد کرایہ کے جھونپڑوں میں زندگی کے دن کاٹ رہی ہے۔ حسن نظامی)

میرزا محمد شاہرخ بہادر نے ایک قطعہ ماہی شکار صاحب کلاں بہادر کی خدمت میں بھیجا۔ نواب صاحب نے اسے واپس کر دیا اور کہلا بھیجا کہ حضور انور یا حضرت مرزا ولی عہد بہادر کے عطیہ کے سوا کسی اور کا عطیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

(اب تک جس قدر واقعات یہاں درج کیے گئے' ان میں مرزا شاہ رخ کی ولی عہدی کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کے بعد مرزا فتح الملک کا امتیازیہ ذکر ہونے لگا' مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ مرزا شاہرخ کی ولی عہدی میں انقلاب کس وجہ سے ہوا اور مرزا فتح الملک کیوں ان کے بجائے ولی عہد ہو گئے۔ بعض باتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا شاہ رخ ولی عہد نہ تھے' مدارالمہام تھے۔ "دلی کی جاں کنی" کتاب میں ولی عہدی کے جھگڑے درج ہیں۔ ان پر غور کرنے سے کچھ اندازہ اس انقلاب کا ہو جائے گا۔ اس کی تہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی کام کرتی تھی۔ حسن نظامی)

حکیم احسن اللہ خاں بہادر نے عرض کیا کہ جناب صاحب کلاں بہادر مجھ سے بہت ناراض ہیں۔ کیا تدبیر کرنی چاہیے جس سے ان کا ملال خاطر رفع ہو۔ حضور نے صاحب کلاں بہادر کے نام ایک رقعہ تحریر فرمایا کہ حکیم احسن اللہ خاں بہادر خیر خواہ آدمی ہیں۔ ان سے کبیدہ خاطر ہونا مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی طرف سے آپ اپنا دل صاف کر لیں اور ان سے جو کچھ بھی رنجش ہوا سے دل سے نکال دیں۔ صاحب کلاں بہادر نے بادشاہ عالی جاہ کے ارشاد فیض بنیاد کی تعمیل کی اور اپنے سینہ بے کینہ کو حکیم صاحب کی طرف سے جو رنج و غبار تھا' اس سے پاک کر لیا اور حکیم صاحب ان کے لطف و کرم سے بہت مسرور ہوئے اور بادشاہ جہاں پناہ کی بھی اس ذرہ نوازی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور نیز ترقی عز و جاہ و توسیع مملکت کی دعا کر کے اپنی فرمانبرداری و خیر خواہی و وفا شعاری کا ثبوت دیا۔ (مگر ریذیڈنٹ کے سینہ کو اندر سے بھی کسی نے دیکھا کہ وہ صاف ہو گیا تھا۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت نے مرزا شاہرخ بہادر سے فرمایا کیا بات ہے' نواب حامد علی خاں کے خلاف بہت سی عرضیاں آ رہی ہیں۔ کیا ملازمین کی تنخواہ ٹھیک تقسیم نہیں ہوتی؟ ان سے کہنا تنخواہوں کی رسید کے کاغذات ہمارے ملاحظہ کے لیے پیش کریں۔

۴- دسمبر ۱۸۴۶ء۔ دو شقے نواب معظم الدولہ بہادر کے نام صادر کیے گئے۔ ایک اس بارے میں کہ حویلی امیر خاں و امیر گنج نواب ممتاز محل بیگم کی زر خرید ہے۔ انہوں نے رقیہ سلطان بیگم زوجہ مرزا محمد سلطان فتح الملک بہادر شہزادہ کے

جہیز میں دینے کے لئے خرید فرمائی تھی۔ سلطانی تولیت سے ان کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ اس لئے بیگم صاحبہ ان کے بارے میں تعرض نہ کیا جائے۔ دوسرا اس بارے میں کہ نواب حامد علی خاں کا قرضہ شاہپور وغیرہ دیہات سے ادا کیا جائے۔

نواب حامد علی خاں کی درخواست کے مطابق جواہر لال خزانچی کو معزول کر دیا گیا اور ان کی جگہ کنور دیبی سنگھ کے خویش لالہ بھگوان داس کو خلعت پنج پارچہ دو رقم جواہر اور خلعت سہ پارچہ و یک رقم جواہر ان کے گماشتہ کو مرحمت کیا گیا۔

نواب منتظم الدولہ بہادر کی وفات کو سن کر بادشاہ سلامت کو بہت رنج و افسوس ہوا اور دیر تک ان کی رعیت نوازی' غریب پروری اور اوصاف حمیدہ کا ذکر زبان فیض ترجمان پر جاری رہا۔

حکیم احسن اللہ خاں بہادر سے ارشاد ہوا کہ پیرزادہ حضرت شاہ غلام نصیر الدین صاحب عرف کالے صاحب کو نواب زینت محل بیگم صاحبہ کی معرفت چار ہزار روپیہ بھیج دیا جائے۔

نواب حامد علی خاں کے تین ہزار روپیہ کا تمسک بادشاہ سلامت نے تحریر فرما کر ان کے حوالہ کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ روپیہ متعینہ مواضع کی آمدنی میں سے ادا کر دیا جائے گا۔

بندی بائی صاحبہ سے بادشاہ سلامت کا نکاح ہو گیا اور بیگم صاحبہ کو نواب شاہ آبادی کے خطاب سے معزز و ممتاز فرمایا گیا۔ اراکین سلطنت نے تہنیت کی نذریں بیگم صاحبہ کی خدمت میں پیش کیں۔ (چوہتر برس سے زیادہ عمر تھی مگر شادیوں کا شوق جوان تھا۔ اسی شوق نے سلطنت برباد کر دی۔ پہلے ہی کئی بیویاں موجود تھیں۔ اس رنڈی سے نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت نے سونے کی پہنچیوں کا ایک جوڑا' مرصع بازو بند کا ایک جوڑا' ایک انگوٹھی' سواری کے لئے ایک خوبصورت پالکی اور رہنے کے لئے ایک عالیشان مکان بیگم صاحبہ کو عنایت فرمایا۔ (بندی بائی سترہ برس کی طوائف تھی' بڑے میاں جتنی خاطر کرتے کم تھی۔ حسن نظامی)

نواب زینت محل بیگم صاحبہ نے فرمایا مجھے گھر کے روزمرہ کے خرچ کے لئے کچھ روپیہ ملنا چاہئے۔ محبوب علی خواجہ سرا کو ارشاد ہوا کہ ایک ہزار روپیہ کا بندوبست کر کے بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھیج دو۔

۱۱- دسمبر ۱۸۴۶ء۔ اعلیٰ حضرت بہادر شاہ بادشاہ دہلی نے نواب لفٹنٹ گورنر آگرہ کے خط کے ملاحظہ فرمانے کے بعد جناب صاحب کلاں بہادر کے نام ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا کہ چونکہ باغ سرہندی اور باغ روشن آرا وغیرہ سلطنت کے ناظم اعظم صاحب کو عطا کیا گیا تھا' لہٰذا اس کی آمدنی نواب حسینی بیگم صاحبہ زوجہ میرزا محمد سلیم شاہ بہادر کو پہنچا کرے۔ یہ تاکیدی حکم ہے' ہمیشہ پابندی کے ساتھ اس کی تعمیل کی جائے۔

مرزا بلند بخت بہادر مرحوم کے بیٹے مرزا بخش بہادر نے نہایت عاجزی و خلوص کے ساتھ درخواست کی کہ حضور والا میری شادی کی تقریب میں قدم رنجہ فرمائیں۔ بادشاہ سلامت نے درخواست منظور فرمائی اور بزم نکاح میں تشریف لے گئے۔ پانچ لاکھ روپے مہر پر نکاح منعقد ہوا۔ بادشاہ سلامت نے فرخ سیری سہرا نوشہ کو از راہ مراحم خسروی مرحمت فرمایا۔ نہایت دھوم دھام سے شادی کی مجلس ختم ہوئی۔ بعد فراغت بادشاہ سلامت قلعہ معلیٰ میں تشریف لائے۔

میر صابر علی شاہ مرحوم کی تعزیت کے طور پر خلعت سہ پارچہ ان کے دونوں صاحبزادوں کو پیش گاہ خسروی سے

مرحمت کیا گیا۔ (خانقاہ صابریہ دریا گنج دہلی کے بانی کا ذکر ہے۔ اب یہاں کے سجادہ نشین سید شاہ کرار حسین صاحب ہیں۔ حسن نظامی)

نواب حامد علی خاں بہادر کے نام حکم جاری ہوا کہ پانچ سو روپیہ ماہوار تنخواہ کے طور پر نواب شاہ آبادی بیگم صاحب کے لئے ہم نے تجویز کئے ہیں۔ تم ہر مہینہ یہ رقم ان کو ادا کرتے رہنا۔ (نئی دلہن تھیں، جس قدر خاطر ہوتی تھوڑی تھی۔ حسن نظامی)

خزانہ داران شاہی کے نام حکم ہوا کہ چار ہزار روپیہ قرضہ مہیا کیا جائے۔ یہ روپیہ بائیس روپیہ ماہوار قسط کے حساب سے ادا کیا جائے گا۔

سنت لال پیشکار بخشی گری کو رسم تعزیت کے طور پر بادشاہ سلامت نے خلعت چار پارچہ مرحمت فرمایا۔

نظارت خاں ناظر نے اپنے قرضہ کے تمسکات (بابت دیہات منور وگورالی) کا بادشاہ سلامت سے چار ہزار پانچ سو روپے سالانہ پر فیصلہ کرلیا اور یہ طے پایا کہ زر قسط پر صرف پانچ سو روپے سال بسال اور فصل بہ فصل ادا کئے جائیں گے۔ اس کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی کارپردازان شاہی کی طرف سے نہیں ہوگی۔

بری خبر کی سنائی حضور میں پیش ہوئی کہ غنچہ ناشگفتہ دگوہر ناسفتہ یعنی نواب فرخندہ بخت کی صاحبزادی عالم فانی سے باقی کو سدھار گئیں۔ بادشاہ سلامت نے ایک سو پچاس روپیہ جنازہ کے خرچ کے لئے مرحومہ کی والدہ ماجدہ کے گھر بھجوا دیئے۔

انگریزوں کا اس ملک میں یہ دستور ہے کہ قدم پھونک پھونک کر رکھتے ہیں اور نہایت دور اندیشی اور احتیاط کے طریقوں سے کام کرتے ہیں۔ انہیں ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے کوئی ایسی سیاسی غلطی ہو جائے جس سے سلطنت کے کاروبار میں خلل واقع ہو اور مملکت کے انتظام میں ابتری پھیل جائے' اس لئے انہوں نے جب یہ محسوس کیا کہ ہندوستان کے شمالی حصہ میں کچھ خطرہ ہے تو فوراً فوجیں اس طرف روانہ کردیں اور جنگلوں میں ان کی فوجوں نے ڈیرے جما دیئے تاکہ اگر کوئی دشمن مخالفت کے لئے سر اٹھائے تو فوراً اس کی سرکوبی کردی جائے۔ جدھر اپنا پہلو کمزور دیکھتے ہیں فوراً اس کی درستی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ انگریزوں میں یہ بڑی صفت ہے کہ اپنا ہر کام وقت پر کرتے ہیں۔

۱۸- دسمبر ۱۸۴۶ء۔ بادشاہ دہلی خلد اللہ ملکہ نے نواب حامد علی خاں کے نام حکم جاری فرمایا کہ تم نے جو تین ہزار روپیہ نقد اور تین ہزار روپیہ کے اجناس واموال کا پیش گاہ خسروی کے لئے جو انتظام فرمایا تھا' وہ دیہات ہرود ریہ اور ہر چند کی آمدنی سے وصول کر کے اپنے قبضہ وتصرف میں لے آؤ۔ ہماری طرف سے بخوشی تمام اجازت ہے۔

قلعہ دار بہادر کی استدعا پر آموں کے چند درخت لگانے کے لئے حکم شاہی نافذ ہوا۔ اس کی تعمیل کے لئے کوشش کی جارہی ہے۔

اطلاع دی گئی کہ شاہزادہ مرزا شاہرخ بہادر کے ہاں صاحبزادی تولد ہوئی ہے۔ حکم شاہی ہوا کہ اس خوشی میں جوڑہ توڑہ اور سہرہ ارسال کیا جائے۔ فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

حضور کے دسترخوان چننے پر جو شخص ملازم ہے اس کا نام نتھو ہے۔ آج بادشاہ سلامت نے خوش ہو کر اس کو جواہر

اور خلعت مرحمت فرمایا۔

سعادت افزوں خواجہ سرا کو جو بادشاہ سلامت کی نئی بیگم کی ڈیوڑھی پر نائب ناظر ہے ایک دوشالہ مرحمت فرمایا اور خوشنودی خاطر کا اظہار کیا۔

محبوب علی خاں خواجہ سرا کو حکم ہوا کہ تمام پالکیوں کے لئے سقرلاتی پردے تیار کیے جائیں۔ پردے عمدہ اور سلائی اچھی ہو۔

شہر میں یہ خبر گشت لگا رہی ہے کہ جو لوگ دربار شاہی سے بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں' ان کی تنخواہ میں سے سو روپیہ وضع کر لئے جاتے ہیں' حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ مشاہرہ میں سے کسی کو ایک پائی بھی کم نہیں دی جاتی۔ لوگ ہزارہا روپیہ کا تغلب اور تصرف کر کے اپنے اپنے عہدوں سے معزول ہوئے ہیں۔ یہ انہی کی اپنی کارستانی ہے کہ خواہ مخواہ ایسے لوگوں کو جو سلطنت کے بہی خواہ اور رات دن سلطنت کی بہبودی اور فلاح کی کوشش میں لگے رہتے ہیں' بدنام کیا جائے۔ خیر کسی کے بدنام کرنے سے کیا ہوتا ہے' مگر ان لوگوں کو کذب و افترا کرتے وقت خدا سے بھی تو ڈر نہیں لگتا۔

معزز ہم عصر "صادق الاخبار" کے لائق ایڈیٹر لکھتے ہیں کہ میرے خیال میں جب سے بادشاہ سلامت نے ان علاقوں کو جو شاہی تولیت میں ہیں' جناب صاحب کلاں بہادر کے انتظام میں دیا ہے' یہ نمک حرام جلنے لگے ہیں کیونکہ پہلے یہ کیفیت تھی کہ منتظمین اپنی جیبیں خوب گرم کرتے تھے اور خزانہ شاہی میں ایک پیسہ بھی داخل نہ ہوتا تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ شاہی آمدنی میں اضافہ پر اضافہ ہو رہا ہے اور نمک حرام اور شکم پرور ملازمین بغلیں جھانک رہے ہیں۔ اب انہیں پھوٹی کوڑی بھی میسر نہیں آتی۔ یہ سب صاحب کلاں بہادر کے حسن انتظام اور خوبی تدبیر کا نتیجہ ہے کہ کسی حقدار کا حق باقی نہیں رہتا' بلکہ بعض موقعوں پر محصول بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔ باغات اور کھیتیاں سرسبز و شاداب ہیں' درخت ہرے بھرے ہیں' ایسا معقول اور عمدہ انتظام ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ صرف بات اتنی ہے کہ جن کے منہ کو ناجائز اور حرام کمائی کا خون لگا ہوا تھا' اب انہیں اپنے ارادوں میں کامیاب ہونے کا موقعہ نہیں ملتا۔ اسی وجہ سے وہ غیر ذمہ دارانہ بیانات شائع کر کے پبلک کو مشتعل کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ سب افترا پردازیاں اور دروغ بیانیاں ہیں۔ عوام الناس کو ان سے ہرگز متاثر نہ ہونا چاہئے۔

مرزا محمد بخش سلاطین کو شاہی حکم ہوا کہ سال حال کے خاندان تیموریہ کی پیدائش و اموات کا نقشہ تیار کر کے شاہی ملاحظہ کے لئے پیش کرو۔ اس کام میں تاخیر نہ ہونی چاہئے۔

عرض کیا گیا کہ مرشدزادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر کے دربار میں لوگوں نے شکایت کی کہ آپ کے مختار محمد حفیظ خاں مرحوم نے پانچ ہزار روپیہ آپ کے مال میں سے سرقہ کر کے اپنے گھر رکھ لئے۔ شہزادہ بہادر نے مرحوم مختار کی خانہ تلاشی کا حکم جاری فرمایا اور نئے مختار فتح محمد خاں کو موقوف کر دیا گیا۔

نواب حسینی بیگم صاحبہ نے ایک خط کے ذریعہ استدعا کی کہ باغ روشن آرا اور باغ سرہندی پر مجھے قبضہ دلایا جائے۔ صاحب کلاں بہادر نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ان باغوں پر تمہیں قبضہ نہیں دیا جا سکتا' البتہ ان کی آمدنی ہمیشہ تمہارے پاس بھیج دی جائے گی' کیونکہ صدر دفتر سے اسی قسم کا حکم صادر ہوا ہے۔

۲۵-دسمبر ۱۸۳۶ء۔ بروز عید الاضحیٰ بادشاہ سلامت زرق برق لباس زیب تن فرما کر بہت عمدہ گھوڑے پر سوار ہو کر عید گاہ تشریف لے گئے۔ نماز سے فراغت حاصل کرنے کے بعد خلعت شش پارچہ دو رقم جواہر ایک قبضہ شمشیر مع پرتلہ خطیب صاحب کو اور کمخواب کی قبا سہ رقم جواہر ایک دستار سربست اور گوشوارہ منقش ایک دوشالہ مرزا حضرت سلطان بہادر متولی مصلی کو اور خلعت شش پارچہ سہ رقم جواہر اور قبضہ شمشیر وقار الدولہ ناظم امور خانسامانی کو مرحمت فرمائے۔ اس کے بعد اونٹ کی قربانی کی گئی اور حاضرین مجلس نے نان و کباب کا شغل کیا۔ اس وقت نہایت شادمانی اور فرحت کا ساز و سامان تھا۔ ایک دوسرے کو مبارک باد دینے میں مصروف نظر آتا تھا۔ چاروں طرف سے مبارک باد مبارک باد کی صدائیں آ رہی تھیں۔ جس راستہ سے بادشاہ سلامت کی سواری گذری امراء و رؤسا و ارکین سلطنت نے عید کی مبارکبادیں پیش کیں اور نذریں بھی گذرانیں۔ جب بادشاہ سلامت محل معلیٰ میں تشریف لے گئے تو تمام خاندان کی بیگمات جن میں خاندان تیموریہ کی خواتین بھی شامل ہیں، مبارک باد عرض کرنے کے لئے بادشاہ سلامت کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حسب حیثیت نذریں پیش کرنے کی عزت حاصل کی۔

آتے جاتے وقت شاہی اور انگریزی توپ خانہ سے نہایت بلند آواز کے ساتھ سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔ بقر عید کے دن حضرت میر محمدی صاحب مرحوم کا عرس منعقد ہوتا ہے۔ بادشاہ سلامت عرس میں شرکت کی غرض سے تشریف لے گئے۔ ختم میں شریک ہوئے اور تبرک لے کر واپس تشریف لائے۔

عرض کیا گیا کہ مرشد زادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر اپنے مختار کار فتح محمد سے ناراض ہو گئے ہیں اور اسے معزول کر دیا ہے اور اس کی جگہ حافظ محمد داؤد کے بھائی حافظ محمد قطب الدین کو مقرر کیا گیا ہے۔

عرض کیا گیا کہ ایک عورت نے فوجداری میں دعویٰ دائر کیا کہ ایک سوار میری لڑکی کو میری مرضی کے خلاف زبردستی اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور مجھ سے جدا کرتا ہے۔ مقدمہ پیش ہوا۔ منصف نے عورت کے بیان لے کر اس کی لڑکی سے سوال کیا کہ کیا تمہارے ساتھ زبردستی کی جا رہی ہے؟ لڑکی نے کہا نہیں۔ میں برضا و رغبت اس سوار کے ساتھ جا رہی ہوں۔ اس نے میرے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی۔ عدالت نے حکم دیا کہ لڑکی اپنے کام کی مختار ہے۔ مقدمہ خارج ہو گیا اور بے چاری ماں اپنی لڑکی کی جسارت پر ماتم کرتی ہوئی ناکام واپس آئی اور لڑکی سوار کے ساتھ چلی گئی۔

بادشاہ سلامت کو جب یہ خبر معلوم ہوئی کہ نواب معظم الدولہ بہادر وکیل شاہی کو اپنے ہمراہ لے کر اصلاع کے دورہ کے لئے تشریف لے جانے والے ہیں تو ایک دوشالہ بتقریب رخصت ان کو مرحمت کیا۔

لوگوں کی خورد برد کی وجہ سے شاہی خزانہ کی یہ کیفیت ہے کہ آمدنی کم ہے اور خرچ زیادہ۔ ظالموں کے ظلم سے تنگ آ کر رعیت پریشان ہوتی ہے تو افسران سے شکایت کرتی ہے، مگر بادشاہ سلامت تک کوئی خبر نہیں پہنچاتا۔ تنخواہ داروں کو نہ تو پوری تنخواہ ملتی ہے اور نہ تنخواہ دینے میں وقت کی پابندی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ تنخواہ دار لوگ اس بے انتظامی سے بہت پریشان و نالاں ہیں۔ اب تو خلقت کی زبان پر یہ دعا ہے کہ یا اللہ! یہ تمام و کمال انتظام صاحب کلاں بہادر کے تحت میں آ جائے تاکہ ہمیں ان مصیبتوں سے نجات ملے اور روز کا یہ جھگڑا مٹ جائے۔ صاحب کلاں بہادر کا انتظام اتنا معقول ہوتا ہے، ایک تو آمدنی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے رعایا کو بھی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچتی۔ دیکھئے خلقت کی فریاد و زاری

کب قبول ہوتی ہے اور کب صاحب کلاں بہادر کا تقرر عمل میں آتا ہے۔

(کچھ تو بات بھی بچی تھی کہ شاہی اہل کار شرارت کرتے تھے اور کچھ اخبار والے انگریزی ساز باز کے سبب انگریزی کمپنی کے در پردہ اشارہ سے ایسے مضامین لکھتے تھے تا کہ رعایا انگریزی انتظام اور طریق حکومت کی دلدادہ ہو جائے۔ حسن نظامی)

یکم جنوری ۱۸۴۷ء۔ حضور انور خلد اللہ ملکہ شہزادہ مرزا فتح الملک بہادر کی صاحبزادی کی شادی کی تقریب میں شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ باغ صاحب آباد میں تشریف لے گئے اور وہ بزم ارم آپ کے انوار تجلی سے رشک چمن بن گئی۔ رقص سرود کی محفل سے فراغت کے بعد بادشاہ سلامت نے اہل بزم میں سے ہر ایک کو حسب مرتبہ خلعت فاخرہ عطا فرمائے۔ مرزا ہمایوں بخت بہادر نے ایک عمدہ بندوق اور کچھ نقد روپیہ نذر کے طور پر پیش کئے۔ یہ تحفے شرف قبولیت سے مشرف ہوئے۔ نجیب الدولہ بہادر کے چھوٹے بھائی کو ان کی تقریب شادی میں خلعت فرخ سیری مرحمت کیا گیا۔ مرشد زادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر نے سوری کمخواب کا ایک لاجواب چوغہ حضور انور کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔

حافظ محمد قطب الدین خاں کو سرکار ولی عہد بہادر کی مختاری کا خلعت انتظام الدولہ کا خطاب حضور انور کی طرف سے عطا کیا گیا اور نائب مختار کا عہدہ اور رفیق جاں نثار کا خطاب شرافت یار خاں کو مرحمت ہوا۔

۸- جنوری ۱۸۴۷ء۔ حضرت بادشاہ سلامت اپنے بڑے صاحبزادے مرزا فتح الملک بہادر کی بزم نکاح میں شاہانہ اہتمام و انصرام کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ کے راستہ میں کمخواب اور اطلس کا فرش بچھایا گیا۔ میوہ وغیرہ کی تین کشتیاں' جواہرات کی ایک کشتی اور متفرق بیش بہا چیزوں کی ایک کشتی یہ سب سامان بادشاہ سلامت کی خدمت میں بطور نذر پیش کیا گیا۔ بادشاہ سلامت نے قبول فرمایا اور غربا اور مساکین میں خیرات تقسیم فرمائی۔ حضور کی سواری کے آنے جانے کے موقع پر انگریزی و شاہی توپخانوں سے سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔ تقریب نکاح کی وجہ سے تمام محلات میں بڑی چہل پہل تھی اور ہر طرف شادمانی اور مبارک بادی کا غلغلہ بلند تھا۔

بادشاہ سلامت نے حکم جاری کیا کہ ایام عاشورہ میں کوئی شخص اسلحہ سے آراستہ ہو کر قلعہ مبارک سے شہر میں نہ جائے۔

سعادت علی کے لڑکے کو اس کی شادی کی تقریب میں بادشاہ سلامت نے خلعت مرحمت فرمایا اور اپنی زبان سے مبارک باد دی۔ سعادت علی حضور انور کے اس انعام و اکرام سے بہت مسرور اور سرخرو ہوئے۔

۱۵- جنوری ۱۸۴۷ء۔ حضور انور سے عرض کیا گیا کہ نواب عزیز النساء بیگم صاحبہ کے ملازم کریم بیگ نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر گھر سے باہر نکال دیا تھا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کو پکڑ کے اپنے گھر لے جانے لگا۔ بیگم صاحبہ کے ملازموں نے روکا۔ بہت واویلا مچی اور چاروں طرف بھیڑ جمع ہو گئی۔ کریم بیگ نے ہر چند لے جانا چاہا' مگر اس کی ایک نہ چلی۔ آخر جہالت کے غصہ سے کریم بیگ نے خود اپنے گلے پر چھری پھیری۔ وہ تو اتفاق سے نواب یار خاں کوتوال قلعہ جو ایک قوی ہیکل اور طاقتور آدمی ہیں' موقعہ واردات پر پہنچ گئے اور انہوں نے اس کو زندہ گرفتار کر لیا۔ ارشاد ہوا کہ کچہری نظارت میں جو کچھ کیفیت اس مقدمہ کی پیش ہو' اس کا پورا حال ہمارے سامنے بھی پیش کیا جائے۔

نواب معظم الدولہ بہادر کے نام ایک شقہ جاری کیا گیا۔ مضمون تقریباً وہی تھا جو پہلے خط میں لکھا گیا تھا کہ حسب تحریر سابق نواب حامد علی خاں کے قرضہ کی ادائگی کا انتظام ہونا چاہئے۔

نواب معظم الدولہ بہادر کے نام ایک دوسرا شقہ بھی جاری ہوا کہ آغا حیدر ناظر مرحوم کے قرض خواہوں نے ان کے دیہات کورالی وغیرہ کو قرق کرالیا ہے۔ اس معاملہ کے لئے صدر الصدور کی عدالت میں رجوع کرنا چاہئے تا کہ کسی تدبیر سے یہ دیہات قرق ہونے سے بچ جائیں۔

اطلاع دی گئی کہ افضل النساء بیگم صاحبہ کا انتقال ہو گیا۔ نواب حامد علی خاں کے نام فرمان جاری ہوا کہ ساٹھ روپے ان کی تجہیز و تکفین کے واسطے روانہ کر دیئے جائیں۔

حضور انور نے نواب حامد علی خاں کی معرفت اسی ہزار روپیہ ساہوکاروں سے فی صدی ایک روپیہ سود پر قرض لیا۔ اور ساہوکاروں کے اطمینان کے لئے تمسک تحریر فرما کر نواب حامد علی خاں کے حوالہ کر دیا۔

ایک دن بادشاہ سلامت حضرت خواجہ قطب صاحب نور اللہ مرقدہ کی درگاہ سے واپس ہوتے وقت اولیا مسجد میں تشریف لے گئے۔ ایک درویش اس جگہ یاد الٰہی میں مشغول تھے۔ بادشاہ سلامت نے انہیں کچھ روپیہ مرحمت فرمایا۔

عرض کیا گیا کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے آگرہ سے ایک حکم بھیجا ہے کہ نواب حسینی بیگم صاحبہ باغ روشن آرا وغیرہ کی آمدنی لینے پر آمادہ نہیں ہوئیں' بلکہ وہ یہ کہتی ہیں کہ باغ وغیرہ میری ملکیت ہیں اس لئے ان پر میرا پورا دخل ہونا چاہئے۔ بادشاہ سلامت نے یہ سن کر حکم دیا کہ ایک خط نواب گورنر جنرل بہادر کو اور ایک اطلاع نامہ کورٹ آف ڈائرکٹرس کے ممبران کے نام اور ایک خط سفیر شاہی مقیم لندن کے نام بھیجا جائے اور استحقاق سلطانی ثابت کیا جائے اور ان لوگوں کو لکھا جائے کہ وہ شاہی حقوق پر غور کریں اور ہمارے کارپردازوں کو یہ بھی چاہئے کہ عدالت دیوانی میں نالش دائر کر دیں۔ جب تک اس مقدمہ کا پورے طریقہ سے فیصلہ نہ ہو جائے' بیگم صاحبہ کا عمل دخل نہیں ہو سکتا۔ (روشن آرا کا باغ تو اب بھی موجود ہے' مگر سرہندی باغ کا حال معلوم نہیں کہ کہاں تھا۔ حسن نظامی)

۲۲- جنوری ۱۸۴۷ء۔ حضور انور عاشورہ کے دن درگاہ شریف کے آثار کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ مرزا جہاندار شاہ متولی کو خلعت قبائے خاص سہ رقم جواہر دستار سربستہ گوشوارہ مرصع اور حافظ محمد قطب الدین کو خلعت شش پارچہ سہ رقم جواہر اور ان کے لڑکے کو خلعت سہ پارچہ اور دو رقم جواہر اور سادات عالی درجات کو پہننے کے کپڑے اور زر نقد اور فقراء و مساکین کو نیاز کا کھانا مرحمت فرمایا اور اللہ بندہ نقیب الاولیا کو ان کی ماں کی تعزیت کے طور پر خلعت سہ پارچہ عطا فرمایا۔

ایک شقہ معظم الدولہ بہادر کے نام روانہ کیا گیا کہ کارپردازان سلطنت کو حکم دے دیا گیا ہے کہ وہ قرض خواہوں کی فہرست تیار کر کے ملاحظہ کے لئے پیش کریں۔ قرض کی ادائگی کے بعد جو چیزیں ملکیت شاہی میں باقی رہیں گی' وہ انتظام وانصرام کے لئے تمہارے سپرد کر دی جائیں گی۔

ایک اور شقہ صاحب کلاں بہادر کے نام روانہ کیا گیا کہ نواب شاہ آبادی بیگم صاحبہ کے والد نے جے پور جاتے ہوئے اثنائے راہ میں وفات پائی۔ ان کے ساتھ جو کچھ مال و اسباب تھا' وہ ہمارے دربار میں ارسال کر دیا جائے۔

صاحب کلاں بہادر نے جواب میں تحریر فرمایا کہ صاحب ایجنٹ جے پور کو لکھ دیا گیا ہے کہ وہ مرحوم کا تمام مال و اسباب خدمت اقدس میں بھیج دیں گے۔ (نئی دلہن کے ابا چل بسے' نگران کی دولت اولاد کا حق تھی۔ داماد صاحب کو قبضہ کرنے کا کیا حق تھا۔ حسن نظامی)

۲۹- جنوری ۱۸۴۷ء۔ حضور بادشاہ سلامت نے عاشورہ کے دن قرآن مجید کی ایک جلد اور زرنقد حافظوں میں تقسیم فرمایا۔ بھلا ایک قرآن مجید کئی حافظوں میں کیونکر تقسیم ہو سکتا ہے۔ اس سے سلطنت کے کار پردازوں کی غفلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ بمبئی کے چھپے ہوئے بڑی تقطیع کے کلام مجید جو نہایت عمدہ اور خوش خط چھپے ہوئے ہیں' ایک سو کی تعداد میں منگا کر حافظوں اور ضرورت مند غریبوں میں تقسیم کر دیئے جاتے۔ اگر کار پرداز دوراندیش اور معاملہ فہم ہوتے تو ضرور اس امر کو بادشاہ سلامت کے گوش گزار کرتے اور یہ یقینی امر ہے کہ جب بادشاہ سلامت کے حضور میں اس قسم کی استدعا کی جاتی تو حضور ضرور منظور فرماتے اور ایک کثیر جماعت قرآن شریف پڑھنے کے ثواب سے محروم نہ رہتی۔ کار پردازوں کو چاہئے اب بھی اس طریقہ سے ثواب میں شریک ہونے کے لئے سعی کریں۔ (روزنامچہ نویس کو بمبئی کے کتب فروشوں نے کچھ دے کر لکھوالیا ہوگا۔ حسن نظامی)

کنور دیبی سنگھ نے جو دس ہزار روپیہ بادشاہ سلامت کی خدمت میں بطور قرض پیش کیا تھا' نواب معظم الدولہ بہادر نے شاہی املاک کی آمدنی سے یہ روپیہ ادا فرما دیا اور اپنے عریضہ کے ساتھ قرض کا تمسک بھی بادشاہ سلامت کی خدمت میں بھیج دیا۔ بادشاہ سلامت نے اپنے نام مبارک کی مہر تمسک سے علیحدہ کر کے اس کو ضائع کر دیا اور اہل کاروں کو حکم دیا کہ تمام کاغذات میں اس قرض کی ادائیگی درج کر دی جائے۔

بادشاہ سلامت نے سید ابوالقاسم خاں کے بڑے صاحبزادے سید محمد رضا خاں کو خلعت شش پارچہ اور سہ رقم جواہر کی عطا سے سرفراز فرمایا۔ امین الرحمن خاں کے لڑکے کریم الرحمن خاں کو بادشاہ سلامت نے ایک جوڑا دوشالہ اور مکرم الدولہ تہور جنگ خطاب سے معزز و مفتخر فرمایا۔

خبر آئی کہ علیم اللہ رکابدار جو حرمین شریفین کی زیارت کے لئے ہندوستان سے گیا ہوا تھا' راستہ میں فوت ہو گیا۔ مرحوم کے لڑکے کے پاس تعزیت کے طور پر خلعت سہ پارچہ روانہ کیا گیا اور بادشاہ سلامت نے خود زبان مبارک سے کلمات تعزیت کے ادا فرمائے۔

حسن رضا خاں ساکن بنارس بادشاہ سلامت کی ملاقات سے فیضیاب ہوئے۔ کمخواب کے دو تھان ایک کشتی میں رکھ کر نذر کے طور پر پیش کئے۔ بادشاہ سلامت نے از راہ مراحم خسروانہ خلعت پنج پارچہ اور دو رقم جواہر مرحمت فرمایا۔

۱۶ محرم الحرام کو حضور انور نہایت جاہ و حشم کے ساتھ حضرت خواجہ قطب صاحب کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوئے۔ فاتحہ پڑھی۔ تبرک لیا۔ دستار زیب سر فرمائی اور پھر حضرت مولانا فخر الدین صاحب وغیرہ کے مزارات پر حاضر ہوئے۔ مولانا فخر کا عرس تھا۔ اس میں شرکت فرمائی۔ خدام کو نذریں دیں۔ تھوڑی رات گئے دوبارہ تشریف لائے اور ختم میں شرکت فرمائی۔ ایک دستار اور ایک بنارسی دوپٹہ حضرت شاہ غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب کو عنایت فرمایا۔ مراسم عرس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے دولت خانہ میں تشریف لے گئے۔

چونکہ مرزا محمد بخش کی موجودگی میں سلاطین یعنی خاندانہ تیموریہ کے لئے اضافہ تنخواہ کا نقشہ مرتب ہوا تھا اس لئے ان کو بادشاہ سلامت نے حکم دیا کہ ایک عرضی پر سب کے دستخط لے لو کہ ہمیں یہ اضافہ منظور ہے۔ بعد میں کوئی بات پیدا نہ ہو۔

قلعہ دار بہادر کی طرف سے چوبدار نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ صاحب قطب صاحب کے مکانات کی سیر کرنی چاہتے ہیں۔ ان کے ایک دوست آئے ہوئے ہیں' ان کو سیر کرانی ہے۔ اگر انہیں سواری کے لئے ایک ہاتھی مرحمت کر دیا جائے تو عین کرم ہے۔ حکم دیا گیا کہ ایک ہاتھی قلعہ دار بہادر کی سواری کے لئے بھیج دیا جائے اور ہر طرح ان کی آسائش مدنظر رہے۔

۶۔ فروری ۱۸۴۷ء۔ قلعہ دار بہادر اور اسسٹنٹ بہادر ایجنٹی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ نواب معظم الدولہ بہادر آج کل کس کام میں مصروف ہیں۔ مزاج تو اچھا ہے۔ آج کل کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ صاحب غالباً آج کل سرسہ میں رونق افروز ہیں اور بخیر و عافیت اپنے فرائض منصبی میں مشغول ہیں اور حضور کے جان و مال کو دعا دیتے ہیں۔

(شاید قلعہ دار نے ان کو خواب میں دعا دیتے دیکھا ہوگا۔ انگریز بھی اس زمانہ میں خوشامد کی باتیں کرتے تھے۔ حسن نظامی)

مرزا محمد شاہرخ بہادر شہزادہ ایک سو سپاہی اور بارہ ہاتھی دس سوار اور دو توپیں ساتھ لے کر رام پور بریلی کی طرف شکار کھیلنے کی غرض سے تشریف لے گئے تھے۔ واپسی میں شاہدرہ کے قریب جمنا دریا کے سامنے قیام کیا اور بادشاہ سلامت بطریق سیر و تفریح شہزادہ کے پاس شاہدرہ میں تشریف لے گئے اور شہزادہ کے خیمہ میں نزول اجلال فرمایا۔ بلند آواز کے ساتھ سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔ شہزادہ نے ایک اشرفی نذر میں پیش کی۔ تھوڑی دیر بات چیت کرنے کے بعد حضور انور قلعہ معلی میں واپس تشریف لے آئے۔

محبوب علی خاں خواجہ سرا نے شاہی پلٹن کے ایک سپاہی کو کسی بات پر خوب مارا۔ محبوب علی خاں کا ارادہ ہے کہ قدیم پلٹن کو توڑ دیا جائے اور نئی پلٹن کی بھرتی کی جائے۔ اس کام کے لئے بادشاہ سلامت کی خدمت میں بیس ہزار روپیہ نذرانہ پیش کرنے کا ارادہ ہے۔ نواب حامد علی خاں کے پاس بادشاہ سلامت کا حکم پہنچا کہ ایک پالکی بہت عمدہ تیار کی جائے۔ پالکی بالکل نئی قسم کی ہو جس میں کوئی ایسی خصوصیت ہو جس کی وجہ سے وہ دوسری پالکیوں سے ممتاز ہو جائے۔

اطلاع دی گئی کہ قلعہ دار بہادر اور اسسٹنٹ بہادر ایجنٹی نے قلعہ مبارک کے سلاطین کے نام ایک خط لکھا ہے جس میں شاہی اضافہ کے متعلق ان کی رائیں طلب کی ہیں اور لکھا ہے کہ اس اضافہ میں کسی کو کوئی عذر ہو تو وہ تحریر پیش کرے تا کہ صدر دفتر میں اس پر غور کیا جا سکے۔

عرض کیا گیا کہ محکمہ ایجنٹی کی طرف سے ٹھاکر ڈونگر سنگھ کی گرفتاری کے متعلق علاقہ دہلی کے تمام رؤسا کے نام خطوط روانہ کئے گئے۔ یہ شخص چند اور قیدیوں کو ساتھ لے کر آگرہ کے جیل خانہ سے فرار ہو گیا ہے۔

مہاراجہ لاہور کا معزول وزیر راجہ لال سنگھ جو انگریزی فوج کی حراست میں تھا' لاہور سے دہلی میں لایا گیا تھا۔

یہاں سے آگرہ بھیج دیا گیا۔اب چنار گڈھ یا الہ آباد کے قلعہ میں مستقل طور سے نظر بند رکھا جائے گا۔

فیض الحسن کوتوال شہر نے جو بہت ہوشیار اور مدبر آدمی ہے پانچ قمار بازوں کو بڑی ترکیبوں سے گرفتار کیا۔اگر دہلی کی پولیس کے دوسرے آدمی بھی اسی طرح دیانتداری کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری میں کوشش کریں تو بہت جلد شاہجہاں آباد سے بدمعاشوں کا نام ونشان مٹ جائے۔

شہر میں یہ خبر گشت لگا رہی ہے کہ بعض شاہی ملازمین نے غبن وتغلب پر کمر باندھ لی ہے۔یہاں تک کہ سلاطین کی تنخواہ بھی وقت پر دیانتداری کے ساتھ ادا نہیں کرتے اور اس میں بھی بددیانتی کرتے ہیں۔اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو بادشاہ سلامت قرضدار ہو گئے اور دوسری طرف لوگوں کو سخت شکایتیں پیدا ہو گئیں۔ان وجوہ کی بنا پر صاحب قلعدار بہادر نے صدر دفتر کے احکام کی بموجب سلاطین کے پاس اطلاع بھیجی ہے کہ آپ حضرات تشریف لا کر اپنی اپنی تنخواہوں کی حقیقت بیان کریں تا کہ جو شکایات ہوں ان کا قرار واقعی انسداد کیا جائے۔

۱۳-فروری ۱۸۴۷ء۔حضور انور خلد اللہ ملکہ نے نواب معظم الدولہ بہادر کے نام ایک شقہ جاری فرمایا کہ چھ ہزار روپیہ پرگنہ کوٹ قاسم کی آمدنی میں سے کنور دہبی سنگھ کے قرضہ میں ادا کر دیئے جائیں۔اس قرضہ کو بہت مدت ہو گئی ہے اور ابھی تک اس کی ادائیگی کا کوئی انتظام نہ ہوا۔

حضور انور کو یہ معلوم ہوا کہ خواجہ احسن اللہ خاں ناظر عدالت دیوانی کو زبردستی ان کے عہدوں سے علیحدہ کر دیا گیا ہے اور ایک معمولی پنشن ان کے لئے مقرر کی گئی ہے تو حضور نے نواب حامد علی خاں کو طلب فرما کر حکم دیا کہ ان کی معاش کے لئے شاہی خزانہ سے کچھ مقرر ہونا چاہئے۔پھر حضور نے انہیں خلعت سہ پارچہ اور ایک رقم جواہر عطا فرمایا۔

سید محمد امیر صاحب خوشنویس کے لڑکے کی شادی کے موقعہ پر بادشاہ سلامت نے ایک پورا جوڑا اور سہرہ مقیشی مرحمت فرمایا۔

(ان خوشنویس کا خطاب میر پنجہ کش تھا۔اس وقت دہلی کے نہایت نامور خوشنویس تھے۔ایک روپیہ کو ان کا ایک حرف فروخت ہوتا تھا۔ان کے لڑکے میر قطب عالم میری یاد تک زندہ تھے اور ان کے لڑکے میر حمید عالم کا بھی انتقال ہو گیا۔میر پنجہ کش کو غدر میں کسی گورے سپاہی نے قتل کر ڈالا۔حسن نظامی)

مرشدزادہ آفاق مرزا ولی عہد بہادر کی پچپن ویں سالگرہ کی تقریب کے موقعہ پر بادشاہ سلامت نے انہیں دو اشرفیاں مرحمت فرمائیں۔

حضرت شاہ بو علی قلندرؒ کے مزار کے خدام حاضر ہوئے۔تبرک پیش کیا۔حضور انور نے پچپن روپے بطور نذرانہ عطا فرمائے۔مبلغ چھ ہزار روپے مرزا محمد شاہرخ بہادر کے خرچ کے لئے بادشاہ سلامت کے حسب الحکم روانہ کئے گئے۔

مرزا ولی عہد بہادر کی عرضی آئی کہ میرے قرضہ کو شاہی قرضہ میں شامل کر کے اس کی ادائیگی کی کوئی صورت کی جائے۔ارشاد ہوا کہ اپنے قرضہ کی فہرست روانہ کرو تا کہ اس کے مطابق ادائیگی کی تجویز عمل میں آئے۔

صاحب کلاں بہادر کی عرضی ملاحظہ کے لئے پیش کی گئی۔اس میں لکھا تھا کہ مرزا محمد فخر الدین بہادر شہزادہ شہر سے فریب دے کر ایک فاحشہ عورت کو قلعہ میں لے آئے ہیں،حکم دیا جائے تا کہ وہ اس عورت کو عدالت فوجداری میں روانہ

کردیں۔

جس جگہ راجہ لال سنگھ کو رکھا گیا تھا' یہاں آج کل راجہ اندر سنگھ والی ریاست نابھ آئے ہوئے ہیں۔ عملداران انگریزی کو حکم ہوا ہے کہ ان کو دریائے جمنا کے جنوب یا مشرق میں لے جا کر رہا کردیں۔ چار ہزار روپیہ ماہوار ان کا مقرر کیا گیا ہے۔ خیال ہے کہ یہ آزادی کے دن بندرابن میں جا کر قیام کریں گے۔

دریائے جمنا پر جہاں راج گھاٹ ہے' لوہے کا پل بنانے کا ارادہ ہے۔ اس کے واسطے کوٹلہ فیروز شاہ سے پتھر آ رہے ہیں تا کہ راج گھاٹ کے پل کو مضبوطی کے ساتھ درست اور عمدہ بنایا جائے۔ (آج معلوم ہوا کہ کوٹلہ اس طرح ویران ہوا ہے۔ حسن نظامی)

۲۰-فروری ۱۸۴۷ء۔ نواب معظم الدولہ دام اقبالہ کا عریضہ جس میں انہوں نے قرضخواہوں کی فہرست روانہ کی تھی' حضور انور کی نظر فیض اثر سے گذرا۔ دفتر سلطانی کے اہل کاروں کو حکم ہوا کہ اسے پانچ دن میں ترتیب دے کر ہمارے ملاحظہ میں پیش کرو۔

راجہ سوہن لال کے نام رقعہ لکھا گیا کہ حضرت عرش آرام گاہ کے عہد میں جو جواہرات نفیسہ تمہارے پاس رہن رکھے گئے تھے ان کا تفصیلی حساب معہ تاریخ کے لکھ کر ہمارے پاس بھیجو' لیکن مرصع چپا کلی کا حساب اس میں شامل نہ کرنا کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔

حافظ محمد حسین صاحب پیرزادہ' جو پیران گنگوہ کے مزارات کی دستار و تبرکات لے کر حاضر ہوئے تھے' بادشاہ سلامت نے ایک دوشالہ مرحمت فرمایا اور نہایت اخلاص و عقیدت کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔

مرزا محمد شاہرخ بہادر نے ہاپوڑ سے ایک عریضہ اس مضمون کا بادشاہ سلامت کی خدمت میں ارسال کیا کہ مجھے مرض بواسیر لاحق ہو گیا ہے اور اس کی وجہ اور طرح طرح کی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ بادشاہ سلامت نے اس کے جواب میں شقہ روانہ فرمایا کہ میں دست بدعا ہوں کہ ایزد اکرم تمہیں شفائے عاجل و کامل مرحمت فرمائے۔

میر یوسف علی خاں کو خلعت چہار پارچہ دو رقم جواہر اور منصب وارو غگی مرحمت فرمایا گیا۔

مرزا ولی بخت بہادر کو جو مرزا قیصر شکوہ بہادر کے ہمراہ حاضر دربار ہوئے تھے' بادشاہ سلامت نے ایک دستار سربستہ مع گوشوارہ کے اور ایک کمخواب کی قبا' سہ رقم جواہر' ایک دوشالہ مرحمت فرمایا اور بیگمات کے لئے دو جوڑے دوشالہ کے ساتھ کر دیئے۔ قرض خواہوں کی عرضیاں حساب کے ساتھ پہنچیں جو خواجہ احسن اللہ خاں کے حوالہ کر دی گئیں کہ اپنے دفتر سلطانی سے مطابق کر کے اطلاع دو۔

کنور دیبی سنگھ نے اطلاع دی کہ حضور مجھے اپنے بھتیجے کی شادی کے لئے کچھ ضروری سامان اور چند چپراسیوں اور چوبداروں کی ضرورت ہے۔ حکم ہوا کہ تمہاری درخواست کے مطابق انتظام کیا جائے گا۔

صاحب کلاں بہادر کے نام حکم لکھا گیا کہ میں نے نواب حامد علی خاں سے اٹھارہ ہزار روپے قرض لئے تھے۔ تم کو چاہئے کہ پرگنہ کوٹ قاسم کی آمدنی میں سے ادا کرنے کا انتظام کردو۔

بادشاہ سلامت کے حکم سے باغ انگوری کی آمدنی میں سے بائیس بیگھہ زمین مرزا مصطفیٰ بیگ کو عنایت کی گئی۔

منکوحہ جدیدہ شاہ آبادی بیگم کو جو دیہات دیئے گئے تھے' ان کے ہبہ نامہ کی تیاری کے لئے فرمان واجب الاذعان صادر ہوا۔

مرشد زادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر نے ایک شخص علی بخش نامی کی لڑکی سے نکاح فرمایا۔ بادشاہ سلامت نے دو اشرفیاں منکوحہ موصوفہ کے پاس روانہ فرمائیں۔

اطلاع دی گئی کہ مرزا ولی عہد بہادر حصار میں رونق افروز ہیں اور عنقریب حضور بادشاہ سلامت کی خدمت میں دہلی آنے والے ہیں۔

ماہ صفر کی نویں تاریخ کو کھاری باؤلی میں خلقت بسنت کے تماشے میں مشغول تھی کہ ایک شخص نے جو عرصہ سے اپنے دشمن کے پیچھے گھات میں لگا ہوا تھا' موقع پا کر اسے شمشیر کی ضرب سے زخمی کیا۔ خلقت جمع ہو گئی۔ سمجھانے والوں نے سمجھایا کہ او بیوقوف کیوں خواہ مخواہ کسی کو ہلاک کرتا ہے۔ اس کی جان تو خیر جائے گی' مگر تیری بھی خیر نہیں۔ پکڑا جائے گا اور خون کا بدلہ خون' تو بھی پھانسی پر چڑھے گا۔ یہ سن کر قاتل کو کچھ ایسا جوش آیا کہ اپنے پیٹ میں خنجر بھونک لیا اور مر گیا۔ سنا گیا ہے کہ وہ مجروح جس پر اس نے تلوار کا حملہ کیا تھا' ابھی تک زندہ ہے۔

ایک دلال کو جس کا نام رسن تھا' ڈاکوؤں نے جنگل میں گھیر لیا اور جو کچھ مال و متاع تھا' وہ سب چھین لیا اور دریا کے پاس لے جا کر پانی میں پھینک دیا تا کہ ڈوب کر مر جائے' مگر اس کی زندگی باقی تھی' تیرنے لگا۔ جب ڈاکوؤں نے دیکھا کہ شکار زندہ سلامت ہاتھ سے جاتا ہے' قریب پہنچ کر دو تین ہاتھ تلوار کے مارے' تب بھی اس کا رشتہ حیات منقطع نہیں ہوا تو پانی سے نکال لائے اور ہاتھ پاؤں کاٹ کر گڑھے میں ڈال دیا۔ بیچارہ دلال آدھی رات تک تڑپتا رہا مگر کوئی فریاد رس نہ ہوا۔ آخر ڈاکوؤں نے اوپر سے تلوار کا ایک ہاتھ ایسا مارا کہ سر تن سے جدا ہو گیا۔ غریب نے مصیبت سے نجات پائی۔ کئی دن کے بعد پولیس کے عملہ کا اُدھر سے گذر ہوا' نعش کے ٹکڑے ٹکڑے دیکھ کر تحقیقات شروع کر دی۔ کئی دن کی تلاش اور جستجو کے بعد ان میں سے ایک ڈاکو کو گرفتار کیا گیا' جس نے تمام حالات قلم بند کرائے۔ پولیس کی کوشش قابل تعریف ہے کہ اس طرح نامعلوم واقعہ کا کس خوبصورتی سے کھوج نکالا۔ یقین ہے کہ جس طرح سے یہ ایک ڈاکو گرفتار ہوا ہے' دوسرے ڈاکو بھی گرفتار ہو جائیں گے اور اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے۔

۱۲۔مارچ ۱۸۴۷ء۔ نواب معظم الدولہ بہادر کی عرضی اس مضمون کی بادشاہ سلامت کی خدمت میں پہنچی کہ جھروکے کی زمین پر فالیز کی کھیتی کی وجہ سے اس قدر غلاظت و کثافت جمع ہو جاتی ہے کہ جس سے بیماریوں کے پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ وہاں کے آنے جانے والے لوگ بدبو سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ اگر فالیز کی کھیتیاں وہاں سے اٹھا دی جائیں تو غالباً اس قدر کوڑا کرکٹ جمع نہ ہوگا۔ امید ہے کہ حضور انور اس بارے میں کسی مناسب کارروائی کے جاری ہونے کا حکم نافذ فرمائیں گے۔ ارشاد ہوا کہ فالیز کی کھیتیاں آج سے تو ہیں نہیں' عرصہ دراز سے ایسا ہوتا چلا آتا ہے۔ آج تک کسی نے بیماری کا خدشہ ظاہر نہیں کیا۔ اب یہ کیسی نئی بات آپ نے لکھی ہے۔ بہر حال اطبائے حاذق سے اس بارہ میں مشورہ لیا جائے گا۔ اگر ان کے نزدیک فالیز کی موجودہ صورت اندیشہ ناک ہے اور اس سے بیماریوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے تو یقیناً فالیز کی کھیتی باڑی کے متعلق ممانعت کا حکم جاری کر دیا جائے گا۔ بعض ارکین سلطنت نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت کو

نواب معظم الدولہ نے جو کچھ اپنے عریضہ میں لکھا ہے اس سے مطلب محض رفاہ عام ہے اور بہبودی خلائق کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد اس میں پوشیدہ نہیں ہے۔ آئندہ حضور اقدس کی جو مرضی مبارک ہو وہ سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہے۔ ہم غلاموں کو کسی قسم کی رائے زنی کا حق نہیں ہے۔

(نیا نیا زمانہ تھا صفائی کی یہ دھوم دھام اس زمانہ میں کہاں تھی جو بادشاہ کی عقل میں اس کی خوبی آتی۔ اب بھی اس مقام پر فالیز ہوتی ہے اور کوئی انگریز افسر آب و ہوا کی خرابی کے لئے اس کی بندش نہیں کرتا۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت نے از راہ کمال نوازش ایک نفیس جوڑا ایک کمخواب کی قبا ایک دوشالہ ایک گوشوارہ اور سہ رقم جواہر مرزا دشاہ بہادر سلاطین کو مرحمت فرمایا۔

بادشاہ سلامت ایک روز حضرت سید محمود بحاری کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر قیام فرمایا۔ تبرک اور دستار حاصل کرنے کے بعد واپس تشریف لائے۔

(حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے ہم عصر تھے۔ ان کا مزار موضع کیلوکھری میں ہے جو مقبرہ ہمایوں کے جنوب میں ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مجذوب نما بزرگ تھے۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت قصبہ بلاس پور میں شکار و تفریح کی غرض سے تشریف لے گئے۔ مرزا محمد شاہ رخ بہادر کی عرضی پیش ہوئی۔ جواب میں تحریر فرمایا کہ اپنے ہمراہی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب کو اطلاع دے دو کہ زر قرضہ کی دستاویزات اپنے رشتہ داروں میں سے کسی معتبر آدمی کے ذریعہ ملاحظہ کے لئے بھیج دیں۔

کنور سانگ رام کے لڑکے کنور گوپال سنگھ کی شادی میں بادشاہ سلامت نے خلعت فرخ سیری جامہ کمر بند سہرہ مقیشی روانہ فرمایا اور کنور کا لقب دیا اور حکم دیا کہ شاہی خرچ سے کنور گوپال سنگھ کی شادی کا جلوس شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ نکالا جائے۔ بادشاہ سلامت کے اخلاق کا یہ حال ہے کہ رعایا کے ساتھ ہر موقعہ پر انعام و اکرام کا سلوک فرماتے رہتے ہیں۔

(ہندو مسلمان دونوں اقوام کے ساتھ بہادر شاہ کا یکساں مشفقانہ سلوک تھا اور دونوں قومیں ان کو باپ سمجھتی تھیں۔ حسن نظامی)

صاحب کلاں بہادر کے نام شقہ جاری فرمایا کہ مدرسہ غازی الدین خاں مسجد فتح پوری اور مسجد اکبر آبادی اہل کاران شاہی کے سپرد کر دی جائیں تا کہ انتظام و انصرام میں آسانی ہو۔

(اب صرف مسجد فتح پوری چاندنی چوک میں باقی ہے۔ اکبر آبادی مسجد کا نام و نشان مٹ گیا۔ جہاں اب ایڈورڈ پارک ہے اس جگہ یہ مسجد تھی۔ حسن نظامی)

خبر ہے کہ بادشاہ انگلستان کی عدالت سے فرمان جاری ہوا ہے کہ بہادر شاہ بادشاہ خلد اللہ ملکہ کے مرتبہ و اعزاز میں کسی قسم کی کمی نہ ہونے پائے اور حضور بادشاہ دہلی کے لئے قدیم دستور کے موافق تمام معمولات شاہی کا سرانجام ہوتا رہے۔

۱۹۔ مارچ ۱۸۴۷ء۔ جنرل اختر لونی صاحب کی زوجہ مبارک النساء بیگم صاحبہ کی عرضی بابت دعویٰ زر قرضہ

بادشاہ سلامت کے ملاحظہ سے گزری۔ حکیم احسن اللہ خاں اور کنور دیبی سنگھ کو ارشاد ہوا کہ تحقیقات کے بعد اصل حالات کی رپورٹ کی جائے۔ (جنرل اختر لونی فرانسیسی تھا۔ اس نے مسلمان عورت سے شادی کی تھی۔ حسن نظامی)

سید یوسف علی داروغہ کو بادشاہ سلامت نے سعید الدولہ خان بہادر کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

مرزا محمد تقی بہادر سلاطین کو جو اودھ سے آئے ہیں۔ بادشاہ سلامت نے ایک کمخواب کی قبا، دوشالہ، گوشوارہ، دستار، سہ رقم جواہر مرحمت کر کے معزز و ممتاز فرمایا۔

مختار الدولہ وحید الدین احمد خاں بہادر کو خلعت پنج پارچہ اور سہ رقم جواہر عطا فرمایا۔

حضور انور نے اہل کاروں کو حکم دیا کہ نواب شرافت محل بیگم صاحبہ کے قرض کا مقدمہ حساب کے ساتھ محکمہ ایجنٹی میں منتقل کر دیا جائے۔

خط نسخ کا ایک قطعہ اپنے دست مبارک کا لکھا ہوا بادشاہ سلامت نے مرزا ولی عہد بہادر کو مرحمت فرمایا۔

کارپردازان کو حکم دیا گیا کہ محکمہ ایجنٹی میں روانہ کرنے کے لئے اضافہ تنخواہ کے کاغذات مرتب کر کے ہمارے ملاحظہ کے لئے بہت جلد پیش کرو۔

فرقہ مداریہ ملنگ کے سرگروہ ایرانی شاہ کو بادشاہ سلامت نے خلعت پارچہ اور دو اشرفیاں عطا فرمائیں اور ان کے مریدوں میں سے ہر ایک کی دعوت فرما کر سب کو دل شاد کیا اور اس کے ساتھ نقدی بھی مرحمت فرمائی۔

قرض خواہوں کی عرضیاں زیادہ تعداد میں حضور انور کے ملاحظہ کے لئے پیش کی گئیں۔ خواجہ احسن اللہ خاں سے فرمایا کہ شاہی دفتر کے کاغذات سے ان کو مطابق کر کے حقیقت حال کی رپورٹ پیش کرو۔

شام کے وقت کبوتر بازی کا تماشہ ملاحظہ فرمانے کے لئے تشریف لے گئے۔ حاضرین نے حضور کی توجہات خاص پر اظہار عقیدت کیا۔

ایک دن بادشاہ سلامت باغ سلیم گڈھ میں تشریف لے گئے۔ نواب زینت محل بیگم صاحبہ و شاہ آبادی بیگم صاحبہ و تاج محل بیگم صاحبہ بندوق کی نشانہ بازی میں مشغول تھیں۔ بڑی دیر تک نشانہ بازی کے تماشے میں معروف رہے۔

(یہ تینوں بیگمات بہت منظور نظر تھیں۔ بندوق چلانے کا شوق تو نور جہاں کے وقت سے اس خاندان کی تمام عورتوں کو تھا۔ آج کل کی عورتیں ناٹک کا تماشہ دیکھنا کافی سمجھتی ہیں یا بناؤ سنگھار کر کے ہوا خوری کو چلا جانا۔ جنگی کرتبوں کا کسی کو بھی شوق نہیں ہے۔ حسن نظامی)

محبوب خواجہ سرا کا عریضہ پہنچا کہ قدم شریف کے میلہ سے جب مرزا جواں بخت بہادر واپس تشریف لا رہے تھے تو چند بدمعاشوں نے انگریزی سپاہیوں کی اعانت سے ان کو گھیر لیا۔ گھوڑا اور ایک بٹوہ جس میں تین اشرفیاں تھیں اور ایک چاندی کی ہیکل چھین کر لے گئے۔ بادشاہ سلامت نے یہ خبر وحشت اثر سن کر صاحب کلاں بہادر کے نام اطلاع بھیجی کہ ایسے بدمعاشوں کو قرار واقعی سزا دینی چاہئے۔ بادشاہ سلامت سے عرض کیا گیا کہ اس کارروائی کی نقل انگریزی ایجنٹی کے محکمہ فوجداری میں بھی ضرور ارسال ہونی چاہئے تاکہ مناسب کارروائی عمل میں آ سکے۔ (تعجب ہے کہ بادشاہ کا اس قدر لاڈلا بیٹا میلہ میں جائے اور بدمعاش لوگ اس کا گھوڑا تک چھین لیں۔ کیا دلی کے باشندوں نے بھی مدد نہ کی اور انگریزی

سپاہیوں کی شرکت کا لفظ بھی حیرت میں ڈالتا ہے۔ غالباً اس واقعہ کے اندر اور کوئی راز پوشیدہ ہے جو اخبار والے کو معلوم نہیں ہوا ہے۔ بہادر شاہ جواں بخت کی ولی عہدہ چاہتے تھے اور انگریز اس کے خلاف تھے۔ حسن نظامی)

۲۶- مارچ ۱۸۴۷ء۔ دہلی کے قید خانہ سے ایک قیدی موقعہ پا کر کہیں نکل گیا۔ پہاڑ گنج کے تھانہ دار کو کسی نے خبر پہنچائی کہ دہلی سے متصل راجہ بھرت پور کے جو دیہات میں فرار شدہ قیدی کہیں ان میں روپوش ہے۔ مجسٹریٹ سے اجازت لے کر تھانہ دار صاحب سارے دیہاتوں میں مارے مارے پھرے گھر گھر چھان ڈالا مگر قیدی کا کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر مایوس ہو کر چلے آئے۔ ان کی اس جانفشانی کے صلہ میں مجسٹریٹ نے بیس روپے انعام عطا کئے۔ انہوں نے لینے سے انکار کیا اور کہا اگر میں قیدی کو گرفتار کر کے حضور میں پیش کر دیتا تو البتہ انعام کا مستحق تھا۔ ایسی حالت میں کہ مقصود میں ناکام رہا انعام لینا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ مجسٹریٹ نہایت نیک نفس آدمی تھا۔ اس نے کہا تم نے اپنی کوشش میں کمی نہیں کی۔ ملنا نہ ملنا خدا کے ہاتھ میں ہے اس لئے تمہیں انعام تمہاری کوشش کے صلہ میں دیا جاتا ہے۔ آخر کار تھانہ دار نے بہت اصرار کے بعد انعام لے کر مجسٹریٹ کی قدر دانی کا شکریہ ادا کیا۔

اسباب جنگ سے لدی ہوئی تخمیناً سو گاڑیاں شاہجہاں آباد سے دیار مغرب کی طرف روانہ کی گئی ہیں۔

راجہ بیجی سنگھ ساگر رام نے اپنے لڑکے کی شادی کی تقریب میں بڑے پیمانہ پر دعوت کا انتظام کیا تھا۔ اس جشن دعوت میں انگریز صاحبان بھی رونق افروز ہوئے تھے۔ دعوت میں طرح طرح کے تکلفات اور ساز و سامان کا انتظام کیا تھا۔ اب یہ شادی خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہو گئی ہے۔ تاریخ دہلی میں یہ شادی بھی یادگار رہے گی۔

حضور والا نے سلیم گڈھ کے آس پاس تمام حصہ میں چند عمارات کے تیار کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ چنانچہ پائیں باغ کا تمام حصہ عمارات میں شامل ہو گیا ہے۔ (اب یہ تمام عمارات نابود ہو گئیں۔ قلعہ سلیم گڈھ میدان کر دیا گیا۔ حسن نظامی)

کچھ دنوں سے دہلی کی آب و ہوا میں گرمی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ سردی رخصت ہو رہی ہے۔ ہولی کا تہوار دہلی میں بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا تھا۔ ایسی رونق اور چہل پہل دوسری جگہ دیکھنے میں بہت کم آتی تھی مگر اب کے خدا جانے کس وجہ سے اس تہوار میں پچھلی سی رونق کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔

نذرانہ کا ایک لاکھ روپیہ خزانہ انگریزی سے بادشاہی خزانہ میں داخل کیا گیا۔

راجہ بیجی سنگھ کو حکم ہوا کہ مرزا ولی عہد بہادر کی تنخواہ کے پانچ ہزار پانچ سو چھپن روپیہ ان کے نام روانہ کر دیئے جائیں اور دوسرے کارخانوں کی تنخواہ بھی تقسیم کر دی جائے۔

ماہ مارچ کی ابتدائی تاریخوں میں بادشاہ سلامت نے تاج محمد دربان کو بلا کر حکم دیا کہ ریزیڈنٹ بہادر کے پاس جاؤ اور ہماری طرف سے کہو کہ آج ظہر کے وقت حضور انور قطب صاحب کی درگاہ میں تشریف لے جائیں گے اور تین گھڑی رات گذرنے پر قلعہ معلی میں واپس تشریف لائیں گے۔ ہمارے آتے جاتے وقت سپاہیوں کی کمپنی اور توپ خانہ کا انتظام ہونا چاہئے۔ تاج محمد نے حضور انور کی طرف سے یہ پیغام ریزیڈنٹ بہادر کے پاس پہنچا دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بات خلاف قانون ہے کہ تین گھڑی رات گذرنے کے بعد سپاہیوں کو کمربستہ حاضر ہونے کا حکم دیا جائے۔ تاج محمد

نے جب یہ خبر پیشگاہ خسروی میں بیان کی تو حکم ہوا کہ جاؤ ریزیڈنٹ سے جا کر کہو کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو خلاف قانون ہو۔ حضرت والد مرحوم کے وقت میں ہمیشہ کمپنی کے سپاہی رات کو کمر باندھ کر حاضر ہوا کرتے تھے۔ دربان نے پھر ریزیڈنٹ بہادر کے پاس جا کر فرمان شاہی پہنچایا۔ ریزیڈنٹ نے کہا اچھا فرمان شاہی کی تعمیل کی جائے گی۔

مارچ کی تیسری تاریخ کو نواب حامد علی خاں کے دولت خانہ پر ان کے بھانجا کے ختنہ کی تقریب میں ایک محفل منعقد ہوئی۔ ہندو مسلمان سرداروں کا بارونق مجمع تھا۔

۲-اپریل ۱۸۴۷ء۔ مرزا سور بہادر نے جو مہر سلطانی کی جعل سازی کے جرم میں قید تھے بادشاہ سلامت کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا کہ میں درد گردہ کی وجہ سے زندگی سے مایوس ہو گیا ہوں۔ اگر از راہ مرحمت خسروانہ مجھے قید سے نجات دی جائے تو شاید میری زندگی دوبارہ ہو جائے۔ حضور والا نے فرمان صادر کیا کہ اچھا تم جاؤ۔ اپنے بال بچوں میں بود و باش اختیار کرو مگر تمہاری نگرانی کے لئے تمہارے مکان پر دو خواجہ سراؤں کو مقرر کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد بادشاہ سلامت نے حضور قطب الاقطاب کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر فاتحہ خوانی کی۔ نیاز دلائی۔ تبرک لے کر دولت خانہ معلی پر واپس آئے۔ آمد و رفت کے موقعہ پر انگریزی و شاہی توپ خانہ سے سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔ اثنائے راہ میں کسانوں نے گلدستے کے تحفے اور نذریں بادشاہ دہلی خلد اللہ ملکہ کی خدمت میں پیش کرنے کا افتخار حاصل کیا۔

نواب شاہ آبادی بیگم صاحبہ نے احمد خاں نامی کو آبدار خانہ کی داروغگی کا عہدہ مرحمت فرمایا اور اس کے ساتھ ہی خلعت سہ پارچہ اور دو رقم جواہر ایک عمدہ پالکی کا تحفہ بھی عطا کیا۔ بادشاہ سلامت نے محمد حسین بیگم کے بھائی کو ان کی والدہ کی وفات کے موقعہ پر خلعت سہ پارچہ اور خواجہ بار اور میر ہدایت علی سرچو کی خواصوں کو خلعت دو پارچہ مرحمت فرمایا۔

حضور بادشاہ سلامت نے نواب معظم الدولہ بہادر کی چٹھی کو ملاحظہ فرما کر کارکنان دفتر کو حکم دیا کہ جنرل ڈیوڈ اختر لونی صاحب کی زوجہ مبارک النساء کے زر قرضہ کی فہرست مرتب کر کے بہت جلد ہمارے ملاحظہ میں پیش کرنی چاہئے۔

رامپور کے ایک درویش امیر شاہ بادشاہ سلامت کی ملاقات سے شرف یاب ہوئے۔ بہت دیر تک معارف و حقائق کی گفتگو ہوتی رہی۔ میر احمد علی کا ذکر آیا تو امیر شاہ درویش نے ان کی سفارش فرمائی۔ بادشاہ سلامت نے خلعت سہ پارچہ اور دو رقم جواہر مرحمت فرمائے۔

حسب دستور قدیم بادشاہ کے جسم مبارک کے وزن سے ترازو نے بلند پایہ ہونے کا شرف حاصل کیا اور وزن کے موافق غربا اور مستحقین میں خیرات تقسیم کی گئی۔

(بادشاہ کے جسم سے ترازو کے پلہ کا بلند ہونا ادب کا فقرہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کو ترازو میں تولا گیا اور ان کے وزن کے موافق غریبوں کو نقدی اور غلہ وغیرہ تقسیم کیا۔ اس کو تلادان کہتے تھے۔ حسن نظامی)

مرزا محمد شاہرخ بہادر نے جو شکار کے لئے باہر گئے ہوئے تھے بادشاہ سلامت سے بذریعہ تحریر استدعا کی کہ میرے اخراجات کے لئے کچھ روپیہ مرحمت فرما دیجئے۔ حکم ہوا کہ ان کو تین ہزار روپے بھیج دیئے جائیں۔

کنور دیبی سنگھ سے ارشاد ہوا کہ ایک ہزار چالیس روپے روز مرہ کے خرچ کے لئے شاہی خزانہ میں داخل کر دو۔

ایام ہولی کے موقعہ پر ہندو سرداروں نے جو نذریں پیش کی تھیں بادشاہ سلامت نے انہیں شرف قبولیت عطا فرمایا۔

کارپردازان خلافت کو حکم دیا گیا کہ حضرت میاں کالے صاحب نبیرۂ حضرت مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کی شادی ہے۔ دس ہزار روپے ان کے خرچ کے لئے عطا کئے جائیں۔

ایک شقہ مرزا شاہ رخ بہادر شہزادہ کے نام لکھا گیا کہ تم بہت جلد شرف حضوری حاصل کرو۔ شہزادہ صاحب سیر و شکار سے فراغت حاصل کر کے کاشی پور میں تشریف لے آئے ہیں۔

تمام قرض خواہوں کے نام اطلاع نامہ بھیجا گیا کہ دو دن کے اندر اندر اپنے اپنے دعووں کے ثبوت دربار شاہ میں پیش کریں۔

ارشاد ہوا کہ ہماری دادی قدسیہ بیگم صاحبہ کے عرس کے مصارف کے لئے مرزا عبداللہ شاہ کو ایک سو پچیس روپے دے دیئے جائیں تاکہ انتظام میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔

بادشاہ سلامت سے عرض کیا گیا کہ نواب حسینی بیگم صاحبہ زوجہ مرزا سلیم شاہ بہادر مرحوم نے اطلاع دی ہے کہ باغات سرہندی و روشن آرا وغیرہ کی آمدنی جو کلکٹری میں جمع ہے ضمانت دینے کے بعد وصول کر لی جائے گی۔

حضور بادشاہ دہلی خلد اللہ ملکہ نے مرزا مینڈھو بہادر کو ایک بندوق عطا فرمائی۔

عرض کیا گیا کہ حضور انور نے جو اراضی جامع مسجد کے پاس مرزا محمد بخش سلاطین کے نام ہبہ فرمائی تھی اور کچھ باتیں درمیان میں فیصلہ طلب تھیں ان کی نسبت صاحب کلاں بہادر نے مرزا صاحب کو لکھا کہ تصفیہ طلب امور کو فوراً صاف کر لیا جائے۔ اس کے بغیر کوئی کارروائی کی گئی تو حضور انور کے نزدیک جائز متصور نہیں ہوگی۔

اخبار "فوائد الناظرین" میں یہ خبر پڑھ کر بے انتہا افسوس ہوا کہ دہلی کے نامور اور صاحب وقار رئیس اعظم نواب شیر جنگ بہادر نے دنیائے فانی سے دار البقا کی جانب رحلت فرمائی۔

۹-اپریل ۱۸۴۷ء۔ مرزا الٰہی بخش سلاطین نے (یہ وہی مرزا الٰہی بخش ہیں جنہوں نے بہادر شاہ کی گرفتاری میں برٹش سرکار کو مدد دی تھی۔ حسن نظامی) بادشاہ سلامت کے حضور میں حکیم احسن اللہ خاں کی شکایتیں کیں۔ بادشاہ سلامت نے حکیم صاحب کی طرف دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور والا اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ جب سے بعض ایسے مکانوں کے متعلق جو حضور والا کے خدام کی تولیت میں تھے' یہ مشہور ہوا ہے کہ وہ آج کل انگریزی قبضہ میں ہیں' بعض حضرات کو مجھ سے بدگمانی ہوگئی ہے۔ میری تو یہ حالت ہے کہ میں نے ہر نرائن کے بھائی جگن ناتھ کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ حضور کا زر مطلوبہ فوراً خزانہ شاہی میں داخل کر دے' مگر شیو لال متصدی نے اسے بہکا سکھا کر کام خراب کر دیا۔ ارشاد ہوا کہ اگر ہر نرائن معتمد معقول آدمی ہوتا تو وہ ہرگز خزانہ انگریزی کا روپیہ نہ کھاتا' بلکہ اس کے بدلے زہر کھا کے مر جاتا۔ اس واقعہ کے دوسرے دن مرزا الٰہی بخش لالہ جگن ناتھ کو لے کر حاضر ہوئے اور حضور انور کے حسب الارشاد ایک ہزار سات سو روپیہ بابت دفعہ اول اور چھ سو روپیہ بابت دفعہ ثانی پیش کیا۔ حضور والا نے اس کے اس روپے کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو بیان کرو۔ انشاء اللہ تمہاری بات رد نہ کی جائے گی۔

بادشاہ سلامت نے نواب معظم الدولہ بہادر کے نام ایک شقہ جاری فرمایا کہ حضور قطب الاقطاب کی درگاہ شریف جاتے وقت راستہ میں جو پل پڑتا ہے اُس کی مرمت کی جائے۔ اس کام کے واسطے تین سو روپے کی منظوری دی جاتی ہے۔ اس حکم کی تعمیل میں دیر نہ ہو کیونکہ پل بہت شکستہ ہے اور آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

مرزا محمود بہادر خلف مرزا مرخ بہادر کا نکاح مرزا محمود شاہ بہادر کی صاحبزادی سے پانچ لاکھ مہر کے عوض منعقد ہوا تھا۔ بادشاہ سلامت نے اپنی طرف سے سہرہ منقیشی مرحمت فرمایا (ہر شخص کی شادی غمی میں شاہی امداد ہوتی تھی۔ انہی کثیر مصارف کی وجہ سے بادشاہ مقروض رہتے تھے اور ان کو طبلی کا لقب ملتا تھا۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت رات کو زیر جھروکہ قدسیہ تشریف لے گئے کیونکہ یہاں نواب اعتماد الدولہ سید حامد علی خاں بہادر کے نواسے کے ختنہ کی تقریب میں چراغاں کیا گیا تھا اور آتش بازی اور گلکاری کا انتظام بھی بہت اعلیٰ پیمانہ پر تھا۔ حضور انور کے قدموں کے نیچے جو عمدہ عمدہ ولایتی مخملیں اور اطلس و کمخواب کے کپڑے بچھائے گئے تھے وہ سب غریبوں، مسکینوں اور اپاہج بڑھیا عورتوں کو بانٹ دیئے گئے۔ (یہی ہے وہ دلی جو دلی کی موجودہ حالت کو دیکھ کر بے اختیار کہواتی ہے کہ آہ دلی کا آخری سانس کس قدر رجیر تناک تھا۔ اب تو مزاروں پر مٹی کا تیل بچھایا جاتا ہے۔ حسن نظامی)

بادشاہ خلد اللہ ملکہ نے کرسی زرنگار پر جلوس فرمایا۔ نواب صاحب اور ان کے ہمراہیوں نے نذریں پیش کیں۔ اشرفیوں اور روپوں کے علاوہ تین کشتیاں کمخواب اور اطلس اور گلبدن کے تھانوں کی، دوشالے جامدانی کے دوپٹے بنارسی دوپٹے، جواہرات سے بھری ہوئی ایک کشتی، ذرتن طلائی مرصع کا ایک جوڑ ولایتی تلواروں، بندوقوں، تمنچوں کی تین کشتیاں، عطر کی شیشیاں، گوٹہ اور پھولوں کے خوان اور طرح طرح کے میووں کے ستر خوانوں کے تحفے نذر میں پیش ہوئے۔ جہاں پناہ نے اس کو قبول فرمایا۔ (بادشاہی عطیات سے نواب صاحب کا گھر بھرا ہوا تھا۔ پھر بادشاہ کی خدمت میں اس کو پیش کر دیا تو تعجب کی کیا بات ہے۔ حسن نظامی)

بادشاہ سلامت کے اقربا اور اراکین کے لئے پھولوں کے ہار اور رین پنکھے پیش کئے گئے۔ آتشبازی وغیرہ سے محفل بقعہ نور بن گئی۔ اس سیر و تماشے سے جب فرصت ہوئی تو حضور والا شبستان اقبال میں تشریف لے گئے (یعنی دولت خانہ میں)۔

نواب حامد علی خاں کے دوست خدمتی خاں نے ایک ولایتی بندوق حضور والا کی خدمت میں پیش کی۔ کنور دیبی سنگھ نے حضور انور کے حسب الارشاد پانچ سو روپے لا کر پیش کئے۔

مرزا محمد شاہ رخ بہادر کے نام شقہ جاری فرمایا گیا کہ چونکہ اب سردی کا موسم ختم ہو گیا ہے اور گرمیاں آ رہی ہیں لہٰذا شکارگاہ سے واپس آ جاؤ اور بہت جلد ہمارے دربار میں پہنچ کر سعادت اندوز ہو۔

مرزا غلام فخر الدین بہادر شہزادہ نے اپنے بچے کے دودھ چھٹنے کی خوشی میں رنڈیوں کے چار طائفوں کا ناچ کرایا تھا۔ حضور انور اس محفل میں شریک ہو کر بہت محظوظ ہوئے۔

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے مزار کے خدام حاضر ہوئے اور تبرکات پیش کئے۔ حضور نے سو روپے مرحمت فرمائے۔ ان کے جانے کے بعد حضرت شاہ شرف بو علی قلندر کی درگاہ کے خدام حاضر ہوئے اور تبرکات پیش کئے۔

حضورانور نے پچیس روپے مرحمت فرمائے۔

عرض کیا گیا کہ راجہ روپڑا اپنے افعال کی پاداش میں ریاست سے علیحدہ کر دیا گیا اور آج کل سہارنپور میں ہے۔ سرکار انگریزی نے اس کے گزراوقات کے لئے ستائیس ہزار روپیہ سالانہ مقرر کیے ہیں۔

(اس قسم کی اطلاعات کا جس قدر اوپر ذکر آیا ہے یہ اخبار نویس اور شاہی مخبروں کی خبریں ہوتی تھیں جو سرکاری نوکر تھے۔ حسن نظامی)

۲۳-اپریل ۱۸۴۷ء۔ ارشاد ہوا کہ حضرت ولی عہد بہادر اور تمام اولاد اور سلاطین قلعہ شاہزادہ مرزا محمد شاہ رخ بہادر کی فاتحہ خوانی کے لئے مسجد جہاں نما (جامع مسجد دہلی کا نام جہاں نما ہے) میں جمع ہوں۔ یکے بعد دیگرے سب لوگ مسجد میں جمع ہو گئے۔ مسجد بھر گئی تو مرزا عبداللہ بہادر نے اپنے والد ماجد مرزا محمد شاہ رخ بہادر مرحوم کی وفات کی کیفیت' علاج کی ناموافقت' حکیم محمد اسمٰعیل خاں کی بے توجہی از اول تا آخر بیان کی۔ یہ سنتے ہی حضور انور کا مزاج جادۂ اعتدال سے منحرف ہو گیا (یعنی غصہ آ گیا) حکم ہوا کہ حکیم محمد اسمٰعیل اور ان کے لڑکے کو ان کے ساتھیوں سمیت ایک دم قلعہ سے نکال دیا جائے اور ان کی تنخواہیں موقوف کر دی جائیں اور ان سے کہہ دیا جائے کہ آئندہ ہرگز ہرگز قلعہ میں آنے کا نام نہ لیں۔ بادشاہ سلامت کے اس حکم سے سناٹا چھا گیا۔ ایک تو پہلے ہی مجلس ماتم کدہ بنی ہوئی تھی۔ اس بات سے اور زیادہ غم و اندوہ برسنے لگا' حالانکہ قضا پر کس کا زور چلتا ہے۔ حکیم ہو یا ڈاکٹر سب بیماریوں کا علاج جانتے ہیں۔ موت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ شہر میں مشہور ہے کہ حکیم محمد اسمٰعیل نے علاج میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تھی بلکہ ان کے علاج سے کسی قدر افاقہ ہی تھا۔ حکیم صاحب کی دواؤں کے اثر سے یہ حالت تھی کہ شہزادہ مرحوم دس سیر دودھ اور پانچ سیر گوشت کی یخنی روزانہ نوش فرماتے تھے۔ حکیم محمد اسمٰعیل واقعی حکیم حاذق ہیں' بہت تجربہ کار ہیں اور فن طب میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ حکیم صاحب نے علاج کرنے میں بے پروائی اور ناتجربہ کاری کی بنا پر ایسی دوائیں استعمال کرائی ہوں کہ جن کی وجہ سے شہزادہ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور دنیا کی نعمتوں سے کنارہ کش ہو کر ملک بقا کو سدھارے۔

بات یہ ہے کہ ارباب غرض سے خدا بچائے۔ یہ ہر جگہ ایسی چپڑ لگا دیتے ہیں کہ معاملہ ہوتا ہے کچھ اور مشہور کچھ اور ہو جاتا ہے۔ چند مطلب خوروں نے خواہ مخواہ مرزا عبداللہ کو بھر دیا اور انہوں نے بھری مجلس میں اپنے خیالات کا اظہار کر کے حضورانور کے مزاج اقدس کو برہم کر دیا۔ افترا پردازوں اور حاسدوں کا کچھ نہیں گیا اور حکیم صاحب پر ناحق عتاب شاہی نازل ہوا' حالانکہ شہزادہ کی طبیعت پہاڑوں کی زہریلی آب و ہوا اور اس شکار کی دوڑ دھوپ کی وجہ سے زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ خیر اللہ تعالیٰ شہزادہ غفران مآب کو فردوس اعلیٰ کے محلات مرحمت فرمائے اور ہم سب کو توفیق صبر دے (مرزا شاہ رخ بہادر کے بیٹے مرزا عبداللہ غدر ۱۸۵۷ء میں ہڈسن کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حسن نظامی)۔

قصہ مختصر مرزا عبداللہ شہزادہ کے بیان اور حضورانور کے حکم کے بعد سب اہل مجلس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر فاتحہ خوانی اور ختم کلام اللہ کی محفل ہوئی اور حضار مجلس میں تبرک تقسیم کیا گیا (روزنامچہ لکھنے والے کو حکیم جی نے کچھ دے کر یہ لکھوا دیا ہوگا۔ حسن نظامی)

حضور والا نے اپنی زبان مبارک سے مرشد زادۂ خلد آشیاں کے متعلقین سے مخاطب ہو کر کلمات صبر و تسکین ارشاد فرمائے اور کہا کہ حکم الٰہی میں کس کا چارہ ہے۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ کل من علیھا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام○

اس کے بعد حضور والا نے تعزیت کے طور پر خلعت ہائے فاخرہ 'کمخواب کی قبا' دستار' کانوں کے مرصع بندے' دوشالہ صاحبزادیوں کو اور صاحبزادے کو مرحمت فرمائے اور ارشاد کیا کہ عدت گزرنے کے بعد مرحوم کی بیگم صاحب کو بھی معمول کے موافق خلعت دیا جائے گا۔

جو سوداگران اور ہاتھی شکار گاہوں میں مرشد زادہ جنت مکان کے ساتھ رہتے تھے' ان کو بھی واپسی کا حکم دیا گیا۔ چونکہ راجہ بھولا ناتھ نے حضور پیران پیر غوث الاعظم دستگیر کے عرس کے فرائض کو خیر و خوبی کے ساتھ انجام دیا تھا اس لئے بادشاہ نیک خیال و نیک پسند نے انہیں خلعت شش پارچہ اور سہ رقم جواہر مرحمت فرمایا۔

راجہ جواہر سنگھ کیدان سپاہ فوت ہو گئے۔ نواب حامد علی خاں نے اس منصب کے لئے دو ہزار روپیہ نذرانہ پیش کیا اور مولوی تیغ علی کیدانی کے عہدہ پر مقرر ہوئے۔ بادشاہ سلامت نے از راہ عنایت خسروانہ خلعت پنج پارچہ و سہ رقم جواہر سے معزز و ممتاز فرمایا۔

کنور دیبی سنگھ سے ارشاد ہوا کہ تم جس طرح سے مرزا محمد شاہرخ بہادر مرحوم کی عین حیات میں ہمدردی اور وفاداری کے ساتھ ان کے کاروبار کا انتظام کرتے تھے' اب بھی اسی طرح اپنے فرائض کو انجام دیتے رہو اور اپنے معمول میں دستور قدیم کی نسبت کوئی فرق نہ ہونے دینا۔

ظفر علی خاں نے اپنے لڑکے کی شادی کی تقریب میں نذرانہ پیش کیا اور حضور انور نے ان کو خلعت فرخ سیری اور سہرۂ مروارید کے عطیہ سے سرفراز فرمایا۔

نواب حامد علی خاں کی گزارش کے موافق حضور انور نے نتھو خاصہ تراش (حجام) کو خلعت سہ پارچہ و یک رقم جواہر اور اللہ رکھ کو خلعت سہ پارچہ اپنے دست مبارک سے مرحمت فرمایا۔ (لارڈ کرزن کے حجام کو پندرہ روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی جو روزانہ لاٹ صاحب کی ڈاڑھی مونچھ مونڈا کرتا تھا۔ حسن نظامی)

اور نواب صاحب کی استدعا کے بموجب حرم شاہی کی بیگمات کو شادی کی محفل میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت کی گئی۔

۳۰- اپریل ۱۸۴۷ء۔ حکم شاہی ہوا کہ قلعہ کے جن نوکروں نے قلعہ کے جھروکے کے نیچے کی کھیتیوں میں بینگن' کھیرا' ککڑی وغیرہ کی چوری کی ہے' انہیں مال مسروقہ کے ساتھ قلعدار بہادر کے پاس بھیج دینا چاہئے تاکہ معقول سزا دی جائے اور آئندہ ان کو اس قسم کی جرأت نہ ہو۔ ان چوروں کو جب شاہی فرمان کی خبر ہوئی تو دوڑے ہوئے خدمت والا میں حاضر ہوئے اور رونا دھونا شروع کیا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ یوں بھی ہم حضور ہی کے نمک خوار ہیں اور اس طرح بھی حضور کی ہی مہربانیوں سے اپنا پیٹ پالنا چاہتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں کہ آئندہ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ کرم فرمایئے اور اللہ اس قصور کو معاف فرما دیجئے۔ بادشاہ سلامت نے ان کی آہ و فریاد پر نظر کر کے ان کے قصوروں کو معاف فرما دیا۔ (دیکھو بادشاہ کا رحم)

عدالت فوجداری سے نواب معظم الدولہ بہادر کے نام اطلاع آئی کہ بادشاہی مست ہاتھی شہر میں چاروں طرف دوڑتا پھرتا ہے۔ اس نے دریائے جمنا کے پاس دو آدمیوں کو زخمی بھی کر دیا۔ نواب معظم الدولہ نے اس واقعہ کی بادشاہ سلامت کو اطلاع دی۔ حکم شاہی ہوا کہ آئندہ سے کبھی مست ہاتھی کو اس طرح آزاد نہ رکھنا چاہئے بلکہ اس کے پیروں میں زنجیر ڈال کر فیل خانہ میں مقید کر دینا چاہئے۔

مرزا محمد شاہرخ بہادر مرحوم کے بڑے صاحبزادے کو بادشاہ سلامت نے طلب فرما کر سواروں کی بخشی گری کا منصب اور علاقہ جات پدری اور کمخواب کی قبا' سہ رقم جواہر' دوشالہ' دستار سربستہ' شمشیر' گھوڑا' ہاتھی مرحمت فرمایا اور غرہ باصرہ خلافت' غرۂ ناصیہ دولت' شیر بیشہ شہامت' شہسوار میدان شجاعت غضنفر الدولہ شمس الملک مغیث الزماں مرزا محمد عبداللہ شاہ بہادر کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور منجھلے صاحبزادے کو بھی تمام کارخانوں کا دیوان مقرر فرما کر ثمر حدیقہ شہریاری' نور دیدۂ کامگاری' مہر سپہر رفعت' ماہ منیر دولت' رفیع الدولہ قطب الممالک' فخر الزماں' مرزا محمد مظفر بخت بہادر کے خطاب سے معزز و مفتخر فرمایا اور ایک کمخواب کی قبا' دوشالہ' سہ رقم جواہر' دستار' گھوڑا' ہاتھی' پالکی وغیرہ سامان مرحمت ہوا۔

(یہی مرزا عبداللہ غدر کے بعد جیل خانہ دہلی کے سامنے مسٹر ہڈسن کے ہاتھ سے مارے گئے۔ جس کا ذکر "دہلی کی جاں کنی" میں ہو چکا ہے۔ حسن نظامی)

اور سب سے چھوٹے صاحبزادے کو سپاہیوں کی پلٹن کی بخشی گری کے عہدہ پر مقرر کیا اور ایک کمخواب کی قبا' دو شالہ' سہ رقم جواہر' دستار' سپر' تلوار' ہاتھی' گھوڑا' پالکی مرحمت فرمائی اور گوہر درج خلافت' اختر برج سلطنت' یکہ تاز میدان شجاعت' نہنگ دریائے شہامت' مغیث الدولہ' فخر الممالک' محی الزماں مرزا محمد خرم بخت بہادر کے خطاب سے سربلند و سرفراز فرمایا۔

(اب یہ صرف الفاظ ہی باقی ہیں نہ وہ رہے جنہوں نے دیئے تھے' نہ وہ رہے جنہوں نے لئے تھے۔ سدا نام رہے اللہ کا۔ حسن نظامی)

کنور سالگرام کو امین بخشی گری کا عہدہ اور خلعت شش پارچہ اور سہ رقم جواہر اور ان کے لڑکے کنور گوپال سنگھ کو خلعت پنج پارچہ و سہ رقم جواہر اور فخر الممالک بہادر کے پیشکار رام جی اس کو خلعت چہار پارچہ' سہ رقم جواہر اور مرزا قطب الممالک کی مختاری کا عہدہ عطا فرمایا اور گوبند پرشاد کو مرزا شمس الممالک کی پیشکاری کے عہدہ کی تقریب میں خلعت سہ پارچہ اور دو رقم جواہر سے معزز فرمایا۔

ارشاد ہوا کہ سواروں کے بخشی محمد علی خاں کو مرزا عبداللہ بہادر کی ماتحتی میں اور پیادہ سپاہیوں کے کپتان کو مرزا خرم بہادر کی ماتحتی میں دے دیا جائے۔

مرزا محمد شاہرخ بہادر کے ہاتھیوں اور گھوڑوں میں سے ایک بہت عمدہ ہاتھی اور چالاک گھوڑا مرزا محمد عبداللہ بہادر کو اور ایک عمدہ اور تیز رو گھوڑا مرزا غضنفر بہادر کو اور ایک سبک خرام گھوڑا چھوٹے صاحبزادے کو اور ایک تیز رفتار گھوڑا مرزا محمد شاہرخ بہادر مرحوم کے چیلے کو مرحمت فرمایا اور حکم دیا کہ تمام گھوڑوں اور گاڑیوں کو طویلہ شاہی میں بحفاظت تمام رکھا جائے۔

ایک بندوق مرشدزادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر کو مرحمت فرمائی اور مرحوم شہزادے کے ہتھیاروں میں سے ایک ولایتی بندوق اور بعض دوسرے اسلحہ خود پسند فرما کر ارولی کو حکم دیا کہ ان کو بحفاظت تمام رکھ لیا جائے۔

مرزا عبداللہ بہادر اور حیدر خاں نے بندوق کی نشانہ بازی میں شہنشاہ جہاں پناہ کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔

جناب نواب صاحب کلاں بہادر کے نام شقہ جاری فرمایا کہ موضع تانہ جو شہزادہ محمد شاہرخ بہادر کی ملکیت میں تھا شہزادہ کی وفات کے بعد ہم نے ان کی اولاد کو مرحمت فرما دیا۔ اس کا باقاعدہ اندراج ہونا چاہئے تاکہ کسی قسم کی غلطی واقع نہ ہو۔ شہزادہ کی اولاد کو بھی اس امر کی اطلاع دے دی گئی ہے۔

ایک دوسرے شقہ میں بھی صاحب کلاں بہادر کے نام تحریر فرمایا کہ صاحب آبادی کے حمام کی پشت پر جو زمین پڑی ہوئی تھی، وہ ہم نے مسجد حسین بخش کی تعمیر کے لئے مسجد کے مہتمم کو مرحمت کر دی ہے۔

(جامع مسجد کے جنوب میں کٹرہ گوکل شاہ کے سامنے یہ مسجد و مدرسہ اب تک موجود ہے جس کو حسین بخش سوداگر نے غدر سے پہلے بنوایا تھا۔ میں نے بھی اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کی ہے۔ حسن نظامی)

۷۔ مئی ۱۸۴۷ء۔ معظم الدولہ بہادر کا عریضہ حضور انور کی نظر مبارک سے گذرا جس میں لکھا تھا کہ صاحب کلکٹر ضلع دہلی نے شیخ پور وغیرہ کے دیہات جو شاہی تولیت میں ہیں' آٹھ ہزار بہتر روپیہ میں یہاں کے زمینداروں کے نام ٹھیکہ پر دے دیئے ہیں۔ اس کے جواب میں ارشاد عالی تحریر فرمایا گیا کہ آج سے پہلے یہ دیہات بارہ ہزار روپیہ سالانہ میں ٹھیکہ پر دیئے جاتے تھے۔ کاغذات کے دیکھنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو سکتی ہے۔ گیارہ ہزار روپیہ میں تمہارے متعلق کر دیئے گئے تھے۔ تعجب ہے کہ صاحب کلکٹر بہادر نے اس قدر نقصان کیسے منظور کر لیا اور تین چار ہزار روپیہ سالانہ کے خسارہ کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔

حضور والا نے رجب علی خاں برادر نواب شاہ آبادی بیگم صاحبہ کو خلعت سہ پارچہ و یک رقم جواہر اور سلامت علی کو خلعت یک پارچہ اور قدسیہ باغ کی منصری کا عہدہ مرحمت فرمایا (رجب علی خاں اس طوائف کے بھائی تھے جس سے بادشاہ نے ابھی عقد کیا تھا)۔

مرزا رحیم بخش جو جعلسازی کی علت میں نظر بند تھے' موقعہ پا کر کہیں بھاگ گئے۔ بادشاہ سلامت کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو مجسٹریٹ بہادر کو اطلاع دی کہ ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا جائے اور ان کی تلاش میں چاروں طرف سپاہیوں کو متعین کر دیا جائے۔ ناظر قلعہ اور سپاہیوں کے کپتان کو حکم ہوا کہ جو خواجہ سرا اور پیادے چوکی پر نگرانی کے لئے متعین تھے' ان سب کو قید کر دیا جائے۔ اگر مرزا رحیم بخش گرفتار ہو جائیں تو ان کو رہا کر دیا جائے' ورنہ ان کی غفلت اور بے پرواہی کی یہی سزا ہے کہ مفرور کے حاضر ہونے تک مقید رہیں۔

نواب حامد علی خاں کے بھتیجے میر فیاض علی خاں کو ان کی شادی کی تقریب میں بادشاہ سلامت نے دستار' بالا بند سہرہ مقیشی خلعت فرخ سیری مرحمت فرمایا۔

حکیم محمد اسمٰعیل خاں کی عرضی پیش ہوئی کہ مرزا محمد شاہرخ بہادر مرحوم کے اسباب کے ساتھ یہاں جو کچھ سامان تھا' وہ مجھے مرحمت کر دیا جائے کیونکہ اس کے بغیر مجھے بہت تکلیف ہے۔ حکم ہوا کہ ان کا تمام اسباب ان کے حوالہ کر دیا

جائے۔ یہ وہی حکیم صاحب ہیں' بادشاہ سلامت نے جنہیں قلعہ کی آمد و رفت سے ممانعت کردی ہے' کیونکہ بعض حاسدوں نے شہزادہ مرحوم کے معالجے کے بارے میں ان کو متہم کر کے بادشاہ سلامت کے خیالات ان کی طرف سے بدل دیئے تھے۔

نواب حامد علی خاں بہادر کو حکم ہوا کہ ہمیں دو ہزار روپیہ کی ضرورت ہے' انتظام کر کے پیش کرو۔

نواب حامد علی خاں اور مرزا عبداللہ بہادر اور کنور دیبی سنگھ سے ارشاد ہوا کہ مرزا محمد شاہرخ بہادر کے کاغذوں کا بستہ ہمارے ملاحظہ کے لئے کوئی فرصت کا وقت دیکھ کر پیش کرو۔

بادشاہ سلامت نے ازراہ مرحمت خسروانہ نواب حامد علی خاں کے داماد کپتان ظفر علی کو جن کی عمر ستر برس کی ہے' ایک دوشالہ مرحمت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آپ ہمارے دربار میں تلوار باندھ کر آیا کریں۔ روشن علی اور سرفراز علی کو خلعت سہ پارچہ و یک رقم جواہر مرحمت فرمایا۔

چند مسلمانوں نے آکر عرض کیا کہ ہم مرزا محمد شاہرخ بہادر کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ کئی دفعہ ہم نے یہ آواز سنی کہ مرزا شاہرخ مرحوم فرمارہے ہیں کہ مجھے کیوں دفن کیا ہے۔ مجھے حضور معلی کے قدم بوس ہونے کا اشتیاق ہے' حضور معلی کو میرا پیغام پہنچا دو۔ بادشاہ سلامت یہ سن کر سخت متعجب ہوئے اور مرزا عبداللہ بہادر کو حکم دیا کہ تم ذرا جا کر دیکھنا تو سہی' یہ لوگ سچ کہہ رہے ہیں یا یونہی باتیں بنا رہے ہیں۔ مرزا عبداللہ بہادر مزار پر گئے اور کافی عرصہ تک ٹھہرے رہے۔ پھر واپس ہو کر بادشاہ سلامت سے عرض کیا کہ حضور عالی میں مزار پر حاضر ہوا اور بہت دیر تک ٹھہرا رہا۔ مجھے تو کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ لوگوں نے یونہی جھوٹ موٹ باتیں اڑا رکھی ہیں۔ بھلا یہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے کہ قبر میں سے آواز آئے۔

(چونکہ بادشاہ کو اس شہزادے سے محبت بہت تھی اس واسطے لوگوں نے بادشاہ تک رسائی کا ایک بہانہ نکالا ہوگا۔ حسن نظامی)

عرض کیا گیا کہ گل افروز بانو بیگم صاحب کی صاحبزادی لاڈو بیگم نے وفات پائی۔ حکم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ جانے کے لئے ہاتھی اور سپاہیوں کا انتظام کیا جائے۔ گیارہ روپے حاضری کے خرچ کے لئے بھی بھجوا دیئے گئے۔

چونکہ بادشاہ سلامت کی طبیعت کسی قدر ناساز تھی اس لئے منجموں کے کہنے کے موافق غلہ' گڑ' سونا' چاندی حضور انور کے جسم کے برابر تول کر فقراء غرباء میں تقسیم کر دیا گیا اور کالے کمبل وغیرہ بھی صرورت مندوں میں بانٹے گئے۔

نواب صاحب کلاں بہادر کی چٹھی کے جواب میں حضور والا نے ارقام فرمایا کہ سید احمد خاں بہادر منصف دہلی کو قلعہ مبارک کے نقشہ کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔

(سید احمد خاں سے مراد سر سید احمد خاں علی گڈھ کالج کے بانی ہیں جنہوں نے قلعہ اور تمام عمارات دہلی کی تاریخ "آثار الصنادید" کے نام سے لکھی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ریذیڈنٹ کو سید صاحب کے کام پر یہ شبہ ہوا ہوگا۔ حسن نظامی)

۱۴۔ مئی ۱۸۴۷ء۔ نواب معظم الدولہ بہادر دام اقبالہ کے نام شقہ جاری فرمایا کہ موضع کیلہ جو شاہی تولیت و قبضہ میں ہے' بردست انتظام کی غرض سے انگریزی افسران کے تحت میں کر دیا گیا ہے۔ گھسا ڈ زمیندار نے ناحق اسے مرزا تیمور شاہ کی جائداد قرار دے کر قرق کرالیا۔ صاحب کلکٹر ضلع میرٹھ کو اصل حقیقت سے مطلع کر دو تا کہ یہ کارروائی منسوخ ہو

جائے اور اس کی تمام آمدنی کا روپیہ شاہی خزانہ میں داخل ہونے کے لئے روانہ کر دو۔ اس موضع کے سات برس کے بندوبست کے لئے جو شقہ روانہ کیا گیا تھا اس کا جواب بھی حضور انور کے ملاحظہ سے گذرا۔

بہاری لال (مقصدی حویلی) کی دادی نے وفات پائی۔ بادشاہ سلامت نے تعزیت کے طور پر خلعت سہ پارچہ مرحمت فرمایا۔ کنور دیبی سنگھ کے بچا رائے پران ناتھ نے وفات پائی۔ بادشاہ سلامت نے تعزیت کے طور پران کو بھی خلعت عطا فرمایا۔

مفتی سید رحمت علی خاں کو قلعہ معلی کی فوجداری کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔

صاحب کلاں بہادر کی تحریر کے موافق کار پردازان خلافت کو حکم دیا گیا کہ تنخواہوں کے اضافہ کا نقشہ تیار کر کے جلدی حضور میں پیش کریں۔

مرزا سور بہادر کو جعل سازی کی علت میں علمائے اسلام کے فتوی کے بموجب دو سال قید کی سزا دی گئی۔ یہ سزا تاریخ گرفتاری سے شروع ہوگی۔

درگاہ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کے چند خدام حاضر ہوئے اور درگاہ معلی کے تبرکات بیگمات اور حضور انور کی خدمت میں پیش کئے۔ حضور والا نے سو روپے عنایت فرمائے۔

رام دیال گوجر کے مرنے کے بعد اس کی زوجہ کو ماتم پرسی کے طور پر ایک دوشالہ عطا کیا۔ ظہور علی شاہ درویش کے صاحبزادے کو خلعت سہ پارچہ اور سو روپے نقد مرحمت فرمائے گئے۔

مرزا کریم بخش بہادر کی وفات پر ان کے لڑکے مرزا احمد اور مرزا اختر کو ایک ایک ماتمی دوشالہ مرحمت کیا گیا۔

حکیم احسن اللہ خاں بہادر حاضر ہوئے اور طامسن بہادر سفیر متعینہ انگلستان کے خط کا ترجمہ سنایا۔ لکھا تھا کہ مجھے وجہ ستارہ کے مقدمہ سے فراغت ہوگئی ہے اور آج کل صرف معاملات شاہی کے کاموں میں مشغول اور دن رات انہی کی بہبودی میں مصروف رہتا ہوں۔

۲۱۔ مئی ۱۸۴۷ء۔ وکیل سلطانی سے ارشاد ہوا کہ خاندان تیموریہ کی وفات وولادت کے جو نقشے تیار ہوئے ہیں ان میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ جہاں تک اندازہ کیا گیا یہ نقشے صحیح نہیں ہیں اس لئے ایجنسی سے ایک نقل منگا کر ان کی درستی کی جائے تاکہ نئے نقشہ کی تیاری میں غلطی واقع نہ ہو۔

مرزا جہاں شاہ بہادر کی لونڈی مسماۃ وزیرن زیورات کا صندوقچہ چرا کر بھاگ گئی تھی۔ جب گرفتار ہو کر آئی تو بادشاہ سلامت نے فرمایا اس معاملہ کو کچہری نظامت میں بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس کی تشہیر مناسب ہے (بادشاہ اپنے خانگی معاملات کی تشہیر سے بہت احتیاط کرتے تھے اور یہ بات واقعی تھی بھی ضروری۔ حسن نظامی)

چند بازیگر آئے۔ رات کو انہوں نے قلعہ میں بھی تماشہ دکھایا اور بادشاہ سلامت نے بھی ملاحظہ فرمایا۔ بہت مسرور و محظوظ ہوئے۔

حضور انور نے تمام مرشد زادگان اور سلاطین وغیرہ کو حکم دیا کہ ہمارے دربار میں آنے والوں کو مقررہ لباس کی پابندی ضروری ہے۔ ہر شخص کمر بستہ ہو اور دستار بکلاہ سر پر ہو اور یہ بھی فرمایا۔ امراء درؤسا وغیرہ کو تخت کے سامنے کسی

سواری پر سوار ہو کر آنے کی سخت ممانعت ہے۔ ہر امیر اس حکم کو ملحوظ رکھے اور کبھی اس کی خلاف ورزی نہ کرے۔ پھر چوبداروں کو حکم دیا گیا کہ دیوان خاص میں بلند آواز سے مجرے کی رسم کو ادا کیا کریں۔

عرض کیا گیا کہ فرزند دلبند مرزا عالی قدر بہادر خلف مرزا بابر بہادر مرحوم نے انتقال فرمایا اور دوسری اطلاع دی گئی کہ مرزا احمد کے گھر میں فرزند تولد ہوا ہے۔ حکم ہوا کہ تہنیت کے طور پر جوڑہ اور طورہ بھیج دو اور ماتمی گھر میں بھی خرچ بھیجنے کا حکم دیا گیا۔

مرزا شیر شاہ سلاطین کی والدہ ماجدہ کے پھول تھے۔ تمام اراکین سلطنت اور عمائدین شہر کو حکم دیا گیا کہ مسجد جہاں نما میں حاضر ہو کر فاتحہ خوانی میں شریک ہوں۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے۔ معمول کے موافق نذر پیش کی۔ خدام نے دستار، حلقہ کمان اور تبرک دیا۔

عرض کیا گیا کہ ابھی حضور قطب صاحبؒ کے مزار شریف کا بڑا دروازہ بن کر تیار نہیں ہوا۔ حضور نے تاکیدی حکم جاری فرمایا کہ اس کو بہت جلد تیار کرنا چاہئے۔

قلعہ دار بہادر کو حکم دیا کہ چونکہ مرزا عزیز الدین بہادر کے مکان پر مرغبازی ہوا کرتی ہے اور انگریز اور معزز اصحاب تماشہ دیکھنے کے لئے آتے جاتے ہیں لہٰذا خیال رکھنا چاہئے کہ ان لوگوں کے آنے جانے میں کوئی تکلیف نہ ہو اور نہ ان لوگوں کی آمد و رفت میں کسی قسم کی مزاحمت کی جائے۔

مرزا محمد سلطان فتح الملک بہادر شہزادہ کے نام حضور والا نے ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا کہ سلطنت کے کاروبار میں دلی توجہ کے ساتھ مشغول رہو اور وقت ضرورت سلطانی کار پردازوں سے مشورہ طلب کر لیا کرو۔

سید احمد خاں بہادر منصف دہلی ار حافظ داؤد خاں صاحب خیر خواہ قوم اور دیندار آدمی ہیں۔ ان کی نیک خیالی کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ نمازیوں کی تکلیف کے انسداد کے طور پر مجسٹریٹ دہلی سے رپورٹ کی ہے کہ جامع مسجد کے حوض میں رہٹ کے کنوئیں سے پانی آتا ہے مگر یہ پانی اس قدر کھاری ہے کہ اس سے کلی کرنا دشوار ہے اور لوگوں کو اس سے سخت اذیت ہوتی ہے۔ اگر اجازت مل جائے تو ہم اپنے خرچ سے لال ڈگی کے تالاب سے پانی کا انتظام کر لیں کیونکہ یہاں کا پانی میٹھا ہے۔ مجسٹریٹ نے آ کر موقعہ کو ملاحظہ فرمایا اور اجازت دے دی (مگر شاید لال ڈگی سے پانی لانے کا بندوبست نہ ہو سکا' کیونکہ میرے زمانہ تک رہٹ کے کنوئیں سے پانی آتا تھا اور نل ابھی حال میں لگائے گئے ہیں۔ سید احمد خاں سے مراد سر سید ہیں۔ حسن نظامی)

مجسٹریٹ دہلی نے صدر دفتر میں رپورٹ کی کہ قطب صاحب اور بدر پور کے راستہ میں ایک نالہ اور ایک جھیل ہے۔ برسات کے موسم میں ان مقامات میں پانی کا اتنا چڑھاؤ ہوتا ہے کہ آنے جانے والے مسافروں کے ڈوبنے کا خوف ہے۔ صدر دفتر سے اجازت آئی کہ یہاں ایک پل بنا دیا جائے تا کہ آنے جانے والوں کو تکلیف نہ ہو اور جان کا خطرہ مٹ جائے۔ اس پل کے بنانے کے لئے ساٹھ ہزار روپیہ خرچ کی منظوری بھی ہو گئی ہے۔ عنقریب یہاں پل تیار ہو جائے گا۔

حضور سے عرض کیا گیا کہ کنور دیبی سنگھ کے دو بھائی راجہ سوہن لال اور کنور شتاب سنگھ فوت ہو گئے۔ ... سخت

دل اور بے رحم تھے۔ دیانت داری ان میں نام کو نہ تھی۔ تنخواہ داروں کی تنخواہ بیچ میں سے اڑا لیتے تھے اور بیچارے غریب غربا تنخواہ کے لئے منہ تکتے رہ جاتے تھے اور حضور والا تک کسی کی رسائی نہ ہو سکنے کے سبب مرنے والوں کے ظلم کا حال نہ پہنچ سکتا تھا اور سب کے سب دل ہی دل میں ان ظالموں کی جان کو روتے تھے اور کوستے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ان دونوں کی فتنہ پردازیوں سے نجات مل گئی۔ (غالباً اسی گذارش کے سبب سے بادشاہ نے ان مرنے والوں کے وارثوں کو ماتمی خلعت نہیں دیئے، مگر یہ خلعت کیا کم ہے کہ ان کے نام روزنامچہ میں درج ہو کر زندہ ہو گئے۔ حسن نظامی)

۴-جون ۱۸۴۷ء۔ حضور انور کے حسب الارشاد نواب زینت محل بیگم صاحبہ کی طرف سے ان کے پیشکار کے نائب لالہ زور آور چند کو ایک جوڑا دوشالہ مرحمت فرمایا گیا۔

گھوڑوں کے سوداگروں نے چند گھوڑے فروخت کی غرض سے حضور انور کے ملاحظہ میں پیش کئے۔ دو گھوڑے پسند خاطر ہوئے اور چھ سو روپیہ میں خریدے گئے۔

حاجی خاں پسر کوکہ امام بخش کو خلعت چہار پارچہ اور سہ رقم جواہر مرحمت فرمایا۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ نواب زینت محل بیگم صاحبہ دریا محل والے مکان میں جہاں مرزا شاہرخ کی بیگمات وغیرہ فروکش ہیں، تشریف لے جائیں اور حکیم احسن اللہ خاں اور لالہ زور آور چند کے مشورے سے شہزادہ مرحوم کی بیگمات اور ان کی اصلی اولاد کو تنخواہ اپنے ہاتھ سے تقسیم فرمائیں۔

بادشاہ سلامت نے حکیم احسن اللہ خاں سے ارشاد کیا کہ نواب عزیز آبادی بیگم صاحبہ کی طبیعت ناساز ہے۔ دوسرے اطباء کے مشورے سے آپ ان کا علاج کریں۔ اللہ شافی شفائے کامل مرحمت فرمائے۔

مولوی تیغ علی کیدان کو خلعت دوشالہ سے سرفراز فرما کر حکم دیا کہ ہمارے لئے خس کا ایک بنگلہ تیار کرو۔ عرض کیا بہت خوب۔ اس کے بعد گذارش کی کہ حضور والا اس سے پہلے جب عہدۂ کیدانی پر میرا تقرر ہوا تھا تو میں نے دو ہزار روپے بطور نذر پیش کئے تھے۔ اب میں نے سنا ہے کہ کوئی اور شخص اس عہدہ کے لئے چار ہزار روپیہ دینے کے لئے تیار ہے۔ ایک ہزار روپیہ اور نذرانہ ادا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ حضور قبول فرما کر مجھے میرے عہدہ پر حسب دستور برقرار رکھیں۔ بادشاہ سلامت نے از راہ مکرمت مولوی تیغ علی کی درخواست قبول فرمائی۔

لالہ زور آور چند اور حکیم احسن اللہ خاں کو حکم ہوا کہ مرزا احمد شاہرخ بہادر کے آبدار خانہ میں جتنے چاندی کے برتن ہیں اُن کی ایک فہرست تیار کرلو۔

حضور انور نے از راہ بندہ نوازی تسبیح خانہ کے داروغہ مرزا کریم بیگم کے قصوروں کو معاف کر کے حسب دستور ان کو ان کے عہدہ پر سرفراز فرمادیا اور ایک جوڑا دوشالہ بھی مرحمت ہوا اور احمد میر خاں جن کو ان کی جگہ پر مقرر کیا گیا تھا، معزول کر دیا اور ان کا نذرانہ بھی واپس فرمادیا۔ خس کی ایک ٹٹی اور بیج گاڑی اور چند دوسری اشیاء جو نواب احمد علی خاں نے پیش کی تھیں، حضور نے انہیں قبول فرمالیا۔

محبوب علی خاں خواجہ سرا سے فرمایا کہ ہمیں فی الحال پیرزادہ میاں کالے صاحب کے صاحبزادے کی شادی کے لئے چار ہزار روپے کی اور مرشد زادہ مرزا سلطان حیدر بہادر کی شادی کے لئے دو ہزار روپے کی اور اپنی منہ بولی بیٹی کی

شادی کے لیے نواب تعمی بیگم صاحبہ کے پاس بھیجنے کے واسطے ایک ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس روپیہ کا بہت جلد انتظام ہونا چاہیے۔ عرض کیا بسر و چشم۔

(اتنے کثیر اخراجات کے لیے تو قارون کے خزانے بھی کافی نہ تھے مگر دیکھنا اپنی ذات پر خرچ نہ کرتے تھے دوسروں کو دیتے تھے۔ حسن نظامی)

حضور سے عرض کیا گیا کہ نواب صاحب جھجر کے صاحبزادے کی شادی خانہ آبادی محمد اکبر علی خاں بہادر جاگیر دار ریاست پاٹودی کی دختر نیک اختر سے قرار پائی ہے۔

۱۸- جون ۱۸۴۷ء۔ نواب معظم الدولہ بہادر کے عریضہ کو ملاحظہ فرما کر بادشاہ سلامت نے حکم محکم جاری فرمایا کہ جو مکانات شاہی تولیت واقعہ ارمیں ہیں ان کا ایک نقشہ تیار کر کے ہمارے ملاحظہ کے لیے پیش کیا جائے۔

مرزا محمد شاہ رخ بہادر مرحوم کے پیشکار مدن گوپال متصدی کو عہدہ دیوانی پر اور گنگا [illegible] ان کو عہدہ پیشکاری پر ترقی دی گئی اور خلعت عطا فرمایا۔

محمد علی خاں بخشی کی ہمشیرہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے لڑکے اور لڑکیوں کو دو دو فرد دوشالہ مرحمت کی گئیں۔ راجہ سوہن لال فوت ہو گئے۔ بادشاہ سلامت نے ان کے بڑے لڑکے کو خلعت شش پارچہ اور چھوٹے لڑکے کو خلعت پنج پارچہ اور چاروں لڑکیوں کو ایک ایک جوڑا دوشالہ کا اور اس کی بیوی کو ایک شال مرحمت فرمائی۔

بادشاہ سلامت کی طرف سے حکم عالی صادر ہوا کہ نظارت خاں اور کنور دھیان سنگھ اور کنور سانگرام اور راجہ بے سنگھ متوفی کے لڑکے داور مرزا افضل بیگ اور جام بیگ اور احمد مرزا خاں کو قلعہ مبارک میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ آنا چاہیں تو انہیں دروازہ ہی پر روک لیا جائے۔

جناب صاحب کلاں بہادر کی عرضی اور ایک ہزار تین سو انچاس روپے ملاحظہ عالی کے لیے پیش کیے گئے۔ حکم ہوا کہ مرزا محمد شاہ رخ بہادر کے وارثوں کو اطلاع [illegible] دی جائے کہ وہ مہر و دستخط کر کے رسید دے دیں اور محکمہ ایجنٹی سے اپنا اپنا روپیہ وصول کریں۔

مرزا خرم بہادر مرزا عبداللہ بہادر کے محکمہ کا عہدہ امین بخشی گری حافظ داؤد خاں کو مرزا اکرم بہادر کی مختاری کا عہدہ حکیم غلام نقشبند خاں کو مرزا مظفر بہادر کی مختاری کا عہدہ حکیم غلام نجف خاں کو مرحمت کیا گیا اور ان میں ہر ایک کو اور ان کے ساتھ مرزا بہادر بیگ خاں کو خلعت پنج پارچہ اور سہ رقم جواہر حضور انور کی طرف سے عطا کیا گیا۔ ہر ایک نے بادشاہ سلامت کی اس عنایت کا خلوص دل کے ساتھ شکریہ ادا کیا۔

مفتی محمد صدر الدین خاں کے بھائی محمد تقی خاں بہادر کا عریضہ جس میں دیوان خانہ کے داروغہ ہونے کی درخواست منسلک تھی نظر کیمیا اثر سے گذرا۔ درخواست منظور ہوئی اور حکم ہوا کہ اپنے عہدہ کا چارج لے لو۔

حضور بادشاہ سلامت نواب شاہ آبادی بیگم صاحبہ کے ساتھ دریائے جمنا کی طرف شکار کی غرض سے تشریف لے گئے اور پیران شاہ عبداللہ کی درگاہ میں بھی حاضر ہوئے۔ معمول کے موافق نیاز دلائی۔ شیرینی تقسیم کی اور پھر قلعہ معلی میں واپس تشریف لائے (یہ درگاہ دریا گنج میں موجود ہے۔ حسن نظامی)

نواب صاحب کلاں بہادر نے اطلاع بھیجی کہ میں شرف ملاقات حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ امور سلطنت کے مختار المہام وکیل شاہی کو حکم ہوا کہ استقبال کے لئے جاؤ۔ صاحب کلاں بہادر شرف حضوری سے مشرف ہوئے۔ بہت دیر تک بعض نمک حرام ملازموں کی بابت گفتگو ہوتی رہی۔ پس پردہ نواب زینت محل بیگم صاحبہ تشریف رکھتی تھیں۔ انہوں نے صاحب کلاں بہادر کے لئے ایک بٹوہ جس میں الائچیاں وغیرہ تھیں تواضع کے طور پر بھیجا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ آئندہ سے موضع تھانہ کی آمدنی خزانۂ عامرہ میں داخل ہونی چاہئے۔

نواب تاج محل بیگم صاحبہ نے جو نئی حویلی خریدی تھی اس کو ملاحظہ کرنے کے لئے بادشاہ سلامت سے اجازت لے کر تشریف لے گئیں۔ کپتان ملازم شاہی کو حکم دیا گیا کہ سپاہیوں کا ایک پہرہ اس حویلی کی نگہداشت کے لئے مقرر کیا جائے۔

(یہ حویلی اب سری کرشن صاحب جنرلسٹ کے قبضہ میں بمقام کٹرہ خوشحال رائے موجود ہے۔ حسن نظامی)

کنور مہیش داس خلف راجہ سوہن متوفی کے نذرانہ کو شرف قبولیت عطا کیا گیا اور ان کے بھائی درگا پرشاد کو قلعہ معلی میں حاضر ہونے کی اجازت دی گئی۔ جس سپاہی نے ان کو آنے سے روکا تھا اس پر جرمانہ اور عتاب ہوا۔

عرض کیا گیا کہ کنور دیبی سنگھ اور کنور سالگرام نے مرزا محمد شاہرخ بہادر کے وارثوں پر عدالت دیوانی میں پانچ ہزار سات سو کا دعویٰ کیا ہے۔ میر تفضل حسین وکیل شاہی نے عرض کیا کہ شہزادہ مرحوم نے ان لوگوں سے جو روپیہ قرض لیا تھا اس کی بابت دعویٰ کیا گیا ہے۔ چونکہ اس کا لین دین قلعہ مبارک کے اندر ہوا ہے اس لئے ان کا دعویٰ قابل سماعت نہیں ہے' کیونکہ عدالت دیوانی میں قانوناً ایسے مقدمات دائر نہیں ہو سکتے جو قلعہ میں وقوع پذیر ہوئے ہوں۔ بعض نمک حراموں نے تمسکات کا حساب سمجھائے بغیر اپنی خواہش سے قلعہ کے باہر کچھ لکھا پڑھی کر لی ہے' لیکن یہ لکھا پڑھی بالکل غیر معتبر ہے اور قابل سماعت نہیں ہے۔ مقدمہ کی پیروی کر کے دیکھ لیں گے' منہ کی کھائیں گے اور الٹے خرچہ کے زیر بار ہوں گے۔

۲۵- جون ۱۸۴۷ء۔ دیوان دھوکل سنگھ سے ارشاد ہوا کہ بعض شاہزادگان کی شادی کے لئے نواب زینت محل بیگم صاحبہ کو روپیہ قرض لینے کی ضرورت ہے۔ قرضہ کی ادائیگی کی نسبت اسامی کاغذ پر لکھ دیا جائے گا اور یہ قرضہ دو ہزار روپیہ سالانہ کی قسط کے حساب سے ان دیہات کی آمدنی سے ادا کیا جائے گا جو شاہی تولیت واقتدار میں ہیں۔

مرزا کبیر الدین بہادر کی والدہ فوت ہو گئیں۔ بادشاہ سلامت نے خلعت تعزیت مرحمت فرمایا۔

نجف علی خاں کے لڑکے میر عبداللہ کو اصطبل کی امینی کا عہدہ مرحمت ہوا اور ایک جوڑہ دوشالہ عنایت کیا گیا۔

بادشاہ سلامت نے صاحب کلاں بہادر کے نام شقہ جاری فرمایا کہ بدرالدین مہر کن آپ کے پاس آتے ہیں۔ ان کو پرگنہ کوٹ قاسم کی آمدنی میں سے ایک ہزار روپیہ دے دیا جائے' کیونکہ ان سے مہریں بنوائی تھیں' ان کی اجرت باقی ہے۔

صاحب کلاں بہادر کے نام شقہ جاری فرمایا کہ نواب زینت محل بیگم صاحبہ نے محبوب علی خاں خواجہ سرا کی معرفت دس ہزار روپیہ قرض لیا ہے۔ یہ قرضہ دو ہزار روپیہ سالانہ کے حساب سے قسط وار ادا کیا جائے۔ چار ہزار روپیہ میاں کالے صاحب پیرزادہ کے صاحبزادہ کی شادی کے خرچ کے لئے' ایک ہزار روپیہ بادشاہ کی منہ بولی بیٹی کی شادی کے

لئے ایک ہزار روپیہ مرزا خضر سلطان کے لئے ایک ہزار روپیہ مرزا محمدی بہادر کے لئے اور ایک ہزار چار سو تہتر روپیہ مرلی دھر اور رام پرشاد مہاجنوں کے قرض ادا کرنے کے لئے ضرورت تھی۔ جو روپیہ بچا ہوا ہے وہ جیب خاص میں خرچ ہوگا۔

مرزا عزیز الدین بہادر کے لڑکے کو اس کی شادی کی تقریب میں خلعت فرخ سیری اور طرہ مقیشی مرحمت فرمایا۔

زری کے کام کی منقش چادر جو جامع مسجد کے آثار شریف کے واسطے تیار کرائی تھی' تیار ہو کر آ گئی۔ بادشاہ سلامت نے اسے بہت پسند فرمایا اور بنانے والے کو انعام دیا۔

مرزا مور بہادر جو جعلسازی کے جرم میں قید تھے' حضرت پیرزادہ میاں کالے صاحب اور دیگر سلاطین کی سفارش کی وجہ سے رہا کر دیئے گئے۔ بادشاہ سلامت نے ان کے قصوروں کو معاف کر دیا۔

دہلی۔ ۱۵ جمادی الثانی۔ آج بادشاہ سلامت' حضور خواجہ قطب الاقطاب قدس سرہ کی درگاہ شریف میں فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوئے۔ آمد و رفت کے وقت شاہی اور انگریزی توپخانوں سے سلامی کی توپیں اس قدر بلند آواز سے چھوڑی گئیں کہ چاروں طرف غلغلہ ہو گیا اور اکثر لوگوں کے کان بہرے ہو گئے۔

مرزا اسد اللہ خاں بہادر کو دشمنوں کی غلط اطلاعات کے باعث قمار بازی کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ معظم الدولہ بہادر کے نام سفارشی چٹھی لکھی گئی کہ ان کو رہا کر دیا جائے۔ یہ معززین شہر میں سے ہیں۔ یہ جو کچھ ہوا محض حاسدوں کی فتنہ پردازی کا نتیجہ ہے۔ عدالت فوجداری سے نواب صاحب کلاں بہادر نے جواب دیا کہ مقدمہ عدالت کے سپرد ہے۔ ایسی حالت میں قانون سفارش قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

(مرزا اسد اللہ خاں غالب واقعی بے گناہ تھے' مگر معلوم نہیں حکام انگریزی نے کیوں بادشاہ کی سفارش کو نہ مانا۔ حسن نظامی)

حضور والا خواجہ معین الدین چشتی کی چھڑیوں کے میلہ میں تشریف لے گئے۔ پھر معمول کے موافق حضور غریب نواز کی نیاز دلائی۔ اس کے بعد واپس قلعہ معلی میں تشریف لائے۔

اطلاع دی گئی کہ حضور قطب الاقطاب کی درگاہ شریف کا دروازہ بن کر تیار ہو گیا ہے۔ زبان فیض ترجمان سے اس کا مادۂ تاریخ اس طرح ارشاد فرمایا

ایں در عالی چو شد محکم بنا حسب المراد

۱۲۵۵ھ

گفت در سال بنا باب ظفر پائندہ باد

محلہ بھوجلہ پہاڑی میں ایک مسلمان گھر ایک عجیب و غریب لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس کی صورت بالکل گھوڑے جیسی تھی اور سارے عضو بالکل آدمیوں کے طرح تھے۔ پیشاب پاخانہ کی جگہ ندارد تھی۔ اٹھارہ گھنٹہ تک زندہ رہا۔ بارہ گھنٹہ تک جو چیز اس کے منہ سے لگائی جاتی تھی' وہ سنک لیتا تھا۔ اس کے بعد اس کے پیٹ میں سے زور کی آواز نکلی اور وہ مر گیا۔ "سید الاخبار" کے ایڈیٹر صاحب نے لکھا ہے کہ یہ کوئی سنی سنائی بات نہیں ہے بلکہ ہم نے اس کی خوب تحقیق کر لی ہے۔

۱۴۔ جمادی الثانی کی رات کو ایک نوجوان' جو اس سے پہلے چوری کے جرم میں گرفتار ہو چکا تھا' ایک سپاہی کے

مکان میں پہنچا اور اس کی چارپائی کے نیچے چھپ گیا۔ سپاہی کو کسی طریقہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ میری چارپائی کے نیچے کوئی شخص چھپا ہوا ہے۔ یہ تلوار لے کر چارپائی سے اٹھا ہی تھا کہ وہ چارپائی کے نیچے سے نکل کر بھاگا۔ آگے آگے چور پیچھے پیچھے سپاہی۔ بڑی دور تک دونوں بھاگے بھاگے چلے گئے۔ یہاں تک کہ چوکی کے پاس پہنچے اور دوسرے سپاہیوں کی مدد سے اسے گرفتار کر لیا۔ گرفتار کرنے سے اس شخص کے کئی جگہ شدید زخم آئے کیونکہ ہاتھا پائی میں تلوار بھی بدن پر پڑ گئی تھی۔ زخموں کی مرہم پٹی کر کے اسے قید خانے میں بھیج دیا گیا جہاں اس نے اقرار کیا کہ وہ چوری کی نیت سے آیا تھا۔

دہلی میں ٹیکس وغیرہ کی آمدنی پچیس لاکھ روپیہ ہے۔ لاہور پر جس وقت انگریزی قبضہ کیا گیا تھا، اس وقت سے تیرہ لاکھ روپیہ کا اضافہ ہو گیا ہے۔

آج کل دہلی میں بارش کا زور شور ہے۔ وہ گرمی اب نہیں ہے جس نے حواس باختہ کر رکھے تھے بلکہ جاڑے کے آثار ہو چلے ہیں۔

۲- جولائی ۱۸۴۷ء۔ نواب معظم الدولہ بہادر کے نام شقہ جاری فرمایا کہ شاہی فیل خانہ کا بہت سا اسباب لال ڈگی کے تالاب کے پاس ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے بہت سے آدمیوں کو متعین کر دیا گیا ہے جو پانی کی بھری ہوئی بالٹیاں لئے ہوئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔ خدا کے فضل سے ابھی تک آتشزدگی سے امن ہے، اس لئے صاحب مجسٹریٹ بہادر کو لکھ دیا جائے کہ کچھ خوف کی بات نہیں ہے۔ تھانیداروں کو ہدایت کر دی جائے کہ وہ کچھ مزاحمت نہ کریں۔

نواب مکرم النساء بیگم صاحبہ نے خدمت شاہی میں استغاثہ دائر کیا کہ مرزا قدر شکوہ بہادر اور مرزا محمد شکوہ بہادر زبردستی میرے مکان میں گھس آئے اور دنگا فساد پر آمادہ ہو گئے۔ یہاں تک ظلم کیا کہ ایک صندوقچے میں سے ضروری کاغذ نکال کر میرے سامنے پھاڑ ڈالے۔ حکم ہوا کہ یہ تو بڑی زیادتی کی گئی۔ ان دونوں کو قلعہ سے باہر نکال دیا جائے۔

ایک شقہ صاحب کلاں بہادر کے نام جاری کیا گیا کہ کنور سانگرام نے پانچ ہزار سات سو روپیہ کا دعویٰ مرزا محمد شاہرخ بہادر کے وارثوں پر دائر کیا ہے اور محکمہ صدر الصدور بہادر میں درخواست دی ہے کہ ان روپوں کے بدلے میں موضع تھانہ کو قرق کر لیا جائے، حالانکہ موضع تھانہ شاہی تولیت واقتدار میں ہے، البتہ اس کی آمدنی شہزادہ مرحوم کے ورثاء کو دی جاتی ہے۔ لہٰذا آپ اس بات کا خیال رکھئے کہ موضع تھانہ شاہی قبضہ سے باہر نہ جانے پائے اور مدعی کی ڈگری کا اس موضع پر کوئی اثر واقع نہ ہو۔

حاجی مرزا محمد بخش کے نام فرمان جاری ہوا کہ تنخواہ کے اضافہ کا جو نقشہ تیار ہو رہا ہے اس میں مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر مرحوم کی اولاد کو بھی شامل کیا جائے اور اب جلدی اس نقشہ کو پورا کر کے ہمارے ملاحظہ کے لئے پیش کرنا چاہئے۔

سلطنت کے تمام کارپردازوں کے نام حکم جاری کیا گیا کہ جس دستاویز پر نواب زینت محل بیگم صاحبہ کی مہر نہ ہو گی وہ غیر معتبر ہے۔

(زینت محل بیگم نور جہاں کی طرح بہادر شاہ کی پیاری تھیں۔ حسن نظامی)

حضور عالی متعالی نے اپنے دستخط خاص سے ایک شقہ جناب زینت محل بیگم صاحبہ کے نام جاری فرمایا کہ آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ جتنی زنانی تنخواہ آپ کے روبرو تقسیم کی جائے۔

اہلکاران خانساماں کے نام حکم نامہ جاری کیا گیا کہ حبیب شاہ درویش نے نجی خاں اور احمد علی کی جو حضرت شاہ سلیمان کے متوسلین سے ہیں' سفارش کی ہے اس لئے ماہ گی سے ان کے دس روپے ماہوار مقرر کیے جائیں اور ملکہ دوراں نے مسماۃ نتھی کی سفارش کی ہے لہٰذا نو روپے ماہوار اس کے مقرر کیے جاتے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ یہ روپیہ ماہ بماہ فیل خانہ کے دفتر سے وصول کر لیا کریں۔

میرزا اسد اللہ خاں غالبؔ پر عدالت فوجداری میں جو مقدمہ دائر ہوا تھا' اس کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ مرزا صاحب کو چھ مہینہ کی قید بامشقت اور دو سو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی۔ اگر دو سو روپیہ جرمانہ ادا نہ کریں تو چھ مہینہ قید میں اضافہ ہو جائے گا اور مقررہ جرمانہ کے علاوہ اگر پچاس روپے زیادہ ادا کیے جائیں تو مشقت معاف ہو سکتی ہے۔ جب اس بات پر خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب عرصہ سے علیل ہیں۔ سوائے پرہیزی غذا قلیہ چپاتی کے اور کوئی چیز نہیں کھاتے' تو کہنا پڑتا ہے کہ اس قدر مصیبت اور مشقت کا برداشت کرنا مرزا صاحب کی طاقت سے باہر ہے' بلکہ ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اگر سشن جج بہادر کی عدالت میں اپیل کی جائے اور اس مقدمہ پر نظر ثانی ہو تو نہ صرف یہ سزا موقوف ہو جائے' بلکہ عدالت فوجداری سے مقدمہ اٹھا لیا جائے۔ یہ بات عدل و انصاف کے بالکل خلاف ہے کہ ایسے باکمال رئیس کو جس کی عزت و حشمت کا دبدبہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے' معمولی سے جرم میں اتنی سخت سزا دی جائے جس سے جان جانے کا قوی احتمال ہے۔

(اس کے علاوہ جرم بھی محض دشمنوں کا بناوٹی تھا' ورنہ خود بادشاہ سفارشی خط نہ لکھتے۔ معلوم نہیں کیا اندرونی اسباب ہوئے جو غالبؔ کو قید کی سزا دینی ضروری سمجھی گئی۔ حسن نظامی)

ایک ہفتہ کے اندر دہلی میں خون کی کئی وارداتیں وقوع پذیر ہوئیں۔ ایک گاڑی بان کو ایک سپاہی نے گولی سے مار دیا۔ ایک تلی نے اپنی بیوی کو دوسرے رشتہ دار کے ساتھ آلودہ ہونے کی حالت میں دیکھ لیا۔ پہلے بیوی کو ہلاک کر دیا' پھر اپنے چاقو مار لیا۔ اگرچہ یہ تلی ابھی تک مرا نہیں ہے' مگر اس کی زندگی کی کوئی امید نہیں ہے۔ اس دنیائے فانی میں گھڑی دو گھڑی کا اور مہمان ہے۔

۹- جولائی ۱۸۴۷ء۔ نواب معظم الدولہ بہادر کا عریضہ حضور والا کی نظر سے گذرا۔ اس کے ساتھ متھرا داس کی عرضی بھی تھی جس میں کنور دیبی سنگھ کی رشوت ستانی کی شکایت درج تھی کہ شاہی دار العدالت کو اس شخص نے دار الرشوت بنا دیا ہے۔ یہ سن کر ارشاد ہوا کہ متھرا داس سے دریافت کیا جائے کہ کنور دیبی سنگھ کو دار العدالت شاہی سے تو کوئی تعلق نہیں ہے' پھر کیونکر اس نے رشوت ستانی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس بات کو ذرا تفصیل طور پر لکھا جائے تاکہ اگر اس میں کچھ واقعیت ہو تو اس کا انسداد کیا جائے۔

صاحب کلاں بہادر کے نام ایک شقہ جاری فرمایا کہ اس سے پہلے آپ کو لکھ گیا تھا کہ موضع کسیلہ کی آمدنی میں سے مقررہ قسط احمد مرزا خاں اور بنسی دھر کوان کے قرضہ میں ادا کر دی جائے اور باقی روپیہ مرزا محمد فخر الدین شہزادہ کو بھیج دیا جائے۔ اب شہزادہ صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ ڈگری کے فروخت کے حیلہ سے کنور دیبی سنگھ اور سالگرام نے یہ روپیہ نہیں پہنچایا۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ کسی کی قسط ادا نہ کی جائے اور تمام روپیہ شہزادہ صاحب کی سرکار میں روانہ کر دیا

جائے۔

نظارت خاں کے نام فرمان جاری ہوا کہ تمام شہزادوں اور قرابتداروں اور بیگموں وغیرہ کو اطلاع دے دی جائے کہ حضرت عرش آرام گاہ کے فاتحہ عرس میں شریک ہونے کے لئے حاضر ہوں۔

صاحب کلاں بہادر کے نام حکم جاری ہوا کہ اس فصل کے غلہ وغیرہ کی آمدنی میں سے ایک ہزار روپیہ مجاہد پور کے پل کی تیاری کے لئے صاحب کلکٹر بہادر کو دے دیا جائے۔

بخشی گری کے اہل کاروں کے نام حکم جاری ہوا کہ جن لوگوں نے نذرانہ دے کر ہمارے دربار میں فخر ملازمت حاصل کیا ہے ان سب کی فہرست تین دن میں تیار کر کے ہمارے ملاحظہ کے لئے پیش کرو۔

لالہ زور آور چند سے ارشاد ہوا کہ برادران خاص کے واسطے اور دیگر سلاطین کے واسطے اور حضرت کالے صاحب کے واسطے وہ کھانا حاضر کرو جو حضرت مولانا فخر الدین قدس سرہ کے عرس کے موقعہ پر تیار کرایا گیا تھا۔ حضرت بادشاہ سلامت خود بہ نفس نفیس محفل عرس میں شریک ہوئے۔ شیرینی کے خوانوں پر فاتحہ پڑھی۔ حضرت میاں کالے صاحب سے معمول کے موافق دستار اور تبرک حاصل کیا اور حسب دستور قدیم نذرانہ پیش کیا۔

حضور انور حضرت عرش آرام گاہ کے عرس کے موقعہ پر رات کو چراغاں کا تماشا ملاحظہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور درگاہ کے خادموں کو ایک ایک جوڑا پوشاک عطا فرمایا۔

کنور سالگرام نے مرزا محمد شاہرخ بہادر مرحوم کے خلاف نالش دائر کی تھی۔ عدالت عالیہ سے دستور العمل کے خلاف جائداد شاہی کے قرق ہونے کا حکم ہوگیا ہے۔ بادشاہ سلامت نے یہ سن کر اہل دفتر کو حکم دیا کہ اس کے متعلق حاکم متعلقہ کے فیصلہ کی نقل بہت جلد حاصل کر کے ہمارے ملاحظہ کے لئے پیش کرو۔

(جب یہ قاعدہ مقرر تھا کہ شاہی املاک قرق نہیں ہو سکتی تھیں تو پھر حکام انگریزی کا یہ فیصلہ بہت تعجب انگیز ہے۔ حسن نظامی)

حضور انور نے ایک نشان ہاتھی کے لئے ایک سر پیشانی فیل کے لئے ایک ظفر تکیہ سرکار ولی عہد بہادر کے لئے مرحمت فرمایا۔ ظفر تکیہ ایک خاص قسم کا تکیہ ہے جس کی وضع قطع بادشاہ سلامت کی ایجاد ہے۔

(فقراء اب تک اشغال خاص کے وقت ایک لکڑی جس پر عرش میں ایک اور لکڑی ہوتی ہے بغل کے سہارے کے لئے رکھتے ہیں اور اس کو ظفر تکیہ کہتے ہیں جو شاید بہادر شاہ کی ایجاد ہے۔ حسن نظامی)

سرکار ولی عہد بہادر نے ایک شالی رومال محبت و خلوص کے تحفہ کے طور پر مرزا جواں بخت بہادر کو عطا کیا۔

(چونکہ بہادر شاہ جواں بخت کی ولی عہدی چاہتے تھے اس واسطے ولی عہد نے تالیف قلب کے لئے جواں بخت کو یہ تحفہ دیا ہوگا۔ حسن نظامی)

۳۰- جولائی ۱۸۴۷ء۔ حضور انور کی طرف سے فرمان جواب الاذعان صادر ہوا کہ شاہی تنخواہوں کے اضافہ کا نقشہ مع فرد حساب گوشوارہ انگریزی زبان میں نقل کر کے پیش کیا جائے۔ مسٹر جوزف جارج صاحب کے نام بھی یہی حکم جاری کیا گیا کیونکہ صدر دفتر میں روانہ کرنے کے لئے ضرورت ہے۔

پھول والوں نے سیر کے لئے اجازت طلب کی۔ حکم ہوا کہ پنکھے وغیرہ تیار کیے جائیں' ہماری طرف سے سیر کی اجازت ہے۔

نواب معظم الدولہ بہادر نے عریضہ لکھا کہ قلعہ مبارک کی خندق میں بہت کوڑا کرکٹ جمع ہو گیا ہے۔ اس کی صفائی کے لئے حکم دیا جائے۔ حضور انور نے ملازمین کو حکم دیا کہ نواب معظم الدولہ کے کہنے پر عمل ہو۔

کنور دیبی سنگھ کے نام شقہ جاری کیا گیا کہ بیالیس ہزار روپے پیشگی کے تمسک کی تفصیل ہمارے پاس روانہ کرو۔

قدیم دستور کے موافق منجموں کی رائے سے تخت کے سامنے غلہ اور نقدی جمع کی گئی اور بادشاہ سلامت کو نقدی اور غلہ سے تولا گیا۔ اس وقت غریب غرباء اور مسکینوں کی ایک جماعت دست بدعا تھی کہ یا اللہ بادشاہ سلامت کے جسم اقدس میں روزافزوں اضافہ و ترقی مرحمت فرما تاکہ وزن زیادہ ہو جائے اور نقدی اور زیادہ ملے۔ جتنا غلہ اور نقدی وزن میں آیا' وہ سب کھڑے کھڑے تقسیم کر دیا گیا۔

راجہ بلب گڈھ نے عرضی ارسال کی کہ مبارک علی خاں نے علاقہ بلب گڈھ کے بقالوں کو فرید آباد میں بلا کر غلہ کا محصول طلب کیا تھا' مگر چونکہ حضور انور کی طرف سے ان کے پاس کوئی اطلاع نہیں پہنچی تھی اس لئے کسی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ جواب میں لکھ گیا کہ جب ہمارے پاس سے اس بارے میں کوئی حکم پہنچے تب اس کی تعمیل کی جائے۔

اس وکیل کے نام جو میرٹھ کی عدالت دیوانی میں متعین ہے' حضور والا کی طرف سے ایک حکم جاری کیا گیا کہ غلام علی خاں نے اپنے قرضہ کی بابت ہم پر ایک نالش دائر کی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے روپے کے بدلے موضع کسدل پور وغیرہ کو' جو کہ تولیت شاہی میں ہے' نیلام کرا دے۔ تم کافی طور پر اس مقدمہ کی پیروی کرنا اور جن کاغذات وغیرہ کی ضرورت ہو وہ دفتر دہلی سے طلب کر لینا۔

(یہ نالشیں شاہی رعب کم کرنے کے لئے دائر کرائی جاتی تھیں۔ حسن نظامی)

اطلاع دی گئی کہ ٹھاکر ڈونگر سنگھ علاقہ ریواڑی میں آ گئے ہیں۔ حضور والا نے ضلع گوڑگانوہ کے کلکٹر کے نام حکم بھیجا کہ ان کی حفاظت کے لئے ایک سو پچاس سوار بھیج دیے جائیں اور جاگیردار جھجر کے نام بھی حکم صادر ہوا کہ ایک سو سوار ریواڑی میں بھیج دیے جائیں۔

۶۔ اگست ۱۸۴۷ء۔ مرزا جہاندار شاہ نے عرض کیا کہ کچہری کلکٹری (شاہجہان آباد) میں ان دکانوں کی تحقیقات کی نسبت ایک اشتہار شائع ہوا ہے جو حضرت عرش آرام گاہ طاب ثراہ نے مجھے عنایت فرمائی تھیں اور آج کل میرے قبضہ میں ہیں۔ حضور انور نے جواب میں فرمایا کہ بے شک سترہ برس ہوئے کہ یہ دکانیں حضور عرش آرام گاہ نے آپ کو عطا فرما دی تھیں اور جب سے آپ ہی کے قبضہ میں ہیں اور چونکہ یہ واقعہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے اس لئے بھی میں نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔ پھر اس بارے میں ایک شقہ نواب معظم الدولہ کو تحریر فرمایا کہ واقعہ یہی ہے جیسا مرزا جہاندار شاہ بہادر کہتے ہیں۔ اس کے متعلق کوئی ایسی کارروائی ہونی چاہئے جس سے ان کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔

(یہ واقعہ بھی بادشاہ اور ان کے خاندان کی بے اختیاری کا ایک نمونہ ہے۔ حسن نظامی)

غلام رسول خاں جو پہلے راجہ بھرت پور کے ملازم تھے' اپنے بھائی غلام علی خاں کو لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے خود دو اشرفیاں اور ان کے بھائی نے ایک اشرفی حضور انور کی خدمت میں نذر پیش کی۔ حضور انور نے غلام علی خاں کو ایک خرگوش مرحمت فرمایا۔

(بادشاہ سلامت اگر پاپوش دیتے' تب بھی لوگ اس پر فخر کرتے اور یہ تو خرگوش تھا۔ حسن نظامی)

مرزا الٰہی بخش بہادر سلاطین کو بادشاہ سلامت نے از راہ مراحم خسروانہ ایک زرنگار چغہ عطا فرمایا (جانتے تھے کہ انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں' اس لئے دلجوئی کرتے تھے۔ حسن نظامی)

اطلاع دی گئی کہ مرزا علی بخت بہادر سلاطین کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ سلامت بہت مغموم اور افسردہ خاطر ہوئے اور جب مرزا علی بخت بہادر حاضر خدمت ہوئے تو بہت کچھ تسلی و تشفی دی اور ایک دوشالہ بطور تعزیت مرحمت فرمایا۔

نوروز کی تقریب میں شیرینی اور حلوے کے خوان قلعہ معلی میں سب کو تقسیم کئے گئے۔ ولی عہد بہادر اور صاحبزادگان اور سلاطین و عمائدین و روساء نے تہنیت و مبارک بادی کے طور پر نذریں پیش کیں۔ از راہ مرحمت جو نیا سامان تیار ہوا تھا' مرزا ولی عہد بہادر کو اور سقر لاتی بنوے منصرم عہدہ نظارت کو مرحمت ہوئے۔

کبیر الدین خاصہ تراش نے مرزا سر بلند خاں کے دنبل کا علاج کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شفائے کلی عطا فرمائی۔ بادشاہ سلامت اس امر سے بہت خوش ہوئے اور جراح مذکور کو خلعت سہ پارچہ اور ایک رقم جواہر عطا فرمایا۔

اطلاع دی گئی کہ جامع مسجد میں حوض کے ایک کنارے پر سنگ مرمر کا جو ایک کٹہرہ بنا ہوا تھا اور جس پر حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی رونق افروزی کے ابیات منقش تھیں' آج کوئی شخص چرا کر لے گیا۔ حکم ہوا کہ بدنصیب چور کی تلاش کی جائے۔ جہاں ملے پکڑ لاؤ تاکہ اس کو اس بے ادبی اور چوری کی سزا دی جائے اور ایک دوسرا خوبصورت کٹہرہ بہت جلد بنوا دیا جائے۔

(جامع مسجد دہلی کے حوض کے مغربی شمالی کونہ پر کسی بزرگ نے حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے خواب میں دیکھا تھا۔ وہاں بطور ادب اور یادگار کے ایک کٹہرہ بنا دیا گیا تھا' جو اب بھی موجود ہے۔ حسن نظامی)

کنور دیبی سنگھ نے عرضی بھیجی کہ بیس ہزار روپیہ اور پچیس ہزار روپیہ کے حساب کا تمسک تیار ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمانے کے بعد حکیم احسن اللہ خاں کے نام حکم جاری ہوا کہ یہ معاملہ صاحب کلاں بہادر کے سامنے پیش کیا جائے' وہ جو کچھ فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے۔

عرض کیا گیا کہ بخشی گری کے محکمہ میں جن نئے آدمیوں نے ملازمت اختیار کی تھی اور نذرانہ پیش کیا تھا' وہ نذرانہ واپس لے کر بھاگ گئے۔

حضرت شاہ بو علی قلندر کی درگاہ شریف کے خدام حاضر ہوئے۔ تبرک پیش کیا۔ حضور نے انہیں ایک سو روپیہ نذر کے دیئے۔

۱۳- اگست ۱۸۴۷ء۔ جاگیردار جھجر نے بادشاہ سلامت کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ حضور والا کے حسب

الارشاد پچیس سوار قصبہ ریواڑی میں صاحب ضلع گوڑگانوہ کے پاس روانہ کر دیے ہیں۔ حضور نے جواباً تحریر فرمایا کہ ہم نے سو سواروں کے لئے لکھا تھا۔ پچیس کا اور انتظام کر کے فوراً روانہ کر دو۔

نواب صاحب جھجر کی عرضی پہنچی کہ پرگنہ پاؤدی کی جھیل کا پل موسم برسات گذر جانے کے بعد تیار کیا جائے گا۔ صدر دفتر سے یہی اطلاع موصول ہوئی ہے۔

حضور والا کی آگاہی کے لئے عریضہ ارسال کیا گیا کہ میجر فاسٹر صاحب بہادر کے رسالہ کے سوار جو علاقہ شیخاواٹی میں متعین تھے اور جن کی موقوفی کی خبر شائع ہو چکی تھی' صدر دفتر کے احکام کے بموجب پھر ان سب کو ان کے عہدے پر بحال کر دیا گیا ہے' اس لئے یہ سوار پھر اپنے علاقہ پر واپس چلے گئے۔

صاحب "قران السعدین" لکھتے ہیں کہ "تاریخ ابوالفدا" جو عربی تاریخوں میں بہت مشہور تاریخ ہے اور جس میں دنیا کی ابتدائے آفرینش سے لے کر ۷۲۹ھ تک کے حالات موجود ہیں' عنقریب اردو زبان میں ترجمہ ہو کر شائع ہونے والی ہے۔ ڈاکٹر اسپرنجر صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی اس کے متعلق بہت جدوجہد کر رہے ہیں۔

(معلوم نہیں یہ کتاب شائع ہوئی یا نہیں۔ حسن نظامی)

۳۰۔ اگست ۱۸۴۷ء۔ آج کل حضور پُرنور حوالی مزار قطب الاقطاب میں رونق افروز ہیں۔ نواب معظم الدولہ بہادر کا عریضہ حضور پرنور کے ملاحظہ سے گذرا۔ اس میں لکھا تھا کہ سرکار کمپنی بہادر کے متعینہ افسروں کا ارادہ ہے کہ دریائے جمنا کے اوپر سلیم پور سے لے کر سلیم گڑھ تک ایک پل تیار کیا جائے۔ تعمیر پل کے مہتمم نے اندازہ کیا ہے کہ سڑک کی درستی کے لئے انگوری باغ کی زمین کی ضرورت واقع ہوگی۔ لہٰذا بہتر ہے کہ یہ باغ سرکار کمپنی بہادر کے قبضہ میں دے دیا جائے۔ بادشاہ سلامت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ہم نے سلطنت کے تمام کاروبار صاحب کلاں بہادر کے سپرد کر دیے ہیں۔ اس باغ کے متعلق بھی جو کچھ کہنا سننا ہے' وہ صاحب کلاں بہادر سے کہا جائے۔ ہم اپنی رائے سے انہیں آگاہ کر دیں گے۔

وہ سوار جن کو نواب زینت محل بیگم صاحبہ نے حال میں ملازم رکھا ہے' بحساب فیصدی پچیس روپیہ نذرانہ دینے سے انکار کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے جو آٹھ ہزار روپیہ نذرانہ دیا تھا' محبوب علی خاں خواجہ سرانے واپس کر دیا۔ اس بات پر سب کو یک قلم موقوف ہونے کا حکم سنا دیا گیا۔

نواب عزیز النساء بیگم صاحبہ کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ سلامت نے ان کے لڑکے اور لڑکیوں کو پانچ دوشالے مرحمت فرمائے۔

حکیم احسن اللہ خاں کے ذریعہ سے سید محمد حسن رضا ساکن بنارس کو بادشاہ سلامت کی خدمت میں مجرا کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ انہوں نے چار سو روپیہ نذرانہ پیش کیا اور حضور انور نے خطاب اعتقاد الدولہ اور خلعت چار پارچہ اور دو رقم جواہر مرحمت فرمایا۔

ناظر قلعہ (انگریز) کے نام حکم جاری کیا گیا کہ مرزا فخر الدین بہادر شہزادہ نے انگریزی پڑھنے کے لئے ایک انگریز کو نوکر رکھا ہے' لہٰذا انگریز مذکور کو قلعہ میں آنے جانے سے نہ روکا جائے۔

مرزا جہاں خسرو بہادر کے ہاں فرزند ارجمند تولد ہوا۔ انہوں نے بادشاہ سلامت کی خدمت میں پانچ روپے

بطور نذرانہ پیش کیے۔ بادشاہ سلامت نے ایک کار چوبی جوڑا ایک منقش سہرہ چھٹی کی رسم کے طور پر ان کے ہاں بھیجا اور بچہ کا نام عالم خسرو بہادر تجویز فرمایا۔

خبر آئی کہ مرزا محمد شاہرخ بہادر مرحوم کے دولت خانہ میں محبت محل بیگم کے بطن سے فرزند ارجمند تولد ہوا ہے۔ حضور انور نے محمد شاہ اس کا نام تجویز فرمایا اور حکم ہوا کہ مولود مسعود کا نام تنخواہ داروں کی فہرست میں شامل کیا جائے اور جس طرح اور لوگوں کو تنخواہ دی جاتی ہے آئندہ سے ان کی تنخواہ کے اضافہ کا روپیہ بھی محبت محل بیگم کے پاس بھیجا جایا کرے۔

۱۰- ستمبر ۱۸۴۷ء۔ میر عمارت نے درگاہ حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ کے سامنے اس خوبصورتی اور زیبائش کے ساتھ دروازہ تعمیر کرایا کہ حضور انور بہت مسرور و محظوظ ہوئے۔ خلعت دوشالہ قبائے کمخواب اور سہ رقم جواہر سے معزز و ممتاز فرمایا اور محرر تعمیر کو بھی خلعت سہ پارچہ اور دو رقم جواہر عطا ہوئے۔ (یہ محل اور دروازہ اب تک مہرولی میں درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے غربی دروازہ کے متصل موجود ہے۔ محل شکستہ ہو گیا ہے۔ دروازہ سلامت ہے۔ حسن نظامی)

سلاطین باتمکین کی خاطر سے بادشاہ سلامت نے بھی مینڈھوں کی لڑائی کا تماشہ دیکھا۔

امام بخش خاں ناظر کے برادر زادہ مرزا علی خاں کو خلعت شش پارچہ اور دو رقم جواہر مرحمت ہوئے اور داروغگی کے عہدہ پر مقرر کیا گیا۔

آگرہ کی پلٹن کے عہدہ داروں اور دیگر ملازمین کو بھی انعام و اکرام سے مالا مال کیا گیا۔ ایک سانڈنی سوار کو حکم ہوا کہ دوڑا ہوا کچہری جائے اور معلوم کرے کہ محبوب علی خاں خواجہ سرا کا مقدمہ شروع ہو گیا یا نہیں۔

حضور انور خلد اللہ سلطنۃ شعبان کی ۲۷ تاریخ کو حضور قطب الاقطاب کی درگاہ معلی سے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ قلعہ معلی میں تشریف لے آئے۔

اقتدار الدولہ دبیر الملک مرزا سبکتگین بہادر شاہی دار الانصاف کے میر عدل کا انتقال ہو گیا۔ شہر کے روسا اور امراء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ بڑے لائق فائق آدمی تھے۔ جو کام یہ اکیلے کرتے تھے ان کی وفات کے بعد وہ کئی آدمیوں میں تقسیم کیا گیا۔ مفتی میر لال کو عدالت دار الانصاف کا میر عدل مقرر کیا گیا اور سیف الدولہ غلام عباس خاں کو محکمہ ایجنٹی شاہجہان آباد کا عہدۂ وکالت عطا کیا گیا۔ جیب خاص کی داروغگی اور درگاہوں کی تولیت کے عہدہ پر مرزا خاں پسر مرزا سبکتگین بہادر کو سرفراز فرمایا گیا اور اقتدار الدولہ دبیر الملک کا خطاب عطا ہوا۔ تعزیت کے طور پر ان کو خلعت اور ان کی والدہ اور بہنوں کو دو شالے مرحمت فرمائے۔

مرزا انور بخش بہادر کے بھائی مرزا منور بخت بہادر نے عرض کیا کہ بھائی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ان کا بہت سا مال و اسباب نواب رفعت النساء بیگم کے مکان میں موجود ہے کیونکہ مرحوم بیگم صاحبہ ہی کے گھر میں زیادہ تر رہتے تھے۔ بادشاہ سلامت نے بیگم صاحبہ کے نام ایک شقہ جاری فرمایا کہ تا حکم ثانی تمام مال و اسباب بحفاظت تمام اپنی تحویل میں رکھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی چیز ضائع ہو جائے۔ تحقیقات کے بعد حکم دیا جائے گا۔

دہلی کے ایک نامی گرامی تاجر نے بہت کافی تعداد میں شیشہ آلات کا سامان جامع مسجد دہلی کی زیب و زینت کے لئے دیا اور تین سو روپیہ سال جامع مسجد کے مصارف کے لئے اپنی طرف سے مقرر کیے۔

۱۷- ستمبر ۱۸۴۷ء۔ نواب معظم الدولہ بہادر کے دو عریضے حضور انور کے ملاحظہ میں پیش کئے گئے۔ حکم ہوا کہ جو سوار کوٹ قاسم کے لئے متعین کئے گئے ہیں ان کی تنخواہیں اب تک کیوں نہیں تقسیم کی گئیں۔ اس کا کیا سبب ہے؟ کچہری نظارت میں اطلاع دی جائے۔ الٰہی بخش خواجہ سرا کے قتل کے جو گواہ ہیں ان کو ہمارے حضور میں پیش ہونے کے لئے دہلی روانہ کر دیا جائے۔

صاحب کلاں بہادر کے نام ایک شقہ جاری فرمایا کہ کوٹ قاسم کے جن سواروں کو عرصہ ہوا علیحدہ کر دیا گیا تھا وہ کیوں ابھی تک وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان سے کہہ دیا جائے کہ جائیں اپنا راستہ لیں اور ان کی تنخواہوں کی رسیدیں بھی بھیج دی جائیں۔

حافظ احمد علی کو مرزا جواں بخت بہادر کے روزہ رکھنے کی تقریب میں عطائے خلعت سے سرفرازی بخشی گئی۔

رتھ خانہ کے داروغہ حافظ قادر بخش پسر نبی بخش کو عہدۂ کیدانی خلعت اور خان کا خطاب عطا کیا گیا۔

سواروں کے دو رسالے جو میرٹھ سے آئے تھے ان کو حکم ہوا کہ قصبۂ بھوانی کے بندوبست کے لئے صاحب بہادر ضلع رہتک کی خدمت میں حاضر ہوں۔

حسین بخش سوداگر کے نام شقہ جاری فرمایا کہ عیدگاہ میں ایک خوبصورت چبوترہ بنوا دو۔ پتھر وغیرہ کی ضرورت ہو تو پرانے قلعہ سے منگالو۔ اس میں کوئی مزاحمت نہیں کرے گا۔ اسی امر کے متعلق مجسٹریٹ بہادر ضلع دہلی کے نام بھی ایک خط انگریزی میں روانہ کیا گیا۔ (انہی حسین بخش کا ایک مدرسہ جامع مسجد کے پاس اب بھی موجود ہے۔ حسن نظامی)

۲۴- ستمبر ۱۸۴۷ء۔ نواب معظم الدولہ بہادر کے نام حضور انور نے دو شقے جاری فرمائے۔ یہ معلوم نہ ہوا کہ ان میں کیا لکھا ہوا تھا اس لئے ہم بھی مطلب کے تحریر کرنے سے مجبور ہیں۔

موتی بیگم زوجہ نواب مجد الدولہ عبدالاحد خاں مرحوم نے ایک درخواست بھیجی کہ میرے فرزند علاتی (سوتیلے لڑکے) دلدار علی کو کپتانی کا عہدہ مرحمت فرمایا جائے۔ کپتان سابق نے جو کچھ نذرانہ دیا تھا دلدار علی نے اس سے زیادہ نذرانہ پیش کیا۔ حضور انور نے نذرانہ قبول فرمایا۔ خان کا خطاب کپتانی کا عہدہ اور عطائے خلعت سے معزز و ممتاز فرمایا۔ اس عنایت خاص سے دلدار علی اپنے ہمعصروں میں بہت ذی عزت اور ممتاز ہو گئے۔

حضور انور نے راکھی سلونوں کے میلہ کی تقریب میں راجہ بھولا ناتھ کو پچاس روپے اور تخت خاص کے کہاروں کو ایک اشرفی مرحمت فرمائی۔ اس عیش و عشرت کے وقت میں حضور انور نے ایک مطربہ زہرہ پیکر ماہ طلعت کو شرف مناکحت سے اعتبار و امتیاز کا رتبہ مرحمت فرمایا۔ اختر محل خطاب دیا۔ دو سو روپے ماہوار مقرر فرمائے۔ ایک خواجہ سرا و خدمت گار ڈیوڑھی پر مقرر کئے اور اعلیٰ اعلیٰ قسم کے بہت سے زیورات عطا ہوئے۔ (لیجئے بڑے میاں نے سلونوں کی تقریب میں ایک اور سلونی شادی کر لی۔ حسن نظامی)

لالہ زور آور چند اور محبوب علی خاں خواجہ سرا کو حکم دیا گیا کہ دونوں پلٹنوں کے نشان کے پٹے پرانے ہو گئے ہیں نئے بنوا دیے جائیں۔ (نئی بیویوں کی تیسری پلٹن کا حال معلوم نہ ہوا کہ ان کے پٹے بھی بنوائے گئے تھے یا نہیں۔ حسن نظامی)

صاحب کلاں بہادر کے نام فرمان قدسی جاری ہوا کہ گنگا داس مہاجن پانچ ہزار دو سو روپیہ کا مال و اسباب فریب دے کر قطبی بیگم صاحبہ زوجہ مرزا محمد شاہرخ بہادر شہزادہ مرحوم سے قلعہ میں سے لے کر گیا ہے اور اپنے مکان میں روپوش ہے۔ اب تک آ کر شکل نہیں دکھائی۔ صاحب مجسٹریٹ بہادر کو لکھا جائے کہ یہ سب سامان اس سے واپس لے کر مالکہ کے پاس بھیج دیں۔

یکم اکتوبر ۱۸۴۷ء۔ اطلاع دی گئی کہ مرزا محمد بلاقی بہادر مرحوم کا وہ مال و اسباب جو ملازمان نظارت کی زیر حفاظت تھا' چوری ہو گیا۔ حضور انور نے یہ سن کر بدرالدین علی خاں کپتان کو حکم دیا کہ واقعات کی تحقیق کر کے ہمارے حضور میں رپورٹ پیش کریں۔

موضع باؤلی کے نمبردار سیر سنگھ اور بخشی رام نے عرضی بھیجی کہ اس موضع کی نمبرداری کی سند سلطانی ہم دونوں کے نام ہے۔ ضلع کے کلکٹر صاحب نے بندوبست کے وقت ہمارے علاوہ دو اور آدمیوں کو اس عہدہ پر نامزد کر دیا ہے۔ اس سے ہماری حق تلفی ہوتی ہے۔ بادشاہ سلامت نے یہ عرضی ملاحظہ فرما کر صاحب کلاں بہادر کے نام شقہ جاری فرمایا کہ ان دونوں نمبرداروں کے پاس سند شاہی موجود ہے۔ ان کے سامنے کسی دوسرے کا حق نہیں ہے۔ صاحب کلکٹر کو سمجھا دیجئے کہ دونوں نئے نمبرداروں کے نام نمبرداری سے خارج کر دیں۔

عرض کیا گیا کہ گردھاری لال گنگا داس کے بھتیجے نے مرزا محمد شاہرخ بہادر کے مکان میں سے نقد روپیہ اور زیورات کی چوری کر لی ہے۔ تقریباً آٹھ ہزار روپیہ کا تو صرف زیور ہی ہے۔ حضور انور نے یہ سن کر فرمان جاری کیا کہ چور کو پکڑ کر ہمارے حضور میں پیش کریں۔ چور کو شہر سے گرفتار کر کے لائے اور حضور انور کی خدمت میں پیش کیا۔ چور کے اور گواہوں کے بیانات لئے گئے' جن سے صاف ثابت ہو گیا کہ یہ مجرم ہے۔ آخر مجرم نے خود بھی اقبال کر لیا اور کہا حضور کا سارا سامان میرے مکان پر موجود ہے۔ کسی کو ساتھ کر دیجئے تاکہ میں واپس کر دوں' لیکن میرا جو ایک ہزار ایک سو چھتیس روپیہ باقی ہے' وہ میں اس میں سے وضع کر لوں گا۔ پھر مجرم کو معظم الدولہ بہادر دام اقبالہ کے پاس محکمہ ایجنٹی میں روانہ کر دیا اور زبانی تاکید فرما دی کہ جو کچھ مال و متاع اس نے چرایا ہے' پہلے وہ وصول کر لیا جائے کیونکہ یہ اقبالی مجرم ہے' اس کے بعد مقدمہ کے متعلق جو کچھ رائے ہو وہ تجویز کی جائے اور چونکہ اس نے قلعہ مبارک میں جرم کیا ہے' لہٰذا پھر اس کو قلعہ میں بھیج دیا جائے۔

صاحب کلاں بہادر کے نام شقہ جاری کیا گیا کہ مجاہد پور کے پل کی طرح موضع کہار پورہ میں بھی ایک پل تیار کیا جائے۔

صاحب کلاں بہادر نے انگوری باغ کی سڑک کا نقشہ ارسال کیا۔ حضور انور نے ملاحظہ فرما کر ارشاد کیا کہ اس کے طول و عرض کی پوری کیفیت لکھنی چاہئے اور اس بات کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی کہ دریائے جمنا کے اوپر انگوری باغ سے ملی ہوئی جو پانچ بیگھہ زمین ہے' اس کی پیمائش کیوں نہیں کی گئی۔ اس کا کوئی معقول سبب لکھنا چاہئے اور اس میں نئے نشان بنا کر نقشہ کو مکمل کر لینا چاہئے۔

خدام دربار نے زرین کمربند ملاحظہ کے لئے پیش کئے۔ حضور نے بہت پسند فرمائے۔

گنگاداس حسب الطلب جناب صاحب کلاں بہادر حاضر ہوا۔ کہنے لگا حضور میں نے خیانت نہیں کی بلکہ نواب قطبی بیگم صاحبہ نے زیورات میرے پاس رہن رکھوائے تھے۔ سوال کیا گیا کہ اگر زیور رہن رکھوائے تھے تو نقد روپیہ کیوں لے گیا تھا۔ اس کا جواب گنگاداس سے کچھ نہ بن پڑا اور اس صورت سے گویا اس نے جرم کا اقبال کر لیا اس لئے اس کو نظر بند کر دیا گیا۔

دلی میں آج کل چنگی کے محصول کی آمدنی بہت زیادہ ہو گئی ہے' چنانچہ اس سال تقریباً دس لاکھ انچاس ہزار سات سو چھیاسٹھ روپیہ کا اضافہ ہوا ہے' اس لئے کہ ۱۸۴۵ء و ۱۸۴۶ء میں چھتیس لاکھ نو ہزار پانچ سو اکیس روپیہ آمدنی ہوئی تھی اور ۱۸۴۷ء میں چھیالیس لاکھ انسٹھ ہزار دو سو ستاسی روپیہ آمدنی ہوئی ہے۔ ٹیکس کے اس اضافہ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی میں آج کل تجارت کی بہت گرم بازاری ہے۔ سب سے زیادہ نمک کے محصول کی آمدنی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نمک کی تجارت خوب زوروں پر ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ شکر کے محصول کی آمدنی نمک کے مقابلہ میں بہت ہی کم رہی۔ گیارہ لاکھ روپیہ نمک کے محصول کی آمدنی ہے اور شکر کے محصول کی آمدنی صرف پچاس ہزار ہے۔

۸-اکتوبر ۱۸۴۷ء۔ حضرت شاہ جہاں خلد اللہ ملکہ نظارت خاں کے باغ میں رونق افروز ہوئے۔ نظارت خاں نے نقد نذرانہ پانچ گلدستے' چکنی ڈلی کی پانچ کشتیاں بطور تحفہ حاضر کیں۔ حضور انور نے یہ سب چیزیں قبول فرمائیں۔ ڈومنیوں نے نغمہ و سرود کی محفل گرم کی۔ حضور انور بہت مسرور و محظوظ ہوئے۔ جمعۃ الوداع کو حضور بادشاہ سلامت شان و شوکت کے ساتھ جامع مسجد دہلی میں تشریف لے گئے۔ خطبہ اور نماز سے فراغت کے بعد امام صاحب جامع مسجد کو خلعت مرحمت فرمایا۔ آتے جاتے وقت سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔

عید فطر کی نماز کے لئے حضور پرنور عیدگاہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ مرزا محمد فتح الملک بہادر بھی موجود تھے۔ سواری نہایت دھوم دھام اور شوکت و شکوہ کے ساتھ عیدگاہ پہنچی۔ حضور نے نماز عید ادا فرمائی۔ خطبہ سنا۔ اس کے بعد امام صاحب کو خلعت شش پارچہ اور دو رقم جواہر اور مرزا خضر سلطان بہادر کو کمخواب کی قبا اور سہ رقم جواہر اور دیگر حاضرین کو حسب مرتبہ اور شایان شان انعام و اکرام سے مالا مال اور سرافراز فرمایا۔

عرض کیا گیا کہ وزیر نامی ایک شخص جو چوری کی علت میں نظارت خانہ میں مقید تھا لوہے کی سلاخیں توڑ کر رات کو جیل خانہ سے فرار ہو گیا۔ حضور نے حکم دیا کہ پوری کوشش کے ساتھ اس بدبخت کی تلاش کی جائے۔ صاحب کلاں بہادر کے پاس بھی اس شخص کی گرفتاری کے متعلق تاکیدی فرمان بھیجا۔

مفتی رحمت علی خاں اور کنور مہیش داس خلف راجہ سوہن لال کی نذر حضور انور نے قبول فرمائی اور کنور مہیش داس سے ارشاد فرمایا کہ ہم تم سے بہت خوش ہیں۔ تم ہمارے دربار میں حاضر ہوا کرو۔ عرض کیا زہے قسمت سر آنکھوں سے حاضر ہو کر قدم بوسی کا افتخار حاصل کروں گا۔

مرزا محمد جواں بخت بہادر کو تمام کارخانوں کی اتنی کا عہدہ اور خلعت کا اعزاز و امتیاز بخشا گیا۔

حضور انور نے رام سہائے ساہوکار کے پانچ سو روپیہ کے قرضہ کا تمسک اور ایک شقہ جناب صاحب کلاں بہادر کے نام روانہ فرمایا۔ شقہ میں تحریر تھا کہ رام سہائے ساہوکار کا روپیہ پرگنہ کوٹ قاسم کی آمدنی میں سے ادا کر دیا جائے۔

اس خط کے ساتھ جمنا داس کے قرضہ کی نقل بھی روانہ کی گئی۔

تھانہ پہاڑ گنج کے انسپکٹر صاحب ایک قاتل کی گرفتاری کے لئے گوڑ گانوہ پہنچ گئے۔

دہلی میں چند روز تو ایسی سخت گرمی پڑی کہ خلوق چیخ اٹھی' مگر جب سے بارش ہوئی تو ہوا میں کچھ خنکی پیدا ہو گئی ہے اور گرمی کا زور کم ہو گیا ہے۔

''صدر الاخبار'' کے ایڈیٹر صاحب نے لکھا ہے کہ شاہجہاں بادشاہ علیہ الرحمۃ کے زمانہ کا ایک کتبہ جامع مسجد دہلی میں لگا ہوا ہے' جس میں لکھا ہے کہ پانچ ہزار آدمیوں کے عملہ نے چھ سال لگا تار جامع مسجد کی تعمیر میں گذارے ہیں اور دس لاکھ روپیہ اس پر صرف ہوا ہے' مگر جب ہم دس لاکھ روپیہ کو پانچ ہزار مزدوروں' سنگتراشوں وغیرہ پر تقسیم کرتے ہیں اور چھ سال کا حساب لگاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقم بہت تھوڑی ہے۔ بالکل غیر ممکن۔ پانچ ہزار مزدوروں پر چھ سال میں صرف دس ہی لاکھ روپیہ صرف ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ حساب میں کوئی غلطی ہو گئی ہے یا کسی مصلحت کی وجہ سے یہ رقم صحیح نہیں لکھی گئی' کیونکہ مزدوروں وغیرہ کی اجرت کے علاوہ پتھر ہیں' چونا ہے اور اس قسم کے بعض ضروری سامان ہیں۔ آخر ان پر بھی کچھ روپیہ صرف ہوا ہوگا۔ یہ چیزیں مفت آنے سے تو رہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ دس لاکھ روپے کیونکر لکھے گئے۔

راقم کے نزدیک صاحب ''صدر الاخبار'' کو کچھ غلط فہمی ہوئی۔ اول تو یہ کہ اس زمانہ کے مصارف بہت کم تھے۔ دوسرے یہ کہ بعض مزدوروں نے محض مذہبی خدمت کے شوق میں کام کیا ہوگا اور اجرت بہت کم لی ہوگی یا بالکل نہ لی ہوگی۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ سنگ سرخ' سنگ مرمر وغیرہ پر کچھ خرچ نہ ہوا ہو اور یہ سامان ریاستوں سے نذر بھیج دیا ہو اور یہ دس لاکھ روپیہ صرف مزدوروں پر خرچ ہوا ہو اور چونہ وغیرہ ممکن ہے اپنے زیر اہتمام بھٹہ قائم کر کے تیار کیا گیا ہو۔ پس اس صورت میں خرچ معمول سے بہت کم رہ جاتا ہے۔ اس لئے یہ یقینی ہے کہ جو کچھ جامع مسجد کے کتبہ میں لکھا گیا بالکل صحیح ہے اور اس میں کسی طرح غلطی کا امکان نہیں ہے۔ واللہ علم۔

۱۵-اکتوبر ۱۸۴۷ء۔ آج حضرت بادشاہ جہاں پناہ خلد اللہ ملکہ نے بٹیروں کی لڑائی کا تماشہ دیکھا اور بہت خوش ہوئے۔

مرزا احمد بیگ کو کلید خانہ کی داروغگی کا عہدہ مرحمت فرمایا اور معتمد الدولہ کے خطاب سے سرفراز کیا۔ مولوی عبد الجامع کو بتقریب درس کچھ سونا چاندی عطا فرمایا۔

آج ہر قسم کے کاروبار کی انتی کا عہدہ مرزا جواں بخت بہادر کے سپرد کر کے ارشاد ہوا کہ حسب معمول سب اہلکار مرزا جواں بخت بہادر کو نذر دیں۔

راجہ سوہن لال بہادر متوفی کے لڑکے کنور مہیش داس سے ایک ہاتھی سات سو روپیہ میں خرید فرمایا اور فصل بہار ۱۲۵۴ فصلی میں روپیہ کے ادا کرنے کا وعدہ کیا اور قرضہ کا ایک رقعہ بھی لکھ دیا گیا جس کو کنور مہیش داس نے اپنی تحویل میں لے لیا اور ہاتھی شاہی فیل خانہ میں بھیج دیا گیا۔

مرزا ولی عہد بہادر نے حکم آبخشی میں درخواست بھیجی کہ گلابی باغ میرے سپرد کر دیا جائے۔ نواب معظم الدولہ نے اس درخواست کی نقل اپنے عریضہ کے ساتھ حضور انور کی خدمت میں ارسال کر دی۔ ارشاد ہوا کہ یہ باغ عرصہ دراز

سے شاہی تولیت میں چلا آتا ہے۔ حضرت عرش آرام گاہ جعل الجنۃ مثواہ (یعنی اکبر بادشاہ) نے نواب زکیہ بیگم کو انعام کے طور پر مرحمت فرمایا تھا' بیگم صاحبہ نے باغ کو اپنا مدفن بنالیا اور مرزا محمد شاہرخ بہادر مرحوم کو اس کا متولی کر دیا اور جب مرزا محمد شاہرخ بہادر کا انتقال ہوا تو وہ بھی اسی باغ میں دفن کیے گئے۔ اب اگر مرزا ولی عہد بہادر اس کی تولیت چاہتے ہیں تو اس کے لئے یہ شرط ہے کہ اس باغ کی تمام آمدنی باغ ہی کی درستی وانتظام میں صرف کرنی ہوگی اور اگر کچھ روپیہ بچ رہے گا تو وہ شاہی خزانہ میں داخل کیا جائے گا۔ اگر یہ شرط منظور ہے تو بسم اللہ آج ہی سے تولیت نامہ لکھ دیا جائے گا اور اگر یہ شرط منظور نہیں ہے تو باغ نہیں دیا جا سکتا۔

عرض کیا گیا کہ مرزا محمد شاہرخ بہادر مرحوم کا خزانچی گنگا داس ساہوکار جو خیانت کی علت میں گرفتار ہوا تھا' محکمہ ایجنسی سے صاحب مجسٹریٹ بہادر کے پاس روانہ کیا گیا۔ مجسٹریٹ نے اس کے بیان لے کر حکم دیا کہ تم اگر ضامن پیش کر سکو تو تم کو رہا کر دیا جائے گا۔ یہ واقعات سن کر ارشاد فرمایا کہ اس مقدمہ کی مثل مرتب ہوگئی ہے۔ جس سے اس کے جرم کا اثبات ہوتا ہے۔ یہ مثل مجسٹریٹ بہادر کے پاس بھیج دینی چاہئے' تا کہ وہ اس سے مقدمہ کی اصل کیفیت معلوم کر کے صاحب ایجنٹ بہادر کے پاس روانہ کر دیں۔ حضور والا نے صاحب ایجنٹ بہادر کے نام ایک چٹھی بھی تحریر فرمائی جس میں مجرم کے ثبوت جرم اور سزا کے متعلق چند ہدایتیں مندرج تھیں۔

کلید خانہ کے داروغہ احمد بیگ سے ارشاد فرمایا کہ پھول والوں کی سیر میں ہمارا بھی جانے کا ارادہ ہے۔ بیگمات کے آنے جانے کی بھی کوئی صورت ہونی چاہئے۔ میرے خیال میں مناسب یہ ہے کہ ڈیوڑھی عدالت سے لے کر لال پردہ تک قناتیں ایستادہ کر دی جائیں۔

حسین مرزا ناظر کو حکم ہوا کہ شہر سے جوہری بچوں اور صنعت پیشہ لوگوں کے لڑکوں کو بلا کر مہتاب باغ میں مینا بازار اور جوہری بازار لگایا جائے۔

عرض کیا گیا کہ مرزا محمد شاہرخ بہادر مرحوم کے صاحبزادے مرزا عبداللہ نے تقریباً چالیس پچاس لڑکے جمع کئے ہیں۔ دو روپیہ ماہوار ہر ایک کی تنخواہ مقرر کی ہے۔ لڑکے دس برس کی عمر سے لے کر بارہ برس کی عمر تک کے ہیں۔ صبح وشام ان کو قواعد سکھائی جاتی ہے۔

حضرت عالی نے حکم نافذ کیا کہ مان بائی منکوحہ جدیدہ کے واسطے خطاب اختر محل کی ایک مہر تیار کی جائے۔ (یہ مان بائی طوائف تھی۔ حسن نظامی)

۲۲۔ اکتوبر ۱۸۴۷ء۔ حضرت بادشاہ سلامت نے پھول والوں کی سیر کے دن زبان گوہر فشاں سے فرمایا کہ بارگاہ شاہی سے میلہ تک عمدہ عمدہ قناتیں اور قیمتی خیمے نصب کئے جائیں اور صرافوں' جوہریوں' میوہ فروشوں اور ہر قسم کے دکانداروں کو اطلاع دے دی جائے کہ دکانداری کا مال دے کر وہ اپنی بارہ بارہ تیرہ تیرہ برس کی لڑکیوں کو خیمہ گاہ میں بھیج دیں اور یہ تاکید کر دیں کہ عمدہ عمدہ قسم کے مال لے کر آئیں اور دکان کو اچھی طرح سے سجائیں۔ شاہی بیگمات میلہ میں سیر و تفریح کی غرض سے تشریف لائیں گی تو عمدہ اور نفیس چیزیں خریدیں گی۔

حضور خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے عرس کی تقریب میں جہاں پناہ شان وشوکت کے ساتھ تشریف

ئے۔ مزار مبارک پر حاضر ہو کر فاتحہ خوانی کی۔ ختم شریف میں شریک ہوئے' تبرک حاصل کیا' دعائیں مانگیں اور پھر مراجعت فرمائی۔ سترہویں شریف کا نظارہ قابل تعریف و توصیف ہوتا ہے۔ ہر مقام اور ہر جگہ کے آدمی کشاں کشاں چلے آتے ہیں' روحانی برکتیں حاصل کرتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں۔

ماہ گذشتہ کے درمیانی دنوں میں خوب زور کی بارش ہوئی۔ ہر وقت ابر محیط آسمان رہتا تھا۔ گرمی کی گرم بازاری بھی سردی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ بارش کی کثرت کی وجہ سے دو چند کئی عمارتوں کو نقصان پہنچا۔ سنا ہے ایک مکان میں دو عورتیں اور چھ چھ سات سات برس کے دو بچے رہتے تھے۔ بارش کی وجہ سے مکان گر پڑا۔ وہ دونوں عورتیں اور دونوں بچے دب گئے۔ عورتیں تو بڑی مصیبت سے زندہ سلامت بچ گئیں' لیکن بیچارے بچے مر گئے۔ ایک جگہ اور بھی ایسا ہی واقعہ ہوا۔ چند آدمی بارش سے حفاظت کے لئے ایک دیوار کے نیچے کھڑے تھے۔ دیوار بارش کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکی اور گر پڑی۔ دیوار کا گرنا تھا کہ آدمی بھاگنے شروع ہوئے اور سب تو بھاگ گئے مگر تین آدمی دب گئے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے جان کی خیر رکھی' مگر پھر بھی غریبوں کے بہت سخت چوٹ آئی اور مرنے سے بدتر ہو گئے۔ وہ حی و قیوم تو تنکے میں بھی جان ڈالتا ہے۔ یہ تو صرف زخمی ہی ہیں۔ امید ہے، بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔

آج کل دہلی میں تپ و لرزہ کی بہت شکایت ہے۔ جس کو دیکھو بخار میں مبتلا ہے۔ اس سرے لے کر دوسرے سرے تک سب کی یہی کیفیت ہے۔ کہیں بھی اطمینان و سکون نظر نہیں آتا۔ ایزد اقدس اہل دنیا کو ہر قسم کی بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ انسان کی جان کے پیچھے بھی کیا کیا روگ لگے ہوئے ہیں۔ اتنی مصیبتوں پر تو یہ حال ہے اور اگر کہیں ذرا سی ڈھیل دے دی جائے تو زمین آسمان ایک کر دے۔

''صادق الاخبار'' کے ایڈیٹر صاحب نے رفتہ رفتہ اپنے اخبار کو اردو زبان کا اخبار بنا دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے فارسی زبان سے کیوں رابطہ الفت منقطع کر دیا؟ شاید اخبار کے خریداروں نے تقاضا کیا ہوگا کہ فارسی زبان ترک کر دو اور اردو زبان میں اخبار جاری کرو۔ اس کے علاوہ تو اور کوئی وجہ خیال میں نہیں آتی۔ (پہلے سب اخبار فارسی میں شائع ہوتے تھے۔ روزنامچہ نویس ''صادق الاخبار'' سے ناراض معلوم ہوتا ہے۔ حسن نظامی)

۲۹- اکتوبر ۱۸۴۷ء۔ نواب معظم الدولہ بہادر کے نام ایک شقہ جاری کیا گیا کہ سلیم گڈھ کی زمین میں جو درخت ہیں' وہ سڑک کے بننے میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں' اس لئے انگریزی حکام کا ارادہ ہے کہ یہ تمام درخت کاٹ ڈالے جائیں۔ اس بارے میں انہوں نے ہم سے دریافت کیا ہے اور لکھا ہے کہ سرکار انگریزی اس زمین کی قیمت بھی دینے کو تیار ہے' مگر ہمیں اس کی قیمت لینی منظور نہیں ہے۔ اگر سرکار کا کام زمین لینے اور درختوں کے کاٹے بغیر پورا نہیں ہو سکتا تو شوق سے وہ زمین لے لی جائے اور درخت کاٹ ڈالے جائیں' مگر اس زمین کے بدلے شہر میں کوئی زمین جو قیمت میں اس زمین کے برابر ہو ملازمین شاہی کو دے دی جائے۔ یہ صورت ایسی ہے جسے ہم طوعاً و کرہاً بخوشی خاطر منظور کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ضروری ہے کہ جس بارہ دری کو کپتان صاحب نے توڑا ہے اس کے بدلے ایک ہزار روپیہ نقصان کا دینا چاہئے اور جو دیوار ابھی باقی ہے اس کی تعمیر کرانی چاہئے۔ بغیر اطلاع دیئے شاہی زمین پر اس طرح قبضہ کر لینا نامناسب بات ہے' اگرچہ ماہدولت کو اس کا کوئی ایسا خیال نہیں ہے۔

صاحب کلاں بہادر نے جواب میں عریضہ ارسال کیا کہ شہر میں کوئی ایسی زمین نہیں ہے جس کا تبادلہ کیا جاسکے۔ البتہ انگوری باغ کے پاس جو کچھ زمین ایسی ہے جو تقریباً طول و عرض اور قیمت کے اعتبار سے اس زمین کے برابر ہوسکتی ہے۔

ارشاد ہوا کہ اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے۔ سلیم گڑھ اور جھروکہ کے پاس اور حضور خواجہ قطب الاقطاب قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے متصل جو زمین ہے اہل کاران شاہی اسے تبادلہ میں قبول کرسکتے ہیں۔

ولی عہد بہادر کے نام شقہ جاری کیا گیا کہ بیگم مرزا محمد شاہرخ بہادر مرحوم نے نالش کی ہے کہ ولی عہد بہادر کے ملازمین ہمارے آدمیوں کو گلابی باغ میں آنے جانے سے روکتے ہیں لہٰذا تم کو چاہئے کہ اپنے نوکروں کو سمجھادو کہ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ اس طرح روکنے سے ایک تو ان کی حق تلفی ہوتی ہے۔ دوسرے مابدولت کی ناخوشی کا بھی باعث ہے۔ اگر تم سے اس امر کا انتظام نہ ہوسکا تو مجھے تمہیں باغ کی تولیت سے سبکدوش کرنا پڑے گا۔ میں کوئی ایسی بات کرنی نہیں چاہتا جو حق و انصاف کے خلاف ہو۔

(اصل میں بادشاہ موجودہ ولی عہد سے خوش نہ تھے کیونکہ وہ انگریزوں کے زور سے ولی عہد بنائے گئے تھے۔ حسن نظامی)

فوجدار خاں کے بھانجے میر حیدر علی کی شادی خانہ آبادی ہوئی۔ حضور انور نے خلعت فرخ سیری اور سہرہ مقیشی مرحمت فرمایا۔

مسٹر جی۔ سی۔ مور قایم مقام مجسٹریٹ دلی جس علاقہ میں پہلے تھے پھر وہیں جانا چاہتے ہیں۔ یہ پہلے سپرنٹنڈنٹ اجمیر شریف کے دفتر میں اسسٹنٹی کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ ان کے آنے سے وہ جگہ خالی رہ گئی اس لئے مجبوراً دوبارہ انہیں کو جانا پڑا۔

مشہور ہے کہ ضلع روہتک اور ضلع کیتھل جو پہلے کمشنر جالندھر سے متعلق تھے اب ان سے علیحدہ کردیے جائیں گے۔ اس صورت میں ممالک مفتوحہ پنجاب میں سے صرف تین ضلعے کمشنر جالندھر کے متعلق باقی رہ جاتے ہیں۔

۳۰۔ دسمبر ۱۸۴۷ء۔ حضرت قدر قدرت نے اپنے بھائی میرزا جہاندار شاہ بہادر شہزادہ کے نام سے ایک شقہ جاری فرمایا کہ تم مفسدہ پرداز سلاطین کو اپنے مکان میں جمع نہ ہونے دو۔ تمہارے مکان پر ان مفسدوں کا اجتماع تمہیں بھی پریشان کردے گا۔ عقلمندوں کا قاعدہ ہے۔ جس چیز میں ضرر دیکھتے ہیں اس سے احتراز کرتے ہیں۔ کئی اطلاعی رقعے سلاطین کے نام روانہ کیے گئے کہ ان لوگوں کو جو فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں حصہ لیتے ہیں قلعہ معلی میں آمد و رفت نہ رکھنی چاہئے۔ محل قدسیہ کے رہنے والے سلاطین کو بھی اطلاع دی گئی کہ نئے محلہ میں آنے جانے سے سوائے نقصان کے کچھ فائدہ نہیں ہے مگر وہ نہیں مانے اور اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے۔ لہٰذا تم کو حکم دیا جاتا ہے اور یہ حکم تاکیدی ہے۔ اس پر عمل کرنا ہر خیر خواہ سلطنت کا فرض ہے۔

کنور سالگرام نے اپنے مطلوبہ روپیہ کا حساب پیش کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ جہانگیر گنج کی جائداد پر جو روپیہ قرض لیا گیا تھا اس کا حساب نواب معظم الدولہ نے ہمارے ملاحظہ کے لئے پیش کیا ہے۔ یہ حساب اگر تمہارے

نزدیک صحیح ہے تو پھر تم نے چاندنی چوک اور باغ کی دوکانوں پر خواہ مخواہ قبضہ کیوں کر رکھا ہے۔ اگر اس جائداد کو مصارف خسروی کے حساب میں لگایا ہے' جب بھی تمہیں حساب پیش کرنا چاہئے۔ دستاویز اور ہمارے مہر و دستخط دکھانے چاہئیں۔ خود بخود بلا اطلاع جائداد پر اس قسم کا قبضہ کر لینا معاملہ کے خلاف ہے۔ تمہیں بہت جلد معاملہ صاف کر لینا چاہئے' تاکہ بعد میں کوئی اور بات پیدا نہ ہو۔

مولوی فخر الدین حسین خاں کے نام حکم جاری کیا گیا کہ تمام مرشدزادگان اور سلاطین وغیرہ کے نام بھیجنے کے لئے ہدایت نامہ کے طور پر اس مضمون کا ایک مسودہ مرتب کر دو کہ آپس میں لڑائی جھگڑا' مار پیٹ' دنگہ فساد کرنا' ہمارے خاندان عالی شان کی بدنامی کا باعث ہے۔ اگر کسی ذی شعور کے سامنے یہ کہا جائے کہ فلاں خاندان کے شہزادے بات بات پر لڑے مرتے ہیں اور ان کے اخلاق کی یہ کیفیت ہے کہ بغیر گالی کے بات نہیں کرتے' تو وہ سن کر کیا کہے گا۔ آپ لوگوں کے اس ناشائستہ طرز عمل سے بادشاہ سلامت کو سخت صدمہ ہے۔ اخلاق اور شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ لوگ اپنے طریق کار میں تبدیلی پیدا کریں۔ نواب معظم الدولہ بہادر نے مجھے رائے دی ہے کہ ایسے لوگوں سے باامن رہنے کے مچلکے طلب کر لئے جائیں جو لڑائی جھگڑے میں آئے دن حصہ لیتے رہتے ہیں۔ لہٰذا تم سب کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ہر شخص اس مضمون کا ایک ایک اقرار نامہ کہ آئندہ باامن زندگی بسر کروں گا' مار پیٹ اور گالم گلوچ سے اجتناب کروں گا' لکھ کر ہمارے حضور میں پیش کر دے۔

مولوی فخر الدین نے ارشاد عالی کے جواب میں عرض کیا کہ ایسا ہی مضمون لکھ کر ملاحظہ کے لئے بہت جلد پیش کر دوں گا۔

حضور انور نے صاحب کلاں بہادر کے نام ایک شقہ تحریر فرمایا کہ رفاہ عام کی نیت سے حافظ محمد داؤد خاں کا ارادہ ہے کہ لال ڈگی سے جامع مسجد کے حوض کے لئے پانی کا انتظام کیا جائے۔ آپ مہتمم نہر کے نام اجازت نامہ لکھ دیجئے کہ وہ اس کام میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں۔

دیوالی کے دن ہندوؤں نے مٹی کے کھلونے اور مٹھائی حضور انور کی خدمت اقدس میں پیش کی' جسے حضور نے شرف قبولیت مرحمت فرما کر دیوالی کی تعطیل کا حکم سنا دیا۔

ایک خط جناب صاحب کلاں بہادر کے نام روانہ فرمایا' جس میں لکھا تھا کہ قلعہ کے سلاطین حکم شاہی کی بجا آوری میں سستی اور بے توجہی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس بارے میں کوئی مناسب تجویز غور کر کے ہمیں بتاؤ تاکہ اس پر عمل کیا جائے اور ان لوگوں کا یہ عیب دور ہو۔

(زوال اور تباہی ان سب کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ غدر کی قیامت نے ان سب شرارتوں کا خاتمہ کر دیا۔ مفت کی روٹیاں ملتی تھیں اور وقت کاٹنے کے لئے کچھ کام نہ تھا' اس لئے آپس میں لڑتے تھے۔ بے کار نہ رہنے دیا جاتا تو خود اصلاح ہو جاتی۔ حسن نظامی)

۳۱- دسمبر ۱۸۴۷ء۔ حضور پُر نور خلد اللہ ملکہ آج کل حضرت خواجہ قطب صاحب کے مزار پُر انوار کے پاس والی حویلی میں رونق افروز ہیں۔ حضور انور نے نواب معظم الدولہ بہادر کے نام ایک شقہ جاری فرمایا۔ اس میں ان دیہاتوں کی

فہرست بھی روانہ فرمائی جو ارکین سلطنت کی طرف سے قرضداروں کے حوالے کیے گئے تھے۔

مرزا محمد بخش بہادر کے نام شاہی فرمان پہنچا کہ صاحب قلعہ دار کے پاس جاؤ اور صدر عالی قدر کے زیر ہدایت تنخواہوں کے اضافہ کا جو نقشہ تیار ہوا ہے' فرداً فرداً اس کی نقل کرلو اور ہر شخص کے نام کے ساتھ اس کی سکونت بھی لکھ لو۔ اس کام میں حتی الامکان جلدی کرنا' کیونکہ صدر دفتر میں روانہ کرنے کی عجلت ہے۔

مرزا ولی عہد بہادر کے نام عریضہ کے جواب میں ایک شقہ جاری فرمایا' جس میں درج تھا کہ تمہاری ناسازی طبع کا حال خط میں پڑھ کر بہت افسوس اور فکر ہوا۔ اللہ تعالیٰ صحت کامل مرحمت فرمائے۔ اگر حکیم کی ضرورت ہو یا کسی قسم کی دوا درکار ہو تو ہم سے کہلا بھیجنا۔ سب کا انتظام ہو جائے گا۔

نظارت خاں کے نام حکم نامہ جاری ہوا کہ کوئی شخص عاشورہ کے دنوں میں مسلح ہو کر براق کے ساتھ قلعہ سے باہر نہ جائے۔ سلاطین شیعہ سنی جو آمادہ فساد ہیں' ان کو بھی سمجھا دیا جائے کہ اس قسم کی لڑائی جھگڑوں میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اگر کسی نے فساد برپا کیا تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔ یہ باتیں سلاطین کے لائق نہیں ہیں۔ اپنی جان کا نقصان الگ ہوتا ہے اور جگ ہنسائی الگ ہوتی ہے۔ کم سے کم خاندان ہی کی عزت و حرمت کے خیال سے سلاطین کو ان جھگڑوں سے احتیاط کرنی چاہیے۔ (سلاطین میں کچھ شیعہ تھے اور کچھ سنی تھے اور دونوں لڑتے تھے۔ حسن نظامی)

قاضی عصمت علی اور قاضی عزیز الدین کو حضور انور نے خلعت ہائے فاخرہ مرحمت کر کے عزت و اکرام کا مرتبہ بخشا۔

صاحب قلعہ دار بہادر حاضر ہوئے۔ مزاج معلی کی خیر و عافیت دریافت فرمائی۔ ان سے ارشاد ہوا خدا جانے سلاطین کو کیا ہو گیا ہے جو آپس میں لڑتے مرتے ہیں اور آپس میں تو آپس میں خود مابدولت کے ساتھ یہ کیفیت ہے کہ جو حکم دیا جاتا ہے' اسے ٹال دیتے ہیں۔ تاہم اس قدر ہیں کہ زر اضافہ کے بارے میں فتنہ پردازی اور خلل اندازی کرتے ہیں۔ حسد کے مارے ایک دوسرے سے جلے جاتے ہیں۔ مابدولت کی سمجھ میں تو یہ بات آتی ہے کہ جیب خاص کا روپیہ اور بیگمات کا زر اضافہ تو ہمارے پاس بھیج دیا جائے اور باقی ان لوگوں کا روپیہ اضافہ کے نقشہ کے بموجب باہر کے باہر ہی تقسیم کر دیا جائے۔ (بادشاہ کی مجبوری قابل توجہ ہے۔ حسن نظامی)

۳۰-مارچ ۱۸۴۸ء۔ حضور انور نے سیف الدولہ وکیل حاضر باش کی معرفت نواب لفٹنٹ گورنر کی خدمت میں میووں کے کئی خوان روانہ فرمائے اور خیریت مزاج استفسار کرنے کی ہدایت کی۔ معلوم ہوا کہ مرزا ولی عہد بہادر نواب لفٹنٹ گورنر کی خدمت میں ملاقات کرنے کی غرض سے تشریف لے جا رہے ہیں۔ فرمان جاری ہوا کہ سواروں کا جلوس شہزادہ ولی عہد بہادر کی ہم رکابی میں جانے کے لئے حضور قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس والے محل میں حاضر ہو۔

وکیل حاضر باش نے عرض کیا کہ محل ایجنٹی میں خیموں اور سپاہیوں کے پہرہ کی ضرورت ہے' لہٰذا حضور انور نے یہ ضرورت پورا کرنے کے لئے حکم نافذ فرمایا اور صاحب کلاں بہادر کے نام شقہ جاری کیا گیا۔ اس کام میں جو کچھ خرچ ہو گا' وہ روزانہ ادا کر دیا جائے گا۔

نواب معظم الدولہ بہادر راجیس صاحب کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مقام ہوڈل

تک نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے ساتھ جانے کا ارادہ ہے۔

کالکا داس فوت ہو گیا۔ اس کے لڑکوں کو خلعت سوگواری مرحمت کیا گیا اور ان سے مشک کے چار نافے ایک سو روپیہ میں خرید فرمائے گئے۔

بختاور سنگھ وکیل سلاطین اور گنگا داس مہاجن خزانچی کو میرزا محمد شاہرخ بہادر مرحوم کی زوجہ محترمہ قطبی بیگم صاحبہ۔ قلعہ معلیٰ میں آنے جانے سے منع کر دیا۔

عرض کیا گیا کہ حکیم صادق علی خاں صاحب جو شہر کے نامی گرامی حکیموں میں تھے رحلت کر گئے۔

لالہ نند لال بریلی کے سابق منصف دہلی میں صدر امینی کے عہدہ پر مقرر ہو کر آ گئے ہیں اور مفتی اکرام الدین خاں صاحب جو اس عہدہ پر پہلے کام کرتے تھے مدت ملازمت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ ایک سو پچیس روپیہ ماہوار پنشن مقرر ہوئی ہے۔

ہندول ریاست بیکانیر کا مختار کا جو بے چارہ عرصہ سے بیمار چلا آتا تھا فوت ہو گیا۔

۱۰- مارچ ۱۸۴۸ء۔ حضور جہان پناہ خلد اللہ ملکہ کی خدمت میں پیر زادہ حضرت غلام نصیر الدین کالے صاحب نے میووں کے بھرے ہوئے بہت سے خوان بھیجے۔ حکم ہوا کہ یہ میوہ تبرک کے طور پر حضار مجلس میں تقسیم کر دیا جائے۔

ربیع الاول شریف کی بارہویں تاریخ کو مداری مشرب فقیروں کی ایک جماعت حاضر دربار ہوئی۔ صوفی قادر شاہ کو خلعت سہ پارچہ مرحمت فرمایا گیا اور حکم ہوا کہ ان سب کو ان کی مرضی کے موافق کھانا کھلایا جائے۔

نواب معظم الدولہ بہادر کی دو عرضیاں حضور بادشاہ سلامت کے ملاحظہ سے گذریں۔ ایک میں لکھا ہوا تھا کہ میرزا محمد شاہرخ بہادر مرحوم کی زوجہ نواب قطبی بیگم صاحبہ نے گنگا داس مہاجن کو اپنی سرکار میں پھر خزانچی کے عہدہ پر ملازم رکھ لیا ہے۔ یہ گنگا داس وہی شخص ہے جس کی بعض خلاف معاملہ باتوں کو دیکھ کر بیگم صاحبہ نے قلعہ میں آنے جانے سے ممانعت کر دی تھی۔ میں بیگم صاحبہ کے اس طرز عمل کو بہت ناپسند اور غیر مفید سمجھتا ہوں۔ ایسی باتوں سے کاروبار میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔

دوسرے خط میں لکھا تھا کہ شیخ غلام حیدر وکیل سررشتہ متعینہ ضلع میرٹھ کے خط کی نقل اس عریضہ کے ہمراہ ارسال ہے۔ موضع کیلہ پر قرقی آئی تھی اور اس کے واگذاشت کرانے میں مقدمہ چلایا گیا تھا۔ ایک سو بچانوے روپیہ آٹھ آنہ چار پائی اس میں خرچ ہوا ہے لہٰذا یہ رقم عطا فرمائی جائے۔ حضور انور نے مضمون خط سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد مرزا فتح الملک بہادر شہزادہ کے نام شقہ جاری فرمایا کہ شیخ غلام حیدر وکیل کے پاس مقدمہ کا خرچ بھیج دیا جائے۔ انہوں نے نواب معظم الدولہ کے ذریعہ سے طلب کیا ہے۔

نواب قطبی بیگم صاحبہ نے عرض کیا کہ گنگا داس مہاجن نے پھر خیانت اور خرد برد پر کمر باندھ لی ہے۔ حضور فرمان جاری کر دیں تاکہ یہ بدانجام قلعہ میں داخل ہی نہ ہونے پائے۔

حسن نظامی کی تنقید

(ناظرین کو معلوم ہے کہ میں نے دہلی کی جنگ آزادی یعنی غدر ۱۸۵۷ء کے سلسلہ میں بارہ حصے شائع کیے ہیں جن میں نویں حصہ کا نام "دہلی کا آخری سانس" رکھا تھا اور یہ کتاب بمبئی کے فارسی اخبار "احسن الاخبار" سے اقتباس کر کے

تیار کی گئی تھی۔ اس اخبار کا مکمل فائل حیدر آباد کے نواب عابد یار جنگ بہادر مرحوم مہتمم مکہ مسجد کے صاحبزادگان مولوی میر خورشید علی صاحب مہتمم مکہ مسجد اور میر حسین علی صاحب عہدہ دار ہوم سکرٹری آفس نے مجھے اپنے والد کے کتب خانہ سے دیا تھا' جس کا اردو ترجمہ میں نے کرایا۔ اس کتاب کے مضامین کا اقتباس اخبار مذکور سے میں نے خود کیا تھا۔

اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور بعض لوگوں نے خواہش کی کہ ان دہلی والوں کی معلومات کے لیے جو قیمتی کتاب نہیں خرید سکتے' اخبار ''منادی'' میں اس کو شائع کیا جائے اور جب تک یہ کتاب شائع ہو اخبار ''منادی'' کی قیمت بجائے ایک کے صرف دہلی میں دو پیسہ کر دی جائے' تاکہ دہلی کے غریب ہندو مسلمان اپنے گذشتہ بادشاہ کے حالات سے واقف ہو جائیں' چنانچہ میں نے یہ کتاب ''بہادر شاہ کا روزنامچہ'' کے نام سے شائع کرنی شروع کی اور اخبار کی قیمت دہلی والوں کے لئے دو پیسہ کر دی' جس کی وجہ سے اخبار اتنا مقبول ہوا کہ صرف دہلی شہر میں ہر ہفتہ ایک ہزار پرچے اس اخبار کے بک جاتے تھے اور ہر گھر میں عورت مرد جمع ہو کر سنتے تھے۔

چونکہ کتاب ''دہلی کا آخری سانس'' کا مطبوعہ ایڈیشن ختم ہو گیا تھا' اس لئے اخبار ''منادی'' سے نقل کرا کر اس کتاب کو دوبارہ لکھوایا گیا کیونکہ ''منادی'' میں درج کرنے کے وقت میں نے کتاب کی نظر ثانی کی تھی اور اس کی بہت سی غلطیاں درست کی تھیں اور نئے نوٹ بھی لکھے تھے اور اس کتاب کا نام بھی ''بہادر شاہ کا روزنامچہ'' رکھا تھا' لہٰذا کتاب مذکور کا نیا ایڈیشن اخبار سے نقل کیا گیا۔ کتاب مذکور سے نقل نہیں کیا گیا۔

اس کتاب کے بعض نوٹوں کی نسبت بعض احتیاط پسند دوستوں نے کہا کہ ان میں نامناسب لہجہ ہو گیا ہے اور اس کتاب کی اشاعت کے وقت اس نامناسب لہجہ کی تشریح کر دینی چاہئے' اس واسطے یہ لکھتا ہوں کہ میں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدہ داروں اور ان کی پالیسی کی نسبت کہیں کہیں جو نکتہ چینی کی ہے وہ ایک مؤرخانہ رائے ہے اور اس غرض سے ہے کہ موجودہ گورنمنٹ کے عہدہ دار اس سے سبق حاصل کریں اور ان کو ہندوستان کی رائے عامہ سے واقفیت حاصل ہو' کیونکہ میں نے جو کچھ لکھا ہے' درحقیقت تمام ہندو مسلمانوں کی عام رائے کا اظہار کیا ہے' جو بہادر شاہ کے زمانہ میں تھی اور اس کے بعد بھی قائم رہی۔

میری نیک نیتی اس سے ظاہر ہو سکتی ہے کہ میں نے بہادر شاہ بادشاہ کے بعض ذاتی افعال کی نسبت بھی نکتہ چینی کی ہے۔ مثلاً چوہتر برس کی عمر میں کم سن طوائفوں سے بادشاہ کا نکاح کرنا اس وقت کی عام رائے کے بھی خلاف تھا اور آج کل کے ہندو مسلمان بھی اس کو پسند نہیں کرتے۔ اس واسطے میں نے اس کے خلاف بھی نکتہ چینی کی ہے۔ اگر میں یہ کتاب لکھتے وقت مؤرخانہ حیثیت کو چھوڑ دیتا تو بادشاہ اور ان کے خاندان کی کسی بات پر نکتہ چینی نہ کرتا' بلکہ میں نے تو اپنے بزرگوں کے خلاف بھی نکتہ چینی کی ہے' جب کہ میرے بزرگوں نے بادشاہ کے پاس جا کر اپنا خواب سنایا تھا اور نذرانہ وصول کیا تھا۔

پس میرے جس قدر نوٹ ہیں' سب نیک نیتی سے لکھے گئے ہیں اور میں اس لہجہ پر متاسف نہیں ہوں جو میں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں کی بعض غلطیوں کے خلاف استعمال کیا ہے۔ کیونکہ ان کا طرز عمل ایک بڑے ہنگامہ اور خونریزی کا باعث ہوا جو ۱۸۵۷ء میں پیش آیا اور اس وقت کے اور بعد کے انصاف پسند انگریزوں نے بھی ان افسروں کے خلاف آزادانہ اور بیباکانہ نکتہ چینی کی تھی اور اسی بنا پر ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم کر دی گئی تھی اور ملکہ معظمہ کوئن وکٹوریہ نے ہندوستان کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔

اس نکتہ چینی کا نتیجہ: میری اس صاف اور کھری نکتہ چینی کا نتیجہ برٹش گورنمنٹ کے افسروں کو خاطر بنا سکتا ہے اور ہندوستانیوں

کو یہ سبق دے سکتا ہے کہ بادشاہ اور ان کے خاندان کے برے اعمال اور بد انتظامیاں اور اس وقت کے ہندو مسلمانوں کی ذاتی خرابیاں اجنبی قوم کے مسلط ہونے کا باعث ہوئیں اور غدر ۵۷ء سے یہ چیز بھی ظاہر ہو گئی کہ جب ہندو مسلمان آپس میں متحد تھے اور جب کہ ان کی تندرستیاں بہت اچھی تھیں اور جبکہ ہندوستان کی سب قوموں کے پاس ہتھیار موجود تھے اور وہ قومیں ان کا استعمال بھی جانتی تھیں اور جب کہ گورنمنٹ کی سب فوجیں باغی ہو گئی تھیں اور جبکہ ایک سیاسی مرکز بہادر شاہ کی صورت میں موجود تھا' اس وقت بھی ہندوستان کی بغاوت انگریزوں کی حکومت کو مغلوب نہ کر سکی تو آج جب کہ مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی ہے' ہم کیونکر محض تقریروں اور تحریروں کی گرمی سے یا دو چار انگریزوں کو چھپ کر مار ڈالنے سے (جیسا کہ بنگال وغیرہ میں ہوا کرتا ہے) اس ملک کو آزاد کرا سکتے ہیں۔ یہ ملک تو جبھی آزاد ہو گا کہ ہم سب اچھی تعلیم حاصل کریں اور ہمارے اندر حکومت کے انتظام کا سلیقہ پیدا ہو اور ہم سب چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنا اور ایک دوسرے کی شکایت کرنا اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا چھوڑ دیں' ورنہ انقلاب سے وہی مصائب پیش آئیں گے جو غدر ۱۸۵۷ء میں پیش آئے تھے۔

اس روزنامچہ کے پڑھنے سے اور واقعات کی تفصیل سے اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ بادشاہ کو قرض لینے کی عادت تھی اور وہ بہت زیادہ فضول خرچ تھے اور بادشاہ کے اثر سے ان کی اولاد اور دلی کے ہندو مسلمان بھی فضول خرچ ہو گئے تھے اور ہمیشہ ساہوکاروں کے مقروض رہتے تھے۔

ایک بات یہ بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس زمانہ کے بعض مسلمان بھی سودی لین دین کرتے تھے۔ چنانچہ محبوب علی خاں خواجہ سرا کی سود خواری کا اس کتاب میں کئی جگہ ذکر آیا ہے۔

نذرانہ: اس کتاب کے پڑھنے والے بادشاہ پر یہ اعتراض کریں گے کہ وہ بڑی بڑی نذریں لے کر نوکریاں دیتے تھے' لیکن درحقیقت یہ نذریں نہ تھیں بلکہ آج کل کی اصطلاح میں ان کو زرِ ضمانت کہنا چاہئے۔ جس طرح آج کل اگر کسی کو ذمہ داری کے عہدہ پر مقرر کیا جاتا ہے تو ایک معقول رقم ضمانت کی اس سے جمع کرائی جاتی ہے اور پھر وہ ضمانت اپنے موقع پر ضمانت جمع کرنے والے کو واپس بھی دے دی جاتی ہے۔ اسی طرح اس روزنامچہ کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ بھی نذرانہ کی رقموں کو واپس کر دیا کرتے تھے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ سے بعض لوگ اپنے نذرانوں کو واپس لینے کی درخواستیں بھی کرتے رہتے تھے اور شہزادے بھی اپنے نوکروں سے یہ زرِ ضمانت نذرانہ کے نام سے وصول کیا کرتے تھے' جس کا اس روزنامچہ میں کئی جگہ ذکر آیا ہے۔

اطلاع: اس روزنامچہ کے ناظرین کو یہ سن کر بہت خوشی ہو گی کہ اس کتاب میں ۱۸۴۳ء سے ۱۸۴۸ء تک کا روزنامچہ ہے اور اس کے بعد نو برس کے روزنامچے نہیں ملتے' یعنی ۴۹ء سے لے کر ۵۷ء تک' مگر ابھی حال میں دہلی کے ایک شہزادے صاحب سے مجھے ایک قلمی روزنامچہ ملا ہے جو ۴۹ء کا ہے' جس کے اوراق بہت کرم خوردہ ہیں۔ یہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ اس کے آخری اوراق ضائع ہو گئے ہیں' اس لئے اس کتاب میں نومبر ۱۸۴۹ء تک کے واقعات ہیں۔ میری تمام ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ مہربانی کر کے خیال رکھیں کہ اگر ان کو ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۶ء تک کے روزنامچے مل جائیں تو وہ مجھے مطلع کریں یا خرید لیں۔ میں معقول قیمت دے کر ان کو لے سکتا ہوں۔

مجھے امید ہے کہ ان چھ سات سال کے روزنامچوں میں ضرور ایسی باتیں ہوں گی جن سے غدر ۵۷ء کے اصلی و مخفی اسباب پر روشنی پڑ سکے گی۔)

☆ ☆ ☆

غمزہ بیگم

(تلخیص)

گیارہ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کا ذکر ہے شہزادہ مرزا ابوبکر کی لاڈلی بیٹی غمزہ بیگم چمن کے چبوترے پر مسہری کے اندر بے خبر پڑی سورہی تھیں اور روشنی نام کا ایک کالا لڑکا پندرہ سولہ برس کی عمر میں ہاتھ میں اکتارہ لئے ہلکے سروں میں بھیرویں گا رہا تھا اور مرزا غالبؔ کا یہ مشہور شعر بار بار دہرا رہا تھا۔

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں؟
اٹھئے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی!

گرمی کا موسم' صبح کا سہانا وقت' چمن کے درختوں پر چڑیوں کا شور غل' بلبل بلبلی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے' روشنی کی سریلی اور مستانی آواز' غمزہ بیگم کا بے خبر ہونا اور روشنی کا ٹکٹکی باندھے ہوئے غمزہ بیگم کی صورت اور ہیئت کو دیکھنا مل جل کر ایک عجیب نظارہ پیدا کر رہا تھا۔ غمزہ بیگم ڈھاکہ کی ململ کا دوپٹہ جو کافوری رنگا ہوا تھا' اوڑھے ہوئے تھیں۔ تکیہ کے دونوں طرف چنگیروں میں موتیا' چنبیلی اور گلاب کے پھول بھرے ہوئے رکھے تھے۔ غمزہ بیگم کی سانولی سلونی رنگت' لمبے لمبے بال' ریشمی تکیہ پر سر رکھے ہوئے اور داہنا ہاتھ چہرے کی نیچے دبا ہوا سو رہی تھیں۔ روشنی خدمت گاران کے چہرے کی طرف سامنے لکڑی کی چوکی پر بیٹھا ہوا اکتارا بجا رہا تھا' مگر غمزہ بیگم کو اس گانے بجانے کی کچھ خبر نہ تھی۔ جوانی کی نیند مشہور ہے۔ کسی شاعر نے اسی زمانے کی نسبت لکھا ہے۔

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

محل کی ایک چھوکری بھاگی ہوئی آئی اور اس نے روشنی کے کان میں کہا کہ "میرٹھ میں غدر ہو گیا ہے انگریزوں کی باغی فوج قلعہ کے نیچے آ گئی ہے اور انگریز قلعہ دار جھروکے میں کھڑا اس سے باتیں کر رہا ہے۔" روشنی نے یہ باتیں سنیں تو وہ گھبرا گیا اور اس نے غمزہ بیگم کو پکارنا چاہا' کیونکہ غمزہ بیگم روز صبح کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر قلعہ کے اندر پھرنے جایا کرتی تھیں اور آج خلاف معمول وہ اب تک بیدار نہیں ہوئی تھیں ورنہ اندھیرے سے جاگتی تھیں اور سورج نکلنے سے پہلے پہلے گھوڑے کی سواری سے فارغ ہو کر محل واپس آ جایا کرتی تھیں اس لئے روشنی نے چنگیر سے گلاب کا ایک پھول اٹھایا اور غمزہ بیگم کے رخسار پر آہستہ سے لگایا۔ غمزہ بیگم نے ایک پھریری لی اور رخسار کو ہاتھ سے کھجلا کر پھر سو گئیں۔ اب کے روشنی نے پھر ناک سے لگایا۔ اس

سے غمزہ بیگم کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے مسکرا کر روشنی کو دیکھا اور شوخی سے کہا۔ کیوں بے شریر تو ہمیں ستاتا ہے۔ ٹھہر جا میں اٹھ کر تیری کیسی گت بناتی ہوں۔"

روشنی بچپن سے اس گھر میں پلا تھا اور شروع سے غمزہ بیگم کی صورت اور باتوں کا اس کے دل پر ایک خاص اثر تھا اور غمزہ بیگم بھی روشنی کی آواز نرگسی اور نشیلی آنکھوں کا اثر اپنے دل میں پاتی تھیں۔ جب غمزہ بیگم نے یہ بات کہی روشنی پلنگ سے پرے ہٹ گیا اور اس نے پھر غالبؔ کا شعر گانا شروع کر دیا تو غمزہ بیگم کلمہ پڑھ کر اٹھ بیٹھیں۔ مستانہ انداز سے انگڑائی لی اور انگڑائی کی حالت میں مسکرا کر روشنی کی طرف دیکھا۔ روشنی پر اس ادا کا ایسا اثر ہوا کہ وہ گاتے گاتے چپ ہو گیا۔ اکتارہ اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ غمزہ بیگم نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور شیریں لہجہ میں کہا "ارے روشنی! کیا تجھے نیند آ گئی۔" روشنی نے یہ بات سنی تو چونک پڑا اور اس نے چوکی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے بیخودی کے عالم میں کہا "ہاں بی بی! میں ذرا سو گیا تھا۔"

غمزہ بیگم "مجھے جگا رہا تھا اور خود سو گیا اور یہ نیند بھی خوب ہے کہ بیٹھا ہے اور گا رہا ہے اور سوتا ہے۔ دیکھ اکتارے کو تو دیکھ ٹوٹا تو نہیں۔ تُو روز برتن بھی توڑتا ہے اور خود بھی گرے پڑتا ہے۔ کیا تو کوئی نشہ پیتا ہے روشنی؟"

"نہیں بی بی! میں کسی حرام چیز کے پاس بھی نہیں جاتا۔ اس وقت گاتے گاتے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا اور مجھے غنودگی ہو گئی اور ہاں بی بی! ابھی چھوکری آئی تھی اور کہتی تھی کہ انگریزوں کی فوج میرٹھ سے باغی ہو کر آئی ہے اور قلعدار صاحب سے جھروکے کے نیچے باتیں کر رہی ہے۔ آج حضور گھوڑے پر باہر نہ جائیں۔"

غمزہ بیگم "دیوانہ کہیں کا۔ تُو تو بڑا ڈرپوک ہے۔ فوج آئی ہو گی تو قلعہ کے باہر ہو گی۔ قلعہ کے اندر کا ہے کا ڈر ہے۔ میں ضرور جاؤں گی۔ جا سائیس سے کہہ دے کہ گھوڑا تیار کرے۔ میں نماز پڑھ لوں، ابھی باہر آتی ہوں۔

یہ حکم سن کر روشنی اصطبل میں گیا اور سائیس کو گھوڑا تیار کرنے کا حکم سنایا۔ یکایک بندوقیں چلنے کی آواز آئی اور تھوڑی دیر میں سنا کہ انگریزوں کے بنگلوں میں آگ لگ رہی ہے اور باغی قلعہ کے اندر بھی گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ دوڑا ہوا غمزہ بیگم کے پاس گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا "سرکار! باہر نہ جایئے، باغی قلعہ کے اندر آ رہے ہیں۔"

غمزہ بیگم نے یہ خبر سنی تو کچھ دیر چپ کھڑی ہو کر روشنی کو اس طرح دیکھنے لگیں، گویا وہ کسی گہری سوچ میں ہیں اور پھر روشنی سے کہا "جا جلدی جا" اور قلعہ کے دروازہ پر دیکھ اور خبر لا۔ سائیس سے کہہ دے کہ میں باہر نہیں جاؤں گی۔"

گھوڑا کھول اور اس کے بعد باغ میں انار کلی کی ٹہنی کو پکڑ کر کھڑی ہو گئیں اور بہت دیر تک اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہیں۔ یکایک روشنی بھاگا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ "بی بی باغیوں نے قلعدار کو بھی مار ڈالا اور فریزر صاحب کو بھی مار ڈالا اور وہ گھوڑوں پر سوار دیوان عام کے اندر آ گئے ہیں اور دہائی دہائی پکار رہے ہیں۔ بادشاہ سلامت برآمد ہوئے تھے اور انہوں نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو۔ فوج نے کہا آپ ہمارے بادشاہ ہیں، انگریز ہمارا دین دھرم بگاڑنا چاہتے ہیں اس لئے ہم ان سے لڑیں گے۔ آپ ہمارے سر پر ہاتھ رکھئے اور بی بی ان سپاہیوں نے دیوان عام میں گھوڑے باندھ دیئے اور وہ سب وہیں دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں شہ بالا کا نوکر بختو بھاگا ہوا آیا اور اس نے کہا "صاحب عالم (شہ بالا) نے خیریت منگائی ہے اور فرمایا ہے کہ آج گھوڑے کی سواری نہ کرنا۔ باغی قلعہ کے اندر آ گئے ہیں۔" غمزہ بیگم نے بختو سے کہا "جا! کہہ دے

میں اچھی ہوں اور آج باہر جانے کا ارادہ نہیں ہے اور یہ بھی کہو کہ کل شام کی بات اتنی جلدی بھول گئے۔ باوا حضرت (مرزا ابوبکر) نے اپنے کے باوا حضرت کو صاف صاف جلدی کہلا بھیجا تھا کہ تمہارا لڑکا (شہ بالا) آئندہ کوئی پیغام سلام میری لڑکی (غزہ بیگم) کو نہ بھیجے ورنہ اچھا نہ ہوگا' مگر تم نے پھر پیغام بھیجا۔ کیا تم باوا حضرت کے غصہ کو نہیں جانتے۔ آئندہ خیال رکھنا اور ان پیغام سلاموں کو بند کر دینا۔ میں اپنے اس باپ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتی۔"

۱۲- ستمبر کی ایک رات

غدر ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو شروع ہوا تھا۔ مئی کا پورا مہینہ انگریزوں اور ان کی عورتوں اور بچوں کے لئے مصیبت کا مہینہ۔ جون کے مہینہ میں انگریز پنجاب کے سکھوں اور پنجابی مسلمانوں کو جمع کر کے باغی فوجوں سے لڑنے آئے اور دہلی کے شمال میں پہاڑی پر انہوں نے مورچے لگائے اور باغی فوجوں سے رات دن لڑائی ہوتی رہی۔ جون جولائی اگست اور ستمبر کا پہلا ہفتہ اسی کشمکش میں گزرا۔ بارہ ستمبر کی رات کو مرزا خضر سلطان نے مرزا ابوبکر سے کہا کہ "بھائی لڑائی کا رخ خراب نظر آتا ہے۔ جب سے دہلی کا وہابی جرنیل محمد بخت خاں باغی ہو کر آیا ہے اور بادشاہ حضرت نے اس کو لارڈ گورنر کا خطاب دیا ہے' اس وقت سے آ کا بھائی (مرزا مغل) کا اثر فوج میں بالکل نہیں رہا۔ سب فوجیں بخت خاں کا کلمہ پڑھتی ہیں۔ کہنے کو تو آ کا بھائی کمانڈر انچیف ہیں لیکن فوجوں میں حکم بخت خاں کا چلتا ہے۔ ہم کو تم کو اور بھائی مرزا عبداللہ کو کرنیل جرنیل بنا دیا گیا ہے' مگر ہم سب محض نام کے جرنیل کرنیل ہیں۔ فوج میں ہماری بات سنتا کون ہے۔" انہی باتوں کے سلسلہ میں مرزا خضر سلطان نے مرزا ابوبکر سے یہ بھی کہا کہ غدر سے پہلے آپ نے میرے لڑکے (شہ بالا) کی نسبت جو کچھ کہلا بھیجا تھا' میں نے اسی کے موافق شہ بالا کو ہدایت کر دی تھی اور اس نے اس کے بعد تمہاری لڑکی غزہ بیگم کے پاس کوئی پیغام سلام نہیں بھیجا' مگر مجھے آپ سے بڑی شکایت ہے کہ آپ نے شہ بالا کی ماں کا خیال کر کے شہ بالا کو غلامی میں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔" مرزا ابوبکر نے جواب دیا "ہاں بھائی سچ کہتے ہو میں اپنی غلطی کو مانتا ہوں اور اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگریز دہلی پر ضرور قبضہ کر لیں گے اور ہم سب میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس واسطے مصلحت یہ ہے کہ تمہارے لڑکے کا غزہ سے نکاح کر دیا جائے تاکہ ہم دونوں اگر پکڑے جائیں یا مارے جائیں تو یہ بچے تو سکھ سے رہیں۔" یہ سن کر مرزا خضر سلطان نے کہا "اچھی بات ہے کہ کل صبح خاموشی کے ساتھ نکاح کر دیا جائے تو مناسب ہے۔ کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ میں شہ بالا اور قاضی کو لے کر آ جاؤں گا۔ آپ لڑکی کی والدہ کو اطلاع دے دیجئے کہ وہ تیاری کر لیں۔"

۱۳- ستمبر کی صبح

مرزا ابوبکر کے دیوان خانہ میں سورج نکلنے سے پہلے ابوبکر اور چند قریبی قرابت دار اور قاضی صاحب بیٹھے تھے اور مرزا شہ بالا بھی دولہا بنے سہرا باندھے ہوئے موجود تھے۔ روشنی خدمت گار دوسرے نوکروں کے ساتھ انتظامات کے لئے دوڑا دوڑا پھرتا تھا' مگر اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک رنگ جاتا تھا۔ وہ بہت ہی پریشان اور غمگین معلوم ہوتا تھا۔ غزہ کی شادی اس کے لئے ایک قیامت تھی' مگر کوئی اس کا محرم راز نہ تھا' نہ اسے یہ معلوم تھا کہ محبت کیا چیز ہوتی ہے اور غزہ کی شادی ہو

جائے گی تو کیا چیز کم ہو جائے گی اور اس کے دل میں یہ خواہش کیوں ہے کہ غزہ کی شادی کسی سے نہ ہو اور وہ ہمیشہ اپنے ماں باپ کے گھر میں رہے اور میں اس کو صبح کے وقت اور سوتے وقت اکتارہ بجا کر سنایا کروں۔ روشنی نے دیکھا اور سنا کہ قاضی صاحب نے مرزا شہ بالا کا نکاح غزہ بیگم کے ساتھ باندھ دیا اور چاروں طرف سے مبارک سلامت ہونے لگی۔ ایجاب وقبول کی باتیں سن کر روشنی کے کلیجہ میں ایک گھونسا سا لگا۔ دھواں سا اٹھا اور بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' مگر اس غریب کے آنسو کون دیکھتا اور جو اس پر گزر رہی تھی اس کو کون سمجھتا اور اس کا کون خیال کرتا۔ یکایک مرزا ابو بکر نے آواز دی" روشنی او روشنی! جا اکتارہ لے آ اور مبارک باد کی ایک چیز سنا' کیونکہ اس وقت نہ اور کوئی گانے والا ہے نہ بجانے والا ہے۔ نکاح کا اعلان اس طرح ہو جائے گا۔" روشنی یہ حکم سنتے ہی دوڑا ہوا گیا اور اکتارہ لے آیا۔ اس نے ہندی زبان میں لڑکی کی وداع کا دردناک منڈھا گانا شروع کیا اور ایسی درد انگیز آواز سے گایا کہ مرزا خضر سلطان اور مرزا ابو بکر اور دولہا مرزا سب ہی رونے لگے اور روشنی کی تو روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔

مرزا ابو بکر نے روشنی کی یہ حالت دیکھی تو مرزا خضر سلطان سے کہنے لگے کہ" روشنی بچپن سے غزہ کی خدمت میں رہا ہے آج اس پر غزہ کی رخصتی کا وہی اثر معلوم ہوتا ہے جو لڑکی کی رخصت کے وقت ماں باپ اور بہن بھائیوں پر ہوا کرتا ہے۔" مرزا خضر سلطان نے کہا" درست ہے۔ بعض لونڈی غلام اور نوکر حقیقی رشتہ داروں کی طرح اپنے آقا اور ان کے بچوں سے محبت کرنے لگتے ہیں اور روشنی کو تو آپ نے بچوں کی طرح پالا ہے۔" مرزا ابو بکر نے روشنی سے کہا" جا گھر میں جا۔ رونا دھونا چھوڑ۔ یہ وقت رونے کا نہیں ہوا کرتا۔" یہ سن کر روشنی زنانہ میں چلا گیا۔ وہاں دیکھا کہ غزہ کی والدہ ملکہ بیگم بھی رو رہی ہیں۔ روشنی ان کے قدموں میں سر رکھ کر رونے لگا ملکہ بیگم نے کہا" ارے روشنی! او روشنی! سر اٹھا کیوں روتا ہے۔ بی بی غزہ کہیں دور تھوڑی جاتی ہیں۔ ان کے دولہا کا گھر تو سامنے ہے۔ میں تجھ کو غزہ کے ساتھ بھیجوں گی۔ تو روز صبح شام ان کو گانا سنایا کیجو۔" ملکہ بیگم کی یہ بات سن کر روشنی کو ذرا تسلی ہوئی اور وہ خلوت کے کمرہ میں گیا جہاں غزہ بیگم دلہن بنی بیٹھی تھیں اور وہاں چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا' مگر غزہ نے گردن نہ اٹھائی۔ دلہن بنی سر جھکائے بیٹھی رہیں تو روشنی نے کہا" بی بی! ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔" روشنی کی یہ بات سن کر غزہ نے گردن اٹھائی اس کو دیکھا اور مسکرا کر کہا" اور تو کیوں روتا ہے دیوانہ کہیں کا۔" روشنی کو یہ فقرہ سن کر پھر رونا آیا اور وہ غزہ کے پاس سے اٹھ کر واپس چلا آیا۔

۱۴۔ستمبر کی صبح

غزہ بیگم ۱۳ ستمبر کی صبح سورج نکلنے کے وقت اپنے دولہا کے گھر گئیں اور رات کو مرزا دولہا (شہ بالا) کی اجازت سے روشنی نے اکتارہ بجا کر دلہن دولہا کو گانا سنایا اور دوسرے دن صبح کو بلکہ پچھلی رات سے جب کہ پہاڑی سے انگریزی توپوں کے گولے قلعہ کے اندر برس رہے تھے' مرزا شہ بالا کی خواب گاہ کے باہر روشنی نے غالب کی غزل گانی شروع کی۔

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں؟
اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی!

مرزا شہ بالا روشنی کا گانا سن کر باہر آ گئے اور انہوں نے روشنی سے کہا" ارے تو رات کو سویا بھی تھا۔ ابھی تو رات

ہے۔صبح تو ہونے دے۔" روشنی نے کہا" سرکار۔ ظل سبحانی لال قلعہ سے جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ سامان تو رات ہی کو ہمایوں کے مقبرہ میں چلا گیا تھا اور اب وہ خود بھی تیار ہیں۔ بیگمات سوار ہو رہی ہیں۔ میں اس لئے جلد آ گیا کہ آپ کو یہ خبر دے دوں۔ شاید آپ اور بیگم صاحب بھی ارادہ فرمائیں۔" یہ باتیں ختم نہ ہوئی تھیں کہ شہ بالا کے والد حضرت مرزا خضر سلطان گھبرائے ہوئے آئے اور انہوں نے کہا" چلو بیٹا بھاگنے کی تیاری کرو۔ حضرت ظل سبحانی اور آ کا بھائی اور دوسرے سب بہن بھائی اور بیگمات بھی روانہ ہو رہے ہیں' کیونکہ اندیشہ ہے کہ آج انگریزی فوج ضرور شہر میں داخل ہو جائے گی۔" یہ سنتے ہی شہ بالا زنانہ میں گیا اور غمزہ بیگم کو ساری کیفیت سنائی اور تیار ہونے کے لئے کہا' چنانچہ سورج نکلتے ہی یہ سب رتھ میں سوار ہو کر ہمایوں کے مقبرہ میں پہنچ گئے اور انگریز ۱۴ ستمبر کو بارہ بجے دہلی میں داخل ہو گئے۔

۱۵- ستمبر کی صبح

ہمایوں کے مقبرہ میں میجر ہڈسن آئے اور بادشاہ اور بیگم زینت محل اور شہزادہ جواں بخت کو گرفتار کر کے لال قلعہ میں لے گئے اور دوسرے دن پھر مقبرہ میں آئے اور باقیماندہ شہزادوں کو گرفتار کر لیا اور ان کو راستے میں ہی قتل کر دیا۔ جرنیل بخت خاں بلب گڑھ میں تھا اور ۱۶ ستمبر کو اسے بادشاہ کی گرفتاری اور شہزادوں کے قتل عام کی خبر ملی۔ اس نے اپنے ماتحت افسروں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور ان سب کی یہ رائے ہوئی کہ بادشاہ کے خاندان پر خدا کا قہر ہے اور بلب گڑھ کے ہندو راجہ سے بھی کوئی امید نہیں ہے' اس واسطے ہم سب کو ان کا ساتھ دینا مناسب نہیں ہے۔ پہلے کسی مستحکم جگہ پہنچ جائیں' اس کے بعد ضرورت ہو گی تو ان میں سے کسی کو بلالیں گے۔ چنانچہ ۱۶ ستمبر ۱۸۵۷ء کی رات کو یہ لوگ رات کے اندھیرے میں بھاگ گئے اور ۱۷ ستمبر کی صبح کو مرزا شہ بالا اور غمزہ بیگم اور راجہ بلب گڑھ نے یہ خبر سنی تو وہ بہت پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ کوئی جگہ ایسی تجویز ہو کہ جہاں ہم سب جا کر پناہ لے سکیں۔

دولہا کا قتل

راجہ بلب گڑھ اور مرزا شہ بالا آپس میں باتیں کر ہی رہے تھے کہ یکایک کیا دیکھتے ہیں کہ میجر ہڈسن پچاس فوجی سواروں اور رجب علی مخبر اور مرزا الٰہی بخش کے ساتھ یلغار کرتے چلے آتے ہیں۔ میجر ہڈسن نے سب سے پہلے راجہ بلب گڑھ کو گرفتار کیا مگر وہ مرزا شہ بالا سے واقف نہ تھا۔ اس نے مرزا الٰہی بخش اور رجب علی سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے۔ انہوں نے کہا کہ مرزا ابو بکر کے بیٹے مرزا شہ بالا ہیں۔ رجب علی نے کہا یہ وہی ہیں جو سرکار کمپنی سے لڑنے کے لئے جرنیل بخت خاں کے ساتھ آئے تھے۔ میجر ہڈسن نے نہایت حقارت سے مرزا شہ بالا کو دیکھا اور کہا" جناب عالم بہادر اپنے باپ' دادا کا انجام بھی سن لیا کہ ان کو ان کے گناہوں کی کیسی سزا ملی؟" مرزا شہ بالا نے تیز ہو کر جواب دیا" ہاں میں نے سنا ہے' او خونی بھیڑیے۔ تو نے میرے باپ اور دادا کو قتل کر کے ان کا خون پیا تھا' مگر تجھے معلوم نہ تھا کہ میں تیری ہڈیاں چبانے کے لئے زندہ ہوں۔" میجر ہڈسن نے مرزا شہ بالا کے سامنے سر جھکایا اور کہا کہ" معاف کیجئے صاحب عالم بہادر! مجھے آپ کی زندگی کی خبر نہیں تھی۔ اجازت دیجئے کہ میں مغلوں کے اس آخری چراغ کو بھی بجھا دوں۔" یہ سنتے ہی مرزا شہ بالا آگ بگولہ ہو گئے اور انہوں نے

بڑھ کر میجر ہڈسن کے ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ "پہلے ایک مغل زادہ کا ہاتھ تو دیکھ لے۔" میجر ہڈسن کے برابر ایک گورا سپاہی کھڑا تھا ۔اس نے مرزا شہ بالا پر پستول چلایا۔گولی مرزا کے سر میں لگی اور وہ آہ غمزہ کہہ کر گر پڑے۔خاک وخون میں تھوڑی دیر تڑپے اور پھر ٹھنڈے ہو گئے۔میجر ہڈسن راجہ بلب گڑھ اور ان کے چند ساتھیوں کو لے کر دہلی کی طرف روانہ ہو گئے اور غمزہ بیگم نے بلب گڑھ کے چند مسلمانوں اور روشنی خدمت گار کی مدد سے اپنے دولہا کو انہی کپڑوں میں اٹھوا کر جن میں وہ قتل ہوئے تھے' قبرستان میں دفن کرا دیا۔

جس وقت مرزا شہ بالا کا خون آلود لاشہ قبر میں اتارا جا رہا تھا' غمزہ بیگم نے روتے ہوئے کہا "مرزا خدا حافظ۔مجھ کو کس پر چھوڑ چلے۔نہ سلطنت رہی نہ ماں باپ رہے۔نہ تم رہے جو سرتاج تھے۔دنیا کی تاریخ میں مجھ جیسی کوئی بدنصیب لڑکی نہ ہوگی' جس کی شادی کو دو رات دن ہوئے ہیں اور اس کا سہاگ اجڑ گیا' مگر میں ہندو عورتوں سے بھی زیادہ وفادار ہوں اور تمام عمر تمہاری یاد کی آگ میں جلتی رہوں گی۔" اسی رات کو غمزہ بیگم روشنی خدمت گار کے ساتھ اپنے دولہا شہید کی قبر پر گئی اور روشنی سے کہا "تو میرے دولہا کی یاد میں کوئی غمگین گانا سنا تا کہ فرقت کی وہ آگ جو میرے سینے میں بھڑک رہی ہے اور زیادہ تیز ہو جائے اور میں اس میں جل کر ختم ہو جاؤں۔"

قبرستان میں جو رات گذری' وہ غمزہ بیگم کی زندگی میں مصیبت کی پہلی رات تھی۔اگرچہ لال قلعہ سے نکلنا' مقبرہ ہمایوں میں آنا اور وہاں سے بلب گڑھ پہنچنا یہ سب بھی مصیبت اور پریشانی کے دن رات تھے۔مگر مرزا شہ بالا کے مقتول ہونے کے بعد غمزہ بیگم کے لئے یہ پہلی رات تھی جس کی صبح ان کو نظر نہ آتی تھی۔وہ جانتی تھی کہ رات کٹ جائے گی۔سویرا ہوگا۔سورج نکلے گا' مگر میری مصیبت کی رات مرتے دم تک ختم نہ ہوگی اور میں رات کی صبح کا چہرہ کبھی نہ دیکھ سکوں گی۔باپ بھی قتل ہو گئے۔ سسر والے بھی مارے گئے اور سرتاج شوہر بھی خون میں ڈوب کر دنیا سے سدھار گئے۔سہاگ کی دوتیں بھی نہ دیکھیں۔ہاتھوں کی لال مہندی اور سہاگ کا عطر' رنگ و بو کے لحاظ سے موجود ہیں۔مگر ان دونوں کی روح موجود نہیں۔جب اجالا ہو گیا تو غمزہ بیگم روشنی خدمتگار کے ساتھ خیر سے رخصت ہوئیں۔انہوں نے شہید مظلوم کی خاک کی ڈھیری کو آنسو بھری آنکھوں سے چلتے چلتے دیکھا اور کہا "لو جاتے ہیں۔شہ بالا تم نے اسی شہر کو آباد کیا اور ہماری زندگی کی دنیا اجاڑ دی۔جب تک جئیں گے' تمہارے نام اور تمہاری عزت کو سنبھالے رکھیں گے۔"

راجہ بلب گڑھ کی گرفتاری کے سبب بلب گڑھ میں بھی بڑی ہلچل تھی اور ایک کہرام مچا ہوا تھا' اس لئے غمزہ بیگم نے یہاں ٹھہرنا بھی مناسب نہ سمجھا اور مردانہ لباس پہن کر آگرہ کی تیاری کی۔کچھ جڑاؤ زیور غمزہ بیگم کے پاس تھے۔ان کو روشنی خدمت گار نے اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیا۔یہ دونوں کرایہ کی بیل گاڑی میں بلب گڑھ سے روانہ ہوئے۔ان کا لباس ہندو گنواروں کا تھا' اس لئے لوٹنے والے ہندو گوجر ان کو نہ ستاتے تھے' مگر جب گاڑی متھرا سے آگے بڑھی تو ملکانہ راجپوتوں کے ایک گروہ نے حملہ کیا۔ان کو لوٹا اور ان دونوں کے کپڑے اتار لئے۔روشنی کی کمر سے جو زیور بندھا ہوا تھا' وہ بھی چھین لیا اور یہ بہت دشواری کے ساتھ پیدل چل کر آگرہ پہنچے اور حکیموں کے محلہ میں جہاں روشنی خدمت گار کے کوئی واقف رہتے تھے' قیام کیا۔

روشنی خدمت گار نے دوسرے دن قوالوں کی ایک چوکی میں شرکت کر لی' جو ایک ہندو رئیس کے ہاں ملازم تھی۔

رئیس کو روشنی کا گانا اس قدر پسند آیا کہ وہ اسے چوکی کی تنخواہ کے علاوہ بھی دس روپیہ مہینہ دینے لگا' جس سے روشنی نے کرایہ کا ایک مکان اور لے لیا' جہاں غنزہ بیگم نے عدت کے دن پورے کئے۔ اگرچہ روشنی اور غنزہ بیگم ایک مکان میں اکیلے رہتے تھے' دونوں کی عمریں کم تھیں' مگر دونوں اس قدر پاک باز اور نیک دل تھے کہ کبھی کسی برے خیال کا اشارہ تک نہ ہوتا تھا' البتہ جب عدت پوری ہوگئی تو روشنی نے ایک دن غنزہ بیگم سے کہا کہ

''میری یہ مجال نہیں ہے کہ آپ کی آئندہ زندگی کی نسبت مشورہ دوں یا اپنے کسی پوشیدہ تعلق کو ظاہر کروں' مگر جب قسمت نے یہ دن دکھائے ہیں تو عرض کرنا پڑتا ہے کہ ہم دونوں کا اس طرح اکیلا ایک جگہ بے پردہ رہنا شیطان کی رخنہ اندازی کا باعث ہوگا۔''

غنزہ بیگم ''تمہارا مقصد اس گفتگو سے کیا ہے؟''

روشنی ''میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کسی سے عقد کرلیں اور میں باہر ڈیوڑھی میں غلاموں کی طرح رہا کروں۔ اس طرح تنہائی میں دونوں ہم عمر عورت مرد کا رہنا خطرناک ہے۔''

غنزہ بیگم: ''تم نے شہ بالا کو اتنی جلدی بھلا دیا؟ میں ساری عمر ان کے نام پر بیٹھی رہوں گی' جیسا کہ میں نے بلب گڑھ میں چلتے وقت شہید کی قبر پر وعدہ کیا تھا۔''

روشنی: ''عقد ہو جانے کے بعد بھی آپ ان کو یاد رکھ سکتی ہیں۔''

غنزہ بیگم: ''اگر عقد محبت کا نام ہے تو وہ دو جگہ تقسیم نہیں ہو سکتی۔''

روشنی: ''میری لیاقت اتنی نہیں ہے جو آپ سے بحث کر سکوں' مگر ہاں اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ میں ایک خدمت گار بھی ہوں اور آپ کو خوش دیکھنے کی تمنا رکھنے والا بھی ہوں۔ عدت ختم ہوگئی۔ مرحوم کا سوگ ختم ہو جانا چاہئے۔ یاد ساری عمر رہے گی' مگر سوگ ساری عمر نہیں رہا کرتا۔ آخر اپنے والد کو اور دادا کو ان کی سلطنت کو اور اپنے عیش و آرام کو کب تک یاد کرتی رہیں گی۔''

غنزہ بیگم: ''تو اپنے دل کی بات صاف صاف کیوں نہیں کہتا۔ میں یہاں کس سے عقد کروں گی اور کون میرا عقد کرنے والا ہوگا۔ میں جانتی ہوں کہ ایک جوان عورت کا بیوہ رہنا گناہ ہے اور شادی نہ کرنا ہندوانہ رسم ہے' لیکن کیا کروں روشنی! صدمہ دل پر ایسا ہے کہ اس پر قابو نہیں پایا جاتا۔''

روشنی نے ان باتوں سے سہارا پایا اور وہ غنزہ بیگم کے قدموں پر گر پڑا اور رو رو کر کہنے لگا ''مجھے خبر نہ تھی کہ میں ایسی بات زبان سے کہنے کے لئے زندہ رہوں گا۔ بیگم آپ جانتی ہیں میرے دل کی حالت۔ آپ کو اس وقت سے معلوم ہے جب کہ آپ کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ مجھے معاف کیجئے' اگر اس میں کوئی گستاخی ہو کہ میں آپ کی نگاہوں میں اپنی قدر کی روشنی بچپن سے دیکھ رہا ہوں۔ میں چاہتا تھا کہ مرتے دم تک اپنے دل کی آگ کو دبائے رکھوں' مگر حالات ایسے پیش آئے کہ مجھے اظہار کی ضرورت پڑگئی اور وہ کہنا پڑا جس کے لئے زبان پر ہمیشہ کے لئے قفل ڈال لیا تھا۔''

غنزہ بیگم: ''روشنی سر اٹھا۔ دل سنبھال۔ مجھے سب کچھ معلوم تھا اور مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ اگر مرزا شہ بالا کا خیال قائم نہ ہو چکا ہوتا اور تو غلام نسل سے نہ ہوتا تو میں جس طرح بن پڑتا تجھ سے عقد کرتی۔ خیر جو ہونا تھا ہو گیا۔ اگر تو اس پر راضی ہو

کہ مرزا شہ بالا کی مزاحمت نہیں کرے گا اور ان کی محبت کو رقابت کی نظر سے نہ دیکھے گا تو میں تجھ کو اجازت دے دوں گی کہ قاضی کو بلالا اور کل جمعہ کی شام کو میری اور اپنی زندگی شریعت کے حکم سے باندھ لے۔"

دوسرے دن دونوں کا نکاح ہو گیا اور ایک سال ایسی راحت کا گزرا کہ ان دونوں کو گزشتہ مصیبتیں خواب و خیال معلوم ہونے لگیں۔ البتہ غمزہ بیگم نے مرزا شہ بالا کی یاد کو زندہ رکھا اور روشنی بھی اس یاد میں بیگم صاحبہ کا شریک حال رہا۔

مصیبت اور خاتمہ

یہ ایک سال ایسا گزر گیا' گویا ایک گھڑی گزری۔ ان دونوں کی خوشیاں اور شادماں زندگی قابل رشک تھی۔ آخر قسمت نے پھر پلٹا کھایا اور جو رئیس روشنی کے آقا تھے اور جن کو معلوم ہو گیا تھا کہ روشنی کے گھر میں بہادر شاہ بادشاہ کی پوتی ہے' وہ آگرہ سے دھول پور چلے گئے' جہاں ان کی جاگیر تھی اور روشنی کو حکم دے گئے کہ وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ وہاں آ جائے۔ چنانچہ روشنی بھی چند روز کے بعد دھول پور چلا گیا اور کرایہ کا مکان لے کر رہنے لگا۔ ایک دن غمزہ بیگم جاگیردار صاحب کے گھر میں کسی شادی میں گئیں۔ جاگیردار صاحب کی بیوی نے غمزہ بیگم کی خاطر کی اور عزت کا برتاؤ کیا اور کہا کہ "ہمارے مکان کے برابر ایک بڑا مکان خالی پڑا ہے۔ تم یہاں آ جاؤ۔ سنا ہے تمہارا مکان بہت چھوٹا اور خراب ہے۔" غمزہ بیگم نے شکریہ ادا کیا اور کہا "بے شک وہ جگہ اچھی نہیں ہے۔ محلہ بھی خراب ہے۔ میں اب یہیں آ جاؤں گی۔"

چنانچہ غمزہ بیگم دوسرے دن اس مکان میں آ گئیں۔ چند ہفتے کے بعد روشنی رات کو جاگیردار صاحب کے ہاں سے آیا تو اس نے کہا "آج جاگیردار صاحب نے مجھے پان دیا تھا۔ جب سے کھایا ہے جی متلی ہو رہی ہے۔" یہ کہتے ہوئے روشنی کو قے ہوئی اور خون آیا۔ تھوڑی دیر میں دوسری قے ہوئی اور پھر تیسری ہوئی۔ روشنی بے ہوش ہو گیا۔ غمزہ بیگم نے فوراً حکیم صاحب کو بلانے کے لئے جاگیردار صاحب کے ہاں آواز دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ ابھی حکیم صاحب کو بلاتے ہیں۔

مگر حکیم صاحب دو گھنٹے تک نہ آئے اور روشنی جان کنی میں مبتلا ہو گیا۔ غمزہ بیگم نے گھر کے علاج سب ہی کچھ کئے' مگر کچھ اثر نہ ہوا اور روشنی مر گیا۔

غمزہ بیگم نے بے قرار ہو کر چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا۔ جاگیردار صاحب کی بیوی اور چند عورتیں اور آ گئیں۔ انہوں نے غمزہ بیگم کو تسلیاں دیں اور آخر صبح کو روشنی قبرستان میں جا سوئے اور غمزہ بیگم کے پاس جاگیردار صاحب کی ایک خاص نوکرانی رہنے لگی اور جاگیردار صاحب نے ضرورت کا سب سامان بھجوا دیا۔ دو ہفتہ کے بعد اسی نوکرانی نے جاگیردار صاحب کو پیغام دیا کہ وہ تم سے عقد کرنا چاہتے ہیں۔ غمزہ بیگم نے اس عورت کے ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ "وہ ہندو میں مسلمان۔ عقد کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ میں ابھی عدت میں ہوں اور مجھے شبہ ہے کہ جاگیردار صاحب نے ہی روشنی کو مارا ہے۔ پان میں ضرور زہر دیا گیا تھا۔"

دو چار دن کی خاموشی کے بعد ایک رات کو غمزہ بیگم سوئی ہوئی تھی کہ کسی نے ان کو دبوچ لیا۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک اجنبی مرد ہے۔ غمزہ نے جاگیردار کو دروازہ کے سوراخوں سے بار بار دیکھا تھا اس لئے پہچان لیا کہ یہ وہی جاگیردار ہے۔ غمزہ بیگم نے اس کے سینہ پر مکہ مارا اور اٹھ کر دور جا کھڑی ہوئی اور کہا "تم کو شرم نہیں آتی۔ اپنے نوکر کی بیوی پر بری نظر ڈالتے ہوئے۔ تم

ہی میرے شوہر کے قاتل ہو۔"

جاگیردار نشہ میں تھا۔ اس نے جواب نہ دیا اور پھر آگے بڑھا۔ غزہ نے باورچی خانہ کی چھری اٹھا کر دکھائی اور کہا "دور کھڑا رہ ورنہ میں کام تمام کردوں گی" مگر جاگیردار نے پرواہ نہ کی اور آگے بڑھ آیا۔ غزہ بیگم نے اس کے بڑھتے ہی اس کے سینے میں چھری ماری جو اس کے دل پر لگی اور جاگیردار ہائے کہہ کر گرا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ جاگیردار کے گھر کی عورتیں اور مرد شوروغل کی آوازیں سن کر جمع ہو گئے اور انہوں نے غزہ کے ہاتھ میں سے چھری چھین لی اور اس کو کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ اسی وقت پولیس آ گئی اور سرسری تحقیقات کے بعد غزہ کو حوالات میں لے گئی۔ آخر ایک ہندو حاکم کے ہاں پیش ہوئی اور غزہ نے سارا حال سچا سچا بیان کر دیا۔ حاکم نے فیصلہ کیا کہ آبرو بچانے کے لئے تم نے جو کام کیا' وہ آفرین کے قابل ہے' مگر جاگیردار کی نوکرانی جو عینی گواہ ہے' اس کا بیان ہے کہ تمہارا جاگیردار سے تعلق تھا اور تم نے اپنے شوہر کو خود زہر دے کر مارا تھا اور اب ایک دوسرے مرد کے تعلق پر جاگیردار صاحب نے تنبیہ کی تو تم نے اس کو قتل کر دیا' اس لئے میں تم کو بیس سال قید کی سزا دیتا ہوں۔ اپیل پر بھی یہ سزا بحال رہی جو عدالت کے خرچ پر ہوئی تھی۔ آخر غزہ بیگم بھوپال کے قید خانے میں بند ہو گئی۔

جیل خانہ کا داروغہ بہت بدچلن آدمی تھا۔ اس نے غزہ بیگم کو خوش رو دیکھا تو بدنیتی کا اظہار کرنے لگا۔ غزہ بیگم نے کہا "تجھ کو معلوم ہے کہ میں نے جاگیردار کو جان سے مار ڈالا' کیونکہ اس کی نظر خراب تھی۔ میں شہنشاہ ہندوستان کی پوتی ہوں۔ یاد رکھ اگر تو نے بھی برا ارادہ کیا تو تجھ کو بھی جاگیردار کے پاس پہنچا دوں گی۔" داروغہ نے غزہ بیگم کو ایک من گیہوں پیسنے کے لئے دیئے اور بر قنداز عورت کو حکم دیا کہ "جب یہ عورت چکی پیسنے سے ہاتھ روکے اس کے کوڑے مارنے شروع کر دے۔"

چنانچہ جب غزہ بیگم نے چکی چلانی شروع کی تو تھوڑی دیر میں وہ تھک گئیں اور ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ بازو شل ہو گئے۔ سانس پھول گیا تو انہوں نے ہاتھ روکا۔ ہاتھ کا رکنا تھا کہ ظالم بر قنداز عورت نے غزہ بیگم کے کوڑے مارنے شروع کئے۔ غزہ بیگم بے تاب ہو کر لوٹنے لگیں اور ان کے منہ سے بے اختیار فقرے نکلے

"ظالم مجھے نہ مار۔ میں ہندوستان کے شہنشاہ کی پوتی ہوں' مصیبت زدہ ہوں رحم کر"

مگر وہ سنگ دل عورت برابر کوڑے مارتی رہی۔ غزہ بیگم کا سانس رکنے لگا اور وہ بے ہوش ہو گئیں۔ عورت نے ہاتھ روک لیا اور داروغہ کے پاس خبر دینے گئی۔ داروغہ فوراً کوٹھڑی میں آیا۔ تھوڑی دیر میں غزہ بیگم کو ہوش آیا تو انہوں نے داروغہ کو دیکھ کر اپنا منہ پھیر لیا اور کہا "پرے ہٹ بے غیرت' قیدی عورت بھی پردہ کا حق رکھتی ہے۔ تجھ کو کس نے اجازت دی جو تو یہاں پر آ گیا۔"

داروغہ نے یہ سن کر بر قنداز عورت سے کوڑا لے کر غزہ بیگم کو پھر مارنا شروع کیا۔ غزہ بیگم اس مار کی تاب نہ لا سکیں اور انہوں نے چیخنا شروع کیا اور کہا:

"ارے کوئی مرزا شہ بال کو خبر دے کہ ان کی ناموس کے ساتھ یہ سفاکی ہو رہی ہے۔ یا اللہ میری مدد کر' میرا کوئی حامی تیری ذات کے سوا دنیا کے پردہ پر نہیں ہے۔ میں امیر تیمور کی نسل میں ہوں۔ میں اکبر کی اولاد ہوں۔ میں اورنگ زیب کی اولاد ہوں۔ مجھے بچا۔ اس ظالم کے ظلم سے پناہ دے۔"

داروغہ نے کوٹھڑی بند کر دی اور باہر سے تالا لگا کر چلا گیا اور تین دن تک غزہ بیگم کے کھانے پینے کی خبر نہ لی اور پہرہ

لگا دیا کہ کوئی شخص اس کوٹھڑی کے پاس نہ جانے پائے۔ غمزہ بیگم رات دن چیختی تھی اور پانی مانگتی تھی' مگر کوئی نہ سنتا تھا۔ تیسرے دن کوٹھڑی کھولی گئی۔ غمزہ ناتواں اور بے حس وحرکت پڑی تھی اور غشی کا عالم طاری تھا۔ داروغہ نے کہا'' کیوں اب بھی وہی بادشاہی غصہ ہے یا اب بل نکل گئے۔'' غمزہ نے نہایت ناتواں آواز میں پانی مانگا۔'' تھوڑا پانی۔'' داروغہ نے پاؤں کی ٹھوکر مار کر کہا'' تجھ کو پانی جب ملے گا کہ تو گستاخی کو چھوڑ کر میرا حکم مانے گی۔'' غمزہ نے اپنا ہاتھ اٹھا کر ماتھے پر مارا اور کہا'' ہائے قسمت'' اور پھر چپ ہوگئی۔ کچھ دیر کے بعد پھر کہا'' پانی۔ میں مری جارہی ہوں۔ تھوڑا سا پانی دے دو۔'' داروغہ نے کہا۔

'' پانی بھی ہے' کھانا بھی ہے آرام کی جگہ بھی ہے۔ اری دیوانی تجھ کو بیس سال یہاں رہنا ہے۔ عزت وآبرو کے خیال کو چھوڑ اور میرا کہنا مان۔''

غمزہ نے نہایت نفرت کے ساتھ داروغہ کو دیکھا اور کمزور آواز میں کہا'' ہرگز نہیں' مرجاؤں گی مگر باپ دادا کی عزت پر حرف نہ آنے دوں گی۔'' یہ سن کر داروغہ نے پھر ٹھوکر ماری جو غمزہ کے سینہ پر لگی جس سے اس کے ناتواں قلب پر چوٹ لگی اور وہ آہ کہہ کر مرگئی۔ داروغہ نے یہ کیفیت دیکھی تو بہت ڈرا' مگر اس نے اسی وقت جیل کے آدمیوں کو بلا کر گور غریباں میں غمزہ کو دفن کرادیا اور لکھ دیا کہ قیدی عورت تین دن سے پسلی کے درد میں مبتلا تھی۔ اس مرض میں وفات پا گئی۔ یہ ہوا انجام اس شہزادی کا جس کی زندگی کا آغاز شاہانہ عیش وعشرت سے ہوا۔ اس وقت اس کو خیال نہ آسکتا تھا کہ وہ جیل خانے میں ایک ظالم کی ٹھوکر کھا کر جان دے گی اور پھر کوئی اس کی موت کا سبب معلوم کرنے والا بھی نہ ہوگا۔

☆ ☆ ☆

خواجہ حسن ثانی نظامی

مرزا سہراب شاہ مجی

مجی مرحوم آخری مغل تاجدار حضرت بہادر شاہ ظفر کی یادگار تھے، مگر کسے یقین آئے گا کہ ان کی عمر ہنڈیا ڈوئی کرتے گذری۔ لال قلعے کا ہوتے ہوئے وہ مالک دلی شہر میں بادشاہی بن کر رہا۔ ان کے باپ مرزا ولایت شاہ حضرت ظفر کے ولی عہد کے پوتے تھے۔ ولی عہد باپ کے سامنے اللہ کو پیارے ہوئے۔ اس لیے ان کی اولاد اس نام چارے کے راج پاٹ کی امیدوار بھی نہ بن سکی جو عظیم مغلوں کا مقدر رہ گیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں مغل سلطنت کا ٹمٹماتا چراغ بجھ تو اس خاندان کے لیے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ یہ لوگ غدر کے بعد بستی حضرت نظام الدین میں اُٹھ آئے تھے اور افلاس کی زندگی گزارتے تھے۔ آمدنی کے ذرائع محدود اور مرزا ولایت شاہ کو افیون کی لت۔ بزرگوں کا اثاثہ کب کا خاصے لگ چکا تھا۔ بس اللہ ہی تھا جو دن کٹ رہے تھے۔ اس حال میں ان کو "صاحب عالم" وہ لوگ بھی نہ کہتے تھے جو ان کے نسب سے واقف تھے۔ چنانچہ وہ جیتے جی "مرزا جی" ہی پکارے گئے اور ان کے لڑکے مرزا سہراب شاہ تو مرزا جی بھی نہ رہے، بگڑ کر مجی بن گئے۔ کبھی کبھار کوئی وضعداری کا مارا انھیں مرزا جی کہہ کر مخاطب کرتا تو مجی کھل اٹھتے۔ میانہ قد، دوہرا بدن، کالا بھٹ رنگ، موٹی ناک، لال لال آنکھیں، پھیلا ہوا دہانہ، جھکی ہوئی مغلئی موچھوں کے سوا وہ اپنے چہرے مہرے سے مغل بالکل نہ لگتے تھے مگر ان کے حسب نسب پر شبہ کبھی نہیں کیا گیا۔ کیا بھی کیسے جاتا۔ دنیا جانتی تھی کہ محلسرا میں خیر ۔۔ وہ قاف کی پریاں بھی تھیں اور افریقہ کی حبشنیں بھی۔ پھر کیا عجب تھا کہ اوپر کی کسی پشت میں مجی کا ننھیالی رشتہ حبش سے رہا ہو اور اس نے رنگ اب دکھایا ہو۔

مجی کو اپنے بزرگوں سے اور کوئی ورثہ ملا ہو یا نہ ملا ہو، تمدن کی اچھی چیزوں کی قدر کرنا اور ان سے لطف اُٹھانا انھیں خوب آتا تھا۔ شعر و سخن سے بھی [illegible] تھی۔ افسوس ان کا کوئی شعر محفوظ نہیں رہ سکا۔ پڑھے لکھے نام کو نہ تھے۔ مگر شعر پڑھنے اور اس سے زیادہ شعر سننے اور داد دینے کا شوق تھا۔ لوگ ان

کی غزلوں کو لے پالک بتایا کرتے تھے۔ لیکن مجی نے کبھی اس پر ملال کا اظہار نہیں کیا۔ ناچ گانے کے بھی بڑے رسیا تھے۔ ناممکن تھا کہ پاس پڑوس میں کہیں مجرا ہو یا سانگ ہو اور مجی صاف ستھرا کرتا پاجامہ واسکٹ پہنے اور دتی والوں کی گول ٹوپی اوڑھے وہاں موجود نہ ہوں۔ سینما آیا تو اس کی خاطر وہ دس دس میل پیدل سفر کرنے لگے کہ اُس زمانے میں رات کے وقت بستی حضرت نظام الدین اور دہلی شہر کے درمیان کوئی عام سواری نہ ملتی تھی۔

مجی نے مزاج لڑکپن سے عاشقانہ پایا تھا۔ ابھی ان کی پہاڑدا[1] کھیلنے کی عمر تھی۔ اور مسیں بھی پوری طرح نہ بھیگی تھیں کہ انھوں نے فقیر خاندان کی ایک نوجوان بیوہ سے پینگیں بڑھانی شروع کیں۔ دور وہ تھا کہ بستی اور محلے کے بڑے متفقہ اور مشترکہ طور پر سب کے بڑے سمجھے جاتے تھے۔ ان کے دل میں سب کا درد ہوتا تھا۔ اور سب کی وہ خیر خبر رکھتے تھے۔ چنانچہ مجی کا کورٹ شپ بھی زیادہ دن تک ان کی عقابی نظروں سے اوجھل نہ رہ سکا۔ اور بستی کے چند بزرگوں نے کسی سہانے وقت انھیں محبوبہ سمیت پکڑ بلوایا۔ زنانے مکان میں محبوبہ پر کیا بیتی، یہ تو کم لوگوں کو معلوم ہوا۔ البتہ مردانے میں مجی کے مرغا بننے کا تماشا بہت سے لوگوں نے دیکھا۔ مجی کی قسمت اچھی تھی کہ اُدھر سے حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کا گزر ہو گیا۔ انھوں نے ۱۸۵۷ء پہ کتابیں ہی نہیں لکھی تھیں۔ مصیبت زدہ شاہی خاندان کی امداد میں بھی پیش پیش رہے تھے۔ خواجہ صاحب نے پہچان لیا کہ جس لڑکے کو مرغا بنایا گیا ہے، وہ مرزا ولایت شاہ کا بیٹا اور حضرت بہادر شاہ ظفر کا پوتا ہے۔ انھوں نے مجی کے مقدمے میں فوری مداخلت کی اور زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ مجی اپنی محبوبہ سکینہ کو نکاحاً بیوی بنائے حیران پریشان کھڑے تھے کہ اس نیک بخت کو کہاں لیجا کر رکھوں اور کس گھر سے کھلاؤں۔ یہ افتاد اور مشکل بھی خواجہ صاحب ہی نے آسان کی اور اپنے گھر کی ایک کوٹھری کو دل پھینک شہزادے کا حجلۂ عروسی بنوا دیا۔ دونوں وقت کھانا بھی دولہا دلہن کے لیے جانے لگا۔ رفتہ رفتہ مجی نے گھر کا

---

[1] پہاڑدا ایک دیہاتی کھیل تھا اور بجلی آنے سے پہلے صرف اندھیری راتوں میں کھیلا جاتا تھا۔ دو دو لڑکے اندھیرے میں الگ الگ آبادی سے دور نکل جاتے اور ایک پارٹی دوسرے کو ڈھونڈتی۔ اور ہر پارٹی کے لیے یہ ضروری ہوتا کہ کیلی کے اتے پتے کی طرح تھوڑے تھوڑے وقفے اور فاصلے سے باآواز بلند پہاڑدا کی آواز لگائے۔ اور دوسرے پارٹی اس آواز پر اس کو پکڑنے کے لیے اندھیرے ہی میں دوڑے۔ سنسان زمانے کی سنسان راتوں کا یہ کھیل جو ذرا جی داری چاہتا تھا۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے لڑکے ہی کھیلا کرتے تھے۔

سودا سلف لانے کا کام سنبھال لیا جس کا معاوضہ ان کو اپنے حق سے زیادہ ملتا تھا۔ مگر یہ بجی کی سعادت مندی تھی کہ انھوں نے بیوی سے روٹی سالن پکانا سیکھ لیا ور معمولی گھریلو ملازم سے ایک درجہ ترقی کر کے باورچی اور خانساماں بن گئے۔ اس سے زیادہ کی ان کو ہوس بھی نہ تھی۔ چنانچہ باقی زندگی کھانا پکاتے، میز سجاتے گزار دی۔

حضرت خواجہ صاحب نے بجی کو آگے بڑھانے کی بہت کوشش کی، مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ترقی کا حصہ ان کے نامور اجداد اپنی اولاد کی تقدیر کا بھی پیشگی وصول کر چکے تھے۔ اور اب بجی کی قسمت میں کچھ بھی نہ تھا جسے وہ حاصل کرتے۔ خواجہ صاحب انھیں حیدر آباد لے گئے۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد نے خواجہ صاحب کی دعوت کی اور حیدر آباد کے سارے اکابر اور امراء کو جمع کیا تو خواجہ صاحب نے بجی کو میز پر اپنے برابر بٹھایا۔ حیدر آباد کے نوابی ماحول میں یہ منظر قیامت سے کم نہ تھا۔ مہاراجہ ضبط نہ کر سکے اور پوچھ ہی بیٹھے کہ آپ کے برابر جو شخص بیٹھا ہے۔ کیا آپ کا ملازم ہے؟ خواجہ صاحب نے مختصر سا جواب دیا کہ جی ہاں میرا باورچی ہے۔ تھوڑی دیر بعد انھوں نے پھر کہا کہ اس کو پاس بٹھانے میں کوئی مصلحت ہوگی۔ خواجہ صاحب اس دفعہ بھی ایک فقرے کا جواب دے کر چپکے ہو گئے کہ "جی ہاں مصلحت ہے"! تیسری دفعہ جب مہاراجہ نے اس مصلحت کی تفصیل پوچھی تو خواجہ صاحب کھڑے ہو گئے اور میز پر بیٹھنے والے امراء و روسا کو مہاراج سے اپنی گفتگو کا حال سنایا اور کہا کہ اپنے باورچی کو پاس بٹھانے کی مصلحت سے میں صرف اپنے میزبان ہی کو نہیں آپ سب کو بھی آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ وہ شخص ہے کہ اگر اس کا اچھا وقت ہوتا تو یہ لال قلعہ دہلی کے تخت کو زینت بخشتا اور مہاراجہ بہادر تو خیر ایک وزیر ہیں۔ ان کے ولی نعمت اعلا حضرت نظام دکن دہلی جاتے تو اس کے ایک صوبیدار کی حیثیت ہی سے جاتے اور اس کی مرضی ہوتی کہ انھیں شرف باریابی بخشے یا نہ بخشے، لیکن آج زمانے کے انقلاب نے اسے ایک معمولی باورچی بنا دیا ہے۔ اور سب کی پیشانیوں پر بل ہیں کہ ایک معمولی نوکر فلاں جنگ اور فلاں دولہ کے پاس کیوں بٹھا دیا گیا۔

حیدر آباد کے نوابوں کو تو اس واقعے سے یقیناً عبرت ہوئی ہوگی۔ مگر بجی ہر عبرت اور آج و رکل کے ہر قصے سے بے نیاز تھے۔ انھیں بالکل یاد نہیں آتا تھا کہ وہ کیا تھے اور کیا ہو گئے۔ ایک دوسرا واقعہ ہے کہ مشہور انگریز مصنف ایسٹ براؤن دہلی آیا تو خواجہ حسن نظامی صاحب سے بھی ملا۔ اور ان سے ۱۸۵۷ء کی کوئی ایسی کہانی سننے کی فرمائش کی جو چھپی نہ ہو اور جس کو وہ انگریزی میں لکھ سکے۔ خواجہ صاحب نے اس انگریز مصنف سے کہا کہ آپ کہانی صرف سننا چاہتے ہیں گے یا اس کو دیکھنا بھی پسند کریں گے؟" وہ سراپا اشتیاق

بن کر بولا کہ کیا آپ کہانی دکھا بھی سکتے ہیں؟ اگر ایسا ہوا تو میں اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھوں گا۔ خواجہ صاحب نے فوراً ''مجی! مجی!'' کہہ کر آواز دی اور ایک آدمی آٹا گوندھتے گوندھتے سامنے آ کھڑا ہوا۔ خواجہ صاحب نے مجی سے کہا کہ صاحب کو سلام کرو اور صاحب سے تعارف کرایا۔ یہ میرا باورچی ہے!

صاحب نے حیرت سے پوچھا کہ آپ نے تو کہانی دکھانے کو کہا تھا۔ آپ مجھے اپنے باورچی سے کیوں ملاتے ہیں؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا ذرا صبر کیجیے۔ ابھی سمجھ میں آ جائے گا۔ در اصل یہ باورچی ہی کہانی ہے۔ یہ بہادر شاہ ظفر کا پوتا ہے۔ میں اس کو اس کے دادا کی قبر پر رنگون لے گیا۔ میں وہاں کھڑا روتا رہا، مگر اس نے نہ فاتحہ پڑھی نہ اس کی آنکھوں میں میں نے نمی دیکھی۔ جب مجھے وہاں روتے روتے بہت دیر ہوگئی تو یہ میرے قریب آیا اور راز داری سے کہنے لگا۔ میاں! میں نے سنیما کا ٹکٹ لے لیا تھا۔ شو کا وقت جا رہا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں واپس چلا جاؤں! تو جناب مجھے یہی کہانی آپ کو دکھانی تھی کہ جو کام آپ کی توپیں اور بندوقیں اور سنگینیں نہ کر سکیں، وہ آپ کے سنیما نے کر دکھایا۔ اس شخص کو اپنی عظمت رفتہ کا احساس ہونا چاہیے تھا۔ اس کی واپسی کے لیے اسے جد و جہد کرنی چاہیے تھی، مگر اسے کچھ یاد نہیں رہا ہے۔ اس نے خود کو آپ کے سنیما میں گم کر دیا ہے۔

انگریز مصنف کا تاثر جو کچھ بھی رہا ہو، لیکن حیرت اس پر ہوتی تھی۔ بار بار جتائے جانے کے باوجود مجی کو یاد نہ آتا تھا کہ وہ کیا ہیں؟ ان کا چھوٹا لڑکا مرزا حیدر شاہ میرا ہم عمر تھا۔ ہم ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ بچے اپنے اطراف ہونے والے واقعات کی نقل بھی کھیل کھیل میں کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارا ایک دل چسپ مشغلہ یہ تھا کہ اپنے گھر میں ہونے والی دعوتوں پارٹیوں کی نقل کیا کرتے۔ دفتر قائم کرتے، جھوٹ موٹ اخبار نکالتے، کتابیں چھاپتے۔ ممکن ہے خواجہ صاحب نے اپنے کسی اخبار نویس دوست کی مشکل آسان کرانے کے لیے اسی زمانے میں دہلی کے انگریز ڈپٹی کمشنر کی دعوت کی ہو۔ ہم لوگ اس کی نقل کر رہے تھے۔ کوئی بچہ خواجہ حسن نظامی بنا تھا۔ کوئی عزیز حسن بقائی، علی ہذا القیاس۔ مجی کے لڑکے مرزا حیدر شاہ کے حصے میں ڈپٹی کمشنر بننا آیا تھا۔ اور وہ میز کے صدر مقام پر بڑی تمکنت سے بیٹھے تھے۔ پارٹی زور شور سے جاری تھی کہ مجی خدا معلوم کہاں سے آ ٹپکے۔ کچھ کہے سنے بغیر انھوں نے اپنے لڑکے حیدر کا کان پکڑا اور اتنے زور سے اُسے اوپر اٹھایا کہ وہ بے چارہ ایک آنکھ بند کیے، دوسری میں اپنے سارے کرب کو سمیٹے اسپرنگ کی طرح کرسی سے اٹھتا چلا گیا۔ سب بچے کورس میں چیخے۔ مجی مجی کیا کرتے ہو۔ ان کا کان نہ پکڑو۔ یہ تو ڈپٹی کمشنر ہیں۔ مگر مجی نے ایک نہ سنی اور اُس بے چارے کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے

گئے۔ بچوں نے خواجہ صاحب سے فریاد کی۔ مجی کی طلبی ہوئی، مگر انھوں نے بہت کھسیا کر کسی قدر گلو گیر ہو کر اپنی صفائی میں بس یہ کہا کہ میاں! مجھے اچھا نہیں لگا کہ نوکر کا بچہ آقا زادوں کا صدر بن کر بیٹھے۔

مجی اپنی نوکری میں بڑے مگن رہتے تھے۔ ان کی ساری صلاحیتیں ایک اچھا نوکر بننے میں صرف ہو گئیں۔ کھانے پینے کے ذوق اور عادتوں کے سلسلے میں انھوں نے گھر کے ہر فرد اور روز مرّہ کے مہمانوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ مثلاً انھیں معلوم تھا کہ کون کتنا پانی پیتا ہے۔ اس مناسبت سے وہ پانی کا کٹورہ یا گلاس سامنے رکھتے۔ مگر اس سلسلے میں کبھی کبھی ان کی ظرافت کا اظہار بھی ہوتا۔ ایک دفعہ علامہ اقبال یا اور کوئی معزز پنجابی مہمان دسترخوان پر تھے اور ان کے برابر ایک دھان پان لکھنوی تشریف فرما تھے۔ مجی نے گھر کا سب سے بڑا تانبے کا کٹورہ پانی سے لبالب بھر کر لکھنوی مہمان کے سامنے رکھا اور ایک چھوٹا سا نازک بلوری گلاس بقدر بادہ پنجابی مہمان کو پیش کیا۔ دونوں مہمانوں نے اس مذاق سے لطف لیا اور مجی کو داد دی۔ مگر مجی اس طرح کا مذاق ہر ایک سے نہیں کرتے تھے۔ حفظ مراتب اور رکھ رکھاؤ ان کے مزاج کا حصہ بن گئے تھے۔ مذاق بھی اسی سے کرتے جس کو بے تکلف جانتے۔ خواجہ صاحب کے ایک ایسے ہی دوست ولی محمد مومن سابق چیف منسٹر ریاست جونا گڈھ تھے۔ مجی کو معلوم تھا کہ وہ شیعہ ہیں۔ ان کو مجی نے اس طرح چھیڑا کہ میزبان اور مہمان دونوں کی پلیٹوں میں روٹی کو چار چار ٹکڑے کر کے رکھا۔ مومن صاحب بڑے حرے کے آدمی تھے۔ فوراً سمجھ گئے اور خواجہ صاحب کی پلیٹ میں سے روٹی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھا اور مجی کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھ کر بولے مرزا جی میرے تو پانچ پورے ہیں۔ اب آپ اپنے تین ادھوروں کو لیے بیٹھے رہیے۔

لال قلعے میں بیکاری کے مشغلے طرح طرح کے تھے۔ انھی میں ایسے مقررہ فقروں کی ایجاد بھی ایک مشغلہ تھا جو خاص خاص موقعوں پر بولے جاتے تھے۔ بعض دفعہ فقرے بامعنی اور بلیغ ہوا کرتے تھے اور بعض دفعہ مہمل۔ لال قلعے کی جھلکیاں دکھانے والوں نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ مجی کی زبان پر بھی اس طرح کے فقرے اکثر آتے۔ خدا معلوم یہ انھوں نے اپنے بزرگوں سے سن رکھے تھے۔ یا خود ایجاد کیے تھے۔ مثلاً ان سے پانی مانگا جاتا تو جواب میں جی اچھا، بہت اچھا، یا ابھی لاتا ہوں کہنے کے بجائے کہا کرتے ''آنکھوں میں۔'' اب اللہ جانے اس کا مطلب نین کٹورے ہوتا تھا، یا یہ بسر و چشم کا ایجاد بندہ قسم کا ترجمہ تھا۔ میری سمجھ اس وقت ایسی نہیں تھی کہ جرح کر کے اس کا اور بعض دوسرے فقروں کا مطلب ان سے پوچھتا۔

مجی کو بے شمار کہانیاں یاد تھیں۔ شام ہوتے ہی گھر کے اور پڑوس کے بچے ان کے پاس باورچی خانے میں جمع ہو جاتے اور مجی کی داستان گوئی کا آغاز ہوتا۔ بیڑی کے کش پر کش لیتے جاتے اور اگلے وقتوں کے بادشاہ زادوں اور بادشاہ زادیوں کی کہانیاں سناتے رہتے۔ ایک ایک کہانی کئی کئی نشستوں میں پوری ہوتی۔ جزئیات بڑی تفصیل سے بیان کی جاتیں۔ کھانے، زیور اور لباس تو فہرست بنانے کے لائق ہوتے، مگر عجیب بات یہ تھی کہ انھوں نے مغل دربار، غدر اور لال قلعے کا اپنی کہانیوں میں بھی تذکرہ نہیں کیا۔ نہ کبھی ہم نے ان سے بہادر شاہ ظفر کا نام سنا حالانکہ یہ داستان بھی ان تک بزرگوں سے ضرور پہنچی ہوگی۔ شاید اس ذکر سے انھیں تکلیف ہوتی ہو اور وہ اُس آشیانے کا ذکر پسند نہ کرتے ہوں، جس پر ابھی کل ہی بجلی گری تھی۔ ساری خود فراموشیوں کے باوجود یہ احساس عجیب احساس تھا اور اس سے عجیب تر احساس یہ تھا کہ آزادی کی جدوجہد اپنے عروج کو پہنچی اور اس کے فوراً بعد پاکستان کی تحریک شروع ہوئی تو مجی گویا اپنے Hibernation اور ایک طویل نیند سے یکا یک جاگ اٹھے۔ ہمارے ہاں اہم لوگوں کا میلہ لگا رہتا تھا۔ مجی ان سب سے اس موضوع پر گفتگو کرتے۔ انھیں اس وقت کے سیاسی رجحانات سے سخت تشویش تھی۔ اس کا اظہار وہ اکثر کرتے۔ شاید ان کی چھٹی حس ان کو بتا رہی ہو کہ پاکستان بن گیا تو انھیں بھی وہاں جانا پڑے گا۔ دلّی پیاری کو چھوڑنا ہوگا۔ دلّی کے میلے ٹھیلے ان کو ایسے عزیز تھے کہ ان کی خاطر وہ کئی دفعہ نوکری تک چھوڑنے کو تیار ہو گئے۔ مہاراجہ کشن پرشاد والی دعوت نے انھیں حیدر آباد کے ایک وظیفہ سے نواز دیا تھا۔ جو انھیں ریاست کے زمانے تک ملتا رہا۔ ۱۹۴۸ء میں اپنی بیوی کے مجبور کرنے سے وہ پاکستان چلے گئے۔ وہاں ان کے دونوں لڑکوں مرزا اسکندر شاہ اور مرزا حیدر شاہ کو غالباً چپراسی کی نوکریاں مل گئی تھیں۔ لیکن اپنے بچوں کی کمائی سے وہ اپنے آپ کو خوش اور مطمئن نہ رکھ سکے۔ ۱۹۵۹ء میں کراچی کے سفر کے وقت میں ان سے ملا تو خوب روئے۔ کہتے تھے، مجھے دہلی لے چلو۔ میں دلّی جا کر مرنا چاہتا ہوں۔ بچوں کے پاس مجھے ہر طرح کا آرام ہے مگر چین اور راحت مجھے ایک لمحے کو بھی میسر نہیں آئے ہیں۔ دلّی کی جدائی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔

مجی کو میں اپنے ساتھ دلّی لے آتا۔ لیکن پاسپورٹ کی پابندی رکاوٹ بن گئی۔ ان کی مٹی کراچی ہی کی تھی۔ اپنے پرداداحضرت بہادر شاہ ظفر کی طرح مجی کو بھی کوئے یار میں دو گز زمین نہ مل سکی۔ ۱۹۶۱ء میں ان کی موت کی اطلاع پہنچی بھی تو تین مہینے بعد دلّی پہنچی اور کوشش کے باوجود تاریخ انتقال معلوم نہ ہو سکی۔

سدا رہے نام اللہ کا

حضرت سراج الدین بہادر شاہ ظفر آخری مغل تاجدار رحلت سے ذرا پہلے